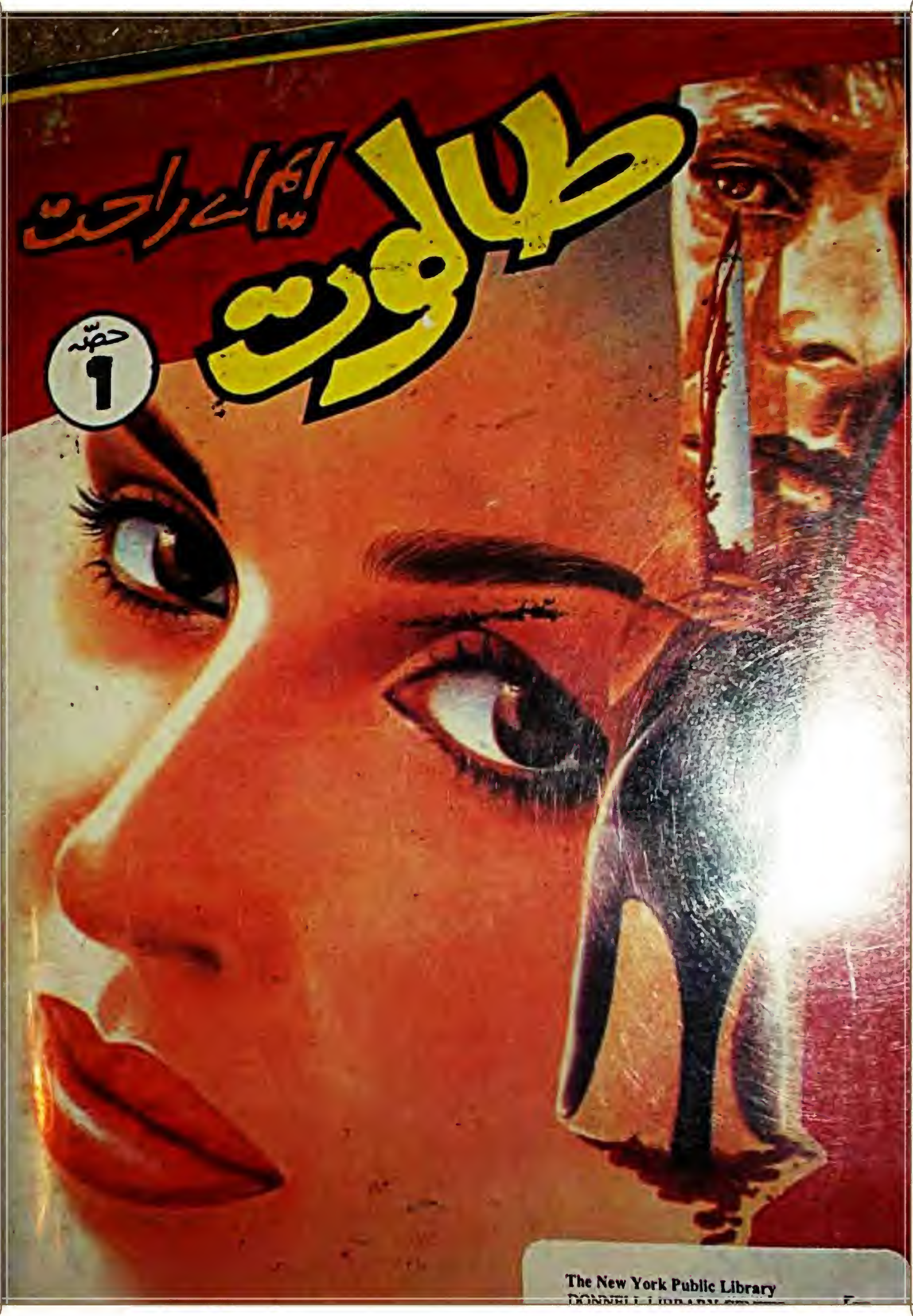

The New York Public Library

*Talut Part I*
By.. M.A Rahat
Price P.B   Rs.40/=
Price H.B.   Rs 60/=
Edition   : 2000
*KITAB WALA*
2794, Gali Jhot Wali,
Pahari Bhojla, Delhi-110006
Ph.: (O)328 1499, (R)2293249

www.urdukorner.com

نام ناول : طالوت (حصہ اوّل)
مصنف : ایم۔ اے۔ راحت
سن اشاعت : ۲۰۰۰ء
قیمت رف : =/۴۰ روپے
قیمت مجلد : =/۶۰ روپے
مطبوعہ : فائن آفسیٹ پریس شاہدرہ، دہلی۔32
ناشر : کتاب والا 2794، گلی جھوت والی،
پہاڑی بھوجلہ، دہلی۔110006

## دیوار

پر لگے ہوئے کلاک نے ٹن ٹن کر کے گیارہ بجنے کا اعلان کیا۔ میں نے اس کی سوئیاں ساڑھے نو کے ہندسے پر دیکھی تھیں تبھی سے نیند کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور میں نے کھا جانے والی نگاہوں سے کلاک کی طرف دیکھا۔ اس کمبخت کو بھی اسی وقت مذاق سوجھا تھا۔ میں ٹھیک آٹھ بجے میں اپنے فلیٹ میں داخل ہوا تھا اور ساڑھے نو بجے اللہ رکھا ریسٹورنٹ کا بیرہ میرے لئے کھانا لے کر آیا تھا۔ ٹھیک گیارہ بجے میں نے اپنے ایک بیٹھک ریڈیو سے رات کی خبریں سنی تھیں۔ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے میں بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور ایک گھنٹے کی مسلسل کوشش کے بعد بھی نیند نہ آنے پر اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ پھر نہ جانے کتنی دیر تک میں نے نیند کو ایک نفرت بھری نظر سے دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن نیند کا آخری کا نقشہ بھی پھٹنے کے بادل نہ دیکھ سکا تھا۔ تب نے نیند کا ارادہ ملتوی کر کے کچھ اور سوچنے لگا تھا۔

اور اس وقت سے اب تک مسلسل سوچ رہا تھا۔ اپنی ایش ٹرے کے پیکٹ میں آخری سگریٹ رہ گئی تھی میں نے سوچا تیار میں پڑی بیس سگریٹوں میں ڈال تھیں اور اتنی سگریٹ پینے میں کم از کم دو گھنٹے ضرور لگے ہوں گے۔ لیکن کمبخت کلاک اب بتا رہا تھا اور اس کی سوئیاں ساڑھے نو کے ہندسے پر پہنچیں!

لیکن یہ کلاک ہی کیا تھا۔ وہ اپنی ارکی فیملی منزل میں تھا یہ گیا کم تھا کہ اس بڑھاپے میں بھی وہ سب توفیق اپنا فرض ادا کر دیتا تھا اس کی کیفیت ایک فرض شناس کی لیکن افیونی پہرہ دار کی سی تھی جو ذرا سی دیر بعد

بیٹھے بیٹھے اونگھ جاتا۔ یہ کلاک ورثے میں ملا تھا۔ نہ جانے کہاں سے آیا تھا۔ تمام تر تفصیل اسی کی ذات۔ میں نے کبھی اس کا ملنا ضروری نہیں سمجھا۔ کبھی کبھی یہ خوبصورت اور چمکدار تھا۔ گھنٹے کے دونوں شیشے پر خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے تھے لیکن اب سب سے نیچے کا شیشہ غائب تھا۔ گرد و غبار کے پیلے پیلے ذرے کے چمکدار گھنٹے کا رنگ بدل گیا تھا۔ اندرونی حصوں میں کئی جگہ ابھار آ گیا تھا اور کئی حصے بہت نازک تھے اس لئے ان کو وہاں سے کیسے نکالا جا سکتا تھا۔ البتہ جب بھی اس کا گھنٹہ بجتا تو چھوٹے چھوٹے بچے ننھے بچے فرفر با ہر نکل آتے اور پھر واپس لرز کر واپس لوٹ جاتے۔ مجھے بچپن میں یہ بہت عجیب لگتے تھے۔ سمجھا بجھا کر ہم پڑوسی بچے تھے اور بہار رفتے کی تقریب کر گئے۔ سیاہ اور چمکدار دنیاں ڈھیلی ہو کر جیسے حال ہو گئی تھیں وہ اس تحریر گھنٹے کا سلسلہ تھا باقی تھیں اور جب وہ دل کے بلا سے بجا ہو گا تو سوئیاں بلند کرتے ہیں اپنی جگہ سے چوری ہو جاتے تھے۔ چنانچہ کلاک کو بے تصور قرار دے کر میں پھر سے خود غرضی میں مصروف ہو گیا۔

کیا کرنا چاہیئے۔ یہ سوال تھا بلکہ اس نے مجھے شکست دی تھی۔ اس نے بلا شبہ مجھے ہر بار ایک شکست خوردہ دیا تھا۔ اس نے چہرہ اجیلا تھی۔ اگر اس کی دونوں آنکھیں بیک وقت مختلف سمتوں میں نہ دیکھتی تو کیا اور تھوڑی سی پینے ہوئے کا نشانہ ہوتا تو وہ زیست کی خوبصورت تھی۔ اس کا قد ذرا کہیں چھوٹا تھا

[illegible]

[illegible] بہت [illegible]
[illegible] ہو گئی تھی۔

[illegible] جن میں [illegible] اور
[illegible] کی شان بڑھانے کے لیے [illegible]
[illegible]
[illegible] چھوٹی سی مل سکتی تھی
[illegible]

[illegible] خادم کو پہلے ہاں
بلایا تھا:

میری آنکھیں کھل گئیں — ویسے ایک بات [illegible]

[illegible] خوبصورت [illegible]
تنہا ہونے کی وجہ سے [illegible]
بات ہے کہ [illegible]
ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ بہرحال اس فیصلے نے مجھے [illegible]
[illegible]
[illegible] مذہب چھوڑ کر مسلمان

[illegible]



[illegible]

[illegible]

[illegible]

کوئی بات نہ تھی۔

[illegible]

[illegible] ختم کر گیا [illegible]
تو تھی۔ [illegible] نے زینت نذیر کو [illegible]
اختر بیگ نے ہی بنا تعارف نذیر کیا۔!

یہ شہری لمس کا ایک تجربہ تھا۔ میری خوشیاں تیز ہو گئیں!
اس نے ایک [illegible]۔ تمام [illegible] ہم
ان کی [illegible] کا اندازہ بخوبی لگا سکتے تھے۔ لیکن [illegible]
گیا تھا۔ نذیر اس [illegible] سے بہت متاثر نظر آ رہی تھی اور اس کے دل میں
[illegible] خوشی [illegible] رہی تھی۔ اس سے کہیں زیادہ [illegible]
[illegible] لیکن ہم دونوں ہی [illegible]
[illegible] ختم کر کے ہم گئے!

[illegible] کے جاتے ہی ہم دونوں شہر کی طرف چلے۔ [illegible]
[illegible] اس کی آنکھیں [illegible] گئیں۔ [illegible]
[illegible] زیورات کا ایک خوبصورت سیٹ جگمگا رہا تھا۔ نذیر [illegible]
سیٹ کو دیکھ کر [illegible] ہو گیا۔ [illegible] اتنا قیمتی تحفہ
تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا!

"میرا خیال ہے [illegible]" میں نے کہا۔

"سونا معلوم ہوتا ہے۔" نذیر نے کہا۔ پھر اس کی [illegible]
بھی تصدیق کر دی کہ زیورات خالص سونے کے ہیں۔!

"مگر یہ کم از کم دو ہزار کے ہوں گے" نذیر نے کہا۔

"اونہہ۔ سونا بہت سستا ہے آجکل۔ زیادہ سے زیادہ پانچ
چھ سو کے ہوں گے! [illegible]" میں نے کہا۔

"تمہارا ان چیزوں کا کیا تجربہ [illegible]" نذیر نے ہنس کر کہا اور
پھر اسی وقت اس نے آئینے کے سامنے جا کر زیورات پہنے [illegible]
زیورات کو زیب تن کرنے کے بعد وہ حقیقت بہت خوبصورت نظر آنے لگی تھی

"اختر بیگ اس قدر مخلص نکلے گا مجھے خیال بھی نہ تھا۔"

نذیر نے کہا

"مجھے اجازت دو نذیر" میں نے کہا۔

"اچھا۔ خدا حافظ۔" وہ [illegible] خیالوں میں اپنے [illegible]
[illegible] بھی نہیں تھا
وہ اتنی بے نیازی سے مجھے جانے کی اجازت دے دے گی۔ [illegible]
[illegible]
[illegible] اختر بیگ [illegible]
[illegible]



متوجہ ہوئے۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] نذیر [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] لیکن آج جب [illegible]
پہنچا تو نذیر [illegible] اس کے گھر جانے کے
بجائے اپنے گھر واپس آگیا۔!

[illegible] میں نے نذیر کے لئے کیا کچھ نہیں کیا
تھا۔ لیکن اس نے ذرا سی دیر میں آنکھیں پھیر لی تھیں۔ میں نے [illegible]
کر لیا کہ اس وقت تک نذیر سے بات نہیں کروں گا جب تک وہ [illegible]
[illegible] اور دفتر میں دوسرے دن میں نے اپنا موڈ سخت خراب رکھا۔
میں نے ایک بار بھی نذیر کی طرف نہیں دیکھا۔ تیسرے دن بھی یہی کیفیت رہی
[illegible] تیسرے دن میں نے چور نظروں سے نذیر کی شکل دیکھی۔ اس کے چہرے پر
کوئی اضطراب نہیں تھا۔ اس کے انداز میں ذرا سی بھی افسردگی نہیں تھی۔ وہ
حسب معمول اپنا کام انجام دے رہی تھی۔ چوتھا دن بھی یونہی گزر گیا۔ ہم دونوں
نے ایک دوسرے سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ البتہ اس روز میں نذیر سے گفتگو
کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ میں اس سے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ مستقبل کے جو پروگرام
ہم بنا چکے تھے ان کا کیا ہوگا! اس خیال کے تحت میں ذرا جلدی دفتر سے
نکل گیا۔ اور بس اسٹاپ پر پہنچ گیا۔ حالانکہ روزانہ نذیر پہلے نکل جاتی
تھی۔ بس اسٹاپ پر میں ایک طرف آڑ میں کھڑا ہو گیا تاکہ نذیر
کی نگاہ براہ راست مجھ پر نہ پڑے۔ میں دفتر کے دروازے کی طرف نگران
تھا۔ اور پھر میں نے نذیر کو بس اسٹاپ کی طرف آتے دیکھا۔ اس سے
تھوڑے فاصلے پر اختر بیگ [illegible] کی طرح آ رہا تھا۔ شاید وہ بھی
بس میں جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔!

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] محبت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
زیادہ [illegible] بے وفائی کا تھا۔!

[illegible]
اختر بیگ کی موت [illegible] یا نذیر کو [illegible]
[illegible]
لیکن۔ پھر عقل نے [illegible]
[illegible]
ٹوٹ جائے گی۔ اور مجھے دونوں [illegible]۔ پھر کیا کروں۔؟
بے شمار خیالات میرے ذہن میں [illegible] لگے۔ اگر [illegible] تو دنیا میں
تنہا ہونے کی وجہ سے موت [illegible] کا بھی غم نہیں ہے۔ لیکن ان تمام باتوں
سے کیا فائدہ ہوگا۔ نذیر [illegible] بے وفا ہے بے وفا رہے گی۔ لیکن اس کی
بے وفائی کی وجہ دولت ہے۔!

یوں تو قدم قدم پر دولت کی اہمیت سامنے آتی ہے۔ لیکن
اس واقعے کے بعد سے دولت کی طاقت کا میں دل سے قائل ہو گیا۔ انسان
کے پاس دولت نہیں ہے تو زندگی بیکار ہے۔
روز و شب گزرتے رہے۔ [illegible]

[illegible] تھے جو گھر میں [illegible] لے ہی تو سکتے تھے
[illegible] سے میں [illegible] تھی جو اختر بیگ کو تو
[illegible] گری کی [illegible] تھے تو [illegible]
[illegible] ایک [illegible] ہو گئے ہوتے
[illegible] تھے۔

[illegible] جگہ ہی نہیں تھی [illegible]

[illegible] میں [illegible] کر [illegible] ہوا تھا [illegible]
[illegible] بیگم نے [illegible]
[illegible] میں [illegible] تھی [illegible]
[illegible] ہو [illegible] ختم [illegible]
[illegible] کو [illegible] کر [illegible]
[illegible] لگے [illegible]
[illegible] کی [illegible] ہو گئی [illegible] بیگ [illegible]
[illegible] نے [illegible] کے بعد [illegible]
[illegible] بیٹھے:

[illegible] ہے [illegible] کے [illegible] ہے تھی:
[illegible]
[illegible] تھا [illegible]
[illegible] کر دیا تھا [illegible]
[illegible] سگریٹ
[illegible] سگریٹ کے [illegible]
[illegible] اللہ [illegible]
[illegible] سگریٹ [illegible]
[illegible] برداشت کر سکتا [illegible]
[illegible] سگریٹ [illegible]
[illegible] لگا۔!
[illegible] میں [illegible]
[illegible] کی [illegible]
[illegible] جاتے
[illegible] دولت کا حصول ہے۔ دولت ہو تو۔ دنیا بھر کی
[illegible] کیفیت [illegible]
ہے۔ [illegible] ندرت کی شادی [illegible]
دولت [illegible] سگریٹ [illegible]

جیتے جیتے پہلے دولت کے حصول کی ترکیب [illegible]
کیا جا سکتا ہے۔ آسان۔ [illegible] کیا جا سکتا ہے [illegible]
ہی [illegible] مول لیتے ہیں۔ لیکن اس طرح ندرت کی محبت تو
نہیں حاصل کی جا سکتی۔ چونکہ زندگی کا [illegible] یہی ہے کہ کوئی [illegible]
جو بھرپور محبت دے سکے۔ دولت [illegible] گویا دولت کا حصول لازمی
شرط ہے خواہ جائز طور سے حاصل ہو یا ناجائز طور سے۔!
اور ناجائز طور سے دولت کے حصول کے لئے [illegible]
اور کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی تھی جو سگریٹ کے آدھے ہونے تک میرے ذہن
میں آئی تھی اور اس ترکیب پر عمل [illegible] ایک [illegible]
اختر بیگ کی شادی [illegible] جائے گی اور ندرت کے حالات درست
ہو جائیں گے: رہا خود میرا اپنا سوال۔ تو۔ [illegible]
ہے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہے۔ [illegible]
میں اب اس دفتر میں کام نہیں کر سکوں گا! ندرت جب مسز اختر بیگ ہو کر
دفتر میں آئے گی تو [illegible] کیا بیتے گی۔ اس طرح اگر میں کوئی جرأتی
قدم اٹھا لیا تو [illegible] مصیبت مول لینا پڑے گی۔ اس [illegible] دوسری مصیبت
کیلئے مول لی جائے۔ سگریٹ ختم ہونے تک میں اپنے فیصلے کو یقین کی
شکل دے چکا تھا۔ میں [illegible] دولت حاصل کرنے کا پروگرام بنا چکا
تھا۔ سگریٹ ختم ہو گئی۔ لیکن اب مجھے اس کی پرواہ نہیں تھی۔ میرا ذہن
ایک [illegible] تھا۔ میں نے [illegible] پیڈ کے کاغذ اٹھائے جن
پر میں [illegible] کو ایک [illegible] لکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ [illegible] چند
کاغذوں کو سیدھا کر کے [illegible] اپنے پروگرام
کا نقشہ ترتیب دینے لگا! میں اپنے پروگرام کی ایک ایک شق پر غور کرتا [illegible]
[illegible] کاغذوں پر مشتمل پروگرام کو ذہن نشین کرنے کے بعد میں
نے [illegible]
اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے میں میری شخصیت [illegible]
کی کوئی کمزوری [illegible] نہیں کرے گی: میں نے اندازہ لگایا کہ نہیں۔ میں
بالکل ٹھیک [illegible] سے اپنا کام انجام دے سکتا ہوں اور
پھر [illegible] تمام کاغذوں کو ایک جگہ جمع کر کے [illegible]
ایک ایک [illegible] کے ڈھیر میں تبدیل کرنے کے بعد میں نے [illegible]
[illegible] کاغذوں کے [illegible]
محفوظ نہیں سمجھا۔ [illegible]
ندرت کو [illegible] اپنے [illegible] دیکھ



[illegible] قت سے [illegible] کے بعد میں [illegible]
[illegible]
[illegible] کیا [illegible]
[illegible]
[illegible] کر سکا۔ وہ سوچ [illegible]
[illegible] خوب۔ ان کاغذوں [illegible]
[illegible] ندرت کو بھی اس [illegible] میں شریک [illegible]
[illegible] کہاں [illegible]؟
[illegible] لطف آ جائے گا! [illegible]
[illegible] گیا۔ [illegible]
[illegible]
[illegible] بہت [illegible]
[illegible] کیا۔ اور [illegible]
[illegible] سو گیا!
[illegible] آنکھ کھلی۔ [illegible]
[illegible] پروگرام پر کوئی [illegible] تھا۔ میں نے
[illegible] لباس تبدیل کیا اور ناشتہ کرنے [illegible]
[illegible]

[illegible] ریسٹورنٹ [illegible]
[illegible] کیا۔ [illegible]
[illegible] نے کئی بار [illegible] لیکن [illegible]
[illegible] نکل آیا۔!
[illegible] کھایا اور [illegible]
[illegible] کرتا چاہتا تھا۔ [illegible]
سب سے پہلے میری [illegible] ہوئی۔ [illegible]
[illegible] سے میرا استقبال کیا۔
”کہاں رہ گئے تھے [illegible]“ اس نے کہا۔
”بس ایسے ہی [illegible] کی طبیعت خراب ہو گئی تھی“
”[illegible] پریشان تھی۔ [illegible] کرتے“
[illegible] کیا۔ اور میں [illegible] بعد [illegible]
[illegible] کر [illegible]
[illegible] کر لے [illegible] میں سب کچھ محسوس کر رہا تھا لیکن
مجھے [illegible] کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی [illegible] جو ان میں

[illegible] نہیں کر سکتا تھا۔ [illegible]
[illegible]
[illegible] ملی۔ [illegible]
[illegible] گیا۔ [illegible]
[illegible] نہیں [illegible]
[illegible] ہو [illegible]
[illegible] گئی۔ [illegible]
جب میں [illegible] تھا۔ [illegible]
سے فارغ ہو کر [illegible]
جاتی تھی [illegible]
قریب [illegible] سے [illegible]
تھے جو [illegible]
دن پہلے ہی [illegible] بیگ [illegible]
[illegible] لگے [illegible]
[illegible] کیا۔ [illegible] قسمت [illegible]
[illegible] وقت ہو گیا تھا۔ [illegible]
[illegible] رہے [illegible] ٹکٹ خرید [illegible]

[illegible] اسٹیشن کا تھا جہاں سے مجھے [illegible] تھی۔ [illegible]
[illegible] منزل [illegible] کی [illegible] نہیں [illegible]
تھا۔ [illegible] کرتے [illegible]
[illegible] میں نے خود کو سنبھال لیا۔ [illegible]
[illegible]:
[illegible] سے [illegible]
[illegible] گیا!
”معاف کیجئے گا جناب۔ دراصل [illegible] مجھے [illegible]
[illegible] آپ [illegible] کی [illegible] لیں۔“ میں نے [illegible]
سے کہا اور مسز شکیل کی [illegible] میں نے [illegible]
[illegible] کا ثبوت [illegible] تھا۔ چنانچہ [illegible]
”کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ [illegible]
اور آپ کو علم ہے [illegible]“
”جب [illegible] کام ختم کر لوں گا۔“ میں نے کہا اور شکیل
صاحب [illegible] میں [illegible] گیا۔ اور پھر میں نے [illegible] کا کام

قریب آدھی رات ہو رہی ہو گی [illegible]
لمبا ہو گیا تھا۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہو گیا [illegible] سب [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

مجھے فرار ہونا [illegible] میں نے [illegible]
اس وقت [illegible] کی چابی [illegible]
[illegible]
جلدی جلدی [illegible]
چونکہ [illegible]

[illegible]
[illegible] چابی ایک کونے [illegible]
[illegible] کوشش کرنے لگا۔

[illegible] چابی [illegible]
[illegible]
[illegible] چابی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کوشش [illegible]

[illegible]
[illegible] کیا اور پھر [illegible]
[illegible] ایک بار [illegible]

طرف گھومی۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
چابی نکالنے کی ضرورت نہیں تھی [illegible]
[illegible]
[illegible]

بہر حال میں نے [illegible]
[illegible]
[illegible]
سیٹ [illegible]
کی طرف [illegible]
ہو جائے۔ میں نے سیٹ کی [illegible]
پھر [illegible]
دوسری سمت [illegible]
[illegible] ایک دروازہ [illegible]
جاتا تھا [illegible]

حوالات کے [illegible]
جس میں [illegible]
تھا اور اس وقت [illegible]
تھا۔ چنانچہ [illegible]
کھلی ہوئی تھی۔ میں نے [illegible] باہر نکل گیا۔ [illegible]
[illegible] دونوں [illegible]
ایک راستہ [illegible]
[illegible]
پا سکے گا!

اب میرے [illegible]
[illegible]
تھا۔ مجھے [illegible]
[illegible]
[illegible]
ملا۔ لیکن [illegible]



[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] دیکھو۔
[illegible] ۔؟
بیٹھو۔ میں نے کہا۔
ہم [illegible] ٹیکسی کی طرف [illegible] بولا
[illegible] اس کے پیچھے پیچھے [illegible]
[illegible] کام ہے خان صاحب [illegible]

لے لینا۔؟
او جناب۔ تم لوگ بہت پریشان کرتا ہے [illegible]
ہو گئے۔ اور میں [illegible] ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ ٹیکسی [illegible]
پلیس سینما [illegible] ڈرائیور [illegible]
[illegible] ٹیکسی [illegible]
[illegible] دیکھا اور [illegible]
ٹیکسی سے اترتے دیکھا ہو [illegible] ایک دوسری ٹیکسی کو اشارہ کیا [illegible]
[illegible] ڈرائیور بہت شریف تھا فوراً آ گیا اور میں [illegible]
کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

اسٹیشن۔ میں نے کہا اور ٹیکسی چل پڑی۔ پلیس سینما سے
اسٹیشن کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا [illegible] چند منٹ میں [illegible] اور میں نیچے اتر
گیا۔ میں نے اس شریف ڈرائیور کو بھی ایک [illegible]
اسٹیشن کی عمارت میں داخل ہو گیا۔ پلیٹ فارم [illegible] گھڑی [illegible]
دیکھا۔ دو بجے تھے۔ گاڑی [illegible] بارہ منٹ تھے۔ میں نے دو
تین گہری گہری سانسیں لیں۔ یہ بارہ منٹ بہت [illegible]
[illegible]
والے [illegible] ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ میں فرسٹ کلاس کے ویٹنگ روم کی طرف بڑھ گیا
راستے میں میں نے ایک اخبار خرید لیا۔ پڑھنے کے لئے نہیں [illegible] چہرہ ڈھکنے کے
لئے۔ اور پھر ویٹنگ روم میں جا کر بیٹھ گیا [illegible]
لیا تھا۔ اور اخبار کھول کر [illegible] کے سامنے کر لیا تاکہ کوئی مجھے دیکھ نہ سکے۔

میرا دل [illegible] دھڑک رہا تھا۔ [illegible]
[illegible] لیکن اگر میں خود کو نہ سنبھال سکا تو [illegible]
[illegible] میں نے خود کو سنبھالا۔ لیکن اس وقت میں اپنے [illegible]
[illegible] ایک پولیس افسر کو [illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
ایک [illegible]
[illegible]
پولیس [illegible]
اپنے ہاتھوں کی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
اب [illegible]
[illegible]
[illegible] ایک خیال [illegible] پولیس [illegible]
[illegible] ممکن نہیں ہے [illegible]

یہی [illegible] اگر میرے [illegible]
کو پولیس افسر [illegible]
اس طرح میں خود اپنی موت کو آواز دے رہا تھا۔
ایک بار پھر میں نے [illegible] کوشش کر کے خود کو سنبھالے
[illegible]
پولیس افسر [illegible]
[illegible]
[illegible] باہر نکل گئے [illegible]
[illegible]
[illegible] منٹ [illegible]
[illegible]
کی طرف بڑھ گیا۔ اس دوران میں [illegible]
[illegible]
کلاس [illegible] میں داخل ہو گیا۔
[illegible] کی ایک سیٹ پر بیٹھ کر [illegible]

دیکھا۔ وہ لیٹا تھا پہلے نے کی کوشش کی پر اپنی تمام حرکتیں [illegible] جا رہا تھا۔ مجھے احساس ہے کہ میں اس قدر بدل چکا ہوں۔ پھر [illegible] بعد مریضوں کی ایسی ہی حالت ہوتی ہو۔ [illegible] کا کام مشکل ہو جائے۔ شکر تھا کہ اس کمپارٹمنٹ میں [illegible] اور کوئی نہ تھا۔ لیکن میری یہ خوش فہمی [illegible] ایک موٹے بھدے صاحب کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے [illegible] کے [illegible] جیسے بعد عورتوں کی باری آئی۔ [illegible] شال اوڑھے ایک بڑی بی اندر داخل ہوئیں۔ پھر [illegible] عمر کی عورت اور پھر تین خوبصورت نوجوان لڑکیاں جن کے چہروں سے شرارت ٹپک رہی تھی اور چوتھی موٹے صاحب۔ [illegible] صاحب نے نفرت بھری نظروں سے مجھے دیکھ کر سامنے کی سیٹ سنبھال لیں۔ [illegible] میں نے کھڑکی سے سر لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ [illegible] پھر جب [illegible] گاڑی [illegible] تو میری جان میں جان آئی۔ [illegible] برداشت کر پایا تھا وہ میرے لیے [illegible] بھی تھا۔

[illegible] اور [illegible]

پھر [illegible] کسی [illegible] اس [illegible]

"تمہاری طبیعت کچھ خراب ہے بیٹے؟" شاید مجھے ہی مخاطب کیا گیا تھا۔ میں اس تخاطب پر چونک پڑا۔ لیکن میں نے آنکھیں نہیں کھولیں اور [illegible] سے جواب کا انتظار کرتی رہیں۔ پھر کسی نے کہا۔

"[illegible] تو [illegible] کو [illegible]"

"[illegible] آپ [illegible] سے [illegible] جاتی ہیں۔" یہ موٹے صاحب کی آواز تھی۔

[illegible] میرے دل نے [illegible] لیکن [illegible] آنکھیں نہیں کھولیں۔ بہرحال ان لوگوں کی گفتگو سے مجھے [illegible] تھے۔

"بھئی انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے [illegible]"

"جی آپ [illegible] ایک نوجوان لڑکی نے کہا [illegible] بیچارہ کیسا نوجوان لڑکی مجھے دیکھنے آ رہی تھی۔ [illegible]

محسوس ہوتا تھا۔ بہرحال میں نے اچھی حالت بہتر محسوس کی۔ خیالات بٹ گئے تھے۔ لڑکی میرے پاس پہنچ گئی اور میں نے آنکھیں بند کرنے کی بجائے کھول کر ان سے کیا گفتگو کروں گا! تب لڑکی کی آواز سنائی دی [illegible]

"کیا آپ بیمار ہیں جناب؟"

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میری آنکھوں میں ممنونیت کے جذبات تھے۔ میں نے کمزور آواز میں کہا: "پانی۔ اگر ایک گلاس پانی مل جاتا تو۔۔۔!"

"ابھی۔ ایک منٹ۔" لڑکی نے جلدی سے کہا اور [illegible] کے بعد صراحی کے ایک تھرماس سے پانی گلاس میں انڈیل کر میرے پاس آگئی۔ درحقیقت پانی کی شدید ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ چند لمحات ایسے گزرے تھے کہ جب میں خود بھی خود کو بیماروں کا مریض سمجھنے لگا تھا۔ میں نے پانی پیا اور جان میں جان آ گئی۔ گاڑی کی تیز رفتار مجھے سکون بخش رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

لڑکی گلاس رکھ کر اپنی سیٹ پر جا بیٹھی تھی۔ سب میری طرف متوجہ تھے: بڑی بی کی آواز پھر ابھری: "کیا تم بیمار ہو بیٹے؟"

"جی!" میں نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا: "میں دل کا مریض ہوں۔ ویسے میں بیٹھتے وقت طبیعت ٹھیک تھی۔ لیکن پھر حالت بگڑنے لگی۔ اب ٹھیک ہوں۔" میں نے پروگرام کے تحت کہا۔ تاکہ یہ لوگ میری طرف سے کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔

"آہ۔ اس مرض نے نوجوانوں کو بھی نہیں بخشا ہے۔ بیٹے تم بھی دل کے مریض ہو بیٹے۔!"

"یہ مرض تو بے حد نوجوانوں کا ہی ہے۔" ایک لڑکی نے آہستہ سے کہا۔ وہ بڑی بی آگے گھومنے لگیں۔ درمیانی عمر کی عورت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ [illegible] انسان [illegible] جیسے [illegible]

"کس کا علاج کر رہے ہو بیٹے؟" بڑی بی نے پھر سے پوچھا۔

"کوئی خاص نہیں۔" میں نے کہا۔

"[illegible] بیٹے۔ ابھی تو جوان ہو۔ [illegible] بات خیالی کو زیادہ [illegible] جانے کو۔"

"جوانی [illegible]" [illegible]

[illegible]

[illegible]



ٹیبل کتاب اٹھا کر آنکھوں کے سامنے کر لی [illegible] ہونٹوں پر ہنسی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ویسے میں سامنے اس موٹے کے لیں [illegible] تھا میں نے میرا ہی بانٹ دیا تھا [illegible] صاحب [illegible] پہچانا تھا [illegible] ہو گیا تھا۔

"تم خیال نہ کرنا بیٹے۔ ان کمبختوں کی زبان [illegible] قابو ہے ہر وقت بکواس کرتی رہتی ہیں۔ وقت [illegible]" بڑی بی نے کہا پھر بولیں: "تمہارا نام کیا ہے؟"

"راشد۔" میں نے شرارتاً اور مصلحتاً کہا۔ شرارتاً اس لئے کہ ان میں سے ایک کا نام راشدہ تھا۔ اور مصلحتاً اس لئے کہ اپنا نام بتانا کار درست نہیں تھا۔!

"اوہو۔ میری ایک بچی کا نام بھی راشدہ ہے۔ کہاں جا رہے ہو راشد میاں؟"

اور میں نے [illegible] اسٹیشن کا نام لے دیا۔

"وہاں تمہارے عزیز ہیں؟"

"جی نہیں۔ میں تنہا ہوں۔ ایک کاروباری سلسلے میں جا رہا ہوں۔"

"ماں باپ، بیوی بچے کوئی نہیں ہے؟" بڑی بی کچھ زیادہ باتونی معلوم ہوتی تھیں۔

"جی کوئی نہیں ہے۔"

"ہائے۔ ہائے۔ کاروبار کرتے ہو؟"

"جی ہاں۔"

"اللہ تندرستی دے۔ ہم لوگ سول لائن میں رہتے ہیں۔ یہ میری بڑی بیٹی ہے۔ [illegible] رہتی ہے اور یہ اس کے بچے ہیں۔" بڑی بی نے چھوٹے بچوں کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ میری تینوں چھوٹی لڑکیاں ہیں اور یہ [illegible]" انہوں نے موٹے بھائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "ہمارا کاروبار بھی یہیں ہے۔ گھر ہم سول لائن میں رہتے ہیں۔ میں اپنے دیور کے ساتھ اپنی لڑکی کو لینے گئی تھی۔ یہ تینوں پہلے سے ان کے ہاں تھیں۔" بڑی بی نے مجھے بھی اپنی ہم عمر صورت سمجھ لیا تھا۔ اس لئے وہ مکمل تعارف کراتی رہیں۔ اپنے داماد کے کاروبار کے بارے میں بتایا۔ خاندان کے افراد گنائے۔ دیور کے بچپن کی داستانیں سنائیں اور تینوں لڑکیاں میری حالت دیکھ دیکھ کر ہنستی رہیں۔ خود میں بھی بوکھلا گیا تھا۔ اب میں ان بڑی بی کو ان کی باتوں کے جواب میں کوئی داستان سنا آیا لیکن بھی ان کی بکواس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن بڑی بی نہیں کہ اپنے پورے خاندان کا شجرہ۔ ان لوگوں کی ملازمتوں اور گھر کے [illegible] کی پوری

داستان مجھے سنا دینا چاہتی تھیں۔

بہرحال یہ سفر تو مجھے خوشگوار لگا تھا وہ کہ سب [illegible] طے ہو گیا تھا۔ اور میری وحشت ختم ہو گئی تھی۔ ان خاندان کے سامنے خود کو بھی کوئی ناکامی کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ جب بھی ان سے [illegible] تھیں ان کے ساتھ بہتر وقت گزرا۔ [illegible] لڑکیاں بھی کوئی شرارت کر بیٹھتی تھیں [illegible] باتیں۔

پانچ بجے چائے پی گئی جس میں میں شریک تھا اور رات کے کھانے پر بھی بڑی بی نے مجھے زبردستی شریک کیا۔ پھر شاید کچھ زبان پھسل گئی انہوں نے [illegible] کر ایک کمبل نکال کر مجھے دیا۔ اور اس بات کی تاکید بھی کی کہ سردیوں میں سفر کرتے ہو تو کوئی گرم چیز بھی رکھا کرو۔ میں نے وعدہ کیا کہ آئندہ خیال رکھوں گا!

ان لوگوں سے اب تک اچھے طور پر بڑی بی کا دماغ [illegible] ختم ہوتے ہوئے تھے سوائے موٹے بھائی کے۔ ان کا بس نہ چلتا تھا کہ مجھے اٹھا کر دروازے سے باہر پھینک دیں۔ لڑکیاں بھی [illegible] ساڑھے دس بجے بڑی بی نے آنکھیں بند کر لیں اور خراٹے لینے لگیں۔ ان کا اسٹیشن بارہ بجے آتا تھا۔ اس لئے وہ تھوڑی دیر تک آنکھیں بند کرنا چاہتی تھیں۔ جب بڑی بی کے خراٹے عروج پر پہنچ گئے تو ان شریر لڑکیوں میں کا نام نفیس تھا مجھ سے کہا: "کہیے راشد صاحب آپ کے دل کے تمام [illegible]"

"جی۔" میں چونک کر بولا: "میں نہیں سمجھ سکا!"

"ماشاءاللہ بڑی بی ان کی داغ کھانے کی بڑی شوقین ہیں لیکن آپ بھی خوب ہیں ساتھی کو احساس ہی نہ ہو کہ آپ ان کی باتوں میں دلچسپی نہیں لے رہے ہیں۔"

"ان خاتون کا خلوص تمام تکالیف بھلا دیتا ہے۔ اور پھر میں نے تو ایسی باتیں کبھی نہیں سنیں۔ کیونکہ میں اس دنیا میں تنہا ہوں۔"

"مجھے لگتا ہے آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے۔" اس نے بے تکلفی سے کہا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ بچا کھچا جو کچھ ہے وہ تم چاٹ لو۔" درمیانی عمر کی عورت نے جوان لڑکی کی بات پر کہا۔ اور تینوں لڑکیاں ہنس پڑیں۔

"جاگتے رہنا بھی ضروری ہے بھائی۔ اسٹیشن آنے والا ہے۔" منیٰ نے کہا۔

"اور اس نے پولیس کو کیوں بتا رکھا ہے۔؟"

"مجھے کچھ علم نہیں کہ وہ کون ہے۔" [illegible]

[illegible] مجھے اس شخص کی گفتگو [illegible] بھی یاد نہیں

تھا۔

کچھ دیر بعد [illegible] تعلقات بھی

[illegible]

ایک [illegible] نکال کر [illegible]

[illegible] سر کو جھٹک کر [illegible]

[illegible]

[illegible] ساتھ [illegible]

[illegible]

[illegible] ساتھ ہی ساتھ [illegible]

[illegible] مجھے سلام کیا

[illegible]

[illegible]

[illegible] نوٹ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بہرحال اب تک [illegible] میں ایک

مرحلے سے نکل گیا تھا لیکن اب مجھے دوسرے مرحلے پر سوچنا تھا۔

[illegible] دولت [illegible]

ہضم کرنے کے لئے [illegible] ہوشیاری سے کام کرنا تھا۔ ظاہر ہے پولیس

[illegible] تلاش کرے گی۔ [illegible] ایک پروگرام [illegible]

تھا کہ کسی [illegible] بالکل [illegible]۔ [illegible] ایک سال

خاموشی سے گزار دوں۔ [illegible] ایک سال تک [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نوٹ تو کیا بلکہ اس کو [illegible] چاہیے۔ میں اس پروگرام پر عمل کر رہا

تھا اب مجھے یہی [illegible]

بنڈل کو ظاہر کیا تو کوئی نہ کوئی پولیس کے ہاتھ لگ جاؤں گا۔ [illegible]

[illegible] بچانے [illegible] کا راستہ تھا!

[illegible]

اپنی جگہ سے اٹھا۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] کو نکالنے لگا! سو سو کے نوٹوں کی پانچ گڈیاں تھیں

[illegible] دس دس ہزار لکھا ہوا تھا۔ پچاس کے نوٹوں کی [illegible] گڈیاں تھیں

جن پر پانچ ہزار لکھا ہوا تھا۔ دس دس کے نوٹوں کی دو گڈیاں تھیں جن پر [illegible]

ہزار کی تھیں۔ گویا [illegible] باقی [illegible] پانچ کے نوٹوں [illegible]

کے نوٹوں کی تھیں۔ [illegible] گویا کل چھیاسی ہزار

روپے تھے۔ چھیاسی ہزار۔ ایک لاکھ سے تھوڑے سے کم۔ بہت [illegible]

اتنی دولت کا تصور [illegible] نہیں کیا تھا۔ لیکن یہ مال اب [illegible]

[illegible] اپنے پروگرام پر کامیابی سے عمل کر سکا۔

[illegible] خوشی کی بے پناہ [illegible]

میری جیب میں [illegible] ایک ایک گڈی [illegible]

کیوں نہ [illegible]

[illegible]

یقین [illegible] آدمی [illegible]

باحیثیت [illegible] کسی لڑکی سے۔ مگر

کس سے۔ [illegible]

تھی۔ [illegible]

تھی [illegible] کیا نام تھا اس کا۔؟

[illegible] تھا اس کا نام۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] زندگی [illegible] دولت ہضم کرنا مشکل ہے

ابھی سے مستقبل کا پروگرام ترتیب دینا [illegible]!

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہزار [illegible]

[illegible] انسان [illegible] آسانی سے ہضم نہیں ہو گی۔ لیکن



[illegible] ٹرانسمیٹر [illegible]

[illegible] سب

[illegible]

[illegible] ہوں۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] کی کوشش [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] نصیحت [illegible]

مجھے حقیقی معلوم ہوا۔ اس وقت ذہن [illegible]

اپنے [illegible] کی کوشش [illegible] سنبھل گیا۔ [illegible]

[illegible] اور مطمئن ہو گیا۔ ٹھیک ہے [illegible] ایک

سال [illegible] گزر جائے گا! بس ذرا سی ہوشیاری سے کام لینا ہو گا! اور

اس کے بعد۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] سفید [illegible]

[illegible]

[illegible] اسی وقت ایک [illegible] رنگ کی

[illegible] نیچے اتری۔

"[illegible]۔؟"

"ہیلو۔" میں نے سرد مہری سے کہا۔

"کہیں [illegible]۔" اس نے میری سرد مہری کو [illegible]

کر کے کہا۔

"[illegible]؟"

"کہاں۔" اس نے [illegible] سے پوچھا۔ لیکن [illegible]

کا جواب [illegible]

آگے [illegible] لیکن مجھے اس کی

[illegible]

[illegible] جلدی سے نیچے اتر کر

[illegible] خوبصورت [illegible] داخل ہو گیا



[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کہا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

"[illegible]۔ آپ [illegible]

[illegible] نے مجھے دیکھا [illegible]

[illegible] آپ کو [illegible] معاف [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

"[illegible]"

[illegible]

مسکرانے لگا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] پولیس [illegible]

[illegible] ایک [illegible]

[illegible] پولیس [illegible]

تصویر [illegible] صاف نظر آ رہی تھی۔

"[illegible] پولیس [illegible]

[illegible] آپ کو [illegible]

"کیا بکواس ہے۔" [illegible]

"تو آپ کو پولیس [illegible] معلوم ہو گا۔" پولیس

افسر نے آگے بڑھ کر میری کلائی پکڑ لی [illegible]

پیچھے سے گھسیٹ لیا۔ [illegible]

ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

مبہم ہوا۔ "خاموش رہو! حرکت نہ کرو۔" میں لپٹنے سے
"[illegible]" مگر نہیں کر رات سے جانے کی کوشش کرنے لگے! ان کی
کوشش میں میری [illegible] رکی! ان کی [illegible] کو جکڑ لیا۔
بل رہا تھا۔ لیکن پولیس والوں کی گرفت [illegible] سخت تھی
میرا دل [illegible] کیا تھا۔ خواب یا حقیقت۔ بہت سے لوگ
جیسے ملتے [illegible] تھے کہ [illegible] میں پہلی [illegible] کے پیچھے مات
کھڑے تھے:

[illegible] تھا۔ [illegible] بیگ تھا، بڑی مشکل
سے [illegible] ۔ وہ سب [illegible] مجھے دیکھ رہے تھے۔ لیکن
[illegible] کے بعد [illegible] پولیس [illegible] تو
[illegible] ہے۔ پولیس والے ایسے لبے لبے چغے تو نہیں پہنتے ہوتے۔ ان کی
ایسی [illegible] لوگ [illegible] سے
کافی خطرناک معلوم ہوتے تھے:
"ڈاکو۔" میرے ذہن نے نعرہ لگایا۔ اگر وہ ڈاکو تھا اور
چھین [illegible] تھے۔ تب بھی [illegible] ہوگیا تھا۔ میری آنکھوں میں
[illegible] اور میں نے ان کی گرفت میں خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔
"ہم مجبور ہیں شہزادہ عالم پناہ کا یہی حکم ہے کہ تم جہاں بھی
[illegible] ہو تمہیں گرفتار کر کے لایا جائے۔ ہم اس گستاخی کے لئے
معافی کے طلبگار ہیں۔ لیکن آپ ہماری مجبوریاں سمجھتے ہیں۔" ایک بھاری
آواز سنائی دی۔ میرے [illegible] تھے۔ اور میری کھوپڑی [illegible]
[illegible]۔
"کیا مطلب۔" میں نے بلند آواز میں [illegible] پوچھا۔
"میں تمہارا [illegible] ہوں [illegible]۔ مجھے [illegible] کہیں
کچھ نہیں [illegible] ۔ [illegible] ہے جو [illegible]
[illegible] کی کوشش کرتا ہے [illegible]
[illegible] ۔ جوانی میں [illegible] زیادہ قریب ہوتا ہے۔ فساد کی
[illegible] نکل کر [illegible]
[illegible] ۔ اور جوانی کی [illegible] ۔ تب کے [illegible] دنیا
کو دیکھنے کا [illegible] ۔ [illegible] ہیں لیکن
[illegible] ہوتے ہیں
[illegible] خود [illegible] نہیں [illegible]
[illegible] زندگی [illegible] کرتا ہیں آپ

"شادی کر دیں۔ آپ کا من حسیناؤں سے بہلایا جائے گا۔ پھر شہزادہ گویوں
علیہ کا [illegible] ہے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ عالم پناہ آپ کے غم
سے بد حال ہیں۔ والدین بچھڑ کر دوبارہ نہیں ملتے۔ ان کی دعائیں تمہارے
ساتھ ہیں۔ ہم آپ کو واپس لے جانے آئے ہیں۔"
میں نے اس بوڑھے آدمی کو دیکھا۔ کیا یہ لوگ مجھے بیوقوف
بنا رہے ہیں۔ اگر یہ ڈاکو تھے تو مسخرے معلوم ہوتے تھے۔ اور پولیس والا
ہوتا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔!
"سنو۔" میں نے ان میں سے ایک کو مخاطب کیا۔ اور وہ [illegible]
میرے سامنے جھک گیا۔ "آہستہ آہستہ کرو۔" میں نے جھنجلا
کر کہا۔ اور وہ میری بات نہ سمجھ کر کھوپڑی ہلانے لگا۔ پھر اس نے [illegible]
انداز میں دوسروں کی طرف دیکھا۔ اور بوڑھا آدمی میرے قریب جھک گیا۔
"کیا فرماتے ہیں شہزادہ عالم۔"
"مذاق مت اڑاؤ یار۔ کام کی بات کرو۔" میں خوشی سے
آنسو دینے کو تیار ہوں۔ مان جاؤ دوست۔ میری زندگی کا سوال ہے
پوری زندگی حسرت میں گزاری ہے۔ اب کچھ خوشیاں نصیب ہونے والی تھیں
لیکن۔ قسمت ہی کھوٹی ہے۔ بہر حال تیس ہزار بھی کم نہیں ہوتے۔
کیا میرا لکی ٹکٹ تمہارے قبضے میں ہے۔" میں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔
اور بوڑھا پاگلوں کی طرح میری شکل دیکھنے لگا۔ پھر ہنس پڑا۔
"شہزادہ عالم کی شرارتیں تو مشہور ہیں لیکن یہ بڑھاپا آپ
بھی ان کا شکار ہے گا۔ سوچا بھی نہ تھا۔"
"بس کرو بڑے میاں۔ کیا نوٹ گن لئے ہیں۔" میں نے
برا سا منہ بنا کر کہا۔
"نوٹ!" بوڑھے نے حیرت سے کہا اور اب مجھے [illegible]
لگا۔ میں ہونٹ بھینچے انہیں گھورتا رہا۔ پھر ناراضگی سے بولا۔
"سیدھی طرح بتاؤ۔ کیا چاہتے ہو۔؟"
"شہزادہ عالم کو واپس لانا چاہتے ہیں۔؟"
"کہاں۔ ان موٹے حضرت کے پاس۔" میں نے غصیلے انداز
میں کہا۔
"بڑے حضرت۔" اس بار بوڑھے نے [illegible] نظروں کو
دیکھتے ہوئے کہا۔
"ارے جانی۔ پھر تم کون ہو۔؟"
"شہزادہ عالم میں نہیں جانتے۔؟"



"کیا ابتلا لیکن میری سمجھ سے باہر ہے۔" میں نے جھنجلا
ہوتے لہجے میں کہا۔ وہ پھر سے کچھ کہنے لگے لیکن [illegible] چہرہ
[illegible] گیا تھا۔ پھر اس نے [illegible] کہا۔
"جو غلام ہیں آقا۔ حضور چاہیں تو گالیاں بھی دے سکتے ہیں
لیکن حقیقت کی کمی ہے کہ آپ کو چلنا ہوگا ہمارے ساتھ۔ پہلا ہمیں
معافی کرنا ہوگا کہ مجبور ہیں ہم حکم کے بندے ہیں چلیے۔"
"کہاں چلوں۔" میں نے پوچھا۔
"محل۔" اس نے جواب دیا۔ تب پہلی بار میں نے ایک
خیال آیا! اور میں چونک کر ان لوگوں کی شکلیں دیکھنے لگا! ان کے لباس
عجیب تھے۔ کم از کم میں نے اس دور میں ایسے لباس نہیں دیکھے تھے۔
کیا درحقیقت ان کا تعلق کسی ریاست سے ہے اور سب کچھ کسی
غلط فہمی کی بنا پر تو نہیں ہو رہا ہے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ غلط
فہمی کے شکار لوگ ہوں۔!
"سنو۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "تم کسی غلط فہمی کا شکار تو
نہیں ہو۔؟"
"کیسی غلط فہمی شہزادہ عالم۔؟"
"میرا نام کیا ہے۔؟" میں نے پوچھا۔
"یوسف عمران۔!"
"خوب۔ اچھا دوستو اگر تم مذاق کر رہے ہو تو براہ کرم اسے
ختم کر دو۔ اور اگر کسی غلط فہمی کے شکار ہو تو تمہاری اطلاع کے لئے عرض
کر دوں کہ میرا نام یوسف عمران نہیں۔ بلکہ عاطف ہے عاطف۔!"
"ہم غلام ہیں۔ اس لئے اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتے
آپ چلنے کے لئے تیار ہو جائیے۔"
"خدا کی قسم میں مذاق نہیں کر رہا۔ میرے [illegible] ایک فرم
کی فرم حشمت اینڈ سنز میں کام کرتا تھا۔ اب وہاں سے بھاگ آیا ہوں۔ تم
اگر واقعی مذاق نہیں کر رہے ہو تو اسے تلاش کرو جس کی تمہیں ضرورت ہے۔
مجھے لے جا کر تمہیں شرمندگی ہی ہوگی۔!"
"بہت وقت ضائع ہو چکا ہے رحمت۔ زنجیر کھینچو۔" بوڑھے
نے اس بار تیز اور درشت لہجے میں کہا اور ان میں سے ایک نے ٹرین کی
زنجیر کھینچ دی۔!
"ارے۔ ارے۔ کیا کر رہے ہو۔ سنو تو۔ سنو تو۔ یہاں اس
ویرانے میں ٹرین کیوں رکوائی۔" میں نے گھبرا کر کہا۔ لیکن ان میں سے

کسی نے میری بات کا جواب نہیں دیا اور [illegible] نے [illegible]
گاڑی کی [illegible] کی گرفت ڈھیلی [illegible]
لوگ مجھ سے [illegible] سے [illegible] اتر گئے۔!
"[illegible] میرا لکی ٹکٹ تو دے دو۔ [illegible]
نکلا ہے مجھے۔" میں نے رونے والے لہجے میں کہا اور ان میں سے ایک
نے میرا بیگ کہیں اٹھا لیا۔ اور جب وہ مجھے لے کر نیچے کود
پڑے۔ انہوں نے میرا [illegible] بھی سنبھال رکھا تھا اس لئے [illegible]
تو تکلیف نہ ہوئی۔ وہ مجھے لئے ہوئے ایک جنگل کی طرف چلے
۔ اور [illegible] کے پیچھے [illegible] لوگ [illegible] کھڑے تھے
[illegible] تھے جن کی زنجیر کھینچی گئی تھی۔ ایک مجھے [illegible]
والے بہت تیز [illegible] تھے اور [illegible] درختوں کے سلسلے
تک پہنچ گئے۔ [illegible] کی [illegible] معلوم نہ ہوگی۔
درختوں کے درمیان [illegible] کر بوڑھے آدمی نے
اپنے ایک ساتھی سے کہا۔ "رحمان گھوڑے لاؤ۔" رحمان گھوڑے لے آیا۔
گردن ہلائی۔ پھر درختوں کے سلسلے میں داخل ہوگیا اور لوگ
[illegible] انتظار کرنے لگے۔ میرا ذہن انتشار کا شکار ہو گیا تھا۔ میری سمجھ میں
نہیں آ رہا تھا کہ یہ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ اگر ڈاکو ہیں تو انہیں
مال سے غرض ہونی چاہئے۔ میرا کیا کریں گے۔ مجھے [illegible] کر
قتل کر دینے سے بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ میں نے [illegible] لکی
ٹکٹ کی کوئی [illegible] تھی۔ اور پھر اگر ڈاکو نہیں ہیں تو پھر کیا ہیں۔!
کیا مجھے بکواس کرتے رہے ہیں۔ ان کا کوئی شہزادہ بھاگ گیا ہے
لیکن میرا اس سے کیا تعلق۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تو میں نے خود
کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ دیکھوں تقدیر کیسے کیسے کیا راستے
متعین کرتی ہے۔ یوں بھی میں تو ایک بکرا تھا۔ مجھے [illegible]
کچھ لوگ ان کے ساتھ ہی تھا۔!
میں نے [illegible] کی [illegible] اور خاموش کھڑا
رہا۔ چند منٹ کے بعد مجھے گھوڑوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اور
بوڑھے آدمی نے [illegible] سے کہا۔ "رحمان آگیا۔ آؤ۔!"
اور میرے ارد گرد کھڑے ہوئے لوگ میرے بازو پکڑ کر آگے
بڑھ گئے۔ اب میں شرافت سے ان کے ساتھ چل رہا تھا۔ درختوں کے سلسلے
سے نکلتے ہی مجھے روشنیاں نظر آئیں۔ یہ [illegible] مشعلیں کسی [illegible]
نصب تھیں۔ [illegible] کے ساتھ [illegible] سفید رنگ کے گھوڑے نظر آ رہے
طالوت ع!

تھے۔ مجھے [illegible]

[illegible]

پوچھنے لگا [illegible] ہو ؟

[illegible]

میرا ریڈیو کہاں ہے ؟

[illegible] نے جواب دیا

[illegible]

پھر سب بستوں کو میں نے اپنے جسم پر محسوس کیا تو میری [illegible]
کھلی کی کھلی رہ گئی تھی۔!

"آ گئے شہزادہ عالم۔!" بڈھے کی کھوکھلی آواز سنائی دی [illegible]

[illegible] کمرے میں [illegible] دیکھ [illegible]

[illegible] نے زمین پر قدم رکھا۔ [illegible] تھی۔ [illegible]

[illegible] حیرت کی بات یہ تھی [illegible]

[illegible] روشن تھیں۔ [illegible]

[illegible] پیش کر رہے تھے۔!

پھر میری نگاہیں اس عظیم [illegible] کی طرف [illegible]

[illegible]



[illegible]

[illegible]

اور

[illegible]

☆ ڈاکٹر سونگ اور ڈاکٹر رورن کے تجربات کا نچوڑ!

☆ اپنے خیالات کو دوسرے کے ذہنوں تک پہنچانے کا سائنسی طریقہ

• ٹیلی پیتھی گائیڈ ـــــــ 30/- روپے منگائیے

وقت حلفیہ لکھئے: "میں ٹیلی پیتھی سیکھ کر اس کا غلط استعمال نہیں کروں گا / کروں گی"



[illegible]

[illegible] ہوئے گھر [illegible]
[illegible] دیکھا [illegible]
[illegible] خاتون [illegible]
رنگ تھے [illegible] کہ [illegible]
• [illegible] کر کے [illegible] نہیں تھا
[illegible] نے [illegible] نہیں
[illegible]
[illegible] بہت [illegible] ہو گیا۔ [illegible]
[illegible] کر کے [illegible] لیا۔
• [illegible] کر کے ہم [illegible]
• [illegible] بزرگ نے پھر پوچھا۔
• شاہ محترم [illegible] بے بس ہے
[illegible] کہا: "میرے بات سے کہا
[illegible] لیکن خاتون تعجب سے
• [illegible] کی ہے۔"
• [illegible] بزرگ [illegible] شروع
[illegible] شروع کیا۔ [illegible] جانے کیا بات
[illegible] آگے آگے
[illegible]
[illegible] کے لئے تیار تھا۔
[illegible] سارا [illegible]

شروع کر دیا۔
میں یوسف عمران۔ [illegible] اپنے [illegible] دوست کو
ہم [illegible] دنیا کو تم دیکھنا چاہتے ہو [illegible]

ہم [illegible] سب [illegible]
[illegible] لینا چاہتے ہیں [illegible]
[illegible] ہیں۔ [illegible]
[illegible] تم اس دنیا کو [illegible]
اس سے زیادہ [illegible] جنت کا [illegible]
کو جاتے ہیں۔ [illegible] تم نے ان لوگوں کے
دوران [illegible] بتا کیسے [illegible] بزرگ نے کہا۔
میری [illegible] بزرگ نے ایک ایک [illegible]

کیا تمہیں [illegible] لیکن [illegible] تو [illegible]
تھا۔ یہاں آپ میرا [illegible] کے لئے تیار تھا۔
• محترم بزرگ۔ میں آپ کے ایک ایک لفظ سے متفق ہوں۔
• یہ [illegible] دنیا ہے جیسی آپ نے بیان فرمائی۔ لیکن میں آپ سے
معذرت کے ساتھ ایک غلط فہمی دور کرنا چاہتا ہوں۔"
• تمہاری آواز کو کیا ہو گیا بیٹے۔" خاتون نے [illegible] پوچھا۔
• میری اصل آواز ہے محترم خاتون۔ [illegible] نہیں ہوں [illegible]
آپ [illegible] یوسف عمران نہیں ہوں۔" میں نے کہا۔
• میرے سامنے بدتمیزی کرو گے تو سزا پاؤ گے۔ میرے [illegible]
کو [illegible] کی [illegible] نے بھی یہ بتایا تھا کہ تم خود کو [illegible]
نہیں تسلیم کر رہے۔ لیکن مجھے گمان بھی نہ تھا کہ تم اپنے والدین کو [illegible]
بنانے کی کوشش کرو گے۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ تمہارے آواز بدل لینے سے
تمہاری شکل و صورت بھی بدل جائے گی؟" بزرگ نے کہا۔
• محترم بزرگ۔ میں اتنا عرض کروں گا۔ آپ کی یہ دنیا بہت
دلکش ہے۔ [illegible] دنیا میں جانے کے بجائے میں اسی دنیا کے کسی گوشے
میں تمام زندگی گزارنے کو تیار ہوں۔ لیکن آپ کی کسی غلط فہمی پر یہ سزا
کا مستحق نہیں ہوں گا۔ آپ مجھے یوسف عمران کہیں یا کچھ اور [illegible]
یہ عرض کروں کہ میں یوسف عمران نہیں ہوں۔ میرا نام [illegible] ہے۔ اس کے
باوجود آپ مجھے یوسف عمران تسلیم کرنے پر بضد ہیں تو میں اب خاموشی
اختیار کر لوں گا۔"
بیک [illegible] سے میری شکل دیکھنے لگے۔ محترم خاتون بھی
تعجب سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ [illegible] آنکھوں میں [illegible]
نظر آ رہے تھے۔
• تب پھر۔ تم کون ہو۔؟"
• میرا نام [illegible] ہے۔ زمانے کا ستایا ہوا ایک انسان ہوں۔
ایک جرم کے [illegible] فرار [illegible] آپ کے آدمیوں نے پکڑ لیا اور
زبردستی مجھے یوسف عمران بنا دیا۔ انہوں نے میرے [illegible] پر بھی قبضہ کر لیا
جس میں [illegible] چھپا [illegible] لے لیا۔"
• واللہ۔ یقین نہیں آتا۔ اگر تم یوسف عمران نہیں ہو تو
تمہاری ان سے مشابہت حیرت انگیز ہے۔ لیکن اگر یہ تمہاری شرارت ہے
تو تم ہمارے عتاب سے نہیں بچ سکو گے۔" محترم بزرگ [illegible] ہو گئے۔ انہوں
نے تالی بجائی اور ایک غلام اندر داخل ہو گیا۔
• مغیزہ کو بلاؤ۔" محترم بزرگ نے کہا اور غلام واپس چلا گیا۔



[illegible] کے چہرے [illegible] حیرت [illegible] کہ [illegible] میں
مجھے [illegible] کیا ہے۔
• مغیزہ [illegible] دیکھو۔ کیا [illegible]
میں کوئی تبدیلی پائی ہے؟" محترم بزرگ نے کہا۔ [illegible] مجھے
قریب آ کر دیکھنے لگی۔ پھر [illegible] وہ بالکل [illegible]
آنکھوں میں جھانکا۔ [illegible] اور ان کے [illegible] تک [illegible]
آ رہے تھے۔ پھر اس نے جلدی سے [illegible]
سینے پر دیکھنے لگی۔ اس کے بعد وہ [illegible]
گئی۔ اس کے چہرے پر اضطراب تھا۔
محترم خاتون اور بزرگ اسے تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ "حضور۔
حضور۔" دایہ بولی۔ "یہ یوسف عمران نہیں ہیں۔ یہ شہزادے حضور نہیں ہیں۔
میں قسم کھا کر [illegible] یہ شہزادے حضور نہیں ہیں۔"
اور محترم خاتون اور بزرگ چونک پڑے۔ "تم نے یہ یقین
کس طرح کیا دایہ۔ جبکہ تم نے ان کی آواز بھی نہیں سنی۔" بزرگ نے [illegible]
سے پوچھا۔
• میں نے بچپن سے شہزادہ حضور کو پالا ہے۔ ان کی آنکھ کی
بائیں پتلی میں ایک نیلا تل ہے اور سینے پر ایک [illegible] کی شکل کا نشان تھا۔
بلاشبہ یہ نوجوان ہو بہو شہزادے کا ہم شکل ہے لیکن شہزادہ نہیں ہے۔ یہ
دونوں چیزیں اس کے پاس موجود نہیں ہیں۔" دایہ نے کہا اور محترم خاتون
نے جلدی سے [illegible] پر نقاب کھینچ لی۔
محترم بزرگ [illegible] نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ لیکن
پھر ان کے خدوخال نرم پڑ گئے۔ اور ان سے آواز نکلنے لگی۔ "اس میں اس
بے چارے کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اسے مہمان خانے پہنچا دو۔" بزرگ نے کہا۔
• شاہ محترم۔" میں نے جلدی سے [illegible] کہا۔ "میں نے اپنی
اصلیت نہیں چھپائی ہے۔ براہ کرم مجھے کوئی [illegible] عنایت فرما دیا جائے۔ میں
یہاں سے نہیں جانا چاہتا۔" میں نے لجاجت سے کہا۔
• اور۔ دانیال کو ہمارے پاس بھیج دو۔" بزرگ نے [illegible]
بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ "اس بے وقوف نے بہت بڑی غلطی کی
ہے۔" انہوں نے کہا اور محترم خاتون کا ہاتھ پکڑے ہوئے باہر نکل گئے۔
اب کمرے میں دایہ اور میں رہ گئے تھے۔
• آؤ۔" دایہ نے [illegible] لہجے میں کہا۔
• آپ ہی [illegible] اور [illegible] رحم کھائیں [illegible]
میں بے قصور ہوں۔" میں نے دایہ سے کہا۔

• خاموش [illegible] کہ [illegible] ہم [illegible]
[illegible] کے ساتھ [illegible]
[illegible] ؟ [illegible]
[illegible] کے پیچھے [illegible] لیکن [illegible]
[illegible]
[illegible] تھا۔ [illegible]
[illegible] آ گئے۔ [illegible] تب مجھے
ایک [illegible] کیا۔ جہاں [illegible]
سامان [illegible] تھے۔
[illegible] پر [illegible]
[illegible] لیا
جائے گا۔ [illegible]
میرے [illegible] آئے۔
[illegible]
کا وقت ہو گیا۔ [illegible]
[illegible] دیکھنے لگا [illegible]
[illegible] تھی [illegible]
[illegible] نے [illegible] کر لیا
دونوں [illegible] گئے [illegible]
کھانے کی [illegible] گیا۔
[illegible] کھانا تھا۔ [illegible]
[illegible] ہو گیا۔ [illegible]
کر کے فارغ ہوا تھا [illegible] کے [illegible]
کے خالی برتن اٹھا کر لے گئے۔ [illegible]
لیے اور [illegible] کرنے لگا [illegible]
[illegible] جاؤں۔ [illegible] ۔ ان سے
کروں [illegible] ۔ وہ شاہ سے [illegible]
[illegible] شہزادہ [illegible]
[illegible] ملک [illegible]
[illegible] کر میں [illegible] بیٹھا۔ [illegible]
[illegible] ۔ [illegible]
آرام کروں [illegible] پر لیٹ گیا [illegible]

www.urdukorner.com

[illegible]

سامان درست کرنے لگے [illegible] منزل پر پہنچنے کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔ بالآخر ٹرین رک گئی اور مسافر رخصت ہو گئے۔ بہت سے قلی اندر گھس آئے اور بوڑھے میاں انہیں سامان بتانے لگے۔ میں نے جو اپنا بریف کیس اٹھایا۔ اسی وقت اتفاق سے لڑکی میرے بالکل قریب تھی۔ لیکن بہت جلد مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ اتفاق نہیں تھا۔ [illegible] بڑے میاں سامان کی طرف متوجہ تھے [illegible] لڑکی نے سفید کاغذ کا ایک پرزہ میری طرف بڑھا دیا اور میں [illegible] اس نے پھرتی سے [illegible] میرا ہاتھ تھام لیا اور تیزی سے [illegible] رہ گئی!

[illegible]

کسی ہوٹل میں چلو۔ میں نے تانگے والے سے کہا [illegible] تانگے میں بیٹھ کر میں نے مٹھی میں پکڑا ہوا پرچہ کھولا۔ [illegible] ایک فون نمبر لکھا ہوا تھا اور نیچے لکھا تھا۔ شام چار بجے۔ نائلہ۔

[illegible]





www.urdukorner.com

جاری ہے

www.urdukorner.com

[illegible]

بہت وقت ہو گیا ہے۔ اب کچھ کام کی بات [illegible]

[illegible] میرا دل پھر اچھلا۔ لیکن [illegible] ممکن ہے وہ میری [illegible] بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہو۔ [illegible]

"منظور ہے۔" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ کی ملاقات [illegible] ہوئی تھی؟"

"ہاں۔"

"بہت مختصر وقت میں آپ نے اسے اس قدر متاثر کر لیا۔"

"[illegible] بے حد نیک دل خاتون ہیں۔" میں نے [illegible] ہوئے کہا۔

"ہاں۔ وہ بے حد معصوم ہے۔ اور آپ [illegible]"

[illegible] ایک فٹ [illegible] اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔

"میں [illegible] آپ کی شکل دیکھ کر [illegible] لیکن میں تصدیق کر لینا چاہتا تھا۔ تو میں نے اس شہر [illegible] نکلوایا۔ اس میں آپ کی تصویر دیکھی [illegible] کے بعد یہاں آیا ہوں۔"

میرے پورے بدن کا لہو خشک ہو گیا تھا۔

"آپ اپنے ملازم سے چھیاسی ہزار روپے کا کیش لے کر فرار ہوئے ہیں۔ پورے ملک میں آپ کی تلاش جاری ہے۔ ہر شہر میں آپ کی تصویر [illegible]" اس نے سوال کیا۔ میں بھلا اس سوال کا کیا جواب دیتا۔ دل چاہا کہ [illegible] بھاگ جاؤں۔ لیکن [illegible] اتنی ہمت نہیں تھی [illegible] بھاگ [illegible] سکتا تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ [illegible] آپ سے متاثر ہو گئی ہے [illegible] کا نازک دل ٹوٹ جائے گا۔ لیکن آپ کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد [illegible]



[illegible] ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔

"تم کہاں ہے؟" اس نے [illegible] کر پوچھا۔

"[illegible] یہیں کہیں ہیں۔ [illegible]"

"کہاں ہے بریف کیس؟" [illegible]

"پلنگ کے نیچے۔" [illegible]

اپنا سروس پستول نکالا۔ اور اس کا رخ میری طرف کر دیا۔

"[illegible] کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔" [illegible]

[illegible] اشارہ کرتے ہوئے کہا اور میں پلنگ کے نیچے گھس گیا۔ میں نے بریف کیس اس کے سامنے سرکا دیا لیکن خود میرا دل پلنگ کے نیچے سے نکلنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔

"باہر آؤ۔" وہ پھر اسی انداز میں بولا۔ [illegible] لیکن [illegible] پڑے [illegible] تھا۔ اس نے بریف کیس اٹھا لیا اور پستول کا منہ میری طرف [illegible] کھول کر دیکھا پھر مطمئن انداز میں گردن ہلاتے ہوئے اسے بند کر دیا۔ "کیا تمہارے پاس کوئی ہتھیار ہے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے [illegible] کہا۔

"چلو۔" اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ [illegible] دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے پستول ہولسٹر میں رکھ لیا تھا۔ یہ اس کی [illegible] تھی ورنہ اگر وہ ہتھکڑیاں لگا کر لے جاتا تو میں کیا کرتا۔

نیچے چند اور پولیس والے موجود تھے جو یقیناً اس کے ساتھ آئے تھے [illegible] نیچے [illegible] تھا۔ یقیناً پولیس والوں نے [illegible] کو تفصیل بتا دی تھی۔ ان لوگوں نے مجھ سے کچھ نہ کہا۔ [illegible] بالکل [illegible] آیا۔ باہر پولیس کی جیپ کھڑی تھی۔

پولیس والوں نے مجھے جیپ میں بٹھایا۔ آصف [illegible] کے پاس بیٹھ گیا اور جیپ چل پڑی۔ میرا ذہن تاریک تھا۔ دل بیٹھ گیا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ کوئی خیال ذہن میں نہیں تھا [illegible]

[illegible]

"کیا یہ تمہارا بریف کیس ہے؟"

[illegible]

"[illegible] نہیں ہوں انسپکٹر صاحب۔ میں مجرم نہیں [illegible]"

[illegible]

"کیا نام ہے [illegible]"

[illegible]

اس نے گردن ہلائی۔

"ہاں۔ تمہاری جگہ [illegible]" اس نے کہا۔

اور اس [illegible] میں پہلی بار [illegible] اس کی شادی کی [illegible] نکل گئی۔ مجھے اس خبر سے بہت خوشی ہوئی۔

"[illegible] انسپکٹر صاحب۔" [illegible]

مجھے [illegible] مجبور کیا تھا۔

[illegible]

• مجھے نہیں۔ ابھی کافی وقت [illegible]

[illegible]
• [illegible]

[illegible]
• اس [illegible]

• [illegible]
• اچھا اچھا [illegible]

[illegible]

سب [illegible]

[illegible]

[illegible]

بکے [illegible]

[illegible]

• میرے [illegible]

[illegible]
• تم [illegible]

جواب دیا۔

[illegible]

• تم [illegible]

[illegible]

• اب [illegible]

[illegible]

• ایک بات بتاؤ۔

ہاں ہاں پوچھو۔

• [illegible]

• [illegible]

• [illegible]

• [illegible]

• [illegible]

• [illegible]

[illegible]



• [illegible]

• [illegible]

[illegible]

• [illegible]

[illegible]

[illegible]

• [illegible]

[illegible]

• [illegible]

[illegible]

• اچھا [illegible]

www.urdukorner.com

[illegible]



[illegible]

(وہ کہ بہت ... ) ... ملاقات کے لیے

آصف ... 

[illegible]

• جی ہاں ... 

[illegible]



[illegible]



www.urdukorner.com

[illegible]

• [illegible]

کمزور سے جسم میں انگڑائیاں ٹوٹنے لگیں۔

چند لمحات کے بعد نیند آ گئی۔ [illegible]

جسم میں چیونٹیاں رینگنے لگیں [illegible] چند لمحات کے لئے [illegible]

[illegible]

حواس معطل ہو گئے تھے۔ [illegible]

آئی کبھی تنہا۔ شبانہ [illegible]

[illegible]

ساری بات [illegible]

[illegible]

• میرا دوست کہاں ہے؟

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس کے ایک ایک حرف میں دس نیکیاں مستور
مغفرت کا ہے عجیب ساماں قرآن عظیم

قرآن شریف ہر مسلمان گھرانے میں پڑھا جاتا ہے لیکن سمجھنے بہت کم لوگ ہیں کیوں کہ عربی زبان سے ہر مسلمان واقف نہیں اس لئے قرآن پاک کا اردو میں سلیس اور بامحاورہ ترجمہ شائع کیا گیا ہے۔ روشن چراغ تاکہ عربی نہ سمجھنے والے مسلمان بھی کلام پاک کو بآسانی سمجھ سکیں اور جان سکیں کہ خالق کائنات نے ہمیں کن باتوں سے روکا ہے اور کن باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ کلام پاک کو سمجھ کر پڑھے۔ ہدیہ: صرف پچاس روپے علاوہ محصول ڈاک۔ آرڈر کے ہمراہ دس روپے کا منی آرڈر آنا ضروری ہے

مکتبات والا ۲۷۳۲ گلی مسجد والی پٹودی ہاؤس دریا گنج دہلی۔ 110006

[illegible]

"کیا چیز ہے۔ کیوں بڑبڑا رہے ہو؟"

[illegible]

"بالکل نہیں۔ لیکن [illegible]"

[illegible]



[illegible]



www.urdukorner.com

[illegible]

"بالکل نہیں بیگم ۔ تم ... [illegible]

[illegible]

"جی ۔ تو ... [illegible]

[illegible]

نذیر اس کے پیچھے پیچھے باہر نکلی ... [illegible]

کر دیا ۔ ... [illegible]

وہ تعجب سے بولی ۔



[illegible]



www.urdukorner.com

[illegible]



[illegible]

[illegible]



[illegible]

[illegible]



[illegible]

[illegible]

بہر طور یہ مسکراہٹ اجنبی تھی

"بس بس جلدی — [illegible]"

کسی نئے پن کی شکل دیکھو۔ [illegible]

[illegible]

"اب تو ٹھیک ہے؟"

"ہاں — [illegible] ایک گھر [illegible] لے کر [illegible] کے ساتھ چل پڑا۔ لیکن اخبار کی خبر [illegible] جس نے خدمت تیار کی اور پھر ہوٹل [illegible]

"میری نئی شکل دیکھ کر ہوٹل والے [illegible]

اگر کسی نے پوچھا تو [illegible] طارق [illegible]

[illegible] گیا تھا!

دوسری صبح میں نے تمام اخبارات منگائے — ہر اخبار میں میری تصویر نمایاں تھی۔ پولیس نے خبر [illegible] کی درخواست کی تھی۔ [illegible] کہا تھا کہ مجھے جہاں بھی دیکھا جائے پولیس کو اطلاع دی جائے۔ اس کے علاوہ شہر کی ناکہ بندی کر دی گئی تھی۔ جیسے خطرناک [illegible] تھے۔ طارق نے بڑی دلچسپی سے تمام خبریں سنیں اور مسکراتا رہا۔

"مسکراؤ — میری طرح مصیبت میں گرفتار ہوتے تو پتہ چلتا" میں نے بلبلا کر کہا۔

"تمہاری ہر مصیبت میری ہی دولت — بہر حال فکر مت کرو اب تو ہم ان دلچسپ لوگوں کو خیر باد کہنے والے ہیں" اس نے جواب دیا۔

اس روز میں [illegible] پھر ہوٹل ہی میں گھسا رہا — طارق بھی میری وجہ سے کہیں نہیں گیا تھا۔ لیکن شام ہی وہ مجھ سے تقاضا کرنے لگا کہ کوئی تفریح کی جائے۔

"مناسب نہیں ہوگا طارق۔" میں نے کہا۔

"ہونہہ کیوں مناسب نہیں ہوگا — اب تو تمہاری شکل بھی بدلی ہوئی ہے"

[illegible]

"کیا —" طارق چونک کر [illegible] گیا۔

"تم کو کیا ہو گیا ہے۔" [illegible] نے مسکراتے ہوئے کہا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کی آنکھوں میں خوشی کی چمک تھی [illegible] تھے [illegible] نہ سکنے کی کوشش بھی کی [illegible] کے ملنے [illegible]

طالوت

طالوت کے سامنے [illegible] کے حسن کا ذکر تھا۔ طالوت گال پھلائے [illegible] طالوت چونک کر مجھے دیکھنے لگا، میری بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی، تب میں نے جیب سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر طالوت کے گال پر چپکا دیا۔ [illegible]

[illegible]

"کیا ہوا۔" طالوت نے پوچھا۔

"یہ عورتیں دولت کی غلام ہوتی ہیں، جہاں نوٹ دیکھا [illegible] آؤ انہیں [illegible]"

"ارے واہ ۔ دیکھئے میاں ۔ ابھی لگ رہی ہے۔" طالوت نے کہا اور ہم جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹ نکال لیا۔ لڑکی نے نواب صاحب سے نوٹ لے لیا تھا۔!

"اب واپس آ جاؤ۔" طالوت نے بیزاری سے آواز لگائی اور میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ طالوت اس [illegible] طرح کھو گیا تھا۔ اس لئے اب اسے یہاں سے اٹھا لے جانا مشکل تھا۔ چنانچہ



[illegible]

تمام [illegible] نوٹوں کی گڈیاں [illegible]

"کیا بدتمیزی ہے نواب صاحب۔ آداب [illegible]"

[illegible] طالوت کی [illegible]

"بکواس مت کرو [illegible]"

[illegible]

[illegible] — [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

"آؤ۔" طالوت نے [illegible] ہم دونوں [illegible]
[illegible]
[illegible] تھا۔ طالوت [illegible]
لیے منتظر تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم [illegible] پہنچ گئے۔ [illegible]
[illegible] کرے [illegible] طالوت نے [illegible]
[illegible] ہوئے میری طرف
دیکھا [illegible] ہے [illegible] کہا
[illegible]
[illegible] ہوئے [illegible] کہا۔
"ہاں [illegible] اس وقت [illegible]
[illegible] ہے [illegible]
"[illegible] تمہاری [illegible] مجھے [illegible] گی۔"
"نہیں [illegible] تو [illegible] دنیا [illegible]
[illegible] تمہاری [illegible] اس نے
[illegible] کر میرا غصہ [illegible] ہو گیا۔

"تم تو [illegible]
[illegible] اپنے [illegible]
[illegible] ہو گئی تھی۔"

"[illegible] کہا۔ کیا [illegible] تم
سے خوش ہو جاتی ہو؟"

"[illegible] تم نے [illegible]
[illegible] بہت [illegible]
"مگر تم وہاں [illegible] بات تم [illegible]
میں نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

"کیا کہا ہے۔ [illegible] جانتے ہو تم ان لوگوں [illegible]
اس [illegible] میں [illegible] تمام [illegible]
[illegible] گیا۔

"کیا [illegible] تمہارا؟" طالوت نے [illegible] آنکھوں [illegible]
"کیا تم ریشم سے متاثر ہوتے ہو۔" میں نے پوچھا۔
"تم متاثر ہونے کی بات کرتے ہو۔ یہ تو اس [illegible]
سمجھتا ہوں کیا [illegible] کسی معصوم اور محبت کرنے والی لڑکی [illegible]
[illegible]
[illegible] جانے [illegible] ان چند لمحات میں کیا جادو کر دیا ہے۔ [illegible]
جو میں نے کچھ بھی کیا ہو۔ بس یہ اس کی محبت ہے۔" طالوت نے مسکرا کر [illegible]
"طالوت — طالوت — [illegible] تم [illegible]
جانتے ہو۔ جو ہمارے یہاں سانپ سے زیادہ خطرناک سمجھی جاتی ہے؟"
"مجھے کیا [illegible] وہ خوبصورت لڑکی۔"
"خوبصورت [illegible] ہو۔"
"کیوں — آخر کیوں؟"

"اس لیے میرے دوست — وہ طوائف ہے۔ دولت کی
[illegible] اس کی نگاہ میں صرف دولت سب کچھ ہے۔ جتنی زیادہ [illegible] دولت ہو گی
اتنی ہی اس کی محبت حاصل ہو گی۔ وہ دولت کے علاوہ کسی چیز سے محبت
نہیں کرتی۔"

"میں اس کا مکان سونے چاندی سے بھر دوں گا۔ [illegible] کے انبار
لگا دوں گا اس کے سامنے۔" طالوت نے کہا۔
"پھر اس سے کیا ہو گا۔ وہ طوائف ہے۔ طوائف [illegible]
[illegible] کو کبھی بدل نہیں سکتی۔"

"تمہاری منطق میری سمجھ میں نہیں آئی۔ طوائف ہے۔ طوائف [illegible]
تم سے کیا فرق پڑے گا۔ محبت تو کرتی ہے اور کرتی رہے گی۔"
"دیکھو طالوت۔ تم اس دنیا [illegible] تم نے [illegible]
[illegible] کر دیا ہے [illegible]
[illegible] بھی کر لینا چاہیے۔ اس دنیا کو میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔"



[illegible] دوست [illegible]
[illegible] ہوئے کہا۔
[illegible] طالوت نے [illegible] لیکن محبت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] نے کہا [illegible]
[illegible]
[illegible] نہیں ہے [illegible] دوست۔ [illegible]
[illegible] کی حقیقت دکھا دیا۔" میں نے کہا اور
[illegible] کے بعد اس نے کہا۔
[illegible] لیکن اس کی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] دوست [illegible] دنیا کی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] دنیا کو دیکھ سکتا ہوں
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہم ابھی [illegible]
[illegible]
[illegible] اور جب کبھی
[illegible] روشناس کراؤ۔ ان کی حقیقت دکھاؤ [illegible]
[illegible] چلیں گے۔"
[illegible] طالوت کی شکل دیکھنے لگا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے دوست [illegible]
"خدا [illegible]
اب میں تمہارے لیے ایک [illegible]
تم سے [illegible]
"شکریہ [illegible]
کہا۔ [illegible] بات [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
دونوں ہاتھ [illegible]
اس نے میری شکل دیکھی اور مجھ سے لپٹ گیا۔
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
"کیا خیال ہے؟" طالوت نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"کہیں یہ [illegible] مصیبت نہ بن جائے؟"
"وہ کس طرح؟"
[illegible]

کوئی [illegible]
[illegible]
دیا [illegible] ہوں۔" طالوت نے کہا۔
"وہ کیا؟" میں نے پوچھا۔
[illegible] طالوت [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]



[illegible]

[illegible]

[illegible]

• ابھی نہیں۔ ابھی نہیں — [illegible]

[illegible]



[illegible]

[illegible]

• کچھ نہیں یار — بس ایک کشمکش سی [illegible]

میں نے کہا اگر [illegible] کے علاوہ آپ کی کوئی [illegible]

[illegible]

• مجھے تمہارے [illegible]

• بس یار — اس دنیا میں اسی طرح گزارا ہو سکتا ہے مگر [illegible]

پھر شاید میں کبھی ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہ کر سکوں [illegible]

[illegible]



[illegible]

طالوت [illegible]

[illegible]

صاحب کسی کام سے چلے گئے ہیں۔ یہ پرچہ آپ کے لئے [illegible]
گئے ہیں۔ انہوں نے کہا اور [illegible]
کھولا!

"جلدی [illegible]
باہر جا رہا ہوں [illegible]
[illegible]
[illegible] نہیں ہے۔ [illegible]
[illegible] گا۔"

[illegible] بہت [illegible]
تھا۔ صبح سے اس قسم کی کوئی بات نہیں کی تھی۔ [illegible]
[illegible] اجازت کے بغیر کہیں جاتے ہوئے [illegible]
[illegible] لیکن مجبوری تھی۔ پانچ بجنے [illegible]
تھی۔ میں نے باہر [illegible] دروازہ کھولا۔ اندھیرا [illegible]
[illegible] سڑک پر پھیلنے لگی۔

تنہائی ملی تو اپنی حالت پر غور کرنے کا موقع ملا۔ [illegible]

[illegible]



[illegible]

نیلما

[illegible]



[illegible]

۱۳۱
۱۳۰

[illegible]



[illegible]

کیرو

علم نجوم کا ماہر شہرت یافتہ عظیم پامسٹ کیرو کی وہ کتابیں جن کی ہمیشہ مانگ رہی ہے۔ ہم نے شائع کی ہیں۔ آپ گھر بیٹھے ہاتھ کی لکیروں اور اپنے نمبروں کے نام کے اعداد سے قسمت کا حال جان سکتے ہیں۔ ہاتھ کی لکیریں - 80/- علم الاعداد - 25/-

[illegible]

[illegible]



[illegible]

[illegible]



[illegible]

[illegible]



[illegible]

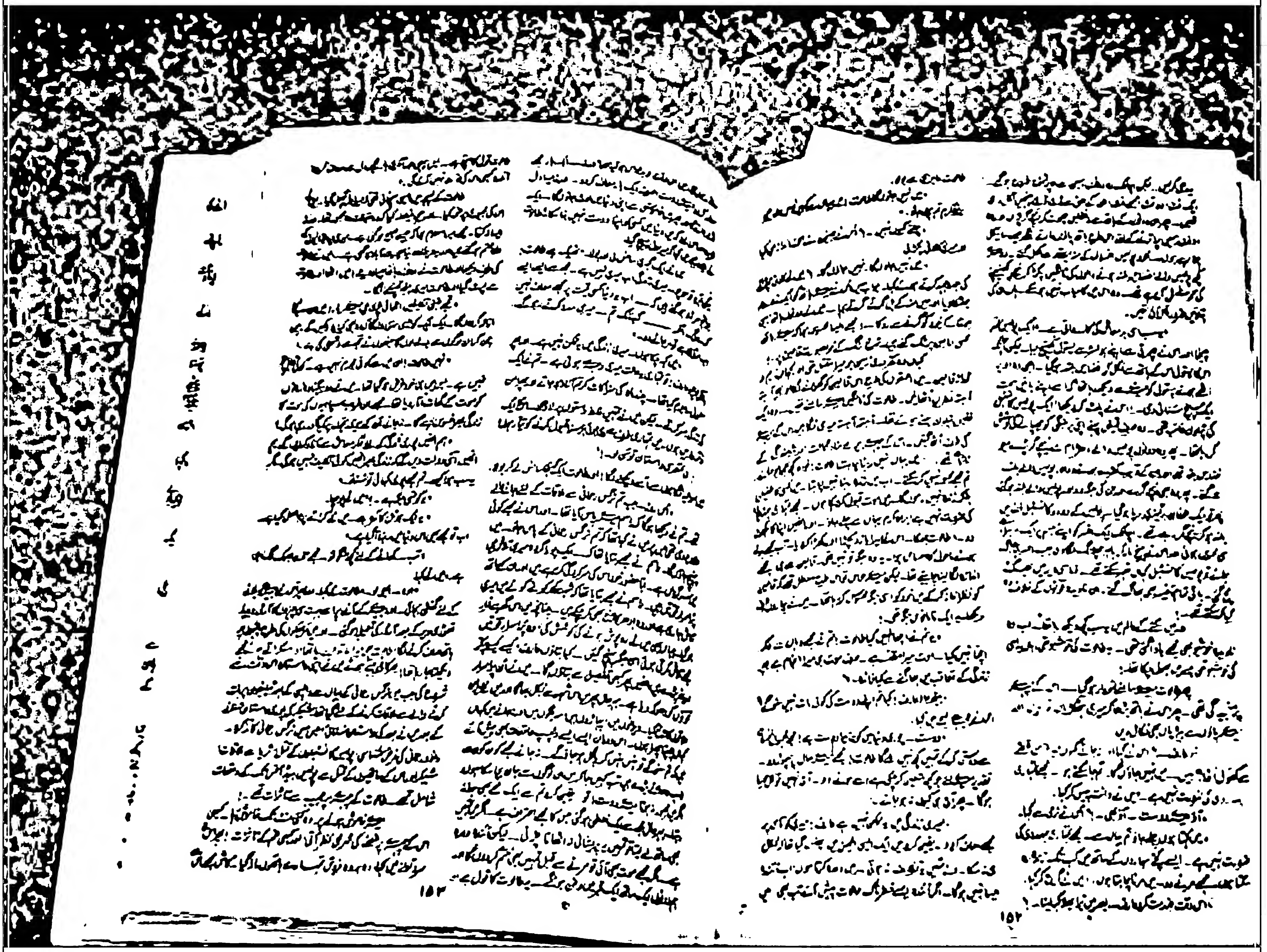
۱۵۳
۱۵۲

[illegible]

[illegible]



[illegible]

[illegible]

پہلے کو اتنا قریب ہے ... [illegible] صرف کیا گیا [illegible]
کو [illegible]

• میں نہیں سمجھا۔ [illegible] کر دی گئی
• مگر [illegible] خبر کی [illegible] اچھی تو برا
تھے [illegible] کہ ملاقات کے لیے حاضر

• [illegible]
• [illegible] ملاقات ہے [illegible]
• [illegible] خبر [illegible]

تب سے ایک [illegible] ملاقات بہت [illegible] سے میرا [illegible]
چہرہ [illegible] ایک [illegible] کی شکل سے آپ کے سامنے آیا۔ [illegible]
[illegible] بدلا گیا۔ [illegible] چاہتا ہوں
[illegible] کیا تم جانتے ہو [illegible] ہے۔؟

[illegible] جب [illegible] دیکھو تو [illegible]
[illegible] سے [illegible] کے [illegible] عجیب
[illegible]
[illegible] کیا [illegible]
[illegible] کریں۔

[illegible] صاحب۔ آپ نے میرا [illegible] کا صد
[illegible] سے [illegible]
کیا [illegible] سے نکل آیا۔ [illegible] طالوت
[illegible]
[illegible]

• [illegible] کیا بات ہے [illegible]
• [illegible] طالوت [illegible] کر بولا۔
[illegible]
• کیا ہمیں نے یہاں آئے تھے۔؟
• تم نہیں سمجھے طالوت [illegible]
[illegible] ہے۔
• [illegible] ہے۔ جب وہ تم سے [illegible]
سمجھا [illegible] میں وہ ایک [illegible]
[illegible]
• نہیں طالوت۔ [illegible]
[illegible] میری زندگی میں آئی [illegible]
ان کا خیال بھی نہیں رہ گیا ہے۔ میں تو ان کے [illegible] پریشان ہوں۔ اگر [illegible]
[illegible] انکار کرتی۔ تم نے ان کی آنکھوں میں [illegible]
تھا۔ طالوت اس کے [illegible] مجھے [illegible]
[illegible]

[illegible] تم ان باتوں کو کیا سمجھو گے
• میں [illegible] سمجھ لیا۔ [illegible]
گے [illegible] امانت [illegible]
• کیا لکھا ہے۔؟
• [illegible] کیا [illegible]
[illegible] طالوت نے [illegible] کہا [illegible]
[illegible] خاموش ہو گئے۔ لیکن جب [illegible]
گھبرا گیا۔
• اب [illegible] ملا ہو۔
• [illegible] طالوت نے [illegible] کا [illegible]
[illegible] کے سامنے کر دیا۔ پھر [illegible] بدل [illegible]
[illegible] طالوت میں [illegible]
وقت طالوت [illegible] ساتھ [illegible]
[illegible] پریشان کر دیا۔ لیکن اب [illegible] طالوت کی [illegible]
[illegible] قائم [illegible] کرنے والا تھا۔ [illegible]
[illegible] خالی [illegible] لیکن طالوت نے مجھے [illegible]
[illegible] چلتا رہا۔ پھر [illegible]
آدمی کے قریب سے گزرے۔ [illegible] قدم [illegible]
طالوت نے اپنا ہاتھ اس کے [illegible] کے سامنے کر دیا اور [illegible]
[illegible] اس نے [illegible] طالوت کو دیکھا۔
• کیا بات ہے۔؟ اس نے [illegible] پوچھا۔
• [illegible] کوئی بات نہیں [illegible]
تھے۔ طالوت نے [illegible] لیکن طالوت [illegible]
[illegible] گیا۔ [illegible]
[illegible] اس کا احساس بھی نہیں تھا۔ وہ طالوت کو گھور [illegible]
[illegible] گیا۔

• طالوت۔؟ میں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔
• کیا بات ہے۔؟ طالوت نے [illegible] سے پوچھا۔
• [illegible] وہ [illegible] جائے گا۔ [illegible]
تمہیں اس سے کیا دشمنی ہے۔؟
• چلتے رہو۔ تم [illegible] میرے سوالات [illegible]
[illegible] طالوت نے اپنا بازو چھڑا [illegible] تیزی سے آگے
بڑھ گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے [illegible] لیکن [illegible] طالوت ایک [illegible]
کے سامنے [illegible] اس نے ہاتھ اس شخص کے [illegible] کے سامنے کیا۔ [illegible]
اس شخص نے [illegible] سمجھ [illegible] بنا لیا۔ طالوت نے [illegible]
[illegible] آگے بڑھ گیا۔ [illegible] شکل
بھی تبدیل ہو گئی تھی۔!



[illegible] کی [illegible] کو [illegible]
[illegible] سے [illegible] کیا [illegible] ایک [illegible]
[illegible] کر [illegible] پولیس [illegible]
[illegible] لیکن [illegible]
[illegible] تو [illegible]
[illegible] سے [illegible]
[illegible]
[illegible] بات [illegible] طالوت [illegible]
[illegible] ہے [illegible] بھائی صاحب۔ [illegible]
[illegible] کوئی بات نہیں [illegible] کے [illegible]
[illegible] طالوت [illegible] بات سے [illegible]
[illegible] انکار کر دیں گے۔
[illegible]
• طالوت [illegible]
[illegible] کیا [illegible]؟ طالوت نے [illegible]
[illegible] سے [illegible]

[illegible] پولیس ان بیچاروں کو گرفتار کرے گی اور
[illegible] گی [illegible]
[illegible] پہچاننے سے انکار کر دیں گے۔
[illegible]
• [illegible] میں صرف ان لوگوں
[illegible] کیا ہے۔ اور [illegible]
[illegible] شریفانہ طریقہ ہے۔ طالوت نے
[illegible] کہا۔
[illegible] اس شخص نے طالوت [illegible]
• کیا بدتمیزی ہے۔؟ [illegible]
• کیا مطلب۔؟ طالوت [illegible]
• میں کہتا ہوں تم نے [illegible] ہاتھ کیوں رکھا۔؟
• [illegible] ہاتھ رکھنے سے [illegible]
[illegible] کہا۔
[illegible] طالوت نے [illegible]
• [illegible] میں تیرا دماغ درست کر دوں گا؟
• [illegible] تیرا دماغ درست کر دوں گا! طالوت [illegible]
[illegible] کہا۔
• [illegible] کیا بدتمیزی ہے [illegible] دونوں کے
[illegible] لیکن طالوت نے اس شخص کے ایک [illegible]
[illegible] ہو گیا۔ اور [illegible]

[illegible]
• [illegible] کیا [illegible] پوچھا۔
• [illegible] کر [illegible]
[illegible] طالوت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] اس شخص [illegible]
[illegible] کر دیا گیا
[illegible] ہو گیا۔
[illegible]
• آئی۔؟ طالوت نے [illegible]
• دیکھیے [illegible] ایک [illegible]
[illegible] گیا ہے
• [illegible] طالوت۔ [illegible]
[illegible] نہیں کر سکتے۔؟
• [illegible] کے [illegible]
نہیں [illegible] طالوت نے [illegible] ایک شخص [illegible]
پھیلایا۔!
[illegible] فاصلات [illegible]
[illegible] تقریباً [illegible]
[illegible] طالوت نے [illegible] شکل [illegible] درست کر [illegible]
اپنے کمرے میں [illegible]
کے انقلابات دیکھنے کے قابل ہوں گے۔
اور درحقیقت [illegible] کے انقلابات دیکھنے کے قابل
تھے۔ خوفناک قاتل [illegible] انقلابات
[illegible] قاتل تھا۔ [illegible]
جن کے [illegible] شکل بنا دیتے تھے۔ اخبارات میں [illegible]
تفصیل تھی۔ [illegible] معروف تھا۔ [illegible]
باوجود [illegible] شکل [illegible] پولیس [illegible] کو اس
امید پر گرفتار [illegible] ان میں سے کوئی اصلی ہو۔ [illegible]
جانے [illegible] خبریں تھیں۔ [illegible]
پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔!
طالوت ایک ایک خبر [illegible] تصویریں
[illegible] جن [illegible] شکلوں کی تھیں ان [illegible]

[illegible]

• ٹھیک ہے مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

• میں تو [illegible]

[illegible] اتنی معمولی سی تبدیلی کی ہے کہ وہ شک نہیں کر سکتے۔ طالوت نے [illegible] ہم تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد [illegible] کیا اور اس کے بعد ٹیکسی میں بیٹھ کر [illegible] طالوت چاہتا تو اپنے مخصوص انداز میں بھی سفر کر سکتا تھا لیکن [illegible] دلچسپی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے [illegible] ٹیکسی نے ہمیں اسٹیشن پہنچا دیا۔ [illegible] سے ہمیں [illegible] مل گیا۔

• سامان وغیرہ [illegible]

[illegible]

شکریہ [illegible] کہاں ہیں؟ طالوت نے پوچھا۔

[illegible]



[illegible]

[illegible]



[illegible]

[illegible]

اور میرا نام بتایا۔ اس نے مجھے اپنا بھائی بتایا تھا۔

جب جلال آباد قریب آگیا [illegible]

[illegible] بہرحال ہم آپ کے شکر گزار رہیں گے۔

کیا جلال آباد یہاں سے [illegible]

طالوت نے پوچھا

[illegible]

خاندان انتہائی قدامت پسند ہے۔ [illegible]

[illegible] خواہ ہوں۔

[illegible]



[illegible]

[illegible]



[illegible]

وجہ سے کچھ لیا تھا۔ تمام لوازم تھی پوشاک پہنے ہوئے تھے
لاری میں کچھ دیر طلعت نے بھی خوب تیار ہو کر آئی تھی
اسے بہت سنجیدہ [illegible] سے ہو وہ [illegible] پہنے ہوئے تھے۔
خوب سج دھج کے آئے تھے — طلعت کو تو بالکل شہزادوں کی سی شان [illegible]
وہ قیمتی [illegible] تھا — [illegible] کے [illegible]
[illegible] چلنے کی [illegible] تھا — اب [illegible]
اس [illegible] کو [illegible] نے [illegible] خوبصورت [illegible]
[illegible] کا [illegible] — [illegible] صاحب
ان کے اہل خانہ بڑے اہتمام سے استقبال کو موجود تھے — طلعت نے [illegible]
سے [illegible] دیا۔

• کمال — " میں نے سوالیہ انداز میں دیکھا۔

• جی ہاں — یہ — موجود ہے۔ وہ [illegible] گئے
انداز میں اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ اور پھر بھی اس کے اشارے پر اس
طرف دیکھنے لگے — سیمیں ان دونوں لڑکوں کے ساتھ ایک خوبصورت
لباس میں ملبوس کھڑی تھی — لیکن اس کا چہرہ سپاٹ تھا — اور اس پر
کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔ دونوں قریب لڑکیاں بھی سنجیدہ ہی
کھڑی تھیں — ڈرائیور نے دروازہ کھول دیا — پہلے طلعت اور پھر
میں نیچے اترا — اور نواب صاحب دونوں ہاتھ پھیلا کر ہماری طرف
لپکے — ان کا چہرہ مسرت سے کھلا ہوا تھا — انہوں نے باری باری ہم
سے معانقہ کیا — [illegible] اور [illegible]
[illegible] تھے — :

• میری خوش نصیبی کی انتہا ہے — آپ [illegible] کی
[illegible] — انہوں نے کہا لیکن ہم ان کی طرف متوجہ تھے اس لئے
سیمیں اور نصرت وغیرہ کے چہرے کا جائزہ لینے کا موقع نہیں مل سکا۔
بہرحال — ان کی نوبت بھی آگئی — لڑکیوں کے ایک ایک
کر کے ہم سے تعارف کرایا گیا — میں نے سیمیں وغیرہ کی طرف دیکھا
نصرت اور [illegible] کی [illegible] بھی دیکھی — ان کی آنکھیں [illegible]
[illegible]۔

• یہ میری بڑی بیٹی سیمیں ہیں — یہ نصرت اور یہ [illegible]۔
• اوہ — ان خاتون سے تو ایک اتفاق کے تحت ملاقات
ہو چکی ہے۔" طلعت جلدی سے بول پڑا۔
• ارے — کہاں —" نواب صاحب حیرت سے بولے۔
• ٹرین میں — ہم لوگ غالباً کسی سے جلد بازی آ رہے تھے
ساتھ ہمارے کوئی موجود تھے — بہرحال شہزادہ کے کمپارٹمنٹ میں یہ خاتون
[illegible] اور خواتین کے ساتھ موجود تھیں — سفر کا ساتھ رہا۔"
• ارے سیمیں بیٹے — آپ نے ہم سے ذکر ہی نہیں کیا؟"
لیکن سیمیں کے حواس ہی درست نہیں تھے — بہرحال ہم نے کوئی خاص

تو کچھ نہیں بولی۔
نواب صاحب نے ہماری [illegible] دیکھا
سلامتی استقبال کے انتظامات [illegible] تھیں ان [illegible]
[illegible] تمام [illegible]
نے انہیں [illegible] کی تھیں — لیکن طلعت [illegible]
یہ موقع اسے جانے کے رقت مل گیا۔
• ہم بات سے ایک [illegible]
سے [illegible] جلال آباد میں [illegible] ساس ہمارے کو ہم نے کون
[illegible] کہا بھی ہم نے جلال آباد میں کچھ نہیں دیکھا لیکن آپ بیٹھئے
[illegible] دیکھئے [illegible]
[illegible]
• یہ آپ کی محبت ہے بیٹے — کچھ دنوں اگر یہاں قیام کریں تو
مجھ سے بڑی آسودگی ہوگی۔ " نواب صاحب نے کہا۔
• ہمارا ان کو یہاں سے جانے کو نہیں چاہ رہا — لیکن
دفتر کو بھی واپس بھیجنا پڑے گا — ہم ان کے بغیر ساتھ نہیں [illegible]
لیکن وقت یہ ہے کہ ان کے لئے ہمیں ہوٹلوں کا سہارا لینا پڑے گا — کیا
یہاں کوئی اچھا ہوٹل موجود ہے — ؟
• ہوٹل —" نواب صاحب [illegible] سے لہجے میں بولے۔
کوٹھی شاید حضور شہزادہ کے شایان شان نہیں ہے — !"
• ارے نہیں — یہ کیا فرما رہے ہیں آپ نواب صاحب —" طلعت
جلدی سے بول پڑا۔
• مجھے دلی مسرت ہوتی اگر آپ یہاں کچھ روز قیام فرماتے —
• ہمیں صرف آپ کی تکلیف کا احساس ہے — ورنہ آپ کی
معیت سے بڑھ کر سعادت اور کیا ہو سکتی تھی — !"
• آپ کے قیام سے میری عزت بڑھ جائے گی — سعادت تو
مجھے ملے گی — کیا شہزادہ عادل میری یہ دعوت بھی قبول کر لیں گے — ؟
• بسر و چشم — جب تک آپ حکم دیں گے — بلاشبہ ہمیں
جلال آباد بہت پسند آیا ہے — طلعت نے کہا اور نواب صاحب مسرور
ہو گئے — طلعت یہاں آ گیا تھا — واپسی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا
یہ بات تو پروگرام میں شامل تھی — چنانچہ ہم نواب صاحب کے یہاں
قیام پذیر ہونے کو تیار ہو گئے۔
جلسے کے بعد نواب صاحب نے اہل خانہ ان میں سے کچھ
حضرات کو ہاتھ اور رخصت کیا اور خود انتظامات کرنے چلے گئے — وہ اپنی
نگرانی میں ہمارے قیام کا انتظام کرنا چاہتے تھے تاکہ کوئی کسر نہ رہ جائے
نواب صاحب قدامت پسند تھے — لیکن ہر شخص ضرورت کے مطابق بدل
سکتا ہے — نواب صاحب نے بھی تھوڑی دیر کے لئے اپنی قدامت کو تبدیل
کر دیا تھا — سیمیں تو یوں بھی بے پردہ تھی — لیکن ان کے خاندان کی
دوسری خواتین بھی طلعت کے اور میرے سامنے آ گئی تھیں — !



[illegible] الحمد [illegible]
[illegible] ایسی شان [illegible]
[illegible] نواب صاحب [illegible]
[illegible] تھے — طلعت کا [illegible] چاہتے ہیں
[illegible] معلومات حاصل کر رہے تھے
[illegible] بتا رہا تھا کہ وہ [illegible]
[illegible] ہوا تھا۔
[illegible] آپ کے بڑے بھائی [illegible] — ایک
[illegible]
[illegible] صرف ہیں ان کا [illegible] ہے — یہ نہیں معلوم کہ
[illegible] کہاں —
[illegible] ایک خاتون [illegible] پر گرفت کرتے
[illegible]
[illegible] طلعت نے جواب دیا۔
• جیسے —"
• وہ [illegible] صاحب کی ایک موٹر کیسر رہا ہے۔ ان کے
[illegible] شامل ہیں — [illegible]
[illegible]
[illegible] — " بڑی بیگم کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی [illegible]
[illegible]
• جی ہاں — جب ہم وہاں سے چلے تو ایک موٹر کیس ہی تھیں
[illegible] تو ہمیں معلوم نہیں ہے — طلعت نے نہایت سادگی
[illegible] بالکل حیرت زدہ سے تھے لیکن
[illegible] ایک سواری [illegible] ہے اور تم
[illegible]
[illegible] سے نجات مل گئی — !
پھر نواب صاحب آ گئے اور لجاجت سے بولے۔ " آپ کی
[illegible] شہزادہ سلیم احمد عادل — مگر آپ کے
[illegible] لیکن بہرحال — چنانچہ آپ پسند فرمائیں تو آپ کے
[illegible] واپسی کی اجازت دے دیں —"
بہتر ہے — نوازش — " طلعت نے کہا اور [illegible]
گزارش کی — [illegible] سے اس نے کہا کہ باقی لوگوں کو واپس کر دیا جائے
[illegible] وہ جا سکتا ہے اور [illegible]
[illegible]
[illegible] گیا — !
رات گئے نواب صاحب سے جان چھوٹی — رات کے کھانے پر
[illegible] — لیکن وہ گردن جھکائے کھاتی رہی — ایک دو بار
[illegible] سے طلعت کو دیکھا تھا — لیکن ان نگاہوں کا
[illegible] بہرحال بہرحال طلعت نے آرام کی خواہش ظاہر کی
[illegible] ان کی خواب گاہ تک خود چھوڑنے آئے تھے — !

[illegible]
[illegible] کیا اس [illegible]
[illegible]
• [illegible]
• [illegible]
طلعت [illegible]
• [illegible]
• آخر [illegible]
[illegible]
• کیا بات [illegible]
• [illegible]
چپٹ گیا ہے — [illegible]
• وجہ [illegible]
• [illegible]
• وہ بھی [illegible]
• [illegible]
• کیا [illegible] — [illegible]
[illegible]
• ہاں — [illegible]
کتنا [illegible]
• کیا —"
• تم بھی کسی کو پسند کرتے [illegible]
ہے — ورنہ مجھے کوئی [illegible]
• [illegible]
• یہ کوئی [illegible]
مجھ [illegible]
• وہ — یہ [illegible]
• میری خاطر [illegible] — طلعت کے لہجے [illegible]
کہ اگر سیمی [illegible]
• بس تو تم ہی [illegible]
• ہاں — یہ میری [illegible]
ابھی [illegible] ایک کام [illegible]
• وہ کیا — ؟
• [illegible]
کہاں ہے — یعنی وہ ہم سے کتنی [illegible]
• [illegible] لیکن [illegible]
• [illegible] — [illegible] — خدا [illegible]

[illegible] جو کسی سے تمہاری دوستی نہیں ہو گی؟
[illegible] ہو جائے گی شاید۔ [illegible]
[illegible] سے عشق کرنا چاہتا ہوں۔

[illegible] مسکراتے ہوئے کہا [illegible]
[illegible] کے امکانات نہیں تھے [illegible]
بھی طاقت کے بدلے کوئی نقصان نہیں ہوا۔ [illegible]
[illegible]
[illegible] کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا!

پھر طالوت کے ساتھ [illegible] ہونٹ بھینچ کر
[illegible] کسی عجیب شخصیت کا مالک ہے [illegible]
[illegible] مجھے جب [illegible]
واپس آیا۔ بہرحال صبح کو جب میری آنکھ کھلی تو وہ [illegible]
[illegible] میں کمرے سے [illegible] دیکھا اور پھر
اٹھا اور باتھ روم میں داخل ہو گیا [illegible] باہر
نکل آیا۔ غسل کرنے سے طبیعت شگفتہ ہو گئی تھی۔ لباس تبدیل کیا
[illegible] طالوت کا [illegible]
کسی خیال کے تحت [illegible] اور نواب [illegible]
[illegible]
بہت خوبصورت [illegible] تھا۔

[illegible] میری طرف نگاہ [illegible]
باغ لگا ہوا تھا [illegible]
پھول لگے تھے [illegible]
اس کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا۔

رنگین تتلیوں کی ایک ٹولی۔ چار پانچ لڑکیاں [illegible]
تھیں ان میں سیمیں [illegible] بھی تھیں۔ سیمیں [illegible]
[illegible] پہنے ہوئے تھی۔ اس کے بال [illegible]
[illegible] طالوت [illegible]
اس نے مجھے اس طرح [illegible]
سیمیں کو پسند کرتا تھا اس لئے اس پر میرا کوئی حق نہیں تھا۔

چند لمحے کے بعد طالوت جاگ گیا۔ اس نے انگڑائیاں
لیں۔ اور پھر [illegible] مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں
پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

• جب میں واپس آیا تھا تو تم سو چکے تھے۔ • اس نے کہا۔
• [illegible] کی [illegible] کے لئے بے چین ہوں۔
• بڑی دلچسپ [illegible] ہے۔
• ملیے [illegible] بات چیت ہو گی۔
میں نے کہا۔ اور طالوت [illegible] اٹھ گیا۔ پھر وہ غسل خانے میں گھس گیا۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

• [illegible] مسکراتے ہوئے کہا۔
• [illegible]
[illegible]

• [illegible]
• [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
• [illegible]
[illegible]
• [illegible]
• [illegible]
[illegible] اس تحائف کا۔ اس کے بعد میں نے نواب [illegible]
کی سیر کی۔

خوب!
• بیگم صاحبہ [illegible]
استقبال [illegible] بہرحال نواب صاحب [illegible]
[illegible]

• کیا۔ کیا؟ • میں نے دلچسپی سے پوچھا۔
• [illegible] ابھی [illegible]
نواب شمشیر الدولہ آنے والے ہیں۔
• یہ کون بزرگ ہیں؟
• سیمیں کے طلب گار۔ پہلے سے معاملہ طے ہے۔ اب
چونکہ سیمیں تعلیم ختم کر چکی ہے اس لئے شمشیر الدولہ چند روز کے لئے
یہاں آ رہے ہیں۔ اس دوران نواب صاحب ان کی [illegible]
[illegible] آخری فیصلہ کریں گے۔ کسی اور ریاست کے نواب صاحبزادے [illegible]
• الجھن کیا ہے؟ • میں نے پوچھا۔
• ہم دونوں [illegible] صاحب نے [illegible] زبان سے [illegible] کیا تھا
[illegible] میرا مطلب ہے میری اور تمہاری بات ہی کیا ہے۔ نواب
[illegible] اگر ہم میں سے کوئی سیمیں سے
منسوب ہو سکتا تو نواب صاحب کی قسمت کھل جاتی۔ [illegible]



[illegible] ٹیکن اب کیا
[illegible] اور اگر شمشیر الدولہ کو
[illegible] کیا پتہ ہے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] مسکراتے ہوئے [illegible] کہا۔
• [illegible] طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔
[illegible] طالوت۔!
• [illegible]
• ایک بات بتاؤ طالوت۔ کیا ہم بہتر لوگ ہیں۔!
• ہرگز نہیں۔ [illegible]
[illegible] طالوت [illegible]
[illegible]
[illegible]
• [illegible] تمہارے درمیان ایک [illegible]

[illegible]
• وہ کیا؟
• یہی شریف لڑکی کو کسی قیمت پر پریشان نہیں کیا جائے گا۔
• میں اس کا پابند ہوں۔ • طالوت نے [illegible]
• میرے سلسلے میں بھی تم دیکھ چکے ہو [illegible]
کے لئے خاص [illegible] لیکن اس کی [illegible]
• [illegible] کرتا ہوں یا اس بات کی۔ • طالوت نے کہا۔
• اگر سیمیں شمشیر سے منسوب ہے اور اگر [illegible]
تو ہمیں [illegible] ظاہر ہے اسے شمشیر [illegible]
[illegible] ہم [illegible] پھر اس کا معاملہ [illegible]
کیا جائے۔؟
• ہوں۔ • طالوت کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر
گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ • کہتے تو ٹھیک ہو۔ لیکن اس کے لئے ایک
شرط ہے۔
• کیا۔؟
• [illegible] شمشیر الدولہ کا جائزہ لیا جائے گا۔ سیمیں کو [illegible]
[illegible] اگر شمشیر الدولہ سیمیں جیسی حسین لڑکی کے لائق ہوئے
اور سیمیں نے بھی انہیں پسند کیا۔ تو ہم خاموشی سے یہاں سے [illegible]
کر جائیں گے۔ اور اگر ایسی بات نہ ہوئی۔ تو پھر [illegible]
• چلو منظور۔! • میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور یہ بات
طے ہو گئی۔ [illegible] طالوت سیمیں سے عشق نہیں شروع کرے گا۔
[illegible] قدموں کی چاپ سنائی دی۔
دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اسے [illegible] اور کسی نے اندر جھانکا۔ [illegible]
[illegible] ہم لوگوں کے سامنے [illegible]

اندر میں کی [illegible]!
• کیسی [illegible] شرافت سے پوچھا۔
• نواب میاں نے بھیجا ہے [illegible]
[illegible]
• [illegible] طالوت نے کہا [illegible]
[illegible]
• میاں سب کس وقت [illegible]
• میاں صاحب [illegible]
• ٹھیک ہے ناشتہ کس وقت ہوگا۔؟
• قریب۔؟
• [illegible] طالوت نے [illegible]
[illegible] نواب صاحب [illegible]
• صبح بخیر۔ رات کو [illegible]
• کیا نواب صاحب۔؟ طالوت نے کہا۔ [illegible]
سلام کر کے مصافحہ کیا تھا۔!
• بھئی [illegible]
• نہیں نواب صاحب۔ خدا کے فضل سے ہم بھی مسلمان ہیں۔
• بڑی مسرت کی بات ہے۔ [illegible]
کی سیر [illegible] نواب صاحب نے کہا۔ [illegible]
سے گفتگو کرتے رہے۔ بہت سی باتیں [illegible] طالوت نے
ایک بات کہی۔
• میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے نواب صاحب۔؟
• وہ کیا شہزادے [illegible]
• ہم لوگ سیر و تفریح کرنے نکلے ہیں اور تمام [illegible]
[illegible] اس کا [illegible] آپ نے اس [illegible]
ہو گا کہ ہم دونوں تنہا [illegible] سے سفر کر رہے ہیں۔
• ہاں۔ [illegible]
• یہاں۔ اس محل میں آپ نے جس اپنائیت سے [illegible]
ہے اور یہاں کے [illegible] ہم سے پیش آئے ہیں۔ وہ احساس [illegible]
ہے کہ ہم اپنے ہی گھر میں ہیں۔
بے شک۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ لوگ اسے اپنا گھر
تصور کرتے ہیں۔
• تب پھر نواب صاحب۔ آپ [illegible] اپنے روزمرہ کے
معمولات میں مصروف رہتے۔ مصروف ہیں۔ [illegible]
سپرد کر دیں۔ [illegible] ہماری ملاقات ہے۔ [illegible]
تھوڑا سا وقت گزارنا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر [illegible] تکلفات [illegible]
• مجھے [illegible] گے۔؟ طالوت [illegible]

[illegible]

• شکریہ۔ [illegible] بات کی ہے [illegible]
[illegible]
وہ فرید دلہن کی طرح شرمائی بیٹھی تھیں۔

سیمیں [illegible]
مسکرا کر [illegible] نواب صاحب بھی [illegible]
لپٹنے شنلیب تھے۔ [illegible] تھے تو تعجب نہیں آتا تھا۔
کیونکہ اس وقت وہ بہت [illegible] معلوم ہوتے تھے۔ پھر انہوں نے
طاقت کی فرمائش بتائی۔ [illegible] سیمیں سے مخاطب ہو کر بولے
• سیمیں بیٹے۔ تم جدید طرز پر تعلیم یافتہ ہو۔ اس لیے
مہمانوں کی حالات کی ذمہ داری تم پر خاص طور سے عائد ہوتی ہے۔
[illegible] کے قواعد کی سیر ضرور کرانا۔
• جی۔! سیمیں نے [illegible] سے کہا۔ میں نے اس وقت اس
کے لہجے میں کوئی تبدیلی محسوس نہیں کی تھی۔ اللہ جانے کیوں مجھے
احساس ہوا کہ [illegible] بھاری ہے۔
ناشتہ ختم ہو گیا۔ نواب صاحب نے ملازم کو بلا کر ہدایت کی
کہ [illegible] جو [illegible] کر دیا گیا تھا آج ہی ہو گا۔ کیونکہ مہمانوں نے
اجازت [illegible] کے۔ پھر انہوں نے بتایا کہ انہیں [illegible] کام
سے [illegible] جانا تھا جس کے لیے منع کر دیا گیا تھا۔ لیکن اب
ان لوگوں کی اجازت سے وہاں جا رہے ہیں۔
• آپ بڑے اطمینان سے جائیے۔ اور تمام کام کر کے ہی
آئیے۔ • طاقت نے کہا اور ہم دونوں اپنے کمرے میں واپس آ گئے۔
• تو آخر تم نے اپنا کام کر ہی لیا۔؟ میں نے کہا۔
• ہاں یار۔ مگر یہ لڑکی کچھ [illegible] معلوم ہوتی ہے۔ • طاقت
نے کہا۔

• اس کی وجہ شمشیر تو نہیں ہے؟
• ہو سکتا ہے۔ دیکھیں گے کیا فرق پڑتا ہے۔ • طاقت نے
[illegible] لہجے میں کہا اور میں مسکرانے لگا۔
• ہنس کیوں رہے ہو۔ میں اپنے [illegible] پر قائم ہوں۔ •
طاقت گرم ہوتے ہوئے بولا۔ اور میں زور سے ہنس پڑا۔

• [illegible]
[illegible]
• الحمد [illegible]
• [illegible] خوبصورت [illegible]
• نصرت [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] تھا کہ باہر بیٹھ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
کی طرف دیکھنے لگا۔

• وہ نہیں آئیں۔؟ [illegible]
• [illegible] سیمیں [illegible]
• کون۔؟
• [illegible]
[illegible]
• یاد ہیں آپ کو۔؟ سیمیں نے کہا۔
• [illegible] کوشش [illegible]
عرض کیا تھا [illegible]
رشتہ [illegible] طاقت نے کہا۔
• کیا آپ [illegible] کر سکتی ہیں۔؟ [illegible]
تیس آئیں۔ [illegible]
میری آنکھیں [illegible]
سیمیں ہنسی روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ [illegible]
• میرا خیال تھا اس حیثیت میں آپ سنجیدہ ہوں گے لیکن
• اسے کیسی حیثیت [illegible]
کچھ دیر [illegible]
انداز میں کہا کہ نصرت [illegible] تماشا بننے لگی۔
• آپ اب ہمیں بے وقوف نہیں بنا سکتے [illegible]
سیمیں نے کہا۔
• بے وقوف۔ [illegible]
• [illegible] آپ نے کب بتایا تھا کہ [illegible]
اعلیٰ انسان ہیں۔
• [illegible]



[illegible]
[illegible]
[illegible] کے لیے [illegible]
[illegible]
جی نے کہا۔ [illegible] میرا دل اس کے لیے
[illegible] کی سالی تنگ رہی ہیں۔
[illegible] نے کہا۔
[illegible] سیمیں نے ہنستے [illegible]
[illegible]
[illegible] دیکھا تھا۔!
[illegible] کر ہم لوگ ذہن میں آپ کی
[illegible]
[illegible]
[illegible] کیا تھا سیمیں صاحبہ
[illegible] نہیں ہیں۔؟ میں نے کہا۔
[illegible] کی بات نہیں کی تھی۔ عرفت والا
[illegible] لیا۔ اس کے بعد
[illegible] کے لیے تیار ہوں۔
[illegible] سمجھیں۔ [illegible]
[illegible] آپ کے والد صاحب [illegible]
[illegible] طاقت نے کہا۔
[illegible] آن کا [illegible]
[illegible]
[illegible] معاف کر دو حضور۔ بس ایک بار
[illegible] ایسی حرکت نہیں ہو گی۔ بس ایک بار
معاف کر دو۔ [illegible]
[illegible] کیا بات ہے یار۔ روحی کیا کر دیا تم
[illegible]
[illegible]
[illegible] میں نے تو کچھ نہیں کہا [illegible] حضور۔ • روحی بولی۔
• پھر یہ [illegible] کیا ہو گیا۔؟
[illegible] آپ کے بارے میں معلوم ہوا ہے اپنے کمرے
[illegible] اس وقت بھی بڑی مشکل سے نکلی ہیں۔
[illegible] روحی نے کہا اور طاقت
[illegible] کیوں کانپ رہی ہو۔؟
• معاف کر دو [illegible] معاف کر دو۔ [illegible]
[illegible]
• [illegible]

آخر کیوں۔؟
[illegible]
[illegible]
[illegible]
• تو کیا تم شادی کرو گی یار۔؟ سیمیں [illegible]
• [illegible]
[illegible]
• [illegible] نے طاقت [illegible]
[illegible] پریشان کر رہے ہو۔ [illegible] اب تمہاری زبان سے [illegible]
کا ایک لفظ بھی [illegible]
• [illegible]
آپ سے [illegible] کی معافی چاہتا ہوں یار۔ • طاقت نے کہا۔
• [illegible]
مت کرو میاں۔ اتنے بڑے [illegible] ہو کر معافی مانگتے ہو۔ [illegible]
[illegible]
• [illegible] شادی کی بات کیا ہوئی یار۔ [illegible]
[illegible] نصرت نے کہا۔
• [illegible]
[illegible]
• مگر تم نے ابھی اقرار کیا ہے [illegible]
• [illegible]
[illegible] لیکن پھر ان کی نگاہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
پھر وہ باہر نکل کر [illegible] سیمیں نصرت [illegible]
بے تحاشا ہنس رہی تھیں۔ طاقت [illegible] سیمیں کو دیکھ رہا تھا۔
• یہ تو کچھ نہ تھا۔ • طاقت نے [illegible] ایک گہری سانس لی تھی۔
• آپ کیا چاہتے تھے؟
• بس [illegible] کچھ گالیاں [illegible]
[illegible]
• [illegible] آپ کے بارے میں معلوم ہوا [illegible]
• اور جناب کی کیا کیفیت ہے۔؟ طاقت نے براہ راست
سیمیں سے کہا۔
• [illegible] تو انسان ہوتے ہیں۔ [illegible]
سیمیں نے کہا۔

• اللہ [illegible] ہے۔؟ طاقت نے ایک گہری سانس لی۔
• [illegible]

امانت ملی ہو کہ آپ کو چلنا پڑے گا ان کی سیر کے لئے۔ [illegible]
رجوع کیا۔

• لیکن میں ضرور نہیں کرنے دوں گا۔ اگر آپ نے
کر لی تو مجھ کو اعتراض نہیں ہو گی۔

• نہیں جی۔ بہت سمجھ کی بات ہے۔ آپ [illegible]
جانتے ہیں۔ [illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible] آپ کو [illegible] خود تھی۔

• شکریہ [illegible] اگر یہ بات ہے تو [illegible]
چلیں گے۔ طالوت نے کہا۔

• سالم بھائی! آپ کو [illegible] ملک صاحب۔ بہت
[illegible]

• [illegible] کام کر جاتے [illegible]
لے سکتے ہیں۔

میں نہیں مانتی۔ [illegible] بولا۔ پھر کہنے لگی۔

• بہرحال آپ تیار ہو جائیے۔ ہم لوگ ابھی آتے ہیں۔

• جیسے [illegible] طالوت نے کہا [illegible] مسکرائی [illegible]
گیٹ۔ طالوت [illegible] [illegible]

• [illegible] بہت خوشی ہوئی۔

• سالم بھائی۔ ملک صاحب۔ کیا بھی۔

[illegible] بھی بس پڑا۔ اور پھر ہم تیاریاں کرنے لگے۔
تینوں لڑکیاں بھی آگئیں۔ ان کے ساتھ دو لڑکے بھی تھے جو صورت
ہی سے احمق معلوم ہوتے تھے۔

• یہ کون ہیں۔؟ طالوت نے پوچھا۔

• عالم صاحب۔ [illegible] بھائی۔ میں نے
ایک لڑکے کا تعارف کرایا اور وہ [illegible] درست کرنے لگا۔

• اور یہ شہزاد صاحب ہیں۔ [illegible] بھائی۔ [illegible]
گئے ہیں۔

• تمہارے ساتھ چل رہے ہیں؟

• جی ہاں۔ انہوں نے اجازت لے لی ہے [illegible]
میں کا [illegible] خوشگوار نہیں تھا۔

• [illegible] طالوت نے [illegible] ہوئے کہا اور
[illegible] دونوں [illegible] شامت آگئی
تھی بیچاروں کی۔ بڑے خوش نظر آ رہے تھے۔ طالوت کی شامت
[illegible] سٹرک ٹھہری۔ میں نے اسٹیرنگ سنبھالا اور طالوت
میرے برابر بیٹھ گیا۔ اس کے نزدیک عالم صاحب بیٹھ گئے تھے۔ پچھلی سیٹ پر
تینوں لڑکیاں اور شہزاد صاحب بھی بڑی خوشی سے بیٹھ گئے [illegible]

[illegible] جو ہمارا [illegible]
کی تھیں۔ لیکن [illegible] [illegible]
[illegible] ہو گیا تھا۔!

• [illegible] سالم بھائی۔ [illegible]

پھر ہم سوچتے ہوئے بولا: [illegible]
[illegible] سالم [illegible]
صاحب۔ طالوت [illegible] کیا [illegible]
جب عالم صاحب [illegible] گئے۔ [illegible]
میں کے بارے [illegible]
تھا اس لئے وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

طالوت میرے [illegible]
عالم صاحب [illegible] ہو گئے! [illegible]
عالم صاحب کا [illegible] میاں [illegible]
تحسین [illegible] [illegible]
[illegible] کیا۔

• الله [illegible] عالم بھائی۔ آپ [illegible]
کی [illegible] ہے۔ آپ سال میں کتنی مرتبہ [illegible]

• جی۔ [illegible] صاحب [illegible] گئے۔

• [illegible] کو دیکھے۔ [illegible]
نے اشارہ کیا [illegible] سالم صاحب سمجھتے۔ [illegible]
سفر بہت طویل نہیں تھا [illegible] سمجھ میں [illegible]
آیا تھا۔ بہرحال خوبصورت علاقہ تھا۔ موسم بھی [illegible]
ایک جگہ گاڑی کھڑی کر دی گئی اور سب نیچے اتر گئے۔!

• جمال [illegible] منظر لاجواب ہے۔ لیکن [illegible]
بھی تقریباً [illegible] نہیں ہیں۔ [illegible] وقت [illegible]
یہ خوبصورت جگہ ہے۔ کیوں [illegible] صاحب۔ میں
نے طالوت کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

• آسمان کو چھوتے ہوئے پہاڑ۔ برف سے ڈھکے ہوئے اور
سفید برف کے پگھلنے کے بعد [illegible] سبزہ [illegible]
ہوا [illegible] برف کی سفیدی سبزہ [illegible] ہلکی [illegible]
آباد ایک چھوٹی سی دنیا۔ خوشحال و مطمئن۔ محنت کش لوگ [illegible]
اور سفید۔ آسودگی کی سانسیں لیتے ہوئے۔ ہماری دنیا [illegible]
ہم اپنے آپ میں خوش ہیں۔ طالوت نے منظر کشی کرتے ہوئے کہا۔
[illegible] آنکھیں خوابوں میں کھو گئیں۔

• آپ کو دیکھ کر [illegible] دنیا کا احساس ہوتا ہے۔ [illegible]

• لیکن ہم نے اپنی دنیا میں ہمیشہ ایک کمی محسوس کی ہے۔

[illegible] طالوت نے کہا۔
• کیسی کمی۔؟
• بس۔ الفاظ نہیں مل سکتے اس احساس کو۔ [illegible]



[illegible] چلے ہوئے [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible]
• [illegible]
کے دوسری مرتبہ [illegible]
• ملک صاحب کے مقابلے میں [illegible] سالم صاحب!
کیا بات ہے۔ [illegible]
• میں [illegible] [illegible]
• [illegible] آپ [illegible]
• [illegible]
• [illegible] سمجھ لیا کہ [illegible]
[illegible]
• ایک [illegible]
• [illegible] آپ [illegible]
• [illegible] [illegible] تھیں۔ [illegible]
[illegible] ہے۔
• [illegible] سالم صاحب؟
• [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] اور لڑکیاں نہیں ہیں۔
• [illegible] [illegible]
ہوتا ہے سالم صاحب!
• کیوں۔ [illegible]
• آپ بھی کتنی ہی شادیاں کر لیں گے۔!
• جی۔ [illegible] اور لڑکیاں
[illegible] پر [illegible]
• [illegible] آپ بھی تو۔؟
• [illegible] [illegible]
نہیں ہیں۔ [illegible] [illegible]
میں [illegible] حکومت [illegible]
کرنے لگی۔
• [illegible] نے کہا۔ [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] طالوت [illegible]
[illegible] [illegible]

[illegible] ایک [illegible] [illegible] کیا باغ
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
• [illegible] کیسے ہو گئے۔ کیا [illegible]
[illegible] [illegible]
• نہیں [illegible] نہیں لیکن۔ کسی کو معلوم بھی نہیں
[illegible] کی تھی۔ بس نہیں [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] کر دیں۔
[illegible] معلوم کر کے [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] عالم اور شہزاد [illegible]
[illegible] طالوت نے
[illegible] [illegible]
[illegible] کیا۔ عالم اور شہزاد کو دیکھ کر اس کی [illegible]
[illegible] کہا اور بولا۔
[illegible] صاحب۔ [illegible] نظر
[illegible] کی طرف [illegible] ہوئے کہا
[illegible] ہوئے تھے۔ میں اور
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] عالم اور شہزاد بیٹھ گئے۔ [illegible] کے ساتھ
[illegible]
میں نے طالوت کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ طالوت
[illegible] گزر گئے۔ وہ [illegible]
[illegible] طالوت نے پوچھا۔
• کچھ نہیں۔ بس [illegible]
• [illegible] طالوت [illegible]
اس کے ساتھ ہی عالم اور شہزاد نے بھی اٹھنے کی کوشش کی۔ اور میں نے
[illegible] [illegible] تھے
[illegible] طالوت [illegible]
[illegible] ہو گیا۔ [illegible]
[illegible] شرم کی وجہ سے کچھ بول بھی
نہیں سکتے تھے۔ [illegible]
ہم نے ایک [illegible] طالوت کو [illegible] تھا۔ لیکن میں نے
[illegible] [illegible] کیا۔ [illegible]

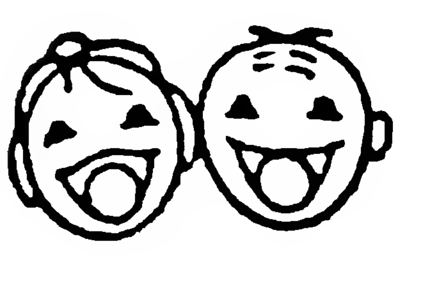

[illegible]

• تم بھی [illegible] کا نام بھی بھول گئے — اس کا نام [illegible] ہے۔

• ہم جانتا ہوں [illegible] لیکن [illegible]

[illegible] اس کا نام [illegible]

[illegible] کے سامنے نہیں [illegible]

[illegible] گئی تھیں!



[illegible]

انسان ساتھ ہی تھے۔
• آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟ طالوت نے [illegible]
سوچ کر کہا
• آپ نے کوئی خوشخبری سنائی ہے۔ ہم کام کریں گے۔
نصرت نے جواب دیا
• تم لوگ بہت ہی ... [illegible] ... نصرت
[illegible] طالوت لوگوں سے پوچھ رہے تھے ... [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
• ایک بات پوچھنی تھی طالوت نے [illegible]
• ضرور پوچھئے۔
• یہ خوشی کا موقع ہے، کسی طرح بگاڑ دیا؟
• اف یہ ... خود بخود بگڑ گیا۔ ہم نے تو کچھ بھی نہیں کیا!
طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔
• تاکہ آپ لوگوں کی تربیت ہے۔ معاف کیجئے گا
اب بے تکلفی کر رہے ...
• اچھا لگا ... [illegible]
[illegible]
[illegible] لڑکیاں پیچھے ہٹ گئی تھیں۔
• سائنس ... نصرت نے آہستہ سے کہا اور
[illegible] کی طرف دیکھا۔ آپ لوگ ... [illegible]
جاسکیں گے۔ آپ بہت ... [illegible] ... آپ ہمیں تسلی
سے فراموش کر دیں۔
• اس لئے کہ نصرت صاحبہ میں بھی غلطی [illegible]
پیش آئی تھی۔
• جیسے ... [illegible] ... ؟
نصرت بیگم نے ... [illegible]
• ... [illegible] ... ؟
[illegible] کہا ... [illegible]
بچا سکتے تھے ... نہیں جاتا تھا۔
• ٹھیک کہتے ہیں آپ ... [illegible]
[illegible]
کے ... شمشیر صاحب کے کہنے
سے ... [illegible] ... آپ لوگوں کی [illegible]
... آپ نے [illegible] ... اسی طرح انہیں بھی
کر دیا ہے۔

[illegible] ... [illegible]
مجھے بتا دیجئے ... نے کہا
• ضرور پوچھئے ... [illegible]
• کیا ہمیں شمشیر کو پہنچانا ہے ... [illegible]
نصرت نے ... [illegible] ... مجھے دیکھا اور پھر بولیں
• اس سوال کا جواب آپ ہی دے سکتے ہیں۔ سائنس صاحب ... کہا
کون ... لڑکی شمشیر کو پسند کر سکتی ہے۔
• میرے لئے بڑا سوال ہے۔
• ... [illegible] ... کیجئے ... آپ کے [illegible]
یہ ہے کہ ہمیں ... شمشیر سے منسوب ہے۔ [illegible]
... بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم ... [illegible]
• کیا آپ کو ہمیں ... کا حال معلوم ہے۔
• ... [illegible] ... ہیں۔
لیکن شمشیر کے ساتھ ... [illegible]
• وہ اپنے والدین کو ... نہیں کرنا چاہتی ... [illegible]
بلکہ ... [illegible] ... نصرت نے کہا اور ... [illegible]
... [illegible] ... یقین تھا کہ ... [illegible]
تبدیلی ... [illegible] ... بہرحال طالوت ... [illegible]
کرنے پر تیار تھا اور یہ ... مسرت کی بات تھی۔
[illegible] ... شمشیر ... [illegible]
نکل گیا تھا ... [illegible] ... کے ساتھ کوئی ... [illegible]
تھا۔ ... نے طالوت کی طرف دیکھا اور طالوت رک گیا ... [illegible]
آگیا تھا ...!
• بالکل ہے ... کہیں ہمیں ... کسی ... [illegible]
گرفتار ہو جائیں۔
• ... انہیں تلاش کر لیتے ... طالوت نے ...
اور ہم نے ... [illegible]
[illegible]
[illegible]
سے کچھ کہہ رہا تھا۔ ہم سب ان کے نزدیک پہنچ گئے۔
• ... آج کی سیر میں لطف نہیں آرہا ... شمشیر صاحب!
کیا ... [illegible] ... نہیں ہے ... طالوت نے کہا۔
• ... [illegible] ...
• ... آپ کو کام ہو جائے گا ... سائنس ... [illegible]
بنائیں۔
• ... بات بھی نہیں ہے ... نے کہا اور ...
کھڑا ہو گیا اور پھر وہ ... کی طرف رخ کر کے بولا ... آپ کا ... [illegible]



[illegible] ... ہو گئے
[illegible] ... طالوت کی ... [illegible]
• ... [illegible] ...
[illegible] ... ایک ... [illegible]
• ... [illegible] ... کی ...
[illegible]
• ... [illegible] ... طالوت نے کہا اور
[illegible] ... انتظار کر رہے ... طالوت
[illegible] ... شمشیر کو ... [illegible]
[illegible]
[illegible] ... لیکن ہمیں ... [illegible]
[illegible] ... قہقہہ لگایا۔
• کیوں ... وہ بولا۔
• ... کام ... پانی ... [illegible]
... نے کہا اور لڑکیاں ... ہنسنے لگیں۔
طالوت نے ... [illegible] ... تھا ... [illegible]
دوسری طرف ... [illegible] ... پانی ... [illegible]
[illegible]
[illegible] ... ہو گئے تھے۔
• ... شمشیر صاحب ... طالوت نے
[illegible] ... شمشیر صاحب کے منہ سے آواز نہیں نکل سکی ... [illegible]
[illegible] ... کی طرف واپس آرہے تھے ... [illegible]
[illegible]
[illegible] ... تھے ... اور وہ ... کانپ رہے تھے!
• ... [illegible] ... طالوت ... [illegible]

[illegible]
• آپ ٹھیک کہتے ہیں ... سائنس بھائی ... طالوت نے [illegible]
• ہم ہم ... بس بس ... [illegible]
شمشیر ... [illegible]
• ... [illegible] ... شمشیر ... طالوت نے
... [illegible]
• ہم ... میں ... شمشیر ... [illegible]
نصرت کو ... کیا ... [illegible] ... طالوت ... [illegible]
... کہا۔
• ... [illegible] ...
... شمشیر ... نصرت ... [illegible]
• ... نہیں ہے۔
• ... کہاں گیا ... شمشیر ... [illegible]
پریشان ہونے ... [illegible] ... مناسب سمجھا

[illegible] ... شمشیر ... [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ... طالوت نے ... [illegible]
[illegible]
[illegible]
• ... [illegible] ... پریشانی سے ... [illegible]
[illegible] ... ہو گئے ...
• ... [illegible] ... کریں
کہا۔
• ... [illegible] ... آپ لوگ ... [illegible]
[illegible]
• ہم ... شمشیر ... [illegible]
• اچھا اچھا ... طالوت نے کہا ... [illegible]
[illegible]
شمشیر ... [illegible]
[illegible]
• آپ لوگ ... شمشیر ... [illegible]
طالوت نے شمشیر کے ساتھیوں سے کہا۔
• ... ساتھ جائیں گی ... ہمیں ... طالوت ... [illegible]
[illegible]
[illegible]
طالوت نے ایک گہری سانس لی۔
• ... [illegible] ...
• ... [illegible] ...
نصرت نے ... [illegible] ... خاموش ہو گئی ... [illegible]
کی طرف بڑھ گئے تھے۔
• ... [illegible] ... کہاں گئے
• ... [illegible] ... کہاں ... [illegible]
لڑکی ... سے بولی۔
• ... [illegible] ...
[illegible] ... طالوت ... [illegible]
نصرت نے ... [illegible]
[illegible]
• آپ لوگ ... [illegible]
[illegible]
• ... شمشیر ... [illegible]
طالوت ... [illegible]

[illegible]

[illegible]

"باپ — اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"گویا روح کا رشتہ طے ہو گیا۔"

"یقیناً۔" سیمیں نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"درمیان میں کوئی اجنبیت بھی نہیں رہی۔"

"قطعی نہیں۔" سیمیں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"لہجے کی مضبوطی برقرار رہے گی؟"

"تاابد۔"

"تب صرف اتنا سمجھ لو — [illegible]

[illegible] تمہاری [illegible]

"میں حاضر ہوں۔" سیمیں نے کہا اور [illegible] آگے جھک کر [illegible] کا ہاتھ پکڑ لیا [illegible]

[illegible]

"سیمیں میری زندگی۔" [illegible]

[illegible]

[illegible] گزر گئے۔ پھر سیمیں نے کہا۔

"میں اجازت چاہتی ہوں احسان، براہ کرم تم ان سے مل لو — اس وقت میں ان کا سامنا نہیں کر سکتی۔"

"ٹھیک ہے — تم سیدھی نکل جاؤ [illegible]

کا شخص اس لاچار [illegible] قوالقاسم نے کہا تو
یہ کھا گیا۔
شمشیر ۔ [illegible] آج ان [illegible] باہر جائیں
[illegible] پہچانے کی [illegible] ہے
[illegible] منتظر تھے نواب صاحب
نے [illegible] نکل گئے۔
بہتر ہے شمشیر ۔ تم اپنی [illegible] منٹ
کے [illegible] اندر [illegible]
قبول کر لیا ہے۔ [illegible] کشش [illegible] جلال [illegible]
کرائے گئے نواب [illegible] جلال الدین کو
[illegible] کے محل [illegible] کے خریدنے
[illegible] شامل ہوئے شمشیر [illegible] نہیں [illegible] دلی کی
[illegible] زیادہ [illegible]
[illegible] چکے ہیں ۔
[illegible] شمشیر کی قدم [illegible]
[illegible] کی طرف چلا گیا۔ طارق نے
[illegible] دیکھا اور بولا [illegible] رہے ہیں
اس کے [illegible] نواب صاحب۔
[illegible] نواب صاحب [illegible] کے ساتھ [illegible] کوئی تعرض نہیں کیا۔
[illegible] شروع کریں [illegible] زندگی
[illegible] میرا خیال ہے اس کی
حیثیت کا احساس دلایا گیا ہے۔
نواب صاحب نے خاموشی سے کھانا شروع کر دیا۔ ان کی کیفیت
[illegible] کھانے کے دوران کوئی کچھ نہ بولا۔ اور خاموشی سے
ہی ختم ہو گیا کھانے کے بعد [illegible] اٹھ گئے۔ اور [illegible] کمرے سے نکل
گئے نواب صاحب نے ان لوگوں سے اجازت مانگی ہے [illegible] آرام کا [illegible]
[illegible] ایک گھنٹے کے بعد آپ کے پاس حاضر ہو سکتا ہوں [illegible]
صاحب۔" طارق نے پوچھا۔
"[illegible]" نواب صاحب [illegible] سی نگاہوں سے اسے دیکھا۔
انتہائی ضروری گفتگو کرنی ہے۔"
"اچھا ۔ انتظار کروں گا۔" نواب صاحب [illegible] کہا۔
[illegible] احسان اور طارق اپنے کمروں کی طرف چل پڑے ۔
راستے میں [illegible] نے ایک ملازم سے پوچھا۔ "شمشیر الدولہ چلا گیا میاں۔"
"جی شہزادے صاحب۔"
"اس کے ساتھی تو نہیں آئے ۔؟"
"جی نہیں ۔" ملازموں سے [illegible] گردن [illegible] کر آگے بڑھ گئے۔

[illegible] شمشیر الدولہ کے [illegible]
چھوڑ دیا [illegible] ایک سوال [illegible]
[illegible] نواب صاحب [illegible]
[illegible] کی کیفیت [illegible] احسان نے کہا۔
[illegible] کرو۔ ایک گھنٹے کے بعد [illegible]
ایسا کریں گے [illegible] بھائی ۔" احسان نے پوچھا۔
[illegible] جاتی ہے شمشیر الدولہ کے [illegible]
[illegible]
طارق [illegible] احسان [illegible] اپنے کمرے میں چلا گیا۔ [illegible] اپنے کمرے
[illegible] طارق نے [illegible] دروازہ بند کر لیا [illegible]
ایک گہری سانس [illegible] کی طرف دیکھا۔
"کیا خیال ہے۔؟" اس نے [illegible] کی طرف دیکھا۔
"کیا مطلب ۔؟"
"نواب کی حالت ٹھیک نہیں ہے شمشیر [illegible] ہو گیا ہے۔
اب نواب کو اپنی عزت کی پڑی ہے۔ [illegible] کوئی [illegible]
قدم اٹھا بیٹھے [illegible] کیا ہے۔"
"ہاں ۔ یہ تو ہے۔"
"بہر حال [illegible] نے اس سے ایک گھنٹے کی مہلت [illegible]
خیال ہے [illegible] ۔ اس کا کام ختم کر لیا جائے" طارق نے کہا
[illegible] راسم [illegible] حاضر ہو گیا۔
"کاغذات لے آئیے۔"
"حاضر ہیں شہزادہ حضور۔" راسم نے ایک [illegible] طارق کے
سامنے رکھ دیا۔ "تمہیں یقین ہے کہ یہ کاغذات مکمل ہیں [illegible] کے علاوہ تو کچھ اور نہیں
رہ گیا ہے۔ کوئی بھی ایسا نشان جس سے [illegible] جلال الدین [illegible]
اسی کے [illegible] ہو۔"
"بالکل نہیں آقا ۔ اب [illegible] کچھ نہیں رہ گیا ہے۔" راسم نے
جواب دیا۔
"ٹھیک ہے راسم ۔ اب ہمیں اس رقم کی ضرورت ہے [illegible] نواب
جلال الدین [illegible] کرنسی کی شکل میں یہاں ڈھیر کر دو۔"
"جو حکم شہزادہ حضور۔" راسم نے گردن جھکائی [illegible]
غائب ہو گیا طارق مسکراتے ہوئے [illegible] کی طرف دیکھ رہا تھا [illegible]
مجھے طارق پر رشک آ رہا تھا۔ کیا صاحب [illegible] یہ شخص ۔ دنیا [illegible]
اس کے لئے کس قدر آسان ہیں۔ کاش میری دنیا کے [illegible] اسی طرح [illegible]
کاش [illegible] زندگی [illegible] اس قدر کٹھن نہ ہوتی۔ تب یہ دنیا ایک خوبصورت پھول
کی مانند ہوتی ۔ ایک مہکتا ہوا پھول [illegible]
[illegible] کرتی ہے [illegible] ہوتے ہیں [illegible] کیا ہوتا ہے۔



[illegible] کی زندگی [illegible]
[illegible]
[illegible] پریشان [illegible]
[illegible] میرا مطلب ہے شہزادہ صاحب ہم
[illegible] دیکھیں۔"
[illegible] واقف ہو [illegible]
[illegible] طارق نے کاغذات [illegible]
[illegible] ہم دونوں نواب صاحب کے کمرے
[illegible] دروازے پر [illegible]
[illegible] دروازہ کھلا۔ ان کے چہرے پر [illegible]
[illegible] شاید انہوں نے [illegible]
[illegible] لیکن [illegible] حقیقت ہے کہ ان لوگوں نے [illegible]
[illegible] کی طرح بھروسہ کرتے تھے بیگم نواب [illegible]
[illegible] ان کی حالت
[illegible] دیکھو۔" وہ [illegible]
[illegible] داخل ہو گئے۔
[illegible] حضور۔" طارق نے کہا اور بیگم صاحبہ نے
[illegible] سنبھال [illegible] تھے۔ ان کا سانس [illegible]
[illegible] طارق نے مجھے اشارہ کیا۔
[illegible] نواب صاحب کی مسہری کی [illegible]
[illegible] آیا نواب صاحب ۔" میں نے [illegible]
[illegible] میری طرف دیکھا اور [illegible]
[illegible] یہ بات نہیں ہے۔" انہوں نے [illegible]
[illegible] کوئی معذرت نہیں چاہتا ۔ میں جانتا ہوں کہ آپ
[illegible] یقیناً آپ [illegible] ہوں گے کہ اب شمشیر یہاں
[illegible] جا کر اصغر الدولہ کو پوری تفصیل بتائے گا [illegible]
[illegible] لیکن وہ [illegible] ہوں گے اور اس کا انتقام
[illegible] آپ کو پریشان کریں گے۔"
[illegible] یہی بات ہے۔" نواب صاحب نے گہری گہری
[illegible] لیتے ہوئے کہا۔
"ٹھیک ہے۔ براہ کرم اٹھ کر بیٹھئے ۔ [illegible] حضور آپ بھی تشریف
[illegible] ہیں اور آپ اس قدر پریشان ہوں گے۔

جب تک نواب صاحب [illegible]
[illegible] کاغذات [illegible]
[illegible]
کاغذات [illegible] آپ [illegible] کی تفصیل [illegible]
[illegible] نواب صاحب [illegible]
[illegible]
مگر [illegible] کیا ہے۔ براہ کرم اس کی تفصیل معلوم کریں کیا
آپ اسے پہچانتے ہیں۔؟"
[illegible] اصغر الدولہ [illegible] کاغذات [illegible]
[illegible] آپ اسے کھول کر دیکھ لیں ۔" طارق نے کہا [illegible]
اس [illegible] صندوقچہ [illegible] نواب جلال الدین نے [illegible]
[illegible] ایک ایک [illegible]
[illegible] حالت [illegible]
[illegible]
[illegible]
نواب صاحب کی حالت [illegible]
[illegible] حیثیت [illegible] کی طرح [illegible]
خاموشی سے انہیں دیکھتے رہے [illegible] نواب صاحب نے [illegible]
لیا۔ اس کے بعد وہ ہماری طرف متوجہ ہو کر بولے ۔ "یہ کہاں سے آ گیا ۔ خدا
کے لئے مجھے بتاؤ تو سہی یہ کاغذات کہاں سے آ گئے۔؟"
"اس کے علاوہ اور کچھ ہے اصغر الدولہ کے پاس۔" [illegible] طارق
نے ان کی بات کا جواب دیئے بغیر پوچھا۔
"کچھ بھی نہیں ۔ اب تو کچھ بھی نہیں ہے میری حیثیت [illegible]
کاغذات [illegible] پوشیدہ تھی۔"
"اگر اصغر الدولہ کبھی آپ پر [illegible] کرتا تو انہی کاغذات کے ذریعے۔"
"ہاں ۔ [illegible] اس کے پاس میرے خلاف کچھ بھی نہیں ہے۔"
"تب ۔ براہ کرم انہیں مجھے دے دیجئے۔" طارق نے کہا اور نواب
صاحب نے صندوقچہ طارق کے ہاتھ میں پکڑا دیا ۔ طارق اسے لے کے آتشدان کے
نزدیک پہنچ گیا۔ اور پھر اس نے پورا صندوقچہ آتشدان میں ڈال دیا۔ نواب صاحب
چہرے پر سرخی آ گئی۔ ان کی آنکھیں [illegible] کی مانند چمکنے لگیں۔ وہ [illegible]
[illegible] جب صندوقچہ [illegible] ہو گیا تو انہوں
نے مسرت سے [illegible] دیکھا۔
"اللہ ۔ اب تم بتا دو ۔ یہ کہاں سے آیا ؟"

[illegible]

[illegible]



[illegible]

[illegible]

[illegible]

آپ کا نام — سالم سلطان

[illegible]

ریس کورس میں جلال آباد کی پوری خلقت سمٹ آئی تھی۔

[illegible]

دیکھ رہے تھے۔

[illegible]

• بیٹھو — بھوک لگ رہی ہے؟" طلعت [illegible]

[illegible]

• نہیں — بھوک تو نہیں لگ رہی ہے۔

• بہت اداس ہو —؟" طلعت مسکرایا۔

• اداسی کی بات ہے۔

[illegible]

• ہاں بلکہ مجھے اس کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔

[illegible]

• ارے تو پھر دیر کس بات کی ہے — [illegible]

• وہ بھی بتاؤ —" میں نے کہا۔

[illegible]

• چلیں گے — وہ بیٹھیں گے۔

[illegible]

• میرا مطلب ہے [illegible]

[illegible]

• وہ — کیا ایسا ہے —؟

[illegible]

• کیا مطلب — [illegible]

• میرا مطلب ہے [illegible]

• ہاں —

[illegible]

طلعت نے میرا شانہ دبایا — [illegible]

• وہ دیکھو —" [illegible]

[illegible]

## بھانت بھانت

# مجاہد

**۸ حصوں میں مکمل**

… کہانی جسے آپ کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ علی یار خاں کی تہلکہ خیز داستان، آزمائش کی کڑی دھوپ میں ایک جانباز مجاہد کی سرگزشت۔ ایک راندۂ درگاہ قوم کی عیاریوں کا طلسم خانہ۔ ایک ٹھکرائے ہوئے قبیلے کی وحشتوں کا خوں رنگ فسانہ۔ منظر عام پر آنے کیلئے بے قرار ہے۔

**قیمت فی حصہ رف: -/45 قیمت فی حصہ مجلد: -/60**

# خالی گھر

**۲ حصوں میں مکمل**

خوف، پراسرار اور ماورائی واقعات پر مبنی ایک دلچسپ داستان، ایک ایسے جن کی کہانی جو ایک حسین و جمیل لڑکی کی زلف کا اسیر ہو گیا تھا۔

**انوار علیگی کی قلم کا جادو۔ بہت جلد جلوہ گر ہو رہا ہے۔**

**قیمت فی حصہ رف: -/40 قیمت فی حصہ مجلد: -/50**

# پراسرار داستان

خوف، پراسرار اور ماورائی واقعات پر مبنی ایک اور دلچسپ داستان، ہوشربا اور خالی گھر کے خالق، انوار علیگی کی قلم سے ایک ایسی ناقابل فراموش سرگزشت۔ بہت جلد جلوہ گر ہونے کیلئے تیار ہے۔

**ایک ہی حصہ میں مکمل**

**قیمت رف: -/45 قیمت مجلد: -/60**

# تین شیطان

**تین حصوں میں مکمل**

ایم اے راحت کا ایک اور تہلکہ خیز ناول… پراسرار، طنز و مزاح اور جاسوسی کہانیوں … پرستاروں کیلئے تحفہ۔ یہ تین شیطان کون تھے… ایک ایسی دلچسپ داستان جسے آپ نے آج تک نہ پڑھا ہوگا۔ بہت جلد جلوہ گر ہو رہا ہے۔

**قیمت فی حصہ رف: -/40 قیمت فی حصہ مجلد: -/50**

کتاب والا 2794، گلی جھوٹ والا، پہاڑی بھوجلہ، دہلی۔ …0006


[illegible]

جو وہ چوہدری کا بیان ہے۔ ہم تو پہلا شخص ہے جسے [illegible]

[illegible]

"بھئی۔ کیا ہو گیا۔" جمیل نے پوچھا۔

"یہ۔ کچھ نہیں ہے۔ کچھ نہیں۔ [illegible]"

[illegible]

"اچھا تو ہم چلے۔"

[illegible]

وہ باہر نکلا۔

"بہتر ہوا۔ مگر جب تم ہوش و حواس کریں۔ [illegible]"

[illegible]

میں آ گئے۔

[illegible]

[illegible]

"ہاں بھائی۔ تیری قسمت میں [illegible]"

"مزے تو تم ہی کر سکتے ہو۔ روسی لڑکیاں بھی موجود ہیں۔"

"وہ لڑکیاں ہیں۔" [illegible]

"خیر لڑکی تو روشیلا بھی نہیں ہے۔ لیکن اس ویرانے میں غنیمت ہے۔" [illegible]

اور کتنا مزہ بہت دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔



[illegible]

[illegible]

ہننلا ایک معمولی سپاہی تھا ـــــ اور ـــــ راسپوٹین ایک پادری ـــــ ایک نے جرمن کو اور دوسرے نے روس کو مٹھی میں جکڑ لیا تھا ـــــ سوچئے ـــــ کس طرح؟ ـــــ آپ کے جسم میں بھی یہ طاقت پنہاں ہے ـــــ آپ بھی اس خداداد قوت سے واقف ہو کر اپنے جسم میں چھپی طاقت کو جگا سکتے ہیں، سوئی ہوئی پنہاں طاقت کو بیدار کرنے کے لئے پڑھئے ـــــ "ہپناٹزم کیا ہے؟" =/30 روپے۔ "ہپناٹزم کے عملی تجربے" =/30 روپے۔ "ہپناٹزم سے علاج" =/25 روپے۔ "ٹیلی پیتھی گائیڈ" =/30 روپے محصول ڈاک معاف

---

آپ کا ریڈیو اور ٹی وی خراب بھی ہو سکتا ہے۔ ریڈیو اور ٹی وی رکھنے والے کیوں کہ ان کی تکنیک سے واقف نہیں ہوتے اس لئے پریشان رہتے ہیں۔ اور معمولی معمولی خرابیوں کے لئے بہت زیادہ پیسہ بھی خرچ کر دیتے ہیں۔ ریڈیو اور ٹی وی کی تمام خرابیاں جو عموماً اکثر کے فیل ہو جانے سے خراب ہوتی ہیں جو ہر شخص خود درست کر سکتا ہے۔ ریڈیو اور ٹی وی پر ٹیکنالوجی کی بہترین کتابیں۔

"ریڈیو گائیڈ" =/35 روپے ـــــ "ریڈیو ریپیئر گائیڈ" =/20 روپے ـــــ "کلر ٹی وی گائیڈ" =/50 روپے

---

اشتہاری حکیم ڈاکٹر، بھولے بھالے نوجوانوں کو جنسی علاج کے نام پر گمراہ کر کے لوٹ کھا رہے ہیں۔ نوابی علاج، شہنشاہی علاج، کے نام پر بے وقوف بنا رہے ہیں۔ ہم ان نوجوانوں کو بتا دینا چاہتے ہیں جو کسی کے دھوکے سے راہ روی کا شکار ہو چکے ہیں آپ میں کسی قسم کی کمی نہیں ہے اور اگر کمی محسوس کرتے ہوں تو ہماری شائع کردہ دو کتابیں "جنسی صلاحیت بڑھایئے =/30" اور "خفیہ جنسی راز =/30" منگا کر مطالعہ کریں انشاء اللہ ہر پریشانی سے نجات پا جائیں گے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے۔ منگانے کے لئے =/10 روپے کا پیشگی منی آرڈر کریں۔

**کتاب والا، ۲۷۴۹، گلی چھوٹ والی پہاڑی بھوجلہ، دہلی-110008**

[illegible]

ہم نے دیکھا کہ ٹیکنیکل کتابوں سے اردو زبان میں ٹیکنیکل کتابوں کا قحط پڑ گیا تھا۔ اگر کوئی کتاب ملتی بھی تھی تو بہت پرانی ٹیکنیک پر ہوتی تھی جو آج کے دور میں کسی کام نہیں آسکتی تھی۔ ہم اکبر حسین راہی کے بے حد ممنون و مشکور ہیں جنہوں نے ہمیں موجودہ دور کی ضرورت کو پورا کرنے والی ٹیکنیکل کتابیں چھاپنے کا بیڑہ اٹھایا۔ خدا کے فضل و کرم سے اب تک ذیل کی کتابیں چھاپ چکے ہیں:

☆ جدید الیکٹرک گائیڈ -/35 ☆ جدید الیکٹرک وائرنگ -/30 ☆ جدید ریڈیو گائیڈ -/36 ☆ جدید موٹر وائنڈنگ -/30 ☆ جدید موٹرز گائیڈ -/20 ☆ موٹر ڈرائیوری -/15 ☆ درزی ماسٹر -/30 ☆ جدید الیکٹرک ویلڈنگ -/30 ☆ کیمیکلز گائیڈ -/30 ☆ جدید صابن سازی -/30 ☆ ٹیکنیکل ٹرانسسٹر گائیڈ -/30 ☆ جدید گھڑی سازی -/60 ☆ ٹیکنیکل اسمبلی فارم گائیڈ -/30 ☆ ڈیزل انجن گائیڈ -/20 ☆ پٹرول انجن گائیڈ -/60 ☆ T.V ریڈیو -/15 ☆ کلر T.V گائیڈ -/50 ☆ موم بتی و کھلونے بنانا -/20 ☆ آئینہ سازی -/20 ☆ VCR سروس گائیڈ -/40 ☆ پلمبر گائیڈ -/30 ☆ اسکرین پرنٹنگ -/30 ☆ کمپیوٹر کورسز -/30 ☆ کمپیوٹر پروگرامنگ -/65 ☆ کمپیوٹر ہارڈویئر -/50 ☆ کمپیوٹر ڈیٹا پروسیسنگ -/85 ☆ ایئر کنڈیشن گائیڈ -/50 ☆ ریفریجریٹرز گائیڈ -/50 ☆ رنگ سازی تین حصے مکمل فی حصہ -/70 ہیں۔ اس کتاب میں چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی صنعت و حرفت کے راز افشا کرنے گئے ہیں۔ یہ تمام کتابیں قابل اور تجربہ کار حضرات نے لکھی ہیں۔ ان کتابوں کے مطالعے سے I.T.I پاس کرنے والے اور کم پڑھے لکھے بے روزگار نوجوان پورا پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ہر لحاظ سے مکمل، انتہائی آسان اور جدید طریقے "فوٹو آفسیٹ" پر چھاپے گئے ہیں۔ ہم ان نوجوانوں سے اپیل کریں گے جو بے روزگار ہیں کہ اپنا وقت برباد کرنے سے بہتر ہے کہ کتابوں کی مدد سے کسی بھی ہنر کو اپنا کر روزی پیدا کریں۔

(محمد تقی، ہارون رشید، محمد علی اختر، محمد عظیم خان)

[illegible]




انتظار کے لمحات ختم ہونے

## آقابلا

دو حصوں میں مکمل

تاریک براعظم افریقہ کے پراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک حیرت انگیز داستان جہاں کالے جادو اور سفلی کے مقابلے برپا ہوتے تھے۔ ان تاریک اور گمنام جزیروں کی کہانی جہاں نوخیز حسیناؤں کی بھینٹ پیش کی جاتی تھی۔ ایک سیاح کی زندگی کے لرزہ خیز واقعات جسے سمندر کی سرکش موجوں نے اٹھا کر آقابلا کے دیس میں اس کے قدموں میں ڈال دیا تھا۔ ایک بار پھر جلوہ گر ہونے کو بے قرار ہے۔

قیمت فی حصہ رف: -/45
قیمت فی حصہ مجلد: -/60

## غلام روحیں مکمل

میاں شاہد علی کی داستان حیات۔ ایک مجبور اور بے بس شخص کی الم انگیز کہانی زندگی کے نشیب و فراز۔ گناہ و ثواب، اندھیروں اور اجالوں، وقت اور حالات کے بھنور میں جنم لینے والی ایک بصیرت افروز کہانی۔ تہلکہ مچانے ایک بار پھر آ رہی ہے۔

قیمت رف: -/35
قیمت مجلد: -/50

## طالوت

۳ حصوں میں مکمل

ایم اے راحت کا ایک تہلکہ خیز ناول جسے قارئین آج تک نہیں بھولے، پراسرار، طنز و مزاح اور جاسوسی کہانیوں کے پرستاروں کیلئے ایک دلچسپ داستان آپ نے آج تک نہ پڑھی ہوگی۔ ایک بار پھر آپ کے ہاتھوں میں آنے کیلئے بے قرار ہے۔

قیمت فی حصہ رف: -/40
قیمت فی حصہ مجلد: -/50

## اذکا

۲ حصوں میں مکمل

ایک زہرہ جمال فتنہ خصال کے ماورائی کمالات کا قصہ۔ اپنے وقت کی مقبول ترین کہانی "جمیل احمد خان" کی سرگزشت۔ وہ ۱۶ انچ کی گڑیا جو بڑے شہ زوروں سے زیادہ طاقت کی مالک تھی۔ ایک ایسی ناقابل فراموش داستان جس میں حسن کی رعنائیاں بھی ہیں۔ ازل سے جاری خیر و شر کی کشمکش میں ایک حیرت انگیز معرکہ آرائی۔ ایک بار پھر بہت جلد جلوہ گر ہو رہی ہے۔

قیمت فی حصہ رف: -/40
قیمت فی حصہ مجلد: -/50

کتاب والا: 2794، گلی جھوت والی، پہاڑی بھوجلہ، دہلی-006

www.urdukorner.com

www.urdukorner.com

# طالوت

"اگر آپ اجازت دیں رانا صاحب تو میں باہر کے علاقے کی سیر کرلوں۔"

"چائے نہیں پیو گے سیکریٹری؟" طالوت نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ان کی چائے باہر چلی جائے گی۔ ویسے بھی آقا اور نوکر ایک ساتھ چائے پیتے بھلے نہیں معلوم ہوتے۔ ٹھیک ہے' تم باہر کی سیر کرو۔" روشیلا نے کہا اور میں سعادت مندی سے اٹھ کر باہر چلا آیا۔

نواب جلال الدین کے جلال آباد میں بڑے ستھرے اور پاکیزہ ماحول میں زندگی بسر کی تھی' خاصا وقت وہاں گزارا تھا۔ اس کے بعد یہ تبدیلی کافی دلکش تھی اور پھر طالوت ایک اور انوکھے ماحول سے روشناس ہونے جارہا تھا۔ اس لیے میں نے اسے پورا پورا موقع دیا اور اسے اور روشیلا کو خیمے میں تنہا چھوڑ دیا۔ ظاہر ہے طالوت کوئی الحال کوئی خطرہ نہیں تھا اور پھر اسے خطرہ ہو بھی کیا سکتا تھا۔

باہر فلم ڈائریکٹر میری تاک میں تھا۔ چنانچہ اس نے فوراً میری طرف چھلانگ لگائی "ہو ہو۔ آؤ جی سیکریٹری صاحب۔ خدا کسم ہمارے ساتھ چائے پیو تو ہمارے کو بہت خوشی ہوئینگا۔"

"سیٹھ روئی والا واپس آگیا؟" میں نے اس کے ساتھ اس کے خیمے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"ارے آگیا سالا۔ کہانی پیلی یوم مارتا۔ ارے جب مس روسیلا ہی سوٹنگ کو تیار نہیں ہونگا تو پھر وہ کیا کرلیں گا۔ ایں' تم بولو بھائی۔ کیا ہمارے کو دوپٹہ اوڑھا کرا غوا کرائینگا۔ ہی ہی ہی۔" ڈائریکٹر ہنستے ہوئے بولا۔

"بالکل بالکل۔" میں نے گردن ہلائی اور سامنے دیکھنے لگا' جہاں سیٹھ روئی والا کچھ لوگوں پر بگڑ رہا تھا۔ اس کا موڈ بہت خراب معلوم ہو رہا تھا۔

"آؤ یار۔ میں چائے بولتا ہوں۔ آؤ۔" ڈائریکٹر مجھے اپنے خیمے میں لے گیا' اور پھر مجھے ایک کرسی پر بٹھا کر باہر نکل گیا۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ اب مجھے اپنا ماضی یاد نہیں آتا تھا۔ حالانکہ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ لیکن طالوت کی ہنگامہ خیزیوں میں' میں سب کچھ بھول گیا۔ اور کوئی بات یاد رکھنا حماقت تھی۔ خاصی دلچسپ زندگی گزر رہی تھی۔ دیکھنا یہ تھا کہ اس نئے ماحول میں کون کون سی دلچسپیاں پوشیدہ ہیں۔

ڈائریکٹر اندر واپس آگیا۔ اور میرے سامنے فولڈنگ اسٹول کھول کر بیٹھتے ہوئے بولا "اپن کو عبدل بھائی بولتا سیکریٹری صاحب۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"کولر بھائی۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ایں۔ کیا بولا؟" ڈائریکٹر نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ لیکن میرے چہرے پر سنجیدگی کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ پہلے مسکرایا پھر سنجیدہ ہوگیا۔ اس نے میرا نام تسلیم کرلیا تھا۔ چند ساعت خاموش رہنے کے بعد وہ پھر بولا "ارے کولر بھائی' تمہارا سیٹھ' میں بولا رانا صاحب بہت گریٹ آدمی معلوم ہوتا ہے۔ شکل صورت سے تو تم دونوں خدا کسم ہیرو لگتا ہے۔ ایک دم فس کلاس والا ہیرو۔ پن تم بھوت شان دار لوگ ہے۔ ہمارے کو تم سے مل کر بھوت کھوسی ہوا۔"

"تھیں جیل بھائی۔"

"ارے نہیں یہ ولی کا کیا بات ہے۔ ہم تو تمہارا مہمان ہے۔ بس تمہارا سیٹھ ہی برا پڑ گیا ہے۔"

"کیوں، کیا ہوا؟" میں نے چونک کر کہا۔

"ابے ہم تو نہیں بولا۔ کچھ نہیں ہوا تھا۔ میں بولتا رانا صاحب کا کیا کاروبار کرتا ہے؟"

"اسے کاروبار کی ضرورت کیا ہے عبدل بھائی۔ ان کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ کسی معمولی سی تفریح پر وہ جتنا خرچ کر دیتا ہے اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔"

"ہو ہو ہو۔" عبدل بھائی کے منہ سے کپکپاتی ہوئی ہنسی نکل گئی اور پھر وہ لرزتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ارے خیارت اپنا تو میرا مطلب ہے رانا صاب کو بولو پکچر بنا دے نا۔ ہم بنا دیگا۔ ہمارا کام ہوتا ہے اور سرت انکے تیرے ساتھ چلو۔ اور رانا آرٹس پکچرز کے نام سے ہم کمپنی کھول دے گا۔ ذرا کچھ مت ماتر ہے۔ ہم نے پورا ڈرامہ سٹوڈیو اٹریکٹ کیا۔ سب سالا سب بن گیا۔ خدا کی قسم تمہارا دعا سے ہمارا بھوت کام ہے۔"

"میں رانا صاحب سے بات کروں گا۔ بشرطیکہ انہیں تمہارا ناول پسند آ جائے۔ روشیلا سے کہو رانا صاحب کو مائل کرے۔ بس کام بن جائے گا۔"

"سب کام بنے گا یار۔ بس تم دیکھا کرو۔ اپنا تمہارے کو تمہارا ساتھ دینا پڑے گا۔"

"میں تیار ہوں۔ مگر تمہارا سیٹھ گڑبڑ کرے۔ وہ رانا صاحب سے خار کھا رہا ہے۔ اگر اس نے رانا صاحب کو ناراض کر دیا تو بات بگڑ جائے گی۔"

"ارے صرف کل کا بات اور ہے۔ اپنا سیٹھ کا نکل نہیں ہے۔ کل سارا شوٹنگ کرے گا اور پھر واپس چلے گا۔ ویسے ہم سیٹھ کو سمجھا دے گا۔ تم فکر مت کرو۔" عبدل بھائی نے کہا اور اسی وقت اس کی چائے آ گئی۔ ایک تو مس روشیلا نے بھجوائی تھی، دوسری عبدل بھائی نے منگوائی تھی۔ چنانچہ ہم نے ڈبل ڈبل چائے پی اور چائے کے ساتھ عبدل بھائی میرا بھیجا تناول فرماتے رہے۔ انہوں نے مجھے فلم بنانے کے لیے تیار کر کے ہی چھوڑا تھا۔

کافی دیر کے بعد میں عبدل بھائی سے جان چھڑا سکا اور مس روشیلا کے خیمے کی طرف چل پڑا۔ روشیلا اور طالوت اندر موجود تھے۔

"میں آ سکتا ہوں؟" میں نے دروازے سے ہی اجازت طلب کی۔

"آ جاؤ سیکریٹری، اندر آ جاؤ۔" طالوت نے جلدی سے کہا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ طالوت کے چہرے پر کچھ تشویش کے تاثرات تھے۔ اس کی وجہ مجھے فوراً معلوم ہو گئی۔

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لی۔ گویا روشیلا طالوت کو فلم بنانے پر راضی کر چکی ہے۔ "کیا پروگرام ہے باس؟" میں نے طالوت کو گھورتے ہوئے کہا۔

"مس روشیلا بہت اچھی دوست ہیں سیکریٹری۔ ہم کچھ وقت ان کے ساتھ گزارنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے؟"

"غلام کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ البتہ شاید سیٹھ روڈی والا اسے پسند نہ کرے۔"

"وہ کون ہوتا ہے پسند یا ناپسند کرنے والا۔ اس کی کیا مجال ہے۔ رانا صاحب میرے مہمان ہیں۔" روشیلا نے دخل دیا۔

"تب ٹھیک ہے۔ ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"سیکریٹری میرے بچپن کے دوست بھی ہیں مس روشیلا۔ اس لیے میں ان کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا۔"

"اوہ یہ تو بہت اچھی بات ہے سیکریٹری صاحب" روشیلا کا لہجہ بدل گیا۔ "ویسے آپ کے رانا صاحب بہت عمدہ انسان ہیں۔ میں انہیں دل سے پسند کرنے لگی ہوں۔"

"دل سے؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں، دل سے۔" روشیلا نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ میں گڑبڑ آدمی ہوں اور مجھے سنبھالنا ضروری ہے۔ میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ بہرحال اس مسئلے پر رانا صاحب سے گفتگو کرنا بھی ضروری تھی۔ ویسے یہ بات تو ہمارے پروگرام میں شامل تھی کہ اس ماحول کو بھی اندر سے دیکھا جائے۔

رانا عزیز الدین روشیلا کے منظور نظر تھے اور روشیلا کی نظر سب کو منظور تھی۔ اس لیے سیٹھ روڈی والا بھی نرم ہو گئے اور فوری طور پر ہمارے لیے ایک خیمہ خالی کرا دیا گیا۔ خیمے کے مکینوں کو دوسروں کے ساتھ ٹھونس دیا گیا تھا۔ بہرحال ہم اس پورے یونٹ کی نگاہوں میں تھے اور ہمارے بارے میں طرح طرح کی افواہیں پھیل رہی تھیں۔ ابھی تک مس روشیلا نے طالوت کو تنہا نہیں چھوڑا تھا۔ اس لیے مجھے اس سے تنہائی میں گفتگو کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ لیکن مغرب سے کچھ پہلے مجھے یہ موقع مل ہی گیا۔ اس وقت مس روشیلا اپنی قناعت کی مسئلے



درست کرنے چلی گئی تھیں۔ میں اور طالوت اپنے خیمے میں آ گئے۔

اندر آتے ہی طالوت ہنس پڑا تھا "یار عارف بڑی عمدہ جگہ ہے۔ مزہ آ گیا۔"

"ہاں بھائی۔ تیری قسمت میں مزے ہیں۔ مزے کر۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"مزے تو تم بھی کر سکتے ہو۔ دوسری لڑکیاں بھی موجود ہیں۔"

"وہ لڑکیاں ہیں؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"خیر لڑکی تو یہ روشیلا بھی نہیں ہے۔ لیکن اس ویرانے میں غنیمت ہے۔ ویسے یہ بات ہے کہ ہم باقاعدگی سے اس ماحول کا پوری طرح جائزہ لیں۔ مجھے تو یہاں کی زندگی بہت دلچسپ معلوم ہوئی ہے۔"

"طالوت۔" میں نے سرزنش کے انداز میں کہا "میری ہدایت یاد ہے؟"

"وہ بے ایمان ہے یار۔ تم فکر مت کرو۔ اب میں کسی کے پھندے میں نہیں پھنسوں گا۔ وقتی تفریح میں کیا حرج ہے؟"

"ہاں، وقتی تفریح میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

"وہ مارا۔ گویا تمہاری طرف سے تھوڑے عرصے کے لیے اس ماحول میں رہنے کی اجازت ہے؟" طالوت نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں۔ یہ تو ہمارے پروگرام میں شامل تھا۔"

"زندہ باد۔" طالوت خوشی سے اچھلتے ہوئے بولا۔

"اس سے کیا گفتگو کی؟"

"یار۔ پھر میں بتانے کا فن جانتی ہے۔ ایسے ایسے کیا نکات ہیں کہ اگر تمہاری ہدایات آڑے نہ آ رہی ہوتیں تو میں تو خود کو زندگی بھر کے لیے اس کی غلامی میں پیش کر دیتا۔"

"کیا کہہ رہی تھی؟"

"یہی وہ مجھ پر ہزار جانوں سے میرے اوپر عاشق ہو گئی ہے۔ اس نے کبھی اپنی زندگی میں ایسا محسوس نہیں کیا جیسی میرا چاہت میں محسوس کرتی ہے۔ اور اب وہ میرے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اس نے مجھے دعوت دی کہ میں اپنے فن کو دو آتشہ کر دوں پھر اپنی حسین صورت اسکرین پر دیکھوں اور جلوں۔"

"خوب خوب۔ یہ باتیں تو اتنی زبانی ہوتی ہیں کیونکہ ہر فلم میں دہرائی جاتی ہیں اور دہرائی جاتی ہیں۔"

"اور چھوٹ سے کیا مراد ہے؟"

"کوئی عملی ثبوت بھی پیش کیا۔"

"عملی۔ میرا مطلب ہے عملی۔" طالوت گھبرا کر بولا۔

"خیر خیر۔ پریشان مت ہو۔ میں خود بتاتا ہوں۔ اس نے کس پروف لپ اسٹک استعمال کیا کرتی ہے۔ ورنہ تو تمہارے رخساروں اور ہونٹوں کے نشان اس کا راز فاش کر دیتے ہیں۔"

"ارے توبہ توبہ۔" طالوت نے منہ پیٹتے ہوئے کہا۔

"نہیں طالوت یہ مقام توبہ نہیں ہے۔ ان لوگوں کی زندگی یہی ہے۔" میں نے کہا۔ اسی وقت باہر سے عبدل بھائی کی آواز سنائی دی۔

"ابے گولر بھائی۔ کیا تم اندر ہو تو پڑا ہے۔ اے میں اندر آ سکتا ہوں؟"

"گولر بھائی؟" طالوت نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔

"ہاں۔ عبدل بھائی کو گولر بھائی سے مل کر بہت خوشی ہوا تھا۔ اس لیے میں گولر بھائی بن گیا ہوں۔ خیال رکھنا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور طالوت بھی ہنس پڑا۔

"دیکھیں اس بیچارے کی چیخ پڑی ہے۔" میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔

"ارے گولر بھائی۔ ہم سالا تمہارے کو سارے میں تلاش کرتا پڑا۔" عبدل بھائی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے عبدل بھائی۔"

"وہ مس روشیلا تمہارے کو بلاتا ہے۔ [illegible] کے پوائنٹ دکھانے کو۔ اس نے روڈی والا کو تیار کر لیا ہے۔"

"کہاں ہیں؟"

"روڈی والا کے خیمے کے پیچھے اسکرین لگایا ہے اور پروجیکٹر بھی سیٹ ہو گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے عبدل بھائی۔ تم چلو۔ میں رانا صاحب کو لے کر آتا ہوں۔" میں نے کہا اور عبدل بھائی چلا گیا۔

"کیا کہہ رہا تھا؟" طالوت نے پوچھا۔

"فلم دیکھیں گے۔" میں نے کہا اور خود بھی دلچسپی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ظاہر تھا کہ اس وقت روڈی والا نے بھی بڑا بہترین استقبال کیا تھا۔ روشیلا نے بھی گہری نگاہوں سے گھورا اور پھر اس کے بازوؤں میں بازو ڈال کر کرسیوں کی طرف بڑھ گئی۔ میں بھی طالوت کے پیچھے ہی دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ میرے برابر عبدل بھائی، روڈی والا اور دوسرے لوگ بیٹھے۔ باقی لوگ پچھلی صف میں تھے۔

پروجیکٹر آن ہوگیا اور فلم چلنے لگی۔ یہ ریلیں نامکمل تھیں۔ پہلے منظر میں ہیرو جاوید کو نوکری کی تلاش میں مارے مارے پھرتے دکھایا گیا تھا۔ پھر اس کی ملاقات سیٹھ صاحب کی لڑکی سے ہوئی۔ یہ روشیلا تھی جس نے جاوید کو پیار بھری نظروں سے دیکھا اور اس کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔

پھر دوسری ریل لگائی گئی' اس میں ہیرو اور ہیروئن کا رومان تھا۔ ایک خوب صورت باغ کا منظر تھا جہاں دونوں چھلانگیں لگاتے پھر رہے تھے۔ ہیرو حلق پھاڑ پھاڑ کر ایک گانا گا رہا تھا۔ انتہائی درجے کی اچھل کود کے باوجود اس کا سانس نہیں پھولا تھا اور آواز میں لرزش نہیں تھی۔ روشیلا رقص کے دوران اپنے پورے جسم کا ناپ بتا رہی تھی۔ وہ کبھی گھاس پر قلابازیاں کھاتی' کبھی پانی میں اچھل کود مچاتی۔ یہاں تک کہ دونوں ایک چٹان کی آڑ میں پہنچ گئے۔ تب جاوید صاحب کی آواز ابھری۔

"نیلم' نیلم تم نے مجھے نئی زندگی بخش دی ہے۔ نیلم' کبھی کبھی مجھے محسوس ہوتا ہے جیسے میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ مجھے بتاؤ نیلم' مجھے اس خواب سے بیدار تو نہ ہونا پڑے گا۔" اس نے روشیلا کو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

"یہ خواب تو ہماری زندگی ہیں جاوید۔ دعا کرو کہ ہمیں انہی خوابوں میں موت آجائے۔ ہماری آنکھ بھی نہ کھلے۔ تم میری روح ہو جاوید۔ روح بنا زندگی ناممکن ہے۔ مجھے چھوڑ تو نہ دو گے جاوید۔"

"عارف۔" طالوت نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"ہوں۔" میں چونک پڑا۔

"یہ سسری بھی فراڈ ہے۔ سو فی صدی فراڈ!"

"کیوں؟ کیا ہوا؟"

"بالکل اسی انداز میں مجھ سے بکواس کر رہی تھی۔ ذرا بھی فرق نہیں ہے۔"

"میں نے پہلے ہی بتایا تھا لیکن فکر مت کرو' جس طرح جاوید نے اس کی بات پر یقین نہیں کیا تھا' اسی طرح تم بھی مت کرو۔"

"کیا مطلب؟"

"ارے بھئی یہ فلم ہے اور جاوید جانتا تھا کہ یہ بکواس کر رہی ہے۔ اس لیے وہ صاف بچ گیا۔ ورنہ آج یہ اس کی بیوی ہوتی۔"

"تجربہ کار آدمی ہوگا۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور مجھے ہنسی آگئی۔ رومانی منظر اب بھی چل رہا تھا اور روشیلا کا سر جاوید کے سینے پر ٹکا ہوا تھا۔ اچانک روشیلا نے طالوت کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

"میری اداکاری کیسی ہے ڈارلنگ؟"

"بہت عمدہ بے مثال۔" طالوت نے زہریلے لہجے میں کہا لیکن روشیلا اس کے لہجے کے طنز کو نہ سمجھی اور اس نے پیار سے طالوت کی کلائی پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔

فلم کی چند بے ربط ریلیں تھیں جو ختم ہوگئیں۔ زیادہ تر رومانی مناظر تھے۔ ریلیں ختم ہونے کے بعد چائے کا دور چلا جو روئی والا کی طرف سے تھا اور میں روئی والا کی خاطر مدارات کا مطلب بھی تھوڑی دیر کے بعد سمجھ گیا۔ بات روئی والا کے سیکریٹری نے شروع کی تھی۔

"کیا آپ کو ہماری فلم کے مناظر پسند آئے رانا صاحب؟"

"ہاں۔ بہت عمدہ تھے۔ میں نے زندگی میں پہلی بار فلم دیکھی ہے۔ مجھے حیرت ہوئی ایک ہی شخصیت' میرے پاس بھی موجود تھی اور میرے سامنے بھی۔"

"اس دور میں یہ حیرت انگیز بات ہے کہ کسی نے فلم نہ دیکھی ہو۔ بہرحال آپ کی پسندیدگی کا شکریہ۔ لیکن رانا صاحب' ہماری ایک درخواست ہے۔"

"کیا؟" طالوت نے پوچھا۔

"سیٹھ روئی والا نے دس کے قریب فلمیں بنائی ہیں۔ ہماری ساری فلمیں باکس آفس پر ہٹ ہوئی ہیں یعنی بہت پسند کی گئی ہیں۔ اس فلم کا نام چنڈال چوکڑی ہے۔ کافی پبلسٹی ہو چکی ہے۔ بہت سے ڈسٹری بیوٹر اسے خریدنے کے لیے تیار ہیں۔ آپ جانتے ہیں بزنس مین کے پاس پیسہ رولنگ میں رہتا ہے' اگر ہم فلم ابھی سے بیچ دیں تو ہمیں منہ مانگی قیمت نہ مل سکے گی' اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اسے مکمل کرنے کے بعد ہی مارکیٹ میں لائیں۔"

"ٹھیک ہے' مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" طالوت نے کہا اور میں نے بمشکل ہنسی روکی۔

"دراصل۔" سیکریٹری نے کہا "روئی والا مالی طور پر کمزور ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ رانا صاحب' آپ ان کے پارٹنر بن جائیں۔"

"بن جائیں گے۔" طالوت نے موج میں آکر کہا۔

"واللہ لطف آجائے گا اگر ایسا ہو جائے۔ آپ دیکھیں گے کہ کڑکتی توڑ فلم ہوگی۔" سیکریٹری نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے بھائی۔ مجھے کیا کرنا ہوگا؟"



"فوری طور پر آپ کو صرف پانچ لاکھ روپے خرچ کرنا ہوں گے اور اس کے بعد آپ ذرا اخف دیکھیں۔"

"ارے ہاں' قسم۔ مزا آجائے گا۔ ہو ہو ہو۔" روئی والا نے بھی خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے روئی والا۔ میں اپنے سیکریٹری سے مشورہ کرکے صبح کو جواب دوں گا۔"

"ضرور ضرور۔ ہو ہو ہو۔" روئی والا نے کہا اور پھر یہ محفل برخاست ہوگئی۔ روشیلا نے طالوت کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"کیا آپ بھی آرام کریں گے رانا صاحب؟"

"کیوں۔ آپ حکم دیں روشیلا۔"

"میں تو صرف التجا کر سکتی ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر کے بعد چاند نکل آئے گا اور چاندنی میں قرب و جوار کی پہاڑیاں بے حد حسین ہوتی ہیں۔ کیا آپ میرے ساتھ اس حسن کا نظارہ نہیں کریں گے؟"

"ضرور کریں گے۔" طالوت نے ترنگ میں کہا اور میں نے غور سے اس کی شکل دیکھی "میرا مطلب ہے' مجھے تھوڑی دیر کی اجازت تو ضرور دیں گی مس روشیلا۔ اتنی دیر میں چاند بھی نکل آئے گا۔"

"میں آپ کا انتظار کروں گی رانا صاحب۔"

"میں ضرور آؤں گا ڈارلنگ۔" رانا صاحب نے جاوید کی نقل کرتے ہوئے کہا اور پھر وہ میرے ساتھ خیمے میں آگئے۔

"بلاوجہ تکلیف کی رانا صاحب۔ ابھی تھوڑی دیر میں چاند نکل آئے گا اور نہ بھی نکلے تو کیا حرج ہے۔ تاریکی میں بھی یہ پہاڑیاں بڑی رومان انگیز ہوتی ہیں۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یار تھپا! مت کرو عارف بھائی۔ اس مولوی نہ ماحول سے نکل کر آئے ہیں۔ تھوڑی سی تفریح کی اجازت دے دو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کب انکار کر رہا ہوں۔"

"خوشی سے اجازت دے دو پیارے بھائی۔" طالوت نے خوشامد کی۔

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔"

"یہاں اور بھی لڑکیاں ہیں۔ تم بھی ٹرائی کر لو نا۔"

"ابھی تک کوئی سامنے ہی نہیں آئی ہے۔"

"ایک مشورہ دوں۔"

"ضرور دو۔"

"شاہ دانہ کا دو شالہ اوڑھ کر ان خیموں کی سیر کرو۔ کہیں نہ کہیں دال گل جائے گی۔ میرا خیال ہے ایسا کرو۔"

"دیکھا جائے گا۔" میں نے بظاہر لاپروائی سے کہا۔ درحقیقت یہ عمدہ تجویز مجھے پسند آئی تھی۔

"تو میں جاؤں؟" طالوت نے پوچھا۔

"خدا حافظ۔"

"شکریہ۔ شکریہ۔" طالوت جھکتے ہوئے بولا اور پھر باہر نکل گیا۔ ویسے مجھے یقین تھا کہ اب وہ آسانی سے کسی جال میں نہیں پھنسے گا۔ اسے اس دنیا کا بھی کافی تجربہ ہو چکا ہے اور یہ طالوت سے مختلف ہے جو پہلے ہر چیز پر لٹو ہو جاتا تھا۔ ویسے میں نے طالوت کے مشورے پر عمل کرنے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا۔ شاہ دانہ کا دو شالہ اوڑھ کر میں بھی طالوت کی طرح پوشیدہ انداز میں گھوم پھر سکتا تھا۔

بہرحال طالوت کے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک تو میں اپنے خیمے میں بیٹھا ہوا اس دلچسپ ماحول کے بارے میں سوچتا رہا پھر میں نے شاہ دانہ کا دو شالہ نکالا اور اسے اوڑھ کر باہر نکل آیا۔ سب سے پہلے ڈائریکٹر عبدل بھائی کا خیمہ نظر آیا۔ میں نے اس کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا اور عبدل بھائی کو خراٹے لیتے دیکھ کر آگے بڑھ گیا۔ میں نے سوچا کیوں نہ بدمعاش طالوت ہی کو دیکھوں۔ دیکھوں تو سہی کیا کر رہا ہے؟

اور میں طالوت کی تلاش میں چل پڑا۔ چاندنی نکل آئی تھی' قرب و جوار کی چٹانوں پر نگاہ دوڑاتے ہوئے میں آگے بڑھتا رہا اور پھر ایک جگہ وہ دونوں مجھے نظر آگئے۔ دونوں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے بیٹھے تھے۔ میں دبے قدموں ان کے نزدیک پہنچ گیا۔ روشیلا طالوت پر جھکی ہوئی تھی۔

"آپ رانا صاحب میں سوچتی ہوں کہ کیا ان پہاڑوں میں میں پہلے آئی تھی؟" روشیلا نے کہا۔

"کیا مطلب؟ کیا کوئی چیز گم ہوگئی ہے؟"

"ہاں۔ عقل و خرد۔ دین دنیا۔ ہوش و حواس' سب کچھ تو گم ہو گیا اب میرے پاس بچا کیا ہے۔"

"بہت افسوس ہوا۔" طالوت نے ہمدردی سے کہا۔

"لیکن میں بہت خوش ہوں۔"

"اوہ!"

"مجھے آپ مل گئے رانا صاحب۔ ہاں مجھے اپنی محرومی کا احساس اس وقت ہوگا جب آپ مجھ سے دور چلے جائیں گے۔" اس بات کا طالوت نے کوئی جواب نہیں دیا "آپ مجھ سے دور تو نہیں جائیں گے رانا صاحب۔"

"ہرگز نہیں۔"

"تب آپ یہاں سے ہمارے ساتھ ہی چلیں۔"
"میں چلا جاؤں گا۔"
"تم یہ روٹی والا کے ساتھ بزنس میں شرکت کرلیں۔ اس طرح آپ کو پتہ بھی ہوجائے گا اور ہم دونوں مل کر ایک نیا حال لیں گے اور اپنی قسمیں بنا دیں گے۔"
"کرلوں گا۔"
"اپنی فلموں میں میں صرف آپ کے ساتھ کام کروں گی۔ میرے مقابل اور کوئی ہیرو نہیں آئے گا۔"
"نہیں آئے گا۔" طالوت اطمینان انداز میں بولا۔
"تب پھر صبح ہی آپ اپنے سیکریٹری کو روانہ کردیں اور روپیہ منگوالیں۔"
"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ یہیں لاکھ تو ہیشہ پڑے رہتے ہیں۔ میں صبح کو نقد روپیہ دے دوں گا۔"
"وہیں ہیں لاکھ!" روشیلا اچھل پڑی۔
"ہاں۔" طالوت نے لاپروائی سے جواب دیا۔
"اور آپ اتنی دولت لئے ان دشمنوں میں گھومتے پھرتے ہیں؟"
"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"
"جنگل میں ڈاکو بھی مل سکتے ہیں۔"
"ہاں تو میں ان سے نپٹنا جانتا ہوں۔ دوسرے اگر یہ رقم چھن بھی جائے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ ان کے کام آجائے گی۔ میرے یہاں کیا کمی ہے؟" روشیلا نے اس عظیم انسان پر مزید چند جانوں سے فدا ہوگئی جو وہیں ہیں لاکھ کو کچھ گردانتا ہی نہیں تھا۔ اس کے ارادے بہت بھیانک ہوگئے اور جب طالوت نے بھی اس کی پذیرائی کی تو پھر میں نے وہاں رکنا مناسب نہ سمجھا۔ چاندنی رات کا کھیل میرا دماغ بھی خراب کرسکتا تھا۔ میں وہاں سے چل پڑا اور اب میں نے دوسرے کیمپوں میں جھانکنے کا پروگرام بنایا۔
وہ بھی میں جو سب سے پہلے خیمہ نظر آیا میں اسی کی طرف چل پڑا۔ اس خیمے کے مکین سو نہیں رہے تھے۔ اندر سے گفتگو کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے آہستگی سے خیمے کے پردے کو ہٹایا۔ لیکن یہاں کا تاثر کچھ اور ہی تھا۔ ایک حسین ہوائی لڑکی ایک طرف کھڑی تھی اور ایک آدمی ایک بستر پر بیٹھا تھا۔
"تمہیں بیٹی سے کھواتا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے نوری۔ تم بالکل ہو کہ تمہیں یہاں تک لانے والا بھی میں ہی ہوں۔" مرد نے بھاری آواز میں کہا۔
"وہ تو ٹھیک ہے بابو خاں۔ مگر تم سوچو، غور کرو تمہاری اپنی ایک اشارے پر بے شمار لڑکیاں تمہاری آغوش میں آسکتی ہیں۔ ایک غریب کی عزت لے کر تمہیں کیا مل جائے گا۔" لڑکی نے دل گداز آواز میں کہا۔
"ہونہہ۔ عزت، عزت، عزت۔ تم نے ہم جیسے لوگوں کے کھیل کو عزت کیوں بنا لیا ہے۔ میری پیشہ ہے نوری۔ میں تم سے مخلص ہوں۔ ہو سکتا ہوں کسی وقت تمہاری آنکھیں نہیں ہیں کہ کوئی اس فارم دار نہیں ہوتا اور تمہاری زندگی بن جائے گی۔ ضد نہ کرو بابو خاں۔ تم بہت خوب صورت ہو۔ آمیرے نزدیک آجاؤ۔"
"نہیں بابو خاں۔ خدا کے لئے نہیں۔ میں نے گھر سے باہر قدم رکھتے وقت اپنے آپ سے عہد کیا تھا کہ اگر حالات مجھے سڑکوں پر لے جا رہے ہیں تو میں ان سے لڑوں گی اور کبھی حالات مجھے شکست دینے میں کامیاب ہوگئے تو میں ان سے لڑتے ہوئے جان دے دوں گی۔ آپ کا خون خراب نہیں کروں گی۔"
"یہ بات تو نے اس کمرہ و وقت سے کی تھی جو خوبصورتی کا راز بھی نہیں جانتا۔ تو نے اس سے یہ سوال نہیں کیا تھا کہ بابا اگر میری زندگی کا کوئی سہارا نہیں ہوسکتا تو مجھے پیدا کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی تھی۔" بابو خاں نے کہا۔
"نہیں نہیں بابو خاں۔ خدا کے لئے ایسا مت کہو۔ ہم بے سہارا نہیں تھے۔ میرے ابا نے زندگی بھر محنت مزدوری کرکے ہمیں پالا ہے۔ اگر وہ بیماری کی چکاچوند میں اپنی آنکھوں میں نہ ڈال دیتے تو ہم آج بھی وہی ہوتے جو پہلے تھے۔"
"اور جو تھے وہ بہت اچھے تھے؟" بابو خاں نے طنزیہ انداز میں کہا۔
"ہاں بابو خاں۔ جو تھے وہ بہت اچھے تھے۔ اس میں عزت کی روٹی ملتی تھی۔"
"پھر وہی عزت عزت کی رٹ۔ میں کہتا ہوں اب کونسی تیری بے عزتی ہو رہی ہے۔ جتنی ایکسٹرا لڑکیاں ہیں کیا ان کی عزت نہیں ہے؟ کیا تو ان سب سے الگ ہے؟"
"کون جانے بابو خاں۔ ان میں کون کون درد کی ماری ہو، نہ جانے یہ کن حالات میں عزت کو نظر انداز کرنے پر مجبور ہوئی ہوں۔" لڑکی نے درد بھرے انداز میں کہا۔
"ہوں۔ تو اس کا مطلب ہے کہ تیرے لئے بھی وہی حالات پیدا کرنے ہوں گے۔ تب تیرا دماغ درست ہوگا۔ کان کھول کر سن لے نوری صرف میری وجہ سے تجھے یہ دو سو روپے ماہوار ملتے ہیں۔ ورنہ کوئی ایکسٹرا لڑکی باقاعدہ



ملازمت میں نہیں ہے۔ یہ بڑا پت اکسٹرا پلاٹ ہے اور ان کے دوستوں کو نوش کرتی ہیں تب کہیں جاکر انہیں کچھ رقم مل جاتا ہے۔"
"میں جانتی ہوں بابو خاں۔ تیری وجہ سے میری عزت محفوظ ہے۔ جب تو نے دوسروں سے مجھے محفوظ رکھا ہے تو خود کیوں مجھے برباد کرنے پر تلا ہوا ہے۔"
"اوہ۔ بس تو ہذیان ہوگیا نوری۔ میری طبیعت خراب نہیں ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ تجھ سے دل بہلاؤں گا۔ مگر تو نے اتنا میرا دماغ خراب کردیا۔" بابو خاں جھنجھلائے ہوئے انداز میں بولا۔
"بابو خاں۔ میں تیرے اوپر سب سے زیادہ بھروسہ کرتی ہوں۔ تو نے ہمارے پریشان حال خاندان کو برے وقت میں سہارا دیا ہے۔ بابو تو میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔ تیری ہمدردی پر میں نے تجھے اپنا بھائی مان لیا تھا۔ بہن کی روزی مت چھین بابو میرے بھیا۔ ہم سب بھوکے مر جائیں گے۔"
"اب بولتی ہے تو نہیں اور آگے۔ تو کیا بہن بن کر چھپنا چاہتی ہے۔ مجھ سے بچنے کے لئے بہن بھائی بنا رہی ہے۔ بہت ہوشیاری ہے۔ مناؤں گا تجھے۔"
"خدارا روزی مت چھینو بابو خاں۔ خدارا روزی مت چھینو۔" نوری گڑگڑاتی ہوئی بولی۔ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ ورنہ تو اور سب کچھ کا کیا۔ اور خالق میرے معبود۔ کیا پوری دنیا انہی گھروں سے بھری ہوئی ہے۔ دنیا کو ایک ہی رنگ کیوں نہیں دیا گیا۔ کسی کو ظالم کسی کو مظلوم کیوں بنا دیا گیا۔ کسی کو مفلس کسی کو غنی کیوں بنا دیا گیا۔ سب تیری مخلوق میں ہیں۔ سب کو تو نے زندگی عطا کی ہے پھر ان کی باگ دوڑ انسانوں کے ہاتھ میں کیوں دے دی؟ اپنے بندوں کو تو نے بھیڑیوں کے سپرد کیوں کردیا؟ تو بتا تھا کہ تیری مخلوق میں درندے بھرے ہوئے ہیں۔ پھر تو نے نظام کائنات صرف اپنے ہاتھ میں کیوں رکھا۔ یہ کیسا کھیل ہے میرے مالک۔ یہ کھیل کا مقصد کیا ہے؟
میرا ذہن جھنجھنا اٹھا۔ نوری کی خیمے میں رو رہی تھی۔ شاید وہ پوری رات جاگی رہے۔ شاید وہ پوری رات خوف زدہ رہے کہ کہیں بابو خاں اسے نوکری سے نکلوا نہ دے۔ اگر میری نوکری چلی گئی تو میری بہن بھوکی مر جائے گی۔ میرا بھائی بیچ جائے گا۔ میرے پاس سے آواز آئی۔ اس وقت یہ آواز نوری کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ تم صبح بھی رو گی۔

میں نے خونی نگاہوں سے بابو خاں کو دیکھا۔ حقیقی زندگی میں بھی وہ ولن تھا۔ ہاں یہ وہی ولن تھا جسے طالوت نے جھوڑے سے گرایا تھا۔ تو نے اپنی قیامت کو آواز دے لی ہے بابو خان۔ تو شمشیر بن گیا ہے۔ لیکن فکر مت کر۔ تیرا حشر بھی شمشیر سے مختلف نہیں ہوگا۔ اس کے بعد کہیں جانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اپنے خیمے میں جا کر لیٹ گیا۔ دل میں عجیب سا درد ہو رہا تھا۔ خدایا! پوری دنیا کا درد جیسے بانٹ لوں۔ یہاں نہ جانے کون کون مظلوم ہے۔ میرا بس چلے تو پوری دنیا کے دکھ دور کر دوں۔

نہ جانے کتنا وقت انہیں خیالات میں گزر گیا۔ نیند کا دور دور پتہ نہیں تھا۔ یہاں تک کہ خیمے کے دروازے پر طالوت کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اور پھر وہ دروازہ ہٹا کر اندر داخل ہو گیا۔ اس نے چند ساعت میری طرف دیکھا، اور پھر شاید مجھے سوتا ہوا سمجھ کر اپنے بستر کی طرف بڑھ گیا۔ میں خاموشی سے اس کی حرکات دیکھ رہا تھا۔ لیکن پھر اس سے برداشت نہ ہو سکا۔ اور وہ اٹھ کر میرے قریب آ گیا۔

"عارف..!" اس نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر آواز دی۔

"میں جاگ رہا ہوں طالوت۔"

"ارے۔ تو پھر بات کیوں نہیں کی تھی۔؟ کیا سوچ رہے تھے؟ کیا ناراض ہو گئے ہو؟"

"نہیں طالوت۔ اپنی اس گندی دنیا کے بارے میں سوچ رہا ہوں یہاں انسانوں کی تعداد بہت کم ہے۔ انسانی پیکر میں درندے قدم قدم پر نظر آتے ہیں۔ آخر اس دنیا پر درندوں کا تسلط کیوں ہو گیا ہے؟"

"کسی خاص بات نے تمہیں متاثر کیا ہے عارف؟" طالوت نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"یہاں تو ہر قدم پر کوئی نہ کوئی خاص بات موجود ہے۔ تمہیں بھی ذرا گہری نگاہ سے دیکھو۔ کوئی نہ کوئی ایسا نظر آ جائے گا۔"

"مجھے بتاؤ میرے دوست۔ کیا ہوا؟ کیا دیکھا۔ میں اس المیے کو جڑ سے مٹا دوں گا۔ تمہیں فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ ٹھیک ہے۔ ہم پوری دنیا کو درست نہیں کر سکتے۔ لیکن جو ہمارے سامنے آ جائے۔ اس کی امداد ہمارا فرض ہے۔ دنیا کو بھول جاؤ کیونکہ تم تنہا ہو۔ اور جو کوئی تمہارے سامنے آئے اسے دنیا پر تقسیم کر دو۔"

"ٹھیک ہی کہتے ہو!" میں نے مضمحل انداز میں کہا۔

"عارف میرے دوست۔ میں یہ انداز برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے خوشیاں پسند ہیں۔ ہنستے رہو۔ ہر وقت ہنستے رہو۔ یہی زندگی ہے۔ مجھے بتاؤ تو ہوا کیا ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ یہاں ایک لڑکی نوری ہے۔ زمانے کی ستائی ہوئی۔ تمہارے کہنے سے شاہ والا کا وہ شاٹ اور جو کر والا تھا۔ پتہ نہیں مرحلے ہو سکتے ہیں ہو سکتے۔ نوری کی کہانی تھوڑی سی ہے کہ اس کا باپ شاید الیکٹریشن تھا۔ بد قسمتی سے کسی حادثے میں اس کی آنکھیں چلی گئیں۔ تب نوری لڑکی کی کفالت کے لئے گھر کا باورچی خانہ چھوڑ کر نکل آئی۔ اس نے ملازمت تلاش کی۔ شاید کوشش کے باوجود ملازمت نہ ملی ہوگی۔ تب وہ فلم انڈسٹری کی طرف آئی اور نہ جانے کیسے بابو خاں اسے مل گیا۔ جس نے اسے ایکسٹرا لڑکیوں میں ملازم کرا دیا۔ نوری کے جذبات مر چکے ہیں لیکن ضمیر زندہ ہے۔ وہ ملازمت برقرار رکھنے کے لئے محنت مشقت کر سکتی ہے۔ چکلوں کے سے انداز میں روزی کی بھیک مانگ سکتی ہے۔ لیکن روپوں کے عوض اپنی عصمت نہیں دے سکتی۔

"اوہ۔ وہ کہاں ہے عارف؟"

"یہیں۔ اسی کیمپ میں!" میں نے کہا اور پھر نوری اور بابو خاں کی کہانی سنا دی۔ طالوت خاموشی سے سنتا رہا اور سوچتا رہا۔ اور پھر میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

"تو اس میں فکر مند ہونے کی کیا بات ہے۔ ہمیں تو یہ مسرت ہے کہ یہ کہانی ہمارے علم میں آ گئی۔ چنانچہ اب نوری کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ البتہ بابو خاں کو سزا ضرور ملے گی۔ اور کس کی مجال ہے کہ اب نوری کو کوئی تکلیف دے سکے۔ خوش ہو جاؤ۔ مجھے آنسوؤں سے بہت خوف آتا ہے۔"

"ہاں طالوت۔ ہم اس کی بھرپور مدد کریں گے۔ اس کا ضمیر زندہ ہے۔ انسان مر جائے تو برداشت ہو جاتا ہے۔ لیکن ضمیر کی موت برداشت نہیں ہو سکتی۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ اب اس موضوع کو ختم کر دو۔

"ہاں۔ اب تم اپنا موضوع شروع کر دو۔ سنو۔ کیا گفتگو ہوئی ہے اس سے؟"

"وہ۔ ہر لمحہ اپنی چاہت کی بلندیاں بڑھا رہی ہے۔ چاہت کے شدید بخار میں مبتلا ہو گئی ہے۔ اسے یقین آ گیا ہے کہ میں اب زندگی بھر اس سے جدا نہیں ہوں گا۔ اس نے اپنی اور میری زندگی کے مشترکہ پروگرام ترتیب دئے ہیں۔ آئندہ وہ صرف میرے ساتھ کام کرے گی اور اس نے پر زور سفارش کی ہے کہ میں روئی والا کی مدد کروں اور اسے



پانچ لاکھ روپیہ ادا کر دوں تاکہ اس کی فلم مکمل ہو جائے۔"

"خوب۔ خوب۔ خود تمہاری کیا پوزیشن ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں دل سے استاد مان لیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ان لوگوں کے جال اتنے گہرے ہوتے ہیں کہ بس۔ ایسی خوب صورت اداکاری کرتی ہیں کہ انسان گدھے کی بولی بولنے لگے۔ کسی طور ان کی ریاکاری پر یقین کرنے کو دل نہ چاہے۔ لیکن یار استاد۔ تیرا نام لے کر اب میں ہر عورت کا تیار کیا ہوا جال توڑ سکتا ہوں۔"

"ویری گڈ۔ یار تمام اداکاری ڈھل گئی۔ بہرحال اس کے بعد کچھ اور نہیں پوچھوں گا کیونکہ۔" میں خاموش ہو کر مسکرانے لگا۔

"کیونکہ کیا؟" طالوت نے چیخ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ ذرا شانہ واڑ نور و شالہ اوڑھ کر پہاڑیوں کی طرف نکل گیا تھا۔"

"بدمعاشی ہے یہ۔ کوئی شرافت کی بات نہیں ہے۔"

طالوت نے ہنستے ہوئے کہا۔

"پوری بات تو سن لو۔ تم دونوں کو دیکھ کر میں فوراً واپس چلا آیا تھا۔"

"قسم کھاتے ہو؟"

"ہاں یار۔ تم خود غور کرو۔ اس بھیانک ماحول میں میں کیسے زندہ رہ سکتا تھا۔ چنانچہ سرپٹ دوڑ لگا دی۔"

طالوت جھینپ رہا تھا "یار بہت استاد عورت تھی۔"

"نقصان میں تو رہی۔ تمہارا کیا لے لیا۔"

"اگر اجازت دو۔ تو تھوڑے دن تفریح جاری رکھوں لیکن استاد کی اجازت سے۔ اگر استاد انکار کر دیں تو ابھی واپسی کے لئے تیار ہوں۔"

"عیش کرو بچو۔ رام بھلی کرے گا۔" میں نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا اور طالوت میرے بستر میں ہی گھس آیا۔

"کیا خیال ہے۔ ہمیں اس ماحول کے بارے میں جاننا ہے۔ اس کے بجائے کہ ہم فلم انڈسٹری میں اجنبی ہوں۔ کیوں نہ ان لوگوں کے ساتھ ہی فلم لائن تک چلا جائے۔ ہماری حیثیت بھی ہوگی۔ باقی رہا دولت کا سوال۔ تو یہ سوال ہی کیا ہے۔ کیا خیال ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ دس بیس لاکھ تو ہر وقت تمہارے پاس پڑے رہتے ہیں۔ صبح کو پانچ لاکھ روپے ادا کر دو۔"

"استاد اعظم زندہ باد۔" طالوت نے نعرہ لگا کر مجھے بھینچ لیا۔ وہ بہت خوش معلوم ہو رہا تھا۔

دوسری صبح شوٹنگ کی تیاریوں کے بجائے ہمارے لئے ناشتے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ہم دونوں نے لباس وغیرہ تبدیل کئے اور پھر باہر نکل آئے طالوت نے رام سے رقم طلب کر لی تھی اور اس وقت ہم دونوں کی جیبیں نوٹوں کی گڈیوں سے پُر تھیں۔ سیٹھ روئی والا عبدل بھائی، روشیلا اور دوسرے لوگوں نے ہمارا استقبال کیا تھا۔ روشیلا کی ناتی اس کے خیمے میں ہی تھی اور یوں بھی روشیلا تو عشق کرنے کی ماہر تھی۔ اس لئے وہ سب کے سامنے بھی طالوت سے اظہار عشق کرنے سے باز نہیں آ رہی تھی۔ لیکن طالوت سنجیدہ تھا۔

ناشتہ بہت پُر تکلف تھا۔ اس دوران عبدل بھائی اور روئی والا لطیفے سناتے رہے تھے۔ وہ خود کو بہت زیادہ شائستہ اور با اخلاق ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر عبدل بھائی نے گفتگو کی ابتدا کر دی۔

"خدا قسم۔ آپ لوگوں کی آمد سے ہمارے کو بہت خوشی ہوا ہے اور اگر آپ لوگ سیٹھ روئی والا کا پارٹنر بن گیا تو بس مجا ہی آ جائے گا۔"

"او ماں قسم۔ ایسا فلم بنائے گا۔ ایسا فلم بنائے گا کہ بس پبلک پاگل ہو جائے گی۔" روئی والا نے نعرہ لگایا۔

"کیا فیصلہ کیا تم نے ڈیئر۔" روشیلا نے طالوت کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کس بارے میں؟"

"کیا تم روئی والا کے پارٹنر بننے کو تیار ہو؟"

"ارے پانچ لاکھ کی بات ہی کیا ہے۔ اس کے بارے میں صرف سیکریٹری سے معلومات کرنا تھی۔ سیکریٹری نے منظوری دے دی۔ بس ٹھیک ہے!" طالوت نے لاپرواہی سے کہا۔

"سیکریٹری رقم دے دو۔" طالوت نے کہا اور میں نے جیب سے گڈیاں نکالنا شروع کر دیں۔ نوٹ دیکھ کر سب کے چہرے زرد ہو گئے تھے۔ عبدل بھائی کی سانس کی آمد و رفت ہی بند ہو گئی تھی۔ روشیلا کے چہرے پر ایسے تاثر نظر آ رہے تھے جیسے وہ پرانے قبض میں مبتلا ہو۔ سیٹھ روئی والا کی گردن ٹیڑھی ہو گئی تھی۔ نوٹوں کی ہر گڈی کے ساتھ ساتھ اس کی گردن ہل رہی تھی۔ بڑا سکوت چھایا ہوا تھا۔

"گن لو روئی والا۔ پورے پانچ لاکھ ہیں۔"

"پھول!" روئی والا نے رکی ہوئی سانس ایک دم چھوڑ دی۔ اور اس کے منہ سے عجیب سی آواز نکل گئی۔ "گننے کی کیا ضرورت ہے مائی باپ ٹھیک ہوں گے۔ ابھی سیکریٹری کو بولتا ہوں رسید بنائے ایگریمنٹ تیار کرے۔

اب [illegible] ایک [illegible] آپ [illegible]
صاحب [illegible]

[illegible] ضرورت نہیں ہے [illegible]
[illegible] اور کسی ضرورت ہو تو [illegible] وقت نہ [illegible]

"[illegible] رنگ۔" روشیا [illegible]
طالوت سے پوچھ رہی۔

"وہاں تم رکھنے میں روشیا [illegible]"
طالوت نے [illegible] اور روتا اس کے [illegible]
[illegible] مجھے طالوت [illegible]
[illegible] اور دوسرے لوگوں [illegible] روشیا
[illegible]

"[illegible] نوری ہے [illegible]" طالوت نے پوچھا۔

"نوری۔ جیسے آپ کا حکم!"
"آپ [illegible] اپنا نام [illegible]
اعتراض نہیں ہے اور [illegible] یہاں آپ کا [illegible]
میرا مطلب ہے کل تک افراد یہاں آئے ہوئے ہیں؟"
"[illegible] تقریباً پچاس آدمی ہیں [illegible] باقی مرا!"
"[illegible] کا کیا نام ہے؟"
"ہم نے ایک [illegible] دور کو [illegible] ہے اب
[illegible] کام [illegible] سیٹھ صاحب نے [illegible]"
"[illegible] ٹھیک ہے۔ آپ [illegible] کا [illegible]
[illegible]۔" طالوت نے کہا اور سیٹھ صاحب سے [illegible]
[illegible] اور [illegible]
[illegible] تیاریاں [illegible]
[illegible] والا [illegible]

میں نے بابو خان کو دیکھا۔ چہرے سے ہی [illegible]
[illegible] بابو خان نے [illegible] لیا [illegible] روشیا
[illegible] تب بابو خان نے سیٹھ صاحب
کے قریب [illegible] بہت تبدیلیاں [illegible] رہا تھا۔
[illegible]
"[illegible] بابا اس [illegible] نے [illegible] بات
[illegible]"

"[illegible] ابھی [illegible] میں [illegible]
[illegible] ایک [illegible] کی [illegible] سامنے آ گئے"
"[illegible] بابو [illegible] ہوتا ہے [illegible] تم نے [illegible]
دکھایا تو؟"

"تو میں [illegible] اس کی [illegible] کر [illegible]
[illegible] اس کے [illegible]"
"[illegible] تم [illegible] صرف [illegible]
[illegible] میرے [illegible]
[illegible] بابا۔"
"[illegible]
[illegible]"
"[illegible] ابا [illegible]" [illegible]
[illegible]

"[illegible] ایک [illegible] کے قریب پہنچ گیا۔
[illegible] نوری [illegible] ہے۔" [illegible]
[illegible] تب میں نے [illegible]
[illegible] مظلوم [illegible]
[illegible] معصوم [illegible]
[illegible] اپنے [illegible]
[illegible]
[illegible] رشید [illegible] کی۔

"[illegible] ہو تو [illegible] بابو خان [illegible]
[illegible]
[illegible] بابا [illegible] وقت [illegible]
[illegible] واپس [illegible]
آپ [illegible]"
"[illegible] سیٹھ [illegible]
سکتا ہے۔" بابو خان نے [illegible]
نوری [illegible] ایک [illegible]
[illegible]
[illegible] قریب [illegible]
"[illegible] کون ہے [illegible] میں نے پوچھا۔
"نوری ہے [illegible] صاحب [illegible]"
"[illegible]"
"[illegible] بابو [illegible]
[illegible]
[illegible] بابا۔"
"نوری [illegible]
[illegible] میری طرف [illegible]
[illegible]
قریب [illegible]
[illegible] اور



دوسرے لوگ گاڑیوں [illegible] سیٹھ نے جیپ [illegible]
[illegible] مخصوص کر دی تھی [illegible] روشیا کی [illegible]
طالوت کو اس کے ساتھ جیپ میں سوار ہونا پڑا تھا [illegible]
ہوں [illegible] ذرا نوری سے بات کر لوں۔"
"تو میں انتظار کر رہا ہوں۔" طالوت نے [illegible] اور میں
نوری کا ہاتھ پکڑ کر جیپ کی طرف بڑھ گیا۔
"[illegible] نوری۔ ہم [illegible] چلیں گے۔"
"آپ [illegible]" [illegible]
"میں تم سے بات کرنا [illegible] نوری۔ [illegible]" میں
نے کہا اور وہ جیپ میں [illegible]
اور میں نے جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ [illegible]
[illegible]
نوری کو [illegible]؟"
نوری کی [illegible] آنکھوں میں حیرت کے [illegible] ابھر
آئے۔

"میں ذرا [illegible] نوری۔ میں تجھ سے
[illegible] کل رات میں نے [illegible]
[illegible] تیری [illegible]
[illegible] عظمت کا احترام کرتا ہوں۔ میں دل سے تیری عزت
کرتا ہوں۔ [illegible] قدرت نے [illegible] دولت سے نہیں
نوازا۔ لیکن تیرا [illegible] بندوں کو [illegible]
[illegible] دولت سے [illegible] ہے [illegible]
[illegible] میں بھی اپنے ضمیر کو [illegible] نہیں ہونے
دیا۔ [illegible] کے اندر [illegible] دل کی
دولت [illegible] تیرا شمار دنیا کی عظیم عورتوں
میں ہے۔ [illegible] عظمت کو سلام کرتا ہوں۔"
"[illegible] صاحب۔ سیٹھ صاحب میں ایک غریب اور
بے سہارا لڑکی ہوں۔ [illegible] میں ایک مظلوم لڑکی [illegible]
صاحب میں [illegible] روپڑی۔ اور [illegible]
جیپ کی رفتار اور سست کر دی۔
"[illegible] نوری۔ [illegible]
نے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
سہارا [illegible]
[illegible] بھی [illegible] ہے۔"

"بھائی۔" نوری [illegible] میں بولی "میرا کوئی بھائی
نہیں ہے سیٹھ صاحب [illegible] میرا ایک ہی بھائی ہوتا [illegible]
[illegible] نوری
[illegible] میرا بھائی [illegible]
[illegible] کوئی
بھائی نہیں ہے سیٹھ صاحب۔"
"[illegible] میں تیرا بھائی [illegible]
[illegible] نوری!" میں نے [illegible]
[illegible]
آپ [illegible] نوری ایک [illegible]
[illegible] طالوت [illegible]
میری [illegible] لیکن [illegible]
تھا۔

لیکن میرے [illegible] نوری کو [illegible] تھے وہ [illegible]
[illegible] آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر [illegible]
سے انداز سے کہا "نہیں [illegible]
بابو خان سے میرے [illegible] کہا تھا [illegible]
نہیں [illegible] میرے [illegible]
[illegible] نوری کو [illegible]
[illegible] اور بابو خان نے کہا تھا [illegible]
[illegible] نوری کو [illegible]
اور [illegible] بابو خان نے میری [illegible]
قبول [illegible] میری طرف [illegible] لیکن
خود بابو خان نے اپنے [illegible] نہیں کیا تھا۔"
میں [illegible] تم [illegible] لڑکی کو کسی بات کا نوری
یقین دلانا مشکل تھا۔ اب صرف عمل کی بات تھی اور میں
نے [illegible] کہ اب اس سے [illegible]
[illegible] نہیں [illegible]
چنانچہ میں نے جیپ کی رفتار تیز کر دی۔ اور [illegible]
بعد ہم اس [illegible] جہاں [illegible]
[illegible] روشیا [illegible]
روشیا نے بھی طالوت [illegible] طالوت اس جیپ
سے اتر کر میری جیپ میں آ گیا۔
"[illegible]" اس نے پوچھا۔
"[illegible] نوری ہے۔ [illegible]"
"[illegible] نوری سے [illegible]"
"ہاں۔"
"[illegible] پھر اب [illegible] تم نے اس سے اس کا [illegible]

گیا؟"

"اس کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ لیکن اب ہم سیٹھ سے اسے رکھ لینے کی سفارش نہیں کریں گے۔

اس کی ضرورت بھی کیا ہے۔ ہمیں خود بھی تو اپنا دفتر قائم کرنا ہے۔ نوری تمہاری تعلیم کیا ہے؟"

نویں کلاس پاس ہوں سیٹھ صاحب۔" نوری نے جواب دیا۔

"سیٹھ صاحب؟" طالوت نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔

"ہاں رانا صاحب۔ نوری ہمیں سیٹھ کے علاوہ کوئی درجہ دینے کو تیار نہیں ہے۔ بہرحال یہی سہی۔ ہم اسے اس کی مرضی کے خلاف مجبور نہیں کریں گے۔"

"وہ۔ بہرحال نوری۔ کیا تم ہمارے پاس کام کرنا منظور کرو گی۔ سنو ہمیں اپنا دفتر قائم کرنا ہے۔ تم اس کی دیکھ بھال کرو گی۔ میرا خیال ہے تم اس کام کے لئے موزوں ہو۔"

"دعائیں دوں گی سیٹھ صاحب۔ پوری محنت سے کام کروں گی؟" نوری نے شکرگزار نگاہوں سے ہمیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس ٹھیک ہے۔ آج سے تم ہماری ساتھی بن گئیں۔ فکر مت کرو تمہیں مناسب تنخواہ ملے گی۔ دفتر کا کام جب سے شروع ہو تمہاری تنخواہ وغیرہ آج سے ہی شروع ہو گئی ہے۔" نوری کی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ مجھے اس مظلوم لڑکی پر بہت ترس آ رہا تھا۔"

"بابو خان کے بارے میں کیا خیال ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"اس کی سزا لازمی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اوکے۔" طالوت نے گردن ہلائی۔ پھر نوری کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اس نے تمہاری بے عزتی کی تھی نوری۔ کس کی مجال ہے جو ہمارے کسی ساتھی کی بے عزتی کر جائے۔ بس تماشا دیکھو۔ لیکن ہماری پہلی ہدایت ہے کہ ہماری تمام باتیں راز میں رہیں گی۔"

"میں اس ہدایت کو یاد رکھوں گی سیٹھ صاحب۔"

"دوسری ہدایت یہ ہے کہ ہم دونوں میں سے کسی کو سیٹھ نہ کہو۔ یہ گولر بھائی ہیں اور میں رانا عزیز الدین۔" "تم مجھے رانا اور انہیں گولر کہو گی۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"گولر بھائی!" میں نے دانت پیس کر کہا۔

"ہاں۔ ہاں۔ صورتِ حال چونکہ سنگین ہے اس لئے گولر بھائی ہی سہی۔" طالوت ہنستے ہوئے بولا۔ میں نے خون کے اپنی مٹی پلید کی تھی اس لئے خاموش رہنے کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا۔ ویسے طالوت کا خیال تھا کہ شاید لڑکی مجھے پسند آئی ہے۔ لیکن اب اسے صورتحال کا صحیح اندازہ ہو گیا تھا۔"

دوسری طرف بابو خان گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ کیمرہ تیار تھا۔ کلیپر بوائے کلیپ دے رہا تھا۔ اور پھر کیمرہ اسٹارٹ ہو گیا۔ بابو خان نے گھوڑے کو دوڑایا۔ لیکن نہ جانے کس طرح گھوڑا نہ دوڑ سکا۔ اس کی دم کھڑی ہو گئی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے مضبوطی سے اس کی دم پکڑ رکھی ہو بابو خان نے اسے دو تین ہاتھ مارے۔ گھوڑا بدحواس ہو گیا تھا۔

"کٹ۔ کٹ!" عبدل بھائی چیخا۔ "اے بابو خان۔ کیا کرتا پڑا ہے۔ گھوڑا دوڑاؤ۔"

"نہیں دوڑ رہا عبدل بھائی۔ سالا اڑی کر رہا ہے۔"

"ارے تمہارے باپ نے بھی کبھی گھوڑا دوڑایا ہے۔ سالا پھلم کھراب کرتا پڑا ہے۔ ذری ہوشیاری سے کام کرو یار۔ کاہے کو ہذارا کباڑا کرتا پڑا ہے۔" روئی والا نے غصیلے انداز میں کہا۔

"اس بار ٹھیک ہوگا سیٹھ!" بابو خان نے کہا اور گھوڑے کو دو تین چکر دیئے۔ گھوڑا فارم میں آگیا تھا۔ اور پھر اسے مناسب اور منتخب جگہ کھڑا کر دیا گیا۔ کلیپ دیا گیا اور کیمرہ اسٹارٹ ہو گیا۔ بابو خان نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس بار گھوڑا بری طرح اچھل کر بھاگا۔ بابو خان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ گھوڑا اس طرح بدک جائے گا۔ وہ گھوڑے کو قابو کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ گھوڑا سیدھا روشیلا کی طرف لپکا تھا۔ لیکن روشیلا سمجھ گئی تھی کہ وہ بابو خان کے کنٹرول سے باہر ہے اس لئے وہ چیخ کر ایک طرف بھاگ اٹھی۔ اور گھوڑا اچھلتا کودتا آگے بڑھ گیا۔ وہ دونوں پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ اور بابو خان اس کی پشت سے پھسل پڑا۔ لیکن وہ ایک دم کھڑا ہو گیا تھا۔ اور سیٹھ روئی والا بری طرح دانت پیس رہا تھا۔

"اس میں میرا کیا قصور ہے سیٹھ۔ گھوڑا اڑی کر رہا ہے۔" بابو خان نے بیچارگی سے کہا۔

"ارے بابو خان۔ کیا کرتا ہے ذرے۔ تو تو بالکل اناڑی ہو گیا۔ عبدل بھائی نے کہا۔ غرض چاروں طرف سے بابو خان پر ملامت ہونے لگی۔ پھر بابو خان کی درخواست پر گھوڑا بدل دیا گیا۔ ہمارے تنومند گھوڑوں کے بارے میں جو کچھ کہنے کی وہ ہمت بھی نہیں کر سکتے تھے خود بابو خان ان گھوڑوں پر سوار



ہونے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

دوسرے گھوڑے کو کافی دور تک دوڑا کر چیک کیا گیا۔ یہ بالکل فارم میں تھا۔ ایک بار پھر بابو خان نے ہمت کی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ آخری چیکنگ کے بعد گھوڑے کو پھر دوڑایا گیا۔ لیکن جونہی بابو خان نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا الف ہو گیا۔ بابو خان اس بار بری طرح گرا تھا۔

"او بابو کھان۔ او بابو کھان۔ او گدھے کی اولاد۔ تو یہ شارٹ نہیں کرا سکتا۔ تیرے بس کا بات نہیں ہے۔ عبدل بھائی۔ یار کیا گھپڑی ہو تا پڑا ہے۔"

"بابو کھان کو تم نے کاسٹ کیا تھا سیٹھ۔ میرا مرضی نہیں تھا۔"

"ارے تو ہمارے کو کیا معلوم تھا یار۔ کہ یہ سالا ہیجڑے کی اولاد ہے۔"

"اپن اب کیا کرے گا سیٹھ۔" عبدل بھائی نے پریشانی سے کہا۔

"سین چینج کرنا پڑے گا۔"

"ارے مگر کہانی خراب ہو جائے گی!" عبدل بھائی نے کہا۔ وہ لوگ بکواس کر رہے تھے۔ تب طالوت نے نوری کے کان میں کہا۔

"اگر یہ تم سے معافی مانگ لے تو سین ہو سکتا ہے۔" نوری نے حیرت سے اسے دیکھا۔ لیکن کچھ بولی نہیں۔ تب طالوت نے کہا "اجازت دو عارف تو میں یہ سین کرا دوں۔"

"ہاں۔ اس بابو خان کو اس فلم سے نکلنا مانگتا ہے۔"

"ابھی لو!" طالوت نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ "کیسے گھٹیا آدمی سے کام لے رہے ہو سیٹھ۔ یہ کیسے چل سکے گا۔ اس طرح تو فلم خراب ہو جائے گی۔"

"میں بھی ایسا ہی بولتا رانا صاحب۔ اے عبدل بھائی۔ اس سالے بابو کھان کا ایگریمنٹ کینسل کر دو یار۔ یہ اپنے پاس نہیں چلے گا۔ نکالو یار اسے۔ ابھی اس کا تھوڑا کام ہوا ہے۔ اگر زیادہ ہوتا تو ہم پھنس جاتا۔"

"ایسی بات نہیں ہے سیٹھ صاحب۔ تمہارے گھوڑے ہی خراب ہیں۔" بابو خان نے کہا۔

"میرا گھوڑا لے لو بابو خان۔" طالوت بولا۔

"وہ بہت اونچا ہے۔" بابو خان نے گھبرا کر کہا۔

"ابے جا۔ ایک اونچا ہے۔ ایک نیچا ہے۔ اب میں بولتا تم سالا گھوڑا اونچا نیچا ہے۔ نہیں چلے گا بابو کھان تم اس پھلم میں نہیں چلے گا۔ تمہارے لئے ہم اپنا پھلم کو ڈبے میں نہیں بند کرے گا۔ عبدل بھائی! میں بولا تم اس کا ایگریمنٹ کینسل کرو۔"

"ٹھیک ہے سیٹھ۔ مگر اس سین کا کیا ہو گا۔ بہت نقصان ہو جائے گا!"

"اسے برداشت کرنے کا بھائی۔ پھر کیا بولے۔" سیٹھ نے پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"میں یہ شارٹ دے سکتا ہوں سیٹھ۔" طالوت نے کہا۔

"آپ۔ آپ دیں گا رانا صاحب۔" سیٹھ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ہائی گوڈ۔ ہائی گوڈ۔ ایسا ہو جائے تو کھدا قسم پھلم ایک دم آسمان پر اڑ جائیں گا۔" عبدل بھائی جوش سے بولے۔

"ٹھیک ہے تیار کرو۔ میرا چہرہ کیمرے کے سامنے مت رکھنا۔" طالوت نے کہا اور اس بار نئے جوش و خروش سے کیمرہ تیار ہونے لگا۔ پھر طالوت نے بابو خان کا اترا ہوا لباس پہنا جو اس کے جسم پر کافی حد تک ٹھیک تھا۔ روشیلا بھی خوش ہو گئی تھی۔ طالوت کو بلند و بالا گھوڑا دیا گیا۔ اور طالوت بڑی شان سے اس پر سوار ہو گیا۔ کلیپ دیا گیا۔ عبدل بھائی نے طالوت کو ہدایات دیں اور پھر کیمرہ چل پڑا۔ طالوت نے گھوڑا دوڑایا۔ بلاشبہ وہ بے حد شاندار لگ رہا تھا۔ کیمرہ صرف گھوڑے اور اس کے جسم کو ایکسپوز کر رہا تھا۔ دوسرے لمحے وہ جھکا اور اس نے روشیلا کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھالیا۔ کئی گز دور جانے کے بعد اس نے روشیلا کو گھوڑے پر بٹھایا تھا۔

چاروں طرف سے تالیاں بج اٹھیں۔ ایک تو سین بہت عمدہ ہوا تھا اوپر سے رانا صاحب کی حیثیت۔ چاروں طرف سے واہ واہ ہو رہی تھی۔ صرف بابو خان تھا جو خوب ذلیل ہوا تھا۔

سین ہو گیا تھا۔ اس لئے وہاں سے واپسی ہوئی اور پھر نوری طور پر روانگی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ نوری بدستور ہمارے ساتھ تھی۔ بابو خان یا سیٹھ نے اس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ بابو خان کی پوزیشن تو خراب ہو ہی چکی تھی اب وہ کیا بولتا۔ خود اس کی حیثیت خطرے میں تھی۔

دوسری بات یہ کہ سیٹھ اور دوسرے لوگوں نے محسوس کر لیا تھا کہ نوری کو ہم نے خاص طور پر لفٹ دی ہے اس لئے اب وہ نوری کی طرف آنکھ بھی نہیں اٹھا سکتے تھے البتہ نوری بالکل خاموش تھی۔ وہ ہم لوگوں میں اپنی صحیح حیثیت جاننا چاہتی تھی۔ اس فلم کے کی شوٹنگ مکمل ہو چکی تھی اس

لئے ہم نے بہت و نیچی کے بارے میں مشورہ کیا۔
"ٹھیک ہے۔ ہم تو سیر کو نکلے ہیں۔ تمہارے ساتھ چلیں گے ہم لوگ۔"
"ہاں، یہ میرے لئے بہت خوشی ہوگی رانا صاحب!" سیٹھ نے کہا۔
"رانا صاحب کا خیال ہے سیٹھ کہ خود اپنی فلم کیوں نہ شروع کی جائے۔ سب کچھ تمہاری مرضی سے ہوگا۔"
"بہت اچھی بات ہے۔ ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے۔" روئی والا نے کہا۔ اور پھر واپسی کی تیاریاں مکمل ہو گئیں اور ہم قصبہ مرتزی کی طرف چل پڑے۔
طویل سفر تھا۔ لیکن دلچسپ رہا۔ بابو خان کو ابھی تک ہم نے نہیں نکالا تھا۔ وہ دل ہی دل میں گھس رہا تھا۔ لیکن مجبور تھا۔ بالآخر دن اور رات کا طویل سفر کر کے ہم لوگ قصبہ مرتزی پہنچ گئے۔ اس سے قبل بھی ایک بار اس شہر میں آنے کا اتفاق ہوا تھا۔ لیکن اس وقت حیثیت کچھ اور تھی۔ اور آج اس شہر میں داخلہ بڑے کروفر سے ہوا تھا۔ سیٹھ روئی والا نے ہمیں اپنی شاندار کوٹھی میں ٹھہرایا اور پوری طرح ہماری خاطر مدارات میں مصروف ہو گیا۔ نوری ابھی تک ہمارے ساتھ تھی۔
"ہمارے لئے کسی عمدہ سی کوٹھی کا بندوبست کر دو سیٹھ۔ ابھی ہم کچھ دن یہاں قیام کریں گے۔"
"میری کئی کوٹھیاں ہیں رانا صاحب۔ وہی جو آپ پسند کریں گے۔ ہم اس میں بھیج دیں گے۔"
"لیکن ہم کوٹھی خریدنا چاہتے ہیں۔ آپ ان میں سے کوئی فروخت کرنا چاہیں تو ہمیں دے دیں۔"
"جیسا آپ کا حکم رانا صاحب۔" سیٹھ نے کہا۔ "آج آپ ہمارا مہمان ہیں۔ کل ہم آپ کو کوٹھی دکھا دیں گے۔" اور ہم نے منظور کر لیا۔ نوری خاموش بیٹھی رہی تھی۔ پھر سیٹھ ہم سے اجازت لے کر چلا گیا تب طالوت نوری کی طرف متوجہ ہوا۔ "ہاں تو نوری خانم! اب آپ بتائیے آپ کا کیا حکم ہے؟"
"میں کیا حکم دے سکتی ہوں رانا صاحب۔"
"خیر ہے۔ تم نے سیٹھ سے رانا تو کہا۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔ "دیکھو جب تم نے اتنی خدمت کی ہے تو ہماری ہمت بڑھ گئی ہے کیا ہم ایک فرمائش کر سکتے ہیں؟"
"حکم دیں رانا صاحب۔"
"آج ہم رات کا کھانا تمہارے ہاں، تمہارے ہاتھ کا پکا ہوا کھائیں گے۔" طالوت نے کہا اور نوری چونک پڑی۔ وہ ہماری طرف دیکھتی رہی۔ پھر ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔
"میں حاضر ہوں رانا صاحب۔ آپ نوری کی حقیقت کے بارے میں کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ آپ چونکہ فلم لائن سے واقف نہیں ہیں۔ ایکسٹرا لڑکی فلم انڈسٹری کی سب سے کمزور صنف ہوتی ہے۔ بہرحال میں حاضر ہوں۔ آپ کو میری حقیقت بھی معلوم ہو جائے گی تب آپ اپنے فیصلے اپنی ہمدردی پر نظر ثانی کریں۔"
"یہ بھی ٹھیک ہے۔" طالوت نے کہا۔
"تب مجھے اجازت دیں۔ تاکہ میں جا کر کچھ تیاریاں کر لوں۔"
"جاؤ نوری!" طالوت نے کہا اور نوری نے اٹھ کر میری طرف دیکھا۔
"آپ مجھ سے ناراض ہیں نیر بیگ صاحب؟"
"ہاں!" میں نے منہ چڑا کر جواب دیا۔
"کاش۔ میں آپ کو خوش کر سکتی۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا اور سر جھکائے باہر نکل گئی۔ میں اور طالوت ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے لیکن اسی وقت ہمیں باہر سے سیٹھ کی آواز سنائی دی۔
"ارے نوری۔ تم کدھر جاتا پڑا؟"
"گھر جا رہی ہوں سیٹھ صاحب۔" نوری کی آواز ابھری۔
"ان لوگوں نے چھوڑ دیا؟"
"ہاں۔"
"ارے میں تو سمجھا کہ وہ لوگ تم کو پسند کر لیا۔ کوشش کرنا نوری کہ ان لوگ کو پھانس لو۔ تمہارا مقدر کھل جائے گا۔"
"کوشش کروں گی سیٹھ صاحب۔ ایک درخواست ہے۔"
"دو کیوں دو کلاس اس وقت تمہیں چاہئیں کیا؟ کل تم دفتر سے اپنا حساب لے لینا۔ ہم تو سمجھ رہے تھے ہمارا پیچھا چھوٹا۔ ورنہ ایکسٹرا لوگ کو کون ملازم رکھتا پڑا۔ کام کرو پیسے لو۔ سالا یا کہاں تمہارا مقدر بنا۔ اب جو منع کرتے ٹھیک ہے۔"
"مجھے دس روپے دے دیں سیٹھ صاحب۔ کل حساب میں کاٹ لیجئے۔"
"ارے مرضی نہیں ہے بابا۔ ارے تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ لو یہ دو سو روپے رکھ لو۔ باقی کل حساب کر لینا۔"
"شکریہ سیٹھ صاحب!" نوری کی آواز سنائی دی اور پھر قدموں کی چاپ دور ہوتی چلی گئی۔ سیٹھ ہمارے کمرے میں داخل ہو گیا۔
"چائے آ رہی ہے رانا صاحب۔ وری ہمیں خدمت کا موقع دو، آؤ!" اور ہم اٹھ کھڑے ہوئے۔ چائے کے دوران طالوت نے سیٹھ صاحب سے روشیلا کے بارے میں پوچھا۔
"اوہ مس روشیلا تو چلا گیا۔ جاتے وقت وہ بہت بور تھا۔ سیٹھ صاحب۔ رانا صاحب کو خیال کرنا۔ ہم نئی پکچر کریں گا۔ پن ابھی اس کا پکچر نہیں ملا۔"
"اور یہ نوری کہاں رہتی ہے سیٹھ صاحب؟"
"ارے وہ ایکسٹرا ہے بابا۔ یہ ایکسٹرا لوگ ایک دم پھٹے حال ہوتا پڑا۔ ان لوگ کو زیادہ منہ مت لگاؤ۔ ہم تمہارا کو مشورہ ہوتا ہے!"
"وہ کہاں رہتی ہے روئی والا؟" طالوت نے کہا۔
"ارے ہمارے کو نہیں معلوم۔ عبدل بھائی جانتا پڑا۔"
"عبدل بھائی کہاں ہے؟"
"وہ بھی چلا گیا۔ پن آپ بولے گا تو ہم اسے فون کر کے بلا لیں گا۔ آپ ہمارا مشورہ مانو۔"
"میں نے آپ کے بہت سے مشورے مان لئے ہیں سیٹھ صاحب۔ روپے پیسے کی پرواہ نہ کریں۔ دو چار کروڑ بھی لگانے پڑے تو ہم لگا دیں گے۔ آپ اپنا فلم تیار کریں اور ہمیں مشورے دیتے رہیں۔"
"غلام ہوں جی۔ ہوں ہو۔" سیٹھ صاحب خوشی سے ہاتھ ملتے ہوئے بولے۔
"عبدل بھائی کو ٹیلی فون کر کے بلا دیں۔"
"اچھا جی۔ چائے کے بعد بلا دیں گا!" اور چائے کے بعد عبدل بھائی کو فون کر کے بلا لیا گیا۔ ہم اسے لے کر ایک کمرے میں آ گئے تھے کہ دروازہ بند کر دیا گیا۔ عبدل بھائی بڑی امید بھری نظروں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔
"عبدل بھائی۔ آپ تو فلم لائن سے پوری طرح واقف ہیں۔"
"پوری عمر گزری ہے صاحب۔ بہت سی فلمیں بنائی ہیں۔"
"یہ سیٹھ کس قسم کا آدمی ہے؟" طالوت نے پوچھا اور عبدل بھائی مسکرانے لگا۔ "اچھا ہے۔ [illegible] ہوا۔"
"روئی بڑا آدمی ہے جی۔ بس ہم [illegible]" پیچھے پر جان دیتا ہے آپ پر۔ اس سے محنت کروا لو۔ یہ دوستانہ مشورہ ہے ورنہ وہ بھی ادھ کچا ہے۔ میرا مطلب رانا صاحب تو اپنا سمجھیں ایک ماؤ۔ عبدل بھائی کا بہت حاجتمند ہے۔ تمام پیدا کروا دوں گا خدا قسم۔"
"تم واقعی اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو عبدل بھائی۔ ہم تمہارا مشورہ مانیں گے۔ سب سے پہلے ہمیں کوٹھی کا بندوبست کرنا ہے۔ پھر ایک عمدہ سا آفس بنانا ہے۔ کیا تم یہ کام کر سکتے ہو؟"
"کیا نہیں کر سکتا تمہارا عبدل بھائی رانا صاحب۔ خدا قسم ایسا آفس، ایسا کوٹھی بنائیں گا کہ طبیعت خوش ہو جائیں گا۔ ہمارا کئی جاننے والا بلڈر ہے۔ ہم کل ہی ان سے بات کر کے آپ کے واسطے دونوں چیزیں تلاش کر لائیں گا۔"
"ٹھیک ہے عبدل بھائی۔ تم یہ دس ہزار روپے رکھ لو اور ہمارے لئے کام کرو۔ ایسا کرتے ہیں کہ اپنی طرف سے ہم تمہیں منیجر مقرر کر دیں گے۔ تم ہی ہمارے سب کام کرو۔" طالوت نے جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر عبدل بھائی کو دیتے ہوئے کہا اور عبدل بھائی کے ہاتھ کانپنے لگے..... بمشکل انہوں نے گڈی جیب میں رکھ لی۔
"یہ نوری کہاں رہتی ہے عبدل بھائی۔" بالآخر طالوت مطلب کی بات پر آ گیا۔
"نوری جی۔ نوری۔ وہ ایکسٹرا؟"
"ہاں۔ وہ ایکسٹرا۔"
"ساہو کالونی کے ایک مکان میں رہتی ہے۔"
"تم وہ مکان جانتے ہو؟"
"ہاں جی۔ ہم اکثر اور جاتا پڑا۔ اسے بابو خان لایا تھا۔ ولن بننے سے پہلے وہ ایکسٹرا سپلائر تھا۔"
"ٹھیک ہے عبدل بھائی۔ اب چونکہ تم ہمارے منیجر بن گئے ہو۔ اس لئے ہم تم سے کام بھی لے سکتے ہیں۔ شام کو ہمیں ساہو کالونی میں نوری کے مکان پر پہنچا دینا۔"
"جیسا آپ بولیں گا صاحب۔" عبدل بھائی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ اور پھر آنکھ دبا کر بولا۔ "اگر آپ بولیں تو بیٹھے بٹھائے ایک سے ایک فرسٹ کلاس چھوکری لا کر دوں۔ نوری میں کیا رکھا ہے۔"
"تمہیں معلوم نہیں ہے۔ ہمیں اب تم جا سکتے ہو۔"
"شام کو پہنچ جائیں گے ہم۔ تیار رہیں گا۔" عبدل بھائی نے کہا اور چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد طالوت نے ایک گہری سانس لی۔ اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے

بولا۔

"بلاشبہ یہ ایک عمدہ عجائب گھر ہے۔ جہاں بڑی بڑی نادر روزگار چیزیں موجود ہیں۔ سیٹھ روئی والا جس کی کئی کوٹھیاں ہیں لیکن وہ اپنا قلم نہیں ٹھیک کر سکتے۔ عبدل بھائی قلم وائز ہیں لیکن وہ لڑکیاں تک سپلائی کر سکتا ہے بابو خان ولن مس روشیلا اور ان کی نانی!"

"یہ تو نمونہ ہے طالوت۔ یہاں تمہیں بڑے بڑے عجوبے ملیں گے۔ ابھی ذرا آفس قائم ہو جانے دو۔ پھر دیکھو۔"

"دلچسپ ماحول ہے۔ مجھے یقین ہے یہاں بہت عمدہ وقت گزرے گا۔"

"یقیناً۔ فی الحال مس روشیلا کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"وہ حیرت انگیز طور پر غائب ہو گئی ہے لیکن اب مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ وقتی طور پر متاثر ہو گیا تھا۔"

"خوب۔ تمہاری یہ بات پسند آئی۔ ویسے اس لائن میں نوری جیسی لڑکیاں بھی موجود ہیں۔ میں اس لڑکی کے بارے میں بہت سنجیدگی سے سوچ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"نوری جیسی لڑکی کے لئے جان بھی حاضر ہے میرے دوست۔ ہماری دلچسپ تفریحات میں اگر کچھ لوگوں کی پریشانیاں دور ہو جائیں تو کیا حرج ہے۔ بلاشبہ یہ دور میری زندگی کا یادگار دور ہے۔ میں تمہاری اس دنیا سے بہت متاثر ہوں عارف۔ یہاں دکھ اور خوشیاں ملی جلی نظر آتی ہیں لیکن زندگی کے لئے بے شمار ہنگامے مہیا ہیں۔ کم از کم یہاں سے انسان اکتا نہیں سکتا۔ میں یہاں سے جانے کے بارے میں سوچ کر ہی خوفزدہ ہو جاتا ہوں۔"

"ہاں طالوت۔ اگر غور کرو تو قدرت نے اس دنیا کو یکسانیت نہ بخش کر اس میں زندگی رواں دواں کر دی ہے۔ ورنہ سکوت ہوتا۔ لوگ مضمحل ہوتے۔ اور پھر یہاں زندگی گزارنا بے حد مشکل ہو جاتا۔"

"یقیناً۔ میں متفق ہوں۔ بہر صورت اس اجنبی دنیا میں بہت سے کام ہماری، خاص طور سے میری سمجھ سے باہر ہیں۔ میری سمجھ میں اول تو یہ بات ہی نہیں آئی کہ یہاں انسانی تصویریں متحرک کیسے ہو جاتی ہیں۔ لیکن بہرحال ایسی بہت سی چیزیں ہیں جو میری سمجھ سے باہر ہیں۔ تم نے اسے سائنس کا نام دیا۔ میں نے تسلیم کر لیا۔ ویسے معاملہ مشترک ہی ہے۔ قدرت نے ہم لوگوں کو جو قوتیں دی ہیں، وہ صرف ہماری مرضی کے تابع ہیں۔ تم انہیں سائنس کہتے ہو۔"

میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ سیٹھ روئی والا کا ایک ملازم اندر داخل ہوا۔

"صاب جی۔ مس روشیلا کا فون آیا ہے۔"

"کیا کہتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"رانا صاب سے بات کریں گی۔" ملازم نے جواب دیا اور میں نے مسکراتے ہوئے طالوت کو اشارہ کیا۔

"آؤ یار۔ تم بھی آؤ۔" طالوت نے شانے جھٹکاتے ہوئے کہا اور میں بھی ہنستا ہوا اس کے ساتھ اٹھ گیا۔ راستے میں، میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"صرف ایک ہی رات میں بور ہو گئے؟"

"وہ اسی ٹائپ کی عورت ہے۔ میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ حالانکہ اس نے خدا کو حاضر و ناظر جان کر میرے عشق اور اپنی معصومیت کی قسمیں کھائی ہیں۔"

"بہرحال اس نے اپنا سب کچھ تمہارے حوالے کر دیا ہے۔ کچھ تو قدر کرو۔"

"یار سیدھی سادی بات کرو تو ٹھیک ہے۔ رہی سب کچھ کی بات۔ تو میرا دعویٰ ہے کہ وہ اپنا سب کچھ بہتوں کے حوالے کر چکی ہو گی۔" طالوت نے اور مجھے ہنسی آ گئی۔ میں اس کے ساتھ اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں فون کا ریسیور میز پر رکھا ہوا تھا۔ طالوت نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔" اس نے کہا۔ اب وہ اس دنیا کے حالات بخوبی سمجھ گیا تھا۔

"آہ۔ حالانکہ چند گھنٹوں کے بعد تمہاری آواز سنی ہے، لیکن ایسا لگ رہا ہے جیسے برسوں سے کان اس آواز کو ترس رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہے ڈارلنگ؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"آہ۔ کتنے بھولے ہو تم۔ تم نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔ ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں۔ خیر تو ڈارلنگ تم نے بھی میری غیر موجودگی میں کیا محسوس کیا؟"

"میں نے جو کچھ محسوس کیا ہے وہ اپنے سیکرٹری کو بتا دیا ہے۔ آپ ان سے بات کر لیں۔" طالوت نے کہا اور ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ریسیور پکڑ لیا۔ طالوت نے اچانک یہ بدمعاشی کی تھی۔ بھلا میں کیا کہہ سکتا تھا۔ لیکن اچانک میری رگ شرارت پھڑک اٹھی۔

"ہیلو۔" میں نے ریسیور میں کہا۔

"خیریت ہے؟"

"اللہ کا شکر ہے جی۔" میں نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔



"گولر بھائی۔ یہ آپ کے رانا صاحب کس قسم کے آدمی ہیں؟"

"قسم اللہ کی۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب تو مجھے بھی نہیں معلوم۔ آپ کو کیا بتاؤں۔"

"بہت شرمیلے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ میری جدائی میں آپ پر کیا گزری تو کہنے لگے کہ میرے سیکرٹری سے معلوم کر لیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے گولر بھائی؟"

"ہاں جی بہت بری گزری ہے۔ کمر میں درد ہے۔ کراہ کر اٹھ بیٹھ رہے ہیں۔ آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریوں کی شکایت کر رہے تھے۔ کچھ ڈرے ڈرے سے ہیں۔ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ کسی عورت کا فون آئے تو فوراً منع کر دوں۔"

"اللہ بڑے شریر ہیں آپ گولر بھائی۔" روشیلا نے شرماتے ہوئے کہا۔

"اجی میں تو ان کی باتیں دوہرا رہا ہوں۔"

"خیر۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ وہ دامن نہ چھڑا سکیں گے۔ میں نے یہ چند لمحات کی جدائی صرف اس لئے برداشت کی تھی کہ گھر واپس آ کر ان کے شایان شان انتظام کر لوں۔"

"اوہ۔ تو کیا آپ نے انتظام کر لیا؟"

"ہاں۔ میں تھوڑی دیر کے بعد پہنچ رہی ہوں آپ لوگوں کو لینے۔ آپ میرے یہاں قیام کریں گے۔ اور ہاں آپ سے کچھ ضروری باتیں بھی کرنی تھیں۔"

"گویا اب تک کی باتیں غیر ضروری تھیں؟"

"نہیں۔ وہ بھی ضروری تھیں، لیکن خاص بات یہ ہے کہ آپ سیٹھ روئی والا کے جھانسے میں نہ آئیں۔ وہ چالباز آدمی ہے۔ مجھے تو ان پانچ لاکھ کا ہی افسوس ہے جو رانا صاحب نے ادا کئے اور ان کی رسید بھی نہیں لی۔"

"اوہ لیکن رانا صاحب کا تو خیال ہے کہ آپ نے بھی روئی والا کی سفارش کی تھی۔"

"لیکن اس وقت یہ خیال تھوڑا ہی تھا کہ رانا صاحب اتنی رقم ساتھ لئے پھرتے ہوں گے اور فوراً ادا کر دیں گے۔ لیکن رانا صاحب تو درحقیقت بہت بڑے انسان نکلے۔ اتنی بڑی رقم انہوں نے چٹکیاں بجاتے ادا کر دی۔"

"بہرحال یہ باتیں آپ رانا صاحب سے ہی کریں، آپ کے آنے کی خبر سن کر ان کا رنگ زرد ہو گیا ہے۔ برسوں کے مریض معلوم ہونے لگے ہیں۔ اب آپ ہی آ کر انہیں سنبھالیں۔"

"میں ایک گھنٹے کے اندر پہنچ رہی ہوں۔"

"بہت بہتر۔" میں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ طالوت جھینپتے ہوئے انداز میں ہنس رہا تھا۔ "آ رہی ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"فوراً نکل چلو۔" طالوت اٹھتے ہوئے بولا۔

"ارے ارے وہ زبردستی تھوڑی کرے گی۔ آ جانے دو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بکواس مت کرو یار۔ نوری کے پاس نہ چلیں گے۔ اگر وہ آ گئی تو۔ میں جو آتا ہوں، تم رک جاؤ۔"

"عارف خدا کے لئے چلو۔ میں واقعی اس عورت سے خوفزدہ ہوں۔"

"اتنی آسانی سے جان نہ بچا سکو گے طالوت۔ ویسے فکر مت کرو۔ میں کسی فٹ پاتھی حکیم سے تمہارے لئے طاقت کی گولیاں خرید لاؤں گا۔" اور پھر طالوت کو جھلائے ہوئے انداز میں کھڑے ہوتے دیکھ کر میں بھی جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"چلو چل تو رہا ہوں۔ مگر عبدل بھائی۔"

"ہم خود نوری کا پتہ لگائیں گے۔" طالوت نے کہا۔

"وقت ہو گی۔ میرے ذہن میں ایک اور ترکیب ہے۔"

"کیا جلدی بتاؤ۔"

"اسے آنے دو۔ ہم اس کی نگاہوں سے غائب ہو جائیں گے۔ جب عبدل بھائی آئیں گے تب تک وہ چلی جائے گی۔"

"او" وہ طالوت میری آنکھوں میں دیکھنے لگا اور پھر اس نے گردن ہلا کر مسکراتے ہوئے کہا "چلو ٹھیک ہے۔ یہ ٹھیک ہے۔" وہ اطمینان سے بیٹھ گیا۔ مجھے بے تحاشا ہنسی آ رہی تھی۔ "میں کوشش کروں گا کہ یہ عشق تمہاری طرف منتقل کر دوں۔" طالوت نے جھلائے ہوئے انداز میں دانت پیستے ہوئے کہا۔

"بات کیا ہے میری جان۔ اس قدر گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟" "یار بڑی بھیانک عورت ہے۔ میرے تو فرشتوں کی بھی ہمت نہیں پڑتی۔ بھلا میں اس حد تک جا سکتا ہوں۔ اس نے خود ہی گڑبڑ کر ڈالی تھی اور پھر موقع بھی نہیں دیکھتی۔ میرا خیال ہے وہ تمہارے عبدل بھائی اور روئی والا کے سامنے بھی اظہار عشق کے بھونڈے طریقے اختیار کرے گی۔"

"ہاں۔ یہ تو خطرناک بات ہے۔"

"ابھی تو بہت سی ایسی فیس لی میری جان۔ ذرا کسی فلم فنانسر کی حیثیت سے خود کو متعارف تو ہو جانے دو۔" میں نے آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

"تب تو جلدی بھاگ جانا پڑے گا۔" طالوت نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔ کافی دیر تک ہم اسی قسم کی گفتگو کرتے

رہے۔ پھر میں نے طالوت کو اشارہ دیا۔ میں نے شاہ داد کو دروازہ کھولنے اور خود نگاہوں سے روپوش ہونے [illegible] اس انداز میں ہم دونوں باہر نکل آئے۔ ہم نے کوٹھی سے باہر [illegible] اور باقی [illegible] وقت پر وہ پہنچے۔ ایک خوبصورت [illegible] روشیلا اتر رہی تھی۔ [illegible] ذرا تیور موجود تھے اور روشیلا نے [illegible] قیامت اٹھا رکھی تھی۔ ایک انتہائی [illegible] ساڑھی میں ملبوس تھی اور چہرے پر [illegible] میک اپ [illegible] دیکھتے رہ گئے۔

"[illegible] ہے" میں نے طالوت کا شانہ دباتے ہوئے کہا۔

"[illegible] عورت کے [illegible] ہوتی ہے"

"[illegible] تو برداشت کرنا پڑے گا پیارے۔ [illegible] عورت اس طرح نہیں آسکتی"

"یہ بھی ٹھیک کہتے ہو۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ اور پھر ایک دم [illegible] "اور وہ دیکھو سیٹھ صاحب اس کی [illegible] کرکس طرح لپک رہے ہیں"

"[illegible] قریب سے دیکھیں" میں نے کہا اور ہم دونوں آگے بڑھ گئے۔ مس روشیلا بڑے ناز سے قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی اور سیٹھ صاحب اپنی عمر [illegible] اس کی طرف بڑھ رہے تھے لیکن مس روشیلا کی نگاہیں شاید ہم دونوں کو تلاش کر رہی تھیں۔ [illegible] وہ کسی خوش فہمی میں مبتلا تھیں۔

"[illegible] نصیب۔ [illegible] نصیب۔ ہاں [illegible] قیامت کا [illegible] ہے۔ [illegible] آئیے [illegible]"

"وہ دونوں کہاں ہیں سیٹھ صاحب؟"

"[illegible] راہ صاحب کو بلاتا ہے۔ اندر ہیں۔ اندر آؤ۔ ہاں [illegible] راہ صاحب تو [illegible] ہوگیا۔ ایک دم کلاس ہو گیا"

"میں انہیں اپنے ساتھ لے جانے آئی ہوں سیٹھ صاحب"

"نہیں۔ [illegible] روشیلا بائی۔ وہ تو ہمارا مہمان ہے۔ ابھی تو اس سے رات کے کھانے پر [illegible] بات کرنے کو [illegible] ہے۔ تم دیکھتی رہو۔ روشیلا بائی۔ [illegible] باپ کا دولت اور [illegible] ہاں ہم تھوڑے عرصے میں ہم [illegible] ہو گیا۔"

"وہ [illegible] میں سے ہیرے ایک لاکھ میرے ذریعہ [illegible] کروا [illegible]"

"ایں۔ ایک لاکھ؟ [illegible] روشیلا بائی۔ ہاں ہم ایک لاکھ کا بات کب ہوا۔ ہم تو [illegible]"

"[illegible] روٹی والا۔ اس سے [illegible] بات نہیں



موتی۔ میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔"

"[illegible] مس روشیلا۔ ابھی [illegible] سب [illegible]"

"سیٹھ صاحب۔ میں اپنی فرض جانتی ہوں کہ آپ جیسا [illegible] کی عزت پر کوئی بات کریں۔ ابھی تو بات [illegible] آگے بڑھنی ہے۔"

"[illegible] ٹھیک ہے وہ۔ ٹھیک ہے۔ آؤ۔" سیٹھ صاحب نے [illegible] انداز میں کہا اور وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ پھر وہی ہوا جس کی توقع تھی۔ [illegible] ایک ایک ملازم سے پوچھا ہے دونوں کہاں [illegible] پریشان ہو گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ہم کہاں گئے۔

"اف" طالوت نے میرا شانہ دباتے ہوئے کہا۔

"ہاں"

"[illegible] بیچاری [illegible] روشیلا کا [illegible]"

"یقیناً... اب یہ قصہ تو ہو نا ہی چاہئے۔ بقول اس [illegible] ہمارے [illegible] ہے"

"ویسے ہم [illegible] بیوقوف ہیں۔"

"بظاہر تو [illegible] ہے"

"لیکن یقیناً ایسا نہیں ہے"

"[illegible]"

"[illegible] تو کیا ہم ایک معمولی سی تجوری بھی نہیں توڑ سکتے۔ کیا سیٹھ نے اتنی بڑی رقم [illegible] ہو گا؟"

"اوہ اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا طالوت۔"

"تو ہارٹ فیل ہو جائے۔ روپیہ تو دوسروں کے کام آئے گا" طالوت نے کہا اور میں اس کی شکل دیکھنے لگا۔ طالوت [illegible] نظر آرہا تھا۔

"آؤ۔ جب تک وہ [illegible] کر رہے ہیں۔ ہم اس کی تجوری تلاش کریں۔" طالوت نے کہا۔ اور ہم تجوری کی تلاش میں چل پڑے۔

سیٹھ روٹی والا کی تجوری ایسی جگہ نہیں ہو سکتی تھی جہاں عام نگاہیں پہنچتی ہیں لیکن اس کا کمرہ [illegible] معمولی نہیں تھے۔ طالوت جب تجوری کی تلاش میں [illegible] اس نے [illegible] کو آواز دی۔ اور [illegible] حاضر ہو گیا۔

"ہمیں سیٹھ روٹی والا کی تجوری کی تلاش ہے" طالوت نے کہا۔

"تشریف لائیے۔" [illegible] نے گردن جھکا کر [illegible]



اس کے ساتھ چل پڑے۔ [illegible] ایک اندرونی کمرے میں لے گیا اور پھر اس نے ایک خوبصورت [illegible] آگے بڑھائی۔ [illegible] آواز کے ساتھ ہی [illegible] نمودار ہوا۔

"واپس آ کر بتائیں تو تجوری بند ہو جائے گی۔" [illegible] نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" طالوت نے گردن جھٹکی اور [illegible] نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ طالوت نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور پھر تجوری کے قریب پہنچ گیا۔ تجوری میں بہت سے کاغذات، کچھ زیورات جن کے ساتھ کاغذ کی چٹیں بندھی ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ [illegible] کے نوٹوں کی گڈیاں اور بہت سی چیک بکیں اور [illegible] رکھی ہوئی تھیں۔ ظاہر ہے کہ سیٹھ صاحب کی اصل دولت تو بینکوں میں ہوگی۔ پانچ لاکھ ابھی بینک تک پہنچانے کی مہلت نہیں ملی ہوگی ورنہ یہ بھی بینک میں ہوتے۔" میں نے کہا۔

"ذرا دیکھو تو سہی عارف۔ اس سیٹھ کے [illegible] دھندے شروع کر رکھے ہیں؟" طالوت نے کہا اور پھر زیورات کی ایک تھیلی نکال کر میرے سامنے رکھ دی۔ اس کے ساتھ ہی کاغذات بھی تھے جن سے کاغذات دیکھ کر ایک گہری سانس لی۔ "کیوں؟" طالوت نے پوچھا۔

"روٹی والا عمل سیٹھ ہے کمبخت سود پر رقم بھی دیتا ہے اور مجبوروں کی عزت گروی رکھ لیتا ہے۔ یہ جیسے میں ضرورت مندوں کے زیورات ہیں جن کے عوض سیٹھ نے انہیں رقم دی ہے۔ اب یہ زیورات ان کے پاس واپس کہاں جائیں گے طالوت۔ سیٹھ انہیں سود میں ہی ہضم کر لے گا اور اصل باقی کا باقی رہ جائے گا۔"

"نہیں ہضم کرنے دیں گے۔ ہم انہیں واپس کر دیں گے۔" طالوت نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا اور میرے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کس کس کی عزت بچاؤ گے طالوت۔ کس کس پر احسان کرو گے۔ یہ دنیا تو ایسے لوگوں سے بھری پڑی ہے۔"

"تم نے پھر فضول گفتگو شروع کر دی عارف۔ ہم طے کر چکے ہیں کہ جو بھی نگاہوں کے سامنے آگیا اور ہم اس کے لئے کچھ کر سکے کریں گے۔ یہ سوچ کر کہ ہم پوری دنیا کی مدد نہیں کر سکتے انہیں کیوں نظر انداز کر دیں جو ہماری نگاہوں کے سامنے آتے ہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے لیکن اس سلسلے میں کیا کرو گے؟"

"کیا ہمیں روزی کمانے کی ضرورت ہے عارف"



"ہیں۔ نہیں۔ یہ تو نہیں ہے۔"

"تو پھر بس۔ شروع کریں گے [illegible] انداز میں بھی کریں گے۔ اور یہ اس محفل کی مدد کریں گے جو ہمارا [illegible] ہوگا۔ تجوری صاف۔ یہ زیورات اور نقدی [illegible] تھے [illegible] پہنچے سیٹھ روٹی والا بے چارہ" طالوت نے دونوں ہاتھ تجوری پر [illegible] اور [illegible] تجوری میں [illegible] تھا تب طالوت نے [illegible] سے [illegible] اور تجوری خود بخود بند ہو گئی۔

"[illegible] دیکھیں۔ وہ دونوں کس مرحلے میں ہیں۔" اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اور ہم دونوں تجوری والے کمرے سے باہر نکل آئے۔ بہت سے کمروں میں جھانکتے ہوئے ہم دونوں سیٹھ روٹی والا کی خوابگاہ پہنچ گئے۔ کمرے سے مس روشیلا کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ دروازہ بند نہیں تھا اس لئے ہم اندر داخل ہو گئے۔ روشیلا اور سیٹھ صاحب ایک ہی صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ روشیلا کے چہرے پر فکر مندی کے آثار تھے لیکن سیٹھ صاحب قربان ہو جانے والے انداز میں اسے دیکھ رہے تھے۔

"[illegible] میں نہیں آتا۔ آخر وہ دونوں کہاں چلے گئے۔ کسی ملازم نے بھی باہر جاتے ہوئے نہیں دیکھا اور پھر بغیر اطلاع دیئے ہوئے۔" روشیلا پر خیال انداز میں کہہ رہی تھی۔

"ارے ان کو [illegible] حیرت ہے [illegible] نہیں بھی ہو گیا تو واپس آ جائے گا تم کاہے کو پریشان ہوتا روشیلا بائی۔" سیٹھ صاحب کس قدر جھنجھلائے ہوئے انداز میں بولے اور روشیلا چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"تم پریشان نہیں ہو روٹی والا؟"

"ارے ہم کاہے کو پریشان ہوئیں گا۔ ہمارے کو کیا کرنا ہے ہو ہو پورے پانچ لاکھ وصول کیا۔ ادھی طرف سے دونوں گھنٹے میں جائیں۔"

"بس تمہاری اوقات یہی ہے سیٹھ صاحب لیکن یاد رکھو اگر وہ تمہارے ہاتھ میں رہتے تو وارے نیارے ہو جاتے۔ نواب راہ عزیزالدین خان کے پاس دولت کی کمی نہیں ہے جو شخص دس بیس لاکھ جیب میں ڈال کر گھومے اور پانچ لاکھ معمولی سے انداز میں دے دے وہ معمولی نہیں ہو سکتا۔"

"ٹھیک ہے بابا۔ پن اب اسے کہاں سے پکڑیں۔ سارا مزا کرکری ہو گیا" سیٹھ صاحب نے بیزاری سے کہا۔

"مزہ؟" روشیلا نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔

"ارے اور کیا۔ فس کلاس والا موسم ہے۔ ہم تب تم سے یہ کیا بولتا سالا۔ تنہائی ہے۔ ہو ہو ہو۔ ہیرو کا مالک اور پیار محبت کا باتیں کرنے کو مانگتا ہے۔ پن تم ان دونوں کی پھکر میں پڑا ہے۔"

"او۔ سیٹھ صاحب۔ آپ کا پیار محبت کا موڈ ہے؟"

"تو اور کیا بابا۔ ہم سالا انسان نہیں ہے کیا؟"

"آپ کو پیار کرنا آتا ہے سیٹھ صاحب؟" روشیلا نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ہو ہو۔ کائے کو نہیں آئے۔ ایسا سالا فس کلاس والا کرتا۔ جرا ادر آؤ۔" سیٹھ صاحب چونچ بنا کر روشیلا کی طرف کھسکے لیکن روشیلا نے جلدی سے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر انہیں روک دیا۔

"ہاں۔ ہاں۔ سیٹھ صاحب۔ سیٹھ صاحب۔ آپ کاروباری آدمی ہیں۔ پہلے کاروبار کی باتیں تو کرلیں؟"

"ارے کاروبار کیسا۔ ہم سالا پیار کرنے کو مانگتا ہے!" سیٹھ صاحب پھر مرغ کی مانند پر پھڑپھڑانے لگے۔

"وہ سیٹھ صاحب۔ پہلے تو میرے کمیشن کے ایک لاکھ!" روشیلا صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے تو بولا نا بابا۔ دیں گا۔ اور تم پیچھا کب چھوڑیں گا۔ میں وعدہ کیا نا تم بیٹھو تو۔"

"اگر آپ ان میں سے دو لاکھ نکال دیں سیٹھ صاحب تو کیا فرق پڑے گا آپ پھر بھی تین لاکھ کے فائدے میں رہیں گے۔" روشیلا معنی خیز انداز میں بولی۔

"دو۔ دو لاکھ!" سیٹھ جلدی سے بیٹھ گئے "دو لاکھ کائے کو بابا؟"

"ایک لاکھ میرا کمیشن اور ایک لاکھ پیار محبت کے۔ پھر آپ بالکل ہیرو بن جائیں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

وا رے۔ او۔ وہ ہو ہو۔ ہم سالا اس بڑھاپے میں کائے کو ہیرو بنیں گا۔ ہم تو ایسے ہی مسخری کرتا پڑا۔ تم بیٹھو روسیلا بائی۔ چائے پانی منگواتا۔"

"نہیں۔ اب میں چلوں گی۔ رانا صاحب واپس آجائیں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں ان سے سخت ناراض ہوں۔ وہ مجھے منانے میرے گھر آسکتے ہیں۔" روشیلا بولی۔

"بول دیں گا بابا۔ مگر ہم بڑا بدنصیب ہے۔" سیٹھ نے افسردگی سے کہا۔

"کیوں؟ کیوں؟" روشیلا مسکرائی۔

"ارے دیکھو نا روسیلا بائی۔ ہم تمہارے کو کتنا محبت کرتا پڑا۔ اپنی پھکر میں تمہارے کو فاسٹ کیا۔ تمہارے پہ اتنا محنت کرنا پڑا۔ پن تم پیار کا ایک بات بھی نہیں کرتی۔"

"آپ پیار کرکے کیا کریں گے سیٹھ صاحب؟" روشیلا نے تیکھے تیکھے انداز میں کہا۔

"اے بس۔ ایک خواہش تھا۔ پن تم پورا نہیں کرتا پڑا۔ تو کیا بنے گا؟" سیٹھ صاحب مایوسی سے بولے۔

"تو اپنی خواہش پوری کرلیں سیٹھ صاحب۔ میں تو بازار میں بکی ہوئی ہوں۔ آپ لوگوں سے بنا کر نہ رکھوں تو کیسے کام چلے گا۔"

"اے ٹھیک بولتا پڑا۔ بالکل ٹھیک بولتا پڑا۔" سیٹھ صاحب روشیلا پر جھک گئے۔ طالوت سے برداشت نہ ہو سکا تھا۔

اس سے قبل کہ میں اسے روکوں، اس نے سیٹھ صاحب کے سر سے پگڑی اٹھائی اور وہ زوردار ہاتھ رسید کیا کہ سیٹھ صاحب کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ وہ اوندھے ہو گئے۔ روشیلا ان کے وزن سے بچنے کے لئے جلدی سے ایک طرف ہٹ گئی تھی۔

"کیا ہوا سیٹھ صاحب؟" وہ حیرت سے بولی۔

"ایں!" سیٹھ صاحب نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر غصیلے انداز میں روشیلا کی طرف دیکھتے ہوئے بولے "بابا تم کھود بولا۔ پھر مارا کائے کو ہے؟"

"کیا مطلب؟" روشیلا نے تعجب سے کہا۔

"پن تمہارے دونوں ہاتھ تو ہمارے سامنے تھے۔" سیٹھ صاحب کو خود بھی حیرت تھی۔

"ہوا کیا؟" روشیلا نے تنک کر پوچھا۔

"ارے ہم کھود نہیں جانتا کیا ہوا" سیٹھ صاحب نے پہلے اوپر اور پھر نیچے اس خیال سے دیکھتے ہوئے کہا کہ اوپر سے کوئی چیز تو ان کے سر پر نہیں گری تھی۔ لیکن ایسی کوئی چیز انہیں نظر نہیں آئی تھی۔

"بس۔ اب میں چلوں گی سیٹھ صاحب۔ وہ پیسے مجھے دے دیں۔" روشیلا نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا سیٹھ صاحب میں اب اتنی ہمت نہیں تھی کہ دوبارہ کوشش کرتے۔ ان کا سر اب بھی چکرا رہا تھا۔ کان سنسنا رہے تھے۔

"دیتا ہے بابا۔ دیتا ہے۔" وہ بے چارگی سے بولے اور پھر لرزتے قدموں سے اٹھ کر باہر نکل گئے۔

"آؤ دیکھیں!" طالوت نے سرگوشی کی۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر سیٹھ صاحب کے پیچھے چل پڑا۔ پھر ہم دونوں سیٹھ صاحب کے ساتھ ہی اندر داخل ہوئے تھے۔ سیٹھ صاحب



نے کھٹکے کی آنکھ دبائی اور تجوری کھل گئی۔ پھر انہوں نے اندر ہاتھ ڈالا۔ اور ایک دم ایسا لگا جیسے سانپ نے کاٹ لیا ہو۔

"ہائیں۔ ارے۔ ارے۔ یہ کیا!" ان کے منہ سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔ اور وہ دل پر ہاتھ رکھ کر لڑکھڑانے لگے "ارے۔ ارے۔ ڈاکہ پڑ گیا۔ ہائے باپ۔ ارے چلو۔ جلدی۔ پولیس پولیس۔" وہ بوکھلاہٹ میں ناچتے ہوئے چیخے اور پھر سرپٹ باہر کی طرف دوڑے۔ انہوں نے وہ شور مچایا کہ خدا کی پناہ!

ذرا سی دیر میں گھر کے سارے ملازم روشیلا سمیت ان کے گرد جمع تھے اور سیٹھ صاحب بوڑھی عورتوں کی طرح بین کر رہے تھے۔ وہ بتا رہے تھے کہ وہ لٹ گئے۔ پانچ لاکھ نقد۔ لاکھوں کے زیورات اور نہ جانے کیا کیا چلا گیا "سب چوپٹ ہو گیو۔ ماں کسم۔ ہمارا دیوالا ہو گیو۔" اور پھر اچانک وہ ایک دم خاموش ہو گئے۔ ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے اور پھر انہوں نے روشیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "مس روسیلا۔"

"کیا بات ہے سیٹھ صاحب؟" روشیلا نے طنزیہ انداز میں کہا۔ لیکن سیٹھ صاحب کو اس وقت اس کے لہجے پر توجہ دینے کی فرصت کہاں تھی۔

"مس روسیلا۔ گھپلا ہو گیا۔ ماں کسم بہت بڑا گھپلا ہو گیا۔"

"گھپلا تو ہو رہا ہے سیٹھ صاحب۔ میں خود دیکھ رہی ہوں۔"

"وہ رانا کا بچہ اور اس کا ساتھی ڈاکو تھے۔ بہت بڑے ڈاکو۔ وہ پانچ لاکھ دے کر سب کچھ لے گئے۔ ہائے مارو گیو۔ سب لے گئے۔ پانچ لاکھ بھی لے گئے۔ جیور بھی لے گئے۔ سب کچھ لے گئے۔ ہائے۔" روئی والا بار بار سینہ پیٹ رہا تھا۔

"سیٹھ صاحب سوچ سمجھ کر بات کریں۔ آپ بغیر ثبوت کے الزام لگا رہے ہیں۔" روشیلا نے تیز لہجے میں کہا۔

"ارے اب ثبوت کا کیا جرورت ہے۔ بھاگ گئے ہائے باپ۔" سیٹھ نے رونے والے انداز میں کہا اور روشیلا ان کے قریب پہنچ کر رک گئی۔

"سیٹھ صاحب آپ کتنی ہی اداکاری کریں۔ میں آپ سے ایک لاکھ روپیہ ضرور وصول کروں گی۔ اگر آپ شرافت سے نہیں دیں گے تو میں بھی انگلیاں ٹیڑھی کرنا جانتی ہوں۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

"بس۔ ارے۔ ایک لاکھ۔ ارے ایک لاکھ۔ اب ایک لاکھ اور دیں گا۔ ارے کیا کرتا پڑا مس روسیلا۔ اب ایک لاکھ کدھر سے دیں گا۔ ارے ہم تو ایسے ہی مر گیو۔"

"دیکھ لوں گی سیٹھ صاحب" روشیلا کو جو ہوا تھا اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ پیر پٹختی ہوئی باہر نکل گئی۔

"ابھی تو آپ بھی باقی ہیں مس روشیلا!" طالوت نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے پھانس کر ایک لاکھ کی حقدار وہ بھی تھیں اور پھر روئی والا گویا اس کی نگاہوں میں میری اور روئی والا کی ایک ہی حیثیت ہے۔"

"ایک لاکھ کی بات دوسری ہے طالوت۔ باقی معاملات کے لئے اسے معاف کر دو۔ اس کی نانی ہی ایسی ہے۔"

"بہرحال ایک لاکھ سہی۔ اس گدھے کے لئے یہی سزا کافی ہے یا پھر اور اس نے تجارت اور ڈاکہ زنی کا بھی شبہ کیا ہے کیا اس کے لئے اسے علیحدہ سے سبق دیا جائے؟"

"بس بس۔ اتنا ہی کافی ہے۔ ہارٹ فیل ہو جائے گا بیچارے کا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"لیکن حیرت ہے عارف۔ یہ اتنا معمولی آدمی تو نہیں ہے کہ اتنی سی رقم کے لئے اس کی بری حالت ہو جائے۔ اس کی تو جائیداد ہی کافی ہے۔"

"اس دنیا کے کارخانے کو سمجھنے کے لئے ابھی وقت درکار ہے طالوت۔ بس دیکھتے رہو۔ اور لطف اندوز ہوتے رہو۔ آؤ اپنے کمرے میں چلیں۔ یہ تو اسی طرح بین کرتا رہے گا۔" اور میں اور طالوت واپس چل پڑے۔ ٹھیک چھ بجے عبدل بھائی آ گیا۔ اس نے ہمارے بارے میں پوچھا ہو گا تو ظاہر ہے اسے عجیب سی باتیں سننے کو ملی ہوں گی۔ تاہم وہ ہمارے کمرے کی طرف نکل ہی آیا اور ہم نے اس کا استقبال کیا۔

"ارے کیا ہوتا ہے گورا بھائی۔ کیا ادھر سب لوگ کا مغج چل گیا ہوتا۔" عبدل بھائی ہمیں دیکھ کر اچھل پڑا۔

"کیا ہوا عبدل بھائی؟" میں نے پوچھا۔

"ارے بابا اور تو پاگل کھانا معلوم ہوتا پڑا۔ جرا آؤ۔ ادھر دیکھو۔ اور سب لوگ اداس ہو گیا" عبدل بھائی کھوپڑی سہلاتا ہوا بولا۔

"کیا ہو گیا آخر؟" میں نے کہا اور پھر طالوت کی طرف مڑ کر بولا "آئیے دیکھیں رانا صاحب۔"

"چلو۔" طالوت نے کہا اور ہم تینوں سیٹھ کے کمرے کی طرف چل پڑے۔ جہاں تعزیتی میٹنگ ہو رہی تھی۔ کچھ دوسرے لوگ بھی باہر سے آئے ہوئے تھے۔ سیٹھ ان کے درمیان بیٹھا اپنے لٹ جانے کی داستان سنا رہا تھا۔ سب سے پہلے عبدل بھائی۔ ان کے پیچھے میں اور پھر طالوت اندر داخل ہوئے۔

سیٹھ نے جوں ہی سر کی نگاہ ہم پر ڈالی اور چونک وہ کسی فٹ بال کی طرح اچھل پڑا اور پھر اس نے اپنے منہ سے کسی زخمی چڑیا کی طرح ہمارے اوپر چھلانگ لگائی۔ دوسرے لوگ حیرانی سے کھڑے ہو گئے تھے۔ سیٹھ نے جھک کر میری کمر میں دونوں ہاتھ ڈال کر مجھے پکڑ لیا اور پھر اس کے منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکلنے لگیں۔

"ہاں یہ سب ہابابا۔ مار ہو۔ ہو ہو۔ پکڑ لو۔" اس کا بدن بری طرح کانپ رہا تھا۔ اور ہنسی روکنے کی کوشش میں میری اور طالوت کی بری حالت ہو گئی۔

"کیا ہو گیا سیٹھ صاحب۔" میں نے حیرت سے عبدل بھائی سے کہا سیٹھ بدستور میری کمر سے لپٹا ہوا کانپ رہا تھا۔

"ارے روٹی والا۔ اسے روٹی والا۔ کیا کرتا ہے خدا کے واسطے تیرا کچھ بگڑ گیا ہے کیا۔ اے سنبھل کے بولو سیٹھ۔" عبدل بھائی سیٹھ سے میری کمر چھڑانے کی کوشش کرنے لگے! دوسرے لوگ پاگلوں کی طرح منہ پھاڑے کھڑے تھے۔

"نہیں چھوڑیں گا۔ ہاں ہم نہیں چھوڑیں گا۔ اے پولیس بلاؤ۔ جلدی کرو۔ پکڑ لیا۔ پکڑ لو۔"

"پولیس۔" طالوت آگے بڑھ کر کہا۔ "کیا بدتمیزی ہے روٹی والا۔" اس نے روٹی والا کی گردن پکڑ کر اسے زور سے دھکیل دیا۔ اور روٹی والا چاروں شانے چت گرا۔ لیکن اس نے اٹھنے میں بہت پھرتی دکھائی۔ وہ پھر کسی بے ہنگم سے مینڈھے کی طرح گردن جھکا کے آگے بڑھا اور اس بار اس نے طالوت کو پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن طالوت نے تھپڑ کی آواز کافی زور دار تھی اور کئی تھپڑ نے روٹی والا کے بھی ہوش درست کر دیئے تھے۔

"اب اس بدتمیزی کی وجہ بتاؤ۔۔۔ روٹی والا۔" طالوت نے چیختے ہوئے کہا۔ اس کی رفتار شخصیت سے سب ہی مرعوب ہو گئے تھے۔ کسی نے اس معاملے میں مداخلت کی کوشش ابھی تک نہیں کی تھی۔ طالوت نے روٹی والا کا گریبان پکڑ لیا۔

"۔۔۔ وہ تا لانے کو سب بولی۔ ہم۔۔۔ وہ، تم بھی ہے

لوٹ لیا!" اس نے روٹی والا! گریبان چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔

"عبدل بھائی۔ اس سے معلوم کرو آخر کیا ہوا ہے؟" طالوت نے پھر اسے دھکا دے دیا اور وہ صوفے سے پیچھے گر گیا۔ لیکن اس بار اس نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اسی طرح پڑا ایک ٹک گھورنے لگا۔ کچھ سہمتے ہوا تھا۔

"وہ رانا صاحب ان کے سامنے سیٹھ کا کچھ پھر گیا۔ وہ بولتا ہے آپ لوگ ڈاکو ہیں۔ آپ نے اس کی تجوری صاف کر دی پچاس لاکھ روپے اور بہت سے زیورات نکال لئے ہیں۔" عبدل بھائی نے کہا۔

"اوہ۔" طالوت نے ہونٹ بھینچ کر روٹی والا کو گھورا۔ "تو گویا تم مہمان بنا کر تم مہمان کی بے عزتی کرتے ہو روٹی والا۔ ہم ڈاکو ہیں۔ کیوں؟" طالوت آگے بڑھا۔

"ارے۔ مار ہو مت بھائی۔ ہاں ہم بڑے زور دار ہاتھ پڑتے ہیں۔ ہم کیا بولے۔ ارے اور کس نے ہمارا تجوری صاف کر دیا؟"

"روٹی والا تمہاری جتنی بڑی اوقات ہے کھڑے کھڑے خرید لوں گا۔ بتاؤ اس کی قیمت کیا ہے اس وقت ادا شدہ ہوئی سمجھے۔" طالوت نے گرجدار آواز میں کہا۔

"اسے تو پھر بھائی۔ ہم کیا بولے۔ بات ہم تو مت کہو۔"

"بکواس مت کرو۔ میرے ہوش ٹھکانے رکھو۔ پانچ لاکھ واپس کرو۔ ورنہ تمہارے اوپر دھوکہ دہی کا مقدمہ کروں گا اور تمہیں قید میں ڈلوا دوں گا۔"

"ارے باپ! کیا بولا۔۔۔ اور ایک لاکھ روپیا ہے۔ ہم نے چھوڑ دو۔ اور پھر اس کا نقصان۔ بات۔ ہم تو اب کیا سیٹھ کا نہ کے انداز میں بولے گا۔"

"آؤ عبدل بھائی۔ سیٹھ کو رات میں دیکھیں گے۔" طالوت نے کہا عبدل بھائی اب تو اچھی تھی اس نے وہ گردن ہلا کے ہمارے ساتھ نکل آیا۔ کسی کی مجال تھی کہ ہمیں روکتا۔ ہم لوگ باہر نکل آئے۔

"سیٹھ بہت کمینہ ہے عبدل بھائی۔ مہمانوں پر چوری کا الزام لگایا ہے۔" طالوت نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"۔۔۔ ہم دونوں کا خیال ہے۔۔۔ بیٹا ہے۔ بیچ آپ نے جب چور ۔۔۔ کیا ۔۔۔ صاحب ۔۔۔ کیا اب دونوں آگے ۔۔۔ ہو۔"

"اس سے بہت ۔۔۔ ہاتھ ۔۔۔ کر نکال لیں گے تم فکر مت کرو۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے ۔۔۔ ہم ۔۔۔



سیٹھ کی کوٹھی سے نکل آئے تھے۔

"کیا بتاتا صاحب نوری کے گھر چلیں گے؟"

"ہاں۔ ہاں۔ بالکل۔ تم ٹیکسی روکو" طالوت نے کہا اور عبدل بھائی ایک ٹیکسی کو آواز دینے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ٹیکسی میں بیٹھے شاہ پور کالونی جا رہے تھے۔ راستے میں طالوت نے کہا۔

"اب ہم واپس سیٹھ کی کوٹھی پر نہیں جائیں گے ہمیں کسی موزوں ہوٹل میں قیام کرنا ہوگا۔ عبدل بھائی۔ تم نے کوٹھی کے لئے کسی سے بات کی؟"

"ارے آپ کے پاس سے جانے کے بعد ہم چاروں طرف گھوما پڑا۔ ایک بہت دلال سالا کوٹھی کے لئے بول رہے ہاتھ کیا۔ کل کوٹھی دکھائیں گا۔ سیٹھ بولا کس کا اس کوٹھی بنے ایک دم فٹ ناٹ۔"

"خوب۔ کل ایک کار بھی خریدنی ہے۔ ضرورت تو ہو گی۔"

"ٹھیک بولا رانا صاحب۔ ٹھیک بولا۔" عبدل بھائی خوشی سے دانت نکال کر بولے۔ بڑی موٹی آسامی ہاتھ لگی تھی۔ وارے نیارے ہو گئے تھے اور کیا چاہئے تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹیکسی شاہ پور کالونی پہنچ گئی اور پھر عبدل بھائی نے اسے رکوا دیا۔ عبدل بھائی نے کرایہ بھی اپنی جیب سے ہی ادا کیا تھا۔ آخر کو اس بیچی کا فیجر تھا جو ابھی تک تم نہیں ہوئی تھی۔

چند منٹ کے بعد ہم ایک افلاس زدہ مکان کے سامنے رکے تھے جس کے دروازے پر ٹاٹ کا پردہ جھول رہا تھا۔ پردے کی موجودگی کم از کم مکین کی ذہنیت کی عکاسی کرتی تھی۔ خواہ وہ ٹاٹ ہی کا تھا۔ عبدل بھائی نے دروازے پر دستک دی اور چند لمحات کے بعد ایک کمزور سا بچہ باہر نکل آیا۔ وہ معمولی لیکن صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھا اور اس کے چہرے پر نوری کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔

"اسے نوری کو بتا دو کہ تایا ابا۔ نوری کو بولو رانا صاحب آئے ہیں۔"

"آئیے تشریف لائیے۔ ہم آپ کا انتظار کر رہے تھے" بچے نے کہا اور پردے سے پردہ ہٹا دیا۔ پہلے عبدل بھائی لومڑی کی طرح دبے قدموں اندر داخل ہوئے۔ وہ اسی طرح آیا جاتے تھے۔ ان کے پیچھے ہم دونوں بھی جھجکتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ چھوٹے سے مکان کا ایک صحن تھا۔ سامنے چھوٹا سا دالان تھا اور دالان کی خستہ حالی چھپا رہی تھی۔ کرسیوں سے دو ۔۔۔ ایک کھلی میز اور ایک چارپائی

بچھی ہوئی تھی۔ چارپائی پر سفید چادر تھی۔ دالان کے سرے پر ایک سادہ سے لباس میں ملبوس بوڑھا جو آنکھوں سے اندھا تھا کھڑا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر استقبالیہ مسکراہٹ تھی۔ وہ ٹٹول کر احتیاط سے آگے بڑھا۔

"آئیے۔ آئیے۔ نور اتسا بیگی۔ نور اتسا بیگی۔ مہمان آگئے۔"

"آئی ابا میاں۔" نوری کی آواز سنائی دی۔ اور وہ مسکراتی ہوئی دالان میں آئی۔ بالکل سادہ کسی آرائش سے نا آشنا آنکھیں شاید باورچی خانے کے دھوئیں سے سرخ ہوئی تھیں۔ چہرے پر ایک آدھ جگہ کالک بھی لگی ہوئی تھی۔ اس نے ہم سب کو سلام کیا تھا اور پھر وہ باپ سے قریب آئی اور سب سے پہلے میرا ہاتھ پکڑ کر بوڑھے کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولی۔

"ابا میاں۔ یہ۔۔۔ یہ گوہر بھائی ہیں۔ شاید گوہر کہتے ہوئے جھجکی تھی طالوت مسکراہٹ نہ روک سکا! اور اس وقت میری شرارت مجھ پر ہی الٹ گئی۔ بوڑھے نے میرا ہاتھ ٹٹولا۔ شاید وہ اس ہاتھ سے کوئی اندازہ لگانا چاہتا تھا۔ پھر اس نے گرمجوشی سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر میاں۔"

"اور یہ نواب عزیز الدین ہیں۔" اس بار نوری نے طالوت کا ہاتھ پکڑ کر بوڑھے کے ہاتھ میں دے دیا۔

"اللہ تعالیٰ مرتبہ بلند کرے۔" بوڑھے نے کہا۔

"اپنے عبدل بھائی بھی ساتھ ہیں۔" نوری بولی۔

"اوہ۔ عبدل بھائی۔ بڑا کرم کیا میاں۔ بیٹھئے بیٹھئے۔ آپ سب لوگ بیٹھئے۔"

"اسے اوہ۔ کرم مرم کاہے کا سالا۔" رانا صاحب بولا۔ "ہم انہیں اور لے آئے۔" عبدل بھائی نے بھی اپنے طور پر انکساری برتی۔ ہم دونوں مونڈھوں پر بیٹھ گئے۔ نوری کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے نہ جانے وہ ہمارے چہروں سے کیا اندازہ لگا رہی تھی۔ شاید جاننا چاہتی ہو کہ ہمیں یہاں آ کر مایوسی ہوئی ہے۔ بوڑھا بھی عبدل بھائی سے ہاتھ ملا کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اور بولا۔

"میاں میرے دو بچے ہیں نور اتسا اور حمید۔ حمید کی ماں کا انتقال ہو چکا ہے۔ میری آنکھیں بھی ایک زمانے میں چلی گئیں اور جب میں کسی قابل نہ رہا تو نور اتسا نے مزدوری کر کے ۔۔۔ اللہ خوش رکھے!"

میں نے محسوس کیا کہ بوڑھا اپنی بچی کا نام بڑے احترام سے لیتا ہے۔ ہم دونوں اس ماحول سے بہت متاثر

ہوئے تھے۔

"ہاں چاچا۔ ایکسٹرا لوگ کو کام کون دیتا ہے۔ صاب لوگ کا کوئی فٹ پاتھ ہے۔ اور اپنا روٹی والا۔ یہ تو سالا ایک دم حرامی ہے۔ ابھی نوری کو نوکری سے نکال دیا۔ پن یہ سالا بابو کمان کا حرامی پن ہے۔ وہ سیٹھ کو بولا۔ نہیں تو سیٹھ نوری کو نہیں نکالتا!" عبدل بھائی نے کہا۔

"ایں۔ تت۔ تو۔ نور النسا بیٹے۔ میرا مطلب ہے۔" بوڑھا خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر خاموش ہو گیا۔ نوری کا چہرہ بھی زرد ہو گیا تھا۔ شاید اس نے بھی یہ خبر گھر میں نہیں سنائی تھی۔ "ارے دیکھو۔ چائے وغیرہ تیار ہو گئی ہو گی۔" بوڑھے نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا اور نوری کی مشکل کسی حد تک حل ہوئی۔ وہ چائے لینے چلی گئی تھی۔

"بابو خاں کو بھی تو نکال دیا گیا۔" میں نے اس موضوع کو آگے بڑھایا۔

"ارے ہاں۔ وہ بھی کھلاس ہو گیا۔" عبدل بھائی ہنس پڑا۔

"بابو خاں کا نور النساء سے جھگڑا ہو گیا تھا؟" بوڑھے کے چہرے پر تجسس ابھر آیا۔

"پتہ نہیں۔" عبدل بھائی کے بجائے میں جلدی سے بول پڑا۔

"خیر۔ اللہ رازق ہے۔" بوڑھے نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اور پھر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا! اس نے رانا عزیز الدین سے ان کے بارے میں پوچھا تھا۔ پھر نوری چائے لے آئی۔ اس کے ساتھ ہی پھل اور بسکٹ بھی تھے۔ اس نے گھریلو لڑکیوں کی مانند چائے بنا کر ہمیں دی اور پھلوں وغیرہ کی پلیٹیں پیش کیں۔ بوڑھا بھی شریک تھا۔ صفدر کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ شریف لوگ، حالات کا شکار۔ میں نے دل میں سوچا۔ نوری نے سیٹھ سے دس روپے ادھار مانگے تھے، سیٹھ نے اسے دو روپے دیئے۔ نہ جانے بے چاری نے یہ سب کچھ کہاں سے کیا ہو گا؟ ویسے اس وقت عبدل بھائی کی بات بات میں مداخلت کھل رہی تھی اس لئے میں نے اسے بھگانے کا فیصلہ کر لیا۔

چائے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے عبدل بھائی سے کہا۔ "عبدل بھائی۔ آپ کے سپرد ایک کام کیا گیا ہے؟"

"ہو ہو۔ بولو گولر بھائی۔ حکم کرو۔" عبدل بھائی مستعدی سے بولے۔

"کمرہ بک کرائیں۔ پہلے سے انتظام ضروری ہے۔ اور ہاں۔ رات کو آٹھ ساڑھے آٹھ بجے آپ ہمیں لینے آجائیں۔ بس اب آپ چلے جائیں۔"

"اچھا جی۔ اپن چلے۔" عبدل بھائی فوراً کھڑے ہو گئے اور پھر وہ سلام کرکے نکل گئے۔ عبدل بھائی کے نکل جانے کے بعد بوڑھے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میاں، اگر برا نہ مانو تو ایک بات پوچھوں۔"

"ضرور محترم۔" میں نے کہا۔

"یہ سیکریٹری صاحب کا نام سمجھ میں نہیں آیا۔ گولر بھائی۔ کیا آپ؟"

"بڑا اچھا سوال کرکے آپ نے میری ایک مشکل حل کر دی ہے محترم بزرگ۔ رانا عزیز الدین دراصل میرے دوست ہیں۔ میں ان کا سیکریٹری قطعی نہیں ہوں۔ ہم دونوں یونہی سیر کو نکلے تھے کہ یہ عجیب و غریب لوگ ٹکرا گئے اور میں نفریحاً گولر بھائی بن گیا۔ میرا نام سلیم احمد ہے۔ رانا صاحب کو یہ انوکھے لوگ دلچسپ معلوم ہوئے کیونکہ انہوں نے زندگی پہاڑوں میں گزاری ہے اس لئے ہم ان میں شامل ہو گئے۔"

"اوہ۔" بڑے میاں ہنس پڑے۔ نوری بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکی! چند منٹ سب مسکراتے رہے۔ پھر بڑے میاں بولے "مجھے بھی ان لوگوں سے الجھن ہوتی ہے۔ لیکن بس۔ جب نور النساء نوری بن گئی تو ان لوگوں کو بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔" آخر میں بوڑھے کی آواز لرز گئی۔

"نور النسا نے اس لائن کا انتخاب کیوں کیا ہے محترم۔" طالوت نے پوچھا۔

"بیٹے۔ انسان سے کچھ غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں ان کے گناہوں کی سزا دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔ میرا خیال ہے مجھ سے بھی کوئی گناہ ہی ہوا تو لیکن مجھے اپنے معبود سے یہ شکوہ ہے کہ اس نے میرے گناہ کی سزا صرف مجھے کیوں نہ دی، میرے بچے کیوں میرے گناہ کا شکار ہو گئے۔ میرا کوئی وسیلہ نہیں تھا میاں۔ صرف آنکھوں سے معذور ہوتا تو کوئی بات نہیں تھی، مزید بیماریوں نے بھی حملہ آور ہو گئیں۔ نور النسا نے گھر کے ماحول میں پرورش پائی تھی۔ باہر کی دنیا کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتی۔ میں نے کوئی گناہ کیا اس کی سزا مجھے یہ ملی کہ نور النسا کو میری مرضی کے خلاف راستے اختیار کرنے پڑے۔ لیکن مجھے یقین ہے میرے بچے کہ میں نے کوئی اتنا بڑا گناہ نہیں کیا جس کی پاداش میں نور النسا کے ذریعے میری پیشانی داغدار ہو جائے۔ اس لئے میں نے پورے اعتماد کے ساتھ اسے آزادی دے دی۔"

نوری کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ جن کا اسے جونہی احساس ہوا اس نے انہیں خشک کر لیا۔

"جس لائن میں نوری نے قدم رکھا ہے محترم اس میں غلط لوگوں کی بہتات ہے۔ نوری ایک شریف لڑکی ہے، لیکن اس کے باوجود وہ ماحول نوری کے لئے مناسب نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"ایک درخواست کروں گا میاں۔ اگر مان لو تو بڑا احسان ہو گا۔"

"فرمایئے۔ فرمایئے؟" طالوت جلدی سے بولا۔

"نور النسا کو نوری صرف وہ لوگ کہتے ہیں جن کا انسانیت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ جو جذبات سے عاری ہوتے ہیں۔ جب لوگ نور النسا کو حقارت سے نوری کہتے ہیں تو میرے دل پر گھونسہ لگتا ہے۔ آپ لوگ گفتگو سے نیک اور شریف معلوم ہوتے ہیں۔ میری درخواست ہے کہ آپ اسے نوری نہ کہیں۔"

"ہم آپ کی خواہش کا احترام کریں گے محترم۔ کیا ہم انہیں نور کہہ سکتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ اس نام میں اپنائیت ہے۔"

"شکریہ۔ لیکن آپ کو یہ احساس کیونکر ہوا کہ ہم شریف لوگ ہیں؟"

"اس کے جواب کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ ہاں، میں خدا سے دعا کرتا رہتا ہوں کہ میری نور النسا کو برے لوگ نہ ٹکرائیں اور نہ جانے کیوں بعض اوقات۔۔۔ مجھے اپنی دعاؤں پر اعتماد سا محسوس ہوتا ہے۔"

"مجھے چند لمحات کی اجازت دیں۔" نور النسا نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر وہ باورچی خانے میں چلی گئی۔ بڑے میاں کے چہرے پر چند سوال ابھر آئے۔ لیکن وہ انہیں آخر تک زبان پر نہ لا سکے۔ نوری کبھی باورچی خانے میں جاتی اور کبھی ہمارے پاس آ بیٹھتی۔ صفدر بھی آ گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ چھٹی کلاس میں پڑھتا ہے اور ہمیشہ اپنی کلاس میں اول آتا ہے اور جب نور النسا باجی گھر پر ہوتی ہیں تو خوب محنت سے اسے پڑھاتی ہیں۔ اس نے کہا کہ اسے کھلونے بالکل پسند نہیں۔ ہاں کہانیوں کی کتابیں وہ شوق سے پڑھتا ہے جو کبھی کبھی نور النسا باجی لا دیتی ہیں۔

یہ کسی طور ایک ایکسٹرا گرل کا گھرانہ نہیں تھا۔ نہایت شریفانہ ماحول اور اوپر سے بابو خان کی ذلالت۔ نوری کی لجاجت۔ کیسی متضاد باتیں تھیں۔ پھر ہم نے کھانا کھایا۔ خاصے لوازمات تھے۔ نہ جانے نوری نے یہ سب کچھ کہاں سے کیا تھا؟ تاہم اس کا گھر تھا اس لئے اس سے کچھ نہ پوچھ سکے۔ پھر عبدل بھائی آ گیا۔ نوری نے اسے بھی کھانے کی پیشکش کی، اور عبدل بھائی بے تکلفی سے بیٹھ گیا۔ اس نے بتایا کہ "دلشاد" میں ان کے لئے کمروں کا بندوبست ہو گیا ہے۔ اس نے کمروں کے نمبر وغیرہ بھی بتائے تھے۔

چلتے ہوئے میں نے سو روپے کا ایک نوٹ صفدر کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا "صفدر میاں۔ یہ تمہاری مٹھائی کے لئے اور کہانیوں کی کتابیں ادھار!"

"سلیم بھائی۔" نوری نے آہستہ سے کہا "اس بچے نے اتنا بڑا نوٹ بھی نہیں دیکھا۔ دینا چاہتے ہیں تو اس کی حیثیت کے مطابق دیں۔"

"نور!" میں نے سلگتے ہوئے لہجے میں کہا "تم جانتی ہو کہ میرا اس فلمی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ابھی میری شخصیت پر گندگی کی اتنی تہ نہیں چڑھی ہے کہ میں قیمتی اور نیک لوگوں کو ان کی قیمت ادا کر سکوں۔ ہاں دل کی کوئی خواہش پوری کرنے کو جی ضرور چاہتا ہے۔ اگر مناسب سمجھو تو صفدر کو یہ پیسے رکھ لینے دو۔ ہاں اگر مجھے کوئی مقام نہیں دینا چاہتیں تو میں مجبور بھی نہیں کروں گا۔"

نوری مجھے دیکھتی رہی۔ پھر نظریں جھکا لیں۔

"اب اجازت دیں محترم۔ جب تک اس شہر میں ہیں حاضر ہوتے رہیں گے۔ اگر آپ کی اجازت ہو؟"

"میرے لئے اس سے خوشی کی بات اور کونسی ہو سکتی ہے بیٹے۔ میں تو یوں بھی اندھا آدمی ہوں، کہیں جا نہیں سکتا، بس گھر میں پڑا رہتا ہوں، اگر کوئی آجائے تو میرا دل بھی خوش ہو جاتا ہے۔"

"تب تو ہم روز حاضر ہوں گے۔" طالوت نے کہا۔

"بڑی خوشی سے۔ یہ جھونپڑا تمہیں خلوص سے ملا کرے گا۔" بڑے میاں نے کہا۔

"نور۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"جی" وہ میرے بالکل قریب کھڑی تھی اس لئے سرگوشی میں بولی۔

"اگر اس قابل سمجھو تو۔ کل دن کو دس بجے دلشاد میں آ جاؤ۔ تمہارے شہر میں اجنبی ہیں، اس لئے بعض معاملات میں تم سے کچھ مشورے کرنے ہیں۔"

"میں حاضر ہو جاؤں گی۔"

"وعدہ؟"

"جی۔" اس نے جواب دیا اور پھر ہم بزرگ سے مصافحہ کرکے اور صفدر کے سر پر ہاتھ پھیر کر باہر نکل آئے۔

عبدل بھائی ایک ٹیکسی پکڑ لائے اور ہم ٹیکسی میں بیٹھ کر واپس
چل پڑے۔ راستے بھر ہم خاموش رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے
بعد ٹیکسی ایک خوبصورت ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ عبدل
بھائی نے کرایہ ادا کیا اور پھر ہم اندر داخل ہو گئے۔
ہوٹل درحقیقت عالی شان تھا۔ اشرف الدین صاحب نے ہماری
رہائش کے لئے بہت عمدہ کمرے کا انتظام کیا تھا
اور پھر طالوت نے مزید پانچ ہزار روپے نکال کر عبدل بھائی کو
دیئے۔
"آپ اپنی جیب سے ہمارے اخراجات نہ کریں عبدل
بھائی۔ یہ رکھ لیں اور جب ختم ہو جائیں تو بے تکلفی سے
مانگ لیں۔"
"بھئی۔ آپ نے دس ہزار دو دیئے تھے؟" عبدل بھائی
نروس ہو کر بولے۔
"وہ تو آپ کے تھے عبدل بھائی۔ ہمارے دوسرے
اخراجات ہمارے ذمے۔ آپ کا ان سے کیا تعلق؟"
"محکوم ہوں سرکار۔ خدا کسم ہمیشہ وفادار پائیں گے۔"
عبدل بھائی لرزتے ہوئے بولے۔
"وہ عبدل بھائی۔" اچانک طالوت بولا۔
"جی سرکار؟"
"روشیلا کا فون نمبر کیا ہے۔" طالوت نے اچانک پوچھا
اور میں چونک کر طالوت کی طرف دیکھنے لگا۔ طالوت کو اسی کا
خطرہ تھا اس لئے اس نے میری طرف نہیں دیکھا بلکہ عبدل
بھائی کا بتایا ہوا نمبر نوٹ کرنے لگا "ٹھیک ہے عبدل بھائی۔
اب آپ آرام کریں۔ کل کا کیا پروگرام ہے؟"
"جیسا حکم کریں رانا صاحب!" عبدل بھائی سراپا نیاز
تھے۔
"کل آپ سارے کام کر کے آئیں۔ کوئی عمدہ گاڑی۔
کوٹھی اور دفتر۔ دفتر کا فوری طور پر بندوبست نہ بھی ہو سکے تو
ایک دو دن دیر ہو جائے تو... لیکن یہ دونوں چیزیں۔ ہم ہوٹل
سے اس وقت تک کہیں نہیں جائیں گے جب تک آپ کا
فون نہ آئے۔ سودا ہو جائے تو موٹر کمپنی کے ملازم کو ساتھ
لیتے آنا اور گاڑی ہوٹل بھجوا دینا۔ کسی ڈرائیور کا بھی انتظام
کر لینا۔"
"میں خود بھی گاڑی چلا سکتا ہوں جی۔ خدا کسم ایک دم
فسٹ کلاس ڈرائیور۔"
"خیر۔ پھر بھی ڈرائیور کی ضرورت تو ہو گی۔"
"ہو جائیں گا سرکار۔" عبدل بھائی نے کہا اور پھر وہ
سلام کر کے چلے گئے۔ تب طالوت مسکراتی ہوئی نگاہوں سے
میری طرف دیکھنے لگا۔
"ہاں۔ اب شروع۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟"
"کہنے کو تو بہت کچھ ہے۔ لیکن پہلے مشورے سے یہ
سوال کروں گا۔"
"اس کا جواب نہیں دے گا۔" طالوت نے کہا۔
"آخر کیوں؟"
"ہاں۔ انسان ہوں۔ بس بھر جاتی وہ اس معاملے سے
تنگ آ چکی ہے اور خود اس بے چاری کو روشیلا سے کچھ
نہیں ملا۔"
"اوہو۔ ابھی تھوڑی دیر قبل تو اس کے بارے میں تم
دوسرے انداز سے سوچ رہے تھے۔ اس بات پر تو مخالف
تھے کہ اس نے سیٹھ کے ساتھ مل کر تمہیں پھنسانے کی کوشش
کی۔"
"دراصل۔ خالد۔ میں نے اس کے ایک جملے پر غور
کیا۔ اس نے میرے اندر لچک پیدا کر دی۔"
"کیا؟"
"اس نے کیسے انوکھے انداز میں کہا تھا کہ میں تو بازار
میں بکتی ہوں۔ آپ لوگوں سے ہٹ کے نہ رکھوں تو کیسے گزارا
ہو گا۔"
"ہاں۔ مجھے یاد ہے۔"
"نوری کو تم نے دیکھ کر ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ
اس کا دوسرا رخ ایسا عجیب ہو گا۔ میرا خیال ہے وہاں دوسری
ایکسٹرا لڑکیاں بھی تھیں۔ ہم نے کس طرف توجہ دی۔"
"ٹھیک ہے۔"
"اسی طرح ممکن ہے روشیلا کی بھی کوئی کہانی ہو۔ نہیں
بھی ہے تو یار اس ہوٹل میں اسے مدعو کرنے میں کیا حرج
ہے؟"
"کوئی حرج نہیں ہے طالوت۔ ہاں روشیلا اور نوری کا
فرق میں تمہارے سامنے واضح کر دوں۔ روشیلا کے ساتھ اگر
حادثات بھی ہوئے تو اس نے ان حادثات کو قبول کر کے خود
کو فروخت کر دیا۔ نوری ابھی حالات سے لڑ رہی ہے۔ ممکن
ہے اس کی زندگی میں پھر کوئی ایسا سانحہ آ جاتا جس سے وہ روشیلا
بن جاتی۔"
"ہاں۔ یہ نمایاں فرق ہے۔ لیکن ہم اسے روشیلا نہیں
بننے دیں گے۔"
"پوری کوشش کریں گے۔ مگر یار۔ یہی اتنی سی بات
ہے۔ ہمیں ایسے ہی لوگ نظر آتے ہیں۔ خود دار، محنتی قسم
کے۔ بڑی محنت کرنی پڑتی ہے ان کے ساتھ۔"



"...لطف بھی اسی میں آتا ہے۔ اب ان نور النساء عرف
نوری عرف نور خاتون کو بیٹھے بٹھائے مارنے کے بارے میں کیا
سوچا ہے تم نے؟" طالوت نے کہا۔
"فلم وہی بیٹے یار! جب اس نے بعد اس نے سامنے
ڈرامہ ہو تا پڑے گا امید ہے عمدہ اداکاری ہو جائے گی۔ بہرحال اب
یہاں کچھ عرصے قیام کا فیصلہ کیا ہے تو پھر کیا حرج ہے۔"
"کوئی حرج نہیں ہے۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے
کہا اور پھر مجھے گھورتے ہوئے بولا "ویسے تمہارے اندر ایک
بڑی خرابی ہے۔"
"وہ کیا؟"
"تم محبوباؤں کے بجائے جنسی دوستی کرنے کے عادی
ہو۔ یار میں چاہتا ہوں تم بھی ایک محبوبہ پال لو۔ تاکہ میرے
پروگراموں میں رخنہ اندازی نہ ہو۔" طالوت نے کہا۔
"خیر۔ اس بارے میں سب تو میرا دل بھی نہیں مانتا۔ نہیں
بن جائے گا۔ لیکن فی الحال میں تمہارے کسی پروگرام میں
رخنہ اندازی تو نہیں کر رہا؟"
"کر تو رہے ہو۔ اب اگر تم میرا پیچھا چھوڑ دو۔ تو میں ذرا
ٹیلی فون پر روشیلا سے پیار محبت کی دو چار باتیں کر لوں۔"
"چلا جاؤں گا دوست۔ لیکن ایک شرط پر۔ وہ یہ کہ تم اس
ٹیلی فون پر اس سے گفتگو میرے سامنے ہی کرو۔"
طالوت مجھے گھورتا رہا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولا
"ٹھیک ہے لیکن تم شاہزادہ گلفام روشیلا میرے پاس رکھ رہا
ہے۔"
"کیوں؟"
"تم جو نہیں سمجھ سکتے۔ ہم بیچاروں پر تم نے بدمعاشی کا
ثبوت دیا تھا۔"
"نہیں میرے دوست۔ ہمارے اور تمہارے درمیان
ایک شریفانہ معاہدہ ہوتا ہے کبھی کسی کی قابلِ اعتراض خلوت
میں داخل نہ ہوں گے۔"
"وعدہ؟" طالوت نے میرے لفظ "قابلِ اعتراض" پر
غور نہیں کیا تھا۔
"پکا وعدہ" میں نے جلدی سے کہا۔ میں اس کی اسی
پکڑ سے فائدہ اٹھانے کے چکر میں تھا۔ ظاہر ہے بات صرف
"قابلِ اعتراض" منظر کی تھی۔ اس سے پہلے تو میں نے
کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔
"تو پھر کروں فون؟"
"بسم اللہ!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور طالوت نے
ریسیور اٹھا لیا۔ پھر اس نے روشیلا کے نمبر ڈائل کئے اور
دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔
"ہیلو؟"
"مس روشیلا موجود ہیں؟"
"کون صاحب بول رہے ہیں؟"
"رانا عزیز الدین۔"
"میں معلوم کرتی ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور
چند ہی لمحات کے بعد روشیلا کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔
"رانا صاحب؟"
"رانا عزیز الدین ہی بول رہا ہوں۔"
"میں آپ سے ناراض ہوں رانا صاحب۔" روشیلا نے
روٹھی ہوئی آواز میں کہا۔
"اسے بدقسمتی کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔"
طالوت نے جواب دیا۔
"بدقسمت تو میں ہوں جو آپ کے لئے تڑپ رہی
ہوں۔ لیکن آپ میرا پیچھا چھوڑنے کے بعد مجھ سے بچتے ہیں۔"
"میری سمجھ میں نہیں آتا یہاں سب لوگوں کو کیا ہو گیا
ہے۔ کیا سوتے میں انسانی جسم بھی نگاہوں سے اوجھل
ہو جاتے ہیں؟"
"کیا مطلب؟" روشیلا تعجب سے بولی۔
"دوسرے لوگوں کا بھی یہی خیال ہے کہ ہم روئی والا کی
کوٹھی میں "اپنی خوابگاہ میں" موجود نہیں تھے۔ حالانکہ بات
صرف اتنی سی ہے کہ ناوقت نیند آ گئی تھی اور بس۔"
"ارے نہیں۔ میں نے خود آپ کی خوابگاہ کا جائزہ لیا
تھا اور پھر پوری کوٹھی میں آپ کو تلاش کرتی پھری تھی۔"
"میں اس سلسلے میں اور کچھ نہیں کہوں گا۔ سوائے اس
کے کہ ہمارے ساتھ مناسب سلوک نہیں ہوا۔" طالوت نے
کس قدر سنجیدگی سے کہا۔
"اوہ۔ تو کیا روئی والا نے آپ سے بھی کوئی بدتمیزی کی
ہے؟"
"نہیں مس روشیلا۔ مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں
ہے۔ ممکن ہے میں بہت جلد آپ کا شہر چھوڑ دوں۔"
"رانا صاحب۔ رانا صاحب سنئے تو سہی رانا صاحب
میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتی ہوں۔ ابھی اور اسی وقت۔
براہِ کرم آپ اب روئی والا کی کوٹھی سے نکل آئیے۔"
"میں روئی والا کی کوٹھی سے نکل آیا ہوں۔"
"اوہ کیا مطلب۔ کہاں سے فون کر رہے ہیں؟"
"دلشاد روم نمبر ایک سو تیرہ!"
"مائی گاڈ۔ میں ابھی آ رہی ہوں۔ میرا انتظار

کریں۔" روشیلا نے کہا اور فون بند کر دیا۔ طالوت نے بھی ایک گہری سانس لے کر ریسیور رکھ دیا۔

"آ رہی ہے۔" اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"مبارک ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یار۔ تم ناراض تو نہیں ہو گئے۔ میرا مطلب ہے۔ میرا مطلب ہے۔" طالوت کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں۔ اور دفعان ہو رہا ہوں۔" میں نے کہا اور طالوت ہنسنے لگا۔ میں کمرے سے باہر نکل گیا۔ لیکن میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ طالوت اور روشیلا کی ابتدائی گفتگو ضرور سنوں گا۔ چنانچہ میں اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ میں بظاہر لباس وغیرہ تبدیل کر کے لیٹ گیا تھا۔ لیکن میرے کان باہر ہونے والی آہٹ پر لگے ہوئے تھے۔

اچانک میں نے محسوس کیا کہ میرے کمرے کے چابی کے سوراخ سے کوئی اندر جھانک رہا ہے۔ نائٹ بلب روشن تھا۔ طالوت کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ بدمعاش اطمینان کرنا چاہتا ہے کہ میں سو گیا یا جاگ رہا ہوں۔ بہرحال میں سوتا بنا رہا۔ اور پھر ہلکی سی قدموں کی چاپ دور ہو گئی۔ تب میں خاموشی سے اٹھا شاہ وانہ کا دوشالہ اوڑھا اور آہستگی سے باہر نکل آیا۔ راہداری سنسان پڑی تھی۔ لیکن میرا اندازہ درست تھا۔ میں ٹھیک وقت پر باہر نکلا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد لفٹ سے روشیلا باہر نکل آئی۔ ایک پورٹر نے کمرہ نمبر ایک سو آٹھ کی طرف اس کی رہنمائی کر دی تھی۔

دستک پر طالوت نے دروازہ کھولا۔ تب مجھے شاہ وانہ کے دوشالے کی ایک اور خاصیت معلوم ہوئی۔ اس میں مخفی ہونے کے بعد ضروری نہیں تھا کہ میں اتنی ہی جگہ سے اندر داخل ہو سکوں جتنی میری جسامت ہے۔ میں طالوت کی ٹانگوں کے درمیان سے بھی آسانی سے نکل گیا تھا۔ گویا دوشالہ اوڑھنے کے بعد جسامت کی قید نہیں رہتی تھی۔

روشیلا اندر داخل ہو گئی۔ اور طالوت نے دروازہ بند کر دیا۔ روشیلا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ وہ ایک [illegible] طالوت کو گھور رہی تھی۔ "کیا بات ہے مس روشیلا۔ آئیے۔ اندر آئیے۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پہلے مجھے یہ بتائیے رانا صاحب کہ آپ نے مجھے اس قابل کیوں نہیں سمجھا کہ روٹی والا کے مکان سے نکلنے سے قبل مجھے فون کر لیتے۔"

"دراصل مس روشیلا۔ روٹی والا کی کمینگی کے بعد میری یہ ہمت نہ ہوئی کہ کسی اور سے رابطہ قائم کروں۔"

"کیا کمینگی کی اس نے؟" روشیلا چونک کر بولی۔

"کچھ نہیں صرف ہمارے اوپر ڈاکہ زنی کا الزام لگایا ہے۔ پانچ لاکھ روپے نقد اور کچھ زیورات وغیرہ۔"

"اوہ۔ وہ کمینہ۔ وہ کمینہ۔" روشیلا دانت پیس کر بولی۔

"جانے دو روشی۔ اسے اس کی کمینگی کی سزا ضرور ملے گی۔ میں ان لوگوں کو معاف نہیں کروں گا جنہوں نے میرے خلاف سازش میں حصہ لیا ہے۔" طالوت نے کہا۔

"روٹی والا بے حد کمینہ ہے۔ لیکن تم سب کو ایک ہی خانے میں نہ تولو ڈارلنگ۔ میں تو تمہاری دیوانی ہوں۔ میں نے تمہیں تھوڑی دیر کے لئے اس کے پاس اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ میں تمہارے لئے مناسب انتظام کر لوں۔ بس اتنی ہی دیر میں سب کچھ ہو گیا۔"

"اوہ۔ تم نے میرے لئے کیا انتظام کیا ہے؟"

"وہ نالی۔ کمبخت نہ جانے کہاں زندہ ہے ابھی تک۔ بس وہ سب کی طرف سے مشکوک ہے۔ پیسے کی لالچی ہے۔ میں نے اسے ایک موٹی رقم دی۔ تب جا کر تیار ہوئی۔"

"میں تمہیں اس کے بدلے میں دس گنا رقم دوں گا روشی۔ دولت کی فکر مت کرو۔"

"مجھے تو بس تمہاری فکر ہے۔ اور کس بات کی فکر ہو سکتی ہے مجھے۔" روشیلا نے طالوت کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے نیچے گرا دیا۔ اسی وقت میرے کان میں آواز سنائی دی۔

"یہ مناسب نہیں ہے محترم عارف صاحب!"

میں چونک پڑا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ راسم میرے نزدیک کھڑا تھا۔ "اوہ تم؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"تشریف لائیے۔" راسم نے کہا اور میرا بازو پکڑ کر ایک جھٹکا دیا۔ دوسرے لمحے میں اپنے کمرے میں تھا۔ یقیناً یہ طالوت کی بدمعاشی تھی۔ اس نے راسم کو ہدایات دے دی ہوں گی اور راسم میری چوکیداری کر رہا تھا۔ بہرحال اس کے بعد میں خود بھی وہاں نہیں رکنا چاہتا تھا۔ اس لئے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ لیکن دوسری صبح روشیلا ناشتے میں ہمارے ساتھ تھی۔

"اوہ۔ مس روشیلا آپ کب تشریف لائیں؟" میں نے پوچھا۔

"بس صبح ہی صبح۔ پتہ معلوم کر کے آ گئی۔" طالوت نے مجھے آنکھ مار کر ایک مخصوص اشارہ کیا اور بولا۔

"مس روشیلا بضد ہیں کہ ہمیں اپنے ساتھ لے جائیں اور ہم ان کے ساتھ ہی قیام کریں۔" میں طالوت کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا اور طالوت نے ایک



بار پھر ہونٹ سکوڑ لئے گویا روشیلا سے بیزاری کا اظہار کر رہا تھا۔ اور میں اس کی بات بخوبی سمجھ گیا۔ اور میرے ذہن نے تیزی سے کام کرنا شروع کر دیا۔

"سیٹھ روٹی والا کے رویئے کے بعد بھی آپ اس بات پر غور کریں گے رانا صاحب؟" میں نے شک کے انداز میں کہا۔

"سیٹھ روٹی والا میں اور مجھ میں فرق ہے گولر بھائی۔" روشیلا نے کسی قدر تیز لہجے میں کہا۔

"جی ہاں۔ وہ فرق مجھے معلوم ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب۔ کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟" روشیلا بھڑک کر بولی۔

"بس۔ میری زبان نہ کھلوائیے مس روشیلا۔ میں آپ دونوں کے فرق کو بخوبی جانتا ہوں۔ آپ میں اور روٹی والا میں ایک لاکھ اور چار لاکھ کا فرق ہے۔ آپ کی حیثیت صرف ٹوئنٹی پرسنٹ ہے۔"

ایک لمحے کے لئے روشیلا کا چہرہ فق ہو گیا۔ لیکن اس نے سنبھلنے میں دیر نہیں لگائی۔ اچانک اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور پھر وہ طالوت کے کندھے پر سر رکھ کر روتی ہوئی بولی۔

"ڈارلنگ۔ تم میری توہین برداشت کر رہے ہو۔ تمہارا سیکریٹری کیا کہہ رہا ہے؟"

"سیکریٹری۔ کیا کہہ رہے ہو آخر۔ کھل کر کیوں نہیں کہتے؟" طالوت نے کڑک کر کہا۔

"حضور رانا صاحب جو کچھ عرض کر رہا ہوں درست ہی ہے۔ خود سیٹھ روٹی والا نے مجھے بتایا تھا۔ اس نے دس پرسنٹ کی آفر مجھے بھی دی ہے' اس نے کہا کہ اس نے مس روشیلا کے ذریعے آپ کو پھانسا ہے۔ پانچ لاکھ میں سے ایک لاکھ روشیلا کا ہے اور حضور رانا صاحب میں نے ان دونوں کی گفتگو بھی سنی ہے۔ کہئے تو لفظ بہ لفظ دہراؤں۔ کیوں مس روشیلا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟ سیٹھ روٹی والا نے اس وقت ڈاکہ زنی کی اداکاری نہیں کی۔ جب آپ نے چلتے وقت ان سے ایک لاکھ کا مطالبہ کیا تھا۔ آپ کو معلوم نہیں میں رانا صاحب کا دوست بھی ہوں۔ میں ان کے سارے مفادات کی نگرانی کرتا ہوں' چنانچہ میں نے آپ کی اس دوران کی گفتگو ٹیپ بھی کر لی ہے۔"

"یہ۔ یہ جھوٹ ہے رانا صاحب۔ آپ کا سیکریٹری جھوٹ بول رہا ہے۔" روشیلا نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"سیکریٹری میں یہی ایک خوبی ہے مس روشیلا۔ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔" "میں تو آپ پر لاکھوں خرچ کرنے کو آمادہ تھا۔ لیکن آپ نے اپنی قیمت بہت کم لگائی۔ میرا خیال ہے آپ ناشتہ کر کے فوراً یہاں سے نکل جائیے۔ ورنہ میں آپ کی آواز... کا ٹیپ پولیس کے حوالے کر دوں گا۔"

روشیلا جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ اس نے ناشتہ چھوڑ دیا تھا اور پھر تیزی سے باہر نکل گئی۔ اب اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ شامت بھی تو آ گئی۔ ساری پول کھل گئی تھی۔ طالوت نے ایک قہقہہ لگایا اور میری پشت تھپکتے ہوئے بولا

"یار بڑی خوبیوں کے مالک ہو۔"

"بندہ پروری ہے حضور نواب صاحب۔ لیکن خادم سے کیا عقلمندی سرزد ہوئی ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مردم شناسی۔ فوراً میرا مقصد سمجھ گئے۔ درحقیقت مجھے اس عورت سے کوفت ہونے لگی تھی اور میں اسے بلا کر اپنی حماقت پر خود ہی شرمندہ ہو رہا تھا۔"

"کیوں؟ کیوں؟ خیریت؟" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یار عورت چیز کام کی نہیں ہے۔ انتہائی بچھ انداز ہے اس کی موجودگی میں خود مجھے اپنی مردانگی پر شک ہونے لگتا ہے۔ مجھے ایسی عورتوں سے نفرت ہے۔ میں نے فوری طور پر فیصلہ کیا تھا کہ کوئی ایسی کوشش کی جائے کہ اب وہ ادھر کا رخ نہیں کرے گی۔ میرا خیال ہے ہم کامیاب ہو چکے ہیں۔" طالوت نے جواب دیا۔

میں ہنستا رہا۔ "بہرحال معلوم ہوتا ہے رات بخیریت گزری ہے۔"

"بس یار۔ یاد نہ دلاؤ۔ نہ جانے کس طرح برداشت کیا ہے۔ یوں سمجھو اپنی حماقت کی سزا بھگتتا رہا ہوں۔"

"خیر۔ خیر۔ فی الحال وہ نہیں آئے گی۔ لیکن اسے لکھ لو۔ پیچھا بھی نہیں چھوڑے گی آسانی سے۔"

"نہیں' اب میں خود پیچھا چھڑا لوں گا۔ کم از کم ایک بات تو سامنے آ گئی ہے۔ اب وہ کس منہ سے اظہار الفت کرے گی۔"

"اسی منہ سے' جس سے وہ سب کے سامنے [illegible] کرتی ہے۔"

"اونہہ۔ میں ہیرو نہیں ولن ہوں۔ چلو ناشتہ کر لو۔ اس کی موجودگی میں' میں نے ٹھیک سے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔ اور سچ پوچھو عارف تو یہ بھی میں نے اس سے انتقام لیا ہے۔ [illegible] نے ایک لاکھ کی حیثیت مجھ سے زیادہ۔ [illegible]

دانست میں مجھ کو بے وقوف بنایا تھا۔"

"بہرحال، مجھے خوشی ہے کہ تم زندہ سلامت ہو۔ وقت بتا رہا ہے۔" میں نے کہا اور ناشتہ کرنے لگا۔

ٹھیک اسی وقت کسی نے طالوت کے دروازے پر دستک دی اور میں اٹھ کھڑا ہوا۔ دروازہ کھولا تو سامنے ہی کھڑی وہ نوری ہی تھی۔

"ہیلو نوری۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ نوری نے ہم دونوں کو سلام کیا اور جھجکتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

"ہم بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہے تھے۔" طالوت نے اسے بیٹھنے کی پیشکش کرتے ہوئے کہا۔

"عجیب بات ہے۔" نوری بڑبڑائی۔

"کیوں؟ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟" میں نے کہا۔ نوری نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر گردن جھکالی۔ ہم دونوں اس کی شکل دیکھ رہے تھے۔

"تم نے جواب نہیں دیا نوری؟" طالوت نے کہا۔

"میں۔ میں، اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ سے کچھ صاف صاف گفتگو کرلوں؟"

"اجازت ہے۔ لیکن اس سے پہلے یہ بتاؤ کہ ناشتہ کرچکی ہو یا نہیں؟"

"کرچکی ہوں۔"

"چائے پیو گی یا کوئی ٹھنڈی چیز؟"

"کسی شے کی حاجت نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"ظاہر ہے حاجت مند تو ہم تھے، جو تمہیں تلاش کرتے ہوئے تمہارے گھر کھانے پہنچ گئے۔" طالوت نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ نوری نے اس کی شکل دیکھی۔ نہ جانے کیا سوچ کر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

"میں اپنی اس خوش قسمتی کو یاد کرکے تھوڑی دیر کے لئے خوشی حاصل کرسکتی ہوں۔ اب آپ قرار رکھئے۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ اب وہ صاف صاف گفتگو شروع کردو۔"

"بات یہ ہے رانا صاحب کہ خدا نے زمین پر انسان کی پیدائش کی [illegible] ضرورت سمجھی۔ وہ قطعی طور پر ہماری یا کم از کم میری سمجھ میں نہیں آتی۔ اس لئے میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ [illegible] کی حیثیت سے اس بات پر یقین رکھتی ہوں کہ اس ضرورت میں مصلحت ضرور پنہاں ہوگی۔ اس نے انسانوں کو ایک انداز میں ایک جیسا پیدا کرنے کے بعد ان کی حیثیت میں [illegible]۔ اس کی [illegible] ذہن [illegible] کا شکار ہوتا ہے۔ لیکن انسانی ذہن کو [illegible] کیا ہے؟ [illegible] کی صورت [illegible] بھی ہے۔ اس [illegible] اگر بات [illegible] آنے تو اسے بھی مصلحت قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہاں، مگر کچھ باتیں ذہن میں ضرور آسکتی ہیں اور ان سے ایک احتجاج و کشش ہے، جس کا مداوا نہیں۔"

نوری چند لمحات کے لئے رکی۔ ہم اس کی طرف متوجہ تھے۔ اس نے پھر کہنا شروع کیا "قدرت نے یقیناً تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں۔ انسانوں کو یوں تو بہت سے درجے دیئے گئے ہیں، لیکن ان میں خاص طور پر دو درجے ہیں۔ امیر اور غریب۔ دوسرے لفظوں اور دوسرے لوگوں نے یوں کہہ کر دل کی تسلی کرلی ہے کہ انسان اپنی ذات، اپنی فطرت سے بڑا ہوتا ہے، دولت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ خیال کی عظمت ہے، خوبصورت الفاظ ہیں۔ لیکن ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کوئی شخص صرف ذات کی عظمت سے اعلیٰ حیثیت نہیں حاصل کرسکتا۔ وہ لوگ جو فطرتاً بھی عظیم ہیں اور دولت مند بھی۔ وہ یقیناً عام انسانوں سے ارفع ہیں۔ رانا صاحب، میں نے دکھوں اور تنگدستی میں آنکھ کھولی ہے۔ زندگی کے کسی دور میں ہم نے خود کو تعیش و عشرت میں نہیں پایا۔ تاہم چند [illegible] سکون کے ضرور میسر ہوئے ہیں۔ میری ذہنی پرورش اسی ماحول میں ہوئی ہے جس میں آج تک ہوں۔ اس لئے جب مجھے کوئی ٹھکراتا ہے، دھتکارتا ہے یا کسی اور طریقے سے پریشان کرتا ہے تو مجھے قطعی حیرت نہیں ہوتی۔ میں جانتی ہوں کہ قدرتی طور پر میری کیا حیثیت متعین کی گئی ہے اور مجھے یہ حیثیت قبول کرنی چاہئے۔ بابو خان سے مجھے بھی بہت سی بری باتیں [illegible] مجھے چھوڑ [illegible] ہے۔ میں برداشت کرتی رہی ہوں، اور یہ میرا حق ہے۔ لیکن کہیں بھی، کسی بھی حالت میں میری دل شکستگی بھی کم نہیں ہے۔ میں اس شکست کو بھی اپنی حیثیت سمجھ کر قبول کرلوں گی اور چند روز کے دکھ کے بعد مجھے کوئی احساس نہیں رہے گا۔ تو رانا صاحب۔ آپ صاحب ثروت ہیں۔ میری جو حیثیت ہے، جو میں نے اس وقت بتائی ہے، اندازہ آپ نے میرے [illegible] کرلیا ہوگا۔ کل [illegible] آپ نے [illegible] اور مجھے اس کی ضرورت بھی تھی [illegible] داخل [illegible] توقعات سے [illegible] بچ گئے ہیں۔ [illegible] اگر [illegible] وقت [illegible] چاہیں تو [illegible] ہے۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ [illegible] سے کوئی [illegible]



لے کر مجھے عزت بخشی۔ ہاں، اگر مناسب سمجھیں تو مجھے اس تحفے کی وجہ بتادیں، جو آپ مجھے دیتے رہے ہیں، اور دیتے رہے ہیں۔ سیکریٹری صاحب نے بھرے منہ سے مجھے بھی کہا ہے۔ ان کی حیثیت پر تو ابھی تک مجھے شبہ نہیں ہے، لیکن بہت سی زبانوں سے میں نے یہ الفاظ سنے ہیں۔ خود بابو خان نے بھی ایک بار اماں کے سامنے مجھے یہی کہا تھا لیکن... بہرحال، ہر لفظ ایک علامت ہوتا ہے۔ رانا صاحب، اگر میں آپ کو پسند آگئی ہوں۔ اگر آپ مجھے تحفہ بنانے کے خواہشمند ہیں تو کیا مجھے ایک درخواست کرنے کا حق دیں گے؟" اس نے خاموش ہوکر ڈبڈبائی آنکھوں سے ہمیں دیکھا اور جب ہم کچھ نہ بولے تو بولی۔

"ابھی میں زندگی سے بھرپور ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ میں عورت ہوں۔ عورت مرد کے لئے ہے۔ ایک نہ ایک دن مرد کے [illegible] بنتی ہے۔ خواہ اپنی مجبوری یا ضرورت کے تحت۔ یا پھر اگر خوش قسمت ہو تو عزت و احترام اور مذہب کی اجازت کے ساتھ۔ رانا صاحب، ضمیر میں ابھی وہ زندگی چلی ہے، ابھی چند آرزوئیں سسک رہی ہیں۔ انہوں نے دم نہیں توڑا۔ جب یہ آرزوئیں آخری سانس لے کر دم توڑ دیں گی تو خود کو دنیا کے حوالے کردوں گی، اور اس وقت کسی کو اپنے قریب آنے سے نہیں روکوں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے رانا صاحب کہ جب مجھے آرزوؤں کی لاشیں نظر آجائیں گی تو سب سے پہلے اپنے آپ کو۔ اپنے آپ کو آپ کے ہی حوالے کروں گی۔ میرا وعدہ ہے رانا صاحب۔"

اس دوران میں نے طالوت کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اگر دیکھ لیتا تو یقیناً مجھے صورتحال کی نزاکت کا احساس ہوجاتا۔ میں تو اس وقت چونکا جب طالوت نے غراتے ہوئے اچانک جھپٹ کر نوری کے بال پکڑ لئے۔

"تجھے کس نے یہ حق دیا ذلیل لڑکی کہ تو انسانوں کو اس قدر پیچ سمجھے۔ بول۔ ہم نے تیرے ساتھ کونسا برا سلوک کیا ہے۔ تیری سوچ اس قدر ذلیل ہے کمینی، [illegible] نہیں تھی۔" طالوت نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا۔ اور نوری قالین پر جا پڑی۔

"طالوت۔" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اور میں اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

"میں اسے ہلاک کردوں گا۔ اس نے انسانیت کی اس قدر گھناؤنی تصویر رکھی ہے کہ۔۔" طالوت پھر اس کی طرف بڑھا۔ لیکن میں اس کے راستے میں آگیا۔ میں نے اسے ایک دور دھکا دیا۔

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے [illegible] یہ تو ہماری [illegible] باتیں ہیں۔" میں نے کہا "جو میں نے کہا اور جو باتیں تمہاری سمجھ میں [illegible] ان کے بارے میں [illegible] تمام نہیں لوٹے۔"

اس نے ہمیں [illegible] کا [illegible] دی ہیں۔ [illegible] اس کا احساس نہیں ہے۔" طالوت نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اس کے خیالات درست ہیں۔ کاش تم اس [illegible] شخص بابو خان اس کی عصمت کے درپے تھا اور یہ اس سے اپنی ملازمت کی [illegible] رہی تھی۔ اس [illegible] حالت [illegible] ایسی ہی مظلوم ہے۔"

"مگر ہم نے تو اس سے کچھ بھی نہیں لیا۔ ہم نے تو اس سے کچھ بھی نہیں چاہا۔ ہم نے تو اس کی حمایت کی [illegible] ہے۔" طالوت کراہا۔

"دوسرے [illegible] دوسرے انسانوں نے اس کے ساتھ جو سلوک کیا ہے، یہ [illegible] ردعمل کیفیت ہے [illegible] واقف ہے۔" میں نے کہا اور طالوت [illegible] پر آیا "تو کیا [illegible] سے کچھ [illegible] ہے؟" [illegible] آواز میں کہا۔

"[illegible] یہ سب [illegible] اگر اس کی عادی [illegible] ہوگی۔ تو اب [illegible] ہوجائے گی۔" میں نے کہا اور طالوت کی آنکھوں سے [illegible] وہ [illegible] تاثرات [illegible] دیکھا اور [illegible] نے آہستہ آہستہ ہاتھ بڑھا کر نوری کے پاؤں پکڑ لئے۔

"مجھے معاف کردو میری بہن! میری نوری مجھے معاف کردو۔ میں نے تیرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ مجھے معاف کردے۔"

نوری نے جلدی سے پاؤں سکوڑ لئے۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار تھے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہمیں دیکھ رہی تھی۔ ہم [illegible] اس کے چہرے پر بے پناہ خوشی ابھر آئی۔ اس کا چہرہ ایک انوکھے رنگ میں تبدیل ہوگیا اور پھر اس نے طالوت کے دونوں ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا "میرے منہ پر اتنے تھپڑ مارو بھیا کہ میری شکل بگڑ جائے۔ مجھے مار مار کر لہولہان کردو۔ لیکن اللہ کے واسطے مجھے یہ بتاؤ کہ کیا نوری تمہاری بہن بننے کے لائق ہے؟ کیا میں اس قابل ہوں کہ کوئی میری طرف توجہ دے۔ مجھے بتاؤ کیا میں اس قابل ہوں۔ میں نے تو زندگی بھر [illegible] ایک پتھر سمجھا ہے۔ اچانک میری حیثیت کیوں بدل گئی؟ میرے اندر کوئی تبدیلی ہوئی ہے؟" نوری طالوت کو جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔

"نوری۔ نور۔ [illegible] آؤ نوری۔ ہم دونوں۔ ہم

تمہیں ایسے دوسرے کو اپنے بارے میں بتائیں۔ تم لوگ اپنی تسلی کرنے کی کوشش کریں لیکن نوری۔ مجھے یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ یہ سلوک کروں۔ مجھے اس کے لئے معاف کردو نوری۔"

"تمہارے اس تھپڑ نے ہی تو مجھے تمہارے خلوص کا یقین دلایا ہے بھیا۔ تمہارے تھپڑ نے ہی تو میری اصلاح کی بنیاد ڈالی ہے۔ اب میں تمہارے سامنے بے شرمی کی باتیں بھی نہ کروں گی۔ اب میں ایک بے سہارا آوارہ گرد لڑکی نہیں ہوں۔ اب میں ایک بیکس لڑکی نہیں ہوں جسے اسٹوروں کے چوراہے سے گزرنے والے لوٹ کھا سکتے ہیں۔ اب میں ایک باحیثیت عورت ہوں۔ بھیا تم مجھے جتنے چاہے تھپڑ مارلو۔ لیکن میرے اس تصور کو نہ توڑنا۔ اچانک میں بڑی بن گئی ہوں۔" نوری نے جذبات سے کہا اور طالوت نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ بھی بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔ ہم انسان جذبات سے کسی طور خالی نہیں ہوتے۔ ہم نے اپنی کیفیات بنائی ہیں۔ ہم سخت بے حس ہو گئے ہیں۔ ہم نے بہت بچنے کی کوشش میں خود پر نہ جانے کتنے لبادے ڈال لئے ہیں۔ لیکن ایک وقت ہوتا ہے جب ہماری اصلیت ابھر آتی ہے۔ اور اس وقت ہم معمولی انسان ہوتے ہیں، حقیقی انسان ہوتے ہیں۔

"میں پھر بھی تم سے معذرت خواہ ہوں نوری۔ لیکن ہمارے خلوص، ہماری محبت پر بھروسہ کرو۔ ہم تم سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کے بارے میں کبھی نہیں سوچتے رہے۔ بس۔ انہوں نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا۔ انہوں نے اس وقت تمہاری اور بابو خاں کی گفتگو سنی تھی۔ جب بدمعاش بابو خاں شراب کے نشے میں انسانیت کے رشتے بھول گیا تھا اور تم اس سے اپنی عزت کی بھیک مانگ رہی تھیں۔ اپنی زندگی کا تحفظ مانگ رہی تھیں۔ نوری، انہوں نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا اور ہم نے تمہیں بہن بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ ہماری آرزو تھی کہ تو صرف اسی لئے تھی۔ لیکن اس میں کوئی کھوٹ نہیں تھی۔"

"میں بھی بے قصور ہوں بھیا۔ میں نے دنیا کا صرف ایک چہرہ دیکھا ہے۔ جس میں ہوس ہے لیکن کوئی بے مقصد کسی سے بات نہیں کرتا۔ میں جنس کی طلب سے نہیں واقف ہوں۔ تم کہاں سے آئے ہو بھیا۔ مجھے نہیں معلوم لیکن تو اس نئی دنیا میں رہنے کی کوشش کررہی ہوں جس کے خواب تم مجھے دکھاتے ہو۔"

میں خاموش تھا۔ جب وہ دونوں جذبات میں ڈوب کر خاموش ہوگئے تو میں نے نوری سے کہا "نوری وعدہ کرو کہ اب ہمیں تنہا نہیں سمجھو گی؟"

"نہیں سلیم بھیا۔ کبھی نہیں۔ خدا کی قسم کبھی نہیں۔" نوری نے خلوص سے کہا۔

"اور خود بھی کسی معاملے میں تنہا نہیں ہوجاؤ گی۔"

"وعدہ بھیا۔ آپ نوری کو تنہا نہیں پائیں گے۔"

"ناشتہ کرکے آئی ہو؟" میں نے اچانک سوال کیا۔

"نہیں۔" اس نے شرمائے انداز میں گردن ہلا دی۔

"ہوں۔" طالوت کھڑا ہوگیا۔ میں نے گھنٹی بجا کر ویٹر کو بلایا اور اسے ناشتے کا آرڈر دے دیا۔ نوری کی گردن شرم سے جھکی ہوئی تھی۔ لیکن اس کے چہرے پر نمایاں تبدیلی نظر آرہی تھی۔ صرف چند منٹ قبل اس کے چہرے پر عجیب سی خشکی اور بے نوری تھی۔ لیکن اب ایک عجیب سی معصومیت اور طمانیت پیدا ہوگئی تھی۔ جیسے اسے اچانک سکون مل گیا ہو۔ جیسے منزل سے بھٹکے مسافر کو غیر متوقع طور پر نشان منزل مل گیا ہو۔ یہ اس لڑکی کی سادگی تھی کہ اس نے ان اجنبیوں پر پورا بھروسہ کرلیا۔

اس کے بعد اس وقت تک خاموشی رہی جب تک ویٹر ناشتہ لے کر نہ آگیا۔ "شروع کرو نوری۔" میں نے کہا اور ہم دونوں بھی اس کے سامنے کھسک آئے۔

"آپ بھی لیں بھیا۔" نوری نے شرمائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہم دونوں ناشتہ کرچکے ہیں۔ تم ہمارے لئے چائے بنادو۔" میں نے کہا اور نوری نے بڑی نفاست سے ہمارے سامنے چائے بنا کر پیش کردی۔ نوری خاموشی سے ناشتہ کرتی رہی اور پھر وہ ناشتے سے فارغ ہوگئی اور پھر برتن ایک طرف سرکا دیئے گئے۔

"نوری۔" طالوت نے چند منٹ کے بعد اسے مخاطب کیا۔

"جی بھیا۔"

"میرا خیال ہے اب تمہارے ذہن میں ہماری طرف سے کوئی خلش نہیں رہی ہوگی۔ اس لئے ہم اس سے آگے کی گفتگو شروع کردیں۔"

"جی بھیا۔" نوری نے اسی معصومیت سے کہا۔

"دیکھو نوری۔ اب تم صرف ہم سے متعارف ہی نہیں ہو بلکہ ایک چھوٹے اور دو بڑے بھائیوں کی بہن ہو اور جب بڑے بھائی موجود ہوتے ہیں تو بہنوں پر کوئی ذمہ داری نہیں رہ جاتی۔ اس لئے آج سے تم خود کو تمام ذمہ داریوں سے آزاد سمجھو۔"



"بھیا۔" نوری نے بڑے جذباتی انداز میں کہا اور اس کی گردن کچھ اور جھک گئی۔

"ہم جو کچھ کریں گے ہمارا فرض ہوگا۔ اس میں تمہیں مداخلت کی اجازت نہیں ہوگی۔ بس آج تم سے یہی گفتگو کرنی تھی۔ گھر کیا کہہ کر آئی ہو؟"

"ابا میاں کو بتا کر آئی ہوں کہ آپ لوگوں کے پاس جارہی ہوں۔"

"پوچھا ہوگا۔ کیوں؟"

"ہاں۔ آپ لوگوں کے چلے آنے کے بعد گفتگو ہوئی۔ عبدل بھائی نے بتایا تھا کہ روٹی والے سیٹھ نے بابو خاں کی وجہ سے نوکری سے نکال دیا ہے۔ ابا میاں نے اس کی وجہ پوچھی۔ تو میں نے بتادی۔ ابا میاں ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگئے۔ انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن وہ رات بھر نہیں سوسکے شاید روئے بھی تھے۔ لیکن صبح تو انہوں نے مجھے دلاسے دیئے۔ ہاں جب میں نے ان سے آپ کے پاس آنے کے لئے کہا تو انہوں نے سختی سے منع کیا۔ میں نے ان سے بحث کی اور کہا کہ بہرحال مجھے ملازمت کی ضرورت ہے ممکن ہے ان بڑے آدمیوں نے مجھے کسی ملازمت کے لئے منتخب کیا ہو۔ ابا میاں مخالفت کرتے رہے پھر خاموش ہوگئے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا۔ انہوں نے کہا کہ اگر میری عزت کو خطرہ درپیش ہے تو بیشک بھوکا رہ لوں لیکن عزت نہ جانے دوں۔ یہ دنیا بے مطلب کسی کو کچھ نہیں دیتی۔ لیکن بھیا۔ صفدر بھی اسکول نہیں گیا ہے۔ وہ معصوم کہہ رہا تھا کہ اب وہ نہیں پڑھے گا اور کوئی چیز فروخت کرکے گھر کا خرچ چلائے گا۔ اس نے بھی معصومیت سے کہا تھا کہ باجی جب ابا معذور ہیں تو تم نوکری کی تلاش میں کیوں جارہی ہو۔" نوری کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"ہاں نوری۔ وہ ایک غیرت مند باپ ہیں۔ حالات انسان کو مجبور کردیتے ہیں۔ لیکن ان کا اضطراب بجا ہے۔"

"ابا میاں کہہ رہے تھے کہ جب بابو خاں جس کو انہوں نے اپنی عزت کا محافظ سمجھا تھا انہوں نے بڑے بڑے واسطے دیئے تھے، اتنا گندہ نکل سکتا ہے تو پھر اب تو اپنے صفدر پر بھی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا!" نوری نے روتے ہوئے بتایا۔

"بے شک نوری۔ ان کے احساسات درست تھے۔"

"انہوں نے کہا تھا کہ غریب کو عزت کا زیادہ احساس ہوتا ہے۔ وہ بہن بیٹیوں کی زندگی کی ضمانت ہوتی ہے۔ غریب کسی حد تک عزت کے تابع ہوتا ہے۔ جب اس کی عزت سے بھروسہ اٹھ جائے تو پھر دولت مند ہی بہتر ہوتے ہیں وہ تو کچھ بھی کرلیں۔ ان کی عزت محفوظ ہوتی ہے۔"

"بس کرو نوری۔ بس کرو۔ اس سے زیادہ سننے کی تاب نہیں ہے۔ جاؤ نوری بہن۔ اپنے محترم باپ کو سمجھاؤ۔ ان سے کہو دولت انسانیت کی کسوٹی نہیں ہے۔ انسان ہر حال میں انسان ہے بشرطیکہ وہ انسانیت کا احساس رکھتا ہو۔ بس اب تم جاؤ نوری بہن۔ شام کو ہم خود آئیں گے۔ اور رات کا کھانا ساتھ ہی کھائیں گے۔ دیکھیں گے کہ تم ہمارے لئے کیا پکاتی ہو۔"

"میں انتظار کروں گی بھیا۔" نوری اٹھتے ہوئے بولی۔

"گھر کے خرچ کے لئے یہ کچھ رکھ لو۔ اس کے بعد تمہیں یہ زحمت نہیں اٹھانی پڑے گی۔ ہم خود اس کا انتظام کرلیں گے۔ یہ رکھ لو۔" میں نے سو سو کے نوٹ نوری کے ہاتھ میں رکھ دیئے۔

"پیسے تو میرے پاس تھے بھیا۔" نوری نے کہا۔

"رکھ لو۔ کسی بھی معاملے میں مداخلت مت کرو۔"

"بہت اچھا بھیا۔" نوری نے کہا اور پھر وہ ہم دونوں کو سلام کرکے باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد طالوت کافی دیر تک گم صم بیٹھا رہا۔

"کیا سوچ رہے ہو طالوت؟" میں نے پوچھا۔

"یار بعض اوقات تو تمہاری دنیا سے بھاگ جانے کو دل چاہتا ہے۔ بعض جگہ بڑا گندا ہے۔ انسان کو یہاں کیسے کیسے روپ دھارنے پڑتے ہیں۔ کیسی کیسی مجبوریاں اس نے کتنے عرصے یہ زوال دیکھا ہے۔ میں نے اس معصوم لڑکی کے ساتھ زیادتی کی۔ اس تھپڑ کا زندگی بھر افسوس رہے گا۔ میں نے تمہارے جذبات کو بھی ٹھیس پہنچائی ہے نا خلف میں اس کے لئے بھی شرمندہ ہوں۔"

"نہیں طالوت۔ ابھی تم میری دنیا کے بہت سے پہلوؤں سے اجنبی ہو۔ میں نے بھی تمہارے ساتھ گستاخی کی ہے۔ جس کے لئے میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔"

"ارے نہیں میرے دوست۔ میری طرف سے کھلی اجازت ہے۔ میری کسی غلطی پر تم مجھے سرزنش کرتے رہو۔" طالوت نے محبت سے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری فطرت سے بخوبی واقف ہوگیا ہوں طالوت۔ جو کچھ تم کہہ چکے ہو اس کے بعد بار بار تم نے کہا تھا منافقت کی ہے۔ بہرحال ابھی بہت سے ایسے مواقع آئیں گے جب تمہیں عجیب و غریب حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"میں یہ بتا دوں کہ میری درخواست ہے کہ میری کسی غلطی پر مجھ سے بددل مت ہو جانا۔ بلکہ میری اصلاح کر دینا۔"

"میری تو اب پوری زندگی تم سے وابستہ ہے طالوت۔ میں تم سے کس طرح بددل ہو سکتا ہوں۔ بہرحال کسی ضرورت مند کی مدد کے لئے تم عادات بھی بدلیں تو ہم خوش اسلوبی سے انہیں نبھا دیں گے۔"

"یقیناً۔ اس سے بڑھ کر خوشی نصیب ہو تو اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔"

"روشنیا کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"وہ تمام احترام سے [illegible] عورت ہے۔ ہم صرف ان لوگوں سے متاثر ہوتے ہیں جن کے ضمیر میں تھوڑی بہت بھی زندگی باقی ہے۔ جس نے پہلو میں ضمیر نام کی کوئی شے ہی نہ رکھی ہو اس کی اصلاح ناممکن ہے۔ روشنیا کے لئے تناہی کافی ہے۔ اب وہ کسی حیثیت میں ہمیں قبول نہیں ہے۔ آئندہ اس سے کوئی رابطہ نہیں رکھا جائے گا۔"

"سیٹھ روشن والا کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اس کمبخت کے لئے بھی یہی سزا کافی ہے۔ ویسے اس سے بھی ٹکراؤ ہوتا رہے گا۔ میرے خیال میں اس کے حواس درست کرنے کے لئے پانچ آٹھ کی دھمکی کافی ہوگی۔ ہاں عارف۔ ایک کام اور کرنا ہے؟"

"جی؟"

"جن لوگوں کے زیورات اور کاغذات ہمارے پاس ہیں۔ انہیں وہ واپس پہنچانے ہیں۔ ان کے لئے کیا کیا جائے۔ کیا ایک ایک سے نہ پوچھ لیں؟"

"یہ تو مناسب نہ ہوگا۔ یہ کرتے ہیں کہ ایک مناسب مضمون کے ذریعہ [illegible] شائع کراتے ہیں جن میں انہیں اطلاع دیں کہ ان کی [illegible] اور وہ اس کے بعد سے آکر [illegible] ان کے رہن کے کاغذات اور زیورات وغیرہ حاضر ہیں۔ [illegible] اس کے ساتھ [illegible] جس کا جو سامان ہے اس سے چیک کر کے ان لوگوں کو واپس کر دیں۔"

"بہترین۔ بہت عمدہ خیال ہے۔" طالوت نے میری رائے پسند کی اور اس بات پر فیصلہ ہو گیا۔

وہ کھانے سے فارغ ہو گئے تھے۔ عبدل بھائی تشریف لے آئے۔ ان کے ساتھ چند اور لوگ بھی تھے۔ عبدل بھائی نے سر ہلایا۔ [illegible] خوش نظر آ رہے تھے۔ ان

سے تعارف کراتے ہوئے بولے "یہ [illegible] ٹھیکیدار چھوٹے رانا صاحب۔ میں نے انہیں ایک [illegible] بلڈنگ کا ٹھیکہ دیا ہے۔ [illegible] ہیں۔ باقی ان میں سے [illegible] مل جائے گا۔"

"ٹھیک ہے کتنی رقم ادا کرنی ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"پانچ لاکھ [illegible] ہزار جناب۔" [illegible] نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے آپ کو ابھی چیک ادائیگی کر دی جائے گی۔"

"میرا نام [illegible] ہے سیٹھ۔ عبدل بھائی میرے کو کوٹھی دیکھنے کو بولا۔ میں نے عبدل بھائی کو کوٹھی دکھاوے۔ یہ پسند کیا تو آپ بھی [illegible] کرلو تاکہ سودا ہو جائے۔"

"عبدل بھائی۔" طالوت نے عبدل بھائی کو پکارا۔

"جی رانا صاحب۔"

"آپ نے کوٹھی دیکھ لی؟"

"جی ہاں۔"

"پسند آئی آپ کو؟"

"اے کلاس کوٹھی ہے جی۔ سمندر کے پاس ایک دم فسٹ کلاس ویو ہے۔ میرے کو بہت پسند آیا صاحب۔ آپ کو بھی ضرور پسند آئے گا۔"

"کیا قیمت مانگتے ہیں چوہدری صاحب؟"

"اٹھارہ لاکھ جی۔ ابھی نئی بنائی ہے ویسے فرنشڈ ہے۔ کسی چیز کی ضرورت نہیں پڑے گی آپ کو۔"

"آپ کو بھی کیش ادائیگی کی جائے گی۔"

"جی [illegible] سیٹھ۔" چوہدری صاحب نیاز مندی سے بولے۔

"اور آپ؟" طالوت نے تیسرے آدمی کی طرف دیکھا۔

"میرے پاس [illegible] روڈ پر ایک خوبصورت دفتر ہے جناب۔ عبدل بھائی نے اس کے بارے میں بات چیت کی ہے۔ [illegible] اس کے [illegible] طلب کئے ہیں۔ آپ [illegible] آپ کے شایان شان ہے۔ چاروں طرف [illegible] بکھرے پڑے ہیں۔"

"کرایہ؟" طالوت نے پوچھا۔

"[illegible] جناب [illegible] آپ [illegible] ہو گئے۔"

"ٹھیک ہے۔ عبدل بھائی کو دفتر پسند ہے تو ٹھیک ہی ہوگا۔ تشریف رکھئے۔ میں آپ لوگوں کو ادائیگی کئے دیتا ہوں۔"

طالوت نے کہا اور وہ سب حیرت سے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ اتنی بڑی بڑی رقموں کی اس طرح ادائیگی ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ لیکن طالوت باہر نکل گیا اور پھر چند منٹ کے بعد وہ ایک وزنی سوٹ کیس اٹھائے اندر آیا جس میں اوپر تک نوٹوں کی گڈیاں بھری ہوئی تھیں۔ اس نے پہلے دونوں چھوٹی ادائیگیاں کیں۔ اس کے بعد چوہدری صاحب کو بھی رقم ادا کر دی گئی وصول کرتے ہوئے ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ بہرحال انہوں نے کسی کو فون کر کے اپنی مدد کے لئے بلایا۔ یہ ان کا اکاؤنٹنٹ تھا۔

"کوٹھی کی ڈیلوری ابھی لے لی جائے عبدل بھائی۔ باقی کاغذات وغیرہ آپ کل مکمل کرالیں۔ کل ہی دفتر بھی دیکھ لیا جائے گا۔"

"جو حکم رانا صاحب۔" عبدل بھائی کانپتے ہوئے بولے۔ ان کی شکل حیرت سے بگڑی ہوئی تھی۔ طالوت نے کسی چیز کو دیکھے بغیر اس کی قیمت ادا کر دی تھی لیکن کسی کو کیا معلوم کہ وہ کون تھا اور اس کاغذی دولت کی اس کی نگاہوں میں کیا وقعت ہے۔

باقی لوگ چلے گئے۔ اب صرف عبدل بھائی رہ گئے تھے، جنہیں کوٹھی کی ڈیلوری لینے جانا تھا۔

"شکریہ عبدل بھائی۔ اب آپ بھی جائیں اور شام تک ہمیں کوٹھی میں منتقل کرنے کا بندوبست کر دیں۔ ہاں آپ کو رقم کی ضرورت ہوگی۔ کوٹھی مکمل ہونی چاہئے۔"

عبدل بھائی کچھ نہ بولے۔ اور طالوت نے انہیں بھی کاغذ کی کچھ گڈیاں سرکا دیں۔ وہ سلام کر کے چلے گئے۔ تب میں نے مسکراتے ہوئے طالوت سے کہا "جناب نواب عزیز الدین صاحب ذرا احتیاط سے خرچ کریں۔ ورنہ انعام چیل کوؤں کی طرح ٹوٹ پڑیں گے۔"

"یار ضرورت مندوں کا کام اگر ان بیکار کاغذات سے چل جاتا ہے تو میرا کیا نقصان ہے؟" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ بیکار کاغذات حکومت کے خزانے پر بار ڈالتے ہیں۔ ان کی قیمت سونا ہونا ضروری ہے۔"

"وہ بھی پورا کر لیں گے۔" طالوت نے لاپرواہی سے کہا "اب بتاؤ کیا پروگرام ہے؟"

"بس کام مکمل ہو چکا ہے۔ اب فلم کمپنی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کھلے گی اور ضرور کھلے گی۔ میں نے اس کا نام بھی تجویز کر لیا ہے۔"

"یعنی؟"

"نور آرٹس پروڈکشن۔" طالوت نے جواب دیا۔

"خدا کی پناہ۔ تم تو نئے قدم سے بزنس مین ہوتے جارہے ہو۔"

"بس محترم عارف صاحب کی کرم نوازی ہے۔" طالوت ہنستے ہوئے بولا۔ اور پھر اٹھتے ہوئے کہنے لگا "آؤ ذرا کار تو دیکھ لیں۔ عبدل بھائی کی پسند کیسی ہے؟"

ہوٹل کے پارکنگ میں ہماری خوبصورت کار کھڑی ہوئی تھی۔ جس پر ابھی کوئی نمبر پلیٹ نہیں تھی۔ بلاشبہ یہ ایک حسین کار تھی۔ میں نے کار میں بیٹھ کر اسٹارٹ کیا اور پھر ہم نے کافی دور تک اس کی ڈرائیونگ کی اور کار ہمیں کافی پسند آئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ہوٹل واپس آ گئے۔

شام کو حسب پروگرام ہم اپنی نئی کار میں شاہ پور کالونی پہنچ گئے۔ صفدر میاں دروازے پر ہمارے منتظر تھے ہمیں کار سے اترتے ہوئے دیکھ کر وہ بڑے حیران ہوئے۔ بہرحال انہوں نے ادب سے سلام کیا تھا۔

"تشریف لائیے۔ ہم سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" انہوں نے بڑے بالغانہ انداز میں کہا اور طالوت کو ہنسی آگئی۔ صفدر میاں نے اندر داخل ہو کر اطلاع دی۔ "باجی۔ مہمان آگئے ہیں۔ اور بڑی خوبصورت کار میں آئے ہیں۔" نوری کے والد اٹھے اور لڑکھڑاتے ہوئے ہم دونوں کی طرف بڑھے۔

"آئیے۔ آئیے نواب صاحب۔ تشریف لائیے۔ نور النساء۔ بیٹی نور النساء۔" انہوں نے آواز دی اور نوری سفید کپڑوں میں ملبوس باورچی خانے سے نکل آئی۔ اس کے چہرے پر ایک انوکھی رونق تھی۔ چند ہی گھنٹوں میں وہ کچھ سے کچھ ہو گئی تھی۔

"نور۔ ابا میاں مجھے نواب صاحب کے نام سے پکار رہے ہیں۔ کیا آپ نے انہیں میری حیثیت نہیں بتائی؟"

"بتا دی ہے بھائی جان۔ لیکن ابا میاں ہر بات پر دیر سے یقین کرنے کے عادی ہیں۔"

بوڑھے کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔ پھر وہ گمبھیر آواز میں بولا "آنکھوں سے اندازہ لگا لیا کرتا تھا۔ لیکن آنکھوں نے وہ حق بھی چھین لیا۔ اب خوفزدہ رہتا ہوں کہ کسی کی حیثیت کے خلاف کوئی بات منہ سے نہ نکل جائے نہ جانے کیسی شکل ہوگی۔ اس خوف سے کسی کو اس کے مرتبے کے لحاظ سے مخاطب نہ کر کے نقصان بھی اٹھا سکتا ہوں۔ نہ جانے اپنی حالت سے بھی یا نہیں۔"

"آپ ... نوری بہن کے والد ہیں۔ اس لئے ہمارے بھی بزرگ ہیں، اگر آپ چاہتے ہیں تو ہم ... ورنہ ... کوئی بات نہیں ہے۔" طالوت نے سنجیدگی سے کہا۔

"خوش رہو تم۔ اس زمانے میں تم لوگ ... بیٹے ... کیوں کہ شاید تم نے میری کوئی دعا قبول کی ہے۔ ورنہ تم لوگ ہم جیسوں پر اس قدر مہربان نہ ہوتے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ آپ کو اتنا بھروسہ ہے محترم بزرگ۔ ہم اس کی ذات کو درمیان میں رکھ کر کہتے ہیں کہ نور بہن ہمیں اپنی سگی بہن کی طرح عزیز ہے۔ ہمارے دلوں میں اور محبت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ آپ اپنے خدا سے سوال کریں کہ آپ کا دل ... کیا ... اگر ... ہمارا سچ ثابت ہو جائے گا اور اگر ... رہے تو

ہمیں ... کے لئے صاف صاف کہہ دیں۔ ہم آپ کو بھی تکلیف نہیں دیں گے۔" طالوت نے کہا۔

اور بوڑھا ایک دم خاموش ہو گیا۔ اس کی بے نور آنکھیں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور پھر اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا "اے خدا! اے خدا! میں نے تیری ذات پر بھروسہ کیا ہے۔ اے خدا۔ اے خدا۔"

نوری، میں، صفدر اور طالوت خاموش کھڑے تھے۔ اچانک بوڑھے کے چہرے پر شگفتگی ابھر آئی "اس کی ذات کو درمیان میں رکھ کر ہی کہہ رہا ہوں بیٹے کہ اس اندھے نے تم دونوں پر اعتبار کر لیا اور اب میرے دل میں تمہاری طرف سے کوئی شکوک و شبہات نہیں ہیں گے۔ اگر میں شکوک و شبہات میں بھی مبتلا رہتا تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا بیٹے۔ لیکن وہ تمہارے خلوص کا جواب نہ ہوتا۔ مجھ نابینے کے پاس اعتماد کے تحفے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اسے قبول کرو۔"

طالوت نے گرمجوشی سے بوڑھے کا ہاتھ دبایا اور پھر مونڈھوں پر ہم دونوں بیٹھ گئے اور بڑے میاں چارپائی پر۔

"آپ نے ہمیں اپنا بیٹا سمجھ لیا ہے ابا میاں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ اب اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ میرے بیٹے ... داری کی ... ہٹ گئی ہے ... میں تمہیں یہ ... دکھا سکتا میرے بچو! جو تمہاری وجہ سے مجھے ملا ہے۔" بوڑھے نے خوشی سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا "خدا تمہیں خوش رکھے۔ میری نور نظر اب بے سہارا لڑکی نہیں ہے جس کی عزت ہر وقت خطرے میں ہو۔"

... ... آپ سے ... تو نہیں لیں گے؟"

"ارے میرے ... بیٹے ... تو جواب ہی نہیں۔"

"شکریہ ابا میاں۔ ... آپ ... دیکھ رہی ہیں ... ہو جائے گی۔" طالوت نے کہا اور نوری خود بخود ہنس پڑی۔

"نوری بھائی جان۔" اس نے بڑے پیار سے کہا۔

"بھائی جان آپ کو کیا لگتے ہیں؟" صفدر میاں بولے۔ تو طالوت نے اسے گود میں اٹھاتے ہوئے کہا۔

"سب بچے۔"

"تب اگر اجازت دیں تو میں بھائی جان کے لئے ... کچھ لاؤں۔ ... انہیں ... رہیں۔"

"او ہاں۔ ضرور ضرور ... جلدی۔ کہیں وہ چائے لے کر نہ چل پڑیں۔" طالوت اسے اتارتے ہوئے بولا۔ وہاب صاحب مسکرانے لگے۔

چائے آ گئی۔ اس کے ساتھ ہی کریم بسکٹوں کی پلیٹ بھی تھی اور ... کپ تھے۔ نوری خود بھی ہمارے ساتھ چائے میں شریک ہوئی۔ صفدر میاں موقع سے خوب فائدہ اٹھا رہے تھے اور کریم بسکٹ ان کے معدے میں اترتے جا رہے تھے۔

"بڑا شریر ہے۔" نوری مسکرا کر بولی۔

رات کے کھانے کے بعد ہم نے اجازت چاہی اور پھر طالوت نے مجھے اشارہ کیا۔ تو میں نے بڑے میاں کو مخاطب کر کے کہا "ابا میاں۔ کل ہمیں اپنے نئے مکان میں شفٹ ہونا ہے۔ آپ نور بہن کو حکم دیں کہ یہ سامان وغیرہ باندھ لیں۔"

"نیا مکان؟" بوڑھے نے لرزتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ کیا آپ پسند کریں گے کہ ہم ہوٹل میں پڑے رہیں اور پھر نوری بہن کے ہاتھ کے کھانا کھانے کے بعد ہوٹل کے کھانے سے جی ... گیا ہے۔ یہ مکان بہت چھوٹا ہے ورنہ ہم لوگ بھی یہیں آ رہتے۔"

بوڑھا کئی منٹ تک خاموش رہا۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا "ہمارے اوپر اتنا کرم کرو بیٹے۔ جو ہماری حیثیت کے مطابق ہو۔"

"آپ اپنی حیثیت خود مقرر نہ کریں تو بہتر ہے ابا میاں۔ کیونکہ اس سے خود ہماری حیثیت متاثر ہوتی ہے۔" طالوت نے کہا اور پھر نوری کی طرف رخ کر کے بولا "یہ مکان تو چھوڑ دینا ہے نوری۔ ضروری چیزیں وہاں تم خود رکھنا۔"



نے نوری کو اشارہ کیا اور نوری نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔ پھر وہ ہمیں باہر تک چھوڑنے آئی اور ہم کار میں بیٹھ کر واپس چل پڑے۔

دوسرے دن ہم اپنی خوبصورت کوٹھی میں منتقل ہو گئے۔ نوری اس کوٹھی کو دیکھ کر سحر زدہ تھی۔ درحقیقت عبدل بھائی نے بہترین انتخاب کیا تھا۔ کوٹھی کا جائے وقوع بہترین تھا۔ اس کی پشت پر سمندر تھا اور چاروں طرف خوبصورت سبزہ اور ان کے درمیان حسین سڑکیں پھیلی ہوئی تھیں۔ کوٹھی کی دوسری تیاریاں بھی مکمل ہو گئی تھیں۔ ویسے عبدل بھائی نوری اور اس کے گھر والوں کو دیکھ رہے تھے۔ لیکن ابھی تک انہوں نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

تاہم دوپہر کے کھانے پر وہ پوچھ ہی بیٹھے "اے گولر بھائی۔ یہ نوری اور اس کا باپ اور ... کا ماجرا۔"

"ارے۔ تمہیں معلوم نہیں عبدل بھائی۔"

"اے کیا مالوم گولر بھائی۔ پن یہ نوری لوگ تو کوٹھی کو ایسا دیکھتا پڑا جیسے سالا اس کے باپ کا گھر ہو۔"

"باپ کا گھر نہیں۔ لیکن بھائی کا گھر ضرور ہے عبدل بھائی۔ اس بات کو نوٹ کر لیں اور کوئی ایسی ویسی بات نہ کہہ دیں جس سے رانا صاحب ناراض ہو جائیں۔"

"بھائی کا گھر۔ یہ بھائی سالا کدھر سے نکل پڑا۔"

"اوہ عبدل بھائی۔ رانا صاحب کو پتہ چل گیا ہے کہ نوری ان کی خالہ زاد بہن ہے۔ رانا صاحب کی خالہ ناراض ہو کر اسٹیٹ سے چلی آئی تھیں۔ اس کے بعد سے ان کا پتہ نہیں چل سکا جب کہ اسٹیٹ کے لوگ انہیں چاروں طرف تلاش کرتے رہے تھے۔ اب رانا صاحب کو پتہ لگا کہ نوری کے والد وہاب علی صاحب تو رانا صاحب کے خالو ہیں اور نوری ان کی خالہ زاد بہن۔ بے چاروں کے حالات خراب تھے اس لئے ایسی زندگی گزار رہے تھے۔"

"کھالہ جاد بہن۔" عبدل بھائی کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا اور اس کے بعد تو وہ بالکل سکتے میں رہ گئے تھے۔

طالوت فلمی دنیا کے ہنگاموں سے پوری پوری دلچسپی لے رہا تھا۔ اسے اس دنیا کے ہنگامے بہت پسند آئے تھے اور اس نے ارادہ ظاہر کیا تھا کہ یہاں کافی وقت گزارے گا.....

بہرحال ہماری زندگی تو ہمیشہ نت نئے ہنگاموں سے دوچار رہتی تھی۔ خود میری زندگی کا بھی یہی راستہ تھا، چنانچہ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

فلم کمپنی کا دفتر قائم کیا گیا جو اپنی مثال آپ تھا۔ بلاشبہ پورے شہر میں کسی فلم کمپنی کا اتنا خوبصورت دفتر نہیں تھا۔

دفتر کی عمارت کے باہر افتتاحی ... نیون سائن میں نور آرٹس پروڈکشنز کا بورڈ جگمگا رہا تھا۔ خود نوری کو ابھی تک اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ ہاں صرف اسے اتنا معلوم تھا کہ فلم کمپنی کھولی جا رہی ہے۔

نوری اب خاص امیر عورتوں کی طرح رہتی تھی۔ اس پر سب جاننے والیاں دو بندیاں نہیں لگائی گئی تھیں، کوٹھی کے کام ہی ایسے تھے جن سے اسے فرصت نہیں ملتی تھی۔ صفدر میاں کو شہر کے اعلیٰ درجے کے اسکول میں داخل کرا دیا گیا تھا اور طالوت نے وہاب صاحب کی آنکھوں کا آپریشن کرانے کا بھی فیصلہ کر لیا تھا۔

بہرحال۔ دفتر کے افتتاح کا پروگرام بنایا گیا اور پوری فلم انڈسٹری کو دعوت نامے بھجوا دیئے گئے۔ ان میں روشیتا اور سیٹھ روئی والا بھی شامل تھے۔ طالوت کا خیال تھا کہ یہ دونوں اس افتتاح میں شرکت نہیں کریں گے۔ لیکن افتتاح کے موقع پر روشیتا اور روئی والا کو ایک ہی کار سے اترتے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"عارف۔ مہمان خصوصی۔" اس نے سرگوشی کی۔

"یہ فلم انڈسٹری ہے میری جان۔ یہاں کی رنجشیں دیرپا نہیں ہوتیں۔ روئی والا تمہارے تھپڑ کو بھول گئے ہوں گے۔ روشیتا بھی نئے جال لے کر آئے گی، ہوشیار رہنا۔"

"ارے اس کی ایسی تیسی۔" طالوت اکڑ کر بولا "ابھی تک نوری نہیں آئی۔ پتہ نہیں عبدل بھائی پہنچا یا نہیں؟"

"وہ آ رہی ہے۔ وہ دیکھو۔" میں نے دور سے اپنی کار آتے دیکھ کر کہا۔ اتنی دیر میں روئی والا اور روشیتا ان کے نزدیک پہنچ گئے۔ روئی والا مسکراتے ہوئے کار سے اترے تھے۔

"ارے رانا صاب۔ خدا کسم تم تو کمال کیا بابا۔ ایک دم ... ڈالا۔ مارے کو مالوم بھی نہیں ہوا۔ ہماری طرف سے مبارک باد کبول کرو۔" روئی والا نے کہا۔

"شکریہ سیٹھ روئی والا۔ آخر آپ کے پانچ لاکھ روپے اور لاکھوں کے زیورات تو کہیں نہ کہیں خرچ کرنا تھے۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا اس کے بجائے کہ روئی والا شرمندہ ہوتا۔ اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا "اے کائے کو مذاک کرتا پڑا رانا صاب۔ مارے کو بہوت شرمندگی ہوا۔ مارے کو ماپھ کر دیا۔"

"معاف کر دیا سیٹھ روئی والا۔ لیکن مس روشیتا نے بھی آپ کو معاف کر دیا یا رقم دینی پڑی؟"

"اے وہ کدھر چھوڑتا پڑا بابا۔ مارے کو کنگال کر دیا۔"

پورا ایک ناکو لے کر بیان چھوڑا۔"

"آپ تو تعزیری ادارے میں نہ جائیے رانا صاحب۔ ہم آپ کے مہمان ہیں۔" روشیلا نے چہکتی ہوئی مسکراہٹ سے کہا پھر بولی "میری طرف سے دلی مبارکباد قبول فرمائیے۔ مگر یہ نور آرٹس پروڈکشن ہے۔ یہ نور صاحب کون ہیں؟"

نوری دور قریب آ گئی۔ ایک خوبصورت سادہ سی ساڑھی میں ملبوس وہ بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ دولت اور سکون انسان کی شکل بدل دیتا ہے۔ اس کی مثال معمولی تھی جب امراء کے بچے کتنا خوبصورت ہوتے ہیں اور غریبوں کے بچے بدشکل۔ نوری کے قریبی جاننے والے بھی اس کی شکل نہیں پہچان سکتے تھے۔ اس کے ساتھ صفدر، وہاب صاحب اور محسن بھائی تھے۔ صفدر بھی ایک گہرے رنگ کے سوٹ میں بے حد خوبصورت اور باوقار نظر آ رہا تھا۔ وہاب علی اعلیٰ درجے کی شیروانی میں ملبوس تھے اور آنکھیں نہ ہونے کے باوجود بہت خوش نظر آ رہے تھے۔

"آپ نے بتایا نہیں رانا صاحب یہ نور صاحب کون ہیں؟" روشیلا نے پھر اصرار کیا۔

"سوری مس روشیلا۔ نور آرٹس پروڈکشن کے مالکان تشریف لے آئے ہیں۔ آؤ ہم ان کا استقبال کریں۔ تمہیں ان سے مل کر یقیناً خوشی ہوگی۔" طالوت کے بجائے میں نے کہا اور روشیلا گردن گھما کر دیکھنے لگی۔ میں اور طالوت آگے بڑھ گئے تھے۔

"ہیلو نوری" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنے قریب کھڑے ہوئے ایک ملازم کے ہاتھوں سے پھولوں کا خوبصورت ہار لے کر نوری کی گردن میں ڈال دیا۔ دوسرے ہار اس نے اور میں نے وہاب علی صاحب اور صفدر کے گلے میں ڈالے تھے۔ نوری دفتر کے دروازے پر ٹھٹکتے ہوئے سامنے کو دیکھ کر ہی سراسیمہ ہو گئی تھی۔

"آئیے خاتون نور افشاں۔ ہماری طرف سے اس عالیشان پروڈکشن کو قائم کرنے کی مبارکباد قبول فرمائیے۔" طالوت نے قدرے جھک کر کہا اور نوری تھوک نگل کر رہ گئی۔

بہت سے لوگوں کے چہرے حیرت کا آئینہ بن کر رہ گئے تھے۔ روشیلا کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ میلی روٹی والا کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ نوری کو دوسری فلم کمپنیوں والے بھی ایک ایکسٹرا گرل کی حیثیت سے جانتے تھے۔ بابو خان کاسٹ کے لوگ بن جانے ہی پہنچ گئے تھے۔ غرض نوری کی آمد اور اس کی موجودہ حیثیت نے بڑا دلچسپ ماحول پیدا کر دیا تھا۔

"مہمانانِ گرامی۔" طالوت نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا "خاتون نور افشاں، نور آرٹس پروڈکشن کی مالک، محترم وہاب علی نور افشاں کے والد اور مسٹر صفدر ہیں۔ ہم سب خاتون نور افشاں کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔" طالوت نے تالیاں بجائیں اور تمام لوگ تالیاں بجانے لگے۔ لیکن ان کے چہرے باطن سے ہم آہنگ نہیں تھے۔

"اس دفتر کا افتتاح محترم وہاب علی اپنے ہاتھوں سے کریں گے۔" طالوت نے دوسرا اعلان کیا اور تالیاں پھر گونج گئیں۔ وہاب علی سراسیمہ انداز میں چھڑی کو ادھر ادھر گھمانے لگے تھے۔ تب طالوت ان کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے وہاب علی کا ایک ہاتھ پکڑ کر اپنے کندھے پر رکھ لیا اور وہاب علی نے اس کا شانہ دبوچ لیا۔

"ابا میاں۔ آپ کا بیٹا۔ عزیز الدین ہے۔ پہچانا نہیں۔" طالوت نے آہستہ سے کہا اور وہاب علی کے ہاتھ بھنچ گئے۔ انہوں نے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ البتہ صفدر نے نوری کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"ونڈر فل باجی۔ آپ تو بہت بڑی "عورت" بن گئیں۔ کیا خیال ہے۔" لیکن نوری ابھی تک سحر زدہ تھی۔ میں نے نوری کی آنکھوں میں دیکھا اور دیکھتا رہا۔ تب نوری سنبھل گئی۔

"آئیے۔" میں نے کہا اور طالوت وہاب علی کو لے کر آگے بڑھا۔ ایک باوردی ملازم نے پلیٹ میں رکھی ہوئی قینچی وہاب صاحب کے ہاتھ میں تھمائی اور وہاب صاحب نے افتتاحی فیتہ تلاش کر کے کاٹ دیا۔ اخباری رپورٹروں نے تصویریں کھینچیں اور ایک رپورٹر نے مائیک ان کے منہ کے قریب کر کے کہا۔

"محترم وہاب صاحب۔ آپ کے تاثرات؟"

وہاب صاحب سنبھلے اور پھر انہوں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا "صاحبو! میں آنکھوں سے معذور انسان ہوں لیکن دل کی روشنی میں، میں ان چمکتے ہوئے چہروں کو دیکھ رہا ہوں جن کی وجہ سے انسانیت کا وجود باقی ہے۔ کون کہتا ہے کہ انسان مفلس ہے۔ وہ آج بھی انسانیت کی دولت سے مالا مال ہے۔ ہاں غلط سوچ، خیالات کے شکار ہو کر انسانیت کو بے حد زخمی کر دیا ہے لیکن کبھی کبھی یہ زخم اس طرح مندمل ہوتے ہیں کہ ان کے نشان تک باقی نہیں رہتے۔ میری دعا ہے کہ خدا انسانیت کو زندہ رکھنے والوں کو زندہ رکھے تاکہ ان کے دم سے بجھے چراغ جلتے رہیں اور انسانیت پر چھائی تاریکی چھٹ سکے۔ میری ساری دعائیں اس پروڈکشن کے ساتھ



ہیں۔" لوگوں نے پھر تالیاں بجائی تھیں۔ اس کے بعد مہمان دفتر کی عظیم الشان عمارت دیکھنے لگے۔ ان کی آنکھیں پھٹی تھیں اور دیکھنے والوں نے اس کی حیثیت کو خوب سمجھا تھا۔

مہمانوں کے بیٹھنے کا انتظام ہال میں کیا گیا تھا۔ جہاں ان کی تواضع کی جانے لگی۔ لیکن ابھی تک اتنے صاف نہیں ہوئے تھے۔ نوری کے جاننے والے ابھی تک ششدر تھے۔ وہ اس بات پر کیسے یقین کر لیتے کہ ایک ایکسٹرا گرل اچانک ایک بہت بڑی فلم کمپنی کی مالک بن گئی۔

نوری بھی اب سنبھل گئی تھی۔ وہ اب ان دونوں سے پوری طرح واقف ہو گئی تھی جو اس کے لئے آسمان سے اترے تھے۔ لوگوں نے اس دوران نوری سے کچھ بولنے کی فرمائش کی۔

"ہاں ہاں نور۔ اپنے مقاصد کے بارے میں مہمانوں کو بتاؤ۔" میں نے کہا اور نوری تیار ہو گئی۔

"میری کمپنی۔" اس نے جھجکتی ہوئی آواز میں کہا "معاشرے کی سچی تصویریں پیش کرے گی۔ ہم ایسی فلمیں بنائیں گے جو اخلاقی مقاصد رکھتی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ فلم تھکے ہوئے ذہنوں کو الجھنوں سے کاٹنے کا ایک ذریعہ ہے۔ لوگ محنت و مشقت کرنے کے بعد ذہنی شگفتگی چاہتے ہیں۔ اس لئے سینما ہال میں آتے ہیں۔ ہم ان کے ذہنوں پر جنس اور رومان کا بوجھ نہیں لادیں گے۔ رومان اور جنس کا زندگی سے گہرا تعلق ہے لیکن سڑکوں اور گلیوں کے رومان ہمارے معاشرے سے بہت دور کی چیزیں ہیں۔ ہمارا گھریلو ماحول ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم ان مثالوں کو فلم کا موضوع کیوں نہ بنائیں۔ میں نہیں کہتی کہ فلم میں رومان نہ ہو۔ لیکن وہ رومان ہو جو زندگی سے قریب ہو۔ ہماری لڑکیاں سڑکوں پر پھرتی ہوئی عاشقوں کی تلاش میں نہیں نکلتیں۔ ہاں بچے ذہن ان فلموں کو دیکھ کر اس انداز میں بھی سوچ سکتے ہیں اور ہماری کوئی فلم اگر ایک بھی ذہن کو بہکانے کا ذریعہ بن جائے تو ہم معاشرے کے بہت بڑے مجرم ہیں۔ رومان پیش کیا جائے لیکن اسی انداز میں جو ہمارے ماحول کا تقاضا ہے۔ اس کے علاوہ زندگی کے بے پناہ مسائل ہیں۔ اگر ہم صاف ستھرے انداز میں وہ مسائل اور ان کا حل پیش کریں تو لوگوں کو سوچنے اور عمل کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔ اس طرح اپنی تفریح کے اوقات میں وہ ذہنی شگفتگی اور اپنے کسی مسئلے کا حل پالیں تو میرا خیال ہے فلم انڈسٹری بھی معاشرے کے خدمتگار کی حیثیت سے ابھر سکتی ہے۔ مزاح انسانی فطرت

کے لئے اکسیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ صاف ستھرا مزاح پیش کر کے ہم لوگوں کو مسکرانے کے مواقع دے سکتے ہیں۔ یہ تلخ فضاؤں کی ایک اہم ضرورت ہے۔ ذاتی طور پر میں صاف ستھرا مزاح پیش کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کروں گی تاکہ وہ ذہنوں کو الجھنوں کی دلدل سے تھوڑی دیر کے لئے آزاد کر سکیں۔ میں کوشش کروں گی کہ جو کچھ کہا جائے وہی کیا جائے۔ سستی قسم کی رومانی فلمیں ہمارے معاشرے کی مجرم ہیں۔ خواہ اس کے لئے مجھے کتنی ہی دشواریوں کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔"

اس صاف ستھری تقریر پر درحقیقت خلوص دل سے تالیاں بجانے کو جی چاہا۔ اور تالیوں کی آوازیں بہت زوردار تھیں۔ نوری نے مسکرا کر لوگوں کا شکریہ ادا کیا۔

اس کے بعد مہمانوں کو آزادی مل گئی۔ سب ایک دوسرے سے خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔ اخباری رپورٹروں نے نوری سے سوالات شروع کر دیئے۔

"کیا آپ نے فلم کے لئے کوئی کہانی حاصل کر لی ہے مس نوری۔"

"میرا نام نور افشاں ہے" نوری نے تصحیح کی۔

"سوری۔"

"جی نہیں۔ ابھی نہیں۔ لیکن ظاہر ہے اب ہمیں کہانی کی تلاش ہوگی۔" "کیا کوئی کہانی آپ کے ذہن میں ہے؟" کسی نے پوچھا۔

"مصنفوں کی کمی نہیں ہے۔ کسی بھی اچھے مصنف سے جس کے ذہن میں تخیل ہو۔ ایک کہانی مل جائے گی۔" نوری نے جواب دیا۔

"کیا آپ میوزیکل فلم پروڈیوس کریں گی؟"

"میں صرف انسان ازم کی قائل ہوں۔ آپ اسے کوئی نام دے لیں۔"

"تھوڑا سا وقت ہمیں بھی دے دو نوری۔" روشیلا نے اس کا بازو پکڑ کر ایک طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ اور نوری اس کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ میں اور طالوت ان دونوں سے زیادہ دور نہ تھے۔

"میں بھی ایک سوال کروں؟" روشیلا نے کہا۔

"ضرور۔" نوری مسکراتے ہوئے بولی۔

"میں ایک کایا پلٹ کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔"

"میں نہیں سمجھی۔" نوری کا چہرہ خشک ہو گیا۔

"کیا رانا صاحب نے تمہیں پسند کر لیا ہے؟"

"ہاں۔" نوری نے سخت لہجے میں کہا۔

"سیٹھ جی کی بھی تم سے بہت بے تکلفی ہے۔"

"ہاں۔" نوری بڑے اعتماد سے بولی۔
"وہ دونوں کی منظور نظر ہو۔"
"تمہارا خیال درست ہے۔" نوری دھیمے لہجے میں بولی تھی۔
"دشمن بھی نہیں تھا نوری۔ تم اپنے ناخنوں کا اس طریقے سے استعمال کیا تو میری جان کہ دونوں بہت جلد ختم ہو جائیں گے۔"
"تم طریقے کے بارے میں بتانا چاہتی ہو؟"
"ہاں۔ ہمیں بھی تو بتاؤ۔ دوست تو ہم بھی ہیں۔ ورنہ تم سے کسی طرح کم بھی نہیں ہیں۔" روشیلا تند انداز میں بولی۔
"یہ طریقہ ہے۔" نوری نے ایک زوردار تھپڑ روشیلا کے گال پر رسید کر دیا۔ کوئی زوردار تو نہیں تھا۔ مگر سب اس طرف متوجہ ہو گئے۔ روشیلا کا گال سرخ ہو گیا تھا۔
اور اسی وقت طالوت نے زور سے تالیاں بجائیں۔

لوگ بے اختیار تالیاں بجانے لگے تھے اور میں اپنا قہقہہ نہ روک سکا۔ لیکن لوگوں کو جلد ہی اپنی حماقت کا احساس ہو گیا اور تالیاں رک گئیں۔ روشیلا خونخوار نظروں سے نوری کو گھور رہی تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ وہ نوری پر جھپٹنے والی ہے۔ تو میں فوراً ان دونوں کے درمیان آ گیا۔
"صاحبان۔ میرا خیال ہے مس نوری اپنی پہلی فلم کا نام "تھپڑ" رکھنا چاہتی ہیں۔" طالوت نے بلند آواز میں کہا۔ "تاکہ انہوں نے اس کا اعلان کیا ہے۔"
"کمینی۔ کتیا۔ ایکسٹرا۔ میں تیرا خون پی جاؤں گی۔" روشیلا نوری پر جھپٹی۔ لیکن طالوت نے اس کے دونوں شانے پکڑ لئے تھے اور اس کے ساتھ ہی وہ بولا۔
"لیکن مس روشیلا بضد ہیں کہ اس کا نام "ایک دو" رکھا جائے۔ دنیا میں لوگوں کو علم ہے ایک اکھڑ کی کہانی سناؤں مس روشیلا؟"
"اے تم کیسے لوگ ہو۔ مہمان کو بلا کر بے عزتی کرتے ہو۔ میرا بھی تو سوچو۔ بڑے لوگ کے عجیب ہوتے ہیں۔"
"تم روزی والا نے بھی ایک بار پیش کیا ہے پانچ ہزار۔ اب یہ فیصلہ بھی مشکل ہے کہ فلم کا نام مس روشیلا سے ایک انعام رکھا جائے یا روزی والا سے۔ ویسے ان دونوں کی کہانیاں دلچسپ ہیں۔ کیوں روزی والا۔ میں ان کی کہانی کو سنا دوں؟"
روزی والا اور روشیلا دونوں اچھل پڑے تھے۔ روزی والا نے خونی نگاہوں سے ہم لوگوں کو دیکھا اور پھر تیزی سے پلٹ کر مڑ گئی۔

"اے۔ میرے گودے کو چھوڑ دیا۔" ہے۔ میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔ روشیلا نے چیخ کر کہا اور طالوت نے پھر تالیاں بجائیں۔ عبدل بھائی میں اور مظفر اسی کا ساتھ دے رہے تھے۔ دوسرے لوگ حیران تھے۔ بہرحال تقریب اختتام پذیر ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد مہمان رخصت ہو گئے۔
"یہ میں نے غصے میں غلط کیا۔" نوری نے لرزتی آواز میں کہا۔
"بالکل غلط۔ میں تم سے ناراض ہوں۔" طالوت نے کہا۔
"کیوں؟" نوری کی زبان بہک گئی۔
"یہ ادا کاری کا صرف ایک تھپڑ نہیں ہونی چاہئے۔ جب روشیلا کے چہرے پر تھوڑا گوشت آ گیا اور اس کی ساری اکڑ ختم ہو جاتی تو تمہیں چاہئے تو یہ تھا کہ دوسری طرف بھی فوراً ہی تھپڑ مار دیتیں۔ تاکہ اس کے پچکے ہوئے گال ابھر آتے۔ کسی کی روزی کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔" طالوت نے کہا اور نوری چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر وہ بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔
"تم نے روشیلا کے گال پر تھپڑ لگا کر ہماری ساری محنت وصول کر دی ہے نوری۔ شکریہ۔" طالوت نے کہا اور نوری مسکرانے لگی۔

فور اسٹارس پروڈکشن نے کام شروع کر دیا۔ کہانیوں کے لئے اخبارات میں اشتہار دے دیئے گئے تھے۔ چند اور لوگوں کو بھی ملازم رکھ لیا گیا تھا جو دفتری کاموں کے لئے تھے۔ اور ہم لوگ حسب معمول تفریحات میں مشغول ہو گئے تھے۔ عبدل بھائی بنیادی طور پر منیجر تھے۔ مجھے کسی حیثیت سے دلچسپی نہیں تھی۔ معقول تنخواہ ملی تو وہ پوری طرح وفادار ہو گیا تھا۔
وہاب صاحب ایک بڑے اسپتال میں آنکھوں کے آپریشن کے لئے داخل ہو گئے تھے۔ مظفر کو ایک اچھی ورکشاپ میں داخل کرا دیا گیا تھا۔ نوری کو دفتری کاموں کے علاوہ اور کوئی مشغلہ نہیں تھا۔ لیکن دوسرے کاموں کے لئے بہت سے لوگ موجود تھے اس لئے وہ تقریباً بیکار رہتی۔ اس سلسلے میں ایک دن طالوت نے اس سے بات کی۔
"محترمہ نور صاحبہ۔ فلموں کے معاملے کا تعین نہیں کیا گیا۔"
"میں نہیں سمجھی بھیا۔"



"یعنی ہم بھی خود کو ملازم سمجھیں؟"
"کوئی خاص ضرورت تو نہیں ہے۔" نوری نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"مت دھوکر بیٹھو۔ ہم کوئی ملازمت قبول بھی نہیں کریں گے۔ چنانچہ اب اپنی چھٹی ہے۔ دوسرے ہماری کہانیوں کے بارے میں پڑھنا شروع ہو گئے ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کرنی ہے۔"
"اوہ۔ لیکن بھیا۔ آپ کی موجودگی میں یہ مناسب ہوگا؟"
"ہم ہمیشہ موجود نہیں رہیں گے۔ اگر تمہیں یہ کاروبار پسند ہے تو سنبھالو۔ ورنہ کوئی اور کر دیا جائے۔"
"آپ شرمندہ کر رہے ہیں بھیا۔ مجھے حکم دیں میں کیا کروں؟"
"کل سے باقاعدہ دفتر جاؤ گی۔" آپ کی کرسی پر آج تک ہم لوگوں نے بیٹھنے کی جرأت نہیں کی۔ فلم شروع کرنی ہے۔ جلدی سے کہانی کا انتخاب کرنا۔ عبدل بھائی اپنی ڈائریکشن کے دورے کے لئے بے چین ہیں۔"
"ٹھیک ہے بھیا۔ جو حکم۔ کل سے میں دفتر جاؤں گی۔"
"ہاں۔ پروڈیوسر صاحب کے لئے کار کا بندوبست بھی کر دیا گیا ہے اور عبدل بھائی سے کہہ دیا ہے کہ ایک ڈرائیور کے لئے اشتہار دے دیں۔"
"جی۔" نوری نے آہستہ سے کہا۔
بہرحال دوسرے دن سے نوری نے دفتر جانا شروع کر دیا۔ ہماری تفریح کے لئے وقت ہی وقت تھا۔ دن بھر بھانت بھانت کے لوگ چکر لگاتے رہتے تھے اور طالوت ان سے خوب لطف اندوز ہوتا تھا۔ اسے اس کام میں بہت مزہ آ رہا تھا اور اکثر وہ کہتا تھا۔
"یار۔ باقی تو سب ٹھیک ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی ڈھنگ کی لڑکی نہیں ملی۔"
"مل جائے گی۔ مل جائے گی۔ تھوڑا صبر کرو۔"
اور پھر ایک دن ہم نے کہانی کے سلیکشن کا پروگرام بنایا۔ چند لوگوں کو جواب بھی دیئے گئے تھے۔ واضح کر دیا گیا تھا کہ جن لوگوں کو بلایا جائے وہی آئیں۔ باقی حضرات تکلیف نہ کریں۔ چنانچہ آج مصنفین کا دن تھا اور آنے والے فلم انڈسٹری کے جانے پہچانے مصنف ہی تھے۔ ہم چاروں یعنی میں طالوت، نوری اور عبدل بھائی۔ انٹرویو لینے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ باہر کے کمرے میں مصنفین حضرات تشریف رکھتے تھے اور ان کے ناموں کی فہرست ہمارے سامنے تھی۔ "... عبدل بھائی۔" میں نے عبدل بھائی کو مخاطب کیا۔
"جی فرمائیے بھائی۔"
"ان لوگوں کے ناموں کی یہ فہرست ہے۔ ان میں سے کس نے اس سے پہلے بھی کوئی فلمی کہانی لکھی ہے؟"
"سب ہی نے لکھی ہیں بھائی۔ ہم نے نام دیکھ کر سب بڑے نامی گرامی لوگ بلائے ہیں۔ اس سے پہلے بھی کوئی پچھلی کہانی نہیں تھی۔ یہ بھی نہیں۔ یہ سب وہ لوگ ہیں جو ہٹ فلموں کی کہانیاں لکھ چکے ہیں۔ سب کا سب ایک دم ناکام ہو جاتا ہے۔ انہیں لوگ اسٹوری میں کچھ بتا دیتے ہیں۔"
میں نے چونک کر عبدل بھائی کی شکل دیکھی۔ طالوت کی پیشانی پر بھی شکن نمودار ہوئی تھی۔ تب میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "عبدل بھائی۔ ایک بات غور سے سنو۔ وہ لوگ جو کہانیاں لکھتے رہتے ہیں۔ فلمیں لکھ رہے ہیں ان میں

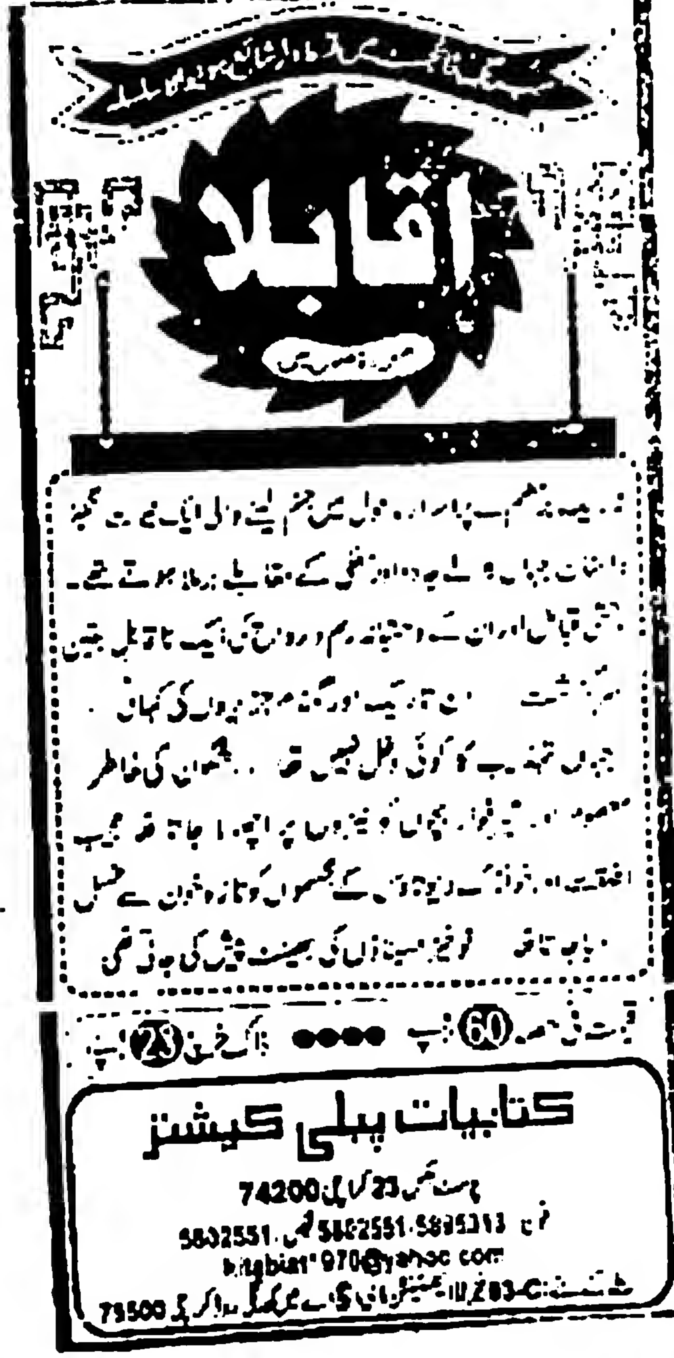

اداکاری کر رہے ہیں۔ ان میں سے کیمرہ بھی نہیں ہے۔ بلکہ ہم وہ لوگ ہیں جنہیں ان سے نفرت ہے اور پھر ان لوگوں نے اس صنعت پر قبضہ کر لیا ہے جن کے ذہن اور چہرے صرف ان کے لئے بچے رہ گئے ہیں کہ آپ جیسے لوگ انہیں سامنے نہیں آنے دیتے۔ آپ جانتے ہیں عبدل بھائی، فلم بنانا ہمارا صرف دولت نہیں کمانا ہے۔ ہمارا مقصد کچھ اور ہے۔ چنانچہ آپ آئندہ خیال رکھیں۔ یہاں آنے والوں کے ساتھ ہمارا فلم کمپنیوں کا سا سلوک نہیں ہونا چاہئے۔ جو بھی آئے اسے ہمارے پاس ضرور بھیجا جائے۔ اگر زیادہ لوگ آ گئے اور وقت کا مسئلہ ہوا تو ہم انہیں پھر آنے کا وقت دیں گے۔"

"خیال رکھیں گا جی۔" عبدل بھائی سر جھکا کر بولے۔

"ایسا عبدل بھائی۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم نے اپنا مقصد آپ کو بتا دیا ہے۔ بس آپ آئندہ اس پر عمل کریں۔ ویسے آپ چاہیں تو ان لوگوں کو بھی طلب کر سکتے ہیں۔"

"شکریہ گولر بھائی۔ بہت بہت شکریہ۔ نہیں تو ہم سخت شرمندہ ہوتے۔" عبدل بھائی نے فہرست کی ایک کاپی جو ان کے سامنے رکھی ہوئی تھی، اس میں سے نام دیکھ کر گھنٹی بجائی۔ باہر کھڑا ہوا اردلی اندر آیا تو "کھونچان کھونچی کو بلاؤ۔" اور اردلی سر جھکا کر چلا گیا۔

"یہ کونسی زبان کا نام ہے عبدل بھائی؟" طالوت نے حیرت سے پوچھا۔

"او جی ہماری زبان کا ہے۔ اس کا کوئی مطلب نہیں ہوتا ہے آپ نے کھشم... ضرور نہیں دیکھی تھی ورنہ آپ یہ بات نہ پوچھتے۔" عبدل بھائی نے کہا۔

"کھشم تصاد۔" طالوت میری طرف دیکھ کر گردن ہلاتے ہوئے۔ "یہ بھی سمجھ میں نہیں آیا۔"

"بہت برا ہوا جب معلوم ہوتا ہے راجہ صاحب۔ کھونچان کھونچی کھشم تصاد نہیں ہوتے تو کام نہیں چلتا۔ آرٹ کا نام ہے اس کا نام جو کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو پھر اس میں کیا خوبی رہ جائے گی۔ یہ نیا ادب معلوم ہوتا ہے۔"

چند لمحات کے بعد کھونچان کھونچی اندر آ گئے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اسے کھونچان کہا جائے یا کھونچی۔ ساڑھے چار فٹ کا قد۔ گھٹنوں تک لمبی شرٹ پہنے ہوئے جس پر رنگ برنگے پھولوں اور حسینہ راؤں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ کوٹ کے کی جیبوں پر پٹے پیروں میں اسٹریپ دار چپل۔ جسامت کے لحاظ سے چہرہ کچھ زیادہ ہی بھرا ہوا تھا۔ پیشانی نہ ہونے کے برابر۔ آنکھوں

سے چھوٹی اور نیلی اسٹائل کے کترے ہوئے بال پڑے تھے اور سر پر ایک پورا گنجا میدان نظر آ رہا تھا۔ ایک ہاتھ میں بریف کیس دوسرے ہاتھ میں وہسکی اسکاچ کی چھوٹی بوتل پکڑے اندر تشریف لائے تھے۔ آتے ہی نوری کے سامنے کی کرسی کھینچی اور بیٹھ گئے۔ پہلے بریف کیس میز پر رکھا پھر بوتل اور پھر میز کی سطح سے سینہ ٹکا کر نوری کی طرف جھکے۔ ان کی آنکھوں میں دیکھتے رہے دیکھتے رہے دیکھتے رہے۔ اور پھر ایک دم پیچھے ہٹے اور اسکاچ کی بوتل کھول کر دو گھونٹ حلق میں انڈیل لئے۔ پھر بوتل کا ڈھکن لگا کر کافی سے بھی زیادہ صاف کئے۔

مجھے اور طالوت کو انہوں نے بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ عبدل بھائی کو وہ کسی قابل نہیں سمجھ رہے تھے جو ان کی طرف متوجہ ہوتے۔ لے دے کے ایک نوری رہ گئی تھی۔ جسے وہ گھور رہے تھے۔ نوری گھبرا کر ہم دونوں کو دیکھنے لگی۔

"پیشانی کی چمک۔" کھونچان کھونچی کی آواز ابھری۔ "ابرو کا خم، ہونٹوں کی مسکان۔ انداز نشست۔ تیرے رخسار تیرے خد و خال کی تحریر ربّ نے جیسے حسینہ۔ تمام خوب مستقبل کے دریچوں میں جھانک لیتے ہیں اور کھونچان چیلنج کرتا ہے کہ تو آرٹ فلمستان کی پیشانی کا جھومر بن جائے گی۔ لیکن اسے کھونچان کا پسینہ درکار ہے۔ تو جانتی ہے تیرے لئے اور تیرے لئے۔ کھونچان ایک ایسی کہانی تخلیق کرے گا جو تخلیقی ہوگی۔ لوگوں پر سحر طاری کر دے گی۔ میں اس سے بڑا خراج تیرے حسن کو نہیں پیش کر سکتا۔"

انہوں نے اسکاچ کی بوتل اٹھائی اور اس کا ڈھکن کھولا۔ لیکن اچانک بوتل اس کے ہاتھ سے پھسل گئی۔ کھونچان اسے پکڑنے کے لئے بری طرح اچھلا تھا، لیکن بوتل اس کے سر پر معلق ہو کر ان کی گود میں گری اور شراب کھونچان کے کھونسلے کو تر کر گئی۔ کھونچان اچھل اچھل کر اسے پکڑ رہا تھا، لیکن بوتل باقاعدہ اس سے مذاق کر رہی تھی اور پھر وہ اس وقت تک اس کے ہاتھ نہ آئی جب تک خالی نہ ہو گئی۔

نوری اور عبدل بھائی پھٹی پھٹی نگاہوں سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ لیکن میں سمجھ رہا تھا کہ طالوت برداشت نہیں کر سکے۔ اس سے گفتگو کرنے کے بجائے انہوں نے ایک شغل اپنا لیا ہے۔

"یہ یہ کیسے ہوا۔ یہ کیسے ہوا۔" کھونچان کھونچی سارے غرور بھول گئے تھے۔ اچانک ان کا بریف کیس میز سے اچھل کر دروازے کی سمت بھاگا۔ "یہ یہ بھی گیا۔" کھونچان اس کی طرف لپکے۔ لیکن خود کار دروازہ خود بخود کھلا

اور بریف کیس منہ زور گھوڑے کی طرح دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ کھونچان کھونچی بھی اس کے ساتھ ہی نکل گئے تھے۔

"عبدل بھائی۔" طالوت نے آواز دی۔ "دوسرے کو بلاؤ۔"

لیکن عبدل بھائی منہ کھولے بیٹھے تھے۔ وہ کبھی دروازے کی طرف دیکھتے، کبھی ہم لوگوں کی طرف۔ ان کی شکل دیکھ کر ہنسی آ رہی تھی۔

"یہ یہ سب کیا تماشا تھا؟" بالآخر نوری نے کہا۔

"کہانی نگار سے زیادہ وہ کوئی شعبدہ باز معلوم ہوتا تھا۔ ہمیں مرعوب کرنے کی کوشش کر کے چلا گیا۔"

"لیکن۔ حلیہ تو اس کا بہت خراب ہو گیا تھا۔ عجیب شعبدہ تھا۔" نوری آہستہ سے بولی۔

"پھر آئے گا داد وصول کرنے۔ شکل ہی سے کمینہ جادوگر معلوم ہوتا تھا۔ عبدل بھائی۔ کوئی اور ہے؟"

"خدا قسم۔ خدا قسم۔ ہمارے کو معلوم نہیں تھا۔ ہمارے کو معلوم نہیں تھا کہ اپنا کھونچان بھائی اتنا پہنچا ہوا بزرگ ہے۔ ہمارے کو آج تک نہیں معلوم تھا۔"

"اب تم اس کے مرید بن جانا۔ یہ بتاؤ باہر اور کون ہے؟" طالوت نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا اور عبدل بھائی نے پھر گھنٹی بجا دی۔ اردلی آیا تو وہ فہرست کا دوسرا نام پڑھ کر بولے۔

"اے منشی پھرتے کو بھیج دو۔"

"منشی فرشتہ۔" طالوت گردن ہلاتے ہوئے بولا اور منشی فرشتہ اندر آ گئے۔ نام فرشتہ تھا، شکل سے شیطان نظر آ رہے تھے۔ پورا منہ اگالدان بنا ہوا تھا۔ دانتوں کو تمباکو نے کھا لیا تھا، کھوکھلے ہو چکے تھے۔ صرف ان کے نشانات باقی رہ گئے تھے جو کتری ہوئی ڈلیاں معلوم ہوتے تھے۔ قدیم دور کی شیروانی اور علیگڑھ کٹ پائجامے میں ملبوس تھے۔ بغل میں فائل دبی ہوئی تھی اور چال میں بڑی نزاکت اور لچک تھی۔ شرماتے ہوئے اندر آئے اور جھک کر کئی سلام کر ڈالے۔

"اللہ اکبر۔" طالوت نے خوش دلی سے کہا۔

"وعلیکم السلام۔ وعلیکم السلام۔ حضور راجہ صاحب۔ وعلیکم السلام۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر مصافحے کے لئے جھکے اور فائل بغل سے نکل کر نیچے گر پڑی۔ مصافحہ بھول کر فائل اٹھانے جھپٹے اور اسے سمیٹنے لگے۔ لیکن شیروانی کی جیب سے پاندان نکل کر نیچے گر پڑا تھا۔ ساعت بھی کمزور تھی اس لئے اللہ اکبر کو السلام علیکم سمجھے تھے اسی لئے جواب دے کر مصافحے کے لئے دوڑ پڑے تھے۔ بھلا ایسے لوگ کہاں ملتے

ہیں جو سلام میں پہل کریں اور پھر نہ جانے کس طرح وہ راجہ صاحب سے واقف بھی ہو گئے تھے۔

بہرحال بمشکل تمام وہ اپنا سامان سمیٹنے میں کامیاب ہوئے۔ اس دوران مصافحہ بھول چکے تھے۔ فائل سمیٹ کر وہ میز کے قریب کھڑے ہو گئے۔

"الحمد للہ۔ دعا گو ہیں آپ کی۔" منشی جی نیاز مندی سے بولے۔

"سبحان اللہ۔ میں نے کہا تشریف رکھیے۔" اس بار طالوت نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ نوری بے ساختہ مسکرا پڑی تھی۔

"اوہ۔ نوازش۔ نوازش۔" منشی فرشتہ کرسی پر بیٹھ گئے۔

"منشی فرشتہ جرا اونچا سنتے ہیں راجہ جی۔ ہو ہو۔" عبدل بھائی بولے۔

"فرمائیے منشی جی۔ کیا لائے ہیں؟" اس بار میں نے اونچی آواز میں کہا۔

"بندہ پروری ہے حضور کی۔ ورنہ خادم کس لائق ہے؟"

"کیا مصیبت ہے" میں نے گردن ہلاتے ہوئے عبدل بھائی کی طرف دیکھا اور عبدل بھائی اپنی کرسی کھسکا کر منشی جی کے قریب پہنچ گئے۔

"اے منشی جی۔ یہ سمجھ پھر گیا ہے تمہارا۔ اے یہ تمہارا سننے والا آلہ کدھر ہے اور کچھ بات کرتے کا تم؟" منشی جی سوالیہ انداز میں عبدل بھائی کو دیکھ رہے تھے پھر وہ طالوت کی طرف جھک کر رازدارانہ انداز میں بولے۔

"کیا کہہ رہے ہیں عبدل بھائی؟"

اور نوری قہقہہ ضبط نہ کر سکی۔ وہ بری طرح ہنس پڑی۔ میں اور طالوت بھی ہنسی نہ روک سکے تھے۔

"آپ ساعت کے بارے میں پوچھ رہے ہیں؟" میں نے چیخ کر کہا۔

"محبت۔" منشی جی مسکرا کر بولے "ضرور۔ محبت کے بغیر کوئی کہانی مکمل نہیں ہوتی۔ میری کہانی میں محبت کا سمندر موجزن ہے۔ ایک پاکیزہ داستان۔ ہم وہ پڑھتے ہوتی تھی۔ اس نے دنیا کو بہت پیچھے رہ کر دیکھا تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ گاؤں کا سب سے بڑا زمیندار۔ لاکھوں روپے کی جائیداد کا مالک۔ سب جو اس کے قدموں پر قربان کر دے گا۔ لیکن معاشرہ اس دھوئن کو کیسے قبول کر سکتا تھا۔ دولت کی پابندیوں نے دلوں کے اصولوں کو کب تسلیم کیا ہے۔

انہیں یہ نہیں معلوم کہ وہ تصنیف کیوں ہوتی ہیں جو آج تک ہوتی ہیں۔ انسان نقادوں کے اندر کب پہنچتی ہیں۔"

"ارے... کیسی کی ہیں اسے منشی جی کاٹنے کو دوڑے گا۔" عبدل بھائی دانت پیس کر بولے۔

"منشی واقعات پر مشتمل پاکیزہ کہانی ہے۔ محبت کے جذبات سے عاری۔"

"ورنی تمہارا تو اور سر ہے۔ چلو" عبدل بھائی منشی جی کا بازو پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے بولے اور منشی جی نے تعجب سے انہیں دیکھا۔

"پتہ نہیں کون ہیں۔ نہیں جانتا ہوں۔"

"بہت اچھا بابا۔ خدا تم پر رحم کرے اور یہ دن ہم تم سب کو بھی نصیب کرے گا۔" عبدل بھائی منشی جی کو کھینچ کر اٹھاتے ہوئے بولے اور منشی جی کھڑے ہو گئے۔

"تو حضور خیال رکھئے۔ خدا حافظ۔" منشی جی پھر مصافحہ کرنے لگے لیکن عبدل بھائی نے ان کا گریبان پکڑ لیا تھا۔ اب منشی جی مصافحہ کرنے کے لئے زور لگا رہے تھے اور عبدل بھائی انہیں باہر نکالنے کے لئے پیچھے سے کھینچ رہے تھے۔ جب دونوں میں سے کوئی بھی کامیاب نہ ہوا تو منشی جی نے مسکراتے ہوئے عبدل بھائی کی طرف دیکھا۔

"بڑے شریف النفس ہیں آپ عبدل بھائی۔" وہ شرماتے ہوئے انداز میں بولے۔

"اے شریف کا بچہ کاٹ کھاؤں گا تجھے۔ چل نکل باہر۔ کیا سمجھ رکھا ہے۔" بالآخر عبدل بھائی منشی فرشتہ کو باہر کھینچ لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ انہیں دروازے کے باہر تک چھوڑ کر آئے تھے۔ نوری ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئی تھی۔ میں اور طالوت بھی بے تحاشا ہنس رہے تھے۔

لیکن عبدل بھائی باقاعدہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے۔ باہر منشی جی کی آوازیں آ رہی تھیں۔ شاید منشی جی کو اپنی توہین کا احساس ہو گیا تھا۔ پھر زور سے دروازہ کھلا۔ اور ایک نئی شکل نظر آئی۔ لیکن دوسرے لمحے اسے کسی نے باہر کھینچ لیا۔ اس کے بعد عبدل بھائی نے اندر گھسنے کی کوشش کی۔ لیکن انہیں بھی باہر کھینچ لیا گیا تھا اور اس کے بعد پھر وہی شکل اندر گھس آئی۔ اس کے پیچھے عبدل بھائی اور چند آدمی اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے دونوں طرف سے اس نئے آدمی کو پکڑ لیا۔

"میں تیرے کو بتا دوں گا اور نہیں آنے دوں گا۔ چہرہ نوچ کاٹ کر کھا جاؤں گا۔" عبدل بھائی ہانپتے ہوئے بولا۔

"یہ بات ہے عبدل بھائی؟" طالوت نے پوچھا۔

"حضور۔ میں ایک انقلابی ادیب ہوں۔ انقلابی کہانیاں لکھتا ہوں اور خود بھی انقلاب کا شکار ہوں۔ یہ سماج کے نچلے درجے پر ظالم سرمایہ دار کسی غریب کو ابھرنے نہیں دیتے۔ میرا داخلہ بند کیا جا رہا ہے۔ جب کہ میں بھی اپنی کہانی آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"اسے تو تیرے باپ نے منع کر دیا۔ چل اپنا پاری آنے دے بھائی۔" عبدل بھائی بولے۔

"تم پیچھے سے ہٹا ہے۔ ماننے سے نہیں۔ میں انقلاب ہوں اور انسان صدیوں سے انتظار کر رہا ہے اور صدیوں تک انتظار کرتا رہے گا۔ لیکن انقلاب کبھی ختم نہیں ہوگا۔ میری ہر کہانی کا کام انتظار رہتی ہے۔"

"چھوڑ دو عبدل بھائی۔ اسے چھوڑ دو۔" طالوت نے کہا۔

"شکریہ جناب۔ فرمائیے۔ آپ کا کیا خیال ہے انقلابی حیثیت کے حامل لوگ محلوں اور کوٹھیوں کی باتیں کرتے ہیں؟ کاخوں میں بیٹھے ہیں۔ کلوں اور فرعونوں کی باتیں کرتے ہیں۔ میں نے ایک نانبائی کے مسائل پیش کئے ہیں۔ نانبائی کی بات وہ تیس سال کا ایک بانکا جوان تھا۔ تندور پر روٹیاں پکاتا تھا۔ گرمی ہو، سردی ہو، برسات ہو۔ بھری دنیا میں تنہا تھا۔ تب اس کی زندگی میں بھی گھٹا گئی۔ چیتھڑوں میں ملبوس ایک شرمیلی بھکارن۔ اس نے ہاتھ پھیلایا اور نوجوان نے اپنا دل نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ وہ سب سمجھ گیا۔ اسے دنیا کی خبر نہ رہی اور وہ بھکارن کی بھیگی محبت میں ڈوب کر گاتے ہوئے۔"

"یہ نیڈیا مارا ہے خدا قسم اسے بابا۔ تندور میں تو روٹیاں جل گئی ہوں گی۔ اس کا جرمانہ کون دے گا۔" عبدل بھائی طنزیہ انداز میں بولے۔

"عشق دیوانہ کسی نقصان کی پرواہ کب کرتا ہے عبدل بھائی۔ سنئے تو۔"

"ایک منٹ۔ ایک منٹ۔" طالوت ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا محترم؟"

"خادم کو مجنوں پہلوان کہتے ہیں۔ ہاں تو۔ نوجوان نانبائی۔"

"اے بھائی۔ نانبائی نہیں چلے گا۔" عبدل بھائی نے دخل دیا۔

"کیسے نہیں چلے گا۔ تم لوگ بھی سب اعتبار سے انسان کی فطرت پر دباؤ نہیں ڈال سکتے۔ عشق ایک انقلابی حقیقت







ہے اور انقلاب دبائے نہیں دبائے جاتے۔ سمجھیں اس کی زندگی بن گئی تھی۔ بھکارن۔ بھوکی تھی۔ وہ پیٹ بھرنا چاہتی تھی اور عشق سے پیٹ نہیں بھرتا۔"

"بکواس۔ کہاں کا عشق؟ بجگن۔ یہ بات غلط ہے۔ ہم جب کریم بھائی کی اماں سے ملا عشق کیا تو ہم نے دس دن تک کھانے پینے کا کوئی پرواہ نہیں تھا۔" عبدل بھائی نے دخل دیا۔

"بکواس۔ پیٹ ایک انقلابی حقیقت ہے۔ بھوک ہر جذبے کو فنا کر دیتی ہے۔" مجنوں پہلوان غمزدہ انداز میں بولے۔ "اور جب بھکارن نے اسے اپنا پیٹ کھول کر دکھایا تو نانبائی کا دل لرز کر رہ گیا۔ وہ اس کی محبوبہ بھوکی تھی۔"

"کٹ۔ کٹ۔ یہ سین سنسر اڑا دے گا۔ تیس مار آپ نے یار۔ پھلم ڈبے میں بند کرائیں گے۔" عبدل بھائی چیخے۔

"نہیں کاٹ سکے گا۔ تم کب تک بھوک چھپاتے رہو گے۔ ایک دن یہ اس زور سے ابھرے گی کہ انسان انسان کو کھانا شروع کر دے گا۔ بھوک کی شکل کو نوٹوں سے بجھا نہ پاؤ گے۔ جیل بھیجو گے جیل کو جلا دے گی۔" مجنوں پہلوان کمر ہلاتے ہوئے بولے۔

"معاف کیجئے گا مجنوں پہلوان۔ کیا آپ ناشتہ کر چکے ہیں؟"

"جی؟" مجنوں پہلوان ایک دم چپ ہو گئے۔ پھر شرماتے ہوئے لہجے میں بولے "کر لوں گا جی۔"

"عبدل بھائی۔" طالوت نے عبدل بھائی کو مخاطب کیا۔

"جی سرکار۔" عبدل بھائی جلدی سے بولے۔

"آپ ایسا کریں۔ سامنے والے ریستوران میں لے جا کر مجنوں صاحب کو ناشتہ کرائیں۔ اور باقی لوگوں سے معذرت کر لیں۔ ہم ذرا آپس میں تبادلہ خیال کریں گے۔" طالوت نے کہا۔

"بہت اچھا حضور۔" عبدل بھائی نے کہا اور مجنوں پہلوان نیازمندی سے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

"خدا کی پناہ۔" نوری نے ہنستے ہوئے سر پکڑ لیا۔ میں اور طالوت ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔

"تم تو اس ماحول سے واقف ہو گی نوری؟" طالوت نے کہا۔

"اس حد تک نہیں تھی۔ میں نے ان لوگوں کو قریب سے نہیں دیکھا۔"

"پتہ نہیں باقی جانے پر تیار ہیں یا نہیں۔"

"نہ گئے تو بہت بری طرح پیش آؤں گا۔" طالوت جھنجھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"دیکھ تو لو۔" میں نے کہا اور طالوت کرسی سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔ باہر کوئی ہنگامہ ہو گیا تھا۔ شاید مصنفین نے عبدل بھائی کی اطلاع مان لی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے۔" طالوت ایک گہری سانس لے کر واپس آ گیا اور پھر جب وہ کرسی پر بیٹھ گیا تو میں نے کہا۔

"مگر اب کہانی کا کیا ہوگا؟"

"میں آپ کی اس بات سے متفق ہوں سلیم بھائی۔" نوری نے کہا۔

"کون سی بات؟"

"ہم کسی غیر معروف ادیب سے کہانی لیں گے جو کہ نہ تو مشہور ہو۔"

"قصور ان لوگوں کا بھی نہیں ہے نوری۔ بہرحال یہ اہل قلم ہیں لیکن۔ دولت خرچ کرنے والے دنیا کے سب سے بڑے عقلمند ہوتے ہیں۔ وہی منصب اور موزوں ہوتے ہیں جو وہ سوچتے ہیں۔ ان کے قلم پر انہیں کی سوچ مسلط ہوتی ہے یہاں تک کہ ایک دن وہ خود سوچنے لگتے ہیں کہ ان کا ادب بیکار شے ہے۔ کار آمد وہی ہے جو سیٹھ لوگ پسند کرتے ہیں۔"

"بہرحال کہانی مل جائے گی۔ اصل مقصد تو اس لائن کے لوگوں سے ملاقات تھی۔ درحقیقت بڑے بڑے تماشے ہوتے ہیں۔ ابھی تو اور بھی شعبے باقی ہیں۔ ان میں بھی نایاب انسانوں سے ملاقات ہوگی۔" طالوت نے کہا۔

اور اس کا یہ خیال درست تھا۔ کہانی کی تلاش جاری رہی اور اخبارات میں اشتہار بھی نکلتے رہے۔

اور تھوڑے دن کے بعد ہمیں تسلیم کرنا پڑا کہ ان لوگوں سے نمٹنا بڑے جان جوکھوں کا کام ہے۔ ہر شخص اپنے فن میں یکتا۔ ہیرو ہیروئنیں، ولن اور نہ جانے کون کون حضرات آ رہے تھے۔ دفتر میں اداکاری کے مظاہرے ہوتے اور روزانہ تماشا دیکھتے میں آتا۔ ایک خاتون تو طالوت پر مر ہی مٹیں۔ ان کا نام نجمہ تھا۔ اچھا راستہ اختیار کیا تھا۔ فلم میں کام کرنے آئی تھیں لیکن طالوت پر جال پھینکنا شروع کر دیا تھا۔

"سنبھلو طالوت، میرا خیال ہے اس لائن کے کسی فرد کے چکر میں آنے تو تمہیں الجھنیں پیش آ جائیں گی۔" ایک دن میں نے کہا۔

"بہرحال۔ ہمیں ہیروئن کی ضرورت تو ہے۔"

"تم جانتی ہو؟"
"ہاں جانتی ہوں۔ خوبصورت لڑکی ہے۔"
"اسے کوئی رول دے دو تو جاؤ گے۔"
"میں نے حدود مقرر کر دی ہیں۔" طالوت نے جواب دیا۔
"ٹھیک ہے تمہاری مرضی۔" کمال نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

پھر ایک اور دلچسپ دن آیا۔ آج ہیرو کا انتخاب کرنا تھا۔ چنانچہ ہم سب تیار بیٹھے تھے۔ ہیرو حضرات باہر انٹرویو کے لئے بیٹھے تھے۔ فلم انڈسٹری کے نامور ہیرو تو اس طرح انٹرویو میں آنا پسند نہیں کرتے تھے ان کی بات اور [illegible] الحمد اللہ خوب چل رہی تھی۔ ہاں وہ لوگ جو ہیرو بننے کے آرزومند تھے آ گئے تھے عبدل بھائی اب ہم سے پورا پورا تعاون کر رہے تھے۔ وہ ہم سے متفق ہو گئے تھے کہ باہر سے لوگوں کو ہیرو بنا کر کام شروع کیا جائے۔ چنانچہ اس وقت وہ بھی تیار بیٹھے تھے۔ پہلے ہی امیدوار کو طلب کیا گیا تھا۔ عبدل بھائی نے گھنٹی بجائی۔ اور دروازے سے ایک بانکے چھبیلے اندر آ گئے۔ بالوں میں خوب تیل چپڑا ہوا تھا۔ سینہ چھتیس انچ کمر اٹھائیس انچ قد ساڑھے پانچ فٹ گول مٹول ہونٹ دانت پیلے سرخ رنگ کی شرٹ اور سبز پتلون پہنے چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں جوانی کا خمار لیے لچکتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔

"خادم کو فرہاد راہی کہتے ہیں۔" انہوں نے اپنا تعارف کرایا۔
"اس سے قبل کسی فلم میں کام کیا ہے؟" طالوت نے پوچھا۔
"جی ہاں۔"
"کونسا رول ادا کیا ہے؟"
"جی۔ وہ۔ بس ایک فلم میں ہیرو کا بیٹا بنا ہوں اور اس کے بعد۔"
"اس کے بعد کیا؟" طالوت نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔
"پھر چانس نہیں ملا۔ لیکن یہ میرے پاس تصویریں ہیں۔ دیکھئے۔ میں نے ان میں اداکاری کے جوہر دکھائے ہیں۔" انہوں نے جیب سے ایک پوٹلی نکال کر سامنے رکھ دی اور تصویریں بکھر گئیں۔ ان تصویروں میں موصوف ہاتھ میں گنڈاسا لئے نظر آ رہے تھے۔ کسی میں [illegible] بنائے ہوئے تھے۔ کسی میں پستول [illegible] آزما رہے تھے۔

"[illegible] میں ہیں۔" طالوت نے کہا۔
"جی بس۔ ایک دفعہ چانس دے دیجئے اور پھر دیکھئے۔" وہ گڑگڑاتے ہوئے بولے۔ "تصویریں اٹھاؤ۔" طالوت گرجا اور انہوں نے جلدی جلدی تصویریں سمیٹنا شروع کر دیں۔ پھر انہیں پوٹلی میں باندھنے لگے۔
"تو پھر کیا فیصلہ کیا حضور نے؟"
"فیصلہ یہ ہے کہ اگر تم دو منٹ کے اندر اندر عمارت سے نہ نکل گئے تو تمہاری ہڈی پسلی ایک ہو جائے گی۔" طالوت [illegible] ہوئے بولا۔
"اوہ آپ بہت ظالم ہیں۔ مذاق فرما رہے ہیں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا لیکن طالوت کرسی سے اٹھ کر ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔
"ارے ہو گیا بابا۔ چلے جاتے ہیں۔" [illegible] اور ہیرو بننے آیا ہے۔ جوڑتا یار۔" عبدل بھائی کھڑے ہو گئے لیکن فرہاد راہی [illegible] سے واقف ہو گئے تھے اس لئے تیزی سے دروازے کی طرف بڑھے۔ "دیکھئے اگر کوئی چانس ہو تو۔"
"اب جاتے ہو کہ نہیں۔" طالوت اس کی طرف جھپٹا اور فرہاد جلدی سے باہر نکل گیا۔ "کیا سب ایسے ہی ہیں عبدل بھائی؟" طالوت نے مایوسی سے پوچھا۔
"نہیں راجا صاحب۔ بہت سے فرسٹ کلاس چھوکرے ہیں۔"
"تو پھر یوں کرو آپ باہر جا کر پسند کا انتخاب کریں اور صرف انہیں میرے پاس بھیجیں۔"
"جو حکم حضور۔" عبدل بھائی نے کہا اور باہر نکل گئے۔ ان کے ساتھ آنے والا ایک معقول شکل و صورت کا آدمی تھا۔ لیکن لباس اس کا بھی نامعقول تھا۔
"جاوید سعید روفی۔" اس نے اپنا تعارف کرایا۔
"ماشاء اللہ آپ کو تین ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ آپ ایک نام سے کام نہیں چلا سکتے جاوید صاحب؟" طالوت نے مسکراتے انداز میں کہا۔
"جاوید میرا نام ہے جناب۔ سعید والد صاحب کا نام اور روفی میرا تخلص۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اداکاری کس نام سے کریں گے؟"
"میرے دوست مجھے مستانہ کہتے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو یہ نام اختیار کر سکتا ہوں۔"
"خوب۔ اداکاری آتی ہے آپ کو؟" اور اس سوال کے ساتھ ہی مستانہ صاحب کی طبیعت خراب ہو گئی۔ ایک دم



سے انہوں نے گھٹنا زمین پر ٹکایا ایک ہاتھ سینے پر رکھا اور نوری کی طرف دیکھ کر بولے۔
"چمپا۔ آہ چمپا۔ مجھے ان آنکھوں سے نہ دیکھ۔ ہاں میں نے جرم محبت کیا ہے۔ ہاں میں نے پیار کیا ہے۔ اگر تو میرے پیار کو پیار سمجھے تو مجھے پیار کی ہر سزا قبول ہے۔ چمپا۔ چمپا۔ تجھے کیا معلوم دیوانی میری راتوں کا سکون برباد ہو گیا۔ ہر وقت تو نگاہوں کے سامنے رہتی ہی ہے چمپا۔ میں مر جاؤں گا۔ میں مر جاؤں گا چمپا۔ میں مر جاؤں گا چمپا۔" انہوں نے چیخ مار کر کہا۔ اور نوری کے بالکل قریب پہنچ گئے اور پھر انہوں نے اس کا ہاتھ بھی پکڑنے کی کوشش کی۔ لیکن دوسرے لمحے نوری نے سامنے رکھا قلمدان ان کے سر پر دے مارا تھا۔ جاوید سعید روفی عرف مستانہ صاحب سنبھل گئے۔ قلمدان کی سیاہی نے ان کے رخ پر نور کو [illegible] کر دیا تھا۔
"آئی۔ آئی ایم سوری۔ مم میڈم۔ یہ۔ یہ اداکاری تھی۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولے۔
"گٹ آؤٹ!" طالوت چیخا۔
"مم میرا خیال ہے۔" مستانہ صاحب ہکلانے لگے۔
"گٹ آؤٹ!" طالوت حلق پھاڑ کر چیخا۔
"اوہ۔ آپ۔ آپ لوگ آرٹسٹ کی قدر نہیں کرتے۔ بہت بڑے خسارے میں رہیں گے آپ۔ ایک دن۔ ایک دن میں آسمانِ فلم پر ستارہ بن کر جگمگاؤں گا۔ اور وہ وقت۔ وہ وقت دور نہیں ہے۔" وہ شرافت سے باہر نکل گیا۔
"عبدل بھائی۔" طالوت نے تھکے تھکے انداز میں پکارا۔
"حضور۔ سرکار!"
"اس سے بھی معقول آدمی کوئی اور ہے؟"
"دو آدمی اور بیٹھے ہیں حضور۔"
"دونوں کو ایک ساتھ بلاؤ۔" طالوت نے تھکے تھکے انداز میں کہا اور عبدل بھائی پھر باہر نکل گئے اور پھر وہ باہر بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں کو ساتھ لے کر اندر آ گئے۔
ان میں ایک زنانی شکل لیکن اچھے تن و توش کا آدمی تھا۔ دوسرا دراز قد چھریرے بدن کا ایک خوبصورت نوجوان تھا اور اسے دیکھ کر طالوت چونک پڑا۔ پہلی بار ایک معقول شکل نظر آئی تھی۔ اس کا لباس بھی سادہ تھا۔ سفید معمولی پتلون۔ سفید قمیص۔ چہرہ بھی سادہ۔ عمر اٹھائیس سال سے زیادہ نہ ہو گی۔
"تشریف رکھئے۔" طالوت نے دونوں کو اشارہ کیا اور

پھر زنانی شکل والے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "آپ کا نام؟"
"دلاور۔" اس نے بھاری آواز میں جواب دیا۔
"اس سے پہلے کسی فلم میں کام کیا ہے؟"
"او نہیں جی۔ پر اپنا فلموں میں کام کرنے کا بہت شوق رکھتے ہیں۔ اداکاری بھی جانتے ہیں۔ مارکٹائی کی فلموں کے لئے بہت فٹ ہیں۔ جوڈو بھی جانتے ہیں۔"
"خوب۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔ "لیکن ہماری فلم مارکٹائی والی نہیں ہے۔ وہ سوشل فلم ہے۔"
"اپن رونے پیٹنے میں بھی ایکسپرٹ ہے۔ اگر آپ بولو تو اداکاری کر کے دکھائیں؟" اس نے کہا۔
"دکھائیے!" طالوت نے کہا اور وہ ایک دم کرسی سے اٹھ گیا۔ اس کے چہرے کے زاویے بدلنے لگے۔ منہ ٹیڑھا ہو گیا اور وہ تیز تیز رونے کے سے انداز میں بولا۔
"مگر۔ اگر یہی لکھا تھا۔ تو میری زندگی میں کیوں آئی تھیں؟ بولو جواب دو۔ میں زندگی کا بوجھ لئے کہاں پھروں۔ خدا کے لئے۔ اپنے ہاتھوں سے مجھے زہر دے دو۔ میں مرنا چاہتا ہوں۔ میں مرنا چاہتا ہوں۔" اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔
نوری پھر ہنس پڑی تھی۔
"دوسرا ایکشن۔" اس نے اعلان کیا۔ "[illegible] سامنے آ جاتا ہے تو [illegible] ہا ہا ہا۔" اس نے ولن کے ڈائیلاگ شروع کر دیئے۔ "ہا۔ ہا۔ ہا۔" اس نے لپک کر کرسی پر بیٹھے ہوئے دوسرے نوجوان کی گردن پکڑ لی اور وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ جوڈو ماسٹر نے اس کے بازو پکڑ کر کھینچنے کی کوشش کی۔ لیکن دوسرے نوجوان نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر ایک زوردار دھکا دیا اور جوڈو ماسٹر چاروں شانے چت جا گرا۔ وہ سرخ ہو گیا۔ "سوری ماسٹر۔ اپن چوک بھی ہو سکتا ہے صاحب۔ آہ۔" وہ کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا۔
"خوب خوب۔ ٹھیک ہے۔ کافی ہے۔ بس اب جاؤ۔ اگر تمہارا سلیکشن ہو گیا تو اطلاع دے دی جائے گی۔" طالوت نے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔
"اوکے۔ ٹھیک ہے۔ لیکن ذرا خیال رکھیں۔" اس نے نہایت شرافت سے کہا اور پیر پٹختا ہوا باہر چلا گیا۔ تب انہوں نے آخری نوجوان کی جانب دیکھا۔ "آپ کا نام؟" طالوت نے پوچھا۔
"جی۔ مجھے [illegible] کہتے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"اداکاری کا شوق کب سے ہے آپ کو؟" طالوت نے پوچھا۔

"پیدائش کے فوراً بعد سے۔ جب ماں سے دودھ مانگنے کے لئے رونے کی اداکاری کی اور کامیاب رہا۔ اس کے بعد جوں جوں زندگی کی منزلیں طے کرتا رہا، تقاضے نایاب ہوتے گئے اور اداکاری آتی گئی۔ کیونکہ اس کے بغیر زندگی نامکمل رہتی ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تعلیم یافتہ معلوم ہوتے ہو؟"

"جی ہاں۔ بی اے تک پڑھا ہے۔"

"خوب۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ ایک کامیاب اداکار بن سکیں گے؟"

"جی نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"کامیاب اداکار ہوتا تو اب تک شہرت مل گئی ہوتی۔ میں لوگوں کو اپنی پریشانی، اپنی ضرورت، اپنی قابلیت کا یقین دلانے میں بھی کامیاب نہیں ہوا۔"

"خوب۔ پھر فلمی دنیا میں آپ کو کامیابی کا یقین کیوں ہے؟" طالوت نے دلچسپی سے پوچھا۔

"یقین نہیں ہے لیکن کوشش کرنے میں حرج نہیں سمجھتا۔ پولیس نے مجھے باقاعدہ ڈرائیونگ لائسنس دیا ہے اور اس کے حصول کے لئے میں نے ایک پیسہ بھی رشوت نہیں دی۔ اس کے علاوہ ہر قسم کے ٹرائل دے سکتا ہوں۔ ایمانداری سے کام کروں گا۔ پٹرول چرانے کی عادت قطعی نہیں ہے۔ جو بھی تنخواہ دے گی اس پر اعتراض نہیں کروں گا۔ اگر اس معیار پر پورا اتروں تو آپ مجھے ٹیسٹ کر سکتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"کیا مطلب۔ کیا مطلب ہوا اس بات کا؟" طالوت نے حیرت سے پوچھا۔

"حالات سے آپ کی غلط فہمی کا اندازہ ہو گیا ہے۔ لیکن میں یاد دلا دوں کہ آپ نے ڈرائیور کے لئے بھی اشتہار دیا ہے۔ اگر کوئی خوش نصیب منتخب ہو چکا ہے تو وقت خراب کرنے کی معافی چاہتا ہوں۔"

"ارے۔" ہم سب کی زبان سے بیک وقت نکلا۔ درحقیقت ہم نے ڈرائیور کی ضرورت کا بھی اشتہار دیا تھا اور ابھی تک کوئی ڈرائیور بھی نہیں رکھا تھا۔

"تو۔ تو آپ ہیرو بننے نہیں آئے؟" طالوت بولا۔

"قدم قدم پر زندگی سے ہارنے والے ہیرو نہیں ہوتے۔ میں تو ڈرائیور ہوں۔"

"سوری محمود صاحب۔ آپ نے دیکھا کہ یہاں بے شمار ہیرو آئے تھے۔"

"جی ہاں۔ اور غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی کہ میں بھی وہی ہوں۔ میری شکل ہی کچھ ایسی ہے۔" محمود ہنستے ہوئے بولا۔ اور نوری بھی بے ساختہ ہنس پڑی۔

"ٹھیک ہے محمود صاحب۔ آپ اپنا لائسنس دکھا سکیں گے؟" طالوت نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" محمود نے اپنے کاغذات طالوت کے سامنے پیش کر دیئے۔

"کیا تنخواہ قبول کریں گے آپ؟"

"کم بھی ہوئی تو لے لوں گا۔ آپ کی پسند مقدم ہوگی کیونکہ سخت ضرورت مند ہوں۔" اس نے کہا۔

"آپ کے والدین حیات ہیں؟"

"خدا کے فضل سے۔ والدین موجود ہیں اور ایک چھوٹی بہن بھی۔"

"کہاں قیام ہے؟"

"ایک معمولی سی بستی میں۔ لیکن وقت کی پابندی کا خیال رکھوں گا۔" محمود نے جواب دیا۔

"جو تنخواہ ہم دیں گے اس پر اعتراض تو نہیں کریں گے؟"

"قطعی نہیں۔"

"وعدہ؟"

"جی ہاں۔ وعدہ۔" محمود نے جواب دیا۔

"تب آپ کی ملازمت کل سے شروع۔ نور النساء خاتون کی اجازت سے آپ کی تنخواہ فی الحال ایک ہزار روپے ماہوار مقرر کی گئی ہے۔ آپ کے گھر کے دوسرے اخراجات بذمہ کمپنی۔ وعدے کی پابندی شرط ہے۔ کمپنی آپ کے لباس اور دوسرے اخراجات کی ذمہ دار ہوگی۔ ہاں ایک رعایت آپ سے طلب کی جا سکتی ہے۔"

"جی۔" محمود حیرت سے بولا۔ ایک ہزار اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھے۔

"اگر ضرورت پڑی تو آپ سے دفتر کا کچھ کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں ایک ہزار الگ سے اور ہم اپنے اصول کے مطابق ملازموں کو دو ماہ کی تنخواہ بطور [illegible] بطور ایڈوانس ادا کرتے ہیں تاکہ ملازمت پکی سمجھی جائے۔"

محمود کی زبان بند ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے



پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ اس انداز میں ہم لوگوں کو دیکھنے لگا تھا جیسے سمجھ رہا ہو کہ ہم اس کا مذاق اڑا رہے ہیں اور اس نے بمشکل تمام یہ سوال کر ہی دیا۔ "کیا۔ کیا آپ مذاق کر رہے ہیں جناب؟"

"کیوں۔ آپ کو اس میں مذاق کی کونسی بات نظر آئی؟" میں نے سوال کیا۔

"ڈرائیور کی تنخواہ ایک ہزار۔ اور۔ اور۔"

"منیجر صاحب" طالوت نے زور سے کہا۔ "ان صاحب کو ایگریمنٹ تیار کرا کر دے دیں۔ ہم ان سے پانچ سال کا ایگریمنٹ کرنے کو تیار ہیں۔"

"جو حکم رانا صاحب۔" عبدل بھائی سیٹ سے اٹھتے ہوئے بولے۔

"لیکن جناب۔ میرا مطلب ہے۔"

"اگر آپ کو ایک ہزار روپے زیادہ لگ رہے ہیں تو معاف کیجئے مسٹر محمود اس سے کم تنخواہ پر ہم آپ کو رکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ آپ کو پورے دو ہزار روپے ماہوار ملتے ہوں گے۔ باقی اخراجات بھی ہماری مرضی کے مطابق ہوں گے۔ دراصل یہ رانا صاحب کی پوزیشن کا سوال ہے۔ ہمارے ہاں کام کرنے والوں کو بھی معمولی نہیں ہونا چاہئے۔"

"بہتر جناب۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" بالآخر محمود نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"تب پھر ہماری طرف سے مبارکباد قبول فرمایئے محمود صاحب۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا اور خود آگے بڑھ کر محمود سے مصافحہ کیا۔ پھر اس کے لئے کافی وغیرہ منگوائی گئی۔ اس کے ساتھ کچھ دوسرے لوازمات بھی تھے۔ نوری کافی بنانے کے لئے اٹھی تھی۔ لیکن محمود جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"مجھے اجازت دیجئے جناب۔ کافی میں بناتا ہوں۔"

"بری عادت ہے مسٹر محمود۔ یہ لڑکیوں کا شوق ہے تو دیجئے۔" طالوت نے کہا اور محمود جھینپ گیا۔

"میرا مطلب ہے۔ یہ کیوں تکلیف کریں گی۔"

"ان کا نام باس نہیں نور ہے۔ آپ ازراہ احترام مس نور کہہ سکتے ہیں۔ ویسے کافی بنانا لڑکیوں کا کام ہے اور یہاں ان کے علاوہ اور کوئی لڑکی نہیں ہے اس لئے یہ کام یہی کریں گی۔ کیوں نور؟"

"یقیناً۔" نوری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پھر اس نے کافی بنا کر سب سے پہلے بڑے احترام سے محمود کو پیش کی۔ پھر دوسرے لوگوں کو اور پھر ایک کپ وہ خود لے کر بیٹھ گئی۔ محمود کسی حد تک سنبھل گیا تھا۔ وہ کافی کے سپ لیتے ہوئے بار بار ان لوگوں کی شکلیں دیکھنے لگتا تھا۔ اس کے ہونٹ اس انداز میں کھلتے جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو۔ پھر بند ہو جاتے تھے۔

"کیا آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں مسٹر محمود؟" طالوت نے پوچھا۔

"جی۔" اس نے گہری سانس لی۔

"تو کہئے۔"

"کیا مجھے آپ کے بارے میں کچھ کہنے کی اجازت ہے؟"

"توصیفی کلمات ہیں؟"

"جی ہاں۔" محمود مسکراتے ہوئے بولا۔

"تب پھر ان کی تنخواہ آپ کو الگ سے قبول کرنی پڑے گی۔" طالوت دھمکی دینے والے انداز میں بولا اور محمود ہنس پڑا۔ اس کے انداز میں بے بسی خوشی اور حیرت شامل تھی۔

"مسٹر محمود۔ آپ کو ڈرائیوروں جیسی کوئی حرکت کرنے کی اجازت نہیں۔ مثلاً آپ نور کے لئے کار کا دروازہ بھی نہیں کھولیں گے کیونکہ ان کے بھی ہاتھ موجود ہیں۔ ہم لوگوں کے لئے ذاتی کام کرنے کو نہیں ہیں۔ ہم سب صرف اپنا کام انجام دینے کے قائل ہیں۔"

"جی۔" محمود کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی۔ جسے دوسرے لوگوں نے محسوس کر لیا تھا۔

اتنی دیر میں عبدل بھائی آ گئے۔ انہوں نے ایگریمنٹ اور دو ہزار روپے محمود کے ہاتھ میں پکڑا دیئے تھے۔ تب طالوت نے کوٹھی کا پتہ دیتے ہوئے کہا۔

"کل صبح نو بجے اس پتے پر پہنچ جائیں۔ آپ صرف نور کو لے کر آفس آئیں گے اور اس کے بعد آفس میں بیٹھیں گے۔"

"بہت بہتر۔" محمود نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ اگر جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں۔" طالوت نے کہا اور محمود کھڑا ہو گیا۔ اس نے سلام کیا اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

"مسٹر محمود۔" طالوت اچانک بولا۔

"جناب۔"

"بد اخلاقی کی اجازت نہیں ہے۔ آپ کو ہم سے مصافحہ کر کے رخصت ہونا چاہئے۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا اور محمود نے جھینپے ہوئے انداز میں پہلے طالوت سے اور عبدل بھائی سے مصافحہ کیا۔ نوری کو سلام کیا اور باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد کئی منٹ تک خاموشی رہی۔ پھر طالوت نے میری طرف دیکھا۔

"کیا خیال ہے سلیم؟"

"ویل ڈن۔" میں نے مستعدی سے کہا۔ نوری اور عبدل بھائی دونوں ان الفاظ کو نہیں سمجھ سکے تھے۔

فلمی دنیا کے ہنگاموں میں خوب گزر رہی تھی۔ طرح طرح کے جال میری اور طالوت کی طرف آتے تھے۔ سب جانتے تھے کہ ہم ہی اس کمپنی کے روح رواں ہیں۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے ہمیں متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ جال حسین لڑکیوں پر مشتمل تھے۔ لیکن اب تو طالوت ہی پیچیدہ ذہن کا مالک تھا اور میری تو بات ہی دوسری تھی۔ میں کب کسی کے فریب میں آنے والا تھا۔ چنانچہ بعض اوقات ہم نے لوگوں کی کوششوں سے فائدہ بھی اٹھایا تھا۔ لیکن نوری کا خیال ہم دونوں رکھتے تھے۔ ان کی نگاہوں میں اپنا کردار خراب نہیں کرنا چاہتے تھے۔

اپنے محمود صاحب بھی خوب تھے۔ نہایت خوش مزاج اور بذلہ سنج آدمی تھے۔ ابتدا میں حیرت کا شکار رہے بھلا ہم کروڑ پتی لوگوں سے کیسے بے تکلف ہو سکتے تھے۔ لیکن کمال تھے۔ یہاں تو کسی میں دولت کی خو بو تک نہیں تھی۔ نوری تھی تو نہایت سادہ مزاج رہ گئے میں اور طالوت۔ تو ہمارے بارے میں آپ خوب جانتے ہیں۔ چنانچہ محمود صاحب کو کھلنا ہی پڑا۔ اب وہ بے تکلف الفاظ اور مہذب انداز میں مذاق بھی کر لیا کرتے تھے۔

ویسے درحقیقت شریف اور مستعد آدمی تھے۔ اپنی ڈیوٹی سے اس نے آج تک ذرا بھی غفلت نہیں برتی تھی۔ صبح نو بجے گھر پہنچ جاتا تھا۔ ہم لوگ اس وقت تیار ہو رہے ہوتے تھے۔ وہ انتظار کرتا رہتا اور پھر ہمیں لے کر دفتر چلا جاتا۔ اس نے اپنے لئے ایک دفتر بنایا تھا۔ جہاں وہ کمپنی کے دوسرے کام کرتا رہتا اور جب کہیں جانے کی ضرورت ہوتی تو ڈرائیور کے فرائض انجام دیتا۔ یہ کیفیت ایک ہفتے رہی۔ ہم اسے ناشتے میں شریک کرنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ ہمیشہ ناشتہ کر کے آتا۔ چنانچہ ایک دن جب وہ پہنچا تو ہم سب بستروں پر پڑے تھے۔

"ہم نے بھوک ہڑتال کر دی ہے۔ اگر کل سے تم نے ہمارے ساتھ ناشتے کا وعدہ نہ کیا تو ہڑتال جاری رہے گی۔"

"ہاں محمود صاحب۔ میں نے رات کو بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ طبیعت پر گھبراہٹ تھی۔ بھوک سے میری جان نکلی جا رہی ہے۔ اگر آپ نے جلد وعدہ نہ کیا تو میں جان بحق ہو جاؤں گی۔" نوری نے کہا۔

"آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ میں تو ایک ادنیٰ ملازم ہوں۔ لیکن خدا را مجھے اپنی حیثیت یاد رہنے دیں۔ اگر میں خود کو بھول گیا تو میرے والدین کا سہارا چھن جائے گا۔" اس نے بھرائی آواز میں کہا۔

"اب ان الفاظ کا ترجمہ کرو۔" طالوت اسے گھورتے ہوئے بولا۔

"بھائی جان۔ اس وقت جب میں دنیا میں اکیلا سب سے زیادہ بھٹک رہا تھا میں نے اپنی شخصیت کھو دی تھی۔ آپ نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ آپ نے مجھے وہ کچھ دے دیا جس کا میں اس دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میں بہت خوش ہوں۔ آپ مجھے اجازت دیتے رہیں۔ ایسے راستے پر نہ ڈالیں کہ میں ایک بار پھر اپنی شخصیت بھول جاؤں۔"

"تمہیں احساس ہے کہ تم نے مجھے کس نام سے مخاطب کیا ہے؟" طالوت نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"میں معافی چاہتا ہوں۔ شدت جذبات میں کہہ گیا تھا۔"

"گویا میں اس قابل نہیں ہوں کہ تم خوش دلی سے مجھے بھائی جان کہہ سکو۔ کیوں؟" طالوت اسی انداز میں بولا۔ محمود بے بسی سے ہنسنے لگا۔

"محمود علی۔ تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ آئندہ تم مجھے بھائی جان کہہ کر مخاطب کرو گے اور اسے نور السحر خاتون۔ آپ کسی دوسرے ڈرائیور کا انتظام کر لیں۔ غضب خدا کا۔ نواب زادہ عزیز الدین کا بھائی۔ اور آپ کا ڈرائیور۔" طالوت بولا۔

"بہتر ہے بھیا۔"

"سن لیا آپ نے محمود صاحب۔ کل سے ناشتہ آپ ہمارے ساتھ ہی کریں گے۔"

"جو حکم۔ لیکن میرا خیال ہے میرے معمولات میں تبدیلی نہ کی جائے۔" محمود علی نرمی سے بولا اور طالوت چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اور پھر وہ عجیب سے انداز میں بولا۔

"بہت بہتر۔ بہت بہتر۔ بڑی خوشی کی بات ہے۔ آپ اپنے معمولات جاری رکھیے۔" بہرحال طالوت کی باتوں سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا اور محمود نے اپنا کام جاری رکھا۔ ہاں۔ اب وہ ہم سے کسی قدر بے تکلف ہو گیا تھا۔ چونکہ ملازمت دیتے وقت اس سے کہہ دیا گیا تھا کہ اس کے لباس وغیرہ کی ذمہ داری کمپنی پر ہوگی اس لئے طالوت کی ایما پر اس کے لئے بہترین لباس تیار کرائے گئے تھے۔ جن میں ڈرائیوری کا لباس ایک بھی نہیں تھا۔



محمود نے اس پر بھی دبا دبا احتجاج کیا تھا۔

پھر پہلی تاریخ کو محمود کو تنخواہ ملی تو طالوت نے شوخ سے انداز میں کہا "چونکہ آپ کو پہلی تنخواہ ملی ہے مسٹر محمود۔ اس لئے آپ پر ایک ڈنر ڈیو ہو گیا۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ کب ہماری دعوت کرتے ہیں۔"

"آج ہی بھائی جان۔"

"اتنی جلدی تیاریاں کر لو گے؟"

"میرا مطلب ہے۔ میرا مکان تو اس قابل نہیں ہے۔ میرا خیال ہے ہوٹل۔"

"اونہہ۔ ہوٹل میں کھانا ڈنر کا کیا مزہ آئے گا۔ ویسے اگر دعوت کا وعدہ پکا ہو تو بیگم آپ کے لئے کھانے کا بندوبست بھی کر سکتی ہے مسٹر محمود۔"

"اوہ نہیں۔ اگر آپ کا حکم ہے تو پھر گھر ہی پر پروگرام بنا لیتا ہوں۔ لیکن کل کا۔"

"منظور۔" طالوت نے کہا اور دوسرے دن رات کو ہم سب محمود کے مکان پر پہنچ گئے۔ معمولی سی بستی میں ایک معمولی سا مکان۔ سادہ سادہ سے لوگ۔ محمود کی بہن بھی محمود کی مانند نیک اور سادہ تھی۔ مخلص اور محبت کرنے والے لوگ۔ کھانے میں بھی سادگی تھی۔ اس سے محمود کی فطرت کا اندازہ ہوتا تھا۔ وہ نمائش پسند نہیں تھا۔ محمود کے ہاں سے ڈنر لے کر ہم واپس آگئے۔ نوری نے بھی محمود کے گھر والوں کی بہت تعریف کی تھی۔

فلم کی کہانی پر بھرپور کام ہو رہا تھا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ ہم نے ایک کاپی نویس رکھ لیا تھا اور ہم سب مل کر کہانی لکھ رہے تھے۔ ہماری خواہش تھی کہ کہانی نویس بھی کوئی مناسب شخص مل جائے۔ لیکن مناسب لوگ فلم انڈسٹری سے اتنے بددل تھے کہ وہ اس انداز میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ گھٹیا قسم کی رومانی اشتہاری داستانیں لکھنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ بہرحال ہماری تلاش جاری تھی اور کہانی بھی لکھی جا رہی تھی۔ دوسرے بہت سے معاملات باقی تھے اور ہم ان کے بارے میں غور کر رہے تھے۔ خیال یہ تھا کہ جب کہانی مکمل ہو جائے گی تب اس میں شامل ہونے والوں کی فہرست بنائیں گے۔

اسی دوران ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ سیٹھ دولہا بھائی نوشہ بھائی کے سنگ سنگ آرٹس پروڈکشن کی نئی فلم "آسمانی سوار" کی مہورت تھی۔ سیٹھ نوشہ بھائی دولہا بھائی ہمیشہ جادوئی فلمیں بناتے تھے اور آسمانی سوار بھی ایسی ہی فلم تھی جادو کے منظر اور مار کٹائی سے بھرپور۔ انہوں نے مہورت بھی انوکھے انداز میں کی تھی یعنی شہر سے باہر ایک پر فضا مقام پر انہوں نے مہورت کا انتظام کیا تھا اور سب کو وہاں کی دعوت دی تھی۔

"کیا خیال ہے نوری؟"

"لطف آئے گا۔" نوری مسکراتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے چلیں گے۔" میں نے کہا۔

"ضرور چلیں گے۔ ضرور چلیں گے۔ میرا خیال ہے دعوت نامے میں کوئی قید تو نہیں ہے۔ ہم پانچوں چلیں۔"

"پانچواں کون؟" میں نے پوچھا۔

"ارے بھئی ہم تینوں عبدل بھائی اور محمود۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلا کر تائید کر دی اور ہم بے چینی سے دعوت کی تاریخ کا انتظار کرنے لگے۔ آخر وہ دن آیا اور ہماری کاریں "ترنا" چل پڑیں۔ ترنا شہر سے باہر ایک پر فضا مقام تھا۔ سرسبز پہاڑیوں کے درمیان گھرا ہوا۔ وہاں ایک خوبصورت جھرنا بھی تھا۔ اس جھرنے کا نام ترنا رکھ دیا گیا تھا۔ اکثر فلموں کی شوٹنگ یہاں ہوتی تھی۔

سیٹھ نوشہ بھائی دولہا بھائی سے ہماری پہلی ملاقات تھی۔ عجیب چیزیں تھیں۔ چار چار فٹ کے قد اور چار فٹ ہی چوڑائی۔ یوں لگتا تھا جیسے دو بہت بڑی گیندیں ہوں۔ جو ساتھ ساتھ رکھی ہوں۔ دونوں بھائی تھے اور ہم شکل بھی تھے۔ تھری پیس سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ وہ استقبال کر رہے تھے۔

عبدل بھائی نے ہمارا تعارف کرایا اور دونوں نے خوش اخلاقی سے دانت نکال دیئے "بڑی خوشی ہوئی جی۔ بڑے نام ہیں آپ کے بھی ہو ہو ہو۔ فلم کب اسٹارٹ کر رہے ہیں؟" نوشہ بھائی نے زنانی آواز میں کہا جو بمشکل حلق کو چیرتی پھاڑتی باہر نکل رہی تھی۔

"بس نوشہ جی۔ بہت جلد آپ لوگوں کو تکلیف دیں گے۔"

"کیوں جی۔ ہمیں کیوں تکلیف دیں گے؟" دولہا بھائی طالوت کو گھورتے ہوئے بولے۔

"مطلب یہ ہے دولہا بھائی۔ کہ آپ کو مہورت میں آنے کی تکلیف دیں گے۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"اوہ۔ ہی ہی ہی۔" دونوں نے بھیانک قہقہے لگائے اور تمام مہمان چونک کر ادھر دیکھنے لگے۔ ہم لوگ آگے بڑھ گئے چونکہ دوسرے مہمان بھی آ رہے تھے۔

"انتظام عمدہ ہے۔" طالوت نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ خوبصورت شامیانے چاروں طرف لگے ہوئے

تھے۔ ایک بڑے شامیانے میں مہمانوں کے لئے انتظام کیا گیا تھا۔ یونٹ کیمپ لگ گیا تھا۔ رنگین بالوں والے حسین چہرے چاروں طرف نظر آ رہے تھے۔

"اب عرض کرتا ہوں ذرا اپنا خاتون۔" ایک طرف سے آواز آئی اور ہم چونک پڑے۔ محمود کر دیکھا تو بابو خان کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ نوری کے چہرے پر گھبراہٹ ابھر آئی۔ بابو خان سے اس کا خوف فطری تھا۔

"کیا حال ہیں بابو خان؟" میں نے طنزیہ انداز میں کہا "میں کام وغیرہ ملا... یا یونہی گھوم رہے ہو؟"

بابو خان کے طنزیہ انداز کے جواب میں میری طرف سے یہ بھرپور جملہ تھا۔ بابو خان تلملا کر رہ گیا اور طالوت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آئی۔ تاہم وہ سنبھل گیا۔

"سیٹھ روئی والا جیسے چھچھورے انسانوں کے ساتھ تو میں خود بھی کام کرنا پسند نہیں کرتا بیکریٹری صاحب ورنہ میرے لئے کام کی کیا کمی ہے اور ابھی آپ کو چند ہی دن ہوئے ہیں اس لائن میں آئے ہوئے۔ ابھی کوئی فلم بنائیے۔ لوگوں کی قیمت تو آپ کو اسی وقت معلوم ہوگی۔"

"بکو یار۔ تم جیسے کسی فرد کو تو ہم اپنی فلم میں لیں گے نہیں۔ جیسے گھوڑے کی سواری بھی نہ آتی ہو۔" طالوت نے مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

"فلم شروع تو کریں رانا صاحب۔ حقیقت معلوم ہو جائے گی۔" بابو خان نے کہا اور ایک طرف بڑھ گیا۔ طالوت نے مسکرا کر نوری کی طرف دیکھا۔ نوری کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار تھے۔ بابو خان کے جانے کے بعد اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔ پھر ہم مہمانوں کے پنڈال میں پہنچ گئے۔

یہاں عبدل بھائی نے بہت سے لوگوں سے ہماری ملاقات کرائی۔ چند ایک تو ہمارے واقف ہی تھے۔ جنہوں نے بڑے اخلاق سے ہمارا استقبال کیا اور بڑی دلچسپ گفتگو ہونے لگی۔ کئی بیوٹیشن ہمارے گرد جمع ہو گئیں [illegible] ہماری توجہ حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔"

دفعتاً طالوت نے ٹھوکا دیا اور میں نے اس طرف دیکھا۔ روشیلا تھی جو سب سے معمول کی طرح ہنس رہی تھی۔ اس نے ہمیں دیکھا اور ہماری طرف بڑھ آئی۔

"بڑے شوق کی بات ہے۔ ادھر رہتی ہے۔" طالوت نے چپکے سے کہا۔ روشیلا ہمارے قریب پہنچ گئی۔

"ہیلو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہیلو روشیلا۔" طالوت بولا۔

"کیسے ہیں رانا صاحب۔"

"بس ٹھیک ہیں مس روشیلا۔" طالوت نے جواب دیا۔

"نہیں۔ خدا آپ کو زندگی کی ساری مسرتیں عطا کرے، ہیں کچھ اداس سے انداز میں؟"

"آپ کے بغیر سب کچھ پھیکا پھیکا ہے۔" طالوت شرارت سے بولا۔

"میں۔ میں آپ کو جانتی ہوں رانا صاحب ایک چھوٹی سی غلطی نے مجھے آپ جیسے لوگوں سے دور کر دیا ہے تو میں خوش ہوں کیونکہ انسان ایک غلطی کرتا ہے۔ لیکن اس کی سزا کتنی طویل، کتنی بھیانک ہوتی ہے۔" روشیلا نے اداسی سے کہا اور گردن جھکائی۔ طالوت چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا اور میں نے گھما دی۔

کچھ اور لوگ ہمارے قریب آ گئے اور ان میں سے ایک نے روشیلا کو اپنی طرف مخاطب کر لیا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہے؟" طالوت الجھے ہوئے انداز میں بولا۔

"پرانی شکاری۔ نیا جال لائی ہیں۔ ہوشیار رہو رانا عزیز۔" "کیوں نوری، کیا خیال ہے؟"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔" نوری نے جواب دیا۔

"اور یہ آپ کے احترام میں جو کیوں بیٹھے ہوئے ہیں محمود صاحب۔ آپ بھی کچھ بولئے۔ لوگوں سے ملئے جلئے۔ آپ کو اس لائن میں کام کرنا ہے۔" طالوت محمود کی طرف دیکھ کر بولا اور محمود مسکرا دیا۔

"عبدل بھائی کو دیکھئے۔ یہ شاید ان کی محبوبہ ہیں۔" طالوت نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور ہم سب نے عبدل بھائی کو دیکھا جو ایک ادھیڑ عمر کی خاتون کے ساتھ موجود تھے۔ انہیں اپنے بچے کا بھی احساس نہیں تھا۔ خاصی دلچسپ گفتگو میں مصروف تھے اور ان کی آواز ہمارے کانوں تک بھی پہنچ رہی تھی۔

"محمد [illegible] بلبل۔ اپنی دو تیم [illegible] انہوں نے [illegible] دیکھا تھا۔ بات کیا بڑی تھی [illegible] مسکراہٹ [illegible] عبدل بھائی [illegible]۔

"بچے تھی عبدل بھائی۔ [illegible] وہ تمہیں [illegible] طالوت بولے۔ [illegible] لیکن عبدل بھائی کا منہ بگڑ گیا تھا۔

"--- پھر عبدل بھائی ہو... میں تو --- [illegible] بار ہوا۔

بلبل بائی ابا کچھ خیال کرو۔ کمائی عبدل ہونا کرو۔ آپ۔" عبدل بھائی نے اسے سمجھایا۔

"ملاحظہ کیا آپ نے؟" طالوت نے محمود کو اشارہ کیا۔ اور محمود جھینپے ہوئے انداز میں ہنس پڑا۔ نوری بھی منہ پھیر کر مسکرا رہی تھی۔

تقریباً سارے مہمان جمع ہو گئے تھے۔ چنانچہ نوشہ بھائی اور دولہا بھائی بھی پنڈال میں آ گئے۔ انہوں نے اپنی نئی فلم کے بارے میں بتایا۔ اس کے یونٹ سے متعارف کرایا۔ ہیروئن مس شمشاد بہت خوبصورت تھیں۔ ہیرو دولہا بھی خوبصورت آدمی تھا۔ دوسرے لوگوں میں بابو خان بھی تھا جو ولن کا کردار ادا کر رہا تھا۔ اس وقت بابو خان پرانے دور کی نقلی داڑھی لگائے ہوئے تھا۔ اس کے جسم پر زرق برق لباس تھا اور کمر سے تلوار لٹکی ہوئی تھی۔ شاید وہ ابھی میک اپ کر کے آیا تھا۔

"فلم کا پہلا شاٹ آؤٹ ڈور رکھا گیا ہے۔ ولن بابو خان جادوگر شرم ہے۔ وہ ایک اونچی پہاڑی میں رہتا ہے اور اپنے اڑنے والے گھوڑے پر آتا ہے۔" نوشہ بھائی نے جو اس فلم کے ڈائریکٹر بھی تھے بتایا "اور اب آپ لوگوں سے درخواست ہے کہ مہورت میں شریک ہوں۔"

"کیمرے وغیرہ اپنی جگہ سیٹ ہو چکے تھے۔ پورا یونٹ تیار تھا۔ بابو خان کے اڑتے ہوئے گھوڑے کا شاٹ لینا تھا۔ چنانچہ مہمان ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔

"عارف۔" طالوت آہستہ سے بولا۔

"ہوں۔" میں نے اس کے لہجے پر چونک کر اسے دیکھا۔

"بابو خان۔" طالوت بولا۔

"کیا مطلب؟"

"پھر گھوڑا۔" طالوت نے ہونٹ بھینچ کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔" میں طالوت کو دیکھنے لگا۔ پھر میں نے کہا "جانے دو طالوت ہماری نوشہ بھائی، دولہا بھائی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔"

"بابو خان سے تو ہے۔"

"نوشہ بھائی، دولہا بھائی کی وجہ سے اسے معاف کر دو۔"

"مشکل ہے عارف۔ ابھی بابو خان نے پھر بکواس کی تھی۔"

"تو پھر؟"

"ہم نوشہ بھائی، دولہا بھائی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔ لیکن بابو خان۔ اسے معاف کرنا میرے بس کی بات نہیں۔"

"گھر یہ کیسے ممکن ہے؟"

"دیکھتے رہو۔" طالوت بولا۔ اور میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ بابو خان سفید رنگ کے ایک گھوڑے پر بڑی شان سے سوار ہو گیا۔ آج اسے خود پر پورا پورا اعتماد تھا۔ خاص طور سے وہ روئی والا کو ذلیل کرنا چاہتا تھا جس نے اسے اپنی فلم سے نکال دیا تھا۔ سیٹھ روئی والا بھی شریک تھا۔ لیکن وہ آج دور دور ہی رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی ہمارے قریب آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ مصنوعی بادل پیدا کرنے کے لئے مشینوں سے سفید دھواں چھوڑا جانے لگا۔ بابو خان کو اس دھوئیں سے اپنا گھوڑا گزارنا تھا، تاکہ وہ پرواز کرتا ہوا معلوم ہو۔ "کیمرہ اسٹارٹ" ڈائریکٹر کی آواز ابھری اور کیمرے اسٹارٹ ہو گئے "کلیپ" دوسری آواز سنائی دی۔ اور کلیپر بوائے نے کلیپ دیا اور بابو خان نے گھوڑے کو آگے بڑھایا۔ اس کے ساتھ ہی طالوت کی آواز ابھری۔

"راسم"

"آقا۔" راسم کی سرگوشی میں نے بھی سنی تھی لیکن وہ نظر نہیں آیا۔

"گھوڑے کو اڑنا چاہئے۔ خاصی بلندی تک لیکن بابو خان گرنے نہ پائے۔"

"ایسا ہی ہوگا آقا۔" راسم نے کہا اور میرے ہوش اڑ گئے۔ فلم کی تاریخ کا حیرت ناک واقعہ ظہور پذیر ہونے والا تھا۔ بابو خان گھوڑا دوڑاتا ہوا دھوئیں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اچانک گھوڑا زور سے ہنہنایا اور پھر جوں ہی اس نے دھوئیں میں قدم رکھا، اس کے پاؤں زمین سے اٹھ گئے۔ اب وہ فضا میں بلند ہو رہا تھا کیمرے چل رہے تھے۔ خود کیمرہ مینوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا، اس لئے وہ غیر اختیاری طور پر کیمروں کے رخ بدل رہے تھے۔ خود بابو خان کو بھی ابھی احساس نہیں ہو سکا تھا کہ گھوڑا بلند کس طرح ہو رہا تھا۔ لیکن پھر سارے مہمانوں کے منہ سے حیرت زدہ چیخیں نکل گئیں۔ گھوڑا دھوئیں سے کافی اوپر بلند ہو گیا تھا اور وہ آسمان کی سمت پرواز کر رہا تھا۔ خود گھوڑے کو قدموں کے نیچے خلا ہونے کا احساس نہیں تھا۔ ورنہ وہ بھی گڑبڑ کرتا۔ البتہ بابو خان کے حواس خراب ہوتے جا رہے تھے۔ اور اب اس کی چیخیں صاف سنی جا سکتی تھیں۔ وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔

"ارے۔ بچاؤ۔ بچاؤ۔ آ۔ آ آ۔" بابو خان خوف سے گھگھیا رہا تھا۔ لیکن لطف کی بات تھی کہ کیمرے چل رہے تھے اور یہ حقیقی منظر سلولائیڈ پر منتقل ہو رہا تھا۔ بابو خان

وحشت سے چیختا چلاتا رہا...... اس کی بری حالت تھی۔ لیکن گھوڑا اطمینان سے فاتحانہ کھڑا تھا۔ اب وہ کافی بلندی پر پہنچ چکا تھا اور بابو خان کی چیخیں بھی اب سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ لوگ حیرت سے منہ پھاڑے کھڑے تھے۔ تو دولہا بھائی اور نوشہ بھائی پتھر کے بت کی مانند کھڑے تھے۔ یوں سمجھ لیا جائے کہ میرے اور طالوت کے علاوہ سب بتوں کی مانند اڑتے ہوئے گھوڑے کو دیکھ رہے تھے۔ جن میں نوری اور محمود بھی تھے۔

تب گھوڑے نے نیچے کا رخ کیا۔ اور بتدریج نیچے اترنے لگا۔ کیمرہ مین بھی بس نہ جانے کس طرح اپنا کام کر رہے تھے گھوڑا آہستہ آہستہ نیچے پہنچ گیا اور پھر وہ زمین پر اتر گیا۔

اور پھر بابو خان کسی مردہ چھپکلی کی مانند پیٹ سے نیچے گر پڑا۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ لوگ بابو خان اور گھوڑے کی طرف دوڑ پڑے تھے۔ قریب پہنچنے والے ابھی بابو خان کو دیکھ رہے تھے اور ابھی گھوڑے کو۔ پھر بابو خان کو اٹھا کر ایک خیمے میں لایا گیا۔

دونوں سیٹھ اب بھی اپنی جگہ کھڑے تھے۔ وہاں لوگوں نے جب انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ تو وہ چونکے۔

"ونڈرفل نوشہ بھائی۔ کیا سین ہوا ہے۔ لیکن یہ جادوئی گھوڑا آپ کو کہاں سے ملا؟"

"کیا یہ کل کا گھوڑا ہے؟"

"یہ سب کیا ہے دولہا بھائی؟"

"یہ گھوڑا آپ ہی کا ہے؟"

"آپ نے اسے کہاں سے حاصل کیا؟"

"میرا خیال ہے جادو کی فلموں میں یہ سب سے انوکھی فلم ہوگی۔"

"یہ فلم مارکیٹ کا ریکارڈ توڑ دے گی۔ ایسی چیز ابھی تک سکرین پر نہیں آئی۔"

بے شمار آوازیں۔ بے شمار سوالات۔ چند فوٹوگرافر بھی تھے جنہوں نے گھوڑے کی بے شمار تصویریں لی تھیں۔ وہ گھوڑے کو [illegible] نہیں ہے۔ لیکن گھوڑا قابو میں تھا۔

تب نوشہ بھائی اور دولہا بھائی [illegible]

[illegible]

"[illegible]"

[illegible]

"تخیر گھوڑا ہے۔"

"لاکھوں روپے میں خریدا ہے جی۔ یہ بہت قیمتی فلم ہے۔ ابھی تو آپ دیکھئے۔"

"لیکن یہ آپ نے کہاں سے خریدا؟"

"بڑے راز کی بات ہے جو بتائی نہیں جا سکتی۔" دولہا بھائی نے جواب دیا۔ بہرحال دھوم مچ گئی تھی اور لوگ ان دونوں سیٹھ صاحبان کا تماشا دیکھ رہے تھے جو جانتے ہوئے نہیں نظر آ رہے تھے۔ انہیں خود بھی نہیں معلوم تھا کہ گھوڑے نے پرواز کیسے کی۔ لیکن بہر صورت وہ اسے اپنا کارنامہ بتا رہے تھے۔

"مگر یہ بابو خان کیوں چیخ رہا تھا؟" کسی نے سوال کیا۔

"اسے حقیقت نہیں معلوم تھی۔" نوشہ بھائی نے بتایا "ورنہ وہ اتنا اور بہتر سین نہیں دے سکتا تھا۔"

"خوب۔ لیکن اس کے چہرے کے تاثرات۔"

"وہ سب [illegible] نہیں چلیں گے۔" دولہا بھائی نے بتایا۔

صورت ختم ہو گئی۔ بے ہوش بابو خان کو فوراً اسپتال پہنچا دیا گیا۔ پھر ہم بھی واپس آ گئے۔ لیکن راستے میں نوری کون کہانی رہی تھی۔ میں اور طالوت خاموش تھے۔ گھر پہنچنے کے بعد محمود اور فیصل بھائی بھی اس کمرے میں شامل ہو گئے اور ہم نے بمشکل ان سے جان چھڑائی۔"

○○○

کہانی تیار ہو چکی تھی۔ اور اب اس پر کام شروع کرنا تھا۔ فیصل بھائی سے مشورت سے چند فلم انڈسٹری کے اور چند باہر کے لوگوں کا انتخاب کیا گیا اور اس کے بعد افتتاح کا اعلان کر دیا گیا۔

طالوت نے بڑی عالی شان تقریب میں فلم کا افتتاح کیا تھا۔ اس نے پورا ساز و سامان خریدا تھا۔ جنریشن لازم رکھے تھے۔ ایک خوبصورت سے مختصر تقریب سے فلم کا آغاز ہوا۔ اور نہایت [illegible] اس کے بعد ایک [illegible] اور اخبار کے نمائندوں نے فلم کے بارے میں نوری سے [illegible] سوالات کئے [illegible] جواب [illegible]

"[illegible] فلم [illegible]"

[illegible]

"[illegible]"

[illegible]

"[illegible]"

[illegible]

افتتاح نہایت کامیاب رہا۔ ہم سب بہت خوش تھے۔ مہمانوں کے جانے کے بعد طالوت مجھے [illegible] لے گیا اور اس نے بڑی رازداری سے کہا۔

"عارف۔ محمود کو دیکھ رہے ہو؟"

"ہاں۔ کیوں؟"

"گرے کلر سوٹ میں ظالم کیا جچ رہا ہے۔"

"وہ خوبصورت اور جامہ زیب ہے۔" میں نے کہا۔

"اور اب نوری؟" طالوت نے کہا۔

"کیا مطلب؟" میں چونک پڑا۔

"کسی سے کم ہے کیا۔ ہماری فلم کے لئے یہ جوڑی کیسی رہے گی۔"

"او طالوت۔ تم نے میرے منہ کی بات چھین لی۔ میرا خیال ہے ان دونوں کو یکجا کرنے کا یہی ذریعہ ہے۔ ورنہ یہ شریف لوگ عشق و عاشقی سے واقف نہیں معلوم ہوتے۔ تم نے نوری یا محمود کے کرداروں میں کوئی لچک دیکھی ہے۔"

"قطعی نہیں۔ ہم ان دونوں کا رومانس لڑوانے میں ناکام ہو چکے ہیں۔"

"تب پھر بسم اللہ۔"

"بسم اللہ۔" اور پھر ہم نے نوری اور محمود کو اپنی میٹنگ میں شریک کر لیا۔ "ایک خاص مسئلے پر گفتگو کرنا ہے محمود۔"

"جی فرمائیے۔" محمود ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"فلم کی باقاعدہ پبلسٹی کے لئے ضروری ہے کہ ہیرو اور ہیروئن کا نام بھی اس میں شامل کیا جائے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا جناب۔"

"پھر کوئی فیصلہ کرو۔ یہ فیصلہ جلد ہونا چاہئے۔" طالوت نے کہا اور محمود سوچ میں گم ہو گیا۔

"کہانی تمہارے معیار کی ہے نور؟" وہ نوری سے مخاطب ہوا۔

"یقیناً۔"

"اس میں ہیرو یا ہیروئن کا کردار کیسا ہے؟"

"نہایت پاکیزہ اور مناسب۔ میرے خیال سے مشرقی رومان کا یہی انداز ہے۔"

"جو لوگ ان دونوں کا کردار ادا کریں گے کیا وہ اس میں جھجک سکتے ہیں؟"

"قطعی نہیں۔" نوری نے وثوق سے کہا۔

"کیوں محمود۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میرا خیال ہے یہ ایک پاکیزہ ترین فلم ہوگی۔" محمود نے جواب دیا۔

"تو پھر دوستو۔ کہنے کا مقصد بغیر غرض ہے کہ میں نے اور نعیم نے ان کرداروں کے لئے تمہارا انتخاب کیا ہے۔" طالوت نے کہا اور یہ خبر ان دونوں کے لئے دھماکے سے کم نہ تھی۔ وہ ہماری شکل دیکھتے رہ گئے اور پھر جھینپے جھینپے نظر آنے لگے۔

"کسے اعتراض ہے؟" طالوت نے دونوں کی طرف دیکھا لیکن کوئی جواب نہ دے سکا "مجھے جواب کی ضرورت ہے۔"

"مجھے اس لائن کا کوئی تجربہ نہیں۔" محمود نے دبی زبان سے جواب دیا۔

"ہو جائے گا۔" طالوت سکون سے بولا "کرداروں کی پاکیزگی کا تم دونوں اعتراف کر چکے ہو۔" نوری بالکل خاموش ہو گئی تھی۔ اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں "اگر تم دونوں نے ایک منٹ کے اندر اندر ہاں یا نہیں کا اعلان نہ کیا۔ تو پھر یہ بات فائنل ہو جائے گی۔" طالوت نے وارننگ دی لیکن دونوں خاموش رہے تھے۔ طالوت گھڑی دیکھ رہا تھا اور جونہی سیکنڈ کی سوئی نے منٹ پورا کیا۔ طالوت نے کھڑے ہو کر مجھے مبارکباد دی اور نوری اور محمود بے بسی سے ہنس پڑے۔

○○○

"بزرگوار۔" طالوت نے محمود کے والد کو مخاطب کر کے کہا "نور النساء ایک شریف لڑکی ہے صاحب حیثیت ہے اور محمود ہمارا دوست۔ میری زمینوں کو میری ضرورت ہے۔ چنانچہ کچھ عرصے کے بعد میں واپس چلا جاؤں گا۔ میری خواہش ہے کہ ان دونوں کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیا جائے۔"

محمود کے والد حیرت زدہ رہ گئے تھے۔ پھر انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "کیا میرا بیٹا اس قابل ہے؟"

"وہ جس قابل ہے ہمیں معلوم ہے۔ آپ اپنا جواب مرحمت فرمائیں۔"

"میرے لئے تو باعث مسرت کی بات ہے۔" بڑے میاں بولے۔

"تب پھر ہماری خواہش ہے کہ آپ باقاعدہ ہمارے گھر آئیں۔ لیکن ابھی محمود کو بھی نہیں بتانا چاہئے۔"

"یقیناً۔ ورنہ ہم آپ سے درخواست نہ کرتے۔" طالوت نے جواب دیا اور بڑے میاں نے خوشی سے اقرار کر لیا اور پھر محمود اور نوری کے والد کی ایک خفیہ ملاقات ہوئی جس میں دونوں نے ضروری امور طے کر لئے۔

پھر ایک شام لطیف کے دوسرے منزل کی تقریب کا پروگرام بنایا گیا۔ یہ گویا باقاعدہ منگنی میں شامل تھا۔ البتہ حیثیت پر مہمانوں کی ترتیب حقیقی رکھی گئی تھی۔ وہاب جی، صفدر، محمود کے والد اس کی بہن اور دوسرے لوگ حیثیت پر موجود تھے۔

اقبال بھائی کی ہدایت میں سین شروع ہوا۔ محمود نوری کو منگنی کی انگوٹھی پہنانے والا تھا۔ دونوں شرمائے ہوئے تھے اور اس حقیقی شرم نے منظر میں زندگی ڈال دی تھی۔ محمود نے ہیرے کی چمکتی ہوئی انگوٹھی نوری کی انگلی میں پہنا دی اور تمام مہمانوں نے تالیاں بجائیں۔

سین او کے ہو گیا تھا۔

تب طالوت نے اخباری رپورٹروں کو مخاطب کر کے کہا "صاحبو۔ اس منظر کی ایک حقیقت میں آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ہماری فلم کا ایک منظر ہے۔ لیکن یہی انوکھی بات ہے کہ اس منظر میں کوئی مصنوعیت نہیں ہے۔ خاتون نور النسا اور مسٹر محمود کے بزرگوں نے یہ منگنی حقیقی طور پر طے کی ہے اور آج سے باقاعدہ طور پر خاتون نور النسا محمود کی منگیتر ہیں۔ یہ منظر زندہ جاوید رہے گا۔"

"میرے الفاظ کی تصدیق دونوں بزرگ کریں گے۔"

طالوت نے اشارہ کیا۔ اور دونوں بزرگوں نے کھڑے ہو کر منگنی کی تصدیق کر دی۔ نوری اور محمود شدت حیرت سے گنگ کھڑے ایک ایک کی شکل دیکھ رہے تھے۔

○✲○

مہمانوں نے ایک بار پھر تالیاں بجائی تھیں۔ لوگ بھی اس دلچسپ پروگرام سے مسرور نظر آ رہے تھے۔ پھر لوگوں نے اٹھ اٹھ کر نوری اور محمود کو مبارکباد دی۔

"اس فلم کے معیاری ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے جس کے مناظر اس قدر حقیقی اور جاندار ہوں۔"

"بلاشبہ آپ کی فلم کامیاب ترین فلم ہو گی۔" لوگ نوری اور محمود سے کہہ رہے تھے۔ لیکن ان دونوں کی حالت خراب تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح ایک ایک کو دیکھ رہے تھے، جیسے متوقع ہوں کہ اب ہم یہ مذاق ختم کر دیں گے۔

لیکن ظاہر ہے یہ مذاق نہیں تھا۔ منگنی کا باقاعدہ اعلان ہوا تھا۔ انگوٹھی پہنائی گئی تھی۔ پھر شک و شبہ کی کیا بات تھی۔ اور پھر مہمانوں میں اضافی قسم کی مٹھائی تقسیم کی گئی جو منگنی کی خوشی میں تھی اور اس کے بعد مہمان رخصت ہونے لگے پھر جب وہ دونوں سنبھلے تو محمود نے طالوت کا بازو پکڑا "میری بات سنیں گے بھائی جان؟"

"سلیم۔ سلیم دیکھو۔ ذرا اس محمود کے انداز میں جارحیت ہے۔ ذرا میری مدد کرو۔ آؤ یہ مجھے مار نہ ڈالیں کہیں۔" طالوت نے مسکراہٹ سے کہا اور میں ہنستا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔

"ذرا دوسرے کمرے میں آئیے۔" محمود نے کہا۔

"چلو۔" طالوت مروت سے لہجے میں بولا اور ہم تینوں دوسرے کمرے کی طرف چل پڑے۔ محمود کے چہرے پر سنجیدگی نظر آ رہی تھی۔

"یہ سب کیا ہے بھائی جان؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ارے تو کیا فلم کی کہانی میں یہ منظر میں نے رکھا تھا۔" طالوت کھلکھلا کر بولا۔

"پلیز مذاق نہ کریں۔ مجھے سنجیدگی سے بتائیں یہ سب کیا ہے۔"

"منگنی ہے اور کیا ہے؟" طالوت ہی بولا۔ مجھے ہنسی آ رہی تھی۔

"فلمی یا حقیقی؟"

"فلمی بھی۔ حقیقی بھی۔"

"بھائی جان۔" محمود نے دوسری طرف رخ کر لیا "بھائی جان یہ اچھا نہیں ہوا۔"

"کیوں محمود۔ کیا نوری میں کوئی خرابی ہے؟"

"یہ اچھا نہیں ہوا بھائی جان۔" محمود نے کہا۔

"اوہ شاید تمہیں اس کے ماضی سے اختلاف ہے۔ لیکن محمود یقین کرو۔ نوری ایکسٹرا گرل ضرور رہی۔ لیکن اس نے اپنی خودی اپنی شرافت کی حفاظت کی ہے۔"

"محترمہ نور النساء کی پاکبازی پر شک کا مجرم بنا کر مجھے ذلیل نہ کریں بھائی جان۔ خدا شاہد ہے کہ میرے ذہن میں ایسا کوئی تصور نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

"بھائی جان۔ میں ایک کم مایہ انسان ہوں۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد میں نے بہت سے خواب دیکھے تھے جو پورے نہیں ہو سکے۔ میں نے اپنی کوششوں میں کوتاہی نہیں کی تھی۔ بس مقدر نے ساتھ نہیں دیا۔ پھر میں نے ڈرائیوری کرنے کی ٹھان لی۔ آپ کے اشتہار کو دیکھ کر آپ کے یہاں آیا اور ملازمت مل گئی۔ آپ نے میری تنخواہ کافی بڑھا دی۔ پہلے اسے مذاق سمجھا۔ پھر بڑے آدمیوں کا کھیل۔ بہرحال یہ کھیل میرے لئے منافع بخش تھا۔ میں نے کبھی اپنے فرض سے بددیانتی نہیں کی۔ میں ہمیشہ آپ کا مخلص اور وفادار رہا۔ محترمہ نوری ایک نیک اور پرکشش خاتون ہیں میری نگاہ



نے اگر کبھی بہکنے کی کوشش کی تو میرے ضمیر نے مجھے جھنجوڑ دیا۔ میں نے ہمیشہ اپنی حیثیت یاد رکھی۔ بھائی جان۔ مس نور ایک بلند پایہ خاتون ہیں۔ اس تصور کے ساتھ وہ بھی خوش نہ رہ سکیں گی کہ ان کا شوہر ان کا ملازم۔ ان کا ڈرائیور رہ چکا ہے۔" محمود نے گردن جھکا دی۔

"اور کچھ؟" طالوت نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔ کچھ اور بھائی جان۔" محمود نے اسی سنجیدگی سے کہا۔

"وہ بھی کہہ دو۔"

"حالات نے مجھے بعض معاملات میں شکست دی ہے بھائی جان۔ لیکن وہ میری خودی کو شکست نہیں دے سکے۔ میں ابھی تک خوددار ہوں، میں زندگی بھر اس اذیت سے تڑپتا رہوں گا کہ میں اپنی بیوی کی وجہ سے دولت مند بنا ہوں۔"

"اور کچھ؟" طالوت اسی انداز سے بولا۔

"بس اور کچھ نہیں۔"

"گویا۔ گویا تم نور النسا سے شادی پر تیار نہیں ہو؟"

"جی۔ جی ہاں۔ میں یہ شادی نہیں کر سکتا۔" محمود نے صاف گوئی سے کہا۔

"ہمیں افسوس ہے محمود۔ ہم تمہارے دل تک پہنچنے میں ناکام رہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہمارا خلوص، ہماری محبت ہمارے کام نہیں آ سکی۔ ہم نے تمہیں اپنوں میں سے سمجھ لیا تھا۔ ہم نے سوچا تھا کہ تم ہمارے دوست، ہمارے بھائی ہو اور ہم اسی انداز میں اپنے لئے کچھ حقوق متعین کر بیٹھے تھے۔ لیکن تم نے اجنبیت، غیریت کی دیوار گرانا پسند نہیں کی۔ خیر تمہاری مرضی۔ ہم ان دونوں بزرگوں سے بات کریں گے۔ ہم ان سے کہیں گے کہ ہم غلطی کر بیٹھے ہیں جس کی وجہ ان کے وقار کو ٹھیس لگ گئی۔ ہم ان سے معافی مانگنے کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں۔ بہت بہتر محمود صاحب۔ آپ بے فکر رہیں۔ آپ کی خودی پر آنچ نہیں آئے گی۔"

"بھائی جان۔" محمود گھبرا کر بولا۔

"میرا نام رانا عزیز الدین ہے۔ رانا صاحب کہو ڈرائیور۔ کسی ایسے نام سے مخاطب مت کرو جو مجھے میری حماقت کا احساس دلائے۔" طالوت نے کہا اور پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔

"سنیں۔ سلیم بھائی۔ بھائی جان ناراض ہو گئے۔"

"اپنی بے وقوفی پر نادم ہوئے ہیں محمود۔ اسے ناراضگی نہ کہو۔" میں نے بھی تلخ لہجے میں کہا اور میں بھی طالوت کے انداز میں باہر نکل گیا۔

محمود کمرے میں کھڑا رہ گیا تھا۔ میں تیزی سے طالوت کے پاس پہنچ گیا "طالوت۔" میں نے اسے آواز دی۔

"چھوڑو یار۔ موڈ خراب ہو گیا۔" طالوت نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیوں؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"اب کے سب ہیں، جیسے ہمارے اوپر احسان کر رہے ہوں۔"

"ارے طالوت۔ یہ بات نہیں۔ کاغذ کے چند ٹکڑے لے کر کسی جگہ کھڑے ہو جاؤ۔ لوگ انہیں حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے۔ روشیلا اور روپی والا کی مثال تمہارے سامنے موجود ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے لوگ تمہارے گھر میں آ چکے ہیں۔ دراصل ہم نے ہمیشہ کیچڑ میں پڑے ہوئے ہیرے تلاش کئے ہیں۔ ہم نے انسانیت کے پیکر تلاش کئے ہیں جن کی نگاہوں میں انسانیت کا تقدس ہوتا ہے دولت نہیں۔ ہیرے کہیں بھی ہوں، ان کی چمک کیسے ختم کی جا سکتی ہے۔ انہیں کیچڑ سے اٹھا کر صاف ستھرا کر کے شوکیس میں رکھنے کے لئے بہرحال جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ نہ دیکھو انہیں۔ نہ تلاش کرو۔ تمہیں تمہاری مرضی کے لوگ بھی ملتے رہیں گے۔ تم جو کچھ انہیں دو گے قبول کر لیں گے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن اب اس کیچڑ کے ہیرے کا کیا جائے؟"

"کچھ سوچتے ہیں۔ ارے کی ایسی تیسی۔"

"اوہ۔ یہ مس نور النساء اس کمرے میں کیوں جا رہی ہیں؟" طالوت نے کہا۔

"ونڈر فل۔ رومانس۔ سسپنس۔ ارے میرا دوشالہ۔" میں اپنے کمرے کی طرف لپکا۔ طالوت ہنسنے لگا تھا۔ شاہانہ کا دوشالہ اوڑھ کر میں جلدی سے نکل آیا اور پھر ہم دونوں تیزی سے کمرے کی طرف بڑھے۔ نوری کمرے میں داخل ہو گئی تھی اور اس کے پیچھے ہی ہم دونوں اندر جا گھسے۔ لیکن نوری کو ہماری آہٹ بھی نہیں ہوئی تھی۔ سامنے ہی ایک کرسی پر محمود سر پکڑے بیٹھا تھا۔

"محمود صاحب۔" نوری کی لرزتی آواز ابھری اور محمود اچھل پڑا۔ پھر وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"مس نور۔"

"جی۔"

"مس نور۔ آپ۔ آپ جانتی ہیں کہ۔ آپ جانتی ہیں مس نور۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔" محمود نے بوکھلائے

ہوئے انداز میں کہا۔
"تو کیا آپ کے خیال میں قصور میں نے کیا ہے۔" نوری مسکراتے ہوئے بولی۔
"یقین مس نور۔ آپ یقین کرلیں۔ میں نے۔ میں نے۔۔۔"
"نہ جانے آپ پر اتنی بوکھلاہٹ کیوں طاری ہے مسٹر محمود۔ آپ نے ان فرشتوں کو ناراض کر دیا۔ مجھے آپ سے بڑی شکایت ہے۔"
"مس نور۔ وہ۔ مس نور وہ۔۔۔"
"ایک بات کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ وہ یہ کہ میں کھڑکی سے آپ حضرات کی گفتگو سن رہی تھی اور میں نے آپ کے اور ان کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا ہے۔"
"مس نور۔ مجھے بتایئے۔ مجھے بتایئے میں کیا کروں۔ میں نے تو اپنے خوابوں میں بھی تصور نہیں پیدا ہونے دیا۔ میری تو کوئی خطا نہیں ہے۔"
"مسٹر محمود۔ خدا کا شکر ہے کہ میں نے بھی انتہائی ناسامد حالات میں اپنے کردار کو داغدار نہیں ہونے دیا۔ میں آپ کی ذہنی کیفیت سمجھتی ہوں۔ کیونکہ یہی کیفیت مجھ پر بیت چکی ہے۔ اگر میں اس سے واقف نہ ہوتی۔ تو اس وقت آپ کے پاس بھی نہ آتی۔ لیکن چونکہ مجھے احساس ہے اس لئے مجھے آپ سے ہمدردی محسوس ہوئی۔ اور میں یہاں چلی آئی۔"
"میں نہیں سمجھا مس نور؟" محمود نے کہا۔
"میں آپ کو سمجھاتی ہوں۔ تشریف رکھیے۔" نوری نے کہا اور پھر خود بھی ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ محمود اس کے دوبارہ کہنے سے کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔
"مسٹر محمود اگر میں آپ کی اور ان دونوں کی گفتگو نہ سنتی۔ تو میری نسائیت مجھے کبھی اجازت نہ دیتی کہ میں آپ سے اس قسم کی گفتگو کروں۔ یوں سمجھ لیں کہ میں یہ گفتگو اپنے بھائیوں کی وجہ سے کر رہی ہوں۔"
"تو!" محمود نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔
"میں آپ سے چند سوالات کروں گی۔ سنئے مسٹر محمود۔ آپ ایک خوددار انسان ہیں اور خوددار انسان اپنی عزت اپنی ملازمت برقرار رکھنے کے لئے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ میں آپ کی خودداری کا امتحان نہیں چاہتی ہوں۔ دیکھنا چاہتی ہوں کہ آپ کہاں تک صاف گو اور سچ بولنے والے ہیں۔"
محمود متحیرانہ انداز میں نوری کی شکل دیکھ رہا تھا۔

"کیا آپ جوابات دینا پسند کریں گے؟"
"ضرور۔"
"اس میں شک نہیں کہ سوالات ایسے ہیں جو ایک لڑکی کی زبان سے معیوب ہیں۔ لیکن اسے میں سمجھتی ہوں کہ ان سوالات سے میری نسائیت کس حد تک مجروح ہوتی ہے آپ خود بھی سمجھیں۔"
"جی۔" محمود سنبھل کر بیٹھ گیا۔
"اگر میں ایک معمولی لڑکی ہوتی اور حالات ہمیں ایک دوسرے کے سامنے لے آتے تو کیا آپ مجھے اپنانا پسند کرتے؟"
"آپ نے مجھے صاف گوئی کی اجازت دی ہے مس نور؟"
"ہاں۔ آپ کھل کر اظہار حقیقت کر سکتے ہیں۔ آپ پر کوئی پابندی نہیں ہے۔"
"تو مس نور۔ میں آپ سے اظہار محبت کی جرأت کر رہا ہوں۔ ہاں مس نور۔ میں آپ کو بے حد پسند کرتا ہوں۔ دل ہی دل میں آپ کی پرستش کرتا ہوں۔ میں آپ سے محبت کرتا ہوں مس نور۔ میں آپ کو اس وقت سے چاہتا ہوں جب میں نے پہلی بار آپ کو دیکھا تھا۔ میری زندگی میں لمحات جاوداں ہوتے ہیں جب آپ میرے نزدیک ہوتی ہیں۔" محمود نے کہا اور نوری کا چہرہ گلنار ہو گیا۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بولی۔
"شکریہ مسٹر محمود۔ گویا یہ بات طے ہو گئی کہ میں بحیثیت عورت آپ کے لئے قابل قبول ہوں۔"
"جی" محمود نے سر جھکا کر کہا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔
"تو مسٹر محمود۔ اب میری حیثیت کے بارے میں سن لیجئے۔ دراصل آپ اس قدر نیک اور شریف انسان ہیں۔ ان لوگوں سے آپ کی ملاقات بھی نہیں ہوئی جو میری حیثیت سے واقف ہیں۔ ورنہ یہ الجھن پیش نہ آتی۔ غور فرمایئے۔ مسٹر محمود۔ میں ایک غریب باپ کی بیٹی ہوں۔ جو آنکھوں سے اندھا ہو گیا تھا۔ میں نے اپنے باپ اور بھائی کی پرورش کے لئے ملازمت تلاش کی۔ لیکن کوئی ملازمت نہ مل سکی۔ تو میں نے ایک ایکسٹرا کی حیثیت سے متعدد فلموں میں کام کیا۔ میں سرسری انداز میں کہوں گی کہ خدا نے میری عزت محفوظ رکھی اور جب بات عزت پر بنی تو اس نے دو فرشتے زمین پر اتار دیئے۔ ابتدا میں، میں انہیں نہ سمجھ سکی۔ میں نے انہیں بھی اپنے حسن کا گاہک جانا۔ لیکن بہت بعد مجھے احساس ہ



کہ میں کسی دوسری دنیا کے لوگوں کے ساتھ ہوں۔ انہوں نے مجھے بہن کہا۔ اور میرے حالات بدل دیئے۔ خدا کی قسم اگر وہ اس قدر مخلص نہ ہوتے تو میں کبھی ان کی یہ دی ہوئی عزت قبول نہ کرتی۔ لیکن ان کی نیت پر شک نہ تھا۔ وہ عظیم ہیں اور محمود صاحب! آپ کا انتخاب بھی انہوں نے سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ خدا ہماری تقدیریں بدلنے پر آمادہ ہے محمود صاحب تو آپ کیوں اعتراض کرتے ہیں۔ وہ انسان ہی کو ذریعہ بناتا ہے۔ آپ جان گئے ہیں کہ میری کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اگر ہم دونوں اس جاہ و حشمت کو خدا کا عطیہ سمجھ کر قبول کرلیں تو کیا حرج ہے۔"
اور اچانک محمود کے چہرے پر مسرت کے آثار نمودار ہو گئے۔ اس کی سانس تیز چلنے لگی۔ تب اس نے لرزتی آواز میں کہا۔
"تو۔ تو۔ مس نور۔ مس نور۔ آپ کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے؟"
"ہرگز نہیں۔" نوری نے بڑے اعتماد بھرے وقار سے کہا۔
"صرف ان دونوں۔ ان دونوں کی وجہ سے؟"
"ہاں۔ ان دونوں کی وجہ سے بھی۔ کیونکہ ان کے فیصلے میرا ایمان ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ میری نگاہ میں تم بھی ایک نیک سیرت اور شریف انسان ہو۔"
"مجھے کم مایہ سمجھ کر مجھے خود سے کمتر تو نہ سمجھو گی نور۔"
"اس وقت تم مجھے ایک ایکسٹرا گرل کہہ دیا کرنا۔ جو چند روپوں کے عوض ناچتی تھی۔"
"نوری میں تمہیں اپنا کر فخر محسوس کروں گا۔ نور۔ میں تمہیں بے پناہ چاہتا ہوں۔ خدا کی قسم نور میں تمہاری پرستش کرتا ہوں۔" محمود تیزی سے اٹھا۔ اس نے نوری کو بازوؤں کے حلقے میں لے لیا۔
"آؤ!" میں نے طالوت کے کان میں کہا۔
"ایک منٹ یار۔ ایک منٹ!"
"آؤ۔" میں نے اس کا لباس پکڑ کر کھینچا۔
"صرف ایک منٹ۔ صرف ایک منٹ۔"
"اسے بہن کہا ہے۔" میں نے دانت کچکچا کر کہا۔
"لاحول ولا قوۃ" طالوت برا سا منہ بنا کر واپس پلٹ پڑا اور پھر دروازے سے باہر نکل کر بولا "کان کھول کر سن لو عارف۔ آئندہ میں کسی کو بہن وہن نہیں کہوں گا۔ ہاں۔"
ہم دونوں اپنے کمرے میں آ گئے۔ میں نے دوشالہ اتار دیا۔ طالوت بھی ایک کرسی پر دراز ہو گیا تھا۔ اس کا موڈ بدستور بگڑا ہوا تھا۔ "اب کیا پروگرام ہے؟" اس نے پوچھا۔
"جیسی مرضی سرکار۔"
"بس چلیں گے یہاں سے۔"
"ضرور۔ لیکن کب؟"
"جلد از جلد۔"
"اور کہاں چلیں گے؟"
"جدھر منہ اٹھ جائے۔"
"ان پہاڑوں کے بارے میں کیا خیال ہے۔ جن کا آپ نے ذکر کیا تھا؟"
"اسی طرف چلیں گے۔"
"کب؟"
"یہ تم بتاؤ۔"
"میرا خیال ہے جلد از جلد بچوں کی شادی کر کے اس فرض سے بھی سبکدوش ہو جائیں تاکہ سکون سے آوارہ گردی ہو سکے۔" میں نے فکرمند بوڑھوں کے سے انداز میں کہا اور طالوت کو ہنسی آ گئی۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور ہم دونوں خاموش ہو گئے۔
"میں اندر آ سکتا ہوں بھائی جان؟" دروازے سے محمود کی آواز سنائی دی تھی۔
"آ جاؤ۔" میں نے بھاری آواز میں کہا اور محمود شرمندہ سا اندر آ گیا۔ طالوت نے پھر چہرہ بگاڑ لیا تھا۔
"میں۔ آپ سے معافی مانگنے آیا ہوں بھائی جان۔ بھائی جان۔" محمود نے شرمندہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔
"کیوں۔۔؟ یہ رشتہ تو تمہیں قبول نہیں تھا۔"
"غلطی ہو گئی تھی۔ سخت شرمندہ ہوں۔ ہر سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔" محمود نے کہا۔
"غور کرلو محمود۔ اپنے دل کو ٹٹول لو۔"
"ٹٹول لیا بھائی جان۔"
"لیکن میں تمہیں سزا دیئے بغیر نہ رہوں گا۔"
"مجھے ہر سزا قبول ہے۔" محمود نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ تو پہلی سزا تو یہ کہ اس ہفتے کے آخر میں تمہاری شادی نور افزا کے ساتھ کر دی جائے گی۔ دوسری سزا کل سنائی جائے گی۔"
محمود نے گردن جھکا دی۔
چنانچہ دوسرے دن کوٹھی پر ہی ایک چھوٹی سی نشست ہوئی۔ جس میں بزرگ بھی شامل تھے۔ تب طالوت نے کہا۔
"معزز بزرگوں کی اجازت سے میں کچھ عرض کرنا چاہتا

ہوئے۔

"ہو بیٹے۔" بابا صاحب محبت سے بولے۔

"محترم۔ آپ سے مجھ کو یہ ہے کہ میں صرف چند روز کے لئے ایک دو گیرے ٹھا تھا۔ لیکن حالات کچھ اس انداز سے پیش آئے کہ مجھے کافی وقت آپ کی خدمت میں رہنے کا موقع مل گیا۔ آپ جیسے پر محبت لوگوں کے درمیان سے جانے کو تو دل نہیں چاہتا لیکن میری مجبوریاں مجھے دور نکال رہی ہیں۔ مجھے اجازت دیجئے۔ مجھے اب جانا ہی ہوگا۔"

"اوہ۔" سب کے منہ سے ایک وقت نکلا۔

"لیکن بھیا۔"

"لیکن بھائی جان۔" نوری اور محمود کے منہ سے ایک وقت نکلا۔

"ہاں نوری۔ ہاں محمود۔ تم خود غور کرو۔ میرے سارے معاملات بکھرے پڑے ہیں۔ مجھے انہیں دیکھنا ہے۔ ہماری روانگی ضروری ہے تو بزرگو! میری خواہش ہے کہ روانگی سے قبل نوری اور محمود کی شادی کر دی جائے۔ کیا آپ اس بیٹے کا آخری ہوان اس کام کے لئے قبول کریں گے۔"

"خوشی کے ساتھ تم بھی وعدہ کیا ہے عزیز الدین۔ کاش۔ کاش تم ہمیشہ ہم میں رہتے۔ لیکن تمہیں روکنا خود غرضی ہے۔"

"تم بھی آپ کے ساتھ جائیں گے بھیا۔" نوری روتے ہوئے بولی۔

"او بھائی جان۔ یہ تصور بھی نہیں تھا کہ آپ سے جدا ہونا پڑے گا۔" محمود آزردگی سے بولا۔

"پھر تیس کے تصور میں تم لوگوں کو اپنی دی تیر یاد دوں گا۔ اگر مجھے زندگی ملی تو چند اور روز آپ کی صحبت میں گزاروں گا۔"

"جیسی تمہاری مرضی بیٹے۔" بابا صاحب بولے۔

"اور میری ایک درخواست ہے۔ محمود مرزا صاحب میری طرف سے قبول کریں۔" طالوت نے کہا "نوری میری بہن ہے بابا صاحب۔ محمود میرا بھائی۔ میں بھی ان کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ میرا بھائی ... میری بہن سے ... میرا بھائی محمود ... شادی کے بعد ...

... ہے۔"

"ہاں بھائی جان۔" محمود نے طالوت سے کہا ...

گزر گیا۔

"... نوری ... انسانی محبت ... اس

ے کام سے ... چالیس ... ہے۔ میری خواہش ہے کہ یہ دونوں مل کر اس کمپنی کو چلائیں۔ اور باقاعدہ اور معیاری فلمیں تیار کریں۔ اور آج کی نشست ان الفاظ پر ختم۔"

اس کے بعد پورے ہفتے ہنگامے رہے۔ نوری نے روتے روتے آنکھیں سرخ کر لی تھیں۔ اس نے کہا تھا "یہ کیسی خوشی دی ہے آپ نے بھیا۔ جو آپ کی جدائی کے غم میں ڈوبی ہوئی ہے۔"

"نہیں تو یوں بھی پرائی ہونی ہی تھی۔"

"مگر آپ ہمیں کب بلائیں گے؟"

"یہ سوچنے کے بجائے اپنے شوہر کے ساتھ خوشیوں میں گم ہو جانا۔ میرے حالات جب اجازت دیں گے تمہیں بلانے آ جاؤں گا۔" طالوت نے کہا۔ ایک ہفتے کے بعد نوری اور محمود کی شادی ہو گئی۔ اور اسی رات طالوت نے اپنے کمرے میں آ کر کہا۔

"کیا خیال ہے عارف بھائی؟"

"کب چلیں گے۔"

"آج ہی رات کو۔ باقاعدگی سے رخصت ہونا مجھے پسند نہیں ہے۔"

"ہاں یہی ٹھیک ہے۔ ورنہ یہ لوگ بہت بور کریں گے۔"

"پھر؟"

"بس رات گہری ہوتے ہی نکل چلیں گے۔"

"پروگرام کس طرح رہے گا؟"

"تم ایسا کرو۔ فون پر کسی ہوٹل میں ایک کمرہ بک کرا لو۔ رات وہاں گزاریں گے اور پھر وہاں سے مناسب پروگرام بنائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے طالوت کی اس تجویز کو پسند کیا۔ یہاں وہ کہہ کر پروگرام بنانے میں وقت ہوا۔ ہوٹل ... مناسب ... فون کر کے ... کمرہ بک کرا لیا۔

"ایک اور خیال ہے۔" طالوت نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"... ہوٹل ... چلے جائیں گے ... اب بھی باقی ہے۔"

"ہاں خیال ہے۔" میں نے طالوت سے اتفاق کیا۔ پھر ہم ... رات ... کرتے رہے ... تم ... تیاری ...

"کیا ان لوگوں کو اطلاع دی جائے؟" طالوت نے پوچھا۔

"اخلاقی طور پر ضروری ہے۔"

"تب ایک پرچہ لکھ دو۔" طالوت نے کہا اور میں نے لکھنے کی میز پر پہنچ کر ایک تحریر گھسیٹ کر نمایاں جگہ رکھ دی۔ اس میں میں نے لکھ دیا تھا کہ چونکہ باقاعدہ روانگی رقت آمیز ہوتی اس لئے ہم جا رہے ہیں۔ حالات نے ساتھ دیا تو پھر ملیں گے اور یہ پرچہ رکھنے کے بعد ہم باہر نکل آئے۔

گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ کوٹھی سے باہر نکل کر میں نے چاروں طرف دیکھا اور پھر طالوت سے کہا "کیا پیدل چلنا پڑے گا؟ کار نہیں لے چلو گے؟ اس وقت تو ٹیکسی بھی نہیں ملے گی۔"

"اوہ۔ کار نہیں لے چلیں گے اور پھر ہمیں تو پیلس ہوٹل تک چلنا ہے۔"

"تو پیلس ہوٹل کونسا قریب ہے اور میرے اس سوٹ کیس کا وزن پندرہ سیر سے کم نہیں ہے۔"

"چھوڑو یار۔ کیوں مذاق کرتے ہو۔" طالوت نے مجھے زور سے دھکا دیا۔ اور میں گرتے گرتے بچا۔ میں سوٹ کیس کا سہارا لے کر سنبھلا تو چاروں طرف روشنی پھیلی ہوئی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" میں نے طالوت کو گھورا۔ لیکن دوسرے لمحے خاموش ہو جانا پڑا۔ بہر حال یہ بدتمیزی بری نہیں تھی کیونکہ ہم ہوٹل پیلس کے لان میں کھڑے تھے۔ فوراً ہی دو پورٹر ہمارے پاس آ گئے۔ اور ان میں سے ایک نے میرے ہاتھ سے سوٹ کیس لے لیا۔ ہم نے انہیں روم نمبر بتائے جن کی اطلاع ہمیں فون پر مل گئی تھی اور پھر ہم ہوٹل کے ہال کی طرف بڑھ گئے۔ پورٹر نے چابی لے لی اور ہمارے ساتھ چل پڑا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم ہوٹل کے آرام دہ کمرے میں مسہریوں پر دراز تھے۔

"یہ دور بھی اچھا خاصا رہا۔ لیکن یار عارف یہاں بھی پیاس باقی رہی۔ نادل آباد کے ماحول میں جو پاکیزگی آ گئی تھی۔ یہاں بھی وہی کیفیت رہی۔"

"کیوں۔ روشیلا نے تمہارے لئے بہت کچھ کیا ہے۔"

"بور مت کرو۔ وہ عورت کی قسم سوئم تھی۔ حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ پاکباز عورتیں اس طرح سامنے نہیں آتیں۔ کام ایسے ہی لوگوں سے چلانا پڑتا ہے۔ لیکن وہ تو ضرورت سے زیادہ ہی گر چکی تھی۔"

"پھر بھی۔ اس کے بارے میں تو تم نے بہت بعد میں


زندگی و ندگان کے لیے
ایک انتہائی دلچسپ و ہنگامہ خیز سرگزشت
ان کے لئے جن کے سینے جوان دھڑکتے ہیں
آنسوؤں، آہوں، امنگوں اور حوصلوں کی داستان
عبرت، اثر، حیرت انگیز، ناقابل فراموش
بابر زمان خان کی آپ بیتی، جگ بیتی
ایک جوان رعنا جس کی زندگی کا رخ مختلف تھا
دل فگاروں کے لئے ایم اے راحت کا مقبول سلسلہ
بازی گر
وہ تحریر جو دلوں کی دھڑکن ہے
قیمت فی حصہ -/100 روپے ڈاک خرچ فی حصہ -/23 روپے
7
کتابت حاصل کرنے کے لئے قیمت بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ فرمائیے
7
کتابیات پبلی کیشنز کراچی
پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
فون 021-5804300
kitabiat1970@yahoo.com
021-7766751

سوچو۔"

"نہیں تو تم سے باتیں نہیں کرتا دوں۔"

"میں نے کب منع کیا تھا۔" میں نے آنکھیں نکالیں۔

"بہرحال چھوڑو ان باتوں کو۔ چھٹیاں ختم ہونے کو ہیں۔ کوئی بات بھی سوچی۔"

"کہیں؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کہاں؟"

"بازار حسن۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ۔ بازار حسن جاؤ گے؟"

"ہاں۔"

"بازار حسن کہہ کر حسن کی توہین کیوں کر رہے ہو۔ وہ تو بازار ہوس ہے [illegible]"

"پھر؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بس اب ایسا بھی نہیں۔ ویسے ان لوگوں کو چھوڑ کر بھی دیکھ رہا ہے۔ نہیں لیا بھی کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے ہم پوری زندگی تو ان کے درمیان نہیں گزار سکتے۔"

"کسی کے ساتھ نہیں گزار سکتے۔ بہرحال ان باتوں کو چھوڑو۔ آئندہ کے لئے پروگرام بناؤ۔"

"بس وہیں چلیں گے۔"

"ہاں۔ کل ہی چلیں گے مگر عارف۔ کیونکہ اس بار تمہارے [illegible] سے سفر کیا جائے۔"

"[illegible]"

"ہاں۔ [illegible] جہاز کا [illegible] دیا ہے۔"

"اوہ۔ ٹھیک ہے۔ اگر تم [illegible] کل کی طرف بات کا ارادہ رکھتے ہو تو اس کے لئے ہمیں بذریعہ جہاز روشن آباد جانا پڑے گا۔ وہاں سے [illegible] سفر ہے۔"

"کہاں وقت [illegible]"

"بالکل نہیں۔ اور پھر تمہارے لئے کیا وقت ہے؟"

"اوہ۔ میری بات چھوڑو۔ میں تو تمہاری وجہ سے [illegible] ہوں میرے لئے جو تماشا ہی ہے۔ وہ تو تمہیں اپنے دماغ کے لئے رکھتے ورنہ مجھے ان کی خاص ضرورت ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ کل شام روشن پور کے دو ٹکٹ منگوا لوں گا۔"

"کیا۔ اور ہم دونوں [illegible] تک [illegible]"

"کیا مطلب؟"

"[illegible]"

"[illegible]"

"[illegible]"

وہ شاید بھی تمہارے پاس موجود ہے۔ بس یار [illegible] قالب سے [illegible]"

"[illegible] اب [illegible] بدل [illegible] سے بھی [illegible] کر اپنا لیا تھا۔

دوسری صبح ہونے کے بعد جب میں باتھ روم میں [illegible] تو آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر چونک پڑا۔ [illegible] کے بعد عارف میرے سامنے آ گیا تھا کیونکہ طالوت نے میرے چہرے پر ہاتھ پھیر دیا تھا۔ باہر نکل کر طالوت کو دیکھا۔ تو وہ بھی اسی شکل میں تھا۔ ہم دونوں میں سرمو فرق نہیں تھا۔

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر ویٹر کو ناشتہ [illegible] دیا۔ ویٹر ناشتہ لایا تو ہم آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ویٹر حیرانی قابل دید [illegible] تھا کر ہم دونوں کو دیکھتا رہا تھا۔ طالوت نے مجھے آنکھ ماری اور ہم دونوں ناشتہ کرنے لگے۔

ناشتے سے فارغ ہو کر [illegible] کیا "[illegible] طالوت میں تمہیں [illegible] ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ اب نکل ہی چلنا چاہئے۔" طالوت نے [illegible] اور میں باہر نکل آئے۔ ایک ٹیکسی کرکے [illegible] روشن آباد [illegible] ٹکٹ حاصل [illegible] [illegible] سفر کرتے تھے [illegible] طرف [illegible] میں واپس آئے۔ چار بجے فلائٹ جانی تھی۔

طالوت ہوٹل [illegible] میرا منتظر تھا۔

"نہیں باہر نہیں گئے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"نہیں نہیں۔ اس خیال سے کہ پھر کوئی [illegible] ہو جائے جس کی وجہ سے رکنا [illegible] رہا۔"

"ہم چار بجے چل رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ کسی چیز کی ضرورت؟"

"نہیں۔ [illegible] صرف کھانا منگوا لو۔" میں نے [illegible]

کھانے کے بعد [illegible] اور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

"میں [illegible] میرا بل؟" [illegible]



مطابق ہم دونوں نے بیک وقت کہا۔ اور دونوں چونک پڑے۔ اور پھر ان دونوں ہی کے چہروں کی کیفیت دیکھنے کے قابل تھی۔

"آپ دونوں۔ آپ دونوں ایک ہی کمرے میں مقیم تھے؟" مرد نے پوچھا۔

"دونوں؟" ہم نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر بیک وقت کہا۔

"مم میرا مطلب ہے آپ دونوں حضرات؟" ادھیڑ عمر شخص کی حیرت قابل دید تھی۔

"آپ نشے میں ہیں محترم۔ ایک کے دو دو نظر آرہے ہیں آپ کو۔ براہ کرم میرا بل؟" ہم نے اسی انداز میں کہا اور ادھیڑ عمر آدمی کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ پھر اس نے عورت کی طرف جھک کر کہا۔

"کیا میں نشے میں ہوں ڈولی؟"

"روم نمبر پلیز؟" عورت مرد سے چالاک تھی اور ہم نے اپنا روم نمبر دہرا دیا۔ عورت نے بل بنا کر پیش کر دیا اور یہاں بھی ہم نے دلچسپی برقرار رکھی۔ ہم دونوں نے ہی بل کی رقم نکال کر دے دی تھی۔ ظاہر ہے رقم دوگنی ہو گئی تھی۔

"شکریہ جناب۔ ویسے آپ لوگوں کی شکلیں حیرت انگیز ہیں۔ لیکن بعض جگہوں پر یہ اینولی صحیح پڑنے کی جگہ یہاں۔ بہرحال شکریہ۔" اس نے پورٹر کو بلا کر ہمارا سوٹ کیس اٹھانے کے لئے کہا اور ہم واپس پلٹ پڑے۔

"کیا تم بھی نشے میں ہو ڈولی۔" پیچھے سے مرد کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ اور ہمارے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

باہر آکر ہم نے ٹیکسی لی اور ایئرپورٹ چل پڑے۔ ٹیکسی ڈرائیور نے بھی حیرت سے ہم دونوں کو دیکھا تھا اور پھر ایئرپورٹ پر بھی ہم تماشہ بن گئے اور دور دور تک ہمارے بارے میں چرچے پھیل گئے۔ جہاز کی روانگی میں بہت کم وقت تھا۔ ہمارا سوٹ کیس جہاز پر پہنچ گیا اور پھر ہم دونوں بھی رن وے کی طرف چل پڑے۔

سیڑھیوں کے قریب کھڑے ہوئے کسٹم آفیسر نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی تھی "غالباً آپ دونوں جڑواں بھائی ہیں؟"

"دونوں؟" ہم نے بیک وقت کہا۔ اس اداکاری میں پوری کوشش یہ تھی کہ ہماری آوازیں۔ ہمارے الفاظ ایک دوسرے سے مختلف نہ ہوں۔

"جی۔ مم۔ میرا مطلب ہے۔"

"نہ جانے پورے شہر کو کیا ہو گیا ہے۔ مجھے ہر شخص دو کہہ رہا ہے۔" طالوت نے کہا۔ میں نے صرف ہونٹ ہلا کر اس کا ساتھ دیا تھا۔ اب اتنی مہارت بھی نہیں تھی کہ برجستہ الفاظ ادا کئے جا سکیں۔

"اوہ۔ آپ کے ٹکٹ؟"

"یہ لیجئے۔" ہم دونوں نے ٹکٹ نکال کر اس کے سامنے کر دیئے۔

"تب ٹھیک ہے۔ بہرحال حیرت انگیز مشابہت ہے۔ میری دعا ہے کہ آپ دونوں زندہ سلامت رہیں۔" کسٹم آفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا اور ہم دونوں سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔

اوپر ایک خوبصورت سی ایئرہوسٹس کھڑی مسافروں کو مسکراتے ہوئے ریسیو کر رہی تھی۔ اس کی نگاہ ہم دونوں پر پڑی۔ ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے۔ پھر اس نے پسندیدگی سے ہم دونوں کو دیکھا "خوش آمدید۔" اس نے مسکراتے ہوئے گردن خم کی۔

"تھینک یو مس۔" ہم دونوں نے ایک ہی انداز میں گردن خم کر کے جواب دیا۔

"تشریف رکھئے۔" وہ بولی۔ اندر ایک دوسری ہوسٹس ٹکٹ لے کر سیٹیں دے رہی تھی۔ یہ بھی خاصی حسین تھی اور اس نے بڑے اخلاق انداز میں گردن خم کی "ماشاءاللہ۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "غالباً آپ دونوں جڑواں بھائی ہیں۔"

"کمال ہے خاتون۔ آپ بھی مجھے دو سمجھ رہی ہیں۔ نیچے کسٹم آفیسر نے بھی یہی کہا تھا۔"

"کیا مطلب" ہوسٹس حیرت سے بولی۔

"کیا میں آپ کو دو نظر آتا ہوں۔"

"آپ تو ایک ہی ہیں۔ لیکن انہیں ملا کر۔" اس نے جواب دیا۔

"اف۔ آپ لوگ دماغ خراب کر دیں گے۔ آپ سب نشے میں معلوم ہوتے ہیں۔" طالوت اور میں نے بیک وقت کہا اور ہم اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ ہوسٹس اتنی حیران ہوئی تھی کہ دوسرے مسافروں کو ریسیو کرنا بھی بھول گئی تھی۔ پھر جب ایک مسافر نے ہی اسے مخاطب کیا تو وہ چونکی۔

لیکن اب ہم خاصے مقبول ہو گئے تھے۔ جہاز کے مسافر بھی گردنیں گھما گھما کر ہمیں دیکھ رہے تھے۔ تمام مسافر آگئے اور اس کے بعد بیلٹ کس لینے کی درخواست کی گئی۔

ہم دونوں نے سنجیدگی سے حفاظتی بیلٹ کس لئے اور طیارے کے انجن اسٹارٹ ہو گئے۔ بڑی سنجیدگی سے تفریح

ہلکی تھی۔ اب مجھے بھی لطف آ رہا تھا۔ طیارہ سیدھا ہو گیا تب مسافروں میں پھر ہڑبڑاہٹ پیدا ہو گئی۔ سرگوشیاں ہونے لگیں۔ دوسرے لوگوں کو تو خیر تفصیل معلوم ہی نہیں تھی لیکن ائیر ہوسٹس ایک جگہ رک کر اس بارے میں گفتگو کر رہی تھی۔ پھر وہ ہوسٹس ہماری طرف بڑھی جس نے پہلے ہمیں [illegible] دیکھا تھا۔

"ہوشیار۔" طالوت نے کہا اور میں سنبھل گیا۔

ہوسٹس ہمارے سامنے پہنچ گئی۔

"کسی چیز کی ضرورت جناب؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" ہم دونوں نے بیک وقت گردن ہلا کر کہا۔

"آپ لوگ روشن آباد کے باشندے ہیں؟"

"آپ میرا مذاق اڑانے کیوں تلی ہوئی ہیں خاتون۔" طالوت نے کہا۔ میں نے طالوت کے ہونٹوں کا ساتھ دیا تھا۔

"آپ مذاق کیوں؟"

"کوہ روشن سے آپ کی کیا مراد ہے؟" طالوت بولا۔

"گویا آپ ایک ہیں؟"

"اور آپ دو نظر آ رہی ہیں۔ کیوں؟" ہم نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا۔

"حیرت انگیز ہیں خدا کی قسم آپ سب حیرت انگیز۔ اور سب [illegible]" ہوسٹس بولی۔

"دیکھو اگر تم دو ہو تو میرا مذاق نہ اڑاؤ میں۔"

"اچھا تو یہ بتا دیجیے کہ آپ دو سیٹوں پر کیوں بیٹھے تھے؟"

"دو سیٹیں؟" طالوت نے حیرت سے کہا اور پھر ہم دونوں نے گردن گھما کر ایک دوسرے کی سیٹیں دیکھیں۔

"یہ تو خیر آپ سے بیٹھنا بہت مشکل ہے۔ کیا آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ روشن آباد کے باشندے ہیں؟"

"نہیں۔"

"آپ کی [illegible] سے آ رہے ہیں؟"

"جاپان۔"

"وہ تو [illegible]"

"پچھلی بار جاپان [illegible]"

"تب آپ سے کل رات ملاقات کر لیں۔ بہت خوبصورت جوڑی ہے۔ آپ کو پسند آئے گا۔ میں بھی وہاں [illegible] رکوں گی۔ آپ سے ملاقات رہے گی۔"

"بہت بہتر۔" طالوت نے گردن ہلائی۔ میں بمشکل اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ ہوسٹس آگے بڑھ گئی۔ تب وہ اپنی

[illegible] ہماری [illegible]

اتفاقیہ طور پر بہت عمدہ تفریح ہاتھ آ گئی تھی۔ میں اس سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہا تھا۔ رستے بھر یہ [illegible] تفریح کا ذریعہ بنے رہے۔ خاص طور سے ہوسٹس [illegible] زیادہ سے زیادہ قریب رہنے کی کوشش میں مصروف تھی [illegible] روشن آباد ایئرپورٹ پر اترتے وقت ہوسٹس ہمارے قریب آ گئی۔

"کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں؟"

"طاؤس۔" طالوت نے جواب دیا۔

"اوہ۔ اور آپ کا؟" وہ بے ساختہ میری طرف مڑی۔

"طاؤس۔ میں بتا چکا ہوں۔" میں نے سنجیدہ انداز میں کہا۔

"اچھا اچھا خیر۔" وہ ہنس پڑی۔ "میرا نام فریدہ ہے۔ کل رات میں آپ کو تلاش کر لوں گی۔"

"بہتر۔" میں نے سنجیدگی سے کہا اور پھر ہم کسٹم وغیرہ سے فراغت حاصل کر کے ایئرپورٹ سے نکل آئے۔ ہم دونوں ابھی تک سنجیدہ تھے لیکن [illegible] بھی سنجیدہ رہے۔ طالوت نے ٹیکسی ڈرائیور سے کسی ہوٹل چلنے کے لئے کہا تھا۔

[illegible] ہوٹل [illegible] جگہ پر ہونے کی امید نہیں تھی۔ شاندار عمارت تھی اور ہر طرح کی سہولتوں سے آراستہ۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں [illegible] کے ایک آراستہ کمرے میں پہنچ گئے۔ جس کی کھڑکی سے بلند و بالا پہاڑوں کی چوٹیاں اور حسین میدان نظر آتے تھے۔ بیرے کے واپس جانے کے بعد طالوت نے ایک بلند آہنگ قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا۔

"خیریت۔ خیریت؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہت سے قہقہے میرے سینے میں بند ہو گئے تھے۔ مجھے حیرت ہے کہ یہ تفریح پہلے ہمارے ذہن میں کیوں نہیں آئی؟"

"اب سن۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"انسان [illegible] سے [illegible] ہو رہا ہے۔ اچھے اچھوں کو متوجہ کر سکتا ہے [illegible] ذریعہ۔"

"لیکن قباحت ہے۔"

"وہ کیا؟"

"ہمارے چہروں کے تاثرات مختلف ہوتے ہیں اور یہ اتفاق [illegible] بعض جگہوں پر اندازہ نہیں ہوتا کہ کون کیا کہہ رہا ہے؟"

"ہاں۔ میں نے محسوس کیا ہے اس لئے ہمیں تھوڑی



ترمیم کرنا چاہئے۔"

"مشکل۔"

"لفظی قفلی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"طاؤس۔ ایک بنا دو۔ یعنی آدھا میں۔ آدھا تم۔ یہ بات اس لئے ذہن میں آئی کہ اگر ہم نے محسوس کیا تو یکجا نہیں رہ سکتے۔"

"ہوں۔" میں نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی۔

"اس کے علاوہ ایک اور کام ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر ہم دونوں دو مختلف جگہوں پر ہوں تو ایک دوسرے کے الفاظ کا اندازہ کیسے لگا سکیں گے۔"

"ہاں۔ متضاد گفتگو ہماری شخصیتیں الگ کر دے گی۔"

"میرے پاس اس کی ترکیب موجود ہے۔"

"کیا ہے بتاؤ۔" میں نے کہا۔ اور طالوت نے اپنی ایک انگلی سے انگوٹھی اتار کر مجھے دے دی۔

"اسے پہن لو۔ دونوں کے خیالات، الفاظ ایک دوسرے کو ملتے رہیں گے تم کمرے سے باہر۔ یا باتھ روم میں جا کر اس کا تجربہ کر لو۔"

"کمال ہے۔ اچھا میں جاتا ہوں۔" اور میں باتھ روم میں چلا گیا۔ انگوٹھی میں نے انگلی میں پہن لی اور میرے ذہن میں طالوت کی آواز گونجی۔

"کیا خیال ہے۔ میری آواز تمہارے کانوں میں آ رہی ہے۔"

"ارے ہاں۔ مگر۔ مگر کیا یہ آواز۔ کوئی دوسرا نہیں سن سکتا؟"

"نہیں۔ یہ صرف ذہن میں رہ گئی۔"

"حیرت انگیز۔ خدا کی قسم حیرت انگیز۔ بالکل ایسا لگ رہا ہے جیسے ٹیلی فون پر گفتگو ہو رہی ہے۔"

"ہاں۔ ٹیلی فون تمہاری ایجاد ہے اور سنگوتا ہماری۔"

"سنگوتا؟"

"ہاں۔ اس انگوٹھی کا نام سنگوتا ہے۔ اب باہر نکل آؤ۔" طالوت نے کہا اور میں باہر نکل آیا۔

"کمال کی چیز ہے۔ لیکن اس سے کتنے فاصلے پر سنا جا سکتا ہے؟"

"دنیا کے کسی بھی حصے سے کسی بھی حصے تک۔ بہرحال یہ کام ہو گیا۔ اب آؤ لڑکیوں کی باتیں کریں۔ مگر رکو۔ اس سے پہلے کافی منگوا لو کافی کے دوران گفتگو کریں گے۔"

میں نے بیرے کو بلا کر کافی آرڈر دے دیا اور تھوڑی دیر کے بعد آرڈر سرو ہو گیا۔ بہت عمدہ سروس تھی۔ طالوت نے کافی بنائی اور پھر دلچسپ انداز میں بولا۔ "ائیر ہوسٹس والی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ہاں ٹھیک تھی۔ خوبصورت تو ایسی ہی ہوتی تھی۔"

"کیا نام بتایا تھا اس نے؟"

"فریدہ۔"

"اوہ فریدہ۔ یہاں آنے کی ضرور۔ اندازہ یہی ہوتا تھا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"پھر......؟"

"پھر کیا؟"

"میری یا تمہاری؟ یار اس انداز میں یہ معاملہ بہت ٹیڑھا ہو گیا ہے۔ ویسے ہم اسے تقسیم ہی رہیں گے کیا خیال ہے؟"

"جیسے حالات ہوں۔"

"فیصلہ نہیں ہو گا۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔ عمدہ ہے۔ مجھے وہ پسند آئی ہے۔ تمہیں اعتراض ہو گا۔" طالوت نے گھگھیانے والے انداز میں کہا اور مجھے ہنسی آ گئی۔

"جلدی بتاؤ۔" طالوت میرا بازو پکڑ کر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ تم لے لو۔ لیکن میں اپنے لئے جو تلاش کروں گا وہ صرف میری ہو گی۔ یہ نہیں کہ اس کے بعد تم ادھر پھسل پڑو۔"

"حرام ہو گی میرے لئے۔ وعدہ۔" طالوت نے جلدی سے کہا۔

"تب ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلا دی اور طالوت خوش ہو گیا ہم دونوں کافی پیتے رہے۔ طالوت بڑی بے چینی سے فریدہ کا منتظر تھا ویسے ہم [illegible] چاہتے تھے اور اس کے لئے ہم مست سے پروگرام بناتے رہے۔ رات ہو گئی تھی۔ لیکن ابھی تک فریدہ کا پتہ نہیں تھا۔ طالوت کو تشویش ہونے لگی۔ اس نے میری طرف دیکھا اور بولا "کیا خیال ہے وہ آئے گی یا نہیں؟"

"ظاہر ہے میں بھی اس سے اتنا ہی واقف ہوں جتنا تم۔"

"یار آئے گی ضرور۔ میرا یہی اندازہ ہے۔ لیکن آؤ باہر کی فضا بھی دیکھیں۔"

"چلو۔" میں نے آمادگی ظاہر کر دی۔ اور ہم دونوں تیار

ہم ۔۔ تھے۔ کوٹ پینٹ سے درست ہو کر ہم نے ۔۔۔۔ بہت اس وقت بھی ہم دونوں کے لباس اور انداز میں سرمو فرق نہیں تھا۔ ہم ایک ہی انداز میں لفٹ کے ذریعے اترے اور ڈائننگ ہال میں داخل ہو گئے۔ ڈائننگ ہال پوری طرح آباد تھا۔ چاروں طرف قہقہے ابل رہے تھے۔ ماحول بھی بے حد رنگین تھا۔ شاید روشن آباد کے سارے امراء اور معزز لوگ گل رخ کو ہی واحد تفریح گاہ سمجھتے تھے اور یہاں آنا فرض خیال کرتے تھے۔ ہال میں بے شمار حسین چہرے موجود تھے۔ بعض میزوں پر کوئی بیگم قہقہے بھی نظر آئے تھے۔ لیکن وہ بہرحال مہذب اور ہوٹلوں کے آداب کو سمجھنے والے معلوم ہوتے تھے۔ لباس کی دوسری بات ہے۔ ظاہر ہے یہ خوش ذوقی کا تعلق ماحول سے تھا۔

ہم لوگوں کے داخلے سے ماحول پر ایک اثر پڑا۔ جن لوگوں نے ہمیں دیکھا، نظر انداز نہ کر سکے۔ اور بہت سی میزوں پر ہمارے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔

ایک ہیڈ ویٹر لپک کر ہمارے پاس پہنچ گیا تھا۔

"روم نمبر ایک سو ون کی ٹیبل اس طرف ہے جناب۔ تشریف لائیے۔" اور ہم دونوں اس طرف چل پڑے۔ بہت سی نگاہوں نے ہمارا تعاقب کیا تھا۔ میز پر بیٹھ کر طالوت نے ہال میں نگاہ دوڑائی۔ میری گردن بھی اس کی گردن کے ساتھ ساتھ گھوم رہی تھی۔ حتی الامکان یہی کوشش تھی کہ ہمارا انداز ایک ہی رہے۔

اور بہت جلد ہم پورے ہال کی نگاہوں کا مرکز بن گئے۔ ویٹر نے ادب سے مینو ہمارے سامنے رکھ دیئے تھے۔ ہم نے ایک ہی انداز میں مینو کی ورق گردانی کی۔ اور پھر ایک ہی قسم کا آرڈر نوٹ کرایا۔ آرڈر لینے والے نے بھی یہ یکسانیت نوٹ کی تھی۔ بہرحال جب وہ چلا گیا۔ تو نزدیک ہی کی میز سے ایک درمیانی عمر کا آدمی اٹھ کر ہمارے پاس آ گیا۔ شکل و صورت سے مہذب معلوم ہوتا تھا۔

"چند لمحات کے لئے سمع خراشی کر سکتا ہوں۔" اس نے مہذب انداز میں کہا۔

"تشریف رکھئے۔" ہم نے بیک وقت کہا۔

"آپ دونوں کی حیرت انگیز مشابہت مجھے کھینچ لائی ہے۔ میرا نام رانا نفیس ہے۔ روشن آباد کے نواح میں میری جاگیر ہے۔ میں نے مشابہت تو دیکھی ہے۔ لیکن ایسی حیرت انگیز نہیں۔ آپ کے انداز بھی یکساں ہیں۔" اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا اور ہم دونوں نے ایک گہری سانس لی۔

"یقیناً آپ دونوں آپس میں بھائی ہیں؟"

ہر معاملہ کی طرح ہے۔ ہر حال طالوت سے اور اس وقت میں نے صرف ہونٹ ہلائے تھے۔ ویسے یہ حیرت انگیز بات تھی کہ طالوت جو لفظ کہنے والا تھا وہی میرے ذہن میں کوندے تھے۔ بہرحال سننا کا حیرت انگیز کمال جاری تھا اور اب میں اعتماد سے کام کر سکتا تھا۔

"میں نہیں سمجھا۔" آنے والے نے حیرت سے کہا۔

"دنیا والے مجھے ذہین کیوں سمجھتے ہیں۔ میں تنہا ہوں۔ اکیلا ہوں۔ لیکن۔ لیکن؟" اس بار میں نے پورے اطمینان کے ساتھ طالوت سے آواز ملائی تھی۔ اور اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"اور یہ صاحب۔" اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ ہم دونوں نے گہری سانس لی تھی۔

"یہ معمہ کبھی حل نہ ہو سکے گا۔" ہم نے کہا۔

"آپ لوگ مذاق کر رہے ہیں۔"

"براہ کرم کوئی نئی بات کریں۔ جو بھی ملتا ہے مجھ سے اسی قسم کی گفتگو کرتا ہے۔ آخر میں دنیا والوں کو دوہرا کیوں نظر آتا ہوں۔ ایک آدھ شخص کی بات ہو تو اسے مخبوط الحواس بھی سمجھا جائے۔"

"تو کیا۔ تو کیا۔ میرا مطلب ہے۔ آپ دونوں اپنے وجود کو الگ الگ نہیں سمجھتے۔"

"اگر آپ کو ایک کے دو نظر آتے ہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" ہم دونوں نے خشک لہجے میں کہا۔

"لیکن۔ لیکن۔"

"براہ کرم۔ مجھے افسوس ہے کہ میں بد اخلاقی کا ثبوت دے رہا ہوں۔ آپ یہاں سے تشریف لے جائیں۔ یہ بات اب میرے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔" ہم نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کمال ہے۔ خدا کی قسم کمال ہے۔ آپ کی آوازیں بھی یکساں ہیں۔ ایک ہی لفظ بیک وقت آپ کے منہ سے نکلتا ہے۔ آپ کے تاثرات بھی یکساں ہوتے ہیں۔"

"ویٹر۔" ہم نے ویٹر کو آواز دی اور وہ جلدی سے اٹھ گیا۔ ویٹر ہمارے پاس آ گیا تھا۔ "پانی لاؤ۔" ہم نے کہا اور ویٹر چلا گیا۔ لیکن دوسرے لمحے طالوت ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑایا "ارے ستیاناس۔"

"کیوں؟" میں نے گردن جھکائے جھکائے کہا۔

"ذرا دیکھو تو۔ وہ کہاں گیا ہے؟"

"کون؟"

"وہی جو ہمارے پاس بیٹھا تھا۔" طالوت نے کہا اور ہم



نے ایک ساتھ جھکی ہوئی گردنیں اٹھائیں۔ وہ آدمی جس میز پر گیا تھا۔ وہاں تین خوبصورت لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔

"چوک ہو گئی پیارے طالوت۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں۔ چوک ہو گئی۔ لیکن ہم اسے اٹھتے ہوئے بھی تو نہیں دیکھ سکے تھے۔ بہرحال کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سے اپنی بد اخلاقی کی معذرت کر لیں گے۔"

"کرنا ہی پڑے گی۔ لڑکیاں بہت خوبصورت ہیں۔" ویٹر نے دو گلاس پانی لا کر رکھ دیا اور ہم نے بیک وقت گلاس اٹھا لئے اور پھر پانی پی کر ایک ساتھ گلاس رکھے۔

"طالوت۔" میں آہستہ سے بولا۔

"ہوں۔"

"ایک دقت اور پیش آ سکتی ہے۔"

"کیا؟"

"اگر کسی نے ہمارا امتحان لینے کے لئے ہمارے سامنے ایک چیز سرو کی جیسے یہ پانی کا گلاس۔ تب کیا ہو گا۔؟"

"ہوں۔ سوال عمدہ ہے۔ اچھا ہوا جو پہلے سے سوچ لیا۔ اس کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔"

"کیا بندوبست ہو گا؟"

"راسم زندہ باد۔ اس سے آگے جب کوئی واقعہ پیش آئے تو دیکھ لینا۔" طالوت نے کہا اور میں طالوت کی بات پر غور کرنے لگا۔ مجھے اندازہ تھا کہ طالوت کے لئے کوئی الجھن الجھن نہیں ہے۔ ہماری نگاہ پھر ان لڑکیوں پر جا پڑی جو اس شخص کے ساتھ تھیں جسے ہم نے بے وقوف بنا کر روانہ کر دیا تھا۔

ابھی ہم اس کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ اچانک طالوت چونک پڑا۔ "عارف" اس نے آہستہ سے کہا۔

"ہوں۔" میں نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

"فریدہ؟"

"اوہ۔" میں نے گردن اٹھائی۔ ہال کے دروازے سے فریدہ اندر داخل ہو رہی تھی۔ اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور ہم پر نگاہ پڑتے ہی تیزی سے ہماری طرف آئی۔ اس وقت وہ یونیفارم میں نہیں تھی۔ بلکہ ایک جگے کلر کی ساڑھی میں خاصی خوبصورت نظر آ رہی تھی۔

"ہیلو۔" وہ قریب آ کر بے تکلفی سے بولی۔

"ہیلو۔" ہم دونوں نے بیک وقت کہا اور وہ ہنستی ہوئی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے گردن گھما کر چاروں طرف دیکھا اور پھر اسی انداز میں ہنستے ہوئے بولی۔

"تو میرا اندازہ درست تھا۔ آپ لوگوں نے پورے ہوٹل کو بے وقوف بنا رکھا ہے۔ میرا خیال ہے اس وقت ہر نگاہ آپ پر ہے؟"

"محترمہ فریدہ۔ کیا آپ اس وقت بھی میری دل آزاری سے باز نہیں آئیں گی؟" ہم نے بیک وقت کہا اور فریدہ سنجیدہ ہو کر غور سے ہمیں دیکھنے لگی۔

"ایک بات عرض کروں؟" اس نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

"فرمائیے۔ فرمائیے۔" ہم نے کہا۔

"ملازمت پیشہ ہوں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔ ڈیوٹی ہی کے حساب سے صرف دو دن یہاں قیام کرنا ہے۔ اس کے بعد چلی جاؤں گی اور پھر کون جانے زندگی کے کسی حصے میں ملاقات ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ چنانچہ اگر ممکن ہو تو تھوڑی دیر کے لئے خود میں۔ اپنی دوستی میں شریک کر لیں۔ کیا حرج ہے وقت اچھا گزر جائے گا۔"

"میں نہیں سمجھا۔" ہم نے اسی انداز میں کہا۔

"تو سنئے۔ میرا قیام بھی گل رخ میں ہے۔ روم نمبر ایک سو تیرہ۔ اگر اپنا فیصلہ بدل لیں اور مجھے دوستی میں شامل کر سکیں تو مجھے پکار لیں۔" وہ کرسی کھسکا کر کھڑی ہو گئی۔

"ارے ارے۔ تشریف تو رکھیے مس فریدہ بیٹھئے۔ آخر اس ناراضگی کی وجہ؟" اس بار بھی میں نے طالوت کا مکمل ساتھ دیا تھا۔

وہ رک گئی۔ اور پھر اس نے میز پر ہاتھ رکھ کر آگے جھکتے ہوئے کہا "سنئے حضرات۔ نہ یہ دیوانگی ہے۔ نہ میں پاگل۔ ہاں اس فن کی داد ضرور دوں گی۔ آپ لوگوں کے چہرے، قد و قامت، انداز یہاں تک کہ آواز اور چہرے کے تاثرات اس قدر یکساں ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے اور پھر آپ لوگوں نے الفاظ کے سلسلے میں جو تعاون کیا ہے، جس طرح آپ ایک دوسرے کا مافی الضمیر سمجھ لیتے ہیں۔ یہ دنیا کا سب سے حیرت انگیز فن ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں آپ کو ایک نہیں سمجھ سکتی، کیونکہ میری دونوں آنکھوں کی بینائی درست ہے۔"

"آپ تشریف تو رکھئے۔" طالوت نے اور میں نے بیک وقت کہا۔

"اس وقت تک نہیں۔ جب تک آپ میں سے ایک مجھے بیٹھنے کے لئے نہ کہے۔"

"ہاتھ سے جا رہی ہے بیٹا؟" طالوت نے خیالات میرے

ذہن میں گونجے۔

"پھر؟" میں نے بھی خیالات کی زبان میں کہا۔

"مجھے پسند ہے۔ ممکن ہے تم نام نہ جانتے۔"

"رہ لو پھر۔" میں نے جواب دیا۔

"ہاں یہ حسن ہے۔" طالوت نے کہا اور دوبارہ صرف اس نے ہی فریدہ کو مخاطب کیا "تشریف رکھئے محترمہ۔" میں خاموش رہ گیا۔

فریدہ نے میری طرف دیکھا۔ پھر مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی "اپنی کامیابی پر نہیں۔ خوش قسمتی پر مسرور ہوں۔ آپ لوگوں کی دوستی میرے لئے بہت قیمتی ہے۔" اس نے کہا۔

"طاؤس بانو۔" طالوت نے مجھے پکارا۔

"کیا بات ہے طاؤس بابا ایک۔" میں نے مردہ سی آواز میں کہا۔

"تو آپ فریدہ کے لئے کچھ منگواؤ۔"

"یہاں نہیں۔ اپنے کمرے میں۔" میں نے کہا۔

"کیا یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"ہاں۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" فریدہ نے کہا اور ہم تینوں اٹھ گئے۔ میں نے حسرت بھری نگاہوں سے بوڑھے کی ساتھی لڑکیوں کو دیکھا تھا جو اب بھی ہماری طرف دیکھ رہی تھیں۔ کافی خوبصورت لڑکیاں تھیں لیکن کام بگڑ گیا۔ طالوت کی خود غرضی پر مجھے غصہ بھی آ رہا تھا۔ کمبخت ایک دم چپک گیا۔ ہمارے سارے پروگرام رکھے رہ گئے۔

بہرحال ہم اپنے کمرے میں آ گئے اور یہاں ہم نے ویٹر کو بلا کر کھانے پینے کی چیزوں کا آرڈر دیا۔ فریدہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ کمرے کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔

"ویسے یہ حقیقت ہے کہ اس کا دلچسپ اور متحیر کن انداز لوگوں کو پاگل بنا دیتا ہے۔ ان دونوں سے میری ساتھی بھی بے حد متاثر تھیں۔ بلکہ کل تو مرشی تھی آپ پر۔ کمبخت تھی۔ کاش اس کا اشتہار بھی روشن یاد ہوتا۔ کون؟"

"ہائے سفونی کل۔ وہ جس نے دونوں کی جانب آپ کی رہنمائی کی تھی۔" "اوہ۔"

"آپ لوگ بے حد دلکش اور پرکشش شخصیت کے مالک ہیں اور پھر لیکن اب مجھے تعارف ہونا چاہئے کیا آپ دونوں بھائی ہیں؟"

"نہیں۔" طالوت نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "صرف دوست!"

"قطعی نہیں۔ ہماری دوستی ہم شکل ہونے کی بنا پر ہوئی ہے۔"

"آپ لوگوں کے نام کیا ہیں؟"

"طاؤس بابا ایک۔ طاؤس بابا دو۔"

"پھر شرارت؟" وہ پیار بھری نگاہوں سے طالوت کو دیکھتے ہوئے بولی اور طالوت کے خیالات سنگناتے ہوئے میرے ذہن میں گونجے۔

"معاف کرو عارف۔ بس ایک بار معاف کر دو۔ اب نہیں کروں گا۔ قسم لے لو اب نہیں کروں گا۔" اور مجھے ہنسی آ گئی۔ مجھے ہنستے دیکھ کر طالوت نے اطمینان کی سانس لی تھی۔

"یقین نہیں کرتیں تو پھر آپ جس نام سے چاہیں پکاریں۔"

"پھر میرا کیا ہے۔ جو آپ پسند کریں۔" فریدہ ہنستے ہوئے بولی۔

"ہم تو آپ کو پسند کرتے ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"اس کے لئے شکر گزار ہوں۔ لیکن نمبر ایک اور نمبر دو؟" اس نے کہا۔

"میں نمبر ایک ہوں۔"

"تو پھر میں کیا کہوں۔" اس بار فریدہ نے میری طرف دیکھا اور میں نے چہرہ سپاٹ کر لیا۔ ویٹر ہمارے آرڈر کا سامان لے آیا تھا۔ چنانچہ کھانے پینے کا دور شروع ہو گیا۔ فریدہ خاصی باذوق اور بذلہ سنج تھی۔ اس نے پتہ بھی بتایا اور کہا کہ اگر کبھی آپ کے یہاں آئیں تو آپ سے مسرت ہو گی۔

ہم گفتگو کرتے رہے اور فریدہ بے تکلف ہوتی گئی۔ ہم آسمان نزول رہے تھے اور اندازہ ہوا کہ وہ زندگی میں ہر تفریح کی قائل ہے۔

"میں تو آوارہ ہوں۔ آج یہاں۔ کل وہاں۔ بے فکر زندگی گزارتی ہوں۔ اس لئے زندگی کو تمام قیود سے آزاد کر دیا۔ بس جہاں خوشی ملی اپنا لیا۔" اس نے دوران گفتگو کہا اور طالوت نے گہری نگاہوں سے میری جانب دیکھا۔

"طاؤس بابا دو کو اجازت دے دیجئے مس فریدہ۔" میں نے کھسکتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ کہاں؟"

"یہ رات کو بارہ بجے کے بعد ہی آوارہ گردی کرتے ہیں۔"

"میں اپنے کمرے میں ہی سوؤں گی۔ وہ تو میرا ذہن دوم

ہے۔ اگر آپ پسند کریں تو آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔" اس نے طالوت کو دعوت دی "اس طرح میری مشکل آسان ہو جائے گی۔" میں نے جلدی سے کہا اور طالوت نے شکر گزار نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"تب اجازت۔ وقت بھی کافی ہو گیا ہے۔" وہ کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھ کر بولی۔

وہ دونوں کمرے سے نکل گئے اور میں تنہا رہ گیا۔ عجیب ہے۔ لڑکی نے خود دعوت دی ہے تو میں ان کی راہ میں روڑا کیوں بنوں۔ لیکن یہ رات۔ میری یہ رات تنہا کیوں رہے۔ پھر۔ پھر کیا کرنا چاہئے۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد کافی دیر تک میں یہی سوچتا رہا۔ لیکن کوئی بات ذہن میں نہیں آئی۔

پھر یہی فیصلہ کیا سونے کی کوشش کروں۔ اور میں لباس تبدیل کر کے سونے لیٹ گیا۔ آج پھر پرانے خیالات ذہن کے پردے پر ابھر آئے تھے بہت کچھ یاد آیا۔ انجیلا، روزینہ، شمنا، نرگس رحمانی، سیمیں، نوری اور پھر وہ لڑکیاں جو ضیغم نے مجھے پیش کی تھیں۔ کیسے متضاد کردار تھے۔ کیسی کیسی انوکھی فطرت کے مالک تھے یہ سب۔

زندگی کا ہر پہلو دیکھ ڈالا تھا۔ کسے پسند کروں کسے ناپسند۔ کبھی کبھی پاکیزگی پوری قوت سے ابھر آتی تھی اور کبھی خود کو غلاظت کے ڈھیر میں ملوث سمجھتا۔ زندگی کیا ہے؟ خواہشات کے کتنے مدفن میرے سامنے آئے؟ ہوس ہے وہ اپنا ہے جو کھودے وہ خیال ہے۔ نیکیاں، پاکیزگی سب حالات کے تحت ہیں۔ انسان نیک بننا چاہتا ہے۔ نہیں بن سکتا۔ پاکیزگی اپنانا چاہتا ہے۔ نہیں اپنا سکتا۔ حالات اس کے لئے کچھ اور راستے متعین کرتے ہیں۔ اپنانے پڑتے ہیں وہ راستے ورنہ راہیں ناہموار ہو جاتی ہیں۔ کبھی بلندیاں کبھی پستیاں۔ اعتماد کھو جاتا ہے۔ ہر قدم خوف کا قدم ہوتا ہے۔ ہاں وقت جو کہے۔ وہی ہوتا ہے۔

طالوت۔ میری قسمت کا راہبر۔ اس نے میرے لئے منزلیں متعین کیں۔ ورنہ۔ ورنہ۔ میری قسمت میں ٹھوکروں کے علاوہ اور کچھ نہ تھی۔ اگر حقیقت پر نگاہ دوڑائی جائے تو میں کیا تھا۔ کچھ نہیں۔ صرف طالوت کا دست کرم۔ اسی نے قدم قدم پر میری زندگی بنائی تھی۔

ذہن انہی اوٹ پٹانگ خیالات میں غنودہ ہو گیا اور پھر نیند آ گئی۔ گہری نیند۔ لیکن نہ جانے کتنی دیر سویا ہوں گا کہ کسی نے جھنجھوڑ دیا۔

"عارف۔ عارف۔" طالوت کی آواز ابھری اور ذہن بیدار ہو گیا۔

"خیریت؟" میں نے پوچھا۔

"سب خیریت ہے۔ اٹھو یار۔" طالوت نے کہا اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ابھی کافی رات باقی تھی۔ نہ جانے رات کا کونسا پہر تھا۔

"کیا بات ہے۔ تم واپس کیوں چلے آئے؟"

"معاہدہ ختم۔" طالوت نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"بہت عجیب سی بات ہے۔ لیکن ہمارے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا؟"

"مجھے یاد نہیں آ رہا۔"

"ہم نے طے کیا تھا کہ اگر کوئی لڑکی قابل اعتراض ہو۔ میرا مطلب ہے ایک ہی لڑکی ہو تو شخصیتیں بدل جانے پر کوئی اعتراض نہ ہو۔ تب ہم دونوں کے لئے جائز ہے۔ اور تم نے زرینہ کے سلسلے میں اس وعدے کا ایفا بھی کیا تھا۔"

"اوہ۔ ہاں۔ پھر؟"

"فریدہ بھی زرینہ ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس نے شراب طلب کی تھی۔"

"اوہ۔"

"اور اب نشے سے نڈھال پڑی ہے۔"

"اوہ۔" میں نے پھر اسی انداز میں کہا۔

"اس کے بعد میں اس کی عزت کیسے کروں؟"

"میں نہیں سمجھا طالوت؟" میں نے پریشانی سے کہا۔

"طاؤس بابا دو۔ بقیہ رات تم اس کے ساتھ گزارو گے۔"

"اوہ۔" میں اچھل پڑا۔

"اب بھی تمہیں یقین نہیں ہے کہ طاؤس بابا ایک اور طاؤس بابا دو میں تمیز نہ کر سکے گی۔ صبح تم طاؤس بابا ایک کہلاؤ گے۔" طالوت نے مسخرے انداز میں کہا۔

"تو بے طاؤس بابا ایک کو اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے؟"

"قطعی نہیں۔ ہم تو کردار کے پرستار ہیں۔ اگر وہ فطری طور پر ٹھیک ہوتی تو تم جانتے ہو۔"

"اوکے ڈیئر۔ میں تمہاری اس پیشکش سے انکار نہیں کروں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور اٹھ بیٹھا۔ طالوت نے مجھے فریدہ کے کمرے کا پتہ بتایا اور تھوڑی دیر کے بعد میں فریدہ کے کمرے کے دروازے پر تھا۔ طالوت دروازہ کھلا چھوڑ آیا تھا۔ فریدہ بے سدھ مسہری پر پڑی تھی۔ نزدیک کی میز پر شراب کی بوتل اور دو گلاس رکھے ہوئے تھے۔

لیکن صرف ایک گلاس کے پینے سے ہی شراب کا نشان تھا۔ میرے ذہن میں تبدیلیاں رینگنے لگیں۔ درحقیقت زندگی پر اتنے واقعات چھا گئے تھے کہ نفرت بھول بھلیوں میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔ عورت کی آنکھیں سامنے آ گئی تھیں کہ اس کی اصلیت ذہن سے محو ہو گئی تھی۔

نوری اور تہمینہ یاد آئیں۔ دوسری لڑکیاں بھی یاد آئیں۔ کون نوری ہے اور کون زرینہ۔ تمیز مشکل ہو جاتی تھی۔ لیکن یہ تو زرینہ بھی نہیں ہے۔ زرینہ دولت کی خواہش مند تھی۔ اور یہ۔۔۔ یہ صرف تفریح پسند۔ یہ ان دونوں سے مختلف ہے۔ یہ تیسری شخصیت کی حامل ہے۔ لیکن جوان ہے۔ خوبصورت ہے اور۔ اور۔ میں اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

عورت کے حسین نقوش تیز آندھی کی طرح ذہن پر چھا گئے۔ سب کچھ بھول گیا۔

اور میں صرف ایک عام انسان رہ گیا۔ ایک معمولی آدمی۔ جو صرف ہوس کا غلام ہوتا ہے۔

دوسری صبح طبیعت پر عجیب سا بار تھا۔ ذہن اس ماحول کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ یہ سب کچھ۔ یہ سب انفرادیت تو نہیں رکھتا۔ آدمی کی ضرورت تو بہت کچھ ہے۔ بعض ضرورتوں کے لئے اسے معیار سے گرنا پڑتا ہے اور وہ ضرورت ٹالی بھی جا سکتی ہے۔ اس بار طالوت کی وجہ سے گرنا پڑا تھا۔ وہ فریدہ پر اس طرح مرمٹا تھا کہ اس نے پورا پروگرام چوپٹ کر دیا تھا۔ ورنہ طاؤس شنا ایک اور طاؤس شنا دو انتہائی دلچسپ حیثیت رکھتے تھے۔

"ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم بھی غسل کر لو۔ پھر وہ انتظار کر رہا ہوگا۔"

فریدہ کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ راتوں رات کیا ہو گیا۔ بہر حال میں خاموشی سے باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ نہانے کے بعد بھی خوشی نہ ہوئی۔

اور یہ کیفیت طالوت کے سامنے بھی برقرار رہی۔ فریدہ میرے ساتھ ہی طالوت کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ "ہیلو۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہیلو۔" فریدہ خوشی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ لیکن طالوت میرا چہرہ دیکھ کر چونک پڑا تھا۔ تاہم اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔

"ناشتہ منگوایا جائے؟"

"ہاں۔ میں سخت بھوکی ہوں۔" فریدہ نے جلدی سے جواب دیا اور طالوت نے بیرے کو بلانے کے لئے گھنٹی بجا دی۔ بیرے کو ناشتے کا آرڈر دے کر ہم سب آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ فریدہ کی پیشانی پر ایک شکن بھی نہیں تھی۔ وہ اسی طرح ہشاش بشاش تھی۔

"آج کیا پروگرام رہے گا؟" ناشتہ کرتے ہوئے فریدہ نے پوچھا۔

"جو تم پسند کرو۔" میں نے جواب دیا۔

"مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔ اس کے بعد ایک گھنٹے کے لئے معذرت چاہوں گی۔ کچھ کام ہے۔ ہاں شام ساتھ گزرے گی۔"

"ٹھیک ہے۔"

"کیا تم میرے ساتھ شاپنگ کرنے نہیں چلو گے ڈارلنگ۔" فریدہ نے بے خیالی سے کہا۔

"ہم دونوں ہی چلیں گے۔" طالوت جلدی سے بول پڑا اور فریدہ ہنسنے لگی۔

"کیوں؟" طالوت نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تم دونوں پر ہنس رہی ہوں۔ آج رات اور یہاں رہ گئی تو آپ لوگوں کے نام بھی پوچھ لوں گی۔"

"اوہ۔" طالوت مسکرانے لگا۔ لیکن اس کی مسکراہٹ میں پھیکا پن تھا۔ غالباً فریدہ کے جملوں نے اسے بھی اپنے بے تکے پن کا احساس دلا دیا تھا۔ ناشتے کے بعد ہم لوگ تھوڑی دیر تک گفتگو کرتے رہے اور پھر باہر جانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ فریدہ تیار ہو کر آئی تھی۔ ہم چل پڑے۔ ایک ٹیکسی کر کے ہم بازار پہنچے اور پھر طالوت نے فریدہ کی پسند کی ہر چیز خرید دی۔ خاصی لمبی شاپنگ ہوئی تھی۔ جو فریدہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ وہ بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔

شاپنگ کرنے کے بعد طالوت نے فریدہ سے کہا "اب کیا پروگرام ہے مس فریدہ؟"

"بس یہاں سے ہوٹل چلیں گے۔ پھر میں ذرا کام سے جاؤں گی۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ ہمیں یہاں اجازت دے دیں اور اس کے بعد ہم لوگ اسی وقت ملاقات کریں جب آپ واپس آ چکی ہوں۔ دراصل ہمیں بھی کچھ کام ہے۔"

"ہاں۔ ہاں۔ کیا حرج ہے۔ میں ٹیکسی کر کے چلی جاتی ہوں۔" اس نے کہا اور پھر وہ ایک ٹیکسی روک کر اس میں بیٹھتے ہوئے بولی "میں چار بجے تک واپس آ جاؤں گی ڈارلنگ۔"

اور ہم دونوں نے بادل نخواستہ گردن ہلا دی۔ جب اس کی ٹیکسی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو طالوت نے چاروں طرف دیکھا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک ریستوران کا بورڈ نظر



آ رہا تھا۔

"ہم ریستوران میں بیٹھیں گے عارف۔" طالوت نے کہا اور میں خاموشی کے ساتھ ریستوران کی طرف بڑھ گیا۔ ریستوران کے ایک الگ تھلگ کیبن میں بیٹھ کر طالوت نے ایک مشروب کا آرڈر دیا اور پھر دونوں کہنیاں میز پر ٹکا کر میری طرف غور سے دیکھنے لگا۔

"انگوٹھی اتار دو عارف۔ اس وقت ہم اس کے بغیر گفتگو کریں گے۔" طالوت نے کہا اور میں نے خاموشی سے انگوٹھی اتار دی۔ انگوٹھی میز پر رکھ کر میں نے طالوت کی طرف دیکھا۔

"تم غیر معمولی طور پر خاموش ہو۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"ہاں طالوت۔ اس وقت صاف گفتگو پسند کروں گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں۔"

"تو پہلے معاف کر دو۔ اس کے بعد بات کریں گے۔" طالوت نے بڑے خلوص سے کہا۔

"میں تمہاری پُرخلوص دوستی پر ناز کرتا ہوں طالوت۔ اس لئے اس وقت اپنی حیثیت نظر انداز کر کے ایک دوست کی حیثیت سے تم سے گفتگو کروں گا۔" میں نے کہا۔

"تمہیں یہی کرنا چاہئے عارف۔"

"کیا اچانک ہمارے ضمیر پر کوئی زخم نہیں لگا ہے طالوت۔"

"کہتے رہو۔ میں سن رہا ہوں۔"

"میری پوری زندگی تمہارے سامنے ہے طالوت۔ میں پارسا نہیں ہوں۔ بلکہ ایک عورت کی وجہ سے میں اپنی پوری زندگی تباہ کر بیٹھا تھا۔ اس کے بعد بھی اس عورت سے دور نہ رہا؟ تمہیں تفصیل بتانے سے کیا فائدہ۔ کونسا پہلو تمہاری نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔"

"یقیناً۔ لیکن جو کچھ کہنا چاہتے ہو جلدی کہہ ڈالو۔" طالوت نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"جب ہم اس کے سامنے ایک انوکھی حیثیت میں آئے تھے تو خود کس قدر مسرور تھے اور وہ سب کتنی حیرت زدہ تھیں۔ لیکن اس کی وجہ سے۔ ایک عورت کی وجہ سے ہماری کوئی انفرادیت نہیں رہی۔ نہ اپنی نگاہ میں۔ نہ اس کی نگاہ میں۔"

"ہاں۔ مجھے اس کا احساس ہے۔"

"اس کے ساتھ ہی ہمارے۔ میرے ضمیر پر ایک بوجھ سا ہے۔ کیا ہم وہی ہیں۔ جس نے تہمینہ اور نوری کو دلہن بنایا تھا۔ دراصل میں نے روشیلا کے بارے میں تم سے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ ایک انتقامی کیفیت بھی تھی۔ لیکن فریدہ کے ساتھ گزری ہوئی رات مجھے پسند نہیں آئی۔ اور پھر فریدہ کا انداز۔ اس کے الفاظ۔"

"ہاں یار۔ پسند تو مجھے بھی نہیں آئے۔" طالوت نے سر جھکا کر کہا "ہم دوسری رات اس کے ساتھ نہیں گزاریں گے طالوت۔"

"ہاں نہیں گزاریں گے۔"

"اور ہم ایسی راتیں بھی نہیں گزاریں گے جہاں ضمیر پر ایسا بوجھ آ پڑے۔ یوں ہم انسان ہیں۔ اور ہر انسان ہر ضرورت کا غلام ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ بس اس کے بعد اور کچھ نہ کہو۔ بتاؤ کیا پروگرام ہے۔ شکریہ میرے دوست۔"

"فضول۔ بکواس۔ میں نے حماقت کی ہے۔ مجھے احساس ہے بس اب جانے دو۔ میری رائے ہے کہ ہم روشن آباد چھوڑ دیں۔"

"میری بھی یہی رائے ہے۔"

"تب بیرے کو بل ادا کرو۔"

"لیکن اس طرح کیسے ممکن ہے۔ کچھ انتظامات بھی تو کرنے ہیں۔"

"مثلاً؟"

"پہاڑوں کے سفر پر روانہ ہونا ہے۔ پیدل تو نہیں چلیں گے۔"

"راسم انتظامات کر دے گا۔ روشن آباد کا گند مجھے شدید محسوس ہو رہا ہے۔"

"تمہاری مرضی اور ہوٹل کا سامان وغیرہ۔"

"ایسے تو سامان کی کوئی کمی ہے۔" طالوت نے جھلاتے ہوئے انداز میں کہا اور میں ہنسنے لگا۔ پھر میں نے بیرے کو بلا کر بل ادا کیا اور ہم یہاں سے نکل آئے۔

"سفر کے لئے نقشوں کی ضرورت ہوگی۔ کیا تم ان علاقوں کو پہچان لو گے۔ جہاں تم پہلے بھی ہو آئے ہو؟"

"اس کی ضرورت نہیں۔ کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ بس تم روشن آباد چھوڑ دو۔" طالوت کے سر پر دھن سوار ہو گئی تھی۔

"تب پھر آواز دو راسم کو۔"

"کیا تم ہماری ضرورتیں سمجھ سکتے ہو راسم؟" طالوت نے دائیں طرف رخ کر کے کہا۔

"آقا۔" راسم کی آواز سنائی دی۔ اور میں نے حیرت

سے چاروں طرف دیکھا۔ اس وقت راسم نظر نہیں آ رہا تھا۔
"یہ تمام چیزیں کس مناسبت سے دور دور ہیں۔"
"روشن آباد کی آبادی کا آخری سرا دریا کہلاتا ہے۔" راسم نے جواب دیا۔
"ٹھیک ہے۔ ہم آ چکے ہیں۔" طالوت نے جواب دیا اور راسم خاموش ہو گیا۔ میں حیرت سے یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ طالوت نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "آؤ کچھ تلاش کریں۔"
"تمہارا یہ دام کچھ احمقانہ ہوتا ہے۔"
"بس روشن آباد ابھی چھوڑ دیں گے۔ واقعی یہاں بڑی بے وقوفی ہوئی ہے۔" طالوت نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ میں دل سے اس شخص کا قدر دان تھا۔ ورنہ وہ صاحب اختیار تھا۔ خشک انداز میں مجھ سے کہہ سکتا تھا کہ اپنے کام سے کام رکھوں۔ اس کے معاملات میں دخل نہ دوں۔ لیکن طالوت۔ وہ ایک قابل قدر ہستی تھی۔
ہم نے تھوڑی دور جا کر ایک ٹیکسی پکڑی اور اس میں بیٹھ گئے۔ "دریا۔" طالوت نے ڈرائیور سے کہا۔ اور ڈرائیور نے گردن موڑ کر ہم دونوں کو دیکھا۔ بہرحال اس نے ٹیکسی آگے بڑھا دی تھی۔
خوبصورت وادیاں اور حسین مرغزار۔ شہر روشن آباد ہمیں راس نہیں آیا تھا اور اسے چھوڑنے کا فیصلہ بروقت تھا۔ ٹیکسی دوڑتی رہی۔ دریا بہت دور تھا۔ ڈرائیور بھی دریا جانے سے خوش نہیں تھا۔ لیکن بہرحال اس نے کچھ کہا نہیں تھا اور درحقیقت وہ آبادی کا آخری سرا ثابت ہوا۔ جہاں کچی جھونپڑیوں پر مشتمل ایک چھوٹی سی آبادی تھی۔ سامنے ہی ایک قہوہ خانہ نظر آ رہا تھا جو چھپر سائبان کے نیچے تھا۔
طالوت نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ڈرائیور کو کچھ رقم دی اور ڈرائیور کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "تم یہاں سے خوش ہو کر جاؤ۔ دوست رکھو۔" طالوت نے کہا اور اس نے نیچے اتر کر ہم دونوں سے مصافحہ کیا۔
"آؤ۔" طالوت نے کہا اور ہم قہوہ خانے کی طرف بڑھ گئے۔ قہوہ خانے میں بہت سے قبائلی بینچوں اور چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم بھی ان ہی کے سے انداز میں بیٹھ گئے۔ لیکن ہمارے لباس ان لوگوں سے مختلف تھے اس لئے سب کے سب حیرت سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔
ہم نے قہوہ طلب کیا اور قہوہ خانے کا بوڑھا لیکن تندرست و توانا مالک صاف ستھرے برتنوں میں قہوہ لے کر خود ہمارے پاس آ گیا۔

"شہری لوگ ہے صاحب؟" اس نے پوچھا۔
"ہاں خان بابا۔"
"ہمارا مہمان ہے۔ پیو۔ اچھا بڑا قہوہ بنایا ہم نے تمہارے واسطے۔" سرخ و سفید بوڑھے نے کہا۔
"شکریہ۔ آپ بھی ہمارے ساتھ شریک ہوں تو لطف آئے گا۔"
"چہ زین خان۔" بوڑھے خان نے لڑکے کو آواز دی۔ "ایک پیالی اور لاؤ۔" اور قہوہ خانے کا بوڑھا مالک ہمارے ساتھ شریک ہو گیا۔ "ادھر سیر کرنے آیا صاحب؟" اس نے قہوے کا گھونٹ لیتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں خان۔ ہم ان پہاڑوں کے دوسری طرف جائیں گے۔"
"پہاڑوں کے دوسری طرف۔" اچانک بوڑھا قہوے کی پیالی منہ تک لے جاتے جاتے رک گیا۔
"ہاں۔ کیوں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔
"ادھر مت جاؤ صاحب۔ وہ جگہ اچھا نہیں ہے۔ بوڑھے خان کا مشورہ ہے۔"
"کیوں خان بابا۔ ادھر کیا بات ہے۔"
"وہ غیر علاقہ ہے۔ ادھر کا لوگ ادھر کے لوگ کو پسند نہیں کرتا۔"
"ہم ان کے مہمان بن جائیں گے۔" میں نے کہا۔
"وہ لوگ اجنبی لوگوں کو مہمان بنانا پسند نہیں کرتا۔ ادھر انسان کی زندگی کچھ نہیں۔" بوڑھے خان نے کہا۔
"کیا ادھر کے لوگ بہت خونخوار ہیں خان بابا۔" طالوت نے پوچھا۔
"غیرت مند لوگ ہے اپنے بارے میں کسی کو کچھ جاننے نہیں دیتا۔"
"ارے وہ غیرت مند ہیں خان بابا تو ہمیں ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ غیرت مند اپنے مہمان کو نہیں مارتے۔"
"اوہ ہو۔ خدا کا قسم ہم نے آزمایا۔ ہمارا جوان بیٹا ان کا شکار ہو گیا اور ہم بوڑھا آدمی اکیلا رہ گیا۔ ہمارے بازو کا قوت ختم ہو گیا ورنہ ہم بھی ایک بار ادھر ضرور جاتا اور اپنے بیٹوں کا انتقام لیتا۔"
"ارے۔" طالوت کے منہ سے نکلا۔ اس نے بوڑھے کے سرخ و سفید چہرے کو دیکھا جس پر غم کی پرچھائیاں رقص کر رہی تھیں۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا اور پھر بوڑھے سے بولا۔
"تمہارا اور کوئی بیٹا نہیں ہے خان بابا؟"



"اوئے خدا کی خوار۔ اور بیٹا ہوتا تو ہم ادھر چائے بیچتا۔ چہ خدا کا قسم بندوق لے کر ادھر جاتا اور اپنے بیٹوں کے قاتل کا خانہ خراب کرتا۔" خان نے پُرجوش انداز میں کہا۔ میں نے گھبرا کر طالوت کی شکل دیکھی۔ طالوت کے چہرے کے تاثرات کچھ اور ہی کہہ رہے تھے۔
"خان صاحب۔ اگر خدا آپ کو دو بیٹے دے دے تو کیا آپ اپنے بیٹوں کا انتقام لیں گے۔"
"چہ خانہ خراب۔ کیا بات کرتا۔ ابھی ہم بوڑھا ہو گیا۔ ہمارا بی بی بھی بوڑھا ہو گیا۔ اب بیٹا کدھر سے آئیں گا۔"
"ہمیں اپنا بیٹا بنا لیں خان صاحب۔ ہم آپ کے بیٹے ہیں۔" طالوت نے کہا۔ بوڑھا خان چونک کر ہمیں دیکھنے لگا۔ پھر اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔
"چہ خدا تم لوگ کو خوش رکھے۔ تم بابو لوگ ہے۔ ہم غریب آدمی تمہارا کیا خدمت کرے گا۔"
"آپ ہماری نہیں۔ ہم آپ کی خدمت کریں گے خان بابا۔"
"بس تم ہمارا بات مان لو صاحب۔ ادھر مت جاؤ۔ ادھر کا زمین اچھا نہیں ہے۔" بوڑھے خان نے قہوے کا آخری گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے کہا۔
"تو آپ ہمیں بیٹا نہیں بنائیں گے؟"
"خدا آپ کو خوش رکھے۔ غریب خان آپ کا کوئی خدمت نہیں کر سکتا۔ آپ ہمارے کو عزت دو۔ خدا آپ کو عزت دے گا۔" خان نے متاثر لہجے میں کہا۔
"تو پھر سن لو خان بابا۔ اگر تم نے ہمیں بیٹا نہ بھی بنایا تو بھی ہم پہاڑوں کے اس طرف جائیں گے اور اپنے بھائیوں کا انتقام لیں گے۔" طالوت نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور مجھے چکر آ گیا۔ کیونکہ طالوت کے انداز سے پتہ چل رہا تھا کہ اس نے کیا چکر شروع کر دیا ہے۔

○☆○

بوڑھا خان ہنسنے لگا۔ اس نے غور سے ہم دونوں کی شکل دیکھی پھر بولا "آپ دونوں بھائی ہے؟"
"ہاں۔" میرے بولنے سے قبل طالوت بول پڑا۔
"چہ آپ کے بدن میں شریف خون ہے۔ آپ دوسرے کے غم کو سمجھتا ہے۔ رب العالمین سے ہمارا دعا ہے کہ وہ آپ لوگوں کو سلامت رکھے۔ بوڑھے خان نے دنیا سے جھگڑا ختم کر لیا ہے۔ اس نے اپنا حساب کتاب خدا کو دے دیا ہے۔ اب ہمارا بدلہ وہ لے گا۔"
"لیکن خان۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم تمہارے بیٹے کے قاتلوں سے بدلہ ضرور لیں گے۔ ہمیں اس سے کوئی نہیں روک سکتا۔" طالوت نے ہاتھ پر مکہ مارتے ہوئے کہا۔
"خو بکواس مت کرو۔ تم کون ہوتا ہے ہمارے بیٹے کا بدلہ لینے والا۔ ہم اور تمہیں دینے گا۔ اگر تم نے غیر علاقے میں قدم رکھا تو ہم تمہیں گولی مار دے گا۔" اچانک خان بگڑ گیا۔ اس کا سرخ چہرہ غصے سے اور سرخ ہو گیا لیکن طالوت کسی سے کب کم تھا۔ وہ چائے کی پیالی پھینک کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بھی بدل گئے تھے۔ پھر اس نے جیب سے کچھ رقم نکال کر رکھ دی۔
"یہ تمہاری چائے کی قیمت ہے خان۔" اس نے سرد آواز میں کہا۔
"نہیں لے گا۔ ہم نے تمہیں مہمان بنایا تھا۔" خان نے کہا۔
"یہ پرانی بات ہے۔" طالوت نے جواب دیا اور پھر میرا بازو پکڑ کر قہوہ خانے کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
"او خدا کی خوار۔ اپنا پیسہ اٹھاؤ۔ ورنہ۔ ورنہ۔" خان چیخا اور پھر نہ جانے کس طرف لپکا۔ لیکن ہم دونوں تیز تیز قدموں سے باہر نکل آئے تھے۔ ہم نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ کافی دور آنے کے بعد میں نے طالوت سے کہا۔
"یہ کیا لغویت تھی؟"
"کیا مطلب۔؟" طالوت نے تیکھے انداز میں مجھے دیکھا۔
"تمہیں اس سرپھرے کے چکر میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔"
"کیا تم آج تک سرپھروں کے چکر میں نہیں رہے عارف؟" طالوت نے سوال کیا۔
"مگر۔"
"کیا شمیم سرپھری نہیں تھی؟ جس نے شمشیرالدولہ جیسے امیر کبیر شخص کو چھوڑ کر احسان سے شادی کر لی۔ کیا نوری سرپھری نہیں تھی؟ اس نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی اپنی عزت محفوظ رکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے بھوکا مرنا گوارا کر لیا تھا۔ بہت مشکل ہے عارف زندگی کو داؤ پر لگا کر اپنی انا اپنی غیرت برقرار رکھنا بہت مشکل ہے۔ انہی سرپھروں کے دم سے دنیا میں انسانیت باقی ہے ورنہ انسانیت کا نام و نشان مٹ جاتا۔ اور یہ ساری دنیا حیوانوں سے بھری ہوتی۔"
"لیکن طالوت۔ بوڑھے خان کا معاملہ مختلف ہے۔" میں نے طالوت کو سمجھانے کی کوشش کی۔
"صرف تمہاری نگاہ کی خرابی ہے۔ صرف تمہاری سوچ

کی مخالفت ہے حالانکہ سب کچھ یہاں بھی موجود ہے۔ میں اس وقت بوڑھے خان کے لہجے پر غور کرتے ہوئے اس نے کہا تھا کہ اب وہ بوڑھا ہو چکا ہے ورنہ اپنے بیٹے کا انتقام لینے ضرور جاتا۔ اس کا بڑھاپا اس کی بے بسی بن گیا۔ اور عارف ہمیں روکنے میں بھی اس کا خلوص شامل ہے۔ اس کی نگاہوں میں محبت تھی۔ اس کی دعاؤں میں شفقت تھی۔ اس نے یہی دلائل صرف ہمیں روکنے کے لئے دیا تھا۔"

"ہوں۔ اور تم نے؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے صرف اس لئے کہ وہ ہمیں روکنے سے باز رہے اور سوچے کہ دونوں جہنم میں جائیں۔" طالوت نے جواب دیا۔

"تمہارا بھی جواب نہیں ہے طالوت۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"تاریوں کیوں نہیں سوچتے ہمیں بہرحال اس علاقے میں جانا ہے۔ اب اس کے لئے کوئی جواز بھی ہو جائے گا۔"

"لیکن کیا تم بوڑھے کے بیٹے کے قاتلوں کو تلاش کرو گے؟"

"ہاں۔ کیا حرج ہے؟"

"حالانکہ یہ بھی نہیں معلوم کہ اسے کیوں قتل کیا گیا۔ کس نے قتل کیا، بوڑھے کے بارے میں بھی کچھ نہیں معلوم۔ اس کا نام تک تو معلوم نہیں کیا تم نے؟"

"یہ کونسا مشکل کام ہے۔ معلوم کریں گے۔"

"کس طرح؟ کیا اس سے ملو گے؟"

"راستہ معلوم کرے گا۔"

"اوہ۔ تو پھر تم اس کے ذریعے بوڑھے کے بیٹے کے قاتلوں کو بھی تلاش کر سکتے ہو۔"

"اور ہم کیا مکھیاں ماریں گے وہاں۔ نہیں۔ ہم اس سلسلے میں راستہ سے مدد نہیں لیں گے۔" طالوت نے عجیب لہجے میں کہا۔

"پھر اب کیا پروگرام ہے؟"

"وہ بستی کی سیر کریں۔ رات کو یہاں سے نکل چلیں گے۔"

"رات کیوں۔ انجانے راستے میں ہم دن کی روشنی میں چلیں گے۔" میں نے کہا۔

"کل علی الصبح سہی۔ لیکن بستی سے ہم خرید و فروخت بھی کریں گے۔"

"چلو۔" میں نے کہا اور پھر ہم دونوں بستی کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ہمیں بستی کے تندرست و توانا لوگ نظر آئے جو اپنے لباس میں بہت خوبصورت نظر آ رہے تھے۔ طالوت دلچسپی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"یہاں کے لوگ بے حد وجیہہ اور تر و تازہ ہیں۔"

"ہاں۔ یہ سرحدوں کی جان ہیں۔ بڑے جنگجو اور بہادر لوگ ہوتے ہیں اور پھر اس علاقے کی آب و ہوا بھی دلکش ہے۔"

"کیوں نہ ہم بھی ان ہی کی وضع قطع اختیار کریں۔ مجھے ان کا لباس بھی پسند آیا ہے۔"

"ضرور، ضرور۔" میں نے طنزیہ انداز میں کہا اور طالوت ہنسنے لگا۔

"تم بہت کام چور اور نکمے انسان ہو عارف۔ ہر بات کی مخالفت ضرور کرتے ہو۔ غور کرو۔ ان پہاڑوں میں، ان پُراسرار وادیوں میں چند خطرناک لوگوں کی تلاش کس قدر دلچسپ کام ہو گا۔ اور پھر ان سے مڈبھیڑ ہوئی تو مزہ ہی آ جائے گا۔"

"جی ہاں۔ ابھی آپ کو ان وادیوں کی تفصیل نہیں معلوم۔ کسی طرف سے ایک گولی آئے گی اور کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا۔"

"میں اس سوراخ کو باآسانی بند کر دوں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔" طالوت نے کہا۔ میں جانتا تھا کہ وہ ضدی آدمی کسی طور نہیں مانے گا چنانچہ میں خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم بستی کے بازار میں پہنچ گئے۔ ضرورت کا ہر سامان موجود تھا۔ تازہ اور خوبصورت پھل، خشک میوے، چمڑے کی بنی ہوئی پیٹیاں اور دوسرے مقامی لباس۔ پستول، بندوقیں، غرض ہر چیز موجود تھی۔

"آؤ۔ خریداری کریں۔" طالوت نے کہا۔

"بہتر۔" میں نے جواب دیا۔ اور ہم بازار پر ٹوٹ پڑے۔ بہت سے عمدہ لباس خریدے گئے، پیٹیاں خریدنا تھیں۔ چمڑے کے بڑے تھیلے خریدے گئے۔ خشک میووں کی زبردست خریداری کی گئی اور پھر دو شاندار رائفلیں اب شوقیہ کارتوس، دو پستولیں خریدی گئیں جن کی پیٹیاں کمر سے باندھی گئیں۔ طالوت بہت خوش ہو رہا تھا۔

"اب یہ دو گدھوں کا بوجھ کون لادے گا اور پھرے گا؟" میں نے اس حاتم طائی کو روکتے ہوئے کہا۔

"دو گدھے۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے ایک تھیلا میرے کندھے پر لاد دیا اور دوسرا اپنے کندھے پر۔ میں دانت پیس کر رہ گیا تھا۔ تھیلا بے حد وزنی تھا۔ مجھے تو خاصی دقت پیش آ رہی تھی اور ذہن پر جھنجلاہٹ بھی سوار ہوتی جا رہی تھی۔ بالآخر ایک جگہ میں نے تھیلا پٹخ دیا۔ اور طالوت چونک کر مجھے دیکھنے لگا پھر وہ مسکرا کر ایک آدمی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس سے کچھ گفتگو کرتا رہا اور پھر میری طرف پلٹ آیا۔

"تھوڑی دور اور چلیں شہزادہ نازک اندام۔ آگے مویشیوں کی منڈی ہے۔ ہم وہاں سے دو خچر خرید لیں گے۔"

"کیوں پریشان کر رہے ہو یار۔ واقعی بہت وزنی ہے۔ کیا منڈی تھوڑی سی قریب نہیں آ سکتی؟" میں نے ہانپتے ہوئے کہا اور طالوت ہنسنے لگا۔

"واہ رے ہم شکل۔ کاش تو لڑکی ہی ہوتا۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اس صورت میں بھی لوگ ہمیں بہن بھائی ہی سمجھتے۔" میں نے کہا اور طالوت گردن ہلانے لگا۔ بہرحال تھوڑی دیر کے بعد ہم نے پھر تھیلے اٹھائے اور اس طرف چلنے لگے جہاں مویشیوں کی منڈی تھی۔ منڈی دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں۔ انتہائی شاندار، قد آور گھوڑے، مضبوط خچر اور دوسرے جانور موجود تھے۔ کمزور جانور بھی موجود تھے اور زیادہ تر انہیں کی خریداری ہو رہی تھی۔ تندرست جانور منڈی میں لانے والے شوقین قبائلی تھے، جو صرف اپنے جانوروں کی نمائش کر رہے تھے اور اگر کوئی ان سے ان کی قیمت پوچھ لیتا تو وہ اتنے دام بتاتے کہ لوگ کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے آگے بڑھ جاتے۔

میں اور طالوت ایک جگہ کھڑے ہو کر چاروں طرف نظریں دوڑانے لگے۔ ایک جگہ کچھ زیادہ لوگ نظر آ رہے تھے اور ان کے سروں سے اونچے دو سیاہ گھوڑے نظر آ رہے تھے، ایک ہی رنگ، ایک ہی قد و قامت کے یہ بلند و بالا گھوڑے بے حد خوبصورت اور شاندار تھے۔ طالوت نے مجھے ان کی طرف متوجہ کیا اور بے ساختہ میرے منہ سے تعریف نکل گئی۔

"واہ۔ کیا شاندار گھوڑے ہیں۔"

"آؤ۔" طالوت نے کہا اور ہم تھیلے ایک جگہ رکھ کر ان گھوڑوں کی طرف بڑھ گئے۔ قبائلی گھوڑوں کے ساتھ ہمیں بھی دیکھنے لگے تھے۔ ان قد آور اور تندرست و توانا لوگوں میں ہم شہری جھینگے عجیب لگ رہے تھے۔ بہرحال انہوں نے ہمیں آگے آنے کا راستہ دے دیا تھا۔

"کیا یہ گھوڑے برائے فروخت ہیں؟" طالوت نے پوچھا اور ایک بڑی بڑی مونچھوں والے بلند و بالا نے گردن گھما کر ہماری طرف دیکھا، وہ ہمیں دیکھتا رہا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ظاہر ہے منڈی میں آئے ہیں، فروخت کے لئے ہی ہوں گے۔ خریدو گے کیا؟" اس نے کہا۔

"ظاہر ہے منڈی میں آئے ہیں، خریدنے کے لئے ہی آئے ہوں گے۔ کیا قیمت ہے ان کی۔" طالوت نے اسی کے انداز میں کہا۔

"مگر تم ان کا کیا کرو گے بابو۔ تم لوگ تو مشینوں پر سواری کرو۔" قبائلی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"تمہیں ان باتوں سے کیا سروکار۔ گھوڑے بیچو۔" طالوت نے بھی حقارت سے جواب دیا۔

"یہ گھوڑے اعلیٰ نسل کے ہیں۔ کم نسل کے لوگوں کو اپنی پیٹھ پر نہیں بیٹھنے دیتے بابو۔"

"اوہ۔ اس کا مطلب ہے کہ تم نے آج تک ان کی پشت پر سواری نہیں کی۔"

"میرے علاوہ کون ہے جو ان کی پیٹھ پر بیٹھ سکے۔ سنو بابو۔ ان کی قیمت تین تین ہزار روپے ہے۔ مگر تم ان میں سے کسی پر سواری کر سکے تو میں تمہیں یہ گھوڑے مفت دے دوں گا۔"

"مارے جاؤ گے خان۔" تمہارے قبیلے میں تمہارے جیسا سوار ایک بھی نہ نکلے گا۔"

"تو یہ جواب۔ خان کی زبان ہے۔ زورک خان اعلیٰ نسل ہے ہے۔ اگر تم نے ان کی سواری کر لی تو یہ دونوں گھوڑے تمہیں مفت دے دوں گا۔ یہ پٹھان کا وعدہ ہے۔" زورک خان نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے خان۔" طالوت نے کوٹ اتار کر میری طرف بڑھا دیا اور پھر آستینیں چڑھانے لگا لیکن اسی وقت زورک خان سینہ تانے ہوئے اس کے سامنے آ گیا۔

"لیکن سنو۔ اگر تم گھوڑے کی سواری نہ کر سکے اور گر پڑے، تو تم دونوں کو سارے کپڑے اتار کر بستی سے نکلنا پڑے گا۔ تاکہ اس کے بعد تم کسی پٹھان سے گھوڑے خریدنے کی بات نہ کرو۔ تمہاری ہر چیز زورک خان کی ملکیت ہوگی۔"

"منظور ہے۔" طالوت نے کہا۔

"سن لیا تم لوگوں نے۔ زورک خان پھر کسی کی بات نہیں مانے گا۔ شرط ہو چکی ہے۔" زورک خان نے ایک گھوڑے کی لگام پکڑی اور پھر اس کی پشت پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے بعد اس نے لگام طالوت کے ہاتھ میں دے دی۔ یہاں اس قسم کے تماشے شاید عام ہوتے تھے، اس لئے لوگ

کوئی کی طرح چھوٹ گئے اور انہوں نے میدان چھوڑ دیا۔

گھوڑے کے تیور بہت خراب تھے۔ اس کی آنکھیں وحشت سے سرخ ہو گئی تھیں۔ شاید زورک خان نے ابھی تک ان کی پشت استعمال ہی نہیں کی تھی اور صورت حال یہ تھی کہ اگر ان کی پشت پر ہاتھ بھی رکھا جاتا تو وہ بھڑک اٹھتے تھے۔ لیکن میں پُرسکون نگاہوں سے طالوت کو دیکھ رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ یہ اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

طالوت نے گھوڑے کی لگامیں پکڑ لی تھیں۔ گھوڑا چونکا تھا اور پینترے بدل رہا تھا۔ اگر اس کی پشت پر کبھی بھی بیٹھ جاتی تو وہ کھڑا ہو جاتا تھا وہ لمحہ بھر کے لئے اگلے پاؤں فضا میں چلا کر دولتی مارتا چاہتا تھا لیکن طالوت نے ابھی تک اس کی پشت کی طرف بڑھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ زورک خان فخریہ انداز میں گھوڑے کو دیکھ رہا تھا۔

اور یہ بات صرف میں نے ہی محسوس کی تھی کہ گھوڑے کے سر کے بل طالوت کے ہاتھ پر پہنچتے جا رہے تھے۔ اس طرح وہ اپنا ہاتھ گھوڑے کے چہرے تک پہنچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لوگ دلچسپی سے بقول ان کے اس شہری بچے کی اچھل کود دیکھ رہے تھے۔ جس کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ وہ پتھر سے اتروا کر ہی جائے گا۔

لیکن۔ اچانک بجلی سی چمک گئی۔ طالوت کا ہاتھ جو اب گھوڑے کے چہرے تک پہنچ چکا تھا اچانک مڑا اور گھوڑے کی گردن ٹیڑھی ہو گئی۔ گھوڑے نے گردن سیدھی کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس ناقابل قوت کے سامنے اس کی ایک نہ چل سکی۔ اس کی گردن اس حد تک مڑ گئی کہ اچانک وہ ایک سمت لڑھک گیا اور کافی زوردار آواز کے ساتھ زمین پر گرا۔ اس کے ساتھ ہی طالوت نے اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی اور گھوڑے نے سنبھل کر اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن اب وہ اٹھتے ہوئے گھوڑے پر سوار ہو گیا تھا۔ اور جب گھوڑے نے پھرتی سے کروٹ لی اور پاؤں ٹکا کر اٹھا تو طالوت اس کی پشت پر تھا۔

تماشائیوں کے منہ سے صرف ایک آواز نکلی اور وہ خاموش ہو گئے۔ گھوڑا بار بار اچھل کود رہا تھا۔ لیکن طالوت اس کی پشت پر اس طرح سوار تھا جیسے اس کی پشت ہی کا ایک حصہ ہو اور پھر بالآخر گھوڑے نے ہار مان لی۔ اس کی اچھل کود سست پڑ گئی۔ طالوت اس کے کس بل نکالتا رہا تھا اور پھر اس نے گھوڑے کو ایڑ دی اور وہ میدان کے چکر لگانے لگا۔

دوسرے لمحے چاروں طرف تالیاں گونج اٹھیں۔

لوگ حیرانی سے بت بنے کھڑے تھے اور زورک خان چپ چاپ دیکھ رہا تھا۔ طالوت اس کے سامنے گھوڑا لے آیا اور پھر اس کی پشت سے نیچے اتر آیا۔

لیکن زورک خان ہماری توقع کے برخلاف بہت اعلیٰ ظرف تھا۔ اس نے طالوت کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "خوش رہو جوان۔ خان کی طرف سے شرط جیتنے کی مبارکباد قبول کرو۔" اور ہم حیران رہ گئے۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ انسان اگر ہے ضرور کرے گا۔ ممکن ہے حالات بگڑ جائیں اور جھگڑا مول لینا پڑے۔ لیکن وہ باظرف انسان تھا۔ اس نے فن کی داد دی تھی۔ طالوت گھوڑے سے اتر آیا۔ وہ غور سے خان زورک کو دیکھ رہا تھا۔

خان زورک نے دوسرے گھوڑے کی لگام بھی طالوت کے ہاتھ میں تھما دی۔ "شکریہ خان زورک۔ یہ تو مذاق کی بات تھی ویسے میں تمہارے گھوڑے خریدنا چاہتا ہوں۔ مجھے یہ بہت پسند ہیں۔ ان کی قیمت لے لو۔"

"چہ خدا کا ہم کیا بات یار۔ ہم شرط ہار گیا۔ گھوڑا اب تمہارا ہے۔ بیچنے کا کیا سوال۔" خان نے کہا۔

"نہیں خان۔ ہم گھوڑوں کی قیمت ادا کریں گے۔"

"خان اس قیمت پر پیشاب کرے گا جو اس کا زبان خراب کرے گا گھوڑا اب تمہارا ہے۔" خان تعجب سے بولا۔ بہرحال طالوت نے بہت کوشش کی لیکن خان نے گھوڑوں کی قیمت ایک پیسہ بھی وصول نہیں کی۔ مجبوراً ہم گھوڑے لے کر چل پڑے۔

"عجیب ہے تیری دنیا یار۔ یہاں کسی شکل سے کون ہے پتہ نہیں چلتا۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ گھوڑوں سے دماغ درست ہو گئے تھے۔ ہم نے ان پر سامان کے تھیلے مضبوطی سے کسے اور اب ہم سفر کے لئے تیار تھے۔ لیکن طے یہ کیا گیا تھا کہ ہم علی الصبح سفر کریں گے اس لئے رات کے قیام کا بندوبست کرنا تھا۔

اس کے لئے ہم نے ایک کھلی جگہ منتخب کی اور وہیں بستر لگا دیا۔ بستر کے لئے ہم نے نرم لوئیں خرید لی تھیں۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہم اپنے بستروں پر لیٹ گئے اور طالوت کافی دیر تک زورک خان اور قہوہ خانے کے مالک کے بارے میں تذکرہ کرتا رہا۔ وہ اس کی شرافت کے بارے میں بھی باتیں کر رہا تھا۔

اور پھر ہمیں نیند آ گئی۔ صبح کو پہلے طالوت ہی جاگا تھا۔ ابھی اجالا پوری طرح نہیں پھیلا تھا۔ بہت خوبصورت منظر تھا۔ میں بھی جاگ گیا۔



"اٹھو تیاریاں کریں۔ رات ہونے تک ہم یہ سرحد پار کر لیتی ہے۔" طالوت نے کہا اور میں اٹھ گیا۔ ہم ضروریات سے فارغ ہوئے۔ ناشتے کے بارے میں طے کیا گیا کہ راستے میں کریں گے۔ چنانچہ ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑے تھے اور گھوڑے اب بالکل رام ہو گئے تھے اور ذرا بھی شرارت نہیں کر رہے تھے چنانچہ ہم نے سست روی سے وہ علاقہ چھوڑ دیا۔ اور پہاڑوں کے درمیان سفر کرنے لگے۔

ناہموار پتھروں پر گھوڑے زیادہ تیز نہیں چل سکتے تھے ہمیں بھی کسی مخصوص جگہ پہنچنے کی جلدی نہیں تھی اس لئے ہم اطمینان سے آگے بڑھتے رہے۔ ناہموار پتھروں سے ڈھکا ہوا ٹکڑا زیادہ طویل نہیں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہموار لیکن چٹیل راستہ آ گیا۔ دور دور تک دونوں سمت بلند و بالا پہاڑ تھے اور ہم ان کے درمیان چل رہے تھے۔ یہ راستہ آگے تنگ ہوتا گیا تھا۔ یہاں تک کہ آگے چل کر دونوں پہاڑ مل گئے تھے اور راستے نے ان کے نیچے ایک سرنگ کی شکل اختیار کر لی تھی۔ لیکن یہ سرنگ زیادہ لمبی نہیں تھی۔ دوسری طرف روشنی نظر آ رہی تھی۔

لیکن ہم نے دونوں سرنگ سے سر نکالا ہی تھا کہ ایک فائر کی آواز پہاڑوں میں گونج اٹھی۔

"ہیرا گئے۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا اور ہم دونوں نے پھرتی سے اپنے پستول نکال لئے۔ ہم نے گھوڑے روک لئے تھے اور تیز نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔

اور پھر سامنے کی پہاڑی سے ہم نے ایک سفید رنگ کے گھوڑے کو نیچے اترتے ہوئے دیکھا۔ اس کی پشت پر کوئی سوار تھا۔ لیکن جب وہ ہمارے سامنے آیا تو ہم چونک پڑے اور حیرانی سے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ یہ قہوہ خانے کا بوڑھا مالک تھا۔ اس کے سرخ و سفید چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ چند ساعت کے بعد وہ ہمارے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کی رائفل ہاتھوں میں دبی ہوئی تھی۔

"تو تم نے میری بات نہیں مانی۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"ہم نے اس وقت کہہ دیا خان۔" طالوت نے لاپرواہی سے کہا۔

"مگر ادھر اس طرف موت ہے۔" بوڑھے نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ہم موت کا انکار کرتے ہیں۔ ہم موت کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔"

"جوانی منہ زور ہوتی ہے لیکن میرے بوڑھے تجربے سے فائدہ اٹھاؤ۔ ادھر اس طرف نہ جاؤ۔ میں تمہاری منت کرتا ہوں۔"

"ہم عہد کر چکے ہیں خان۔ کہ تمہارے بیٹے کے قاتلوں سے بدلہ ضرور لیں گے اور عہد توڑنے کے لئے نہیں ہوتے۔"

"لیکن تمہارا اس سے کوئی رشتہ نہیں تھا۔ تم میرے لئے اجنبی ہو۔"

"انسانیت کا رشتہ سب سے بڑا ہوتا ہے خان۔ تم نے سب ہی سے کہا تھا کہ تم بوڑھے ہو چکے ہو۔ اور اپنے بیٹے کا انتقام نہیں لے سکتے۔ ہم نے تم سے کہا تھا کہ ہم تمہارے بیٹوں کی طرح ہیں اور ہم اپنے بھائی کا بدلہ لیں گے۔ ابھی۔ اس کے بعد تم چاہو بھی تب ہم اپنا عہد ضرور پورا کریں گے۔"

"تم کیسے بیٹے ہو۔ بوڑھے باپ کی بات نہیں مانتے۔" خان نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا۔ وہ بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔

"اس کے علاوہ ہم تمہاری ہر بات مان لیں گے خان۔ ہمیں ہمارا عہد پورا کرنے دو۔"

"دشمن بہت خونخوار ہیں۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔"

"دشمن اگر خونخوار نہ ہو تو اس سے مقابلہ کرنے میں کیا لطف آئے گا خان۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ بوڑھا خان بے بسی سے ہمیں گھورنے لگا۔ کئی منٹ اسی طرح گزر گئے۔ اور پھر اچانک بوڑھے کے چہرے سے خون اُبلنے لگا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ اور پھر اس نے رائفل بلند کر کے پاگلوں کی طرح چیخا۔

"شیر آ رہے ہیں سرتاج خان۔ میں آ رہا ہوں۔ بوڑھے شہباز کی رگوں کا خون پھر سے جوان ہو گیا ہے۔ ہوشیار سرتاج خان ہوشیار۔ مظلوم رحمان کا خون آج پھر جاگ اٹھا ہے۔ میں اپنی بہو کو لے کر آؤں گا۔ وہ زندہ ہے میری عزت ہے۔ میری عزت میرے گھر میں ہی محفوظ رہے گی۔"

اور بلاشبہ ہم نے بوڑھے خان کے چہرے پر پہلے سے زیادہ توانائی دیکھی۔ اس کے اندر ایک عجیب سا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ پھر وہ گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ اور اس نے دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔

"آؤ میرے بچو۔ آؤ۔ میرے سینے سے لگ جاؤ۔ تم نے شہباز کو پھر سے جوان کر دیا ہے۔ آؤ۔ میرا چوڑا سینہ بیٹے کے سر کا لمس بھول چکا ہے۔ آؤ۔ میرے سینے پر سر رکھ دو تاکہ رحمان کی یاد کے زخم پھر سے ہرے ہو جائیں۔ اور میں اپنے دشمنوں کے لئے زیادہ خطرناک ہو جاؤں۔ آؤ میرے بچو۔"

اور ہم دونوں گھوڑوں سے اتر گئے۔ بوڑھے خان نے ہم دونوں کو سینے سے بھینچ لیا اور پھر کوشش کے باوجود وہ اپنا سسکیاں نہ روک سکا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔ بمشکل تمام ہم نے اسے سہارا دیا اور ایک چٹان کے پاس لے آئے۔ ہم نے اپنے گھوڑے یونہی چھوڑ دیئے تھے۔ چٹان کے پاس بیٹھ کر بھی بوڑھا روتا رہا۔

"پورے آٹھ سال گزر گئے صاحب، دو رسے بیٹے کی موت کو۔ رحمان خان ہمارا اکیلا بیٹا تھا۔ اس کے بعد ہم اولاد کو ترس گیا۔ ہم آج آخری بار رویا ہے۔ خدا کسم۔ اس کے بعد ہماری آنکھوں سے آنسو نہیں آئیں گے آنسو کی جگہ آگ نکلے گا اور اس آگ میں سرتاج خان کی پوری بستی جل جائے گی تم دیکھنا۔ یہ شہباز خان کا عہد ہے۔" وہ سسکیاں لیتے ہوئے بولا۔

"ہم تمہارے ساتھ ہیں شہباز خان۔"

"خدا تم لوگوں کو زندگی دے۔" اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"تم ادھر کیسے نکل آئے تھے خان بابا؟" طالوت نے پوچھا۔

"ہم تم لوگوں کو بھول جاتا۔ تم نے ایسا بات بولا تھا کہ ہمارے دل پر زخم لگ گیا تھا۔ ہم نے اسی وقت وہ گاؤں چھوڑ دیا۔ اور پھر تمہارا پیچھا کرتا رہا۔ ہم اس وقت بھی تمہیں دیکھ رہا تھا جب تم نے زورک خان کے گھوڑے کو قابو میں کیا۔ خدا کا قسم ہم تم سے دور تھا۔ مگر ہم نے خوب زور زور سے تالیاں بجایا تھا۔ تم لوگ جو تیزی دکھا رہا تھا اس سے ہمیں یقین ہو گیا کہ تم.... قبائلی علاقے میں ضرور جائے گا۔ مگر ہم سوچتا تھا۔ تم شہر کا لوگ کمزور ہوتا ہے۔ تم ادھر آزاد نہیں رہ سکے گا۔ پھر جب تم نے گھوڑے کو گرایا تو خدا کا کسم ہم منہ کھول کر رہ گیا۔ اور پھر ہم نے سوچا تم معمولی لوگ نہیں ہے۔ پھر ہم اپنا لالہ بی کے پاس آیا اور اس کو سب بات بولا تو اس نیک بخت نے ہم کو غیرت دلایا۔ وہ بولا۔ تم کو رحمان خان کا بدلہ لینے جانا ہے ہو اور ہم خیر سے بیٹھا ہے۔ تب ہم نے طے کیا کہ اگر تم ادھر جائے گا تو ہم بھی تمہارے ساتھ ہوگا۔ ہم نے جلدی جلدی سے سارا انتظام کیا اور پھر ہم ادھر پہنچ کر تمہارا انتظار کرنے لگا۔"

"ہوں۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور بولا۔ "خان شہباز کا ساتھ ہمارے لئے اور دلچسپ ہوگا۔ کیا خیال ہے؟"

"یقیناً۔" میں نے بادل نخواستہ کہا۔

"تم نے ناشتہ کر لیا خان؟"

"ابھی نہیں۔" شہباز نے سادگی سے جواب دیا۔

"تو آؤ ناشتہ کریں۔" طالوت بولا خان جلدی سے اپنے گھوڑے کی طرف بڑھ گیا۔ اور اس وقت کا ناشتہ ہم نے خان کے ساتھ لائے سامان میں سے کیا۔ وہ پنیر اور روٹی لایا تھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر ہم نے سفری تیاریاں کیں اور پھر گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ گھوڑے دوڑانے کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی تھی۔ ہم اطمینان سے چل رہے تھے۔

"آپ لوگ نے اپنے نام نہیں بتائے۔"

"آپ جو نام لیں خان شہباز۔" طالوت نے کہا۔

"چہ اگر تم خان کے لباس میں ہوتا تو ہم تمہیں دلیر خان اور اس کو دلاور خان بولتا۔" شہباز خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ بات ہے خان تو ابھی لو۔" طالوت نے کہا اور گھوڑے سے اتر پڑا۔ خان شہباز نے بھی گھوڑا روک لیا تھا۔ طالوت نے تھیلے سے مقامی لباس نکالا اور مجھے بھی اشارہ کیا۔ یہ معاش طالوت سرحدی لباس پہننے کے بعد بالکل پٹھان نظر آ رہا تھا۔ خود میں نے بھی یہی لباس پہن لیا۔

اور خان ہمیں اپنے لباس میں دیکھ کر کھل اٹھا "چہ خدایا۔ تم لوگ بالکل پٹھان لگ رہا ہے۔" اس نے مسرور انداز میں کہا۔

"اب میرا نام دلیر خان۔ اور ان کا دلاور خان ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم یہی نام لے گا۔" خان شہباز نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ پورا دن ہم نے گھوڑوں کی پشت پر گزارا۔ راستے میں مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی تھی۔ راستے کے مناظر بدلتے رہے تھے۔ کبھی خشک اور بے آب و گیاہ پہاڑیاں نظر آتیں کبھی سبزے سے ڈھکے ہوئے میدان اور کبھی برف پوش علاقے یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ اس وقت ہم ایک بلند و بالا برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑی کے دامن میں تھے۔ وہیں ایک مناسب جگہ تلاش کر کے رات کے قیام کا بندوبست کیا گیا اور پھر رات کے کھانے کا بندوبست کیا جانے لگا۔ کھانے کے بعد ایک تھرماس سے شہباز خان نے قہوہ نکالا۔ اور قہوہ پیتے ہوئے طالوت نے شہباز خان سے پوچھا۔

"کیا تم ہمیں رحمان خان کی موت کی تفصیل نہیں بتاؤ گے شہباز خان؟"

"ہاں ضرور بتاؤں گا اور سمجھ لو میرے بچو۔ بوڑھا خان جھوٹ نہیں بولتا۔ وہ جو کچھ کہے گا سچ کہے گا۔"



[illegible]

"رحمان خان کا عمر پچیس سال تھا۔ پہلے ہم لوگ بھی تامیہ کے علاقے میں رہتے تھے۔ یہ خوبصورت بستی اسی راستے پر ہے جدھر ہم جا رہے ہیں۔ تامیہ سے آگے کچھ بستیاں اور پڑتی ہیں جو آزاد علاقے میں ہیں۔ آخری بستی کے دوسری طرف زورات ہے، خان زورات ایک نیک دل انسان ہے۔ گو یہ علاقہ اس کی ملکیت نہیں ہے نہ ہی کبھی اس نے اس پر بری نگاہ ڈالی۔ اس کے باوجود وہ اس علاقے کے مفادات کا خیال رکھتا ہے۔ کبھی یہ بستیاں قحط سالی کا شکار ہو جاتی ہیں یا زلزلے سے تباہ کاری ہوتی ہے تو خان زورات ہماری پوری پوری مدد کرتا ہے۔

اب کی بات نہیں معلوم۔ پہلے یہی ہوتا تھا۔ تامیہ میں میری تھوڑی سی زمین تھی جس پر کاشت کر کے میں اپنی بیوی اور بچے کا پیٹ پالتا تھا۔ میرے دو بھائی بھی تھے۔ وہ بھی اسی بستی میں رہتے تھے۔ لیکن پھر تباہی نے ہمارے گھر میں جھانکا۔ تامیہ ہی کے علاقے کا ایک بڑا آدمی دولت خان تھا۔ بڑا کینہ پرور اور خطرناک آدمی۔ اس کے پاس بہت بڑی زمین تھی اور اس کے مویشی پورے علاقے میں سب سے زیادہ تھے اس کی چراگاہ بھی سب سے بڑی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ چور بھی تھا۔ رات کی تاریکی میں اس کے آدمی غلہ چرانے آ جاتے تھے۔

اور ایک رات اس کے دو آدمی میرے بھائی گلدار خان کے گھر چوری کرنے آئے۔ گلدار کو معلوم نہیں تھا کہ ان چوروں میں دولت خان کا سگا بھائی بھی ہے۔ گلدار کی رائفل نے دونوں چوروں کو موت کی نیند سلا دیا۔ اور پھر دن کی روشنی میں پتہ چلا کہ دولت خان کا بھائی بھی چوروں میں شامل تھا۔

دولت خان اپنے آدمیوں کو لے کر گلدار خان پر چڑھ آیا۔ لیکن جرگے نے فیصلہ دیا کہ چونکہ گلدار خان نے انہیں چوری کرتے ہوئے ہلاک کیا تھا، اس لئے گلدار خان بے قصور ہے۔ دولت خان چلا گیا۔ لیکن اس کے دل میں بدلے کا خیال تھا، چنانچہ ایک شام جب گلدار خان اپنے مویشیوں کو لا رہا تھا، دولت خان کے آدمیوں نے اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ جرگے نے اسے طلب کیا، لیکن وہ صاف مکر گیا کہ اس کے آدمیوں نے قتل نہیں کیا۔

جرگہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا لیکن میرا چھوٹا بھائی زمرد خان جانتا تھا کہ گلدار کو دولت خان کے آدمیوں نے مارا ہے اور وہ دولت خان کی تاک میں رہا۔ آخر ایک دن اس نے دولت کو اس کی چراگاہ میں للکارا۔ لیکن بد قسمت انسان دولت خان کو ہلاک کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اور اس کے آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ دولت خان نے اس کی لاش بھجوا دی تھی اور بتایا تھا کہ وہ کس طرح مارا گیا۔

میں شروع سے امن پسند آدمی تھا، لیکن دوسرے بھائی کی موت پر میرا خون کھول اٹھا۔ میں نے دولت خان سے کہا کہ میں اس سے اپنے بھائیوں کا انتقام لوں گا، لیکن دولت خان نے مقدمہ جرگے کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے کہا کہ اسے مجھ سے خطرہ ہے، اس لئے اس کی حفاظت کا بندوبست کیا جائے۔ اور جرگے کے بوڑھے ارکان نے فیصلہ کیا مجھے بستی سے نکال دیا جائے۔ انہوں نے میری منت کی کہ امن کی خاطر میں بستی چھوڑ دوں اور مجھے بستی چھوڑنی پڑی اور میں یہاں چلا آیا۔ رحمان خان اس وقت آٹھ سال کا تھا اور سمجھدار تھا۔ پورے دس سال تک ہم نے تامیہ کا رخ نہیں کیا۔ لیکن رحمان خان اپنی چچی اور ان کے بچوں کو نہیں بھولا تھا۔ جب وہ اٹھارہ سال کا تھا تو اس نے تامیہ جانے کی اجازت مانگی۔ میں نے اسے بہت منع کیا۔ لیکن ضدی لڑکا ایک دن چھپ کر ادھر نکل گیا۔ وہ تامیہ پہنچا اور وہاں اپنے رشتے داروں سے ملا۔

دشمنی ختم ہو چکی تھی کیونکہ میرے بھائیوں کے بچوں میں کوئی لڑکا نہیں تھا جو انتقام لیتا۔ وہ آرام سے رہ رہے تھے۔ لیکن بد قسمت رحمان خان تامیہ کی ایک لڑکی سے دل لگا بیٹھا۔ اور پھر وہ چھپ چھپ کر تامیہ جانے لگا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ لڑکی دولت خان کی تھی۔ اور وہ بھی رحمان خان سے محبت کرتی تھی۔ لیکن دولت خان کے بیٹے کو یہ بات معلوم ہو گئی۔ اس کا نام سرتاج خان تھا اور ایک دن اس نے رحمان خان کو گولی مار دی۔

دولت خان نے میری آخری پونجی بھی چھین لی۔ میرے رشتے داروں نے رحمان خان کے خون آلود کپڑے میرے پاس بھجوا دیئے اور میں پاگل ہو گیا۔ مجھ بوڑھے کے بدن میں اب اتنی قوت نہیں رہ گئی تھی کہ اپنے بیٹے کا بدلہ لیتا اور اس کے بعد میں نے صبر کر لیا۔" بوڑھے شہباز خان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ طالوت اور میں بہت متاثر تھے۔ پھر کافی دیر کے بعد طالوت نے پوچھا۔

"کیا تم اپنے بیٹے کی قبر پر بھی نہیں گئے؟"

"میرے لالہ بی نے نہیں جانے دیا۔ وہ بہت ڈرتی تھی۔"

"تمہارے پاس رحمان کی لاش کیوں نہیں آئی؟"

"میرے رشتے داروں نے بتایا تھا کہ رحمان کی لاش

بالکل خراب ہو چکی تھی۔ وہ ایک ویرانے میں پڑا تھا۔ وہ اس قابل نہیں تھا کہ اس کا علاج میرے پاس ہوتا۔ چنانچہ انہوں نے اسے دفن کر دیا۔ اور میرے پاس صرف پچھتاوے بچ گئے۔"

"تم نہ کرو خان بابا۔ ہم ان سب سے انتقام لیں گے۔" طالوت نے کہا۔

"میں نے کبھی کسی پر ظلم نہیں کیا میرے بچو۔ مگر آج میں اٹھ کھڑا ہوا ہوں۔ میں بزدل نہیں ہوں۔ میں امن پسند تھا۔ لیکن آج اب میں ایک ایک سے انتقام لوں گا۔"

"ہم تمہارے ساتھ ہیں بابا۔"

"تم میرے محسن ہو۔ میں تمہارے اس احسان کو کبھی نہ بھولوں گا۔ اگر تم مجھے نہ ملتے تو۔ تو شاید میں اپنے بیٹے کے بدلے کی حسرت لے کر قبر میں جاتا۔ لیکن۔ لیکن اب اگر میں بھی دولت خان کے ہاتھوں مارا گیا تو مجھے افسوس نہیں ہوگا۔ میں اپنی کوشش مکمل کر چکا ہوں گا۔"

"دولت خان تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا شہباز خان۔ تم اکیلے نہیں ہو۔" میں عموماً خاموش ہی رہتا تھا۔ بہرحال میں اس پروگرام سے بھی ناخوش نہیں تھا۔ زندگی کو ہنگاموں کی ضرورت ہوتی ہے اور طالوت کی سنگت ہنگاموں سے پُر تھی۔

"دولت خان کا علاقہ یہاں سے کتنی دور ہے؟"

"ابھی لمبا سفر ہے۔ لیکن پرواہ نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" طالوت نے کہا اور پھر ہم سونے کے لیے لیٹ گئے۔ اس ویران علاقے میں مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ سردی بھی خاصی تھی لیکن سردی سے بچاؤ کے انتظامات بھی پورے تھے اس لئے محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے دیکھا طالوت عزت سے سو رہا ہے البتہ شہباز خان جاگ رہا تھا۔

"شہباز بابا۔" میں نے آہستہ سے آواز دی۔

"جاگ رہے ہو بیٹا؟"

"ہاں بابا۔ نیند نہیں آ رہی۔"

"تو باتیں کریں۔" بوڑھے نے کہا اور میں کھسک کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ "تمہارا بھائی ہے؟"

"سگا بھائی نہیں۔ لیکن بھائیوں سے زیادہ ہے۔"

"چچا زاد ہے؟"

"نہیں۔"

"خیر اس کی فکر۔ وہ بالکل تمہارے جیسا ہے۔"

"یہ ہماری دوستی کی خوشی ہے۔"

"اچھا۔" بوڑھے نے گردن ہلائی۔ پھر بولا "بہرحال ہمارے وطن میں ایسا باپ قانون ہے۔ طاقتور بندوق اور عزت خرید لیتا ہے۔" "ہاں۔"

"اس سے پہلے تمہارے پاس ہتھیار نہیں تھے؟"

"نہیں۔"

"تم لوگوں کا نشانہ اچھا ہے؟"

"بس ٹھیک ہے۔"

"نہیں میرے بچے۔ پہاڑوں میں زندگی گزارنے والے بندوق کے عادی ہوتے ہیں۔ ہمارے علاقے کا بچہ بچہ نشانے کا ماہر ہے۔ اگر تمہارا نشانہ اچھا نہیں ہے تو تھوڑی سی مشق کرنی چاہئے۔"

"مشق کر لیں گے بابا۔"

"کل صبح چند فائر کرنا ہوں گے۔"

"آپ کا نشانہ تو بہت اچھا ہوگا بابا؟"

"ہاں۔ میں بھی اسی علاقے میں پیدا ہوا تھا۔" بوڑھا ہنسنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم آپ سے کچھ سیکھ لیں گے۔" میں نے کہا اور بوڑھا پُر تفکر انداز میں گردن ہلانے لگا پھر بولا۔

"یہاں سے بارہ میل دور ایک گاؤں ہے۔ یہ شیر خان کی بستی ہے۔ شیر خان دولت خان کا دوست ہے۔ ہمیں اس بستی سے بچ کر گزرنا ہوگا۔ ہم پہاڑوں کے پیچھے کا راستہ اختیار کریں گے تاکہ دولت خان پر اچانک جا پڑیں۔"

"ٹھیک ہے بابا۔" اور پھر کافی دیر تک ہم گفتگو کرتے رہے۔ پھر مجھے نیند آنے لگی اور میں لیٹ کر سو گیا۔ دوسرے دن صبح ہی صبح میری آنکھ کھلی۔ شہباز خان جاگ اٹھا تھا۔ طالوت ابھی تک سو رہا تھا۔ میں نے دیکھا۔ شہباز خان محبت بھری نظروں سے طالوت کو دیکھ رہا ہے مجھے دیکھ کر مسکرایا۔ پھر میرے سلام کا جواب دیتے ہوئے بولا۔

"تمہارا دوست بے حد نڈر ہے۔ اس بستی پر دو دن اتنے آرام کی نیند سونا عام لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے۔"

"ہاں۔ وہ بے حد نڈر ہے۔" میں نے جواب دیا۔ ہم لوگ ضروریات سے فارغ ہونے لگے۔ پھر طالوت بھی اٹھ گیا اور پھر ہم قہوے سے ناشتہ کر کے ایک مختصر سفر کے لئے شہباز خان کے ساتھ چل پڑے۔

"میں نے تمہارے دوست سے رات کو تمہارے نشانے کی بات کی تھی کیا تم مجھے اپنا نشانہ دکھاؤ گے؟"

"ضرور خان بابا۔" طالوت نے کہا۔ اور ہم اپنی



رائفلیں لے کر ایک مناسب جگہ چل پڑے۔

"پہلے ہم آپ کا نشانہ دیکھیں گے خان بابا۔" طالوت نے کہا۔

"ہاں۔ ہاں۔ ضرور۔ مگر اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔" پھر بہت دور ایک اونچی جگہ چند نشان بنائے گئے اور بوڑھے خان نے ان پر کامیاب نشانے لگائے۔ بلاشبہ اس عمر میں بھی اس کا نشانہ قابل داد تھا۔ میں نے اور طالوت نے دل کھول کر تعریف کی۔ تب طالوت کے اشارے پر میں نے رائفل سنبھال لی۔

بلاشبہ نشانے بازی کے بارے میں مجھے کوئی تجربہ نہیں تھا۔ میں نے طالوت کی طرف دیکھا اور اس نے آنکھ ماری۔ پھر اس نے بوڑھے سے کہا۔ وہ چند پتھر فضا میں اچھالے اور مختلف سمتوں میں اچھالے اور بوڑھا ہنسنے لگا "میرے خدا! یہ کیا ہو رہے تھے۔ لیکن صاحب طالوت' طالوت ہے۔ بوڑھے خان نے مختلف سمتوں میں پتھر اچھالے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حشمت پاشا کے خاندان میں کسی نے بندوقیں نہیں چلائی تھیں۔ بخدا ان نشانوں سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ لیکن اس کو میں کیا کرتا میری کسی بازی سے تینوں پتھر ہوا کے سپرد ہو گئے تھے اور بوڑھا خان منہ پھاڑے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میری بھی ہمت بڑھ گئی تھی۔ میں جانتا تھا کہ کسی طرف کوئی چلا دوں گی نشانے پر ہی اور وہی ہوا۔ بوڑھا حیرت سے گنگ ہو گیا تھا۔ اور پھر جب میں نے رائفل رکھی تو اس نے مجھے سینے سے لگا لیا۔

"خدا کی قسم۔ ایسا نشانہ اس سے پہلے نہیں دیکھا۔ ہمارا تو مغز خراب ہو گیا۔ سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ یہ نشانہ بازی کیا ہے۔"

بہرحال اس کے بعد طالوت نے اپنی نشانہ بازی دکھائی اور اس کے بارے میں صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ طالوت کی نشانہ بازی تھی۔ بوڑھے خان کا دماغ خراب ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح ہمیں دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"تم لوگ۔ تم لوگ اس دنیا کے انسان نہیں معلوم ہوتے اور تمہارے ساتھ آنے کے بعد اب ہمیں بھی یقین ہونے لگا ہے کہ ہم اپنی آرزو پوری کر سکے گا۔"

ہم دونوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"آؤ چلیں۔ ہماری دوسری منزل بڑی سخت ہو گی۔ یہیں سے ہمارے دشمنوں کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ وہی سراغ اگر کل ہم خان جی کی حفاظت سے تو پھر دولت خان کو ہمارے آنے کی خبر مل جائے گی۔" خان شہباز نے گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے کہا اور ہم دونوں نے بھی اپنے گھوڑے سنبھال لئے۔

اور پھر ایک سمت کا تعین کر کے ہم چل پڑے۔ بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان تین آدمیوں کا یہ سفر بہت دلچسپ لگ رہا تھا۔ اور پھر آنے والے لمحات کا تصور۔ نہ جانے کون کون سے ہنگاموں سے نپٹنا پڑے۔ "تم نے کہا تھا خان بابا کہ آزاد علاقے میں زبردست خطرہ ہے۔ ابھی تک تو ایک بھی فرد سے ملاقات نہیں ہوئی۔" راستے میں طالوت نے کہا۔

"اس دھوکے میں مت رہو بیٹا۔ جس علاقے سے ہم گزر رہے ہیں اس علاقے کے جرگے کے سردار کو ہمارے بارے میں اطلاع ضرور مل گئی ہوگی۔" خان نے کہا۔

"ارے۔ وہ کیسے؟"

"پہاڑوں میں چھپی ہوئی بہت سی آنکھوں نے ہمیں دیکھا ہوگا اور جرگے کو اطلاع ہوگی۔"

"لیکن ہمیں تو کوئی نظر نہیں آیا۔"

"خاموشی سے گزرنے کی اجازت دے دی گئی ہوگی۔ ورنہ اتنی آسانی نہیں ہوتی۔" بوڑھے خان نے بتایا اور ہم خاموش ہو گئے۔ ممکن ہے بوڑھے خان کا بیان درست ہو۔ ممکن ہے ان پہاڑی راستوں کی ایسی ہی نگرانی ہوتی ہو۔

بہرحال طویل سفر طے ہوتا رہا۔ موسم بھی خوشگوار تھا۔ گرمی کا نام و نشان نہیں تھا۔ تیز رفتار گھوڑے بھی خوش و خرم تھے اور آسانی سے سفر کر رہے تھے۔ بعض جگہ دشوار راستے آ جاتے لیکن گھوڑے بھی مقامی تھے اور ان راستوں کے عادی۔ اس لئے انہیں کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی۔ پھر اچانک سورج ہمارے سروں سے غائب ہو گیا اور بادلوں کی دھند چھا گئی۔ موسم اور رنگین ہو گیا تھا لیکن بوڑھے خان نے کئی بار گردن اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تھا۔ بادل گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

"کیا ان پہاڑوں کی بارش خطرناک ہوتی ہے خان بابا؟" میں نے پوچھا۔

"بارش نہیں برف باری کہو۔" شہباز خان نے کہا۔

"تو کیا برف باری کے آثار ہیں؟" طالوت نے پوچھا۔

"ہاں۔ ان علاقوں میں اچانک اور غیر متوقع طور پر برف باری شروع ہو جاتی ہے اور پھر کئی کئی دن تک جاری رہتی ہے۔ نقشہ ہی بدل جاتا ہے۔ تم جن راستوں سے گزر کر دوسری

جھولوں پر جاتے ہیں۔ واپسی پر ان کا نام و نشان نہیں ہوتا۔"

"خوب۔" طالوت نے پسندیدگی کے انداز میں گردن ہلائی۔ "بہت خوبصورت علاقہ ہے۔" درحقیقت ہم ایک حسین خطے میں سفر کر رہے تھے۔ پہاڑوں کا حسن نکھرا ہوا تھا۔ بادلوں کی گڑگڑاہٹ میں ماحول بہت خوبصورت ہو گیا تھا۔ بادل گہرے ہوتے گئے۔ شہباز خان کے اشارے پر گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی گئی تھی۔

پھر ایک ایسی پہاڑی آئی جس کے اوپری حصے پر ایک گول دائرے نما چٹان نظر آ رہی تھی' اس کے درمیان صاف کٹا ہوا سوراخ تھا۔ شاید یہ کسی قسم کا نشان تھا جو کہ قدرتی ہی معلوم ہوتا تھا۔

تب بوڑھے شہباز خان نے کہا "اس پہاڑی کے دوسری طرف بھی سرائے ہے۔"

"کوئی بستی ہے؟"

"ہاں۔ چھوٹی سی بستی۔ جسے زغن خان نے آباد کیا تھا اور پھر زغن خان کے بعد اس کا بیٹا اس کا مالک بن گیا۔ پھر اس کا پوتا گلباغ خان جو مکار بھی ہے اور بے غیرت بھی۔ اس نے اپنی پھوپھی دولت خان کو دے دی تھی اور دولت خان نے اس پر عنایات کی بارش کر دی اور گلباغ خان خود بھی اس علاقے کا بڑا کہلانے لگا۔ کیونکہ اسے دولت خان کی مدد حاصل تھی۔"

"یہ تو وقت بتائے گا۔" شہباز نے کہا اور ہم خاموش ہو گئے۔ دائرے والی پہاڑی کی لمبائی کافی تھی۔ ہم گھوم کر ہی اس کے دوسری طرف پہنچ سکے۔

دوسری طرف کا منظر ادھر سے بھی زیادہ خوشگوار تھا۔ یہاں لہلہاتے کھیت نظر آ رہے تھے اور کھیتوں کے دوسری طرف پکے پکے مکان خوبصورت کھلونوں کی مانند بکھرے ہوئے تھے' ان کی تعداد دو سو کے قریب ہو گی۔ بعض مکانات کی چمنیوں سے لرزتا ہوا سا دھواں اٹھ رہا تھا۔ ہم نے گھوڑے روک لئے۔ شہباز خان عجیب سی نگاہوں سے بستی کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور ہماری طرف دیکھنے لگا۔

"کیا سوچ رہے ہو خان بابا؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "کتنی مدت کے بعد ایک بار پھر قسمت یہاں لے آئی ہے۔ لیکن سوچ رہا ہوں کہ اب میں کس قدر تنہا ہوں۔ میرے پاس کچھ بھی تو نہیں ہے۔ انسان کا سب سے بڑا سہارا اس کی اولاد ہوتی ہے' جس کے پاس یہ دولت نہ رہے اسے زندہ رہنے کا کیا حق ہے؟ خدا نے مجھے ایک بیٹا دیا تھا۔ میں نے خود کو مطمئن کرنے کے لئے کہا تھا کہ شیر کا بیٹا شیر ہوتا ہے۔ لیکن لوگوں نے میرا شیر مجھ سے چھین لیا۔ اب میرے پاس انتقام کے سوا اور کیا رہ گیا ہے۔" بوڑھے کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ تب طالوت نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور شہباز خان کے قریب پہنچ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"تمہاری دنیا میں بھی ایک خوبی ہے شہباز خان۔ ہر ایک کا مسئلہ نیا ہوتا ہے۔ تم لوگ اسی لئے زندہ ہو کہ تمہارے درمیان یکسانیت نہیں ہے۔ جہاں ایک شے دوسرے سے آشنا ہے ہر آنکھ میں نئے آنسو ہیں۔ عجیب ہے تمہاری دنیا۔ عجیب ہے۔"

اور میں چونک پڑا۔ یہ یوسف عمران بول رہا تھا۔ طالوت اپنی شخصیت کے لبادے سے جھانک رہا تھا۔ شاید وہ جذباتی ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں جلدی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔

اور وہ مجھے دیکھ کر سنبھل گیا۔ تب اس نے بوڑھے کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا "انتقام کی بات آنکھوں میں آنسو نہیں' آگ ہوتی ہے خان بابا۔ تم بھی ہمیں اپنا نہیں سمجھتے۔ لیکن ہم نے تمہیں بابا کہا ہے۔ ہم تو [illegible]۔"

"یہ میری آنکھوں کے آخری آنسو تھے میرے بیٹے۔ میں نے انہیں بھی گرا دیا۔ اب تم صرف ان آنکھوں کو شعلے برساتے ہوئے دیکھو گے' صرف شعلے' آؤ۔" بوڑھے نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ اور ہم نے بھی اپنے گھوڑے اس کے پیچھے دوڑا دیئے۔ شہباز خان نے کھیتوں کی پرواہ بھی نہیں کی تھی۔ اس نے اپنا گھوڑا کھیتوں میں ڈال دیا اور ہم نے بھی مجبوراً اس کی تقلید کی۔ حالانکہ لہلہاتے ہوئے کھیت روندنے سے کوفت ہو رہی تھی۔

اور پھر اسی وقت برف باری شروع ہو گئی۔ برف کے ذرات تیزی سے گرنے لگے۔ اس موسم نے طالوت کو بے حد متاثر کیا تھا۔ چنانچہ اس نے گھوڑے کی رفتار سست کر دی۔ بوڑھا خان ہم سے بہت آگے نکل گیا تھا۔

"طالوت۔" میں نے اپنے گھوڑے کی لگامیں کھینچ کر اسے آواز دی اور وہ میرے قریب پہنچ گیا۔ "وہ شہباز خان آگے نکل چکا ہے۔"

"ویسے موسم بہت خوبصورت ہے۔" طالوت نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ لیکن حالات خوبصورت نہیں ہیں۔ ہم موسم



سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے۔"

"خیر۔ پھر سہی۔" طالوت نے گھوڑے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا اور ہم نے رفتار تیز کر دی۔ چند ساعت کے بعد ہم نے بوڑھے شہباز کو جا لیا۔ وہ پیچھے دیکھے بغیر آگے بڑھ رہا تھا۔ برف باری شروع ہونے کی وجہ سے بستی کے لوگ گھروں میں جا گھسے تھے۔ صرف اکا دکا آدمی جلدی جلدی گھروں کی طرف جاتے نظر آ جاتے تھے۔

شہباز کا رخ اس بڑی عمارت کی طرف تھا۔ جس پر "قہوہ خانہ کی سرائے" کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ سرائے کے باہر ایک چوڑا سائبان موجود تھا' جس میں گھوڑے باندھنے کی جگہ بنی ہوئی تھی۔ ہم لوگ اپنے گھوڑے اس سائبان کے نیچے لے گئے۔ اور پھر شہباز خان گھوڑے سے نیچے اتر گیا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو باندھا۔ ہم لوگ اس کی تقلید کر رہے تھے۔ بوڑھے خان نے اپنے کلاہ کے صافے کو داڑھی سے لپیٹ لیا۔ اس سے اس کا چہرہ کافی حد تک ڈھک گیا تھا۔

پھر اس نے زین کے ہولسٹر سے رائفل کھینچی۔ پستول کی پیٹی اس کی کمر سے بندھی ہوئی تھی۔ ہم نے اپنی رائفلیں بھی ساتھ لے لیں اور اس کے بعد ہم سرائے کے دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔

ایک بہت بڑا ہال تھا' جس میں لکڑی کی بے ہنگم کرسیاں اور میزیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان کے گرد بے شمار خوش فکرے بیٹھے ہوئے قہوے سے شغل کر رہے تھے۔ تندرست و توانا۔ خوبصورت اور خطرناک چہرے والے۔ قہقہے ابل رہے تھے۔ سب ایک دوسرے سے بے نیاز تھے۔ کھڑکیاں چاروں طرف سے کھول دی گئی تھیں اور ان سے باہر کی فضا صاف نظر آ رہی تھی۔ کبھی کبھی ہوا کے کسی شریر جھونکے کے ساتھ برف کی پھوار اندر بھی آ جاتی اور چہرے پر ننھی ننھی سنگریزوں کی بارش ہو جاتی' اندر کا موسم بھی کافی خنک تھا اور اس کی خنکی میں قہوے کی خوشبو شامل ہو کر عجیب لطف دے رہی تھی۔

ہمارے اندر داخل ہوتے ہی ایک دم خاموشی چھا گئی۔ لوگ ہمیں غور سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن شہباز خان سب سے بے نیاز کوئی خالی میز تلاش کر رہا تھا۔ پھر اس نے ایک میز منتخب کی اور اس کی طرف چل پڑا۔ ہم بھی اس کے ساتھ تھے اور پھر ایک کھڑکی کے نزدیک کی خالی میز پر ہم بیٹھ گئے۔ کرسیوں پر بیٹھنے کے بعد ہم نے چاروں سمت نگاہیں دوڑائیں۔ خاموشی ابھی تک طاری تھی۔

ہال میں بیٹھے ہوئے سارے لوگ مسلح تھے۔ تقریباً سب ہی کی کمر سے پستول کی پیٹی لٹک رہی تھی' اور ان میں مختلف سائز کے پستول تھے۔ بہت سے لوگوں کے پاس رائفلیں بھی تھیں۔ گویا ہتھیار یہاں عام تھے۔ ہم نے اپنی رائفلیں اپنے قریب رکھ لیں۔ اسی وقت میں نے طالوت کی ہلکی سی آواز سنی "راسم!" اور میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ لیکن طالوت نے اتنے دھیمے لہجے میں کوئی بات کی کہ میں سن نہ سکا۔ بوڑھا شہباز خان ہال میں نگاہیں دوڑا رہا تھا اور ہماری طرف متوجہ نہیں تھا' اور پھر طالوت خاموش ہو گیا۔

میں نے اس سے اشارے سے پوچھا کہ وہ راسم کو کیا ہدایات دے رہا تھا۔ اور اس نے لاپرواہی سے گردن ہلا دی۔ بہرحال میں مشکوک ہو گیا تھا۔ نہ جانے طالوت نے راسم کو کیا ہدایات دی تھیں۔

"کیا بات ہے خان بابا۔ خاموش کیوں ہو؟" چند منٹ کے بعد طالوت نے پوچھا اور بوڑھا چونک کر ہماری طرف متوجہ ہو گیا۔

"میں دولت خان کے آدمیوں کو تلاش کر رہا ہوں۔"

"اوہ۔ ان میں کوئی ہے؟"

"نہ جانے کتنے ہوں گے۔ لیکن اس خنزیر قریبہ کو میں پہچان رہا ہوں جو بوڑھا ہو چکا ہے۔ لیکن آج بھی جوانوں کے سے انداز میں بیٹھا ہے۔" شہباز خان نے کینہ توز نگاہوں سے ایک طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کون سا ہے؟"

"وہ جس نے اپنی کلاہ کا طرہ ایک فٹ اونچا کر رکھا ہے۔" اور ہم نے ایک تندرست و توانا بوڑھے کو دیکھا جس کے چوڑے چہرے پر زخم کا گہرا نشان تھا۔ بوڑھا شکل اور آنکھوں سے کافی خونخوار معلوم ہوتا تھا۔

"خوب۔ تو پہلے تم اسے مارو خان بابا۔" طالوت نے کہا۔

"نہیں۔ میں اس چھچھورے پر اس وقت تک ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا جب تک وہ میرے مقابل نہ آئے۔ میں تو گلباغ خان سے معلوم کروں گا کہ میرے بیٹے کو کس طرح قتل کیا گیا۔"

"تو کیا وہ اس کے بارے میں جانتا ہو گا۔"

"اس کے علاوہ اور کون جانے گا۔" شہباز خان نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"کیا وہ بھی ان لوگوں میں موجود ہے؟"

"نہیں۔ وہ اندر ہو گا۔"

"ہاں۔" طالوت نے گردن ہلائی اور اسی وقت ایک بوڑھا بیرہ ہمارے پاس آگیا۔
"قہوہ پیو گے خان؟"
"لاؤ۔" شہباز خان نے بھاری آواز میں کہا۔
"کونسی بستی سے آئے ہو۔ تمہاری شکلیں ہمارے لئے اجنبی ہیں۔" بیرے نے کہا اور شہباز خان بھنویں اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔
"کیا قہوے کے پیسوں کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے؟" اس نے خونخوار لہجے میں کہا۔
"اجنبی لوگوں کے بارے میں ہم ضرور معلوم کرتے ہیں۔" بیرے نے برا سا منہ بنا کر کہا۔
"کیوں۔ وہ چور دولت خان کسی سے خوفزدہ ہے کیا؟" شہباز خان نے کہا اور بیرہ چونک کر اسے گھورنے لگا "ہاں۔ ہاں میں جانتا ہوں تم دولت خان کے کتے ہو۔ اسی کے اشارے پر دم ہلاتے ہو۔" شہباز خان نے حقارت سے کہا۔
"یہ گلباغ خان کا حکم ہے۔"
"وہ بے غیرت بھی اب حکم دینے کے قابل ہو گیا۔ کیوں نہ ہو اس نے دولت خان کو لڑکی پیش کی ہے۔"
بیرہ آگ کی طرح سرخ ہو گیا تھا۔ پھر وہ خاموشی سے مڑا اور واپس چلا گیا۔ شہباز خان تیکھی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ "اب وہ چوہا بل سے نکل آئے گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے ہم دونوں کی طرف دیکھا اور اپنے پستول کے دستے پر ہاتھ رکھ دیا۔
میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ باہر برف اور زور سے پڑنے لگی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اب یہ سفید برف خون سے رنگین ہو جائے گی۔ ہنگامہ ضرور ہو گا۔
اور میرا خیال غلط نہ تھا۔ ہال کے ایک دروازے سے جس میں بیرہ داخل ہوا تھا۔ ایک میلے رنگ کا خوفناک شکل والا آدمی باہر آیا۔ اس کے پیچھے دو مسلح جوان تھے اور بیرہ اس کے ساتھ تھا۔
باہر نکل کر اس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں اور بیرے نے انگلی سے ہماری طرف اشارہ کر دیا۔
"عارف۔" طالوت نے مجھے پکارا۔
"ہوں۔"
"سنبھل جاؤ۔ کسی قسم کا خوف مت محسوس کرو۔" میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے آنے والوں کو دیکھنے لگا۔ شہباز خان اسی طرح گردن اکڑائے بیٹھا تھا۔ پھر

اس کے منہ سے غراہٹ نکلی۔
"کیوں رے۔ تو بے غیرت۔"
گلباغ خان اپنے آدمیوں کے ساتھ ہمارے سامنے آ گیا۔ وہ خونخوار نظروں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے پھنکارتی آواز میں کہا "کھڑے ہو جاؤ۔"
"او بے غیرت۔ تیری گردن آج بھی نہیں جھکی۔ تجھے احساس نہیں ہوا کہ تو نے اپنی چھوٹی دولت خان کو پیش کر کے اپنے باپ دادا کی غیرت مٹی کی ہے" شہباز نے زور سے کہا۔
"ٹھہرے رہو جاؤ۔" گلباغ خان گرجا۔ اس وقت ہال کے سارے لوگ ہماری طرف متوجہ تھے۔
"میں ایک بے غیرت کی بات نہیں مانتا۔" شہباز نے کہا اور دوسرے لمحے گلباغ خان نے پستول نکال لیا۔ پھر اپنے آدمیوں کی طرف رخ کر کے بولا۔
"اسے کھڑا کرو۔"
"رک جاؤ۔ رک جاؤ۔" طالوت نے ایک ہاتھ اٹھا کر دونوں آدمیوں کو روکا جو بڑے وحشیانہ انداز میں آگے بڑھے تھے اور وہ دونوں ٹھٹک گئے۔ ان کے چہروں پر عجیب تاثرات پیدا ہو گئے اور یہ بات صرف میں نے محسوس کی کہ وہ اپنی مرضی سے نہیں رکے تھے کوئی غیر مرئی قوت ان پر مسلط ہو گئی تھی۔
"اسے کھڑا کرو۔" گلباغ خان ان دونوں کی طرف رخ کر کے دہاڑا۔
"ہم ایسا نہیں کر سکتے خان" وہ دونوں بیک وقت بولے اور ان کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔ انہیں احساس ہو گیا تھا کہ یہ لفظ ان کی مرضی سے ان کے منہ سے نہیں نکلے۔
"کیوں؟" گلباغ خان گرجا۔
"کیونکہ۔ کیونکہ۔ تم سچ مچ بے غیرت ہو۔" وہ پھر اسی انداز میں بولے۔
"او۔ خنزیر کے بچو اور نمک حراموں۔ تمہاری جرأت۔ تم سے بعد میں نپٹوں گا۔ دیکھ لوں گا تمہیں بھی۔" گل باغ خان نے ان میں سے ایک کے لات ماری وہ لڑھک گیا۔ دوسرے کے منہ پر اس نے پستول والا ہاتھ مارا تھا اور اس کی پیشانی کی کھال پھٹ گئی اور خون بہہ نکلا۔ وہ بھی گر پڑا تھا اور ان دونوں نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ تب شہباز خان کھڑا ہو گیا۔ اس نے مجمع کی طرف رخ کر کے کہا۔ "پنی مرانے کے ہو۔ تو کیا تمہیں یہ بات معلوم



ہے کہ گل باغ خان نے دولت خان کی محبت جیتنے کے لئے اس نے اپنے باپ کی بہن دولت خان کو پیش کی تھی۔ ہمارے سامنے ہوئی بغیر نکاح کے دولت خان کی حرم میں داخل ہوئی تھی اور گلباغ خان اسی کی بدولت عزت دار بنا۔"
"اور کہتے تھے میں تجھے قتل کر دوں۔" گلباغ خان نے پستول کا رخ شہباز کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ شہباز خان پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ لیکن گلباغ کے پستول سے نہ تو گولی ہی کہاں نکل سکی۔ نہ کوئی دھماکہ ہوا تھا۔ شاید پستول خالی تھا۔
"تیرا پستول خالی ہو چکا ہے گلباغ۔ اپنے جیسے غیرت مندوں کے ہاتھوں میں اچھے لگتے ہیں۔ اب میں تجھے بتاؤں گا کہ میں کون ہوں۔" شہباز خان نے اپنا چہرہ کھول دیا۔
ہم دونوں بھی کھڑے ہو گئے تھے اور ہم نے اپنے پستول نکال لئے تھے۔ ہماری نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ خاص طور سے ہم بوڑھے توریز پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔
گلباغ خان تعجب سے شہباز کو دیکھنے لگا اور پھر وہ اسے پہچان گیا اور اس کے منہ سے سرسراتی آواز نکلی "شہباز خان۔ یہ تم ہو شہباز خان۔"
"ہاں۔ یہ میں ہوں۔ تو نے مجھے پہچان لیا۔"
"یہاں کیوں آئے ہو شہباز خان؟" گلباغ سنبھل کر بولا۔ ویسے وہ کسی حد تک نروس نظر آ رہا تھا۔ اول تو اس کے جوانوں نے جواب دے دیا تھا اور اب بھی دونوں کی طرح ٹیک کرنے میں کھڑے تھے۔ دوسرے اس کا پستول خالی تھا۔ نہ جانے کس طرح؟
"رحمان خان کے خون کا انتقام لینے کا وقت آگیا ہے گلباغ خان۔ میں اس کے قاتلوں سے انتقام لینے آیا ہوں۔"
"آٹھ سال بعد۔" گلباغ مسکرا کر بولا۔
"ہاں۔ یہ آٹھ سال میں نے تیاریوں میں گزارے ہیں۔ وہ وقت آگیا ہے کہ میں دولت خان اور اس کے خاندان کو قبر میں پہنچا دوں؟"
"کیا پوری فوج ساتھ لائے ہو شہباز خان؟"
"بیٹے کا انتقام لینے آیا ہوں۔ میں خود پوری فوج ہوں۔"
"سن لو بھئی۔ یہ شیروں کے شیر دولت خان۔ شیر جبر سرتاج خان سے بدلہ لینے آیا ہے۔ آٹھ سال کے بعد شہباز خان کی رگوں میں خون نے جوش مارا ہے۔" گلباغ خان نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"تم اس بے وقوف سے پوچھو کہ یہ دولت خان کے پاس پہنچے گا کس طرح؟" اس بار ایک دوسری آواز سنائی دی۔ اور یہ توریز کی آواز تھی۔ اس نے اپنی رائفل اٹھائی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی میز پر بیٹھے ہوئے دوسرے لوگ بھی کھڑے ہو گئے تھے۔
"میں تجھے بھی پہچان گیا ہوں توریز کتے۔ فکر مت کر۔ میں تیرا بھی دماغ ٹھیک کر دوں گا۔ دولت خان کا ایک ایک آدمی میرے قہر کا نشانہ بنے گا۔"
"میں دولت خان کا غلام ہوں۔ پہلے تو اس کے غلاموں سے نپٹ لے بوڑھے شہباز خان۔ اس کے بعد دولت خان کی بات کرنا۔" توریز آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو بھی اشارہ کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ پانچوں بھی آگے بڑھ آئے اور پھر وہ ہمارے نزدیک پہنچ کر رک گئے۔
"پستول نیچے پھینک دے توریز۔ ورنہ میں تیری پیشانی میں سوراخ کر دوں گا۔" شہباز خان نے کہا اور توریز نے دانت پیس کر فائر کر دیا لیکن اس کے پستول سے بھی کسی قسم کی آواز نکل کر نہ رہ گئی۔
اور میری سمجھ میں راسم کو آواز دینے کی وجہ آگئی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اس وقت قہوہ خانے میں موجود کسی بھی شخص کے پستول یا رائفل میں کارتوس نہ ہوں گے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ تب توریز نے پستول پھینک دی۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹا اور اس نے رائفل تان لی۔
"اس کے ہاتھ سے پستول چھین لو۔" اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا اور اس کے بعد ایک دلچسپ منظر نظر آیا۔ توریز کے آدمیوں کے قدم اٹھے لیکن پھر وہ ایک دائرے میں گھوم گئے اور اس کے بعد انہوں نے کمر پر ہاتھ رکھ کر ٹھمکنا شروع کر دیا۔ وہ رقص کرنے لگے تھے۔ توریز منہ پھاڑے انہیں دیکھنے لگا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔
"اس کا پستول چھین لو۔ خنزیر کے بچو۔" وہ دہاڑا اور اس کے آدمیوں کے رقص کرنے کی رفتار تیز ہو گئی۔
"وہ مرانے کے بجائے اب پستول نہیں چلاتے رقص کرتے ہیں۔" شہباز خان نے کہا "تو بھی رائفل پھینک دے توریز۔ اور ان میں شامل ہو جا۔ اب ان کا مصرف یہی ہے۔" شہباز خان نے کہا۔
اور دوسرے لمحے توریز رائفل لے کر شہباز خان پر ٹوٹ پڑا۔ رائفل کا کندا ٹیڑھا ہو گیا۔ اور رائفل ٹوٹ گئی۔ دوسرے لمحے شہباز خان کے پستول سے گولی نکلی اور توریز کی پیشانی میں داخل ہو گئی۔ گلباغ نے دوسری طرف چھلانگ

جواب دیا۔

میں خاموش ہو گیا۔ بظاہر طالوت سے میں بھی متفق تھا۔ لیکن یہ سب کچھ میرے لئے الجھن تھی۔ میں تو ابھی تک پہاڑوں کی حسین وادیوں میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ میرے ہاتھوں سے بھی قتل ہوا تھا۔ لیکن عجیب و غریب حالات میں۔ میں بہرحال قتل کا عادی نہیں ہوا تھا۔

گلباخ کے جسم سے بہت خون بہہ گیا تھا۔ لیکن وہ ڈٹا ہوا تھا۔ پھر اس نے دم توڑتے ہوئے کہا "میں مر رہا ہوں شہباز۔ لیکن سن لے۔ دولت خان کو، سرتاج خان کو پتہ ضرور چل جائے گا کہ میرا قاتل تو ہے اور پھر وہ ہوگا جو تیرے لئے بہت اذیت ناک ہوگا۔ سن میں تجھے ایک خوشخبری سنا سکتا ہوں۔ آ۔ آ۔"

گلباخ کا دم اکھڑنے لگا تھا۔ لیکن حواس اب بھی قائم تھے "میں۔ تجھے ایک خوشخبری سنا سکتا۔ لیکن۔ اب۔ نہیں اب نہیں۔" اسے خون کی ایک بڑی قے ہوئی اور پھر اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔

"میرے لئے اس سے بڑی خوشخبری اور کیا ہو سکتی ہے کہ میرے بیٹے کے قاتلوں کے نشان مل جائیں۔ میں ان تینوں سے ایک ایک کو تلاش کر لوں گا آؤ۔ میرے بچو۔ ہم آگے بڑھیں گے۔ آؤ۔" شہباز خان نے گلباخ کے مردہ جسم کو اٹھایا اور اسے برف پر ڈال دیا۔ پھر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھ گیا۔

ہم دونوں اس کے ساتھ تھے۔ شہباز خان بے حد مسرور نظر آ رہا تھا۔ برف اب بھی اسی رفتار سے پڑ رہی تھی۔ تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ پھر شہباز نے گھوڑا روک دیا۔

"اب آگے بڑھنا مشکل ہے۔ ہم یہیں قیام کریں گے۔"

"لیکن۔ کس جگہ؟" میں نے کہا۔

"نہیں بابا۔ خان۔ میں ان علاقوں کا پیدا ہوا ہوں۔ تو میرے ساتھ ہے۔ یہاں ایسے کشادہ غار ہیں کہ ان میں فوج سما جائے۔ آؤ۔" شہباز گھوڑے سے اتر گیا۔ برف اور تاریکی کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن شہباز کی [illegible] سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ [illegible] ہم سب [illegible] گھوڑوں نے بھی برف [illegible] لے کر [illegible] ایک [illegible] کشادہ غار میں داخل ہو گئے تھے۔

شہباز خان گھوڑے [illegible] اور پھر اس نے کہا۔ "میرے گھوڑے کی لگام پکڑو۔ میں روشنی کرتا ہوں۔"

"روشنی۔" میں نے تعجب سے کہا۔

"ہاں بیٹے" شہباز ہنسا۔ "تم نے سنتے ہی بہت سامان خرید لیا تھا۔ لیکن ابھی تم ان پہاڑوں کے [illegible] کیا تمہارے سامان میں روشنی ہے؟"

"نہیں۔" طالوت نے جواب دیا۔

"میرے پاس ہے۔" بوڑھا اپنے گھوڑے پر لدے ہوئے تھیلے میں کچھ تلاش کرنے لگا۔ پھر اس نے کسی قسم کی چربی کی بنی ہوئی موٹی شمع نکالی اور کشادہ غار میں زرد روشنی پھیل گئی۔

روشنی ہونے کے بعد ہم نے گھوڑوں کی پشت سے زین اور تھیلے اتارے اپنے تھیلے قرینے سے رکھے اور پھر ایک صاف جگہ دیکھ کر بستر بچھا دیئے۔ پھر کھانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ اس دوران ہم نے کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ لیکن کھانے کے دوران شہباز خان نے اچانک ہاتھ روک کر کہا۔

"کیا بات ہے؟ تم لوگ خاموش کیوں ہو؟"

"کوئی بات نہیں خان بابا۔"

"کیا میں نے غلط کیا؟"

"نہیں۔ تم نے جو کچھ کیا ہوگا سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔" طالوت نے جواب دیا۔

"اطمینان رکھو۔ میرے ہاتھ سے کوئی بے گناہ نہیں مارا جائے گا۔ گلباخ خنزیر تھا۔ اس نے اپنی غیرت دولت کے حوالے کر دی تھی اور پھر دولت خان کی مدد حاصل ہو جانے کے بعد اس نے کمزوروں پر ظلم کرنے شروع کر دیئے۔ جانے اس بے غیرت نے کتنوں کی عزت دولت خان کے حوالے کی ہوگی۔ تم نے دیکھا بستی کے لوگوں نے اس کی لاش نہیں لی۔ کوئی بھی گلباخ سے خوش نہیں تھا۔ [illegible] نے ہر آدمی کے لئے دولت خان بنا رکھا ہے۔"

"ٹھیک ہے خان بابا۔ مگر اس کی موت سے کچھ پتہ نہ چل سکا۔"

"تم بچے ہو۔ پتہ بھی چل جائے گا۔ [illegible] یہ طرح قسمت عجیب [illegible] رہی ہے۔"

"کیوں؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تم نے کچھ عجیب باتیں نہیں دیکھیں؟"

"کیا؟"

"گلباخ پستول [illegible] بہت بڑا [illegible] پٹھان [illegible] بھی [illegible] اور گلباخ کا بھی [illegible] بندوقیں [illegible]

کرنے کے بجائے ناچنے لگے تھے اور گلباخ کے دونوں لوگوں نے بھی اس کے ساتھ کوئی تعاون نہیں کیا تھا۔"

"ہاں۔ قسمت نے ہمارا ساتھ دیا ہے خان بابا۔" میں نے مسکراتے ہوئے طالوت کی طرف دیکھا۔

"اگر قسمت اسی طرح ساتھ دیتی رہی تو مجھے یقین ہے کہ میں رحمان خان کے قاتلوں کو فنا کر کے ہی واپس جاؤں گا۔"

"تم فکر مت کرو شہباز خان۔ قسمت اسی طرح ساتھ دیتی رہے گی۔"

"انشاء اللہ۔" شہباز نے بڑے خلوص سے کہا اور پھر کھانے میں مصروف ہو گیا۔

"اب ہم کہاں پہنچیں گے خان بابا۔"

"تاسیہ۔" شہباز نے جواب دیا۔

"ہوں۔" طالوت نے ایک گہری سانس لی اور خاموش ہو گیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہم آرام کرنے لیٹ گئے اور آج مجھے بھی نیند آ گئی۔ طالوت کے خراٹے تو میں نے پہلے ہی سن لئے تھے۔

رات گزر گئی۔ دوسری صبح بڑی صاف و شفاف تھی۔ آسمان بالکل صاف تھا۔ برف نہ جانے کب تک گرتی رہی تھی۔ بہرحال ہوا چلنے کی وجہ سے کافی سردی ہو گئی تھی۔ چنانچہ ہم نے پوستین اور بڑے بالوں والی ٹوپیاں پہن لیں۔ بوڑھے خان نے بھی چمڑے کا لباس پہن لیا تھا۔ ناشتہ وغیرہ کیا گیا۔ گھوڑوں کو بھی شہباز خان نے اپنے ہاتھ سے کھلایا پلایا۔ اور پھر پوری طرح چاق و چوبند ہونے کے بعد ہم نے ہتھیار چیک کئے اور پھر گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑے۔

تاحد نگاہ سفید برف نظر آ رہی تھی۔ اگرچہ سورج نکلا ہوا تھا۔ لیکن دھوپ میں ذرا بھی حدت نہیں تھی۔ سردی شدید تھی۔ کبھی کبھی بادلوں کے ٹکڑے سورج پر آ جاتے تو سردی کا احساس شدید ہو جاتا۔

طالوت کا گھوڑا میرے گھوڑے کے برابر دوڑ رہا تھا۔ طالوت نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا "عارف؟"

"ہوں۔" میں نے کہا۔

"کیا بات ہے؟" "تم کچھ الجھے الجھے ہو؟"

"نہیں۔ تمہارا خیال ہے؟"

"کیا یہ تبدیلی تمہیں پسند نہیں آئی؟"

"آئی ہے۔" میں نے مختصر جواب دیا۔

"نہیں۔ تم سنجیدہ ہو۔ مجھے تو یہ مناظر بے حد پسند ہیں۔ برف پوش پہاڑ۔ خوبصورت اور خطرناک راستے۔ شہروں کی بہ نسبت کتنے پرسکون ہیں۔"

"ہاں۔ لیکن ہم جس مسئلے میں الجھ گئے ہیں۔"

"میرا خیال ہے طویل نہ ہوگا۔ بڑے میاں کا کام ہو جائے تو انہیں چھٹی دے دیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن ان کا کام آسان نہیں ہوگا۔"

"ہم لوگ آسان کاموں کے عادی بھی نہیں ہیں۔ بڑے میاں بھی کیا یاد کریں گے۔" طالوت نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ ایک درے سے گزر کر ہم بلندی کی طرف چل پڑے۔ بوڑھے شہباز خان کی نگاہیں دور دور تک جائزہ لے رہی تھیں۔ چاروں طرف سنسان پہاڑیاں خاموش کھڑی تھیں ہم بلندی طے کرتے رہے۔

لیکن جونہی ہم سرے پر پہنچے اچانک تینوں اچھل پڑے۔ تقریباً پچیس تیس کے قریب گھڑ سوار بالکل سامنے سے آ رہے تھے۔ سب کے سب مسلح تھے اور ان کی قیادت ایک دیو ہیکل انسان کر رہا تھا۔ اس نے بڑے بالوں والے ریچھ کی کھال کا چست کوٹ پہن رکھا تھا اور اس کے کندھے سے رائفل لٹکی ہوئی تھی۔ ہم لوگوں کا اس طرح آمنا سامنا ہوا تھا کہ ہم ٹھٹھک کر رہ گئے۔

شہباز خان نے گھوڑے کی لگامیں کھینچ لیں اور پھر اس کے منہ سے غراہٹ نکلی۔

"دولت خان۔"

"کون سا ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"مگر نہیں۔ دولت خان ابھی تک اتنا جوان نہیں ہو سکتا۔ وہ یقیناً سرتاج خان ہے۔ باپ کا ہم شکل۔" دوسری طرف بھی گھوڑے رک گئے تھے۔

دیو ہیکل انسان کا ہاتھ پیٹی کے ریوالور پر پہنچ گیا اور پھر اس کی بھاری آواز ابھری "کیا یہ تم ہو شہباز خان؟"

"ہاں۔ میں شہباز خان ہوں۔ کیا تو دولت خان کا لڑکا ہے۔"

"ہاں۔ میرا نام سرتاج خان ہے۔"

"یہ تو بہت اچھا ہوا۔ بہت جلد تو میرے سامنے آ گیا سرتاج خان۔" شہباز خان نے بھی پستول پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ لیکن میری نگاہیں سرتاج خان کے پیچھے موجود لوگوں پر بھی ہوئی تھیں۔ سب نے رائفلیں اتار لی تھیں اور پوری طرح تیار تھے۔

"تو ریز خان کو تو نے قتل کیا ہے شہباز خان؟" سرتاج خان نے پوچھا۔

"ہاں۔ اور گلباز بھی میرے ہی ہاتھوں کتے کی موت مارا گیا۔" شہباز خان نے فخریہ انداز میں کہا۔

"اوہ۔ تو۔ تو نے گلباز کو بھی قتل کردیا۔ اس کا مطلب ہے کہ میرے آدمی کی اطلاع درست تھی۔" سرتاج خان بھیڑیے کی طرح غرایا۔

"بالکل درست۔" شہباز خان نے کہا۔

"تو نے ان دونوں کو کیوں قتل کیا شہباز خان۔" سرتاج نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"اس لئے کہ یہ تیرے ساتھی تھے۔ دولت خان سے میری پرانی دشمنی ہے اور اب میں بدلہ لینے آیا ہوں۔"

"اتنے طویل عرصے تک تیرا خون کیوں سرد رہا۔ شہباز خان!" سرتاج نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"وقت کا انتظار تھا۔"

"اب وقت آگیا؟"

"اس کا ثبوت دونوں لاشیں ہیں جو دولت خان کے پاس پہنچ جائیں گی۔ لیکن تیری لاش دیکھ کر دولت خان کو سب سے زیادہ خوشی ہوگی کیونکہ وہ لاش اس کے بیٹے سرتاج خان کی ہوگی۔ اتنی ہی خوشی جتنی مجھے رحمان خان کے خون آلود چہرے دیکھ کر ہوئی تھی۔"

"خوب۔ خوب۔" سرتاج خان وحشیانہ انداز میں بولا پھر وہ ہم دونوں کی طرف دیکھ کر بولا "یہ کون ہیں شہباز خان۔ ان غریبوں کو تو کہاں سے پکڑ لایا ہے۔"

"میرے ساتھی۔ میرے مددگار۔"

"کرائے کے ہیں" سرتاج خان مذاق اڑاتے ہوئے بولا۔

"یہ بھی ہیں۔ تیرے اور تیرے ساتھیوں کے لئے قاتل ہیں۔"

"کیا بیٹے کی موت نے تیرا دماغ بھی خراب کردیا ہے بوڑھے شہباز؟ سن۔ میں تیرے ساتھ کچھ رعایت کرنا چاہتا ہوں۔ سرتاج خان بزدل نہیں ہے میں جانتا ہوں تم صرف تین ہو اور میرے ساتھ بہت لوگ ہیں۔ خود کو میرے حوالے کردے۔ میں تجھے اور تیرے ساتھیوں کو قتل نہیں کروں گا بلکہ تجھے اپنے باپ کے حوالے کردوں گا۔ مجھے تیرے بڑھاپے پر رحم آتا ہے۔ ہاں میرا باپ تیرے ساتھ جو سلوک کرے۔ ہاں میں اس کی ضمانت نہیں دوں گا۔"

"واقعی تو بے حد شریف آدمی ہے شہباز خان۔ تم سے جنگ نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن کیا یہ تم سے جنگ کرنا پسند کرے گا؟" طالوت نے کہا۔

سرتاج خان چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس سے قبل کہ شہباز خان کچھ بولتے۔ سرتاج خان گھوڑے سے اترتے ہوئے بولا "اگر تو مکاری سے کام نہ لے شہباز خان۔ تو میں تجھے پٹھانوں کی ایک رسم یاد دلانا چاہتا ہوں۔"

"کیسی رسم؟" شہباز خان نے بے ساختہ پوچھا۔

"اگر کوئی کسی ایک فرد کو للکارے اور وہ مقابلہ قبول کرلے تو صرف دو آدمیوں میں جنگ ہوتی ہے۔ اس بچے نے مجھے للکارا ہے کیا تو مجھے اس سے جنگ کرنے کی اجازت دے گا؟"

"شہباز خان ضرور اجازت دے گا۔" طالوت نے بھی گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا "لیکن تو اپنے آدمیوں سے بھی کہہ دے کہ وہ بدعہدی نہ کریں۔"

"پٹھان بدعہد نہیں ہوتے۔" سرتاج خان نے کہا۔ پھر وہ اپنے آدمیوں کی طرف مڑ کر بولا "اگر شہباز خان کی طرف سے مکاری نہ کی جائے تو تم لوگ خاموش رہو گے۔"

میں نے شہباز خان کے چہرے پر کسی قدر پریشانی دیکھی۔ اسے احساس تھا کہ سرتاج خان اور طالوت کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ سرتاج خان فیل پیکر تھا اور طالوت اس کے سامنے بچہ۔

"تیرا جھگڑا مجھ سے ہے اس سے نہیں۔ میں تجھ سے مقابلہ کروں گا۔" شہباز خان نے کہا۔

"تو بوڑھا آدمی ہے شہباز اور پھر میں تجھے قتل کرنے کے بجائے زندہ گرفتار کرکے اپنے باپ کی خدمت میں تحفہ پیش کروں گا۔ میں تجھ سے جنگ نہیں کروں گا۔"

"اسے لڑنے دو شہباز خان۔" میں نے شہباز خان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور شہباز خان خاموش ہوگیا۔ لیکن اس کے چہرے سے سخت ہیجان اور اضطراب عیاں تھا۔

"اوہ۔ نادان۔ کیا تو نے اپنی بات پر توجہ دی ہے؟" سرتاج خان نے مسکراتے ہوئے طالوت کو دیکھا۔

"بالکل۔ لیکن اس جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا؟"

"ہم دونوں میں سے ایک کی موت۔"

"اس کے بعد؟" طالوت نے پوچھا۔

"اس کے بعد میں ان دونوں کو گرفتار کرکے اپنے باپ کے پاس لے جاؤں گا۔"

"اور اگر تم مارے جاؤ سرتاج خان۔"

"تب۔" سرتاج خان نے مسکراتے ہوئے کہا "تب میرے آدمی تم سے پیچھے ہٹ جائیں گے اور ہٹ جانے کے بعد تم لوگ مقابلہ کرنا اور اس کا جو بھی نتیجہ ظاہر ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے منظور ہے۔" طالوت نے کہا اور سرتاج خان نے گھوڑے کی لگام ایک آدمی کے حوالے کردی۔ پھر اس نے ان سے پیچھے ہٹ جانے کو کہا اور بولا۔

"کیسے جنگ کرے گا۔ پستول سے؟"

"مزہ نہیں آئے گا سرتاج خان۔" طالوت نے جواب دیا۔

"مگر تیرے پاس تلوار نہیں ہے؟"

"تیرے پاس ہے؟"

"ہاں۔" سرتاج خان نے گھوڑے کی زین سے تلوار کھینچ لی۔

"بس کافی ہے۔ میں تیری تلوار چھین کر تجھے موقع دوں گا کہ تو دوسری تلوار حاصل کرلے۔" طالوت نے کہا۔

"میں تجھے تلوار مہیا کرسکتا ہوں۔"

"شکریہ۔ شکریہ۔ میں دشمن سے تلوار مانگ کر جنگ نہیں کروں گا۔ بلکہ چھین لوں گا۔"

"کیا تو مخبوط الدماغ ہے۔" سرتاج خان نے کہا۔

"ابھی پتہ چل جائے گا۔" طالوت نے کہا۔ ان دونوں کی گفتگو سے شہباز خان بہت مضطرب تھا۔ ہم لوگ بھی پیچھے ہٹ آئے تھے۔ تب شہباز خان نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہ۔ وہ خودکشی کررہا ہے۔ وہ حماقت کررہا ہے۔"

"وہ اس کا عادی ہے۔ تم فکر مت کرو۔" میں نے سکون سے کہا میرے دل میں اضطراب کا تصور بھی نہیں تھا۔ طالوت کے لئے بھلا! سرتاج خان کیا حیثیت رکھتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ طالوت تفریح کررہا ہے۔ ورنہ وہ بہت کچھ کرسکتا ہے۔ دونوں آمنے سامنے آگئے۔ سرتاج خان نے تلوار سیدھی کی تھی۔ اس کے فولادی بازو کی مچھلیاں تڑپ رہی تھیں۔ وہ شاید اس فکر میں تھا کہ صرف ایک وار کرکے دشمن کی گردن اڑادے۔ یہی اس کے شایان شان تھا۔ ورنہ ایک نہتا اور اس کے سامنے بے حیثیت انسان اگر اس کا وار بچا گیا تو خاصی سبکی ہوتی۔ چنانچہ تلوار تولتے ہوئے پینترے بدلتا رہا۔ اور پھر ایک بار اس نے کاواہ دے کر ایک بھرپور وار کیا۔ لیکن اچانک سر سے پرواز کرجانے والی ٹوپی نے اس کا ذہن بانٹ دیا۔ اور طالوت کو بچنے کی ضرورت بھی نہ پیش آئی۔ اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ٹوپی دیکھی اور سر ٹٹولنے لگا۔ ٹوپی کافی بلند ہوکر دوبارہ اس کے سر پر آپڑی تھی۔

میری ہنسی نکل گئی۔ جب کہ دوسرے لوگ دم بخود تھے۔ بہرحال سرتاج خان نے اسے اتفاق ہی سمجھا تھا۔ البتہ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ اگر مقابل کے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو وہ بآسانی اس وقت اس کے سینے میں بھونک سکتا تھا۔ جب اس نے ٹوپی کے لئے اوپر دیکھا تو اس بات کو وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

اور اس بار پوری طرح چوکنا تھا۔ اس نے گھوم کر تلوار کا دوسرا وار کیا۔ اور اچانک اس کے زیر جامہ کا بند ٹوٹ گیا۔ زیر جامہ ڈھیلا ہوکر نیچے کھسک گیا اور سرتاج خان نے جلدی سے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ طالوت حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے مسخرے انداز سے پوچھا۔

"کیا ہوا سرتاج خان۔ کیا پیٹ میں درد ہورہا ہے۔"

پوزیشن ہی ایسی تھی۔ سرتاج خان کیا کہتا۔ ظاہر ہے یہ اس کے دشمن کا کارنامہ تو نہیں تھا۔ نہ جانے کس طرح نہ جانے کیسے یہ ہوگیا۔ دوسرے لمحے وہ پیچھے پلٹا اور پھر اپنے آدمیوں کے پیچھے چلا گیا۔

شہباز خان نے قہقہہ لگایا تھا "کیا بات ہے سرتاج خان۔ کیا تم نے میدان چھوڑ دیا؟"

"ابھی۔ ابھی واپس آتا ہوں۔"

"ضرورت سے فارغ ہونے گئے ہو؟ ابھی تو اس نے ایک بھی وار نہیں کیا۔" شہباز خان نے ہنستے ہوئے کہا۔ خود میرے پیٹ میں قہقہے ابل رہے تھے۔ طالوت معصوم سی شکل بنائے کھڑا تھا۔

چند منٹ کے بعد سرتاج خان پھر واپس آگیا۔ اب اس کے چہرے پر جھلاہٹ اور دیوانگی طاری تھی۔ آتے ہی اس نے تلوار کے تابڑ توڑ حملے شروع کردیئے۔ طالوت اچھل اچھل کر اس کے وار خالی دے رہا تھا۔ اور پھر اچانک سرتاج خان نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے اچھلنا شروع کردیا۔ اس کے منہ سے بدحواسی میں "ارے۔ ارے۔" نکل رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے تلوار پھینک دی اور دونوں ہاتھوں سے اپنا لباس نوچنے لگا۔ اس نے اوپر کا کوٹ اتار کر پھینک دیا اور پھر چمڑے کی واسکٹ بھی اتار دی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اچھلتا بھی جارہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے لباس میں چیونٹیاں گھس گئی ہوں۔ لیکن اوپری لباس ہی میں نہیں تھی۔ زیریں لباس میں بھی گڑبڑ تھی۔

وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں دوسری طرف بھاگ گیا۔ اس بار اس نے ایک چٹان کے پیچھے پناہ لی تھی۔

"کیا یہ بھی کوئی خرقہ جنگ ہے شہباز خان۔" طالوت نے

متحیرانہ انداز میں پوچھا "یہ بار بار بھاگ کیوں جاتے ہیں؟" اور شہباز خان نے زوردار قہقہہ لگایا۔ تو سرتاج خان کے آدمی بھی منہ اٹھائے رہ گئے تھے۔

"اب بھی کیا سے ڈرتے ہو خان بابا!" طالوت نے آہستہ سے کہا اور شہباز خان نے دوسرا قہقہہ لگایا۔ وہ پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنس رہا تھا لیکن طالوت نے اسی پر بس نہیں کی۔ وہ سرتاج خان کے آدمیوں کی طرف دیکھ رہا تھا اور اچانک ان لوگوں کے گھوڑوں نے اچھلنا شروع کر دیا۔ ان کے منہ آگے تھے لیکن وہ پیچھے کی سمت دوڑ رہے تھے۔ بہت سے سوار بوکھلا کر ان پر سے کود پڑے اور بہت سے انہیں روکنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن ایک بھی گھوڑا نہ رکا۔ کودنے والوں نے دوڑ کر اپنے اپنے گھوڑے پکڑ لئے تھے۔ لیکن گھوڑے تھے کہ کسی طور نہیں رک رہے تھے۔ وہ دور بھی رہنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس کوشش میں اچھل بھی رہے تھے۔ کھڑے ہو رہے تھے۔ ایک عجیب سی افراتفری پھیل گئی تھی..... سوار بری طرح بدحواس تھے۔

اور طالوت منہ پھاڑے کھڑا تھا۔

"یہ سب کیا ہے خان بابا۔ کیا یہ لوگ کوئی مزاحیہ پروگرام پیش کر رہے ہیں؟" لیکن خان کی ہنسی تھی کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ میں بھی ہنس رہا تھا۔ تب اچانک چٹان کے پیچھے سے سرتاج خان نے اپنے گھوڑے کی لگام پکڑی اور اچھل کر اس پر بیٹھ گیا۔ لیکن اسے دیکھ کر اور بھی ہم ہنس پڑے۔ سرتاج خان برہنہ تھا۔ اس نے صرف ایک چھوٹی سی کھال بدن پر باندھ رکھی تھی۔ جسے برابر رکھنے کے لئے وہ بار بار گھوڑے کی لگام چھوڑ کر اسے سنبھالنے لگتا تھا۔

"بھاگ گیا۔ سرتاج خان نکل گیا۔" شہباز خان چیخا۔

"رک جاؤ خان بابا۔ وہ کپڑے چھوڑ کر بھاگ گیا ہے اور میں ننگے آدمیوں سے بالکل نہیں لڑ سکتا۔ انہیں دیکھ کر مجھے شرم آتی ہے۔" طالوت نے کہا۔

اور اچانک شہباز خان کی ہنسی میں بریک لگ گیا۔ اس نے حیرت سے ہم دونوں کی طرف دیکھا اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا "آخر یہ سب ہوا کیا؟"

"یہ تو آپ ہی بتائیں گے خان بابا۔" طالوت جلدی سے بولا۔

"میں۔ میں کیا بتاؤں؟"

"پہلے اس نے چیخ پکڑ لی اور بھاگ گیا۔ دوبارہ کپڑے اتار پھینکے اور پھر کپڑے چھوڑ کر بھاگ گیا اور

[illegible]

ڈر کیوں؟"

"ہم۔ مجھے کیا معلوم؟"

"کیوں؟ آپ بھی تو انہی علاقوں کے رہنے والے ہیں۔" طالوت نے کہا اور میری بھی ہنسی چھوٹ گئی۔

"ان علاقوں کا اس سے کیا تعلق۔ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔" شہباز خان نے بچاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے پھر اب ہم کیا کریں؟"

"سرتاج خان بچ کر نکل گیا۔ کم بخت ادھر اور میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ تو آگے بڑھیں۔"

"سرتاج خان کے کپڑے اٹھا لیں؟" طالوت نے کہا
معصومیت سے پوچھا "او ہاں۔ یہ کپڑے دولت خان۔ ان
نامیہ والوں کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ دولت خان کا
کام اونچا ہو گا اور پھر۔ درحقیقت چٹان کے عقب سے
سرتاج خان کے کپڑے لے گئے جنہیں شہباز خان نے
احتیاط سے لپیٹ لیا تھا۔ اس کے بعد ہم نے گھوڑے آگے
بڑھا دیئے۔ سرتاج خان اور اس کے ساتھیوں کا اب۔۔۔
تک پتہ نہیں تھا۔

وہ کیا شہباز خان۔ تو وہ کبھی کبھی ہمیں گھورنے لگتا تھا۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر سامنے متوجہ ہو جاتا تھا۔ دن بھر ہم سفر کرتے رہے۔ لیکن بہرحال اب ہماری آمد کی خبر مل گئی ہو گی لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ ایک بار شہباز خان ... سے نکل گیا تو میں نے طالوت سے کہا۔

"درحقیقت تم پورے شیطان ہو؟"

"غلط۔ ہم دونوں مل کر پورے ہوتے ہیں۔"

"مگر اس کے لباس میں کیا تھا؟"

"کچھ بھی نہیں تھا۔ صرف اسے وہم تھا۔ راستے بھر کمالات دکھا رہا تھا۔"

"سب مت مارے گئے ہیں بیچارے۔ انہیں کیا معلوم! ایک شیطان ان کے علاقے میں گھس آیا ہے۔"

"دراصل میں اسے ہلاک کرنا نہیں چاہتا۔"

"کیوں؟"

"بس۔ تم تو اپنا دماغ نہ جانے کہاں چھوڑ دیتے ہو۔"

"تمہارے ساتھ رہ کر میں نے دماغ سے کام لینا چھوڑ دیا ہے۔"

"کیوں؟"

"کوئی بات دماغ میں آئے تو اس کے بارے میں سوچوں۔ نہ جانے تم کیا کیا چکر چلاتے رہتے ہو۔"



"کھابغ کی ایک بات یاد کرو۔ مرتے وقت اس نے کیا کہا تھا؟"

"کھابغ نے" "میں ان کی نیند پوری نہ ہونے دوں گا" اس نے بہت سی باتیں کہی تھیں۔"

"اس نے کہا تھا کہ وہ بوڑھے شہباز کو ایک خوشخبری سنا سکتا ہے لیکن وہ اسے خوش نہیں ہونے دے گا۔"

"ہاں۔ ہاں کہا تھا۔ مگر تم نے اس سے کیا نتیجہ اخذ کیا؟"

"کچھ بھی نہیں۔" طالوت نے ایک گہری سانس لے کر کہا اور پھر میں انتظار کرتا رہا۔ لیکن وہ خاموش ہی رہا۔ ہم برابر منزلیں طے کر رہے تھے۔ سرتاج اور اس کے آدمیوں کا دور دور تک نشان نہیں ملا تھا۔ وہ بری طرح بھاگے تھے اور اب بھی طالوت کی شرارت پر بے ساختہ ہنسی آ جاتی تھی۔ طالوت معصومیت سے سفر کر رہا تھا۔

کافی دیر گزر گئی۔ بوڑھا خان اب ہمارے برابر چل رہا تھا۔ وہ بھی گردن جھکائے سوچ میں غرق تھا۔ پھر اچانک اس نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا "میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ کچھ بھی نہیں آتا۔"

"کیا بات ہے خان بابا؟"

"کیا تم لوگ فرشتے ہو۔ جو آسمان سے میری مدد کو آئے ہو۔"

"نہیں بابا۔ ہم گنہگار انسان ہیں۔"

"پھر یہ سب کیا تھا؟"

"غیبی مدد کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ تم غور کرو بابا۔ میرا اور اس کا کیا مقابلہ تھا۔ ڈر کے مارے میری بری حالت تھی۔"

"جھوٹ بول رہے ہو۔ میں نے تمہارا چہرہ دیکھا تھا۔ میرے تجربے کو چیلنج مت کرو۔ میں نے تمہارے چہرے پر اتنا ہی سکون دیکھا تھا جیسے تمہیں یقین ہو کہ تم اسے آسانی سے مار لو گے۔"

"وہ موت کا سکون تھا خان بابا۔ میں دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا۔"

"نہیں۔ تم اتنے بزدل نہیں ہو۔ تم نے خود اسے للکارا تھا۔"

"تو مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ تیار ہی ہو جائے گا۔" طالوت نے رو دینے والے انداز میں کہا۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔" شہباز خان نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا اور پھر سامنے دیکھتے ہوئے بولا "اس درے میں داخل ہونے کے بعد ہم نامیہ میں داخل ہو جائیں گے۔"

"کیا اس درے کا اختتام نامیہ پر ہو گا؟"

"نہیں۔ اس کے بعد کوہ نامند آئے گا۔ کوہ نامند کے اندر سے ایک سرنگ نامیہ میں جا کر کھلتی ہے۔ بہت خوبصورت جگہ ہے۔ تمہیں بہت پسند آئے گی۔ نامیہ کے کاریگروں نے ایک بڑا کارنامہ دکھایا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"کوہ نامند سے گرنے والے آبشار کو کاٹ کر سرنگ کے ذریعے اندر لے گئے ہیں اور پھر وہ پانی نامیہ کے کھیتوں کو سیراب کرتا ہے۔"

"خوب۔ واقعی عمدہ جگہ ہو گی۔" میں نے شہباز خان کی باتوں پر غور کرتے ہوئے کہا۔ لیکن طالوت کے کان کھڑے تھے۔ وہ کچھ اور ہی سن رہا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا اور چونک پڑا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے کہا۔ لیکن میرا جملہ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ بہت سے دھماکوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اور گولیوں نے ہمارے ارد گرد پتھر اڑانے شروع کر دیئے۔ ہم درے کے اندر داخل ہو چکے تھے اور یہ گولیاں یقیناً درے کے دونوں طرف سے آ رہی تھیں۔

"بھاگو۔ خطرناک جگہ ہے۔" بوڑھا شہباز چیخا اور اس نے اپنا گھوڑا دوڑانا شروع کر دیا۔ ہم دونوں نے بھی اپنے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی۔ طالوت نہ جانے پہلے سے باخبر ہوا تھا یا نہیں لیکن اس خطرناک پوزیشن سے میں بے خبر تھا۔ بلاشبہ دونوں طرف سے آنے والی گولیاں با آسانی ہمیں چاٹ سکتی تھیں۔

لیکن آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ دونوں طرف کی کیفیت یکساں تھی۔ چنانچہ آگے بڑھنا ہی بہتر تھا۔ گولیاں چلانے والے اناڑی نہیں تھے۔ یہ بات آسانی سے کہی جا سکتی ہے کہ بہت سی گولیاں ہمارے لباس کو چھوتی ہوئی نکلی تھیں۔ لیکن ہم صرف چند سوت کے فاصلے سے محفوظ رہے تھے۔

شہباز کا گھوڑا سب سے آگے تھا اور وہ بار بار پیچھے مڑ کر ہمیں دیکھتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ ہم درے سے نکل گئے۔ گولیاں چلانے والے بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ درے سے نکل کر ہم کھلی فضا میں آ گئے۔ سامنے ہی کوہ نامند تھا۔ شہباز نے رفتار کم کر دی تھی اور اب وہ تھکے تھکے ہوئے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں جانتا تھا بزدل سرتاج خان کوئی چال چلے گا۔ اس

نے یہ چالاکی اس لئے کی تھی۔" شہباز خان [illegible]
بولا۔

"چلو چھٹی ہوئی۔" طالوت نے ایک گہری سانس لی۔

"کیا مطلب؟"

"بڑے میاں کا شبہ رفع ہو گیا۔ ورنہ وہ الٹی سیدھی سوچنے لگے تھے۔" "یہ تو شبہ رفع ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم صرف تین تھے اور وہ بیس پچیس۔ اگر ہم وہیں بارہ کو مار لیتے تب بھی باقی لوگ ہمیں بھون ڈالتے۔ اگر بڑے میاں یہ سوچ رہے ہیں تو۔"

"اب تو سب تمہاری طرح فلاسفر نہیں ہیں۔ خاموش بھی رہو۔" طالوت نے کہا۔ ہم دونوں نے بھی شہباز خان کو دیکھا ویسے رائفلیں اتار لی تھیں۔ لیکن درحقیقت اب سرتاج خان کے آدمی ہمارے سامنے آنے سے کترا رہے تھے۔ ہمیں درے کی بلندیوں پر کوئی نقل و حرکت نظر نہیں آ رہی تھی۔

"وہ چور سامنے نہیں آئے گا۔ تو اب تاسیہ میں ہی اس سے ملاقات ہوگی۔ آؤ۔" شہباز خان نے ایک چوڑی سرنگ کے دہانے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ کوہ تامندت سے نکلنے والا آبشار صاف نظر آ رہا تھا۔ ویسے درحقیقت یہ علاقہ بے حد خوبصورت اور سرسبز تھا۔ آبشار کے چاروں طرف اور پہاڑی کے دامن میں سبزہ پھیلا ہوا تھا اور شاید چٹان کے رخ کو اندر موڑ دیا گیا تھا۔ کیونکہ آبشار کا پانی چٹان سے نیچے نہیں گر رہا تھا اور پہاڑی میں غائب ہو جاتا تھا۔

○○○

نہایت عمدہ ترکیب تھی۔ آبشار کو سرنگ کے ذریعے موڑنا آسان بات نہیں تھی۔ لیکن ان جفاکش لوگوں کو دیکھنے کے بعد حیرت میں کمی ہو جاتی تھی۔ مجھے اور طالوت کو یہ جگہ بہت پسند آئی تھی۔ لیکن افسوس۔ ہم یہاں سیر و تفریح کرنے نہیں، گشت و خون کرنے آئے تھے جس کی ابتدا شہباز خان نے کر دی تھی۔ گو سرتاج خان سے بغاوت کا طریقہ مجھے بے حد پسند آیا تھا۔ یہ جنگ بھی تھی اور تفریح بھی۔ لیکن میں جانتا تھا کہ تفریح عارضی ہے۔ اس علاقے میں تو قدم قدم پر گولیاں چلتی ہیں۔ کہاں تک تفریحات کا سہارا لیا جائے گا۔ اور پھر شہباز خان کے تیور تو بہت خراب تھے۔ ان سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ہر شخص کو موت کے گھاٹ اتار دے گا جس کے بارے میں شبہ ہو کہ اس کا سرتاج خان اور دولت خان سے کوئی تعلق ہے۔ وہ تو آیا ہی اس لئے تھا اور طالوت پورے طور سے اس کا مددگار تھا۔ بہرحال ان باتوں میں میری کیا چلتی۔ میں [illegible] سکتا تھا۔

[illegible]
سرنگ کے دہانے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ ہم چوروں کی طرح نہیں داخل ہوں گے۔" شہباز خان نے سینہ تان کر کہا۔

"لیکن سرتاج خان ہمارے پیچھے ہے۔"

"وہ جس قدر بزدل ہے تم دیکھ چکے ہو۔ اب وہ پیچھے ہی پیچھے چلا آ رہا ہے گا۔ ویسے یہ بات اسے بدحواس کرنے کے لئے کافی ہے کہ ہم اس کے شہر میں داخل ہو رہے ہیں اور اس کی بزدلی کا راز ہمارے سینے میں ہے۔"

"اس کے آدمیوں کو بھی معلوم ہے۔" میں نے کہا۔

"اگر ایک بھی آدمی پر اسے شبہ ہوا کہ وہ یہ راز کسی کو بتا دے گا تو وہ اسے زندہ نہ چھوڑے گا۔ دولت خان کے ہم شکل نے طبیعت بھی دولت خان کی سی پائی ہوگی۔" شہباز خان نے کہا۔

میں خاموش ہو گیا۔ طالوت ہماری باتوں سے لاتعلق نظر آ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اسے اس گفتگو سے کوئی سروکار نہ ہو۔ میں نے اس کی شکل دیکھی اور مجھے غصہ آنے لگا۔ اسے کسی بھی قسم کے حالات کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔ وہ کم ہے۔ ہاں اگر کسی وقت وہ ہماری طرف سے غافل ہو جائے شامت تو ہم دونوں کی ہی آئے گی۔

لیکن میں یہ بات طالوت سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ ورنہ شہباز تو آج ہی موت سے کھیلا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم عظیم الشان سرنگ کے دہانے کے پاس کھڑے تھے جو تاسیہ میں داخل ہونے کا دروازہ تھی۔ آبشار کا پانی اس کے اوپر سے گزر کر اندر کسی سمت جا رہا تھا۔ اس کی آواز بھی ضرور محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن وہ کہیں سے نظر نہیں آتا تھا۔

"بے حد شاندار جگہ ہے۔ بالکل جادوئی کارنامہ ہوتا ہے۔" طالوت نے تعریفی انداز میں کہا۔

"ان پہاڑوں میں بڑے بڑے جفاکش موجود ہیں بہت بڑے دماغ رکھتے ہیں۔ افسوس ان لوگوں کو اچھے رہنما نہیں ملتے۔ اس لئے وہ اپنی صلاحیتیں لئے ہوئے فنا ہو جاتے ہیں۔" شہباز خان نے کہا۔

"یا پھر آپس کی دشمنیوں میں زندگیاں برباد کر دیتے ہیں۔" طالوت بولا۔

"یہ بھی درست ہے میرے بچے۔" شہباز خان ٹھنڈی سانس بھر کر خاموش ہو گیا۔ سرتاج خان کے آدمیوں کی نقل و حرکت اب دور دور تک نظر نہیں

کی۔ ہم [illegible]

"یہ بھی ہو سکتا ہے خان بابا۔ سرتاج خان سرنگ کے دوسرے دہانے پر اپنے آدمیوں کے ساتھ [illegible] ہو۔ اور ہو سکتا ہے ہم سرنگ میں پہنچیں تو وہ [illegible] لے۔" میں نے کہا اور شہباز خان چلتے چلتے رک گیا اور میری طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں۔ وہ لومڑی کی اولاد یہ حرکت کر سکتا ہے۔"

"ہم اسے اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ [illegible] مت کرو۔" طالوت کی آواز [illegible] اور میں [illegible] رہ گیا۔

"ہاں۔ دلیر خان ٹھیک کہتا ہے۔ ہم آپس میں نہیں الجھیں گے۔ آؤ۔" شہباز خان نے کہا اور ہم نے سرنگ میں گھوڑے آگے بڑھا دیئے۔ سرنگ میں روشنی تھی۔ لیکن ہم جوں جوں آگے بڑھ رہے تھے سرنگ تاریک ہوتی جا رہی تھی۔ گھوڑے بھی پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ وہ کسی قدر خوفزدہ تھے۔ غالباً اس سے پہلے وہ اس سرنگ میں نہیں آئے تھے۔

تاہم ہم بڑی مستعدی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ ہمارے سروں پر ایک عجیب سی سرسراہٹ گونج رہی تھی۔ بڑا سنسنی خیز سفر تھا۔ عقب سے بھی خطرہ تھا اور سامنے سے بھی۔ یہ بھی ایسی تھی کہ ہم کسی طرف سے غافل نہیں ہو سکتے تھے۔ بہرحال آگے بڑھتے رہے۔

"یہ سرسراہٹ۔" میں نے کہا۔

"پانی ہمارے سروں سے گزر رہا ہے۔" شہباز خان نے جواب دیا۔

"اوہ۔ چٹانوں کی موٹائی کتنی ہوگی۔ کیا پانی نیچے نہیں آ سکتا؟" طالوت نے پوچھا۔

"اس کا انتظام کر لیا گیا ہے۔"

"کیا؟"

"وہ چٹان جس پر گرنے کے بعد آبشار کا رخ مڑ جاتا ہے قدرتی طور پر وہاں نہیں تھی بلکہ اسے ضرورت کے تحت موڑا بھی جا سکتا ہے۔ اس طرح آبشار نیچے گرنے لگتا ہے اور اس سرنگ کی صفائی اور مرمت آسانی سے ہو جاتی ہے جس سے پانی گزرتا ہے۔"

"بہت عمدہ۔" طالوت نے تعریفی انداز میں کہا۔

"لیکن کیا کسی ذریعے سے اوپر کی سرنگ کا پانی اس سرنگ میں نہیں آ سکتا؟" میں نے سوال کیا اور چونک کر شہباز خان رک گیا۔ تاریکی میں اس کی شکل تو نظر نہیں آ رہی تھی

لیکن اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کسی خاص مقصد سے رکا ہے۔

"کیا بات ہے خان بابا۔" طالوت نے سوال کیا اور شہباز خان [illegible]

"جلدی کرو۔ آؤ۔ جلدی سے سرنگ سے نکل جاؤ۔ کمبخت یہ خیال اس مردود کے دماغ میں نہ آ جائے۔" شہباز خان گھوڑے کو تیزی سے آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"کیا۔ اس کا خطرہ ہے؟"

"سوال نہیں۔ جلدی کرو۔ [illegible]"

"لیکن" الفاظ شہباز خان کے حلق ہی میں اٹک گئے کیونکہ ہم جس جگہ تھے وہاں سے صرف چند گز کے فاصلے پر اچانک روشنی ہوئی اور پھر ایک خوفناک آواز کے ساتھ آبشار کا پانی اندر گھس آیا۔

"بھاگو۔ واپس بھاگو۔" شہباز خان چیخا۔ لیکن ہمارے عقب میں بھی دروازہ کھل گیا۔ پانی کے طوفانی شور میں اس بار شہباز خان کی آواز بھی سنائی نہ دی۔ جس طرف سے ہم آ رہے تھے وہ بلندی پر تھی اور ہم بتدریج ڈھلان میں جا رہے تھے۔ اس لئے عقب سے آنے والے پانی کے ریلے نے گھوڑوں کے قدم اکھاڑ دیئے۔ گھوڑے بھیانک آوازوں میں [illegible] انہوں نے [illegible] ہونے کی کوشش کی لیکن پانی کا خوفناک ریلا [illegible] تھا۔ اس نے گھوڑوں کو تنکوں کی طرح [illegible]۔ صرف ایک لمحے میں میرے نیچے سے گھوڑا نکل گیا۔ اور میں سرنگ کی دیوار سے ٹکرایا۔ میرے [illegible] کسی [illegible] پانی کا ریلا مجھے بہا کر آگے لے چلا۔

برف سے زیادہ ٹھنڈے پانی نے ایک لمحے میں بے حس کر دیا۔ ہاتھ پاؤں مفلوج کر دیئے۔ کوئی خیال ذہن میں نہیں تھا۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اندازہ بھی نہیں ہو رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ عجیب سی کیفیت تھی۔ میرا پورا بدن اینٹھ گیا۔ سرنگ پانی سے بھر گئی تھی۔ پانی چھت تک پہنچ گیا تھا کیونکہ اس کی مقدار بھی زبردست تھی۔

اندازہ نہیں ہو سکا کہ ہوش نے کتنے لمحے ساتھ دیا۔ پہلے دماغ میں سناٹا ہوا۔ پھر [illegible] کا بھی احساس تھا۔ لیکن اس کے بعد [illegible] سے عاری ہو گیا۔ پھر ہوش نہ رہا۔

لیکن کب تک بے ہوشی کا بھی وقت متعین نہیں کر سکا۔ ہوش آیا [illegible] بڑی حیرت انگیز بات ہے۔ ہوش آیا تھا۔ لیکن ذہن بدستور ماؤف تھا۔ سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہو چکی تھیں۔ بہرحال کافی دیر تک یہی کیفیت رہی۔ پھر ذہن [illegible] واپس

آ گئے تھے۔ احساسات جاگے تو محسوس ہوا کہ پتھریلی دیواریں ہیں اور پتھریلی چھت ہے۔

یہ ناہموار دیواریں۔ کوئی غار ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن۔ لیکن یہ غار۔ ذہن میں تحریک ہوئی اور موت کی سرنگ یاد آ گئی۔ ایک بار پھر حواس جواب دینے لگے۔ وہ تصور ہی اس قدر بھیانک تھا۔ خونی بلاؤ چاروں طرف سے بند سرنگ اور طاقتور سفید پانی۔ اف۔ کتنی بھیانک موت تھی۔ لیکن اس کے بعد زندگی؟

زندگی کا کیا سوال ہے۔ تو۔ تو کیا یہ قبر ہے؟ لیکن ایسی کشادہ قبر؟ میں نے قبریں تو دیکھی تھیں۔ اتنی کشادہ تو نہیں ہوتیں۔ پھر بزرگوں کی بات یاد آ گئی۔ نیک اعمال والے کی قبر کشادہ ہو جاتی ہے۔

نیک اعمال۔ اس تصور پر ہنسی آ گئی تھی۔ میرے اور نیک اعمال۔ ایک بھی بات ایسی یاد نہ آ سکی جسے نیک اعمال میں شامل کیا جا سکے۔ لیکن نہیں۔ قدرت کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔ میں نے نرگس رحمانی کی زندگی بچانے کے لئے بڑی طرح مار کھائی تھی۔ طالوت کا ساتھ مل جانے پر میں نے سب اس کے نام پر لکھ دیا تھا۔ بخشش جانے کے لئے تو ایک ہی نیکی کافی ہے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا میں واقعی مر چکا ہوں۔ کیا موت کے بعد بھی آدمی خود سے اسی طرح لاعلم رہتا ہے۔ روح کی قوت تو برتر ہوتی ہے۔ میں اپنی زندگی اور موت کا تعین بھی نہیں کر سکتا۔ اب کچھ کرنا چاہئے۔ اندازے قائم کرنے سے کیا فائدہ؟ میں نے زمین کا سہارا لے کر اٹھنے کی کوشش کی۔ جسم میں بڑی توانائی محسوس ہو رہی تھی۔ تمام جسم سیدھا کیا۔ پیچھے کی سمت یہ دیوار تھی۔ پتھریلی زمین پر میرا بستر تھا۔ دیواروں میں چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے۔ جن سے ہوا اندر آ رہی تھی۔ تمام تاریکی سی چھائی تھی۔

کچھ اور ہمت کی اور کھڑا ہو گیا۔ دیواروں کو ٹٹولا تو ایک چٹانی دروازہ نظر آیا۔ حواس واپس آ چکے تھے۔ یہ سمجھنے میں دقت نہ ہوئی کہ بقید حیات ہوں اور کسی غار میں بند ہوں۔ پچھلے حالات سب یاد آ چکے تھے۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ اس خونی سرنگ سے بچ کر میں غار میں کیسے پہنچ گیا۔ ویسے غار میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

چٹانی دروازے کو ٹٹولا۔ یہ تو میں اسے ہلا بھی نہیں سکتا تھا۔ لیکن دروازہ کسی نظام کے تحت کھلتا تھا۔ ایک طرف سے وہاں پردہ معلوم ہوا اور غار روشن ہو گیا۔ باہر روشنی تھی۔ میں نے باہر جھانکا اور پھر دروازے

کی سمت ہی ہوئی تھیں اور ان سوراخوں سے باہر دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

"دلاور خان۔" اچانک کسی طرف سے مجھے شہباز خان کی آواز سنائی دی اور میں اچھل پڑا۔ میں نے بائیں سمت دیکھا۔ ادھر بھی ایسا ہی دروازہ تھا اور سوراخوں کے پیچھے شہباز خان کھڑا نظر آ رہا تھا۔ میں حیرت زدہ سا شہباز خان کی طرف بڑھ گیا۔

"کیسی طبیعت ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں خان بابا۔ مگر۔"

"اوئے خدائی خوار۔ ہم اس وقت دولت خان کی قید میں ہیں۔" شہباز خان نے بتایا۔ لیکن اس کے لہجے سے کسی قسم کے خوف یا تردد کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

"اوہ۔" میں نے ہونٹ کاٹے اور زبان سے طالوت کا نام نکلتے نکلتے رہ گیا۔ میں نے سنبھل کر کہا "اور دلیر خان کہاں ہے؟"

"اس شیر کے بچے کا پتہ نہیں چل سکا۔"

"مگر ہم زندہ کیسے بچ گئے خان بابا۔"

"چونکہ زندگی ہے تو مارنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ پانی نے تمہیں بے ہوش کر دیا تھا۔ لیکن شہباز خان نے پانی کا سفر ہوش و حواس میں کیا تھا۔ مگر یہ پانی بہت طاقتور ہوتا ہے۔ اس نے ہمیں کچھ نہیں کرنے دیا۔"

"تو کیا ہم پانی کے ساتھ ہی سرنگ سے باہر نکلے تھے؟"

"ہاں۔ بزدل سرتاج خان نے وہ سوراخ کھول دیئے تھے جو سرنگ کی صفائی کے کام آتے ہیں۔ سال میں ایک دفعہ سرنگ کو پانی سے صاف کیا جاتا ہے۔ یہ سوراخ اسی کے لئے بنے تھے۔ پانی نے ہمیں باہر پھینک دیا اور اس طرف سے دولت خان کے آدمیوں نے ہمیں پکڑ لیا۔"

"آپ ہوش میں تھے خان بابا؟"

"کچھ ہوش تو ہے یار۔ مگر ہمارے ہاتھ پاؤں بیکار ہو گئے تھے۔ خود بات ہے کہ اس سے لڑائی نہیں کر سکا۔"

میں خاموش ہو گیا۔ طالوت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کہاں گیا کیا گل کھلا رہا ہے۔ ویسے میرا خیال تھا کہ اسے کوئی خطرہ درپیش نہ ہوگا۔ پھر وہ میرے قریب کیوں موجود نہیں ہے۔

"طالوت۔" میں نے اسے آہستہ سے آواز دی۔

"کیا بات ہے دلاور خان؟" شہباز خان نے پوچھا۔

"کچھ نہیں خان بابا۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔



کیا کہتا طالوت کے بارے میں۔

"ہمارے کو یقین ہے دلاور خان۔ کہ وہ خان زندہ ہے۔ وہ لوگ سرنگ میں اس کی لاش تلاش کر رہے تھے۔ انہیں لاش نہیں ملا۔ ایک آدمی مجھ سے اس کے بارے میں پوچھتا تھا۔"

"وہ اس طرح نہیں مر سکتا خان بابا۔ اس کی طرف سے بے فکر رہو۔"

"اوئے ہم فکر نہیں کرتے۔ مردوں کی طرح موت کو گلے لگانے کو تیار ہے۔ بس ہمیں ایک افسوس رہے گا۔ مرنے سے پہلے ہم نے سرتاج خان اور دولت خان کا لاش نہیں دیکھا۔"

میں خاموش رہا۔ ویسے بھی ذہن پر جھلاہٹ سوار تھی۔ میں اتنا بہادر نہیں تھا کہ مرنے سے پہلے کسی کی لاش دیکھنا پسند کرتا اور پھر خاموشی سے مر جاتا۔ میں جانتا تھا طالوت ہر قسم کے حالات بدلنے کی قوت رکھتا ہے۔ لیکن وہ چلا کہاں گیا۔ کیا پھر کسی الجھن میں پڑ گیا۔ اگر اس بار بھی وہ کسی الجھن میں پڑ گیا ہے تو پھر خدا ہی حافظ ہے۔ اس بار خیر خیت کسی بدمعاش سے واسطہ نہیں بلکہ خونخوار قبائلی سرداروں سے ہے۔ جن کے لئے گولی چلا کر کسی کو مار دینا بھی کھیل ہوتا ہے۔

"پھر اب کیا پروگرام ہے خان بابا؟" میں نے پوچھا اور شہباز خان ہنس پڑا۔

"کھانے اور سونے کے علاوہ اور کیا کام ہو سکتا ہے دلاور خان۔ آرام کرو یار۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"مجھے اپنے دوست کی فکر ہے۔"

"زندگی ہے تو آ جائے گا۔ ورنہ مرنے کے بعد اسے تلاش کر لیں گے فکر مت کرو۔" اور میں ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ ٹھیک کہتا ہے شہباز خان۔ بوڑھا مجھے واقعی دلاور خان سمجھتا ہے۔ لیکن میں اسے کیسے بتاؤں کہ بھائی میں ہر طرح ایک معمولی انسان ہوں۔ میری دلیری کا راز ایک جن کی مٹھی میں ہے۔ ورنہ حشمت برادرز کے ایک کلرک کا مہمات سے کیا تعلق۔

دفعتاً ہم دونوں چونک پڑے۔

چھ سات دراز قد قبائلی ہماری طرف آ رہے تھے۔ وہ سب معمول مسلح تھے اور ان کے چہرے خشمگیں نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر میرے کمرے کا تالا کھولا اور پھر دوسرے کو اشارہ کیا۔ دو آدمی اندر گھس آئے۔ انہوں نے میرے دونوں ہاتھ سامنے کر کے ان میں زنجیریں ڈال دیں اور پھر مجھے باہر نکال لیا گیا۔ یہی سلوک

شہباز خان کے ساتھ کیا گیا تھا۔ پھر انہوں نے ہم دونوں کو آگے دھکیلتے ہوئے چلنے کا اشارہ کیا اور ہم چل پڑے۔

"ہمارا کہاں لے جا رہے ہو خانا؟" شہباز خان نے پوچھا۔

"دولت خان کے پاس۔"

"تم دولت خان کے آدمی ہو؟"

"ہاں۔"

"مجھے ایک بات بتا دو۔"

"کیا بات۔"

"میرے بیٹے رحمان خان کو کس نے قتل کیا تھا؟"

"یہ بات تمہیں دولت خان ہی بتائے گا۔"

"یہ قید خانہ دولت خان ہی کا ہے؟"

"ہاں۔"

"تو اس چور نے بہت پاؤں نکال لئے ہیں۔ کیا اس علاقے کا جرگہ ختم ہو گیا؟"

"دولت خان جرگے کا سردار ہے۔"

"اوہ پھر یہاں انصاف کون کرتا ہے؟" شہباز خان نے مایوسی سے کہا۔

"دولت خان۔"

"میں جانتا ہوں دولت خان کیسا انصاف کرتا ہوگا۔ اس کا مطلب ہے تاسیہ کے لوگ سخت مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔ افسوس۔ افسوس کیا خان زورات کو تاسیہ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم؟"

"دس سے زیادہ تاسیہ دولت خان کی حکومت ہے۔ خان زورات اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔"

"ہاں۔ ظالم کی رسی دراز ہوتی ہے۔" شہباز خان نے ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہو گیا۔ قید خانے سے نکل کر ہم ایک پتھریلے راستے پر چل پڑے۔ میں سخت پریشان تھا۔ طالوت کی اتنی دیر تک گمشدگی کا مطلب تھا کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا اور اب ہمیں جو کچھ کرنا ہے خود ہی کرنا ہے۔"

لیکن میں خود کیا کر سکتا تھا۔ یہ مجھے اچھی طرح معلوم تھا۔ رہ گیا شہباز خان۔ تو بھلا اس پر اپنی بے بسی کا اس قدر مظاہرہ کیا تھا کہ وہ میرے خوفزدہ ہونے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

چھوٹے چھوٹے مکانات چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔ پاس ہم کسی بلند جگہ پہنچتے تو ہمیں دور تک بکھری ہوئی بستی نظر آتی۔ لیکن یہ جگہ بستی سے کافی دور معلوم ہوتی

تھی۔ دولت خان کی اپنی حکایت۔ تمام بستی والوں کو یہ بات معلوم
تک اس کے بارے میں نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ پھر پہروں سے چلنے کے بعد ایک بہت بڑے مکان کے دروازے پر ہم رک گئے۔

ہمارے ساتھ آنے والوں نے دروازہ کھلوایا اور ہمیں اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ دروازے کی دوسری طرف ایک بہت بڑا صحن تھا جس کے ایک سرے پر کرسیاں پڑی تھیں۔ ان کرسیوں پر بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک طرف کھڑا سرتاج خان مجھے نظر آیا تھا۔ اس کے سامنے والی کرسی پر ایک خونخوار شکل کا بوڑھا بیٹھا ہوا تھا۔

اور یقیناً یہی بوڑھا دولت خان ہو سکتا تھا۔ سرتاج خان سے اس کی شکل بہت ملتی جلتی تھی۔ وہ متفکر نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ ہمیں لانے والوں نے ہمیں ان کے سامنے کھڑا کر دیا۔ بوڑھے دولت خان کی صحت قابل رشک تھی۔ اس عمر میں وہ بہت مضبوط معلوم ہوتا تھا۔ سرخ چہرہ انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ تھی۔

"اوہ شہباز خان۔ میرے دیرینہ شناسا۔ تم خیریت سے تو ہو۔" اس نے تمسخر اڑانے والے انداز میں کہا۔

"ہاں دولت خان۔ میں اسی لئے خیریت سے ہوں کہ ایک دن تمہاری گردن مروڑ دوں۔" شہباز خان نے غراتے ہوئے کہا۔

"ارے ارے۔ شاید تم پاگل ہو چکے ہو۔ کیوں نوجوان۔ کیا اس بوڑھے کا دماغ خراب ہو چکا ہے؟" اس بار اس نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔

"ہاں۔ اور آج کل یہ اپنے دشمنوں کا حساب چکاتا پھر رہا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"خوب خوب۔" دولت خان نے قہقہہ لگایا۔ "یہ بھی خوب رہی۔" اس نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا اور سب ہنسنے لگے۔

"یہ سب تمہارے بے غیرت مصاحب معلوم ہوتے ہیں دولت خان۔" شہباز خان نے کہا اور بیٹھے ہوئے لوگوں کی ہنسی رک گئی۔ ان کے چہروں پر غصے کے آثار نظر آنے لگے۔

"جانے دو بھئی۔ موت کو دیکھ کر آدمی حواس کھو دیتا ہے۔ یہ میرا دیرینہ شناسا ہے اس لئے اسے معاف کر دو۔"

"دیرینہ دشمن کیوں نہیں کہتے دولت خان۔ یہ میری
[illegible]

"دشمن۔" دولت خان پھر ہنس پڑا۔ "دشمن دوست ہوتے ہیں شہباز خان۔ جن کی کوئی حقیقت ہوتی ہے۔ میں نے تمہیں کبھی اس قابل ہی نہیں سمجھا۔ میں جب چاہتا تمہیں مسل سکتا تھا۔"

"اسی لئے بڑے کے سامنے فریاد لے کر گئے تھے دولت خان۔ اسی لئے مجھے بستی سے نکلوا دیا تھا؟"

"میں نے بڑے سے کوئی فریاد نہیں کی تھی۔ بستی سے تمہارا نکلنا تمہارے ہی حق میں بہتر تھا شہباز خان۔ میں نے سوچا۔ تمہارے دو بھائی میرے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ اگر تم یہاں رہتے تو تم بھی مارے جاؤ گے اس لئے میں نے تمہارے اوپر رحم کیا۔ اور دیکھو۔ تمہارے جانے کے بعد تمہارا خاندان چین کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ میں نے کسی کو پریشان نہیں کیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ تمہاری عورتیں میرے خوف سے نہ جانے کہاں چھپ گئیں۔"

"اور میرے عزیز نوروز کو تم نے اپنے قاتل سے مروا دیا۔ کیوں؟"

"رحمان خان کی بات کر رہے ہو۔ وہ تو قاتل تھا۔ اس نے ہماری عزت کی طرف نگاہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ یہی میں اسے کم سزا دی گئی تھی۔ میں نے تو تمہارے خاندان کو نظر انداز کر دیا تھا۔ دشمنی ان سے کی جاتی ہے جن کی کوئی حیثیت ہوتی ہے۔ تمہاری دشمنی میرے لئے کیا حقیقت رکھتی ہے۔"

"میں گرفتار ہو چکا ہوں دولت خان۔ میرے ہاتھوں میں زنجیریں ہیں ورنہ میں تمہیں بتاتا میری دشمنی کیا حقیقت رکھتی ہے۔ لیکن تم اپنے بیٹے سرتاج خان سے پوچھو۔" شہباز خان نے سرتاج خان کی طرف اشارہ کیا اور سرتاج خان کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نظر آنے لگے۔

"کیا مطلب؟" دولت خان نے سرتاج خان کی طرف دیکھا۔

"میرا سامان میرے حوالے کرو تو بتاؤں۔" شہباز خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہارے سامان میں کیا ہے؟"

"تمہارے اس بیٹے کے کپڑے۔ جنہیں چھوڑ کر یہ بھاگ آیا تھا۔"

"یہ کیا کہہ رہا ہے سرتاج خان۔" دولت خان نے سرتاج خان سے پوچھا۔

"میرے خیال میں یہ بالکل پاگل ہو گیا ہے بابا۔" سرتاج خان نے سنبھل کر حقارت سے کہا۔



"اوہ۔ تو اس کا مطلب ہے سرتاج خان کہ تمہارے کپڑے تمہارے ہاتھ لگ گئے ہیں۔ مگر مجھے بتاؤ تو سہی میرے چاند۔ تم نے وہ حرکت کیوں کی تھی؟" شہباز خان نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"مجھے اجازت دو بابا۔ کہ میں اس کی زبان کاٹ دوں۔" سرتاج خان غصے سے چیخا۔

"مگر یہ بکواس کیا کر رہا ہے؟" دولت خان نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔"

"مجھ سے سنو دولت خان۔ تمہارے دلیر بیٹے کی بہادری کی کہانی میں تمہیں سناؤں گا۔ اس کی تصدیق ان لوگوں سے کرو۔ جو اس کے ساتھ گئے تھے۔ جس وقت یہ ہمارے سامنے پہنچا تو اس نے ہم سے جنگ کی اجازت طلب کی تھی دلیر خان نے قبول کر لیا۔ ہاں وہ نہتا تھا اور تمہارے بیٹے کے ہاتھ میں شمشیر برہنہ تھی۔ لیکن تمہارا دلیر بیٹا کبھی اپنے ساتھیوں کے پیچھے جا چھپتا۔ کبھی کسی چٹان کے عقب میں۔ یہاں تک کہ تمہارے سارے جوان اسے چھوڑ کر بھاگ نکلے اور وہ لباس چھوڑ کر چلا آیا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں سرتاج خان۔"

"کیا بکتا ہے ذلیل بوڑھے۔ کیا تیرا دماغ خراب ہو گیا۔"

"جس باپ کی تو اولاد ہے۔ اسے دیکھ کر تجھے جھوٹ بولتے دیکھ کر مجھے حیرت نہیں ہوتی۔" شہباز خان نے حقارت سے کہا۔

"سچ سچ تو پاگل ہی ہو گیا ہے شہباز خان۔ میری سمجھ میں نہیں آتا میں تجھے کیا سزا دوں۔"

"اس دیوانے نے گلباز خان اور نوروز کو قتل کر دیا ہے بابا۔" سرتاج خان نے بتایا۔

"کیا؟" بوڑھا اچھل پڑا۔

"ہاں۔ نوروز کے ایک آدمی نے یہ اطلاع مجھے دی تھی۔ اسی لئے میں اس کی سرکوبی کو گیا تھا۔"

"یہ قبول رہا ہے دولت خان۔" شہباز خان مسکرایا۔

"کیا۔ کیا یہ حقیقت ہے کہ کہ تو نے ان دونوں کو قتل کر دیا ہے؟"

"ہاں۔ میں نے تیرے دونوں کتے ہلاک کر دیئے ہیں۔"

"اوہ۔ اوہ۔ یہ بات مجھ تک کیوں نہیں پہنچی۔" دولت خان غرایا۔

"اس میں کچھ دوسری باتیں بھی تھیں دولت خان۔ سرتاج خان نے تجھے یہ کیوں بتاتا۔"

"شہباز خان کی گفتگو کی کیا حقیقت ہے سرتاج خان۔ جواب دو میں تحقیقات کراؤں گا اور میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ میرا بیٹا مجھ سے بھی جھوٹ بولے۔"

"مجھے اسے قتل کرنے کی اجازت دی جائے بابا۔ اس نے ہمارے دو آدمی مار دیئے ہیں۔"

"پہلے میں اس کی حقیقت جاننا چاہتا ہوں۔" دولت خان غرایا۔

"میں نہیں جانتا کیا ہوا تھا۔ لیکن میں نے بزدلی کا مظاہرہ نہیں کیا۔" سرتاج خان سر جھکائے ہوئے بولا۔

"کیا تو نے اس کے ساتھی سے جنگ کی تھی؟"

"ہاں۔ اس نے مجھے جنگ کے لئے للکارا تھا۔"

"پھر اس جنگ کا نتیجہ کیا ہوا؟"

"میں نہیں بتا سکتا بابا۔ ممکن ہے تو میری بات کو جھوٹ سمجھے۔"

"تو میرے سامنے جھوٹ بولنے کی جرات کر سکتا ہے؟" دولت خان غرایا۔

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔ لیکن نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔ میں نہیں جانتا۔ نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔ پہلے میری ٹوپی ہوا میں بلند ہوئی۔ پھر میرا زیر جامہ کھل گیا اور اس کے بعد مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے میرے بدن پر چیونٹیاں رینگ رہی ہوں۔ ایسی حالت میں، میں کیا جنگ کر سکتا تھا۔ میں نے ایک چٹان کے عقب میں جا کر لباس اتار کر دیکھا۔ لیکن اسی وقت میرے ساتھی مجھے چھوڑ کر بھاگ پڑے اور میں لباس بھی نہیں پہن سکا۔"

"تو بھی وہاں سے فرار ہو گیا؟"

"ہاں بابا۔" سرتاج خان نے گردن جھکا کر کہا۔

"اس کے بعد کی باتیں بھی معلوم کرو دولت خان۔" شہباز خان چہک کر بولا۔

"بابا۔ بابا۔ کیا میں اسے قتل کر دوں۔ مجھے اجازت دو۔ ورنہ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"اس کے بعد کیا ہوا سرتاج خان۔" دولت خان سوچتے ہوئے بولا۔

"ہم نے دور سے اس پر گولیاں چلائیں۔ لیکن یہ تینوں وہاں سے بچ نکلے۔ تب ہم نے انہیں نوروز کے والی سرنگ میں داخل ہوتے دیکھا اور ہم نے ان کی اطلاع دی۔"

"کیوں نہیں گرفتار کرنے کے لئے تیرے پاس اور کوئی طریقہ نہیں تھا۔" دولت خان غرایا۔

"میں تمہیں حقیقت بتا چکا ہوں۔"
"اس میں سمجھ میں نہ آنے والی کونسی بات ہے۔ ایک تو اس نتیجے میں دو فوق البشر ہو چکا ہے۔"
"تمہیں سب پتا ہے۔ اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔" سرتاج خان نے کہا اور پھر وہ تیز قدم اٹھاتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔ دولت خان خونخوار نگاہوں سے مجھے اور شہباز خان کو دیکھ رہا تھا۔
"تمہارا تیسرا ساتھی کہاں ہے؟" اس نے سانپ کی مانند پھنکارتے ہوئے پوچھا۔
"وہ یہ آنے والی سرنگ میں ہمارے ساتھ چلا۔ پھر غائب ہو گیا اور اس کے بعد تم اپنا نام بتا سکو تو تم ہمیں اپنے تیسرے ساتھی کے بارے میں ضرور بتاؤ گے دولت خان۔" شہباز خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"سرتاج خان نے بزدلی کا ثبوت دیا ہے شہباز خان لیکن وہ ابھی بچہ ہے میں تمہارے تیسرے ساتھی کو تلاش کراؤں گا۔ اور سرتاج خان کو اس سے میرے سامنے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس سے قبل تم دونوں کو قتل نہیں کروں گا۔ اگر تمہارے تیسرے ساتھی نے سرتاج خان کو قتل کر دیا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم تینوں کو آزاد کر دوں گا۔ میں کسی بزدل بیٹے کا باپ بن کر زندہ نہیں رہ سکتا۔"
"اگر وہ تیسرا ساتھی نہ مل سکا تو؟"
"تو پھر تم دونوں میں سے کسی کو سرتاج خان سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔" اس نے میری طرف اشارہ کیا۔
"ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔" بوڑھے شہباز نے کہا اور میری جان نکل گئی۔ تیرا ستیاناس جائے بوڑھے مجھے کیوں مصیبت میں پھنسا دیا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا۔ میں سخت پریشان ہو گیا تھا۔ تب بوڑھے خان نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔
"لے جاؤ ان دونوں کو بند کر دو۔ اور ان کے تیسرے ساتھی کو تلاش کرو۔ اس کے بعد ہی ان کا فیصلہ کیا جائے گا۔" دولت خان کے آدمی ہمیں لے کر واپس چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمیں اسی قید خانے میں بند کر دیا گیا۔
"فکر مت کرو دوست۔ اس نے وعدہ کیا ہے کہ تمہیں جنگ کرنے کا موقع دے گا۔ میں صرف دولت خان کے بیٹے پر ویسا ہی داغ لگانا چاہتا ہوں۔ جیسا میرے بیٹے پر موجود ہے۔ جنگ کے میدان میں، میں تمہاری مدد کروں گا۔"

[illegible] شہباز خان نے دانت پیستے ہوئے کہا۔
"کیا مطلب؟"
"وہ تمہیں اس وقت ملے گا؟"
"اس کی ضرورت ہی نہیں پیش آئے گی۔ وہ خان بہت خطرناک تھا۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ چاہتا تو آسانی سے خان کو قتل کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے تلوار بھی نہیں اٹھائی تھی۔ تمہاری نسبت تیزی سے۔ تم تلوار قبول کر لو۔ مجھے تمہارے بازو کی قوت پر بھروسہ ہے۔"
مگر وہ بڑے میاں۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا اور میرے بازو بہت ناتواں ہیں۔ میں اس پہاڑ سے کیا مقابلہ کروں گا۔ طالوت کی دوسری بات تھی۔ وہ طالوت تھے۔ تمہارے ساتھ وہ کر لیتے وہ ایک دن تو کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن آخر وہ گیا کہاں۔ کس چکر میں پھنس گیا۔
یہ بات تو سوچنے کی تھی کہ وہ پتھر کی سرنگ میں داخل ہوا کیا۔ طالوت اس طرح شکار ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔ بہرحال۔ دیکھنا یہ ہے کہ قسمت میں کیا لکھا ہے۔
قبیلے کی روایتی مہمان نوازی کا مجھے اندازہ ہو گیا۔ میں بھی قائل ہو گیا۔ گو ہم قیدی تھے۔ دولت خان ایک بدفطرت انسان تھا۔ لیکن کھانے پینے کی ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ وقت پر کھانا ملتا اور ناشتہ بھی۔ پورے تین روز اس قید میں گزر گئے اور اب میں اکتا گیا تھا۔ اچھا ہے جلدی سے یہاں سے نکلا جائے۔ جنگ ہو اور فیصلہ ہو جائے۔ اس دنیا کی یادوں کو بھی زندگی میں لے رکھا ہے۔ طالوت نہ جانے کہاں گم ہو گیا۔ ابھی جائے تو بیکار ہے۔ ایک نہ ایک دن تو اسی طرح مرنا ہے۔
نہ جانے کیا کیا الٹے سیدھے خیالات ذہن میں آتے رہتے تھے۔ طبیعت پر سخت بیزاری طاری تھی۔ گزرے ہوئے واقعات ذہن کے پردے پر چکراتے رہتے۔ دل چاہتا کسی بارے میں نہ سوچوں۔ لیکن ان خیالات سے پیچھا چھڑانا مشکل ہی ہو گیا۔
آج چوتھا دن تھا۔ صبح کے ناشتے سے فارغ ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ موت کا پروانہ آ گیا۔ بہت سے مسلح آدمی قید خانے میں آ گئے تھے۔
"دولت خان نے تمہیں طلب کیا ہے شہباز خان۔"
"کیا بات ہے؟"
"اس نے کہا ہے کہ تمہارا تیسرا ساتھی نہیں مل سکا۔ اس لئے تمہارے دوسرے ساتھی کو سرتاج خان سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔"
"اوہ ٹھیک ہے۔ ہم تیار ہیں۔" شہباز خان نے سینہ نکال کر کہا اور میرا دل چاہا کہ بوڑھے کے سینے میں خنجر گھونپ دوں۔ کس دلیری سے میرے قتل کا سامان کر رہا ہے۔ لیکن غلطی اس کی نہیں تھی۔ طالوت نے اسے غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا۔
بہرحال ہم چل پڑے اور اسی صحن میں پہنچ گئے جسے میدان جنگ بنا دیا گیا تھا۔ آج یہاں کافی لوگ موجود تھے۔ دولت خان بھی تھا۔ سرتاج خان بھی۔ اور دوسرے سب شریر لوگ۔
دولت خان ہمیں دیکھ کر مسکرایا۔ "تمہارے ساتھی کا حال پتا تو نہیں ہے شہباز خان۔"
"شیروں کی دوستی شیروں سے ہوتی ہے گیدڑوں سے نہیں۔" شہباز خان نے سینہ تانتے ہوئے کہا۔
"خود تمہارے خون میں بھی گرمی پائی جاتی ہے شہباز خان۔ کیا اب صرف دوسروں کے بل پر اکڑتے ہو؟" دولت خان نے غصہ دلانے والے انداز میں کہا۔ "آؤ۔ ہمارے تمہارے درمیان بھی فیصلہ ہو جائے۔"
"میں لڑنا بھڑنا چھوڑ چکا ہوں شہباز خان۔ ہاں تمہاری خواہش پوری کی جا سکتی ہے۔ کیا تم جنگ کرو گے؟"
"مقابل کے بارے میں پتہ چل جائے تو۔" شہباز خان نے کہا۔
"وہ جس نے تمہارے بیٹے رمضان کو قتل کیا ہے۔"
"آہ۔ آہ کہاں ہے وہ۔ دولت خان۔ اسے میرے سامنے لے آ... میں تیرے سارے گناہ معاف کر دوں گا۔ میں تجھے زندگی بخش دوں گا۔" شہباز خان نے پرجوش لہجے میں کہا۔
"لیکن تم اس کی شکل نہ دیکھ سکو گے؟"
"کیا مطلب؟ کیوں؟"
"بس یہ میری شرط ہے۔ تمہاری اور اس کی دونوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جائے گی۔ تم دونوں کے منہ میں ربڑ کے ٹکڑے دے دیئے جائیں گے تم ایک دوسرے سے بات بھی نہ کر سکو گے۔"
"یہ انوکھی شرط ہے۔" شہباز خان حیرت سے بولا۔
"میں نے جنگ کے عجیب طریقے ایجاد کئے ہیں۔ بولو۔ اپنے بیٹے کے قاتل سے مقابلہ کرو گے؟"
"میں تیار ہوں۔ میں تیار ہوں۔" شہباز خان نے غراتے ہوئے کہا۔ لیکن یہ انوکھی شرط میری سمجھ میں بھی نہیں آئی تھی۔ مگر دولت خان اس سے کیا فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور پھر کیا یہ جنگ خطرناک نہ ہو گی؟ اگر شہباز خان بھی مارا گیا تو پھر میں تنہا رہ جاؤں گا۔ لیکن شہباز خان ان داؤ پیچ سے بولا تھا۔ کیا ضروری تھا کہ اس کے بیٹے کا قاتل وہی ہو جس سے دولت خان اسے لڑا رہا ہے۔
لیکن اب شہباز خان کو روکنا بھی مشکل تھا۔ وہ بیٹے کے قاتل سے جنگ کرنے کے نشے سے سرشار تھا۔
"ٹھیک ہے۔ پہلے مقابلے کی تیاریاں کی جائیں۔" دولت خان نے کہا "تم دونوں خنجروں سے مقابلہ کرو گے۔ تاکہ ایک دوسرے سے قریب رہ سکو۔"
اور پھر شہباز خان کو اس کی پسند کا خنجر دے دیا گیا۔ ایک سیاہ رنگ کی پٹی اس کی آنکھوں سے باندھ دی گئی اور پھر اس کے چہرے پر ایک ایسا تھیلا چڑھا دیا گیا جس سے وہ سانس وغیرہ لے سکے۔ خنجر اس کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔
میں خوف سے تکتے ہوئے اس دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا جس سے قاتل کی آمد کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ آہ۔ طالوت کہاں مر گیا۔ ساری چوپٹ دولت خان نے۔ ہم سب بن گئے اور دیکھ رہے ہیں۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ لیکن میرے کانوں میں کوئی آواز نہ آئی۔ اور میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔
اور پھر ایک دروازے سے ایک نوجوان قیدی کو لایا گیا۔ اس کے چہرے پر بھی تھیلا بندھا ہوا تھا لیکن وہ تندرست و توانا اور پھرتیلا معلوم ہوتا تھا۔
گئے بڑے میاں۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ دونوں کے منہ میں ربڑ کے ٹکڑے دبا دیئے گئے۔ بظاہر یہ اس لئے تھے کہ دونوں ایک دوسرے کی آواز نہ سن سکیں۔ اور پھر ایک آدمی ان سے تھوڑے فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ یہ ان دونوں کو لڑانے والا تھا۔
"تم دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہو۔ تمہارے درمیان صرف چار فٹ کا فاصلہ ہے۔ مقابلے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" تیسرے آدمی نے کہا اور دونوں خنجر تان کر کھڑے ہو گئے۔ لڑانے والے کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ اس نے دولت خان کی طرف دیکھا۔ دولت خان نے ایک سرخ رومال اٹھا دیا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ ہلا۔ اور اس کے ساتھ ہی لڑانے والے نے کہا۔
"شاباش۔ حملہ کرو۔"
شہباز خان نے اپنی عمر سے کہیں زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کا خنجر صرف چند انچ کے فاصلے سے گزر گیا تھا۔ ورنہ

قیدی کا نام تو ہم نہیں جانتے۔ قیدی نے بھی اپنا ... اس کا وار بھی بے حد خطرناک تھا۔ شہباز خان کے بازو کی آستین چر گئی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی شہباز خان نے دوسرا حملہ کر دیا تھا۔ قیدی صرف انداز سے پیچھے ہٹ گیا۔ وہ بھی کوئی معمولی آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

میں سانس روکے اس حیرت ناک تماشے کو دیکھ رہا تھا۔ لڑانے والے کی آواز ابھری۔ "اب خبردار..." پھر ایک دوسرے سے فاصلے پر ہٹ گئے تو نوجوان قیدی ... "تمہارا دشمن تمہارے دائیں طرف ہے اور موت تمہیں دائیں طرف سے ... کر رہا ہے۔"

دونوں پھر تیار ہو گئے اور اس بار مجھے خطرہ ہوا کہ دونوں میں سے ایک گیا۔ وہ وحشیانہ انداز میں ایک دوسرے پر حملہ کر رہے تھے۔ اچھا ... زرا سنیں ... تار ہا تھا۔

لوگ قہقہے لگا رہے تھے۔ خود دولت خان بھی ہنس رہا تھا۔ البتہ سرتاج خان خاموش تھا۔ وہ شدید غصے سے بھی خائف تھا۔ کیونکہ اس کا پچھلا تجربہ اچھا نہیں تھا۔

اس بار شہباز خان نے خوفناک حملہ کیا اور اچانک میں ... لڑانے والا شخص اس طرح اچھل کر شہباز خان کی طرف آیا تو جیسے کسی نے اس کی کمر پر لات رسید کر دی ہو۔ شہباز خان کو آہٹ مل گئی تھی۔ چنانچہ وہ سر کے بل ... خنجر لڑانے والے کے پہلو میں پیوست ہو گیا۔ لوگوں کے سینے سے چیخیں نکل گئیں۔ خود لڑانے والے کی چیخ بڑی دردناک تھی۔ شہباز خان نے سمجھا کہ اس نے اپنے دشمن کا کام کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ دشمن کو موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس سے قبل کہ لوگ شہباز خان کو روکتے اس نے پے در پے لڑانے والے پر کئی وار کر ڈالے اور وہ زمین پر گر پڑا۔

دولت خان اس عجیب و غریب سانحے پر پریشانی سے کھڑا ہو گیا تھا۔ پھر اس نے دانت پیس کر اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ "قیدی کو لے جاؤ۔"

اور دو آدمیوں نے قیدی کے ہاتھ سے خنجر لے لیا۔ اور اسے گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔

"... شہباز خان۔ او شہباز خان۔ یہ تو نے کیا کیا۔" دولت خان غرایا۔ اور شہباز خان کے منہ سے ... نکل کر ... "اس نے خون ..." وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"میں نے دشمن کا کام تمام کر دیا ہے۔ میری آنکھوں کی پٹی کھولو۔"

"او بے وقوف ... تو نے ... کو قتل کیا ہے۔"

"... شہباز خان ... ہے۔"

"او۔ اس کی آنکھیں کھول دو۔" دولت خان نے کہا اور لوگوں نے شہباز خان کی آنکھیں کھول دیں۔ ... معصوم ہو کر شہباز خان بھی ششدر رہ گیا تھا۔

لیکن میری دلی کیفیت عجیب ہو گئی۔ میں پچھتا رہا تھا۔ یہ لڑانے والا آدمی ... اچھل کر شہباز خان نے خنجر ... "یہ ہے طالوت۔" "میں نے کسی ... امید کی آواز دی۔

"معاف کرو یار طالوت۔ صرف ایک بار اور ... دو۔" مجھے اپنے کان کے قریب ہی طالوت کی آواز سنائی دی۔ اور میرا دل چاہا کہ خوشی سے بچوں کی طرح چیخنے لگوں۔ میرا ذہن ... ہو گیا۔ "خدا کی قسم۔ زندگی بھر سامنے نہیں آؤں گا۔ اگر تو نے صدق دل سے مجھے معاف نہ کر دیا۔" طالوت کی سرگوشی میرے کانوں میں گونجی۔

"تم خیریت سے تو ہو؟"

"بالکل بالکل۔ اور یقین کرو کہ یہ کام تمہاری خیر خواہی میں کر رہا تھا۔ اگر تم ایک بار بھی اسے آواز دیتے تو وہ کبھی تمہیں ... دیتا۔"

"تب تم سے گفتگو پھر ہوں گی۔ ... دشمن سے واقف ہو۔"

"اچھی طرح۔ ورنہ ان دونوں کو لڑانے والا تو مارا جا چکا ہے۔"

"ہوں۔ مجھے شبہ تھا۔ اب کیا کرنا ہے۔ سرتاج خان سے مجھے جنگ کرنی ہے۔"

"تو کرو۔ اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے؟"

"میرا تو ہارٹ فیل ہو جا رہا تھا۔ اور تم کہہ رہے ہو گھبرانے کی کیا بات ہے۔"

"جنگ نہیں کرنا چاہتے؟" طالوت نے پوچھا۔

"لعنت ہے۔" میں دانت پیستے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے وہ تم سے نہیں لڑے گا اور اگر میں اس وقت یہاں نہ بھی ہوتا تب بھی یہ کام تمہاری مدد کو ہوتا ... غالب تو رہا ہوں۔ لیکن ایسی دوری کا ... ہارے گا ... کرو گے۔"

"فی الحال تو ... دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہوتا ہے۔" میں نے ان لوگوں کی طرف دیکھا۔ شہباز خان احمقوں کی طرح اس لاش کو دیکھ رہا تھا جو اس کے ہاتھ سے شکار ہوا تھا۔

"اس میں میرا کیا قصور ہے دولت خان۔ یہ خود سامنے آگیا ہوگا۔" شہباز خان نے کہا۔

"اب تیرا کیا خیال ہے شہباز خان؟"

"میں نہیں جانتا۔ تو نے اپنے لڑانے کو ... کیوں ..."

"میں اب بھی اس سے جنگ کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن تماشا زیادہ دلچسپ نہیں رہا۔ ہم دونوں کو ... سے ... اصل تماشا اس وقت ہوگا۔"

"تیرا ساتھی کیا کہتا ہے۔ کیا تو ... کرے گا؟"

"دلاور خان شیر ہے گیدڑ نہیں۔ وہ تیار ہے۔" شہباز خان نے کہا اور میں نے ... دل ہی دل میں برا کہنا شروع کر دیا۔ کمبخت میری جان کے پیچھے پڑا ہے۔ اگر طالوت اس وقت بھی نہ آتا تو اس بوڑھے نے مروا دیا تھا۔

"تو ٹھیک ہے۔ میرا شیر بھی میدان میں آنے کو تیار ہے سرتاج خان۔"

"ہاں۔" سرتاج خان نے خطرناک تیور سے کہا۔ شاید اس کی رگوں میں بھی خون نے جوش مارا تھا۔

"سامنے آؤ اور اپنا شکار حاصل کرو۔"

"میں تیار ہوں بابا۔" سرتاج خان نے چوڑی اور وزنی تلوار سونتے ہوئے کہا۔

"طالوت۔" میں نے گھبرائے ہوئے انداز میں طالوت کو پکارا اور طالوت کی ہنسی میرے کانوں میں گونج اٹھی۔ پھر اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تلوار طلب کرو۔"

"دل بھر گیا ہے مجھ سے؟"

"نہیں میری جان۔ تم سے تو ایسا دل لگا ہے کہ کبھی بھر ہی نہیں سکتا جو میں کہہ رہا ہوں کرتے رہو۔"

"اچھا۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا اور پھر میں بھی آگے بڑھ گیا۔ "کیا مجھے تلوار نہیں ملے گی؟" میں نے زوردار آواز میں کہا۔

"اسے اس کی پسند کی تلوار دو۔" دولت خان نے گرج کر کہا۔ اور بہت سی تلواریں میرے سامنے ڈال دی گئیں۔ میں نے ان میں سے ایک تلوار اٹھا لی۔ بھلا مجھے اس دھار دار ہتھیار سے کیا دلچسپی تھی۔ صحیح معنوں میں مجھے یہ ہتھیار سنبھالنا بھی نہیں آتا تھا۔ لیکن بہرحال مجھے تلوار لے کر سرتاج خان کے مقابل آنا پڑا۔ سرتاج خان کے چہرے پر بظاہر جوش کے آثار تھے لیکن آنکھوں میں موت کے خوف کی پرچھائیاں بھی جھلک رہی تھیں۔ پچھلا تجربہ اسے یاد تھا۔

میں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ... بیٹھے مسکرا رہے تھے۔ ابھی تک طالوت کی طرف سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی اور میں دل ہی دل میں خود پر فاتحہ پڑھ رہا تھا۔

دولت خان نے پھر سرخ رومال اٹھا لیا تھا اور اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا۔ دیکھنے والوں کے چہروں سے بھی جوش کا اظہار ہو رہا تھا اور پھر دولت خان نے جھٹکے سے رومال نیچے کر لیا۔

سرتاج خان نے ... اور میں پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن اچانک سرتاج خان نے ایک پاؤں اٹھا کر گھٹنے پر رکھ لیا۔ تلوار کی نوک کو دوسرے ہاتھ کے انگوٹھے پر رکھ لیا اور رقص کے ایک دلفریب پوز میں آ گیا۔

"یہ طالوت۔" میں نے دل ہی دل میں ہانک لگائی۔

سرتاج خان بے تحاشا مسکرا رہا تھا۔ اس نے بڑی ادا سے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا تھا اور گردن ناز سے مٹکا رہا تھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کسی نازنین عورت کے انداز میں دولت خان کو آنکھ ماری اور دولت خان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ دوسرے لوگ بھی احمقوں کے انداز میں دیدے پھاڑے سرتاج خان کو دیکھ رہے تھے۔ جو جنگ کرنے کے بجائے رقص کرنے کے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔

میں آگے بڑھا اور میں نے تلوار کی نوک سرتاج خان کی کمر میں چبھو دی۔ وہ شرماتے ہوئے انداز میں سمٹ کر رہ گیا اور پھر زنانی آواز بنا کر بولا۔ "اوئی اللہ۔ مر جاؤں۔"

"سرتاج خان۔" دولت خان کی دہاڑ زبردست تھی۔ "تو اپنے باپ کے سامنے ہے۔"

"ہائے۔ میں مر جاؤں۔" سرتاج خان نے تلوار پھینک کر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا لیا۔

"قتل کر دو دلاور خان۔ اسے قتل کر دو۔ تمہارا دشمن تمہاری تلوار کی زد پر ہے۔" دولت خان حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"یا اللہ۔ رحم کر۔ مجھے ظالم باپ سے بچا۔" سرتاج خان نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لئے۔ وہ کسی دہشت زدہ حسینہ کی طرح آنکھوں ... کانپنے لگا۔

"مبارک ہو دولت خان۔ تیرے بیٹے کی اصلیت سامنے آ گئی۔"

"قتل کر دو۔ اسے قتل کر دو۔" دولت خان پاگلوں کی طرح چیخا۔

"ہائے اللہ۔ ہائے اللہ۔" سرتاج خان ... آواز میں بولا۔ "بچائے میرے مولا۔ میری عزت بچا لے۔" اور دولت خان اس پر جھپٹ پڑا۔ اس نے میرے ہاتھ سے تلوار چھیننے کی

کوشش کی۔ لیکن اسی دوران سرتاج خان نے ہمیں دیکھ لیا۔ وہ دونوں کو نہیں چھوڑی گے۔ عجیب سے انداز میں بڑبڑا رہا تھا۔

اور اب لوگوں کا غصہ ٹوٹ گیا تھا۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے تھے اور دولت خان کی گردن ندامت سے جھکی ہوئی تھی۔ پھر وہ مجھ پر پلٹ پڑا۔

"تم نے اسے قتل کیوں نہیں کر دیا۔ جواب دو۔ کیا اس جرم کے بدلے میں تمہیں قتل نہ کر دوں؟"

"ہم ہمیشہ مردِ میدان پر ہاتھ اٹھاتے ہیں دولت خان۔ بزدلوں کو قتل کرنا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔" شہباز خان نے کہا۔

"بس جاؤ۔ بند کر دو انہیں۔ لے جاؤ۔" دولت خان پاگلوں کے انداز میں دہاڑا اور بہت سے لوگوں نے ہمیں پھر جکڑ لیا۔ ایک بار پھر ہمیں قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ بوڑھا شہباز خان راستے بھر ہنستا رہا تھا۔ وہ پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنس رہا تھا۔

"واہ رے دولت خان۔ کیا شاندار جوان پیدا کیا ہے۔" وہ کہتا اور ہنسنے لگتا۔ لیکن جب ہم غار میں داخل ہوئے تو چونک پڑے۔ خاص طور سے بوڑھے شہباز خان کا منہ حیرت سے پھیلا رہ گیا۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ فرش پر طالوت گھٹنوں میں منہ دیئے سو رہا تھا۔ شہباز خان پلکے تو حیرت سے منہ پھاڑے کھڑا رہا۔ ہمیں اندر دھکیلنے والوں نے ہمیں باہر ہی چھوڑ دیا تھا اور پھر اچانک شہباز خان مسرت سے بھرپور آواز میں چیخا۔

"او میرے دلیر خان۔ او میرے دلیر خان۔"

اور پھر وہ سوتے ہوئے طالوت سے لپٹ گیا۔ "تو آ گیا دلیر خان۔ تو زندہ ہے میرے بیٹے۔ تو زندہ ہے۔" وہ انتہائی محبت سے طالوت کو بھینچ بھینچ کر کہہ رہا تھا اور طالوت احمقوں کی طرح خاموش تھا۔

"تو کہاں سے پکڑا گیا ہے میرے بچے۔ بول تو کہاں سے پکڑا گیا؟"

"افریقہ کے جنگلات سے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"میرا دل تیرے لئے روتا تھا دلیر خان۔ میں نے یہی سمجھا تھا کہ تو سرنگ میں کہیں پھنس کر مر گیا۔ آج مجھے ایسا ہی لگ رہا ہے جیسے میرا رحمان مجھے واپس مل گیا ہے۔ میں بہت خوش ہوں دلیر خان۔ آخر تو چلا کہاں گیا تھا۔"

"بس ایسے ہی۔ ان لوگوں کی نگاہوں سے چھپتا پھر رہا تھا۔"

"ارے تو نے آج کا تماشہ نہیں دیکھا۔ خدا کی قسم۔ دولت خان کا اس سے بڑا بے عزتی اور کیا ہو سکتا ہے۔ شہزادہ کہ بیٹا نہ ہو سکا ہے تو عورت ہے۔" شہباز خان نے ایک قہقہہ لگایا۔ "کھڑکیاں کی سرنگ میں تیرے ساتھ کیا ہوا تھا۔"

"کچھ نہیں بابا۔ بس جو تم لوگوں کے ساتھ بیتی وہی میرے ساتھ۔"

"مگر تجھے زندہ دیکھ کر ہمیں بہت خوشی ہوئی ہے۔ دولت خان انگاروں پر لوٹ رہا ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔"

"لیکن تم یہاں قید ہونے تو نہیں آئے شہباز خان۔"

"لیکن۔ سرنگ میں پھنس کر ہم بند ہو گئے۔ تیری وجہ سے آئے تھے دلیر خان۔ اب ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔"

"کل ہم یہاں سے نکل چلیں گے بابا۔ تم بے فکر رہو۔"

"اب مجھے فکر نہیں ہے۔ میں نے دولت خان کو ذلیل کر لیا ہے۔ مگر اس کا سب عزت بیٹا۔ مجھے تو یہ سرحد کے دلیر ایسی اولاد نہیں پیدا کرتے۔ یہ سرتاج کون ہو گیا ہے؟"

اور یہ تو میں ہی جانتا تھا کہ بے چارے سرتاج خان کا کیا ہوا ہے۔ میرے علاوہ اور کون جان سکتا تھا۔ سرحد کے ان دلیروں کو زمانے بھر کے سورماؤں سے واسطہ پڑا ہو گا۔ مگر ایسے سورما نہیں ملے ہوں گے۔

رات کو جب بوڑھا شہباز خان سو گیا تو میں نے طالوت کی گردن ناپی۔ "ہاں اب بتاؤ۔ تم کہاں غائب ہو گئے تھے۔"

"باہر چلے گئے؟" طالوت نے میرے سوال کا جواب دیئے بغیر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"آؤ۔" طالوت نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور جب میں اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا تو اس نے مجھے دھکا دیا۔ یہ اس کی مخصوص حرکت تھی۔ اس کے بعد جو ہوا وہ نیا نہیں تھا۔ میں نے دیکھا کہ کچھ لمحوں کے لئے سارا ماحول تاریک ہو گیا۔ پھر ایک چٹان میرے ہاتھ لگی۔ اس کے ساتھ ہی ٹھنڈی اور فرحت بخش ہوا کے جھونکے میرے بدن سے ٹکرانے لگے۔

میں نے چاروں طرف دیکھا۔ ہم ایک سنسان وادی میں کھڑے ہوئے تھے۔ تھوڑے فاصلے پر آسمان سے روشن ستارے نظر آ رہے تھے۔ پوری وادی خاموش تھی۔ میں نے گہری سانس لے کر طالوت کی جانب دیکھا۔



"میں بالکل مجبور ہو گیا تھا عارف۔" طالوت نے کہا۔

"میں تمہاری مجبوری کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"بس ایک خاندانی روایت۔ ایک اتفاق ہو گیا۔"

"کیا مطلب؟"

"ایک بار میں چاہِ زنداں میں گر پڑا تھا۔ تب والد صاحب قبلہ نے پانی کے قیدی ازدہوں کو آزاد کیا اور اس نے تاریک کنویں سے مجھے نکالا۔ اس کنویں میں اس نے سالوں نہیں اتر سکتا تھا۔ والد صاحب نے اس کی خطائیں معاف کر دیں اور اسے مکمل طور سے آزاد کر دیا۔ وہ اس کے سپرد ایک کام کر دیا گیا۔ وہ یہ کہ پانی سے ڈوبنے والوں کو وہ بچائے گا۔ تو سرنگ میں اچانک پانی آ گیا تھا۔ میں بھی ایک لمحے کے لئے گھبرا گیا اور اسی وقت ازدہوں نے مجھے بازوؤں میں اٹھا لیا۔

ازدہو کو نہیں معلوم تھا کہ میں کون ہوں۔ جب خشکی میں لا کر اس نے میری شکل دیکھی تو اچھل پڑا۔ کیونکہ اسے بھی میرے فرار کے بارے میں معلوم تھا۔ اس نے میری منت سماجت شروع کر دی کہ میں واپس چلوں۔ میں سخت پریشان ہو گیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس علاقے کی طرف متوجہ ہو۔ چنانچہ مجبوراً مجھے اسے چکر دینے پڑے۔ میں اسے صحرائے آلامش لے گیا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہاں میرے چند دوست میرے منتظر ہیں۔ ان سے اجازت لے لوں تو اس کے ساتھ چلوں گا۔ اس دوران میں نے راسم کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ تمہارا خیال رکھے۔ صحرائے آلامش کے ایک خوفناک کنویں کے نزدیک میں نے چالاکی سے چند لمحے رکو دیئے اور پریشانی سے ازدہو سے کہا کہ شاید میرے خانی دوست اس کنویں میں پھنس گئے ہیں۔ میں نے ازدہو سے عہد لیا کہ جب تک وہ انہیں تلاش نہ کرے گا وہ باہر نہیں نکلے گا۔ اور اس نے عہد کر لیا۔ چنانچہ وہ کنویں میں داخل ہو گیا اور میں وہاں سے فرار ہو کر یہاں پہنچ گیا۔ اب بے چارہ ازدہو۔ اپنے عہد سے مجبور ہو کر اب اس کنویں میں میرے خیالی ساتھیوں کو تلاش کرتا رہے گا۔" طالوت نے غمزدہ لہجے میں کہا اور مجھے ہنسی آ گئی۔

"اگر وہ نہ ملے تب بھی وہ باہر نہیں آئے گا؟"

"نہیں۔ ایسے عہد کیا ہے۔"

"تم کسی کو نہیں چھوڑتے طالوت۔"

"تمہارے سوا سب کو چھوڑنے کو تیار ہوں۔ بس۔"

"کیا بات تھی جس کی بنا پر تم کہہ رہے تھے کہ میں تمہاری زیادتی معاف کر دوں گا؟"

"نہیں۔"

"پھر؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"تو میرے ساتھ۔" طالوت نے کہا اور پھر ہم آگے بڑھ گئے۔ طویل فاصلہ طے کر کے طالوت ایک دور دراز پہاڑی کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس پہاڑی کے ایک غار کے سامنے آگ روشن تھی۔ دیواروں میں مشعلیں لگی ہوئی تھیں اور بہت سے مسلح افراد نظر آ رہے تھے۔ تب طالوت نے راسم کو آواز دی اور راسم سامنے آ گیا۔ "ہمارا سامان۔" طالوت نے اس سے کہا اور راسم نے پلک جھپکتے ہمارا ضروری سامان ہمارے سامنے رکھ دیا۔

"گھوڑوں کا کیا ہوا طالوت؟"

"افسوس گھوڑے نہ بچ سکے۔ تم نے شاید ان کی لاشیں نہیں دیکھیں۔ پہاڑوں کے دوسری طرف اس جگہ پڑی ہیں جہاں یہ لوگ مردہ جانور ڈال دیتے ہیں۔" طالوت نے جواب دیا۔

"افسوس۔ عمدہ گھوڑے تھے۔"

"اپنا دوشالہ نکال لو۔" طالوت نے کہا۔

"اوہ۔" میں نے اس کی شکل دیکھی اور پھر اپنے سامان سے شاہانہ دوشالہ نکال لیا۔ راسم نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ میں نے دوشالہ اوڑھ لیا۔ پھر طالوت نے بھی نگاہوں سے اوجھل ہونے کا عمل کیا اور اس کے بعد میرا ہاتھ پکڑ کر اس غار کی طرف چل پڑا جہاں مسلح پہریدار کھڑے تھے۔ چند پہریدار غار کے دہانے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی رائفلیں ان کے نزدیک رکھی ہوئی تھیں۔

طالوت نے ہونٹ سکوڑے اور رائفلوں کی طرف پھونکنے لگا۔ رائفلیں اپنی جگہ سے ہلیں اور پھر دور جا پڑیں۔ پہریدار چونک پڑے تھے۔ وہ بدحواسی میں رائفلیں اٹھانے دوڑے اور طالوت نے دوبارہ پھونک ماری۔ رائفلیں اور دور جا پڑی تھیں۔ اور غار کا دروازہ خالی ہو گیا۔ تب طالوت میرا ہاتھ پکڑ کر اطمینان سے غار کے دروازے میں داخل ہو گیا۔ ایک چھوٹی سی سرنگ دور تک گئی تھی۔ اور اس کے اختتام پر ایک اور چھوٹا سا غار تھا۔ لیکن اس غار کے دہانے پر لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ سلاخوں کے پیچھے پتھر کی سل پر کوئی گھٹنوں میں سر دیئے سو رہا تھا۔

"آؤ۔" طالوت نے کہا اور ہم سلاخوں کے نزدیک پہنچ گئے۔ "اندر آ جاؤ۔" طالوت نے کہا اور سلاخوں کی درمیانی جگہ سے اندر داخل ہو گیا۔ سلاخوں کی درمیانی جگہ بچہ اتنی سے زیادہ نہیں تھی۔ طالوت کا داخلہ ہی حیرت انگیز تھا۔ میں

سے بھی اتنی سے اندازہ ہو گیا، اس چھوٹی سی عمر سے مرنے کی کوشش کی اور بلاشبہ یہ تجربہ میرے لئے کافی دلچسپ اور سنسنی خیز تھا۔ وہ دوشہ۔ اور جس کے بعد میرا کوئی وجود نہیں رہا تھا۔ میں اطمینان سے اندر داخل ہو گیا۔

سونے والا ایک قوی ہیکل جوان تھا۔ لیکن اس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ سر کے بال منتشر تھے۔ میں حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ طالوت اس کے سرہانے پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

"یہ کون ہے؟" بالآخر میں نے طالوت سے پوچھا۔

"وہ۔ لیکن اس سے نہیں کیا سروکار ہے۔"

"زبردست۔" طالوت پہیلیاں بجھا رہا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"غور سے اس کی شکل دیکھو۔" طالوت نے کہا اور میں ٹکٹکی باندھ کر قیدی کو غور سے دیکھنے لگا لیکن اس کے باوجود میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ میں سیدھا ہو کر سوالیہ انداز میں طالوت کو دیکھنے لگا۔

"کوئی اندازہ؟"

"نہیں۔" میں نے اعتراف کیا۔

"یہ رحمان خان ہے۔" طالوت نے کہا اور میں اس کی شکل دیکھنے لگا۔ "کون رحمان خان؟" میں نے کہا۔

"شاید تمہارا ذہن سو رہا ہے۔ کیا تمہیں اس کے چہرے میں شہباز خان کی جھلکیاں نہیں نظر آتیں۔ کیا شہباز خان کے بیٹے کا نام رحمان خان نہیں تھا؟" طالوت اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ میں شدت حیرت سے اچھل پڑا۔

"یہ یہ یہ۔ لیکن یہ۔"

"ہاں یہ یہ۔ لیکن یہ زندہ ہے۔ یہ شہباز خان کا بیٹا رحمان خان ہی ہے اور زندہ ہے۔ اس کی موت کا افسانہ جھوٹا ہے اور کمینہ صفت دولت خان نے آج ان دونوں باپ بیٹوں کو لڑانا تھا۔ غور کرو طالوت۔ کس کے ہاتھوں کون مارا جاتا۔ کیسا دلدوز المیہ ہوتا۔ بوڑھا باپ جو بیٹے کے غم میں سلگ رہا تھا۔ اگر وہ قیدی کو ہلاک کر دیتا تو دولت خان باپ کو بیٹے کی شکل دکھاتا اور کہتا کہ اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ خود شہباز خان نے اپنے بیٹے کو قتل کیا ہے اور اگر رحمان خان شہباز خان کو قتل کر دیتا تو درندہ صفت دولت خان بیٹے کا مذاق اڑاتا کہ اس نے بوڑھے باپ کو قتل کر دیا۔" طالوت کی آواز ابھری۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

"تب ان دونوں کے ہاتھوں سے دولت خان یا اس کے بیٹے سرتاج خان کو بھی قتل کرا سکتا تھا۔ لیکن ابھی انہیں زندہ رہنا ہے اور مزا ہی نہیں آتا جائیں۔ اس لئے انہیں زندہ چھوڑ دیا ہے۔"

"اوہ۔ تو یہ طالوت۔ درحقیقت تم نے بڑا دلچسپ کارنامہ انجام دیا ہے۔ بڑے بروقت پہنچے طالوت۔ اگر دونوں کو لڑانے والا ان کے ہاتھوں نہ مارا جاتا تو دولت خان یہ تو شہ بازی رکھتا اور اس کے بعد۔ لیکن۔ میرے خدا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔ تم اس بات تک کیسے پہنچے؟"

"میں جس وقت وہاں پہنچا تو دونوں لڑائی کے مقابل تھے مجھے ان کے ڈھکے ہوئے چہروں پر حیرت ہوئی۔ تب میں نے ان تھیلوں کے اندر جھانکا اور مجھے اس قیدی میں شہباز خان کی شباہت محسوس ہوئی۔ میں حیران تو ہوا۔ لیکن فوری طور پر کچھ کرنا ضروری تھا۔ میں نے راسم کو ہدایات دیں اور اس نے ہدایات پر عمل کیا۔ بعد میں میں نے راسم کے ذریعے تحقیقات کرائی اور راسم نے مجھے رپورٹ دے دی۔"

"ہاں۔ تمہارے لئے یہ کیا مشکل تھا۔ لیکن راسم کی رپورٹ کیا ہے؟"

"بڑی دلچسپ کہانی ہے۔ آؤ۔ باہر چل کر سناؤں گا۔" طالوت نے کہا اور ہم دونوں اسی انداز سے قید خانے سے باہر نکل آئے۔

باہر راتوں کا خاموش چاندنی تھی۔ سارے پہرے دار ایک جگہ جمع ہو کر رات کا مزا لے رہے تھے اور حیرت انگیز واقعے پر تبصرہ کر رہے تھے۔ ہم ان سے دور ایک پتھر پر بیٹھے اور طالوت نے کہا۔

"راسم کی رپورٹ کے مطابق جس وقت دولت خان اور سرتاج خان نے رحمان خان کو پکڑا اس وقت عشق کا جوڑا ایک دوسرے میں گم تھا۔ دولت خان کی بیٹی کہکشاں رحمان خان پر بری طرح مرتی تھی۔ رحمان خان نے سرتاج خان سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن کہکشاں درمیان میں آ گئی۔ اس نے کہا جرم وہ ہے سزا مجھے دی جائے۔ وہ دولت خان کی بہت چہیتی ہے۔ دولت خان نے اسے دھمکیاں بھی دیں اور غیرت دلائی کہ وہ اس کے دشمن کے بیٹے سے محبت کرتی ہے۔

تب کہکشاں نے کہا کہ اسے یہ بات معلوم نہیں تھی۔ اس نے باپ کی منت سماجت کی کہ اس شخص کو چھوڑ دیا جائے۔ دولت خان نیم راضی تھا لیکن سرتاج خان راضی نہ ہوا۔ وہ ہر قیمت پر رحمان خان کو قتل کر دینا چاہتا تھا۔ تب کہکشاں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ وہ رحمان خان کو قتل کرے۔ لیکن کہکشاں پورے دس دن میں موت کی اور ایک ایک سے کہے گی کہ وہ حاملہ ہے اور اس کے پیٹ میں رحمان خان کا بچہ ہے۔ شہباز خان کے بیٹے رحمان خان کا بچہ۔ دوسری صورت میں کہا یا تو رحمان خان کے ساتھ اسے بھی قتل کر دیا جائے یا ان دونوں کو ایک کر دیا جائے۔ سرتاج خان غصے سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ لیکن دولت خان کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ دولت خان نے بالآخر یہ فیصلہ کیا کہ رحمان خان کی موت کی خبر مشہور کر دی جائے اور اسے خاموشی سے قید کر لیا جائے۔ رحمان خان کی زندگی بچ جانے سے کہکشاں بھی راضی ہو گئی۔ دولت خان نے سرتاج خان کو سمجھایا کہ کسی مناسب موقع پر رحمان خان کو قتل کر دیا جائے گا اور اس وقت تک کہکشاں بھی راہ راست پر آ جائے گی۔ بمشکل سرتاج خان راضی ہوا ہے۔ لیکن کہکشاں بھی بہت سخت لڑکی ہے وہ ہر ماہ رحمان خان کی خیریت دریافت کرتی ہے اور یہ لوگ رحمان خان کو زندہ رکھنے پر مجبور ہیں۔ کہکشاں نے شادی کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ ویسے حاملہ ہونے والی بات غلط تھی۔ وہ دونوں پاک ہیں۔"

"لیکن وہ لاش۔"

"دولت خان کے ایک اور دشمن کی تھی جسے مسخ کر کے رحمان کا لباس پہنا دیا گیا تھا اور چہرہ تک لاش شہباز خان کے پاس نہیں گئی۔ اس لئے یہ راز راز رہا۔"

"خدا کی پناہ۔ لیکن یہی حیرت انگیز ہے۔"

"ویسے آج کل تمہاری کھوپڑی کارروائی ہوتی جا رہی ہے عارف۔"

"کیوں۔"

"مجھے رحمان خان کی موت پر پہلے ہی شبہ تھا۔"

"وہ کس طرح؟"

"اس وقت سے جب شہباز خان نے کہانی کو قتل کیا تھا اور.............. کہانی نے مرتے مرتے کہا تھا۔ وہ شہباز خان کو ایک خوشخبری سنا سکتا ہے۔ لیکن نہیں سنائے گا۔ بھلا غور کرو۔ غمزدہ باپ کو بیٹے کی موت کے بعد کیا خوشخبری سنائی جا سکتی تھی۔ سوائے اس کے کہ اسے اس کے بیٹے کی زندگی کی اطلاع دی جاتی۔"

"اوہ ہاں۔ تم نے اس بارے میں کچھ کہا بھی تھا۔"

"ہاں اور تم نے توجہ نہیں دی تھی۔"

"مجھے اعتراف ہے طالوت۔ تم میری خوشی کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ چلو ہم بوڑھے شہباز خان کو یہ خوشخبری سنا دیں۔"

"ہاں۔ ہاں۔ یہ کر رہے ہو۔ سارا کھیل بگڑ جائے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"ابھی صبر کرو۔ انہیں ابھی سے کچھ نہیں بتائیں گے۔ ورنہ بوڑھے کی نہ جانے کیا کیفیت ہو۔ ابھی تو دولت خان اور سرتاج خان سے نمٹنا ہے۔"

"وہ۔ پھر۔ کیا پروگرام ہے؟"

"بس دیکھتے رہو۔ اس بار تم خاموش رہو۔ کیونکہ کام میری پسند کا ہے۔ مجھے کرنے دو۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسی تمہاری مرضی۔ آؤ۔ اب ہم قید خانے چلیں۔" میں نے کہا اور ہم دونوں قید خانے کی طرف چل پڑے۔ بوڑھا شہباز اسی طرح دنیا و مافیہا سے بے خبر سو رہا تھا۔

ہم دونوں بھی لیٹ گئے۔ تب میں نے طالوت سے کہا

"ایک بات بتاؤ گے؟" "ہوں۔"

"تم تو خاموشی سے ہی قید خانے میں آئے ہو؟"

"ہاں۔"

"پہرے دار تمہیں دیکھ کر حیران نہ ہوں گے۔"

"ہونے دو۔" طالوت نے لاپروائی سے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ ظاہر ہے اس شخص کو کیا فکر ہو سکتی ہے۔ میں نے سوچا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

مجھے کافی دیر تک نیند نہیں آئی۔ بوڑھا شہباز خان اور طالوت گہری نیند سو رہے تھے۔ درحقیقت رحمان خان کی زندگی کی مجھے بہت خوشی تھی۔ بوڑھا شہباز خان تو کس قدر خوش ہو گا۔

باقی رہے یہ لوگ یعنی دولت خان اور سرتاج خان وغیرہ۔ تو اب طالوت آ گیا تھا اور بقول اس کے اپنے طور پر کام کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ بہرحال میں صرف اتنا جانتا تھا کہ دولت خان کی شامت آ گئی تھی۔ طالوت نہ جانے اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ دولت خان کی یوں بھی کوئی حیثیت نہیں رہ گئی تھی۔

دوسری صبح سب سے پہلے میں جاگا تھا۔ ناشتہ لانے والے ناشتہ دے کر چلے گئے تھے۔ طالوت چونکہ میرا ہم شکل تھا اس لئے انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ ناشتہ وغیرہ کرنے کے بعد طالوت نے شہباز خان سے کہا۔

"کیا خیال ہے خان بابا۔ کیا ہم دولت خان کے قیدی بنے رہتے ہیں۔"

"ایں۔ نہیں۔ مگر۔" بوڑھے شہباز نے بے بسی سے

ہاتھ سے ہو گئے تھے۔

"تو پھر باہر کی فضا میں سانس لیں گے۔ دولت خان کی کیا مجال جو ہمیں بند رکھے۔"

"اوہ۔ اوہ میرے شیر۔ کیا واقعی موجود ہیں۔"

"سب اپنے کام میں لگ جاؤ بابا۔ اٹھو۔" طالوت نے کہا اور پھر وہ قید خانے کے دروازے کے پاس پہنچ کر بولا "اسے دروازہ کھولو۔" اس نے چہرے ایک طرف سے دستک دی اور ایک موٹا شخص دروازے پر آیا۔

"کیا ہو گیا ہے بھائی صاحب۔" طالوت بڑی محبت سے بولا۔

"تو پھر؟" موٹے نے غصیلے انداز میں کہا۔

طالوت اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے پیار سے کہا "تو دروازہ کھول دو۔" اور موٹے نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔

"آئیے خان بابا۔" طالوت نے گردن جھکا کر کہا اور ہم تینوں قید خانے سے باہر نکل آئے۔

پھر ہم دوسرے ہال سے بھی باہر نکلے جہاں بہت سے محافظ موجود تھے۔ وہ سب ہمیں دیکھ کر چونک پڑے۔ ان میں سے بہت سوں نے پستول نکال لئے تھے "ارے ارے۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ کیا ہم تمہارے لئے غیر ہیں؟" طالوت نے عجیب سے لہجے میں کہا اور میں نے ان سب کے چہرے ڈھیلے پڑتے دیکھے "نہیں۔ ہرگز نہیں۔" سب گھبرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"تو پستول رکھ لو۔" طالوت انہیں پچکارتے ہوئے بولا اور انہوں نے پستول ہولسٹروں میں واپس رکھ لئے "اب اجازت دو۔" طالوت نے کہا "خدا حافظ۔" وہ سب اسی انداز میں بولے اور شہباز خان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ طالوت اطمینان سے انہیں الوداع کہتا ہوا باہر نکل آیا۔

"واہ داور خان۔ واہ داور خان۔ رک جا۔ پہلے مجھے اس کے بارے میں بتا۔" شہباز خان میرا شانہ جھنجوڑتے ہوئے بولا۔

"میں کیا بتاؤں خان۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

"کیا یہ جادوگر ہے؟"

"نہیں۔ صرف ہمارا دوست ہے۔"

"تو پھر وہ لوگ اس کی بات کیوں مان گئے؟"

"میں نے انہیں بھاری رشوت دی ہے خان بابا۔ نہ صرف وہ بلکہ جیل کے دوسرے لوگ بھی اب میری بات مانتے ہیں۔"

"اوہ سے کیا پایا۔ تم نے سب ان کو رشوت دی؟"

"رات کو۔ آپ فکر نہ کریں بابا۔ آئیے۔ اب ہم قیام گاہ تلاش کر لیں۔ اس کے بعد دولت خان کی گرفتاری سے پہلے ہمیں یہاں اس کے آدمی زیادہ ہیں ہمارے۔"

بوڑھے خان نے پریشانی سے گردن ہلائی۔ ان کا دل نہیں مان رہا تھا کہ دشمنوں سے اس طرح نکل آنا کیسے ممکن ہے۔ لیکن شعبدہ گر طالوت کی طاقتوں سے کون انکار کر سکتا تھا۔ دولت خان کی قید کی مصیبت ٹلی تھی۔ ہم بہت دور نکل آئے۔ سامنے پہاڑ پر پہنچ کر طالوت رکا اور پوچھا۔

"یہاں سب شکاری ہیں۔ کوئی بھی غار تمہاری قیام گاہ بن سکتی ہے کیوں؟" اس نے میری طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلا دی۔

اور ہم کوئی مناسب غار تلاش کرنے لگے۔ یہ طالوت کا ہی خیال تھا۔ چنانچہ طے نہیں کیا تھا۔ بوڑھے شہباز خان نے اس سے بیٹے کی زندگی کی خیر مانگی۔ مجھے کچھ اپنا سا معلوم ہوتا تھا۔

لیکن مجبوری تھی۔ طالوت نے ایک موزوں غار منتخب کر لیا اور ہم اس میں فروکش ہو گئے۔ تب طالوت نے بوڑھے شہباز خان سے کہا "ہم یہاں رحمان خان کی موت کا انتقام لینے آئے ہیں خان بابا۔ کسی خیر خواہی کے مشن پر نہیں آئے۔ میرے خیال میں ہمیں تھوڑے سے انتظامات کرنے کے بعد اپنا کام شروع کر دینا چاہئے۔"

"لیکن ہم کیا انتظامات کر سکتے ہیں۔ ہمارا سامان بھی تو ان کے قبضے میں چلا گیا۔"

"میں وہ سامان ان کے قبضے سے نکال لاتا ہوں۔ ان کے گھوڑے بھی لے آئیں گے اور پھر ان پر حملہ کریں گے۔"

"وہ تب پتہ چلے گا جب ہم تینوں پہنچتے ہیں۔"

"نہیں خان بابا۔ تم یہ کام میرے اوپر چھوڑ دو۔ کیا خیال ہے داور خان؟" "ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"تو مجھے اجازت دو خان بابا اور ہاں داور خان۔ تم ذرا میرے ساتھ آؤ۔" طالوت غار سے باہر نکل آیا۔ بوڑھا خان منہ کھولے رہ گیا تھا۔

"کیا بات ہے عارف۔ تم پریشان سے نظر آ رہے ہو۔"

"ہاں۔ تمہارا خیال درست ہے۔" "لیکن کیوں؟"

"مجھے ان کاموں میں کچھ لطف نہیں آ رہا طالوت۔ رحمان خان زندہ ہے۔ اگر وہ کسی کی موت کا انتقام لیتا ہوتا تو پھر ٹھیک تھا۔ اب فضول باتوں سے کیا فائدہ۔ یوں بھی یہ زیادہ دلچسپ کام نہیں ہے۔"

"اوہ۔" طالوت نے ہونٹ سکوڑ لئے۔ "پھر تم بتاؤ کیا کرنا چاہئے؟" "رحمان خان کو ان کے قبضے سے نکال لو۔ بوڑھے کے حوالے کرو۔ اور پھر یہ قصہ چھوڑ دو۔"

"میرا خیال تھا اس چور سرتاج خان کو کچھ اور سزا دوں؟"

"کافی سزا مل گئی ہے اور ٹھوک پیٹ لو اور پھر یہاں سے چلو۔"

"ہوں۔" طالوت نے ایک گہری سانس لی۔ پھر شانے ہلا کر بولا "چلو ٹھیک ہے۔ تمہاری وجہ سے ان بدمعاش باپ بیٹوں کو معاف کئے دیتا ہوں۔ تب پھر آؤ۔ ذرا ان سے ملاقات تو کریں۔"

"ہاں چلو۔ میں ذرا بوڑھے خان سے کہہ آؤں۔" میں نے کہا اور میں غار میں واپس جا کر بوڑھے سے کہنے لگا کہ میں بھی دلیر خان کے ساتھ جا رہا ہوں۔ "جیسی تمہاری مرضی بابا۔ ہم کیا بولے۔" بوڑھے نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"آپ یہاں پوشیدہ رہیں گے بابا۔ باہر نکلنے کی کوشش نہیں کریں گے۔" "ٹھیک ہے۔ جیسے تم بولو گے ویسا کریں گے۔" بوڑھے نے گہری سانس لی۔ میں چاہتا تھا کہ اس بوڑھے کے جسم میں نیا خون دوڑا دوں لیکن بہرحال کچھ دیر اور انتظار سہی۔ بہرحال میں طالوت کے پاس پہنچ گیا۔

"دوشالہ۔" طالوت نے کہا اور میں نے شعبدہ گر کا دوشالہ اوڑھ لیا "آنکھیں بند کرو۔ ہم وقت کیوں ضائع کریں۔" طالوت پھر بولا اور میں نے اس کے کہنے پر عمل کیا۔

تب اس نے آہستہ سے میرا بازو دبایا اور میرے کانوں میں دولت خان کی آواز گونجی۔ "میرے سامنے اس خنزیر کا نام مت لو۔ میں اس کی شکل سے نفرت کرتا ہوں۔"

"لیکن۔ لیکن اس سے مل تو لو۔ سن تو لو وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔" ایک نسوانی آواز تھی۔

"پھر میرے پاس آ کر کوئی جھوٹ بولے گا۔ سرتاج خان کی ماں۔" دولت خان نے گردن اٹھا کر "زندگی گزاری ہے۔ میں نے کچھ لوگوں کے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے۔ خدا مجھے معاف کرے۔ میرے گناہوں کی اس سے بڑی سزا اس دنیا میں کچھ اور نہیں ہو سکتی تھی کہ میرا بیٹا بڑا ہو کر چور بن گیا۔ میرا دل چاہتا ہے سرتاج خان کو گولی مار دوں۔" دولت خان دانت پیس کر بولا۔

"میرے بیٹے ہے۔ میرے کہنے سے ایک بار اس کی سن لو۔" دولت خان کی بیوی نے اصرار کیا اور دولت خان اسے گھورنے لگا۔ پھر اس نے گرجدار آواز میں کہا "بلاؤ۔ اسے بلاؤ۔" اور دولت خان کی بیوی اس کمرے سے باہر نکل گئی۔ جہاں ہم موجود تھے۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر طالوت کی طرف دیکھا طالوت مجھے سیدھا دولت خان کے مکان میں لے آیا تھا۔

"کیا خیال ہے عارف۔ یہ دولت خان تو کچھ سیدھا ہوتا جا رہا ہے۔"

"ہاں۔" میں نے مختصراً جواب دیا۔ اور ہم انتظار کرتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازے میں سرتاج خان نظر آیا۔ اس کے پیچھے اس کی ماں بھی تھی۔ سرتاج خان کا حلیہ خراب ہو رہا تھا۔ وہ سخت پریشان نظر آ رہا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں رقصاں تھیں۔

دولت خان نے اسے نفرت سے دیکھا "اب کیا کہنے آیا ہے؟" وہ دہاڑا "تمہارا غصہ بجا ہے بابا۔ لیکن میری سن لو۔"

"سناؤ ضرور سناؤ۔"

"وہ سب کچھ میرے بس میں نہیں تھا بابا۔ میں کسی پراسرار طاقت کے کہنے سے یہ سب کر رہا تھا۔ میرا جسم میرے بس میں نہیں رہا تھا۔" سرتاج خان نے کہا "خوب۔ خوب۔ تو کہنا چاہتا ہے کہ وہ لوگ انسان نہیں ہیں۔"

"میں کچھ نہیں کہنا چاہتا سوائے ایک بات کے۔"

"بول۔ بول وہ کیا بات ہے۔"

"بوڑھے شہباز خان کو رہا کر دو۔ اس داور خان کو ایک بار اور میرے حوالے کر دو۔ میں اس کا سر کاٹ لوں۔ اس کے بعد تم جو کہو گے وہ کروں گا۔"

"اوہ۔ نامرد۔ تو اپنے بیٹوں کے ساتھ مل کر اس ایک آدمی کی زندگی لے گا اور اگر تیرے خیال میں وہ جن ہے تو پھر تو اس کا کیا بگاڑ سکے گا۔ نہیں سرتاج خان۔ یہ بھی تیرے بس کی بات نہیں ہے۔ تو نے میری زندگی بھر کے کارناموں پر پانی پھیر دیا ہے۔ میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔ میں اس پر عمل کروں گا۔"

"کیا فیصلہ ہے بابا۔"

"سرتاج خان۔ میں نے پوری زندگی جو کچھ کیا ہے اس پر نادم ہوں۔ اب سے کچھ وقت پہلے میرے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ لیکن تمہاری ان حرکتوں کا سبب کچھ بھی ہو، میری آن ٹوٹ گئی۔ میرا دل ٹوٹ گیا۔ میں نے سوچا کہ

میرے خون سے کوئی بڑا نہیں ہوسکتا۔

یاد نہیں آیا۔ تب میں نے سوچا۔ پوری زندگی میں ثواب کا یہی ایک کام کرلوں تو وہ بھی ہوگا۔ شہباز خان کو اس دنیا سے واپس بلالوں۔"

"یہ نہیں ہوسکتا۔ وہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔" سرتاج خان غرایا۔

"تیری غرابت اصلی ہوتی۔ تو تب تم یہ نہیں ہوتے۔ ظلم تو میدان میں لڑنے والا ہوتا ہے۔ وہ انوں میں سے ہے" دولت خان نے حقارت سے کہا۔

"یہ نہیں ہوسکتا خان۔ یہ باتیں نہیں ہوسکتیں۔ تیری ماں ایک بار اور تو ہی تھی۔ اس وقت تو نے کچھ نہیں کیا۔" سرتاج خان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"تیرا اشارہ کس طرف ہے؟" دولت خان غرایا۔

"جب تیری بیٹی تیرے دشمن کے بیٹے سے عشق کررہی تھی۔ تیرا دشمن تیری عزت سے کھیل رہا تھا اور تو اس کے ہاتھوں اتنا بے بس ہوا کہ تو نے اپنے دشمن کو قتل بھی نہ کرایا۔ تیری بیٹی آج بھی اس سے محبت کرتی ہے۔"

"سرتاج خان۔" بوڑھا وحشیانہ انداز میں چیخا۔

"تو اپنی زندگی کے دن گزار چکا ہے خان۔ اب میرا وقت ہے۔ شہباز خان کا بیٹا بھی یہ نہیں ہوسکتا۔ میں تو اس کی زندگی کے ہی خلاف ہوں اور خان آج سے تیرے معاملات میں نے اپنے ہاتھ میں لے لئے ہیں۔ میں نے کافی سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر تو میرا ہمراز ہوگا تو ٹھیک ہے ورنہ تجھے گرفتار کروں گا۔" سرتاج خان۔" بوڑھے دولت خان نے کچھ کہنا چاہا۔

"آجاؤ۔ اندر آجاؤ۔" سرتاج خان نے کہا اور بہت سے مسلح آدمی دھڑ دھڑاتے اندر آگئے۔ "گرفتار کرلو دولت خان کو۔"

"تم۔ تم لوگ..." دولت خان کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ [illegible] نے دولت خان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

طالوت نے مسکراتی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"[illegible]" وہ بہت سے [illegible] رنگ بدلتے ہوئے بھی [illegible] تھے۔

"لے جاؤ۔ اسے قید خانے میں بند کردو۔ مجھے بہت سے اہم فیصلے کرنے ہیں۔" سرتاج خان نے کہا۔ اور مسلح لوگ دولت خان کو گھسیٹتے ہوئے باہر لے چلے۔ [illegible] بھی بیٹے کے ساتھ شریک ہے۔" دولت خان اپنی بیوی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔



کہا اور دولت خان خاموش ہوگیا۔ سرتاج خان [illegible] دولت خان کو دیکھ رہا تھا۔ [illegible] اور اس کی ماں اب بھی اس کے قریب آکے تھے۔ [illegible] کے آدمی دولت خان کو باہر لے گئے۔ سرتاج خان نے ہاتھ جھاڑے [illegible] پھر دونوں ساتھیوں سے [illegible] ہوگیا۔

"تم لوگ جاؤ اور شہباز خان اور اس کے ساتھی [illegible] ہوتا ہے۔"

"جو حکم سرتاج خان۔" دونوں نے ادب سے [illegible] نکل گئے۔

"اب تو پتا چل گیا کہ سرتاج خان۔" [illegible] نے اس بات پر [illegible]

"پہلے شہباز خان اس کے بیٹے اور اس کے ساتھی۔ ختم کرنا ہوگا ملاں اس کے بعد میں کہکشاں کی شادی [illegible] ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد ہی میں [illegible] کرسکتا ہوں۔"

"تمہیں قید خانے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔"

"بالکل نہیں۔ تم فکر مت کرو۔" سرتاج خان نے مسکراتے ہوئے کہا اور بوڑھی عورت کے چہرے پر [illegible] نظر آنے لگی۔

"آؤ۔" طالوت نے میرا ہاتھ پکڑا اور باہر نکلتے ہوئے کہا اور میں باہر نکل آیا۔ "اب کیا پروگرام ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ایک اور کردار رہ گیا ہے۔ اس سے بھی مل لیں۔"

"کون؟" کہکشاں۔"

"لیکن وہ سیدھی سادی لڑکی۔ کیا ہم اس کو [illegible] پریشان نہیں ہوگی؟"

"دیکھتے چلتے ہیں۔" طالوت نے کہا اور ہم کہکشاں کی تلاش میں چل پڑے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ہم اس کے کمرے میں پہنچ گئے۔ دروازے سے کہکشاں کو دیکھا تو وہ بہت حسین اور معصوم سی لڑکی تھی۔

"میرا خیال ہے میں اس سے گفتگو کروں۔" طالوت بولا۔

"ٹھیک ہے۔"

"تب تم یہیں رکو میں باقاعدہ دروازہ کھٹکھٹاتا ہوں۔" وہ بات نہ بن سکی۔ "میں نے گردن ہلادی اور طالوت باہر نکل گیا۔ پھر اس نے باہر سے دستک دی اور کہکشاں نے



سادہ سی آواز میں کہا "آجاؤ۔"

اور طالوت اندر داخل ہوگیا۔ کہکشاں نے اسے دیکھا اور اچھل پڑی۔ اس نے دوپٹہ سر پر برابر کرلیا۔ "کون ہو۔ تم کون ہو؟"

"میرا نام دلیر خان ہے۔ شاید تم نے اپنے گھر میں میرا ذکر سنا ہو۔ میں شہباز خان کے ساتھ آیا ہوں۔"

"اوہ۔ اوہ۔ یہاں کیوں آئے ہو؟"

"تم سے گفتگو کرنے۔"

"مجھ سے۔ مجھ سے کیا گفتگو کرو گے۔"

"حالات ایک دم بدل گئے ہیں کہکشاں۔ تمہارے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ تمہارے بھائی نے تمہارے باپ کو قید کرلیا ہے۔"

"بابا۔ بابا کو...؟ نہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟"

"جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کے بارے میں باہر نکل کر معلوم کرلینا۔ مجھے تم سے چند اور باتیں کرنی ہیں۔"

"ٹھہرو۔ پہلے میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔"

"مجھے معلوم ہے۔ تم مجھے رحمان خان کی زندگی کی اطلاع دو گی۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا "اوہ۔ اوہ تو کیا؟"

"ہاں۔ ہمیں سارے حالات معلوم ہیں کہکشاں۔ سرتاج خان نے تمہارے باپ کو اس لئے قید کیا ہے کہ اب انہیں عقل آگئی ہے۔ انہیں احساس ہوگیا تھا کہ انہوں نے شہباز خان اور اس کے بیٹے پر ظلم کیا ہے۔ لیکن سرتاج خان اس بات پر تیار نہیں ہے کہ رحمان خان کو آزاد کردیا جائے۔ اس نے اپنے آدمیوں کو روانہ کیا ہے کہ وہ شہباز خان، اس کے ساتھی اور رحمان خان کو لے آئیں۔ تاکہ وہ انہیں قتل کروا سکے۔"

"نہیں۔ نہیں۔ سرتاج خان ایسا نہیں کرسکتا۔ اسے۔ اسے مجھے بھی قتل کرنا ہوگا۔" کہکشاں چیخ پڑی۔

"تمہاری ماں بھی اس سازش میں شریک ہے کہکشاں۔ میں تمہارے پاس صرف اس لئے آیا ہوں کہ تم سے تمہارے خیالات معلوم کروں۔" کہکشاں سسکیاں لے رہی تھی۔

"میں۔ میں بے بس ہوں۔ لیکن میں سرتاج خان کو ایسا نہیں کرنے دوں گی۔ بابا نے مجھے زبان دی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ رحمان خان قید میں رہے گا۔ اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ میں خاموش ہوگئی تھی۔ لیکن۔ لیکن اب!"

"تم ہمارا ساتھ دو گی کہکشاں؟"

"مجھے بتاؤ۔ میں کیا کروں؟ مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

"ہم نے حالات سے تمہیں آگاہ کردیا ہے۔ فی الحال تم صرف خاموش رہو۔ جو کچھ ہو رہا ہے ہونے دو۔ ہم سب ٹھیک کرلیں گے۔ کوئی جذباتی قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ان دونوں کی طرف سے بے فکر رہو۔" طالوت نے اسے تسلی دی اور پھر وہ مجھے ایک مخصوص اشارہ کرکے باہر نکل آیا۔ میں بھی باہر آگیا تھا۔

"کیسی رہی؟" "بہت عمدہ۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"آؤ اب سرتاج خان کو دیکھیں۔" طالوت بولا اور ہم واپس سرتاج خان کے کمرے میں پہنچ گئے۔ سرتاج خان پورے کمرے میں ٹہل رہا تھا قید خانے کے محافظ اور اس کے ساتھی پریشان کھڑے تھے۔

"بیوقوف ہو تم سب۔ میں تم لوگوں کو ایسی سزا دوں گا کہ یاد رکھو گے۔ کہاں گئے وہ، کیسے نکل گئے؟"

"ہماری آنکھوں کے سامنے سرتاج خان۔ تم مانو یا نہ مانو وہ پلک جھپکتے ہی غائب ہوگئے تھے۔"

"[illegible] گلدار خان۔ جاؤ۔ جتنے آدمی ہوں ساتھ لو اور انہیں چپے چپے پر تلاش کرو۔ جہاں نظر آئیں گولی ماردو۔" سرتاج خان دہاڑا اور اس کے ساتھی باہر نکل گئے۔

سرتاج خان ہاتھ مل رہا تھا۔ پھر اس نے بوڑھی ماں کی طرف متوجہ ہوکر کہا "یہ بہت برا ہوا ماں۔ یہ بہت برا ہوا۔"

"سب کچھ ہی برا ہو رہا ہے سرتاج خان۔ افسوس تمہارے کہنے سے میں بھی بہک گئی۔ میں نے بڑھاپے میں دولت خان سے غداری کی ہے۔ نہ جانے کیا ہونے والا ہے سرتاج۔"

"بیکار باتیں مت سوچو۔ سب ٹھیک ہوجائے گا میری ماں!" سرتاج خان [illegible] اس کے پاس آگے کچھ کہنے کے لئے الفاظ ہی نہ تھے۔

"آؤ۔ اب یہ سب پورا ہوجائے گا۔" طالوت بولا اور میں احمقوں کی طرح اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ "آؤ اب رحمان خان کو نکال لیں۔ اس کی رہائی کا وقت آگیا ہے۔ لیکن سنو۔ کیوں نہ بوڑھے دولت خان کو بھی ساتھ لے لیا جائے۔ اس [illegible] کیونکہ وہ [illegible] ہے۔"

"یہ تمہارا مقصد تمہیں ہی طے کرنا ہے۔ میں دخل نہ دوں گا۔" میں نے کہا اور طالوت مسکرانے لگا۔

"ٹھیک ہے میری جان تو آؤ تو [illegible] لو یہ سنبھالو۔" طالوت نے لکڑی کا ایک موٹا ڈنڈا میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ ویسا ہی ایک ڈنڈا اس کے ہاتھ میں تھا۔ "ہم اس کا کیا کریں گے؟"

"ہمارے ہتھیار ہیں۔ تلوار وغیرہ سے کوئی مارا جائے گا۔ مزاحمت کرنے والوں کے لئے یہ ڈنڈے ہی کافی ہیں۔" طالوت نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ "راسم" طالوت نے راسم کو آواز دی۔

"آقا۔" راسم ظاہر ہو گیا۔

"قید خانے کی طرف راہنمائی کرو۔ جہاں دولت خان قید ہے۔" اور راسم نے گردن ہلا دی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ہم اس قید خانے کے سامنے کھڑے تھے جس میں دولت خان سلاخوں کے پیچھے موجود تھا۔

"دوشانہ آر وہ غارف۔" طالوت نے کہا اور خود بھی ظاہر ہو گیا۔ میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی تھی۔ اب ہم محافظوں کے سامنے تھے اور وہ سب سے پہلے ہمیں دیکھ لیا گیا۔

محافظ اچھل پڑے۔ اور پھر وہ خنجر اور تلواریں سونت کر ہماری طرف دوڑے۔ دولت خان پاگلوں کی طرح ہمیں دیکھ رہا تھا۔ ہم دونوں نے محافظوں کے وار اپنے ڈنڈوں پر روکے۔ ڈنڈے تو ایسے ہوئے تھے جس کے بعد وہ دوبارہ اٹھ سکے۔ حالانکہ محافظوں کی تعداد دس یا بیس کے قریب تھی لیکن انہیں لٹانے میں دو منٹ سے زیادہ نہ لگے۔

دولت خان سہمی نظروں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ جب سارے محافظ لیٹ گئے تو طالوت قید خانے کی طرف بڑھا۔ اس نے قید خانے کے موٹے تالے کو ڈنڈے کی ایک ہی ضرب سے توڑ دیا اور پھر سلاخوں والے دروازے کو کھولتے ہوئے بولا۔

"دولت خان۔ باہر آ جاؤ۔" لیکن دولت خان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اس نے روتے ہوئے کہا۔

"مجھے یہیں چھوڑ دو۔ خدا کے لئے مجھے یہیں پڑا رہنے دو۔ تاکہ میری سزا پوری ہو جائے۔ میں اس سے [illegible] اور کیا [illegible] رحم کی ضرورت ہے۔"

"تمہاری [illegible] شہباز خان نے [illegible] دولت خان۔ [illegible] مظلوم تھا اس لئے ہم اس کی مدد پر آمادہ ہو گئے تھے۔ لیکن اب تم بھی مظلوم ہو۔ خدا سے اپنے گناہوں کی توبہ کرو دولت خان۔ تمہیں کچھ کرنے کا موقع ملا ہے [illegible]۔"

"لیکن۔ اب زندگی میں کیا رکھا ہے۔ میں تو یہ سوچتا ہوں کہ اب تو کوئی بھی اپنا نہیں رہ گیا۔"

"تمہاری بچی۔ تمہاری بیٹی۔ سرتاج خان اس کے ساتھ بھی اچھا سلوک نہیں کرے گا۔"

"اوہ۔" دولت خان اچھل پڑا "ہائے آہ میری کہکشاں میری کہکشاں۔" وہ درد سے کراہا۔

"اس کے علاوہ شہباز خان تمہارا دشمن ضرور ہے لیکن تم اگر چاہو تو اس سے معافی مانگ سکتے ہو۔ وہ فراخ دل ہے ضرور معاف کر دے گا۔ ہم تمہیں اس کے سامنے سرخرو ہونے کا موقع دے سکتے ہیں۔"

"وہ۔ وہ کس طرح؟"

"اس کے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے اس کی خدمت میں پیش کر دو۔ میرا خیال ہے بیٹے کو پانے کے بعد وہ سب رنجشیں بھول جائے گا۔" طالوت نے کہا اور دولت خان کی آنکھوں میں روشنی پیدا ہو گئی۔

"کیا۔ کیا یہ ممکن ہے؟ کیا یہ ہو سکتا ہے؟"

"تو باہر آ جاؤ۔" طالوت نے کہا اور دولت خان باہر نکل آیا۔ اس کی آنکھوں سے بدستور آنسو بہہ رہے تھے اور وہ بار بار خدا سے توبہ کر رہا تھا "میرے اللہ۔ میرے اللہ۔ میں اس قابل نہیں ہوں کہ تیرے حضور بخشش کے لئے ہاتھ پھیلا سکوں۔ لیکن میں شرمسار ہوں۔ تیرے حضور نادم ہوں۔ میرے معبود۔ میرے اللہ۔" بولتے بولتے اس کی آواز بھرا رہی تھی اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

طالوت بے حد متاثر ہو گیا اور پھر اس نے آہستہ سے مجھ سے کہا۔ "ٹھیک ہی ہوا۔ جو کچھ ہوا ٹھیک ہوا۔ [illegible]" تھوڑی دیر کے بعد ہم اس قید خانے پہنچ گئے۔ جہاں رحمان خان قید تھا۔ [illegible] سرتاج خان کے ساتھی تھے۔ [illegible] دولت خان ہمارے ساتھ تھا۔

سرتاج خان کے آدمی ہمیں دیکھ کر ششدر رہ گئے تھے۔

"[illegible] ہوا ہے۔" دولت خان نے [illegible] پوچھا۔

"سرتاج خان نے غضب کیا ہے۔"



"چھوڑ دو۔ میں حکم دیتا ہوں اسے چھوڑ دو۔"

"ہم سرتاج خان کی حکم عدولی نہیں کر سکتے خان۔"

"تب میں تمہارے سر قلم کر دوں گا۔" دولت خان دہاڑا اور ان کی طرف بڑھا۔ لیکن ہم دونوں نے آگے بڑھ کر اسے روک دیا۔

"ہم موجود ہیں خان بابا۔ رک جاؤ۔" اور پھر ہمارے ڈنڈے چل پڑے۔ خوب چیخے اور چند منٹ کے بعد محافظ زخمی پڑے تھے رحمان خان ششدر رہ گیا تھا۔

"آؤ رحمان خان۔" دولت خان نے ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا "آؤ۔ دولت خان کا غرور خاک میں مل گیا ہے۔ آؤ میرے بچے میں تم سے اپنے مظالم کی معافی بھی مانگنے کے قابل نہیں ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کون سے عمل سے ان کا ازالہ کر سکوں گا۔ مجھ سے کوئی سوال مت کرنا۔ میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ میں کوئی جواب دینے کے قابل نہیں ہوں۔ آؤ۔"

"کہاں چل رہے ہو دولت خان۔" رحمان خان کی آواز میں گرج اب بھی باقی تھی۔

"اب مجھ سے سوال مت کرو میرے بیٹے۔ تمہیں خدا کا واسطہ مجھ سے کوئی سوال مت کرو۔ میرے پاس جواب نہیں ہے۔" رحمان خان کچھ پریشان ہو گیا تھا۔ پھر اس نے گردن ہلا کر کہا۔

"چلو۔ دولت خان۔ میں نہیں سمجھتا اب تم کونسی چال چل رہے ہو اور یہ ضرورت تمہیں کیوں پیش آئی۔" رحمان خان بہرحال کشادہ دل شہباز خان کا بیٹا تھا۔ اور پھر وہ ہمارے ساتھ چل پڑا۔

اب اس سلسلے کا سب سے اہم سین باقی تھا۔ راستے میں دولت خان نے مجھ سے درخواست کی "میری ایک بات مان لوگے میرے بچے۔"

"کیا خان بابا۔"

"مجھے تنہا شہباز خان کے سامنے جانے دینا۔ جو کچھ بھی ہو۔ میرے حال پر چھوڑ دینا۔"

"یہ خطرناک ہوگا دولت خان۔ شہباز خان بیٹے کا زخم خوردہ ہے۔ وہ تمہارے ساتھ کوئی خطرناک سلوک نہ کر بیٹھے۔"

"مجھے میری قسمت پر چھوڑ دینا میرے بچو! یہ میری درخواست ہے۔"

"یہ سب کیا ہے۔ کیا تم لوگ مجھے نہ بتاؤ گے کہ یہ شہباز خان کی بات ہو رہی ہے۔ میں بھی انسان ہوں۔ خدا کے واسطے مجھے بھی تو کچھ بتاؤ۔ مجھے بتاؤ تو سہی دولت خان تمہارے رویے میں یہ اچانک کیسی تبدیلی آ گئی۔" رحمان خان نے پریشانی سے پوچھا۔

"میں شکست کھا چکا ہوں رحمان خان۔ تمہارا باپ خدائی قوتوں کے ساتھ میرے اوپر حملہ آور ہوا اس نے مجھے بدترین شکست دے دی اور اب شکست خوردہ دولت خان شہباز خان کو اس کی امانت واپس لوٹا کر جان کی امان حاصل کرنے جا رہا ہے۔" دولت خان نے کہا اور رحمان خان گنگ رہ گیا۔ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ وہ غار کے سامنے آ گئے تھے۔ جہاں ہمارا قیام تھا۔ تب طالوت نے آہستہ سے مجھ سے کہا۔

"میں رحمان خان کے ساتھ رہوں گا۔ تم پوشیدہ اور [illegible] اندر چلے جاؤ۔ اگر شہباز خان کسی خطرناک حرکت پر آمادہ ہو جائے تو اسے روک دینا۔" اور میں نے گردن ہلا دی۔ پھر دولت خان شہباز خان کے سامنے پہنچ گیا۔ شہباز خان قدموں کی آہٹ سن کر چونک پڑا تھا۔ دولت خان کو دیکھ کر وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"تو۔ تم یہاں تک پہنچ گئے دولت خان۔" اس نے ایک خوفناک غراہٹ سے کہا۔

"ہاں۔" دولت خان سکون سے بولا۔

"[illegible] تنہا کیوں داخل ہوئے ہو یہاں۔" شہباز خان نے کہا اور پھر اچانک وہ دولت خان پر جھپٹا۔ "اگر میں صرف تمہیں ختم کر دوں گا دولت خان۔ تو میں سمجھوں گا میں نے اپنی زندگی کا مقصد پا لیا" اس نے دولت خان کی گردن دبوچ لی۔ لیکن دولت خان نے مدافعت نہیں کی۔ شہباز خان نے اسے بری طرح رگڑ دیا۔ یوں بھی شہباز خان دولت خان سے زیادہ طاقتور تھا۔

شہباز خان دولت خان کو بری طرح مار رہا تھا لیکن دولت خان کی طرف سے کوئی مدافعت نہ پا کر وہ رک گیا "تیرے ہاتھ پاؤں کیوں مفلوج ہو گئے کمینے۔ مجھ سے مقابلہ کر۔ اپنے آدمیوں کو آواز کیوں نہیں دیتا۔ کیا تو اپنی بزدلی سے میرا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہتا ہے۔"

"مجھے اور مارو شہباز خان۔ ابھی میرے جسم کے بہت سے حصے سلامت ہیں۔ میں چاہتا ہوں میرے جسم کے ایک ایک حصے پر چوٹیں پڑیں تاکہ کوئی حصہ محفوظ نہ رہے۔"

"کیا بکواس کر رہا ہے بزدل کتے اٹھ۔ مقابلہ کر۔ پٹھان مرے ہوؤں کو نہیں مارتے۔" شہباز خان گرجا۔

"میں بہت بے غیرت انسان ہوں شہباز خان مجھے

[illegible]" دولت خان شہباز خان کے قدموں میں منہ رگڑنے لگا اور شہباز خان حیرانی اور پریشانی سے دولت خان کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے دولت خان کا گریبان پکڑ کر اسے اٹھایا۔

"کیا۔ کیا تم بھی پاگل ہو گئے۔" وہ تعجب سے بولا۔

"تمہارا بدلہ دشمن۔ تمہارے بیٹے کو اپنا سمجھ کر شہباز خان۔ اگر رحمان کو بیٹے سے لگا کر تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو مجھے معاف کر دینا۔" دولت خان نے کہا اور پھر باہر کی طرف رخ کر کے بولا "رحمان خان۔ اندر آ جاؤ۔ اندر آ جاؤ رحمان خان۔" اور رحمان خان اندر داخل ہو گیا۔

شہباز خان کی آنکھیں پھٹی رہ گئی تھیں۔ پھر اس کے حلق سے ایک دلدوز آواز نکلی اور چند ساعت کے بعد طالوت اور میں اندر داخل ہو گئے۔ شہباز خان پاگلوں کی طرح رحمان خان کو چوم رہا تھا اور دولت خان سر جھکائے بیٹھا تھا۔ شہباز خان کی کیفیت پاگلوں جیسی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ بولا "یہ خان۔ دلاور خان۔ دیکھو رحمان زندہ ہے۔ یہ زندہ ہے میرے بچے دیکھو یہ زندہ ہے۔"

اور پھر جب شہباز خان کے دل کی بھڑاس نکل گئی تو ہم نے اسے پوری کہانی سنائی۔ شہباز خان خود سے رو رہا تھا اور دولت خان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ تب شہباز خان اپنی جگہ سے اٹھا اس نے دولت خان کا بازو پکڑ کر اٹھایا اور اسے گلے سے لگاتے ہوئے بولا۔

"اوئے دولت خان۔ خدا اپنے بندوں کو معاف کر دیتا ہے۔ تو ہم کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ میں نے تجھے معاف کیا میرے یار تو نے میری آنکھوں کی روشنی لوٹا دی ہے۔ میرے اوپر احسان کیا ہے دولت خان خدا گواہ ہے ہم نے تجھے معاف کیا۔ دل سے معاف کیا۔ رحمان خان اب تم بھی بیٹا ہے۔"

اور دولت خان شہباز خان سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

[illegible]

"[illegible]"

"سرتاج خان کے بارے میں [illegible]"

"[illegible] دولت خان [illegible]"

[illegible]

بڑے ہوئے کہا اور تھوڑی دیر تک [illegible] خیال کرتے رہے [illegible] ہم اندر پہنچ گئے۔ رحمان خان ہمیں دیکھ کر [illegible] تھا۔

"ایسی عزت کی بات ہے میرے بھائیو تم نے ہمارے اوپر اتنا بڑا احسان کیا ہے۔ لیکن نہ تو میرے بارے اور نہ مجھے ابھی تک تمہارے بارے میں کچھ معلوم ہے۔" رحمان خان نے کہا۔

"کیا معلوم کرنا چاہتے ہو رحمان خان؟"

"کیا تمہارا تعلق کوئٹہ علاقے سے ہے۔ میں کہا تھا کہ تم ہمیں بھول جاؤ گے۔ کیا اب ہم تمہیں بھلا دیں گے؟"

"ہم لوگ آوارہ گرد ہیں رحمان خان۔ جیسا کہ بتا چکا ہوں کہ ہماری دوستی ہم شکل ہونے کی وجہ سے ہوئی لیکن اس کے بعد ہماری رفاقت بھی ایک ہو گئی۔ میرا تعلق کے باپ نے [illegible] نکال دیا۔ اس کے خیال میں دولت خان کی عادات خراب ہو گئی تھیں۔ میرا باپ میری [illegible] سے پریشان ہوا۔ میرے بچپن ہی میں اللہ کو پیارا ہو گیا۔ ہم دونوں یونہی آوارہ گردی کرتے پھرتے ہیں۔" [illegible] جواب دیا۔

"[illegible] اب میں تمہارا باپ ہوں اور میں تمہیں آوارہ گردی نہیں کرنے دوں گا۔" شہباز خان نے کہا اور ہم دونوں مسکرا اٹھے۔ پھر میں نے دولت خان سے پوچھا۔

"سرتاج خان کے بارے میں اب تمہارا کیا خیال ہے دولت خان؟"

"وہ۔ وہ میرا [illegible] ہے۔ [illegible] رہا ہے لیکن اور وہ بھی چاہتی تھی۔ مجھے اس سے یہ شکایت ہو گئی ہے ہو سکے تو میری بچی کو وہاں سے نکال لاؤ۔ میں اس [illegible] رحمان خان کے ہاتھ [illegible] دیا۔ اپنا [illegible] ہماری چاہت [illegible] سب مجھے [illegible]"

"[illegible] دولت خان نے میری طرف دیکھا [illegible]"

"[illegible] سرتاج خان [illegible]"

[illegible]



تھا۔ اس کا رخ ہماری ہی طرف تھا۔ طالوت نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر میری طرف دیکھا۔

گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز آتی بلند [illegible] سب چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ تب دولت خان کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات نظر آئے۔ وہ سرتاج خان کی طرف دیکھ رہا جس نے ہم لوگوں کو دیکھ لیا تھا اور پھر اس کی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔

"مجھے اپنے گناہوں کا اعتراف ہے میرے معبود۔ لیکن تو تو معاف کرنے والا ہے۔ مجھے کتنی بار شرمندہ ہونا پڑے گا۔ میری غیرت میرا وقار اب کوئی نام نہیں رکھتا۔ پھر اس بے جان بدن پر بے غیرتی کے اور کتنے نشان بنیں گے میری روح چھلنی ہو چکی ہے۔ اب مجھے صرف موت درکار ہے۔ صرف موت۔ صرف موت۔"

دولت خان کی گردن کی رگیں پھول گئیں۔ اس کا چہرہ انگارے کی مانند دہکنے لگا اور وہ سینہ تان کر آگے بڑھ گیا۔ سرتاج خان کے سب شہسوار ساتھی گھوڑوں سے چاروں طرف پھیل گئے تھے اور خود سرتاج خان اپنا گھوڑا سامنے لے آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل دبی ہوئی تھی۔ دولت خان آہستہ آہستہ اس کے سامنے پہنچ گیا۔

"کیوں آیا ہے سرتاج خان؟" اس نے قہر و غضب میں ڈوبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"تیرے جیسے دولت خان کہ تیرے جیسے بزدل انسان نے کہاں پناہ لی ہے۔ کیا پختونوں کی یہ روایت ہے کہ وہ اپنے دشمنوں سے پناہ کی بھیک مانگتے ہیں؟" سرتاج خان نے کہا۔

"میں نہیں جانتا سرتاج خان۔ کہ میرا باپ بھی اتنا ہی بے غیرت تھا جتنا میں ہوں۔ افسوس مجھے اس کی حقیقت معلوم نہیں ہے لیکن حالات بتاتے ہیں کہ یقیناً وہ بھی میری طرح ظالم اور بے غیرت ہو گا ورنہ اس کے نطفے سے دولت خان کیسا جنم لیتا۔ دولت خان کو اعتراف ہے سرتاج خان کہ اس جیسا ذلیل [illegible] قدرت انسان اس [illegible] میں دوسرا نہیں ہے۔ میں نے جو جرم کیا ہے وہ ناقابل معافی ہے لیکن بہت نیکی سے [illegible] انسان نے [illegible] کی سزا پوری کر دی ہے [illegible] اور اس کے بعد [illegible] کوئی سزا [illegible] قبول نہیں کرنے دوں گا۔"

"میں اگر [illegible] دولت خان تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ لیکن [illegible] ایک انسان کے گناہ کی سزا [illegible] اپنے ساتھیوں [illegible]"

کہ یہ بات سمجھ [illegible]" سرتاج خان نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"کیا چاہتا ہے۔ کیوں لے کر آیا ہے ان بزدلوں کو۔" دولت خان غرایا۔

"میں تجھ سے رشتہ ختم کر چکا ہوں دولت خان اور تجھے معلوم ہے کہ تو نے میری راہ میں آنے کی کوشش کی ہے۔ اب تیرا شمار میرے دشمنوں میں ہے۔ تو نے میرے بدترین دشمن رحمان خان کو آزاد کیا ہے اس کے بعد میرا فرض ہو گیا ہے کہ تجھے اور تیرے ساتھیوں کو قتل کر دوں۔" سرتاج خان نے وحشیانہ انداز میں کہا۔

"کیا تو پختونوں کی کسی رسم کا قائل نہیں رہا سرتاج خان؟"

"کیا مطلب؟"

"اگر تو خود کو پختون کہتا ہے تو پھر پختونوں کی ایک رسم پوری کر۔ ہمارے قبیلے میں قاتل کی رسم رائج ہے۔ کسی بھی مسئلے کو حل کرنے کے لئے [illegible] وقت و خون کے بجائے صرف دو دشمن آپس میں جنگ کرتے ہیں۔ میں تجھے [illegible] کی دعوت دیتا ہوں۔"

"تو بوڑھا ہو گیا ہے دولت خان۔" اس نے کہا "میرا دشمن صرف تو نہیں ہے یہ سب میرے دشمن ہیں۔ میں ان سب کو قتل کرنے کو خواہشمند ہوں۔ اس کے لئے میں کیا کروں؟"

اور دولت خان دانت پیس کر رہ گیا۔ بلاشبہ اس کے لئے کوئی راہ نہیں تھی۔

"کیا تمہارے باپ یارے ہوئے دشمن کے لئے کوئی [illegible] نہیں ہے سرتاج خان۔ تم بار بار میدان چھوڑ کر بھاگتے رہے ہو۔ کیا تم نے یہ نہیں سوچا کہ اب بھی تمہارے ساتھ وہی سلوک ہو سکتا ہے جو اب تک ہوتا رہا ہے۔" اس بار طالوت نے پوچھا۔

"[illegible] تم سب کی موت بن کر آیا ہوں۔" سرتاج خان غرایا اور طالوت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مجھے بتاؤ دولت خان۔ میں اس سر پھرے کا کیا کروں؟" دولت خان نے طالوت سے کہا۔

"تو آ سرتاج خان۔ ہم کیا چاہتے ہو۔ [illegible] ہمیں گرفتار [illegible]" طالوت نے کہا۔

"[illegible] اور ایک چٹان نے ہاتھ [illegible]" سرتاج خان نے کہا اور اس کے ساتھی [illegible] سرتاج خان [illegible]

اتر گیا تھا۔

لیکن جونہی وہ گھوڑوں سے اترے نہ جانے گھوڑوں کو کیا ہوا کہ وہ بری طرح ہنہنانے لگے۔ تمام گھوڑے پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہو گئے اور پھر وہ پشت کر کے بری طرح بھاگے۔ یہ حیرت انگیز بات تھی۔ سرتاج خان کے سارے ساتھی بے اختیار گھوڑوں کو پکڑنے کے لئے لپکے۔ خود سرتاج خان کئی قدم دوڑا تھا۔ لیکن پھر وہ رک گیا۔ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا تھا۔

پھر وہ جھلاتے ہوئے انداز میں پلٹا اور اس نے طالوت کی طرف نشانہ باندھ کر فائر کیا۔ لیکن رائفل خالی تھی۔ طالوت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ پھر اس نے سرتاج خان کی رائفل پکڑ لی۔

"ایک بار تو مردوں کی طرح لڑو سرتاج خان۔" حیرت کی بات تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور سرتاج خان نے رائفل چھوڑ دی۔ وہ پاگلوں کے سے انداز میں طالوت پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے طالوت کی کمر پکڑ لی تھی اور پھر وہ طالوت کے پاؤں زمین سے اکھاڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ طالوت نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا رکھے تھے۔

لیکن سرتاج خان کا واسطہ تو کسی پتھریلے ستون سے پڑا تھا۔ وہ پوری قوت سے اس ستون کو ہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن ستون کہیں ہلتے ہیں۔ سرتاج خان کا جسم پسینہ پسینہ ہو گیا۔ لیکن وہ انتہائی کوشش کے باوجود طالوت کا کچھ نہ بگاڑ سکا تب اس نے طالوت کے بدن پر گھونسے برسانا شروع کر دیئے اور اس سے بھی کچھ نہ بگڑا تو اس نے گردن جھکا کر کسی ارنے بھینسے کی طرح اس کے سینے پر ٹکر ماری۔

لیکن سرتاج خان کے منہ سے نکلنے والی دہاڑ بہت تیز تھی۔ اس کی کھوپڑی خون سے سرخ ہو گئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ لیکن خون کافی مقدار میں نکل گیا تھا اور مسلسل بہہ رہا تھا۔ چنانچہ وہ لمبا ہو گیا۔

دولت خان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ اس نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ لیکن شہباز خان آگے بڑھ کر طالوت کے بدن کو ٹٹول رہا تھا۔ رحمان خان بھی آگے بڑھ آیا تھا۔ طالوت مسخرے انداز میں اچھلنے لگا۔

"ارے ارے۔" وہ اچھل اچھل کر کہہ رہا تھا۔ "تم میرے گدگدی کیوں کر رہے ہو؟"

"او نیک خان۔ تو آخر کس دھات سے بنا ہوا ہے۔" شہباز خان متحیرانہ لہجے میں بولا۔

"تم۔ تو۔ تم گدگدی کیوں کر رہے ہو۔" طالوت اسی بے تکے انداز میں اچھلتے ہوئے بولا۔ مجھے ہنسی آ گئی تھی۔

"یہ تو مر گیا؟" دولت خان کی آواز ابھری اور ہم چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ "آؤ۔ چلیں۔ گلفشاں کو نکال لائیں۔" وہ ایک طرف مڑ گیا۔

ہم سب اس کے پیچھے چل پڑے۔ راستے میں سرتاج خان کا ایک بھی ساتھی نظر نہیں آیا۔ شاید وہ سب گھوڑوں کے پیچھے ہی پیچھے بھاگ جانے میں عافیت سمجھتے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم بستی میں داخل ہو گئے۔ بستی کے لوگ شاید حقیقت سے ناواقف تھے۔ گھر میں گلفشاں تھی۔ دولت خان کو دیکھ کر وہ اس سے لپٹ گئی۔

"آؤ گلفشاں۔ آؤ۔ یہ بستی اب ہمارے رہنے کے قابل نہیں رہ گئی۔ آؤ۔ ورنہ لوگ تجھے اس لئے حقارت سے دیکھتے رہیں گے کہ تو بے غیرت دولت خان کی اولاد ہے۔ گلفشاں! ہمارا تو قافلہ لٹ چکا ہے۔ عزت، دولت، غیرت سب اب ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ چل گلفشاں! اس سے قبل کہ لوگوں کو ہمارے لٹنے کا احساس ہو جائے ہم یہاں سے نکل چلیں۔" اور گلفشاں حسرت کے بہت سے نقش مجھے نظر نہیں آئے ان نشانوں پر نہ ... یہ تو اب ہزاروں کے سارے راستوں پر بکھرے پڑے ہیں۔ ہم ان سے نہیں بچ سکتے۔"

دولت خان اس کا بازو پکڑ کر آگے بڑھ گیا۔ ہم اس کے ساتھ تھے۔

"دوستو۔ اس ہارے ہوئے جواری کے بارے میں تم نے اب کیا فیصلہ کیا ہے؟" بستی سے کافی دور نکل کر دولت خان نے پوچھا۔

"میری تجھ سے دشمنی ختم ہو گئی ہے دولت خان۔ اب میرا بھائی ہے۔ چل یہاں سے جا کر ہم سب نے آج ایک جو سی کٹیا بنالی تھی جو رحمان خان کی موت کے بعد بے چراغ ہو گئی تھی۔ تو ہم سب مل کر اسے روشن کریں گے۔ دولت خان۔" شہباز خان نے دولت خان کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ اس نے گلفشاں کے سر کی اوڑھنی برابر کر دی تھی۔ دولت خان شرمندگی سے سر جھکائے آگے بڑھ رہا تھا۔ تب ہم نے غاروں کے قریب سے گزرتے ہوئے گھوڑے دیکھے اور طالوت ایک دم رک گیا۔ "گھوڑے۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"ہاں۔ گھوڑے۔" میں نے بھی بے ساختہ کہا۔

"ہمیں گھوڑوں کی ضرورت ہے۔"

"ارے۔ یہ۔ یہ شاید سرتاج خان کے ساتھیوں کے گھوڑے ہیں جنہیں وہ پکڑ نہیں سکے ہوں گے۔" شہباز خان بے اختیار بولا۔

"مگر یہ اسی طرف آ رہے ہیں؟" رحمان خان نے کہا۔

"چلو۔ انہیں پکڑو۔" شہباز خان خود بھی گھوڑوں کو پکڑنے کے لئے دوڑا۔ گھوڑے پکڑ لئے گئے اور سب سے پہلے گلفشاں کو ایک گھوڑے پر بٹھا دیا گیا۔ پھر وہ لوگ گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور گھوڑے چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ادھر سے گزرے جہاں سرتاج زخمی ہوا تھا۔ دولت خان نے اس طرف سے منہ پھیر لیا۔

لیکن سرتاج خان اب اس جگہ موجود نہیں تھا جہاں اسے چھوڑا تھا البتہ زمین پر خون کے دھبے موجود تھے اور اچانک پہاڑوں میں ایک آواز گونجی۔

"بابا۔ بابا۔"

ہمارے دوڑتے گھوڑے رک گئے تھے۔ دولت خان ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا۔ لیکن پھر اس نے گھوڑا آگے بڑھا دیا۔

"بابا۔ میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے بابا۔ میں زخمی ہوں۔ میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے بابا۔" سرتاج خان حلق پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ شہباز خان نے گھوڑا روک لیا۔

"دولت خان۔" وہ بے بسی کے لہجے میں بولا۔

"کیا بات ہے شہباز؟"

"سرتاج زخمی ہے۔"

"رہنے دو شہباز خان۔ اسے مرنے دو۔"

"نہیں میرے دوست۔ وہ تمہاری اولاد ہے۔ اسے معاف کر دو۔ بچہ ہے۔ زخمی ہے۔ آؤ۔ ہمیں اس کی مدد کرنی چاہئے۔"

"نہیں شہباز خان۔ میرے زخموں کو نہ کریدو۔"

"وہ تمہاری اولاد ہے دولت خان۔ جانتے بھی ہو یار۔ بچوں سے غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ میرا بیٹا اولاد کی قدر ... دولت خان چلیں میرے ساتھ ہم اسے لے آئیں۔"

"بابا۔ بابا۔ بچاؤ۔" گلفشاں درد بھرے انداز میں بول پڑی۔

"آؤ دولت خان۔ ہم اسے لے آئیں۔" شہباز خان نے آواز لگائی اور دولت خان کا بازو پکڑ کر آگے بڑھنے لگا۔ دولت خان گردن جھکائے اس کے ساتھ چل پڑا۔

"تم کہاں ہو سرتاج خان؟" شہباز خان نے کہا۔

"یہاں میں ادھر ہوں۔ یہاں۔" اور پھر ایک چٹان کی اوٹ سے لوشاڑے کے نزدیک سرتاج کا بدن آہستہ آہستہ ابھرا۔ اس کا پورا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ بمشکل.... سہارا لے کر وہ چٹان کی اوٹ میں کھڑا ہو سکا۔ لیکن اس کی حالت غیر معلوم ہوتی تھی۔

"ہم آ رہے ہیں سرتاج خان۔ ہم آ رہے ہیں۔" شہباز خان دولت خان کا بازو پکڑ کر دوڑنے لگا۔

اور اچانک میں نے بجلی کوندتی دیکھی۔ سرتاج خان جس طرح نڈھال ہونے کی اداکاری کر رہا تھا۔ درحقیقت وہ اس قدر نڈھال نہ تھا شیطان نئی کارگزاری کے لئے تیار تھا۔ رائفل شاید اس نے اس انداز سے چٹان سے لگائی تھی کہ اسے آسانی سے اٹھا لے۔ اس نے نہایت پھرتی سے رائفل اٹھائی اور ایک لمحہ ضائع کئے بغیر فائر کر دیا۔

گولی دولت خان کی پیشانی میں سوراخ کرتی ہوئی گدی سے نکل گئی تھی۔

دولت خان کے منہ سے ایک عجیب سی آواز نکلی اور پھر وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ شہباز خان ہکا بکا رہ گیا تھا۔

"بچو شہباز خان۔" طالوت چیخا۔ لیکن سرتاج دوسرا فائر کر چکا تھا۔ شہباز خان کے منہ سے ایک کربناک چیخ نکلی اور وہ بھی زمین پر گر رہا تھا۔

"بابا۔" گلفشاں چیخی۔ اس نے دوڑنے کی کوشش کی لیکن رحمان خان نے اسے دبوچ لیا اور پھر وہ اسے ایک طرف دھکیلتا ہوا آگے بڑھا۔

"ابھی بزدل ہو گئے۔ دو نمبری کی اولاد۔ میں آ رہا ہوں۔ میں تجھے کچا چبا لوں گا۔"

"تو آ۔ او بزدل چوہے۔ تمہیں بھی تمہارے باپ کے پاس روانہ کر دوں۔" سرتاج خان نے قہقہہ لگا کر کہا اور دوسرے لمحے گولی رحمان خان کے قریب سے نکل گئی۔ لیکن اسی وقت طالوت نے چھلانگ لگائی اور رحمان خان کو لئے ہوئے نیچے گر پڑا۔ سرتاج خان کا یہ فائر بھی خالی گیا تھا۔

"رحمان خان۔ تم یہاں رکو۔ میں اس مردود کو دیکھتا ہوں۔"

"نہیں۔" رحمان خان نے طالوت کے شکنجے سے نکلنے کی کوشش کی۔ "اس نے میرے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ میں اس سے انتقام لوں گا۔"

"وہ میرا بھی باپ تھا۔ رک جاؤ رحمان۔ تم میری راہ میں مشکلات مت پیدا کرو۔" طالوت نے کہا۔

"نہیں۔ نہیں۔" رحمان خان پاگلوں کی طرح چیخا۔

"کم بخت۔" طالوت کی آواز بہت بھیانک تھی۔ پھر اس نے خونخوار نگاہوں سے رحمان خان کو گھورا اور رحمان خان

کسی خوف زدہ خرگوش کی طرح سہم گیا۔

تب طالوت اسے چھوڑ کر آگے بڑھا اور سرتاج خان نے موقع سے پورا فائدہ اٹھایا۔ گولی طالوت کے سینے سے ٹکرائی تھی۔ لیکن طالوت کے قدموں میں کوئی لغزش نہ ہوئی۔

وہ آگے بڑھا اور سرتاج خان بدحواسی میں گولیاں چلاتا رہا۔ پھر میں نے اسے چٹان کے عقب سے نکل کر بھاگتے ہوئے دیکھا۔ طالوت اب بھی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اس وقت مجھے طالوت بے حد پراسرار معلوم ہوا۔ میرے بدن میں ایک جھرجھری آ گئی تھی۔ سرتاج خان پوری قوت سے بھاگ رہا تھا۔ اب وہ پیچھے ایک وادی میں داخل ہو رہا تھا۔ شاید وہاں سے وہ غاروں میں نکل جانا چاہتا تھا تب طالوت رک گیا۔ اس نے ایک ہاتھ بلند کیا اور سرتاج خان رک گیا۔

نہ جانے کیوں۔ نہ جانے کیوں وہ رک کر طالوت کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات نظر نہیں آ رہے تھے اور پھر وہ واپس آنے لگا۔ طالوت کسی چٹان کی طرح اپنی جگہ کھڑا تھا اور سرتاج خان مشینی انداز میں اس کی طرف واپس آ رہا تھا۔

دوسری طرف اچانک شہباز خان کے بدن میں حرکت ہوئی رحمان خان اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ میں بھی اس کی طرف دوڑا اور کہکشاں میرے پیچھے۔

"خان بابا۔" رحمان خان نے شہباز خان کو سہارا دیتے ہوئے کہا۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے رحمانے۔ گولی میرے بازو کے گوشت سے نکل گئی ہے۔" شہباز خان اس کے سہارے سے کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔ کہکشاں دولت خان کی لاش سے لپٹی ہوئی سسکیاں بھر رہی تھی۔

تب شہباز خان نے رحمان خان سے کہا "اسے سنبھالو بیٹے بدنصیب لڑکی۔"

دوسری طرف سرتاج خان واپس طالوت کے سامنے پہنچ چکا تھا طالوت نے ہاتھ بڑھا کر اس کی پیٹی سے پستول نکال لیا اور پھر وہ اس کے چیمبر چیک کرنے لگا۔ پستول میں کارتوس موجود تھے۔

"سرتاج خان۔" طالوت کی سرد آواز ابھری اور پھر اس نے پستول سرتاج خان کے ہاتھ میں دے دیا۔ "اس کی نال اپنی کنپٹی پر رکھ کر ٹریگر دبا لو۔ تم اتنے ذلیل ہو کہ میں اپنے ہاتھ سے تمہیں قتل بھی نہیں کروں گا۔"

سرتاج خان نے پستول کی نال اپنی کنپٹی پر رکھی اور اس نے ٹریگر دبا دیا۔ اس کے منہ سے آواز بھی نہ نکل سکی تھی۔ ہاں پستول کی آواز پر چونک کر سب نے اس کی طرف دیکھا۔

سرتاج خان کٹے ہوئے درخت کی طرح نیچے گر پڑا تھا اور طالوت واپس پلٹ پڑا "سنو۔" اس نے میری طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے طالوت۔" میں اس لیے سنجیدہ تھا۔

"دولت خان کی قبر کے لئے کوئی مناسب جگہ تلاش کرو۔ ہم اسے قبر میں اتارنے کے بعد جلد از جلد یہاں سے روانہ ہونا چاہتے ہیں" اور پھر اس نے کہکشاں کو دیکھا جو روتے روتے بیہوش ہو گئی تھی۔

"رحمان خان۔" اس نے رحمان خان کو مخاطب کیا۔

"جی ولی خان۔" رحمان جلدی سے آگے بڑھ آیا۔

"اسے سنبھالو۔ میں خان بابا کا زخم دیکھتا ہوں۔" طالوت نے شہباز خان کا ہاتھ پکڑا اور ایک چٹان کی طرف بڑھ گیا۔

"اوئے ولی خان۔ اب میں اتنا بوڑھا بھی نہیں ہوں کہ اتنے اتنے سے زخموں سے گھبراؤں گا لیکن دولت خان کی موت کا مجھے افسوس ہے۔"

"اسے اس کے گناہوں کی سزا ملی ہے۔"

"پھر بھی۔ پھر بھی اسے ایسے نہیں مرنا چاہئے تھا۔"

"تم تو اس کے دشمن تھے شہباز خان۔"

"اوئے دشمنی تو ختم ہو گئی تھی۔ برا ہوا۔ ختم ہو گیا۔" شہباز خان غمزدہ لہجے میں بڑبڑا رہا تھا۔

دولت خان کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر ہم وہاں سے چل پڑے۔ شہباز خان کی اجازت سے رحمان خان نے کہکشاں کو اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا تھا۔ اس عجیب المیے سے ذہن پر بوجھ تھا اور بڑی خاموشی سے سفر ہو رہا تھا۔

شام ڈھل گئی تھی اور ایک جگہ قیام کر کے رات کے کھانے وغیرہ کا انتظام کیا گیا۔ کسی سے کھایا نہیں گیا کہکشاں رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی۔ لیکن رحمان خان کی موجودگی سے اسے تقویت تھی کھانے سے فارغ ہو کر میں اور طالوت چل پڑے۔

"ہوں۔" طالوت نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"بس اب رحمان خان کے گھر پہنچنا ہے اور رات ... من گھڑت ... میں آ گئی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس کی ماں۔ ظاہر ہے ماں کو اس کا دکھ ہو گا لیکن اس کی موت پر وہ آنسو بہا کر صبر کر بیٹھی تھی۔"

"اوہ ہاں یہ تو ہے۔"

"پھر کیا خیال ہے؟"

"فرار۔"

"کس طرح؟"

"میرا خیال ہے شہباز خان سے بات کر لی جائے۔"

"کیا بات کرو گے؟"

"آؤ اب تو مجھے بھی بات کرنی آ گئی ہے۔" طالوت نے کہا اور وہ مجھے ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔ شاہدانہ کا دوشالہ اس نے میرے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ نہ جانے اس کے کیا ارادے تھے۔

شہباز خان۔ رحمان خان اور کہکشاں سے کافی دور بیٹھا زمین کرید رہا تھا۔ وہ کسی خیال میں گم تھا۔

"شہباز خان۔" طالوت نے سنجیدگی سے اسے آواز دی۔

"اوہ آؤ میرے بچو۔" اس نے بڑی محبت سے کہا اور ہم دونوں اس کے پاس بیٹھ گئے "کیا بات ہے؟" اس نے ہم دونوں کی شکل دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم آپ سے اجازت طلب کرنے آئے تھے۔" طالوت بولا۔

"کیا مطلب؟"

"ہم اب جانا چاہتے ہیں۔"

"کہاں؟"

"شہباز خان۔ ہمارا کام ختم ہو گیا ہے ہمیں اسی وقت تک کے لئے بھیجا گیا تھا۔"

"بھیجا گیا تھا؟ کس نے بھیجا تھا۔"

"شہباز خان۔ تم دانا انسان ہو۔ کیا تمہیں ہمارے اندر کچھ عجیب باتیں نہیں محسوس ہوئیں؟"

"ابتدا ان دونوں گھوڑوں کے حصول سے ہوئی۔ بے شک ان گھوڑوں پر سواری آسان نہیں تھی۔ پھر سرتاج خان اور اس کے ساتھیوں کے اڑنے والے گھوڑے۔ اس کے بعد کی دوسری ناقابل یقین باتیں کیا یہ سب تمہیں عجیب نہیں محسوس ہوئیں؟"

"ہاں۔ لیکن تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" شہباز خان کی آواز میں عجیب سا تاثر تھا۔

"یہی کہ ہمارا مشن پورا ہو گیا۔ ہمیں حکم ہوا تھا۔ تمہارا فرض ادا کریں۔ رحمان خان کو تم سے ملا دیں اور اس کے بعد واپس آ جائیں۔"

"ہے۔ تم۔ آخر تم کون ہو؟" شہباز خان کی آواز میں لرزش تھی۔

"رحمان خان کی شادی کہکشاں سے کر دینا۔ اسے کوئی تکلیف نہ ہو اور دیکھو میں کون ہوں۔" طالوت نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھک لیا اور دوسرے لمحے وہ نگاہوں سے غائب تھا۔

"ارے۔ ارے۔" شہباز خان کا منہ حیرت سے کھل گیا اور پھر اس نے خوفزدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ طالوت کی حرکت میں سمجھ گیا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی شاہدانہ کا دوشالہ اوڑھ لیا اور ظاہر ہے میں بھی شہباز خان کی نگاہوں سے غائب ہو گیا ہوں گا۔ لیکن اب ہم دونوں اسے بخوبی دیکھ رہے تھے۔

شہباز خان پاگلوں کی طرح منہ کھولے کھڑا تھا اور پھر وہ چیختا ہوا رحمان خان کی طرف دوڑا۔

"رحمان خان۔ رحمانے۔ رحمانے۔"

"آؤ دیکھیں۔ کیا رد عمل ہے۔" طالوت نے کہا اور ہم دونوں بھی اسی طرف چل پڑے۔ شہباز خان شاید رحمان کو تفصیل بتا رہا تھا۔ رحمان اور کہکشاں بھی سخت حیران تھے۔

"میں گنہگار انسان ہوں۔ میرے معبود۔ تو نے میری بات پوری کر دی۔ میرے پاک نبی کے نواسے میں تو ایک گنہگار انسان ہوں۔" شہباز خان کہہ رہا تھا۔

پھر اس نے جائے نماز بچھائی اور سجدہ ریز ہو گیا۔

"لو بات بن گئی۔" طالوت نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"نہیں ہم تو گنہگار ہو گئے طالوت۔ اس نے ہمیں فرشتہ سمجھا۔"

"خدا ہمارا گناہ معاف کرے گا۔ مجبور تھے۔"

"مگر اب کیا کیا جائے؟" میں نے پوچھا۔

"اب یہاں سے نکلو۔ اس کے بعد فیصلہ کریں گے کہ کیا کیا جائے؟"

"گھوڑے۔" میں نے کہا۔

"تم ابھی بچے ہو۔" طالوت نے میرا بازو پکڑتے ہوئے کہا اور میں مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ یہ گھوڑے بھی جب ... ہمارا ساتھ ... اسی طرح ہوتا ہے۔ بہرحال ہم شہباز خان وغیرہ سے کافی دور نکل آئے اور پھر ایک بڑی چٹان کے عقب

میں ہم دونوں رک گئے۔

"آؤ۔ اوپر بیٹھیں گے۔" طالوت نے کہا اور ایک مناسب راستے سے چڑھ کر ہم اس چٹان پر پہنچ گئے۔ صاف ستھری چٹان پر بیٹھ کر میں نے منہ اٹھا کر دیکھا۔ [illegible] میں بھری اور پھر اسی چٹان پر دراز ہو گیا۔

طالوت خاموشی سے بیٹھا تھا۔

کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ تب میں نے ایک گہری سانس لے کر طالوت کو مخاطب کیا اور طالوت میری جانب دیکھنے لگا "بہت گہری سوچ میں ہو۔ کیا بات ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔ آئندہ کے پروگرام پر غور کر رہا ہوں۔"

"ایک بات بتاؤ۔ طالوت۔"

"پوچھو۔"

"کیا تمہاری قسمت میں زندگی بھر صحرا گردی لکھی ہے۔ کسی مقام پر قیام ہو گا یا نہیں؟"

"تم اکتا گئے ہو عارف؟" طالوت نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"مجھے احساس ہے میرے دوست۔ اپنی تفریح طبع کی خاطر میں نے تمہیں بھی دربدر کر دیا۔ دراصل میری طبیعت تمہاری طبیعت سے اس قدر ہم آہنگ ہے کہ تم میری شخصیت کا ایک جزو بن گئے ہو۔ لیکن عارف برا مت ماننا میں تو ابھی اپنی دنیا میں واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ میری دنیا پر جمود طاری ہے اور مجھے اس جمود سے وحشت ہوتی ہے۔ میں تو ابھی تمہاری دنیا دیکھوں گا۔ لیکن میرے دوست اگر تم میرا ساتھ نہ دینا چاہو تو میں تمہیں خدا حافظ کہہ سکتا ہوں۔ میں تمہارے اچھے مستقبل کا انتظام کر دوں گا۔ پوری زندگی عیش و عشرت میں گزار سکو گے۔"

"اس بکواس کا کیا مطلب؟" میں نے بھناتے ہوئے ناراضگی سے کہا۔

"برا مت مانو۔ میں نے ایک بات کی ہے تمہارے سوال کے جواب میں۔ تمہیں حق ہے کہ اپنی پسند کے مطابق زندگی گزارو۔ تمہیں تو کوئی پابندی نہیں ہے۔"

"[illegible]"

"[illegible]"

"[illegible] طالوت۔ ایک [illegible] تم [illegible]"

تو پھر اگر تم میرا ایک کام ضرور کرتے جاؤ۔"

"کون سا کام؟"

"راسم سے کہہ کر کوئی ایسا سفوف میرے لئے تیار کرا دو جسے کھانے کے بعد تکلیف کا کوئی احساس نہ ہو اور انسان خود سوچے بغیر مر جائے۔ میں تم سے جدائی کے تصور کے چند لمحات بھی نہیں گزار سکتا۔"

"مجھے تمہاری دوستی پر ناز ہے عارف۔ میں خود تم سے جدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن کبھی کبھی تمہارا خیال آتا ہے۔ کہیں تو صرف مروت میں میرا ساتھ نہ دے رہا ہو۔"

"نہیں طالوت میرے دوست۔ میں ایک بے سہارا انسان ہوں میری دنیا میں میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تمہاری محبت میری زندگی کا ستون ہے تو چلا گیا تو یہ عمارت زمین بوس ہو جائے گی۔"

"عارف۔" طالوت چونک پڑا۔

"کیوں کیا ہوا؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"کیا ہم دونوں پاگل ہو گئے ہیں؟"

"کیوں؟"

"پھر یہ جدائی کیا حیثیت رکھتی ہے۔ ظاہر ہے نہ میں تجھے چھوڑ سکتا ہوں اور نہ تو مجھے۔ پھر ان باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے یہ سوچنا چاہئے کہ اب ہمارا دوسرا قدم کیا ہو گا؟"

"دوسرے قدم کے بارے میں اس سے پہلے ہم نے [illegible] سوچتے ہوئے جواب دیا [illegible] چل پڑیں گے۔"

"کیا رات کو آرام کیا جائے؟"

"بے شک۔"

"ٹھیک ہے۔ آرام کرو۔" طالوت نے کہا اور پھر اس نے [illegible] اور شاید تھوڑی دیر کے بعد سو بھی گیا۔ لیکن مجھے کافی دیر تک نیند نہیں آئی۔ چاند نکل آیا اور میں چاند پر نگاہیں جمائے خیالات میں کھویا رہا۔ لیکن یہ بھی ایک عجیب کیفیت ہے [illegible] میری [illegible] میں نیند آ گئی۔

اور دوسری صبح جب میں جاگا تو سورج [illegible] تھا۔ [illegible] کو دیکھا تو [illegible] چٹان کے [illegible] بیٹھا [illegible]

"[illegible]"

"[illegible]"





نے اس طرف اشارہ کیا اور میں ضروریات سے فارغ ہونے لگا۔ منہ ہاتھ دھو کر جب میں طالوت کے پاس پہنچا تو وہ دسترخوان کے سامنے بیٹھا تھا اور دسترخوان پر عمدہ قسم کا ناشتہ موجود تھا۔

"اوہ" میں نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔

"آج کی ضیافت راسم کی طرف سے ہے۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ظاہر ہے۔" میں نے طویل سانس لی۔ اور پھر ہم دونوں نے اطمینان سے ناشتہ کیا۔ "یہ گھوڑے؟"

"یقیناً سرتاج خان کے گھوڑے پہاڑیوں کے ہوں گے خود بخود آ گئے تھے بے چارے۔ میں نے ان کا خیر مقدم کیا۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔

"خوب۔" میں ہنسنے لگا۔ ناشتہ کرنے کے بعد کافی دیر تک ہم لوگ ادھر ادھر کی گپیں ہانکتے رہے۔ بہت سے لوگ زیر گفتگو آئے اور پھر طالوت نے دور۔ بہت دور پہاڑیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ان پہاڑیوں کے دوسری طرف کیا ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"کیوں نہ ادھر کا رخ کیا جائے؟"

"جیسا پسند کرو۔" میں نے جواب دیا۔

"ادھر ہی چلیں گے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے۔"

"سر تسلیم خم ہے۔" میں نے جواب دیا اور طالوت دور سے دھوئیں کی مانند نظر آنے والی پہاڑیوں کو دیکھنے لگا۔ پھر وہ اٹھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم گھوڑوں پر سوار خراماں خراماں اس طرف جا رہے تھے۔ چاروں طرف بے آب و گیاہ پہاڑوں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ بڑا کٹھن سفر تھا۔ میں نے طالوت کی طرف دیکھا۔ اس کا باقاعدہ سفر کرنے کا ارادہ تھا۔ ورنہ اس کے لئے کیا مشکل تھی کہ پلک جھپکتے اور ہم پہاڑوں کے نزدیک ہوتے۔ لیکن موڈی جن تھا۔ اس نے صرف گھوڑوں پر قناعت کی تھی۔ چنانچہ پورا دن سخت تکلیف میں گزارا۔ جب شام کی ہوا میں اندھیرے کی آمیزش ہونے لگی تو ہم ایک سبزہ زار میں پہنچ گئے تھے۔ یہاں سبز گھاس کے میدان تھے۔ اور ایک ندی گنگناتی ہوئی گزر رہی تھی۔

ہمارے گھوڑے اس طرف دوڑنے لگے۔ ہم نے انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ گھوڑوں نے پانی میں منہ ڈال دیا اور ہم نے ان کی پشت چھوڑ دی۔ طالوت چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ کہیں کہیں خود رو درخت اگے ہوئے تھے۔ بڑی بڑی چٹانیں دور دور تک بکھری پڑی تھیں۔ عجیب سا ماحول تھا۔ پراسرار خوبصورت۔

"عمدہ جگہ ہے۔" اس نے کہا اور ہم نے قیام کے لئے ایک جگہ منتخب کر لی۔ وہ پہاڑ زیادہ دور نہ تھے جنہیں ہم نے صبح کو دیکھا تھا۔ بڑے خوبصورت پہاڑ تھے۔ ان کی چوٹیوں پر سفید سفید برف کی ٹوپیاں نظر آ رہی تھیں۔ برف پگھل چکی تھی ورنہ یہ سارے پہاڑ برف پوش ہوتے۔ موسم بھی نہایت عمدہ تھا۔ طبیعت میں شگفتگی پیدا ہو گئی تھی۔

ایک عمدہ سی جگہ بیٹھ کر ہم نے پاؤں پھیلا دیئے اور رات کی چادر ماحول پر آ پڑی۔ سورج غائب ہو گیا۔ آسمان پر ابر کے ٹکڑے سرخ ہونے لگے۔

"بارش۔" طالوت نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میرا خیال ہے بارش نہیں۔ برفباری۔"

"کیا حسین منظر ہوتا ہے۔"

"ہاں۔ مجھے بھی پسند ہے۔ لیکن میرے عزیز۔ اگر یہ برفباری ہو گئی تو کیا رات برف کے ذرات سے ہم آغوش ہو کر گزاری جائے گی۔"

"یہاں بہت سی چٹانوں کے سائبان موجود ہیں۔ کہیں بھی پناہ لے لیں گے۔"

"ہاں۔" میں نے ایک طویل سانس لی۔ "بھوک لگ رہی ہے۔"

"راسم۔" طالوت نے دائیں طرف رخ کر کے کہا۔

"آقا۔" راسم نگاہوں کے سامنے تھا۔

"کھانے کا وقت ہے۔"

"کیا پیش کروں؟" راسم نے کسی ویٹر کے سے انداز میں پوچھا۔

"اپنا آرڈر نوٹ کرا دو۔" طالوت نے ہنستے ہوئے کہا۔

"راسم مجھ سے زیادہ بہتر جانتا ہے۔" میں نے بھی ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"جاؤ یار۔ لے آؤ۔ جو دل چاہے۔" طالوت نے کہا اور راسم نے گردن جھکا دی اور پھر وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد راسم نے تازہ گرم اور لذیذ کھانوں کے ڈھیر لگا دیئے اور ہم کھانے میں مشغول ہو گئے۔

ابھی کھانے سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ برفباری شروع ہو گئی۔ ننھے ننھے سفید ذرات آسمان سے ہماری طرف لپکے اور ہم مسرت سے انہیں دیکھنے لگے۔

"قدرت نے انسان کی دل بستگی کے لئے کیا کیا سامان مہیا کئے ہیں۔" طالوت آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا اور پھر اس نے جلدی سے گردن جھکا لی۔ برف کے ذرات

آنکھوں پر پڑ رہے تھے۔

ہم شام سے قبل فارغ ہو کر ہم ایک چٹان پر جا چڑھے۔ چٹان پر برف بکھری ہوئی تھی...... ایک ٹھنڈی سی تہہ۔ ہم اس پر بیٹھ گئے اور نیچے کی برف ہمارے جسموں کی حرارت سے پگھلنے لگی۔ ہمارے شانوں پر، سر پر اور جسم کے دوسرے حصوں پر برف کے ذرات جم رہے تھے اور جب ہم انہیں جھاڑتے تو سفید برادہ بکھر جاتا۔ دونوں خاموش تھے لیکن دونوں ہی اس حسین موسم سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

کافی دیر گزر گئی۔ برف باری رک چکی تھی۔ تب دور کوئی دور اچانک ایک روشنی سی نظر آئی۔ اور ہم تعجب سے دیکھنے لگے۔

"عارف" طالوت نے مجھے مخاطب کیا۔

"ہاں۔"

"روشنی دیکھی؟"

"ہاں۔"

"کیا ہے؟"

"پتہ نہیں۔"

"وہ دیکھو۔ اس چٹان کے عقب سے روشنی ابھر رہی ہے۔" طالوت نے کہا میں بھی اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ایک ایک کر کے بہت سی مشعلیں روشن کی جا رہی ہوں اور پھر روشنی کا ایک دائرہ سا بن گیا۔

"اٹھو" طالوت نے کہا اور میں بھی غیر اختیاری طور پر اٹھ گیا۔ ہم دونوں روشنی کی طرف بڑھنے لگے اور تھوڑی دیر کے بعد ان چٹانوں کے نزدیک پہنچ گئے جو عجیب ساخت کی تھیں۔ ان چٹانوں نے گول دائرے کی شکل بنائی ہوئی تھی۔ ان کے درمیان [illegible] اندر جانا ممکن تھا۔ [illegible]

[illegible]

برے بالوں والی گول ٹوپیاں تھیں اور چہروں میں بزرگی تمکنت کے ہوئے تھے۔

یہ سب راہبوں اور پجاریوں سے مشابہ تھے۔ یہ چٹانوں پر چڑھے تھے۔ [illegible] کے پاس انہیں کھیلا دی موجود تھیں۔ قوی ہیکل اور خوبصورت آدمی معصوم ہوتے تھے لیکن ان کے چہرے سیاہ کپڑوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ طالوت نے شوق سے ان کی طرف دیکھا اور ہم ایک گوشے میں کھڑے ہو کر مینار نما چٹانوں نے روشنیاں بنائی ہوئی تھیں۔ مشعلیں جلی ہوئی تھیں۔ مخصوص ساخت کی مشعلیں تھیں لیکن ان کے اوپر ساتھ ہی تھے۔ [illegible] معتقد یا نالے کی سی ایک انسانی آواز سے ترتیب ہوئی تھی۔ اتنے آدمی موجود تھے لیکن ایسی پراسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی، جیسے وہاں انسانوں کا وجود ہی نہ ہو اور یہ خاموشی کافی دیر تک طاری رہی۔ پھر چٹانوں سے کسی گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز ابھری۔ اور مختلف جگہوں پر کھڑے ہوئے لوگوں میں زندگی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ سب چٹانوں سے چٹانوں کے اوپر دیکھنے لگے اور پھر ادھر سے ایک آواز سنائی دی "وہ آ رہے ہیں۔"

یہ موجود لوگوں میں سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ ہم دونوں چٹانوں کے رخنوں سے دیکھ رہے تھے۔ تب ایک قوی ہیکل شخص اسی لباس میں ایک رخنے سے اندر داخل ہو گیا اور اندر موجود لوگوں نے مختلف جملوں میں اس کا استقبال کیا۔ وہ سب اس انداز سے مودب ہو گئے تھے جیسے آنے والا کوئی بہت بڑی حیثیت کا حامل ہو۔

طالوت اور میں دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

"کیا خبر ہے؟" [illegible]

[illegible]

[illegible]



"ہاں۔ میں مطمئن ہوں۔ لیکن ایک اور بات بھی میرے علم میں آئی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"ہم نے محسوس کیا ہے کہ ایک خفیہ تحریک ہمارے خلاف منظم ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ کو علم ہے کہ ہمارے نمائندے ملک کے واقعے کو اچھال رہے ہیں لیکن اب کچھ لوگ اس کی تردید کرتے پھر رہے ہیں۔ انہوں نے بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا ہے۔" "کیا وہ لوگ تمہاری نگاہوں میں آ گئے؟"

"نہیں۔ لیکن ہم ان کی تلاش میں ہیں۔"

"اونہہ، مجھے ان لوگوں کی پرواہ نہیں ہے۔ میرا کام اتنا کمزور نہیں ہے کہ معمولی قسم کے لوگ اس میں رخنہ انداز ہو سکیں۔"

"ٹھیک ہے ہم بھی ان کے لئے فکر مند نہیں ہیں۔"

"بس آج کی گفتگو یہیں تک محدود تھی۔ بہت جلد تم لوگوں کو تمہارے ٹھکانے پر کام سے مطلع کر دیا جائے گا۔ بس اب تم جا سکتے ہو؟" قوی ہیکل قیدی دونوں ہاتھ ہلا کر چٹان کے رخنے کی طرف بڑھ گیا۔ دوسرے لوگ بھی منتشر ہونے لگے تھے۔

"کیا چکر ہے؟" میں نے طالوت کی طرف رخ کر کے کہا۔

"یہ تو معلوم کرنے سے ہی پتہ چلے گا۔"

"کس سے معلوم کرو گے؟"

"کوئی بھی ذریعہ نکالیں گے۔ تم بتاؤ کیا تمہیں ان معاملات میں کچھ دلچسپی محسوس ہو رہی ہے؟"

"ہاں۔ یہ پراسرار لوگ ہیں۔ ملکہ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔"

"یہ ملکہ کون ہو سکتی ہے۔"

"کسی قبائلی ریاست کی ہے۔ یہاں بہت سی ریاستیں پھیلی ہوئی ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

[illegible] معاملات [illegible] اختیار کر سکتے ہیں۔ یقیناً۔"

"تو پھر ہم [illegible]"

"چلیں..... سب کچھ [illegible]"

[illegible]

[illegible]



نے کافی کر ہمارے ساتھ تعاون کیا تھا۔ ہم اپنے گھوڑوں کے نزدیک آ گئے۔ طالوت اپنی اصلی شکل میں آ گیا اور میں نے بھی شانوں سے کمبل شال اتار دیا۔

اور پھر ہم گھوڑوں پر سوار ہو ہی رہے تھے کہ اچانک چٹان کے اوپر سے ایک آواز سنائی دی "خبردار۔ تم دونوں پستولوں کی زد پر ہو اور میرا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔"

ہم دونوں ہی بری طرح اچھل پڑے تھے۔

"ہاتھ بلند کر دو۔ ورنہ۔ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔" آواز پھر آئی۔ آواز کی نسوانیت چھپی نہ رہ سکی تھی۔ لیکن اس میں سفاکی تھی، ایسا لگتا تھا جیسے بولنے والی جو کچھ کہہ رہی ہے وہی کر گزرے گی۔

طالوت نے مجھے اشارہ کیا اور پھر خود بھی ہاتھ بلند کر دیئے۔

"اسے۔ تم" آواز نے شاید مجھے مخاطب کیا کیونکہ اب ہم اسے دیکھ بھی سکتے تھے۔ اس نے پستول سے میری طرف اشارہ کیا تھا "یہ رسی لو۔ اپنے ساتھی کے ہاتھ مضبوطی سے۔" اس نے ایک رسی میری طرف اچھال دی۔ اور پھر طالوت سے بولی "چلو۔ تم دونوں ہاتھ پشت پر کر کے گھوم جاؤ۔"

طالوت نے دونوں ہاتھ پشت پر کئے اور گھوم گیا۔

"سنو۔ میرے پورے بدن پر آنکھیں ہی آنکھیں ہیں۔ اگر تم نے کوئی حرکت کی تو مفت میں جان کھو دو گے۔"

"کیا ہم ان آنکھوں کو ٹٹول کر دیکھ سکتے ہیں؟" طالوت نے پوچھا اور لنت کی آواز کے ساتھ طالوت کے پاؤں کے قریب پتھر کی کرچیاں اڑ گئیں۔ اس نے سب آواز پتھروں سے فائر کیا تھا۔

"بکواس سے پرہیز کرو مجھے تم میں سے صرف ایک کی ضرورت ہے لیکن اگر میرا کام ہو جائے تو ممکن ہے میں تم دونوں کو زندہ چھوڑ دوں۔"

"تم میں سے کون کیا ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"اگر اس کے بعد تم نے کوئی بات کی تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" آواز [illegible]

[illegible]

[illegible]

کے جسم پر دیکھا تھا۔ بڑے بالوں والی ٹوپی پہنے اس کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔ ممکن ہے اس کے چہرے پر بھی سیاہ نقاب ہو۔ تاریکی کی وجہ سے نظر نہیں آ رہی تھی اور پھر برف کا ہلکا سا دھواں ہمارے اور اس کے درمیان حائل تھا۔

"عورت پاس آ کر ٹھیک ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ جو کہہ رہا ہے کرو۔ چلو جلدی کرو۔"

"مجھے شرم آتی ہے۔" میں نے کہا اور طالوت ہنس پڑا۔ پھر جلدی سے بولا۔

"اس کی باتوں میں مت آنا۔ جھوٹ بول رہا ہے۔ میرے پاس پستول موجود ہے اور اس نے میرے ہاتھ بھی پیچھے باندھے ہیں۔ یہ دیکھو۔" طالوت نے رسی کھول کر دونوں ہاتھ سامنے کر دیئے۔

"ہوں۔ شکریہ۔" عورت نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا "تم اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ چلو اب تم کس کر اس کے ہاتھ باندھ دو۔"

میں ہونقوں کی طرح طالوت کی اس حرکت پر ہکا بکا رہ گیا تھا۔ شرارت کے موڈ میں تھا کمبخت۔ اس نے کس کر میرے ہاتھ باندھ دیئے تھے۔

"کیا اس کے پاس پستول موجود ہے۔"

"ہوں، ہوں۔" طالوت جلدی سے بولا۔ حالانکہ درحقیقت میرے پاس پستول نہیں تھا۔ لیکن وہ طالوت ہی کیا جو میرے لباس سے دو پستول نہ نکال لیتا۔ طالوت نے دو پستول نکال کر عورت کے سامنے ڈال دیئے۔

"تمہارے پاس بھی پستول ہے؟"

"ہے۔" طالوت نے سادگی سے کہا۔

"تم بھی اپنا پستول نکال کر ڈال دو۔" اور طالوت نے نہایت سعادت مندی سے ایک اور پستول نکال کر چٹان کے سامنے پھینک دیا۔ "اپنے ہاتھ بلند رکھو۔"

"اب بھی اس کی ضرورت ہے۔"

"ہاں۔ میں خود بھی تمہارے لباس کی تلاشی لوں گی۔ ممکن ہے تمہارے پاس دوسرا پستول موجود ہو۔"

"میں جھوٹ نہیں بولتا۔ سمجھیں۔" طالوت نے غصیلے انداز میں کہا۔

"چلو۔ میں اپنی تسلی کر لوں۔" عورت چٹان سے کود گئی اور پھر اس نے طالوت کے لباس کی تلاشی لی تھی۔ پھر عورت ایک ہی سانس سے پیچھے ہٹ گئی۔ قریب سے ہم نے اس کا خوب جائزہ لیا تھا۔ وہ [illegible] عمر کی لگ رہی تھی۔

[illegible] کی۔

"کیا نام ہے تم دونوں کا۔"

"یہ خربوزہ خان ہے اور میں تربوز خان۔" طالوت نے جواب دیا۔

"مسخرہ پن مت کرو۔ نام بتاؤ۔"

"ہے۔ کیا مطلب؟" طالوت حیرت سے بولا۔

"کیا تم دونوں کے یہی نام ہیں؟"

"ہاں۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔"

"بہتر یہی ہے جاؤ۔ مجھے تمہارے ناموں سے غرض نہیں ہے۔ میں تو تم سے تمہارے سردار کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔"

"سردار؟ یہ کون ہے بھائی خربوزہ؟" طالوت نے میری طرف رخ کر کے کہا۔

"تم زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش کر رہے ہو۔ لیکن آخری وارننگ دے رہی ہوں۔ اس کے بعد تم میں سے ایک کو ختم کر دیا جائے گا۔"

"تم ہماری جان لینے پر کیوں تلی ہوئی ہو۔ بلاوجہ ختم کر دو گی۔" طالوت نے اسی مسخرے پن سے کہا۔

"اگر تم مرنا ہی چاہتے ہو۔ تو یہ لو۔" لڑکی نے پستول سیدھا کر لیا۔

"خدا حافظ بھائی خربوزہ۔ موت جس وقت بھی آ جائے۔ اسی وقت لکھی گئی۔ بائی بائی۔ روز محشر آواز دے لینا۔" طالوت روہانسی آواز میں بولا۔ اور عورت ہنس پڑی۔

"میں تمہاری دلیری کی قدر کرتی ہوں۔ لیکن اب میں وقت ضائع کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ براہ کرم میرے سوال کا جواب دو۔"

"اگر تمہارا سوال ہی ٹیڑھا ہے۔" طالوت بولا۔

"کیا ابھی تم چٹانوں کے درمیان نہیں تھے؟"

"تھے؟"

"تب پھر۔ کیا تم اس گفتگو میں شریک نہیں تھے، جو وہاں ہو رہی تھی۔"

"تھے۔" طالوت اطمینان سے بولا۔

"میں سردار کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔"

"یہی تو غلط ہے۔ سردار کون تھا ہمیں بھی نہیں معلوم۔"

"وہی۔ جس نے تم لوگوں کو کسی کے آنے کی اطلاع دی تھی۔"

"ہم لوگوں کو کیوں دی۔ ہم تو خود چھپے ہوئے تھے۔"

"کیا مطلب؟"

"ہم نے اتفاقیہ طور پر ہی انہیں دیکھا تھا۔"

"بکواس کر رہے ہو۔ کیا تم ان کے ساتھیوں میں سے نہیں ہو۔"

"لعنت ہے۔ ہم تو غریب الوطن ہیں۔ سیر کرتے کرتے اس طرف آ نکلے تھے۔"

"میں کہتی ہوں جھوٹ بولنے سے باز آ جاؤ۔" عورت دانت کچکچا کر بولی۔

"اگر تیسری بار تم نے مجھے جھوٹا کہا۔ تو۔ تو۔" طالوت غصیلے لہجے میں بولا۔

"تو تم کیا کرو گے؟"

"میں خودکشی کر لوں گا۔" طالوت نے ڈھیلے ڈھالے لہجے میں کہا اور عورت ہنس پڑی۔

"کاش تم غدار قوم نہ ہوتے، کاش تم ملت فروش نہ ہوتے۔ تمہاری یہ دلیری کیسے غلط راستوں پر جا رہی ہے۔"

"بھائی خربوزہ۔ کیا یہ درست ہے؟" طالوت نے پھر میری طرف دیکھا۔

"مسخرہ پن چھوڑ دو۔ یہ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ ہمیں ان کی غلط فہمی دور کرنی چاہئے۔" میں نے سمجھاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"اچھا۔ تو تم ہی غلط فہمی دور کر دو۔"

"خاتون۔ یہ حقیقت ہے۔ ہم دور سے آ رہے ہیں۔ ہم نے رات گزارنے کے لئے ان چٹانوں میں پناہ لی تھی۔ برفباری شروع ہونے کے چند منٹ کے بعد ہمیں روشنی نظر آئی اور ہم تجسس میں ڈوب کر ادھر آ نکلے۔ تب ہم نے اندر کے مناظر دیکھے اور جب سب چلے گئے تو ہم واپس آئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے گھوڑے ان سب سے الگ بندھے ہوئے تھے۔"

"کیا ثبوت ہے کہ تم سچ بول رہے ہو؟"

"فی الحال ایک ثبوت کے علاوہ اور کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ہمارے لباس ان سے الگ ہیں۔ جب کہ وہ مقامی لباس میں تھے اور وہ بھی تمہارے جیسے تھے۔"

عورت سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا "تب تم [illegible] ہو۔ بلاوجہ میں نے وقت برباد کیا۔ لیکن سنو۔ زورات میں داخل ہونے کی کوشش مت کرنا۔ وہاں کے حالات بہت خراب ہیں۔ ہر اجنبی کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور بعض اوقات اجنبیوں کے بارے میں مناسب معلومات مہیا نہیں ہوتیں تو انہیں گولی مار دی جاتی ہے۔"

"سنو خاتون اگر مناسب سمجھو تو ہمیں زورات کے حالات سے آگاہ کرو۔"

"فضول باتوں کے لئے میرے پاس وقت نہیں ہے۔" اس نے کہا اور اس کے منہ سے تیز سیٹی کی آواز نکلی۔ دوسرے لمحے سفید رنگ کا ایک گھوڑا دوڑتا ہوا اس کے قریب آ گیا اور عورت نہایت پھرتی سے اس پر سوار ہو گئی۔ پھر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ہوا ہو گئی۔

"عجیب عورت ہے۔" طالوت تعریفی لہجے میں بولا۔

"افسوس اس کی شکل نہیں دیکھی جا سکی۔"

"دیکھ لیں گے ضرور دیکھ لیں گے۔ پرواہ کیوں کرتے ہو۔" طالوت مسخرانہ انداز میں بولا اور اس کے لہجے پر مجھے ہنسی آ گئی۔ "کیا خیال ہے ہو گئی نا کہانی تیار؟"

"شاید۔" میں نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

"اب تو پھر جلدی کرو۔ کیا ہم اس کا تعاقب نہیں کریں گے؟" طالوت نے گھوڑوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ گیا تھا اور پھر ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر اسی راستے پر چل پڑے، جس پر پہلے وہ لوگ اور بعد میں عورت گئی تھی۔ لیکن ہمارے گھوڑوں کی رفتار بہت سست تھی اور ہم بڑے اطمینان سے چل رہے تھے۔ رات کی تاریکی اور برفباری کی وجہ سے گھوڑے بھی سست سے چل رہے تھے، اسی لئے ہم نے رفتار تیز کرنے کی کوشش نہیں کی۔ طالوت کسی سوچ میں گم تھا۔

کئی منٹ کی خاموشی کے بعد اس نے کہا "کیا تم نے حالات پر کچھ غور کیا ہے عارف؟"

"کس قسم کے حالات پر؟" میں نے پوچھا۔

"بھئی۔ وہ لوگ، ان کی گفتگو، اور پھر عورت کی باتیں۔ کوئی نتیجہ اخذ ہو سکا؟"

"میرا ذہن اس قابل نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پہاڑ سے برف جھاڑتے رہو۔ کیا تمہیں زورات کا نام یاد نہیں ہے۔ خان زورات کی شہباز خان بھی بہت تعریف کیا کرتا تھا۔"

"یاد ہے۔ بالکل یاد ہے۔"

"وہ نیک دل خان قابل تعریف ہے اور اس کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے۔ ان لوگوں کے الفاظ کے مطابق ملک کے دور [illegible] میں کیا پروپیگنڈہ کرایا جا رہا ہے اور یہ آنے والے [illegible] نمبر بارہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ کیسی تیاریاں۔ شاید انقلاب لانے کی، گویا خان زورات کی زندگی

خوبصورت۔ لیکن ایک دن اس شخص نے انکشاف کیا۔ اس نے کہا تھا کہ ایک دن ان کے خلاف میدان میں آ گیا ہے لیکن اس وقت یہاں کوئی فرد نہیں ہوتی تھی۔ ان لوگوں نے تو قبضہ ہی یہاں آ کر کی تھی اور ہمیں ان کا کوئی سمجھ نہیں ہے معلومات نہ ہو سکی تھیں۔"

"خوب! کیا تم اس بات سے بھی واقف ہو کہ وہ کون ہیں؟" میں نے حیرت زدہ لہجے میں طالوت کو گھورتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔ کیا میرے اندازے غلط ہیں؟" طالوت نے الٹا مجھ سے پوچھا تھا۔

"یہ بات نہیں۔ لیکن تمہاری یہ دانش مندی بہت خوب ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ کیا ہم زورات ہی کی طرف جا رہے ہیں۔ تمہیں اس کا اندازہ کس طرح ہوا؟"

"بکواس مت کرو۔ بس چپ چاپ چلتے رہو۔ تم نے میری باتوں کا مذاق اڑایا ہے۔ اسے یاد رکھنا۔" طالوت نے کہا۔

"ارے ارے کیا تم ناراض ہو گئے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ لیکن میری بات پر غور کرو اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا نام تجویز کر سکتے ہو۔" طالوت نے کہا۔

"حقیقت بہت جلد سامنے آ جائے گی طالوت۔ لیکن پروگرام کیا ہے؟"

"کیا پہلے سے پروگرام بنانے کی خاص ضرورت ہے۔ دیکھیں گے حالات کو جانچیں گے اور پھر جو بھی مناسب ہو اس کی مدد کریں گے۔ کیا خیال ہے۔"

"بالکل۔ بالکل کریں گے۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ نہ جانے کب تک ہم چلتے رہے تھے۔

ہم ان آخری پہاڑوں کے نزدیک پہنچ گئے اور پھر ایک چھوٹے سے درے سے گزرنے کے بعد جب ہم دوسری طرف پہنچے تو حیران رہ گئے۔ ان زرد زرد پہاڑیوں کے اس طرف اس ویران میدان سے پرے ایک ایسی خوبصورت وادی آباد تھی کہ گمان بھی نہ تھا۔ چاروں طرف پہاڑوں پر سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ جن میں اب برف و برف سے سفید ذرات اٹھ رہے تھے اور اس زمین کے کل میں کہیں کہیں سفیدی نظر آ رہی تھی۔ وہ بہت خوبصورت مکانات تھے جن کے پتھر کے مکانوں کی کھڑکیوں سے روشنی چھن رہی تھی۔

سویا سویا شہر۔ خوش نما خوش نما۔

ہم نے گھوڑے روک لیے۔ طالوت اور میں بھی خاموشی سے سامنے دیکھ رہے تھے۔ اپنے جسموں کو تھکن سے ہم گزر کر اپنے جسموں کو تھکن سے آزاد کر رہے تھے۔

"یہ زورات ہے؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"تو کیا بڑا شہر ہے۔"

"ہاں۔ میں بھی اسے دیکھ کر حیران ہو رہا ہوں۔ مجھے اتنی امید نہیں تھی۔"

"لو عارف۔ رات کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر شہر میں داخل ہو جائیں۔ ممکن ہے رات کی وجہ سے زورات کے شہریوں کو ہماری آمد کا احساس نہ ہو۔۔۔"

طالوت نے گھوڑا آگے بڑھایا اور میں بھی اس کے ساتھ چل پڑا۔ "کہاں پناہ حاصل کرو گے طالوت؟"

"دیکھتے ہیں۔" طالوت نے لاپروائی سے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔ گھوڑے سست رفتاری سے چلتے ہوئے زورات کے بازاروں میں داخل ہو گئے۔ بازار سنسان پڑے ہوئے تھے۔ لوگ گہری نیند میں گم تھے۔ شہر زورات کو ایک عجیب شکل دے دی گئی تھی۔ بہت کافی رقبے میں آباد یہ شہر۔ طالوت ایک سڑک سے دوسری سڑک پر، ایک گلی سے دوسری گلی میں داخل ہوتا رہا۔ پھر وہ ایک بڑے مکان کے احاطے کے سامنے رک گیا۔ جس شہر والے سو رہے تھے۔ یہ ایک بوڑھا آدمی تھا جس کے ہاتھ میں حقہ تھا اور کبھی کبھی حقے کی گڑگڑاہٹ بھی گونج اٹھتی۔ اور اس کے دھوئیں کی سوندھی بو پھیل جاتی۔

"آؤ۔" طالوت نے کہا اور گھوڑے سے اتر پڑا۔ گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے ہم دونوں مکان کے احاطے میں داخل ہو گئے اور بوڑھا پاؤں کی آواز سن کر اچھل پڑا۔

"آ گئے۔" وہ خاموشی سے بولا۔ اور حقہ رکھ کر ہماری طرف بڑھا۔ "آؤ۔ آ گئے۔ تو مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔ دیکھو میں جاگ کر تمہارا انتظار کر رہا تھا۔" بوڑھا بڑی عجیب خوشی کے ساتھ بولا۔

طالوت نے ایک گہری سانس لے کر میری طرف دیکھا۔

"لڑکی سو گئی ہے۔ بیچاری اندر جا کر دیکھو۔ گہری نیند سو گئی ہے۔ خوب تھک گئی ہوگی۔ بہت رات بیت گئی ہے۔ میں گلاب جان بھی نہ آیا ہو۔ لڑکی۔ میں نے دکانوں کو الاؤ سینکنے کے لئے چھوڑ دیا۔ میرا شہر بڑی الجھا ہوا ہے۔ اسے دیکھتے ہی دیکھتے کا ہوں۔"

"بیٹے کے ساتھ ساتھ میں تمہاری گردن بھی کا وقت ہوش و حواس میں رہو۔" طالوت نے پلٹ کر بوڑھے کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور روشنی کی "ہمیں"



سے پھیل گئی۔

"تم نے گردن اکڑا رکھی ہے؟" اس نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"ہاں۔"

"ٹھیک۔ لیکن کیوں؟"

"تم کون ہو؟" طالوت نے پوچھا۔

"بوڑھا۔ بوڑھا غلام۔" بوڑھے نے چونک کر کہا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" طالوت نے پوچھا اور مجھے ہنسی آ گئی۔

"میں بوڑھا ہوں۔ بالکل میں بوڑھا ہوں۔" اس نے اسی انداز میں جواب دیا۔

"طالوت۔" میں نے حالات کسی حد تک سمجھ کر طالوت کو آواز دی اور وہ میری طرف دیکھنے لگا۔ "اسے کچھ رقم دے کر دفع کرو۔ اتفاق سے ہم نے بہترین جائے پناہ تلاش کی ہے۔"

"کیا مطلب؟" طالوت نے حیرت سے کہا۔ اس دوران میں نے کچھ رقم بوڑھے کی طرف بڑھا دی تھی جسے دیکھ کر بوڑھا خوشی سے اچھل پڑا۔

"ارے واہ اس سے تو میں اپنا سارا قرض سب باقی کر دوں گا۔ جیتے رہو۔ جیتے رہو۔ اب تم اندر جاؤ۔ افشاں کو جگا لو۔ وہ بے حد خوش اخلاق ہے۔ ذرا بھی برا نہیں مانے گی۔"

بوڑھے نے ایک قہقہہ بھری اور دوڑتا ہوا احاطے سے نکل گیا۔ طالوت نے شانے اچکا کر میری طرف دیکھا۔

"آؤ۔" میں نے کہا اور پھر ہم نے گھوڑے احاطے میں باندھ دیئے۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا ہے۔" طالوت نے میرا شانہ بھینچ کر غراتے ہوئے کہا۔

"یار۔ ہم ویسی ہی ایک جگہ آ گئے ہیں۔ میرا مطلب ہے کاروباری جگہ۔ میرا خیال ہے یہاں لڑکیاں ملتی ہیں۔"

"ارے۔"

"ہاں میرے دوست۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ غلاظت اور گندگی ہر جگہ ہوتی ہے۔ بوڑھا شاید کا عادی ہے۔ ممکن ہے وہ اس کی بیٹی ہی ہو۔"

"تو پھر۔"

"ہمیں اس سے کیا غرض۔ ہمیں تو راتوں رات کسی جائے پناہ کی ضرورت تھی نا۔ اور میرا خیال ہے اس سے عمدہ جگہ نہیں ہو سکتی۔ یہاں کوئی ہمیں حیرت سے نہیں دیکھے گا۔"

بات طالوت کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ چنانچہ ہم دونوں خاموشی سے بڑے مکان میں داخل ہو گئے۔ اس میں چھ سات کمرے تھے۔ بعض میں روشنیاں تھیں۔ بعض بے چراغ پڑے تھے۔

"کسی افشاں کو جگانے کی کیا ضرورت ہے۔ بس ایک کمرہ تلاش کرو۔" طالوت نے کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن آؤ۔ اس مکان کا جائزہ تو لے لیں۔" میں نے طالوت سے کہا اور طالوت تیار ہو گیا۔ مکان میں کل چار افراد تھے۔ دو نوجوان لڑکیاں۔ ایک بوڑھی عورت اور ایک وہ بوڑھا جو چلا گیا تھا۔

"خوب۔ اچھی پوزیشن ہے۔ میرا خیال ہے وہ آخری سرے والا کمرہ درست ہے۔" طالوت نے کہا۔

"آؤ۔ پھر آرام کریں۔" میں نے کہا اور ہم اس کمرے میں داخل ہو گئے کمرے کی عقبی کھڑکی کھول دینے سے باہر کا منظر نظر آنے لگا۔ برف اب بھی پڑ رہی تھی اور اندر اچھی خاصی خنکی تھی۔ ہم کھردری زمین پر لیٹ گئے۔

"کیا خیال ہے عارف۔ زبردستی کے مہمان کیسے رہے؟" طالوت نے مسکراتے ہوئے میری طرف کروٹ بدل لی۔

"تمہارا موڈ ہے طالوت۔ ورنہ میں جانتا ہوں تم شاہ زورات کے محل میں بھی قیام کر سکتے ہو۔" میں نے کہا۔

"اونہہ۔ بزدلوں کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ کھردری زمین پر بھی انسان سوتے ہیں۔ بہت سے لوگ تمہاری دنیا میں ایسے بھی ہیں جن کے سر پر سائبان بھی نہیں ہے۔"

"ہاں۔ میری دنیا کی بات نہ کرو۔ نہ جانے میری دنیا میں کیا کیا ہے۔" میں نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ اب سونے کی کوشش کرو۔ تاکہ صبح کو شکل پر پھٹکار نہ برسے۔" طالوت نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا اور میں نے بھی کروٹ بدل لی۔ اور اس کھردری زمین پر بھی مجھے نیند آ گئی۔

پھر صبح کو اس وقت ہی آنکھ کھلی جب چند آوازیں نزدیک سنائی دیں۔ میں نے چونک کر دیکھا۔ رات کا بوڑھا، بوڑھی عورت اور دو خوبصورت لڑکیاں ہمارے گرد کھڑی تھیں۔

"ارے تم نہیں جگے گا افشاں۔ تو امیر زورات کی بیٹی نہیں ہے۔ میں کہتی ہوں اتنی گہری نیند سوئی کیوں۔ مہمان کیا

سو چکی تھی۔
"تب میری نیند نہیں ٹوٹی تھی۔ مجھے جگانے کی ضرورت ہی نہیں لی تھی۔" لڑکی نے جواب دیا۔
"ابھی اٹھ جاتی ہوں۔ اگر مہمانوں نے شکایت کی تب تمہاری خیر نہیں۔ رشتے سے کون کہے کہ اب یہاں مہمانوں کے ساتھ یہ خوب ہونے لگا ہے۔"
"خدا کے لئے، خدا کے لئے رشتے سے کچھ مت کہنا۔ میں مہمانوں سے معافی مانگ لوں گی۔"
"بھائی فیروز خان یہ سب کیا ہے؟" طالوت کی آواز سنائی دی۔
"آپ لوگ جاگ گئے؟" میں نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا اور طالوت اچھل پڑا۔ ہمارے اس طرح باہر آنے سے ہمارے گرد کھڑے ہوئے سارے لوگ چونک پڑے تھے۔
پھر بوڑھی نے اپنے چہرے پر ندامت کے آثار پیدا کئے اور میٹھے انداز میں مسکراتی ہوئی بولی "معاف کرنا بچو۔ یہ کیسا شور ہو گیا۔ جب تم یہاں آ کر سو گئے تھے مجھے جگا لیا ہوتا۔"
"ہم یہاں بہت آرام سے سوئے تھے بڑی بی۔ ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔"
"تم لوگ مہمان تھے۔ مہمانوں کے ساتھ یہ سلوک تو نہیں ہوتا۔"
"کوئی فرق نہیں پڑا۔ تم بے فکر رہو۔ ہم بہت خوش ہیں۔"
"تم نے افسانہ کو دیکھا تھا؟" بڑی بی نے پوچھا۔
"نہیں۔ ہم تو سیدھے اسی کمرے میں آئے تھے اور چونکہ سخت نیند آ رہی تھی۔ اس لئے اطمینان سے سو گئے۔"
"چلو پھر کوئی بات نہیں ہے۔ اب تم لوگوں کا ناشتہ تیار کراتی ہوں۔ چلو، ناشتہ تیار کرا اور افسانہ تم ان لوگوں کے لئے غسل کا انتظام کرو اور پھر آ جانا جلدی۔"
"آ جاتی ہوں۔ بس جاتی ہوں۔" بوڑھی نے کہا اور باہر نکل گیا۔ بوڑھی عورت جو چہرے سے کافی خطرناک معلوم ہوتی تھی وہ بڑی لڑکی کو لے کر باہر نکل گئی۔ اب کمرے میں افسانہ ہمارے ساتھ رہ گئی تھی۔
"میں تم دونوں سے معافی چاہتی ہوں۔ یہاں تمہیں تکلیف ہوئی۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔
"فیروز بھائی۔ اس لڑکی سے تو ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔" طالوت نے کہا۔

[illegible]
"اوہ۔ آؤ۔" وہ جلدی سے بولی اور پھر غسل خانے کے دروازے پر رک کر اس نے اچھے میزبان انداز میں کہا "یہ غسل خانہ ہے اس کے بعد مجھے دوبارہ موقع نہ مل سکے۔ شکایت مجھ سے نہ کہو کیونکہ خدا کے لئے میرے بارے میں ذرا سی بھی کا اظہار مت کرنا ورنہ رشتے میری کھال ادھیڑ دے گی۔"
"یہ رشتے کون ہے؟" طالوت نے سوال کیا۔
"اس کے بارے میں پھر بتاؤں گی۔ اس وقت موقع نہیں ہے۔ اب میں جاؤں؟"
"ٹھیک ہے۔" طالوت نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور لڑکی واپس مڑ گئی۔
"عارف۔" طالوت دھیمے انداز میں بولا۔
"بھائی فیروز۔" میں نے مضحکہ خیز انداز میں گردن ہلائی۔
"رشتے۔"
"ہاں رشتے۔"
"وہ ان کی کھال ادھیڑ دے گی۔"
"ہم اس کی کھال ادھیڑ دیں گے۔"
"اس کی کھال میں بھس بھی بھریں گے۔"
"ایں ہاں۔ مگر بھس کہاں سے دستیاب ہو گا۔"
"فی الحال اس کے بارے میں مت سوچو۔ مجھے یہ سوچ ہے کہ غسل خانہ ایک آدمی کے لئے ہے یا دونوں بیک وقت اس میں غسل کر سکتے ہیں۔ اگر صرف ایک کے لئے ہے تو پہلے میں جاؤں گا۔"
"تم ہی چلے جاؤ۔ مگر واپس آ جانا۔"
"بچوں کا اللہ مالک ہے۔" ہم دونوں اسی طرح مسخرے پن کی باتیں کرتے رہے۔ پھر طالوت غسل خانے میں داخل ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم غسل سے فارغ ہو گئے تھے۔ ہمیں ناشتے کے لئے بلانے والی دوسری خوبصورت لڑکی تھی جس کا نام شہناز بتایا گیا تھا۔ اس کی عمر افسانہ سے کم تھی اور وہ کسی قدر شوخ بھی نظر آتی تھی۔
"آپ کا نام شہناز ہے خاتون؟" طالوت نے آنکھیں مٹکا کر پوچھا۔
"ہاں ہے۔ پھر؟" وہ تیکھے انداز میں بولی۔
"اللہ اکبر۔ کیا آپ بڑی مرچوں کا شوق رکھتی ہیں؟"
"کیا مطلب ہوا اس بات کا؟" اس نے تیکھے انداز میں



طالوت کو گھورا۔
"خدا پناہ میں رکھے۔ کیا آپ نے ناشتہ نہیں کیا ہے؟"
"کیا تم پاگل ہو؟" لڑکی تنک کر بولی۔
"ابھی تک تو نہیں ہوں۔ لیکن انشاء اللہ۔"
"تم نے میرے ناشتے کے بارے میں پوچھا تھا؟"
"میں نے سوچا۔ اگر کوئی اور بات میرے منہ سے نکل گئی تو ممکن ہے ناشتے میں آپ مجھے ہی کھا جائیں۔"
"دیکھو۔ میں پہلی بار کہہ رہی ہوں۔ میرے بارے میں اتنی بے ہودہ باتیں مت کرنا۔ میں کسی سے نہیں ڈرتی۔"
"رشتے سے بھی نہیں۔" طالوت نے اندھیرے میں تیر پھینکا۔
"رر۔ رشتے۔" وہ کسی قدر گھبرا گئی "ہاں۔ اس سے بھی نہیں۔" اس نے کھوکھلے لہجے میں کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بہرحال اس کے بعد ہم خاموش ہو گئے اور پھر ناشتے کے کمرے میں پہنچ گئے۔ ناشتے کے کمرے میں افسانہ موجود تھی۔ دسترخوان بچھا ہوا تھا اور اس پر دودھ کی مصنوعات پنیر وغیرہ چن رکھے ہوئے تھے۔
افسانہ نے مسکراتے ہوئے ہمارا استقبال کیا لیکن یہ مسکراہٹ مصنوعی تھی۔ زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس نے ہم سے ناشتہ کرنے کے لئے کہا اور ہم بے تکلفی سے بیٹھ گئے۔ ناشتہ بہت عمدہ تھا۔ خوب سیر ہو کر کھایا۔ "کسی اور چیز کی ضرورت؟" افسانہ نے پوچھا۔
"نہیں شکریہ۔ تم سے چند باتیں کریں گے۔"
"آپ۔ آپ۔ دونوں؟" اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
"ہاں۔"
"ایک ساتھ؟" وہ کسی قدر پریشانی سے بولی۔
"ہاں۔ کیا حرج ہے؟" طالوت نے جواب دیا اور وہ گھبرا کر دلشاد کو دیکھنے لگی۔
"تو چل۔ تو یہاں کیوں کھڑی ہے؟" اس نے کسی قدر ڈانٹنے والے انداز میں کہا اور دلشاد منہ بسورتی ہوئی باہر نکل گئی۔ وہ پھر سراسیمہ نگاہوں سے ہماری طرف دیکھنے لگی تھی۔
"ہم۔ میرا مطلب ہے آپ دونوں؟" وہ پھر بولی۔
"تم اس قدر پریشان کیوں ہو افسانہ؟" طالوت نے کہا۔
"نہیں۔ کچھ۔" اس نے بے چارگی سے کہا اور پھر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ ہم اس کے ساتھ تھے۔ لیکن

راستے میں بوڑھی اور کریہہ صورت عورت ہمارے سامنے آ گئی۔ اس نے اپنے پیلے اور بدنما دانت نکال دیئے تھے۔
"بارب ہو۔ خیر پتے؟" اس نے ہاتھ پھیلا دیا اور طالوت نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ نوٹ نکالے اور اس کی طرف بڑھا دیئے۔ بوڑھی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ اس کے بعد اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا اور ہم اس طرف بڑھ گئے جہاں افسانہ دروازہ کھولے ہمارا انتظار کر رہی تھی۔
ہمارے قریب پہنچ کر وہ راستے سے ہٹ گئی اور ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔ لیکن افسانہ کے چہرے پر اب بھی پریشانی کے آثار تھے۔
"تم لوگ برا مت ماننا۔ میں کبھی دو آدمیوں کے ساتھ نہیں رہی۔"
"اندر چلو بے وقوف لڑکی۔" طالوت نے اس کے شانے پکڑ کر اسے اندر دھکیلتے ہوئے کہا اور وہ بے بسی سے کمرے میں داخل ہو گئی۔ طالوت نے پلٹ کر دروازہ بند کر دیا تھا۔
لڑکی گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔
"کیا ہے۔ کیوں تنگ رہی ہو کیا؟" طالوت نے پوچھا۔
"جی۔ وہ۔ نہیں۔ ہو۔" وہ سہمے ہوئے انداز میں بولی۔
"پتہ نہیں کیا بک رہی ہو۔ بیٹھ جاؤ۔" طالوت نے اسے سامنے پڑی ہوئی چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ پریشان پریشان سی بیٹھ گئی۔
"تم پریشان کیوں ہو؟"
"نہیں۔ پریشان نہیں ہوں۔ بس میں دو آدمیوں کے ساتھ۔"
"ہم آدمی ہی ہیں درندے نہیں۔ تمہیں چیر پھاڑ کر نہیں کھا جائیں گے۔ بیٹھو۔ باتیں کرو۔ ہم تم سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"
"جی؟" اس نے حیرانی سے ہماری طرف دیکھا۔
"ہاں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"
"اور کچھ نہیں؟"
"نہیں۔ تمہاری سوچ غلط ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"
"اوہ۔ اوہ۔" اس نے ایک گہری سانس لی اور اس کے چہرے پر کسی قدر سکون کے آثار نظر آنے لگے۔ پھر اس نے شکر گزار نگاہوں سے ہماری طرف دیکھا اور بولی "تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو؟"

"تو پھر تم رات کو یہ سب کرنا چھوڑ دو!
مجھے تو ہر بار غشی سی آتی ہے۔"
"کیا کروں۔ مجھ سے یہ کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ مجھے پتہ ہی نہیں چلتا کہ میں رات کو کیا کرتی ہوں۔"
"یا تو تم بہت ہی شریف لڑکی ہو یا پھر ضرورت سے زیادہ بے وقوف۔ جو بھی ہو اس نے تمہیں اپنے لیے منتخب کیا ہے۔ وہ ہو سکتا ہے اس نے تمہیں پسند کر لیا ہو۔"
"افوہ۔ فضول باتیں مت کرو۔ تمہاری یہ باتیں سن کر تو مجھے اور ڈر لگنے لگتا ہے۔ تم جو بھی کہو، میں اس سے فرق نہیں پڑتا۔ کچھ تو ہے جس کا تم سے تعلق ہے۔"
"سب ٹھیک ہو جائے۔" اس نے معصومیت سے کہا۔
"تمہارے گھر میں کون ہے؟" اس وقت میں نے پوچھا اور افشاں کا چہرہ اتر گیا۔ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔ "جواب دو افشاں۔ رشتے کون ہے؟"
"میرا ماموں ہے۔"
"وہ بوڑھی عورت تمہاری ماں ہے؟"
"نہیں۔ میری خالہ ہے۔"
"اور بوڑھا؟"
"وہ میرا خالو ہے۔"
"تمہارے ماں باپ کہاں گئے؟"
"مر گئے۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔
"اوہ۔ تو یا تمہارے ماموں اور خالہ نے تمہاری پرورش کی ہے؟"
"ہاں۔" اس نے جواب دیا۔
پوری صورت حال تھوڑی سمجھ میں آ گئی تھی۔ افشاں معصوم تھی۔ اور ماموں کا ذریعہ معاش نہیں ہو گی تھی۔ بہرحال مظلوم لڑکیوں کی فہرست میں اس کا نام بھی شامل کر لیا گیا۔ کافی دیر تک ہم لوگ خاموشی سے اس کے بارے میں سوچتے رہے۔ پھر خاموشی سے پوچھا۔
"کیا تمہاری چھوٹی بہن بھی اسی ماحول میں پل رہی ہے؟"
"خدا نہ کرے۔ خدا نہ کرے۔" وہ تڑپ کر بولی اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ "میں نے رشتے سے کر دیا ہے۔ وہ جتنا چاہے مجھ سے مانگ لیں، جتنا چاہیں مجھے لوٹ لیں۔ لیکن میری بہن کی طرف بری نگاہ نہ ڈالیں۔ تو دوستو بہت تیز ہے۔ رشتے اسی سے ڈرتے ہیں۔ ابھی تک تو خدا نے اس کی حفاظت کی ہے۔ آگے بھی وہی نگہبان ہے۔"
"اب فرصت کر لو افشاں۔ فرصت کرو۔ ہم تمہاری

اور "میں ایک بار تمہاری دنیا سے بہت دور چلی جاؤں گی۔" افشاں نے گردن جھکا لی۔ اس نے بہت دیر تک جب تک تم نہ آئے، بات ختم نہیں کی۔ اس نے ساری باتیں بتائیں۔ لیکن سنا ہے۔ تم سب بھی وہی باتیں کہتے ہو کہ وہ لوگ سیدھے سادے اور بے وقوف بنا لیے گئے ہیں۔
بہرحال اس کے بعد حالات سے موضوع ختم ہو گیا۔ کافی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر افشاں نے کہا "تم نے مجھ سے سوال پوچھے نہیں۔"
"پوچھ لو۔"
"نہیں۔ تم۔ میں بھی تم سے بات کرتی ہوں۔" وہ بولی۔
"ٹھیک ہے افشاں۔ ہم تم سے محبت کرتے ہیں۔ تمہیں ان لوگوں میں اور ہم میں فرق کا احساس ہو جانا چاہیے۔ شاید تمہاری طرح تمہیں بھی کچھ مل جائے۔"
"اوہ۔" وہ ٹھٹک گئی۔ "میں نے تم سے کئی بار کہا تھا کہ مجھے بہت ڈر لگتا ہے، جیسے ہی رات آتی ہے۔ لیکن میں نے اس سے کچھ نہیں پوچھا۔"
"بلکہ اگر ہو سکے تو میں ایک کپ چائے بنا دوں۔ تم مجھے مزید مت روکو۔" میں نے کہا اور افشاں جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"ابھی لائی۔" وہ دروازے کی طرف بڑھی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔
طالوت نے ایک گہری سانس لے کر میری طرف دیکھا۔
"خیریت؟ یہ چائے کی ضرورت کس طرح پیش آ گئی؟" اس نے پوچھا۔
"میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس الجھن میں پڑنے سے ہمیں کیا ملے گا؟ ہمارا کام لڑکیوں کو بچانا نہیں ہے۔"
"ٹھیک ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس الجھن کو ختم کر دینا چاہیے۔"
"میں نے سوچا ہے کہ اس مکان کا اچھی طرح جائزہ لیا جائے۔ یہاں رہنے میں کوئی وقت نہیں ہے۔ لیکن زورات کے حالات معلوم کیے جائیں اور پھر فیصلہ کیا جائے۔"
"یہ بھی ٹھیک ہے۔"
"بوڑھی عورت سے ملنے کی بات کریں گے اور اسی وقت ہم اسے سب واقف کرا دیں گے۔ یہ تمہیں ان معاملات سے واقف نہیں ہونا چاہیے۔"

"بالکل ٹھیک۔" میں نے اس سے اتفاق کیا اور اسی وقت افشاں واپس آ گئی۔
"میں نے اشارے سے کہہ دیا ہے۔ ابھی تیار کر رہی ہے۔"
"ٹھیک ہے۔ بیٹھو۔"
"دروازہ بند کر دوں؟"
"بیٹھو۔" طالوت نے کہا اور وہ مسکراتی ہوئی ہمارے سامنے بیٹھ گئی۔ کافی دیر تک خاموشی سے بیٹھے رہنے کے بعد ہم نے بات شروع کی۔
"تمہارے زورات کے بارے میں سنا ہے، یہ سب کیا ہے۔ تم وہاں اور خدا ترس انسان ہے۔ کیا تم لوگ مانتے ہو؟ رشتے کی شکایات اس کے کانوں تک پہنچنے کی کوشش بھی نہیں کی؟" اس نے پوچھا۔
افشاں نے چند منٹ تک گردن جھکا کر سوچا۔ پھر آہستہ سے بولی "نانی زورات تک رسائی بہت مشکل ہے اور پھر صرف ایک بار میں نے کوشش کی تو ماموں تک بات پہنچ گئی تھی۔" اس نے آہستہ سے دروازے کی طرف دیکھا۔
"پھر کیا ہوا؟ رشتے نے؟"
"ہاں۔ اس کے بعد میری ہمت نہیں پڑی۔ لیکن افشاں بہت تیز ہے۔ اس نے کوشش کی تو رشتے نے اتنی دھمکی دی کہ وہ مجھے قتل کر دے گا تب مجبوراً افشاں بھی خاموش ہو گئی۔"
"بڑی افسوسناک ہے تمہاری کہانی۔ لیکن نانی زورات کے بارے میں ہم نے سنا ہے کہ وہ بہت اچھے انسان ہیں۔ عجیب بات ہے کہ ان کے زیرِ سایہ ایسے مظالم ہو رہے ہیں۔"
"نانی باپو تو بہت اچھے ہیں اور حقیقت میں اچھے انسان ہیں۔ یہ ان کی رحم دلی ہے کہ ہم جیسے لوگ ان کی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ تو پھر وہ کہاں گیا؟"
"کیا مطلب؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"ایں۔" افشاں چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔
"نانی زورات کہاں ہے؟"
"آپ کو نہیں معلوم؟"
"نہیں۔" میں نے گردن ہلائی۔
"کیوں؟ کیا آپ کا تعلق زورات سے نہیں ہے؟"
"نہیں۔ ہم تو یہاں بستی کے باشندے ہی نہیں ہیں۔ کہیں اور سے آئے ہیں۔"

"تم تو بہت بڑی بات ہے۔ میں نے تمہارے ساتھ بڑا غور تو نہیں کیا۔ تم دونوں مقامی ہو؟"
"نہیں۔"
"تمہاری آنکھیں کیسی ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔"
"تم نے اب غور کیا ہے؟"
"نہیں۔ پہلے بھی غور کیا ہے۔ لیکن سچ پوچھو۔ مجھے اپنے پاس آنے والوں سے سخت نفرت ہوتی ہے۔ سخت نفرت۔ میں ان سے ان کی ذات کے بارے میں کوئی سوال نہیں کرتی۔ تمہاری دوسری بات ہے۔"
"کیوں۔ ان میں کیا کمی ہوتی ہے؟"
دروازے سے شاہدہ کی آواز سنائی دی جو چائے کی ٹرے لیے اندر آ رہی تھی۔
"وہ شاہدہ۔ بہت نیک لوگ ہیں۔" افشاں جلدی سے بولی۔
"ہم کوئی نیکیاں کرنے آئے ہیں۔" وہ چائے رکھتے ہوئے ناک سکوڑ کر بولی۔
"شاہدہ۔" افشاں تیز لہجے میں بولی۔
"طالوت نے افشاں۔ اس نے چائے کی پیالی اٹھائی۔ یہ بہت پسند ہیں۔" طالوت نے کہا۔
"شکریہ۔ تمہاری پسند ہے۔ میں تمہارے پیسے نہیں لوں گی۔"
"شاہدہ۔ خدا کے لیے زبان بند رکھو۔ یہ کوئی بات نہیں۔ خدا کا شکر کرو۔"
"میں بچوں سے نہیں ڈرتی۔ سمجھیں۔" شاہدہ برا منہ بنا کر بولی۔
"ٹھیک ہے لیکن۔" افشاں بھی مسکرا کر شاہدہ کو گھورنے لگی۔
"بیٹھو شاہدہ۔" طالوت نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔
"بیٹھ جاؤں۔ غلام ہوں تمہاری!" وہ بدتمیزی سے بولی۔
"تو بیٹھ جاؤ۔ ہم تمہیں کچھ بتانا چاہتے ہیں۔ ہم لوگ شاہدہ کے ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو تمہارے خیال کے مطابق ہیں۔"
"کیا مطلب؟" شاہدہ کسی قدر نرم پڑ گئی۔
"ہاں شاہدہ۔ یہ انسان ہیں۔ نانی زورات کے رشتے والے بھی نہیں ہیں۔"
"لیکن انہوں نے خدا کو دولت کی قربانی دی ہے۔"
"یہ بھی تو تم سے کہہ رہی ہوں۔"

"مجھ پر ہنستی ہیں؟"
"صرف ممولن۔ اس سے زیادہ میں کچھ اور نہیں بتا سکتی۔"

وہ شدت حیرت سے انہیں گھورنے لگی اور طالوت نے بے اختیار ہو کر بہت کچھ پوچھ لیا۔ پھر اس نے ترمیم سے کہا "مجھے بتاؤ تم یہ سب کیسے جانتی ہو۔ زورات کی بیٹی کو کیسے جانتی ہو۔ وہ یہاں سے نہیں جائیں گے۔"
"میرا خیال ہے کہ تم۔۔۔ وقت آ گیا تو تم بھی زورات سے ملاقات کر سکو گی۔" ولشاد نے کہا۔

"اگر تم نے ممولن کو ان لوگوں کی طرح سمجھا تو تم سے بڑی غلطی ہوگی۔" طالوت نے کہا۔
"ہم ممولن سے واقف نہیں۔ صرف انسان ہیں۔ تو میں تم سے شرمندہ ہوں۔ وہ بے انسانوں کو دیکھتے ہوئے عرصہ بیت گیا ہے۔ یہاں تو صرف بھیڑیے آتے ہیں۔ انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ ہم ایسے ہیں اور یہ دونوں چلے جاتے ہیں۔" ولشاد نے کہا۔

ہم دونوں اس چھوٹی لڑکی کو غور سے دیکھتے رہے تھے اور اس سے متاثر تھے۔ وہ چند لمحے خاموش رہی۔ پھر بولی "تو زورات کے حالات معلوم نہیں ہیں۔"
"نہیں۔"

زورات سخت بحران سے گزر رہا ہے۔ کل تک جانتے ہو حالات کیا ہیں۔"
"گر مناسب سمجھو تو ہمیں بتا دو۔"
"قان زورات کو معزول کر دیا گیا ہے اور اس کی جگہ قائم ہونے کا ذکر کیا جا رہا ہے۔"
"کیا؟"
"ہاں۔ زورات کی ملکہ۔ قان زورات کی نوجوان بیوی۔"

"اور یہ سب کیسی بات ہے؟"
"وہ بچی نہیں ہے۔"
"قان کا پتہ نہیں چل سکا؟"
"بالکل نہیں۔ سخت کوشش ہو رہی ہے۔"
"کیا یہ ممکن ہے کہ برسر اقتدار لوگ اس میں ملوث ہیں؟"
"میرا خیال ہے لیکن ان کی ملکہ کی ہے شبہ نہیں کیا جا سکتا۔"

"اس کی کیا حیثیت ہے۔"
"سب سے بڑا خاندان ہے زورات کا۔ شاہی خاندان۔

بہت عزت ہے ان لوگوں کے ہاتھ میں ان کے اثر و رسوخ کی وجہ سے مضبوط ہیں۔"
"خوب۔" طالوت نے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ لڑکی اس کی دلچسپی محسوس کر رہی تھی۔ "یہ میرے لیے زورات کی بڑی خوش قسمتی ہے۔"
"نہیں۔ لیکن اگر ان کی حکومت ہوتی تو یہ تمہارے ساتھ کچھ ایسا کرتی؟"
"ماحول ہی کو تباہ کرنا ہے۔"
"یہ سب تمہارا خیال ہے۔" طالوت نے پوچھا۔
"قبیلے والوں کو چھوڑ دو۔ ان کی نیت ہی ٹھیک نہیں تھی۔"
"یہ کون ہے؟"
"قان زورات کا بیٹا۔"
"تو قبیلے کا ان واقعات سے کیا تعلق ہے؟"
"ہو سکتا ہے لیکن یہ بات تو طے ہے کہ زورات کی گمشدگی سے قبیلے کا ضرور تعلق ہے۔" ولشاد نے کہا۔
"ولشاد، اپنے الفاظ پر قابو رکھو۔" اچانک بوڑھی عورت نے کہا۔

"وہ ٹھیک کہتی ہے لیکن یہ کچھ نہیں۔"
"یہی اصل وجہ ہے۔ سمجھ میں نہیں آتی۔" طالوت نے عجیب طرح سے کہا۔
"اس میں چھپا ہوا ہے۔ یہاں ان لوگوں کا مزاج خراب ہے۔ اچانک کوئی حادثہ ہو گیا۔ عجیب سی حالت ہو گئی تھی۔ قان اتنے بڑے گھر میں اکیلا رہ گیا تھا۔"

"اس کے بعد سے وہ تم بتاؤ کیا افسانہ؟" طالوت نے کہا۔
"میں کیا کہتی ہوں۔ میرے اپنے حالات نے مجھے کسی اور معاملے میں مداخلت کی اجازت نہیں دی۔"
"خوب۔" طالوت خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے گردن ہلائی اور پھر کچھ پوچھنے سے پہلے ہی رک گیا۔ "مجھے افسوس ہے۔" قان اپنی ذات کو تنہا رکھنا چاہتا تھا۔"
"اچھا۔" اس نے ملائمت سے کہا اور اٹھ کر باہر نکل گئی۔

"معاملات کی وجہ سے زیادہ عجیب ہیں۔ یہ تم بھی ان میں دلچسپی لے رہے ہو؟"
"بالکل۔" میں نے مسکرا کر کہا۔
"گویا تمام ایک فریق ہے۔ قان زورات نے ان میں اس کا ہاتھ ہے اور دوسرا فریق وہ ہیں جنہیں ہم



سے ان میں سے اور بزرگوں کی بات ہی نہیں ہے علم میں آ چکی ہے۔ دوسرا فریق چاہتا ہے ان لوگوں کی حکومت پر اثر ہو جائے۔"
"ٹھیک ہے۔"
"تو پھر یہ بے فریق ہم جیسے لوگ ہیں جو صرف اصلیت جاننے والوں میں سے ہو۔"
"تب تو قبیلے کی بات بھی نہیں ہو سکتی۔"
"اسے ابھی پتہ ہیں۔"
"اور وہ بہت اہم ہیں۔"
"ابھی سب کی تحقیق ہو سکتی ہے۔ تم فکر مت کرو۔ بس یہ بتاؤ کہ اس حصے میں ہم اپنے لیے کیا کریں؟"
"بالکل۔" میں نے جواب دیا۔
"تو لطف آئے گا۔ حالات تمہارے لیے کیا معلوم ہو رہے ہیں؟"

کچھ وقت کے بعد خاموشی آ گئی۔ مگر اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ اس کی مسکراہٹ سے سخت نفرت محسوس ہوئی تھی۔ تب طالوت نے اس سے گفتگو شروع کی۔
"چھوٹی لڑکی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"
"میں ابھی وہ تیار نہیں ہے۔"
"میں یہ ساتھ رکھوں گی۔"
"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے بیٹی۔ مگر تمہارا دل گداز تو مگر بات ہے۔ وہ بڑی سخت مزاج ہے۔"
"چلو ٹھیک ہے اب تم دوسری بات بتاؤ۔ اگر میں ایک آدھ ہفتے تمہارے پاس رہنا چاہوں تو؟"
"بڑی خوشی سے۔"
"لیکن ایک شرط ہے۔"
"کیا؟"
"جب تک میں یہاں رہوں کا کوئی دوسرا نہیں آئے گا۔"
"اگر تم ایک ہفتے کی دلچسپی کرو گے تو وہ مجھے بہت خوش ہوگا۔"
"وہ کیا بات ہوئی؟"
"ہم خوشی سے رہیں گے۔" بوڑھی نے جیسے بے قراری سے مسکراتے ہوئے کہا اور طالوت نے دونوں کی ایک گہری نگاہ سے بوڑھی کی گود میں ڈال دی۔ پھر تم بوڑھی اس چھوٹی سی ریاست میں ایک ساتھ رہیں گی۔ یہ نا تو ممکن ہوگا۔ کوئی بھی اس کا ساتھ نہیں دے گی۔
"دونوں بھاگ جائیں گے، وہ اس کا کوئی انتظام ہوگا۔

چاہئے اور اگر ہماری مرضی کے خلاف کوئی گڑبڑ ہوئی تو قانون کی مدد بھی لی جا سکتی ہے۔"
"تم بالکل فکر مت کرو بیٹی۔" بوڑھی نے ہنستے ہوئے تمام خوشی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔
"دونوں لڑکیاں کو ہماری خدمت میں رہنا چاہئے۔ چھوٹی سے اگر بات نہ کی تو کسی اور قسم کی شکایت نہ کرے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم بالکل فکر مت کرو۔" بوڑھی نے زور زور سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔
"اب جا سکتی ہو۔" طالوت نے رعب سے کہا اور بوڑھی جلدی سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔ انداز ایسا تھا جیسے ڈر رہی ہو کہ کہیں اس سے چھین نہ لیے جائیں گے۔ اس کے باہر نکلتے ہی طالوت اسے کونے میں دیکھنے لگا۔ "مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے یہ بوڑھی کچھ یاد کر رہی ہو۔"
"اور اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"
"ٹھیک۔" طالوت دانت پیسنے لگا۔
"اب کیا پروگرام ہے؟"
"باہر نکلیں گے۔ حالات دیکھیں گے۔ کیسے کیسے معاملات ہیں۔ ایک ایک کر کے حالات سے واقفیت حاصل کرنا ہوگی۔"
"کب چلو گے؟"
"بس تھوڑی دیر کے بعد۔"
"میرا خیال ہے کہ تم کو تکلیف دینا پڑے گی۔"
"کیوں؟"
"تمہاری حالت۔ تمہیں مقامی لباس کی ضرورت ہوگی۔ ورنہ لوگ فوراً پہچان لیں گے۔"
"ٹھیک کہتی ہو۔" طالوت نے خیال انداز میں کہا۔ اس کے بعد ہم نے کچھ اسی موضوع پر گفتگو کی۔ بوڑھی کا پیغام لے کر ایک آدمی آیا۔ وہ بتا کر چلا گیا کہ ہمارے لیے تیاریاں ہیں اور پھر ہم نے ہماری مرضی کے مطابق لباس تیار کر دیئے۔

باہر نکل رہے تھے کہ ولشاد نظر آئی۔ وہ تیزی سے ہماری طرف بڑھ رہی تھی۔ ایک دم ٹھٹک گئی۔ اس نے چہرے پر شدید حیرت کے آثار نظر آئے اور پھر بات ہو کر وہ جھجک سے انداز میں مسکرا دی۔
"کیوں۔ کیا بات ہے؟"
"تم دونوں۔ تم دونوں ایک دوسرے کا آئینہ معلوم ہوتے ہو۔ بہت اچھے لگ رہے ہو تم دونوں۔ کوئی نہیں

"دیکھو، تم نے [illegible] ..."

"اچھا۔" طالوت مسکرایا۔

"ہاں، بہادر تو تم ہو لیکن؟"

"زورات کی پرواہ مت کرو۔"

"وہ شام کو یہاں آ جائیں گے؟"

"ہاں۔"

"تب ٹھیک ہے، خانم کہہ رہی تھی کہ [illegible] یہاں رہو گے اور جب تک تم رہو گے اور کوئی نہیں [illegible]۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہے۔"

"تم نے خانم سے بہت پہلے [illegible]؟"

"[illegible] میں نے [illegible] کہہ رہی تھی [illegible]۔"

"ہاں۔ کہہ رہی تھی کہ تم لوگ بہت اچھے معلوم ہوتے ہو۔"

"اس سے تمہارے اوپر کیا فرق پڑتا ہے؟"

"میرے اوپر کیا فرق پڑے گا۔ میں تو دولت پر [illegible] ہوں۔" اس نے [illegible] سے مسکرا کر کہا۔

"[illegible] خوش کر دیا۔ بس اب جاؤ۔" طالوت نے کہا اور میرا شانہ پکڑ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ [illegible] زندگی میں [illegible] نکل [illegible]۔ تب زورات [illegible] دشمنی [illegible] کی [illegible] مقامات [illegible] اصول اور [illegible] بھی تھے۔

[illegible] اس [illegible] اور [illegible] اپنی [illegible] سب [illegible] ہوا [illegible] خوش [illegible] طرف [illegible] گئے۔

[illegible] ایک [illegible] ایک [illegible] ایک عجیب سی [illegible] تھی، ایک عجیب سا احساس۔

[illegible] تھے۔ [illegible] وقت وہ [illegible] طالوت نے [illegible] خواب [illegible] رہے تھے۔

"[illegible] تم لوگ؟" ان میں سے ایک نے [illegible] پوچھا قریب [illegible] ہماری طرف دیکھنے لگے۔ طالوت نے میری طرف دیکھا اور [illegible] کا [illegible] اطمینان سے اپنے [illegible] کے منہ [illegible] تھا [illegible] طالوت نے [illegible] دوسرا [illegible] سے [illegible] ہاتھ [illegible]۔

طالوت نے [illegible] قوت [illegible] نکلے [illegible] شخص کے [illegible] کرنے [illegible] لہذا [illegible] اس نے [illegible] اور طالوت کی طرف [illegible] طالوت نے اس کے [illegible] اطمینان سے [illegible]۔

[illegible] والے کی [illegible] رہی [illegible] اور [illegible]۔

"[illegible] کیا چاہتے ہو؟"

"[illegible]" [illegible] طالوت کے [illegible] طالوت نے [illegible] قوت سے [illegible] کو [illegible]۔

[illegible] اور [illegible]۔

"[illegible] اور کیا چاہتے تھے۔" میں نے [illegible] سے کہا۔

"[illegible]" طالوت نے [illegible] سے [illegible]۔

"معلوم تو کیا ہو گا۔"

"یہ ضرورت سے زیادہ [illegible] اب [illegible] ہے۔ میں معاملات میں مداخلت چاہتا ہوں۔ [illegible] یہاں کے [illegible] سسپنس کا شکار ہیں ہمیں بھی حالات سے واقف ہونا چاہئے۔"

"تو پھر کام شروع کرو۔ تمہارے لئے یہ مشکل ہے۔"



"[illegible]"

"زورات کے [illegible]" میں نے جواب دیا۔

"تو [illegible]" طالوت نے میری [illegible] میں [illegible] اور میں گرتے گرتے بچا۔ [illegible] بعض اوقات اس [illegible] تھیں۔ [illegible] سنبھلا تو زورات [illegible] میں [illegible] گیا تھا۔

"یہ [illegible] ہے؟" میں نے پوچھا۔

"[illegible] زورات [illegible]۔"

"اوہ، اب؟"

"[illegible] طالوت نے کہا اور [illegible] ہاتھ پکڑ کر ایک طرف [illegible]۔

"[illegible] کام کر کے دیکھ [illegible]؟"

"بالکل۔" طالوت نے جواب دیا۔ اس نے [illegible] چہرے پر [illegible] کے صدر دروازے [illegible]" طالوت [illegible] طالوت خود [illegible] اور ہم [illegible] سے [illegible]۔

[illegible] کے بعد ہم [illegible] زورات کے خوبصورت [illegible] دروازے پر [illegible]۔ طالوت نے دروازے پر [illegible] دروازہ اندر سے بند تھا۔

"[illegible]" طالوت نے [illegible]۔

"[illegible]" [illegible]۔

"ٹھیک ہے۔" طالوت نے [illegible] دروازہ [illegible] اور [illegible] ہو گئے۔ [illegible] کھلا اور دو [illegible] نکل آئے۔ [illegible] باہر نکلے [illegible] خانم کے [illegible] تھیں [illegible] اور [illegible] چہرے پر پریشانی [illegible] دروازے [illegible] رہی تھی۔

دونوں نوجوان [illegible] "[illegible] خانم۔" ان میں سے ایک نے [illegible]۔

"[illegible] تھی؟"

"[illegible]۔"

خانم [illegible] ان دونوں [illegible]

[illegible] ایک [illegible] سانس لے کر بولی "میں جانتی ہوں زورات کے [illegible] دشمن ہو گئے ہیں۔ [illegible]۔"

ایک نوجوان نے دروازہ بند کر دیا اور وہ دونوں کرسیاں [illegible] گئے۔

"[illegible] تھے تم؟" خانم نے پوچھا۔

"امیر [illegible] کے [illegible] ہے۔ بہت جلد [illegible] گا۔"

"میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ [illegible] کہاں ہے۔ اگر وہ مجھے مل جائیں تو میں [illegible] ان کے سپرد کر کے خود [illegible] کروں۔ ان کے بنا تو میں مر بھی نہیں سکتی۔"

"آپ ہمت نہ ہاریں، خانم۔ حالات کا مقابلہ کرنے میں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔"

"[illegible] خوش رکھے۔ تم جیسے چند انسانوں کے سہارے سے [illegible] زندہ ہوں۔ خدا کی قسم حقیقت سامنے آ جائے اس کے بعد [illegible] زندگی بھی خوشی سے [illegible] کی [illegible] داغ [illegible] مر بھی نہیں سکتی۔ میرے والدین [illegible] ان کی بھی عزت ہے۔" خانم کی آواز میں [illegible] شامل تھی۔

"آپ ہمارے [illegible] خانم۔ ہم آپ کے لئے جان [illegible]۔"

"[illegible] کیا [illegible]؟"

"[illegible] امیر [illegible] محل سے کوئی پتہ [illegible] تھے۔"

"[illegible] نشانوں [illegible]۔"

"[illegible] کوششوں میں ناکام ہونے [illegible] کے بعد پہلے ہم خود کشی کریں گے۔ پھر آپ" نوجوان نے کہا۔

خانم [illegible] تھی۔ پھر اس نے گہری سانس لی اور بولی "[illegible] تم جاؤ۔ میں انتظار کروں گی۔" اور دونوں نوجوان اٹھ گئے۔

"[illegible]" طالوت نے میرے کان کے قریب سرگوشی کی اور ہم دونوں بھی ان نوجوانوں کے ساتھ باہر نکل آئے۔ نوجوان آگے بڑھ گئے تھے۔ جب وہ دور نکل گئے تو طالوت نے [illegible] ظاہر [illegible] میں نے بھی [illegible] دوشالہ اتار دیا اور پھر طالوت نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے۔ اندر آ جاؤ۔" خانم کی آواز ابھری اور ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔ خانم نے ہماری طرف دیکھا اور

[illegible]

"... ہم ... ہیں۔" طالوت نے ... کہا۔

[illegible]

[illegible]





"لیکن بدقسمتی سے میری نظر ... نہ ... ہے۔"
"ہم بدقسمتی سے آپ کی ... کے ... ہیں۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ ... اجازت دیں۔"
"خدا حافظ۔" ... غلام گردش ... طالوت ... طرف چل پڑے۔ طالوت کی خاموشی ... رہی تھی۔ ...
"کیوں؟" میں نے ...
"کام شروع کر دیا؟"
"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔
"تو پھر ابھی سے شروع ہو جائے۔"
"یہ بھی ٹھیک ہے۔"
"... خان ... پھر شروع ..."
"کیا ارادہ ہے؟"
"اس سے پہلے ... ایک ایک کر کے انہیں ... ہے۔"
"مشغلہ؟"
"... میرا خیال ہے ... اسطرلاب سے ... ہیں۔"
"کیا عرشیہ؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"... مجھے ... کیا ضرورت ہے۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر ایک گزرتے ہوئے ملازم کو روک کر پوچھا "... خانم عرشیہ کہاں ہیں؟"
"خانم اپنی خواب گاہ میں ہیں اور ... تیار ہو رہی ہیں۔"
"اور ... کہاں ہے؟" طالوت نے پوچھا۔
"اس عمارت کے پیچھے ... مگر تم کون ہو؟" ملازم نے پوچھا۔
"دوسری طرف توجہ دو۔" طالوت بولا اور ملازم حیرت سے ... لیکن پھر اس کی گردن خود بخود دوسری طرف گھوم گئی۔ ... ملازم ...
"آؤ۔" طالوت نے کہا اور میں ... اس کے ساتھ چل پڑا۔ عمارت کے پیچھے درحقیقت ایک خوبصورت ... تھا

جس کے درمیان ایک ننھا سا کاٹیج بنا ہوا تھا۔ طالوت نے ... اس حسین ... کو دیکھا۔ "... ہے۔" اور ہم کاٹیج کی طرف بڑھ گئے۔
کاٹیج کے دروازے پر کوئی ... موجود نہیں تھا۔ ہم ... اطمینان سے اندر داخل ہو گئے۔ ایک ... راہداری سے گزر کر ایک کمرے کے دروازے پر رکے۔ طالوت نے دروازے کو دھکیل کر دیکھا۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ اس نے اطمینان سے دروازہ کھول دیا۔
بہت ہی خوبصورت کمرہ تھا۔ ... قالین بچھا ہوا تھا۔ ... فرنیچر موجود تھا۔ ایک آرام دہ کرسی پر ... کی طرف پشت کئے کوئی بیٹھا تھا۔ ... بال کرسی سے ... لٹک رہے تھے۔
... پھرتی سے پلٹی کہ ہم حیران رہ گئے۔ اس کے ہاتھ میں ... نظر آ رہا تھا اور آنکھوں میں ... اس نے ... ہم دونوں کو ... بولی۔
"... مجھے تم سے ... کوئی خوشی نہیں ہوئی۔"
"... طالوت نے ایک ... سامنے ..."
"... میں ... سے بولا۔
"ہوں۔"
"اس کی آواز ... ہے۔"
"...۔" طالوت نے جواب دیا۔
"کیا خیال ہے؟"
"بہت خوبصورت آواز ہے۔"
"مذاق مت اڑاؤ، میرا مطلب ہے۔"
"... مطلب ... تھوڑی دیر خاموش رہو۔" طالوت نے ... کہا۔
"... لڑکی بہت مضبوط اعصاب کی مالک معلوم ہوتی تھی۔
"اوہ... تم ... نہیں رکھتے۔" طالوت نے جواب دیا۔
"... حیرت انگیز طور پر ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔"
"... میرے پاس کس کام سے آئے ہو؟" لڑکی نے ... مجھے اس کے اس انداز ... نہیں تھی۔ میں اس کی آواز سے اسے پہچان گیا تھا۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ وہی عورت تھی جو پچھلی رات

ہمیں پہاڑوں میں ہی تھی۔

طالوت اطمینان سے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ میں بھی [illegible] کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ لڑکی اطمینان سے کرسی پر بیٹھی [illegible] اس کے [illegible] مشغول میں وقت ہو۔

[illegible] آپ [illegible] کون ہو [illegible] تم دونوں [illegible] ہو؟"

"کون سے سوال کا جواب پہلے دوں؟"

"تمہاری ذات سے مجھے دلچسپی نہیں ہے۔ اپنا مقصد بتاؤ۔" اس نے صاف لہجے میں کہا۔

"تمہارا نام مرشیا ہے؟"

"ہاں ہے۔" اس نے مختصراً کہا۔

"پھر [illegible] ہے۔" طالوت نے [illegible] کہا۔

"مگر تم دونوں کون؟" [illegible] نے [illegible] کہا۔

"دونوں کا تاثر [illegible] نہیں ہے۔" [illegible]

"کیا مطلب؟" وہ چونک پڑی۔

"پچھلی رات پہاڑوں میں ہم نے تمہیں [illegible] کرایا تھا۔ اس وقت [illegible] تھے۔ [illegible] ہو گئے تھے۔" میں نے [illegible] اور [illegible] تھا [illegible] کے لئے [illegible] لیکن [illegible] اعصاب [illegible] تھی۔ [illegible] اور [illegible] ہو۔

"میرا خیال ہے تم [illegible] لیکن [illegible] حالت [illegible] ہے [illegible] اندر [illegible] ہے [illegible] میرے پاس [illegible] مقصد [illegible] اپنی [illegible] میں [illegible] ہو۔"

"خاتون مرشیا۔ ہم اس وقت بھی آپ [illegible] آپ کے [illegible] کوئی تعلق نہیں ہے اور [illegible] ہیں۔ [illegible] کے [illegible] ہیں۔ [illegible] آپ [illegible] مدد کی جائے [illegible] آپ کی [illegible] ہیں۔"

"تم دونوں مجھے [illegible] معلوم ہوتے ہو۔ مجھے کسی کی مدد درکار نہیں ہے [illegible] بات [illegible] ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ ہم سے [illegible] نہیں [illegible] لیکن [illegible] ہے [illegible]

[illegible] زور [illegible] اور [illegible] سے [illegible] اس [illegible] ہو گئی۔

"[illegible] قریب [illegible] کھڑی [illegible] مرشیا۔" طالوت نے [illegible] کہا۔

[illegible] پوچھا [illegible] ہو؟"

"ایسا خیال ہے [illegible] آپ سے [illegible] جائے [illegible] آپ بھی زورات سے [illegible] ہوں۔" طالوت نے کہا۔ وہ [illegible] آپ [illegible] اور [illegible] سے [illegible] اس سے [illegible] اس [illegible] میں [illegible] آ رہی تھی۔

"[illegible] کی [illegible] ہو [illegible] اپنے مقصد میں [illegible] مرشیا [illegible] نہیں ہے۔"

"[illegible] ہے [illegible] مرشیا۔" طالوت نے [illegible] کہا۔

"[illegible] چاہتے ہو کہ تمہیں [illegible] زورات [illegible] ہے۔" وہ غرائی۔

"ہمیں [illegible] آتے [illegible] کسی نے نہیں دیکھا۔" طالوت بولا۔

"[illegible] مطلب [illegible] ہے؟"

"اگر آپ [illegible] چاہیں [illegible] نہیں [illegible] آپ [illegible] خاص [illegible] ہوں [illegible] انہیں [illegible] ہیں۔"

"فوراً یہاں سے چلے جاؤ [illegible] ہو۔"

"[illegible] زورات [illegible] ہو [illegible] طالوت نے [illegible] کہا۔

"[illegible] ہو [illegible] زورات [illegible] مرشیا [illegible] کر [illegible] اس [illegible] ہو [illegible] اس نے [illegible] ہوئے [illegible]

"ٹھیک ہے [illegible] مرشیا [illegible] نہیں ہے [illegible] ہو [illegible] چلے [illegible]

"مجھے افسوس ہے میں تمہارے ساتھ دوستانہ سلوک نہیں کر سکتی۔"

"خیر یہ تو بتاؤ کہ قتیل سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟"

"قتیل؟" وہ چونک پڑی۔

"ہاں اسے تو یہاں آنا ہی ہے۔ یہاں آ کر وہ تم سے ملے بغیر نہیں رہ سکے گا۔"

"اور اس کے باوجود تم خود کو شریف انسان کہتے ہو۔ بہتر ہے کہ ملازم سے پوچھ لو وہ تمہیں اس کے پاس پہنچا دے گا۔" اس نے نفرت بھرے انداز میں ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا۔

"یہ تو بہت بہتر ہوگا۔" طالوت نے میری طرف دیکھا۔ "بہت بہتر جانی نہرا ہے۔"

"یقیناً۔"

"چلو۔" میں نے بھی اس مختصر سے انداز میں جواب دیا اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔ حیرت کی بات تھی کہ ہم اس طرح اس عورت کے سامنے شرمندہ رہے تھے یہ ہماری نفسیات تھی۔

طالوت پر پھر سنجیدگی طاری ہو گئی تھی۔ ہم باغ سے نکل کر پھر دوسری عمارت میں گئے۔ "بہرحال مرشیا بھی ان معاملات میں مخصوص عورت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن میرے ذہن میں ایک سوال ہے۔"

"کیا؟"

"وہ قتیل کا ساتھ دیتی ہے یا اس کے ساتھی اور لوگ بھی ہیں؟"

"معلوم کرنا پڑے گا۔"

"ویسے تمہیں اس کے بارے میں معلومات ہیں؟"

"ہاں۔ تم بھی جانتے ہو کہ قتیل ان لوگوں سے نہیں ہے جو پہاڑوں میں موجود تھے۔ گویا وہ خود زورات یا خاص کے دشمنوں میں سے نہیں ہے۔"

"لیکن تم اسے اس طرح کیوں [illegible]"

"کیا مطلب؟"

"قتیل زورات کا ہے۔ وہ تمہارے دشمنوں میں سے ضرور ہو سکتا ہے۔" طالوت نے آگے بڑھتے ہوئے ملازم کو روکا اور وہ ان کے قریب آ گیا۔

"قتیل زادہ قتیل کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں۔ مگر تم کون ہو؟"

"قتیل کے دوست۔ تم ہمیں اس کے کمرے تک پہنچا دو۔"

"آؤ۔" ملازم نے کہا اور ہم اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ اس نے ایک اونچے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ہے قتیل زادہ کی خواب گاہ۔ اگر دوست ہو تو اندر چلے جاؤ۔ ساری ذمہ داری تمہاری ہے۔"

"پرواہ نہ کرو۔ ہم دونوں خوش ہیں۔" طالوت نے کہا اور مجھے اشارہ کیا۔ ہم نے دروازے کو دھکیلا اور دروازہ کھل گیا۔ یہ ایک کمرہ کہا جا سکتا تھا وہ کمرہ نہ تھا بلکہ ایک عظیم الشان ہال تھا جس کی بناوٹ جدید ترین تھی۔ عقبی حصہ کھلا ہوا تھا اور دوسری طرف بھی دو دروازے نظر آ رہے تھے جو کھلے ہوئے تھے۔ ہم نے خالی ہال کو دیکھا اور پھر ایک دوسرے کی طرف۔

"دروازے۔" طالوت نے کہا۔

"ہاں۔" میں نے کہا اور ہم دونوں کھلے ہوئے دروازوں کی طرف بڑھ گئے۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ کونسے دروازے سے داخل ہوا جائے۔ چنانچہ ایک دروازے سے میں اور دوسرے سے طالوت اندر داخل ہو گئے۔

لیکن دونوں دروازے اسی دوسرے بڑے ہال کے تھے اور یہ ہال خالی نہیں تھا۔ کئی ہا۔ قوی ہیکل لوگ [illegible] بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک اونچی مسند پر [illegible] لیکن سب سے نمایاں ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا جس کی شکل و صورت تو اچھی تھی لیکن چہرے پر شرافت نہیں تھی۔ آنکھیں سرخ اور ڈراؤنی تھیں۔ اس کے سامنے میز پر شراب کی بوتل اور گلاس رکھا ہوا تھا۔ وہ تنہا ہی پی رہا تھا۔ دوسرے لوگ اس کے سامنے کسی مؤدب نظر آ رہے تھے۔

نوجوان کا رخ سامنے ہی کی طرف تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ اس کے انداز پر اس کے سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی احساس ہوا اور ان کی گردنیں بھی گھوم گئیں۔

نوجوان خونخوار نظروں سے ہمیں گھورتا رہا۔

"سب ہی خوش ہیں۔" طالوت نے آہستہ سے کہا۔

"[illegible]" نوجوان کی بھاری آواز سنائی دی اور طالوت خوبصورت انداز میں آگے بڑھ گیا۔ اس نے میری [illegible] بھی پکڑی تھی۔ اس طرح ہم دونوں اس کے قریب پہنچ گئے۔

"کون ہو تم لوگ؟" نوجوان دہاڑا۔

"[illegible]" پہلے طالوت اور پھر میں نے جھکتے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیا ہوا اس سے؟" نوجوان دہاڑا۔

"[illegible] تم [illegible] ہوں گے۔"

"تمہیں اندر کیوں آنے دیا گیا؟"

"ہم شفیق خان سے ملنا چاہتے ہیں۔"
"کیوں؟"
"دلچسپ آدمی دکھائی دیتا ہے۔" طالوت اسی انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔
"کس سے ملنا ہے؟" شکیل خان نے پوچھا۔
"ہاں۔"
"میرا نام شکیل ہے۔" شکیل کی مونچھوں کے نیچے ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔
"خوب۔" طالوت نے خوش ہو کر کہا اور آگے بڑھ کر تعظیم سے بغل گیر ہونے لگا۔ شکیل کا کندھا تھپتھپایا تو اس کے ساتھی اچانک مستعد ہو گئے تھے۔ ان کے ہاتھ پستولوں پر پہنچ گئے تھے۔

شکیل نے اسے دور دھکیلا۔ اس کے چہرے پر غصے کے آثار تھے۔ "تم ان لوگوں سے پوچھ لو۔ میں ان کا ہوں۔" کہاں انہیں سمجھا ہے۔ رک کر ان کے موں کی تلاشی لو۔" شکیل نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے پستول نکال لئے۔ پھر ان کے رخ ہماری طرف کرتے ہوئے بولے۔
"اپنے ہاتھ بلند کر دو۔" اور ہم دونوں نے نہایت شرافت سے ہاتھ اوپر کر دیئے۔
ان میں سے ایک آدمی نے ہم دونوں کی جامہ تلاشی لی۔ لیکن ہمارے پاس معمولی سا چاقو بھی نہیں تھا۔ اس نے شکیل کی طرف رخ کر کے گردن ہلائی اور ہم نے ہاتھ نیچے کر دیئے۔
"ہاں۔ اب بتاؤ۔ تم کون ہو۔ کس نے بھیجا ہے۔ اور کیا چاہتے ہو؟"
"خان زورات کے بارے میں معلومات کرنے آئے ہیں۔"
"کیوں؟" شکیل نے پوچھا۔
"یہاں پہنچے ہیں تم نے؟" طالوت نے کہا اور شکیل کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیل گئیں۔ وہ خونخوار نظروں سے ہمیں گھور رہا تھا۔
"کس نے بھیجا ہے تمہیں؟" اس نے کہا۔
"ہم خود آئے ہیں۔"
"تمہیں خان زورات سے کیا دلچسپی ہے؟"
"اس سے ہماری پرانی دوستی ہے۔" طالوت نے اسی انداز میں کہا۔
"ہاں۔ معلوم ہے ان دونوں سے کس نے ملایا ہے۔

انہیں۔" اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور ان چاروں نے پستول ہولسٹروں میں رکھ لئے۔
"خان زورات کہاں ہے شکیل۔ اگر اس نے تمہارا کچھ بگاڑا ہے تو صاف صاف بتاؤ۔ انہیں ہم سے ملوانے پر تیار ہو ورنہ دوسری صورت میں ہم تمہیں مزا دینے کے لئے تیار ہیں۔" طالوت نے سخت لہجے میں کہا۔
"خیال تو ٹھیک ہے ان کا۔ مگر ہے تو یہ محض ہماری بات۔" شکیل نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا اور وہ سب ہنس پڑے۔ لیکن طالوت بے خبر تھا۔ میں سمجھ گیا کہ خوب ہی ہونے والا ہے۔ بھیڑیئے کی طرح اس کے ہونٹ ہلے اور شاید اس کا منہ بیٹھ گیا۔ تیزی سے طالوت نے ان میں سے ایک کو جو اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا اٹھا لیا اور پھر اس کی کھوپڑی سے دیوار سے ٹکرا دی۔ قتل و خون کا کھیل شروع ہو گیا۔ شکیل نے پستول نکال کر چلایا لیکن پستول اس کی ہتھیلی میں ایسا چپکا کہ کسی صورت نہ نکل سکا۔

شکیل چاروں شانے چت زمین پر پڑا تھا اور ہم دونوں کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ چند لمحات کے بعد ان میں سے ایک کو ہوش آنے کی ہمت نہ رہی۔ تب طالوت ہاتھ جھاڑتا ہوا شکیل کی طرف بڑھا۔ اس نے شکیل کا بازو پکڑ کر اسے اٹھایا اور پھر اس کا پستول نکال کر اس کے سامنے کر دیا۔
شکیل اپنے ساتھیوں کی طرف اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ وہ حالت بیان کرنے کے قابل نہیں تھا۔ پھر شکیل نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔
"کیا یہ سب مر گئے؟"
"نہیں صرف بے ہوش ہیں۔"
"اوہ۔ شکریہ۔"
"کیا تم بھی مار کھانا چاہتے ہو شکیل؟" طالوت نے پوچھا۔
"تم لوگ۔ تم میری توقع سے کہیں زیادہ طاقتور ہو۔ جانتے نہیں۔ میں کون ہوں؟"
"مجھے یہ جاننے کی ضرورت نہیں ہے شکیل۔ میں جو کچھ جاننا چاہتا ہوں وہ تم مجھے بتاؤ گے۔"
"تم زبردست انسان معلوم ہوتے ہو۔" شکیل نے ہونٹ سکوڑ کر اپنے ساتھیوں کو دیکھا۔ پھر گویا اس کی ہمت نہیں پڑی تھی۔
"میرے ساتھیوں کی تم کوئی فکر مت کرو۔ ہوش میں آ کر میری بات کا جواب دو گے؟"



"خان زورات کہاں ہے؟"
"یہ تمہیں کس نے بتایا ہے؟" شکیل نے پوچھا۔
"شکیل۔ صرف میرے سوال کا جواب دو۔"
"اگر نہیں اس نے بتایا تو میں اس سے نپٹ لوں گا۔ میں دیکھوں گا وہ کیا سمجھتا ہے خود کو۔" شکیل نے کہا اور طالوت نے ہاتھ بڑھا کر اس کی گردن پکڑ لی۔
شکیل لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ لیکن طالوت کا ہاتھ اور زیادہ سخت ہو گیا۔ اس کے ہونٹ سے خون بہنے لگا۔ اس کی خونخوار آنکھوں میں بھی خون اتر آیا۔ لیکن اس نے دوسرے لمحے طالوت پر جھپٹ پڑا۔
"مردود۔ میں تجھے مار ڈالوں گا۔" وہ کسی زخمی درندے کی طرح غرایا تھا اور اس نے طالوت کی گردن پکڑ لی۔ لیکن دوسرے لمحے طالوت نے جھٹکا دیا۔ اس کے حلق سے ایک کراہ نکلی اور وہ دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ طالوت نے اسے پکڑا اور اس نے شکیل کا ایک بازو پکڑ کر مروڑ دیا۔ شکیل دوہرا ہو گیا تھا۔
"خان زورات کہاں ہے؟"
"چھوڑ دو۔ چھوڑ دو مجھے۔ ورنہ میں۔ چھوڑ دو۔" شکیل طاقت صرف کرنے لگا۔ لیکن طالوت کی گرفت سے آزاد ہونا آسان کام نہیں تھا۔ اب اس کے بازو کی تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔
"خان زورات کہاں ہے؟" طالوت کا لہجہ بہت خونخوار تھا۔
"وہ۔ وہ میرا چچا اور۔ میرا خون خراب نہیں ہے۔" شکیل نے کراہتے ہوئے کہا۔ "کیا مطلب ہے اس کا؟"
"اگر مجھے خان زورات کے بارے میں معلوم ہوتا تو میں خود بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھے نہیں بیٹھا رہتا۔" شکیل نے کہا۔
"تمہارے خیال میں خان زورات کو کس نے اغوا کیا ہے؟"
"ہاتھ تو چھوڑو۔ اوہ ہاتھ۔"
"پہلے جواب۔"
"امیر قبار نے۔ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"
"ہوں۔" طالوت نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ شکیل اب بھی درد سے کراہ رہا تھا۔
"امیر قبار نے خان زورات کو؟"
"مجھے نہیں معلوم۔"

"پھر شک۔" طالوت غرایا۔
"شک نہیں۔ بابو۔ مجھے نہیں معلوم۔ اگر معلوم ہوتا تو میں اسے چھڑانے کی کوشش ضرور کرتا۔ میرا اس سے اپنی ذات پر اختلاف ہو گیا ہے۔"
"تم مجھے پوری بات بتاؤ گے۔" طالوت نے اسے تنبیہ کا اشارہ کیا تھا۔
"کیا۔ کیا یہ مر گئے؟" اس نے پھر اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔
"ایک بھی نہیں مرا۔ فکر مت کرو۔ بیٹھ جاؤ۔"
اور شکیل بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر اب بھی تکلیف کے آثار ہو رہے تھے۔ "ایک گلاس۔ ایک پیگ لے لوں؟" اس نے کراہتے ہوئے کہا۔
"ضرور میری جان۔ ایک میری طرف سے بھی۔" طالوت چہکا۔ اور شکیل نے گلاس میں شراب انڈیلی۔ پھر اسے چند ہی گھونٹوں میں معدے میں اتار لیا۔ اور پھر ہونٹ پونچھتا ہوا طالوت کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہیں دروازے کی طرف بھی اٹھ جاتی تھیں۔
"تمہاری مدد کو اگر پوری فوج بھی آ جائے تب بھی تمہیں میرے پنجے سے نہ چھڑا سکے گی۔ کیا سمجھے؟" طالوت نے کہا۔
"مگر تم ہو کیا بلا؟" شکیل جھلائے ہوئے انداز میں بولا۔
"اصلی نام فرعون۔ تربوز۔ عزت پاسپورٹ نمبر ایک اور نمبر دو والے تم خدا کی قوم اور بھی کہہ سکتے ہو۔ ویسے ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ کام کی باتیں کرو۔"
"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"
"خوب ...... نہیں معلوم ہو گا۔ کیا پھر انجان بنے گے۔"
"ذلیل مت کرو۔ گولی مار دو۔" شکیل خان غرایا۔
"ذلیل کرنا مقصود نہیں ہے دوست۔ لیکن تم بھی تو دوستی کرو۔"
"خان زورات کے اغوا میں میرا ہاتھ نہیں ہے۔"
"تم نے امیر قبار کا نام لیا تھا۔"
"ہاں مجھے شبہ ہے۔ اسی نے خان کو اغوا کیا ہے۔"
"کیسے شبہ ہے؟"
"پہلے وہ۔ یہ تم میرے قریب پہنچ گئے۔"
"نہیں۔"
"وہ خانم کے خلاف سازش کرنا چاہتا تھا۔ خانم کے خاندان سے اس کی پرانی دشمنی ہے۔ میں بھی اس کے قریب

میں آ گیا تھا۔ اور اس کے قریب سے گزر کر میں نے ایک قہقہہ لگایا۔"
"وہ کیا کام تھا؟"
"میں نے کسی کو نہیں بتایا۔" تخیل غرایا۔
"مجھے بتاؤ میری جان۔ کسی سے کہنے تھوڑی جا رہا ہوں۔"
"میں نے اپنی ماں کو بدنام کیا۔"
"کیا مطلب؟"
"میں نے اپنی زبان سے کچھ نہیں کہا۔ لیکن میں نے میر قہار کی پھیلائی ہوئی افواہ کی تردید بھی نہیں کی۔ ولی عہد حکومت کرے [illegible]۔"
"خانم میری ماں ہے۔ میں نے کبھی اسے بری نظر سے نہیں دیکھا لیکن امیر قہار۔ مکار انسان نے میرے اور اس کے تعلقات کی افواہ پھیلائی اور میں نے خاموشی اختیار کر لی۔"
تخیل نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔
"امیر قہار کا مقصد کیا تھا؟"
"بادشاہت، پروگرام اور حکومت کا حصول۔"
"ہم تمہاری مدد بھی کر سکتے ہیں تخیل۔ تم نے ہماری دشمنی دیکھی ہے۔ دوستی بھی آزماؤ۔ لیکن اس کے لئے تمہیں ایک ایک لفظ صاف صاف بتانا پڑے گا۔" طالوت نے کہا۔ تخیل کچھ دیر تک منہ چھپائے رہا پھر اس نے آہستہ آہستہ ہاتھ نیچے گرا دیئے۔
"لیکن ممکن نہیں ہے۔ بہت کچھ تمہیں بتا چکا ہوں۔ حالانکہ مجھے ابھی تک نہیں معلوم کہ تم کون ہو؟"
"ہم تمہیں بتا چکے ہیں۔ ہم جو کوئی بھی ہیں، تمہارے دشمن نہیں ہیں نہ خان زورات کے۔ ہم سب کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ بالواسطہ اس لئے تمہیں تباہ نہیں ہونا چاہئے۔"
"میں کوئی بھی ہوں۔ طاقتور ہوں اور طاقت بذات خود بہت کچھ ہوتی ہے۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس میں ایک لفظ غلط نہیں ہے۔ اس کے بعد اگر تم میرے بیان کی روشنی [illegible] تب بھی [illegible] تمہیں معلوم کر لو گے۔"
"ہم تمہارے اوپر اعتبار کریں گے تخیل خان۔"
"خان زورات میرا مہربان چچا ہے۔ اس کی ذات سے نہ صرف مجھے بلکہ کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ مجھے اس سے کوئی اختلاف نہیں تھا۔ لیکن میں امیر قہار کی لڑکی زرمینہ سے محبت کرتا ہوں۔ وہ بھی مجھے چاہتی ہے۔ ایک بار امیر قہار اور اس کے بیٹے زرخان نے میرے لوگوں کو [illegible]۔ زرخان نے تلوار نکال لی۔ لیکن امیر قہار نے اسے روک دیا اور مجھے اپنے ساتھ لے گیا۔ [illegible] اس کے گھر پہنچ گیا۔ امیر قہار بڑی شفقت سے مجھے [illegible] تھا۔
"زرمینہ سے تمہارے کب سے تعلقات ہیں؟"
"تین سال سے۔" میں نے جواب دیا۔
"کہاں تک پہنچ چکے ہو؟"
"پاکیزگی کی حدود کے اندر محبت کی انتہائی منزل تک۔" میں نے کہا۔
"حیرت ہے!"
"بالکل سچ۔ محبت کی ہر منزل طے کرنے کے لئے تیار ہوں۔"
"زرمینہ سے شادی کرنا چاہتے ہو؟"
"ہاں۔"
"[illegible] اس کے لئے؟"
"تو مجھ سے کہا جائے گا۔"
"تمہاری حیثیت کیا ہے۔ سوائے اس کے کہ خان زورات کے بھتیجے ہو۔ کیا تم کبھی زورات کے حکمران بن سکتے ہو؟"
"شاید کبھی نہیں۔"
"لیکن میں زرمینہ کی شادی والئی زورات سے کرنا چاہتا ہوں۔"
"میرے لئے کیسے ممکن ہے؟"
"چاہو تو یہ عمل ممکن بن سکتا ہے۔"
"وہ کس طرح؟"
"پہلے تمہیں حلف اٹھانا پڑے گا کہ جو کچھ میں کہوں گا اسے راز رکھو گے۔ اس پر اسی طرح عمل ہوگا جس طرح میں کہوں گا۔ حلف اٹھائے بغیر کچھ ممکن نہیں۔"
میں زرمینہ کی محبت میں اندھا ہو رہا تھا۔ میں نے حلف اٹھا لیا۔ تب امیر قہار نے مجھ سے کہا۔ "اگر تم نے معاہدے کی خلاف ورزی کی تو نہ صرف زرمینہ سے ہاتھ دھونے پڑیں گے تمہیں اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے۔"
"مجھے منظور ہے۔" میں نے کہا۔ تب اس نے بڑی خوشی سے دوسری نشست میں ملنے کے لئے کہا اور زرمینہ سے مجھے ملنے کی اجازت دے دی۔ تم جانتے ہو میں اس کا کس قدر ممنون ہوا ہوں گا۔
اور پھر دوسری ملاقات میں اس نے دل کا حال کھول



دیا۔ اس نے کہا وہ زورات کی حکومت حاصل کرنے میں میری مدد کر سکتا ہے اور پھر اس نے پورا پروگرام بتایا۔ پروگرام کے تحت ہمیں سب سے پہلے خانم کی طرف زورات کا پتہ کاٹنا تھا۔ اس سے خطرہ ہو سکتا تھا کیونکہ اس کا خاندان بہت بااثر تھا۔ خان زورات کی موت کے بعد خانم کا خاندان برسر اقتدار آ سکتا تھا۔ ویسے خان زورات کی [illegible] اس کی کوئی آواز نہیں تھی۔ خانم خان زورات سے اپنے خاندان کے لئے کوئی وصیت نہ کرا سکتی تھی۔
زورات کی حکومت بہت دلکش تھی۔ [illegible] اور پھر میری محبت بھی مجھے مل رہی تھی۔ میں تیار ہو گیا اور میں نے اس پروپیگنڈے کی کوئی تردید نہیں کی جو میرے اور خانم کے بارے میں شروع ہوا۔ یوں میں نے اپنی ماں کو بدنام کیا۔ لیکن خان زورات کے اغوا کا پروگرام مجھ سے بھی پوشیدہ رکھا گیا۔ میں نے امیر قہار سے رابطہ قائم کیا۔ تو اس نے انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ خان کے اغوا میں اس کا ہاتھ نہیں ہے۔ میں نے اس سے سخت الفاظ میں کہا کہ خان زورات [illegible] میرے چچا [illegible] فوراً [illegible] چاہئے۔ تو اس بات پر میری اس سے تکرار ہو گئی۔ یہ ہے کل داستان۔ اور اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔"
"ہوں۔" طالوت نے گردن ہلائی "تو خانم کے خلاف پروپیگنڈہ مہم کس نے شروع کی ہے؟"
"میں نہیں جانتا۔" تخیل نے کہا۔
"اب تم کیا چاہتے ہو؟" طالوت نے پوچھا۔
"میں سخت الجھن میں ہوں۔ ایک طرف چچا ہے۔ دوسری طرف محبت۔"
"خان زورات کے اغوا کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"
"میرا شبہ امیر قہار کی طرف ہے۔"
"[illegible]"
"وہ [illegible] دولت مند ہے اور دولت [illegible] کرتی ہے۔"
"ہوں۔ تو تخیل۔ [illegible] مشورہ ہے کہ اس معاملے میں [illegible] کریں گے۔ [illegible]"
"[illegible] محبت کے [illegible]"
"ہم خدا [illegible]
لیکن زورات [illegible]
[illegible] کی ضرورت ابھی نہیں ہے۔ ہاں مرشا کے بارے میں [illegible] کیا کہتے ہو؟"
"[illegible] جب خانم سے فارغ ہوتی ہے اور بس۔"
"ٹھیک ہے۔ اجازت دو۔ بہت جلد تم سے ملاقات کریں گے۔" طالوت نے کہا اور پھر میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر واپسی کا اشارہ کیا اور پھر ہم دونوں گلی سے نکل گئے۔
"کیا خیال ہے خارق؟"
"ایک عجیب داستان ہے۔" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔
"ہے تو۔ لیکن میرا خیال ہے تخیل دھوکا نہیں ہے۔"
"ہو سکتا ہے۔"
"[illegible] اس کی آواز۔"
"ہاں [illegible] تخیل کی نہیں تھی۔"
"پھر؟"
"ابھی [illegible] ہے۔"
"امیر قہار؟"
"ہاں۔"
"اسے بھی دیکھ لیں گے۔ آخری مرحلہ ہے۔ اطمینان سے دیکھیں گے۔ آؤ [illegible] واپس چلیں۔" اور ہم [illegible] طرف چل پڑے [illegible] ہم دونوں [illegible]
"[illegible]" طالوت نے [illegible]
"[illegible]"
[illegible]

[illegible]
"تب آپ [illegible] آرام [illegible]"
گلاب کو [illegible]
"چلو۔" [illegible] "اور پھر ویران بیابانوں میں ایک مناسب جگہ ہم نے قیام کا فیصلہ کیا اور آرام کرنے لیٹ گئے۔ میرے ذہن میں عجیب سا خلفشار تھا۔ رات کے تین بجے اور طالوت انہیں حالات پر تبصرہ کرتے رہے اور پھر سو گئے۔ دوسری صبح گوشت کی سوندھی خوشبو سے میری آنکھ کھلی پشت کے پیچھے [illegible] بہت عمدہ آتی تھی۔ گردن گھما کر دیکھا [illegible] چاہوا تھا۔ [illegible]
کہاں کی نیند [illegible] طالوت میرے سرہانے ہی کھڑا تھا۔
"منہ ہاتھ دھو لو۔"
"تمہیں [illegible]" [illegible] ناشتے کی طرف اشارہ [illegible]
"نہیں [illegible] تو صرف [illegible] تمہیں [illegible] اہتمام کیا ہے تم نے"
اور پھر ناشتہ کیا [illegible] اور دل [illegible] جگہ اب [illegible] اب ہری بھری [illegible] نظر آ رہی تھی۔
"کیا یہ وہ علاقہ ہے" میں نے [illegible] کہا۔
"چلو۔ ضروریات سے فارغ ہو لو۔ [illegible]"
اور میں گردن [illegible] ایک طرف چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم [illegible] لوازمات سے [illegible]
خوب [illegible] اور پھر [illegible] انداز میں [illegible] ہو گئے۔ طالوت [illegible]
"[illegible]"
"میرا [illegible]"
"[illegible]" رہائش پذیر [illegible]
"[illegible]"
"یقیناً۔"
"تب [illegible] کے ساتھ آگے بڑھ [illegible]"

[illegible] میرے [illegible] اور میں [illegible]
[illegible] تھی۔
[illegible] کوئی ترکیب [illegible] ہے" میں نے [illegible]
"[illegible]"
"[illegible] کس وقت میرا [illegible]"
"دو پہر [illegible]" طالوت نے اطمینان سے کہا اس وقت [illegible] بہت سے قدموں کی چاپ سنائی [illegible] ہم چونک پڑے [illegible] طرف [illegible]
"[illegible]" ایک [illegible] آواز نے کہا۔ ہم [illegible] اوپر اٹھا دیئے۔ تب ہم نے انہیں دیکھا [illegible]
"[illegible]"
"[illegible]" [illegible]
"[illegible] کوئی [illegible] ہے"
"[illegible]" طالوت [illegible]
"[illegible]"
"[illegible]" [illegible] اور باقی [illegible]
"[illegible]" طالوت نے [illegible] کہا۔
"[illegible]" [illegible] اور [illegible]
"[illegible]" [illegible]
"[illegible]" [illegible]
"[illegible]" طالوت [illegible]
[illegible] کے سامنے [illegible]



ہو جائے گا۔" وہ دونوں [illegible] کی طرف لپکی۔ [illegible] رشتے [illegible] ایک [illegible] بوڑھی [illegible] رشتے [illegible] اور وہ بوڑھی [illegible] انداز [illegible] اس پر [illegible]
[illegible] رشتے [illegible] اور خوف [illegible] اپنی [illegible] وہ واشاد [illegible] بوڑھی کی [illegible] زبانوں [illegible] رشتے [illegible] بوڑھی کے [illegible] اب [illegible]
اور پھر اس نے [illegible] رشتے [illegible] خون سرد ہو گیا۔
"میرے [illegible] مصروف تھی [illegible]" [illegible] اور واشاد کی طرف دیکھا [illegible] "[illegible]" [illegible] واشاد [illegible] بوڑھی کی طرف دیکھا۔
"ارے، ارے یہ کیا ہوا؟ ارے [illegible]" بوکھلائے ہوئے انداز میں بوڑھی کے نزدیک پہنچ گیا۔ "یہ کیا ہوا۔ ارے یہ میں نے کیا کیا۔ میں نے اپنی بہن کو قتل کر دیا۔ ارے [illegible]" اور پھر وہ زور سے چیخا۔ "میں نے اپنی بہن کو قتل کر دیا۔"
اور اس کے بعد وہ [illegible] نکل گیا۔
"[illegible] اگر اس کا [illegible] تو پھر ہم [illegible]" طالوت نے کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ "تو اب یہاں [illegible] بہت [illegible] مناسب نہ ہوگا۔ [illegible] بھی [illegible]"
"جیسا مناسب سمجھو۔" میں نے [illegible] کہا اور پھر میں بھی طالوت کے ساتھ [illegible]
[illegible] رشتے [illegible] اس کے لباس پر خون کے چھینٹے۔
"[illegible]" طالوت نے کہا اور ہم دونوں وہاں سے [illegible] محسوس [illegible] طالوت نے [illegible]

"[illegible]"
"میں [illegible] کہاں [illegible] دوں گا۔"
"[illegible] رشتے [illegible]" واشاد [illegible] واشاد [illegible] آواز میں بولی۔
"واشاد، [illegible] میں تجھے [illegible] دوں گی۔"
"[illegible] میری ماں اور [illegible] بہن تھی۔" رشتے نے [illegible] واشاد کے [illegible] پیدا ہو [illegible]
"[illegible] رشتے [illegible] میں اسے سمجھاؤں گی۔" بوڑھی عورت نے کہا۔
"[illegible] اسی وقت [illegible] ورنہ میں اسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔" رشتے [illegible]
"[illegible] مجھے کیا سمجھ [illegible]" واشاد [illegible] بولا۔
"[illegible]" بوڑھی بولی۔
"میں [illegible]"
وہ [illegible] بہت امیر [illegible] واشاد [illegible] کسی [illegible]"
"[illegible] ورنہ میں تیرا خون پی جاؤں گی۔"
"طالوت۔" میں نے آہستہ سے کہا۔
"ہوں۔" طالوت کی آواز بہت سنجیدہ تھی۔
"یہ [illegible]"
"میرا خیال ہے ان لڑکیوں کو ان دونوں [illegible] سے نجات دلا دی جائے۔" طالوت آہستہ سے بولا اور پھر ہم دونوں رشتے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ [illegible] انداز میں واشاد کی طرف بڑھ رہا تھا۔
"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے واشاد کے نزدیک [illegible] اسی وقت طالوت نے [illegible] اس [illegible] اور رشتے [illegible] چاروں طرف دیکھ رہا تھا [illegible]
"[illegible]" [illegible] واشاد [illegible]
بوڑھی [illegible] میرے [illegible]

تھے۔ داروغہ کی نیت خراب ہو گئی تھی۔ اس نے ہوائی انداز میں دوسری طرف دیکھا۔

"یہ دونوں اندرونی محل میں کھڑے تھے خان۔ فضول بکواس کر رہے تھے۔"

"اندرونی محل میں۔ اور وہاں کیوں موجود تھے؟" داروغہ نے پوچھا۔

"انھیں پہچانیے، ہم اندر داخل ہونے والے ہیں۔"

"یہ تو اس نے ... وہ ان کے پیچھے ہی آ گئے۔"

"ہم آ گئے ہیں جناب"

"سب کو میرے سامنے حاضر کرو۔"

"ہم رقم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔" طالوت نے تحقیر سے انداز میں کہا۔

"کیا؟" داروغہ چلا اٹھا۔

"بہت بڑی رقم ہے خان۔" طالوت مسکرایا۔

"کیا بکواس ہے یہ؟"

"یہی بکواس وہاں درست تھی خان۔"

"زبان ... درست کرو۔ اسلحہ تو نہیں ہے ان کے پاس؟"

"بہت سا اسلحہ ہے خان۔ مگر رقم چاہتے ہیں۔"

"اوہ۔ مگر ہم انھیں بہت اٹھا لے جاؤ۔ تو ان کے سر پر تخت رہو۔"

"شرم ... خان۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا اور لوگ پھر ہنس پڑے۔

"لے جاؤ۔" داروغہ دہاڑا اور وہ باہر نکل گئے اور ... ہمیں پھر وہیں چھوڑ گئے۔

"دو تین ..." طالوت نے آہستہ سے مجھ سے کہا اور ... داروغہ ہمیں ... دو بیت الخلا میں ... اور اندر داخل ہو کر میں نے ... دیکھا۔

طالوت بھی باہر نکل آیا تھا اور ہمارے نگران اپنی ... میں ... کھڑے تھے۔ طالوت نے مجھے اشارہ کیا اور ہم خاموشی سے آگے بڑھ گئے۔ "اس شرارت کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے کہا۔

"فضول نہیں ہے۔" طالوت نے ... سے کہا ... "اب وہ بیت الخلا کی نگرانی کرتے رہیں گے۔"

میں نے ... کر دیا ... تھا اس ... "معصوم ... میں۔ محل کے اندرونی حصے میں داخل ہو کر ہم امیر کھار کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔

"یہ ... کہیں خان زادوں کے محل سے کسی طرح ... نہیں ہے۔"

"ہاں۔ امیر کھار ... حیثیت کا انسان ... ہوتا ہے۔"

"یہ کہاں ... ہے؟" طالوت نے ایک دروازہ کھولا اور ... ہم اس کے قریب پہنچ گئے۔ "امیر ... ہیں؟"

"... کون ہو؟"

"... سب ... کیا ... کی ... کرتا ہے۔"

"یہ امیر ... کی خواہش ہے۔"

"نہیں تو یہ ہم ... کے تحفظ میں یہاں آئے ہیں۔" طالوت نے کہا ... ہمیں ساتھ لے چلا اور ... دروازے ... گئے۔

"میرا ... ہے۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" ہم نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئے۔ اندر بھی ... تین آدمی تھے۔ امیر کھار ... دونوں ... معلوم ہوتے تھے۔ امیر ... تھا۔ تو ... آدمی تھے نہیں ... دو ... پڑے۔ امیر ... کی طرف ... دیکھ رہا تھا۔ ... کے قریب پہنچ گئے۔ امیر ... کہا ... اس ... دونوں ... پستول نکال لئے تھے۔ امیر ... اشارے سے روکا اور ... ہو ... "میں ... نہیں جانتا۔"

"امیر کھار آپ ہی ہیں؟" طالوت نے مسکینیت سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"ہم آپ کو قتل کرنے آئے ہیں۔" طالوت اسی سادگی سے بولا۔

"کیا؟" امیر کھار ... حیرت سے ... نہیں۔

"ہاں ... پستول ... ہوتے ... کوئی ... یہ ... ہے۔"

امیر کھار ... دونوں ... تھے۔ ... پستول ... اور ... کی تلاش ... ہی نہیں تھی۔

"یہ کیفیت ہے؟" امیر کھار نے اپنے ... سے پوچھا۔

"خالی ہیں۔" ... سے ... بولے۔

"... معلوم ہوتے ہیں۔ ... خالی ہیں۔" امیر کھار نے کہا۔

"... نہیں ... کرنا چاہتے۔"

"... ان سے ... ہیں۔" امیر کھار نے کہا ... اور ہماری طرف ... کرکے بولا "... تمہیں میرے ... کیا ہے؟"

"قائم ... ہے۔" طالوت نے ... ایک پکڑ ... تھے ... طالوت نے ... کی ... اپنی ... سے ... نہیں آئے۔

"... کیا نام ... ہے؟"

"آپ ... نہیں ... خان۔ ... بھی پانچ ہزار روپے ... ہیں۔" طالوت نے ... لے انداز میں کہا ... امیر کھار ... کا طلب ... بولا "... تم بھی ... ہو ... ہماری مدد ... تمہیں بھی ... ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ ... بولا۔

"یہ بھی ہمارے ساتھی اور تمام ... ہیں امیر ... ہمارا ساتھی ... ہے۔"

"کیا ہوا ہے؟" امیر کھار ... وہ ... تھوڑا ... ہو گیا تھا اور امیر کھار ... دونوں ... بھی ... رہے تھے۔

"کیا تم انھیں ... ہو ...؟" امیر کھار نے پوچھا۔

"... ہیں خان۔ ... ہی ... سے ... ہے۔"

"ہم تمہاری طرح ... نہیں ہیں۔ ... ہم ... صاف ... ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"میں تجھے ... دوں گا۔" ... نے پستول ... ۔

"... اور خان ... ہے ... ہم ... تم ... سے کیا ... تھا؟"

"... ہمارا ... تم ... ہیں ... ۔ ... اگر تم ... ہے۔ ... طالوت ... ہے۔"

"یہ مطلب ... ہے ... تمہارا ..."

"... ہے۔" طالوت نے ... ایک پستول نکال کر امیر کھار ... اس کے بعد ... دوسری طرف ... دوسری پستول ... اور ... "... تم بھی ... نکال ... ۔" ... طالوت ... دونوں ... کو ... میرے ... ہو ... گئے۔

... دونوں ... ہو گئے تھے۔

"... ہے۔" طالوت نے ان سے پوچھا ... امیر کھار ... تھا ... کے چار آدمی ... بھی ... تھے۔

"وہ ... خان ... کو ... میں ... اور ... ہو۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے ... اسلحہ اپنے قبضے میں ... لیا تھا۔

"... ہیں ..." ... اور ... طالوت ... سے ... دونوں ... کی ... ضرورت بھی نہ رہی تھی۔

"... تو ... ہیں ..." طالوت نے ... نہیں ہو؟" اس نے پوچھا۔

"... نہیں ... تھا۔"

"... ہے ...؟"

"... نہیں ... جاتے ... چاہتے۔"

"... نہیں ... میری ... ہے؟"

"... ہے ... ہے۔"

"... اس ... نہیں ... روپے ... تھے؟"

"ہاں۔"

"... ہو گا۔"

"ہاں۔"

"... دو ... ۔"

"... طالوت نے ... حیرت کا اظہار کیا۔

"... ان ... تھے۔" امیر ...

مقرر ہے۔

"تمہیں کیا اندازہ ہوا کہ خوف کو قتل کرتا ہے۔"

"نہیں بات ... تو [illegible] ہو جائے گی۔ تمہاری مدد کی بھی ضرورت پڑے گی۔"

"ہم دونوں میں امیر کمبار کے نام [illegible] کی بیٹی جیسی رپورٹ لوٹا دیں؟"

"کیا ضرورت ہے۔ ابھی بھی رکھو۔"

"او ... بہت خوب۔ تم نے تو کیا ہوگا؟"

"فی الحال اس کے ساتھ [illegible] قدم کی طرف جاتے ہیں۔ یہاں [illegible] حاصل ہوا [illegible] کہ تم اس وقت تک جو [illegible] جانتے ہو اب تک [illegible]۔"

"نہیں منظور ہے تاں۔" طالوت نے جواب دیا اور امیر کمبار نے ملازموں کو بلانے کے لیے گھنٹی بجائی۔ ملازموں کے آنے پر اس نے انہیں [illegible] بارے میں [illegible] اور ہدایت [illegible] کے ایک [illegible] گیا تھا۔ [illegible] کی پابندیاں سخت تھیں۔

ملازموں کے جانے کے بعد میں نے [illegible] طالوت کی طرف دیکھا [illegible] چاہتا ہوں؟"

"غلط ہے کیا؟"

"صحیح کیا ہے؟" میں نے [illegible] کہا۔

"امیر کمبار کے مہمان [illegible] چاہتے ہو؟"

"یہ [illegible]"

"[illegible] ہے۔ [illegible] میں مشغول [illegible]"

"[illegible]"

"اب [illegible] دیکھو اور [illegible]"

[illegible]

پھر دن میں ایک مخصوص اندازی [illegible] یہاں امیر [illegible] محل میں [illegible] [illegible] میں خاموشی [illegible] سے اپنے [illegible] تھی۔

پریشان ہو [illegible] اور پھر کسی نے دستک دی۔ [illegible] اور [illegible] وہ [illegible] تھا۔

"پوچھ سکتی ہوں کوئی بات ہے؟" ایک نے پوچھا۔

"ہاں [illegible]" میں نے [illegible] دو اور ملازم [illegible] طالوت کو [illegible] کرتے تھے۔ [illegible] آئی۔ [illegible] پوشیدگی میں [illegible] رہا [illegible] ہے۔

[illegible] حقیقت [illegible] پڑا تھا۔

"کیا [illegible] سے پوچھ نہیں [illegible]" طالوت کی آواز ابھری اور [illegible] کی طرف [illegible]۔

"تم آگئے؟"

"ہاں [illegible]"

"اب [illegible] میں [illegible] کہا۔

[illegible]

"[illegible]"

[illegible]

"[illegible]"

"[illegible]"

"[illegible]"



"او ... کس بات پر؟"

"کہا [illegible] قید خانے میں۔"

"کون امیر کمبار؟"

"سو فیصد [illegible] لی ہے۔"

"ہوں۔" میں نے ایک گہری سانس لی "اس حالت میں ہے۔"

"امیر کمبار اس سے [illegible] اور کو چھپانا چاہتا ہے" اس نے ان لوگوں کو کوئی معمولی تکلیف نہیں پہنچائی۔"

"تمہاری اس سے ملاقات ہوئی؟"

"ہاں۔"

"کیا بہت تھکے ہوئے ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ یوں ہی سمجھ لو۔"

"خان کو علم ہے کہ امیر کمبار نے ہی اسے اغوا کیا ہے؟"

"یقیناً اسے سب کچھ معلوم ہے۔ لیکن وہ واقعی نیک انسان ہے بالکل بے بس ہے۔ سازشی ذہن نہیں رکھتا۔"

"امیر کمبار کا مقصد؟"

"یہ خان ہی درست کو بھی نہیں معلوم۔"

"تم نے معلوم کیا؟"

"ہاں۔" طالوت مختصراً بولا۔

"تو پہیلیاں کیوں بجھا رہے ہو۔" میں نے جھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"وہی اقتدار یار۔ اس کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔" طالوت نے بھی برا سا منہ بناتے ہوئے کہا "جیسے تمہاری دنیا کے انسان ہر شخص دولت اور اقتدار کے لیے جی رہا ہے۔"

"تو مجھے یہ کہہ رہے ہو۔ میں کیا کروں؟" میں نے چڑ کر کہا۔

طالوت میری شکل دیکھتا رہا پھر ہنس پڑا "ناراض ہو گئے میری جان۔" اس نے کہا۔

"تم مجھے میری دنیا کا طعنہ دیا ہے۔"

"ناراض ہونے کی تو معمولی بات ہے۔ [illegible] غصہ آتا ہے انسانی زندگی [illegible] کی چیزیں ان کی نظروں میں کوئی وقعت نہیں [illegible] اقتدار کے [illegible] رہا ہے۔ [illegible]"

"مکمل کیا بات ہے؟"

"اس کی [illegible] بھی [illegible] ہے۔ لیکن [illegible] فرصت

کہ وہ [illegible] ہیں تھے۔ بہت بلند [illegible] طالوت نے [illegible] انداز [illegible]

"[illegible] ہے؟"

"کیا خیال ہے تمہیں [illegible] ضرورت نہیں ہے۔ ویسے [illegible] محل میں [illegible] ہیں۔ [illegible]"

اور میں تیار [illegible] مختلف حصوں سے ہوتے ہوئے [illegible] پہنچ [illegible] خوبصورتی ان کی [illegible] وہ [illegible]

"[illegible]" وہ [illegible] اور [illegible] کی طرف دونوں [illegible] پکڑ لیے۔

"یہ بات ہے" [illegible] ہوا۔

"[illegible]" ایک [illegible]

"[illegible]" طالوت نے [illegible] دیا اور [illegible] جیسا [illegible] تھا۔

"[illegible] بھائی [illegible]"

بہت سے دوسرے لوگ [illegible] ان میں وہ بھی تھے جنہیں امیر کمبار نے تمہاری دعوت کا حکم دیا تھا۔ انہیں ضرور [illegible] وہ [illegible] ان سے ملے۔

"یہ تمہارا [illegible] امیر کے مہمان ہیں۔" امیر کے مہمان ہیں۔ وہ دونوں [illegible]

"یہ [illegible] مہمان۔"

"[illegible] ہو چکے بھاگ گئے تھے۔"

"[illegible] دونوں [illegible] سے۔" اور وہ ہمارے ساتھ [illegible] مسکراتے ہوئے [illegible]

"[illegible] کوئی [illegible] ہے۔"

"[illegible]" طالوت نے کہا اور [illegible]

[illegible] ساری دنیا سے [illegible] عمارت [illegible] کوئی کام [illegible] طالوت [illegible] اس دوران

ایک مہینے تک ملاقات امیر گوبارت کے خراب خان سے
ہوئی تھی۔ ایک دفعہ لڑکی کو دور سے دیکھا تھا۔ دونوں
خوبصورت تھے۔ ان سے کھل کر ملنے کا کوئی موقع نہیں ملا تھا۔
تیسری رات امیر گوبارت کے ہاں بڑی چہل پہل تھی۔
بہت سے لوگ نظر آ رہے تھے۔ بڑی بڑی امراء کی شخصیات
تھیں۔ رات کو امیر گوبارت نے ہمیں بھی بلا بھیجا۔
جس ہال میں ہم پہنچے وہاں اجنبی لوگ بیٹھے ہوئے
تھے۔ امیر گوبارت بھی موجود تھا۔
"میرے نئے دوست۔" امیر گوبارت نے ہماری طرف
اشارہ کیا۔ "انہیں ناظم نے میرے قتل کے لئے بھیجا تھا۔
لیکن اب یہ میرے دوست ہیں!"
"[illegible]"
"[illegible]" امیر گوبارت نے
کہا اور پھر میری طرف رخ کر کے بولا۔ "دوستو! میں نے تم
سے [illegible] مدد کی درخواست کی تھی اس کا وقت آ گیا ہے۔ کل
شہر کے سب سے بڑے چوک میں میں نے ایک جلسے کا اہتمام
کیا ہے۔ یہاں سارے زورات کے عوام پہنچیں گے۔ کل کا
دن فیصلے کا دن ہوگا۔ عوام فیصلہ کریں گے کہ زورات کی
حکمرانی ناظم کے پاس رہنی چاہئے یا [illegible] ناظم کے خلاف
ہم نے بے شمار ثبوت اکٹھے کئے ہیں اور ان میں [illegible]
[illegible] حیثیت رکھتے ہیں۔"
"ہم ضرور [illegible]" [illegible]
انداز میں کہا۔

[illegible]

رہے گا [illegible]۔"
"[illegible]"
"اس بار [illegible]
[illegible]
[illegible]
"ٹھیک ہے۔ میں تماشا ہی دیکھوں گا۔"
"میرے دوست [illegible] ہم بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ [illegible]
میں پہنچ گئے۔ [illegible] ایک عظیم الشان [illegible]
[illegible]

[illegible]

گوبار اتنا [illegible] کے سامنے [illegible]
"بھائیو۔ تمہیں معلوم ہے کہ گوبار ہمیشہ سے زورات کی
عظمت کا نشان رہا ہے۔ ہم نے حکومت نہیں کی۔ ہم نے
حکومت نہیں چاہی۔ لیکن زورات کو جب بھی ہماری
ضرورت پڑی۔ ہم پیش پیش رہے۔ ہم نے ہمیشہ اپنا فرض
پورا کیا۔ آج جب زورات ایک [illegible] حکمران کا شکار ہو گیا ہے
تو ہم اپنا فرض پورا کرنے نکل آئے ہیں۔
میرے دوستو۔ طالوت کافی عرصے تک آپ کے سامنے
ہے۔ [illegible] آپ میں سے [illegible] کام
[illegible] لیکن عوامی عدالت میں پیش کیا جاتا ہے۔ عوام
[illegible] کیا میں ٹھیک
کہہ رہا ہوں؟"
"بالکل ٹھیک ہے۔" عوام کی آواز سنائی دی۔
"شکریہ میرے بھائیو۔" امیر گوبار چبوترے کے [illegible]
گیا۔ طالوت ناظم کے پاس پہنچا تو جس کا چہرہ زرد ہو رہا
تھا۔ اس نے خاموشی سے [illegible] دیکھی اور خشک ہونٹوں پر زبان
پھیر کر رہ گیا۔
"پالس پاٹ [illegible] آپ سے مخاطب ہے۔" طالوت
بولا۔
"میرا [illegible] مذاق اڑانے آئے ہو۔" ناظم کی آواز
آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی۔
"نہیں ناظم [illegible]"
طالوت نے [illegible]

[illegible]

میرے بیان کی تصدیق کریں۔"
گوبار کا چہرہ [illegible]
لیکن [illegible] طالوت اٹھ کر امیر گوبار کے نزدیک
پہنچ گیا۔ اس نے جھک کر امیر گوبار کے کان میں کچھ کہا اور
امیر گوبار مسکرانے لگا۔ طالوت اس کے سامنے [illegible] کھڑا ہو گیا۔
امیر گوبار مجمع کو دیکھ کر مسکراتا رہا۔ پھر اس نے اس
انداز میں [illegible] جیسے کوئی بہت ہی عزت کی بات ہوئی ہو
[illegible] کے بعد اس نے دوبارہ [illegible] مخاطب کیا۔
"میرے دوستو۔ یہ ایک عزیز ترین دوست ہے
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

"اس کا مقصد ہے امیر گیا، سازش تم نے کی ہے؟"

[illegible]

"ہاں۔"

[illegible]

"اس نے میرا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔"

"کہاں؟" میں نے [illegible] انداز میں کہا۔

[illegible]

[illegible]

"[illegible]"

[illegible]

"نام [illegible]"

[illegible]

"[illegible]"

"ہاں۔"

[illegible]

"[illegible]" طالوت [illegible]

[illegible]

"[illegible]"

"[illegible]"

[illegible]

"[illegible]" طالوت [illegible]

[illegible]

"[illegible]"

"بہت ہی خوب۔" طالوت [illegible]

[illegible]



"ظاہر ہے [illegible] کے لئے ہوں گے۔"

"تو کس کو [illegible] نے۔"

"[illegible] ان سب کو خوب [illegible] ان کے [illegible] کے بارے میں [illegible]" اور مجھے جس قدر معلوم تھا میں نے [illegible]

"پوجا [illegible] وقت ہوتی ہے۔"

"ہاں۔"

"تب پھر آؤ شام [illegible] شریک ہوں [illegible] اس وقت تک یہاں کے دوسرے لوازمات بھی دیکھ لیں۔" طالوت نے کہا اور ہم [illegible] کی طرف بڑھ گئے۔ یہاں [illegible] کے دروازے تھے۔ ان [illegible] تنگ و [illegible] اِدھر سے اُدھر [illegible] تھے۔ ہم [illegible] دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ اور پھر مندر کے [illegible] ایک [illegible] بے حد حسین [illegible] عورتوں کا جمگھٹ تھا۔ [illegible] "عارفہ" طالوت [illegible] ہوا۔

"[illegible] دنیا کی [illegible] حسن [illegible] ششدر رہ گیا تھا۔

"[illegible] کون ہیں؟"

"پجارنیں۔" میں نے جواب دیا۔

"[illegible] کام [illegible]"

"[illegible] کنیائیں ہیں [illegible] دیوتاؤں کے سامنے رقص کرتی ہیں۔ اور [illegible]"

"اور کیا [illegible]"

"[illegible]"

"[illegible]" طالوت [illegible]

"بہت [illegible]" میں نے [illegible] گردن ہلائی۔

"[illegible] کریں گے [illegible]"

"[illegible]"

"[illegible] خیال [illegible]"

[illegible] معلوم ہوں گے۔"

"[illegible] ہوتی ہے۔"

"[illegible] مالک ہے۔ [illegible] اس لڑکی کو [illegible]" طالوت نے [illegible] اس لڑکی کو [illegible]

[illegible] چہرے [illegible] ہوئے تھے۔ [illegible]

"بہت [illegible]" میں نے [illegible] کہا۔

"واقعی بہت [illegible]" طالوت [illegible]

"[illegible]" میں نے کہا اور ہم [illegible] ایک خوبصورت [illegible]

"اب [illegible]" طالوت نے کہا۔

"[illegible]"

"[illegible] نہیں ہے۔"

"[illegible]" میں نے کہا اور ہم [illegible] طالوت کو بھی [illegible] ہو رہی تھی۔

[illegible] اور پھر طالوت [illegible]

"[illegible]"

"[illegible]"

"[illegible]" میں نے کہا۔

"[illegible]" طالوت [illegible]

نے میری طرف دیکھا اور پھر اس نے کہا۔ "تو بولی۔"
[illegible] کے پیچھے چل پڑے [illegible]
[illegible] شروع ہونے والی تھی۔

[illegible] فرش سے پنڈت ایک [illegible] ہوئے چاروں طرف [illegible] کے خالی ہونے [illegible] میں [illegible] کے اور پھر اس کے بعد وہ منتری کی طرف بڑھے۔ لیکن جوں ہی پنڈتوں نے منتری کی طرف ہاتھ بڑھایا چونکہ ایک [illegible] اور [illegible] والے سپاہیوں نے [illegible] دونوں سے سر [illegible] لیا۔

"ہائے ہائے۔" پنڈتوں کی [illegible] خالی [illegible] اور وہ اچھل کر [illegible] پنڈت دوسرے پنڈتوں سے بھی [illegible]۔

"ہرے رام۔ ہرے رام۔ [illegible]" وہ بھی چیختے ہوئے بھاگے اور اسی [illegible] طرح [illegible] مجھے بھی ان سے [illegible] مشکل ہو گیا۔ [illegible] سے [illegible] تھا۔

[illegible] ایک بڑا [illegible] بھاگے۔ تب [illegible] منتری سے [illegible] کے درمیان سے [illegible] اور [illegible] کے پیچھے چل پڑا۔ وہ سرسے [illegible] طالوت [illegible] آ [illegible] پہنچ گیا۔

[illegible] اب اس منتری [illegible] ہاتھ [illegible] "میں [illegible] وہیں [illegible]۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] "طالوت [illegible]"

[illegible]

بال کا [illegible] تھے۔ [illegible] روشن تھے۔ [illegible] انہوں نے [illegible] ایک [illegible] خوشبو [illegible] کے [illegible] میں [illegible] تھیں۔ [illegible] ایک عجیب سماں باندھ رہے تھے۔ [illegible] وہ بال کی فضا بڑی مست [illegible] تھی۔

طالوت نے [illegible] سے [illegible] پھر اس کی [illegible]۔ پنڈتوں اور پجاریوں [illegible] مست ہو رہے تھے۔ ان کی [illegible] میں [illegible] تھی۔ [illegible] چہرے [illegible] ہوئے تھے۔ [illegible] طالوت [illegible] بڑے پجاری [illegible] داخل ہونے [illegible] تھا۔ [illegible] کی طرح [illegible] سازوں کی [illegible] اس نے قدم [illegible] کی طرح [illegible]

[illegible]

اچانک طالوت اپنی جگہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

تکلیف سے کراہتے ہوئے [illegible] رہا تھا۔
"کیا ہو گیا ہے [illegible] مہاراج؟" پنڈت پجاری اس کے [illegible] جمع ہو گئے۔
"چھوڑ دو۔ اب چھوڑ دو۔ مر جاؤں گا۔ ہائے ہائے۔" بڑا پجاری بڑبڑا رہا تھا اور دوسرے لوگ اس کے چاروں طرف [illegible] ہو رہے تھے۔
"کیا چھوڑ دیں مہاراج؟" ایک پنڈت نے [illegible] کر پوچھا۔
"ہائے۔ اب چھوڑ دو۔ ہائے۔" بڑے پجاری کے منہ سے اس کے [illegible] اور [illegible] نہیں [illegible] رہا تھا۔
"[illegible] بڑے پجاری کی [illegible]" [illegible] ان کے قریب پہنچنے کی ہمت کسی کی نہیں ہو رہی تھی۔ تب طالوت نے زور سے پجاری کو ایک جھٹکا دیا اور وہ اوندھے منہ گر پڑا۔
پنڈت اچھل کر پیچھے ہٹ گئے تھے۔ پجاری کو دوات [illegible] کے بعد [illegible] ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ پنڈت اس پر جھپٹے اور انہوں نے بڑی مشکل سے بڑے پجاری کی [illegible]۔ بڑے پجاری کے حواس قائم نہیں تھے۔ چوٹی سے [illegible] سر [illegible] زور سے [illegible] رہا تھا۔ پنڈتوں نے انہیں پھر سے سنگھاسن پر بٹھا دیا۔ پجاری جی نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا تھا۔
[illegible] اب بھی حیران کھڑی تھیں اور بڑے پجاری کو دیکھ رہی تھیں۔ اور طالوت میرے پاس واپس پہنچ گیا۔
"[illegible] میں [illegible] رقص [illegible] تھا۔" میں نے [illegible] ہوئے کہا۔
"[illegible] اس کی [illegible] کی دم کی مانند [illegible] چوٹی دیکھ کر میرے ہاتھوں میں کھجلی ہو رہی تھی۔ بس دل چاہا۔" طالوت نے ہنستے ہوئے کہا۔
"اب پجاری جی اس قابل نہیں رہے کہ رقص و سرود سے لطف اندوز ہوں۔"
"ظاہر ہے۔"
"تو پھر یہاں رکنے سے فائدہ؟"
"اب تھوڑا [illegible]" طالوت نے [illegible] کھنڈرات سے [illegible] اور مجھے ہنسی آ گئی۔ بہرحال ہم وہاں [illegible] رہے [illegible] پجاری کے حواس کافی دیر تک درست نہیں ہوئے تھے اور [illegible] ہو گیا۔ [illegible] کی طرح [illegible] ہو گیا۔

"کون تھا؟ کون تھا؟" [illegible]
"مہاراج [illegible] مہاراج۔ [illegible] طبیعت ہے۔" پنڈتوں نے [illegible] پوچھا۔
"[illegible] کون تھا کس نے میری چوٹی پکڑی تھی؟" بڑے پجاری [illegible] ہو رہے تھے۔
"چوٹی پکڑی تھی؟" [illegible] حیرت سے کہا۔ [illegible] تھا۔ چنانچہ بڑے پجاری نے [illegible] چوٹی اور [illegible]
"[illegible] مہاراج [illegible]"
"[illegible] کس نے پکڑی تھی؟"
"[illegible] نہیں [illegible] ہم نے تو نہیں دیکھا۔" پنڈت نے کہا۔
"نہیں دیکھا۔" بڑے پجاری نے پنڈت کے [illegible] کہا اور [illegible] دروازے سے باہر نکل گیا۔ اب صرف پنڈت رہ گئے اور [illegible] پنڈتوں سے [illegible] رہے تھے۔ [illegible] ہو گیا تھا۔
"[illegible] یہاں [illegible] ہو گیا ہے۔" طالوت نے کہا اور ہم دروازے سے باہر نکل آئے۔ "[illegible]" طالوت پر خیال انداز میں بولا۔
"[illegible]"
"[illegible] لڑکی [illegible] میں نظر نہیں آئی۔"
"[illegible] سوچ رہا تھا۔"
"[illegible]"
"[illegible] ہے وہ؟"
"[illegible]"
"[illegible]"
"[illegible] افسوس کی بات ہے۔"
"[illegible]"
"[illegible] خوبصورت [illegible]"
"[illegible] فرق پڑتا ہے۔"

"میرا دل نہیں مانتا۔ وہ بہت اداس تھی۔ کیا معلوم
[illegible] سے ملاقات کریں۔"
"[illegible] گے؟"
"ابھی نہیں۔ اس کے بارے میں میرے ذہن میں
تجسس پیدا ہو گیا ہے۔ ہم ان کے بارے میں معلومات
حاصل کریں گے۔"
"جیسی تمہاری مرضی۔" اور ہم دیوتاؤں کی رہائش
گاہ پر چل پڑے۔ لیکن اندر کے مناظر دیکھ کر ہمیں ایک
دوسرے کی طرف دیکھ کر [illegible] ہونا پڑا۔
دنیا کا [illegible] حسین نظارہ سامنے تھا۔ [illegible] کوئی
زندگی نہیں گزارتی تھی۔
"خاموش۔" اس نے [illegible] انداز میں کہا۔
"کیا ہے بھائی تارو؟"
"آپ کیا لیں گے؟"
"سیر کرو بھیا۔"
"کچھ چلو۔"
"ملنا ہے نہیں کے لیے۔"
"ہاں یار۔ تیری [illegible] نہیں تو سب جان [illegible] ہیں۔ پتہ
چلو۔" طالوت نے کہا اور میں [illegible]
طالوت [illegible] سے [illegible] کیا تھا۔
[illegible] لڑکیاں [illegible] دوسرے سے [illegible]
[illegible] تھیں۔ وہ خود اپنے حسین جسموں سے بے نیاز
تھیں۔ [illegible] دوسرے سے [illegible] ان سے [illegible]
[illegible] کھیل کافی دیر تک
جاری رہا [illegible] وقت [illegible] "بھائی تارو۔"
"فرمائیے۔" [illegible] حالات [illegible]
[illegible]

کچھ پنڈت بڑے پجاریوں کے ساتھ [illegible] تھے۔
پجاری آپس میں [illegible] تھے۔ لڑکی [illegible] نظر نہیں آ
رہی۔ اس نے ہمارے کے پیچھے ہی چل پڑے۔ [illegible] کے
ساتھ ساتھ پجاریوں کی [illegible] کوشش [illegible] ہو گئے۔ بڑے
پجاری کی ایک [illegible] بیٹھ گئے اور پنڈت ان کے [illegible]
کھڑے ہو گئے۔
تب بڑے پجاری نے گردن اٹھا کر سرخ سرخ آنکھوں
سے انہیں دیکھا۔ تم میرے منتر ہو۔ تم میرے ساتھی ہو۔ یہ تم
بھی وہی [illegible] جو دوسرے [illegible] ہیں۔"
"ہاں [illegible] مہاراج۔ ہم [illegible] حرکت کرتے [illegible] اور
خاموش رہتے۔ ہم [illegible] ڈالتے [illegible]
ایمان [illegible]۔" ایک پنڈت نے کہا۔
"میں [illegible] ہوں۔ پنڈتوں میں سے [illegible]
خاص طور سے [illegible] کے ساتھی [illegible] دشمن ہیں۔ [illegible]
[illegible] ایسا [illegible] وہ [illegible] سے [illegible]
گئے۔"
"ارے [illegible] سب مہاراج۔
[illegible]
ہیں۔ [illegible] ہو گئے؟"
"پھر [illegible] نے میری چوٹی [illegible]
[illegible]
[illegible] ہو گیا تھا۔"
[illegible]



[illegible] اندرونی دروازہ کھل گیا۔ [illegible] پہلے ہم دونوں کی نظر نہیں
پڑی تھی۔ دروازے سے اندر داخل ہونے والی دو
خوبصورت لڑکیاں تھیں۔
"آج تمہاری باری ہے؟" پجاری جی نے پوچھا۔
"ہاں مہاراج۔" دونوں لڑکیوں نے بیک وقت کہا۔
"تمہارا نام ہے؟"
"وسنتی۔"
"اور تم؟" مہاراج نے دوسری لڑکی کو مخاطب کیا۔
"شگفتہ۔"
"تم لوگ دھرتی مندر سے آئی ہو نا؟"
"ہاں مہاراج۔"
"ٹھیک ٹھیک ہے۔ تمہیں [illegible] آج ہمارا من
پریشان ہے۔"
"جو آگیا مہاراج۔" وسنتی نے کہا اور [illegible] واپس
چلی گئی۔
"شگفتہ۔" مہاراج نے دوسری لڑکی کو آواز دی۔
"مہاراج۔" وہ رک گئی۔
"تو کہاں جا رہی ہے۔ ادھر آ ہمارے پاس۔" اور
شگفتہ حیرت سے مہاراج کے پاس پہنچ گئی۔ "تو [illegible]
[illegible]۔" اور وسنتی دروازے سے نکل گئی۔
مہاراج نے شگفتہ کو نزدیک بٹھا لیا اور اپنے پاؤں
اس کی گود میں رکھ دیا۔
شگفتہ غضب [illegible] تھی۔ چنانچہ وہ اپنے نرم و
نازک ہاتھوں سے پجاری کی [illegible] اور [illegible] کی طرح
موٹا پاؤں دبانے لگی۔ مہاراج [illegible] کی طرح [illegible]
تھے۔ لیکن وہ بار بار اپنی کھوپڑی پر ہاتھ رکھ لیتے تھے۔
دفعتاً طالوت نے [illegible] میرے
کان کے پاس منہ کر کے کہا۔
"عارف؟"
"فرمائیے۔" میں نے کہا۔
"کیا خیال ہے استاد؟"
"کس بارے میں بھائی پیارے؟"
"بیٹھے ہو [illegible] کے بعد کیسے مناظر ہوں گے؟"
"اندازہ ہو رہا ہے۔"
"میرا خیال ہے [illegible] اتفاقات کا [illegible] نہیں چھوڑنا
چاہیے۔ ہم یہاں [illegible] خوبصورت لڑکیوں میں
اور یہ [illegible]۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے۔" میں نے جھنجلاتے ہوئے
انداز میں کہا۔
"ابھی اور خراب ہو گا۔ جب یہ کمینہ ان سے عشق
کرے گا۔" طالوت نے غراتے ہوئے کہا اور مجھے ہنسی آ گئی۔
"اب اجارہ داری ہے تمہاری۔ خود انہیں دیکھو کیسی
اطاعت کر رہی ہیں اس کی۔"
"پتہ نہیں کیا مجبوری ہے سب پجاریوں کے ساتھ۔"
"طالوت۔ یہاں بہت سی بے چاریاں ہیں۔ ایک ایک
کی مجبوری معلوم کرتے رہو گے تو پوری عمر اسی مندر میں گزر
جائے گی۔"
"اس کا ایک بہتر نعم البدل ہے۔"
"وہ کیا؟"
"اس کھوپڑی ہی اکیلی [illegible] ہیں۔"
"بیکار بات ہے۔ یہ ہندو ریاست ہے۔ نہ جانے کتنے
مندر ہوں گے اور نہ جانے ان مندروں میں کون کون سے
کھیل کھیلے جاتے ہوں گے۔"
"نہیں مانوں گا۔ خدا کی قسم نہیں مانوں گا۔ بس کہہ
دیا۔" طالوت جھنجلائے ہوئے انداز میں بولا اور میں نے
گہری سانس لی۔ بے چارے پنڈت کی شامت ہی آ گئی تھی۔
کون روک سکتا تھا۔
چند ساعت کے بعد وسنتی آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں
خوبصورت دھات کی صراحی اور دو چھوٹے پیالے تھے۔
شگفتہ بدستور مہاراج کے پاؤں دبا رہی تھی۔ وسنتی نے
جھکتے ہوئے تھال رکھ دیا جس میں شراب کے برتن سجے ہوئے
تھے اور پھر اس نے ایک جام بھرا اور اسے مہاراج کے
ہونٹوں تک لے گئی۔ مہاراج نے منہ کھول دیا اور شراب
ان کے ہونٹوں کے بیچ سے اندر داخل ہو گئی۔
دو تین جام پینے کے بعد مہاراج اٹھ بیٹھے۔ "سنو دیو۔"
انہوں نے کہا۔
"مہاراج۔" دونوں لڑکیوں نے بیک وقت جواب دیا۔
"تمہیں یہاں کی ریت معلوم نہیں ہے؟"
"ہم پہلی بار آپ کی سیوا میں آئے ہیں مہاراج۔"
"دوسری لڑکیوں نے تمہیں نہیں بتایا؟"
"بتایا تھا مہاراج۔"
"وہ کیا؟"
"یہی کہ مہاراج جس طرح چاہیں ان کی سیوا کی
جائے۔ ان کی کوئی بات ٹالی نہ جائے۔"
مہاراج ایک دوسرے [illegible] نیم دراز ہو گئے

[illegible] تھیں [illegible]

[illegible] ہاتے تھی اور وسوتی انہیں [illegible] تھیں۔ صمران شراب پینے کے دوران لڑکیوں سے مذاق بھی کرتے جارہے تھے۔

طالوت نہ جانے کیوں ابھی تک برداشت کئے ہوئے تھا۔ ویسے شدت کی [illegible] تھی [illegible] کرنے کی کوشش بھی کی [illegible] اچھے نظر آرہے تھے۔ ویسے اس ساری شگفتگی کے دوران بھی صمران سر کی تکلیف کو فراموش نہ کر سکے تھے اور بار بار ان کا ہاتھ سر پر پہنچ جاتا تھا۔ چوٹ پر ہاتھ پڑتے ہی ان کے منہ سے کراہ نکل جاتی تھی۔

پھر صمران اٹھ کر بیٹھ گئے "سندری۔" انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"مہاراج۔" وسوتی جھک کر بولی۔

"دارو کے دو جام میرے سر پہ الٹ دو۔"

"مہاراج۔" وسوتی حیرت سے بولی۔

"جو کہہ رہا ہوں کرو۔" مہاراج نے کہا "میرے سر میں آگ لگی ہے۔"

"جو آگیا مہاراج۔" وسوتی نے کہا اور پھر اس نے شراب کا ایک جام بھرا۔ اسی وقت میں نے طالوت کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ اس کی ایک انگلی اٹھی ہوئی تھی۔ انگلی کا سرا جام کی طرف بڑھا اور پھر طالوت نے جام میں انگلی کا سرا ڈبو دیا۔

"مارا پاپی نے۔" میرے منہ سے نکلا اور میں طالوت کی [illegible] انگلی [illegible] کرنے لگا۔ وسوتی نے شراب کا جام صمران کے سر پر انڈیل دیا [illegible] وسوتی دوسرا جام بھر [illegible] لیکن اچانک صمران کے حلق سے ایک دہاڑ نکلی۔

"ہے رام [illegible] ہے بھگوان [illegible]" وسوتی [illegible] رہ گئے اور اچھلتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں سے بری طرح کھجا رہے تھے۔ دونوں لڑکیاں گھبرائے ہوئے انداز میں [illegible] ہو گئیں۔

"مہاراج۔" شگفتہ کے منہ سے نکلا۔

"مر گیا۔ ہائے مر گیا۔" مہاراج نے [illegible]

"مر گیا۔ ہائے مر گیا۔"

"دروازہ کھولئے مہاراج۔"

"جاؤ، جاؤ، تم جاؤ۔" نہ جانے مہاراج کو کیا ہوا [illegible] وہ لڑکیاں اندرونی دروازے کی طرف بھاگیں۔ لیکن صمران نے [illegible] میں سے ایک کو پکڑ لیا۔

"ہائے ہائے مر گیا۔ مر گیا ہائے [illegible]" انہوں نے شراب کی صراحی کی طرف اشارہ کیا اور شگفتہ نے پلٹ کر صراحی اٹھا لی۔ اندرونی دروازے کی طرف بھاگی تو [illegible] صراحی گر پڑی جو زوردار آواز سے ٹوٹی تھی۔

"مر گیا ہائے رام۔" پنڈت چلایا۔

"دروازہ کھولئے صمران۔ دروازہ کھولئے۔" باہر سے دروازہ زور زور سے پیٹا جا رہا تھا۔ شگفتہ نے صراحی [illegible] اور [illegible] تمام لڑکیاں دروازے سے نکل کر [illegible]

تب صمران نے [illegible] بڑھ کر دروازہ کھول دیا اور [illegible] اندر گھس آئے۔

"کیا ہوا صمران۔ کیا ہو گیا صمران؟" بہت سی آوازیں ابھریں۔

"جل گیا۔ جل گیا۔" صمران دونوں ہاتھوں سے کھوپڑی رگڑتے ہوئے بولے۔

"کیا ہوا مہاراج؟"

"ہے بھگوان، ہے بھگوان۔ [illegible]"

اور پھر سب [illegible] بہت سے [illegible] بھاگے۔ بہت سے [illegible] لیکن صمران بدستور کھوپڑی کھجا رہے تھے۔ "جل گیا۔ جل گیا۔"

اور پھر وہ [illegible] کے بعد [illegible] مہاراج کے اشارے پر ان کی کھوپڑی پر [illegible] صمران کے [illegible] ان کی کھوپڑی [illegible]

"نہ میرا خیال ہے رات بھر کے لئے کافی ہے۔" طالوت نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ میں بھی [illegible] ہوا اس کے پیچھے چل پڑا تھا۔

"یہ کیا ہوا تھا؟"

"کیا؟" طالوت نے معصومیت سے پوچھا۔

"پنڈت جی کی کھوپڑی کو۔"

"اوہ کوئی خاص بات نہیں۔ صرف کھجلی۔ جو رات بھر جاری رہے گی۔" طالوت نے کہا اور میں ہنس پڑا۔

"کیوں بے چارے کی جان کے پیچھے ہو گئے؟"



"اور اس رقاصہ کو نہیں دیکھا تھا۔ کس مزے سے ان خوبصورت پاؤں سے [illegible] رہی تھی۔"

"تم کس کی [illegible] دیکھتے پھر رہے تھے؟"

"تمہیں [illegible] دیکھوں گا۔" طالوت آنکھیں نکال کر بولا۔

ہم دونوں [illegible] پہنچ گئے اور پھر اپنی جگہ لیٹ گئے۔ طالوت خاموشی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"یار وہ نہیں ملی۔"

"کیا کرو گے طالوت اس سے مل کر۔ وہ بھی ان دوسری ہندو لڑکیوں کی طرح ہو گی۔"

"یار نہ جانے کیوں دل کہہ رہا ہے کہ [illegible] وہ ان کی طرح نہیں ہے۔"

"میں بتاؤں؟"

"کیا؟"

"یہی کہ تمہارا دل یہ بکواس کیوں کر رہا ہے؟"

"بتاؤ بھائی۔"

"اس لئے کہ وہ بہت حسین ہے۔"

"قسم لے لو۔ حسین وہ ضرور ہے۔ لیکن صرف یہی بات نہیں ہے۔ اس کے چہرے کی اداسی... کچھ اور افسانے سناتی ہے۔" طالوت پرخیال انداز میں بولا۔

"میرے کان اور افسانے نہیں سن سکتے۔ ویسے تم چاہو تو ہم اسے تلاش کر لیں گے۔"

"ضرور کریں گے۔ کم از کم پتہ تو چلے۔" طالوت نے کہا اور ہم اپنی منتخب کردہ جگہ پر آرام کرنے لیٹ گئے۔ طالوت کسی سوچ میں گم تھا۔ پھر اس نے اچانک کہا۔

"تم نے ان لڑکیوں کی گفتگو سنی تھی۔"

"وہی کیا نام تھا وسوتی اور شگفتہ کی؟"

"ہاں۔"

"ہاں۔ وہ کسی اور مندر سے آئی تھیں۔"

"ویسے دوست اس رقاصہ کے بارے میں میرا خیال ہے کوئی دیوداسی ان کی دوست نہیں بنی ہوئی۔"

"ان حالات میں تو کچھ کہا جا سکتا ہے۔"

"یہ لڑکیاں کون ہوتی ہیں؟"

"اچھے گھرانوں کی ہوتی ہیں۔ مندروں کو دان کر دی جاتی ہیں اور پھر ان پجاریوں کے رحم و کرم پر ہوتی ہیں۔ لوگ انہیں تبرک سمجھتے ہیں۔ لیکن یہاں جو کچھ ہوتا ہے وہ کسی حد تک تم بھی دیکھ چکے ہو۔"

"سارے مندروں میں یہی ہوتا ہے؟"

"پوجا اور رقص تو ان کے مذہب میں شامل ہے۔ لیکن باقی معاملات کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان کے ہاں بھی [illegible] ہوتے ہیں۔ ان میں [illegible] بھی ہوتے ہیں۔ سب کے بارے میں ایک بات نہیں کہی جا سکتی۔"

"ہوں۔" طالوت نے [illegible] انداز میں کہا اور پھر [illegible] پڑا۔

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ میں سوچ رہا ہوں۔ وہ [illegible] مہاراج رات بھر کھوپڑی [illegible] کھوپڑی ان کے شانوں پر [illegible] ہو۔"

"سخت اذیت دی ہے تم نے۔"

"اور اس نے مجھے اذیت نہیں دی۔ [illegible] حسین لڑکیاں اور اس ہندو کے قبضے میں۔ [illegible] ان کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہوں اور وہاں سے پنڈت بھی توبہ کرتے ہوں گے۔"

"چھوڑو یار۔ بس رہنے دو۔ سو جاؤ۔ [illegible]"

"پتہ نہیں کل ان [illegible]" طالوت نے خراٹے [illegible] کہا اور پھر کروٹ [illegible] دی۔ میں نے گردن اٹھا کر دیکھا [illegible]

میں بھی سونے کی کوشش کرنے لگا [illegible] درست ہے۔ وہ حسین [illegible] حیثیت رکھتی تھی [illegible] اور [illegible] کہانیاں سنانے لگا۔

انہی کہانیوں کے دوران [illegible] کے دروازے سے داخل ہوئی اور [illegible] آسمان سے اتر آئی [illegible] نرم نرم [illegible] اور میرے [illegible] رہتے [illegible]

لیکن [illegible] اس نوخیز [illegible] اس کے ساتھ چلنے والا [illegible] انھوں کی [illegible] اور [illegible] لیکن دوسری طرف نظر...!

حسین [illegible] تھا [illegible] وہاں رکو۔ میرے ذہن و دل میں [illegible] اور

[illegible]

لیکن ..... فاتح زندہ ہوتی تھی۔ وہ وقت عملی روپ دھار چکے تھے۔

اور پھر مجھے تنہائی کا احساس ہوا۔ [illegible]

"طالوت..... طالوت....." میں نے اسے جھنجوڑا۔

اور وہ چونک پڑی۔

"یہ ... تھی؟" اس نے سوال کیا۔

"ہاں۔"

"ہاں۔"

[illegible]

"کیوں؟"

"ضرور ..."

[illegible]

"تم۔"

پھر وہ ... طالوت کی طرف دیکھنے لگا [illegible]

[illegible]

"ہاں۔"

"میں۔" [illegible]

"وہ یہاں بھی نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے ... یہاں سے۔"

"لیکن کہاں؟"

[illegible]

"تب تم یہاں ایک ایسا ... [illegible]

"تمہارے لیے ... ہے۔"

[illegible]

ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسی تمہاری مرضی۔"

[illegible]

"ارے ... ارے" اچانک طالوت چونک پڑا۔

"کیا ہوا؟"

"ان ... کی طرف دیکھو ..."

"... درخت؟"

"وہاں وہ طالوت کے ..." [illegible]

"ارے" میں چونک پڑا۔



[illegible]

شرارت تھی۔

"ہاں۔"

"ان کی ایسی تھی۔ روزانہ کی حرکت کرتے ہیں مگر"

[illegible]

"ان کی یہ حرکت قابل معافی نہیں ہے۔"

[illegible]

مجھے زور سے دھکا دیا اور میری [illegible]

[illegible]

اور طالوت [illegible]

[illegible]

شاید یہ جرم [illegible]

تب مجھے اپنے دل کے قریب [illegible]

[illegible]

بہرحال [illegible]

"ہاں۔ ضرور [illegible]

"چھوڑو۔ اب کیا کرو گے؟" طالوت نے [illegible]

"تلاش۔"

[illegible]

طرف چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم پوجا کے ہال میں داخل ہو رہے تھے۔ پوجا کے ہال میں داخل ہو رہے تھے۔ پوجا کرنے والے عقیدت مند ہال میں داخل ہو رہے تھے۔ پنڈت بتوں کے سامنے اشلوک پڑھ رہے تھے۔ گھنٹیاں بجا رہے تھے۔ اور لوگوں کے تلک وغیرہ لگا رہے تھے۔ عقیدت مندوں کے ہاتھوں میں ہار اور مٹھائیاں تھیں اور پنڈت حسب معمول انہیں ایک جگہ جمع کر رہے تھے۔

طالوت کی نگاہ ایک موٹے تازے بچے پر پڑی۔ جو ہاتھوں میں عمدہ قسم کی مٹھائیوں کا ایک دونا لئے اندر آ رہا تھا۔ طالوت نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ اور مجھے ٹہوکا دیا۔

"عارف۔ کیا خیال ہے کافی رہے گی؟"

"ہاں۔ ناشتے کے لئے کافی ہے۔"

"لاتا ہوں۔" طالوت نے کہا اور بچے کی طرف بڑھ گیا۔ بچہ بڑے اہتمام سے اندر آ رہا تھا۔ طالوت نے اطمینان سے دونا اس کے دونوں ہاتھوں سے اٹھا لیا اور بچہ اچھل پڑا۔ اس نے اچک کر دونے کو پکڑنے کی کوشش کی۔ لیکن طالوت پیچھے ہٹ گیا۔ اور بچہ گرتے گرتے بچا۔

"ہے رام۔" بچے کے منہ سے نکلا۔ اور وہ پھر دونے کی طرف لپکا۔ لیکن طالوت نے اسے جھنڈی دی اور اس بار وہ ایک پنڈے سے ٹکرایا۔

"ہے پنڈت جی۔" وہ چیخا۔ لیکن پنڈت جی تو خود منہ پھاڑے اس پرواز کرنے والے دونے کو دیکھ رہے تھے۔ بچہ پھر دونے کی طرف لپکا۔ اور اس بار وہ ایک دوسرے پنڈے کو لپیٹ میں لئے ہوئے ڈھیر ہو گیا۔ دونوں کی چیخیں ابھریں۔ لیکن چیخیں تو دوسرے لوگوں کے حلق سے بھی نکل رہی تھیں۔ طالوت نے مجھے اشارہ کیا اور میں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ سب لوگ تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ان کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ لیکن طالوت چونکہ ناشتے کے موڈ میں تھا اس لئے وہ دونا دونوں ہاتھ میں تھامے رکھا۔ اور دونا لئے ہوئے باہر نکل آیا۔ کسی کی ہمت نہ پڑی تھی کہ دونے کا تعاقب کرے۔ چیخ و پکار پھر شروع ہو گئی تھی۔

مگر ہمیں اس سے کیا۔ ہم تو واپس اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے تھے اور مزے سے مٹھائی کھا رہے تھے۔ خوب اچھی طرح ناشتہ کرنے کے بعد ہم اترے۔ ایک کنوئیں سے نکال کر پانی پیا اور تازہ دم ہو گئے۔

"اب اس مندر سے باہر نکلو گے یا نہیں؟"

"نہیں کے یار۔ کیا یہاں مزہ نہیں آ رہا۔"

"بخشو ان سب چاروں کو۔ بھوکے مر جائیں گے۔ تم دیکھ لینا یہاں بہت ضرور بہت کم ہو جائیں گی۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"پوجا کرنے والے یہاں کے واقعات سے ڈر کر دوسرے مندروں کا رخ کریں گے اور ان سب چاروں پنڈتوں کو بھوکا مرنا پڑے گا۔"

"اچھا ہے۔ کوئی بھی مفت کی روٹی توڑنا اچھی بات نہیں ہے۔ چڑھاوے ان ہی کو ملیں گے۔" طالوت نے ہنستے ہوئے کہا۔ وہ کسی طور ان لوگوں کو معاف کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

پورے مندر میں سخت ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ سارے پنڈت جگہ جگہ جمع ہو کر چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ وہ اسے ان دیوتاؤں کی ناراضی سے تعبیر کر رہے تھے۔ جن کی پوجا ہونے والی تھی۔ اس کے بعد شاید ناگ دیوتا ناراض ہو جائیں۔ درختوں پر چڑھ کر غسل کرنے والیوں کا نظارہ کرنے والے مجرم پنڈتوں کے لئے نہ جانے کیا سزا تجویز ہوئی تھی۔

بہرحال۔ ناشتے کے بعد ہم نے پورے مندر کے ایک کونے کی سیر کی اور پھر بڑے پجاری جی کی سیوا میں پہنچ گئے۔ بڑے پجاری کا واقعی حلیہ بگڑ گیا تھا۔ سر میں گومڑ تھے۔ اپنے ہی ناخنوں سے لگائے ہوئے زخم موجود تھے جن پر درخت کے پتے کوٹ کر رکھے گئے تھے۔ وہ شدید بخار میں تپ رہے تھے اور کراہ رہے تھے۔ بہت سے پنڈت ان کے گرد موجود تھے۔

"عارف" طالوت نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"ہوں۔"

"کیا خیال ہے۔ ان پنڈت جی سے ہی کیوں نہ اس لڑکی کے بارے میں معلوم کیا جائے۔"

"ارے۔" میں چونک کر طالوت کی شکل دیکھنے لگا۔

"کیوں۔ کیا حرج ہے؟"

"گویا اس کی اور درگت بناؤ گے؟"

"نہ جانے کیوں تمہیں اس پر رحم آ رہا ہے۔ سچ جانو تو مجھے تو ان لوگوں سے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے میں اس سے لڑکی کے بارے میں معلوم کروں۔"

"کرلو بھائی۔ تمہیں کون روک سکتا ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"اب ان پنڈتوں کو یہاں سے ہٹانا ہے۔"

"ضرور۔ ختم کرو۔"

"میں ہی بندوبست کرتا ہوں۔" طالوت نے کہا اور



سے بھی غائب ہو گیا تھا اور پھر چند ہی ساعت کے بعد اس کمرے کے ایک کونے سے ایک سانپ کی پھنکار سنائی دی اور پنڈت چونک پڑے۔ پھنکار پھر سنائی دی اور اس بار سانپ کے منہ سے شعلے بھی نکلے تھے۔

اور پنڈت گھگھیاتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ "ہے پنڈت جی مہاراج ناگ۔ ناگ دیوتا آ گئے ہیں۔" وہ سب دروازے کی طرف دوڑ پڑے کیونکہ سانپ نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تھی۔

بڑے پجاری جو سخت نڈھال سے بستر میں لیٹے ہوئے تھے اس پھرتی سے اٹھے کہ میں دنگ رہ گیا۔ انہوں نے بھی دوسرے پنڈتوں کے ساتھ ہی دروازے سے باہر چھلانگ لگائی تھی۔ لیکن میں نے پھرتی سے ان کی گردن پکڑی اور واپس کمرے میں دھکیل دیا۔

"ہائے۔ ہائے۔ ہائے مر گیا رام۔ ارے مر گیا۔ ہائے مر گیا۔" پجاری بدحال ہو گیا۔ پنڈت سب باہر نکل آئے تھے۔ میں نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔

پجاری جس طرح گرا تھا اب اوندھا ہو گیا تھا اور سجدے کی سی کیفیت میں پڑا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کے منہ سے کچھ الفاظ نکل رہے تھے۔

"شما۔ شما کر دو مہاراج۔ ہائے شما کر دو۔"

"پجاری۔" طالوت کی گرجدار آواز ابھری۔

"ہاں۔ ہاں۔ ناگ دیوتا۔ مہاراج۔" پجاری کانپتا ہوا بولا۔

"بھگوان کے گھر میں اندھیر۔ تو دیو کنیاؤں کے ساتھ رنگ رلیاں مناتا ہے۔"

"شما۔ شما کر دو مہاراج۔ سارے مندروں میں یہی ہوتا ہے۔ سارے مندروں میں یہی ہوتا ہے۔"

"ہم سب کو ٹھیک کر دیں گے۔" طالوت نے اکڑ کر کہا۔

"ہو ہو ہو۔ ہو ہو ہو۔ سب کے ساتھ ہی مجھے بھی ٹھیک کرنا مہاراج۔ ابھی شما کر دو۔" پجاری جی کانپتے ہوئے بولے۔

"ایک شرط پر ہم تمہیں شما کر سکتے ہیں۔"

"مجھے ساری شرطیں منظور ہیں مہاراج۔ بھگوان کے واسطے ایک بار شما کر دو۔ میری کھوپڑی پر بچھو ڈنک مار رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہو رہے گے۔ تم مجھے اس سندر ناری کے بارے میں بتاؤ۔ جو پرسوں رات یہاں موجود تھی۔"

"یہاں تو بہت سی سندر ناریاں آتی رہتی ہیں مہاراج۔ آپ کو تو ساری کے بارے میں خبر ہو رہی ہیں۔" پجاری اسی طرح سجدے میں پڑا پڑا ہچکیوں میں کہہ رہا تھا۔

"وہ دلی تھی۔ بہت خوبصورت تھی۔"

"کوئی دیو کنیا ہو گی مہاراج۔ شما کرو۔ میں نہیں جانتا۔"

میری نگاہیں سب پجاری پر تھیں ہو گی۔ اس لئے میں نہ دیکھ سکا۔ سانپ سب کہاں گیا۔ میں تو بہت اچھل پڑا۔ جب طالوت نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کیا یہ سچ کہہ رہا ہے؟" اس نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ وہ بھی کوئی پری ہو گی۔"

"ہوں۔" طالوت نے ایک گہری سانس لی۔ پھر سوچنے کے انداز میں بولا "تب پھر یہاں سے چلو یار۔ اب یہاں کچھ نہیں رکھا۔ میری طبیعت خراب ہو گئی۔"

"زخمی ہو گئے ہو یار۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اب نہیں۔ پہلے ایسے زخمی ہوتے رہتے تھے۔ ان بدمعاشوں سے مجھے گھن ہوتی ہے۔"

"تب پھر آؤ۔"

"آؤ۔" طالوت نے کہا اور ہم اوندھے پڑے پجاری کو چھوڑ کر باہر نکل آئے۔ تین دن کے بعد ہم مندر کے دروازے سے باہر قدم رکھ رہے تھے۔ بہرحال مندر کی تفریحات خوب رہی تھیں۔ طالوت کسی سوچ میں الجھا ہوا تھا۔

"پریشان ہو طالوت" میں نے سوال کیا۔

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا پریشانی کا۔ بس اس لڑکی کے چہرے کی اداسی مجھے یاد آ رہی ہے۔ وہ بناوٹ نہیں تھی۔"

"چھوڑو۔ جب وہ غائب ہو گئی تھی تو پھر ہمیں اس سے کیا۔"

"ممکن ہے وہ مظلوم ہو۔ کسی دھرم و مذہب کو نظر انداز کرکے انسانیت کی مدد کرنی چاہئے۔"

"اب جب میرا ذہن صاف ہوا تو تم فضول باتیں لے بیٹھے۔" طالوت نے غصے سے کہا۔

"تمہارا خیال ہے کہ مظلوموں کی مدد کوئی دلچسپی نہیں ہے؟" میں نے طالوت کو گھورا۔

"پھر ذہن کیوں بھٹکا رہے ہو؟"

"تمہارا خیال ہے۔ ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تب تو ہم نئے مندروں میں اسے تلاش کریں گے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے کہا اور پھر ہم خاموشی سے آگے بڑھنے لگے۔ میں نئی نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ خاصا بڑا شہر تھا [illegible] عجیب لگ رہا تھا۔ ہم جو شہروں کے باسی [illegible] تو اس قسم کے شہر [illegible] حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن بہرحال ابھی ابتدا [illegible] تھی [illegible]

[illegible] مندر کے اندر داخل ہوئے۔ لیکن یہ مندر وہ حیثیت نہیں رکھتا تھا اور پھر ہم نے [illegible] مندر دیکھ ڈالے بڑے بڑے [illegible] اندر دیوی دیوتاؤں وغیرہ تھیں۔ لیکن ان میں وہ کوئی [illegible] تھی۔ پورے تین دن اور گزر گئے اور اب ہم [illegible] گئے تھے۔

"مگر تم بار بار اسے کیوں نہیں [illegible]؟" میں نے [illegible]

"فضول باتیں نہیں۔ یہ کام اپنے آپ بھی ہونا چاہئیں۔" طالوت نے جواب دیا اور پھر [illegible] انداز میں بولا "عارف تم نے ایک بات پر غور کیا؟"

"کیا؟"

"اس پورے شہر میں مسجد ایک بھی نہیں ہے۔"

"ہاں۔ لیکن یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ ممکن ہے یہاں مسلمان نہ ہوں۔"

"یہ ممکن ہے؟"

"ہاں۔ ہو سکتا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"[illegible] تعصب یہ ہندوؤں کی ریاست ہے۔ ممکن ہے راجہ [illegible] مسلمانوں کو پسند نہ کرتا ہو اور اس نے یہاں سے مسلمانوں کو نکال دیا ہو۔"

"اس کی [illegible] کیا خیال ہے وہ خدا کی زمین [illegible] کے ساتھ [illegible]" طالوت [illegible] انداز میں بولا اور میرے ہونٹوں پر ایک [illegible] مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو طالوت۔"

"کیوں؟" طالوت غرایا۔

"خدا کے [illegible] سے [illegible] لوگوں کی [illegible] ہے۔ خدا [illegible] بھی لیتے ہیں۔"

"میں مسلمانوں کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔"

"تم مسلمانوں کی سرزمین سے ہی آئے ہو۔"

[illegible]

"یہ خدا کو [illegible] والے لوگوں کی [illegible] والے [illegible] اپنے [illegible] مذہب [illegible] انسانیت کا احساس کرتے ہیں؟ یا خدا کے رشتے سے محبت کرتے ہیں۔ مذہب [illegible] ایک روایت نہیں [illegible] مذہب [illegible] حیثیت رکھتے ہیں۔ مذہب [illegible] ہم [illegible] ہیں [illegible] متاثر [illegible] وہ مذہب کا سہارا لیتے ہیں [illegible] واسطے رہتے ہیں [illegible] بات ہے [illegible] مصیبتوں کا حل [illegible] اور اس سے ہمارے مصیبتوں سے [illegible] آتے ہیں۔ لیکن مصیبت سے [illegible] آنے کے بعد ہم اس [illegible] سہارے کو کس آسانی سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ہم [illegible] نہیں سوچتے طالوت کہ جب [illegible] زندگی [illegible] میں پوشیدہ ہے تو [illegible] اپنی زندگی میں [illegible] شامل [illegible] ہیں۔"

"یہ انوکھی بات ہے عارف۔ ہم ایک [illegible] سہارے کو چھوڑ کر عارضی سہاروں کی پناہ حاصل کرتے ہیں۔"

"اس [illegible] کی [illegible] ہے۔"

"ٹھیک ہی کہتے ہو یار۔" طالوت نے [illegible] ہوئے کہا اور ہم ایک [illegible] کے خوبصورت [illegible] ہوئی تھی۔ دونوں [illegible] سوچ میں ڈوب [illegible] پھر طالوت نے ہی [illegible] "کس سوچ میں ڈوب گئے عارف؟"

"بس۔ کوئی خاص بات نہیں۔"

"[illegible] یار۔"

"پھر سوچو۔"

"سوچ لیا۔"

"اچھا کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"شکریہ۔" طالوت مسکرایا۔

"یعنی۔" "ارے [illegible] راجہ [illegible] محل۔ کیا اس محل کو [illegible] کی [illegible] نہیں ہے؟"

"یقیناً ہے۔"

"[illegible]" طالوت نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔



"[illegible]" میں نے [illegible]

"تو پھر؟"

"پھر مجھے تم [illegible] ایک باقاعدہ حیثیت سے [illegible] چاہیے؟"

"کوئی حرج نہیں ہے۔"

"کس حیثیت سے؟"

"یہ ابھی [illegible] سوچ لیں۔"

"[illegible]" میں نے [illegible] انداز میں کہا اور پھر [illegible] سے بولا "طالوت [illegible] مذہب [illegible] اور [illegible] مشکل ہے۔ ان کی دنیا میں بڑی [illegible] ہے۔ اگر ہم کسی [illegible] کی حیثیت سے وہاں چلیں [illegible] حیثیت سے [illegible] میرا خیال ہے [illegible] آسانی ہو گی اور [illegible]"

"[illegible]" طالوت نے [illegible] ہوئے کہا۔

"بس [illegible] کرو۔"

"تو [illegible] تمہارا [illegible]؟"

"[illegible] ضرورت [illegible] شکل و صورت بھی تبدیل کرنا پڑے گی۔"

"میرا خیال ہے [illegible] ہم [illegible] گے۔"

"ہاں [illegible] ہے۔"

"شکل و صورت کے بارے میں کیا [illegible]؟"

"[illegible] لمبے بال [illegible] داڑھیاں وغیرہ۔" میں نے کہا۔

"[illegible]" طالوت نے [illegible] اور [illegible] سیاہ بال اور [illegible] مجھے [illegible] دیا۔ میری سیاہ داڑھی [illegible] اور سر کے بال [illegible] لمبے ہو گئے تھے۔

"[illegible] شکل [illegible] ہماری [illegible]" میں نے [illegible] ہوئے کہا اور [illegible] میرا [illegible] شکل [illegible] تھا۔

ہمارے [illegible] سفید تھے۔ اس [illegible] سیاہ بال اور سیاہ داڑھی۔ طالوت [illegible] خوبصورت اور پروقار لگ رہا تھا [illegible] مطمئن انداز میں گردن ہلائی۔

"اب [illegible]" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو بھی [illegible]" طالوت نے جواب دیا اور

[illegible] ہم [illegible] اور راجہ [illegible] ہو گیا۔

"[illegible] لباس۔ لیکن [illegible] ہوں۔"

"حاضر [illegible]" راجہ نے کہا اور [illegible] اور [illegible] بہت مشکل تھا [illegible] کے ساتھ حاضر ہوا تھا۔

[illegible] بڑی [illegible] شکل کی [illegible] اور [illegible] راجہ نے [illegible] پیش کر دیئے اور ہم نے [illegible] کے ساتھ قبول [illegible] بدل [illegible] اور [illegible] لئے۔

"وہ [illegible] ہوتے ہیں [illegible] کی [illegible] ہو گی۔"

"[illegible] کی ایسی [illegible] دکھاؤں گا کہ طبیعت خوش ہو جائے [illegible]" طالوت نے کہا اور ہم [illegible] چل پڑے [illegible] کے بعد ہم [illegible] سامنے تھے۔

[illegible] بہت [illegible] چاروں جانب [illegible] ہوئے تھے [illegible] کی طرف جاتا تھا [illegible] دوسرا راستہ [illegible] جہاں بغیر اجازت [illegible] نہیں [illegible] اس طرف سے [illegible] تھے۔

ہم [illegible] راستے [illegible] اور [illegible] دیکھا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا [illegible]" میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور [illegible]

"بہت خوب۔" طالوت نے کہا اور ہم دونوں اندر داخل ہو گئے [illegible] ایک عظیم الشان ہال تھا۔ جس میں [illegible] تخت [illegible] تھا۔ تخت کے دونوں طرف [illegible] کرسیاں [illegible] تھیں۔ ان میں سے ایک کرسی پر ایک [illegible] قامت [illegible] تقریباً [illegible] عمر [illegible] اور [illegible] آنکھیں [illegible] اور [illegible] ایک خوبصورت [illegible] سے ایک [illegible] پر [illegible] ایک بوڑھا [illegible] آ رہی تھی۔

[illegible] تھا۔

"بڑی شاندار ہے۔" طالوت نے کہا۔
"ہاں۔ لیکن راجہ نہیں ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔
"کیا مطلب؟"
"یہ راجہ نہیں معلوم ہوتا۔"
"کیوں؟"
"راجہ ہوتا تو تخت پر ہوتا۔"
"اوہ۔ پھر کون ہے۔۔۔؟"
"وزیر۔۔۔ یا پھر کوئی اور بہت بڑا عہدیدار۔"
"ہوں۔" طالوت نے گردن ہلائی۔ چار سیڑھیاں اتر کر نیچے دوسرے درباریوں کی کرسیاں تھیں۔ ایک طرف مسائل لانے والوں کا کٹہرا بنا ہوا تھا جہاں چند لوگ کھڑے ہوئے تھے اور ایسے ہی دوسرے لوگ جو راج دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ ہم دونوں کو سب نے گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھا۔

بڑی مونچھوں والے نے بھی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے ہمیں دیکھا تھا۔ دربار کے چہرے تو سب ضرور ہوں گے۔ لیکن ہمیں ان تاثرات کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔

"چلو بس۔" طالوت نے رکے بغیر کہا اور ہم سب کو نظر انداز کر کے آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ سیڑھیوں کے پاس پہنچ گئے اور پھر ہم نے پہلی سیڑھی پر ہی قدم رکھا تھا کہ دو چوبدار جن کے ہاتھوں میں بلم تھے ہمارے پاس پہنچ گئے۔

"یہیں رکیں مہاراج۔" ان میں سے ایک نے کہا اور طالوت نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر دوسرے کی طرف اور دونوں اس طرح پیچھے ہٹ گئے جیسے انہیں کرنٹ لگا ہو۔

تب طالوت نے اشارہ کیا اور ہم سیڑھیوں پر چڑھ کر اوپر پہنچ گئے۔

چوڑے چہرے والا گہری نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے دوسری طرف بیٹھا ہوا سادھو بھی ہماری طرف ہی متوجہ تھا۔ تب بڑی مونچھوں والے نے گرجدار آواز میں کہا۔

"کیا بات ہے مہاراج؟"
"گووندا سپور کہاں ہے؟" طالوت نے کہا۔
"مہاراج دربار میں نہیں آتے۔ تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟"
"وہیں سے جہاں تیری نگاہیں۔ تیرا تصور نہیں پہنچ سکتا۔" طالوت نے جواب دیا۔
"منصب کی بات کرو مہاراج۔ میرا تصور بہت دور تک پہنچتا ہے۔"
"کون ہے تو؟" طالوت نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
"تم دیوان مہاجن لال کے سامنے ہو بالک۔" اس بار سادھو کی آواز ابھری۔
"راجہ گووندا سپور کو بلاؤ۔ ہم اس کے سوا کسی سے ملنا نہیں چاہتے۔" طالوت نے پر رعب لہجے میں کہا۔
"آپ اپنے بارے میں بتائیے دیوان مہاراج۔ کہاں سے آئے ہیں اور کیوں مہاراج سے ملنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ بہت بڑے گیانی ہیں تو آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ مہاراج کسی سے نہیں ملتے۔"
"فروزنی مہاراج۔" طالوت نے مجھے پکارا۔
"مہاراج ترہوف۔"
"ان آنکھ کے اندھوں کو بتاؤ کہ ہم کتنے بڑے گیانی ہیں۔"
"آپ ہی بتاویں مہاراج۔" میں نے کہا۔
"کیا مسخرہ پن لگا رکھا ہے تم لوگوں نے۔ یہ دربار ہے۔ دربار کا احترام کرو۔"
"سادھوؤں کے لئے کوئی دربار قابل احترام نہیں ہے۔ ہم تو اس دربار کے باسی ہیں جہاں بڑے بڑے راجہ بھکاری ہوتے ہیں۔"
"آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے مہاراج۔ بتا دیں اور یہاں سے چلے جائیں۔"
"کیوں۔ اتنے بڑے محل میں ہماری کوئی جگہ نہیں ہے۔"
"اوہ۔ تو یوں کہئے۔ آپ یہاں رہ کر روٹیاں توڑنا چاہتے ہیں لیکن اس کے لئے تو بہت سے مندر اور دھرم شالے موجود ہیں مہاراج۔" دیوان نے کہا اور کئی چوبدار ہماری طرف بڑھے۔
"خبردار۔ رک جاؤ۔ اگر فروزنی مہاراج کو جلال آ گیا تو تم سب بھسم ہو جاؤ گے۔" میں چیخ کر بولا۔
"پنڈت ناگی داس۔" دیوان جی نے اس بار سادھو مہاراج کو مخاطب کیا۔
"دیوان جی۔"
"ذرا ان سادھوؤں کو دیکھئے۔ یہ بھی مست فقیر ہیں یا پہنچے ہوئے بھی ہیں۔"
"میں دیکھ رہا ہوں دیوان جی۔ مجھے تو یہ مسخرے معلوم



ہوتے ہیں۔"
"فروزنی مہاراج۔ مجھے جلال آ رہا ہے۔" طالوت بولا۔
"آنے دیں مہاراج۔ یہ ایسے نہیں مانیں گے۔" میں نے کہا۔
"تو یہ لے۔" طالوت نے ایک ہاتھ اٹھایا اور سادھو مہاراج پنڈت ناگی داس کی کرسی الٹی ہو گئی۔ صورتحال یہ تھی کہ ناگی داس اس پر بیٹھے ہوئے بھی تھے لیکن نیچے نہیں گرے تھے اور کرسی الٹی فضا میں ٹکی ہوئی تھی۔
"اگر سچے سادھوؤں کا ایسے ہی اپمان ہوتا رہا اس محل میں تو ایک دن ہم اس محل کو بھی اسی طرح الٹا کر دیں گے۔ تو فروزنی مہاراج۔" طالوت نے میرا شانہ پکڑا۔ اور واپسی کے لئے مڑا۔

لیکن دیوان مہاجن لال جلدی سے کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے فضا میں الٹی لٹکی ہوئی کرسی کو دیکھ رہا تھا۔ درباریوں کی بھی عجیب کیفیت تھی۔ سب کے منہ کھلے ہوئے تھے۔

"مہاراج۔ مہاراج۔ رک جائیے مہاراج۔" دیوان مہاجن لال ہاتھ اٹھا کر چیخا۔
"اب نہیں رکیں گے۔ اب نہیں رکیں گے۔ ہم روٹیاں توڑنے آئے تھے۔ تمہیں توڑیں گے تیری روٹیاں۔ اتارو اب اپنے ناگی داس کو۔ ہم بھی تو دیکھیں کیسے اتارتا ہے۔" طالوت اکڑتے ہوئے بولا۔
"مہاراج۔ مہاراج۔ رک جائیے مہاراج۔" دیوان جی نے کہا۔ بہت سے لوگ ہمارے راستے میں آ گئے تھے۔ اور پھر دیوان جی بھی سیڑھیاں اتر کر ہمارے پاس پہنچ گئے۔
"رک جائیے مہاراج۔ رک جائیے۔"
"کیوں رک جائیں۔ نہیں رکیں گے۔"
"آپ مہان ہیں مہاراج۔ ہماری آنکھیں آپ کو نہیں پہچان سکی تھیں۔"
"مسخرے ہیں ہم تو۔"
"نہیں مہاراج۔ بھول ہوئی تھی۔ شما کر دیں۔"
"دیوان مہاجن لال۔" طالوت نے کہا۔
"مہاراج۔" دیوان عاجزی سے بولا۔
"ہم تم سے کہہ چکے ہیں کہ ہم گووندا سپور سے ملنا چاہتے ہیں۔"
"ان سے بھی ملوا دوں گا مہاراج۔ مجھے بھی سیوا کا موقع دیجئے۔"
"تب تک یہیں ہمارے ٹھہرنے کا بندوبست کرو۔"
"سب کچھ ہو جائے گا مہاراج۔ سب کچھ ہو جائے گا۔ آپ پدھاریئے۔"
"فروزنی مہاراج۔" طالوت نے مجھے پکارا۔
"مہاراج ترہوف۔"
"کیسے پدھاریں؟" طالوت کچھ تیز لہجے میں بولا۔ پدھارنے کا انداز اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔
"جہاں دل چاہے بیٹھ جائیں مہاراج۔"
"اوہ۔ اچھا۔ اچھا۔" طالوت نے کہا۔ اور پھر وہ خطرناک شخص مہاراجہ گووندا سپور کے تخت پر بیٹھ گیا۔ سارے درباری کھڑے ہوئے تھے۔ وہ تکتے ہوئے مہاراج کو دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ لیکن گووندا سپور کے تخت پر کسی کو بیٹھے دیکھ کر وہ غصے میں بھر گئے۔
"مہاراج۔ مہاراج۔ شما کریں مہاراج وہاں نہ بیٹھیں۔ بڑی ہانی ہو گی۔"
"کیوں؟ کیوں نہ بیٹھیں؟"
"یہ مہاراج کا سنگھاسن ہے۔ یہاں اور کوئی نہیں بیٹھ سکتا۔"

"سادھو بیٹھ سکتے ہیں۔" "اسے تخت سے اتار دو۔" راجہ جانی کی فوجوں کا سپہ سالار بولا۔
"تو تو اتار دو۔" اور اس سے قبل کہ وہ اپنی جگہ سے کتنے سالار چند لوگوں کو اشارہ کر کے طالوت پر لپکتا۔ اس نے طالوت سے ہاتھا پائی نہیں کی تھی۔ لیکن وہ سب مل کر اسے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں دیکھ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ پانچ چھ آدمی مل کر طالوت کو نہ ہلا سکے۔
اور وہ بری طرح ہانپ گئے۔ سالار پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔
"بد قسمت۔ دربار بد قسمت۔" دیوان مہاجن لال چیخا اور درباری کھڑے ہو گئے۔ بہرحال یہاں بھی خوب دھما چوکڑی مچ گئی تھی۔ طالوت اب تخت پر جما بیٹھا تھا۔ معمولی بات نہیں تھی۔ بہت بڑا جرم تھا کہ راجہ کی زندگی میں اس کے تخت پر کوئی بیٹھ جائے۔
"اٹھ جائیے مہاراج۔ بھگوان کے لئے اٹھ جائیے۔ ورنہ میں مصیبت میں پھنس جاؤں گا۔"
"بڑے چھوٹے دل کے ہو تم لوگ۔ کیا ہو جائے گا اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم اس تخت پر بیٹھ گئے۔" طالوت نے اکڑتے ہوئے کہا۔
"اس کی سزا موت ہے مہاراج۔ گر آپ سچے سادھو

...ہیں سے بڑی ہے

"ویسے بہت اچھی ہے۔"

"اس میں کیا شک ہے۔"

"سونے کے ان دنوں وہ دیکھ رہا تھا کہ یہاں کا راج [illegible] ریاست ہے۔"

"چھوڑیئے۔" میں نے [illegible] اور ناگی داس ایک دروازے کے پاس آ گئے۔

"چھپا لیا گیا ہے مہارانی" ناگی داس نے کہا۔

"کیوں، یہ کون ہے؟"

"آپ ایک بہت بڑے رشی منی کی سیوا میں حاضر ہو رہے ہیں۔"

"یہ کون ہیں؟"

"مہارانی جی یہ مہان ہستی ہیں۔ ان سے مل کر آپ کی طبیعت خوش ہو جائے گی۔"

"آپ کی رائے میں وہ کون سی شخصیت ہیں ناگی داس جی؟"

"بس، آپ دیکھ لیجئے مہارانی جی" ناگی داس نے کہا، [illegible] کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ [illegible]

"اوہ" طالوت نے گردن ہلائی اور پھر ہم نے مخصوص ساخت کی سادھوؤں کی جھونپڑی [illegible] دروازے سے اندر آئے اور اندر داخل ہو گئے۔ اندر فضا بڑی پُراسرار تھی۔ سامنے ایک مجسمہ [illegible] کے درمیان رکھا ہوا تھا اور اس کے قدموں میں ایک سادھو جس کا نفس سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کے بدن پر بھی سادھوؤں کا لباس تھا۔ لیکن عام سادھوؤں کی مانند اس کا سر گھٹا ہوا نہیں تھا بلکہ لمبے لمبے بال بکھرے ہوئے تھے۔

"بڑی [illegible]" ناگی داس نے آہستہ سے کہا۔ لیکن سادھو متوجہ نہیں ہوا۔ وہ سر جھکائے بیٹھا رہا۔ [illegible] منٹ اسی طرح گزر گئے۔ ہم لوگ [illegible] کھڑے تھے اور طالوت کے چہرے کے تاثرات بدلتے جا رہے تھے۔

"اٹھو اب!" طالوت نے غرّائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اوہ، رکو، دیکھتے رہو۔" میں نے سرگوشی میں کہا۔ تب سادھو نے گردن اٹھائی اور پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ قامت لمبے قد کا مالک تھا۔ عام سادھوؤں کی طرح مجہول نہیں تھا بلکہ سڈول بدن رکھتا تھا۔ چہرے سے تیز اور خطرناک معلوم ہوتا تھا۔ اس نے خاموشی سے ہم تینوں کو دیکھا اور پھر بڑے نرم لہجے میں بولا۔

"کیا بات ہے ناگی داس، کون لوگ ہیں یہ؟"

"وہ بڑے پیارے ہیں مہارانی، بہت بڑے مہمان ہیں۔"

...ان سے ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"آپ سب کا سواگت ہے مہارانی جی۔" سادھو نے نرم لہجے میں کہا اور مہمانوں نے بھی ہاتھ جوڑ دئیے۔ "میرے یہاں تک آنے کا" اس نے پوچھا۔

"وہ جو جوہن لال جی نے کہا ہے ان کی اچھا ہے کہ آپ ان کے مندر میں رہنے کا بندوبست کر دیں۔"

"ہوں" سادھو نے کہا اور ایک بار پھر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں بہت گہری [illegible] تھیں۔ "مہاراج کی [illegible] ناگی داس، ٹھیک ہے۔"

"مہاراج جوہن لال جی کی اچھا ہے کہ ان کے [illegible] بہت اچھا سلوک کیا جائے۔"

"یہ لوگوں کا حق ہے ناگی، یہاں کسی کے ساتھ برا سلوک نہیں ہوتا۔" سادھو [illegible] نرم لہجے میں کہا۔ "لیکن یہ بات تم دونوں سے [illegible] کی تھی کہ اس [illegible] میں بڑی [illegible] ہے"

"مجھے پتا ہے مہاراج۔"

"پاس ہو تو جیسا کہو ان کے ساتھ برا سلوک نہ ہوگا۔" اور ناگی داس ہاتھ جوڑ کر نمسکار کر کے چلا گیا۔

"آئیے مہارانی۔ مگر [illegible] یہ جگہ [illegible] ہے نا۔" [illegible] اور پھر وہ ساتھ [illegible] سے نکل آیا۔ عظیم الشان مندر کے ایک خوبصورت کمرے میں پہنچ کر وہ زمین پر بچھی ہوئی دری پر بیٹھ گئے۔ جوہن لال نے ایک طرف رکھا ہوا گھنٹہ بجایا تو ایک قوی ہیکل پنڈا اندر آیا۔

"سادھو مہاراج آئے ہیں، ان کے لئے جل پان لاؤ۔"

"مہارانی" پنڈے نے سر جھکایا اور باہر نکل گیا۔ تب جوہن لال نے روشنی میں [illegible] آنکھوں میں جھانکا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کے دانت بھی کسی بھیڑیئے کی مانند تھے اور اس کی مسکراہٹ بظاہر نرم، لیکن اندر سے بڑی خوفناک تھی۔

"آپ کے درشن کر کے بڑی خوشی ہوئی مہارانی۔ میرا نام جوہن لال ہے۔ آپ کا شبھ نام ہے؟"

"[illegible]" طالوت نے جواب دیا۔

"اوہ" جوہن لال آہستہ سے ہنسا۔ اس نے [illegible] نہیں کیا تھا۔ پر اس کی آنکھیں [illegible] تھیں۔ "آپ دونوں بھائی معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کی شکلیں ایک دوسرے سے بہت ملتی ہیں۔" اس نے کہا۔



ہیں۔ میں آپ سے کیا کہوں" جوہن لال بے حد [illegible] ہو گیا۔ اس کے خوبصورت چہرے پر بے بسی نظر آ رہی تھی۔

وہ لوگ وہاں سے چلے گئے تھے۔ جوہن لال اور دوسرے خاص لوگ موجود تھے۔

"ناگی داس کی مشکل میں [illegible] مہارانی" جوہن لال نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"ناگی داس، نیچے اتر آؤ" طالوت نے کہا اور ناگی داس [illegible] نیچے اتر آیا۔ ناگی داس [illegible] کی مانند [illegible] تھا۔ اس کی [illegible] نہیں ہو رہی تھیں۔

"ہم آپ کی سیوا کریں مہارانی۔" جوہن لال نے کہا۔

"میں چاہتی ہوں تمہارے ساتھ کچھ دن رہیں گے۔ وہ اس [illegible] ملیں گے اور پھر یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"مگر مہاراج تو کسی سے ملتے نہیں۔"

"کیوں؟"

"بس۔ آج کل ان کی صحت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ دربار میں بھی نہیں آتے۔"

"ہم ان کی صحت ٹھیک کر دیں گے۔"

"وہ کسی سے نہیں ملتے۔"

"پھر ریاست کے کام کون چلاتا ہے؟"

"ان کا داس۔" جوہن لال نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے دیوان جی۔ مگر کیسی ہے تمہاری حکومت۔ یہاں سادھوؤں کے لئے بھی جگہ نہیں ہے۔"

"پوری ریاست [illegible] میں [illegible] اور مندر موجود ہیں مہارانی۔ اور پھر آپ جیسے رشی منی کو تو ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔ آپ چنتا نہ کریں۔"

"چنتا اس بات کی ہے کہ ہم تمہارے [illegible] میں [illegible] کے ہم عام سادھو نہیں ہیں۔"

"اگر آپ کہیں تو راج مندر میں آپ کا بندوبست کرا دیا جائے۔"

"راج مندر یہ کہاں ہے؟"

"محل کے اندر بہت بڑا مندر ہے۔ اس کے دروازے ہفتے میں صرف ایک روز عام لوگوں کے لئے کھلتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے وہیں سہی۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ناگی داس جی۔" جوہن لال نے پکارا۔

"جی۔ [illegible]" [illegible] اور پھر وہ [illegible] ہو گئے تھے۔

"کیا آپ [illegible]" جوہن لال نے [illegible] پوچھا تھا۔

"نہیں دیوان جی۔ نہیں [illegible] مہاراج۔" اس نے جوہن لال کی طرف ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"مہمان سادھوؤں کو راج مندر لے جائیے۔"

"جو آگیا مہاراج۔ جو حکم مہاراج۔" ناگی داس [illegible] شکل بگڑی ہوئی تھی۔ [illegible] ان کی [illegible] سے [illegible] میں [illegible] مہاراج۔"

"[illegible] مہاراج نے کہ ان کے رہنے کا بندوبست کرا دیں۔"

"جو آگیا مہاراج۔" ناگی داس نے [illegible] ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا اور جوہن لال نے ہماری طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

"اس میں تمہاری [illegible] ہے جوہن لال۔" میں نے کہا اور جوہن لال [illegible] ناگی داس اب ہمارے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ [illegible] دانت [illegible] گیا۔

"مجھے شما کریں مہاراج۔ [illegible] آپ [illegible] ہوں۔ آپ [illegible] سمجھ رہا تھا۔"

"ہوگا، معاف کیا۔ پھر سادھوؤں کے بارے میں [illegible] بغیر اب ایسی کوئی بات منہ سے نہ نکلنا۔" طالوت نے کہا اور ہم [illegible] راستے طے کرتے رہے۔ راج مندر راج محل کی رہائشی عمارت کے عقب میں [illegible] عظیم الشان مندر تھا۔ [illegible] مندر کے صحن میں ایک بہت بڑا [illegible] نصب تھا۔ اس کے پیچھے ایک بڑا دالان تھا۔ دالان سے گزر کر [illegible] عظیم الشان ہال تھا جہاں [illegible] ایک وقت میں [illegible] یہاں سادھو [illegible] رکھے ہوئے تھے دونوں پنڈت اور [illegible] مشغول تھے۔ ناگی داس [illegible] ہم اس [illegible] سے [illegible] گئے۔

"یہ خیال ہے [illegible] بھی ہیں؟"

"راج مندر ہے [illegible] ہیں۔"

"اور [illegible]" طالوت نے [illegible] ہوئے کہا۔

"ہاں۔ ہم دونوں بھائی ہیں۔"
"کہاں سے آئے ہیں؟"
"پہاڑوں سے۔" طالوت نے جواب دیا۔ ویسے وہ بھی اب اس ماحول سے واقف ہو گیا تھا اور کافی حد تک فٹ ہو رہا تھا۔
"خوب۔ تعلق کہاں سے ہے؟"
"پہاڑوں سے۔"
"وہ میں سمجھا۔ آپ اپنے بارے میں کچھ بتانا نہیں چاہتے۔ ٹھیک ہے سادھو سنتوں کا اس سنسار سے کیا تعلق۔ یہ سنسار ان کے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ بہرحال میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔"
"یہ بات نہیں ہے پورن مہاراج۔ سچی بات یہ ہے کہ ہم نے جیون میں پہلی بار اس سنسار کو دیکھا ہے۔ ہم نے پہاڑوں پر آنکھ کھولی۔ وہیں عمر بتائی اور پھر ہمیں حکم ملا کہ اس سنسار کو قریب سے دیکھیں سو ہم چلے آئے۔" میں نے کہا۔
"بھگوان کی لیلا ہے۔" پورن لال نے کہا۔ بڑا پکا اور گہرا آدمی تھا۔ تھوڑی دیر میں پنڈا تھال اٹھائے آ گیا۔ اس کے پیچھے ایک اور پنڈا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کسی خوش رنگ مشروب کے گلاس تھے۔ پہلے پنڈے کے ہاتھوں پر رکھے ہوئے تھال میں پھل اور مٹھائیاں تھیں۔ انہوں نے یہ سب سامان ہمارے سامنے رکھ دیا۔
"شروع کریں مہاراج۔" پورن لال نے کہا اور پنڈوں سے مخاطب ہو کر بولا۔
"ایک کوٹھری مہمانوں کے لئے ٹھیک کر دو۔ سنت یہاں آرام کریں گے۔"
"جو آگیا مہاراج۔" دونوں پنڈے ادب سے بولے اور باہر نکل گئے۔ میں نے کسی قدر تکلف سے کام لیا تھا۔ لیکن طالوت کسی سلسلے میں تکلف نہیں جانتا تھا۔ وہ مزے سے شروع ہو گیا اور پھلوں اور مٹھائیوں پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ اس نے ایک بار بھی پورن لال کو اپنے ساتھ شامل ہونے کو نہیں کہا تھا۔ پورن لال مسکراتی نگاہوں سے ہمیں دیکھتا رہا۔
اور پھر شربت کے کئی گلاس پینے کے بعد طالوت نے ایک ڈکار لی اور اس طرح مجھے اور پورن لال کو گھورنے لگا جیسے اس سے قبل موجودگی کو ہی بھول گیا ہو۔
"پوجا شام کو چھ بجے ہوگی مہاراج۔ اس وقت تک آرام کریں۔" پورن لال نے پھر گھنٹہ بجایا اور پنڈے آ گئے۔
"کوٹھری ٹھیک کر دی؟"
"ہاں مہاراج۔"
"ہمیں وہاں لے جاؤ۔" پورن لال نے کہا۔ وہ اور ہم ذرا دیر میں آئے۔ کوٹھری تک کا سفر خاموشی سے طے ہوا۔ جس کوٹھری میں لایا گیا تھا وہ ایک صاف اور کشادہ کمرہ تھا۔ روشن اور ہوادار۔ وہاں آرام و آسائش کا سارا سامان موجود تھا۔ طالوت اطمینان سے ایک نرم مرگ چھالے پر دراز ہو گیا۔
"ایسا لگتا ہے جیسے سسرال آئے ہوں۔" اس نے کروٹ بدل کر کہا۔
"لیکن طالوت۔ میں خود کو بہت سے انجانے خطروں میں گھرا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔"
"خطرات کی ایسی کی تیسی۔"
"تم نے پجاری پر غور کیا؟" میں نے پوچھا۔
"اب کریں گے غور کس سلسلے میں؟"
"دیوان برجمن کے بارے میں کیا خیال ہے؟"
"چالاک اور خطرناک آدمی ہے۔" طالوت نے لاپرواہی سے جواب دیا۔
"میرا بھی یہی خیال ہے۔ صورت ہی سے خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ تم لاپرواہی سے ٹال رہے ہو۔ حالانکہ میرا خیال ہے اس نے ہمیں بحالت مجبوری برداشت کیا ہے۔"
"جیسے بھی برداشت کرے۔ بہت سے لوگوں نے ہمیں بحالت مجبوری برداشت کیا ہے۔ یہ کون سی نئی بات ہے۔" طالوت نے کہا۔
"اور پھر یہ پورن لال؟"
"صحیح معنوں میں تو میرے خیال میں پورن لال برجمن لال سے زیادہ ہی خطرناک ہے۔"
"فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ دونوں میں کون زیادہ خطرناک ہے۔"
"فیصلہ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے یار۔ ہم دونوں کی ناک کاٹ لیں گے تاکہ ناک غائب ہو جائے اور صرف خطرہ رہ جائیں۔"
"تمہارے لئے یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی طالوت۔ لیکن مجھے غور کرنا پڑے گا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ برجمن لال ہمیں نظرانداز کر دے گا۔"
"جب تک زندہ ہوں۔ تمہارے لئے بھی کوئی بات اہمیت نہیں رکھتی۔ سمجھے۔" طالوت نے کہا اور پھر جھنجھلائے ہوئے انداز میں بولا "چھوڑو یار۔" یہ فضول باتیں نہ کیجئے۔ چھوڑو تمہیں کچھ دلکش باتیں کرو۔"
"ہوں۔" میں نے ایک گہری سانس لی۔ "یہ رات کیسی ہے۔ رنگینیوں اور دلکشی سے بھرپور ہو گی۔ ہمیں مندر کی بہاریں۔" طالوت نے پوچھا۔
"رات ہونے دو۔ ویسے پوجا ہال میں چلیں گے۔ دیکھیں گے وہاں کیا پوزیشن ہے۔"
"تب پھر آرام کرو۔" طالوت نے کہا اور مزے سے لیٹ گیا۔ لیکن میں ان دونوں شخصیتوں کا موازنہ کر رہا تھا۔ برجمن لال اور پورن لال۔ برجمن صاحب اقتدار، گویا گوونداس کی پوری مملکت میں وہ دربار میں کا معتمد اور تھا حکومت کے کاموں کو چلا سکتا ہے۔ اس سے اس کی حیثیت کا پتہ چلتا ہے گوونداس کو اس پر بے حد اعتماد کرتا ہے۔
اور.... شاید پورن لال۔ برجمن لال کے خاص آدمیوں میں شامل ہے۔ لیکن یہ شخص بھی برجمن لال سے کم خطرناک نہیں ہے۔ خاص طور سے ایسے لوگ بے حد خوفناک ہوتے ہیں جو بھیڑیئے ہونے کے باوجود بکریوں کے انداز میں گفتگو کریں۔ بہرحال یہ تجربہ بھی دلچسپ رہے گا۔ میں نے ایک طویل سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں۔
شام کو چھ بجے ہم تیار ہو گئے اور پوجا کے ہال میں چل پڑے۔ اندر سے گھنٹیوں کی تیز جھنجھناہٹ سنائی دے رہی تھی۔ ہم نے اندر قدم رکھا تو آنکھیں چکاچوند ہو گئیں۔
جس مندر میں ہم نے تین روز گزارے تھے اس کی تو حیثیت ہی کیا تھی۔ وہ نام کا مندر تھا۔ اور یہ راج مندر۔ جس کی داسیاں اور رانیاں بھی موجود تھیں۔ صحیح معنوں میں مردوں کی تعداد تو نہ ہونے کے برابر تھی۔ صرف چند مرد اور وہ بھی بوڑھے یا پھر پنڈے تھے۔ جو حسب معمول پوجا کے کاموں میں مشغول تھے۔ بہت سے پنڈت تھے۔ لیکن پورن لال موجود نہیں تھا۔
"یار بڑا حسن بکھرا ہوا ہے۔"
"راجہ کا محل ہے۔" میں نے جواب دیا۔
"ویسے یہ ہندو عورتیں بے حد حسین ہوتی ہیں۔"
"اس میں کیا شک ہے۔"
"ان میں گوونداس کی رانیاں بھی ضرور ہوں گی؟"
"ہاں۔ میرا خیال ہے۔ داسیاں جن حسیناؤں کو جھرمٹ میں لئے ہوئے ہیں وہ رانیاں ہی ہوں گی۔"
"اس عورت کو دیکھو۔ میرا خیال ہے زیادہ عمر نہیں ہے۔" طالوت نے ایک خوبصورت عورت کی طرف اشارہ کر کے کہا اور میں اس رانی کو دیکھنے لگا بلاشبہ انتہائی پرکشش خدوخال کی مالک تھی۔ چاند کی مانند دمکتا ہوا چہرہ۔ زیورات سے مزین تھی اس لئے اور حسین نظر آ رہی تھی۔ میں اسے دیکھتا رہ گیا۔ واقعی بہت خوبصورت تھی۔ انتہائی حسین جسم جو سرخ رنگ کی ساڑھی میں بے حد پرکشش نظر آ رہا تھا۔
"یا حسین چیز ہے طالوت۔" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔
"پسند ہے تمہیں!" طالوت نے کہا۔
"کیا بات ہے اس کی؟"
"تب ہو گئی تمہیں دی۔" طالوت نے فراخدلی سے کہا اور مجھے ہنسی آ گئی۔ "اب جتنے کی بات ہے۔ تم اس سے عشق کرنے کے لئے آزاد ہو۔" طالوت نے مذہبی انداز میں بخشتے ہوئے کہا اور میں ذہن ہلا کر رہ گیا۔ ویسے یہ حقیقت تھی۔ وہ کوئی بھی ہو مجھے پسند آئی تھی اور میں اس کے لئے اپنے دل میں کافی کشش محسوس کر رہا تھا۔
"پوجا ہوتی رہی۔ پنڈت اشلوک پڑھتے رہے اور پھر پوجا کے تخت پر ایک دیوتیا نے تھوڑی دیر رقص کیا۔ جب پوجا ختم ہوئی۔ داسیاں رانیاں مندر سے نکلنے لگیں۔
میں صرف اسی رانی کو دیکھ رہا تھا۔ بڑی نزاکت تھی اس کی چال میں۔ بے حد پرکشش عورت تھی۔ دل چھین لینے والی۔ ہم لوگ بھی پوجا ہال سے باہر نکل آئے اور باہر قدم رکھتے ہی طالوت چونک پڑا۔
"خارف۔" اس نے آہستہ سے کہا۔
"ہوں۔"
"برجمن لال۔" طالوت نے کہا اور میں بھی اس کے اشارے پر برجمن لال کی طرف دیکھنے لگا۔ جو شاید پجاری پورن لال کی طرف بڑھ رہا تھا۔ "یہ خطرناک شخص والے ہیں۔" میں نے کہا۔
"ہمیں ان سے دور رہنا چاہئے۔"
"تب پھر آؤ۔" ہم اپنے کمرے کی طرف چل پڑے اور پھر اتفاق ہی سے تیار ہو کر ہم دونوں پورن لال کی رہائش گاہ کی طرف بڑھے۔ لیکن اس وقت ہم دنیا کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔
پورن لال کی رہائش گاہ کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ پنڈے باہر نکل رہے تھے۔ شاید انہیں باہر جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ بہرحال ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔ برجمن لال ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور پجاری اس سے تھوڑے فاصلے پر کھڑا جاتے ہوئے پنڈوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر جب آخری پنڈا نکل گیا تو پورن لال نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔
اور پھر مسکراتا ہوا برجمن لال کی طرف مڑا۔ وہ

بجھتے ہوئے مسکرا رہے تھے۔
"یہ ہے پورن لال؟" مہاراج نے پوچھا۔
"جی ہاں، مہاراج کی کرپا ہے۔"
"خوب، تو یہ بات ہے۔" مہاراج مسکرائے۔
"خوب۔"
"یہ کون ہیں؟"
"دو سادھو ہیں مہاراج۔ [illegible] کہاں جانے لگے۔" پورن لال نے [illegible] انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔
"ہاں۔ تم سے [illegible] ہے آج تم سے۔" مہاراج بولا اور طالوت ایک گہری سانس لے کر میری طرف دیکھنے لگا۔

○○○

پورن لال بدستور جس رہا تھا اور مہاراج [illegible] نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔
"میں نے دو سادھوؤں کو تمہارے پاس بھیجا تھا پورن لال؟"
"پہنچ گئے ہیں مہاراج اور میں نے آپ کی آگیا کے مطابق انہیں آرام سے ٹھہرا دیا ہے۔"
"میں نے صرف اس لئے انہیں تمہارے پاس بھیجا تھا پورن لال؟"
"میں یہ بھی جانتا ہوں مہاراج۔ یہ آپ سے بات کئے بنا میں کیا کر سکتا تھا۔ اب مجھے ان کے بارے میں بتائیے۔"
"خود تم نے ان کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگایا؟"
"معمولی سا۔"
"کیا؟"
"بہت گہرے، بہت چالاک ہیں۔ بس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔"
"اچانک دربار میں آ نکلے اور ایسے ایسے حیرت انگیز کرتب دکھائے کہ سارے درباری حیران رہ گئے۔ ان میں سے ایک تو راج سنگھاسن پر ہی بیٹھ گیا۔ سپاہی بہت چڑا۔ اس نے اسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن بہت سے لوگ بھی مل کر اسے نہ اٹھا سکے۔"
"طاقت کا کمال ہوگا۔ ان کے بدن بھی مضبوط معلوم ہوتے ہیں۔"
"ارے نہیں پورن لال۔ [illegible] کرسی اٹھتی ہوئی تھی اور وہ اس پر بیٹھے تھے۔"
"خوب۔" پورن لال کی سمجھ میں ابھی بھی کچھ نہیں آیا [illegible] میں ڈوب گیا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر اس نے

کہنا چاہتے ہوئے کہا۔ "صورت سے تو [illegible] معلوم ہوتے ہیں اور اگر ہیں تو راج محل میں ان کا [illegible] انہوں نے اپنے آنے کا کارن نہیں بتایا؟"
"مہاراج کو وہ اس کے پورے [illegible] کی باتیں کرتے تھے۔"
"تمہیں؟"
"تو ان کے پاس [illegible] تھے۔"
"تو پھر یہ بات [illegible] مہاراج؟"
"میں نے انہیں تمہارے حوالے کر دیا ہے پورن لال۔ تمہارا محل [illegible] کسی خطرناک آدمی کا وجود برداشت نہیں کر سکتا [illegible] ویسے بھی اچھے نہیں ہیں۔"
"ہوں۔" پورن لال کی آنکھیں بہت خوش تھیں۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے مہاراج [illegible] آپ [illegible] کارروائی [illegible]۔"
"تم جانتے ہو پورن لال۔ ہوشیاری سے کام لینا ہے۔"
"میں آپ کو بتا دوں [illegible]" پورن لال مسکرایا۔
"ابھی کچھ جلدی ہے پورن لال۔ وہ تو ہم بھی جانتے ہیں [illegible] ابھی تو دیکھو [illegible]۔"
"اسے محل میں آنا چاہئے مہاراج۔ آپ اسے [illegible]۔"
"آ جائے گا۔ آپ [illegible]۔" مہاراج [illegible] ہوئے کہا اور پھر وہ اٹھ گئے۔ پورن لال ان کے [illegible] چھوڑنے گیا تھا اور [illegible]۔
"وہ ٹھیک انسان [illegible]۔" میں نے [illegible] طالوت چونک پڑا۔
"ہاں۔ ایک طالوت اور دوسرا عارف۔" اس نے مسکراتے ہوئے انداز میں کہا۔
"نہیں۔ ایک مہاراج اور دوسرا پورن لال۔"
"کیا اس سے دونوں [illegible] معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارا کیا بگاڑ سکیں گے۔"
"[illegible] تو [illegible] ہے۔"
"دیکھ لیں گے۔" طالوت نے [illegible] اور پھر مجھے اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "چلیں۔"
اور پھر دونوں [illegible] سے نکل کر تھوڑی دیر کے بعد ہم اپنی کوٹھری میں تھے۔
"[illegible]" طالوت نے [illegible] انداز میں [illegible]



"وہ دو سادھو [illegible]" سے کہا۔
"پورن لال [illegible] معلوم ہوتا ہے۔"
"اور ان دونوں کی [illegible] ہے۔"
"[illegible]"
"وہ اس [illegible]"
"ہاں۔"
"یہاں تو [illegible] معلوم ہوتا ہے۔ وہ بھی کوئی [illegible] فطرت انسان ہوگا۔ عورتوں میں [illegible] رہتا ہوگا۔ ویسے یار اس راج مندر میں ابھی تک کوئی تفریح نہیں ہوئی۔"
"صبر کرو۔ یہاں کے حالات معلوم کرو۔ تفریح کے لئے بہت وقت پڑا ہے۔"
"یار عارف۔ تم نے یہاں [illegible] وہ لڑکی [illegible] آجاتی ہے۔"
"اعتراف کیوں نہیں کر لیتے؟"
"اس کے حسن کا [illegible] اس کی [illegible] آنکھوں کا اعتراف کرتا ہوں لیکن اس کے بعد سے فضول بکواس ہے۔ تم نے مجھے [illegible] کر دیا ہے کہ اب ان چکروں میں نہیں پڑوں گا [illegible] کوشش کرنے کے چکر میں ہوں [illegible] ضرور تھی [illegible]۔"
"یہاں کے حالات کو دیکھ کر طبیعت [illegible] خاص طور سے تلاش نہیں کریں گے۔ ہاں اگر اس دوران نظر آ گئی تو اس کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔"
"جیسی تمہاری مرضی۔"
"اب کیا پروگرام ہے؟"
"جو تمہاری مرضی۔" میں نے کہا۔
"[illegible]"
"[illegible] میرا خیال ہے رات کا [illegible] اور پھر ممکن ہے پورن لال ہی آج ہم سے ملاقات کی کوشش کرے۔"
"[illegible]"
"میری تو [illegible]" میں نے جواب دیا اور طالوت نے [illegible] بھی [illegible]
رات [illegible]
لگے ہوئے تھے [illegible]

وہ تھال [illegible] سامنے رکھ دیئے گئے اور پھر کھانا لانے والے چلے گئے تو میں نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔
"ٹھہرو یار۔ [illegible]" طالوت نے [illegible] میں رکھ لیا۔ طالوت نے [illegible] پر ہاتھ گھمایا اور [illegible] کرنے لگا اور پھر اس نے مطمئن انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے۔"
"کیا مطلب؟"
"پورن لال جی کی نوازشوں کا خیال رکھنا ہوگا۔"
"زہر وغیرہ؟"
"سب کچھ ہو سکتا ہے۔" طالوت نے جواب دیا اور ہم کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ ویسے میں طالوت کی بات سے متفق تھا۔ بہرحال ساری رات پورن لال نے ہم سے ملاقات کرنے میں [illegible] رات کو کوئی دیر تک ہم نے [illegible] کا انتظار کیا اور پھر سو گئے۔ صبح مندر کے گھنٹوں اور ناقوس کی آوازوں سے آنکھ کھلی تھی۔
"[illegible]" [illegible] کہا۔
"اٹھو [illegible] مہاراج [illegible]"
"[illegible]"
"[illegible]"
اور پھر تھوڑی دیر کے بعد ہم باہر نکل آئے [illegible] پورن لال [illegible] تھے [illegible] موجود نہیں تھے [illegible] نظر آ رہے تھے [illegible] زیادہ ہو رہا ہوگی ہے۔
بہرحال ہم ان لوگوں کی حرکتیں دیکھتے رہے [illegible] پورن لال کی طرف [illegible] دیکھ کر [illegible] کے چہرے مسکراتے ہوئے ہماری طرف آئے [illegible] دونوں ہاتھ جوڑ کر [illegible] اور ہم نے [illegible]
"[illegible] تکلیف تو نہیں ہوئی آپ لوگوں کو؟"
"سادھو سنتوں کو تکلیف اور آرام کی کوئی پروا نہیں ہوتی [illegible]"
"[illegible] آپ کے ساتھ [illegible]"
"[illegible]" طالوت نے کہا۔
[illegible]

یہ حصہ سارے حصوں سے زیادہ خوبصورت تھا۔ جو سجائے ہوئے کمرے میں پرانے طرز کا عمدہ فرنیچر موجود تھا۔ پورن لال نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ہم بیٹھ گئے۔ پورن لال ہمارے سامنے ایک کارنس کے قریب کھڑا ہو گیا تھا۔ کارنس پر کہنی ٹکائے وہ ہمیں گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ "آپ یہاں کیوں آئے ہیں مہاراج؟" اس نے سوال کیا۔

"سنسار دیکھنے۔" میں نے جواب دیا۔

"سنسار ٹھیک ہے مہاراج۔ اور پھر سنسار راج مندر میں محدود نہیں ہے۔"

"ابتدا یہاں سے کریں گے۔"

"یہاں پورن لال کی حکومت ہے۔"

"ارے۔ تو یہ گوونداس پور کی راجدھانی نہیں ہے۔" طالوت نے حیرت سے کہا۔

"میں راج مندر کی بات کر رہا ہوں۔"

"کیا راج مندر اس راجدھانی سے الگ ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"نہیں۔ لیکن یہاں کے اصول اور ہیں۔ یہاں پورن لال کی مرضی چلتی ہے۔"

"کیا کہنا چاہتا ہے بچے۔ صاف صاف کہہ۔" طالوت بولا۔

"سب سے پہلے میں تمہاری حقیقت جاننا چاہتا ہوں۔ تم نے اپنے نام غلط بتائے ہیں۔ تربوز لال۔ خربوزہ لال نام نہیں ہوتے۔"

"تربوزی مہاراج۔" طالوت جلال سے بولا۔

"مہاراج خربوزہ۔"

"اس پاگل کو سمجھاؤ۔ اسے بتاؤ کہ ہمارے پتا کو بھی چند نے ہمارا یہی نام رکھا تھا۔ اب یہ سمجھ گئے کہ کوئی چند بھی نام نہیں ہوتا تو ہم اپنے دادا لالہ چمن رائے کا نام لیں گے۔ اس سے پوچھو اسے ہمارے ناموں پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے؟"

"جواب دو پورن لال؟" میں نے تڑک کر کہا۔

"مجھے کوئی ادھیکار نہیں ہے مہاراج۔ آپ نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی۔" پورن لال نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ چونک کر بولا "ارے ہاں مہاراج۔ میں بھوجن کا بندوبست کر دوں۔" اور پھر باہر نکل گیا تب اچانک طالوت میری طرف متوجہ ہوا۔

"بھائی تربوز۔"

"خربوزی مہاراج۔" میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"اس وقت تو بھوجن میں ضرور گڑبڑ ہو گی۔"

"ہونی چاہئے۔ میرے خیال میں پورن لال اس وقت بہت موٹے کی بات کرنا چاہتا تھا لیکن ناکام ہو گیا ہے۔"

"راسک" طالوت نے آہستہ سے کہا۔

"آقا" راسک کی آواز سنائی دی۔

"کچھ تبدیل ہوا ہے؟"

"کھیل ہو گی آقا۔" راسک کی آواز آئی اور طالوت اطمینان سے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پورن لال واپس آ گیا اس کے ہونٹوں پر ویسی ہی مسکراہٹ چپکی ہوئی تھی۔

"میں بھوجن کے لئے کہہ آیا ہوں۔ ابھی آ جائے گا۔ کیا سوچ رہے ہیں مہاراج۔"

"ونگڑ پور میں بہت زیادہ پاپ ہو رہے ہیں پورن لال۔ ہمارا خیال ہے ہم ونگڑ پور والوں کو ٹھیک کر دیں۔ مندر بھگوان کا گھر ہوتا ہے۔ تم جیسے لوگوں نے اسے بھی خراب کر دیا ہے۔"

"آپ ہم سب کو ٹھیک کر دیں مہاراج۔" پورن لال مسکراتے ہوئے بولا۔

"اوش۔ اوش۔ پچھتاوا کرو۔"

"آپ کو مندر کے کاموں سے دلچسپی نہیں ہے مہاراج؟"

"پوجا پاٹ کے چند نہیں ہوتے۔ پنڈت اس کے ... جو کچھ ہو رہا ہے وہ بھگوان کے ساتھ مخول ہے۔ بھگوان ڈھیل دیتا ہے مگر جب وہ رسی کھینچتا ہے تو بڑی موٹی موٹی گردنیں اس میں پھنسی رہ جاتی ہیں پورن لال۔"

"جب تک وہ ڈھیل دے رہا ہے مہاراج چنتا نہیں۔ جب وہ رسی کھینچے گا تب دیکھی جائے گی۔" پورن لال نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

اتنی دیر میں دو پنڈے تھال لے آئے۔ تین تھال تھے۔ تھال ہم لوگوں کے سامنے رکھ دیئے گئے اور ایک پورن لال کے سامنے۔

"شروع کریں مہاراج۔" پورن لال نے کہا اور ہم شروع ہو گئے پورن لال چپ چاپ نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ ہم نے کھانا ختم کر لیا۔ "اور کیا سیوا کروں مہاراج؟"

"جو کچھ کر چکے ہو وہ کافی نہیں ہے پورن لال؟" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھا نہیں مہاراج۔ کس چیز کی بات ہو رہی ہے؟" پورن لال نے کہا۔

"ہاں۔"

"وہ کیا مہاراج؟"

"تمہارے اندر عقل کی۔ تم نے یہ نہیں سوچا پورن لال کہ سادھو سنتوں پر ایسی چیزیں اثر نہیں کرتیں۔" طالوت نے کہا اور میری طرف دیکھ کر بولا "چلیں بھائی تربوز لال؟"

"چلئے مہاراج۔" میں نے کہا اور ہم دونوں اٹھ کر باہر نکل آئے پورن لال خوفناک نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ ہم اپنی کوٹھری میں آ گئے۔

"تو طے ہو گیا عارف کہ ہمارا پہلا شکار پورن لال ہی ہے۔"

"اب تو سے ہی۔ پہلا وار اس نے کیا ہے۔"

"دوسرا ہم کریں گے۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور خاموشی سے مرگ چھالے پر بیٹھ گیا۔ میں بھی خاموشی سے کچھ سوچنے لگا تھا۔ اچانک طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔

"عارف؟"

"ہوں۔" میں چونک پڑا۔

"کیوں نہ ہم مر جائیں؟"

"کیا مطلب؟"

"تھوڑی دیر کے لئے پورن کو خوش کر دیں۔"

"اس سے کیا فائدہ ہو گا؟"

"تفریح۔ یوں بھی دن گزارنا ہے۔ رات کو کچھ کارروائی کریں گے۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ تب طالوت نے دو گولیاں نکالیں۔ ایک اپنے منہ میں ڈال لی اور دوسری مجھے دے دی۔

"اسے چبا لو۔" طالوت نے اپنی گولی چباتے ہوئے کہا اور گولی چبانے سے ہمارے منہ سے خربوزی رنگ کا پانی بہنے لگا "بس لیٹ جاؤ اس انداز سے جیسے بڑی اذیت سے دم نکلا ہو۔"

بلاشبہ طالوت کا خیال غلط نہیں تھا۔ پورن لال کو یقین نہیں تھا کہ زہر آلود کھانا کھانے کے بعد بھی ہم بچ گئے ہوں گے ہماری کوٹھری کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ تقریباً تیس منٹ کے بعد ایک پنڈا اندر گھس آیا۔

"مہاراج۔ مہاراج۔" اس نے زور زور سے آوازیں دیں لیکن ہم دم سادھے پڑے رہے۔ "مہاراج۔ سو رہے ہیں کیا؟" اس نے جھکتے ہوئے پوچھا اور پھر دو تین بار ہمیں جھنجھوڑنے کے بعد باہر بھاگ گیا۔

"بھائی تربوز!" طالوت اسی انداز میں پڑے پڑے بولا۔

"ہوں۔"

"ہوشیار۔ اطلاع جا رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں۔" میں نے جواب دیا اور طالوت خاموش ہو گیا۔ ہمیں کافی دیر تک انتظار کرنا پڑا۔ اس کے بعد باہر سے کئی آوازیں سنائی دیں اور پھر بہت سے لوگ اندر گھس آئے۔ آگے آگے برجموہن لال اور پورن لال تھے۔ ان کے چہرے خوشی سے سرخ ہو رہے تھے۔ دونوں جھک کر ہمیں دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے مسرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"آپ نے انہیں بہت بڑا مان لیا تھا برجموہن مہاراج۔ پورن لال کی بات اور ہے۔" پورن لال نے فخر سے کہا۔

"تم نے دربار میں ناگ داس کی درگت دیکھی ہوتی پورن لال تو تم بھی حیران رہ جاتے۔ بہرحال تمہارا کہنا بھگوان نے کر دیا ہے۔ یہ تو تم بھی نہ معلوم کر سکے کہ یہ تھے کون؟"

"سر پھرے تھے سسرے اس کے سوا کیا۔ راج مندر میں رہ کر مفت کی روٹیاں توڑنا چاہتے تھے۔"

"لیکن۔ لیکن۔ بہرحال۔ اب کیا کیا جائے پورن لال؟" برجموہن لال نے پوچھا۔

"کچھ نہیں مہاراج۔ پنڈے انہیں ٹھکانے لگا دیں گے۔ مہان لوگ تھے۔ آکاش پر چلے گئے۔"

"مہاراج تربوز۔" طالوت نے زور سے آواز لگائی اور برجموہن لال اور پورن لال اس طرح اچھل پڑے جیسے بجلی کے تیر نے آ گیا ہو۔ ان کے منہ سے گھٹی گھٹی چیخیں بھی نکل گئی تھیں۔

"ہے رام۔ ہے بھگوان۔ ہے رام۔ ہے بھگوان۔" پنڈے دیوار سے لگ گئے۔ مجھے ہنسی آ رہی تھی۔

"اب سویرا ہو گیا؟" طالوت زور سے بولا۔

"کیا ہو گیا بھائی خربوزہ؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے دوپہر بھی ہو گئی۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ برجموہن لال پھٹی پھٹی نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ پورن لال کا سینہ بھی زور زور سے اچھل رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بڑی تبدیلی تھی۔

"ارے ارے۔ کیا ہوا پورن لال۔ کیسا ہو رہا ہے تم کو۔ ہے بھائی تربوز۔"

"کیا تکلیف ہے ان لوگوں کو؟" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں مہاراج۔ حاضری برجموہن لال آپ کے

[illegible] پوران لال [illegible]

"[illegible] میں [illegible]"

"میں [illegible]"

"[illegible]"

"[illegible] نے کہا۔"

"[illegible]" طالوت نے کہا۔

"[illegible] آپ کی [illegible] پوری ہو گئی۔" پوران لال نے [illegible] دروازے کی طرف [illegible] دونوں [illegible]

طالوت نے مجھے [illegible] اور ان کے پیچھے پیچھے [illegible] اشارہ کیا [illegible] طالوت [illegible] دونوں [illegible] چلے [illegible] ہو گئے تھے۔ [illegible] کی طرف بڑھ رہے تھے۔ [illegible] پوران لال [illegible] دونوں طرف [illegible] داخل ہو گئے۔

"یہ کیا ہوا پوران لال؟" [illegible] پوران لال [illegible]

"[illegible] میں نے [illegible]"

"مجھے [illegible] ہے مہاراج [illegible]"

"[illegible]"

"انہوں نے [illegible]"

"[illegible] مہاراج۔ آپ نے [illegible]"

"بہت برا ہوا پوران لال۔ بہت برا ہوا۔ انہوں نے [illegible]"

"اب کیا ہو گا [illegible]"

"[illegible] مہاراج [illegible]"

"[illegible] مہاراج۔"

"[illegible]"

[illegible] میں [illegible] کے [illegible]

"آپ [illegible]"

"[illegible] آپ [illegible] اور [illegible]"

"یہ تو آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" پوران لال [illegible] طالوت نے [illegible] سوچتے [illegible]

پھر پوران لال [illegible] دروازے سے نکل گیا۔ پوران لال اب بھی [illegible] اپنے [illegible] بہت [illegible]

طالوت نے مجھے اشارہ کیا [illegible] کی [illegible] تھے [illegible]

"وہی سازش۔"

"[illegible] ہے۔"

"بہت [illegible] طالوت [illegible] دونوں [illegible]"

"[illegible]" طالوت [illegible]

"یہ [illegible]" [illegible] طالوت نے [illegible] پوچھا۔

"[illegible] جانتے۔"

"[illegible] کے [illegible] اس کے بارے میں [illegible] خیال ہے [illegible]"

"[illegible]"

"[illegible]" طالوت نے [illegible]

[illegible]



حرکت نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے ہم نے اطمینان سے کھانا کھایا اور پھر وہ ہوش آنے۔ طالوت اور میں پورے مندر کا گشت کرتے پھرے۔ بہت سے ہمیں دیکھ کر آپس میں کھسر پھسر کرنے لگتے تھے لیکن کوئی ہم سے مخاطب نہ ہوا۔ اور ہم سر گشت کرتے رہے اور پھر وہ واپسی والے [illegible] میں جا بیٹھے۔

عورتیں اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھیں لیکن انہوں نے ہمیں دیکھ کر کام چھوڑ دیئے اور ہمارے گرد جمع ہو گئیں۔

"سنا ہے آپ دونوں بڑی کہانی ہیں مہاراج۔" ایک شریر سی لڑکی نے کہا۔

"کیا چاہتی ہو؟" طالوت نے کہا۔

"آپ کی عمر کیا ہے؟" لڑکی ترنت بولی۔

"ایک ہزار سال۔" طالوت نے جواب دیا۔

"دوسرے مہاراج کی بھی اتنی ہی ہو گی؟"

"نہیں۔ ہم دونوں میں ایک ہفتے کا فرق ہے۔"

"ایک ہفتے۔" لڑکیاں ہنس پڑیں۔

"کیا آپ دونوں بھائی ہیں مہاراج؟"

"ہم تمہیں کیسے ہوتے نظر آتے ہیں؟" طالوت نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

"ہم آپ کی کیا سیوا کریں؟ کچھ بتایئے۔"

"بس ہم تھکے ہیں ایک دو دن یہاں آرام کریں گے تم لوگ۔" طالوت نے کہا اور پھر چونک کر ایک لڑکی کو اشارہ کیا۔

"تیرا کیا نام ہے سندری؟"

"نیلوہ مہاراج۔"

"ہوش میں [illegible] تیرے چہرے پر کشوری کا استھان دیکھ رہا ہوں۔ میں نے ٹھیک کہا نہ [illegible] مہاراج؟"

"بالکل ٹھیک۔ ویسے بھی کشوری ماتا [illegible] کی ماتا [illegible] اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ کیا تو کنواری ہے لڑکی؟" میں نے کہا۔

"نہیں مہاراج۔ مہاراج [illegible] بہت پسند ہے۔" لڑکی ہنستے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے۔ جس کے ماتھے پر کشوری [illegible] اس [illegible] ہم نے [illegible] ایک اور لڑکی کے ماتھے پر بھی دیکھی تھی۔"

"کون تھی وہ مہاراج؟"

"ہم اس کا نام نہیں جانتے۔ حلیہ جانتے ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"وہ بتا دیں۔"

اور طالوت نے یادداشت کے سہارے اس پراسرار لڑکی کا حلیہ بیان کر دیا جو ایک بار نظر آنے کے بعد نہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھی اور میں طالوت کی چال سمجھ گیا۔ گویا وہ لڑکی ابھی تک طالوت کے ذہن سے چپکی ہوئی ہے۔ بڑا گہرا ہے یہ شخص۔ لیکن نہ جانے کیوں طالوت اس کی تلاش میں اتنی پراسراریت سے کام نہیں لے رہا تھا۔ وہ چاہتا تو اس لڑکی کی تلاش میں کوئی وقت پیش نہ آتی۔ اس کی بہت سی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتی تھیں اور میں خود بھی اسے پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"وہ یہاں کی تھی مہاراج؟" نیلوہ نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"[illegible] دیوداسیوں سے بھرا پڑا ہے نہ جانے کون ہو گی۔ اور کہاں ہو گی۔" لڑکی نے جواب دیا اور طالوت خاموش ہو گیا۔ پھر ہم یہاں سے بھی چلے آئے۔ شام کی پوجا میں ہم حسب معمول شریک تھے۔ شام بڑی حسین ہوتی تھی۔ پورا [illegible] مندر کا [illegible] بن جاتا تھا۔ سارے محل کی حسین عورتیں یہاں جمع ہو جاتی تھیں۔

لیکن آج وہ [illegible] موہنی نظر آئی تھی جسے دیکھ کر میں کل بہت متاثر ہوا تھا۔

"[illegible]" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"[illegible] کے تلاش کر رہی ہیں۔ [illegible]"

"[illegible] میں کسی کو تلاش نہیں کر رہا۔" میں نے جھینپتے ہوئے انداز میں کہا اور طالوت ہنسنے لگا۔ پوجا کے بعد پوران لال ہمارے پاس آیا۔ اس کے چہرے سے خیالات کا اظہار ہو رہا تھا۔

"تھوڑا سا وقت مجھے دیں گے مہاراج؟" اس نے [illegible] سے کہا۔

"ضرور [illegible] پوران جی۔ فرمایئے۔" طالوت نے کہا۔

"میں آپ سے تنہا باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"[illegible] بھی ضرور ہو گی۔"

"[illegible] مہاراج میرے [illegible]"

"[illegible] اس میں کیا [illegible]" طالوت ہنس کر بولا۔

"[illegible] کو [illegible] چکا ہے مہاراج۔ وہ آپ سے [illegible] کرنا چاہتا ہے؟"

"[illegible] پوران لال جی۔" طالوت نے میرا شانہ چھوتے

ہوئے کہا اور ایک بار پھر ہم پورن لال کے ساتھ چل پڑے۔ پورن لال ہمیں اپنی اسی نشست گاہ میں لے گیا تھا۔ اس نے بڑی عاجزی سے ہم سے بیٹھنے کے لئے کہا اور ہم بیٹھ گئے۔

"مہاراج۔" اس نے لرزتی آواز میں کہا "میں بڑا پاپی ہوں میں نے آپ کے ساتھ دھوکہ کیا۔ لیکن قصور میرا نہیں ہے مہاراج۔ آپ جانتے ہیں' آپ کو برجن لال نے بھیجا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن برجن بلاوجہ ہمارا دشمن کیوں ہو گیا۔" طالوت نے پوچھا۔

"وہ ڈرتا ہے مہاراج۔"

"کیوں؟"

"آپ جانتے ہیں راج محلوں میں نہ جانے کیا کیا ہوتا ہے۔ برجن لال بھی منتری ہیں مگر ان کی ہوس بڑھی ہوئی ہے۔ وہ مہاراج کو اور اس پورے کے خلاف سازش کر رہے ہیں۔ اگر آپ معمولی منش ہوتے تو انہیں پرواہ نہ ہوتی۔ مگر آپ گیانی۔ آپ کا منتر دیکھ کر وہ ڈر گئے کہ کہیں آپ ان کا بھانڈہ نہ پھوڑ دیں۔"

"سادھوؤں کو راج محل سے کیا لینا ہے بالک۔ ہمیں کیا پڑی ہے کہ کسی کا بھانڈہ پھوڑتے پھریں۔ ہم تو سنسار سدھارنے کے لئے آئے تھے۔ یہی ہمارا کام ہے۔" میں نے کہا۔

"آپ مہان ہیں مہاراج۔ اس داس کو شما کر دیں۔ داس کو آپ سے کوئی دشمنی نہیں ہے بس برجن لال کے کہنے میں آ کر میں نے آپ سے دھوکہ کیا تھا۔ مجھے شما کر دیں مہاراج۔ میں تو آپ سے گیان لینا چاہتا ہوں۔"

"تمہارا کون ہے پورن لال جی؟" میں نے کہا اور میری بات کا وہی رد عمل ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ پورن لال کا منہ کھلا رہ گیا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہمیں دیکھتا رہ گیا۔ پھر اس نے تھوک نگلا اور اس کے منہ سے نکلا۔

"بے بھگوان۔ بے بھگوان۔"

"تمہارا کون ہے پورن لال؟ ہمیں معلوم ہے اب برجن لال اسی کے پاس جائے گا۔"

"آپ۔ آپ مہان ہیں مہاراج۔ تمام پنڈت۔ درگا پور کے سب سے بڑے پجاری ہیں۔ انہیں سے ڈرتے ہیں۔ پورے سنسار میں ان جیسا گیانی کوئی نہ ہو گا۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ انہیں بھی دیکھ لیں گے۔" اس بار طالوت نے کہا۔

"مہاراج۔ مہاراج۔ میری بڑی سی خراب ہوئی ہے۔"

"کیوں؟ تمہیں کیا ہو گیا؟"

"میں برجن لال کے ہاتھوں میں کھلونا ہوں۔ اس کی بات نہ مانوں تو وہ میرے پران لے لے گا۔ وہ بڑا خطرناک ہے مہاراج۔ میری بڑی مصیبت آ گئی۔ آپ جیسے مہان سادھوؤں سے دھوکہ کرتے ہوئے بھی جان جاتی ہے اور دوسری طرف سے بھگوان میں کیا کروں؟"

"تو چنتا نہ کر پورن لال۔ برجن جو کرتا ہے کرنے دے۔ سادھوؤں کو نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"میری رائے ہے مہاراج۔ تمام جی کے آنے سے پہلے آپ یہاں سے چلے جائیں۔ بنتی کرتا ہوں مہاراج۔ میرا جیون بھی بچ جائے گا۔"

"یہ ناممکن ہے پورن لال۔ ہم اس سے ڈر کر چلے جائیں؟"

"میری مان لیں مہاراج۔"

"ناممکن۔" طالوت گرج کر بولا۔

"آپ تمام جی کو دیکھ لیں۔ اس کے بعد آپ فیصلہ کر لیں۔"

"ٹھیک ہے اسے آنے دو۔"

"پراہ والی کوٹھری میں چھپ کر آپ ان کی باتیں سن لیں ہیں۔ چپ چوپ آپ کو وہاں چھپا دوں گا۔ پر مجھے شما کر دیں مہاراج۔ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو باہر نکلنے کا چور راستہ بھی بتا دوں۔ آپ وہاں سے نکل سکتے ہیں۔"

"چور راستہ کونسا ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"آیئے۔" پورن لال نے کہا اور طالوت کھڑا ہو گیا۔ مجھے بھی مندر کے اس چور راستے سے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ پورن لال ایک دیوار کے پاس پہنچا۔ اس نے دیوار کی کوئی کل دبائی اور دیوار اپنی جگہ سے ہٹ گئی۔ ایک دروازہ بن گیا ..... میں اور طالوت پورن لال کے اشارے پر اندر داخل ہو گئے۔ دوسری طرف تاریکی تھی۔ صرف چھت سے روشنی آ رہی تھی۔ لیکن وہ ایک چوکھٹ سے کمرے کو روشن کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ کر رہی تھی۔ ہم دونوں اندر پہنچ گئے۔

لیکن اپنے پیچھے دروازہ بند ہونے کی آواز سن کر ہم چونک پڑے تھے "پورن لال۔" طالوت نے پکارا۔

"دھوکہ کر گیا۔" میرے منہ سے نکلا۔ کمرے میں گہری تاریکی تھی سوائے اس ننھے سوراخ کے جو چھت میں تھا اور کافی بلندی پر تھا۔ طالوت دانت پیس رہا تھا۔



"میرا خیال ہے اس نے اپنے تابوت میں آخری کیل ٹھونک لی ہے۔" طالوت غراتے ہوئے بولا "گویا اتنی دیر تک وہ اپنی باتوں سے ہمیں احمق بنا رہا تھا۔"

"یقیناً۔ اور یہ اس کی آخری کوشش تھی۔"

"کیا مطلب؟"

"ہوشیار رہو طالوت۔ اس نے ہمیں صرف قید کرنے کی کوشش ہی نہیں کی ہو گی۔"

"پرواہ مت کرو۔ ہاں یہ سوچو کہ اس نے جو گفتگو کی تھی' جھوٹ تھی؟"

"ان حالات میں اور کیا سوچا جا سکتا ہے۔"

"تو ان پورن لال جی کا کریا کرم جلد ہونا چاہئے۔ اچھا پورن لال جی۔ آپ بھی کیا یاد کریں گے۔" طالوت گردن اٹھا کر اور پھر اس نے چھت کے سوراخ کو دیکھا۔

اور اچانک ہمیں تاریک کمرے کے دائیں کونے سے کھٹکے کی ایک آواز سنائی دی' اور اس کے ساتھ ہی ایک خوفناک پھنکار۔

"سانپ۔" میرے منہ سے لرزتی ہوئی آواز نکلی اور طالوت بھی چونک پڑا۔ سانپ تھا کہ مصیبت' اتنی تیزی سے حملہ آور ہوا کہ جان بچانا مشکل ہو گئی۔ ہم نے دوسرے کونے میں چھلانگ لگائی اور سانپ بھی خوفناک انداز میں پلٹ پڑا۔ شاید وہ بہت زیادہ بھوکا تھا یا مخصوص طریقے سے ستایا ہوا تھا' اس لئے غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

طالوت نے صورت حال بھانپ لی۔ دوسرے لمحے اس نے میرا بازو پکڑا اور مجھے ایک طرف کھینچا اور اس کی یہ حرکت میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ دوسرے لمحے روشنی کا احساس ہوا۔ اور ارد گرد کا ماحول دیکھا تو ہم اپنی کوٹھری میں تھے۔ میں نے زمین پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

طالوت البتہ خاموش تھا۔

اور یہ خاموشی۔ میں اسے اچھی طرح محسوس کر رہا تھا۔ کئی منٹ کے بعد میرے حواس بحال ہوئے اور میں نے طالوت کی طرف دیکھا "بری طرح پھنس گئے تھے یار۔"

"اس کی ایسی تیسی۔ چلو تیار ہو جاؤ۔"

"تیار ہوں برادر۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور طالوت نے نگاہوں کے سامنے سے غائب ہونے کا عمل کیا۔ میں نے بھی یہ عمل دہرایا اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔ طالوت خاموشی سے اس طرف بڑھ رہا تھا' جہاں تھوڑی دیر قبل ہم دونوں تھے۔ پورن لال اب بھی اسی کمرے میں موجود تھا۔ اور کچھ سوچ رہا تھا۔

ہمیں اندر داخل ہوئے چند لمحات ہی گزرے تھے کہ دو پنڈت آئے اور پورن لال انہیں دیکھنے لگا۔

"رانی جی آ گئیں مہاراج۔"

"آ گئیں؟" پورن لال اچھل پڑا۔

"ہاں مہاراج۔ وہ آنگن میں آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔" "اوہ بھگوان۔ غلطی ہو گئی۔ میں تمہیں منع کرنا بھول گیا آج میرا دماغ ٹھیک نہیں ہے۔ آج میں بہت پریشان ہوں۔ خیر سنو' تم دونوں یہاں رکو۔ اس دروازے پر نگاہ رکھو اور یہ دھارے اپنے ہاتھوں میں لے لو۔ کوئی نکلنے کی کوشش کرے تو خیال کئے بغیر گردنیں اڑا دینا۔ میں ذمے دار ہوں۔"

"جو آگیا مہاراج۔" پنڈت مرے ہوئے لہجے میں بولے۔

"کیا کہا ہے تم نے رانی دیو متی سے؟"

"وہی مہاراج۔ جو آپ نے آگیا دی تھی۔"

"ہوں۔" پورن لال نے کہا اور پھر وہ اس کمرے سے نکل آیا اور اس سے ملحق ایک دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہاں اس نے لباس تبدیل کیا۔ آنکھوں میں کاجل لگایا۔ بدن سے خوشبو ملی اور پوری طرح تیار ہو کر باہر نکل آیا۔ اب وہ راج مندر کے ایک مخصوص حصے کی طرف بڑھ رہا تھا اور ہم دونوں خاموشی سے اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ تالاب والے راستے سے گزر کر وہ مندر کے سب سے دور دراز حصے میں پہنچ گیا' جو کافی ویران تھا۔ اس طرف پنڈت وغیرہ بھی نہیں تھے۔ پورن لال ایک دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔

ایک چوڑا صحن تھا جس میں پیپل کا ایک درخت پھیلا ہوا تھا۔ دالان میں کئی تخت موجود تھے اور پھر ایک دروازہ تھا۔ پورن لال اسی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اندر روشنی تھی اور اس روشنی میں چودھویں رات کا چاند جگمگا رہا تھا۔ لمبے لمبے بال کمر سے گزر کر زمین تک پہنچ رہے تھے۔ دودھ جیسا سفید اور چمکدار چہرہ' اجنتا کی تصویر بنا ہوا تھا۔

یہ وہ حسین عورت تھی جسے میں نے پوجا کے دوران راج محل کے مندر میں دیکھا تھا اور کافی متاثر ہوا تھا۔

"اسے پہچانا۔ طالوت نے میرا شانہ دبایا۔"

"ہوں۔"

"تیرے والی۔"

"وہی ہے۔"

"مگر رانی دیو متی۔"

"قسمت سے رانی ہی ہو۔"
"مقدر کی کرن ہے۔"
"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ راجے مہاراجے بڑے عیاش ہوتے ہیں۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔
"پورن لال کی نمسکار سویکار ہو مہارانی۔" پورن لال نے اندر داخل ہو کر بڑے میٹھے لہجے میں کہا اور رانی چونک پڑی۔
"نمسکار مہاراج۔" خوبصورت عورت تیزی سے کھڑی ہو گئی۔
"بیٹھ جائیے مہارانی۔ بیٹھ جائیے۔ داس اس قابل نہیں ہے کہ آپ اسے اتنا بڑا رتبہ دیں۔"
"آپ مہان ہیں مہاراج۔ آپ کے من میں بھگوان کی دیا ہوتی ہے۔"
"بڑی رام، بڑی شکتی۔ بس دیا ہے مولی منوہر کی۔" پورن لال اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔
"آپ نے مجھے بلایا تھا مہاراج؟"
"ہاں مہارانی۔ سنسار کی کوئی چیز ہماری نگاہوں سے چھپی نہیں رہتی۔ ہمارے کانوں میں دکھی من کی پکار سرگوشیاں کرتی رہتی ہے۔ مہارانی اداس تھیں۔ ہم نے اپنی قوتوں کو آواز دی اور انہوں نے ہمارے کان میں بہت سی باتیں کہیں تب ہم چپ نہ رہ سکے۔"
"آپ مہان ہیں مہاراج۔"
"ارے ہم کیا اور ہماری ذات کیا۔ [illegible] کیا آپ ہمیں من کی بات نہ بتائیں گی مہارانی۔ ہم آپ کی زبان سے آپ کے من کی کہانی سننا چاہتے ہیں۔"
"اپنے من کی بات سے کیا کہوں مہاراج۔ میری [illegible]"
"مہاراج [illegible] رانی روپ متی۔ [illegible] شرم [illegible] کام کرنے کے لئے زندہ رہتے ہیں اور [illegible]۔ آپ [illegible] من کی بات [illegible]۔"
روپ متی نے سر جھکا لیا۔ اس کے چہرے پر شرم [illegible] تھے اور پورن لال [illegible]
[illegible]
روپ متی نے کہا "[illegible]"
"میں [illegible] رانی [illegible]"

نہیں ہوتی۔"
"مہارانی۔ مہاراج کو ہوتے ہوئے بھی [illegible]"
"کیا بات ہے۔ مجھے بتائیے۔"
"کیا بتاؤں [illegible]۔ میرے [illegible] نہیں تھے۔ میں [illegible] ہونے کے بعد سے اب تک [illegible] کنواری ہوں۔" روپ متی نے آنچل منہ میں ٹھونس لیا اور پورن لال کی آنکھوں میں شیطان اتر آیا۔
"اتنی راتیں بیت گئیں مگر آپ کی تقدیر کی ایک بھی نہیں۔ کیا مہاراج اندھے ہو گئے ہیں۔" پورن لال نے کہا۔
"میں کیا جانوں۔" روپ متی شرماتی ہوئی بولی۔
"حالانکہ مہاراج نے بڑے چاؤ سے آپ کو بیاہا تھا۔"
"آپ۔ آپ نہیں سمجھتے پورن لال جی۔"
"میں سمجھتا ہوں رانی روپ متی۔ [illegible] اس کے باوجود آپ نے اتنے دن گزار لئے اور زبان سے اف تک نہ کی۔"
"اف تو ہم نے کبھی نہیں کی پورن جی۔" روپ متی اس لہجے میں بولی۔
"ہم نہیں سمجھے مہارانی؟"
"یہ داواڑی [illegible] سے آتی ہوا مہاراج۔ [illegible] جیتے جی تڑپتی رہی ہے۔"
"ہم اب بھی نہیں سمجھے مہارانی۔" پورن لال نے گہری سانس لے کر کہا۔
"ہم مہاراجہ کے زمیندار کی بیٹی ہیں مہاراج۔ گونداں پور [illegible] آئے تھے جب انہوں نے ہمیں دیکھا اور پھر کون [illegible] ہمارے [illegible] ہمارے داواڑی [illegible] کو [illegible] ہم [illegible] پرکاش۔" رانی نے ایک سسکی لی۔
"ست پرکاش کون ہے مہارانی؟" پورن لال نے پوچھا۔
"[illegible]"
[illegible]
"[illegible]"
[illegible]
روپ متی [illegible]
"[illegible]"



بہت خوبصورت ہے رانی روپ متی۔ مگر گونداں پور کو کیا ہو گیا ہے۔ کیا مہاراج کی آنکھوں میں اندھیرا اتر آیا ہے۔"
"ہماری حیثیت ایک داسی کی سی ہے مہاراج۔ کہنے کو ہم رانی کہلاتے ہیں سو بات ہی اور ہے۔"
"بڑا انیائے ہوا ہے آپ کے ساتھ۔ ہم نے سمجھ لیا تھا۔ مگر رانی آپ نے ہم سے کیوں نہیں کہا۔"
"کیا کریں۔ ہم کیا کریں؟"
"گونداں پور مہاراج نے آپ کو محل دوانی تاب میں ملائی ہے۔ آپ ان کی قیمت کیوں نہیں وصول کرتیں۔"
"ہم کیا کریں؟ کیسے کریں؟"
"آپ کا بالک گونداں پور کا راجہ ہونا چاہئے۔ آپ کا بالک گونداں پور کا راج کمار ہونا چاہئے۔ آپ اس کی کوشش کیوں نہیں کرتیں؟"
"ہمارا بالک۔ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ پورن مہاراج۔ بالک آسمان سے گرے گا؟" روپ متی نے عجیب سے لہجے میں کہا۔
"مہاراج کو [illegible] سارے حالات معلوم ہیں روپ متی۔" پورن لال اطمینان سے بولا۔
"ہم نہیں سمجھے مہاراج۔"
"بھگوان آپ کو بالک دے گا۔ میں آپ کی سہائتا کروں گا۔ مگر آپ کو بھی کچھ کرنا ہو گا۔"
"کیا پورن مہاراج؟"
"ہر طرح۔ مہاراج کو دوا وغیرہ پلا کر کوئی بھی شے کی چھپا کر اپنے ساتھ ملا لو۔" پورن لال نے کہا۔
"اس سے کیا ہو گا۔"
"سنت کی [illegible] سے کوئی بات نہیں چھپی۔ آپ چنتا نہ کریں آپ چنتا نہ کریں۔ آپ کا دیوان [illegible] ہوا ہے۔ آپ بھی بدلہ لیں۔ دل کھول کر بدلہ لیں۔" پورن لال نے کہا۔
"مگر کیسے پورن لال؟" روپ متی نے پریشانی سے کہا۔
"میرا من آپ کے لئے بہت اداس ہے مہارانی۔ میں آپ کی سہائتا کروں گا۔ میں آپ کو بالک دوں گا۔ آپ کے پیٹ میں میرا بچہ [illegible] میں آپ کے لئے [illegible] آپ کے سب [illegible]"
پورن لال نے [illegible] روپ متی کو [illegible]
[illegible]
ہو گئی۔
"مہاراج۔ مہاراج۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" وہ
گر گئی۔

"میں تیرے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہوں روپ متی۔ تیری کی طرح نازک کلی کی طرح خوبصورت ہے اور تیری جوانی یوں نظر انداز کی جا رہی ہے۔ میں یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا بالک۔ تیرا بالک۔"
"آپ پاگل ہو گئے ہیں مہاراج۔ کیا آپ بھول گئے کہ میں سب کچھ ہونے کے ساتھ ایک ہندو استری بھی ہوں۔ میرے ساتھ جو بھی ہوا، میں اپنی عزت کسی کو نہیں دوں گی۔"
"پاگل ہو گئی ہے روپ متی۔ تیرا پتی تجھ سے چھینا گیا۔ تیرے سہاگ نے تجھے ٹھکرایا اور تو دھرم کی لکیر پیٹ رہی ہے۔" پورن لال نے اپنے مضبوط پنجوں سے اس کے شانے دبوچ لئے۔
"تم دھرم سیوک ہو پورن لال مہاراج۔ دھرم کی باتیں ہم سے زیادہ تم جانتے ہو۔ کیا میں اپنے پتی کو دھوکا دوں۔ تمہارے ساتھ رنگ رلیاں منا کر پاپ کروں اور پاپ کی پوٹ لے کر گردن اونچی کروں۔ کیا میری گردن اونچی ہو سکے گی مہاراج؟"
"تو انسان بھی ہے تیرے ساتھ انیائے ہوا ہے روپ متی۔"
"اس کا انصاف کرنے والا بھگوان ہے۔ تم کون ہو؟" روپ متی غضب ناک لہجے میں بولی۔
"میں بھگوان کا داس ہوں۔ مجھے کیا حکم ملا ہے۔"
"غلط۔ تم شیطان کے چیلے ہو۔ بھولی بھالی ناریوں کو بہکا کر کھوٹ کے سے نوٹ مہان بنے تھے مہاراج۔ شیطان کے جال میں آ گئے۔ اب جاؤ میرے پاس سے۔ میں تمہیں اسی طرح دوسروں کی مہا پاپ سے بچا لوں گی۔"
"تو بھول گئی روپ متی۔ راج محل میں میری بھی پہنچ ہے۔ دیوان میری بات مانتی ہے۔"
"تو پھر۔ اس سے کیا ہوا؟"
"تجھے میری بات سننی ہو گی۔"
"[illegible] مہاراج۔ [illegible]"
"روپ متی۔ [illegible]"
"[illegible]"
[illegible]

"بے کار باتیں نہ کرو دیومتی۔ میں تیرا یوون بھوگنا چاہتا ہوں۔"

"بنانے بگاڑنے والا بھگوان ہوتا ہے۔ میں تجھے اپنے شریر کو ہاتھ بھی نہ لگانے دوں گی۔ کمینے ذلیل سادھو۔ میں جذبات کے ہاتھوں بہک کر اپنے پجاری کے پاس گئی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ دیوتا کی پیاس بجھا لے میری طرف سے اجازت ہے۔ میں نے اپنا شریر اس کے سامنے ڈال دیا۔ اس نے کہا۔ ہم اپنے دھرم پر کلنک نہیں لگائیں گے۔ دیومتی۔ یہ بدن ہمارے اپنے ہیں۔ لیکن دھرم پورے سنسار کا ہے۔ اس پر ہمارا ادھیکار نہیں ہے۔ ایک وہ تھا۔ اور ایک تو ہے۔ جو دھرم بانٹتا ہے اور خود کنگال ہے۔"

"دیومتی۔ دیومتی۔ میں اب برداشت نہیں کر سکتا۔ کس کی مجال ہے جو تجھے میرے پنجے سے نکال لے۔ میں جو چاہوں گا کروں گا اور پھر اور پھر تجھے یہاں سے دھکے دے کر نکال دوں گا۔ کون تیری بات سنے گا۔ یہاں میری راجدھانی ہے عزت اسی میں ہے میری بات مان لے۔ خود بھی عیش کر۔ تیرا درجہ بہت اونچا ہوگا۔"

"پاگل ہے تو۔ مجھے جانے دے۔ بس بہت ہوا۔ میں جاؤں گی۔"

"دور دور تک آدم زاد نہیں ہے۔ تو اب اس وقت تک تمہیں نہیں جانے دوں گا جب تک میری بات نہ مان لے۔" پورن لال خوفناک انداز میں بولا اور تن کر کھڑا ہو گیا۔ دیومتی کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

تب طالوت نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"خربوزہ بھائی۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ہوں۔" میں چونک پڑا۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے۔ سارے مذہب نیکیاں سکھاتے ہیں۔ اور نیکی انسان کے ساتھ کی جاتی ہے اور جب کسی کو انسان تسلیم کر لو تو اسے انسان ہی سمجھو۔ دھرم بعد میں آتا ہے۔"

"یقیناً۔"

"آدم زاد تم ہو۔ پری زاد میں ہوں۔ کیا ہم دونوں مل کر اس گدھے کو مزہ نہیں چکھا سکتے؟"

"تو انتظار کس بات کا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"دوشالہ اتار دو۔" طالوت نے کہا اور ہم دونوں دروازے کے قریب آ گئے۔ دوسری طرف پورن لال نے دیومتی کے نازک بدن کو دبوچ لیا تھا۔ دیومتی شدید مزاحمت کر رہی تھی۔ لیکن پورن لال نے اسے اٹھا کر زور سے بستر پر پٹخ دیا۔

اور اسی وقت طالوت نے اندر سے ہی دروازے پر لات ماری اور اس کے ساتھ ہی مجھے پورن لال پر دھکا دے دیا۔ میں حیران رہ گیا تھا۔ لیکن طالوت کی تو ساری حرکتیں ہی حیران کن تھیں۔

"بچاؤ۔ بچاؤ مجھے پورن لال جی۔ خربوزہ جی مہاراج مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔ بچاؤ پورن مہاراج۔" اور پورن لال اچھل پڑا۔ اس کا منہ کھلا اور بند ہو گیا۔ اس کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

دیومتی اچھل کر ایک کونے میں کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ بھی ہمیں متعجب نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر پورن لال کو ہوش آ گیا۔ اس نے ہماری طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"تو۔ تم زندہ ہو۔" اس نے دانت پیس کر کہا۔

"سب غلطی تمہاری ہے۔ اس میں ہمارا کیا قصور۔" طالوت جھلائے ہوئے انداز میں بولا "سانپ بھیجا تو اپنا مر گیا۔ اس سے زیادہ بھی نہیں ہو رہا تھا۔"

"چلے جاؤ تم دونوں۔ نکل جاؤ یہاں سے۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"اس بار اژدھا بھیجو گے کیا؟" طالوت خوفزدہ انداز میں بولا۔

"میں۔ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ خون کر دوں گا تمہارا۔" پورن لال نے مجھے دبوچ لیا۔ کیونکہ میں ہی اس کے قریب تھا۔ بڑی خوفناک گرفت تھی کم بخت کی۔

"خربوزہ لال۔ خربوزہ لال۔" میں چیخا۔

"اچھا ہے پہلے تم مر جاؤ۔ پھر میں تمہارے غم میں رو رو کر جان دے دوں گا۔" طالوت نے بوڑھی عورتوں کے سے انداز میں کہا۔

"نہیں پیارے بھائی نہیں ہمارا تمہارا جھگڑا الگ۔ اس وقت ہم دشمن کے سامنے ہیں۔" میں نے مظلوم انداز میں کہا۔

"اچھا؟" طالوت جیسے سوتے سے جاگ اٹھا۔

"ہاں۔ ہاں۔ بالکل۔" پورن لال کے بازوؤں میں میری ہڈیاں کڑکڑا رہی تھیں اور میری آواز بھنچی رہی تھی۔ پورن لال کی گردن کی رگیں پھول رہی تھیں چہرا لال ہو رہا تھا۔

"اب تو داہنا ہاتھ اس کی کھوپڑی پر کیوں نہیں مارتے؟" طالوت نے کہا۔ سچ میرا داہنا ہاتھ آزاد تھا اور اس وقت اس کی قوت میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔ میں نے فوراً اس پر عمل کیا اور میرا فولادی ہاتھ پورن لال کی پیشانی پر پڑا۔ ہتھوڑے کی سی ضرب ہوئی۔ پورن لال کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور میں اس کے بازوؤں سے نکل گیا۔

پورن لال نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا۔ پھر اس نے گردن جھٹکی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہمیں دیکھا۔ میری زوردار لات پورن لال کی کمر پر پڑی اور وہ گرتے گرتے بچا۔ لیکن طالوت نے اسے سنبھال لیا۔ اس نے پورن لال کے دونوں شانے پکڑ لئے اور پورن لال نے پھر دونوں ہاتھوں سے طالوت کو گرفت میں لینے کی کوشش کی۔

لیکن مقابل طالوت تھا۔ پورن لال کے دونوں ہاتھ خلا میں جھول گئے تھے اور طالوت کے زوردار گھونسے نے اسے پھر باؤنڈ کر دیا۔ یہاں میں پہلے ہی تیار تھا۔ میں نے ایک زوردار حملہ کیا اور اس بار پورن لال زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

تب طالوت نے اسے گھورا اور اس وقت طالوت کی آنکھوں میں پراسرار چمک لہرائی۔ میں نے پہلی بار طالوت کی آنکھوں میں یہ انوکھی چمک دیکھی تھی۔

"پورن لال۔" اس نے بڑے پیار سے پکارا اور پورن لال اسے دیکھنے لگا "گھوڑا بن جاؤ میری جان۔" اور پورن لال دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل کھڑا ہو گیا "ہنہناؤ" طالوت نے کہا اور پورن لال نے منہ سے کھرکھر کی آوازیں نکالیں اور پھر زور سے ہنہنایا۔ آواز بالکل گھوڑوں کی سی تھی۔

"شاباش۔ شاباش۔" طالوت مسرور لہجے میں بولا "دیکھو۔ کتنا سعادت مند گھوڑا ہے۔ پورن بیٹے۔ دولتی جھاڑو۔" طالوت پھر بولا اور پورن دونوں ٹانگیں اچھالنے لگا اور اس کوشش میں اوندھے منہ گر پڑا۔

دیومتی اب بھی ساکت کھڑی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ جیسے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا ہو۔

"خربوزہ لال؟" طالوت نے مجھے آواز دی۔

"کیسے خربوزہ لال؟" میں نے بیزاری سے کہا۔

"گھوڑا کیسا ہے؟"

"بالکل گدھا ہے۔"

"کیوں؟"

"اسے دولتی جھاڑنا بھی نہیں آتی۔ اوندھے منہ گر پڑتا ہے وہ۔"

"پھر کیا کیا جائے؟"

"اس کا ڈزگنیشن بدل دو۔"

"کیا بنایا جائے؟"

"مرغی۔" میں نے جواب دیا۔

"اب نہیں۔ اسے انڈے دینے میں مشکل ہوگی۔" طالوت نے شرماتے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہونے دو۔"

"نہیں گھوڑا ٹھیک ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ مرغی ٹھیک ہے۔"

"گھوڑا۔"

"مرغی۔" میں نے بھی آنکھیں نکال کر کہا۔

"اچھا۔" طالوت نے مردہ سی آواز میں کہا اور پھر وہ درد بھرے لہجے میں بولا "مجبوری ہے پیارے پورن لال۔ میرا ساتھی نہیں مانتا۔ تمہیں تکلیف تو ہوگی۔ لیکن مرغی کیا بری ہے اور ہاں تم انڈے دینے کے لئے مجبور نہیں ہو۔ کسی مرغے سے یاری ہو جائے تو مجبوری ہے ورنہ انڈے دینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔" اور پورن لال سکڑ کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے مرغی کی مانند کٹکنانا شروع کر دیا تھا۔

اچانک دیومتی نے ایک چیخ ماری اور پھر دروازے کی طرف لپکی۔ ہم دونوں میں سے کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ دروازے سے باہر نکل گئی۔ پورن لال اب اطمینان سے ہاتھوں اور پیروں کے بل زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔

"کیا خیال ہے؟" طالوت نے مجھ سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"آؤ۔" طالوت بولا اور ہم دونوں باہر چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اپنی کوٹھری میں تھے۔ مرگ چھالے پر بیٹھ کر طالوت نے کہا۔ "آج کا کام ختم۔ چلو آرام کریں۔"

"پنڈت تلکا کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"تو جانے دو۔ بیٹے سے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ میں آرام کرنے کے موڈ میں ہوں۔ سونے دو۔" طالوت نے کہا اور لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ شاید وہ سو بھی گیا۔ لیکن مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ کافی دیر تک میں جاگتا اور اوٹ پٹانگ باتیں سوچتا رہا۔ پھر میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

راج مندر کا ماحول پرسکون تھا۔ کوئی خاص بات نہیں نظر آئی تھی۔ چنانچہ میں راج مندر سے نکل آیا۔ دوشالہ اوڑھنے کی ابھی میں نے ضرورت نہیں محسوس کی تھی کیونکہ اس وقت تک کسی نے مجھے نہیں ٹوکا تھا۔ میرے ذہن میں خیال تھا کہ میں آج راج محل کی سیر کروں۔ تو مجھے یہاں کے

راستے وغیرہ معلوم نہیں تھے۔

بہرحال میں چاہت کی طرح چلا اور سب فکر نہیں تھی اس لئے میں نے تھوڑی دور تک دوڑ لگائی اور دوڑتا رہا۔ اور لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اب میرے اندر ایک نیا اعتماد پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں آزادی سے گھومنے لگا اور اسے اتفاق ہی کہنا چاہئے کہ ہرچرن لال مجھے نظر آ گیا۔ اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔

میں سنبھل گیا۔ مجھے یاد آ گیا تھا کہ ہرچرن لال تنکا کے پاس گیا تھا۔ تو کیا تنکا یہی ہے۔ میں ان کے قریب پہنچ گیا۔ بہر بوڑھے خبیث کی شکل دیکھ کر مجھے جھرجھری سی آ گئی۔ چھوارے کی طرح سکڑا ہوا چہرہ۔ بدن پر کھال تھی۔ گھٹے ہوئے سر پر بھی جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ سر کے درمیان ایک باریک سی چوٹی کی پتلی سی دم کی مانند لٹکی ہوئی تھی۔ جسم ننگا تھا۔ صرف ایک چھوٹی سی دھوتی تو شاید بندھی ہوئی تھی۔ گلے میں جنیئو پڑا تھا۔ پیروں میں لکڑی کی کھڑاویں تھیں جن کی آواز سناٹے میں دور دور تک پھیل رہی تھی۔ بوڑھا تنکا شکل سے ہی شیطان نظر آ رہا تھا۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔

"کیا بات ہے پنڈت تنکا مہاراج؟" ہرچرن لال نے چونک کر پوچھا۔

"ہرچرن۔" تنکا کی باریک سی آواز ابھری۔

"کیا بات ہے مہاراج۔"

"ہمارے بیچ کوئی اور ہے۔"

"کہاں؟" ہرچرن لال نے چاروں طرف دیکھا۔

"قریب۔ بہت قریب۔ میری ناک اسے سونگھ رہی ہے۔"

"پرنتو یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے مہاراج۔" ہرچرن نے حیرانی سے کہا۔

"کوئی ہے۔ ضرور ہے ہرچرن لال۔ اسے تلاش کرو۔ میری ناک دھوکا نہیں دے سکتی۔"

"میں کیسے تلاش کروں تنکا مہاراج۔" ہرچرن نے بے بسی سے کہا۔

"تم کچھ نہیں کر سکتے ہو۔ ہم ہی کچھ کرتے ہیں۔ ہے تو یہیں کہیں۔ اسے میرے سامنے آنا پڑے گا۔" اور پھر تنکا زور زور سے کوئی منتر پڑھنے لگا۔

"خوب۔" میں دل ہی دل میں اس کی ناک کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا۔

وہ تنکا زور زور سے منتر پڑھتے ہوئے [illegible] کی طرف ہاتھ بلند کیا اور جیسے کوئی شے مٹھی میں لے لی۔ پھر اس نے مٹھی پر پھونک ماری اور پھر اسے اوپر کی طرف اچھال دیا۔ تیز روشنی ہوئی اور نیلے رنگ کی ننھی ننھی چنگاریاں فضا میں اڑنے لگیں۔ پھر یہ چنگاریاں میری طرف بڑھیں اور انہوں نے میرے گرد حصار کر لیا۔

میں اچھل پڑا تھا اور پھر میں نے ایک طرف دوڑ لگا دی۔ یہ منظر میرے لئے سخت بدحواس کر دینے والا تھا۔ چنگاریاں میرے ساتھ دوڑ رہی تھیں اور ہرچرن بھی بدحواسی میں میرے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ پھر بہت سے پہرے دار بھی ہرچرن کے ساتھ ہو گئے۔

"دوڑو۔ پکڑو۔ جانے نہ پائے۔ پکڑو۔ گرفتار کرو۔" ہرچرن چیخ رہا تھا اور پہرے داروں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کسے پکڑیں۔ میں راج مندر کی طرف بھاگ رہا تھا۔

اور پھر میں راج مندر میں گھس گیا۔ دوڑو پکڑو کا شور میرے پیچھے آ رہا تھا لیکن میں اتنی تیز دوڑ رہا تھا کہ وہ سب کافی پیچھے رہ گئے۔ شور کی آوازیں مندر میں بھی سنی گئیں۔ چنانچہ سوتے ہوئے پنڈت جاگ اٹھے تھے اور صورت حال معلوم کرنے کے لئے دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میں اندر گھسا تو بہت سے پنڈت میرے راستے میں تھے۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے انہیں دھکیلا اور پنڈت بدحواسی میں ایک دوسرے پر ڈھیر ہو گئے اور پھر انہوں نے بھی اڑتی ہوئی چنگاریاں دیکھی تھیں۔ تو ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ دوسرے لمحے وہ گھبرا گئے اور جو پنڈت پیچھے تھے انہوں نے اندر داخل ہونے والوں کو روکا۔ چونکہ وہ دروازے میں کھڑے گھبرا رہے تھے۔ آنے والے ان سے ٹکرائے اور ان کے ساتھ ڈھیر ہو گئے۔ اس طرح مجھے اپنی کوٹھری میں پہنچنے کا موقع مل گیا۔

طالوت بدستور خراٹے لے رہا تھا۔

"طالوت۔ طالوت۔" میں نے گھبرائے ہوئے انداز میں اسے جھنجھوڑا۔

"کیا ہوا۔ کیا ہوا؟ ارے۔" طالوت نے میرے گرد بکھری ہوئی چنگاریاں دیکھیں اور بوکھلاہٹ میں کھڑا ہو گیا۔

"یہ۔ یہ کیا ہے طالوت؟"

"مصیبت۔ تنکا کی مصیبت۔" میں نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "جلدی کرو۔ وہ میرے پیچھے آ رہے ہیں۔"

طالوت نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اس نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے تیز ہوا مجھے کھینچ رہی ہو اور میں پوری قوت صرف کرنے کے باوجود



نکل نہ سکا اور طالوت کے قریب پہنچ گیا۔ طالوت نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ لیکن میرے گرد بکھری ہوئی چنگاریاں طالوت کے چھوتے ہی غائب ہو گئیں تو میں نے جلدی سے شانوں کا دوشالہ اوڑھ لیا۔

شور اب مندر میں آ گیا تھا۔ ہرچرن لال ہماری ہی کوٹھری کی طرف دوڑ رہا تھا اور پھر کوٹھری کے دروازے پر قدموں کی آواز رک گئی "دروازہ کھولو۔" ہرچرن کی آواز ابھری۔

"قصہ کیا ہے؟" طالوت نے سرگوشی کی۔

"ان کے ساتھ تنکا ہے۔ خطرناک آدمی ہے۔ ہوشیار۔ باقی باتیں پھر بتاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ فکر مت کرو۔" طالوت نے کہا۔

"دروازہ کھولو۔ کھولو دروازہ۔" باہر سے زور زور سے دروازہ بجایا جانے لگا اور طالوت دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ میں بھی اپنی کیفیت درست کر کے اس کے نزدیک آ کھڑا ہوا تھا۔

ہرچرن لال بڑی کینہ توز نگاہوں سے ہم دونوں کو گھور رہا تھا۔

"کیا بات ہے مہا منتری جی۔" طالوت نے بھاری آواز میں پوچھا۔

"اندر اور کون ہے؟" ہرچرن لال نے بھی سخت لہجہ اختیار کیا تھا۔

"تمہارے خیال میں کون ہو سکتا ہے؟" طالوت نے الٹا اس سے سوال کر دیا۔

"وہ کون ہے جو باہر سے آیا ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو ہرچرن لال؟" طالوت نے پوچھا۔

"ہم اندر تلاشی لیں گے۔" ہرچرن بولا۔ اب تنکا بھی اس کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔

"میں پوچھتا ہوں کہ کیا ہوا ہے؟" طالوت گرجا۔

"مجھے نہیں معلوم۔"

"یہ کسی کو دیکھنے کا ہے۔ تمہاری بدھی کیوں خراب ہو گئی ہے؟"

"ہٹو۔ اندر دیکھو۔ اندر کون ہے؟" ہرچرن لال نے پنڈتوں سے کہا اور پنڈت اندر گھس گئے۔ کوٹھری کوئی بڑی نہیں تھی کہ کسی کے چھپنے کا امکان ہوتا۔ چنانچہ پنڈتوں نے گردن ہلا دی۔

"ان دونوں میں سے بھی کوئی ہو سکتا ہے۔" تنکا کی کریہہ آواز ابھری۔ اس کی پوری شخصیت کراہیت آمیز تھی۔ اس کے ایک ایک عضو سے نفرت ہوتی تھی۔

"یہ کون ہے ہرچرن لال؟" طالوت نے پوچھا۔

"ارے۔ ارے۔ مہاراج تنکا پنڈت۔ تم ان کا نام کس طرح لے رہے ہو؟" ہرچرن بوکھلا گیا۔

"انہیں ان کی واپسی سے ملاؤ۔ ہرچرن لال اور تم بھی اب یہاں سے بھاگ جاؤ۔ رات کافی بیت گئی ہے۔"

"ہوش میں رہو مہاراج۔ میرا نام ہرچرن لال ہے۔ میں تمہیں یہاں سے گھسیٹتا ہوا لے جاؤں گا اور سولی پر چڑھا دوں گا۔"

"تم ہو مہاراج؟" طالوت نے مجھے پکارا۔

"مہان گرو جی۔"

"کیا ہرچرن لال جی کی بدھی ٹھیک کر دی جائے؟"

"زبانی مہاراج۔ زبانی۔ ممکن ہے یہ شریف آدمی باز آ جائے۔"

"کیا خیال ہے ہرچرن۔ بیٹھ جاؤ۔" طالوت نے اسے گھورا اور ہرچرن نے بوکھلا کر نگاہیں پھیر لیں۔ پھر وہ پنڈتوں کی طرف رخ کر کے بولا۔

"جاؤ۔ تم لوگ راج مندر میں ایک ایسا آدمی تلاش کرو جس کے بدن پر کوئی کپڑا نہیں ہے۔" پنڈتوں کی سمجھ میں کچھ آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ لیکن انہوں نے وہاں سے بھاگ جانے میں عافیت سمجھی تھی۔

پھر ہرچرن لال نے اداس نگاہوں سے تنکا کی طرف دیکھا۔ تنکا مشکوک نگاہوں سے ہم دونوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس نے نرم لہجے میں کہا "ہم آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں مہاراج۔"

"اب جا تو یہاں سے دور کھو پڑیا۔ ایک ہاتھ سا سمجھے گا مہاراج۔ اپنے چیلے کی طرح دن انہیں چھ ماس کے بعد آنا۔" طالوت نے کہا اور ہرچرن لال بری طرح بپھر گیا۔

"مار ڈالوں گا۔ مار ڈالوں گا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ مہاراج کا یہ اپمان۔" اور وہ ہماری طرف بڑھا۔ لیکن تنکا نے اس کا بازو پکڑ لیا تھا۔ اس نے ہرچرن کو پکڑتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

"نہیں۔ نہیں ہرچرن۔ سادھو سنتوں کی بات کا برا نہیں مانتے۔ یہ جانے کس بات میں کیا کچھ رکھ دیں۔ رہنے دو۔ اس سے صبح کو ہم مہاراج سے بات کریں گے۔" اور ہرچرن رک گیا۔ "آرام کریں مہاراج۔ ہم آپ کی سیوا میں حاضر ہوں گے۔ آؤ ہرچرن۔" تنکا نے ہرچرن کا بازو پکڑا اور ایک

طرف چل پڑا۔ طالوت نے مجھے آنکھ ماری تھی اور پھر وہ بھی ان کے پیچھے کھسکنے کو تیار ہو گیا۔

"رک جاؤ طالوت، کہاں جا رہے ہو؟" میں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"ان کے پیچھے۔ پہلے ان کی باتیں سن لیں، اس کے بعد ہم آپس میں باتیں کریں گے۔"

"رک جاؤ یار۔ وہ بڑا خبیث ہے۔ ہواؤں میں انسانوں کی بو سونگھ لیتا ہے۔" میں نے کہا۔

"میری بو نہ سونگھ سکے گا۔ میں انسان کہاں ہوں۔ ویسے مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ ٹھیک ہے اسے بعد میں دیکھ لیں گے۔ اب تم بیٹھ جاؤ اور اس آدھی رات کے ہنگامے کے بارے میں بتاؤ۔"

"یار عمدہ چیز تھی ہے۔ میرا خیال ہے اس سے تمہیں مقابلہ کرنے میں بھی لطف آئے گا۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"اب تفصیل بھی بتا دو یار۔" طالوت نے بیزاری سے کہا۔

"بس نیند نہیں آ رہی تھی۔ دوشالہ اوڑھ کر باہر نکل گیا۔ وہاں یہ دونوں نظر آ گئے۔ میں ان کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا کہ بوڑھے خبیث نے رک کر کہا کہ اس کی ناک انسان کی بو سونگھ رہی ہے۔"

"خوب۔ پھر...؟" طالوت دلچسپی سے بولا۔

"اس نے مٹھی بند کر کے کوئی منتر پڑھا۔ ایک روشنی ہوئی۔ اس نے کہا تھا جو کوئی ہے اسے ننگا کر دے۔ سو چنگاریاں میرے گرد پھیل گئیں اور میں بدحواسی میں دوڑ پڑا۔"

"عمدہ۔" طالوت پرخیال انداز میں بولا۔

"اب سوچو برخوردار، آدمی خطرناک ہے۔"

"عارف دوں گا تھے۔ غصہ مت دلاؤ۔ ورنہ اس کی ساتھی چالی چوٹیوں کا تیل نکال کر تمہارے پورے بدن پر مل دوں گا۔" طالوت ہنستے انداز میں بولا۔

"گویا اس کے بعد بھی تم اس کی پرواہ نہیں کرتے۔"

"اب اتنے عرصے سے اپنے پاپوں کو دھوتا پھر رہا ہوں۔ یہ سب تو کہاں سے میرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔"

"پھر بھی ہوشیاری کی ضرورت ہے طالوت۔ یہ ہندو جوگی بڑے منتر جانتے ہیں۔"

"ایک بات بتاؤں؟" طالوت نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"وہ لندے ٹم کا ماہر ہے۔ تم نے اس کی شخصیت سے کچھ نہیں محسوس کیا؟"

"خدا کی قسم محسوس کی تھی۔" میں نے پرجوش انداز میں کہا۔

"لندا سم خطرناک ضرور ہوتا ہے۔ لیکن چنتا نہ کریں۔ ایسے پچھڑوں کا صفایا تو کرنا ہی ہے کہ چھوٹی کاروائی ہو یا آجائے گا۔ فی الحال یہاں رہ کر ان کی گفتگو سنتے ہیں۔"

"یہاں رہ کر؟" میں تعجب سے بولا۔

"راسم۔" طالوت نے آواز دی اور راسم کو آنے میں دیر کیا لگتی۔ "ان دونوں کی گفتگو یہاں سننا چاہتا ہوں۔" طالوت نے کہا اور راسم نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔ اس نے ایک ہاتھ خلا میں نچایا اور جگجیون لال کی آواز ابھری۔

"آپ نے دونوں کو دیکھ لیا مہاراج؟"

"ارے۔" میں اچھل پڑا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا۔ "یہ آواز کہاں سے آرہی ہے؟"

"خاموشی سے سنو یار۔" طالوت نے کہا۔ لیکن میں حیرت سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کوئی بھی چیز نہیں تھی اور دوسری طرف سے آواز صاف آرہی تھی۔ وہی دونوں تھے۔

"ہاں مہاراج۔"

"کیسے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"میں کون مہاراج۔ میں تو سخت پریشان ہوں۔"

"چنتا مت کرو جگجیون۔ میں تمہارا کام کر دوں گا۔ لیکن تم نے میرے کام کے بارے میں کیا سوچا جگجیون لال۔"

"آپ کا کام۔ میں نہیں سمجھا مہاراج۔"

"راج کماری۔" بوڑھے خبیث کی آواز ابھری۔

"اوہ۔" جگجیون کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔ وہ کچھ منٹ خاموش رہا تھا۔ پھر اس نے کہا "یہ نہیں ہو سکتا مہاراج کہ آپ اس کا خیال چھوڑ دیں۔"

"حالات نہیں دیکھ رہے ہمارے۔ اس کے پریم نے ہمیں ننگا کیا ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

"ارے باپ۔ بھائی عاشق ہیں۔" طالوت نے کہا۔ لیکن میں تو اس آواز پر غور کر رہا تھا۔ آخر یہ کہاں سے آرہی تھی۔

"لیکن وہ بڑی کم سن ہے مہاراج۔ پورن لال اس پر دولت رکھتا ہے۔ وہ تو ہرگز اس کو مہاراج سے بات ہی نہیں دیکھنے دے ورنہ پھر وہ ہم میں سے کسی کی نہیں رہتی۔"

"دورے ساتھ کسی کی مجال ہے کہ اس ...



رکھے۔"

"لیکن مہاراج۔" جگجیون نے کہا۔ "آپ کو معلوم ہے کہ میں اس کے بنا نہیں جی سکتا۔"

"بکواس مت کرو جگجیون لال۔ ہم تمہارا کام اسی شرط پر کریں گے کہ اسے ہمارے حوالے کر دو۔" تلکا پنڈت نے کہا۔

"مہاراج۔ مہاراج۔"

"ہم جا رہے ہیں۔" تلکا شاید اٹھ گیا تھا۔

"ٹھہرئیے تو سہی مہاراج۔ بیٹھ جائیے۔ ٹھیک ہے اس نے آج تک مجھے بھی پریم کی نگاہوں سے نہیں دیکھا۔ اگر وہ آپ کو پسند کر لے تو پھر ٹھیک ہے۔ آپ کا اس پر حق ہے۔"

"وچن دیتے ہو جگجیون لال؟"

"ہاں مہاراج۔ لیکن شرط یہی ہے کہ اگر اس نے من سے آپ کو پسند کر لیا تو ٹھیک ہے۔ ورنہ اس کے ساتھ کوئی زبردستی نہیں ہوگی۔"

"منظور ہے۔ تم دیکھو گے وہ من سے ہمیں سویکار کرے گی۔"

"آپ شکتی رکھتے ہیں مہاراج۔ بدنصیب تو میں ہی ہوں۔" جگجیون لال نے کہا "خیر چھوڑیئے ان باتوں کو۔ ان دونوں کے لئے آپ نے کیا سوچا ہے؟"

"مجبور ہو جائیں گے وہ دونوں تمہارے سامنے اپنے بارے میں بتائیں گے اور پھر تم ان کے لئے جو بھی سزا طے کرو گے۔ وہ خوشی سے سزا قبول کریں گے۔"

"کیا۔ کیا ایسا ہو سکے گا مہاراج؟"

"اوش۔ کیا تم تلکا کو نرکھیا سمجھتے ہو؟" تلکا کی آواز میں جلال تھا۔

"ٹھیک ہے مہاراج مجھے آپ پر وشواش ہے۔ مگر یہ پورن لال کہاں گیا؟ سو گیا ہوگا کمبخت۔ آپ بھی سو جائیں مہاراج۔ صبح کو ان دونوں کا فیصلہ کریں گے۔"

"ہمارا استھان کہاں ہے؟"

"یہی کمرہ ٹھیک ہے مہاراج۔"

"ہاں۔ ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔" تلکا نے کہا اور پھر شاید جگجیون لال کمرے سے نکل گیا۔ آوازیں بند ہو گئیں۔ اور طالوت میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"طالوت۔ مجھے بتاؤ۔ یہ آوازیں کہاں سے آرہی ہیں؟" میں نے کہا۔

"کمال ہے یار۔ اتنی دلچسپ گفتگو ہو رہی تھی۔ تم نے اس پر تو غور نہیں کیا۔ آوازوں کے لئے اتنے پریشان ہو۔"

"یار حیرانی کی بات ہے۔"

"میرے خیال میں یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے۔ تم لوگ کالے رنگ کے پلاسٹک کے آلے میں ہزاروں کی گفتگو سن لیتے ہو۔ ہزاروں میل دور کے حالات دیکھ لیتے ہو۔ ہماری سائنس اتنی بھی نہ ہو گی۔"

"سائنس سائنس میں فرق بھی تو ہوتا ہے خان۔ اس بات کو جانے دو۔ یہ تلکا مہاراج تو اب مجھے بھی مزے کے نظر آنے لگے ہیں۔" "کیا تم نے توجہ سے ساری گفتگو سنی۔"

"ہاں۔"

"کوئی خاص بات نوٹ کی؟"

"راج کماری۔" میں نے طالوت کی آنکھوں میں دیکھا۔

"شکر ہے۔ بالکل ہی غیر حاضر نہیں تھے۔"

"ظاہر ہے۔ میں گفتگو سن رہا تھا۔"

"شکریہ۔ کیا ملا؟"

"ظاہر ہے لڑکی ہوگی۔"

"ہاں۔ عشق و عاشقی کی بات ہو رہی تھی۔" طالوت نے کہا اور میں گردن ہلانے لگا۔ پھر اچانک میں کسی خیال کے تحت چونک پڑا۔

"طالوت۔"

"ہاں۔ ہاں۔ کہو جلدی کہو۔"

"کہیں وہ لڑکی؟"

"میرے ذہن میں بھی یہی بات آرہی تھی۔"

"اوہ۔ تب تو۔ تب تو وہ لڑکی واقعی پراسرار شخصیت کی مالک ہے۔ دوست درگاپور کے اتنے بڑے بڑے لوگ اس کے پیچھے ہیں۔"

"مہاراج خود اس پر درگا کی بات بھی آئی تھی۔"

"راجہ بھی تو عیاش معلوم ہوتا ہے۔"

"شاید وہ عیاشی کی وجہ سے ہی دربار میں بھی نہیں آتا اور جگجیون لال پورے درگاپور پر راج کر رہا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"خیر راجہ کو بھی دیکھ لیں گے۔ پہلے ان لوگوں کو درست کر لیا جائے۔"

"نہ جانے کیوں یہ آدمی مجھے خوفناک لگ رہا ہے۔ دراصل طالوت میں اس بات سے ڈر رہا ہوں کہ اب تک ہمارا واسطہ صرف ایسے لوگوں سے پڑا ہے جو صرف دم رکھتے تھے۔ لیکن ہندو جادوگر بہت مشہور ہوتے ہیں۔ ہمیں ان کے بارے میں کوئی تجربہ نہیں ہے۔"

"اب ہو جائے گا میری جان۔ بس اب سونے کی کوشش کرو۔ صبح کو ہمت سے معرکے سر کرنے ہیں۔" طالوت

نے حسب عادت انگڑائی لے کر کہا "اور سونے کے لئے لیٹ گیا۔

"لیٹ میں بھی گیا تھا۔ لیکن نہ جانے کب تک نیند نہیں آئی تھی۔ طالوت مست نیند کے خراٹے لے رہا تھا۔ اور میں جاگ رہا تھا۔ پھر میری آنکھوں میں بھی چپکے سے نیند گھس آئی اور پھر صبح ناقوس کی صداؤں سے ہی آنکھ کھلی تھی۔ نہ جانے کتنی دیر سویا تھا۔ طالوت بھی جاگ گیا تھا اور دانت پیس رہا تھا۔

پھر اس نے راسم کو آواز دی "راسم!"

"صبح بخیر آقا۔" راسم نے فوراً جواب دیا۔

"ابھی نہیں۔ ہم بہت دیر سے سوئے تھے۔ کچھ دیر اور سوئیں گے۔"

"ایک بھی گھنٹہ نہیں بجنا چاہئے۔ ایک بھی آواز بلند نہ ہو۔" طالوت نے کہا۔

"ایسا ہی ہوگا آقا۔" راسم نے کہا اور نگاہوں سے غائب ہو گیا اور چند ساعت کے بعد واقعی ساری آوازیں معدوم ہو گئیں حالانکہ مندر کی صبح ایسی پرشور ہوتی تھی کہ کان پھٹے جاتے تھے اور ابھی چند ساعت قبل ایسی ہی کیفیت تھی۔ لیکن اب بالکل خاموشی چھائی تھی۔ لیکن پھر یہ خاموشی ٹوٹ گئی۔

اب یہ انسانوں کا شور تھا۔ نہ جانے کیسی بھاگ دوڑ ہو رہی تھی۔ طالوت تو کروٹ بدل کر گہری نیند سو رہا تھا۔ لیکن میری نیند اچٹ گئی تھی۔ طبیعت بھاری ہو رہی تھی۔ لیکن صورتحال معلوم کرنے کے لئے اٹھ گیا۔ میں جانتا تھا کہ ان مندر میں [illegible] ہوگا اور اس صبح کی ابتدا بھی ایسی ہوئی ہے۔

میں باہر نکل آیا۔ بہت سے پنڈت نکل آئے تھے۔ کچھ پنڈت مندر کی دیواروں پر [illegible] مندر کی [illegible] سے جانے والے [illegible] میں پھیل رہے تھے۔ ان کے چہرے سرخ ہو رہے تھے۔ [illegible] اور بجانے کی کوشش کرتے۔ لیکن آواز نکلتی نہیں تھی۔

[illegible]

کو تقویت ہی ہوتی۔ تنا خطرناک حیثیت ضرور رکھتا تھا لیکن اس کا واسطہ جس شخص سے پڑنے والا ہے وہ تو [illegible] ہے۔ وہ صرف کچھ دیر سونے کے لئے اتنا بڑا ہنگامہ برپا کرا سکتا ہے۔ میں وہاں سے چلا اور واپس طالوت کے پاس پہنچ گیا۔

طالوت بھی اب آنکھیں کھولے لیٹا تھا۔ اس کے انداز میں [illegible] تھی "کیا ہو رہا ہے باہر؟" اس نے پوچھا۔

"ہنگامہ۔" میں نے جواب دیا۔

"پورن لال برآمد ہو گیا؟"

"میرا خیال ہے ابھی نہیں۔ ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں سنا گیا۔"

"چلو۔ باہر چلیں۔" طالوت نے کہا اور ہم دونوں تالاب پر آ گئے۔ وہاں منہ ہاتھ دھوئے، دانت وغیرہ صاف کئے اور پھر اندر واپس آ گئے۔ پنڈت اپنی کوششوں میں ناکام ہو گئے تھے چنانچہ گھنٹے بجانے کی کوشش ترک کر دی گئی تھی۔ پوجا کرنے والے بھی آ گئے تھے اور پھر پورن لال کی تلاش شروع ہو گئی۔

"مہاراج پورن کہاں ہیں؟" کسی نے کہا۔

"ارے ہاں۔ مہاراج صبح سے نظر نہیں آئے۔"

"کہاں گئے؟" بہت سی آوازیں گونجیں۔ سب کو پورن لال کا خیال آ گیا تھا۔

"دیکھو۔ مہاراج کو تلاش کرو۔"

اور پنڈت پورن لال کی تلاش میں چاروں طرف دوڑنے لگے۔ بڑی افراتفری پھیل گئی۔ تنا پنڈت کی آمد کی شاید ابھی یہاں کسی کو خبر نہیں تھی۔ لیکن پھر تنا بھی نمودار ہو گیا اور سارے پنڈت عقیدت سے اس کے سامنے جھک گئے۔ وہ تنا [illegible] آ گیا تھا۔

"بڑی عجیب عجیب باتیں ہو رہی ہیں تنا مہاراج۔"

"کیا بات ہے؟"

"آج مندر کے سارے گھنٹے بند ہو گئے۔ تمام آوازیں بھی بند ہو گئیں۔ اور مہاراج پورن غائب ہیں۔"

"پورن لال غائب ہے؟" تنا نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں مہاراج۔"

"کب سے؟"

"رات کو انہیں دیکھا گیا تھا۔ [illegible] سے ان کا پتہ نہیں ہے۔"

"مہاراج پورن لال" [illegible]

[illegible]



"[illegible] سمجھ رہے ہیں۔" تنا بڑی دانائی سے بولا اور سب اسے گھورنے لگے۔ "میں سچ کہہ رہا ہوں مہاراج۔ وہ کہیں نیچے بیٹھے ہیں اور ان پر سے اٹھ نہیں رہے۔"

"کیا بکواس ہے؟" تنا غرایا۔

"آپ خود دیکھ لیں تنا مہاراج۔ بھگوان کی سوگند میں سچ کہہ رہا ہوں۔" پنڈت دوسرے والی آواز میں بولا۔ اور اب ہنگامہ دوسری طرف منتقل ہو گیا۔ بہت سے لوگ مندر کے دوسرے حصے کی طرف دوڑنے۔ تنا بھی اپنی ساتھی [illegible] اسی طرف بڑھ رہے تھے۔ پنڈت اس کے زبردست عقیدت مند تھے۔ بہت سے پنڈت اس کے پیچھے ادب سے چل رہے تھے۔

"رک جاؤ۔ ان سے کوئی اندر نہ داخل ہو۔" تنا نے کہا اور پنڈت [illegible] تنا پنڈت کا حکم سنتے ہی وہیں رک گئے۔ جو پہلے مندر کے دروازے تک پہنچ گئے تھے سب نے تنا مہاراج کو راستہ دے دیا تھا۔

اور اچانک تنا کو جیسے کوئی خیال آیا۔ اس نے عمارت کی طرف گردن اٹھائی اور ٹھٹک کر ٹھہر گیا۔ تب اس کی نگاہ ہم دونوں پر پڑی اور اس کے ہونٹوں پر ایک [illegible] مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ پیچھے ہٹا اور ہمارے قریب پہنچ گیا۔

"جے رام جی کی مہاراج!" اس نے دونوں ہاتھ جوڑے۔

میں اور طالوت مسکرا کر رہ گئے تھے۔ "اس سے کچھ ناراضگی ہے مہاراج؟" تنا نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو تنا جی؟" طالوت نے زہریلے انداز میں پوچھا۔

[illegible] "پنڈت تمہارا [illegible] کرنا بڑی بات ہے۔ طالوت بھگت رہے گا مہاراج ابھی ہی۔" وہ عجیب سے انداز میں ہنسا۔

"ہاں تنا جی۔ تمہارے لئے بڑی مصیبت پڑ جائے گی۔"

"دیکھیں گے مہاراج۔ آئیے اندر آئیں۔ یہ پورن لال کو کیا ہو گیا ہے۔"

"چلو تنا۔" تنا مہاراج۔ "ہم ٹھیک ہیں۔"

"[illegible] ہی۔ اب ایسی بھی کیا۔ ہم دونوں گیان کی [illegible] لڑیں گے۔ آپ میں اس کا وقت سے کیا فائدہ؟"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن برہمن لال کو آپ نے اطلاع نہیں کر دی؟"

"ارے ہاں۔ خوب یاد دلایا۔ ارے سنو بھگوان داس۔ مہاراج برہمن لال کو تو اطلاع دو۔ پورن لال ان کا بھی متر ہے۔ دیکھیں تو آ کر اسے کیا ہو گیا ہے۔" اور بہت سے پنڈت دوڑ گئے۔

بہرحال ہم تنا اور کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ پورن لال دالان کے دوسری طرف اسی کمرے میں موجود تھا اور اسی جگہ بیٹھا تھا جہاں ہم چھوڑ گئے تھے۔

ہمیں دیکھتے ہی وہ مرغی کی طرح کڑکڑایا۔ اور کڑکڑاتا ہی رہا۔ اس نے سنبھل کر بیٹھنے کی کوشش بھی کی تھی اور ایک سفید انڈا اس کے نیچے سے سرک گیا تھا۔

"پورن لال۔ اٹھو پورن لال۔" تنا نے اس کے قریب پہنچ کر کہا اور پورن لال زور سے کڑکڑایا۔

"منش کی زبان میں بات کر پورن۔ یہ تنا کا حکم ہے۔ منش کی زبان میں بات کر۔"

"سب بھاگ یہاں سے۔ دیکھتا نہیں ہے میں انڈے دے رہی ہوں۔" پورن لال نے جواب دیا اور تنا اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ پورن لال کے چہرے پر بیزاری تھی۔

"کیسے انڈے پورن لال؟" بالآخر اس نے پوچھا۔

"سفید۔ سفید۔ چھوٹے چھوٹے۔ [illegible] بچے ہی نکلیں گے۔"

"کیا بک رہا ہے پورن لال۔ تو منش ہے۔ مرغی نہیں ہے۔"

"ہے بھگوان۔ اس بڈھے کی آنکھیں پھوٹ گئیں۔ [illegible] منش نظر آ رہی ہوں۔ ارے دفع ہو۔ بھاگ یہاں سے۔ کیوں مجھے ستا رہا ہے۔ میں تیرا کیا بگاڑ رہی ہوں۔" پورن لال نے مظلومانہ انداز میں کہا اور تنا اسے دیکھتا رہا۔ [illegible] رہی تھی۔ لیکن طالوت بڑی سنجیدگی سے پورن لال کو دیکھ رہا تھا۔

"کچھ آپ ہی بتائیں مہاراج۔ کیا ہوا پورن لال کو؟" [illegible] ہماری طرف مڑا۔

"ہو سکتا ہے مضحکہ خیز ہی ہو تنا مہاراج۔"

"تی ہی ہی۔ مجھے تو مرغی ہی بنا دیا مہاراج۔ میں انڈوں [illegible] نکلیں گے۔ اور یہاں مندر کے گھنٹے کیسے بند ہو گئے تھے؟" [illegible] والے تنا نے کہا۔

"تم تو بہت ذہین ہو تتا۔ یہ تم نے کیسے معلوم کرلیا۔"
"جب پتہ معلوم ہو جائے تو پتا لگانا مشکل نہیں رہتا۔" طالوت نے
"اوہ۔ اوہ۔ ایک بات بتاؤں۔"
"ضرور۔"
"مدر چی تمہارے بارے میں کوئی جواب نہیں دیتی۔ اس کا کیا مطلب ہوسکتا ہے۔"
"وہ کیا مہاراج؟"
"ہو سکتا ہے بندہ محترم یہی تمہارا کوئی بندہ ہو۔" تتا نے ہماری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ سچی بات ہے میرے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا لیکن طالوت نے قہقہہ لگایا تھا۔
"ہاں ہاں۔ ہمارا محترم آدمی سے اچھا ہے مہاراج۔ آپ پتا نہ کریں۔" اس نے بلندی سے کہا۔
"تمہیں میرے بارے میں سچ کہہ رہا ہوں۔ اگر تم بندہ نہیں ہو تو پتہ چل جائے گا اور پنڈت جی اور جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ رام سے تمہارا کیا کرم کرائیں گے۔ بہتر ہے میں ان کے سامنے یہ بات رکھ دوں گا۔"
"تم جو چاہو کرو گے تتا مہاراج۔ وہ تمہارا کام ہوگا اور ہم جو کچھ کریں گے وہ ہمارا۔" طالوت نے جواب دیا۔ اسی وقت دیوان برجن لال آگئے۔ ان کے چہرے پر بھی پریشانی کے آثار تھے۔
"یہ سب کیا ہو رہا ہے تتا مہاراج؟" برجن لال نے آتے ہی پوچھا اور پھر ہمیں دیکھ کر سنبھل گیا۔
"ان ملیچھوں سے پوچھو۔ جن کی بدولت خراب ہوئی ہے۔ تتا سے کر لینے آئے ہیں۔"
"ارے تم سب یہاں کیسا مزے ہو رہا ہے۔ مجھے انڈے سینے دو۔ میرے انڈے ٹوٹ جائیں گے۔" پورن لال نے پریشانی سے کہا اور برجن لال چونک کر اسے دیکھنے لگا۔
"یہ کیا بکواس ہے پورن لال۔ اٹھو۔ چلو اندر چلو۔" برجن لال نے پورن لال کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور پورن لال کسی مظلوم مرغی کی طرح زور زور سے چیختا رہا "بچاؤ۔ اسے اٹھا کر میرے پاس لے چلو۔" برجن لال نے پنڈتوں کو حکم دیا اور پورن لال کو پکڑ لیے۔ پورن لال ہاتھ پیر مار کر روتا رہا تب وہ لوگ زبردستی اس کے ساتھ اٹھائے ہوا تب اسے اپنے چوزوں سے محروم ہونا پڑا تھا۔
"تو یار۔ آج کھانے پینے کی بات بھی نہ ہو سکی۔ خود ہی بندوبست کریں۔" طالوت نے مجھ سے کہا اور ہم بھی وہاں

سارے بندھن ٹوٹ گئے تھے اور پورن لال کی صحت سے کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ ہم وہاں سے باہر میں واپس آئے اور پھر کھانے پینے کی چیزوں کی تلاش میں بھٹکتے رہے۔
کھانا موجود تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ پروا نہیں تھا۔ بہرحال ہم نے اپنی ضرورت کے مطابق نکال لیا اور اطمینان سے ایک کونے میں بیٹھ کر کھانے لگے۔
"یار طالوت۔" میں نے کھانا کھاتے ہوئے طالوت کو مخاطب کیا۔
"کہو مرشد۔"
"اس پورن لال کے پیٹ کے نیچے انڈے کہاں سے آگئے؟"
"رام نے اس کی خواہش پوری کردی تھی۔ وہ پوچھ رہا تھا انڈے کہاں سے آئے۔"
"واقعی تم بہت بڑے شیطان ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔
"اب یہ تو اتفاق ہے۔ لطف آرہا ہے یا نہیں؟"
"میں تو خوش ہو رہا ہوں یار۔"
"اس بوڑھے تتا سے؟"
"ہاں۔"
"اس کے بعد اگر تم نے یہ بات زبان سے ادا کی تو تمہیں مرغا بنا کر پورن لال سے تمہارا جوڑا بنوا دوں گا۔ سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔" طالوت نے غراتے ہوئے کہا۔
"تم دیکھو۔ اس نے ہمارے بارے میں کتنا درست اندازہ لگایا ہے۔"
"ارے مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ وہ مقابلے پر آگئے۔" طالوت نے کہا اور میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ طالوت بھی کھاتے ہوئے سوچ رہا تھا پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"ہم تتا پنڈت کو معطل بھی کر سکتے ہیں۔"
"کیا مطلب؟"
"ہاں۔ اس کی یہاں بیٹی کی بات کی جا سکتی ہے۔"
"کیسے؟" میں نے پوچھا۔
"اگر وہ رانی جیسی ہمیں مل سکے۔" طالوت نے جواب دیا۔
"ہوں۔ یہ رات بھی کوئی بڑی مصیبت ہی نہ رہے گی۔ میری پیشن گوئی ہے۔"
"بتا کر سے اندازہ لگاؤ کہ یہ وہی لڑکی ہو سکتی ہے؟"



"کس بنا پر کہہ رہے ہو؟"
"وہ اتنی ہی خوبصورت تھی۔"
"ہاں یار۔ ہم نے تو جو ذہن میں ایسی ویسی کوئی بات ہو۔ لیکن وہ لڑکی ذہن سے بری طرح چپک گئی ہے۔"
"لیکن طالوت۔ تم اسے اپنے طور پر کیوں نہیں تلاش کرلیتے؟"
"پہلے بھی کہہ چکا ہوں میری جان کہ میرے اوپر بھی بعض اخلاقی پابندیاں ہیں جنہیں تم پر ظاہر کرنے سے معذور ہوں۔ بعض معاملات میں میری پوزیشن یہاں تمہارا کے کر سکتا ہوں۔ لیکن نہیں کر سکتا۔"
"ہاں۔ تم نے کہا تھا۔" میں نے گردن ہلائی۔
"البتہ تمہاری والی کے لئے مدد کر سکتا ہوں۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"دیوتی؟"
"ہاں۔ کیوں؟" طالوت نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔
"ہم اس کی مدد ضرور کریں گے طالوت۔ لیکن اب میں اسے اپنی نہیں کہہ سکتا۔"
"کیوں؟"
"ارے تم اس کی پورن لال سے منگنی سن چکے ہو۔ وہ کسی ست پرکاش سے منسوب ہے۔"
"اوہ۔ تب کیا فرق پڑتا ہے۔ ہم اسے ست پرکاش والوں کے۔ مگر یہ راجہ لاکھ داس کو ایسا لگتا ہے جیسے صرف ایک نام ہو۔ اس سے کب ملاقات کرو گے؟"
"تم یہاں کے ہنگامے نمٹالو تو پھر دیکھیں گے۔"
"تو آؤ۔ آج تمہاری دیوتی سے مل لیں۔"
"ابھی نہیں طالوت۔ میری رائے ہے پہلے تتا کو نمٹادو۔"
"ہوں۔" طالوت نے ہونٹ بھینچ کر میری طرف دیکھا۔
"بالکل۔"
"تو اس بوڑھے سے بھی نپٹ لیں۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور نہ جانے کیوں میرا دل دھڑک اٹھا۔ لیکن اب کسی خوف کا اظہار طالوت کے سامنے کرنا موت تھا۔ اور یہ انتہا پسند شخص تفریحاً بھی اپنی کسی بات کو عملی جامہ پہنا سکتا تھا۔ ہم دونوں اس کمرے سے نکل آئے جہاں کھانے پینے کی چیزیں موجود تھیں۔
پنڈت اب بھی حیران پریشان ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے وہ پورن لال اور مٹھ بند ہو جانے والے واقعات پر چہ

میگوئیاں کر رہے تھے۔ ہم ان کی دلچسپ باتیں سنتے ہوئے اس طرف بڑھ رہے تھے جہاں پورن لال رہتا تھا اور پھر ہم اس کمرے کے سامنے پہنچ گئے۔ طالوت نے دروازے پر دستک دی۔
"آجاؤ مہاراج۔" اندر سے تتا کی آواز سنائی دی اور ہم اندر پہنچ گئے۔ پورن لال بدستور ایک کونے میں بیٹھا تھا۔ اس کے نیچے انڈے رکھوائے گئے تھے کیونکہ اس نے در و دیواروں سے سر مارنا شروع کر دیا تھا۔ اسے اپنے نکلنے والے چوزوں کا غم تھا۔ ایک طرف پر برجن لال بیٹھا خونی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔
لیکن تتا کے منحوس چہرے پر وہی تاثرات تھے۔
"پدھارئیے مہاراج۔ پدھارئیے۔" اس نے ہم دونوں سے کہا اور ہم بیٹھ گئے۔ "کیوں نہ ہمارے درمیان صاف صاف بات چیت ہو جائے مہاراج۔" تتا نے کہا۔
"ہم تیار ہیں۔ کیوں برجن لال جی۔" طالوت نے برجن لال سے کہا۔
"آپ نے جس طرح یہاں آکر لوگوں کو پریشان کیا ہے۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ کیا چاہتے ہیں آخر آپ؟" برجن لال نے تیکھے انداز میں کہا۔
"کوئی پوچھے بھی تو سمجھ کی بات برجن لال۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا "اس کے بجائے آپ نے تو ہمارے خلاف سازشیں شروع کر دیں اور اس بندر کو بلا کر تو آپ نے ہمیں اور غصہ دلایا ہے۔ ہم اس بندر کے بغیر بھی گفتگو کر سکتے ہیں۔" طالوت نے تتا کی طرف اشارہ کیا۔
اور برجن لال شدید غصے کے عالم میں کھڑا ہو گیا۔ وہ تتا کی توہین پر بوکھلا گیا تھا لیکن بوڑھا تتا بدستور مسکرا رہا تھا۔
"مکار سادھو۔ میں۔ میں تمہارے ٹکڑے کر دوں گا۔ تم تتا مہاراج کا اپمان نہیں کر سکتے۔ مہاراج۔ مہاراج آپ مجھے آگیا دیں۔ میں اپنے خنجر سے ان کے ٹکڑے کر دوں۔ چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔" برجن لال اپنی کمر سے خنجر کھینچتے ہوئے بولا۔ لیکن تتا نے ہاتھ اٹھا دیا تھا۔
"رہنے دو برجن۔ غصہ کے کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ پدھارئیے مہاراج۔ آپ برجن لال کی بات نہ لیں۔ میں خاموش رہوں گا۔" وہ اپنی منحوس آواز میں بولا۔
"ہرگز نہیں ہوسکتے بندر۔ تم اسے ہمارے ٹکڑے

کرنے کی اجازت دے دو۔" طالوت نے زہریلے لہجے میں کہا اور برجموہن لال کی چیخ نکل گئی۔ خنجر سیدھا کر کے طالوت کی طرف دوڑ پڑا۔ طالوت نے اس وقت کوئی داؤ پیچ آزمانے کے بجائے سیدھا سیدھا برجموہن لال کے خنجر والا ہاتھ تھام لیا۔ اور پھر اس کا زوردار تھپڑ برجموہن لال کے گال پر پڑا۔ کیا تھپڑ تھا۔ زوردار آواز تھی جیسے پٹاخہ چھوٹا ہو۔ برجموہن لال کا سر چکرا کر رہ گیا تھا۔

پھر وہ خنجر کو اسی طرح ہوا میں لہراتا چیخا۔ "مار ڈالوں گا۔" لیکن اسی وقت تکا کی آواز سنائی دی۔

"برجموہن لال کیا تو نے تکا کا اپمان نہیں کر دیا۔ آیا تو اس کی بات مان رہا ہے؟" اور برجموہن لال رک گیا۔

"تکا مہاراج۔ تکا مہاراج۔ بھسم کر دو انہیں۔ مار ڈالو ان پاپیوں کو۔ بھسم کر دو۔ میں انہیں برداشت نہیں کر سکتا۔ اب ورگوں میں یہ رہیں گے یا میں۔ مجھے اپنے اپمان کی چنتا نہیں ہے۔ مہاراج!"

"دیکھو برجموہن۔ تو مجھے کل میں نیچا دکھایا ہے۔ میں ان لوگوں کو ٹھیک کر دوں گا۔ تم نے برجموہن لال کا اپمان کر کے بہت برا کیا ہے بالکو۔ اب تمہیں اس کی سزا بھگتنا پڑے گی۔"

"بڈھے بے وقوف تیری شامت آئی ہے۔ ہم تیار ہیں۔ جب چاہے سامنے آ جا۔ جس طرح چاہے بات کر۔ دیکھیں تم کتنا بڑا سادھو ہے۔" طالوت نے کہا۔

"ابھی نہیں مہاراج۔" تکا نے مسکراتے ہوئے کہا "یہ راج محل ہے۔ لڑنا ہے تو کسی میدان میں چل کر لڑیں۔ اس لڑائی میں مزہ آئے گا۔"

"ہمیں کسی بات کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ کرنا ہے ابھی کر لے۔ تو تیار ہو مہاراج۔" طالوت نے کہا اور میں بھی اٹھ گیا۔ ہم دونوں دروازے کی طرف بڑھے۔ برجموہن لال دیوانگی کے عالم میں ہونٹ چبا رہا تھا۔ لیکن بے بسی سے کچھ کر نہیں پا رہا تھا۔ تکا بھی چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا اور ہم باہر نکل آئے۔

میں نے محسوس کیا کہ طالوت کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ جو اس کی اندرونی خوشی کی غماز تھی۔ اور پھر میں نے ایک گہری سانس لی۔

"کیسے لوگ ہیں مہاراج!" میں نے اس سے کہا۔

"ہوں....." طالوت نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب کیا خیال ہے؟"

"کچھ نہیں۔ شاید کوئی نئی شرارت پروگرام بنا رہا ہے۔"

"تکا کے بارے میں کچھ نہیں سوچو گے؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا عارف۔ تکا تمہارے ذہن پر اس قدر کیوں سوار ہے؟" طالوت نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"میرے خیال میں اب اس کی کوئی گنجائش رہ گئی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ بات کرے؟"

"اور ہمیں رعایت کی ضرورت ہے کیوں؟"

"میرا خیال ہے ہمارا کھانا بھی بند کر دیا جائے گا۔"

"اور ہم بھوکے مر جائیں گے؟"

"اوہ۔ یعنی تم غلط کیوں سوچ رہے ہو۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے۔"

"اچھا۔ یہ مطلب نہیں ہے۔ میں واقعی غلط سوچ رہا تھا۔" طالوت دانت نکال کر ہنسا۔ اور میں ہنس پڑا "عارف۔ میں چاہوں تو ابھی تکا کو نانی یاد دلا سکتا ہوں۔ لیکن تم نے دیکھا۔ پجاری وہ دن نکل گیا اور اب وہ اندر سے مر رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں تکا بھی کوشش کرے۔"

"یعنی تمہاری مرضی یار۔" میں نے بیزاری سے کہا۔

"ڈرامہ کریں۔" طالوت نے کہا۔

"کیا مطلب" میں اچھل پڑا۔

"ڈرامہ۔ صرف ڈرامہ۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"ڈرامہ۔" طالوت ہنس پڑا اور میں احمقوں کی طرح اسے گھورتا رہ گیا۔ طالوت نے میرا ہاتھ پکڑا اور باہر نکل آیا۔ لیکن تکا ہم سے پہلے ہی ڈرامہ شروع کر چکا تھا۔

بے شمار پنڈت ہمارے کمرے کے سامنے جمع ہو گئے تھے۔ ان کے چہروں پر خوفناک تاثرات تھے۔ میں انہیں دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ اور طالوت نے ہونٹ بھینچ لئے۔

تب دو قوی ہیکل پنڈت آگے بڑھ آئے۔ "کیا تم ملیچھ ہو؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"کیا بات ہے مہاراج؟" طالوت نے نرم لہجے میں کہا۔

"تکا مہاراج کہتے ہیں تم ملیچھ ہو اور چالاکی سے یہاں گھس آئے ہو۔"

"کیا ہم صورت سے تمہیں ملیچھ نظر آتے ہیں؟" طالوت نے پوچھا۔

"مسلمان بڑے چالاک ہوتے ہیں۔ وہ ہر طرح کی صورتیں بنا لیتے ہیں۔"



"اور صورتیں بگاڑ بھی دیتے ہیں مہاراج۔" طالوت نے کہا۔

"تو بتا کیا کرے گا۔" پنڈت بولا۔

"تم بتاؤ کیا کرو گے مہاراج۔ تو؟" طالوت نے مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہم زندہ تمہارے کپڑے اتار لیں گے۔"

"ایک شرط پر مہاراج۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔

"کیا شرط ہے؟" پنڈت بولا۔

"تم جانتے ہو پنڈت جی کہ تکا مہاراج گندے علم کا ماہر ہے۔"

"مہاراج کا اپمان مت کرو ورنہ ہم تمہاری زبان کھینچ لیں گے۔"

"میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں پنڈت جی مہاراج کہ خود تکا ملیچھ ہے۔ اصل میں وہ ڈرپوک ہے۔ اپنی جان بچانے کے لئے اس نے یہ الزام لگایا ہے وہ تمہاری توجہ ہماری طرف مبذول کر کے خود چھپنا چاہتا ہے۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" پنڈت چیخا۔

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ بالکو جاؤ پہلے تکا کو دیکھ آؤ۔ اس کے بعد ہمارے پاس آ جانا۔" طالوت نے کہا۔

"اور اتنی دیر میں تم بھاگ گئے مہاراج تو؟"

"تو کچھ آدمی ہمارے پاس چھوڑ جاؤ۔"

"ارے ان کی باتوں میں مت آؤ۔ تکا مہاراج جیسے مہان پرش کہیں ملیچھ ہو سکتے ہیں؟" کسی نے کہا۔

"جو میں کہہ رہا ہوں کرو۔ میں اس کے بعد بات کروں گا۔ اور اگر اس کے خلاف کسی نے کچھ کہا تو اس کا بہت برا حشر کروں گا۔" طالوت نے کہا اور میں اس کے لہجے کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔

"چلو دوستو۔ مہاراج سے بات کریں" ایک پنڈت نے کہا "آؤ" اور دس بارہ پنڈت چلے گئے۔ باقی لوگ ہمارے سامنے ہی کھڑے رہے تھے۔ وہ تیز نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ شاید تکا نے انہیں خوب بھڑکایا تھا۔

"مہاراج کیا ہو گا؟" میں نے سرگوشی کی۔

"سب ٹھیک ہے یار۔ تفریح شروع ہو چکی ہے۔"

طالوت نے بھی اسی سرگوشی کے انداز میں جواب دیا اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ تقریباً پندرہ منٹ گزر گئے۔ پھر دوسری طرف سے شور کی آوازیں ابھریں اور سب چونک پڑے۔ چار پانچ پنڈت تکا کو لئے ہوئے آ رہے تھے۔

ہمارے نزدیک کھڑے ہوئے پنڈتوں نے اسے دیکھا۔ اور سب دنگ ہو کر رہ گئے تھے۔ اب کسی کو کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہی نہ رہ گئی تھی۔

"تو یہ مہان مسلمان آج تک ہمیں تکا پنڈت بن کر دھوکہ دیتا رہا ہے۔"

"یہ ہمارا دھرم نشٹ کرتا رہا ہے۔"

"یہ ہم سب کو بے وقوف بناتا رہا ہے۔"

"مارو۔ مار دو۔ مارو۔" اور پنڈتوں نے تکا پر یلغار کر دی۔ بے چارہ کیا خوب میں نے سوچا۔ اس کی سوکھی ہڈیوں میں جان ہی کتنی تھی۔ قوی ہیکل پنڈت ایک ایک ہاتھ بھی مارتے تو وہ کیا تھا پنڈتوں نے اپنی دانست میں تکا کو ادھ مرا کر دیا تھا۔

اور تکا اس طرح پڑا تھا جیسے مر گیا ہو۔

"جاؤ۔ مہاراج برجموہن لال کو خبر دو۔ تکا ملیچھ ہے۔" کسی پنڈت نے کہا اور پھر سارے پنڈت اسے چھوڑ کر ہٹ گئے۔

"مر گیا تکا۔" میں نے طالوت سے کہا۔ لیکن طالوت غور سے تکا کو دیکھ رہا تھا۔ پنڈتوں نے اسے اتنا مارا تھا لیکن تکا کے بدن کے کسی حصے سے خون نہیں نکلا تھا۔

پنڈت اب تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ٹولیاں بنائے کھڑے تھے۔ تکا کے مسلمان ثابت ہو جانے پر وہ سخت پریشان تھے اور اس کے بعد شاید ان کی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ ہم سے کچھ مقابلہ کر پاتے۔

دفعتاً تکا نے ایک آنکھ کھول کر دیکھا۔ پھر دوسری آنکھ کھولی اور اس کے ہونٹوں پر وہی شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کے کسی انداز سے تکلیف کا اظہار نہیں ہوتا۔ تب وہ اٹھ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

"ارے طالوت" میں حیرت سے بولا۔ طالوت بھی تکا کی جانب دیکھ رہا تھا۔ تکا نے ہماری طرف دیکھ کر آنکھ ماری۔

"واہ کیا کہنے مہاراج۔ مگر اب ہوشیار رہیں۔ تکا وار کرے گا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"چنتا نہ کریں مہاراج۔ ہم بھی آپ پر نظر رکھیں گے۔" طالوت نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"دیکھیں گے۔ دیکھیں گے۔" تکا کھڑا ہو گیا اور پھر وہ ایک طرف چلا تو پنڈت اس کی طرف دوڑ پڑے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے برجموہن۔ مہاتما جی تو زندہ ہیں۔ تم فیصلہ کر لیں گے تو یہاں سے بچ کر نہیں جانے دیں گے۔"

پنڈتوں نے اسے پکڑ لیا۔ تب تنکا نے سنجیدگی سے ان کی طرف دیکھا۔

"بس بس۔ چھوڑ دو۔ بہت ہو گئی۔ ان دونوں نے تم جیسے سادھوؤں کو بے وقوف بنا رکھا ہے۔ تمہاری بدھی بھرشٹ ہو گئی ہے۔ ارے پاگلو، یہ جادوگر ہیں۔ پیچھا چھوڑو، بہت جلدی تمہیں پتہ چل جائے گا۔"

"بات نہ بڑھنے دو۔ کوئی ہی چالاکی کرے۔" طالوت نے آواز لگائی اور پنڈتوں نے تنکا کو اور مضبوطی سے پکڑ لیا۔ تب تنکا نے ان لوگوں کو گھورا اور پھر اس نے دونوں پاؤں اٹھائے۔ اب اس کا بدن گھٹتا جا رہا تھا۔ گھٹا اور گھٹا۔ اور گھٹا۔ یہاں تک کہ اچانک پنڈتوں کے منہ سے دہشت زدہ چیخیں ابھریں۔ تنکا کے بازو بھی غائب ہو گئے تھے اور اب پنڈت کے ہاتھوں میں پیلے رنگ کا ایک ہی ہاتھ سانپ لٹک رہا تھا۔ پنڈتوں نے جیسے ہی چیخوں کے ساتھ سانپ چھوڑ دیا اور سانپ اس تیزی سے ایک طرف بڑھا کہ صرف اس کی دم ہی دکھائی دی۔ اور پھر وہ نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ پنڈت منہ پھاڑے کھڑے تھے۔ پھر وہ ہماری طرف مڑے۔ "شما کریں دھرماتما۔ شما کریں مہاراج۔ تنکا کیا ہے ہمیں معلوم نہیں تھا۔" اور پھر اچانک وہ سب خاموش ہو گئے۔ برجھن لال آ رہا تھا۔

"کہاں ہیں تنکا مہاراج؟" اس نے غراتے ہوئے پوچھا۔

"وہ پیچھا سا منتری جی۔ ہم نے خود دیکھا تھا۔" ایک پنڈت نے کہا۔

"کون۔ تنکا مہاراج؟"

"ہاں جی۔"

"یہ کیا ہے۔ بڑی گڑبڑ ہو گئی بھئی۔" برجھن لال پنڈت سے پھٹ پڑا۔ اس نے ایک چپت پنڈت کے رسید کر دی۔ "کہاں ہیں تنکا مہاراج؟"

"سب بھاگ گئے۔"

"کہاں بھاگ گئے؟"

"سانپ بن کر بھاگ گئے۔" پنڈتوں نے بتایا۔

"اور تم سب کے اندھو اس کے بعد بھی تم انہیں پکڑے ہو۔ تمہارا ستیاناس۔" برجھن لال دہاڑا۔ اور پھر وہ ہم لوگوں کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "تم لوگ کیا چاہتے ہو۔ مجھے بتاؤ۔ بھگوان کے لئے مجھے بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟"

"ابھی کسی سے تو پوچھو مہاراج۔ تم تو ہمیشہ دشمنوں کی طرح پیش آتے ہو۔ ارے تنکا کیا اور اس کی حیثیت کیا ہے۔ ہم بھی کسی سے تو بات کرو برجھن۔" طالوت نے محبت بھرے انداز میں کہا اور برجھن چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کے ذہن پر طالوت کی بات نے اثر کیا ہو۔ اور اب وہ نئے انداز میں سوچ رہا ہو۔

پھر اس کے چہرے پر نرمی پھیل گئی۔ "تو تنکا مہاراج چلے گئے؟"

"نہ جاتے تو اچھی چٹنی بنتی؟"

"میرے ساتھ آئیے مہاراج۔" برجھن لال نے نرم لہجے میں کہا اور طالوت میرا بازو پکڑ کر آگے بڑھ گیا۔ برجھن لال ہمارے ساتھ رہا تھا۔ اور پھر وہ ہماری کوٹھڑی میں داخل ہو گیا۔ ہم لوگ اس کی طرف سے لاپرواہ ہو گئے تھے۔

"آپ نے ایک انوکھی بات کی ہے مہاراج۔ میں اس کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"آرام سے جا کر سوچو برجھن۔ اس طرح نہ سوچنا جس طرح پورن لال نے سوچا تھا۔ اور جس کے نتیجے میں وہ [illegible] ہو رہا ہے۔"

برجھن ہماری طرف چونک پڑا۔ "تو آپ مہاراج جانتے ہیں؟"

"ہم جیسے مہان سادھوؤں کا [illegible]۔ تم جن کو بھی [illegible] سمجھتے ہو۔"

"اب تو سوچنا پڑے گا مہاراج۔ یوں سمجھو اس وقت سے ہماری آپ کی لڑائی ختم ہو گئی ہے۔ اب ہم دوسرے [illegible] کریں گے۔"

"کچھ پچھتاوے ہیں۔" طالوت ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"میرے لئے کوئی سیوا ہو تو بتائیے۔" برجھن لال نے کہا۔

"بتائیں گے۔ ضرور بتائیں گے۔ اس وقت جب تم اپنے من میں فیصلہ کر لو گے کہ تم ہمارے ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سوچو اور..."

"میں فیصلہ کر چکا ہوں مہاراج۔" برجھن مسکراتا ہوا بولا۔

"جھوٹ مت بولو۔ تمہارے گھر سے [illegible] ہے۔"

"نہیں مہاراج۔ بھگوان کی سوگند اب میں آپ کا داس ہوں۔"

"اور تنکا؟"

"تنکا مہاراج کے بارے میں پتہ نہیں کہ [illegible]"



کہاں؟"

"جان بچا کر بھاگ گئے۔" طالوت مسکرا کر بولا۔ برجھن لال سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر وہ گردن ہلاتا ہوا بولا۔

"بڑی عجیب بات ہے۔ بھگوان ہی بہتر جانے۔"

"ہاں۔ بھگوان ہی بہتر جانے۔" طالوت نے جواب دیا۔

"رات کو میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کروں گا مہاراج۔" برجھن لال واپس مڑتا ہوا بولا۔

"ضرور ضرور۔" طالوت نے بڑے خلوص سے گردن ہلائی تھی۔ برجھن لال باہر نکل گیا اور طالوت میری طرف دیکھنے لگا۔ "کیا کہتے ہیں۔ گرو جی مہاراج؟"

"خدا ہی بہتر جانے۔"

"ٹھیک ہے۔ برجھن لال تو بک رہا ہے۔ منتری جی اگر ہمارے راستے میں نہیں آئے تو ہم ان سے دشمنی نہیں کریں گے۔"

تنکا مہاراج کا کوئی نشان نہیں ملا تھا۔ پورا راج مندر سرگوشیوں کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ پنڈت اب ہمارے لئے اپنے دلوں میں عقیدت رکھتے تھے۔ اس کا اظہار ان کے رویے سے ہوا۔ بہرحال مجھے یا طالوت کو ان باتوں کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی۔ ہم تو بقول تمہارے انہی کے بل پر تھے اور انہی کے سینوں پر مونگ دل رہے تھے۔

خاصی رات گئے برجھن لال جی کی آمد نظر آئی۔ ہم نے مسکراتے ہوئے اس کا سواگت کیا تھا۔ برجھن لال کے چہرے پر غور و فکر کے آثار تھے۔

"کہئے منتری جی۔ کیا حال ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے مہاراج... مگر میں بہت پریشان ہوں۔"

"کیوں...؟"

"تنکا مہاراج کے پاس گیا تھا۔"

"جاننا چاہتے تھے۔" طالوت آہستہ سے بولا۔

"کسے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ اپنی جگہ میں موجود تھے۔"

"کیا کر رہے تھے؟"

"تیاریاں۔"

"کس کی؟"

"آپ سے مقابلے کی۔"

"خوب۔ تو پھر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے برجھن جی؟"

"میں بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں مہاراج۔ آپ بھی مہان ہیں اور تنکا مہاراج بھی بہت بڑے گیانی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کس پر بھروسہ کروں؟"

"بھروسہ کس سلسلے میں برجھن لال؟"

"آپ نہیں سمجھتے مہاراج؟"

"ہم سب سمجھتے ہیں۔ سادھوؤں سے کوئی بات چھپی ہوئی ہے۔"

"جانتے بوجھتے ہو برجھن؟" میں نے کہا۔

"ہاں مہاراج جانتا ہوں۔"

"تو پھر سنو۔ تمہارے راستے کا بڑا کانٹا پورن لال تھا۔ جسے تم صاف نہیں کر سکتے تھے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ پورن لال بہت بڑا سازشی ہے۔ تمہاری ساری باتیں اس کے علم میں تھیں۔ تم اسے بنائے رکھنے کے لئے مجبور تھے۔ تمہارے راستے کا وہ کانٹا ہم نے ہی صاف کیا اور اس کے بعد بھی ہم ہی تمہاری سہائتا کریں گے۔"

"تنکا مہاراج نے غلطی کی۔" برجھن لال بولا۔

"غلطی سبھی کرتے ہیں برجھن لال۔"

"مگر اب تنکا مہاراج کیا کریں گے؟"

"کچھ کر لینا ان کے بس کا نہیں، چنتا مت کرو۔" طالوت نے لاپرواہی سے کہا اور برجھن لال کے چہرے پر گہرے غور و فکر کے آثار ابھر آئے۔ پھر اس نے ٹھنڈی سانس بھری اور بولا۔

"پورن لال اب ٹھیک تو نہیں ہو گا مہاراج؟"

"تم چاہو گے تو نہیں ہو گا۔"

"وہ میرے لئے بہت بڑا خطرہ ہے۔ اسے ٹھیک نہیں ہونا چاہئے۔" برجھن بولا۔

"نہیں ہو گا برجھن لال۔ مگر اس کے بدلے تم ہمیں کیا دو گے؟"

"میرا کام ہو گیا۔ تو میں آپ کو دونوں کا مہاراج بنا دوں گا، جو آپ چاہیں گے۔" برجھن لال پراسرار انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔

"وچن دیتے ہو؟"

"ہاں۔ وچن دیتا ہوں۔"

ایک بات سن لو برجھن۔ وہ تمہارے گھر میں بھی [illegible] پورن لال نے ایک بار [illegible] کرنے کی کوشش کی۔ دوسری بار اس نے ہمیں بند کرنے [illegible] سے زہر دلوانے کی کوشش کی۔ لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوا تمہارے سامنے ہے۔ تم بھی اچھی طرح سن لو۔ تنکا کی کوششوں کو جاری رہنے دو۔ [illegible] دشمنوں سے بے نیاز۔ اگر تم نے ہم سے کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو

ناکام لوٹ گئے تھے۔ اس کے بعد تم دوبارہ حرکت نہ کر سکے۔"

"میں وقتی طور پر پیچھے ہٹ گیا تھا مہاراج۔ لیکن اب ہماری آپ کی صرف ایک ہی منزل ہے۔ لڑائی ختم ہو چکی ہے۔"

"یہ کل کی باتیں تم سے پوچھی جائیں گی؟"

"نہیں چھوڑوں گا مہاراج۔"

"یہ وار چالاکی سے کرو گے۔"

"ہاں۔"

"ابھی میں کلیان جی ہوں تو کوئی بات بتاؤ۔"

"پوچھیں مہاراج۔"

"راج ہنس کہاں ہے؟" طالوت نے پوچھا اور مہاراج کا چہرہ ایک دم اتر گیا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی کشش نظر آنے لگی۔ ہم دونوں اس کے چہرے کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ پھر اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"آپ اس کو جانتے ہیں مہاراج؟"

"جانتا کیوں نہیں، ساتھ تھی یہ سب کیوں پوچھتے ہو۔"

"آپ کے اس سوال سے میرے من میں پھر شبہ جاگ اٹھتا ہے" بھگوان آہستہ سے بولا۔

"کیسا شبہ؟"

"مجھے شک ہے مہاراج کہ آپ مسلمانوں کے جاسوس ہیں؟"

"یعنی مسلمانوں کے؟" طالوت نے پوچھا۔ میرے کان بھی کھڑے ہو گئے تھے۔

"ہاں۔"

"اگر ہیں تو پھر کیا کر لو گے بھگوان داس۔" طالوت نے کہا۔

"میں اپنے پران دے دوں گا مہاراج۔ مگر آپ کا راز کسی کو نہیں بتاؤں گا۔" بھگوان داس نے ڈوبتی آواز میں کہا۔

"تب پھر بھگوان کی سوگند کھا کر کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے جاسوس نہیں ہیں۔ اور اس کے بعد تم کچھ نہیں کہو گے۔"

"میں مسلمانوں سے سخت نفرت کرتا ہوں مہاراج۔ مجھے ان سے بہت نفرت ہے۔ آپ دیکھ لیں، ایک دن پورے دوار کا پور کو ان سے صاف کر دوں گا۔"

"تب پھر آپ نے راج ہنس کے بارے میں کیوں پوچھا۔"

"بس۔ اس سے مسلمانوں کا کیا تعلق ہے؟" طالوت نے بے ساختہ پوچھا اور بھگوان داس گہری نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھنے لگا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اگر آپ کو یہ تعلق نہیں معلوم مہاراج تو مجھے اطمینان ہے۔" اس نے سکون سے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور ہم دونوں احمقانہ انداز میں اس کی شکل دیکھتے رہے۔ لیکن یہ انکشاف ہمارے لئے بے حد اہم تھا۔ خیال ہم دونوں بھی سنبھل گئے اور طالوت نے اپنا سوال پھر دوہرایا۔

"تم نے راج ہنس کے بارے میں نہیں بتایا؟"

"آپ اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"ہم نے سنا تھا کہ راج ہنس نے تمہیں دھوکہ دیا۔" طالوت نے کہا۔

"راج ہنس کے لئے؟"

"ہاں۔"

"کیا آپ نے اسے دیکھا ہے مہاراج؟"

"ہاں۔"

"کہاں؟"

"جب ہم دوار کا پور آئے تھے تو ایک رات ہم نے سب کے سب سے پہلے مندر میں اسے دیکھا۔ ہو سکتا ہے یہ وہاں بیٹھی بات ہے۔ وہیں ہم نے راج ہنس کو دیکھا اور وہ ہمیں ساری کہانی سنا گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ اس مندر میں رہتی ہوگی۔ لیکن اس کے بعد وہ ہمیں نظر نہیں آئی۔"

"ہاں۔ ایک رات وہ رام دین مندر میں گئی۔" بھگوان داس جلدی سے بولا۔

"تم کس رات کی بات کر رہے ہو؟"

"جب بات ہے مہاراج۔" بھگوان داس کھوئے ہوئے انداز میں بولا۔

"کون سی بات ہے؟"

"اس لڑکی کو جو کہ ایک وردان ہے۔ اس پر مرنے سے کیا رشتہ تھا؟"

"ہمارے علاوہ اس نے ایک بھی عاشق کو زندہ رہنے نہیں دیا۔" طالوت جلدی سے بولا۔

"ہاں مہاراج۔ طاقتور راکھشی سب سے بڑی پاپن



اور تمام مہاراج جانتے ہیں کہ وہ اس کے پریم میں ڈوب گئے۔"

"اور کتنے پجاری ہیں اس کے؟" طالوت نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

"مہاراج وہ تو اندر ہی اندر کے کانوں میں اس کی آواز نہیں پہنچتی ہے ورنہ پھر کسی کی ہمت کہاں تھی کہ وہ اس سے پریم کرتے۔" بھگوان داس نے بتایا۔

"یہ دوار کا پور میں عشق کرنے سے زیادہ اور کوئی کام نہیں ہوتا۔"

"وہ کرنے والے الگ ہوتے ہیں مہاراج۔ پجاریوں کو پریم کرنے سے کہاں فرصت ہوتی ہے۔"

"کتنے مہاراج کو وہ ملی ہے؟"

"مہاراج۔ ہاں۔" بھگوان داس ہنس پڑا۔

"وہ دوار کا پور کا سب سے بڑا پجاری معلوم ہوتا ہے۔"

"آپ نے ٹھیک کہا مہاراج۔" بھگوان داس بولا۔

"تو پھر تمہارے پریمی کو کیا ہوا بھگوان داس؟"

"بھگوان داس کے ہوتے ہوئے کس کی مجال ہے مہاراج کہ وہ آپ کی بے عزتی کر سکے۔"

"دھن وان اور بھگوان دھن وان۔ مگر ہم تو تمہارے جیسے۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ میری بیٹی ہے مگر باپ مہاراج۔"

"ہاں ہاں۔" طالوت "نہیں بتاؤ گے" بولا۔

"آپ بھی من سے میرے بیٹے بن جائیں۔"

"دو اس کی اصل طاقت کو بھگوان داس۔"

"میں کوشش کروں گا مہاراج۔ مگر مجھ سے بڑی بھول ہو چکی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میں آپ کے خلاف تھا مہاراج کو کچھ اور کہا ہوگا۔"

"کچھ نہ کہا رہے گا۔ اس کی آنکھوں میں بیان نہیں ہے جو رونے لگے۔"

"یہ مہاراج کی بھول ہے۔"

"کیوں؟"

"تم اچھا نہیں ہو اور دوسرا نہیں ہے مہاراج۔ وہ بڑی طاقت رکھتا ہے۔ اس کے سامنے شہر میں سینکڑوں شیطان چھپے ہوتے ہیں۔"

"اسی لئے وہ یہاں سے بھاگ نہیں سکتا۔"

"وہ بہت چالاک ہے مہاراج۔ اب میں آپ کا حکم

"دیوی بھگوان سے پرارتھنا کریں کہ وہ آپ کو کامیاب کرے۔ لیکن تمام مہاراج سے ہوشیار رہیں۔"

"ٹھیک ہے بھگوان داس۔ تم راج ہنس کی بات کرو۔ تمام اور اس کے دوسرے کاموں کو ہمارے اوپر چھوڑ دو۔"

"راج ہنس آپ کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی ہے مہاراج۔ لیکن میرے کام کے بعد۔"

"کیا ہے تمہارا کام؟" طالوت نے پوچھا۔

"تو باتیں میرے لئے بھی رہ گئیں مہاراج۔ آپ پہلے تمام مہاراج سے نمٹ لیں۔ اس کے بعد میں اپنا کام بتاؤں گا۔"

"راج ہنس کا کیا ہوگا؟"

"میں کہہ چکا ہوں مہاراج۔"

"نہیں بالکل تیرا من صاف نہیں ہے۔ تو سوچ رہا ہے کہ اگر ہم تیرا کام نہ کر سکے تو تو ہماری بات نہیں مانے گا۔ تو سوچ رہا ہے کہ پتہ نہیں ہم تمام کو نیچا دکھا سکیں یا نہیں؟"

"ہاں مہاراج۔ تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ میں انکار نہیں کروں گا۔ لیکن میرے لئے یہ بہت ضروری ہے۔"

"تو اس کے تحت ہم راج ہنس کے لئے ترستے رہیں گے؟"

"مجبوری ہے مہاراج۔"

"نہیں بھگوان داس۔ ہم کسی کام کے لئے مجبور نہیں ہیں۔ ہم سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ تو اور کوئی ہمارا راستہ نہیں روک سکتا۔"

"میں جانتا ہوں مہاراج۔ پرنتو میرے پاس کوئی اُپائے نہیں ہے۔ آگے آپ کی مرضی۔ آپ مجھے ختم کر چکے ہیں۔" بھگوان داس نے کہا۔

"بھگوان داس!" طالوت نے مجھے پکارا۔

"جی مہاراج فرمائیے۔"

"کیا خیال ہے؟"

"جو آپ کا خیال ہے مہاراج۔ ویسے آپ ٹھیک ہیں۔ اگر میں راج ہنس کا عاشق ہوتا تو بھگوان داس سے کہتا کہ اسے ایک بار مجھ سے ملوا دیا جائے۔ بس تھوڑی سی بات چیت کر لوں۔ اس کے بعد بھگوان کا کام شروع کر دیتا۔"

"تو ہم بھی یہی کہے دیتے ہیں۔" طالوت بولا۔

"یہ ٹھیک نہیں ہوگا مہاراج۔" بھگوان داس بولا۔

"اس کے علاوہ اور کچھ ٹھیک نہیں ہوگا بھگوان۔"

"مگر مہاراج۔ تمام کے خطرے کو آپ کیوں بھول رہے ہیں۔ جس طرح وہ سانپ ان کو بھگا سکتا ہے اسی طرح وہ

راج ہنس کو نہیں لے جا سکتا؟"
"کس کی مجال ہے کہ ہمارے ہوتے ہوئے ہماری پرچھائیں کو لے جائے مگر ہرچرن لال۔ تنکا اب بھی تو یہی کام کر سکتا ہے۔ مجھے زیادہ بہتر معلوم ہے کہ وہ کتنا چالاک ہے۔"
اور ہرچرن لال گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کے چہرے پر فکرمندی کے آثار پھیل گئے تھے۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔ "ہاں مہاراج۔ وہ بس کی بات اور تھی۔ آپ کی بات اور ہے۔ تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔ تنکا کو جب یہ معلوم ہوگا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو۔ تو وہ سب سے پہلے راج ہنس کو چھپائے گا۔"
"تب پھر جلدی کرو۔ پہلے راج ہنس کو نکالو۔ اس کے بعد دوسرا کام کریں گے۔ کیا تنکا کو معلوم ہے کہ راج ہنس کہاں ہے؟"
"نہیں۔ یہ کسی کو نہیں معلوم۔ مگر اسے ضرور تلاش کرے گا۔"
"تو پھر چلو نا ہرچرن جی۔"
"مگر اسے میں کہاں لے جاؤں گا مہاراج؟ تنکا ہر جگہ پہنچ سکتا ہے۔" ہرچرن فکرمندی سے بولا۔
"تم اسے ہمارے حوالے کر دو۔ اس کے بعد تنکا اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔"
"پھر میرے پاس کیا رہ جائے گا مہاراج۔" ہرچرن لال پریشانی سے بولا۔
"تب تمہاری بدھی خراب ہو گئی ہے ہرچرن۔ سن اگر تنکا اس کے بارے میں معلوم کر سکتا ہے تو کیا ہم نہیں کر سکتے۔ ہم تجھے بتا سکتے ہیں کہ وہ کہاں ہے؟" طالوت نے جھنجھلاتے ہوئے انداز میں کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔
طالوت نے پہلے یہ کوشش نہیں کی تھی۔ پھر اب کیوں؟
"مہاراج۔ مہاراج۔ میرے کام کی بات بھی تو کریں۔ ٹھیک ہے میں راج ہنس کو آپ کے حوالے کر دوں گا لیکن پھر میرے کام کا کیا ہوگا؟"
"ہرچرن لال۔ اگر یہ بات ہے تو سن ہی اپنا کام بتا دے۔ ہم سب کچھ سن رہے ہیں۔" طالوت نے نرم انداز میں کہا اور ہرچرن گردن جھکا کر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ چالاک مہا منتری شاید جوڑ توڑ اور اہم فیصلے کر رہا تھا۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔
"ٹھیک ہے مہاراج۔ ابھی میں آپ کو اپنے کام کے بارے میں تو نہیں بتاؤں گا۔ لیکن میرے خیال میں راج ہنس کی رکھشا آپ سے اچھی کوئی نہیں کر سکے گا۔ میں راج ہنس کو آپ کے حوالے کروں گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کو ایک وچن بھی دینا پڑے گا۔"
"کیسا وچن؟"
"آپ میرا کام ضرور کریں گے۔ اور اگر میں کام مہاراج آپ پر چھوڑ دوں تو اس میں میرا کوئی دوش نہیں سمجھیں گے۔"
"ہمیں منظور ہے ہرچرن لال۔"
"تب آئیے مہاراج۔ میں آج ضروری فیصلے کر ڈالوں۔ خطرہ مول لئے بنا کوئی کام نہیں چلتا ہے۔" ہرچرن نے کہا اور ہم دونوں تیار ہو گئے۔
"راج ہنس کو لے کر راج مندر میں ہی آئیں گے مہاراج۔ یا آپ خود اس کے ساتھ وہیں رہیں گے۔ میرے خیال میں ابھی اس کو ساتھ لانا ٹھیک نہیں ہوگا۔"
"جیسا تم ٹھیک سمجھو ہرچرن لال۔" طالوت نے جواب دیا۔
"آپ کو راج محل سے کیا ملے گا۔ جس جگہ راج ہنس موجود ہے رہائش کے لحاظ سے وہ کوئی بری جگہ نہیں ہے۔ آپ وہاں آرام سے رہ سکتے ہیں۔ کسی چیز کی تکلیف آپ کو نہیں ہوگی۔"
"ٹھیک ہے۔ وہاں ہی رہیں گے۔" طالوت نے جواب دیا۔ میں حسب معمول خاموش تھا اور طالوت کے پروگرام پر غور کر رہا تھا۔ بہرحال ہرچرن لال ہمیں اپنے ساتھ محل میں لے گیا اور پھر وہ محل کے پچھلے حصے میں ایک دروازے کے نزدیک پہنچ گیا جہاں سے ان تہہ خانوں میں جانے کا راستہ تھا جو محل کے نیچے تھے۔ اور جہاں راج ہنس قید تھی۔ دولت کے گودام تھے۔ نیچے جانے والی سیڑھیوں سے گزرتے ہوئے ہم تہہ خانے میں پہنچ گئے۔ اندر بے حد خوبصورت شمعدان رکھے ہوئے تھے جن میں جلتی ہوئی شمعوں کی روشنی میں تہہ خانے کا ماحول بے حد پراسرار لگ رہا تھا۔ ہم بڑی دلچسپی سے اس نئی جگہ کو دیکھ رہے تھے۔ کئی کمروں سے گزر کر ہرچرن لال ایک دروازے پر پہنچ گیا اور پھر اس نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔
"راج ہنس۔ دروازہ کھولو۔"
لیکن اندر کوئی آہٹ نہیں سنائی دی۔ چند ساعت انتظار کے بعد ہرچرن لال نے دوبارہ پکارا "راج ہنس دروازہ کھولو۔" اس کے ساتھ ہی اس نے دروازے پر دباؤ



[illegible]
"ارے۔" ہرچرن لال کے منہ سے حیرت بھری آواز نکلی اور وہ جلدی سے اندر داخل ہو گیا۔ ہم بھی اس کے پیچھے ہی اندر گھس گئے۔ اچھی خاصی بڑی ایک رہائش گاہ تھی جو قیمتی سامان آرائش سے آراستہ تھی۔ کمرہ بالکل خالی تھا۔ البتہ ایک فانوس پر شمعدان کے نزدیک ایک عجیب سی چیز نظر آ رہی تھی۔
یہ ایک مردہ الو تھا۔ جو شمعدان کے نزدیک ایک ڈیکوریشن پیس میں پھنسا ہوا تھا۔
"تنکا۔" ہرچرن کے منہ سے لرزتی ہوئی آواز ابھری۔ طالوت اور میں گہری نگاہوں سے ماحول کا جائزہ لے رہے تھے۔ ہم نے ہرچرن لال کے چہرے کی طرف بھی دیکھا تھا۔ اس وقت شاید ہرچرن لال ایکٹنگ نہیں کر رہا تھا۔
"یہ کیا ہوا ہرچرن لال؟" طالوت نے پرسکون آواز میں پوچھا۔
"تنکا۔ تنکا یہاں پہنچ گیا مہاراج۔ بات بگڑ گئی۔ بھگوان کی سوگند بات بگڑ گئی۔"
"ہوں۔ تمہاری طرف سے راج ہنس کو ہمیں اپنے پاس رکھنے کی اجازت ہے؟" طالوت نے پوچھا۔
"میں کیسے بتاؤں مہاراج۔ خراب بات بہت بگڑ گئی۔"
"گھبراؤ مت ہرچرن لال۔ بگڑی ہوئی بات کو اب ہم خود ہی ٹھیک کریں گے۔ یہ ہمارا کام ہے۔"
"مگر میرا کام۔" ہرچرن لال نے ٹھنڈی سانس لی اور پھر بولا "ٹھیک ہے مہاراج۔ داس سیوا کے لئے حاضر ہے۔ داس کی جب بھی ضرورت ہو اسے آواز دے لیں۔"
"تمہارے خیال میں ہرچرن لال۔ تنکا راج ہنس کو لے کر کہاں گیا ہوگا؟" طالوت نے پوچھا اور اچانک ہی ہم سب چونک پڑے۔
فانوس پر پھنسا ہوا مردہ الو پھڑپھڑایا تھا۔ اور پھر وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کی خوفناک آنکھیں ہمارا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر اس کی چونچ کھلی اور اس کے منہ سے تنکا کی باریک اور مکروہ آواز سنائی دی۔
"راج ہنس تو اب میرے قبضے میں ہے۔ بالکو اب وہ تمہارے ہاتھ نہیں آئے گی۔ چنتا مت کریں۔ کوے ماس کھا گئے اور اب بیٹھ کر چاٹو اور چتا میں جل مرو۔"
ہرچرن لال کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئی تھیں۔ خود میرے بدن کے رونگٹے بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ اس بھید بھرے دور میں اس قسم کے بہت سے تماشے دیکھ چکے تھے۔ لیکن۔ مجھے اتنی شدید حیرت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ میرے ذہن میں اس کے کارنامے معلوم تھے۔
تب میں نے طالوت کے چہرے کی طرف دیکھا۔ طالوت کوئی حرکت کرنے کے لئے تیار تھا۔ تب اس نے ہاتھ اٹھایا اور الو پر پھڑپھڑانے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے تیز ہوائیں اسے طالوت کی طرف دھکیل رہی ہیں اور پھر وہ کسی کاغذ کی طرح اڑتا ہوا طالوت کے ہاتھ میں پہنچ گیا اور طالوت نے اسے مٹھی میں جکڑ لیا۔
"ہری اوم۔ ہری کرشن۔ ہری اوم۔ ہری کرشن۔"
ہرچرن لال کی حالت خراب تھی۔ یہ سارے عجیب و غریب واقعات اس کا بھی دماغ خراب کرنے کے لئے کافی تھے۔ میں نے طالوت کی کامیابی دیکھی تھی لیکن دوسرے لمحے میں نے طالوت کو ہنستے ہوئے دیکھا۔ وہ الو کو چہرے کے قریب لا کر دیکھ رہا تھا۔ لیکن الو کی گردن پھر لٹک گئی تھی۔ گویا وہ دوبارہ مر گیا تھا۔
"مر گیا۔ مر گیا۔" ہرچرن لال کے منہ سے نکلا۔ لیکن طالوت نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ الو کو بغور دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے اسے پھینک دیا۔
"مہاراج۔ مہاراج۔ کیا یہ مر گیا؟"
"ہاں۔ یہ پھر مر گیا۔" طالوت نے آہستہ سے کہا۔
"آپ نے۔ آپ نے تنکا کو مار ڈالا؟" ہرچرن لال مسرت سے بولا۔
"نہیں۔"
"مگر۔ یہ تو تنکا تھا۔"
"نہیں ہرچرن لال۔ یہ صرف ایک پرندہ ہے۔ تنکا چند ساعت کے لئے اس کے منہ سے بولا تھا۔ مگر تم فکر مت کرو۔ وہ بہت جلد مارا جائے گا۔"
"اور اب تو۔ اب تو وہ میرا بھی دشمن بن گیا ہوگا۔"
"تو خوف سے مر جاؤ۔" طالوت نے غصیلے انداز میں کہا۔
"نہیں مہاراج۔ نہیں آپ شکتی مان ہیں۔ آپ اس سے نہیں ڈرتے۔ مگر میں تنکا کی خوفناک شکتی کا کیا بگاڑ سکتا ہوں۔"
"تو پھر سنو ہرچرن لال۔ تم نے تنکا کے سلسلے میں اگر ہمارے ساتھ کوئی چال نہیں چلی تو اطمینان رکھو۔ تنکا تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تم اب ہمیں بتا دو۔"
"کہاں مہاراج؟" ہرچرن لال چونک پڑا۔
"اب جب تنکا سے ہی دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ اس کے

بعد قسمت ملاقات ہوگی ہم چل دیں۔"
"میں اکیلا رہ جاؤں گا عمران۔ میں مصیبت میں پھنس جاؤں گا۔" میں جان گیا دل رو دیتا ہے تم ابھی ہو۔
"اپنی کمشیا خود کرو ہم چونکہ۔ آؤ!" طالوت نے مجھ سے کہا اور یوں اس کے ساتھ تہہ خانوں سے باہر جانے والے راستے کی طرف چل پڑا۔
"عمران۔ عمران۔" ہم چونکہ باہر کی طرف بڑھے لیکن طالوت نے اچانک مجھے ایک طرف دھکیل دیا اور اس کی اس حرکت کا مطلب اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ ماحول ایک دم بدل جائے اور ہم چونکہ جب نہ پہنچ جائیں۔ لیکن جس اجنبی جگہ ہم پہنچے تھے وہ بھی کوئی مندر ہی تھی۔
میں غور سے چاروں طرف کا جائزہ لینے لگا اور پھر مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی وقت نہیں ہوئی کہ یہ وہی مندر ہے جہاں ہم نے درگاپور میں داخل ہونے کے بعد پہلا قیام کیا تھا۔ ہم اسی چھت پر تھے جہاں سے درگاپور نظر آتا تھا۔
میں نے ایک گہری سانس لے کر طالوت کی طرف دیکھا۔ طالوت کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی اور وہ کچھ سوچ رہا تھا۔
"ہیلو۔" میں نے طالوت کو مخاطب کیا اور وہ چونک کر میری طرف دیکھنے لگا پھر اس نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔
"فرمائیے؟"
"آپ ہی فرمائیں تو مناسب ہے۔"
"کیا بات ہے؟"
"یہاں تشریف لانے کی وجہ بتانا پسند ہے۔"
"محل چھوڑنا تھا دوسری جگہ قیام میں تھی۔"
"محل چھوڑنے کی وجہ سرکار والا۔"
"تکلف تو ختم ہو چکا ہے۔"
"تو بہ۔ لیکن مقصد؟"
"راز فاش کا حصول۔"
"کیا یہ اعتراف محبت ہے؟"
"تمہارے دماغ میں خرابی ہے۔" طالوت ... بولا۔
"بھئی اس سوچ کے مرغن کی یہ تبدیلی کہ میرے ساتھ چلیں چلے۔" طالوت چمک کر بولا۔
"کیا یہ صرف ادائی بات ہے؟"
"ادا کی بات نہ کرو 'صرف' یہ میں حق ہے۔" طالوت مجھے گھورتے ہوئے بولا۔
"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ لیکن ان دنوں سے سنتے ہیں حضور کچھ اندر کی پڑی ہوئی ہیں۔"
"مجھے رونا چاہیے ہو؟"
"ہرگز نہیں۔ صرف ایک سوال ہے جواب نہ دینے تو ٹھیک ہے اور اگر یہ سوال جواب کے قابل نہ ہو تو بھی کوئی بات نہیں ہے۔"
"یار عارف بور مت کرو۔" طالوت ایک دم ... ہوتے ہوئے بولا۔
"بہتر ہے۔ تمہیں ارشاد میں خوش ہو جاتا ہوں۔"
"باز نہیں آؤ گے تم۔"
"میں کیا اور میری اوقات۔"
"فضول باتیں۔ معاملہ کب میرے بس میں رہا ہے۔"
"چھوٹا دماغ ہے حضور۔ شرمندہ ہوں۔"
"اس وقت عارف جب ہم اس کے پاس گئے تھے سوچ رہے تھے۔ اس کے حصول کا محرک صرف ہماری خواہش تھی۔ اب صورت حال دوسری ہے۔"
"اب بھی نہیں سمجھا۔" میں نے کہا۔
"سب کچھ سمجھ رہے ہو۔ ہمیشہ بن کر رہتے ہو۔" طالوت نے ہنستے ہوئے کہا۔
"ارے نہیں حضور یہ آپ کی خوبی کہاں سے آ گئی ہوں۔"
"تمہیں پریشان کر رہا ہے شاید۔" طالوت سنجیدہ ہو گیا۔
"میں تشریح کرنے اور وقت نہیں چاہتا۔"
"عارف۔ اب صورت حال دوسری ہے۔ ممکن ہے اسے ہماری مدد کی ضرورت ہو۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ انسانی رشتے ایک الگ حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم یہ بات نظر انداز کرتے ہیں کہ اس کا تعلق ہمارے مذہب سے نہیں ہے۔ دیوتی ہی کوئی ہمارے مذہب سے تعلق رکھتی ہے لیکن یہ وہ ادا میں مستحق نہیں تھی۔"
"ٹھیک ہے طالوت۔ لیکن راز فاش کو کسی امداد کی ضرورت ہے؟"
"وہ شیطانوں کی دیوی ہے۔ کیا یہ غریب ہے؟"
"بالکل نہیں۔"
"کیا اس کی مدد نہ کرنا بہت بڑی غلطی نہیں ہے؟"
"ہاں۔ تمہارا خیال ٹھیک ہے۔"
"اور پھر تمہارا کیا اس مرض وقت سے بالاتر ہے؟"
"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن خوشی ہو رہی ہے بہت خطرناک۔"



"بات صرف اپنی ذات تک محدود ہے عارف۔ ورنہ اگر کسی سے مدد طلب کروں تو پورے درگاپور کو الٹا کر دوں۔ تم کیا حیثیت رکھتا ہے۔"
"یہ بات دل سے تسلیم۔ لیکن ایک اور سوال مار رہا ہے۔" میں نے۔
"فرمائیے فرمائیے۔" طالوت طنزیہ انداز میں بولا۔
"اگر راز فاش دو لڑکی نہ ہوتی تو ہمارے ذہن میں کچھ تب؟"
"عارف۔ کیا ہم اتنے ہی خود غرض ہیں کہ کسی کے سامنے میں اپنی پسند کا خیال رکھیں۔ خدا کی قسم وہ کوئی بھی ہوتا مظلوم ہے تو ہم اس کی مدد کریں گے۔"
"معاف کرنا طالوت۔ یہ بات صرف مذاق تھی۔"
"شکریہ میرے دوست۔"
"تو اب پروگرام کیا ہے؟"
"سوچنے کی بات ہے۔"
"کہیں تلاش کرو گے؟"
"مشکل نہیں ہے۔ راسم سے اس کا پتہ معلوم کریں" طالوت نے کہا اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ "یہ عالم شروع ہو گیا ہے تو ٹھیک ہے اب کام ہو جائے گا۔"
"تو پھر دیر کس بات کی؟"
"راسم!" طالوت نے دائیں طرف رخ کر کے کہا اور راسم جانے کہاں تھا جو آ گیا۔ دوسرے لمحے نمودار ہو گیا۔
"آقا۔" اس نے گردن جھکا دی۔
"اس بار صورت حال ذرا مختلف ہے۔" طالوت بولا۔
"میں جانتا ہوں آقا۔" راسم نے جواب دیا۔
"تھوڑی سی احتیاط کرنی پڑے گی۔ معلوم ہے وہ کہاں ہے؟"
"ابھی حاضر ہوا آقا۔" راسم نے کہا اور نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ طالوت نے ... انداز میں گردن ہلائی۔ اور میری طرف دیکھنے لگا۔ راسم کو ان کاموں میں زیادہ دیر نہیں لگتی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ واپس آ گیا۔ "زیادہ دور نہیں ہے آقا۔ اپنے دوستوں کی محفل گرم کئے بیٹھا ہے۔"
"دوستوں کی محفل؟" طالوت نے پوچھا۔
"ہاں آقا۔ سب اسی کی اولاد میں ہیں۔ جس میں ان کا اجتماع ہے وہاں کچھ ... سے چوٹ پہنچی ہے۔ ... نے ان کی ضیافت کا بندوبست کیا ہے۔"
"او ہو۔ عارف کیا خیال ہے چلیں۔ کیوں نہ اس ضیافت میں ہم بھی شرکت کریں۔"
"جیسی تمہاری مرضی۔" میں نے بادل ناخواستہ کہا۔ حالانکہ میرے دل میں بہت سے وسوسے جاگ اٹھے تھے۔ اور پھر جونہی طالوت نے میرا ہاتھ پکڑا میں نے اسے روکا۔
"ہوں!" وہ رک گیا۔
"تمہیں وہ رات یاد ہے جب تم نے میری گردن پر چنگاریاں بکھیر دی تھیں۔"
"ہاں۔ یاد ہے۔"
"میرا مطلب ہے اس نے میرے بارے میں اندازہ لگا لیا تھا۔"
"اور اس وقت وہ ہمارے بدن سے شعلے لپیٹ دے گا۔ کیوں؟" طالوت بولا۔
"نہیں۔ میں نے صرف تمہیں ڈرایا ہے۔ میں اس سے خوفزدہ نہیں ہوں۔"
"آجا یار۔ مجھے سب کچھ یاد ہے۔" طالوت نے مجھے کھینچتے ہوئے کہا اور میں نے خود ہی آنکھیں بند کر لیں۔ دوسرے لمحے ہم ایک اجنبی جگہ کھڑے تھے۔
پہاڑی مقام تھا۔ ایک خاصی بلند پہاڑی کے دامن میں ایک بھیانک غار منہ کھولے کھڑا تھا اور ہم اسی غار کے سامنے تھے۔ درحقیقت غار کے دہانے سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔
میں نے چٹکی سے ناک دبالی۔ طالوت کی خود بھی یہی حالت تھی۔
"کچھ بھی ہو۔ ہمیں اندر داخل ہونا ہے۔" اس نے کہا۔
"مر جائیں گے طالوت۔"
"اب ناک دبائے رکھو۔ دیکھیں تو سہی۔" طالوت بولا اور میں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ ناچار میں اس کے ساتھ غار میں داخل ہو گیا۔ خدا کی پناہ بڑا بھیانک منظر تھا۔ ہمارے بزرگ بھوتوں اور چڑیلوں کے قصے سناتے تھے۔ بڑی عجیب عجیب شکلیں بتاتے تھے وہ ان کی۔ اس وقت یہ ساری باتیں فسانے معلوم ہوتی تھیں۔ بڑے بڑے دانتوں والے چہروں سے خوفزدہ نظر آتے تھے تاکہ لوگ ان چیزوں سے واقف ہی نہیں ہیں۔ ان کی معلومات صرف خوفناک قصوں تک ہی محدود ہیں۔ اگر اس خوفناک انجمن کو دیکھ لیں تو ان کی ... ہی بند ہو جائیں۔
عجیب عجیب شکلیں تھیں۔ ایک شکل ایسی کی تھی لیکن ... صرف گردن ... جب ... آگے ہوئے تھے۔ ... خون ٹپک رہا ...

رہا تھا۔ ہاتھ میں مڑی ہوئی ٹہنی کی چھڑیاں تھیں' اس سے قریب ہی ایک اور شکل بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سینے سے ایک بچہ چپکا ہوا تھا۔ لمبی لمبی چھاتیاں زمین پر رکھی تھیں۔ یہ شاید عورت تھی' ایک جوڑا انتہائی چھوٹے قد کا سیاہ فام تھا۔ سب کے سب چونے چبا رہے تھے اور یہ تعفن ان اشیاء سے ہی اٹھ رہا تھا' جو وہ کھا رہے تھے۔ کھاتے کھاتے وہ بھیانک آواز میں ہنس پڑتے اور پھر کھانے لگتے تھے۔

سر چکرا رہا تھا' اس خوفناک ماحول کو دیکھ کر۔ خالوت کے انداز میں دلچسپی تھی۔ وہ متجسسانہ انداز میں ان کی شکلیں اور حرکات دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ "تنکا نہیں ہے۔"

"ہاں۔ وہ نظر نہیں آ رہا۔ لیکن خالوت۔"

"ہوں!"

"کیسے بھیانک ہیں یہ سب۔"

"اور یہ کھا کیا رہے ہیں؟"

"خالوت اگر تنکا نے ہمارے بارے میں اندازہ لگا لیا تو۔"

"کچھ نہیں ہوگا میری جان' کچھ نہیں ہوگا' ارے وہ دیکھو۔" خالوت نے ایک طرف اشارہ کیا اور میں نے بھی اس سیاہ شے پر نگاہیں جما دیں۔

تب میری رگوں میں خون منجمد ہونے لگا۔ میں نے دیکھا ایک انتہائی جسیم چمگادڑ ایک دروازے سے نکل رہا ہے' لیکن چمگادڑ ہونے کے باوجود اس کا سر انسان کا تھا۔ اور یہ شکل تنکا کے علاوہ اور کسی کی نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی مانند دہک رہی تھیں۔

ضیافت میں شریک مہمان ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگے اور پھر وہ مخصوص انداز میں ہنس پڑے۔

"کھاؤ' کھاؤ میرے دوستو۔ خوب کھاؤ۔"

"ہمارے پیٹ بھر گئے تنکا۔" سب سے بوڑھے نے کہا۔

"کیا سب کے پیٹ بھر گئے؟"

"ہاں۔"

"تو پھر کھڑے ہو جاؤ۔" تنکا نے کہا۔ خالوت نے مضبوطی سے مجھے تھاما ہوا تھا ورنہ میں تو گر ہی پڑتا۔ "اب تمہیں میرا کام کرنا ہے۔"

"ہم تیار ہیں۔" سب نے بیک وقت جواب دیا۔

"رنگا۔" تنکا نے آواز دی۔

"تنکا مہاراج۔" سارس نما ٹانگوں والا آگے بڑھ آیا۔ وہ عجیب شکل تھی۔ صرف ٹانگوں کے اوپر رکھا ہوا سر بہت خوفناک نظر آ رہا تھا۔

"پچھلے دنوں میں تو بہت بڑا جوتشی تھا؟"

"اب بھی ہوں مہاراج۔" رنگا کی منمناہٹ سنائی دی۔

"تو بتا۔ میرے دشمن اس سمے کہاں ہیں؟" اور تنکا کے ان الفاظ پر میرا سانس چھوٹنے لگا۔ میں خوفزدہ نگاہوں سے رنگا کو دیکھنے لگا۔

رنگا نے اپنے پتلے پتلے ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ اٹھایا۔ اس کی انگلی کو فضا میں نچانے لگا۔ اس کی انگلی کی جنبش سے فضا میں چمکدار لکیریں بن رہی تھیں۔ اور کئی منٹ تک رنگا یہی عمل کرتا رہا۔ پھر اس نے کراہتے ہوئے کہا۔

"کون سے دشمن مہاراج؟"

"تو ہمارے دشمنوں کو نہیں پہچانتا؟" تنکا گرجا۔

"سنسار میں ان کی کوئی شکل نہیں ہے مہاراج۔ اگر ان کا کوئی کھوج تو پوچھا ہوا ہے۔ مجھے وہ نہیں ملتے۔"

"وہ بڑے چالاک ہیں۔ تو ان کا پتہ لگا سکتا ہے۔" تنکا مایوسی سے بولا' اور پھر اس نے غصے سے جوڑے میں بیٹھی شکل کو گھورتے ہوئے کہا۔

"کھلونی۔"

"مہاراج۔"

"کیا تو بھی نہیں بتا سکتی کہ وہ کون ہیں؟"

"نہیں میں مہاراج۔"

"تو دیکھ۔ تنا۔ رنگا نے جوتش کی طرح تجزیہ کیا تمہیں بھی بتا دیں گیا؟"

"میں ابھی بتاتی ہوں مہاراج۔" نحیف سی بوڑھی عورت نے کہا' اور پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ چند ساعت کچھ بڑبڑاتی رہی۔ پھر گہری سانس لے کر بولی۔

"ان میں سے ایک شخص کا پتہ لگتا ہے مہاراج۔ مگر وہ پانی کے پیچھے ہے۔"

"اور دوسرا؟"

"اور دوسرے کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔"

"ایک کون ہے؟"

"عارف۔ اس کا نام عارف ہے۔ وہ چھپا ہے۔"

"تو میرا وچار ٹھیک ہے۔ مگر دوسرا؟ کیا تم میں سے کوئی اس کے بارے میں بتا سکتا ہے؟" اور سب بولنے لگے۔



"سولو۔" تنکا نے پھر عورت کو آواز دی۔

"مہاراج۔"

"تو ہی بتا۔ اس سمے ان دونوں میں سے ایک کہاں ہے؟"

"اوش مہاراج۔" نحیف عورت نے کہا اور پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اور اسی وقت میں نے طالوت کا ایک ہاتھ آگے بڑھتے ہوئے دیکھا۔

طالوت اسی جگہ کھڑا تھا' لیکن اس کا ایک ہاتھ لمبا ہوتا جا رہا تھا۔ اور پھر وہ نحیف عورت کی گردن تک پہنچ گیا۔ دوسرے لمحے نحیف عورت کی گردن طالوت کی لمبی انگلیوں کی گرفت میں تھی۔

کھلونی نے ہاتھ پاؤں مارے اور اس کی گھٹی گھٹی چیخیں ابھرنے لگیں۔ تنکا اچھل پڑا تھا۔ طالوت نے کھلونی کو اس کی جگہ سے اٹھایا۔ اور پھر اس نے اس کی گردن دبا کر پھینک دیا۔

لیکن کھلونی اٹھ کر پھر بیٹھ گئی تھی۔

"ہائے رام۔ ہائے رام۔ مر گئی۔ ہائے لیا۔"

"ارے۔ جل گئی۔ ارے جل گئی۔" موٹی عورت جس کی چھاتیاں کھڑے ہونے سے زمین تک لٹک گئی تھیں' اپنے بچے کو دونوں ہاتھوں سے بھینچ کر ایک کونے میں جا کھڑی ہوئی۔ پتلی ٹانگوں والا رنگا پھدک پھدک کر ایک کونے میں ہاتھ نچانے لگا۔ سب کے سب بھیانک آوازوں میں چیخ رہے تھے اور تنکا پاگل ہو رہا تھا۔

تب خالوت آگے بڑھا۔ میں بھی اس کے پیچھے چلا تھا۔

"تم باہر رکو عارف۔ لیکن خبردار' راستے میں نہیں۔ جب یہ لوگ باہر بھاگیں تو ان کی لپیٹ میں نہ آ جاؤ۔"

"او۔ لیکن۔"

"پیارے عارف۔ جیسا کہہ رہا ہوں کرو۔"

"اوکے۔" میں نے کہا اور پھر میں باہر سے ہی اندر کے مناظر دیکھنے لگا۔

طالوت اندر جا کر سب پر ظاہر ہو گیا تھا۔ اور ساری آوازیں ایک دم رک گئیں۔ تنکا زہریلی نگاہوں سے طالوت کو گھور رہا تھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو تم آ ہی گئے سائیں؟"

"ہاں تنکا۔" طالوت نے جواب دیا۔

"دوسرا کہاں ہے؟"

"فی الحال میں ہی تمہارے لئے کافی ہوں۔"

"کیا بات ہے مہاراج۔ ہم تمہیں کہاں تلاش کرتے پھرتے۔

پرنت وہ دوسرا۔ کیا تمہارا نام عارف ہے؟"

"عارف جس کا نام ہے وہ بہت بڑی شکتی رکھتا ہے۔ میں تو اس کا دوست ہوں۔"

"چلو پہلے اس کو ختم کیا جائے۔ پھر اس مہان شکتی والے کو بھی دیکھ لیں گے۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" طالوت مسکراتے ہوا بولا۔

"میں نے جھوٹ تو نہ کہا تھا' تم بیچو ہو۔"

"پیچھے تم ہو تنکا۔ گندے پلید کیڑے۔" طالوت نے کہا۔

"موہرے کے پاس بیٹھو' کیا تم اسے کھاؤ گے؟" تنکا نے اپنے مہمانوں سے پوچھا۔

"اوش مہاراج۔ آپ نے کیا ہو تو؟"

"میں اس کا کلیجہ چباؤں گی۔" موٹی عورت نے کہا۔

"دل کردے میرے ہاں گے مہاراج۔"

"اور میں اس کا خون پیوں گا۔ میں بہت کمزور ہوتا جا رہا ہوں۔" سارس نما رنگا نے کہا۔

"ارے تو پھر دیر کس بات کی۔ بانٹ لو۔ چلو جلدی کرو۔" تنکا نے کہا اور چاروں طرف سے بدروحیں طالوت پر لپکیں۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ لیکن طالوت نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے تھے' اور اس کی انگلیوں سے آگ کی پھواریں پھوٹ پڑیں۔ لمبے لمبے شعلے بدروحوں کو چھونے لگے اور کان پھاڑ دینے والی چیخوں سے ماحول گونج اٹھا۔

"ہائے میرے جل گئی۔"

"ارے اگول۔ ہائے ہائے مر گئی۔ مر گیا۔ ہو ہو۔ ہاہا۔" ان سب کے بدن سلگ رہے تھے۔ شعلے ان کے جسموں سے لپٹ گئے تھے۔

اور اچانک تنکا نے چھلانگ لگائی۔ پھر وہ چمگادڑ اور دوسرے لمحے دروازے سے نکل بھاگا۔ طالوت کی نگاہ بھی اس پر پڑ گئی تھی۔ تب میں نے اسے ایک چمگادڑ میں تبدیل ہوتے دیکھا۔ اور دوسرے لمحے وہ بھی فضا میں پرواز کرتا ہوا تنکا کے پیچھے لپکا۔ میں ہونقوں کی طرح دونوں کو تلاش کرتا رہ گیا۔

لیکن تاریکی میں آتے ہی دونوں نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ اندر سے رونے پیٹنے اور سسکنے کی آوازیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں اور خوف کے مارے میرا برا حال تھا اور پھر اس قسم کی کراہیں سنائی دینے لگیں جیسے زخمیوں نے دم توڑ دیا ہو اور تھوڑی دیر کے بعد مکمل سناٹا چھا گیا۔

میں نے اندر جھانکا۔ زمین پر سیاہ کوئلے پڑے ہوئے

تھے۔ اب کوئی آواز کوئی تحریک نہیں تھی۔ گویا وہ
سو گئے تھے۔

لیکن میری اندر جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ میں باہر رک کر طالوت کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ ہندو یوگیوں کے بارے میں میں نے بہت کچھ سنا تھا۔ لیکن ان کی شیطانی قوتیں اس قدر بڑھ جاتی ہوں گی اس کا مجھے گمان بھی نہیں تھا۔ لیکن طالوت نے جس شاندار طریقے سے ان پر قابو پایا تھا۔

طالوت بہرحال طالوت ہے۔ میں نے دل میں سوچا۔ لیکن میں [illegible] اور اچانک میرے ذہن میں ایک [illegible] خیال آیا۔ طالوت اگر دیر تک واپس نہ آیا تو میں اس خوفناک ویرانے میں [illegible] ارے باپ رے۔ ارے باپ رے۔"

[illegible] ہو گئے۔ تو پھر میں کیا کروں؟

[illegible] پراسرار غار سے باہر نکل آیا۔ چاروں طرف ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔ نہ جانے یہ جگہ [illegible] سے کتنی دور ہے۔ ہم باقاعدہ تو یہاں آئے نہیں تھے۔ ہو سکتا ہے کوئی [illegible] واقعی خطرناک بات ہے۔

اور اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ میری کیفیت بڑی شرمناک ہے۔ میں انگلی پکڑ کر چلنے کا عادی ہو گیا ہوں۔ درحقیقت میری اپنی شخصیت بالکل ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ میں ہر وقت طالوت کا سہارا تلاش کرتا ہوں۔ یہ تو مناسب بات نہیں ہے۔ مجھے خود بھی اپنی فطرت، اپنی شخصیت کو آزاد کرنا چاہئے۔ آخر میں بھی تو ایک ذہن رکھتا ہوں۔ میں بھی تو ہاتھ پاؤں رکھتا ہوں۔ یہ خیال اتنی شدت سے مجھ پر حاوی ہوا کہ میرے بدن میں آگ سی لگ گئی۔ [illegible] میں نے اپنی شخصیت کو بالکل فراموش کر دیا تھا۔ مجھے کیا نہیں کرنا چاہئے۔ میں بھی گوشت پوست کا انسان ہوں۔ مجھے اپنے طور پر بھی کچھ سوچنا چاہئے۔

اور ان خیالات نے ماحول کا خوف میرے ذہن سے نکال دیا۔ [illegible] میرے بدن پر طاری تھا۔ [illegible] کے بارے میں سوچا۔ طالوت [illegible] نہیں کیا [illegible] وقت گزرتا رہا۔ جنگلی جانوروں کی آوازیں بھی [illegible] ماحول [illegible] خاموشی۔ اور [illegible] میں جانتا تھا کہ [illegible] طالوت کی کوئی مدد نہیں کر سکتا [illegible] حالات سے گزرنا [illegible] تھا۔

چنانچہ [illegible] قدم [illegible] اب کوئی راہ

[illegible] ہو۔ چنانچہ [illegible] یہاں [illegible] تھا۔ چنانچہ ایک سمت کا رخ کر کے میں چل پڑا۔ [illegible] طالوت کے [illegible] میں جانتا تھا [illegible] مشکلات سے [illegible] ہاتھ نہیں [illegible] میں نے ان [illegible] رات [illegible] بھی غور کیا تھا۔ لیکن [illegible] بات یہ ہے کہ ان [illegible] ہمت میرے اندر نہیں تھی۔ [illegible] بار قدم رکے۔ ہمت کو آواز دی لیکن پھر آگے بڑھنے [illegible] گیا۔ اور میں آگے بڑھتا رہا۔

دفعتاً ذہن میں ایک خیال آیا [illegible] روشنیاں تلاش کروں۔ ممکن ہے [illegible] سمت کا اندازہ ہو سکے۔

کافی دور ایک ٹیلے کا انتخاب کیا۔ [illegible] وقت نہیں ہوئی تھی اور قسمت [illegible] پہنچتے ہی مجھے روشنیاں نظر آ گئیں۔ اسی سمت [illegible] میں چل رہا تھا۔ چنانچہ ٹیلے [illegible] طرف [illegible] اور رات کا دوسرا پہر تھا جب میں بستی میں داخل ہوا۔

[illegible] کوئی وقت نہیں تھی۔

[illegible] رخ کیا [illegible] بہت [illegible] ہے۔ چنانچہ میں ان کے جسموں سے بچتا ہوا اندر داخل [illegible] معلوم تھا۔ لیکن [illegible] تو نہیں تھا [illegible] بھی چلا جائے کیا فرق [illegible] چنانچہ میں نے ایسی سمت کا رخ کیا جہاں [illegible] نہیں تھا۔

[illegible] خوبصورت تھا۔ میں اس کے مختلف حصوں میں گھومتا رہا۔ اور پھر [illegible] یہاں خوبصورت [illegible] میں ان [illegible] کہ اچانک میرے کانوں میں سسکیوں کی آواز ابھری۔ اور میرے قدم رک گئے۔

یہ آواز [illegible] آواز کی سمت کا اندازہ [illegible] اور پھر اسی اندازے سے [illegible] کی عقبی سمت [illegible] طرف کا منظر مجھے بہت پسند آیا۔ چھوٹا سا خوبصورت باغ تھا [illegible] فوارے [illegible] فوارہ [illegible] اچھل رہا تھا۔

چاندنی [illegible] چاند [illegible] تھا [illegible] اور اس چاندنی [illegible] میں نے [illegible] لڑکی کو دیکھا۔



سفید [illegible] وہ ایک فوارے کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی۔ [illegible] گردن [illegible] جھکا ہونے کی وجہ سے [illegible] نظر آ رہا تھا۔ پھر بھی نہ جانے کیوں روپمتی کا گمان ہوا۔ [illegible] میں اچھل پڑا۔ اگر یہ روپمتی ہے تو آج اس سے [illegible] باتیں ہو جائیں۔ بہرحال اس کی گفتگو سننے کے بعد میرے دل سے [illegible] کا وہ جذبہ [illegible] تھا جو پیدا ہوا تھا۔

تاہم اس سے ہمدردی تو برقرار تھی۔ چنانچہ میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ اور پھر میں نے [illegible] دو شالہ اتارا اور چاندنی [illegible] دراز کر دیا۔

[illegible] سے [illegible] دیکھ لیا تھا وہ بری طرح سہم گئی۔ اس نے گردن اٹھا کر میری طرف دیکھا اور اس کے منہ سے [illegible] نکل گئی۔

"ہائے رام" وہ [illegible] انداز میں کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ [illegible] آنکھوں سے میری شکل دیکھ رہی تھی۔ [illegible]

"[illegible] روپمتی۔"

"[illegible] ہائے رام" روپمتی قدم قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"مجھے پہچانو روپمتی۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"ہم نے تمہیں [illegible] میں دیکھا تھا۔ اس سے جب [illegible] تمہاری عزت [illegible] چاہتا تھا۔"

"اوہ۔" روپمتی [illegible] پڑی۔

"[illegible] دیکھو روپمتی۔ [illegible] میں دوست ہوں دشمن نہیں۔"

"آپ۔ آپ [illegible] ہاں۔ آپ [illegible] لاج؟"

"میرا ساتھی تھا۔ اس کے [illegible]"

"[illegible] نہیں پہچان نہیں سکی تھی۔ [illegible] حالت [illegible] آپ نے میری [illegible]"

"[illegible]"

"[illegible]"

"[illegible] تمہاری [illegible] گیا۔"

"آپ [illegible] ہیں۔ آپ نے [illegible] احسان [illegible] مہاراج۔ ہم کس [illegible]"

"شکر ہے مہاراج۔"

"کوئی بات نہیں روپمتی۔ ہم نے کوئی ایسا کام نہیں کیا۔"

"آپ نے میرا دھرم بچا لیا مہاراج۔ اس سے بڑا کام اور کیا ہو گا۔"

"وہ ہمارا فرض تھا۔"

"چھوڑیئے مہاراج، یہ ساری بات۔ اس جگہ میں آپ کی کیا سیوا کروں؟ آپ ذرا [illegible] جل پانی؟"

"نہیں روپمتی۔ [illegible] کی روشنی میں۔ ہاں، تمہیں کسی کا ڈر تو نہیں ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو آرام کرو۔"

"نہیں مہاراج۔ بھلا [illegible] کے پاس کون آئے گا۔"

"تو پھر [illegible] بیٹھو۔" میں فوارے کے کنارے بیٹھ گیا اور روپمتی میرے قدموں کے پاس بیٹھ گئی۔

"ارے [illegible] روپمتی۔"

"میری جگہ آپ کے چرنوں میں ہی ہونی چاہئے مہاراج۔"

"نہیں روپمتی۔ [illegible] دور [illegible] جاتے ہیں۔"

"نہیں مہاراج۔ آپ تو عزت کی رکھشا کرتے ہیں۔ آپ کے بارے میں یہ بات سوچنا بھی [illegible] ہے۔"

"ہاں۔ تمہارا خیال ٹھیک ہے روپمتی۔"

"[illegible] مہاراج۔ [illegible] آپ نے [illegible] کی عزت بچائی ہے۔ میں [illegible] آپ کا [illegible]"

"[illegible] روپمتی [illegible] اور میں [illegible] ہے؟"

"ہاں [illegible]"

"[illegible]"

"[illegible]"

"[illegible]"

"[illegible] آپ [illegible] مہاراج [illegible]"

"[illegible]"

ہنسی مسکراہٹ کی کہانیوں کا مجموعہ

# کالے خاں بھورے خاں

قیمت 150 روپے

ڈاک خرچ 25 روپے

آپ کے پسندیدہ مصنف ایم اے راحت کی تحریر

کتاب کی قیمت منی آرڈر یا بذریعہ ڈاک ارسال کریں

بس بولی۔
"تم ہی نے تو بتایا تھا کہ یہ مہاراج ہیں۔"
"بہت خوش نصیب ہو میں چاہو گی تو پتہ کرے۔"
"میرے بھائی" وہ بولی۔
"پریشان تو نہیں ہوئی؟"
"مجھے کالی کے بچے پر کوئی آپتی نہیں مہاراج۔ کوئی بات کرنے والا نہیں ہے۔ پریشان کیوں ہوں گی۔"
"دیوتی۔ تو نے ہمیں مترجم سمجھا ہے۔ کیا ہمیں اپنا راز دار بنا سکتی ہے؟"
"راز" دیوتی حیرت سے بولی۔
"تو کچھ دیوتی۔ اور کچھ ہم پیاسی ہوتی ہے۔ ہم تجھے ایک راز کا ہمراز بنائیں گے۔ کیا تو اسے سویکار کرے گی؟"
"مہاراج۔ آپ۔ آپ۔"
"تیری مرضی ہے دیوتی۔ اور دیکھ ہم تجھے مجبور نہیں کریں گے۔"
"یہ بات نہیں ہے مہاراج۔ مگر میں راز رکھ پاؤں گی؟"
"بہت سے۔ لیکن اگر تو چاہے تو بتا۔ ورنہ رکھی سے کوئی بات چھپی نہیں ہے۔"
"میرا کوئی راز نہیں ہے مہاراج۔" دیوتی نے کہا۔
"ٹھیک ہے مترجم دیوتی نہیں بنانا چاہتے۔ ہمیں شما کر دینا ہم نے تجھے پریشان کیا۔" میں اٹھا اور پھر میں چل دیا۔ دیوتی نے جلدی سے کہا۔
"رکیے مہاراج۔"
"یہ من کے سودے ہیں دیوتی۔ زبردستی نہیں ہوتے۔" میں نے کہا۔
"بیٹھئے تو مہاراج۔" دیوتی نے جلدی سے اٹھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اب مجھے رک جانا پڑا۔ "شما کیجئے مہاراج۔ میں آپ کو ناراض نہیں کرنا چاہتی۔ میرا تو کوئی بھید نہیں ہے۔"
"تو ناراض نہیں۔ ناراض کو دیوی۔ ہم تو ناراض نہیں ہیں۔"
"مگر مہاراج۔ بیٹھئے تو۔ بیٹھئے تو مہاراج۔" وہ پھر بولی۔ "آپ کون سے راز کی بات کر رہے ہیں؟"
"جو میرے من میں چھپا ہوا ہے دیوتی۔ یہ بہت سے دن ہو گئے ہیں کہ ہم بہت پریشان ہیں۔" اور دیوتی کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ وہ تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔
پھر چونک پڑی اور اس نے حیرت سے ہونٹ سکوڑ کر مجھے دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ سہمی سہمی نظر آ رہی تھی اور جب میں میرا ہاتھ اس کے سر پر تھا۔
حالانکہ مندر میں نے اس کی شکل و صورت دیکھی تھی۔ مجھے اس کی بھولی بھالی صورت پسند آئی تھی۔ لیکن اب سے میں نے پورن مل کے سامنے اس کا ذکر کیا تھا میرے دل میں اس کے لئے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ میرے سوچنے کا انداز بدل گیا تھا اور اب اسے دیکھ کر میرے من میں کوئی بدی نہیں ابھر رہی تھی۔
ہم انسان بھی عجیب ہیں۔ ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے پیدا ہوتے ہیں اور بے بسی سے مر جاتے ہیں۔ لیکن زندگی کی بات ہے۔ انسان کی دنیا میں آنے کے بعد ہم کی ذہنی نشوونما ہوتی ہے جس میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ خدا ہی فطرت کے اشارے پر ہمارے ذہن خود بخود ہوتے چلے جاتے ہیں اور ہم فطرت سے چلتے ہیں۔
لیکن ایک چھوٹے سے ذرے کو فطرت کہتے ہیں۔ اس فطرت کا خوبصورت نمونہ کہاں سے ہوتا ہے۔ کیا وہ مذہب کی بات ہے کہیں شعور میں پیچیدہ فلسفے نہیں؟ کہیں مذہب بھی پرانا ہے۔ کبھی کبھی فطرت سے جواب ایک ہی ہے۔ خالق حقیقی کا ایک اشارہ اس سے اس کی ساری تہذیبیں لیتا ہے اور پھر سب کچھ ہو جاتا ہے۔ کون ہے جو اس کو تقسیم کر سکتا ہے۔ جو اس کا تخیل کرتا ہے۔ صرف سوچنے کی بات ہے۔ رنگ نسل مذہب وطن سب آدمی کی تخلیق ہے۔ بے رنگ کا یہ سارا کوئی ہوا۔ ہم ایک بھی خدا کو سمجھا ہوا نہیں سمجھتے۔ اس نے ہم کو خود سے سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ اس نے صرف ایک رنگ پیدا کیا ہے۔ اس نے ایک نسل پیدا کی ہے۔ اس نے ایک ذات پیدا کی ہے۔ اس نے ایک مذہب پیدا کیا ہے۔ ہم انسان ہیں انسانیت ہمارا مذہب ہے۔ جس میں جو عبادت دی گئی ہے۔ مذہب کی شکل میں کوئی مذہب برا نہیں ہے۔ سب سے بڑا مذہب انسانیت ہی ہے۔ خدا کے بندو! خدا تمہارا محتاج نہیں ہے۔ اس کی عبادت کرو گے تمہارے لئے بہتر ہے۔ اس نے اخلاقیات کی تعلیم دی ہے تمہاری بہتری کے لئے۔ وہ بے نیاز ہے اسے تمہاری کسی چیز کی طلب نہیں ہے۔ اس نے تو انسان کو انسان کے ساتھ سلوک کرنے کی ہدایت کی ہے۔ وہ تو رب ہے خالق ہے۔ سب کچھ کر سکتا ہے۔ لیکن اس نے تمہیں ذی شعور مخلوقات بنایا ہے۔ اس نے تمہیں ساری مخلوق سے

نوڑا ہے۔ اور تم اس کو ماننے کے بعد اس کی بخشی ہوئی سانسوں کے ساتھ اس کی نافرمانی کرتے ہو۔ کیسی عجیب بات ہے۔ کتنی مضحکہ خیز بات ہے۔ وہ قادر تھا، قادر ہے، قادر رہے گا۔ تو جب انسان ایک ہی ماں ایک ہی طینت سے تعلق رکھتے ہیں تو پھر مذہب کی تقسیم پر انسانیت کا رشتہ کیوں توڑ دیا جاتا ہے۔ خواہشِ انسانی مخالف سمت کی کشش ہے۔ یہ انسانی کمزوریاں ہیں۔ لیکن جب برائی ظاہر ہو جائے تو سارے رشتے ختم ہو جاتے ہیں۔

دیومتی کے آنسوؤں نے میرے دل میں انسانیت جگا دی تھی۔ میرا جذبہ بے اختیار ہو رہا تھا۔ محبت کے جذبے شفقت بن گئے تھے۔ دیومتی کو شاید اس کا احساس نہیں ہوا تھا۔ وہ سارے آنسو بہا دینا چاہتی تھی جو نہ جانے کب سے اس کے سینے میں چھپے ہوئے تھے۔ وہ بلک بلک کر روتی رہی اور میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ جب دیومتی کا دل پوری طرح ہلکا ہو گیا تو اس نے میرے کندھے سے سر اٹھایا اور پھر آنسو بھری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"آپ اسے کیا بتائیں مہاراج؟" اس نے سسکی لے کر کہا۔

"سنسار کی بہت سی باتیں ہمیں خود بخود معلوم ہو جاتی ہیں دیوی۔ اس بارے میں تمہارا کچھ پوچھنا بیکار ہے۔"

"آپ بہت بڑے گیانی ہیں مہاراج۔ یہ سچ ہے کہ اگر اس دن آپ نہ آتے تو میری عزت نہیں بچتی۔ اور پھر مجھے آتم ہتھیا ہی کرنی پڑتی۔"

"ایک بات بتاؤ دیومتی؟"

"جی مہاراج۔"

"تم نے پورن لال کی شکایت مہاراج گووند اس کے سے نہیں کی؟"

"مہاراج!" دیومتی نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"کیوں؟"

"ہم آپ کو کیا بتائیں سوامی مہاراج۔ ویسے آپ کا شبہ ہو گیا ہے؟"

"جو من چاہے کہہ لو دیوی۔ ویسے لوگ ہمیں ... کہتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"جی؟" دیومتی حیرت سے بولی۔

"ہاں۔ یہ بڑی عجیب کہانی ہے۔"

"کیا مہاراج؟"

"لوگوں کا خیال ہے کہ ہم دونوں بھائی تھے اور قوموں کی نقل میں آگے تھے۔ ہمارے ماتا پتا کا کوئی نشان نہیں ہے۔ ... نے ہمیں دیکھ لیا۔ انہوں نے ہمیں اٹھا لیا اور ہماری پرورش کی ہے۔"

"ہائے رام! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"جیسے بھی ہوا ہو دیوی۔ اسے جانے دو۔ گووند اس کی باتیں کرو۔"

"مہاراج گووند اس سے میری شادی ہوئی ہے۔ وہ ایک بار بھی میرے پاس نہیں آئے ہیں۔ وہ ہر وقت اندرونی کمروں میں رہتے ہیں۔ بہت سی عورتیں ان کے پاس رہتی ہیں۔ نہ جانے انہوں نے میری تقدیر کیوں پھوڑ دی ہے۔ نہ جانے انہوں نے نہ جانے انہوں نے۔"

"اوہ تم سے ملاقات بھی نہیں ہوئی؟"

"دو چار بار دیکھا اور بس۔ انہوں نے میری طرف توجہ بھی نہیں دی۔"

"کمال ہے۔ راج پاٹ کے کسی کام میں بھی دلچسپی نہیں لیتے؟"

"کبھی نہیں۔ ... دربار لگتا ہے۔ جس میں سارے لوگ ... دیتے ہیں۔ لیکن اس میں مہاراج گووند کبھی نہیں آتے تھے۔"

"پھر راج پاٹ کے کام کیسے چلتے ہیں؟"

"راجہ تو اب صرف ... ہیں۔ حکومت چلا رہے ہیں درگا پرشاد۔"

"ہوں۔ راجہ گووند اس کو اس پر اعتماد ہے؟"

"پورا پورا۔"

"کیا راجہ بہت عیاش ہے؟"

"کیا کہہ سکتی ہوں مہاراج۔ میں تو کبھی ایک لمحہ بھی ان کے پاس نہیں بیٹھی۔"

"اوہ۔ خیر چھوڑو راجہ کی بات۔ اب ست پرکاش کی بات کرو۔"

"مہاراج۔" دیومتی تڑپ گئی۔

"کیوں دیومتی؟"

"اس کی بات اب نہ کریں مہاراج۔"

"کیوں نہیں؟"

"میں نہیں کر سکتی ہوں مہاراج۔" دیومتی پھر رونے لگی۔

"تو ہمیں اپنا متر کہہ چکی ہے دیومتی۔ دوستوں سے کوئی بات چھپانا اچھا نہیں ہوتا۔"

"میں کچھ بھی ہوں مہاراج۔ مگر ایک پتی ورتا استری بھی ہوں۔"



"کیا نہیں ہے؟"

"کیوں مہاراج؟"

"تو کبھی نہیں ہوتی۔ پتی کیسا ہوتا ہے۔"

"پھر بھی مہاراج۔"

"مجھے بتا دیومتی۔ تیرے پتی ہیں جو ایک دوسرے سے ایک لمحے کے لئے بھی نہیں ملے۔"

"پھر بھی میرے من کے ساتھ بچھڑے ہوئے ہیں۔"

"بچھڑے۔ اب کچھ نہیں ہو سکتے۔"

"میں اب ست پرکاش کے لئے کچھ کر بھی تو نہیں سکتی مہاراج۔ پھر ... سے کیا حاصل؟"

"ہم کر سکتے ہیں دیومتی۔"

"نہیں مہاراج۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ اب کچھ نہیں۔"

"ہونہہ۔ دیومتی۔ یہ بڑی خوشی ہے کہ تم ہمیں اس کے بارے میں سب کچھ بتا دو۔" میں نے کہا اور دیومتی میری شکل دیکھنے لگی۔ پھر وہ گہری سانس لے کر بولی۔

"جو ... مہاراج۔"

"تجھے ہمارے اوپر وشواس ہے تو پھر بتا دے دیوی۔ ہم کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جو تیری رسوائی بن جائے۔ ہم کوئی ایسا قدم نہیں اٹھائیں گے جس سے تمہیں تکلیف ہو دیوی۔"

"ٹھیک ہے مہاراج۔ آپ اس کا نام جانتے ہیں تو یہ بھی جانتے ہوں گے کہ۔"

"تو اس سے پریم کرتی ہے۔"

"ہاں مہاراج۔" دیومتی نے ایک سسکی لے کر کہا۔ "ہم دونوں بچپن کے میت تھے۔ ہم نے کبھی ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے کا نہیں سوچا۔ بچپن بیتا، جوانی آئی۔ اور ہماری آنکھوں میں جوانی کے رنگین سپنے بس گئے۔ مگر پھر آندھی چلی، کالی آندھی اور سب کچھ ختم ہو گیا۔ مہاراج گووند نے مجھے دیکھا۔ میرے پتا کی یہ مجال کہاں تھی جو مہاراج کی بات نہ مانتے۔ میں روتی ہوئی ڈولی میں بیٹھی اور راج محل پہنچا دی گئی۔"

"تمہارا گھر کہاں ہے؟"

"جوالا پور میں۔ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔"

"پتا کا کیا نام ہے؟"

"چودھری شتاب۔"

"ست پرکاش کہاں رہتا ہے؟"

"مہاراج۔ اس کا ... کیا پوچھنا۔"

"کہتے ہو۔"

"وہ تمہارا ... جانتے ہی ہوں گے۔"

"ہوں۔ دیومتی کیا تم مجھے اپنا گرو مانتی ہو اگر میں تمہاری بہتری کے لئے کہوں؟"

"میرے لئے صرف ایک کام کریں مہاراج۔" دیومتی روتی ہوئی بولی۔ "کیا دیومتی؟"

"مجھے ... میرے لئے کوئی ایسا جاپ ... کہ میں ... ہو جائے۔ میں بہت دکھی ہوں مہاراج۔ میں آتم ہتھیا نہیں کر سکتی۔ جو مجھے کرنی چاہئے تھی۔ میرے لئے۔"

"خاموش ہو جاؤ دیومتی۔ خاموش ہو جاؤ۔"

"میرا یہی کام کریں مہاراج۔"

"ذرا خاموش ہو جاؤ دیومتی۔"

"مگر اب ... بھی ... ہے مہاراج۔"

"مجھے وچن دو دیوی کہ اس وقت تک جب تک میں تمہارے لئے کچھ نہ کر سکوں۔ تم کوئی الٹا سیدھا کام نہیں کرو گی۔ میں تمہارے لئے کچھ کرتا ہوں۔"

"میرے ذہن میں تو اب کچھ بھی نہیں رہا ہے مہاراج۔" دیومتی زار و قطار رونے لگی۔

"تمہارا کوئی بھائی نہیں ہے دیومتی؟"

"نہیں۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"دیومتی۔ اگر میں کہوں کہ تم مجھے اپنا بھائی بنا لو؟" میں نے خلوصِ دل سے کہا اور دیومتی چونک پڑی۔ اس نے حیرانی سے میری شکل دیکھی اور دیکھتی رہ گئی۔

"بولو دیومتی۔"

"کیا یہ ممکن ہے مہاراج؟"

"کیوں۔ ممکن کیوں نہیں ہے؟"

"تو میرے لئے اس سے بڑے بھاگ کیا ہوں گے۔"

"تو دیومتی۔ یوں سمجھو۔ آج سے تم میری بہن ہو اور چھوٹی بہنیں ہمیشہ بڑے بھائیوں کی بات مانتی ہیں۔ بڑا مان ہوتا ہے بہنا بھائیوں پر۔ کیا تم اس مان کو توڑ دو گی؟"

"بھیا۔" دیومتی بے اختیار ہو کر مجھ سے لپٹ گئی۔ اور پھر وہ اتنا روئی، اتنا روئی کہ میں گھبرا گیا۔ بمشکل میں اسے خاموش کرانے میں کامیاب ہوا تھا۔ "بھیا۔ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا بھیا۔ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا میرے ویر۔ جیون میں پہلی بار مجھے سچا پیار ملا ہے۔ جیون میں پہلی بار کسی نے مجھے خلوص سے پکارا ہے۔ میں کیسے برداشت کروں؟"

"ست پرکاش سے کیا تمہیں محبت ہے؟" میں نے

پوچھا۔
"اس کی بات اور ہے بھیا۔"
"میں اس غرض سے نہیں پوچھ رہا۔ میرا مطلب کچھ اور ہے۔" میں نے کہا۔
"وہ بڑا سیدھا سادا ہے بھیا۔ وہ دھوکہ نہیں کر سکتا۔"
"ہوں دیومتی۔ تو پھر تمہارا وعدہ؟"
"جیسا تم کہو گے بھیا۔" دیومتی نے گردن جھکا دی۔
"بس دیومتی۔ تو خاموش بیٹھی رہ۔ میں ضرورت کے تحت تجھ سے ملتا رہوں گا۔ لیکن اپنا وچن یاد رکھنا۔"
"پھر تم لوٹ کے آؤ گے کیا بھیا؟"
"ہرا سمجھ۔ تیرا وچن تجھے واپس دلاؤں گا دیومتی۔ اس سے پہلے تو کچھ بھی کر سکے۔ تو یہ سمجھ لے کہ تیری بدنامی اب میری بدنامی ہے۔"
"ہے بھگوان۔ ہے بھگوان۔" دیومتی نے آنکھیں بند کر کے ہاتھ اٹھا دیئے۔ میں متاثر کن نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
پھر دیومتی نے آنکھیں کھولیں۔ چند لمحات نے اس کی پیشانی کو روشن کر دیا تھا۔ اس کا چہرہ کنول کی طرح کھل اٹھا تھا۔ اور پھر اس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔
"ایک بات پوچھوں بھیا؟"
"پوچھو دیومتی۔"
"تم نے مجھے اپنا نام کیوں نہیں بتایا؟ تم نے اپنے آپ کو مجھ سے کیوں چھپایا؟"
"میری حقیقت جان کر تو مجھے اپنا بھیا نہ سمجھتی۔"
"بھگوان پر بھروسہ نہیں بھیا؟"
"شاید۔ اس کے بعد تو مجھے اپنا بھیا ماننے سے بھی انکار کر دے۔ مجھے جھوٹ بولنے پر مجبور نہ کرو دیومتی۔ [illegible] میرے نام کو۔" میں نے کہا اور دیومتی میری شکل دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب تاثرات تھے۔ اور پھر ان میں نمی سی ابھر آئی۔ "سب کا مالک [illegible]"
[illegible]
"بات بگڑ جانے کی دیومتی؟"
"نہیں بگڑنے کی بھیا۔ ایک بہن کے امتحان کی بات ہے۔"
"ہوں۔" میں نے گہری سانس لی۔ بہت بڑی بات ہے یہ بھی۔ نہیں تھی اگر دیومتی میری حقیقت سے واقف ہو جاتی تو اس کا آسمان ٹوٹ پڑتا۔ وہ دوست زیادہ اپنے مذہب کی وجہ سے مجھ سے اجتناب برتتی۔ چنانچہ میں نے آہستہ سے کہا۔
"تو سن دیومتی۔ میں مسلمان ہوں۔ میں سادھو نہیں ہوں۔ نہ یہ میری اصلی شکل ہے۔"
"بھیا۔" دیومتی اچھل پڑی۔ ایک لمحے کے لئے اس کی آنکھوں میں خوف ابھرا۔ لیکن آہستہ آہستہ وہ پرسکون ہو گئی اور پھر اس کی آنکھوں میں محبت سمٹ آئی۔ "بس۔ اتنی سی بات بھیا؟"
"کیا تمہارے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟"
"ہے۔"
"پھر؟"
"تم نے یہ نہیں پوچھا بھیا کہ کیا اہمیت ہے؟" دیومتی مسکرائی [illegible] بولی۔
"بتاؤ دیومتی۔"
"مسلمان اچھے ہوتے ہیں۔ [illegible] اگر تم سادھو ہوتے تو میرے من میں [illegible] ایک سادھو نے میری عزت لوٹنے کی کوشش کی تھی۔ [illegible] مسلمان [illegible] اس سے تو میرے من میں تمہاری عزت اور بڑھ گئی ہے بھیا۔"
"دیومتی۔" میں جذباتی ہو گیا۔
[illegible]
"پھر عورت [illegible] دیومتی [illegible]"



ضروری ملاقات کرنا ہے۔
"مجھے وشواس ہے بھیا۔ مجھے وشواس ہے۔ آؤ میرے ساتھ اندر آؤ۔ آؤ۔ آ جاؤ۔" اور میں دیومتی کے ساتھ اس کی رہائش گاہ میں پہنچ گیا۔ دیومتی نے مجھے بڑے احترام سے بٹھایا تھا۔ "کیا تم دوارکا پوری میں رہتے ہو بھیا؟"
"دوارکا پوری کیا ہے دیومتی؟" میں نے پوچھا۔
"تم دوارکا پوری میں نہیں رہتے؟"
"میں تو دوارکا پوری پہلی بار آیا ہوں۔"
"ارے۔ کہیں اور سے آئے ہو؟"
"ہاں۔"
"کہاں سے بھیا؟"
"نہ جانے کہاں کہاں سے دیومتی۔ میں اور میرا ساتھی آوارہ گرد ہیں۔ بس گھومتے پھرتے ہیں اور اسی طرح گھومتے پھرتے ہم یہاں آ نکلے۔"
"تم نے سچ کہا تھا بھیا۔ یہ تمہاری اصلی شکل نہیں ہے۔ کیا تم مجھے اپنی اصلی شکل نہیں دکھاؤ گے بھیا؟"
"دکھاؤں گا دیومتی۔ لیکن ابھی مجھے اس کے لئے مجبور نہ کرو۔ ایک بھائی ہونے کی حیثیت سے میں تمہارے اوپر بھروسہ کرتا ہوں۔ اس لئے میری کسی بات سے انکار پر دل پر مت لانا۔ تھوڑا وقت گزر جانے دو میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔"
"ٹھیک ہے بھیا۔ میں تمہیں کسی بات کے لئے مجبور نہیں کروں گی۔" دیومتی نے کہا۔
"مجھے اپنے دوست کا انتظار ہے۔ لیکن برجن لال میرا دشمن ہو گیا ہے۔ اس نے ایک خبیث روح سے مدد لی ہے۔ میں ذرا اس سے نپٹ لوں۔"
"ہائے رام۔ برجن لال تمہارا دشمن ہے؟" دیومتی پریشانی سے بولی۔
"ہاں۔ سب سے بڑا دشمن۔"
"مگر وہ تمہارا دوست تھا؟"
"یہ تو ہم خود نہیں جانتے۔ حالانکہ اب وہ ہماری دوستی کا دم بھر رہا ہے۔ لیکن مجھے اس کے اوپر پورا بھروسہ نہیں ہے۔"
"ارے وہ تو بڑا پاپی ہے۔"
"اس نے منحوس تنکا سے مدد لی ہے۔ لیکن اس کا مقابلہ بھی بہت سخت ہو گا۔ یاد رکھو دیومتی۔"
"تنکا مہاراج سے؟"
"جانتی ہو اس خبیث کو؟"
"ارے تنکا مہاراج کو کون نہ جانے گا۔ اتنا مہان سادھو تو پورے ہندوستان میں کوئی نہ ہو گا۔"
"لیکن وہ کالے جادو کا ماہر ہے۔"
"وہ اتنی شکتیوں کا مالک ہے کہ اگر تنکا مہاراج تمہارے دشمن ہو گئے ہیں تو پھر بھیا۔ تم یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔ بھگوان نہ کرے تمہاری جان کو کچھ ہو۔"
"تم فکر مت کرو دیومتی۔ بس حالات دیکھتی رہو۔ اچھا۔ اب میں چلتا ہوں۔"
"کہاں جاؤ گے بھیا؟"
"راج محل میں نوکری تھی۔ تلاش کروں گا۔ حالانکہ راج محل میرے لئے اب رہنے کی جگہ نہیں رہا۔"
"بہن کو اتنا کنگال سمجھتے ہو کہ تمہیں رہنے کی جگہ بھی نہ دے سکے؟"
"نہیں۔"
"تم یہیں آرام کرو بھیا۔ بہن کی عزت کا بھائی سے بڑا رکھشا کرنے والا کون ہو گا۔"
"ہوں۔" میں گردن ہلا کر سوچنے لگا۔ ٹھیک ہی تو ہے۔ کوئی حرج نہیں تھا۔ طالوت کے لئے مجھے تلاش کر لینا مشکل کام نہیں تھا۔ میں جہاں کہیں ہوں گا وہ میرے پاس پہنچ جائے گا۔
"لیکن دیومتی۔ مجھے تمہارے ساتھ دیکھ کر تمہارے اوپر کوئی حرف تو نہیں آئے گا؟"
"ارے اس کی چنتا نہ کرو بھیا۔ تمہیں کسی کو دیکھنے کاہے کو دوں گی۔ اور پھر حرف لانے والا کون ہے۔ محل کی مہارانیاں سب کچھ کرتی ہیں۔ ان کے من میلے ہیں۔ پر تم تو میرے بھیا ہو۔"
"اوہ۔ محل کی یہ حالت کیوں ہے دیومتی؟"
"میں کچھ نہیں کہہ سکتی بھیا۔ سچی بات تو مجھے خود بھی معلوم نہیں ہے۔ مہاراج تو پوری دنیا کو تیاگ بیٹھے ہیں۔ وہ تو باہر بھی نہیں نکلتے جو ان کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم ہو سکے۔"
"کیا کرتے رہتے ہیں وہ؟"
"بس۔ شراب عورتوں میں گھرے رہتے ہیں۔ برجن لال کا پورا محل کیا پوری راجدھانی پر قبضہ ہے۔ وہی راج پاٹ کے کام چلاتا ہے۔ وہی سارے سیاہ و سفید کا مالک ہے۔"
"ہاں۔ مجھے معلوم ہے لیکن دیومتی۔ اس طرح تو برجن لال اس پورے کے خلاف کوئی سازش بھی کر سکتا ہے۔"

درگاپور کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔"

"راج پوت کے کام اراج کرنے والے جو بھی ہو یا۔ میں تو اس بارے میں کچھ نہیں سوچتی۔"

"ٹھیک ہے" "ایک بات اور بتاؤ دیوتی۔"

"پوچھو بھیا۔"

"تمہارے مسلمانوں کے حلقے میں مادھوپور کا نام کیا تھا؟"

"ہاں' درگاپور میں سارے مسلمانوں کی ایک ہی بستی ہے۔ اس کا نام مادھوپورا ہے۔ دوسری جگہوں پر مسلمانوں کو رہنے کی اجازت نہیں ہے۔"

"وہ مادھوپورا کہاں ہے؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"درگاپور کے آخری کونے میں۔ پہلے اس کا نام سلطان آباد تھا۔ لیکن جرچن لال نے جب اس آدمی کی گردن ماردی جو اسے سلطان آباد کہتا تھا۔ اس نے اس کا نام مادھوپورا رکھ دیا ہے۔"

"اوہ۔" میں نے تعجب سے گردن ہلائی۔ یہ نیا انکشاف میرے لئے بہت سنسنی خیز تھا۔ طالوت بھی اسے سنے گا تو شاید جرچن لال کو معاف نہیں کرے گا۔ گویا یہاں مسلمانوں کے ساتھ برا سلوک ہوتا ہے اور نہ جانے کیوں میرا دل تڑپ اٹھا۔ میرے دل میں شدید آرزو پیدا ہوگئی کہ میں مسلمانوں کی بستی سلطان آباد یا مادھوپورا دیکھوں۔

لیکن۔ تنہا کیا مزہ آتا۔ طالوت کا ایسا عادی ہوگیا تھا کہ اب کسی کام میں اکیلے لطف ہی نہیں آتا تھا۔

بہرحال' وہ دوسری رات دیوتی کی خواب گاہ میں گزاری۔ رات گئے تک دیوتی باتیں کرتی رہی تھی۔ پھر اس نے مجھے ایک پوشیدہ جگہ سلا دیا۔ تنہائی میں لیٹ کر طالوت کا خیال آیا اور دل میں شدید [illegible] [illegible]

[illegible]

نہیں تھا۔ وہ خوبصورت لباس میں ملبوس اداس بیٹھی تھی۔

پہلی بار میں نے اس خوبصورت عورت کو غور سے دیکھا تھا اور یہ شبہ دل کی کوشش تھی کہ وہ سب اتفاقاً اس مقام تک پہنچ گیا تھا۔ اگر میری زندگی کا کوئی محور ہوتا۔ اگر زندگی کا کوئی مقصد ہوتا۔ اگر میں سکون سے رہ سکتا تو۔ شاید دیوتی میرے دل میں گھر کر جاتی اور نہ جانے میں اس کے لئے کیا سوچتا۔ نہ جانے میں اس سے کیا کیا باتیں کرتا۔ لیکن خود میری زندگی ناقابل بیان تھی۔ ایسی بے معانی تھی وہ اب تک۔ اب تو اگر کوئی خوبصورت عورت چند لمحے آ بھی گئی تھی تو اس کے بارے میں دوسرے انداز میں ہی سوچنا پڑتا تھا۔

لیکن طبیعت میں اس قدر گھبراہٹ پیدا ہوگئی تھی کہ اگر نہیں ذرا بھی مصروفیت کے سوا گزرتے تھے تو مزاج کا رنگ بدل جاتا تھا۔ دیوتی کے بارے میں بھی یہی ہوا تھا۔

تھا۔ جس انداز میں وہ اس وقت بیٹھی تھی وہ دل کو بہت بھاتا تھا۔ بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔ [illegible] دیکھتے جاتے کو دل چاہتا تھا۔ لیکن۔ یہاں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

دیوتی میرے قدموں کی آہٹ سن کر چونک پڑی اور مجھے دیکھ کر مسکراہٹ پھیل گئی "آگئے بھیا؟"

"ہاں دیوتی" "[illegible]"

"[illegible]" "[illegible]"

[illegible]

جاتا تھا۔ وہ میرے لئے کوئی پریشان کن ہوتی تھیں۔ لیکن...

بہرحال۔ اس بار میں نے تہیہ کرلیا تھا کہ اگر طالوت کو دیر بھی ہوئی تو اس بار میں اس کے سہارے تلاش نہیں کروں گا۔

رات کی سیاہی تو بہت سے راز چھپاتی ہے لیکن دن کی روشنی' دن کی روشنی اپنے اندر یہ صفت نہیں رکھتی۔ دیوتی کا دل میری طرف سے صاف تھا۔ میں اب دیوتی کے لئے دل میں کوئی کھوٹ نہیں رکھتا تھا۔ لیکن دوسرے لوگ دیکھ رہے تھے وہ اس کو دیوتی کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے۔ وہ اس سے پوچھ کرنے بھول گئے تھے۔ لیکن بہرحال دوسرے لوگوں کو معلوم تھا کہ دیوتی رانی ہے۔ محل کی عزت ہے۔ محل کی عزت اگر یوں اچھالی گئی تو سب لوگ دھوکے سے لوٹ لیں تب تو کوئی حل نہیں تھا۔ لیکن دیوتی اپنی مرضی سے کسی کو اپنے کمرے میں جگہ دے دیتی تو پورے محل میں سرگوشیاں ہونے لگتیں۔

یہ بات میں نے بھی سوچی تھی اور یقیناً دیوتی نے بھی سوچی ہوگی لیکن وہ کسی طور مجھ سے نہ کہہ سکتی تھی۔ یہ تو میرے سوچنے کی بات تھی۔ چنانچہ ناشتے کے بعد میں نے اس سے کہا۔

"اب مجھے اجازت دو گی دیوتی؟"

"کہاں جاؤ گے بھیا؟" دیوتی نے پوچھا۔

"کہیں نہیں۔ درگاپور کی سیر کروں گا۔ یہاں کے حالات دیکھوں گا۔ [illegible] کام کرنے ہیں دیوتی۔"

"[illegible]"

"ہاں۔ [illegible]"

"رات [illegible] آؤ گے نا؟"

"[illegible]"

[illegible]

"میں دیوتی۔ میں نے ادھوری دل سے تمہیں بہن نہیں کہا ہے میں کوشش کروں گا کہ اپنا قول نبھاؤں۔ پھر دل کا میابی اور ناکامی تو خدا کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔"

"مجھے پتہ نہیں ہوتا ہے بھیا۔ سنسار کی کسی چیز کی منوکامنا نہیں ہے۔ بس محبت بھرے دو بول میرے جیون کے لئے بہت بڑا سہارا ہیں۔" دیوتی کی آواز آنسوؤں میں بھیگی ہوئی تھی۔

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے ذہن میں اس کے لئے ایک پروگرام تھا۔ لیکن ابھی اسے زبان پر لانا حماقت تھی۔ جبکہ میری حیثیت یہ تھی۔ ہاں طالوت تک کے پہنچ تک آ سکے۔ وہ اسے ختم ہونے والا ہیں کا مسئلہ حل ہو جائے تب دیکھا جائے گا۔ ابھی سے اس کے بارے میں دیوتی سے کچھ کہنا سب سے بڑی حماقت ہے۔

بہرحال۔ میں نے پیار سے اس کا شانہ تھپتھپایا اور پھر اسے تسلی دے کر باہر نکل آیا۔ دیوتی کے کمرے سے نکلتے ہوئے میں نے تھوڑی سی احتیاط کی تھی۔ پھر تو ایک ستون کی آڑ لی اور وہیں سے بلند ذات شاہ وات کا وہ شانہ اپنے سر پر ڈال لیا۔ اس کے بعد میں اطمینان سے آگے بڑھ گیا۔ [illegible] مختلف حصوں سے ہوتا ہوا آخر میں باہر نکل آیا اور پھر بغیر کسی مقصد ایک طرف چل پڑا۔ لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ۔ لیکن اب میرے ذہن میں طالوت شدت سے ابھر آیا تھا۔ طالوت کہاں ہے؟

محبت وصل کی منزل کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ [illegible] [illegible] کی غیر حاضری بہت سے [illegible] کی نشاندہی کرتی تھی۔ اس سے قبل کے واقعات [illegible] پہلے بھی غائب ہوا تھا اور میری شامت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

تو لڑکے تھے اس کی کوئی حد نہیں تھی۔ اور پھر تنکا کے پیچھے طالوت گیا تھا۔

وہ ایک نڈر نوجوان تھا۔ بلاشبہ اس کے پاس بے شمار پر اسرار قوتیں تھیں۔ لیکن پھر بھی نوجوانی کی عمر تھی اور پھر تنکا بھی چونکہ انسان ہی تھا۔ ابھی تک نہ جانے کیوں وہ واپس نہیں آیا تھا۔

بہرصورت یہاں بھی صورتحال پرسکون نہیں تھی۔

گو برجوان لال بظاہر ہمارے دوستوں میں شامل ہو گیا تھا لیکن۔ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ میں اس انداز میں تنہا رہ گیا ہوں اور تنکا ہمارے قابو میں نہیں آیا تو وہ کچھ نہ کچھ کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔ ظاہر ہے وہ صرف ہماری وجہ سے مصیبت میں پھنسا تھا۔ ورنہ اس کا کام تو کسی نہ کسی طرح چل ہی رہا تھا۔ پوران لال اور وہ مل کر جانے کیا سازش کر رہے تھے اور نہ جانے کس حد تک اپنی سازش میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ان کے حلق کی ہڈی تو ہم لوگ بنے تھے۔ اور ہماری وجہ سے ان کے سارے پروگرام چوپٹ ہو گئے تھے۔ تب مجبوراً برجوان لال نے ہمارا ساتھ دیا تھا اور بہرحال تنکا کی مصیبت میں وہ بھی گرفتار ہو گیا تھا۔

لیکن اب ...؟ راستہ چلتے ہوئے میں نے حالات پر غور کیا۔ طالوت کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا حماقت تھی۔ اپنے آپ کو متحرک رکھنا چاہئے۔ طالوت کی اتنی دیر کی غیر حاضری بتاتی ہے کہ وہ کسی لمبے چکر میں پڑ گیا ہے۔ ممکن ہے طویل عرصے تک وہ واپس نہ آ سکے۔ لیکن میں سوال یہ ہے؟ کیا دیومتی کے مسئلے پر کوشش کو تلاش کروں؟ راج محل کے حلقے میں میں کیا کر سکتا ہوں؟ اور اچانک ہی دیومتی کے کچھ الفاظ یاد آ گئے۔

مادھوپورا۔ مسلمان آباد۔ مسلمانوں کی بستی۔ کیوں نہ مادھوپورا تلاش کروں۔ وہاں مسلمان موجود ہیں۔ دیکھوں تو سہی وہ کیسی زندگی گزارتے ہیں۔ لیکن مادھوپورا تلاش کیسے کیا جائے؟ کوئی مسلمان صورت نظر آئے۔

میں درگاپور کے بازاروں کی طرف چل پڑا۔ اب میں نے ان نگاہوں سے یہاں کی معیشت اور رہن سہن کو دیکھا۔ چاروں طرف ہندو دھرم کے نشان نظر آ رہے تھے۔ ایک جگہ ایسی نظر نہیں آئی جہاں کسی دوسرے مذہب کا نشان ہو۔

چنانچہ ایک سنسان سی جگہ پہنچ کر میں نے [illegible] اتار لیا اور ظاہر ہو گیا۔ لباس اور انداز [illegible] تھا۔ اس لئے کسی نے توجہ نہ دی۔ [illegible] نظر آئے۔ [illegible]

چھوٹی سی [illegible] کے نزدیک میں رکا۔ سامنے ہی پانی پلانے کی [illegible] لگی ہوئی تھی جسے پیاؤ کہتے ہیں۔ اندر بیٹھا پنڈت [illegible] سے پانی پلا رہا تھا۔ میں اس کے پاس پہنچ گیا اور پنڈت سے [illegible] سامنے رہا۔

"کہو کیسے آنا ہوا مہاراج؟" پنڈت نے پوچھا۔

"بچھو کو کسی سیوا کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں پیاس ضرور لگ رہی ہے مگر تیرے جل کنڈ کو کسی نیچ کے ہاتھ لگے ہوئے ہیں اس لئے ہم اس سے جل نہیں پئیں گے۔"

"نیچ کے ہاتھ؟" پانی پلانے والا بولا۔

"ہاں ہاں۔ نیچ کے ہاتھ۔"

"مگر مہاراج یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ہو چکا ہے مورکھ۔ تو خود سوچ یہ کیسے ہوا؟"

"مہاراج۔ میرے خیال میں کوئی نیچ ادھر نہیں آیا۔"

"کیوں نہیں آیا۔ تجھے کیسے معلوم۔"

"وہ یہاں آتے ہوئے ڈرتے ہیں۔"

"درگاپور میں نیچ ہیں ہی نہیں۔"

"ہیں۔ مگر صرف مادھوپورا میں۔ وہ ہمارے شہر میں نہیں آتے۔"

"مادھوپورا کہاں ہے؟"

"کافی دور ہے مہاراج۔ آپ کا خیال غلط ہے۔ ایک بھی نیچ ادھر نہیں آیا۔"

"ہم تجھے بتائیں گے کہ کسی نیچ نے تیرے جل کنڈ کو ہاتھ ضرور لگایا ہے۔ تو ہمیں بتا۔ مادھوپورا یہاں سے کس اور ہے؟"

"مادھوپورا۔ اس سڑک سے آگے بڑھ کر ایک سڑک کے بائیں ہاتھ گھوم جاتی ہے۔ جب وہ بھی سڑک ختم ہوتی ہے تو کچا راستہ آتا ہے اور جب کچا راستہ ختم ہوتا ہے تب مادھوپورا آتا ہے۔"

"بہت جلد ہم تجھے بتائیں گے کہ ہماری بات جھوٹ نہیں تھی۔" میں نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ پانی پلانے والا سر کھجاتے ہوئے میری طرف دیکھتا رہ گیا تھا۔

بہرحال مجھے صرف راستہ معلوم کرنا تھا۔ اب میرا رخ مادھوپورا کی طرف تھا۔ بس یونہی وقت گزاری والی بات تھی ورنہ مادھوپورا جا کر ہی میں کیا کر لیتا۔ طالوت کا انتظار تھا جس سے میں خود کو لاپروا ظاہر کر کے خود ہی کو دھوکہ دینے میں مصروف تھا۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ دل بس اسی میں اٹکا ہوا تھا۔ اس لئے نہیں کہ وہ کوئی میری مدد



کرنے۔ میرے لئے مہمانداری اور آسائشیں فراہم کرنے۔ چنانچہ [illegible] کہ اب مجھے اس سے محبت بھی تھی۔ آخر وہ میرا دوست تھا اور ہم دونوں [illegible] تھے۔

مادھوپورا جانے والی میلوں لمبی سڑک کی لمبائی کا اندازہ [illegible] ہوا۔ الٹے ہاتھ کی طرف گھوم کر میں کچے راستے کی طرف مڑ گیا۔

یہاں ترکاریوں کے کھیت جگہ جگہ موجود تھے۔ جن میں عمدہ ترکاریاں موجود تھیں۔ میں کھیتوں کے درمیان کی پگڈنڈیوں سے گزرتا رہا۔ اور پھر مادھوپورا آ گیا۔

کچے پکے مکانوں پر مشتمل ایک الگ تھلگ بستی جو پورے درگاپور سے [illegible] پس ماندہ بستی تھی۔ کسی صفائی کا انتظام نہیں تھا۔ کوئی سرکاری آسائش یہاں موجود نہیں تھی۔ دور ہی سے مسلمانوں کی [illegible] کا پتہ چل جاتا تھا۔ نہ جانے کیوں میری [illegible] میرے دل میں ایک [illegible] اور میں تیزی سے قدم آگے بڑھا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں مادھوپورا میں داخل ہو گیا۔ میرا حلیہ اس وقت بھی سادھوؤں کا سا تھا۔ [illegible] سب سے پہلے [illegible] سامنے مجھے ایک بزرگ صورت [illegible] مسلمان نظر آئے۔ اس [illegible] مجھے دیکھا اور میں نے ان کی نگاہوں میں [illegible] نفرت [illegible]

"[illegible]" میں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر [illegible] اور بزرگ صورت نے گردن ہلائی "سادھو جی مہاراج [illegible] آپ [illegible] مہمان ہوں۔ [illegible] بستی میں [illegible] ہوں۔"

"[illegible]" بزرگ نے پوچھا۔

"[illegible]"

"[illegible] نہیں ہوتے؟"

"[illegible]"

"[illegible] مسلمان [illegible] ہوگی۔"

"[illegible]"

"[illegible]"

"[illegible]"

[illegible] جائے۔"

"پھر کیا سمجھا جاتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جانور۔ جانوروں سے بھی بدتر نسل۔" بزرگ نے جواب دیا۔

"کیسی باتیں۔ کوئی مذہب انسانوں کو جانور سمجھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ درگاپور کے لوگ کیسے ہیں؟ [illegible] میں چند روز تمہارے در پہ مہمان رہنا چاہتا ہوں۔"

"تم درگاپور میں آ گئے ہو سادھو۔ ہم تمہیں مادھوپورہ سے نکالنے کی ہمت نہیں رکھتے لیکن [illegible] حیثیت سے تم جو چاہو کرو۔ جیسا کہ درگاپور کے لوگوں کی ریت ہے۔ جہاں سے جو چاہے لوٹو۔ جہاں سے جو دل چاہے چھینو۔ کون ہے جو تمہیں روکے گا کیونکہ روکنے والوں کا حشر بہت برا ہوتا ہے۔ ہاں اگر مہمان بننے کی خواہش ہے تو [illegible] بغیر تمہیں مہمان نہیں بنا سکتا۔"

"مگر یہ تو مہمانوں کے اصول کے خلاف ہے۔ وہ تو مہمانوں کی عزت کرتے ہیں۔"

"[illegible] سادھو جی۔ اگر تم ایک [illegible] ہو تو [illegible] بات [illegible] کوئی [illegible] اور اگر مہمان بنے تو تمہیں [illegible] حیثیت دو گے۔ معاف کرنا سادھو جی [illegible] درگاپور [illegible] تمہارا [illegible] بھی ہوتا تو ان باتوں [illegible] نہ ہوتی۔"

[illegible] کی باتوں میں بڑی عجیب سی کیفیت تھی۔ میں اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ [illegible] سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ [illegible] چاہ رہا تھا کہ اپنی اصلیت ظاہر [illegible] یہ بھی مشکل تھا۔ اس کے بعد میری [illegible] لیکن میں نے ابھی اپنے بارے میں [illegible] اور [illegible] ہوئے بولا۔

"[illegible] جانتے تھے [illegible] چند روز [illegible] تم جس سے [illegible] اعتراض نہیں ہے۔"

[illegible]

[illegible]

اس بزرگ نے کہا۔
"میں آپ کے نام ہی سے سمجھ گیا تھا۔ یہ بستی کسی ہندو کی ہوتی تو بھی میں سب سے پہلے آپ سے ملنے چلا آتا۔"

"کیا یہاں مسلمانوں کی دوکانیں بھی نہیں ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"مسلمانوں ہی کی تو ہے۔"

"غنیمت ہے ورنہ درگاپور کے بارے میں میرا خیال ہے سارے علاقوں کے ہندو اپنے ہی تک محدود ہوتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھوئی ہوئی کوئی چیز نہیں لیتے۔ لیکن میرے لئے گھر میں جو کچھ ہو منگوا دیں۔ مجھے پہلے انسانوں سے پیار ہے پھر دھرم سے اور دھرم بھی یہی سبق دیتا ہے۔" میں نے کہا۔

بزرگ حیرت سے مجھے دیکھنے لگے۔

"آپ نے اپنا شبھ نام نہیں بتایا شریمان جی؟"

"ٹھیک ہے چاچا اللہ بخش۔ آپ لوگوں سے میری درخواست ہے مجھے اجازت دے دیں۔ میں آپ لوگوں کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور بزرگ حیرت سے مجھے گھورنے لگے۔

"مہاراج آپ کے ہوتے۔ کاش درگاپور کے ہندو بھی تمہاری طرح زبان کے میٹھے اور دل کے نرم ہوتے۔" چاچا اللہ بخش نے کہا اور پھر وہ باہر نکل گئے۔

اس کا مطلب ہے کہ مادھوپور کے رہنے والے درگاپور کے ہندوؤں سے عاجز ہیں۔ بزرگ نے بتایا تھا کہ ان کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ خود رانی دیوتی نے بھی کچھ تفصیلات بتائی تھیں۔ اس نے کہا تھا مادھوپورہ کو پہلے تو سلطان آباد کہا جاتا تھا۔ بعد میں اسے مادھوپورہ کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ خود اس تنگ و تاریک بستی کی زبوں حالی سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہاں کے باشندے خاصی تکلیف دہ زندگی گزار رہے ہیں۔ میرا دل تو بہت کڑھا۔ لیکن میں کسی اسلامی مملکت کا شہنشاہ تو نہیں تھا کہ مسلمانوں کی حالت زار پر درگاپور پر چڑھائی کر دیتا۔ اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا۔

تھوڑی دیر کے بعد مکان کے اندر سے ایک چھوٹی سی بچی ہاتھ میں تھالی لئے سر پر دوپٹہ اوڑھے اندر آ گئی۔ تھالی میں مکئی کی دو روٹیاں جن پر گھی لگا ہوا تھا اور لسی کا ایک گلاس رکھا ہوا تھا جسے لڑکی نے میرے سامنے رکھ دیا تھا "سواگت سادھو جی۔" اس نے کہا۔ میں نے اس کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس وقت یہی تھا سادھو جی۔" بچی نے کہا۔

"بہت کچھ ہے بیٹے۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

"صغراں۔"

"پیارا نام ہے۔ اللہ بخش چاچا کی بیٹی ہو؟"

"وہ میرے دادا ہیں۔"

"خوب۔ تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟"

"مولا بخش۔" بچی نے جواب دیا اور مجھے ہنسی آ گئی۔ معاملہ خفیف تھا۔ باپ بیٹیوں میں قربت تھی۔ بچی نے تھالی میرے سامنے رکھ دی اور میں نے ضرورت نہ محسوس کرتے ہوئے بھی ایک روٹی کے ٹکڑے چھاچھ کے ساتھ کھا لئے۔ بچی پاس آ گئی تھی۔ ویسے وہ بڑی حیرت سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس کی حیرت محسوس کر لی اور اس کی وجہ بھی پوچھ ڈالی۔

"کیا بات ہے صغراں، تم اتنی حیران کیوں ہو؟"

"کچھ نہیں۔ کوئی بات نہیں سادھو جی۔ کوئی بات نہیں۔" صغراں نروس ہو کر بولی۔

"پھر بھی۔" میں نے محبت سے اصرار کیا۔

"آپ کیسے سادھو جی ہیں۔" وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"کیوں؟"

"دوسرے تو ایسے نہیں ہوتے۔"

"کیسے ہوتے ہیں دوسرے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بس۔ وہ روٹی بھی لیتے ہیں تو دور سے ہاتھ کر کے کہ ہاتھ نہ چھو جائے۔ وہ اس طرح مسکراتے بھی نہیں۔ وہ اتنے اچھے بھی نہیں ہوتے جتنے آپ ہیں۔"

"اوہ۔" میں ہنسنے لگا۔

"آپ ناراض تو نہیں ہوئے سادھو جی؟"

"نہیں بیٹے۔ تم ہماری بچی نہیں ہو؟"

"خدا کا شکر ہے۔" صغراں نے ٹھنڈی سانس بھری اور مجھے ہنسی آ گئی۔ پھر ڈیوڑھی کے دروازے پر آوازیں سنائی دیں اور اللہ بخش چاچا اندر آ گئے۔

"ہم آ گئے سادھو مہاراج۔"

"آئیے آئیے چاچا اللہ بخش۔ آئیے۔" میں نے کہا۔ چاچا اللہ بخش کے ساتھ سات آٹھ آدمی اور تھے۔ سب کے سب قوی ہیکل جوان۔ پیشانی پر سجدوں کے نشان جو نمازی ہونے کے تھے۔ یہ حقیقت ہے ایمان جب غربت میں گھر جاتا ہے تو اور پروان چڑھتا ہے۔



ان سب کی نگاہوں میں عقیدت تھی۔ میں نے انہیں پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا۔

اور پھر اللہ بخش چاچا نے سب سے میرا تعارف کرایا۔

"میرا نام عبدالکریم ہے سادھو جی۔" ایک درمیانی عمر کے تندرست انسان نے کہا۔

"مجھے معلوم ہو گیا ہے۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ کہاں کیسے آئے ہیں؟" عبدالکریم نے اللہ بخش سے پوچھا۔

"صغراں بٹیا نے مجھے چھاچھ سے مکئی کی روٹی کھلائی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ کیسے سادھو ہیں مہاراج۔ کیا آپ کا دھرم بھرشٹ نہیں ہوا مسلمانوں کے ہاتھ کا کھانا کھا کر؟" عبدالکریم نے کہا۔

"ارے پاگل۔ انسان تو آسمان والے نے ہی پیدا کیا ہے۔ کیا ہم لوگ بھی اسی کے بنائے ہوئے نہیں ہیں۔ دھرم خود بھی تو سب سے پہلے انسانی محبت کا سبق دیتا ہے۔"

"یہ بات دوسرے سادھو کیوں نہیں سوچتے؟" عبدالکریم نے کہا۔

"بھگوان جانے۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔

"آپ ہمارے مہمان بننا کیوں چاہتے ہیں؟" عبدالکریم نے کہا۔

"دنیا تو دیکھتا نہیں چاہتا بھائیو۔ بس دل چاہا تھا کہ تھوڑا وقت اس بستی میں گزار کر یہاں کے لوگوں کو بھی دیکھوں۔ نہیں برداشت کر سکتے تو چلا جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

اور میرے سامنے والے تڑپ گئے۔ سب کے چہرے شرمندگی کی تصویر نظر آنے لگے۔

"نہیں۔ نہیں سادھو مہاراج۔ گو ہم بہت دکھے ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم مسلمان ہیں۔ ہمارے مذہب میں مہمان کی دل شکنی نہیں کی جاتی۔ آپ کوئی بھی ہوں۔ بعد میں ہمیں کتنا ہی نقصان کیوں نہ پہنچائیں بہرحال اس وقت آپ ہمارے مہمان ہیں۔ اور ہم اپنے مہمان کو کوئی شکایت نہ ہونے دیں گے۔" عبدالکریم نے جلدی سے کہا۔

میں خاموش رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے کہا "میں ایک آوارہ گرد سادھو ہوں۔ میں تمہارے دکھ جاننے کی کوشش نہیں کروں گا جو اندرونی ہیں۔ لیکن مجھے بتاؤ درگاپور میں تمہارے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔"

"آپ درگاپور کب سے ہیں سادھو جی؟"

"ابھی۔ ایک ہفتہ ہوا ہے۔"

"تب آپ یہاں کے بارے میں نہیں جانتے۔ درگاپور پر گووندا کپور کی حکومت ہے۔ ایک متعصب راجہ جو مسلمانوں کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتا۔ اس سے قبل اس کا باپ کرشن داس کپور حکمران تھا۔ اس وقت ہمیں پوری پوری آزادی تھی۔ ہم بھی انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ ہمارا ان سے لین دین تھا۔ ہم اپنے طور پر زندگی گزارتے تھے اور ہندو اپنے طور پر۔ معمولی معمولی جھگڑے بھی ہوتے تھے لیکن وہ فساد کبھی نہ بنتے۔ کیونکہ کرشن داس کپور نہیں چاہتے تھے۔ پھر ان کا انتقال ہوا تو موجودہ راجہ گووندا کپور گدی پر آیا۔ اس سے قبل ہم اس کے بارے میں بڑی اچھی رائے رکھتے تھے۔ ہم نے اس کی مہربانی کی داستانیں سنی تھیں اور اسے دعائیں دیتے تھے۔ بہرحال وہ ہمارا راجہ تھا۔

لیکن راج گدی سنبھالتے ہی اس نے ہمارے اوپر زندگی تنگ کر دی۔ وہ اور اس کا وکیل سلطنت برجموہن لال بڑے ہی بدفطرت انسان ہیں۔ اس نے برجموہن لال کو وزیر بنایا ہے۔ ملک کا سارا نظام برجموہن لال سنبھالے ہوئے ہے۔ سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ اس نے مسلمانوں پر وہ مظالم توڑے ہیں کہ بس کیا کیا بتائیں۔

ابتدا فسادات سے ہوئی۔ ہندو اور مسلمان ہمیشہ بھائیوں کی طرح ساتھ رہے لیکن ہندوؤں کے دلوں میں نفرت کا بیج بو دیا گیا۔ طرح طرح سے مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کو بھڑکایا گیا۔ خود کسی ہندو دوشیزہ کو اغوا کر کے گووندا کپور کی خواب گاہ میں پہنچا دیا گیا اور نام مسلمانوں کا لگا دیا گیا۔ چنانچہ بڑے سنگین خون ہوئے۔ ہماری تعداد یہاں بہت مختصر ہے لیکن ہم بے گناہ تھے اس لئے بہادر تھے۔ ہم نے پہلے ان لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن جب وہ نہ مانے تو پھر ہم نے بھی دوسری زبان استعمال کی۔ بڑی مار دھاڑ ہوئی۔ لیکن ہندوؤں کو حکومت کی حمایت حاصل تھی اور ہم مٹھی بھر مسلمان سب کا کیا بگاڑ لیتے۔ ہمیں شہر سے نکال دیا۔ شہر میں ہماری عمارات بند کر دی گئیں۔ ہم سے تجارت کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔ اور ہمیں بے سروسامانی کی حالت میں سلطان آباد میں دھکیل دیا گیا۔ ایک بھی مسلمان اب شہر میں نہیں ملے گا۔ سب یہیں آباد ہیں اور سلطان آباد کو بھی مادھوپور کر دیا گیا ہے۔ لیکن ہمارے پاس اس کے علاوہ چارہ بھی کیا ہے۔ کیا کر سکتے ہیں ہم ان کا۔" عبدالکریم کی آواز

گرا گئی۔

اور میرے دل میں ایک عجیب سی، گھٹن پیدا ہو گئی۔ [illegible] آدمی نہیں ہوں۔ پوری زندگی ہندوؤں میں بسر کی ہے۔ لیکن انسانیت کی تڑپ بھی تو مذہب سے منسلک ہے۔ [illegible] مذہبی درد ہی کیوں نہ کہا جائے۔ میرے دل میں [illegible] اس کے طرف سے سخت نفرت پیدا ہو گئی۔ [illegible] کو تم ویسے ہی پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن اس کے اس [illegible] روپ کے بارے میں سن کر اس کی شکل سے گھن آنے [illegible]

کئی منٹ خاموشی رہی۔ پھر عبدالکریم نے ہی زبان [illegible]

"ہمارا مذہب ہم سے چھینا جا رہا ہے۔ اس بستی میں [illegible] کھولنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک مرتبہ اسکول کھولا [illegible] تو [illegible] ان کے سپاہی آ گئے۔ استاد کو ہلاک کر دیا گیا۔ [illegible] اسکول کی پکی عمارت ڈھا دی گئی۔ بال [illegible] بچوں کو [illegible] کے اسکولوں میں ہندی تعلیم دی جاتی ہے۔ [illegible] کرنے کے معقول انتظامات ہیں۔"

"تمہاری کوئی عبادت گاہ بھی نہیں ہے؟"

"مسجد اور مدرسہ بنانا منع ہے۔ ہم چھپ کر [illegible] سے [illegible] کسی گھر میں نماز پڑھ لیتے ہیں۔" عبدالکریم [illegible] اور میرا سر جھک گیا۔

[illegible] فضول معاملات میں الجھے رہے۔ طالوت [illegible] کے چکر میں پڑ گئے۔ کاش اس سے قبل ہم اس بستی میں [illegible] ہماری زندگی کا مشن ہی دوسرا ہوتا۔ [illegible] [illegible] یہ تو معاملہ ہی عجیب نکلا اور اب تو طالوت کی [illegible] بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ کاش وہ [illegible] تو ہم ان مظلوم انسانوں کے بارے میں سوچتے۔ [illegible]

"تو [illegible] ساد ھوجی۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے؟"

[illegible]

آنے [illegible]

"یہ صرف ایک خواب ہے سادھو جی۔"

"نہیں بچو۔ یہ خواب نہیں ہے۔ [illegible] [illegible] کاٹ رہے ہیں۔ ایک کو ہلاک کرتے رہے تو [illegible] اور [illegible] اہل ہوشیار ہو جائیں گے اور پھر تم ان کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔"

"خدا آپ کی زبان مبارک کرے سادھو جی۔ مگر آپ آپ ان کے خلاف کیوں ہو گئے ہیں۔"

"میں صرف ظلم کے خلاف ہوں میرے بچو۔ میں صرف ظلم کے خلاف ہوں میرے دوستو۔ ظالم کوئی بھی ہو۔ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اسے برداشت کیا جا سکتا ہے۔"

"ان لوگوں کے مظالم کی تو کوئی انتہا نہیں ہے سادھو جی۔ یہ ہماری لڑکیاں اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ نہ جانے کتنی مسلمان لڑکیاں ان کے قبضے میں ہیں۔"

"اوہ۔ ان کا کوئی پتہ نہیں چل سکا؟"

"آج تک نہیں۔ کون پتہ چلائے گا؟ کہاں سے پتہ چلے گا۔" عبدالکریم نے روتی ہوئی آواز میں کہا۔

"مجھے یہ حالات سن کر سخت افسوس ہوا ہے۔" میں نے [illegible] ہوتے ہوئے کہا۔

"صرف کیا وجہ تھی سادھو جی۔ جو آپ نے مسلمانوں [illegible] مسلمانوں کے لئے گرمجوشی نہیں دکھائی۔ ورنہ تمہیں اپنے مذہب کی روایت یاد ہیں۔" عبدالکریم نے کہا۔

"مجھے [illegible] [illegible] لیکن میں نے جو بات کی ہے وہ بھی ٹھیک ہے۔ اسے کر دکھاؤں گا۔ ان لوگوں کی موت قریب ہے اور اس کے بعد [illegible] ایک نئی زندگی سے [illegible] [illegible] [illegible]"

"خدا [illegible] [illegible] سادھو جی۔"

"بس۔ خدا [illegible] [illegible]" میں نے کہا اور پھر میں سوچنے لگا کہ اب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ضرورت [illegible]

[illegible]



اللہ بخش اور دوسرے لوگ اب بھی میرے گرد جمع تھے۔ میں نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔ "سمجھے بھائیو۔ خدا کی ذات پر بھروسہ رکھو تمہاری مشکلات کا دور ختم ہونے والا ہے۔ میں تمہارے درمیان میں اسی مختصر وقت کے لئے آیا تھا۔ اب اجازت چاہتا ہوں۔"

"ارے نہیں سادھو جی۔ آپ یہاں آرام کریں۔ ہم آپ کی خدمت کریں گے۔ آپ عام ہندوؤں سے مختلف ہیں۔"

"ہاں میں عام ہندوؤں سے مختلف ہوں۔ کیونکہ۔ کیونکہ میں مسلمان ہوں۔ لیکن تم لوگ میری بات یاد رکھنا۔ اس بات کا چرچا نہ کرنا ورنہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔"

"مسلمان ہو؟"

"الحمد للہ۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"مگر تمہارا حلیہ؟" وہ سب حیرانی سے بولے۔

"بس یہ ضرورت کے تحت تھا۔" اور سب میری شکل دیکھتے رہ گئے۔ ان سادہ دل لوگوں کی آنکھوں میں شدید حیرت کے نقوش تھے۔

"خدا حافظ بھائیو۔ آخری بار کہہ رہا ہوں۔ میری بات یاد رکھنا۔" میں نے کہا اور شاہ دانہ کا دوشالہ سر پر ڈال لیا۔ دوسرے لمحے ظاہر ہے میں ان کی نگاہوں سے غائب تھا۔

ان سب کے منہ سے حیرت کی آوازیں نکل گئی تھیں۔ "ارے۔ کہاں گئے۔ کہاں۔ کہاں گیا؟ ارے کہاں گیا؟" سب چیخ پڑے۔ اور پھر ان کے سوچنے کا انداز بدل گیا۔ وہ سب مجھے کوئی فرشتہ، کوئی ولی، کوئی پہنچا ہوا بزرگ سمجھنے لگے، جو انہیں بشارت یا خوشخبری دینے آیا تھا۔

اور ان کے سینے عقیدت سے پھولے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھوں میں چمک جاگ اٹھی تھی۔ میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ خدا میری مدد کرے۔ میں نے دل میں سوچا۔ میں نے انہیں خوشخبری تو دی ہے لیکن خدا توفیق دے کہ میں نے جو کچھ کہا ہے اسے پورا کرنے میں ان کی مدد کر سکوں۔ بہر حال ان سب کی حیرت کی انتہا نہیں تھی۔ اور جب وہ سب باہر نکلے تو میں بھی خاموشی سے ان کے پیچھے نکل آیا۔

اب میں واپس جا رہا تھا۔ لیکن کیفیت وہی تھی۔ کھویا کھویا سا۔ پریشان۔ کیا کروں۔ میں تو جیسے مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔ کوئی بات ہی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ کروں تو کیا کروں۔ محل جاؤں۔ لیکن وہاں جا کر کیا کروں؟ صرف دیومتی کی دلجوئی۔ لیکن یہ کوئی کام تو نہیں۔ بیکار وقت ضائع کرنا۔ بالکل فضول۔

طبیعت پر سخت جھنجھلاہٹ سوار تھی۔ کہاں مر گیا آخر یہ شخص۔ اس کے ساتھ نباہ کیسے ممکن ہے۔ اس نے تو مجھے کھلونا بنا رکھا ہے۔ صرف صاحب بنا رکھا ہے اپنا۔ ساتھ ساتھ لئے پھرتا ہے۔ اور جب جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کیا ساری زندگی اسی طرح جینا ہے۔ لعنت ہے ایسی زندگی پر جو دوسروں کے رحم و کرم پر ہو۔ موت ایک دفعہ ہی آتی ہے کھانا ہے کیا دوسرے کے ٹکڑے سے آزاد ہو کر جیا جائے رہا دوسرے مسائل کا معاملہ تو اگر کبھی گرفتار ہو جاؤں تو ٹھیک ہے ہر چیز کی بہر حال انتہا ہوتی ہے۔

ذہنی انتشار کے عالم میں عجیب اوٹ پٹانگ باتیں سوچتا رہا۔ اور پھر جب حواس بجا ہوئے تو محل کے سامنے تھا۔ نہ جانے قدم اس طرف کیوں اٹھ گئے تھے۔ بہر حال اب یہاں آ ہی گیا تھا تو پھر اندر داخل ہونے میں کیا حرج ہے۔

شاہ دانہ کا دوشالہ کاندھوں پر ہی تھا۔ اندر داخل ہونے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ اور میں محل کے مختلف حصوں سے ہوتا ہوا دیومتی کے محل میں داخل ہو گیا۔

دیومتی اپنے کمرے میں موجود نہیں تھی۔ کہیں چلی گئی تھی۔ میں نے سوچا اور بے تکلفی سے اس کے بستر پر لیٹ گیا۔ حالانکہ کوئی طویل سفر نہیں کیا تھا لیکن عجیب سی تھکن ذہن پر سوار تھی۔ مسلمانوں کی بدحالی سے بھی دل کٹ رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ ان کے لئے کچھ کروں لیکن اپنا بے بسی کا بھی احساس تھا۔ [illegible] ہو تو۔۔۔

ایک بار پھر جھلاہٹ کی لہر ذہن کی طرف دوڑی۔ لیکن میں نے اسے کنٹرول کیا۔ خود پر قابو پایا اور سوچنے لگا۔ طالوت جب بھی غائب ہوا ہے کسی الجھن میں پھنسا ہے اور اس بار۔ اس بار تو اس کے لئے دعا ہی کرنا ضروری ہے کیونکہ وہ ایک خبیث روح کے تعاقب میں گیا تھا۔

بہر حال اس کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا بھی مناسب نہیں ہے۔ طالوت کے پاس پُراسرار قوتیں ہیں۔ لیکن بہر حال انسان تو میں بھی ہوں اور میرے پاس بھی ایک قوت موجود ہے اور وہ ہے حسن کی قوت۔ میں نے اس قوت کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ مجھے اس سے کام لینا چاہئے۔ طالوت جب بھی آئے اس کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا فضول ہے۔ کچھ کیا جائے۔

اور درحقیقت اس بار میرا عزم بہت مضبوط تھا۔ میں اپنی صلاحیتوں کو آزمانا چاہتا تھا۔ اور میں دیومتی کے بستر پر لیٹا لیٹا گہرے خیالات میں گم ہو گیا۔

خوبصورت بت لرز رہا تھا۔ اس کے دوسری طرف ایک ہال تھا جس میں ایک بڑا دروازہ تھا۔ اور دروازے کے دوسری طرف مہاراج تھے۔

دھڑکتے دل سے میں نے دروازہ کھولا اور میری آنکھیں جھپک گئیں۔ بہت بڑا ہال تھا۔ چاروں طرف رنگین فانوس لگے ہوئے تھے جن میں رنگین شمعیں روشن تھیں۔ بڑا حسین ماحول تھا اور اس ماحول میں ان نازنینوں کے سیمیں جسموں نے شفق گھول دی تھی۔ وہ شہد کی مکھیوں کی مانند چھتے سے چمٹی ہوئی تھیں۔

ان کے منہ سے عجیب عجیب آوازیں نکل رہی تھیں۔ کبھی کبھی کسی کی ترنگی ہنسی گونج اٹھتی۔ میری کنپٹیاں چٹخنے لگیں۔ ایسے ایسے حسین اجسام اور ایسے انداز تھے۔ بہرحال میں بھی انسان تھا۔ یہ بجلی کی سی چم پوشی مری نیت سے بھی زیادہ خوفناک تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور ذہن کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

قہقہے بلند ہو رہے تھے۔ لیکن مہاراج گووند اس کپور کہاں تھے؟ میں گووند اس کپور کے بارے میں مشہور داستانوں پر غور کرنے لگا۔ شیروں کا شکاری' بہادروں کا بہادر۔ گووند اس کپور گوشہ نشینی اختیار کر کے ان عورتوں کے درمیان زندگی کیسے گزار رہا ہے؟ مگر وہ ہے کہاں؟ میں نے آنکھیں کھول دیں۔

اسی وقت میرے کانوں میں ایک کڑکدار' رعب دار آواز گونجی۔

"بس' ہٹ جاؤ۔ کافی ہے۔" اور میں چونک پڑا۔ یہ آواز گووند اس کپور کی ہی ہو سکتی ہے۔ اور یقیناً وہ ان عورتوں کے جھرمٹ میں ہی ہے۔

عورتیں ایک طرف ہٹیں اور پھر کافی دور ہٹ گئیں۔ ایک خوبصورت منقش مسند تھا اور اس پر ایک درمیانے قد کی فربہ اندام عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے پورے بدن پر قیمتی زیورات سجے ہوئے تھے۔ وہ بنی ٹھنی ہوئی تھی پوری۔ اس کے ہونٹوں پر شرمیلی مسکراہٹ تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں مجھے کچھ عجیب سا لگا۔

وہ عورت۔ وہ عورت۔ خالص عورت تو نہیں معلوم ہوتی۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ اور سوچوں' اچانک عورت اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ اس نے رقص کا لباس پہنا ہوا تھا۔ کئی بار اس نے گھوم کر اپنے آپ کو دیکھا۔ پھر شرماتے ہوئے انداز میں بولی۔

"۔۔۔لگ رہا ہوں اس لباس میں؟" اور میرا منہ تعجب سے کھل گیا۔ مردانی آواز تھی۔ گویا میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔

"لگ رہی ہوں کہئے مہاراج۔ ورنہ سارا مزا جاتا رہے گا۔" ایک خوبصورت لڑکی بولی۔

"ہائے رام۔ کیسی لگ رہی ہوں۔" عورت نما مرد' یا مرد نما عورت چہک کر بولی۔

"بڑی سندر۔ بھگوان کی سوگند بڑی سندر۔" ساری لڑکیوں نے بیک آواز کہا۔ اور ہیجڑا دانتوں میں انگلی دبا کر مسکرانے لگا۔

میری آنکھیں حیرت سے ابلی پڑ رہی تھیں۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر ایک خیال آ رہا تھا۔ کیا یہی شخص مہاراج گووند اس کپور ہے؟ کیا یہی؟ ورنہ پھر اس کا یہاں کیا کام۔ اور لڑکیاں اس قدر چوچلے کیوں کر رہی ہیں؟

لیکن گووند اس کپور' شیروں کا شیر' زمین سے شیروں کا شکار کرنے والا۔ کیا یہی ہے؟ اگر یہ شوق ہے تو عجیب ہے' اور پھر یہ انداز۔ تب ہیجڑا کھڑا ہو گیا۔ اس نے لڑکیوں سے رقص کے انداز میں آنے کے لئے کہا اور پھر ہال کے کونوں سے سازوں کی آواز پھوٹ پڑی۔ میں نے چونک کر انہیں دیکھا جو ساز بجا رہی تھیں۔ اب تک میری نگاہ ان پر نہیں پڑی تھی۔ ان کے ہونٹ دبے ہوئے تھے جیسے انہوں نے بمشکل اپنی مسکراہٹ دبائی ہو۔

تب وہ رقص کے پوز میں آیا۔ لڑکیاں تتلیوں کی طرح اس کے چاروں طرف بکھر گئیں اور ہیجڑا رقص کرنے لگا۔ حالانکہ اس ماحول نے مجھے حیرت سے گنگ کر دیا تھا۔ لیکن ہیجڑے کی بے تکی اچھل کود کو دیکھ کر میری ہنسی نہ رک سکی۔

اس کے ساتھ رقص کرنے والی لڑکیوں کی بری حالت تھی۔ رقص بھی کر رہی تھیں۔ ہنسی بھی دبا رہی تھیں۔ ہنسی روکنے کی کوشش میں ان کے چہرے سرخ ہو رہے تھے۔

ہیجڑے کا رقص جاری رہا۔ وہ [illegible] رہا تھا۔ چہک رہا تھا۔ تنک رہا تھا اور پھر وہ تھک گیا اور لڑکیوں کی جان میں جان آئی۔ وہ نوخیز رقاصاؤں کے انداز میں فرش پر بیٹھ گیا تھا۔

لڑکیاں پھر اس پر پل پڑیں۔ واہ واہ چاروں طرف سے بول رہی تھیں۔ "کیا رہا؟" ہیجڑے نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"بھگوان کی سوگند مہاراج۔ مہاراج آپ نے تو کمال کر دیا۔ ہم سب کے کان کاٹ لئے۔" مہاراج شرمائے

ہونے انداز میں ہنس پڑے۔

میں اب بھی پریشان تھا۔ یہ ماجرا کیا ہے؟ اگر یہ راجہ گوونداس کپور ہے تو اس کے بارے میں مشہور داستانیں کیا تھیں۔ اور اگر وہ نہیں ہے تو پھر اس کے محل میں اس ہیجڑے کا کیا کام۔

"اب کیا خیال ہے مہاراج؟" ایک خوبصورت سی لڑکی نے پوچھا۔

"ارے بس۔ اب کیا ہے۔ چلو۔ اندر چلو۔" ہیجڑا چپ کر ہوا اور پھر وہ لڑکیوں کے سہارے اٹھ کھڑا ہوا۔ لڑکیوں نے پھرائے بھرمٹ میں لے لیا اور آگے بڑھ گئیں۔ میں بھی ان کے ساتھ ہی چل پڑا تھا۔ اس بار وہ اسے لئے ہوئے ایک اور کمرے میں پہنچیں جو دوسرے کمروں کی طرح طویل و عریض تھا۔ لیکن وہ خواب گاہ کی شکل رکھتا تھا۔

لیکن یہ انوکھی خواب گاہ جس میں نے ایسا حیرت انگیز کمرہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پورے کمرے میں انتہائی شرمناک ناظر بکھرے پڑے تھے۔ دیواروں پر آویزاں تصاویر چاروں طرف رکھے ہوئے جوڑوں کے مجسمے۔ عجیب منظر پیش کرتے تھے۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ یہ گوونداس کپور ہی ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ سب آخر کیا تھا۔ کیا درگاپور کا راجہ ہیجڑا ہے۔ یہ کیا چکر چل تھا۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں اب اس وسنتی کو۔ دیکھے ہمارا ناچ۔ کہتی تھی ہم ناچ ہی نہیں سکتے۔ کیسا ناچ تھا؟"

"بہت ہی سندر۔ بہت ہی سندر مہاراج۔ اور یہ وسنتی۔ اس کی تو گوندی ہونی چاہئے۔ اپنے آپ کو بہت بڑی ناچنے والی سمجھتی ہے۔"

"گوندی۔ ہاں ضرور ہوگی۔ ارے ہاں وسنتی کی گوندی تو ضرور ہوگی۔"

"ہاؤ کس سے مہاراج؟" ایک شریر سی لڑکی نے پوچھا۔

"ضرور ہے تو۔ اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے؟" مہاراج نے کہا اور لڑکی باہر نکل گئی۔ دوسری لڑکیاں اب بھی ہنسی مذاق کر رہی تھیں میں ایک جگہ تھکا تھکا سا بیٹھ گیا۔ اب تو حیران ہونے کی ہمت بھی نہیں رہ گئی تھی۔ دنیا بھر کی حیرت انگیز باتیں میرے حصے میں ہی آ گئی تھیں۔ تماشے اس راجہ کو کیسے برداشت کرتی تھی جس کی بہادری کے گیت گائے جاتے تھے اور وہی راجہ جسے سنگھار کئے عورتوں کے لباس میں میرے سامنے بیٹھا تھا اور لڑکیوں کے مذاق پر شرما شرما کر دوہرا ہو رہا تھا۔

[illegible] تو میری نگاہیں تصویروں کے درمیان ایک تصویر پر پڑیں۔ لمبی مونچھوں والا ایک شاندار جوان تھا۔ جس کے چہرے سے درحقیقت رعب ٹپکتا تھا۔ لیکن۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے اس کے نقوش اس ہیجڑے سے ملتے ہوئے دیکھے۔

گوونداس کپور کے باپ دادا میں سے کوئی ہوگا۔ میں نے سوچا اور خاموشی سے ان سب کو دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ لڑکی واپس آگئی۔ اس کے عقب میں ایک دراز بدن اور حسین چہرے والی اٹھارہ انیس سال کی دوشیزہ کی عورت تھی۔ اندر آ کر اس نے دونوں ہاتھ جوڑے اور جھک کر پرنام کیا۔

"آؤ۔ آؤ۔ اندر بیٹھو کی ایسرا۔ اب آؤ۔" ہیجڑے نے کہا۔

"اندر بیٹھو۔ مہاراج گوونداس کپور کی سبھا سے اچھی کیا ہوگی میں تو وہ اس سبھا کی اپسرا ہوں۔" آنے والی نے دلنشیں لہجے میں کہا۔

"اوہو۔ اوہو۔ کیا یہ ٹھیک کہتی ہے سندریو!" مہاراج نے دوسری لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہاں یہی ہے مہاراج۔ وسنتی کا نام تو مشہور ہے۔ سمجھ گئی ہے کہ اب گوندی ہونے والی ہے۔" شریر لڑکیوں نے ہنستے ہوئے کہا اور آنے والی خونخوار نگاہوں سے انہیں گھورا۔

"ایں ہاں۔ گوندی تو ہوگی۔ ضرور ہوگی۔" مہاراج جلدی سے بولے۔

"مگر میرا دوش مہاراج۔" وسنتی نے پوچھا۔

"ارے تو نے کہا تھا کہ کتھا کلی ہمارے بس کا روگ ہی نہیں۔ اب دیکھ لے۔ ہم نے کتھا کلی سیکھ لیا ہے۔"

"سچ مہاراج؟" وسنتی خوشی سے بولی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ جان بچانے کے لئے بکواس کر رہی ہے۔

"تو جھوٹ بول رہے ہیں؟" ہیجڑے مہاراج بولے۔

"ارے نہیں۔ نہیں۔ مجھے تو بہت خوشی ہوئی۔" وسنتی نے کہا۔

"کچھ بھی ہو۔ گوندی ضرور ہوگی۔"

"مہاراج کو ادھیکار ہے۔ مگر ایک بات ضرور کہوں گی۔"

"کیسے؟ کہو کہو۔" مہاراج جلدی سے بولے۔

"مہاراج گنی داتا ہیں۔ لیکن بات فن کی ہے۔ اگر مہاراج نے ناچ کر دیکھا ہے تو ایک بات ہے۔ ورنہ اگر کتھا کلی اندھیوں نے اپنے ہی آپ سے کہہ دیا ہے تو دوسری بات ہے۔" وسنتی نے کہا۔

"سمجھ گئے ہم۔ سمجھ گئے۔ بولو۔ کیا چاہتی ہو؟"

"ہو جائے ایک مقابلہ مہاراج۔"

"وہ۔ منظور۔ مگر اس کے بعد گوندی۔ کیا سمجھیں؟"

"ہار گئی تو مہاراج۔" وسنتی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بڑا مان ہے تجھے۔ جا۔ اسی وقت۔ اسی سمے۔"

"نہیں مہاراج۔ رات ڈھل جانے دو۔ دو سمے اچھا ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ہیجڑوں کے شکاری فرمائے اور وسنتی مسکرانے لگی۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ حیرت کا دور ختم ہو گیا تھا اب دلچسپی شروع ہو گئی تھی۔ مجھے افسوس ہونے لگا۔ طاوت کی موجودگی میں اہم ادھر کیوں نہیں آ گئے بڑی تفریح رہتی ان مہاراج کے ساتھ تو۔ واقعی یہ تو بڑی دلچسپ چیز تھے۔ بہرحال طویل وقت میں نے وہیں گزارا۔ اور مجھے اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ یہی مہاراج گوونداس کپور ہیں۔ لیکن جو کچھ نظر آ رہے ہیں اس کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں معلوم ہو سکا تھا۔

دوسرا مسئلہ گوندی کا تھا۔ نہ جانے یہ گوندی کیا بلا ہے۔ شاید کسی قسم کی سزا ہو۔ بہرحال وسنتی نے یہ سزا قبول کر لی تھی۔ کیوں نہ وسنتی سے دوستی کی جائے۔ کچھ خود سر لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ شاید کام آ جائے۔ اس سے مہاراج گوونداس کپور کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو سکتی تھیں۔

چنانچہ میں اس لڑکی کی تلاش میں نکل پڑا۔ یوں بھی محل کے اس حصے کی سیر مقصود تھی اس لئے ایک ایک کمرے میں جھانکتا ہوا آخر وسنتی کے کمرے میں پہنچ گیا۔

وسنتی بال بال موتی پرو رہی تھی۔ ہندو لڑکیاں یوں بھی کافی خوبصورت ہوتی ہیں۔ وسنتی سنگھار کے بعد بہت حسین نظر آنے لگی تھی۔ میں ابھی کوئی فیصلہ بھی نہیں کر پایا تھا کہ عقب ایک اور لڑکی نظر آئی۔ وہ دروازے سے اندر داخل ہو کر رک گئی تھی۔

"ارے۔ ارے۔ آؤ جسو۔ رک کیوں گئیں؟" وسنتی نے کنگھی میں پہچان لیا۔ میں نے اس لڑکی کو بھی گوونداس کپور کے پاس دیکھا تھا۔ جسو خاموش کھڑی تھی۔

"کیا بات ہے رکی۔ چپ کیوں ہے؟" وسنتی نے سنگھار کرنا بند کرتے ہوئے کہا۔

"پاگل ہو گئی ہے وسنتی؟" جسو نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"خوشی کی تو بات ہے؟" وسنتی مسکراتے ہوئے بولی۔

"تیرا ابھی دماغ خراب ہو گیا ہے؟"

"کیوں؟" وسنتی نے تعجب سے بڑی بڑی آنکھیں پھاڑ دیں۔

"وسنتی۔ تجھے میں اتنا بے وقوف نہیں سمجھتی تھی۔"

"ارے مگر ہوا کیا۔ کچھ بتا تو سہی۔"

"تو مرنا چاہتی ہے؟"

"نہ نہیں۔ نہیں تو۔" وسنتی کے چہرے پر خوف کے سائے لہرانے لگے۔

"تم اس پاگل راجہ سے مقابلہ کرنے کیوں جا رہی ہے؟"

"ارے مگر۔ اس سے ناچا کب جائے گا۔"

"میں پوچھتی ہوں۔"

"تو پھر؟" وسنتی حیرت سے بولی۔

"بڑی بھولی۔ بڑی ہی بے وقوف ہے تو۔ اگر وہ ہار گیا تو کیا تجھے زندہ چھوڑ دے گا۔ کیا وہ نہ کہے گا کہ تو نے اس کا اپمان کیا ہے۔ کیا تیرا دماغ ٹھیک ہے جو تو اس کی باتوں میں آ گئی؟"

"ارے تو اب۔ اب کیا کروں؟" وسنتی نے سخت پریشان لہجے میں کہا۔

"ہونی ہے نری۔ اب کیا کرے گی پگلی۔ بس سنگھار کر۔ مہاراج کے ساتھ ناچ اور ہار جا۔ اس کی بڑائی مان لے۔" جسو نے کہا۔

"اور پھر گوندی؟"

"مر تو نہیں جائے گی۔ جیون جانے سے تو ٹھیک ہے۔"

"یہ تو بے عزتی کی بات ہے جسو۔"

"تو پھر مر جا۔ ویسے بھی کس کی عزت ہے۔ کتنی ہیں جن کی گوندی نہیں ہو چکی۔ اور پھر ضروری تو نہیں ہے کہ کسی قصور پر ہی گوندی ہو۔ مہاراج کی مرضی۔"

"ہوں۔" وسنتی نے ایک طویل سانس لی۔ "تو ٹھیک ہی کہتی ہے۔ ہاں۔ تو ٹھیک ہی کہتی ہے۔"

"تیری سکھی ہوں۔ اس لئے کہہ رہی ہوں۔ ورنہ یہاں کس کا جیون سکھی ہے۔ کس کی عزت اور جان بچی ہوئی ہے۔ کیا جانے کب مہاراج کے من میں کیا آ جائے۔"

"ہاں۔" وسنتی بجھ گئی تھی۔

"چل اب۔ اٹھ جا۔"

"کہاں؟"

"بڑا بے مہاراج سے۔"
"ارے۔ کبھی سے؟" وسنتی چونک پڑی۔
"ہاں۔ ان سے صبر نہیں ہو رہا۔"
"ہائے رام۔ میری بھی مصیبت آگئی۔"
"ارکی چنی۔ مر نہیں جائے گی۔ میری نہیں ہو چکی۔"
"اری مر میری تو کمر ٹوٹ جائے گی اور پھر کیسے۔"
"چنی چنی۔ جو ہوتا ہے برداشت کرنا ہی پڑے گا۔" جنو نے کہا اور وسنتی تیار ہو گئی۔ پھر وہ دونوں باہر نکلیں۔ میں بھلا پیچھے رہنے والا کہاں تھا۔ میں بھی ان کے ساتھ ساتھ چلتا رہا تھا۔ راستے بھر وسنتی کو سمجھاتی آئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ مہاراج کے رقص کی خوب تعریف کرے۔ تاکہ ان کا من ڈھل جائے ورنہ نقصان اٹھائے گی۔
"ٹھیک ہے جنو۔ میں ایسا ہی کروں گی۔"
"کرنا پڑے گا وسنتی۔ وہی مثل ہے کہ "اوم کے من اومتی تو بے کام میں رہنا
اور اونٹ بلیا لے گئی سو باجو باجو گئو۔""
"ٹھیک ہے جنو۔" وسنتی آزردگی سے بولی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اس بڑے ہال کے دروازے پر پہنچ گئیں، جہاں میں پہلے بھی شیروں کے شکاری، مہاراج گوونداس پور کی کتھا کلی دیکھ چکا تھا۔
اندر کی فضا کسی عیاش راجہ کے اندرون خانے کی بہترین نمائندگی کر رہی تھی۔ چاروں طرف حسین لڑکیاں نیم برہنہ لباسوں میں بکھری پڑی تھیں۔ سازندے موجود تھے اور گوونداس پور، جو شاید عورتوں کے لباس میں رہنے کے شوقین تھے، ایک حسین لباس میں ملبوس سنگھاسن پر بیٹھے تھے۔ ان کے چہرے پر بڑی بھری ہوئی تھی، آنکھوں میں گہرا سرمہ لگا ہوا تھا۔ ہونٹوں پر پان کی دھڑی جمی ہوئی تھی، دانتوں میں مسی لگی ہوئی تھی۔ عجیب پھٹکار بھری شکل نظر آ رہی تھی۔
وسنتی کی شکل دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"آؤ۔ آؤ۔ مدن کتھا کلی۔ بھگوان نے دھرتی پر ایک ہی ناچنے والی اتاری ہے اور وہ تم ہو۔ مگر آج تمہارا مان ٹوٹ جائے گا۔" اس نے چہکتے ہوئے کہا۔
وسنتی بھی مسکرانے لگی۔ حالانکہ اس کے دل میں خوف تھا، لیکن جان بچانے کے لئے کسی بھی طریقے سے کام لینا تھا۔ مہاراج گوونداس پور نے اپنی ساری مہاوتوں کی طرف دیکھا اور پھر بولے "کیا خیال ہے۔ شروع کیا جائے؟"



"ہاں مہاراج۔ نصف ہوئی جائے۔" لڑکیاں بولیں۔
"تیار ہو وسنتی۔" مہاراج نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے وسنتی کو دیکھا اور وسنتی نے گردن جھکا دی۔ تب مہاراج نے پیروں میں گھنگھرو باندھے۔ اور سنگھاسن سے کھڑے ہو گئے۔
سازندوں نے ساز سنبھال لئے۔ وسنتی بھی کمر کس کر سامنے آگئی اور پھر کتھا کلی بول شروع ہو گئے۔ اور اس کے ساتھ ہی دونوں کا رقص۔ سب کچھ مہاراج گردن مٹکا رہے تھے۔ ان کی آنکھیں بھی مٹک رہی تھیں۔ نہ جانے کیا کر رہے تھے وہ۔ میری کیا، کسی کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو گا۔ دوسری طرف وسنتی بھی ناچ رہی تھی۔
بلاشبہ وہ فنکارہ تھی۔ لیکن بہت جلد جان کا خوف اس کے ذہن پر طاری ہو گیا۔ اور وہ فن بھول گئی۔ جب کہ مہاراج اب تانگ توڑ بکرے کی طرح بری طرح اچھل رہے تھے۔ سازوں کی دھنیں تیز ہو گئی تھیں۔ وسنتی کی شاید ٹانگوں میں جان ہی نہیں رہ گئی تھی۔ وہ زمین پر ڈھیر ہو گئی۔ مہاراج اب بھی ہاتھ پاؤں پھینک رہے تھے اور جب لڑکیوں نے خوشی کے نعرے لگائے تب انہیں پتہ چلا کہ انہوں نے معرکہ سر کر لیا ہے۔ بالآخر وہ رک گئے۔ ان کے چہرے سے مسرت پھوٹ رہی تھی۔ گوونداس اچھل کود سے بری طرح ہانپ گئے تھے۔ لیکن دانت نکلے پڑ رہے تھے۔
"ہرے ہرے کیا ہوا مدن کتھا کلی؟" انہوں نے طنز کیا۔
"مجھے۔ مجھے نہیں معلوم تھا مہاراج۔ آپ۔ آپ اتنے بڑے کلاکار بن چکے ہیں۔" غریب وسنتی نے نہ جانے کس دل سے کہا، اور مہاراج ہنس پڑے۔
"تو معلوم کر لیا ہو گا۔ اب گونڈی کس کی ہو گئی؟" مہاراج ہنستے ہوئے بولے۔ دوسری لڑکیاں بھی قہقہے لگانے لگی تھیں "بس۔ وسنتی۔ تم ہار گئیں۔" مہاراج پھر بولے
"ہاں مہاراج۔ میں ہار گئی۔"
"گونڈی۔" مہاراج دہاڑے۔ اور وسنتی کے ہونٹوں کی مصنوعی مسکراہٹ بھی سکڑ گئی۔ ان کی آنکھوں میں وحشت ابھر آئی۔ لیکن پھر وہ پرسکون ہو گئی۔
مہاراج دوبارہ سنگھاسن پر جا بیٹھے تھے اور داسیاں ان کے پیروں کے گھنگھرو کھولنے لگیں۔ مہاراج کی آنکھوں میں مسرت نظر آ رہی تھی۔ دوسری طرف وسنتی پتھر کے بت کی مانند ساکت کھڑی تھی۔
"ارے گونڈی۔" مہاراج ران پر ہاتھ مار کر بیٹھے



وسنتی اس شرمناک رسم سے واقف تھی۔ خود اس کے سامنے کئی لڑکیاں بے عزت ہو چکی تھیں۔ آہستہ آہستہ وہ جھکی اور ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل کھڑی ہو گئی۔
مہاراج قہقہے لگا رہے تھے۔ ان کے پیروں کے گھنگھرو کھل چکے تھے۔ پھر وہ سنگھاسن سے اترے اور وسنتی کی پشت پر جا بیٹھے۔ نازک بدن تھی۔ لیکن انہوں نے ہاتھ پیچھے کر کے وسنتی پر زور سے ہاتھ مارا اور گھوڑے کو ہانکنے والے انداز میں زبان سے ٹخ ٹخ کرنے لگے۔ وسنتی کو چکر سا آ گیا تھا۔ لیکن بہرحال وہ بمشکل تمام مہاراج کے بوجھ کو لے کر گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل آگے بڑھنے لگی۔
لڑکیاں قہقہے لگا رہی تھیں۔
وسنتی آگے بڑھ رہی تھی۔ اس نے پورے ہال کے دو چکر لگائے۔ مہاراج بے حد خوش تھے۔ دوسری لڑکیاں بھی قہقہے لگا رہی تھیں اور اس عجیب و غریب کھیل کو میں دیکھ رہا تھا۔ اس میں سوائے جنس کے کچھ نہ تھا لیکن ظاہر ہے لڑکیاں خوشی سے اس گرمٹے کے بوجھ کو اٹھانا تو پسند نہ کرتی ہوں گی اور پھر بہرحال کوئی بھی اس طرح پسند نہ کرے گی۔
لیکن اس سے میرے ذہن میں کچھ اور خیالات بھی آنے لگے۔ راجہ کی فطرت کسی حد تک میری سمجھ میں آ رہی تھی۔
تیسرے چکر میں وسنتی تھک کر گر پڑی اور بے ہوش ہو گئی۔ راجہ گوونداس پور اس پر سے اتر آئے تھے اور پھر وہ نخوت بھرے انداز میں بولے "ہونہہ۔ ہمارے مقابلے پر ناچے گی۔ زندگی نہیں لی۔"
چند لڑکیاں وسنتی کو اٹھا کر لے گئیں۔ مہاراج نے اس کی پروا بھی نہیں کی تھی۔ اس کے بعد پھر وہی خوفناک بدتمیزی ابھر آئی۔ لیکن اس تمام عرصے میں میں نے ایک خاص بات شدت سے محسوس کی۔ مہاراج کو ان عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ ان کے درمیان صرف خود کو نمایاں کرنے کی کوشش میں مصروف رہتے تھے۔
رات گزرتی رہی۔ وہاں کے منظر کو عجیب خیز ضرور تھے لیکن دلچسپ بھی تھے۔ چنانچہ اکتاہٹ نہ طاری ہوئی۔ اور پھر شاید مہاراج تھک گئے "بس بند کرو۔ اب ہم ہو گئے۔ ہم سوئیں گے۔" انہوں نے کہا اور لڑکیاں ایک ایک کر کے باہر نکل گئیں۔ مہاراج نے لباس بدلا اور پھر وہ سونے کے لئے ایک خوبصورت مسہری کی طرف بڑھ گئے۔
اس دوران میں اپنے ذہن میں کچھ فیصلے کر چکا تھا۔ جب مہاراج مسہری پر لیٹ گئے تو میں خاموشی سے خواب گاہ کے دروازے کی طرف بڑھا اور میں نے دروازہ بند کر دیا۔ مہاراج کو آہٹ نہیں سنائی دی تھی۔ بہرحال میں ان کے بستر کے نزدیک پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔
اور پھر میں نے بڑی ڈراؤنی آواز بنا کر اسے پکارا "گوونداس" اور مہاراج کی حالت میری توقع کے مطابق ہی ہوئی۔ وہ بری طرح بستر سے اچھل پڑے تھے۔
"کک۔ کون ہے۔ کون ہے۔" وہ گھگھیائی ہوئی آواز میں بولے۔ ان کی گردن چاروں طرف گھوم رہی تھی۔
"تو مجھے نہیں دیکھ سکے گا گوونداس۔ مگر میرے ہاتھ آسانی سے تیری گردن داب سکتے ہیں۔" میں نے بدستور خوفناک آواز میں کہا۔
"ارے۔ ارے مر گیو۔ ہائے دیا۔ دھنی۔ دھنی رام۔" مہاراج بھنچی بھنچی آواز میں چیخے۔
"اس کے کوئی تیری مدد کو نہیں آئے گا گوونداس۔ ہم نے سب کے کان بند کر دیئے ہیں اور سن اگر تو نے چیخنے کی کوشش کی تو ہم تیری گردن دبا دیں گے۔" میں نے ہاتھ آگے بڑھائے اور گوونداس پور کی گردن پکڑ لی۔
گوونداس پور کا منہ بند ہو گیا۔ اس کی آنکھیں دہشت زدہ انداز میں پھٹی پڑ رہی تھیں۔
"پریت۔ ہم تجھے نقصان پہنچانے نہیں آئے ہیں۔ ہم تو تیری مدد کرنا چاہتے ہیں۔"
"کک۔ کون ہو مہاراج۔ بھگوان کے لئے۔ بھگوان کے لئے میری گردن چھوڑ دو۔ ہائے میں مر جاؤں گی۔ ہائے میں مر جاؤں گا۔"
اور میں نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ گوونداس پور جلدی سے بستر پر بیٹھ گیا۔ اس کی روح قبض ہوئی جا رہی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے خلا میں گھور رہا تھا۔
"تو نے سن لیا گوونداس۔ ہم تیری سہائتا کرنے آئے ہیں۔" میں نے نرم آواز میں کہا۔
"مگر۔ تم۔ تم کون ہو مہاراج؟"
"پاتال کے اندھیروں سے آئے ہیں۔ کوئی آنکھ ہمیں دیکھ نہیں سکتی۔"
"تب بھگوان۔ تب بھگوان۔ میرے پاس کیوں آئے ہو؟"
"کہہ چکے ہیں کہ تیری سہائتا کرنے۔"
"مم۔ مگر۔ مم۔ میں ٹھیک ہوں۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔"
"بڑا بھولا ہے پٹھے۔ بڑی سیدھا سادہ ہے۔ تو کہتا ہے کہ تو

ٹھیک ہے۔ حالانکہ تو چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا ہے۔ تیرے دشمن تیری جان کے لاگو ہو رہے ہیں۔" میں نے کہا۔

"اوئی۔ میں مر جاؤں۔ میرے جی کی۔" مہاراج چونک کر بولے۔

"ہاں تیری جان۔ جنھوں نے تیرا یہ حال کیا ہے اور ابھی نہ جانے کیا کرنا چاہتے ہیں۔"

"مم۔ مہاراج۔ مہاراج۔ بھگوان کے لئے مجھے بچاؤ۔ مجھے بچاؤ مہاراج۔ میں مرنا نہیں چاہتی۔ مم۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔" گوونداس کپور جلدی سے بولا۔ اس کا سینہ خوف سے پھول پچک رہا تھا۔

"ہم اسی لئے آئے ہیں گوونداس۔ کیا تو ہمارے اوپر وشواس کرے گا؟"

"ضرور کروں گا مہاراج۔ ضرور کروں گا۔"

"وچن دے۔ جو کچھ ہم تجھ سے پوچھیں گے سچ سچ بتائے گا۔"

"سچ بتاؤں گی مہاراج۔"

"ہوں۔ تو گھبرا نہ کر۔ آرام سے بیٹھ جا۔ تجھے نیند تو نہیں آ رہی؟"

"جی۔ نہیں۔"

"گووندے۔ پہلے ہم تجھے یہ بتا دیں کہ تیرے دشمن کیا چاہتے ہیں۔"

"بتا دیں مہاراج۔ مگر آپ کا شبھ نام کیا ہے؟"

"ہمیں دیا نند عرف پاپا جی کہتے ہیں۔" اور گوونداس کپور ہاتھوں کے سے انداز میں گردن ہلانے لگا۔ چند لمحے خاموشی کے بعد میں نے کہا "تو گووندے۔ تیرے دشمن تجھے جان سے مار کر تیری راج گدی چھیننے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔"

"اوئی۔ میں مر گئی۔" گوونداس کپور اچھل پڑا۔ مجھے اس گدھے کی حرکتوں پر ہنسی آ رہی تھی۔ لیکن بہرحال میں خود کو روکے ہوئے تھا۔

"ہاں گووندے۔ تجھے میری بات پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ تو جانتا ہے تیرے دشمن کون ہیں؟"

"نہیں مہاراج۔ میں کسی کو نہیں جانتی۔" گوونداس کپور نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تجھے یہ بھی بتا دوں گا۔ پہلے تو مجھے کچھ باتیں بتا۔"

"پوچھیں مہاراج۔"

"وہ اب ہے کیا۔ مرد۔۔۔" میں نے سوال کیا۔

"ایں؟" گوونداس کپور اس بات پر حیران رہ گیا۔ اس کے چہرے پر کافی الجھن کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اور پھر میں نے اس کے چہرے پر اداسی دیکھی۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"پہلے مرد ہی تھا مہاراج۔ مگر اب۔۔۔ اب۔۔۔"

"کیوں۔ اب کیا ہوا؟"

"اب میں نہ مرد ہوں نہ عورت۔۔۔" اس نے گمبھیر آواز میں کہا۔

"کیا مطلب ہے؟" میں نے ہمدردی سے پوچھا اور گوونداس کپور کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"ہائے اب تو میں نہ عورت ہوں نہ مرد۔ میرا ستیاناس ہو گیا۔ ہائے۔" وہ بری طرح بین کرنے لگا اور میں گھبرا گیا۔ میں نے جلدی سے اس کا منہ بھینچ لیا۔ باہر بھی آواز جا سکتی تھی۔

میرے نادیدہ ہاتھوں کے لمس سے اس کی آواز رک گئی۔ بہرحال وہ خوفزدہ بھی تھا۔

"رونے دھونے سے کام نہیں چلے گا گوونداس کپور۔ پہلے مجھے ساری باتیں بتاؤ۔"

"کیا بتاؤں مہاراج؟"

"تمہاری یہ حالت کب سے ہوئی؟"

"مجھے یاد نہیں ہے مہاراج۔ بس کافی دن سے۔ میرے من میں خیال اٹھتا ہے کہ میں مرد نہیں ہوں۔ اور۔ اور ساری رانیاں بھی یہی کہتی ہیں۔ میرا من چاہتا ہے کہ میں عورتوں کے کپڑے پہنوں۔ عورتوں کی طرح باتیں کروں۔ عورتوں کی طرح سے رہوں۔ بس مہاراج۔ یہی حالت ہے۔ سارے کام عورتوں کی طرح کرنے کو من چاہتا ہے۔"

"ہوں۔ کیا یہ خود بخود ہو گیا گوونداس؟"

"میں نہیں جانتی۔ جانتا مہاراج۔"

"یہ تمہارے دشمنوں کا کام ہے۔"

"اوئی میں مر گئی۔ ہائے میں مر گیا۔ کیا کہہ رہے ہیں مہاراج؟"

"تم ان کو جانتے ہو؟"

"ہاں مہاراج۔ وہ تو بڑے نیک ہیں۔"

"تمہارا منتری برجن لال بے حد چالاک انسان ہے۔ وہ اور بڑا پجاری پورن لال مل کر تم سے تمہاری راج گدی چھیننا چاہتے تھے۔ پورن لال کو تو میں نے ٹھیک کر دیا ہے۔ مگر ابھی برجن لال باقی ہے۔"



"ہیں۔ اس کمینے کی یہ مجال۔ ارے اس پاپی نے میرا برا چاہا ہے۔" گوونداس کپور پھر رونے کی کوشش کرنے لگا اور میں نے جلدی سے اس کا منہ بھینچ لیا۔

"رونے دھونے کی ضرورت نہیں ہے مہاراج۔ کوئی اپائے کریں۔ یہ لوگ آپ سے راج گدی چھین لیں گے۔"

"اب میں کیا کروں۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔ ہائے رام۔ ہائے رام۔" گوونداس کپور عورتوں ہی کی طرح کراہنے لگا۔

"میں کہہ چکا ہوں چنتا نہ کرو مہاراج۔ سوچ سمجھ کر سارے کام کرتا ہوں۔ بس تم یوں کرو۔ جیسا میں کہوں کرتے جاؤ۔ بولو اس کے لئے تیار ہو؟"

"تیار ہوں۔ بھگوان کی سوگند ہر بات پر تیار ہوں۔"

"ہوں۔" میں نے بھاری آواز میں کہا۔ ویسے میں سوچ رہا تھا کہ یہ دلچسپ مہرہ ہاتھ آیا ہے۔ کھودا پہاڑ نکلا چوہا والی مثال تھی۔ مہاراج بہادر کی بہادری کی جتنی داستانیں سنی تھیں سب کی سب ہوا ہو کر رہ گئی تھیں۔ یہ تو چیز ہی عجیب تھے۔ لیکن آخر قصہ کیا تھا۔ کیا مہاراج بہادر ہمیشہ سے ایسے تھے؟ چنانچہ میں نے اس سلسلے میں سوال کر ڈالا۔

"آپ کی یہ حالت کب سے ہے مہاراج؟"

"مجھے ٹھیک یاد نہیں ہے۔ مگر اس وقت سے میں نے دربار چھوڑ دیا ہے۔"

"ہوں۔ کیا آپ کو برجن لال پر پورا اعتبار ہے؟"

"پہلے تھا۔ اب نہیں ہے۔"

"برجن لال اور پورن لال آپ کے لئے عورتیں لاتے تھے؟" "ہاں۔ خاص طور سے کچھ لڑکیاں۔ بڑی کنواری ہوتی تھیں۔ اب تو بہت عرصے سے کسی کچھ لڑکی کو نہیں دیکھا۔ مگر ان کی زبان بڑی کالی ہوتی ہے۔" مہاراج بدستور لچک لچک کر بولے۔

"کیا مطلب؟"

"پورن لال کمینے نے ایک ملیچھ لڑکی کو پکڑا تھا۔ بڑی چنچل تھی۔ بڑی کوشش کی میں نے۔ مگر ہاتھ نہ رکھنے دیا اس نے۔ آخر میں کھڑکی سے کود کر جان دے دی کمینی نے تو اس قابل ہی نہ رہے کہ کسی لڑکی کو پریشان کرے۔ بس اسی دن سے۔۔۔"

"اوہ۔" میں نے ہونٹ بھینچ لئے۔ یہ تو تیرے ساتھ بہتر ہی ہوا ہے۔ میں نے دل میں سوچا۔ لیکن بہرحال مجھے اس سے کام لینا تھا اور اس وقت ایک عمدہ چیز ہاتھ آ گئی تھی۔ خود کو پرسکون کرنے کے بعد میں نے اس سے کہا "ہاں۔ ویسے تمہاری تو بہت سی داسیاں ہیں؟"

"ہوں گی۔ مجھے اب ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"خواہ وہ دو سروپ کو تتلی بنیں۔"

"نرکھ میں جائیں نرکھنیں۔ مجھے کیا۔" مہاراج انگلیاں چٹکاتے ہوئے بولے۔

"ان لڑکیوں کے ساتھ آپ کیا کرتے ہیں مہاراج۔ جنہیں آپ نے اپنے گرد جمع کر رکھا ہے؟" میں نے پوچھا اور مہاراج سوچ میں ڈوب گئے۔ ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولے۔

"کچھ بھی نہیں۔ بس ان کے ساتھ رہ کر مجھے شانتی ملتی ہے۔ میں سوچتی ہوں۔ ہائے سوچتا ہوں۔ بس نہ جانے کیا سوچتا ہوں۔" مہاراج گوونداس کپور الجھے ہوئے انداز میں بولے۔

میں پرخیال انداز میں اس عجوبے کو دیکھتا رہا۔ بہت سی باتیں ذہن میں آ رہی تھیں۔ لیکن بہت سے سوالات تشنہ تھے۔ تب اچانک وہ بول پڑا "مگر آپ کی کوئی شکل تو ہوگی مہاراج؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔" میں نے بے خیالی میں جواب دیا۔

"بھگوان کے لئے مجھے دکھاؤ۔ پاتال کے اوتار۔ میری سہائتا کرو۔" گوونداس کپور نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ اور میں نے کسی خیال کے تحت پوشیدہ رہنے کا پروگرام بدل دیا۔ چنانچہ میں نے خاموشی سے دوشالہ اتار دیا اور اس پر ظاہر ہو گیا۔

گوونداس کپور نے میری شکل دیکھی اور دیکھتا رہ گیا۔ اس کی آنکھیں جیسے پتھرا گئی تھیں۔ اور پھر اس کی آنکھوں میں نمی ابھر آئی "ہائے۔ یہ کیا ہو گیا۔ مہاراج۔ یہ کیا ہو گیا؟"

"کیا ہوا گووندے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"پریم۔ بھگوان کی سوگند۔ پریم۔ مجھے تم سے پریم ہو گیا ہے مہاراج۔ ہائے میں مر جاؤں۔ کیسے سندر ہو۔ بالکل دیوتاؤں کی طرح۔" گوونداس کپور ایک ادا سے بولا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" میں نے جھلا کر کہا۔ لیکن بہرحال دل ہی دل میں مجھے تحیر ضرور تھا۔ کیا درحقیقت اس کی جنس بدل گئی ہے؟ یا پھر۔ برجن لال اور پورن لال نے مل کر اس کا دماغ خراب کر دیا ہے۔

"اب تو۔ اب تو تمہارے بنا جیون بتانا مشکل ہوگا مہاراج۔" گوونداس کپور اٹھ کر میرے پاس پہنچ گیا۔

"ہوش میں آ گووندے۔ سادھو سنتوں سے مذاق اچھا

[illegible]
بن چکے تھے تو پھر پوچھنے والا کون ہوتا۔
بہرحال رات کو دیر تک میں آسمان کو گھورتے ہوئے آئندہ کا پروگرام بنانے لگا۔ گوونداس کپور ایک لحاظ سے میرے لئے عمدہ چیز تھا۔ اگر میں اس سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکا تو لطف آ جائے گا۔ کافی رات گئے میں سو سکا تھا۔ دوسرے دن اٹھ کر دیومتی کے پاس چل پڑا۔ ناشتے کی ضرورت تو بہرحال تھی۔
دیومتی مجھے دیکھ کر خوش ہو گئی۔ "رات کہاں رہ گئے تھے بھیا جی مہاراج۔" اس نے محبت سے کہا۔
"بس دیومتی یونہی آوارہ گردی کو نکل گیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔
"کہاں۔ کہاں؟"
"شہر میں گھومتا رہا، ادھر ادھر۔"
"وہ مسلمانوں سے ملنے؟"
"ہاں۔ یونہی سمجھ لو۔"
"سنا ہے بڑی خراب حالت ہے سب بے چاروں کی؟" دیومتی نے ہمدردی سے پوچھا۔
"ہاں دیومتی۔ جانوروں کی سی زندگی گزار رہے ہیں۔ تم بتاؤ دیومتی کیا مذہب کا فرق اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ انسانوں کی زندگی کو جہنم بنا دو۔"
"ہرگز نہیں بھیا۔ سارے انسان ایک جیسے ہیں۔ سب بھگوان کو مانتے ہیں۔ صرف بھگوان کی شکلیں مختلف سمجھنے کی وجہ سے اتنی بڑی دشمنی تو اچھی نہیں ہوتی۔" دیومتی نے کہا۔
"ٹھیک کہتی ہو دیومتی۔ وہ بے چارے بہت سخت زندگی گزار رہے ہیں۔"
"ہاں۔ ان کے ساتھ یہ سلوک نہ ہوتا۔ میں تم سے شرمندہ ہوں۔"
"دیومتی۔ اگر مہاراج ٹھیک ہوتے اور تم اس ریاست کی اصلی رانی ہوتیں، بااختیار ہوتیں تو تم ان مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کرتیں؟"
"انہیں برابر کا درجہ دیتی۔ انہیں ان کے مذہب کی پوری پوری آزادی دیتی۔" دیومتی نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔
"لوگوں کے کہنے سننے سے تم تعصب کا شکار نہ ہو جاتیں؟"
"ہرگز نہیں۔"
"اچھا۔ اگر اب ایسا ہو جائے؟"
میں ان کے رنج ہوئے دل ساری ناانصافیوں کی تلافی کر دوں گی۔" رانی نے کہا اور پھر پھیکے انداز میں مسکرائی۔ "مگر اس کا امکان کہاں ہے بھیا۔"
"ایسے ہی کہہ دیا تھا۔ مجھے ان کی حالت دیکھ کر بہت رنج ہوا تھا۔ ویسے دیومتی۔ میں اب یہاں سے جا رہا ہوں۔"
"کہاں بھیا؟"
"جوالا پور۔"
"جوالا پور۔ کیوں؟"
"کچھ کام کرنے ہیں۔"
"کیا بھیا؟"
"یہ ابھی نہ بتا سکوں گا۔"
"کیا کام کرو گے بھیا۔ مجھ بہن کے لئے کچھ نہیں کرو گے؟"
"ابھی میں کسی کے لئے کچھ نہیں کر رہا دیومتی۔" میں نے ٹھنڈی سانس بھری۔
"وہاں۔ میرے پتا سے ملو گے؟" دیومتی نے اشتیاق سے پوچھا۔
"ضرور ملوں گا۔"
"میرے بارے میں کچھ مت بتانا بھیا۔ میری طرف سے کہہ دینا میں بہت خوش ہوں۔ جو ہوا وہ تو ہوا۔ اب انہیں دکھی کرنے سے کیا فائدہ؟"
"تم سب قدر رہو دیومتی؟"
"کب ہو رہے ہو۔" دیومتی کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے۔
"شاید ابھی چلا جاؤں۔"
"ہوں۔" دیومتی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔
"ست پال کو بھی تلاش کروں گا۔" میں نے کہا اور دیومتی کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ اس نے عجیب سی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ اور پھر منہ پھیر کر بولی۔
"اس سے مل کر کیا کرو گے بھیا۔"
"جو کچھ کروں گا وہ میرا کام ہو گا۔ تم بس تماشا دیکھتی رہو۔" میں نے کہا اور دیومتی عجیب سی نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔ پھر چونک کر بولی۔ "تم نے صبح کا بھوجن تو نہیں کیا ہو گا؟"
"بالکل نہیں۔"
"میں منگواتی ہوں۔" وہ اٹھ گئی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں ناشتہ کر رہے تھے۔ رانی اب مجھ سے کافی بے تکلف ہو گئی تھی۔ ہم نے خوب ڈٹ کر ناشتہ کیا۔ اس دوران



نہیں ہوتا۔"
"بھگوان کی سوگند۔ میرے پریم کو مذاق نہ سمجھو۔ میں رو رو کر مر جاؤں گی۔" گوونداس کپور نے کسی بے بال کی ناری کے سے انداز میں کہا۔
"اگر تم خاموش نہ بیٹھے تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔" میں نے جھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔
"ہائے میں تمہیں جانے نہ دوں گی مہاراج۔ مجھے تم سے پریم ہو گیا ہے۔" گوونداس کپور نے لپک کر میرا بازو پکڑ لیا اور پھر وہ میرے بازو سے لپٹ کر بلک بلک کر رونے لگا۔
طبیعت پر جھلاہٹ بھی طاری تھی اور ہنسی بھی آ رہی تھی۔ لعنت ہے اس الو کے پٹھے پر۔ خواہ مخواہ بور کر رہا ہے لیکن بہرحال اس سے نپٹنا ہی تھا۔
میں بس خاموشی سے اس کے خاموش ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ کافی دیر کے بعد اس کی سسکیاں رکیں اور وہ ناک سے شوں شوں کرنے لگا۔ بڑی مضحکہ خیز شکل ہو گئی تھی اس کی۔
"گوونداس کپور۔ میں چاہتا ہوں تم خود کو بدلو۔ اپنے دوستوں اور دشمنوں میں تمیز کرو۔ میں تمہاری مدد کروں گا۔"
"ہائے میں تو اب کچھ نہیں کر سکتی۔" گوونداس کپور نے کہا۔
"تمہیں کرنا ہو گا گوونداس کپور۔ ابھی عوام کو تمہاری اس کیفیت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہے۔ تمہیں ایک آدھ بار منظر عام پر ضرور آنا پڑے گا۔"
"تم کہتے ہو تو آ جاؤں گی۔" گوونداس کپور نے شرماتے ہوئے کہا اور بہرحال میں نے اس کڑوی گولی کو بھی نگلنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ میں نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔
"تم سچ مچ مجھ سے پریم کرتے ہو گوونداس کپور؟"
"ہاں۔ بھگوان کی سوگند۔ میں تو تمہارے پریم میں دیوانی ہو رہی ہوں۔"
"تو پھر۔" میں نے صبر کرتے ہوئے کہا۔ "جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کے خلاف نہ ہو۔ ورنہ میں تم سے ناراض ہو جاؤں گا اور دوبارہ پوچھوں گا بھی نہیں۔"
"ہائے میں مر جاؤں۔ ایسا نہ کرنا ناتھ۔ میں بے موت مر جاؤں گی۔ اب تو تمہارا ایک ایک بول پالن کروں گی۔ ایسا نہ کرنا مہاراج۔" اس نے مجھ سے لپٹنے کی کوشش کی اور میں چالاکی سے پیچھے ہٹ گیا۔
"تم جس طرح سے گزار رہے ہو۔ اسی طرح گزارتے رہو۔ میں تم سے وقتاً فوقتاً ملتا رہوں گا۔ جو کچھ تم سے کہوں وہی کرتے رہنا تاکہ میں تمہارے دشمنوں کا صفایا کر دوں۔"
پوچھا۔ "اس کے بعد کیا؟" گوونداس کپور نے اشتیاق سے
"اس کے بعد میں تم سے پریم کروں گا۔" میں نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا اور گوونداس کپور کی آنکھوں میں خمار اتر آیا۔
میں نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے دھکیل دیا اور پھر جلدی سے دوشالہ اوڑھ لیا اور اس کی نظروں سے غائب ہو گیا۔
گوونداس کپور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ "چلے گئے۔ ہائے چلے گئے۔ موہے چھوڑ گئے سانوریا۔" وہ دردبھرے لہجے میں بولا اور میرا دل چاہا کہ جوتا اتار کر اس کے سر پر اتنے ماروں کہ شکل بدل جائے سانوریا کی۔ چھا۔ لاحول ولا قوۃ۔
میں باہر نکل آیا۔ بے تحاشا ہنسی بھی آ رہی تھی اور حیران بھی تھا یہ ہے درگا پور کا مہاراج۔ یہ بے شیروں کا شیر گوونداس کپور۔ ممکن کسی زمانے میں کچھ ہو۔ سازشیوں نے چکر میں پھنس کر یہ۔ لیکن خود گوونداس کپور نے بھی تو ایک مسلمان لڑکی کی بے وفائی کے بارے میں بتایا تھا۔
بہرحال۔ کچھ بھی ہو۔ مجھے بہت سے کام کرنے تھے۔ طالوت کے بارے میں اب میرا دل سخت ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے تیسری بار یہ حرکت کی تھی۔ حالانکہ اسے علم تھا کہ اس کے بغیر میں مصیبت میں پھنس جاتا ہوں۔ لیکن بہرحال۔ اس بار میں جھکنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس کی فکر چھوڑ کر دیکھوں گا کیا کر سکتا ہوں۔
ہاں دل میں ہوک اٹھتی تھی تو صرف اتنی سی کہ وہ تنہا کے پیچھے گیا تھا۔ اور تنہا بہرحال ایک خبیث روح ہے۔ کہیں طالوت اس بوڑھے سانپ سے دھوکا نہ کھا جائے۔ گو اس کے امکانات کم ہی تھے۔ نہیں ہوتے تو میں کیا کر سکتا تھا۔ دفعتاً میرے ذہن میں راسم کا خیال آیا اور میں چونک پڑا۔ کیوں نہ راسم سے ملاقات کی جائے۔ اگر وہ مل جائے تو طالوت کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے ایک جگہ رک کر اسے آواز دی "راسم۔" لیکن پھر خود ہی شرمندہ ہونا پڑا۔ اب راسم میرا غلام تو تھا نہیں جو میری آواز پر بھی حاضر ہو جاتا۔ میں مایوس ہو گیا۔
رات میں نے یونہی ایک معمولی سی جگہ گزاری۔ دیومتی کے کمرے میں جانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ کیا فائدہ۔ اس کے سر پر مسلط ہونے سے۔ ویسے کوئی خاص بات نہیں تھی۔ اگر مجھے دیومتی کے کمرے میں دیکھ بھی لیا جاتا تو

دونوں خاموش رہتے تھے۔ پھر ناشتہ ختم ہو گیا۔

تھوڑی دیر تک میں دیومتی کے پاس رہا۔ اور پھر میں نے اس سے اجازت مانگی۔ "اب میں چلتا ہوں دیومتی۔ ممکن ہے کوئی دنوں تک تم سے ملاقات نہ ہو سکے۔ بہرحال میرا انتظار کرنا۔ میں آؤں گا ضرور۔"

"بھگوان تمہیں سکھی رکھے۔ بھگوان تمہیں ہر بلا سے بچائے۔" دیومتی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میں نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔ اور پھر اس کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ اب میرے ذہن میں نئی گرہیں کھل رہی تھیں۔ کارکردگی کا یہ جذبہ بھی ایک قسم کی جھنجلاہٹ کا نتیجہ تھا۔ بہرحال یہاں میری شخصیت بہت مضبوط تھی۔ اس سے قبل تو میں ایک مفرور مجرم تھا اور پولیس سے چھپا چھپا پھر رہا تھا۔ وہاں بھی میں نے زندگی بچانے کے لئے سخت جدوجہد کی تھی، وہ تو طالوت کے ساتھ رہ کر عادات بگڑ گئی تھیں۔ ورنہ عارف بذات خود بھی تو کچھ تھا۔

سو اب مجھے پھر اسی عارف کو آواز دینا تھی۔

محل سے باہر دوشالہ اوڑھ کر ہی نکلا۔ طالوت کی یہ سوغات میرے لئے بے حد قیمتی تھی۔ اس دوشالے کے سہارے تو بھی میں بہت بڑے اقدامات کر سکتا تھا۔

بہرحال میں چلتا رہا۔ جوالا پور جانے کے لئے سواری کے بارے میں معلومات کرنا تھیں۔ اس کے علاوہ مجھے نقدی سکوں کی بھی ضرورت تھی۔ اب طالوت تو تھا نہیں کہ ہر کام خود بخود ہوتا رہتا۔ خود ہی سب کچھ کرنا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے کرنسی کی ضرورت پوری کرنے کے بارے میں سوچا۔ اور اس کے لئے کسی مقامی شخص ہی کو تلاش کرتا تھا۔

بازار سے گزرتے ہوئے میں نے ایک جوہری کی دوکان دیکھی۔ موٹی توند والے لالہ جی گدی پر بیٹھے ہوئے نوٹ گن رہے تھے۔ ان کا نچلا ہونٹ لٹکا ہوا تھا۔ بہرحال یہ پیشکش میرے لئے ہی تھی۔ میں ان کی طرف بڑھ گیا۔ لالہ جی مجھے کیا دیکھ سکتے تھے۔ چنانچہ میں نے اطمینان سے ان کے سامنے رکھی ہوئی نوٹوں کی دو گڈیاں اٹھا لیں۔ اور لالہ جی اچھل پڑے۔

"ہے۔ ہے۔ ہے۔ ارے۔ بھیتو۔ ہے۔ ہے۔" وہ گڈیوں کی طرف لپکے۔ بہرحال انہیں گڈیاں تو نظر آ رہی تھیں۔ میں جلدی سے پیچھے ہٹ گیا اور لالہ جی سامنے رکھے ہوئے ڈیسک پر ڈھیر ہو گئے۔

"مر گئے۔ مر گئے۔ پکڑو۔ پکڑو۔" وہ اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے چلائے۔ لیکن دھوتی پاؤں میں الجھ گئی اور وہ پھر ڈھیر ہو گئے۔

"ہے لالہ جی۔" ایک ادھیڑ عمر ملازم نے قریب آ کر کہا۔

"ارے پکڑ۔ جلدی پکڑ۔ اڑ گئیں۔ ہے رام۔ اڑ گئیں۔ ارے پکڑ۔" لالہ جی پھر چلائے اور ملازم نے جلدی سے لالہ جی کو پکڑ لیا۔ "ارے مجھے نہیں۔ گڈیوں کو پکڑ۔ ہائے ہائے مر گیو۔"

ملازم حیران و پریشان لالہ جی کو پکڑنے کی کوشش کرتا رہا۔ گڈیوں کی طرف اس کی نگاہ بھی نہیں گئی تھی۔ بہرحال رش جمع ہونے سے پہلے میں دوکان سے باہر نکل آیا۔ گڈیاں میں نے اپنے لباس میں پوشیدہ کر لی تھیں۔

پھر میں دوکان سے دور ہو گیا۔ لالہ جی کے واویلا کی آوازیں دور تک آ رہی تھیں۔ اور میری توقع کے مطابق وہاں مجمع لگ رہا تھا۔ مجھے اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ کافی دور جا کر میں نے سر سے دوشالہ اتار دیا۔ حلیہ بدستور سادھوؤں کا تھا۔ اس لئے پرواہ کی کوئی بات ہی نہیں تھی۔ میں اطمینان سے آگے بڑھتا رہا۔ ایک سنسان سی جگہ جا کر میں نے نوٹوں کی ایک گڈی کھولی اور کچھ نوٹ نکال کر پھر گڈیاں چھپا لیں۔ اس کے بعد میں نے بازار سے ایک کمبل، ایک کمنڈل اور ایک موٹا بید خریدا۔ اور میں اپنے کام سے فارغ تھا۔ میں نے ایک نوجوان ہندو کو روک کر پوچھا۔

"جوالا پور کے لئے کیا سواری ملتی ہے بچے۔"

"لاری مہاراج۔"

"کہاں سے ملتی ہے؟"

"یکے میں بیٹھ کر اڈے پر چلے جایئے۔ وہاں مل جائے گی۔" نوجوان نے جواب دیا۔ غرض میں جوالا پور جانے والی لاری میں بیٹھ گیا اور لاری چل پڑی۔

بہت سے دوسرے مسافر بھی تھے ان میں سے کسی کے مسلمان ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ یہاں کے ہندوؤں نے مسلمانوں کو انسانی حقوق دینے سے ہی انکار کر دیا تھا۔ میری بہت عزت کی جا رہی تھی لیکن میں خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ رہ رہ کر ذہن میں طالوت کا خیال آ جاتا تھا۔

اس کے بارے میں بس ایک ہی تشویش تھی۔ نہ جانے تنکا کے ساتھ اس کی جنگ کا کیا نتیجہ نکلا۔ باقی رہا اس کا میرے پاس آنے کا سوال تو یہ تو اس کی مرضی تھی۔ میں جانتا تھا اسے مجھے تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی ہوگی، میں کہیں بھی ہوں گا وہ مجھے ڈھونڈ لے گا۔

بہرحال۔ اب تو اس کے بارے میں کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ میں جوالا پور کے پروگرام کے بارے



میں سوچنے لگا۔ میں آئندہ کا لائحہ عمل بنانے لگا اور وقت گزرتا رہا۔

جوالا پور کا سفر طویل نہیں تھا۔ یہ ریاست بھی چھوٹی سی تھی۔ چنانچہ ایک گھنٹے کے بعد لاری جوالا پور پہنچ گئی۔ درگا پور کی بہ نسبت یہ جگہ بہت چھوٹی تھی۔ معمولی سے مکانات تھے۔ چھوٹے چھوٹے دو تین بازار تھے۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ میں بھی اڈے پر اتر گیا۔ تب میرے ساتھ لاری میں سفر کرنے والا ایک ہندو میری طرف بڑھا۔

"جے رام جی کی مہاراج۔" اس نے کہا اور میں نے اس کی جانب دیکھا۔ "میں بھی آپ کے ساتھ ہی درگا پور سے لاری میں سوار ہوا تھا۔"

"ہوں۔ کیا بات ہے بچے؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں آپ کا استھان کہاں ہوگا؟"

"سادھو کا استھان کہیں نہیں ہوتا بچے۔ کیا یہاں کوئی دھرم شالہ نہیں ہے؟"

"ہے مہاراج۔ پرنت دھرم شالہ میں ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے۔ واں کا حال بہت برا ہو رہا ہے۔"

"تو تم کسی کو کشٹ دینا پسند نہیں کرتے بچے؟"

"آپ کی سیوا کرنے میں کشٹ نہیں ہوگا مہاراج۔ میں بھی برہمن ہوں۔ رام نرائن نام ہے میرا۔ اگر آپ میرے ہاں پدھاریں تو میرے بڑے بھاگ۔"

میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا۔ یہاں مجھے کام کرنا تھا۔ بہرحال یہ جگہ میرے لئے اجنبی تھی۔ چنانچہ اگر تھوڑی دیر یہاں رک کر رام نرائن سے معلومات ہی حاصل کی جائیں تو کیا حرج ہے۔

"جیتی رہو مرشی بالک۔" میں نے اس بوڑھے سے کہا اور وہ خوش ہو گیا۔ اس کا مکان کو بستی کے دوسرے مکانوں کی طرح سیدھا سادا تھا لیکن کافی وسیع تھا۔ ڈیوڑھی میں میرے ساتھ لے جا کر برہمن نے میرے ساتھ کھانا کھایا۔

"بڑی کرپا ہے مہاراج کی۔ آپ کے مکھ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مہان ہیں۔" رام نرائن نے کہا۔

"کیا کام کرتے ہو رام نرائن؟" میں نے پوچھا۔

"کپڑے کا کاروبار تھا مہاراج۔ اب تو سب کچھ چوپٹ ہو کر رہ گیا۔" رام نرائن نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"کیوں۔ کیا ہوا؟"

"بس مہاراج۔ بھگوان کی لیلا ہے۔ میرے تین بچے ہیں۔ دو بیٹیاں اور ایک بیٹا۔ بیٹا باپ کی کمر کی ہڈی ہوتا ہے۔ جب یہ ہڈی ٹوٹ جائے تو انسان سیدھا کیسے رہ سکتا ہے۔"

"تو کیا۔" میں نے ہمدردی سے پوچھا۔

"نہیں مہاراج۔ نہیں۔ بھگوان اس کے جیون کی رکھشا کرے، بس من کو روگ لگا بیٹھا ہے پاپی۔ پڑھا لکھا ہے۔ دماغ والا ہے۔ مگر من کے روگ نے اسے کہیں کا نہ رکھا۔"

"مہاراج۔ اس کا جیون کالا ہو گیا ہے۔ دوش اس کا بھی نہیں ہے۔ کسی کے من کا میت چھن جائے، کسی کے بچپن کا پریم ٹوٹ جائے تو اس کی حالت خراب ہونی ہی چاہئے۔"

اور میرے کان کھڑے ہو گئے۔

"کیا نام ہے تیرے بالک کا؟"

"ست پرکاش مہاراج۔"

"اوہ۔" میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ حیرت بھی تھی اور خوشی بھی ہوئی تھی۔ تو یہ ست پرکاش کا مکان تھا۔ کتنی آسانی سے میں یہاں تک پہنچ گیا تھا۔ میں گردن جھکا کر سوچ میں ڈوب گیا۔ رام نرائن بھی خاموش تھا۔ پھر کئی منٹ کے بعد اس نے کہا۔

"کس سوچ میں پڑ گئے مہاراج؟"

"ست پرکاش کے بھاگ پر غور کر رہے ہیں رام نرائن۔ نردوئی نے من بھی لگایا تو ایسی جگہ۔ جہاں پہلے ہی سانپ بیٹھے ہوئے تھے۔" میں نے کہا۔

"تم کیا جانو۔ تم تو۔ تم تو باہر سے آئے ہو۔" رام نرائن چونک کر بولا۔

"سنسار کی بہت سی باتیں ہمیں معلوم ہوتی ہیں رام نرائن۔ اس جھگڑے میں مت پڑو۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"نہیں مہاراج۔ بھگوان کے لئے مجھے بتائیں۔" رام نرائن پیچھے پڑ گیا۔

"کیا تم میں رام نرائن۔"

"کیا کہہ۔ کیا کہہ۔" رام نرائن ہکلایا۔

"سیدھی بات کہو رام نرائن۔ ہمارے گیان کا امتحان لیتے ہو۔ تو سنو۔ تم دیومتی کی بات کر رہے ہو نا۔ جس سے تمہارا بیٹا پریم کرتا تھا اور جسے گووندا اس کی بیاہ لے گیا۔"

میرے الفاظ نے رام نرائن پر سکتہ طاری کر دیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری شکل دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اٹھ کر میرے دونوں پاؤں پکڑ لئے۔

"بعض دفعہ۔ انسان کے روپ میں اوتار بھی مل جاتے

ہیں مہاراج۔ مجھ ابھاگی کے بھاگ میں ایسے اوتار کہاں تھے۔ پنڈت بھگوان کے گھر سے مایوسی نہیں ہوتی۔ میرا من کہہ رہا ہے میرے بھاگ جاگنے والے ہیں۔ میرے بھاگ جگا دو مہاراج۔ میرے بھاگ جگا دو۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے اس پر اوس پڑ گئی ہے مہاراج۔ وہ دنیا کو بھول گیا ہے۔ میں ادھ مرا ہو گیا ہوں مہاراج۔ میرے بھاگ جگا دو۔" رام نرائن میرے پاؤں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر رونے لگا۔

تب میں نے اس کے دونوں شانے پکڑ کر اسے اٹھایا۔ "اٹھو رام نرائن۔ یہ شکتی بھگوان نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔ میں کوشش کروں گا تمہارے بھگوان نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اٹھو۔ اٹھ جاؤ۔"

اور رام نرائن روتا ہوا اٹھ گیا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں رام نرائن۔ ست پرکاش ٹھیک ہو جائے گا وہ ہے کہاں؟"

"شاید گھر ہی میں ہو۔ بس من موجی ہے۔ کبھی ہفتوں گھر میں نہیں گھستا۔ کبھی مہینوں گھر سے نہیں اٹھتا۔ من چاہا کھا لیا ورنہ بھوکا رہا۔ نہ کسی سے بات کرتا ہے نہ ہنستا ہے۔" رام نرائن نے بتایا۔

"میں اس سے ملوں گا رام نرائن جی۔"

"کرپا ہے مہاراج۔" رام نرائن ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"ایک بات اور بتاؤ رام نرائن۔"

"جی مہاراج؟"

"وہ جگہ کہاں ہے بدری پرشاد کہاں رہتا ہے؟"

"راجہ گنج میں۔"

"کتنی دور ہے؟"

"زیادہ دور نہیں ہے مہاراج۔ کیا آپ اس سے ملیں گے؟"

"ہاں۔ اس سے بھی ملیں گے۔ لیکن اس سے پہلے ہمیں ست پرکاش سے ملاقات کرنی ہے۔ معلوم کرو وہ کہاں ہے؟"

"ابھی معلوم کرتا ہوں مہاراج۔" رام نرائن خوشی خوشی گھر کے اندر چلا گیا۔ میں اس دلچسپ انسان پر غور کر رہا تھا۔ چلو اچھا ہوا یہاں داخل ہوتے ہی اس سے ملاقات ہو گئی۔ ورنہ اسے تلاش کرنا پڑتا۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد رام نرائن منہ لٹکائے واپس آیا۔ "ست پرکاش تو ہے نہیں مہاراج۔" اس نے اداسی سے کہا۔

"پتہ بھی نہیں چل سکا کہ وہ کہاں ہے؟"

"تب تو کیا ہوا بعد میں اسے تلاش کر لوں گا۔ مجھے معلوم ہے وہ کہاں کہاں جاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم اسے تلاش کرو۔" میں نے کہا۔

"آپ آرام کریں مہاراج۔"

"نہیں۔ جب تک میں بدری پرشاد سے مل لیتا ہوں۔ تم اسے تلاش کر کے گھر لے آؤ۔"

"جو آگیا۔" رام نرائن نے کہا اور میں اس کے ساتھ ہی باہر نکل آیا۔

"تم مجھے دور سے بدری پرشاد کا مکان بتاتے جانا۔"

"بہت اچھا مہاراج۔" رام نرائن نے سعادت مندی سے کہا اور اس نے ایسا ہی کیا۔ دور سے بدری پرشاد کا مکان دکھا کر وہ چلا گیا۔ میں مکان کی طرف بڑھ گیا۔ پیتل کی کیلوں میں جڑے ہوئے دروازے پر میں نے دستک دی اور تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھل گیا۔ بھاری بدن کی ایک خوبصورت اور عمر رسیدہ عورت نے دروازہ کھولا تھا۔ اس کا چہرہ پشپا متی کے چہرے سے مشابہ تھا۔

میں نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ اور عورت نے بھی مجھے دیکھ کر پرنام کیا۔ "ان بدری پرشاد موجود ہیں دیوی؟"

"ہاں مہاراج۔ اندر آجائیے۔" عورت دروازے سے ہٹ گئی۔ چونکہ میں سادھو کے روپ میں تھا اس لئے سب ہی میری عزت کر رہے تھے۔ میں اندر چلا گیا۔ عورت نے مجھے ایک بیٹھک میں بٹھا دیا۔

"آپ شاید بدری پرشاد کی استری ہیں دیوی؟"

"ہاں مہاراج۔ میں انہی کو بلاتی ہوں۔" وہ اندر چلی گئی اور چند منٹ کے بعد ایک پروقار بوڑھے کے ساتھ واپس آگئی۔ بوڑھے نے بھی مجھے پرنام کیا اور میں کھڑا ہو گیا۔

"پدھاریئے مہاراج۔ پدھاریئے۔ بھاگوان ہوں کہ آپ آئے۔ بتایئے کیا سیوا کروں۔ ارے پشپا متی۔ چلو جل پان لاؤ۔"

"رہنے دیں لالہ جی۔ ضرورت نہیں ہے۔"

"اوہ اچھا۔" میاں بیوی کے چہرے پر محبت پھیل گئی۔

کیسا انوکھا پیار تھا۔ باپ تائی کیسی سخت مزاج تھی۔ مجھ کے نام سے بھی محبت تھی جس نے بیٹی یاد کر لی تھی۔

"اور آپ کی بیٹی کے پاس سے۔"

"اچھا۔"

"اچھا۔" دونوں آوازوں میں اضطراب تھا۔



"ہاں۔ میں نے اسے بہن اور اس نے مجھے بھائی بنایا ہے۔"

"بیٹی کیا مہاراج۔ وہ کیسی ہے؟" عورت نے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک۔ آپ کو نمسکار کہا ہے۔"

"بھگوان سکھی رکھے اس کو۔ بھگوان سدا سہاگن رکھے اس کو۔" بدری پرشاد نے کہا۔ لیکن اس کی آواز میں ہلکی سی لرزش پیدا ہو گئی تھی۔

میں غور سے ان دونوں کی شکلیں دیکھ رہا تھا۔ پشپا دیوی کی آنکھوں میں اضطراب نظر آرہا تھا۔ عورت تھیں۔ ضبط نہ کر سکیں پوچھ بیٹھیں "وہ وہاں خوش تو ہے اسے کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟"

"نہیں۔ کوئی تکلیف نہیں ہے۔"

"بھگوان کی دیا ہے۔"

"اس کے خوش نہ ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" میں نے ایک چبھتا ہوا سوال کیا۔

"کوئی نہیں۔ بس ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔" بدری پرشاد جلدی سے بولے۔

"کیا آپ خوش نہیں ہیں کہ وہ دوارکا پوری کی رانی ہے؟"

میرے اس سوال پر دونوں کی گردنیں جھک گئیں۔ پھر بدری پرشاد جی نے کہا "ہماری خوشی اسی میں ہے کہ وہ خوش ہے۔ جو کچھ اس کے بھاگ میں لکھا تھا وہی ہوا۔"

"آپ نے بڑی اونچی جگہ بیاہا ہے۔" میں نے کہا۔

"ہم نے نہیں مہاراج۔ اس کے بھاگ نے ورنہ ہم ایسی اونچی اڑان نہیں رکھتے۔"

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لی۔ بہرحال یہ بھی دکھی لوگ تھے۔ ان پر غور کرنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس لئے میں نے اس موضوع پر کوئی مزید بات چیت نہیں کی۔ مقصد صرف ان لوگوں سے ملنا تھا۔ انہوں نے دودھ اور مٹھائی سے میری تواضع کی اور پھر میں ان سے رخصت ہو کر چلا آیا۔ رام نرائن کے گھر جانے کے بجائے میں جوالاپور کی سڑکوں اور گلیوں کی سیر کرتا رہا۔ اور پھر شام کو رام نرائن کے گھر پہنچ گیا۔ رام نرائن گھر میں موجود تھا۔ میری اطلاع پاتے ہی ڈیوڑھی میں آگیا۔

"میں۔ میں اسے لے آیا ہوں مہاراج۔"

"کہاں ہے؟"

"اندر بیٹھا ہے خاموش۔" رام نرائن نے جواب دیا۔

"اسے میرے پاس لے آؤ اور تم چھوڑ دو ہمیں۔"

"جو آگیا مہاراج۔" رام نرائن نے کہا اور پھر وہ اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک خوبصورت اور دبلا پتلا نوجوان اندر آگیا۔ اس کے چہرے پر مایوسی نقش تھی۔ آنکھوں سے ذہین معلوم ہوتا تھا۔ لیکن ناکامی نے اس کی شخصیت پر دھول ڈال دی تھی۔

"میرا بیٹا ہے مہاراج۔ ست پرکاش ان سے مل۔ یہ بڑے مہان سادھو ہیں۔" ست پرکاش نے میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ اس کے چہرے پر بیزاری نظر آرہی تھی۔

"بیٹھو ست پرکاش۔" میں نے بھاری آواز میں کہا اور وہ بیٹھ گیا لیکن وہ میری طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ بلکہ اس کی نگاہیں دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔

"مہاراج سے باتیں کرو ست پرکاش۔ میں ذرا کام سے جا رہا ہوں۔" رام نرائن نے کہا اور پھر وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔ میں نے ست پرکاش کی طرف دیکھا۔ وہ سپاٹ چہرہ لئے بیٹھا تھا۔ اس کے انداز میں کوئی بات نہ تھی۔ بس خاموش اپنی دھن میں مگن۔

"کیا سوچ رہے ہو ست پرکاش؟" بالآخر میں نے اسے مخاطب کیا اور وہ چونک پڑا۔ مجھے گھورتا رہا اور پھر اس کے خشک ہونٹوں پر ایک بے جان سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میرا بھی کسی پر ادھیکار ہے سادھو جی۔" اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" میں اچانک سوال پر چونک پڑا۔

"پتا جی نے اپنا حق استعمال کیا۔ مجھے آپ سے ملانے لے آئے۔ میں ان کی بات کیسے ٹال سکتا تھا۔ حالانکہ آپ سے مل کر مجھے کیا ملے گا۔ لیکن پتا جی کو ادھیکار تھا کہ وہ مجھے یہاں لے آئیں۔ اور پھر وہ آپ کے لئے کہہ گئے کہ میں آپ سے باتیں کروں۔ سو اب آپ اپنا حق استعمال کر رہے ہیں۔ حالانکہ میرا من کسی سے باتیں کرنے کو نہیں چاہ رہا۔ مگر آپ کو ادھیکار ہے۔ میرا بھی کسی پر ادھیکار ہے؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔ سنسار میں ہر منش کو دوسرے پر ادھیکار ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"جھوٹ مت بولو مہاراج۔ یوں کہو کہ سنسار میں کچھ انسانوں کا دوسرے انسانوں پر حق ہے۔ سب کا ایک دوسرے پر نہیں۔" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"یہ بات نہیں ست پرکاش۔ کچھ انسان ڈرپوک ہوتے ہیں۔ بزدل ہوتے ہیں۔ وہ اپنے حق کا استعمال نہیں جانتے؟ دوسروں کو دیتے ہیں۔"

"بکواس ہے۔ اس سنسار میں سب یکساں نہیں ہیں۔ سب طاقتور نہیں ہوتے۔ ایک کمزور ہوتا ہے دوسرا

طاقتور۔"

"میں نہیں مانتا۔ کمزور ہی ہے جو اپنے دام نہیں کر سکتا۔ اور دوسروں کو دوش دیتا رہتا ہے۔"

"مجھے غصہ مت دلاؤ مہاراج۔ دیکھو مجھے غصہ مت دلاؤ ورنہ۔" ست پرکاش مجھے گھورتا ہوا بولا۔

"آگے بولو ست پرکاش۔ دیکھوں تو تم کتنا بڑا سورما ہے؟"

"میں سورما نہیں ہوں مہاراج۔ میں۔ میں تو۔ میں تو۔" اس کی آواز رندھ گئی۔

"بزدل ہے پاپی کہیں کا۔ روتا ہے۔ مرد کی آنکھوں میں جب آنسو آنے لگیں تو اسے چوڑیاں پہن لینا چاہئیں۔"

"میں بے بس ہوں مہاراج۔"

"سمجھتا ہے خود کو بے بس۔ ہے نہیں۔" میں نے کہا اور ست پرکاش پھر ہولے ہولے۔ اس نے میری طرف خونی نگاہوں سے دیکھا اور پھر تیز لہجے میں بولا۔

"تم سادھو نہیں۔ بہروپئے ہو۔ کسی کے من کو نہیں دیکھ سکتے۔ کسی کا درد نہیں پہچان سکتے۔ صرف باتیں بنا سکتے ہو دوسرے کو۔ میرا درد تو دیکھو۔ بتاؤ۔ میرے دل پر کونسا داغ ہے۔"

"تیری بزدلی کا داغ۔ اگر تو بزدل نہ ہوتا تو اپنی پریمیکا کو یوں غیروں کے ہاتھوں میں نہ جانے دیتا۔" میں نے کہا اور ست پرکاش چونک پڑا۔ مجھے دیکھتا رہا اور پھر اس نے گردن جھکا کر کہا۔

"وہ۔ تو۔ تو پتی نے تمہیں سب کچھ بتا دیا۔"

"پتی نے نہیں۔" میں نے آہستہ آہستہ اور ٹھہری ہوئی آواز میں کہا "بلکہ خود دیوتی نے۔"

اور میرے ان الفاظ پر ست پرکاش اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

"دیوتی نے۔" اس کے حلق سے سرسراتی آواز نکلی۔

"ہاں۔ دیوتی نے۔" میں نے اسی سکون سے جواب دیا۔

"تو کیا۔ تو کیا آپ اس سے ملے تھے مہاراج؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"کب؟"

"میں کل جوالاپور آیا ہوں۔ اور سیدھا اسی کے پاس سے آیا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ اور ست پرکاش بے قرار ہو کر میرے قدموں میں گر پڑا۔

"مہاراج۔ مہاراج۔ آپ اس کے پاس سے آئے ہیں۔ کیسی ہے وہ۔ کیا حال ہے اس کا۔ کیا وہ دکھی ہے؟ اس نے میرے بارے میں تو کچھ نہیں بتایا۔ اس نے میرے لئے کوئی سندیس تو نہیں دیا؟" ست پرکاش نے ایک سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔ اس کی آنکھوں میں حسرت تڑپ رہی تھی۔ وہ سخت بے چین تھا۔

"بہت سے سندیس دیئے ہیں ست پرکاش۔ لیکن تم اتنی بے چینی سے کام نہ لو۔ میں تمہیں ساری باتیں ایک ایک کر کے بتاؤں گا۔ چنانچہ سب سے بڑی بات یہ کہ دیوتی نے مجھے بھائی بنایا ہے۔"

"اوہ۔ آپ۔ اس نے آپ کو بھائی بنایا ہے۔ آپ میرے بھی بھائی ہیں۔ پران مانگیں گے تو دے دوں گا۔"

"بھائی پران لیتے نہیں ہیں۔ دے دیتے ہیں۔ میرے اوپر وشواس کرو۔ جو کہوں گا جو کروں گا تمہارے اور دیوتی کے بھلے کے لئے کروں گا۔ لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ میں بالکل صاف ہوں۔ نہیں۔ تمہارے کام سے میرا بھی ناتا ہے۔ میں بھی تم دونوں سے کچھ چاہتا ہوں۔ مگر میں تم سے وہ اس کے بعد لوں گا جب پہلے تمہارا کام ہو جائے گا۔"

"مہاراج۔ مہاراج۔ بھگوان کی سوگند تم مجھ سے جو کچھ مانگو گے دے دوں گا۔ مجھے میری دیوتی کے بارے میں بتاؤ۔ مجھے اس کے بارے میں بتاؤ مہاراج۔ وہ ٹھیک ہے؟ وہ خوش ہے؟"

"تم خوش ہو؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"میں۔ میں۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

"وہ بھی تمہارے بنا خوش نہیں ہے۔"

"مہاراج۔" ست پرکاش تڑپ کر رو دیا۔

"ہاں ست پرکاش۔ وہ کیسے خوش رہ سکتی ہے۔ وہ بھی تم سے اتنا ہی پریم کرتی ہے جتنا تم اس سے۔ بلکہ وہ عورت ہے اس کا پریم تم سے بھی زیادہ ہو گا۔"

"مہاراج۔ میں آگ میں بھسم ہو رہا ہوں۔"

"اس کی بھی یہی حالت ہو گی ست پرکاش۔ لیکن وہ عورت ہے اور عورت زیادہ مجبور ہوتی ہے۔"

"ہم کر بھی کیا سکتے تھے مہاراج۔ راجہ گووندا اس کے پورے ہوں کے سامنے ہم بے بس پنچھی تھے۔"

"کیا تم اب بھی اس کے خواہشمند ہو ست پرکاش؟"

"کیسی باتیں کرتے ہیں مہاراج۔ میرا اس سے آتما کا رشتہ ہے۔ میں تو جنم جنم اس کی آرزو کروں گا۔"

"ست پرکاش۔ بعض اوقات حالات انسان کو اس طرح جکڑ دیتے ہیں کہ کسی مشکل سے نکلنے کا اس کے پاس کوئی راستہ نہیں رہتا۔ وہ اتنا مجبور ہو جاتا ہے کہ دیوی کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن۔ ان حالات میں تبدیلی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ جب انسان کو منزل پانے کے لئے سخت جدوجہد کرنا ہوتی ہے۔"

"میری تو منزل ہی کھو گئی ہے مہاراج۔" ست پرکاش درد بھرے لہجے میں بولا۔

"بعض اوقات منزل صرف نگاہوں سے اوجھل ہوتی ہے اور ہم اسے کھویا ہوا سمجھ لیتے ہیں۔"

"میرے سامنے تو کوئی کرن نہیں ہے مہاراج۔"

"یہ بتاؤ ست پرکاش۔ اپنے پریم میں اتنے پکے ہو کہ سخت جدوجہد کر سکو۔"

"اسی طرح مہاراج۔ جیسے سمندر میں ڈوبتا انسان جان بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔"

"تب میں تمہیں کچھ اہم باتیں بتاؤں گا ست پرکاش۔"

"بتایئے مہاراج۔"

"میری باتوں پر یقین کرنا۔ تمہارے سامنے جھوٹ بولنے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے مہاراج۔"

"دیوتی کنتی بھی کنواری ہے۔"

"جی۔" ست پرکاش حیرت سے بولا۔

"ہاں۔ عیاش راجہ۔ عرصہ دراز سے ناکارہ ہے۔ وہ صرف عورتوں کی سنگت میں خوش رہتا ہے اور خود کو بھی عورت سمجھنے لگا ہے۔ اس کا دماغ الٹ گیا ہے۔"

"ارے۔ مگر یہ کیسے؟"

"راج محل میں بڑی سازش کام کر رہی ہے۔ منتری ہرچرن لال اور ایک سادھو پورن لال مل کر گووندا اس پورے کو راج گدی سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ ہرچرن لال خود راجہ بننا چاہتا ہے اس لئے اس نے مہاراج گووندا اس کی یہ حالت کی ہے۔"

"اوہ۔"

"راجہ درحقیقت اب اس قابل نہیں رہا کہ راج کرے۔"

"ایسی ہی بات ہوگی مہاراج۔"

"چنانچہ اس وقت راج سنگھاسن ہر اس شخص کے لئے کھلا ہوا ہے جو تھوڑی سی کوشش کرے۔"

"جی۔" ست پرکاش کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں ست پرکاش۔"

"مگر کسی عام آدمی کی کیا مجال ہے مہاراج۔ کہ وہ راج گدی کی طرف دیکھے۔"

"میں عام آدمی کی بات نہیں کر رہا ست پرکاش۔"

"پھر؟"

"میں تمہاری بات کر رہا ہوں۔"

"میری؟" ست پرکاش اچھل پڑا۔

"ہاں۔ تمہاری۔" میں نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ اور ست پرکاش کافی دیر تک احمقوں کی طرح میری شکل دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے۔

"بات میری سمجھ میں نہیں آئی مہاراج۔ کہاں میں اور کہاں راج گدی؟"

"یہ ممکن ہے ست پرکاش۔"

"مگر کیسے مہاراج؟"

"میں تمہاری سہائتا کروں گا۔ بشرطیکہ تم ہمت کرو۔"

"میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آتا مہاراج۔ منتری ہرچرن لال کے جیون میں یہ کیسے ممکن ہے۔ اور پھر ہمارے پیچھے تو کوئی شکتی بھی نہیں ہے۔ اگر راج گدی کے حاصل کرنے کی بات ہو تو کون کون کوشش نہیں کرے گا؟"

"تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ خود مہاراج گووندا اس پورے کے کوئی سنتان نہیں ہے۔"

"نہیں۔"

"مگر اگر مہاراج اپنے جیون میں ہی کسی کو چاہیں تو گدی دے سکتے ہیں؟"

"ہاں مہاراج۔ دے سکتے ہیں۔"

"بس تو پھر کام بن جائے گا۔ مہاراج کو تیار کرنا میرا کام ہے۔"

"مگر۔ مگر۔ میں۔ میں تو اس قابل نہیں ہوں۔" ست پرکاش گھبرائے انداز میں بولا۔

"اگر نہیں ہو ست پرکاش تو بننے کی کوشش کرو۔" میں نے سخت لہجے میں کہا "اور پھر جب راج گدی مل جائے گی تو راج نیتی خود بخود آ جائے گی۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گا مہاراج۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟"

"میں اسے ممکن بنانے کے لئے تمہارے پاس آیا ہوں ست پرکاش اور مجھے کم ہمت لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"بات بہت بڑی ہے مہاراج۔ ورنہ میں اتنا کم ہمت

نہیں ہوں۔"

"بات صرف بڑی کشمکش کی ہے۔ دولت نہیں۔ ہاں ہمت اور کم ہمتی کی بات ہے۔"

"میں کم ہمت نہیں ہوں۔"

"تو ہمت کرو۔"

"مگر میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"تب پھر۔ تب پھر مہاراج۔ لائیے اپنا ہاتھ۔ میں بھگوان کی سوگند کھا کر کہتا ہوں۔ بزدلی نہیں کروں گا۔ جو آپ کہیں گے کروں گا۔ ہمت کر کے کروں گا۔ مجھے راج گدی نہیں چاہئے مہاراج، مجھے صرف میری دیو متی مل جائے۔"

"وہ تمہیں مل جائے گی ست پرکاش۔ بس ذرا ہمت سے کام لینا ہوگا۔ تیاری کرو۔ کل ہم یہاں سے واپس ورگاپور چلیں گے۔"

"جو حکم مہاراج۔" ست پرکاش نے کہا۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

دوسرے دن جب روانگی کی تیاریاں مکمل ہو گئیں تو ست پرکاش نے رام نرائن سے آگیا لی۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے میرے پُتر۔ مہاراج بڑے گیانی ہیں جو کریں گے اچھا ہی کریں گے۔ مگر تم یہ کہاں رہتے ہو؟"

"مہاراج کے ساتھ۔ جہاں وہ لے جائیں گے۔"

"مہاراج۔" رام نرائن روتے ہوئے بولا "ست پرکاش میرا اکیلا ہی بیٹا ہے۔ اسے کچھ ہو گیا تو میں بن موت مر جاؤں گا۔"

"بھگوان پر وشواش رکھو رام نرائن۔ جو کچھ ہوگا اچھا ہی ہوگا۔" اور پھر رام نرائن کی آشیرواد کے بعد ہم چل پڑے۔ لاری تک آئے اور لاری میں سے ورگاپور روانہ ہو گئے۔

راستے بھر خاموشی رہی تھی۔ ست پرکاش کا ہیجان اس کے چہرے سے جھلک رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہاں وہ اور کہاں ورگاپور کی حکومت؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ اور جب بات اس کی سمجھ میں نہ آتی تو وہ میری شکل دیکھنے لگتا۔ دوسری طرف میں بھی غور و فکر میں ڈوبا ہوا تھا۔

اس سے قبل میں نے اپنے طور پر کوئی اتنا بڑا کام نہیں کیا تھا۔ لیکن طاقت کی مشینری سے کچھ جنگ بھی جاری ہوتی تھی۔ میری دلی خواہش تھی۔ میں اس کام کو

اور پھر راجہ گووندداس کو دیکھ کر یہ خیال ذہن میں جڑ پکڑ گیا تھا کہ ورگاپور کی حکومت اس وقت لوٹ کا مال ہے۔ کوئی بھی آگے بڑھ کر اسے لوٹ سکتا ہے۔ یہ بھی احساس ہو گیا تھا۔ تو میں اپنا فرض سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کے اس دشمن کو اگر مجھے کچھ کرنا پڑا تو میں قتل کر دوں گا۔ یوں بھی ہمت کی باتیں ختم ہو گئی تھیں۔ دہشت کی وجہ سے میں جان کی بازی لگا کر کچھ کرنا چاہتا تھا۔

بالآخر ہم ورگاپور پہنچ گئے اور لاری سے نیچے اترے۔

ست پرکاش کا چہرہ بدستور فکر مند تھا۔ میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا "کیا بات ہے ست پرکاش۔ تم ابھی تک پریشان ہو؟"

"پریشان نہیں ہوں مہاراج۔ بس سوچ رہا ہوں۔"

"ساری سوچ دماغ سے نکال دو۔ شانت ہو جاؤ۔ بھگوان پر وشواش رکھو۔ جو ہوگا ٹھیک ہوگا۔"

"ہم اب کہاں چل رہے ہیں مہاراج؟"

"راج محل۔"

"اوہ۔ مگر ہم وہاں کیسے داخل ہوں گے؟"

"آرام سے۔ بس تمہیں اپنے حلیے میں تھوڑی سی تبدیلی کرنا ہوگی۔"

"مجھے کیا کرنا ہوگا مہاراج؟"

"سادھوؤں کا بھیس بدلنا ہوگا۔"

"اوہ۔" ست پرکاش گردن ہلا کر رہ گیا۔ ضرورت کے مطابق کافی رقم موجود تھی اور پھر میں ورگاپور کے بازاروں وغیرہ سے بھی کافی حد تک واقف ہو گیا تھا۔ چنانچہ ست پرکاش کو سادھو بنانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ وہ اچھا خاصا سادھو خوبصورت لگ رہا تھا۔

تب میں اسے لے کر راج محل چل پڑا۔ راج محل میں داخلے میں مجھے کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ سارے لوگ مجھے جان گئے تھے۔ البتہ ست پرکاش کو کسی قدر حیرت سے دیکھا گیا تھا۔ بہرحال اسے روکنے والا کون تھا۔ میں اسے لے کر راج مندر میں پہنچ گیا۔ میں یہاں زندگی کا سامان تو تھا ہی۔ کوئی چندا وغیرہ مجھ سے طلب نہیں ہوا۔ پورن لال کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس کی وہی حالت ہے۔ وہ بدستور اندھوں جیسا تھا اور خوفزدہ تھا کہ ابھی تک ان اندھوں سے نکل نہیں سکے ہیں۔

شام تک ہم راج مندر میں رہے۔ وہیں کھانا کھایا اور رات کے تیسرے پہر میں میں نے ست پرکاش کو ساتھ لے کر دیو متی کی



رہائش گاہ کی طرف چل پڑا۔

ست پرکاش کو میں نے نہیں بتایا تھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ یوں بھی ہم سادھو تھے۔ چنانچہ میں نے دیو متی کے کمرے کے دوار کھولے اور ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔

دیو متی حسب معمول تنہا تھی۔

ویسے بھی بڑی عجیب زندگی تھی۔ دوسری رانیوں کے بارے میں مجھے نہیں معلوم تھا کہ گووندداس پور کی کمر کیسے پوری کرتی ہیں۔ لیکن دیو متی ساوتری تھی اور بڑی شرافت سے جوانی کاٹ رہی تھی۔ ورنہ کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ پوچھتا ہی کون۔ مہاراج تو خود عورت بن کر عشق کر رہے تھے۔

دیو متی کی نگاہ میرے اوپر ہی پڑی۔ "ارے بھیا۔" کہہ کر وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ اور تب اس کی نگاہ ست پرکاش پر پڑی۔ ست پرکاش سادھو بنا ہوا تھا اور پھر کسی قدر میری آڑ میں تھا۔ اس لئے دیو متی اسے نہ پہچان سکی۔ "یہ۔ یہ کون ہیں؟" اس نے سوال کیا۔

"آپ ہی دیکھو۔" میں نے اس سے کہا اور ست پرکاش کی طرف دیکھنے لگا۔ ست پرکاش پتھر کے بت کی طرح ساکت کھڑا رہا۔ دیو متی نے بھی اس کا چہرہ دیکھا اور پہچان لیا۔

"ست۔ ست۔ پرکاش۔" وہ سحر زدہ سے انداز میں بولی۔

ست پرکاش کے چہرے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ وہ خاموش نگاہوں سے دیو متی کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے میں گم تھے۔ اور۔ اس وقت۔ کم از کم تھوڑی دیر کے لئے کمرے میں میری موجودگی کی ضرورت نہیں تھی۔ چنانچہ میں ایک طرف کھسکا اور میں نے دوشالہ اوڑھ لیا۔

اب میں ان کی نگاہوں سے روپوش تھا۔

دونوں مجسموں کی طرح ساکت اور خاموش کھڑے تھے۔ وقت گزرتا رہا۔ پھر دیو متی چونکی "نہیں۔ نہیں۔ یہ تم نے کیا کیا بھیا؟" وہ میری طرف مڑی اور پھر چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"ارے بھیا کہاں گئے۔"

"ایں۔" ست پرکاش بھی حیرانی سے بولا۔ اور پھر وہ بھی تعجب سے مجھے تلاش کرنے لگا۔ پھر اس نے کھلے دروازے کی طرف دیکھا۔ "شاید باہر نکل گئے۔"

"ہاں!" وہ گہری سانس لے کر بولی۔

"کیسی ہو دیو متی۔" ست پرکاش بولا۔

"تم کیسے ہو ست پرکاش۔ اور یہ تمہاری حالت کیا ہو گئی

ہے؟" دیو متی دکھ سے بولی۔

"بدل گیا ہوں؟" ست پرکاش مسکرایا۔

"سوکھ گئے ہو بالکل۔"

"نہ بدلتا تو خود کو پاپی سمجھتا دیو متی۔"

"کیوں؟"

"تیرے آنے کے بعد میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی۔ تو میں اپنے پریم کو سچ کب مانتا۔"

"نہیں ست پرکاش۔ نہیں۔ تمہیں اپنا یہ حالت نہیں بنانی چاہئے تھی۔" دیو متی نے کہا۔

"مجھے خود پر ادھیکار کب تھا دیو متی۔"

"تمہیں میرے لئے۔ میرے لئے خود کو سنبھالنا چاہئے تھا۔"

"تیرے لئے خود کو بگاڑ لیا۔ اس سے اچھی کیا بات ہوگی؟"

"پرکاش۔" دیو متی دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔ "میرے پرکاش۔ میرے پرکاش۔" وہ اس کے سینے سے چہرہ رگڑ رہی تھی۔ لیکن ست پرکاش نے اس کا بدن نہیں چھوا۔

"پرکاش۔" دیو متی گمبھیر آواز میں بولی۔

"خود کو سنبھالو دیو متی۔"

"ایں۔" دیو متی چونک پڑی۔

"ہاں۔ خود کو سنبھالو دیو متی۔ مہاراج نے مجھے بہت کچھ بتایا ہے۔ مگر ہمارے پھیرے نہیں ہوئے ہیں۔ ہم من میلا نہیں کریں گے۔"

"ہاں ست۔ ٹھیک کہتے ہو۔ مجھ سے بھول ہو گئی۔" دیو متی شرمندگی سے بولی۔

"ٹھیک ہے دیو متی۔" ست پرکاش نے ٹھنڈی سانس لی۔

"پتا جی کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں۔"

"اور ماتا جی؟"

"وہ بھی۔ سب ٹھیک ہیں۔"

"کب آئے؟"

"دن میں۔"

"بھیا کیا کہہ کر لائے ہیں۔؟"

"جو کچھ انہوں نے کہا ہے۔ وہ میرے لئے عجیب ہے دیو متی۔ لیکن افسوس میں تمہیں نہ بتاؤں گا۔ مجھے تو پتہ بھی نہیں تھا کہ مہاراج مجھے تمہارے پاس لا رہے ہیں۔"

"مگر بھیا چلے کہاں گئے؟"

"پتہ نہیں۔ ہم نے انہیں دروازے سے نکلتے بھی نہیں دیکھا۔"

"میں دیکھتی ہوں کہاں گئے وہ۔" دیومتی دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ تو اب انہیں تنہائی کی ضرورت نہیں تھی۔ چنانچہ میں دروازے کی طرف لپکا اور دیومتی سے پہلے باہر نکل گیا۔ پھر میں نے پھرتی سے دوشالہ اتار دیا۔ اور واپس دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔

"اوہ۔ آپ بھیا۔ کہاں چلے گئے تھے؟" دیومتی جھینپے ہوئے انداز میں بولی۔

"میں نے سوچا۔ تم دونوں کو باتیں کرنے کا موقع دوں۔"

"ہمارے درمیان کوئی ایسی بات نہیں رہی بھیا۔ جس میں تنہائی ضروری ہو۔" دیومتی نے کہا۔

"ہاں۔ میں جانتا ہوں۔" میں نے اعتماد سے کہا اور پھر میں نے انہیں بیٹھنے کے لئے کہا۔ اور ہم سب بیٹھ گئے۔ "یہاں کسی کے آنے کا خطرہ تو نہیں ہے دیومتی۔"

"یہاں کون آئے گا بھیا۔" دیومتی نے کہا۔

"ٹھیک ہے دیومتی۔ میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔"

"کیا میرے بیرا؟"

"میں چاہتا ہوں۔ ست پرکاش کو درگاپور کا راجہ بنا دوں۔"

"ایسا؟" دیومتی اچھل پڑی۔

"اس کے بعد تمہارے پھیرے کرا دوں۔"

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے بھیا؟" دیومتی حیرت سے بولی۔

"ہاں۔ تمہارے لئے حیرت کی بات ضرور ہے دیومتی۔ لیکن میں کوشش کروں گا۔ درگاپور کی حالت اس وقت ایسی ہے...... وہ لوٹ کا مال بن چکی ہے۔ جو ہمت کرے لوٹ لے۔"

"لیکن بھیا۔ یہ بڑا خطرناک کام ہو گا۔ درگاپور کے لوگ تو ابھی مہاراج کو چاہتے ہیں۔" دیومتی بولی "اور پھر دیوان برجموہن بڑا پاپی ہے۔"

"مجھے کوشش کرنے دو دیومتی۔ کامیابی نہ ناکامی کا فیصلہ ہو جائے گا۔ تم لوگ تو میرا ساتھ دو گے؟" میں نے پوچھا۔

"تم ساتھ کی بات کرتے ہو۔ ہم جان دے دیں گے تمہارے لئے بھیا۔" ست پرکاش نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ میرا ساتھ دینا۔" میں نے جواب دیا اور پھر میں نے دیومتی کو مخاطب کیا "اس دوران ست پرکاش کو اپنے ساتھ ہی رکھو۔ میں تمہیں کوئی وقت تو نہیں ہو گی؟"

"تمہیں یہاں کے حالات سے واقفیت ہے بھیا۔ یہاں کیا مشکل پیش آئے گی۔"

"تم بدنام تو نہیں ہو جاؤ گی دیومتی؟" ست پرکاش نے کہا۔

"اس محل میں کوئی بدنام نہیں ہے ست پرکاش۔ یہاں سب اپنی مرضی کے مالک ہیں۔" دیومتی ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"تب ٹھیک ہے۔ میرے کام میں آسانی ہو جائے گی۔ میں ست پرکاش کو راج مندر میں نہیں چھوڑ سکتا۔ تمہیں صرف چند روز ست پرکاش کو دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنا ہو گا۔ میرا خیال ہے میرا کام بہت جلد بن جائے گا۔ اب مجھے اجازت دو۔" اور میں ان کے پاس سے چلا آیا۔ محل کے ایک سنسان گوشے میں پہنچ کر میں نے دوشالہ اوڑھ لیا۔ اب میں آئندہ پروگرام کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ بڑی عجیب سی بات تھی۔ برجموہن اور پورن لال نے مل کر راج گدی حاصل کرنے کے لئے گووندا س کپور کا دماغ ماؤف کر دیا تھا۔ لیکن میں بھی ان کی کوششوں سے ہی فائدہ اٹھانے کی سوچ رہا تھا۔

ویسے یہ بات بھی سمجھ میں آتی تھی کہ برجموہن نے گووندا س کپور کو قتل کرنے کے سلسلے میں کوئی فوری قدم کیوں نہیں اٹھایا تھا۔ دراصل درگاپور کے ہندو گووندا س کپور کو بہت چاہتے تھے اس لئے وہ لوگ آہستہ آہستہ کام کر رہے تھے۔ تاکہ گووندا س کپور کی موت کو قدرتی شکل دے سکیں یقیناً ان کے ذہنوں میں کوئی گہرا پروگرام ہو گا۔

بہرحال میرا پروگرام ہی مختلف تھا۔ بشرطیکہ میں اس میں کامیاب ہو جاؤں۔

میں نے کچھ فیصلے کئے اور پھر راج محل کے اس حصے کی طرف چل پڑا جہاں راجہ کا قیام تھا۔ سب سے پہلے میں ان عورتوں کے گروہ میں پہنچا جو راجہ کے گرد رہتی تھیں۔

ساری کی ساری خاموش بیٹھی تھیں۔ ان کے چہروں پر متفکر نظر آثرات تھے جیسے بیٹھے ان میں سے ایک مخروطی لڑکی ہنس پڑی اور دوسری سب چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"اوچھال۔ کیوں تیری موت آئی ہے۔ کبھی کی آواز مہاراج کے کانوں میں پہنچ گئی تو لوشیں بچھا دیں گے۔"

"بڑی مشکل ہے ری۔ مہاراج کی شکل دیکھتی ہوں تو جتنی آتی ہے۔ اب تو وہ اور بھی عجیب ہو گئے ہیں۔ مونچھ نیچے اپنی ہنسی روک لے۔"

"اری ماری جائے گی بے موت۔ ہنسی کے نہیں آنے سے۔"

"بس کر دیکھ لے کسی دن۔"

"اب تو نوکری پر بھی بس نہیں ہو گی۔ دیوان بچانا مشکل ہو جائے گا۔"

"مگر مہاراج کو یہ نئی کیا سوجھی ہے۔"

"رام جانے۔"

"ہر وقت کسی بدھائی ماری کی طرح آہیں بھرتے رہتے ہیں۔ دو سب پڑھتے رہتے ہیں۔" اور لڑکیاں پھر ہنس پڑیں۔ لیکن سب نے جلدی سے منہ میں کپڑے ٹھونس لئے تھے۔

لیکن ان کی گفتگو سے میرے دل میں امید کی شمع روشن ہو گئی۔ میں خاموشی سے آگے بڑھا اور پھر اسی خاموشی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

مہاراج کسی اداس کوے کی مانند ایک چھپرکھٹ پر بیٹھے تھے۔ اس وقت بھی زنانے لباس میں تھے اور حسب معمول مضحکہ خیز نظر آ رہے تھے۔ درحقیقت اس کی شکل دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی تھی۔

بہرحال۔ میں اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اور پھر میں نے اسے آواز دی "گووندا س کپور۔"

اور مہاراج اچھل پڑے۔ انہوں نے چونک کر چاروں طرف دیکھا۔

"کون ہے۔ کہاں ہے۔ کون ہو تم؟"

"ارے۔ ناتھ۔ ناتھ۔ تم کہاں ہو ناتھ۔ بھگوان کے لئے میرے سامنے آ جاؤ۔ میری پیاسی آتما کی پیاس بجھا دو۔ ہائے ناتھ بھگوان کے لئے میرے سامنے آ جاؤ۔" وہ جلدی سے چھپرکھٹ سے اتر گئے۔

اور کے بچے۔ میں نے دل ہی دل میں اسے گالی دی۔ پھر دوشالہ اتار دیا۔ گووندا س کپور نے مجھے دیکھا اور پھر وہ میرے پیروں پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"ہائے تم کہاں چلے گئے ناتھ۔ میں کرموں جلی تو مر چلی تھی۔ تمہارے بنا اب جیون اندھیارا ہے ناتھ۔ ہائے مجھے مار دو۔ میرے پران لے لو۔ مگر تمہیں بھگوان کی سوگند مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ اب میں تمہارے بنا نہ سکوں گی ناتھ۔"

ایک لمحے کے لئے میں بوکھلا گیا تھا۔ لیکن پھر سنبھل گیا۔ ایک اندازہ ہو گیا تھا۔ گووندا س کپور بالکل ہی گزر چکا تھا اور اب اس کی کوئی بات نہیں رہ گئی تھی۔

بہرحال مجھے جس وقت کا انتظار تھا۔ ضرورت تھی۔ چنانچہ میں نے اسے اٹھایا "اٹھو گووندا س۔ اٹھو تم کیا میں۔"

اسے شانوں سے پکڑ کر اٹھایا۔ اور وہ بے غیرت ناک سے شوں شوں کرتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں گووندرے۔"

"پہلے مجھے بتاؤ۔ اب تو مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گے؟"

"نہیں۔ لیکن اس شرط پر کہ جیسا میں کہوں گا تم ویسا ہی کرو گے؟"

"کروں گی۔" اس نے کہا۔

"بیٹھ جاؤ۔ پھر میں تم سے کبھی جدا نہ ہوں گا۔"

"ہے بھگوان۔ ہے بھگوان۔ میں مر جاؤں۔" گووندا س کپور شرماتے ہوئے بولا۔ مجھے بہت مشکل سے خود پر کنٹرول کرنا پڑا تھا۔ ایک ہیجڑے سے اظہار عشق میں جو کیفیت ہو سکتی تھی وہی ہو رہی تھی۔

"اب تم میری بات سنجیدگی سے سنو گی۔ گووندی۔"

"کہو۔ کہو تو سہی۔ تمہارے ایک اشارے پر پران دے دوں گی۔"

"تمہیں اپنا پچھلا جیون یاد ہے؟"

"پچھلا جیون؟"

"ہاں۔ جب تم گووندا س کپور تھے؟"

"ہاں یاد ہے۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔

"کیا تمہیں یہ بھی یاد ہے کہ تم کب سے اپنی رعایا میں نہیں گئے؟ میرا مطلب ہے کتنی؟"

"راج پاٹ کے کام کرنے کو۔ اب میرا من بالکل نہیں چاہتا ناتھ۔"

"کیا تمہاری رعایا کو معلوم ہے کہ اب تم گووندا س کپور نہیں۔ گووندی ہو؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"میں تمہیں بتاتا ہوں۔ تمہاری پرجا تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ وہ ابھی تک تمہیں راجہ مانتی ہے۔ گووندی بن کر تم اپنی رعایا سے کیا کہو گی؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔"

"تم راج پاٹ چھوڑ دو گی گووندی۔ تو اسے کون سنبھالے گا؟"

"برجموہن لال۔"

"لیکن وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ اگر تم نے راج پاٹ اس کے ہاتھ میں رکھا تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"ناتھ۔" وہ حلق پھاڑ کر چیخا اور میں اچھل پڑا۔ "ہائے ایسا نہ کرو ناتھ۔ جیسا تم کہو گے میں ویسا کروں گی۔ ہائے تم ہی مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

"یہی تو پوچھنا چاہتا ہوں گوندی۔ میں نے کون کا اسے راج دے سکوں؟"

"پہلے میں جانتے ہی راج گدی۔ مجھے تو بس تمہاری ضرورت ہے ناتھ! بس تم میرے ہو جاؤ۔ میں تمہاری بن جاؤں۔ دیوان سپرس ہو جائے گا۔ اس کے بعد مجھے کسی چیز کی اچھا نہ رہے گی۔"

"تب میرے کہنے سے تمہیں ایک کام کرنا پڑے گا گوندی۔"

"بتاؤ۔ مجھے بتاؤ ناتھ۔ میں دکھوں کی ماری سب کچھ تیاگنے کو تیار ہوں۔"

"تمہیں مہاراج گونداس کو یاد ہیں؟"

"ایں۔ ہاں۔ وہ تو میں خود ہی۔"

"ایک بار پھر تمہیں مہاراج گونداس کو روپ بنانا پڑے گا۔" میں نے اس کی شکل دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہائے میں مر جاؤں۔" وہ چپک کر بولا۔

"اس کے بعد مرنا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"بڑی مشکل ہو جائے گی۔"

"تمہیں یہ کام کرنا ہی ہوگا گوندی۔"

"ناتھ۔ میں لوگوں کے سامنے کیسے جاؤں گی۔"

"جیسے بھی ہو۔ اگر تم میرے لئے اتنا بھی نہ کر سکیں گوندی تو میں یہاں سے ہمیشہ کے لئے چلا جاؤں گا۔"

"ناتھ۔ ناتھ ایسے شبد منہ سے نہ نکالا کرو۔ میں مر جاؤں گی۔" اس نے پھر میرے پاؤں پکڑتے ہوئے کہا۔

"تب تمہیں میرے لئے یہ کام کرنا پڑے گا۔" میں نے زور دیتے ہوئے کہا۔

"جیسا تم کہو گے ناتھ۔" وہ بے چارگی سے بولا "مگر تم میرے پاس سے نہ جاؤ گے۔"

"پھر نہیں جاؤں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اسے کس طرح برداشت کر رہا تھا میرا دل ہی جانتا تھا۔ طبیعت پر اتنا بوجھ پڑ رہا تھا کہ نڈھال ہوا جا رہا تھا۔ طاقت کا خیال آتا تو ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ جاتا ہوگا نہیں۔ عیش کر رہا ہوگا۔ میرے اندر یہ قوت نہیں تھی کہ اسے تلاش کر سکوں۔ کوئی انسان ہوتا تو شاید اس کی تلاش میں زمین کا کونہ کونہ چھان مارتا۔ مگر اس ہوا کو میں تلاش کروں کہاں مل سکے گا وہ؟ چنانچہ بے بسی تھی۔ اسے بھلانے کی کوشش کرتا۔ کبھی دل میں آ جاتے تو ٹھیک ہے۔ رنج ہوتا۔ لیکن بعض اوقات تو دل چاہتا کہ خاموشی سے سب کچھ چھوڑ دوں اور کسی ایسی جگہ چھپ جاؤں جہاں خاموشی ہی ہو

تاکہ۔ ہر جگہ۔ ہر قدم۔ بے انسان سے نیچے اترے اور پھر سے کا جو کسی بھی وقت ساتھ چھوڑ دے۔ وہ عشق انسان ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ میری یہ حیثیت ہے۔ بلکہ تھی تو یہ تھی کہ اس کے ساتھ رہ کر میری خود اعتمادی ختم ہو گئی تھی۔ ہر کام کے لئے اس کا سہارا تلاش کرتا تھا اور یہ مناسب بات نہیں تھی۔

بہرحال۔ آج کل ان راتوں اس الو کے پٹھے کے ساتھ گزر رہی تھیں اور میری ساری جمالیاتی حس کا ستیاناس ہو کر رہ گیا۔ کسی ہیجڑے سے عشق کرنے کی مصیبت آپ کے سر آ پڑے تو آپ کو پتہ چلے۔

لیکن دوسری طرف میں اپنا کام بھی کر رہا تھا۔ اس زنخے کو مشق کرا رہا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے اور وہ میری ہر بات آنکھیں بند کر کے مانتا تھا۔ لیکن اس سلسلے میں مجھے زبردست احتیاط سے کام لینا پڑ رہا تھا۔ اگر برجمن کو یہ تفصیلات معلوم ہو جاتیں تو شاید وہ ہم دونوں کو ہی قتل کرا دیتا۔ خواہ اسے کتنا ہی بڑا خطرہ مول لینا پڑتا۔

پھر سارے کام مکمل ہو گئے۔ میں نے پوری کوشش اور جدوجہد کر کے میں نے "آپریشن" کی اجازت دے دی۔ اور پھر ایک صبح۔ ایک صبح جب دیوان برجمن لال نے دربار شروع کرنے کا حکم دیا۔ بڑے بڑے لوگ سب دربار میں پہنچ گئے تو۔ اچانک چوبداروں نے ہیجان خیز لہجے میں مہاراج گونداس کے دربار میں آنے کی اطلاع دی۔

اور پورا دربار حیران رہ گیا۔

بہت سے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ یہ گونداس کے چاہنے والے تھے۔ برجمن لال کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ اس کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

"کیا بکتے ہو؟ مہاراج تو بیمار ہیں۔" اس نے چوبداروں کے سالار سے کہا۔

"وہ دربار کے قریب پہنچ چکے ہیں۔"

"مگر اچانک؟"

"ہاں۔ ہمیں پہلے سے ان کی اطلاع نہیں تھی۔"

"ٹھیک ہے وہ میں ان کا سواگت کروں گا۔" برجمن لال نے کہا۔

"رک جاؤ برجمن جی۔ ہم سب یہیں مہاراج کا سواگت کریں گے۔" فوجوں کے سالار نے کہا۔ یہ شخص مہاراج کا بڑا پرستار تھا اور ان سے بہت پیار کرتا تھا۔ برجمن لال رک گیا۔ لیکن اس کی بری حالت تھی۔

میں دربار میں موجود تھا۔ لیکن شاہ وقت کا دوست۔



اور سے ہوئے۔ اور میں ان میں سے ایک ایک کی کیفیت کا اچھی طرح جائزہ لے رہا تھا۔

تب شیروں کا شیر۔ راجہ گونداس پورے دربار میں داخل ہو گیا۔ کمبخت کی چال میں اب بھی لچک تھی اور کبھی کبھی چلنے کا انداز بدل جاتا۔ لیکن میں نے اسے خوب مشق کرائی تھی اس لئے کام چل رہا تھا۔

سارے دربار میں مہاراج کی جے۔ مہاراج کی جے کے نعرے گونجنے لگے۔ اور گونداس کو بھی پرانے انداز یاد آ گئے۔

وہ تخت پر آ بیٹھا اور ایک ایک درباری نے جھک کر اس کے پاؤں چھوئے۔ ان میں برجمن لال بھی تھا۔ لیکن اس کی جو کیفیت تھی' قابل دید تھی۔ سارے کاموں سے فارغ ہو کر مہاراج سنگھاسن پر بیٹھ گئے اور پھر انہوں نے کہا "دربار کے سارے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ کوئی آنے نہ پائے۔" یہ حکم پھر تعمیل کیا گیا تھا۔

برجمن لال گہری نگاہوں سے مہاراج کا جائزہ لے رہا تھا۔

"ہمارے مترو۔ تمہیں معلوم ہے ان دنوں ہماری کیا حالت رہی ہے۔ تم میں سے کسی نے ہمارے بارے میں کچھ معلوم کیا۔"

"ہمیں بتایا گیا تھا مہاراج۔ کہ آپ کسی سے نہیں ملتے۔ ہم نے بہت کوشش کی۔ لیکن۔" سالار نے کہا۔

"تمہیں میرے پاس آنے سے کس نے روکا تھا؟"

"دیوان۔ دیوان برجمن لال جی نے۔"

"برجمن لال۔" مہاراج نے غور سے برجمن لال کی شکل دیکھی "اس کے ہوش اڑے ہوئے تھے۔ ہر کوئی صاف محسوس کر رہا تھا۔" تو سنو میرے مترو۔ میں جانتا ہوں تم میرے وفادار ہو۔ تم میرے لئے پران تیاگ سکتے ہو۔ لیکن ایک چالاک شخص نے۔ ایک چالاک دشمن نے تمہارے اور میرے درمیان دیوار کھڑی کر دی۔ اس نے اتنا کاری وار کیا کہ۔ اوئی رام۔"

"سنبھل کر۔ سنبھل کر گوندی۔" میں نے جلدی سے مہاراج کے کان میں کہا۔

"ہائے میری نانی۔ تم میرے ساتھ ہو۔"

"ہاں۔ سنبھل کر گوندی۔" میں نے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہمارے چاروں کے دشمن کا خیال تھا کہ وہ اس طرح ہمیں بیمار بنا کر آہستہ آہستہ ختم کر دے گا۔ اور پھر راج گدی پر قبضہ

کر لے گا۔ اس لئے اس نے تمہیں ہم سے کاٹ دیا۔"

"وہ مہاراج۔ وہ بیری کون ہے؟" سالار تلوار نکال کر بولا۔

"اب بھی نہیں سمجھے میرے بھولے ساجن۔ ہائے میں مر جاؤں۔" اور پشت پر میرا ہاتھ محسوس کر کے مہاراج پھر سنبھل گئے۔

"برجمن لال جی۔" سالار خونی آنکھوں سے برجمن کو گھورتے ہوئے بولا۔

"نن۔ نہیں۔ نہیں۔ میں مہاراج کا وفادار ہوں۔" برجمن لال گھبرا کر بولا۔

"کیڑے پڑیں زبان میں۔ موئے بدبخت۔ تو ہی تو ہے۔ جس نے ہمیں نہ۔" مہاراج نے پشت پر میرے ہاتھ کا دباؤ محسوس کر کے انداز بدل دیا۔

"ہاں یہی ہے وہ بیری۔ اس نے ہمیں قتل کرنے کی کوئی ترکیب نہیں چھوڑی۔ لیکن۔ لیکن۔ ارے۔ لیکن کیا۔" مہاراج ڈائیلاگ بھول گئے اور میں جلدی جلدی ان کے کان میں بولنے لگا۔

"لیکن ہماری جان ہمارے ایک ایسے مترنے بچائی جس کا احسان ہم جیون بھر نہیں بھول سکتے۔ آج بھی اگر دیوان برجمن لال کو ہمارے آنے کا پتہ چل جاتا تو وہ ہمیں مروا دیتا۔"

"ہمارے جیون میں ایسا نہیں ہو سکتا تھا مہاراج۔"

"گرفتار کر لو اس پاپی کو۔ گردن کاٹ دو موئے ہتیارے کی۔ اس نے ہمیں بڑے دکھ دیئے ہیں۔" مہاراج کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

اور سالار نے برجمن لال کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھا "تمہاری دیوان کی حیثیت ختم ہو چکی ہے برجمن لال۔ مہاراج نے تمہارا سارا حق چھین لیا ہے۔ چنانچہ میں تمہیں غداری کے الزام میں گرفتار کرتا ہوں۔"

"یہ کیا بکواس ہے۔" برجمن لال گھبرا کر بولا۔

"گرفتار کر لو اس پاپی کو۔ اس نے جس تھالی میں کھایا اسی میں چھید کیا۔"

"اس کے ساتھ پاپی پورن لال بھی تو جواب پاگل بنا ہوا ہے۔"

"اسے بھی سزا دی جائے گی مہاراج۔" سالار نے کہا۔

"اسے لے جاؤ یہاں سے۔ اس کی صورت دیکھ کر ہمیں پریشانی ہوتی ہے۔" مہاراج بولے۔

"جو آگیا مہاراج۔" سالار نے کہا۔ برجمن لال کو

گرفتار کرلیا گیا تھا۔ سپاہی اسے دھکیلتے ہوئے باہر لے گئے۔ میرا دل خوشی سے اچھل رہا تھا۔ اتنی شاندار کامیابی کی خود مجھے توقع نہیں تھی۔ بہرحال بخوبی اندازہ ہوگیا تھا کہ گووندا اس کپور کس قدر بزدل ہے۔

"تو میرے مترو۔" گووندا اس کپور نے کہا "میرے سب سے بڑے دشمن کو زندہ چھوڑا جاسکتا ہے میں آج آخری بار تمہارے سامنے آگیا ہوں۔ میری حالت اب ایسی نہیں ہے کہ راج پاٹ کے کام کرسکوں۔"

"نہیں مہاراج۔ ایسا نہ کہیں۔ ایسا نہ کہیں۔" سب چیخ پڑے۔

"بھگوان کی یہی مرضی ہے۔ اور اب میرے من میں جو میرے من میں بھگوان کہتے ہیں۔ میں بن باس لے رہا ہوں۔ میں یہاں سے دور چلا جاؤں گا۔ اور میرا فیصلہ اٹل ہے۔"

گووندا اس کپور میرے رٹائے ہوئے شبد دوہرا رہا تھا۔ درباری رونے لگے "اوکی۔ میں مرجاؤں۔ اب کیا کروں؟" گووندا اس کپور گھبرا گیا۔

"نہیں، حوصلہ دو گووندی۔ اور جلدی سے ست پرکاش کا ذکر کرکے اسے بلاؤ۔"

"حوصلہ لو۔ حوصلہ لو میرے مترو۔ میری پوری بات سنو! سنو میری پوری بات سنو۔"

"آپ ہمارے اوپر راج کریں مہاراج۔ آپ نہیں نہ جائیں۔"

"میں۔ میں اس قابل نہیں رہا۔ میرے من میں بھگوان سمائے ہیں۔ ہائے میں تو ان کی جوگن بن گیا ہوں۔" گووندا اس کپور نے پیار سے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"کام پورا کرلو گووندی۔ اس کے بعد من بھر کے تمہیں پیار کروں گا۔"

"ہائے میں مرجاؤں۔ ہی ہی ہی۔" گووندا اس کپور شرما کر بولا۔

"کام پورا کرو۔ پہلے کام پورا کرو۔" میں نے مضطربانہ انداز میں کہا اور وہ گدھے کی دم پھر سنبھل گیا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ جوتے مار مار کر اس کا سر گنجا کردوں۔

"ہم آپ کے بنا کیا کریں گے مہاراج۔"

"میں۔ تمہارے درمیان ایک راجہ چھوڑ جاؤں گا۔ میں نے خوب سوچ سمجھ کر ست پرکاش کو راج پاٹ کا راجہ بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"ست پرکاش!" سب حیرت سے بولے۔

"ہاں۔ میرا مترو میرا سا تھی ست پرکاش۔ جس نے ہمیشہ میری سہائتا کی۔ اگر وہ میرا ساتھ نہ دیتا تو اب تک پاپی برجونت لال میری جان لے چکا ہوتا۔"

"ست پرکاش کون ہے؟" سالار نے سوال کیا۔

"ست پرکاش کو بلاؤ۔" مہاراج نے ایک طرف منہ کرکے کہا اور پروگرام کے مطابق ست پرکاش ایک اندرونی دروازے سے اندر آگیا۔ راجاؤں کے لباس میں وہ بہت سج رہا تھا۔

سب نے حیرت سے اسے دیکھا۔ کوئی اسے نہیں پہچانتا تھا۔

"آؤ۔ آؤ میرے مترو۔ آؤ۔ میں راج مکٹ تمہارے سر پر رکھ دوں۔"

سالار اور دوسرے لوگ حیرت سے اس نوجوان کو دیکھ رہے تھے۔ پھر سالار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دھن باد ست پرکاش جی۔ آپ نے ہمارے مہاراج کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کے لئے ہم زندگی بھر آپ کے احسان مند رہیں گے۔" ست پرکاش نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس پر تحیر کی کیفیت طاری تھی۔ حالانکہ میں نے اسے کافی سمجھایا تھا۔ لیکن وہ ہو رہا تھا جو کبھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا۔ اس لئے اس کی حالت عجیب تھی۔

"میرے مترو۔ تمہارا آگیا ہے۔ تمہارے سامنے یہ تخت میں ست پرکاش کو دے رہا ہوں۔ میری منوکامنا ہے۔ میری سب سے بڑی منوکامنا ہے کہ میرے بعد تم ست پرکاش کو راجہ مانا۔ اس کی سہائتا کرنا۔"

"ایسا ہی ہوگا مہاراج۔ ایسا ہی ہوگا۔" سالار نے جذباتی لہجے میں کہا۔ اور پھر مہاراج گووندا اس کپور نے تاج ست پرکاش کے سر پر رکھ دیا۔

"مہاراج ست پرکاش کی جے۔ مہاراج ست پرکاش کی جے۔" چاروں طرف سے نعرے گونجے۔ درباریوں نے اپنے راجہ سے عقیدت کا ثبوت دیتے ہوئے اس کی بات مان لی تھی اور دل سے ست پرکاش کو راجہ قبول کرلیا تھا۔

ست پرکاش کا پورا بدن ٹھنڈا پڑا تھا۔ خود میری کیفیت اس سے جدا نہ تھی۔ میں دل ہی دل میں اتنا خوش تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ میں نے وہ کام کر دکھایا تھا جس کے بارے میں سوچنا بھی مشکل ہے۔

سالار نے اپنی تلوار ست پرکاش کے قدموں میں رکھ دی۔ اور پھر بولا: "میں تمہارا داس ہوں مہاراج۔ میں نے من سے تمہیں راجہ مان لیا ہے۔ درگا ماں کی سوگند




تمہارے اشارے پر اس شخص سے جنگ کرے گی جو تمہارا دشمن ہوگا۔" پھر اس نے درباریوں کی طرف رخ کرکے کہا۔ "میری منوکامنا مترو۔ تم سب بھی مہاراج سے وفاداری کا اعلان کرو۔" اور اس کے بعد ایک ایک شخص نے مہاراج ست پرکاش سے وفاداری کا اعلان کیا اور میرے کہنے پر گووندا اس کپور سنگھاسن سے ہٹ گیا اور اس پر ست پرکاش بیٹھ گیا۔

"بس اب تمہارا کام ختم ہوگیا۔ آؤ واپس چلیں۔" میں نے گووندا اس کے کان میں کہا اور وہ میرے ساتھ چل پڑا۔

"ان لوگوں سے اجازت تو لے لو۔"

"ہاں۔ مترو۔ میرا کام ختم ہوگیا۔ اب میں تمہارے سامنے نہیں آؤں گی۔ آؤں گا۔" اور درباری غمزدہ ہوگئے ویسے وہ سب حیران تھے۔ لیکن بہرحال یہ حیرانی خطرناک نہیں تھی۔

یوں میں گووندا اس کپور کو لے کر واپس اس کی رہائش گاہ میں آگیا۔ وہ اپنی راج گدی دوسرے کے حوالے کرکے بھی خوش تھا۔ بہرحال میری شامت آگئی تھی اور اب میری دلی خواہش تھی کہ جلد از جلد اس سے نجات مل جائے۔

بمشکل تمام میں نے اس سے چھٹکارا پایا۔ ابھی چند روز اس کی زندگی بھی ضروری تھی۔ ممکن ہے ست پرکاش کو کوئی ضرورت پیش آجائے۔

"ست پرکاش ابھی درباریوں میں تھا۔ میں نے دیوتی کو یہ خوشخبری سنائی اور اس کامیابی پر وہ انگشت بدنداں تھی۔ اتنا بڑا واقعہ اس آسانی سے ہوگیا تھا۔ میں بھی سسپنس میں تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ اس کے نتائج کیا نکلتے ہیں۔ ست پرکاش تو بری طرح مصروف تھا۔ بہرحال ذہین نوجوان تھا۔ اسے جب یہ یقین ہوجانے کا یقین آگیا تو اس نے بھی اپنی صلاحیتوں سے کام لینا شروع کردیا۔

بہرحال رات کے آخری حصے میں اس نے مجھ سے ملاقات کی اور میرے سینے سے لپٹ گیا "یہ سب کچھ یہ سب ابھی تک میرے لئے ناقابل یقین ہے یہ سب کیسے ہوگیا بھیا۔"

"ہوگیا ہے ست پرکاش۔ لیکن اسے برقرار رکھنا اب تمہارا کام ہے۔ راج نیتی آسان کام نہیں ہے۔ تمہیں سخت الجھنوں سے گزرنا ہے۔ سنبھلنا ہے۔ ابھی تمہارے بے شمار مخالف ہوں گے۔"

"تم نے جو کچھ کیا ہے بھیا۔ تم بے فکر رہو۔ میں اسے بڑی ہوشیاری سے سنبھالوں گا۔"

"ہاں۔ اب تم مطلق العنان ہو۔ دیوتی کو کوئی تم سے نہیں چھین سکتا۔ لیکن پہلے دوسرے مرحلوں سے نپٹ لینا۔ اس کے بعد اپنے پریم کی طرف توجہ دینا۔"

"میں وہی کروں گا بھیا جو تم کہو گے۔ لیکن مجھے یہ تو بتادو۔ یہ سب اتنی آسانی سے کیسے ہوگیا؟"

"آسانی سے نہیں ہوا ست پرکاش۔ میں نے اس کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ براہ کرم اس کی تفصیل میں نہ جاؤ۔"

"ٹھیک بھیا۔ میں آپ کے لئے کیا کروں میں آپ کو اس کا صلہ کیسے دوں؟"

"میں تم سے صلہ ضرور وصول کروں گا۔"

"میں بھی تمہارے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں بھیا۔"

"ابھی تم صرف یہ کرو کہ اپنی گدی پر مضبوط گرفت حاصل کرلو۔ اس کے بعد میں تمہیں بتاؤں گا کہ تمہیں میرے لئے کیا کرنا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

ست پرکاش کو راج گدی سنبھالے ایک ہفتہ گزر گیا۔ اس ایک ہفتے میں زبردست ہنگامے ہوئے۔ برجونت کے کچھ لوگوں نے اس کی گرفتاری کے خلاف احتجاج کیا۔ لیکن انہیں گرفتار کرکے سخت سزائیں دی گئیں۔ اور پھر ایک دن برجونت لال کو بھی پھانسی دے دی گئی۔ فوجوں کا سالار پوری طرح ست پرکاش کے حق میں تھا۔ وہ گووندا اس کپور سے اندھی عقیدت رکھتا تھا بہرحال بڑے کام کا آدمی ثابت ہوا وہ۔ اور سچی بات ہے کہ ست پرکاش کی حکومت اس کی وجہ سے بہت مضبوط ہوگئی۔

رہ گیا میں۔ تو میں ایک تجربے کے عذاب میں گرفتار تھا۔ وہ کمبخت تو خود کو نقلی عورت سمجھ بیٹھا تھا۔ اور اب اس کی دست درازیاں بڑھ گئی تھیں۔ میرا خیال تھا اب اس سے چھٹکارا پالوں۔ چنانچہ میں نے اس کے لئے ایک ترکیب سوچی۔ اسی رات میں نے اس سے کہا میں اس کی داسیوں کا رقص دیکھنا چاہتا ہوں۔

"ضرور میری جان۔ میں سب سے کہے دیتی ہوں۔"

"ہم شراب بھی پئیں گے۔"

"ہائے۔ اس کے بعد میں سرور میں آجاؤں گی۔"

"تم کتنی شراب پی سکتی ہو گووندی؟"

"جتنی تم کہو گے۔"

"اچھا پھر دیکھیں گے۔ لیکن تمہارے سامنے نہیں آؤں گا۔ تم کسی سے میرا ذکر بھی نہیں کرو گی۔"

"تم میرے پاس تو ہو گے؟" اس نے مجبورانہ بے قراری سے پوچھا۔

"یقیناً۔ تمہارے باقی نزدیک۔" میں نے جواب دیا۔ رات گووندا اس کے محل میں خاص رقص و سرور کی محفل رچائی گئی۔ رقاصائیں ناچ رہی تھیں، گانے والیاں گا رہی تھیں۔ کنیزیں جام لنڈھا رہی تھیں۔ میں دوشالہ اوڑھے ہوئے مہاراج کے نزدیک بیٹھا ہوا تھا۔ اور مہاراج جام پر جام پی رہے تھے۔

اتنا بڑا کام ہو جانے کے بعد میں مطمئن و مسرور تھا اور اب میرے اندر خود اعتمادی بھی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنا کام مکمل کر کے میں درگاپور چھوڑ دوں گا۔ اب مجھے طالوت پر غصہ آنے لگا تھا۔ اپنی پر اسرار طاقتوں پر گھمنڈ کرتا ہے۔ ٹھیک ہے اس نے میری زندگی بچائی تھی۔ مجھے بہت کچھ دیا۔ لیکن میں بھی تو انسان ہوں۔ ہمیشہ اس کی وجہ سے الجھنوں میں پھنس جاتا ہوں۔ اس کا احسان سر آنکھوں پر۔ لیکن اب مزید احسان نہیں لوں گا۔ یہ سب ہی چھوڑ دوں گا اور کسی دوسرے ملک جا کر اپنے طور پر کوئی سنجیدہ زندگی بسر کروں گا۔

مہاراج کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ کنیزیں بھی اب اسے جام دیتے ہوئے جھجک رہی تھیں۔ پھر یہ کیفیت ہوئی کہ مہاراج جام پکڑنے کے قابل بھی نہ رہے۔ انہوں نے میرے کندھے پر ٹھوڑی رکھ دی۔

"ناٹھ۔" وہ آہستہ سے بولے۔

"میری گووندی۔" میں نے پیار سے اس کی پشت سہلاتے ہوئے کہا۔

"اب۔ قازت۔ پیوں؟"

"کنیزوں سے کہو اپنے ہاتھ سے پلائیں۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک۔ چلا۔" وہ بولا۔ اور پھر اس نے داسیوں کو اشارہ کیا۔

"بس کریں مہاراج۔ بس کریں۔ بھگوان نہ کرے آپ کو نقصان پہنچ جائے گا۔" ایک داسی نے کہا۔

"چپ۔ لاؤ۔ جو میں۔ کہہ رہا۔ ہوں۔" مہاراج ناراض ہو کر چلائے اور داسیاں پھر انہیں پلانے لگیں۔ اثر ہونے لگا۔ مہاراج کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔

"بس تھوڑی سی اور۔" میں نے اس کے کان میں کہا۔

"ہاں۔ خالی پیو اور۔" مہاراج جھوم کر بولے اور داسیاں تو حکم کی بندی تھیں۔ اور پھر مہاراج کے منہ سے شراب بہنے لگی اور وہ اوندھے گر گئے۔ اور میں خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔

[illegible] چنانچہ میں وہاں سے چلا آیا۔ اور ایک مناسب جگہ تلاش کر کے لیٹ گیا۔ نہ جانے کب مجھے نیند آئی۔ اور جب میری آنکھ کھلی تو پورے محل میں سرگوشیاں رقص کر رہی تھیں۔ "مہاراج مر گئے۔ مہاراج مر گئے۔"

ہاں۔ مہاراج کا دھیانت ہو گیا تھا۔

ست پرکاش بہت عمدہ اداکاری کر رہا تھا۔ وہ اس قدر اداس تھا کہ جیسے سچ مچ اس کو بہت رنج ہوا ہو۔ اس نے مہاراج کی موت کے سلسلے میں بہت سے احکامات جاری کئے تھے۔

سب کچھ ہو رہا تھا، لیکن ضرورت نہیں تھی۔ یہاں میں نے میدان تو صاف کر دیا تھا۔ کاش طالوت واپس آ جائے۔ میرے دل کی گہرائیوں سے یہ آواز ضرور تھی۔

لیکن طالوت کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ اور اب میں آخری قدم کے لئے تیار تھا۔ اس کے بعد۔ اس کے بعد میں نے فیصلہ کیا تھا کہ درگاپور چھوڑ دوں۔ یوں بھی میں طویل عرصہ گزار چکا تھا۔

اور طالوت۔ اس بار شاید اس نے مجھ سے جان ہی چھڑا لی تھی۔ کتا کا بھی کوئی نشان نہیں ملا تھا اور پھر مجھے یقین تھا کہ طالوت بھی کا کتا کو ٹھکانے لگا چکا ہو گا۔ اس ذہن زاویے سے بچنا مشکل ہی تھا۔ اور پھر جو اس کی فطرت تھی مجھے اچھی طرح معلوم تھی۔

چنانچہ ایک رات میں ست پرکاش اور دیومتی کے پاس پہنچ گیا۔ یہ دونوں بے حد خوش تھے اور ظاہر ہے انہیں یہ خوشی میری وجہ سے ملی تھی۔ اس لئے وہ میرے پجاری تھے۔

"آؤ بھیا۔ ہم تمہاری ہی باتیں کر رہے تھے۔"

"کیا باتیں ہو رہی تھیں؟" میں نے پژمردہ سی مسکراہٹ سے پوچھا۔

"بھیا۔ تم نے مجھے وہ کام ابھی تک نہیں بتایا، جو تم مجھ سے لینا چاہتے تھے۔" ست پرکاش نے کہا۔

"بہت مشکل ہے ست پرکاش۔ کر سکو گے؟"

"آپ کے لئے تو میں آگ کے سمندر میں چھلانگ لگانے کو تیار ہوں۔"

"غور کرو۔"

"غور کر لیا بھیا۔ آپ کہیں تو سہی۔" ست پرکاش نے بھروسے سے کہا۔

"تو سنو ست پرکاش۔ کیا دیومتی نے تمہیں میری حقیقت نہیں بتائی؟"



"تمہاری حقیقت؟"

"ہاں۔"

"تمہاری حقیقت کیا ہے بھیا؟"

"کیوں دیومتی؟" میں نے اسے دیکھا۔

"ہمیں اپنے بچن من کی نہیں ہو تمیں بھیا۔" دیومتی نے کہا۔

"میں تمہاری اس بات کی قدر کرتا ہوں دیومتی۔ اور یہ سچ بھی ہے۔ تم عام عورتوں سے مختلف ہو۔ بہرحال ست پرکاش۔ میں نہیں سمجھتا کہ تمہیں یہ جان کر کتنا دکھ ہو گا۔ کہ۔ میں مسلمان ہوں۔"

"ایں۔" ست پرکاش حیرت سے اچھل پڑا۔

"ہاں ست پرکاش۔ میں مسلمان ہوں۔"

"مگر۔ مگر۔ یہ۔ یہ کیسے ممکن ہے بھیا۔ کیا۔ کیا یہ سچ ہے؟"

"ہاں میں مسلمان ہوں ست پرکاش۔"

"اگر ہیں بھیا۔ تو اس میں دکھ کی کیا بات ہے۔ دھرم تو سب کے اچھے ہوتے ہیں۔ ہم نے خود انہیں برا بنا دیا ہے۔"

"ہاں ست پرکاش۔ اور تمہارے دیش میں مسلمانوں کے ساتھ بہت برا سلوک ہو رہا ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم بھیا۔ بھگوان کی سوگند۔ مجھے نہیں معلوم۔"

"انہیں اچھوت بنا دیا گیا ہے۔ ان سے ان کی مذہبی مراعات چھین لی گئی ہیں۔ ان کے سارے کاروبار چھین لئے گئے ہیں۔ انہیں جانوروں کی سی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ ان کی لڑکیاں ہندو اٹھا لاتے ہیں انہیں طرح طرح سے پریشان کیا جاتا ہے۔"

"بھگوان کی سوگند بھیا۔ یہ انیائے ہے۔ میں ان کے ساتھ نیائے کروں گا۔"

"میرا یہی کام ہے ست پرکاش۔ میں چاہتا ہوں، ایک راجہ ہونے کی حیثیت سے تم ان کے ساتھ بھی انصاف کرو۔ انہیں ان کی عزت واپس دلاؤ۔ انہیں بھی انسانوں کی طرح جینے کا حق دو۔"

"یہ تمہارا کام نہیں بھیا۔ میرا کام ہے۔" ست پرکاش نے جذباتی انداز میں کہا۔ کئی منٹ تک خاموش رہا۔ پھر حیرت سے دیومتی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"لیکن تمہیں یہ بات معلوم تھی دیومتی؟"

"ہاں۔ بھیا نے مجھے بتا دیا تھا۔"

"تم نے مجھے نہیں بتایا۔ خیر ٹھیک ہی کیا۔ بھیا کا احترام قائم رہا۔ میں کوئی ادھوئی نہیں کروں گا بھیا۔ لیکن بھگوان کی سوگند۔ جب تک میں زندہ ہوں۔ جب تک میرا جیون باقی ہے میں ان کے ساتھ انیائے نہ ہونے دوں گا۔"

"میرا کام ختم ہو گیا۔" میں نے کہا۔ دل میں نہ جانے کیوں اداسی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ اس کے بعد میں ان کے پاس نہ رکا اور ان سے اجازت لے کر نکل آیا۔

اب درگاپور میں ٹھہرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ دیومتی اور ست پرکاش سے ذکر کرنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ اور اگر ذکر کر دیتا تو وہ لوگ مجھے روکنے کی کوشش کرتے۔

یہ سب کچھ فضول تھا۔ اب یہاں رکنا بیکار ہے۔ میں نے سوچا۔ لیکن کہاں جاؤں؟ کسی بھی طرف، سب سے پہلے درگاپور سے نکلا جائے۔ اس کے بعد دیکھا جائے گا۔

میں چلتا رہا۔ اور پھر اسی مندر کے قریب پہنچ گیا۔ جہاں ہم نے درگاپور میں داخل ہونے کے بعد پہلی بار قیام کیا تھا۔ مندر کو دیکھ کر میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ دوشالہ اوڑھے رہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے اسے اتار دیا۔ سرحد پار کرتے وقت دیکھا جائے گا۔ اور پھر میں مندر کے سامنے سے بھی گزر گیا۔

اور پھر درگاپور کی حدود ختم ہوئی تھیں۔ کہ اچانک میری نگاہ سامنے اٹھ گئی۔ دل دھک سے رہ گیا تھا۔ سامنے سے طالوت آ رہا تھا۔

میرے قدم ٹھٹک گئے۔ طالوت نے بھی مجھے دیکھ لیا اور پھر وہ تیز قدموں سے میرے قریب پہنچ گیا۔ لیکن مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں آئی تھی۔ وہ بے حد سنجیدہ اور کسی قدر پریشان سا تھا۔ میں خاموش کھڑا رہا۔ اور وہ میرے قریب پہنچ گیا۔

"تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پریشان ہو گیا۔ کہاں چلے گئے تھے؟" اس نے سنجیدہ آواز میں کہا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"بتاؤ نا۔ کہاں چلے گئے تھے؟"

"کہیں نہیں طالوت۔"

"آؤ میرے ساتھ۔"

"کہاں؟" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ اس کے سوال پر مجھے غصہ آ گیا تھا۔ لیکن میں نے سرد مہری سے کام لیتے ہوئے اس کا اظہار بھی نہیں کیا۔

"کہیں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔" اس نے کہا۔

"نہیں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"میرا دماغ پر چھوڑ رہا ہوں۔"
"ارے۔ ابھی تو بہت بڑی بات ہے۔ آؤ تو سہی۔"
"نہیں خاموت مجھے اجازت دو۔"
"ایسے اجازت نہیں دوں گی۔ تم آؤ تو سہی۔" خاموت نے بازو پکڑ لیا۔
"سوری خاموت۔ زیادہ دور نہ جا سکوں گا۔ [illegible] کیا کرنا چاہتے ہو؟" مجھے اس پر شدید غصہ تھا۔ کم بخت نے ابھی نہیں پوچھا تھا۔ آخر میں نے اس کے ساتھ یہ رویہ کیوں اختیار کیا ہے۔
"مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ آؤ سامنے والے پہاڑوں تک چلیں گے۔"
"چلو۔" میں نے کہا اور اس کے ساتھ چل پڑا۔ ویسے تب اس کی سنجیدگی پر غور کر رہا تھا۔ وہ اتنا پریشان کیوں ہے۔ کوئی خاص ہی بات ہو گئی ہے کیا؟
بہرحال ہم نے پہاڑوں تک کا راستہ خاموشی سے طے کیا۔ شوخ طبیعت والی خاموت کی یہ پراسرار سنجیدگی مجھے بے حد عجیب لگ رہی تھی۔ لیکن میں نے ابھی تک کسی وجہ سے اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ پھر ہم ایک پہاڑی غار میں داخل ہو گئے۔ غار بے حد کشادہ تھا۔ جس میں کئی سرنگیں ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ یہاں عجیب عجیب چیزیں موجود تھیں۔ کئی پتھر کے بت بھی نظر آئے جو بے حد بھیانک تھے۔ ان میں سے بعض کی آنکھوں سے آگ نکل رہی تھی۔ انسانی ڈھانچے، کھوپڑیاں، ہڈیاں اور نہ جانے کیا کیا۔
"یہ کیسی جگہ ہے؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔
"یہ بڑی مشکلات سے ملی ہے مجھے۔ ایسی حفاظت میں تم اندازہ نہیں کر سکتے۔" خاموت سنجیدگی سے بولا۔
"کیا مطلب؟"
"یہاں تک پہنچنا بڑا مشکل ہے۔"
"وہ کچھ نہیں۔" "اب مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا [illegible]"
"[illegible] اس وقت کوئی قوت نہیں ہے [illegible]"
[illegible]

[illegible] تعجب سے [illegible] جو چاہ رہے ہو [illegible] میرے دل میں خاموت کے لئے ہمدردی محسوس ہوئی۔ اب وہ اس قدر مجبور ہو گیا تھا [illegible] اب وہ بھی میری طرح ایک [illegible] اس سے فرار [illegible] آیا تھا۔
"پھر کیا ہو گا؟"
"کچھ نہیں۔ اس نے مجھے سب کچھ چھین کر چھوڑ دیا۔ اب میں اس کا کیا بگاڑ سکتا ہوں۔"
"مت بھیجو خاموت۔ اپنا یہ خیال بدل دو۔ اب ہم چل کر آرام سے رہیں گے۔"
"مگر میں بغیر کسی قوت کے زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ پھر یہاں کی سرحد سے نکلنا کس قدر مشکل ہو گا۔ ہم ان کی نظروں سے چھپ بھی تو نہیں سکتے۔" خاموت نے اداسی سے کہا۔
"ایک چیز تم بھول رہے ہو۔" اچانک میں نے مسکرا کر کہا۔
"کیا؟" خاموت نے تعجب سے پوچھا۔
"شاہ دانہ کا دوشالہ۔ اسے اوڑھ کر ہم سب کی نظروں سے غائب ہو سکتے ہیں۔"
"ارے۔" خاموت اچھل پڑا۔ "ہاں میں تو بھول ہی گیا۔ اوہ میں بھی کیسا احمق ہوں۔ لاؤ دو تو سہی۔ دیکھو وہ میرے اوپر کار آمد ہو سکتا ہے یا نہیں۔"
اور میں نے خاموت کی امانت اسے لوٹا دی۔ خاموت نے مسکراتے ہوئے دوشالہ لے لیا۔ اور بہت غور سے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے دوشالہ اوڑھا اور میری نظروں سے غائب ہو گیا۔
"کیا تمہیں نظر آ رہا ہوں؟"
"نہیں۔"
"خوب۔ بہت خوب ہے یہ۔ اور کوئی چیز نہیں ہے تمہارے پاس؟"
"اس کے علاوہ یہ دو تم نے مجھے؟"
"اچھا چلو [illegible]"
[illegible]

کئی منٹ تک میرے حواس گم رہے۔ پھر میں نے سنبھل کر کہا۔ "تم یہ کہہ رہے تھے؟"
"ہاں سوامی۔ آپ کو اس کا علم تھا۔ بس آپ کی ضرورت تھی۔"
"خاموت کہاں گیا؟"
"اس کے بارے میں میں نے جو کچھ کہا تھا وہ غلط نہیں کہا تھا۔ سوائے اس کے کہ میں نے اس کو چھوڑا نہیں۔ وہ میری قید میں ہے۔"
"میرا دوشالہ واپس کر دو۔"
"رام رام۔ کیسی بچوں کی سی باتیں کرتے ہو سوامی۔ تمہارا نام مجھے یاد نہیں۔" تلملاتے ہوئے کہا اور میں غور کرنے لگا۔ واقعی یہیں دھوکا کھایا تھا۔ اس نے ایک بار بھی میرا نام نہیں لیا تھا۔ اور پھر بہت سی باتیں اس کی بدلی ہوئی تھیں۔ غصے میں میں نے غور ہی نہیں کیا تھا۔
"دوشالہ واپس کر دو بت۔"
"ارے مجھے اسی کی تلاش تھی سوامی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ شیطان نظروں سے کیسے غائب ہو جاتے ہیں۔"
"ٹھیک ہے۔ دوشالہ مجھے واپس کر دو۔" [illegible] لیکن [illegible] کر دور ہٹ گیا تھا۔ اور پھر اس نے [illegible] میں قدم رکھا۔ اور ایک پتھر کے بت کو اشارہ کیا۔
"شیطان کو ان کے ساتھی کے پاس پہنچا دو۔" اور بت متحرک ہو گیا۔ "ٹھہرو۔ وہاں نہیں۔ انہیں الگ کوٹھری میں پہنچا دو۔ یہ شیطان ہیں۔ اور شیطان بہت چالاک ہوتے ہیں۔ یہ کوئی چکر چلا دیں گے۔"
بت میری طرف بڑھتا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی روشنی میرے بدن کی قوت سلب کر رہی تھی۔ میں نے بچنے کی کوشش کی لیکن اس نے میری گردن پکڑ لی اور اٹھا لیا۔ میرے کمزور ہاتھ اس کے پتھریلے پنجوں کو گردن سے علیحدہ نہ کر سکے۔ اور میں حواس کھونے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے کچھ یاد نہ تھا۔
نہ جانے کب تک حواس گم رہے۔ جاگا تو تھوڑی سی [illegible] کا مزہ خراب تھا۔ [illegible] کوٹھری میں روشنی تھی۔ کوٹھری کیا ایک غار تھا جس کی دیواریں [illegible] میں نے ٹھنڈی سانس لے کر [illegible] اور اسی وقت "[illegible]" میرے کانوں میں آواز گونجی۔ [illegible] مجھے [illegible] کر رہا تھا۔ میں نے چونک کر [illegible] کی طرف دیکھا۔ تھوڑی دور [illegible] ایک [illegible] تھا۔


ٹیلی پیتھی کا پیش کار اور مستقبل بینی
[illegible]
ٹیلی پیتھی، ہومیو [illegible] دوسروں کے ذہنوں تک پہنچانے اور دوسروں کے دل کا حال جاننے کا سائنسی طریقہ
قیمت -/40 روپے | ڈاک خرچ -/23 روپے
کتاب کے چند عنوانات
شمع بینی کی مشق
تحت الشعور
ارتکاز توجہ کی قوت
جلت کی کار فرمائیاں
ماہیت افکار
تبادلہ طرز حس
انتقال افکار
ارتکاز کی مشقیں
مضرات انتقال افکار
[illegible] انسان
غیر معمولی صلاحیتوں کا [illegible]
[illegible]
قوتوں کا سرچشمہ
مستقبل بینی
اصل حقیقت
بعض جسم و جہدا واقعات
[illegible] اور احساسات
مستقبل بینی کیجیے
مستقبل بینی کے مضرات
[illegible] اور برے پہلو
کتابیات پبلی کیشنز
[illegible] 23 [illegible] 74200
5802551 [illegible] 5802557-5806312
kitabiat1970@yahoo.com
[illegible] 11763-C [illegible]

...تنی لمحے ہو کر اس میں دیکھ سکتا تھا۔ لیکن سوراخ ... چھوٹا تھا کہ اس سے کسی انسان کے نکلنے کا سوال ہی نہیں ... ہوتا تھا۔ یہ اس طرف طالوت ہے! میں نے سوچا۔ اور ... جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ تب میری نگاہ سوراخ کے دوسری ... طرف پڑی اور ایک بار پھر میں ششدر رہ گیا۔ وہ شکل ایسی ... تھی جسے ایک بار دیکھ کر بھلایا جا سکے۔ وہ تو ذہن پر نقش ... ہونے والوں میں سے تھی۔

"راج ہنس۔" میرے منہ سے نکلا۔

"ارے۔ تم مجھے جانتے ہو۔" وہ حیرت سے بولی۔ آواز ... کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔

"تم راج ہنس ہی ہو نا؟"

"ہاں۔ میں اسی منحوس نام سے منسوب ہوں۔"

"کیا مطلب۔ کیا تمہارا یہ نام نہیں ہے؟"

"نہیں۔"

"پھر کیا نام ہے؟"

"پہلے تم اپنے بارے میں بتاؤ۔ کیا تم تنکا کے قیدی ہو؟"

"ہاں۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"کیوں قید کیا ہے اس نے تمہیں؟"

"لمبی کہانی ہے۔"

"یہ نام ہے تمہارا؟"

"عارف۔"

"اوہ۔" وہ چونک پڑی۔ "عارف۔ عارف۔ ایسے نام ... مسلمانوں کے ہوتے ہیں۔"

"الحمدللہ۔ میں مسلمان ہوں۔"

"سچ۔" اس کے لہجے میں ایک انوکھا انبساط تھا۔ ایک ... عجیب سا سرور تھا۔

"خدا کا شکر ہے۔ احسان ہے اس کا۔" وہ بولی اور ... اس بار میری حیرت کی باری تھی۔

"کیا مطلب ہے یہ خطاب؟"

"میں بھی مسلمان ہوں عارف۔ میرا نام شکیلہ ہے۔ ... کیسی خوشی ہوئی ہے عرصہ دراز کے بعد ایک مسلمان کو ... تم اس کے چنگل میں کیسے آ پھنسے؟"

"تم مسلمان ہو۔ شکیلہ" میں شدت حیرت سے دیوانہ ... ہو رہا تھا۔

"ہاں۔ الحمدللہ میں بھی مسلمان ہوں۔"

"لیکن راج ہنس؟"

"یہ منحوس نام انہی ہندوؤں نے مجھے دیا ہے۔" شکیلہ ...

درویش سے بچی ہوں۔ اور نہ جانے دل سے لوٹ کر دونوں حصوں سے اس کے لئے محبت پھوٹ پڑی۔ نہ جانے کیوں اس سے بے پناہ اپنائیت محسوس ہوئی۔ میں شدت جذبات سے گنگ اسے دیکھتا رہا۔ اور وہ بھی مجھے گھورے جا رہی تھی۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لی۔

"لیکن آپ نے حلیہ تو سادھوؤں جیسا بنا رکھا ہے۔"

"مصلحت تھی شکیلہ۔ لیکن یقین کرو۔ یہ جان کر شدید حیرت ہوئی کہ تم مسلمان ہو۔"

"یہی کیفیت میری بھی ہوئی عارف۔ لیکن آپ مجھے راج ہنس کے نام سے کیسے جانتے ہیں۔"

"ہم تمہیں آج سے نہیں جانتے شکیلہ۔ کافی عرصے قبل ہم نے تمہیں ایک مندر میں دیکھا تھا۔ اور یہ شاید مذہب کی کشش ہی تھی کہ ہم اکثر تمہارے بارے میں سوچتے رہتے۔"

"ہم سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"میرا ایک اور دوست۔ میرا بھائی۔"

"کیا وہ آپ کے ساتھ نہیں ہیں؟"

"نہیں۔ وہ بھی منحوس تنکا کے چکر میں ہے۔"

"خدا غارت کرے اس منحوس کو۔ نہ جانے کیوں اللہ نے اس کی رسی دراز کر دی ہے۔" شکیلہ درد بھرے لہجے میں بولی۔

"اپنے بارے میں کچھ اور نہیں بتاؤ گی شکیلہ؟"

"کیا بتاؤں عارف صاحب۔ دنیا کی سب سے بدنصیب ہستی ہوں۔ میری وجہ سے میرے باپ اور دادا مارے گئے۔ اب پوری دنیا میں تنہا ہوں۔"

"مارے گئے؟"

"ہاں۔ ان ظالموں نے نہ جانے کیسے مجھے تاک لیا۔ اور میرے پیچھے پڑ گئے۔ ذلیل پجاری پورن لال نے وزیر ہرچرن لال کی مدد سے مجھے اغوا کرایا۔ میرے والد اور دادا نے مدافعت کی تو انہوں نے کلہاڑیوں سے انہیں ہلاک کر دیا۔ ماں بچپن میں مر چکی تھی۔ اس کے بعد میرا کوئی نہیں رہا۔ اور پھر میں ان منحوسوں میں تحفہ کی حیثیت اختیار کر گئی۔ چھ سال سے میں مندروں میں ماری ماری پھر رہی ہوں۔ خبیث صورت تنکا بھی میرا طلب گار ہے۔ عجیب سی چپقلش چل رہی ہے ان کے درمیان۔ شاید قدرت اپنی طرح میری عزت کی حفاظت کر رہی ہے کہ ان کے درمیان میرے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں ہو پا رہا۔"

"اوہ۔"



"اور اب یہ تنکا مجھے لے آیا ہے۔ اس ذلیل نے بھی میری عزت دو کوڑی کی کر رکھی ہے۔ روزانہ شراب پیتا ہے اور پتھر کے ایک بدشکل مجسمے کے سامنے مجھے رقص کرنا پڑتا ہے۔" شکیلہ زار و قطار رونے لگی۔

"تمہارا اور ہمارا دکھ سانجھا ہے کہ میں تمہیں دلاسہ بھی نہیں دے سکتا مجھے اپنے غم میں برابر کا شریک سمجھو۔" میں نے ہمدردی سے کہا۔

"تھوڑے عرصے کے بعد میں نے ہمدردی کے الفاظ سنے ہیں۔ میں تو اتنی بدنصیب ہوں کہ مجھ سے ہمدردی کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔" شکیلہ سسکیاں لیتے ہوئے بولی۔

میں گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ طالوت کی جانب سے اب میرے دل کی کدورت نکل گئی تھی۔ وہ غریب خود مصیبت میں گھر گیا تھا۔ کاش میں اس کی مدد کر سکتا۔ بہرحال میں ذہن دوڑاتا رہا۔ تنکا سچ مچ شیطان تھا۔ اب اس کے چنگل سے نکلنا آسان نہیں تھا۔ دوسری طرف شکیلہ کی دکھ بھری داستان نے دل ہلا دیا تھا۔

اور اچانک مجھے احساس ہوا کہ کوئی چیز دماغ میں چبھ رہی ہے "کوئی ایسی بات" جسے میں نے نظر انداز کر دیا تھا۔ کونسی ایسی بات تھی۔ کونسی ایسی بات تھی؟ میرے ذہن میں وہ بات نہ آ سکی۔ شکیلہ کی سسکیاں اب رک گئی تھیں۔

"بہرحال عارف صاحب۔ میں نے آپ کو بھی رنجیدہ کر دیا۔ لیکن یقین کریں۔ کسی ہمدرد کے سامنے آنسو بہانے سے دل کا درد بہت ہلکا ہو جاتا ہے۔"

"مجھے سخت افسوس ہے مس شکیلہ۔ لیکن آپ فکر نہ کریں۔ میں اور میرا دوست بھی اس ذلیل سادھو کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اگر ہم آزاد ہوئے تو تینوں ساتھ ہی آزاد ہوں گے۔ میں وعدہ کرتا ہوں مس شکیلہ کہ اگر یہاں سے نکلنے کا موقع مل سکا تو ہم تنہا نہ ہوں گے آپ ہمارے ساتھ ہوں گی۔"

"کاش۔ کاش۔" وہ حسرت بھرے انداز میں بولی۔

"ایک اور بات شکیلہ۔ شاید تنکا کو مجھے یہاں قید کرتے ہوئے اس سوراخ کا احساس نہیں تھا۔ اس لئے ہم اسے یہ احساس نہیں ہونے دیں گے کہ ایک دوسرے سے مل چکے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" شکیلہ نے آہستہ سے کہا۔

"بہرحال خدا پر بھروسہ رکھو۔ وہ ضرور مدد کرے گا۔"

اور پھر میں سوراخ کے پاس سے ہٹ گیا۔

اس [illegible] محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن مجبوری تھی کر

بھی کیا سکتا تھا۔ وقت گزرتا رہا۔ خاصی دیر کے بعد پتھر کی دیوار میں ایک چوڑی کھڑکی کھلی اور ایک تھال اندر پہنچا دیا گیا۔ جس میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ ان سے پرہیز نہیں کر سکتا تھا۔ بھوکا رہ کر عقل بھی کام نہیں کرتی۔ اس لئے آرام سے کھایا اور پھر غار کے پتھریلے فرش پر لیٹ گیا۔ عجیب غنودگی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ پھر سو گیا۔

نہ جانے کس قدر رات گزری تھی کہ میرے کانوں میں شکیلہ کی آواز ابھری "عارف صاحب۔ عارف صاحب" وہ سوراخ سے مجھے آواز دے رہی تھی۔ میں جلدی سے اٹھ کر سوراخ پر پہنچ گیا۔ رات کا وقت تھا اس کی شکل نظر نہیں آ رہی تھی۔

"شکیلہ۔" میں نے اسے آواز دی۔

"اوہ۔ کیا آپ سو گئے تھے؟"

"ہاں۔ شاید۔" میں نے کہا۔

"کھانا ملا آپ کو؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"اسی لئے تکلیف دی تھی۔ میرے پاس کھانے کا کچھ سامان تھا۔" شکیلہ نے کہا۔

"شکریہ شکیلہ۔ کیا وقت ہوا ہوگا؟"

"رات کا پہلا پہر ہے۔ میں ابھی اس منحوس کے پاس سے آئی ہوں۔"

"تنکا کے پاس سے؟"

"ہاں۔"

"اوہ۔ اوہ۔" اچانک میرے ذہن کی وہ کھڑکی کھل گئی جس کے بارے میں میں نے پہلے سوچا تھا۔ وہ بات یاد آ گئی جو بھولی بھولی سی لگ رہی تھی۔ اور میں چونک پڑا۔

"شکیلہ۔" میں نے اسے آواز دی۔

"ہاں۔ میں موجود ہوں عارف صاحب۔"

"ایک بات بتاؤ۔"

"جی۔"

"کیا تم روزانہ تنکا کے سامنے رقص کرتی ہو؟"

"ہاں۔"

"کسی مخصوص وقت پر؟"

"ہاں۔"

"اور وہ شراب پیتا رہتا ہے۔"

"ہاں۔"

"اس کے بعد کیا ہوتا ہے شکیلہ؟"

"وہ مدہوش ہو کر وہیں اوندھا لیٹ جاتا ہے۔" اور پھر تو

تو میں پہنچ سکتا ہے۔"
"... ن ہے؟"
"... کا تھا۔"
"... اندازہ ہے کہ یہاں تک کتنے قاصلے ہیں؟"
"... ہے حد پُراسرار ہے۔ میرا خیال ہے تم نے ... وہ یہاں اور کوئی نہیں دیکھا۔ ویسے اس کے ... چُھوٹے بہت چوٹ پڑتے ہیں۔"
"... کیا کیفیت ہے؟"
"... نہیں سمجھی؟"
"... مطلب ہے کہ ... حمت کا نشان ہے؟"
"... اچھا۔ سادھو تم کا آدمی ہے۔ ... شش ... اس کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی۔ شاید ... نے جواب دیا اور میں سوچتا رہا۔ ... پھر ... دونوں کے بعد میں نے کہا۔
"... ہے۔"
"..."
... یہاں سے نکلنے کے لئے تھوڑی سی جدوجہد کر سکتی ...
... جدوجہد عارف صاحب" شکیلہ نے متعجبانہ ... کہا۔
"... جب تم تھاکے پاس سے واپس آؤ تو کوئی ایسا ... میں چھپا ہو جس سے تھو کا کو راستے میں ہلاک ... ایسا نہ ہو کہ تمہیں میرے اس غار کا دروازہ ... مہلت مل جائے۔"
... ساکت رہ گئی۔ کئی منٹ تک اس کے منہ سے ... نکلی پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا ... تو میں کوشش کر سکتی ہوں۔"
... خیال ہے شکیلہ یہ ہمت کر ڈالو۔ جس خدا نے ... تمہاری عصمت کی حفاظت کی ہے وہی تمہیں یہ کام ... ہمت بھی دے گا۔ اور پھر غور کرو ان ... کے ارادے اچھے تو نہیں ہیں۔ کہیں وہ ... عزت پر ... اور اس کے بعد ... دیں۔ یہ ... تمہاری عزت سے بہتر ہے؟"
"... نہیں۔ ہرگز نہیں۔ خدا نہ کرے۔" شکیلہ ...
... شکیلہ ... وقت ...

"آپ ٹھیک کہتے ہیں عارف صاحب۔" شکیلہ نے ... جنبی آواز سے کہا۔
"ہمت اور ہوشیاری شرط ہے۔"
"میں انتہائی کوشش کروں گی۔ آپ بے فکر رہیں۔"
"ممکن ہے کل کا دن ہماری کامیابی کا دن ہو۔" میں نے کہا اور شکیلہ خاموش رہی "بس آرام کرو شکیلہ۔" میں نے کہا اور شکیلہ سوراخ کے پاس سے ہٹ گئی۔ میں بھی اپنی جگہ آ گیا۔
لیکن اب نیند آنکھوں میں کہاں تھی۔ خیالات تھے کہ ذہن پر یلغار کئے ہوئے تھے۔ نہ جانے خاموت کہاں قید ہے۔ شاید انہیں غاروں میں۔ کیا کیفیت ہوگی اس کی۔ بہت دکھی ہوگی۔ بہت پریشان ہوگی۔ خاموت کے لئے دل میں بے پناہ ہمدردی امنڈ آئی۔ کسی طرح اسے رہا کرا لوں۔ دل میں یہی خیال تھا۔
ساری رات نہ سو سکا۔ اور پھر دن کی روشنی غار میں داخل ہوگئی۔ ضروریات سے فارغ ہونے کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ تاہم یہ تقدیر ہوگئی۔ حسب معمول صبح کا ناشتہ اور پھر دوپہر کا کھانا بھی ملا۔ کیا بے چینی سے دن گزرا۔ میرا ہی دل جانتا ہے۔ شکیلہ سے کئی بار گفتگو ہوئی اور میں اس کی ہمت بندھاتا رہا۔ یہاں تک کہ رات ہوگئی۔
اور پھر رات کو میں نے شکیلہ کو آواز دی۔ لیکن دوسری طرف سے جواب نہ ملا۔ گویا شکیلہ جا چکی ہے۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ شاق گزر رہا تھا۔ ہر آہٹ پر کان لگے ہوئے تھے۔ ایسی بری حالت ہوئی کہ زمین پر لیٹ گیا۔
کاش شکیلہ کامیاب ہو جائے۔ کاش قریب کاش۔ دل سے یہی دعا نکل رہی تھی۔
اور پھر نہ جانے کتنی صدیاں گزر گئیں۔ تب باہر غار کے دہانے میں آہٹ ہوئی۔ اور پھر وہی تختہ کھل گیا۔ جس سے کھانا اندر آتا تھا۔ اور پھر شکیلہ کی آواز ابھری۔
"عارف صاحب۔" میں بجلی کی سرعت سے تختے کے قریب پہنچ گیا۔
"شکیلہ۔"
"میں ... " شکیلہ کی ... حالت تھی۔
"... شکیلہ؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"ہاں ... " ... آواز ... ۔
"... دروازہ ... "
"... " شکیلہ ...



آواز میں بولی۔
"اوہ۔ رک جاؤ۔ میں دیکھتا ہوں' شاید میں اس کھڑکی سے گزر سکوں۔" میں نے کہا اور پھر میں نے سخت جدوجہد شروع کر دی۔ سر با آسانی کھڑکی سے نکل گیا۔ لیکن شانے چوڑے تھے' پھنس گیا تو عبرتناک موت ہوگی۔ لیکن زندگی کی جدوجہد کے لئے موت سے کھیلنا ہی پڑتا ہے۔ میں نے بدن سکوڑا۔ اور اس چھوٹی سی کھڑکی سے نکلنے کی بھرپور جدوجہد کرنے لگا۔ حواس معطل ہوئے جا رہے تھے۔ کیونکہ کھڑکی اتنی کشادہ نہیں تھی۔ میں اپنے بدن کو ایک ایک تل سرکا رہا تھا۔
شکیلہ کی بھی جان پر بنی ہوئی تھی۔ وہ بری طرح کانپ رہی تھی اور اس کے پاؤں بے جان ہوئے جا رہے تھے۔ کئی بار تو ہمت ساتھ چھوڑ گئی۔ میں نے سوچا شاید مجھ بدنصیب کو یہ انوکھی موت ہی ملنی ہے کہ ایک دیوار کے سوراخ میں پھنس کر جان دوں۔ اور یہ جدوجہد۔ اُف کیسی خوفناک تھی۔ بدن کا کونسا حصہ تھا جو چھل نہ گیا ہو۔ پسلیاں تھیں کہ ایک دوسرے پر چڑھ گئی تھیں۔ بقیہ بدن دوسری طرف لٹکا ہوا تھا۔ ہاتھ بے جان ہو رہے تھے۔ جن کی قوت سے میں تل تل سرک رہا تھا۔
... تھک گیا کہ بے جان ہو گیا۔ شکیلہ دل پکڑے مجھے دیکھ رہی تھی پھر وہ آگے بڑھی اور اپنے کمزور ہاتھوں سے مجھے کھینچنے لگی۔ "عارف صاحب! عارف صاحب ہمت کریں۔"
"ہاں۔ ہاں۔" میں نے نیم غشی کی حالت میں کہا اور پھر بھرپور قوت صرف کرنے لگا' بدن کی کھال جگہ جگہ سے اتر گئی تھی۔ لیکن اب امید بندھ چلی تھی۔ سینہ بس باہر آ ہی چاہتا تھا۔
اور خدا خدا کر کے سینہ باہر نکل آیا۔ بقیہ جسم نکلنا مشکل کام نہیں تھا۔ اور پھر میں نیچے آ گرا۔ شکیلہ مجھے بھرپور سہارا دیئے ہوئے تھی۔
"خدا کی پناہ۔ آپ تو سخت زخمی ہو گئے۔" اس نے ہمدردی سے میرا سر اپنے زانو پر رکھتے ہوئے کہا اور اپنے لباس سے میرے بدن کا پسینہ خشک کرنے لگی۔ اس نے میرا چہرہ پونچھا۔
عورت کی آغوش بھی کیا ہوتی ہے۔ عورت کا لمس بھی کیا ہوتا ہے' ماں ہوتی ہے تو ممتا سارے دکھ خود میں سمو لیتی ہے۔ بہن ہوتی ہے تو خون کی مہک دل کو قرار بخشتی ہے۔ بیٹی ہوتی ہے تو باپ کے دل کو سکون دیتی ہے۔ بیوی ہوتی ہے تو ... بات کی حدت کو ٹھنڈک مل جاتی ہے۔
"شکیلہ کی آغوش میں بھی بڑا سکون تھا۔ میں اسے کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔ لیکن لیکن میں نے بڑی اچھی کیفیت محسوس کی تھی اور اس کیفیت نے میرے ذہن پر خوشگوار اثر ڈالا۔ اور چند ساعت کے بعد ہی میں اٹھ بیٹھا۔
"معاف کرنا شکیلہ۔ تمہیں پریشان کیا۔"
"آپ ٹھیک تو ہیں نا عارف صاحب؟"
"ہاں۔ اب ٹھیک ہوں۔ بہت چھوٹی جگہ تھی۔"
"خدا کا احسان ہے۔"
"آؤ۔ وہ کہاں ہے؟"
"چھوکا؟"
"ہاں۔ اسے دیکھیں۔ ہوش میں نہ آ جائے۔"
"مشکل ہے۔" شکیلہ نے میرے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔
"اچھا۔"
"میں نے پتھر کی موگری پوری قوت سے اس کے سر ماری تھی۔"
"خوب۔ موگری تمہیں کہاں سے مل گئی؟"
"ایک بت کے ہاتھ میں گرز کی طرح پھنسی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے ادھار مانگ لی۔" شکیلہ نے جواب دیا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے دل ہی دل میں اس کی ظرافت کو سراہا۔ یہ لڑکی ان حالات میں ظریف رہ سکتی ہے۔ بڑی بات تھی۔
"ہم اس بت کا شکریہ ادا کریں گے۔ تھا مہاراج کہاں ہیں؟"
"آیئے اس طرف۔" اور ہم نے رفتار تیز کر دی۔ چند ساعت کے بعد ہم چھوکا کے پاس پہنچ گئے۔ وہ زمین پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔ میں نے جھک کر اسے دیکھا اور گہری سانس لی۔ اس بدبخت کا تو بھیجا نکل پڑا تھا۔ زندگی کی کوئی رمق اس میں موجود نہ تھی۔
"زندہ باد۔ چھوکا مہاراج تو پرلوک سدھار گئے۔"
"مر گیا؟" شکیلہ نے لرزتی آواز میں پوچھا۔
"مرنا ہی چاہئے تھا۔ ایک مسلمان لڑکی کے ہاتھوں وار تھا۔ میری تو خواہش ہے کہ یہ بار بار زندہ ہو۔ اور تم اسے ہر بار قتل کر دو۔" میں نے جھک کر وہ موگری اٹھا لی جس سے شکیلہ نے چھوکا کو قتل کیا تھا۔ اچھی خاصی وزنی موگری تھی۔ بہرحال اسے لے کر میں شکیلہ کے ساتھ چل پڑا۔ اور پھر ایک سرنگ سے گزر کر ہم دوسرے کشادہ غار کے دہانے پر پہنچ گئے۔

شکیلہ نے اندر اشارہ کیا۔

اندر روشنی ہو رہی تھی۔ کئی شمعدان روشن تھے۔ پیلی روشنی میں چاروں طرف رکھے بت خوفناک نظر آ رہے تھے۔ جو اونٹ روں کے نہیں تھے بلکہ۔۔۔ یہ بھیانک شکلیں ارواح خبیثہ تھیں۔ غار میں کوئی آہٹ نہیں تھی۔ میں دبے پاؤں اندر داخل ہو گیا۔ اور پھر میری نگاہ تنکا پر پڑی۔

جھروں بوڑھا اور ایک مرگ چھالہ پر کروٹ لئے لیٹا تھا۔ شراب کے برتن اس کے نزدیک پڑے تھے۔ میں بلی کی طرح اس کے پیچھے پہنچ گیا اور پھر میں نے بسم اللہ کہہ کر موگری اٹھائی اور پوری قوت سے اس کے سر پر دے ماری۔ چڑاق سے آواز ہوئی اور تنکا کا سر پاش پاش ہو گیا۔

اس کا سوکھا بدن اذیت سے تڑپنے لگا۔ اور اس کے ساتھ پورے غار میں وحشت ناک چیخیں گونجنے لگیں۔ سارے بت حلق پھاڑ کر چیخ رہے تھے۔ شمعدانوں میں سلگتی ہوئی شمعوں کی لوئیں کئی کئی فٹ بلند ہو گئی تھیں۔ روشنیوں کے جھماکے ہو رہے تھے۔ پتھریلے قدموں کے دوڑنے کی آوازیں آ رہی تھیں' اور ان میں رونے کی آوازیں بھی شامل تھیں۔

شکیلہ چیخ مار کر مجھ سے لپٹ گئی۔ اس نے میرے سینے میں منہ چھپا لیا تھا۔ میرے بھی رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ اور میں وحشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ تنکا بدستور تڑپ رہا تھا۔ سوکھا سا انسان تھا' لیکن کمبخت میں بڑی جان تھی۔ سر پاش پاش ہو گیا تھا لیکن بری طرح اچھل رہا تھا اور پھر رفتہ رفتہ وہ ساکت ہو گیا۔

میں نے محسوس کیا تھا کہ جوں جوں اس کا جسم ساکت ہو تا جا رہا ہے شور کی آوازیں رکتی جا رہی ہیں۔ اور جب اس کے جسم کی آخری دھڑکن بھی ساکت ہوئی تو شور بھی رک گیا۔

غاروں پر اچانک خوفناک سکوت مسلط ہو گیا۔ اور یہ سناٹا بھی بڑا عجیب تھا۔ ہمیں اپنے دلوں کی دھڑکنیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ شمعوں کی روشنیاں بھی ہموار ہو گئیں۔ تب شکیلہ نے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں دنیا جہان کا خوف سمٹ آیا تھا۔ میں نے اسے سینے سے بھینچ لیا۔

"میرا خیال ہے تنکا کا طلسم ٹوٹ گیا۔"

"ہاں۔ یہاں سے نکل چلیں عارف صاحب۔" شکیلہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

"آؤ" میں نے کہا۔ اور پھر ہم دونوں اس غار سے باہر [illegible] اپنے [illegible] نظر آئے۔ بہت سے مجسمے اوندھے سیدھے پڑے ہوئے تھے۔ وہ ساکت تھے۔

"شاید یہی دوڑ رہے تھے؟" شکیلہ خوف سے بولی۔

"ہاں۔ لیکن اب یہ سب بے جان ہیں۔"

"نکل چلیں عارف صاحب۔ خدا کے لئے جلدی ان غاروں سے نکل چلیں۔"

"نہیں شکیلہ۔ ہم ابھی نہیں چلیں گے۔ ابھی یہاں ایک اور ہستی ہے جو مجھے دل و جان سے زیادہ عزیز ہے۔ ہم اسے تلاش کریں گے۔" میں نے جذباتی انداز میں کہا۔

O☆O

www.urdukorner.com

www.urdukorner.com

# طالوت

"اوہ' معاف کیجئے۔ ہاں' ان کے بارے میں آپ نے تھا۔" شکیلہ نے معذرت آمیز انداز میں کہا اور پھر میں غاروں کی خاک چھاننے لگا۔ میں ایک ایک جگہ طالوت کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ میرے دل میں اس کی محبت کروٹیں بدل رہی تھی۔ میری آنکھیں اسے تلاش کر رہی تھیں۔

اور پھر جب میں اس کا سراغ نہ لگا سکا تو میں نے اسے آواز دی "طالوت... طا۔ لو۔ ت..." میری آواز سیکڑوں آوازوں میں بٹ کر غاروں میں گونجنے لگی۔

"طالوت...!" شکیلہ آہستہ سے بولی۔

"طالوت۔" میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے دوبارہ آواز دی اور میری آواز پھر کئی گنا ہو کر گونجنے لگی۔ تب... تب اچانک میرے کانوں میں ایک بھنچی بھنچی سی آواز آئی۔

"عارف...!"

اور میں خوشی سے اچھل پڑا۔ یہ طالوت کی آواز تھی

"سنی۔ سنی تم نے یہ آواز۔" میں نے شکیلہ سے کہا۔

"ہاں۔ مگر سمت کا اندازہ نہیں ہو سکا۔"

"طالوت۔" میں نے اس بار پہلے سے زیادہ زور دار آواز نکالی۔ اور جوں ہی میری آواز کی بازگشت ختم ہوئی۔ طالوت کی آواز سنائی دی۔

"عارف...!" اور اس بار میری پوری توجہ اس آواز پر تھی۔ میں نے شکیلہ کا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف دوڑنے لگا۔ میں نے آواز کا کسی حد تک اندازہ لگا لیا تھا۔ گو وہ بہت ہلکی تھی۔

"عارف۔ عارف۔ عارف۔" اب طالوت مجھے مسلسل آوازیں دے رہا تھا۔

"میں آ رہا ہوں طالوت۔" میں نے حلق پھاڑ کر کہا۔

"یہ طالوت کیا نام ہے؟" شکیلہ نے حیرت سے کہا۔

لیکن میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور آواز کا تعاقب کرتا ہوا اس غار تک پہنچ گیا۔ جہاں سے طالوت کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ یہاں بھی وہی پوزیشن تھی۔ کھانا دینے کی کھڑکی اور دروازہ۔ لیکن دروازہ نامعلوم تھا۔

میں نے کھڑکی باہر سے کھولی اور طالوت جلدی سے کھڑکی پر پہنچ گیا "طالوت؟"

"اوہ... عارف۔ سچ مچ تم ہی ہو۔" طالوت کی آواز میں تھکن نمایاں تھی۔

"ہاں طالوت۔ یہ میں ہی ہوں۔ ٹھہرو۔ میں دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" میں نے کہا اور پھر میں اس

www.urdukorner.com

دروازے کی کل تلاش کرنے لگا۔

شکیلہ بدحواس تھی اور پھر وہ عورت تھی۔ اسی لیے اسے اس دروازے کو کھولنے کا طریقہ نہیں آیا تھا اور میری بری حالت ہو رہی تھی لیکن میں نے وہ پتھر تلاش کر لیا، جس کے دبانے سے وزنی چٹان کی کڑیاں کھل جاتی تھیں اور پھر میں نے دروازہ کھول دیا۔

طالوت جلدی سے باہر نکل آیا تھا۔ وہ چاروں طرف دیکھنے لگا اور پھر اس کی نگاہ شکیلہ پر پڑی۔ تاریکی کی وجہ سے شکیلہ کے خدوخال بھی نہیں نظر آرہے تھے۔

"یہ۔ یہ کون ہیں؟"

"آؤ۔ یہاں سے نکل چلیں۔ اس کے بعد باتیں کریں گے۔"

"وہ۔ یہاں سے نکلنا آسان نہیں ہے۔" طالوت آہستہ سے بولا۔

"آؤ تو سہی۔"

"ابھی یہاں شور کیسا تھا؟" عجیب آوازیں آرہی تھیں۔

"ہاں۔" میں نے مختصراً کہا اور آگے بڑھتا رہا۔

"کیا تنکا اس وقت یہاں موجود نہیں ہے؟"

"نہیں۔"

"کہاں گیا؟"

"جہنم رسید ہو گیا۔" میں نے جواب دیا۔

"ایں؟" طالوت چونک کر رک گیا "کیا واقعی؟"

"ہاں طالوت۔"

"مگر کیسے؟"

"دیکھنا چاہتے ہو؟"

"ہاں، ہاں، ضرور۔ کیا تم نے اسے ہلاک کر دیا؟" طالوت بچوں کی طرح سوالات کر رہا تھا۔ اس کی ذہنی کیفیت ٹھیک نہیں تھی۔

"آؤ تمہیں دکھاؤں۔"

"وہ سچ مچ ہلاک ہو چکا ہے عارف یا تم مجھے بہلا رہے ہو؟"

"ابھی دیکھ لو گے۔"

"سنو۔ اگر وہ ہلاک ہی ہو گیا تو اس کی لاش دیکھنے سے قبل ہم ایک اور کام کر لیں۔"

"کیا؟"

"راج ہنس بھی یہاں قید ہے۔"

"اوہ۔" میں چونک پڑا۔ طالوت کا ذہن ابھی شکیلہ کی




طرف نہیں گیا تھا۔ تاریکی کی وجہ سے وہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھ سکا تھا۔ میں نے شکیلہ کی طرف دیکھا۔ شکیلہ کے چہرے پر نہ جانے کیسے تاثرات تھے۔

"وہ بھی انہی غاروں میں ہو گی۔"

"تمہیں کیسے معلوم؟" میں نے کہا۔

"ارے وہ اسی منحوس کی قید میں تھی بے چاری۔" طالوت ہمدردی سے بولا۔

"رہنے دو طالوت۔ میں کیا، یوں بھی وہ ہندو ہے۔"

"کیسی فضول باتیں کر رہے ہو عارف۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ کیا وہ مظلوم نہیں ہے۔ کیا کسی مظلوم کے لیے بھی مذہب کی تخصیص کی جاتی ہے؟" طالوت نے کہا۔

"ارے تو سارے مظلوموں کا ٹھیکہ ہم نے ہی تھوڑی لے لیا ہے۔"

"عارف۔" طالوت گرج کر بولا "تم نے مجھے اس قید سے رہائی دلائی ہے۔ تمہارا شکریہ۔ لیکن اگر تم جانا چاہتے ہو تو جا سکتے ہو۔ میں اسے تلاش کروں گا۔"

"ارے تو تلاش کر لیں گے بھائی۔ آؤ تو سہی۔" میں نے کہا اور پھر میں طالوت کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے دھکیلتا ہوا اس غار میں لے آیا جہاں تنکا کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ عجیب تبدیلیاں ہوئی تھیں۔ اس دوران بھی اندھیرا ٹک رہا تھا جیسے یہاں آگ لگی ہو۔ وہ پتھر کے جنگلے تک راکھ کے ڈھیر میں بدل چکے تھے لیکن تنکا کی لاش جوں کی توں پڑی تھی۔

"اس وقت تم نے حیرت انگیز کام کیا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم نے اسے۔" طالوت کی نگاہ اچانک شکیلہ پر پڑی اور وہ اچھل پڑا۔ اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا "ارے۔ راج... راج ہنس... یہ۔ یہ۔ تم۔ تم۔ اوہ۔ اوہ۔ تو تم۔ شرارت کر رہے تھے عارف؟" طالوت کے چہرے سے بے پناہ خوشی جھلک رہی تھی۔

"میں کس منہ سے آپ دونوں کا شکریہ ادا کروں میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی میرا اتنا بڑا ہمدرد موجود ہے۔" شکیلہ اس محبت پر آنسو نہ روک سکی۔

"اچھا اچھا، بس کرو باتیں بند۔ آؤ طالوت چلیں۔ اس بدبخت کی فضا میں میرا دم گھٹ رہا ہے۔" میں نے کہا اور ہم تینوں باہر نکل آئے۔ مجھے اس جگہ کے بارے میں معلوم تھا۔ میں جانتا تھا کہ تنکا مجھے کہاں سے پکڑ کر لایا ہے۔ چنانچہ غاروں سے باہر نکل کر ہم پہاڑوں میں پہنچ گئے۔

"عارف۔" طالوت نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"ہوں؟"



"وہ کہاں ہے؟"

"کون؟"

"تمہارا دوشالہ؟"

"ضائع ہو گیا طالوت۔"

"اوہ۔ مجھے اندازہ تھا۔" طالوت آہستہ سے بولا "وہ اس کی تلاش میں تھا۔"

"کوئی پروا نہیں ہے۔" میں نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ چاند آدھی منزل طے کر چکا تھا۔ ہلکی ہلکی چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ ہم دیر تک چلتے رہے اور غاروں سے دور نکل آئے۔

"میرا خیال ہے اب قیام کیا جائے؟"

"بستی میں ہی چلیں۔ اب زیادہ دور نہیں رہ گئی ہے۔ وہ سامنے روشنیاں نظر آرہی ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"میرا خیال ہے بستی نہ ہی چلیں تو بہتر ہے۔" میں نے کہا۔

"کیوں؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ویسے تمہارے لیے بہت سی خبریں ہیں۔ میں یہ فیصلہ کر کے نکلا تھا کہ بستی چھوڑ دوں۔"

"کیا وہاں حالات خراب ہو گئے ہیں؟"

"نہیں دوست۔ درگا پور کے حالات ہی بدل گئے تھے۔"

"آؤ۔ بیٹھو۔" طالوت نے ایک چٹان کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا اور ہم تینوں بیٹھ گئے۔

"کیسی گزری اس دوران۔" طالوت کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"طویل داستان ہے۔ فرصت سے سناؤں گا۔"

"ہوں۔ بستی چھوڑنے کا فیصلہ کیوں کیا؟"

"یہاں ہمارا کام ختم ہو گیا۔"

"کیا مطلب؟"

"برجن لال کا کیا حال ہے؟"

"کتے کی موت مارا گیا۔"

"اوہ۔ خوب۔ گویا اس دوران تم حرکت میں رہے ہو؟"

"شاید۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ظالم برجن مارا گیا۔ خدا کا شکر ہے۔" شکیلہ نے خوشی کے لہجے میں کہا۔

"خدا۔" طالوت ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑایا۔

"میں نے کہا نا طالوت۔ بے شمار خبریں جمع ہیں۔ ویسے رات کافی گزر چکی ہے کیوں نہ بقیہ رات یہیں گزاری جائے۔ میں تمہیں کہانی سناؤں اس کے بعد فیصلہ کریں۔"

"ہاں۔ [illegible]" طالوت نے کہا۔

تنہا اس کے چہرے سے اس کی ذہنیات کا اندازہ لگا رہا تھا۔ اس کے چہرے سے دلی دلچسپی کا اظہار ہو رہا تھا لیکن اس نے اپنی ذہنیات چھپا رکھی تھیں۔ بہرحال میں نے طالوت کے جسم سے اب تک کے واقعات دہرانا شروع کر دیے۔ شکیلہ بھی ہماری گفتگو غور سے سن رہی تھی۔

کہانی تمام ہو گئی۔ میرے خاموش ہونے کے بعد بھی طالوت دیر تک خاموش رہا۔ شکیلہ بھی میری کہانی سے بڑی متاثر نظر آرہی تھی۔ ویسے اس کے چہرے پر الجھن کے تاثرات بھی تھے۔ جب کافی دیر ہو گئی اور کوئی کچھ نہ بولا تو میں نے کہا۔

"سو گئے تم لوگ؟"

"نہیں۔" طالوت نے ٹھنڈی سانس لی۔

"پھر یہ خاموشی؟"

"میں سوچ رہا تھا عارف۔ اس بار واقعی تم نے بڑا کام دکھایا ہے۔ میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ بہرحال تم باصلاحیت ہو تمہاری صلاحیتوں کا تو میں نے کئی بار اعتراف کیا ہے لیکن جتنا شاندار کام تم نے اس بار کیا ہے وہ واقعی قابل تعریف ہے۔ میں داد کے طور پر صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ تم ذہن اور بازو دونوں سے کام لے کر بہت سے کام کر لیتے ہو لیکن عقل بھی شرط ہوتی ہے۔"

"میں تو قرض دار ہوں میں نے غریب ہو کر تمہیں جو مدد کی سلام کیے ہیں، اتنا تھکا ہوا ہوں کہ ان کا عملی مظاہرہ نہیں کر سکتا۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔" طالوت نے افسردہ سی مسکراہٹ سے کہا۔

"میں الجھن میں ہوں عارف صاحب!" شکیلہ نے کہا۔

"کیوں۔ خیریت؟" میں نے اسے دیکھا۔

"آپ کی چند باتیں بہت پراسرار ہیں، میری سمجھ میں نہیں آرہیں۔ وہ دوشالہ کیسا تھا، وہ سادھو؟"

"اوہ۔ یہ ہمارے کچھ راز ہیں۔ سمجھ جائیں گی آپ بھی۔" میں نے جواب دیا۔

"میں بھی آپ کے بارے میں تھوڑی سی الجھن میں ہوں۔ راج ہنس!" طالوت نے براہ راست اسے مخاطب کیا۔ "آپ نے ابھی مسلمانوں کے سے انداز میں خدا کا شکر ادا کیا تھا؟"

"اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں مسلمان ہوں۔" شکیلہ نے کہا۔

"مسلمان....!" طالوت پھر اچھل پڑا۔

"ہاں۔ مسلمان۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔ میں نے پہلے آپ کو۔ پہلے آپ کو دیوداسی کے روپ میں دیکھا تھا۔"

"ہاں۔ میں اس منحوس روپ کے لیے مجبور کی گئی تھی۔"

"اوہ! پھر آپ کا نام؟"

"میرا نام شکیلہ ہے۔" شکیلہ نے جواب دیا اور طالوت پریشانی سے کبھی میری اور کبھی شکیلہ کی شکل دیکھنے لگا۔

"یہ سب کیا ہے عارف؟" بالآخر اس نے کہا۔

"شکیلہ! میرا دوست پریشان ہے۔ میں اسے اور پریشان نہیں کروں گا۔ اجازت ہو تو تمہاری کہانی سنا دوں؟"

"سنا دیں عارف۔ میری کہانی میں اب کیا رکھا ہے۔" شکیلہ نے افسردگی سے کہا۔ طالوت بھی شکیلہ کی کہانی سن کر بہت متاثر ہوا تھا۔ پھر اس نے بڑے خلوص سے کہا۔

"کوئی بات نہیں ہے شکیلہ خاتون! یہ تو بڑی مسرت کی بات ہے کہ آپ ہماری ہم مذہب ہیں۔ مگر آپ کا کوئی نہیں ہے تو ہم تو ہیں۔ ہم رشتے اب تین ہو گئے۔"

"خدا آپ کو خوش رکھے۔" شکیلہ نے نم ناک نگاہوں سے طالوت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ پسند کریں تو ہمارے ساتھ ہی رہیں۔ جہاں ہم ہوں گے وہاں آپ!"

"اگر آپ کو میری ذات سے کوئی تکلیف نہ ہو تو خدارا ایسا ہی کریں۔ اس بستی سے مجھے سب سے خوف آتا ہے۔ گو اب اس کے حالات بدل گئے ہیں لیکن وہاں میرا کوئی نہیں ہے۔ عورت ہوں۔ زیادہ لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ نہ جانے اس کے بعد کن حالات سے دوچار ہونا پڑے۔" شکیلہ نے دردبھرے انداز میں کہا۔

"ان الفاظ کی کیا ضرورت ہے شکیلہ۔ بس اب تم ہمارے ساتھ ہو۔" میں نے کہا اور پھر طالوت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کیوں طالوت! ٹھیک ہے نا؟"

"یقیناً میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔"

شکیلہ نے باری باری ہم دونوں کی شکل دیکھی اور پھر پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی "آپ نے میری تشفی نہیں کی عارف صاحب؟"

"کس بارے میں؟" میں نے پوچھا۔

"یہ طالوت کیا نام ہے؟"

"یہ شخص شرارت سے مجھے طالوت کہتا ہے ورنہ میرا نام یوسف ہے۔" میرے بجائے طالوت بول پڑا اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ طالوت خود کو چھپانا چاہتا تھا۔

"اور آپ دونوں کے ہم شکل ہونے کا کیا راز ہے؟"

"یہ راز تو ہمیں خود بھی نہیں معلوم۔ یوں سمجھو یہ شباہت ہی ہمیں اتنے قریب لے آئی ہے۔"

"اوہ گویا آپ کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے۔"

"مذہب اور دوستی کے رشتے کے علاوہ اور کوئی رشتہ نہیں ہے۔"

"حیرت انگیز شباہت ہے واقعی۔" شکیلہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا اور پھر ہم خاموش ہو گئے۔ چاند آہستہ آہستہ مدھم پڑتا جا رہا تھا۔ صبح کی آمد آمد تھی۔ ہم تینوں ہی کے چہروں پر تھکن منجمد تھی۔

"صبح ہونے والی ہے۔" طالوت نے کہا۔

"ہاں۔ اب پروگرام کیا ہے؟"

"ہماری شکلوں سے نیند چھلکی ہوئی ہے۔"

"ہاں۔ طبیعت نڈھال تو ہے۔"

"کوئی مناسب جگہ۔ آرام کیے بغیر کام نہیں بنے گا۔"

"بستی جانے کا ارادہ نہیں ہے اور ٹھیک بھی ہے۔ اب کیا لینا ہے اس بستی سے۔ ایسی شکل میں ہمیں کسی غار میں بندوبست کرنا ہوگا۔"

"تو پھر غار تلاش کرو۔"

"اور کیا۔" میں نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ یہاں چاروں طرف چھوٹے بڑے غار پھیلے ہوئے تھے۔ ایک صاف ستھرا اور کشادہ غار تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ اور ہم تینوں اس غار میں داخل ہو گئے۔

غار کی کھردری زمین بھی اس وقت فرحت بخش محسوس ہو رہی تھی۔

"تم اس طرف لیٹ جاؤ شکیلہ۔" میں نے کہا اور شکیلہ گردن ہلا کر اس طرف چلی گئی جدھر میں نے اشارہ کیا تھا۔ میں اور طالوت اس سے کافی فاصلے پر برابر برابر لیٹ گئے۔ شکیلہ ہم سے کافی دور تھی۔ تب میں نے طالوت سے کہا۔

"اور سناؤ استاد۔ کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہوں۔" طالوت نے ٹھنڈی سانس لی۔

"تم افسردہ ہو طالوت؟" میں نے کہا۔

"ہاں۔" طالوت نے ٹھنڈی سانس لی۔

"کیوں؟"



"تمہارا یہ سوال حیرت انگیز ہے عارف۔ میں سب وحشت زدہ کر گیا ہوں۔" طالوت نے جواب دیا۔

"اونہہ۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے میری جان! تمہارے ہاتھ بھی موجود ہیں اور پاؤں بھی۔ بلاوجہ اس قدر پریشان ہو۔"

"نہیں عارف۔ تم زمین ہو۔ اس دنیا کے باسی ہو۔ یہاں زندگی گزار سکتے ہو لیکن میں۔ میرے لیے اب یہاں گزارہ مشکل ہوگا۔"

"فضول بات ہے۔ آخر میں بھی زندہ ہوں۔ اور اس بات سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ کیا تم اپنی دنیا میں واپس جانا چاہتے ہو؟"

"نہیں عارف۔ واپس نہیں جانا چاہتا لیکن۔"

"لیکن کیا؟"

"تم خود سوچو۔ ہم کیسے گزارہ کریں گے۔ تمہاری دنیا پر طاقت کا راج ہے اور اب طاقت ہمارے پاس نہیں رہی۔ کیا ہم محکوم بن کر اس دنیا میں رہیں گے؟ تم خود غور کرو۔ ہمارے سینوں میں جو جذبات ہیں وہ سرد تو نہیں ہو جائیں گے۔ لیکن ہم ان جذبات کو کیسے گھونٹیں گے؟ کسی مظلوم کو دیکھ کر کیسے خاموش رہیں گے۔ اور پھر جب ہم اس کی مدد کرنے سے قاصر رہیں گے تو وہ بے بسی موت سے زیادہ اذیت ناک ہوگی۔"

"تم تسلیم کر چکے ہو طالوت کہ ایک طاقت اور ہوتی ہے۔ عقل کی طاقت۔ اب ہم زیادہ محتاط رہیں گے اور زیادہ ہوشیاری سے کام کریں گے۔ اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اب ہمارے پاس وہ مخفی طاقت نہیں ہے۔ اب ہمیں صرف اپنے وسائل سے کام لینا ہے۔"

طالوت خاموش ہو گیا۔ کافی دیر تک خاموش رہا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "ماننے کو کس کافر کا دل چاہتا ہے۔ لیکن... لیکن!"

"سارے خیالات ذہن سے نکال دو میری جان۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ہم نے کب مستقبل کی پروا کی ہے۔" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ یہ بھی سہی۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس افسردگی کے ساتھ نہیں۔"

"نہیں عارف۔ ٹھیک ہے۔ جب حالات سے سمجھوتہ ہی ٹھہرا تو یہی سہی۔"

"ویری گڈ۔ یہ ہوئی نا بات۔ اچھا بھائی اب نیند آ رہی ہے۔ آرام سے سو جاؤ۔ یہ لڑکی تو شاید سو بھی گئی۔ اس نے

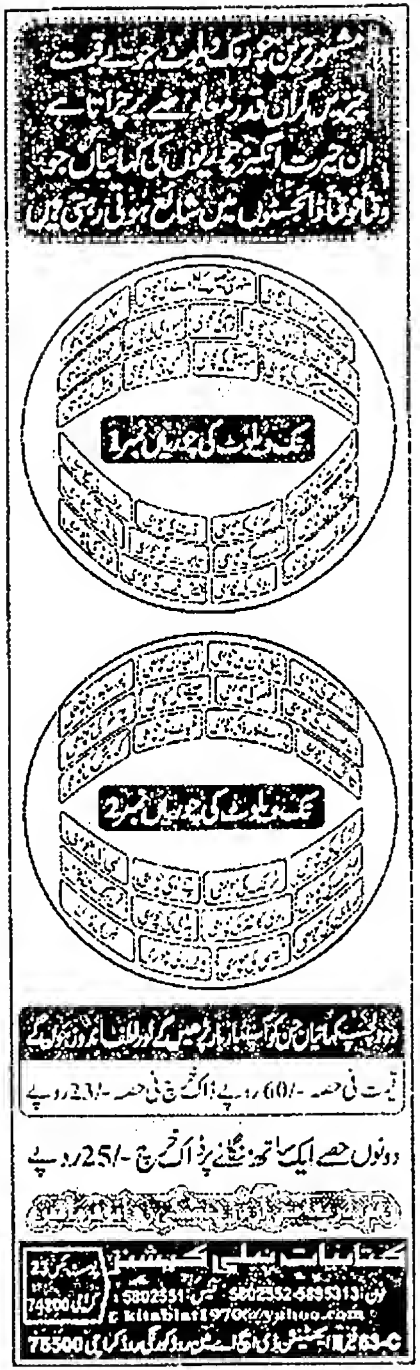

شکیلہ کی طرف دیکھا اور چونک گیا۔

وہ ایک دیوار سے پشت لگائے بیٹھی تھی۔

"ارے۔" میں نے کہا اور طالوت بھی چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"اوہ۔۔۔ بہرحال وہ لڑکی ہے۔"

"میں اس سے بات کرتا ہوں۔" میں نے کہا اور میں اٹھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ شکیلہ کے چہرے پر عجیب سا خوف ابھر آیا تھا۔

"شکیلہ!" میں نے آہستہ سے اس سے کہا۔

"جی۔" وہ بھی آہستہ سے ہی بولی۔

"سوئی کیوں نہیں؟"

"نیند۔۔۔ نیند نہیں آ رہی عارف صاحب۔"

"ہمیں ان لوگوں سے بھی بدتر سمجھتی ہو، جن کے درمیان تھیں۔"

"جی۔۔۔؟" شکیلہ چونک پڑی۔

"کیا تم اس طویل عرصے میں جاگتی رہی ہو؟"

"نہیں۔ نہیں۔ یہ بات نہیں ہے عارف صاحب۔ یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر جو بات ہے وہ بتا دو۔"

"آپ۔۔۔ آپ۔" شکیلہ ہکلا گئی تھی۔

"تمہارا خوف بجا ہے شکیلہ۔ میں کچھ بھی نہیں کہوں گا، سوائے اس کے کہ۔۔۔ کہ کاش تم ہمارے درمیان خود کو محفوظ سمجھو۔" میں نے کہا اور شکیلہ میری طرف دیکھتی رہ گئی۔ کئی منٹ تک وہ اسی طرح دیکھتی رہی پھر اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے۔

"آپ جائیں عارف صاحب، آرام کریں۔ وعدہ کرتی ہوں ابھی سو جاؤں گی۔ یقین کیجیے۔ میں آپ پر بھروسا کرتی ہوں۔ میں آپ دونوں پر پورا بھروسا کرتی ہوں۔"

"شکریہ شکیلہ۔" میں نے کہا اور اس کے پاس سے واپس آ گیا۔ شکیلہ لیٹ گئی تھی اور پھر میں بھی طالوت کے پاس آ گیا۔ وہ کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے بھی نیند آ گئی اور اب اس وقت نیند ٹوٹی تھی تو پھر آنکھ بھی فرصت سے ہی کھلی۔ سورج خوب چڑھ چکا تھا۔ غار میں گرمی محسوس ہو رہی تھی۔

میں اٹھ گیا۔ دوسری طرف دیکھا تو شکیلہ گہری نیند سو رہی تھی لیکن طالوت کہاں گیا؟ شاید وہ جاگ گیا ہو اور باہر نکل گیا ہو۔ میں نے سوچا اور میں بھی باہر نکل آیا۔ طالوت باہر موجود تھا۔ میرے قدموں کی آہٹ پر گھوما اور مسکرا دیا۔

"لو۔ یہ ہوئی نا بات۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا؟"

"تمہارے ہونٹوں کی مسکراہٹ لوٹ آئی ہے۔"

"سب فضول باتیں ہیں یار۔ کیا فائدہ خود پر سوگ طاری کرنے سے۔"

"یقیناً۔" میں نے جواب دیا۔

"میں بستی گیا تھا۔" طالوت بولا اور میں چونک پڑا۔

"کب؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"خاصی دیر ہو گئی۔"

"ارے۔ اور واپس بھی آ گئے؟"

"تمہارے خیال میں کیا وقت ہو گیا۔ دوپہر ہو گئی ہے جناب۔"

"اوہ۔ لیکن بستی کیوں گئے تھے طالوت؟"

"بھوک نہیں لگ رہی؟" طالوت نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"ارے۔ تو تم۔ تو تم۔ لیکن۔"

"کھانے پینے کی بہت سی چیزیں لے آیا ہوں۔"

"کمال ہے۔ لیکن کہاں سے۔ پیسے کہاں سے آئے؟"

"پیسے تم لوگوں کی ایجاد ہیں۔ میری نگاہ میں نہ پہلے ان کی کوئی حیثیت تھی نہ اب ہے۔ بھوک لگ رہی تھی کھانے پینے کی چیزوں کی ضرورت تھی، پیسوں کی تلاش کون کرتا۔ جو کچھ جہاں سے ملا لے آیا۔ اس حالت میں بھی کم از کم ان لوگوں کے بس کا تو نہیں ہوں۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے باپ رے۔ ڈاکہ زنی؟"

"مجبوری ہے، اب یہی کرنا ہو گا۔"

"سنو طالوت۔ کیوں نہ ہم جلال آباد چلیں۔ کچھ عرصہ نواب صاحب کے مہمان رہیں گے۔ اس دوران سوچیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔" میں نے تجویز پیش کی اور طالوت کسی سوچ میں گم ہو گیا۔

"دل نہیں مانتا یار۔" اس نے چند ساعت کے بعد کہا۔

"کیوں؟"

"گویا جن لوگوں کے ساتھ کچھ کیا تھا اب اس کا صلہ وصول کرنے چلیں؟"

"ہم ان سے دولت تو نہیں طلب کریں گے۔ نسیم اور آفتاب بھی تو ہمارے دوست ہیں۔"

"لیکن ضرورت ہی کیا ہے عارف۔ خاص طور سے ان کے پاس نہیں جائیں گے۔ ہاں کبھی اس طرف جا نکلے تو دیکھا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ صرف ایک تجویز تھی۔ جیسا بھی پسند کرو۔"

پھر ہمیں غار کے دروازے پر شکیلہ نظر آئی۔ ہم دونوں کو دیکھ کر اس نے گہری سانس لی اور پھر آگے بڑھ کر سلام کیا۔

"جیتی رہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ بھی مسکرا پڑی۔

"معافی چاہتی ہوں عارف صاحب، معافی چاہتی ہوں یوسف صاحب!"

"ارے ارے کیوں، کس بات کی؟" طالوت بولا۔

"برے لوگوں میں رہی ہوں۔ برے خیالات ہی ذہن میں آتے ہیں۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"کوئی تازہ خیال؟"

"ہاں۔ اسی کی تو معافی مانگی تھی۔"

"ارشاد۔ ارشاد۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جانے دیجیے۔ بتا کر شرمندگی ہو گی۔"

"اور نہ بتانے سے ہمیں الجھن رہے گی۔"

"معافی مانگ چکی ہوں۔ اور وعدہ کرتی ہوں آئندہ کبھی آپ دونوں کے بارے میں کوئی بری بات نہیں سوچوں گی۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ کیا بات سوچی تھی؟"

"آنکھ کھلی تو غار میں تنہا تھی۔ سناٹا چھا گیا میرے دل پر، میں نے سوچا کہ۔۔۔ کہ شاید آپ لوگ مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ آپ نے سوچا میرا بوجھ کہاں اٹھاتے اٹھائے پھریں گے۔"

"اس بھول میں نہ رہیں محترمہ۔ آپ کو ہمارے ساتھ پیدل سفر کرنا ہو گا۔ اگر آپ ہمارے کندھوں پر سواری کا ارادہ کیے بیٹھی ہیں تو اس خیال کو ذہن سے نکال دیں۔" طالوت نے کہا اور شکیلہ ہنس پڑی۔

"وعدہ کر چکی ہوں۔ آپ بھی معاف کر دیں۔"

"تم ہماری دوست ہو شکیلہ۔ اور دوستوں سے جان نہیں چھڑائی جاتی۔ ان کا ساتھ تو زندگی کی علامت ہوتی ہے۔"

"طویل عرصے کے بعد میری قسمت کے ستارے جگمگائے ہیں۔ ان لوگوں میں رہتے رہتے ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے زندگی ایک بدترین عذاب ہے۔ بڑی اذیت ہوتی تھی لیکن آپ لوگوں کے ساتھ۔ خدا کی قسم، روح ایک بوجھ سے آزاد ہو گئی ہے۔"

"پیٹ کا کیا حال ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"جی؟" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"کیا ان لوگوں میں رہ کر تم نے کھانا پینا بھی چھوڑ دیا تھا؟"

"نہیں۔ سخت بھوک لگ رہی ہے لیکن یہاں کیا کھائیں گے؟"

"حلوہ پوری۔ مٹھائی۔ پھل وغیرہ۔" طالوت نے جواب دیا اور شکیلہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگی "کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں عارف؟" طالوت نے میری طرف دیکھا۔

"ہرگز نہیں۔ ہم روزانہ یہی سب کچھ تو کھاتے ہیں ناشتے میں۔ لیکن افسوس منہ دھونے کے لیے پانی کا بندوبست نہیں ہے۔"

"ہے۔ لیکن منہ دھویا نہیں جا سکتا البتہ چہرے پر پانی چھڑکا جا سکتا ہے۔"

"وہی کافی ہے۔" میں نے کہا اور طالوت کے لائے ہوئے سامان کی طرف دیکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم تینوں بیٹھے ناشتا کر رہے تھے۔ ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے ایک ڈکار لی اور پھر پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا "ہاں۔ تو اب کہاں کا قصد ہے دوستو۔ کون سی سمت اختیار کی جائے؟"

"اسی طرف چلو۔ جدھر سے آئے تھے۔"

"اوہ، میرا خیال ہے مناسب نہ ہو گا۔ وہاں ہمارے کچھ شناسا موجود ہیں اور تمہیں معلوم ہے کہ ہم ان کے مقروض ہیں۔" یہ اشارہ درگاپور کی سرحد پر متعین ان سپاہیوں کی طرف تھا جنہیں ہم نے پریشان کیا تھا۔

"درست فرمایا اے دانشور۔ بے شک وہ لوگ اپنا قرض واپس مانگ سکتے ہیں۔ لیکن پھر؟"

"تو بہ تقدیر۔ کوئی دوسری سمت اختیار کی جائے۔"

"آپ پیدل سفر سے گھبراتی تو نہیں ہیں مس شکیلہ؟"

"آپ لوگوں کے ساتھ، اب میں کسی چیز سے نہیں گھبراتی۔"

"تب آپ زندہ باد۔ آیئے۔" طالوت نے کہا اور ایک سمت متعین کر کے ہم چل پڑے۔ کھانے پینے کا مختصر سامان ساتھ تھا۔ پانی بھی تھا۔ بہرحال ہمیں احساس تھا کہ سفر بہت تکلیف دہ ہو گا۔ حالانکہ درگاپور پہنچ کر ست پر کاش سے مدد مانگی جا سکتی تھی لیکن نہ جانے کیوں دل نہیں چاہا۔

پیدل سفر جاری رہا۔ سب ہی تازہ دم تھے۔ اس وقت تک چلتے رہے جب تک گہری رات نہ ہو گئی۔ پہاڑوں کی بھول بھلیاں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ پھر ایک چھوٹے

سے پہاڑی ٹیلے کے دامن میں قیام کی ٹھہری۔ کھانے پینے کی چیزیں یہاں ختم ہو گئی تھیں لیکن بہرحال فکر کون کرتا۔ سب ہی ایک جیسے تھے' بے فکر۔ لاپروا۔

آج کی رات شکیلہ ہم سے زیادہ دور نہ تھی۔ جگہ بھی ایسی ہی تھی۔ اس کے علاوہ سکون سے سو بھی گئی۔ دوسری صبح حسب معمول چاق و چوبند تھے۔ شکیلہ کے چہرے پر مسرت تھی۔

"کیا تم پہاڑی پتھر چبا سکتی ہو؟" طالوت نے اس سے پوچھا۔

"کبھی کوشش نہیں کی۔" شکیلہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آج کریں گے۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن کیوں؟"

"اس لیے کہ ناشتے کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔"

"تو کیا ہوا؟" شکیلہ نے سکون سے کہا۔

"عارف!" طالوت نے ہانک لگائی۔

"کیا ہے۔ کیا بات ہے؟"

"یہ لڑکی ہمیں چیلنج کر رہی ہے۔ یہ ہم سے زیادہ باہمت ہے۔"

"ٹھیک ہے' پھر بھوکے رہنے کا مقابلہ ہو جائے۔" میں نے کہا اور طالوت خاموش ہو گیا۔ ہم تینوں پھر چل پڑے۔ راستے میں کئی بار طالوت نے ٹیلوں پر چڑھ چڑھ کر آبادی تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ نہ جانے کس طرف آنکلے تھے۔ دور دور تک کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔ طالوت کی کیفیت کا مجھے احساس تھا۔ وہ دل ہی دل میں تلملا رہا تھا۔ ظاہر ہے وہ شخص' جس کے ایک اشارے پر ایسے ایسے انوکھے کام ہو جاتے تھے کہ لوگ ان کے بارے میں سوچ بھی نہ سکتے۔

اور۔۔۔ وہ اس طرح بے دست و پا تھا۔ پھر ایک ٹیلے پر میں نے طالوت کو کوئی چیز اٹھاتے دیکھا۔ سیدھا ہوا تو اس کے ہاتھوں میں پتھر تھے۔ میں حیرت سے اسے دیکھنے لگا اور پھر ایک پتھر پوری قوت سے اس کے ہاتھ سے نکلا اور پھر وہ اچھل کر بھاگا۔ نہ جانے اسے کیا ہو گیا تھا لیکن جب وہ واپس آیا تو اس کے ایک ہاتھ میں خرگوش دبا ہوا تھا جس کا بھیجا پھٹ گیا تھا۔

"دوسرا بھاگ گیا۔ لیکن یہاں اور بھی خرگوش ملیں گے۔ تم جلدی سے اسے ذبح کرو۔ مر نہ جائے۔" اس نے ایک تیز دھار پتھر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا اور میں نے خرگوش کی گردن دوسرے پتھر پر رکھ کر کلمہ پڑھا اور اس کی گردن الگ کر دی۔ طالوت پھر خرگوش کی تلاش میں نکل گیا۔

میں خرگوش کی کھال وغیرہ الگ کرنے لگا۔ وحشیوں کا سا یہ انداز بڑا عجیب لگ رہا تھا کیونکہ سارے کام خالی ہاتھوں سے کرنے پڑ رہے تھے۔ طالوت تو خوب شکاری نکلا۔ اس نے تھوڑی دیر میں تین اور خرگوش شکار کر لیے۔ وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس دوران شکیلہ وہاں جھاڑ جھنکار جمع کر چکی تھی۔ اس نے چھوٹے چھوٹے پتھر چن کر ایک چولہا بھی تیار کر لیا تھا۔ جس پر گوشت بھونا جا سکے اور پھر وہ پتھر رگڑ رگڑ کر آگ جلانے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کام میں کافی محنت کرنا پڑ رہی تھی۔

میں اور طالوت دوسرے خرگوشوں کی کھال اتارتے رہے۔ اور پھر ہم نے گوشت بھننے کی بو محسوس کی۔ بالآخر شکیلہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئی تھی۔

خرگوش کے گوشت کی جو کیفیت ہوگی آپ خود سمجھ سکتے ہیں لیکن اس آدھے کچے آدھے پکے خرگوش نے وہ لطف دیا کہ آج تک اس کا مزہ یاد ہے۔ خاص طور سے شکیلہ گوشت بڑے مزے سے کھا رہی تھی۔

"میں تو اس کا ذائقہ ہی بھول گئی تھی۔ ان لوگوں میں رہ کر۔"

"اوہ۔۔۔ ہاں۔ تم نے تو طویل عرصے کے بعد۔۔۔"

"درگا پور میں یوں بھی گوشت پر پابندی ہے۔ چوری چھپے کوئی جانور ذبح کر لیا جاتا تھا۔ مجھے یاد نہیں ہے آخری بار کب میں نے گوشت کھایا تھا۔" شکیلہ نے بتایا۔

"درگا پور کے حالات اب بالکل بدل جائیں گے۔"

"اچھا ہے' اس سے زیادہ ہم کر بھی کیا سکتے تھے۔" طالوت نے کہا۔ گوشت کافی بچ گیا تھا جسے ہم نے احتیاط سے رکھ لیا اور پھر آگے چل پڑے۔ اس بار ہم نے کافی تیز سفر کیا تھا اور پھر دور سے درختوں کے جھنڈ نظر آنے لگے اور ہماری رفتار تیز ہو گئی۔

"جنگل ہے شاید۔" شکیلہ نے کہا۔

"بہرحال درخت تو نظر آئے۔" طالوت بولا اور شام ہوتے ہوتے ان درختوں کے نزدیک پہنچ گئے۔ نارنگیوں کے درخت تھے' درمیان میں امرود بھی لگے ہوئے تھے۔ طالوت نے تو کوئی غور نہ کیا لیکن میں خوشی سے اچھل پڑا تھا۔

"طالوت۔۔۔!" میں نے خوشی کے عالم میں کہا۔

"ہوں۔"

"کیا تم نہیں سمجھے؟" میں نے پوچھا۔



"کیوں۔ کیا ہوا؟"

"ارے یہ جنگل نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"پھر کیا ہے؟" طالوت نے غور سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"باغ ہے' باقاعدہ باغ ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ باقاعدہ باغ کیا ہوتا ہے؟"

"یہ درخت انسانی ہاتھوں نے لگائے ہیں اور ان کا مطلب یہ ہے کہ آبادی قریب ہے۔ کیوں شکیلہ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"یقیناً پھلوں کے درخت لگائے گئے ہیں۔"

"تب پھر آؤ' اندر چل کر دیکھیں۔ درخت ہیں تو مالی بھی ضرور ہوگا۔" میں نے کہا اور ہم باغ میں داخل ہو گئے۔ پتوں کے نیچے کافی اندھیرا پھیل گیا تھا۔ ہم درختوں کے درمیان سے گزرتے رہے۔ کافی بڑا باغ تھا۔ نہ صرف سنگترے اور امرود تھے بلکہ دوسرے پھلوں کے درخت بھی تھے۔ سوکھے پتے ہمارے قدموں کے نیچے چٹخ رہے تھے۔

تب اچانک بائیں سمت سے آواز آئی "اے۔ کون ہے؟" اور ہم اچھل پڑے۔ میں نے آواز کی سمت دیکھا اور پھر زور سے بولا "ہم ہیں مالی۔ ادھر آؤ۔ ہم مسافر ہیں۔" اور تھوڑی دیر بعد ادھیڑ عمر کا ایک قوی ہیکل دیہاتی ہمارے سامنے آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں موٹا سا ڈنڈا تھا۔ اس نے ہم تینوں کو غور سے دیکھا۔

"کہاں سے آئے ہو بابو جی؟"

"مالی بابا۔ ہم پکنک پر آئے تھے مگر ہماری گاڑی خراب ہو گئی۔ اسے بہت دور چھوڑ آئے ہیں۔ پریشان پھر رہے تھے کہ تمہارا باغ نظر آ گیا۔"

"اوہو۔ آؤ بھائی' میری کٹیا میں چلو۔ تھک گئے ہو گے۔ تمہارے ساتھ زنانی بھی ہے۔" مالی نے ہمدردی سے کہا اور ہم نے شکر کی گہری سانس لی۔ ہم مالی کے ساتھ چل پڑے۔ مالی کی کٹیا باغ کے دوسرے کونے میں تھی۔ ہم اس کے سامنے بچھی ہوئی چارپائی پر بیٹھ گئے۔

"میں تمہارے لیے کھانے کا انتظام کروں' بھوکے ہو گے۔" مالی نے کہا اور کٹیا میں چلا گیا۔

"یہ یہاں تنہا رہتا ہو گا؟" طالوت نے پوچھا۔

"ہاں۔ باغ کا رکھوالا ہے۔"

"آپ باغ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے یوسف صاحب؟" شکیلہ نے تعجب سے کہا۔

"یہ ابھی بہت سی باتوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے شکیلہ! اس سے قبل یہ ہمالیہ کی چوٹیوں پر رہتے تھے' حال ہی میں اترے ہیں۔" میں نے کہا اور طالوت ہنسنے لگا۔ شکیلہ غور سے طالوت کو دیکھ رہی تھی۔ مالی اندر نہ جانے کیا کرتا رہا پھر باہر نکل آیا۔

"ہم نے دال پکانے کو رکھ دی ہے بابو جی۔ دودھ موجود ہے جب تک چائے بنا لائیں۔"

"بڑی مہربانی ہوگی بابا۔ آپ کو تکلیف دی۔"

"ارے کیسی باتیں کرتے ہو بابو۔ مسافر ہو' مہمان ہو۔ جو کچھ ہے حاضر ہے۔ مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔"

"شکریہ بابا۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

"قاسم خان۔"

"یہ کون سی جگہ ہے بابا؟"

"یہاں سے تین کوس دور ہنگڈی بستی ہے بابو جی۔"

"اوہ۔ تین کوس دور۔ کیا وہاں ریلوے اسٹیشن ہے بابا؟"

"ہاں بابو جی! چھوٹی لین ہے۔ پر روزانہ ریل آوے ہے۔" قاسم بابا نے بتایا اور میں نے خوشی کی گہری سانس لی۔ ہماری مصیبتیں کسی حد تک ختم ہو گئی تھیں۔ قاسم بابا چائے بنا کر لے آیا۔

اور پھر دال پک گئی۔ قاسم بابا نے موٹی موٹی روٹیاں پکائیں اور ہم نے مزے سے کھائیں پھر طے ہوا کہ شکیلہ کٹیا میں سوئے گی اور ہم تینوں باہر۔ مالی شریف آدمی تھا اس لیے تشویش نہ ہوئی اور یہ رات پچھلی راتوں کی نسبت زیادہ پرسکون تھی۔ صبح کو مالی نے بہت عمدہ ناشتا پیش کیا۔ اس نے امرودوں کی ایک خاص ترکاری بنائی اور روٹیوں کے ساتھ وہ ترکاری لطف دے گئی۔

پھر ہم نے رخت سفر باندھا۔

"عارف۔۔۔!" طالوت نے افسوس ناک لہجے میں کہا۔

"کیوں۔ خیریت؟"

"افسوس' ہم اس نیک دل بوڑھے کو کچھ نہیں دے سکے۔"

"یہ اس کی بدقسمتی ہے' ہمارا کیا قصور ہے۔" میں نے جواب دیا۔ بہرحال ہم نے بوڑھے کا شکریہ ادا کیا اور پھر ہم چل پڑے۔ تین کوس کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ بوڑھے مالی نے ہمیں راستہ بتا دیا تھا۔ ہم چلتے رہے۔ شکیلہ واقعی قابل ستائش تھی۔ اس دوران اس نے کہیں بھی نہیں محسوس ہونے دیا تھا کہ وہ لڑکی ہے۔ وہ اسی طرح خوش و خرم تھی اور ہنستی بولتی راستہ طے کر رہی تھی۔ یہ لڑکی ایسی تھی کہ آدمی

اس سے کبھی نہیں اکتا سکتا تھا۔

دوپہر تک بھنگاڑی بستی پہنچ گئے۔ چھوٹا سا قصبہ تھا۔ ایک بازار جس میں چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں۔

"عارف!" طالوت نے آہستہ سے کہا اور میں اس کی شکل دیکھنے لگا "ریل سے سفر کرو گے؟"

"ہاں۔ کیوں؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ٹکٹ کہاں سے لو گے؟"

"او۔ نہیں لیں گے تو کیا فرق پڑے گا۔"

"بے عزتی نہیں ہوگی؟"

"دیکھا جائے گا یار۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔ میں طالوت کے دل پر زیادہ بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔

"پھر بھی عارف۔۔۔"

"یار ذرا سی مصیبت سے گھبرا گئے۔ میری دنیا کے لوگوں کو دیکھو پوری زندگی انہی حالات میں گزار دیتے ہیں اور ماتھے پر شکن بھی نہیں آتی۔ یہ بزدلی ہے طالوت۔۔۔"

"بس یہ احساس ہوتا ہے۔ شکیلہ بھی ساتھ ہے کیا سوچے گی کہ ایسے کنگال لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔"

"ایسی لڑکی نہیں ہے اور پھر کسی شہر میں داخل ہو کر سوچیں گے۔ ہاتھ پاؤں رکھتے ہیں پھر یوں تو سوچو طالوت کہ زندگی میں ایک دلچسپ تبدیلی آئی ہے۔ اس سے قبل عیش میں گزارتے گزارتے تم پر بھی اکتاہٹ طاری ہونے لگی تھی۔"

طالوت خاموش ہوگیا۔ راستے میں ایک شخص سے اسٹیشن کا راستہ پوچھا۔ قصبہ ہی کتنا بڑا تھا کہ اسٹیشن تک پہنچنے میں زیادہ وقت لگتا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اسٹیشن پہنچ گئے۔

پورا شیڈ خالی پڑا تھا۔ ایک طرف اسٹیشن ماسٹر کا کمرا تھا۔ ہم اس کے پاس پہنچ گئے تھے اور بوڑھا اسٹیشن ماسٹر چونک پڑا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہمیں دیکھا تھا۔

"کیا حال ہے چاچا!" طالوت نے پوچھا۔ بڑے میاں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اس سے قبل اس اسٹیشن پر کوئی نہیں آیا؟" اور بڑے میاں نے سادگی سے گردن ہلا دی۔

"بہت خوب۔ ٹرین یہاں رکتی بھی ہے یا نہیں؟"

"رکتی ہے' رکتی ہے جی۔" بڑے میاں کے منہ سے پہلی آواز نکلی۔

"بہت خوب' کب رکتی ہے؟"

"جب آتی ہے۔" بڑے میاں بولے۔

"واہ۔ بڑے میاں فلاسفر معلوم ہوتے ہیں۔" طالوت میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"آتی بھی ہے چاچا!" میں نے پوچھا۔

"کیوں نہیں آتی۔"

"کتنی دیر میں آئے گی؟"

"آنے ہی ہوگی۔"

"او۔ ویری گڈ۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" طالوت خوش ہو کر بولا۔

"ٹکٹ دوں؟" بڑے میاں بولے۔

"کیا؟" طالوت نے آنکھیں پھاڑ دیں "ٹکٹ بھی لینا پڑے گا؟"

"او، تم بھی بغیر ٹکٹ سفر کرو گے۔" بڑے میاں مایوسی سے بولے۔

"اور لوگ بھی سفر کرتے ہیں؟"

"سب ہی کرتے ہیں۔ میں نے پچھلے تین سال سے کوئی ٹکٹ نہیں بیچا۔" بڑے میاں نے جواب دیا۔

"ویری گڈ۔ ویسے ایک بات بتاؤ چاچا۔ بغیر ٹکٹ سفر کرنے کی سزا کیا ہے؟"

"کوئی خاص نہیں۔ پولیس لے جاتی ہے یا ٹی ٹی کے گھر جھاڑو لگانی پڑتی ہے' برتن صاف کرنے پڑتے ہیں۔" بڑے میاں نے بڑی سادگی سے کہا اور طالوت نے آنکھیں بھینچ لیں۔ شکیلہ ہنس پڑی تھی۔

کافی دیر تک ہم بڑے میاں سے ہنسی مذاق کرتے رہے' پھر وہاں سے ہٹ آئے "اب کیا خیال ہے عارف؟" طالوت نے پوچھا۔

"مستقل مزاج ہوں۔"

"برتن دھونے آتے ہیں؟"

"کیا حرج ہے۔ یہ بھی سہی۔"

"ٹھیک ہے پھر مجھے کیا اعتراض ہے۔" طالوت نے شانے جھٹکے اور پھر دور سے ٹرین آتی نظر آئی۔ اور ہمارے دل دھڑک اٹھے۔ اب تک تو صرف تفریح کر رہے تھے لیکن اب واقعی سوچنا پڑا۔ کوئی گڑبڑ ہوگئی تو اچھا نہ ہوگا۔ لیکن کیا بھی کیا جا سکتا تھا' چلنا تو تھا ہی۔ ٹرین آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھی اور پھر پلیٹ فارم کے علاقے میں داخل ہوگئی۔

اسٹیشن ماسٹر نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ یہاں پر کوئی نہیں اترا۔ البتہ ہم ایک کمپارٹمنٹ میں داخل ہوگئے۔

"فرسٹ کلاس ہے۔" شکیلہ آواز بھینچ کر بولی۔

"کمال ہے پھر کیا ہم تھرڈ کلاس میں سفر کریں گے۔ اگر پکڑے بھی گئے تو لوگ کیا سوچیں گے کہ تھرڈ کلاس میں سفر



کرتے ہوئے پکڑے گئے' آؤ۔" میں نے کہا اور ہم کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئے۔

یہاں کچھ لوگ موجود تھے لیکن ہم نے کسی کی شکل پر نگاہ بھی نہیں ڈالی اور خاموشی سے سامنے کی ایک سیٹ کی طرف بڑھ گئے۔

"شاید آپ لوگوں نے باہر ریزرویشن کارڈ نہیں دیکھا ہے جناب!" ایک بھاری آواز سنائی دی۔

"جی؟" طالوت نے نگاہیں اٹھائیں۔ میں بھی چونک کر اس موٹے بھدے آدمی کو دیکھنے لگا۔

"جی ہاں۔ باہر ریزرویشن کارڈ موجود ہے۔" بھاری بھرکم آدمی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"معاف کیجئے گا' ہم دیکھ نہیں سکے تھے۔" میں نے معذرت آمیز انداز میں کہا۔

"ابھی ٹرین رکی ہوئی ہے اور پھر یہ فرسٹ کلاس کا کمپارٹمنٹ ہے۔"

"کوئی بھی کلاس ہو' ہمارے لئے یکساں ہے۔"

"کیا مطلب؟" بھاری بھرکم آدمی نے بھنوئیں چڑھاتے ہوئے پوچھا۔ وہ کسی قدر پھنسی ہوئی آواز میں بول رہا تھا۔

"بھائی ہم نے تو کسی کلاس کا ٹکٹ نہیں خریدا۔"

"ہوں' تو چار سو بیس ہیں آپ۔" وہ ہونٹ بھینچ کر بولا۔ گاڑی پلیٹ فارم سے رینگنے لگی تھی "جلدی کریں' ورنہ میں زنجیر کھینچ لوں گا۔ مصیبت میں پھنس جائیں گے آپ لوگ۔"

"مصیبت میں تو پھنسے ہوئے ہیں جناب۔ مہمان سمجھ کر ہی برداشت کرلیں۔" طالوت پھر بولا۔

"میں کہتا ہوں' زیادہ چرب زبان بننے کی کوشش نہ کریں' ورنہ میں اچھا آدمی نہیں ہوں۔"

"شکل سے ہی نظر آتے ہیں اور آپ کی گفتگو نے تصدیق کردی ہے۔" طالوت بیزاری سے بولا۔

"تو ایسے نہیں اتریں گے آپ؟"

"ہرگز نہیں۔" طالوت نے جواب دیا۔

"بہتر ہے۔" وہ زنجیر کی طرف بڑھا۔ اس کی بداخلاقی پر غصہ مجھے بھی آگیا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کے پیروں میں ٹنگڑی اڑا دی۔ اس بری طرح گرا تھا وہ کہ زوردار دھماکہ ہوا اور پھر وہ خود سے نہ اٹھ سکا۔

لیکن اس دھماکے سے سیٹ پر کمبل اوڑھے لیٹی ہوئی بوڑھی عورت جاگ اٹھی تھی۔ اس کے قریب ہی دو لڑکیاں اور ایک نوجوان گھبرا کر کھڑے ہوگئے۔ وہ بھی اسی طرف متوجہ تھے۔

"کیا ہوا۔ کیا ہوا تصدق۔ کیا۔ کیا حادثہ ہوگیا۔ ہوگیا حادثہ؟" بوڑھی عورت نے متوحش انداز میں پوچھا۔

"آپ لیٹئے بڑی ماں۔ آپ آرام کریں' لیٹ جایئے۔"

"حادثہ نہیں ہوا؟" عورت کی آواز نحیف تھی۔

"نہیں۔ کوئی حادثہ نہیں ہوا۔"

"پھر میری افشاں کہاں ہے۔ حادثہ نہیں ہوا تو وہ کہاں چلی گئی۔"

"خدا سمجھے گا آپ سے۔" نوجوان ہمیں گھونسہ دکھاتے ہوئے بولا اور پھر وہ بھاری بھرکم شخص کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ بمشکل تمام وہ اسے اٹھانے میں کامیاب ہو سکا تھا۔

"آپ لیٹ جایئے بڑی ماں۔۔۔ آپ۔۔۔"

"ارے تو مجھے بتاؤ تو سہی۔ یہ آواز کیسی تھی؟"

"تصدق گر پڑے تھے بڑی ماں۔" ایک لڑکی بولی۔

"اف' اس سے کہو کہ آہستہ سے گرا کرے۔ ایسی زور کی آواز ہوتی ہے جیسے۔۔۔ جیسے حادثہ ہوگیا ہو۔"

"آپ لیٹ جایئے بڑی ماں۔"

"نہیں' اب میں بیٹھوں گی۔ نیند نہیں آرہی۔"

بھاری بھرکم آدمی قہرآلود نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ شاید عورت کی وجہ سے وہ خاموش تھا ورنہ ہاتھا پائی پر اتر آتا۔ ہم دونوں اطمینان سے بیٹھے تھے۔ شکیلہ نے ہنسی روکنے کے لیے منہ کھڑکی کی طرف کرلیا تھا اور ہل رہی تھی۔

"یہ۔ ارے یہ کون ہیں؟" بالآخر بڑی ماں کی نگاہ ہم دونوں پر پڑ ہی گئی۔ اور طالوت جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"آپ کے بچے ہیں بڑی ماں۔" اس نے جھک کر کہا۔

"میرے بچے!" بوڑھی کھوئے ہوئے انداز میں بولی۔

"یہ بدمعاش ہیں بڑی ماں! ہمارے کمپارٹمنٹ میں گھس آئے ہیں۔ آپ اجازت دیں تو میں زنجیر کھینچ کر انہیں پولیس کے حوالے کردوں۔" موٹے تصدق نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"یہ موٹا جھوٹ بول رہا ہے بڑی ماں۔ اے عارف ادھر آؤ۔" طالوت نے میری طرف رخ کرکے کہا اور میں بھی جلدی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔ تب وہ نہایت بھولپن سے بولا "بتایئے بڑی ماں! کیا ہم آپ کو صورت سے بدمعاش نظر آتے ہیں؟"

"ارے نہیں' بالکل نہیں۔" عورت محبت آمیز لہجے

میں بولی "تمہاری شکلیں تو بہت پیاری ہیں' بالکل ایک جیسی۔ کیا تم دونوں بھائی ہو؟"

"ہاں۔ مصیبت کے مارے ہیں بڑی ماں۔ غلطی سے آپ کے کمپارٹمنٹ میں آ گئے تھے لیکن یہ موٹا ہمارے ساتھ بہت برا سلوک کر رہا ہے۔" طالوت نے تصدق کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ موٹا نہیں' تصدق ہے۔"

"اچھا!" طالوت نے حیرت سے موٹے کو دیکھا اور عورت کی ساتھی لڑکیاں ہنس پڑیں۔

"بڑی ماں! کیا حکم ہے ان کے بارے میں؟" تصدق نے نتھنے پھلاتے ہوئے کہا۔

"ارے بیٹا رہنے دو تصدق' بیٹھا رہنے دو۔" بوڑھی عورت نے کہا۔ اس کی آنکھوں سے نرمی اور ممتا ٹپک رہی تھی۔ بڑا پروقار چہرہ تھا' بڑی پاکیزہ شکل تھی۔

"شکریہ بڑی ماں۔ ہم واقعی مظلوم ہیں۔"

"ارے۔ وہ کون ہے؟" بڑی ماں کی نگاہ شکیلہ پر پڑ گئی۔

"ہماری ساتھی ہے بڑی ماں۔"

"تو وہ ادھر کیوں منہ کیے بیٹھی ہے' کیا کوئی حادثہ ہو گیا ہے؟" بوڑھی نے پوچھا اور بوڑھی کے یہ الفاظ عجیب سے تھے۔ وہ حادثے کا ذکر بار بار کرتی تھی۔

"نہیں' وہ ٹھیک ہے۔ شکیلہ ادھر آؤ۔ بڑی ماں بلا رہی ہیں۔" میں نے کہا اور شکیلہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ نہ جانے کیوں اب تک ان لوگوں نے شکیلہ کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ اب جو وہ اس طرف مڑی تو ایک عجیب ہنگامہ ہو گیا۔ عورت کی ساتھی لڑکیاں چیخ پڑی تھیں' نوجوان ارے کہہ کر اچھل پڑا تھا اور تصدق دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔

اور بوڑھی عورت۔ اس کا تو منہ کھلا رہ گیا تھا۔

ہم دونوں نے ایک لمحے میں یہ انوکھی کیفیت محسوس کر لی تھی۔ شکیلہ کئی قدم آگے بڑھ آئی۔ اب وہ ہمارے قریب تھی۔

"افشاں باجی!" ایک لڑکی پاگلوں کے سے انداز میں بولی۔

اور پھر بوڑھی کی دل خراش چیخ گونجی "افشاں....!" وہ تیزی سے اٹھی' دونوں ہاتھ پھیلائے اور پھر گر پڑی۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ سب لوگ اس پر جھک گئے۔ بڑی مشکل سے اسے اٹھا کر سیٹ پر ڈالا گیا۔ میں نے اور طالوت نے بھی مدد کی تھی۔

"تم مصیبت بن کر آئے ہو۔" تصدق ہمیں گھورتا دیکھ کر بولا اور پھر چونک کر سیدھا ہو گیا "لیکن افشاں بی بی۔ آپ ان لوگوں کے ہاتھ کیسے لگ گئیں۔ کیا یہی بدمعاش...."

"جی....؟" شکیلہ حیرت سے بولی۔

"ہائے افشاں باجی۔ کہاں چلی گئی تھیں آپ۔ ہائے آپ نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔" دونوں لڑکیاں روتی ہوئی شکیلہ سے لپٹ گئیں۔ اور شکیلہ بوکھلائے ہوئے انداز میں خود کو ان سے چھڑانے لگی۔

"ارے۔ ارے سنیے۔ سنیے تو۔ آپ کو۔ آپ کو...." وہ خود کو بچاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"افشاں باجی۔ آپ۔ آپ۔ سنیے۔ براہ کرم بتا دیجیے۔ یہ آپ کو کہاں سے ملیں؟" نوجوان پریشانی سے ہماری طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"کیا قصہ ہے شکیلہ؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔ معاً میرے ذہن میں خیال آیا تھا کہ شکیلہ درحقیقت افشاں تو نہیں ہے۔ ممکن ہے اس نے معلق اپنی کہانی غلط سنائی ہو۔

"بخدا' مجھے نہیں معلوم۔" شکیلہ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ارے بڑی ماں کو تو دیکھو۔ اف' یہاں تو ڈاکٹر بھی نہیں مل سکتا۔"

"زنجیر کھینچ کر گاڑی روکوں؟" تصدق بوکھلاہٹ میں ناچتے ہوئے بولا۔

"گاڑی روکنے سے کیا ہوگا؟" نوجوان نے کہا۔

"سب ان لوگوں کا کیا دھرا ہے۔" تصدق پھر ہمیں گھورتے ہوئے بولا۔

"آپ فضول باتیں کیوں کر رہے ہیں تصدق صاحب۔ کام کی بات کریں۔" نوجوان نے ناگواری سے کہا اور موٹا تصدق چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پیدا ہوئے پھر وہ خاموش ہو گیا۔

طالوت نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا اور پیچھے ہٹ گیا۔ میں اس کا اشارہ سمجھ کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ شکیلہ کو ان لوگوں نے گھیر رکھا تھا۔

"معاملہ دلچسپ ہے عارف!" طالوت نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں۔ عجیب و غریب ہے بھئی۔"

"کیا خیال ہے۔ کیا شکیلہ نے کوئی گڑبڑ کی ہے؟"

"بظاہر اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔"

"اس کی بوکھلاہٹ مصنوعی نہیں معلوم ہوتی۔"

"ممکن ہے کوئی دلچسپ غلط فہمی ہوئی ہو۔"



"پھر اب؟"

"سوچو۔"

"غلط فہمی بہرحال دلچسپ ہے۔ کیوں نہ...."

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ لیکن شکیلہ اگر ٹھیک ہے تو پریشان ہو گی۔"

"اسے تیار کر لیں گے۔ وقتی طور پر تھوڑی سی تفریح ہو جائے گی۔"

"او کے۔"

"پھر طے....؟"

"بالکل طے۔"

"یہ موٹا کیا چیز ہے؟"

"جو کچھ بھی ہے دلچسپ ہے۔"

"تب آؤ۔ موٹے کی بات کی جائے۔" طالوت نے کہا اور ہم پھر ان لوگوں کے قریب پہنچ گئے۔ لڑکیاں شکیلہ کی جان کھائے ہوئے تھیں۔

"ہائے افشاں باجی۔ آخر آپ مان کیوں نہیں رہیں؟" ایک لڑکی کہہ رہی تھی۔

"کیا آپ ہم لوگوں سے ناراض ہیں؟" دوسری نے کہا۔

"خدانخواستہ افشاں باجی کی یادداشت تو خراب نہیں ہو گئی۔" نوجوان نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" لڑکیاں بولیں۔

"یوسف صاحب! دیکھیے تو سہی۔ نہ جانے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔" شکیلہ گھبرا کر ہماری طرف لپک آئی۔

"کوئی بات نہیں شکیلہ۔ کوئی دلچسپ غلط فہمی ہے۔"

"جی ہاں۔ غلط فہمی ہے۔ شکل بھی بدل جائے گی' آواز بھی بدل جائے گی' بولنے کا انداز بھی بدل جائے گا' اندھے ہیں نا ہم سب۔" ایک لڑکی آنکھیں نکالتے ہوئے بولی۔

"اندھی نظر تو نہیں آتیں لیکن عقل کی اندھی ضرور ہو۔" طالوت نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔

"اے مسٹر! لڑکیوں سے بدتمیزی اچھی نہیں ہوتی۔"

"اب تم ایک تو ڈبے میں گھس آئے ہو' اوپر سے بکواس بھی کر رہے ہو۔" تصدق پھر آگے بڑھ آیا۔

"تو سنو۔ اگر اب تم میں سے کسی نے اس لڑکی کو افشاں کہا تو میں اس کے دانت توڑ دوں گا۔ تم جو ہماری ساتھی سے بکواس کر رہے ہو وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔" طالوت نے موٹے تصدق کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تصدق صاحب! براہ کرم بڑی ماں کا خیال کریں۔ آپ نے بے مقصد گفتگو شروع کر رکھی ہے' خاتون۔ اگر آپ افشاں ہیں تو براہ کرم اتنا ہی بتا دیں کہ آپ کو بڑی ماں پر بھی رحم نہیں آتا؟" نوجوان نے پھر مداخلت کی۔

"اور اگر میں افشاں نہ ہوں تب بھی افشاں بن جاؤں۔"

"اگر آپ افشاں باجی نہیں ہیں تو ہم آپ سے معافی چاہتے ہیں۔ لیکن ہمیں کہنے دیں کہ دنیا میں شاید ہی چہروں میں اتنی مماثلت ملتی ہو۔ آپ دونوں بالکل ہم شکل ہیں لیکن دونوں کی شخصیتوں میں فرق محسوس ہو جاتا ہے۔ اگر آپ افشاں باجی کو دیکھ لیتے تو خود بھی دھوکہ کھا جاتے۔ ان کی شکل' چال ڈھال' آواز' انداز یہاں تک کہ فطرت بھی ان جیسی ہی ہے۔"

"بہرحال' یہ افشاں نہیں شکیلہ ہیں۔"

"تب ہمیں معاف کر دیں خاتون۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن افشاں ہے کون؟"

"ہماری باجی۔ ہماری بہن ہے۔"

"وہ کہاں گئیں وہ؟" شکیلہ نے اب کسی قدر نرمی سے پوچھا۔

"بس اچانک کہیں کھو گئیں۔ ایک دن یونیورسٹی گئی تھیں' پھر واپس نہیں آئیں۔ کہاں کہاں نہ تلاش کیا انہیں' کہاں کہاں نہ دیکھا۔ لیکن ان کا نشان نہیں ملا۔ بڑی ماں کا خیال ہے کہ انہیں کوئی حادثہ پیش آ گیا۔"

"بڑی ماں کون ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"افشاں باجی کی ماں۔"

"اور تم لوگ؟"

"ہم بھی ان کے بہن بھائی ہیں۔ میں ان کا چچا زاد بھائی ہوں اور یہ دونوں خالہ زاد بہنیں۔" نوجوان نے بتایا۔

"اور یہ تصدق صاحب؟"

"یہ ہمارے منیجر ہیں۔"

"اسی لیے زیادہ اکڑ رہے ہیں۔ ویسے اب بھروسا کرو دوست۔ تم سب غلط فہمی کے شکار ہو' ان کا نام افشاں نہیں شکیلہ ہے۔"

"آہ' کیسی افسوس ناک بات ہے۔ ہمارے زخم تازہ ہو گئے۔"

"کتنا عرصہ ہو گیا افشاں کو غائب ہوئے؟"

"پورے تین سال۔"

"مجھے بہت افسوس ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں افسوس کی بات ہے۔" شکیلہ نے بھی کہا۔ اس

وقت بڑی ماں کی کراہ سنائی دی۔

"افشاں۔ افشاں۔ کہاں گئیں بیٹی۔ آہ، تم کہاں کھو گئیں؟" ہم سب کی نگاہیں بوڑھی عورت کے پر نور چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔ بڑی حسرت، بڑا درد تھا اس چہرے پر۔ ہم کافی متاثر ہوئے تھے۔

شکیلہ آہستہ قدموں سے بڑی ماں کے پاس پہنچ گئی۔ آخر لڑکی تھی۔ اس کے دل میں درد پیدا ہو گیا۔ وہ جھکی اور جھکتے ہوئے اس نے بوڑھی خاتون کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

بڑی ماں نے آنکھیں کھول دی تھیں پھر ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ سکتے کے عالم میں شکیلہ کو گھور رہی تھیں اور پھر وہ دلدوز چیخ مار کر اس سے لپٹ گئیں "آہ۔ افشاں۔ افشاں۔ کہاں چلی گئی تھی میری لعل۔ کہاں کھو گئی تھی۔ افشاں۔" وہ بری طرح شکیلہ کو چومنے لگیں۔ شکیلہ نے خود کو ان کی آغوش میں دے دیا۔ اس نے خود بھی بڑی ماں کی گردن میں بانہیں ڈال دی تھیں۔

"مسٹر! آپ میری بات سنیں۔" اچانک تصدق نے میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"آیئے۔ پلیز آیئے۔" تصدق نے کسی قدر نرم لہجے میں کہا اور میں اس کے ساتھ وہاں سے الگ آ گیا۔ میرے پیچھے طالوت اور اس کے پیچھے نوجوان بھی آ گئے تھے۔

"جی۔ فرمایئے؟" میں نے کہا۔

"آپ یقین دلا رہے ہیں کہ یہ خاتون افشاں نہیں ہیں۔" وہ بولا۔

"پہلے میں یہ یقین کرنا چاہتا ہوں کہ تم صحیح الدماغ ہو بھی یا نہیں۔" طالوت نے کہا۔

"میں آپ سے بات نہیں کر رہا۔ سمجھے؟" تصدق گرم ہو گیا۔

"تصدق صاحب۔ براہ کرم موقع کی نزاکت سمجھیں۔" نوجوان نے ٹوکا۔

"تو یہ درمیان میں کیوں بول رہے ہیں۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"بڑی ماں، افشاں بی بی کی گمشدگی سے نیم پاگل ہو گئی ہیں۔ ان کی ذہنی کیفیت درست نہیں ہے۔ ہم انہیں ایک پہاڑی مقام پر لے گئے تھے لیکن ان کے درد کا علاج پہاڑی مقام تو نہیں ہے۔ آپ کی ساتھی اتفاق سے ہو بہو افشاں بی بی کی ہم شکل ہیں۔ اگر آپ ہماری مدد کریں تو۔ ہم آپ کی مدد کریں گے۔"

"کیا مطلب؟" طالوت پھر بول پڑا۔

"مطلب یہ کہ آپ کو اچھی خاصی رقم مل سکتی ہے۔"

"کس سلسلے میں؟"

"اس لڑکی کے عوض۔" تصدق نے جواب دیا۔

"آپ ذرا نیچے بیٹھ جائیں۔" طالوت نے کہا۔

"جی؟" تصدق حیرت سے بولا۔

"بیٹھیں تو سہی۔ میں آپ کے سر پر دس جوتے لگانا چاہتا ہوں۔ کیا لیں گے آپ ان کا؟" طالوت نے کہا۔

"کیا؟" تصدق اچھل پڑا۔

"آپ نے بات ہی ایسی کی ہے تصدق صاحب! معاف کیجئے میرا خیال ہے آپ اس سلسلے میں بات نہ کریں۔" نوجوان نے کہا۔

"آپ میری توہین کرا رہے ہیں کمال میاں۔" تصدق غرایا۔

"آپ خود اپنی توہین کرا رہے ہیں فضول گفتگو کر کے۔" نوجوان تیز ہو کر بولا۔

"بہتر ہے، مجھے اب اس سلسلے سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی ہے۔" تصدق تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا۔

"کچھ لوگ تعلیم یافتہ ہو کر بھی حماقت کی باتوں سے احتراز نہیں کرتے۔ میں ان کے الفاظ کی معافی چاہتا ہوں۔ اس لیے نہیں کہ میں آپ سے کوئی کام لینا چاہتا ہوں بلکہ اس لیے کہ تصدق صاحب کے الفاظ واقعی احمقانہ تھے۔"

"خیر۔ آگے بڑھو۔"

"بڑی ماں کے بارے میں تفصیل آپ کو معلوم ہو ہی گئی ہے۔ اس اتفاق نے ان کے زخم کو پھر ہرا کر دیا ہے۔ اگر اس وقت آپ نے ہماری مدد نہیں کی تو ہمیں نہ جانے کیا نقصان اٹھانا پڑے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے لیکن کیا کیا جائے؟"

"یہ خاتون آپ کی کون ہیں؟"

"دوست سمجھ لیں، عزیز سمجھ لیں۔"

"اگر آپ چند روز ہمارے مہمان بننا پسند کریں تو اس الجھن کا حل سوچنے میں آسانی ہو جائے گی۔ اگر کوئی ضروری کام بھی ہو آپ کو تو ہمارے ساتھ ہمارے گھر چلیں۔ وہاں کا ماحول دیکھ لیں۔ آپ کی ساتھی بڑی عزت کے ساتھ چند روز رہ لیں گی۔ بڑی ماں کو کچھ ڈھارس مل جائے گی۔ پھر کوئی حل سوچ لیں گے۔ اگر ابھی آپ نے ان خاتون کو ان سے جدا کر دیا تو خدانخواستہ بڑی ماں بالکل پاگل بھی ہو سکتی ہیں۔"

"یہ کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے۔ ہمیں کوئی اعتراض



نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"تو آپ۔ آپ تیار ہیں؟"

"صرف انسانی ہمدردی کے طور پر۔"

"بہت بہت شکریہ۔ آپ یقین کریں ہماری بڑی مشکل حل ہو جائے گی۔ تصدق تو احمق ہے، عقل کی بات نہیں کرتا۔ یہ میں آپ کو خوش کرنے کی غرض سے نہیں کہہ رہا۔ درحقیقت اس نے حماقت کی بات کہی تھی۔ ورنہ انسانی ہمدردی کی کوئی قیمت نہیں ہوتی ہے۔ ویسے ہم آپ کی ہر مدد کے لیے تیار ہیں۔"

"مسئلہ کچھ اور ہے بھائی۔ ہم اپنے بارے میں تفصیل تو نہیں بتائیں گے بس یوں سمجھو ہم تلاش میں ہیں۔"

"اوہ، اس کی تو آپ پروا ہی نہ کریں۔"

"پوری بات سن لو۔ کوئی پیشکش مت کر بیٹھنا۔ ہمیں اس ہمدردی کا کوئی معاوضہ نہیں چاہیے۔ بس دو چار روز تک دو وقت کی روٹی اور ٹرین کا ٹکٹ۔ کیا سمجھے؟"

"براہ کرم ذلیل نہ کریں۔ آپ لوگ جو کوئی بھی ہیں، دلچسپ ہیں۔ کیوں نہ ہم دوستی کی فضا میں بات کریں۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"میرا نام کمال ہے۔ یہ دونوں لڑکیاں نادرہ اور شمسہ ہیں۔ بڑی ماں کے بارے میں تفصیل بتا چکا ہوں، میری ممانی ہیں۔ ماموں جان کا بہت بڑا کاروبار ہے۔ ہم لوگ خاندانی ہیں، ابھی تک خاندانی روایات کے قائل۔ گو ذرا جدید ہو گئے ہیں لیکن گھر کے ماحول میں ابھی تک قدامت ہے۔ افشاں باجی ماموں جان کی اکلوتی اولاد ہیں۔"

"خوب، میرا نام عارف اور یہ یوسف ہیں۔ وہ لڑکی شکیلہ ہے۔"

"سگے بھائی ہیں آپ دونوں؟"

"سگوں سے زیادہ۔"

"اوہ، گویا سگے نہیں ہیں لیکن آپ دونوں کی شکلیں تو بالکل ایک جیسی ہیں۔"

"تو پھر یہی سمجھ لو کہ ہم دونوں میں شکلوں کا رشتہ ہے۔"

"اس کے علاوہ نہیں؟"

"نہیں۔"

"کمال ہے، لیکن کیسی حیرت انگیز بات ہے۔ آپ کی ساتھی افشاں باجی سے اس قدر ملتی جلتی ہیں۔ اور آپ۔"

"ہاں کھیل دلچسپ ہے۔"

"بہرحال میں آپ کا بے حد ممنون ہوں عارف بھائی۔ آپ ہمیں برا نہ پائیں گے۔"

"لیکن یہ حضرت تصدق۔" طالوت منہ بنا کر بولا۔

"تصدق ہے ان کا نام۔" کمال ہنس پڑا۔

"میں انہیں تمرک ہی کہوں گا۔"

"آپ ان کی باتوں کی پروا نہ کریں۔ کاروباری نہیں گھریلو امور کے منیجر ہیں، ویسے آدمی برے نہیں ہیں۔ آپ سے دوستی ہو جائے گی تو آپ انہیں کافی دلچسپ پائیں گے۔"

"ہاں۔ ہماری دلچسپی کا سامان تو بہرحال فراہم کریں گے۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور میں اس کی شکل دیکھنے لگا۔

پھر ہماری نگاہ شکیلہ کی طرف اٹھ گئی۔ وہ اسی طرح بڑی ماں کی آغوش میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی پلکیں بھی بھیگ رہی تھیں۔ شاید اس نے بڑی ماں سے اپنے افشاں ہونے کی تردید نہیں کی تھی۔ دونوں لڑکیوں کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔

"بڑی ماں کی یہ غلط فہمی کب تک چل سکے گی کمال صاحب؟"

"ان کی حالت ذرا درست ہو جائے۔ ویسے پلیز کوٹھی چل کر بھی یہی تاثر برقرار رکھا جائے کہ وہ افشاں باجی ہیں۔ ہوگا وہی جو آپ پسند کریں گے۔ آپ کو کوئی تکلیف نہیں اٹھانی پڑے گی۔"

"ٹھیک ہے، مقصد یہ نہیں ہے۔" طالوت نے کہا اور کسی سوچ میں گم ہو گیا۔

شکیلہ تو بڑی ماں سے ایسی چمٹی تھی کہ چھوڑنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی یا پھر بڑی ماں اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھیں۔ ہم لوگ بھی ان کے قریب بیٹھ گئے۔

بیٹی کی ہم شکل کو پا کر بڑی ماں باقی سب کچھ بھول گئی تھیں۔ وقت گزرتا رہا، رات ہو گئی۔ ٹرین مختلف اسٹیشنوں پر رکتی اور پھر آگے بڑھ جاتی۔ رات کو سب نے کھانا کھایا۔ عمدہ قسم کا کھانا ساتھ تھا۔ بڑی ماں نے اپنے ہاتھوں سے شکیلہ کو کھانا کھلایا۔ کھانا کھاتے ہوئے نہ جانے کیوں شکیلہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ بڑی ماں بار بار اسے کلیجے سے لگا رہی تھی۔ کھانا ختم ہو گیا اور پھر باتیں ہوتی رہیں پھر بڑی ماں کو نیند آنے لگی اور ان کے سونے کا بندوبست کر دیا گیا۔

"سنو کمال، تصدق۔ افشاں کو جانے نہ دینا۔ اس کی نگرانی کرنا۔ اگر یہ چلی گئی۔ تو۔ میں مر جاؤں گی۔ بولو۔ اگر تم اسے جانے نہ دو تو میں سو جاؤں۔ ورنہ میں نہیں سوؤں گی۔"

"میں نہیں جاؤں گی امی جان! میں نہیں جاؤں گی' آپ آرام سے سو جائیں۔" شکیلہ نے کہا۔

"وعدہ کرتی ہو؟"

"ہاں۔ میں نہیں جاؤں گی' آپ آرام سے سو جائیں۔" شکیلہ پھر بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" بڑی ماں نے آنکھیں بند کر لیں اور پھر سب ان کے نزدیک سے ہٹ گئے۔ دونوں لڑکیاں پھر شکیلہ سے چپٹ گئیں۔ ہم لوگ بھی ان کے قریب پہنچ گئے تھے۔

"آپ لوگوں کا تعارف نہیں ہوا۔ افشاں باجی سے آپ کی کہاں ملاقات ہوئی؟" شمسہ نے ہماری طرف رخ کر کے پوچھا۔

"تحت الثریٰ میں۔ یہ تحت الثریٰ میں پینگ پانگ کھیل رہی تھیں۔ ہم نے انہیں چیلنج کیا۔ شرط ہوئی کہ اگر یہ ہم سے ہار گئیں تو تحت الثریٰ سے نکل آئیں گی اور اگر جیت گئیں تو پھر ہم بھی وہاں رہ جائیں گے۔ تو خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ ہار گئیں اور ہم انہیں نکال لائے۔" طالوت نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور لڑکیاں حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔

کمال مسکرا رہا تھا۔

"کیا آپ کو یقین نہیں ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"میری تو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا۔"

"آپ کی عقل پر تیرک صاحب کا سایہ پڑ گیا ہے۔"

"کیا۔۔۔؟" شمسہ نے تیز ہو کر کہا۔

"ان کی طرف نہ دیکھا کریں۔ انہیں دیکھ دیکھ کر عقل مدہم ہوتی ہے۔" طالوت نے تصدق کی طرف اشارہ کیا۔ تصدق اس وقت دور نہ تھا۔ اس نے طالوت کے جملے سنے تھے۔

"میں بدتمیزی پسند نہیں کرتا' سمجھے؟" وہ تیز ہو کر بولا۔

"پھر کیا پسند ہے آپ کو مسٹر تیرک؟"

"تیرک نہیں تصدق۔" تصدق غراتے ہوئے بولا۔

"آزادی کا دور ہے' ہمیں تیرک ہی پسند ہے۔"

"کمال میاں۔ کیا آپ نے انہیں بدتمیزی کی اجازت دی ہے۔"

"ارے نہیں نہیں۔ ہم نے اجازت لی ہی نہیں۔" طالوت نے کہا اور اس بار سب ہنس پڑے۔

"نہ جانے کیوں۔ نہ جانے کیوں میرا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ بہرحال آپ لوگوں کی خدمت میں درخواست کرتا ہوں کہ براہ راست مجھے نشانہ نہ بنایا جائے ورنہ میں بھی کوئی قدم اٹھا سکتا ہوں۔"

"آپ درخواست لکھ کر دے دیں مسٹر تیرک! ہم اس پر غور کریں گے۔" طالوت نے کہا "اور رہی قدم اٹھانے کی بات' تو آپ صرف دروازے کی طرف قدم اٹھائیں گے۔ ہم آپ کے کفن دفن کے جھگڑے سے محفوظ رہیں۔ ریلوے والے خود انتظام کر لیں گے۔"

"اوہ۔ اوہ۔ یہ انتہا ہے۔ کاش بڑی ماں ساتھ نہ ہوتیں میں تمہیں دیکھ لیتا۔" تصدق نے کہا اور پھر وہ تیز قدموں سے کمپارٹمنٹ کے دوسرے حصے میں چلا گیا۔

"زیادہ زچ نہ کریں اسے یوسف صاحب۔" کمال ہنستے ہوئے بولا۔

"میرے لیے تو وہ بہرحال تیرک ہے۔" طالوت نے کہا۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟" شمسہ بولی۔

"دیا تھا۔ آپ نے سنا نہیں ہوگا۔"

"اونہہ' وہ کوئی جواب تھا۔ افشاں باجی آپ بتائیں نا؟" شمسہ بولی۔

"شمسہ!" کمال نے سنجیدگی سے کہا۔

"جی؟"

"تم جانتی ہو بڑی ماں کی زندگی کے لیے یہ ضروری ہے۔ یہ خاتون افشاں باجی نہیں ہیں بلکہ ان لوگوں کی ساتھی ہیں۔ میری درخواست پر یہ چند یوم ہمارے ساتھ گزارنے پر تیار ہو گئے ہیں۔ شکیلہ خاتون بڑی ماں کی صحت کے لیے چند روز ہمارے ساتھ رہیں گی اور جب بڑی ماں کی حالت نارمل ہو جائے گی تو پھر۔ بہرحال۔ میں نے تمہیں یہ بات اس لیے بتا دی ہے کہ تم بھی ان کی مدد کرو۔ میں کوشش کروں گا کسی کو یہ نہیں بتایا جائے کہ یہ افشاں باجی نہیں ہیں۔"

"اوہ" لڑکیاں ششدر رہ گئیں۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے شکیلہ کو دیکھ رہی تھیں۔

"تو۔ تو یہ ہماری افشاں باجی نہیں ہیں۔" نادرہ بولی۔

"تم کسی کو یہ تاثر نہ دوگی۔ سمجھیں؟" کمال نے کہا۔

لڑکیاں خاموش ہو گئی تھیں۔

"اگر اجازت دیں تو ہم تھوڑی دیر آرام کر لیں۔" طالوت نے کمال سے کہا۔

"ہاں' ضرور۔ افشاں باجی آپ بھی۔" کمال نے کہا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا "معاف کیجئے گا خاتون۔ میں آپ کو شکیلہ باجی ہی کہہ کر مخاطب کرتا لیکن حالات کا تقاضا ہے کہ میں آپ کو افشاں باجی ہی کہوں۔ آپ محسوس نہ کریں۔"



شکیلہ نے گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے شکیلہ آرام کر لیں گی۔ ہم ان سے کچھ گفتگو کریں گے۔" طالوت نے کہا۔

"ضرور۔ ضرور۔ آؤ شمسہ۔ انہیں آرام کرنے دو۔" کمال نے کہا اور لڑکیاں دور چلی گئیں۔ شکیلہ ہمارے نزدیک سیٹ پر آ بیٹھی۔

"کیوں شکیلہ؟" میں نے کہا۔

"جی؟"

"کیسا ڈرامہ ہے یہ؟" طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔

"بڑا دردناک۔ ایک ماں سے اس کی ممتا چھن گئی ہے۔" شکیلہ افسوس ناک لہجے میں بولی۔

"ہاں۔ واقعی!"

"میں بھی چوٹ کھائی ہوئی ہوں عارف صاحب۔ مجھ سے بھی میرے سارے چھن گئے۔ میں اس ماں کے دل کا حال جانتی ہوں۔" شکیلہ کی آنکھوں میں پھر آنسو رینگ آئے۔

"گزری ہوئی باتوں کو بھول جانا ہی بہتر ہوتا ہے شکیلہ۔ ویسے اگر تم ان لوگوں کی مدد کرنا چاہو۔ جس انداز میں بھی کرنا چاہو' ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"اگر آپ اجازت دیں تو چند دن ان کے ساتھ گزار لوں۔"

"اس میں اجازت کی کیا بات ہے' تم اپنی مرضی کی مالک ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جو مناسب سمجھو۔"

"آپ بھی۔ آپ بھی میرے ساتھ رہیں گے نا یوسف صاحب؟"

"ضروری ہے؟"

"اوہ!" شکیلہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ اس کے چہرے سے حزن و ملال ہویدا تھا۔ میں نے اس کے احساسات کو سمجھا اور جلدی سے بول پڑا۔

"غلط فہمی کا شکار نہ ہو شکیلہ۔ میں جانتا ہوں یوسف کے اس جملے سے تم کیا سوچنے لگیں۔" میں نے کہا۔

"مجھے احساس ہے عارف صاحب اور سچ بھی ہے' آپ کہاں کہاں میرے بوجھ کو اٹھائے پھریں گے؟"

"اگر تم نے آئندہ ایسی بات کہی تو میں سمجھوں گا کہ تمہیں ہمارے خلوص پر اعتماد نہیں ہے۔" طالوت نے منہ بنا کر کہا۔

"تو پھر مجھے بتائیے' آپ کے ان الفاظ کا مطلب کیا ہے؟"

"اونہہ۔ حماقت کی بات نہیں۔ ہم ان کے ساتھ رہ کر ہی تمہارے احسان کی قیمت وصول کریں گے۔"

"اگر وہ اتنے ہی کم ظرف ہیں تو پھر ان کے لیے کچھ کرنے سے فائدہ؟" شکیلہ نے کہا۔

"اوہ! بات ختم کرو بھئی۔ ٹھیک ہے۔ ہم بھی ساتھ رہیں گے شکیلہ۔ بس تم تیار ہو تو سب ٹھیک ہے۔ بس اب اس موضوع کو ختم کرو۔" میں نے جھگڑا ختم کر دیا۔

پھر ہم کافی دیر تک اس موضوع پر سوچتے رہے اور آخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ ان لوگوں کے ساتھ رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس دوران میں اور طالوت مستقبل کے بارے میں بھی سوچ لیں گے کہ آئندہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ ظاہر ہے اب حالات وہ نہیں رہے تھے جو تھے۔ اب تو ہمیں نئے سرے سے زندگی کے راستے منتخب کرنے تھے۔

ہم لوگ بھی آرام سے لیٹ گئے تھے۔ شکیلہ' شمسہ اور نادرہ کے پاس چلی گئی تھی۔ طالوت خاموشی سے کچھ سوچ رہا تھا پھر اس نے مجھے آواز دی "عارف!"

"ہوں۔" میں آہستہ سے بولا۔

"نیند آ رہی ہے؟"

"نہیں۔"

"کیا سوچ رہے ہو اس وقت۔"

"کوئی خاص بات نہیں۔"

"پھر بھی؟"

"میں سوچ رہا ہوں کہ اتنی گفتگو ہوئی لیکن ابھی تک مجھے' تمہیں یا شکیلہ کو معلوم نہیں کہ ہم جا کہاں رہے ہیں۔"

"اوہ! یہی سوال اس وقت میرے ذہن میں تھا۔"

"ہم نے اسٹیشن ماسٹر سے بھی نہیں پوچھا تھا کہ یہ ٹرین کہاں جائے گی اور نہ ان لوگوں میں سے کسی سے معلوم کیا۔"

"ہاں۔ دلچسپ بات ہے۔"

"بہرحال ہماری منزل تو یوں بھی کوئی نہیں تھی' جہاں چاہیں چل پڑیں۔ یہ لوگ کہیں بھی جا رہے ہوں' ہمارے اوپر کیا اثر پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

اور پھر ہم سونے کی کوشش کرنے لگے۔ ٹرین کے ہلکے ہلکے ہچکولوں سے نیند آ گئی اور پھر صبح کو آنکھ کھلی۔ شکیلہ وغیرہ جاگ اٹھی تھیں۔ بڑی ماں سو رہی تھیں۔ ہم لوگ بھی باتھ روم چلے گئے۔ تیار ہونے کے بعد ہم سیٹوں پر آ بیٹھے۔

تصدق ابھی تک ایک برتھ پر دراز تھا۔ البتہ کمال منہ ہاتھ دھو کر مسکراتا ہوا ہمارے پاس آ بیٹھا۔

"سنایئے عارف بھائی۔ نیند آ گئی تھی؟"

"ہاں۔ سولی پر بھی آ جاتی ہے۔"

"آپ کے بارے میں بہت سے سوالات ذہن میں مچلتے رہتے ہیں۔"

"مچل مچل کر کیا کہہ رہے ہیں۔" طالوت بولا۔

"یہی کہ اے اجنبی تو کون ہے۔ تو کون ہے؟"

"اوے بڑا ٹیڑھا سوال کر رہے ہیں۔ اپنے بارے میں تو ہم خود بھی تفصیل سے نہیں جانتے۔" میں نے کہا۔

"میں جلدی نہیں کروں گا۔" کمال مسکراتے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب؟"

"پہلے آپ کو اپنے خلوص کا یقین دلاؤں گا اور جب آپ میرے خلوص پر اعتماد کرنے لگیں گے تو خود ہی اپنے بارے میں بتا دیں گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ یہ ٹھیک ہے کیوں یوسف؟"

"کمال اچھا انسان ہے، لیکن بہرحال ہم جلدی اپنے بارے میں تحقیقات کریں گے اور پھر انہیں فوراً بتا دیں گے۔"

"جانے دیجئے اس ذکر کو۔ کوئی اور موضوع۔" کمال نے کہا۔

"موضوع تلاش کریں۔"

"تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ چلئے ہم آپ سے یہ سوال کر دیتے ہیں مسٹر کمال کہ ٹرین کہاں جا رہی ہے؟"

"ٹرین تو داور پور تک جائے گی لیکن ہماری منزل بس آنے والی ہے۔"

"اس منزل کا کیا نام ہے؟"

"عظمت آباد۔" کمال نے جواب دیا اور میں حیران رہ گیا۔ ہم اپنے ہی وطن میں داخل ہو گئے تھے۔ نہ جانے پیدل سفر ہمیں کہاں لے آیا تھا۔ عظمت آباد کے بارے میں پہلے بھی سن چکا تھا مگر کبھی اس طرف آنا نہیں ہوا تھا۔

"جانتے ہو؟" طالوت نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"ایک عرض کروں۔" اچانک کمال بول پڑا۔

"ضرور!"

"ہر انسان کی طبیعت میں تجسس ہوتا ہے اور مجھے آپ انسان تو تسلیم کر ہی لیں گے۔ میں بہت سے معاملات میں بار بار ایسے سوال کروں گا کیونکہ وہ فطری ہوں گے۔ آپ ان سوالات سے ناراض نہ ہوں بلکہ اگر ان میں سے کوئی جواب دینے کے قابل ہو تو جواب دے دیں۔ ورنہ صاف کہہ دیں کہ یہ ناقابلِ جواب ہے۔"

"کوئی سوال تمہارے ذہن میں آیا ہے کمال؟"

"ہاں۔ پلیز۔ کیا آپ مجھے ایک چھوٹے بھائی کی حیثیت سے عزت نہیں کر سکتے؟"

"ٹھیک ہے کمال لیکن سوال کیا ہے؟"

"آپ لوگ اس ملک کے رہنے والے ہیں؟"

"ہاں۔"

"ظاہر ہے۔ انہوں میں سے معلوم ہوتے ہیں۔ میں بلا مبالغہ کہہ دوں کہ آپ کی شخصیتیں بہت شاندار ہیں۔ میں ان سے بہت متاثر ہوں۔ ویسے آپ کہاں رہتے تھے؟"

"بس!" میں نے کہا۔

"کوئی بات نہیں ہے۔ جواب نہ دینے میں کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں۔"

"تب ٹھیک ہے۔ اچھا دوسرا سوال۔ شکیلہ باجی سے آپ کا کوئی رشتہ ہے؟"

"نہیں۔"

"اوہ!"

"لیکن اپنوں سے زیادہ عزیز ہیں۔ اسی طرح ہم دونوں کا بھی آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہے لیکن ایک دوسرے کو بھائیوں سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔"

"مجھے بھی آپ خود میں شامل کر لیں۔" کمال نے کہا۔

"کیا کرو گے کمال۔ زندگی بیکار ہو جائے گی۔"

"ہو جانے دیجئے۔ میں آپ سے بہت متاثر ہوں۔"

"کیوں بھئی گنجائش ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"نکالنے کی کوشش کریں گے۔"

"بڑی مہربانی ہو گی۔" کمال مسکراتے ہوئے بولا۔

"پڑھتے ہو کمال میاں؟"

"جی!"

"تمہارے ماموں کا نام کیا ہے؟"

"سید تنویر جمال۔ مشہور شخصیت ہیں۔"

"بہت خوب۔ لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ اتنے بڑے آدمی کی بیٹی کو تلاش کیوں نہیں کیا گیا؟"

"پولیس آج تک حرکت میں ہے عارف بھائی۔ سینکڑوں لوگ آج بھی ماموں جان سے تنخواہ لیتے ہیں جو نہ



جانے کہاں کہاں وہ افشاں باجی کو تلاش کرتے رہتے ہیں۔ میں آپ کو بتاؤں، ماموں جان نے کون سی کوشش نہیں کی۔ بردہ فروشوں سے رابطہ قائم کیا۔ مشرق وسطیٰ کے بہت سے ملکوں میں تلاش کرائی گئی۔ نہ جانے کیا کیا ہوا ہے۔"

"کمال ہے۔ کوئی پتہ نہیں چل سکا۔"

"نشان بھی نہیں ملا۔"

"تنویر صاحب کی کسی سے دشمنی تھی؟"

"بہت سے کاروباری حریف ہیں۔"

"انہیں ٹٹولا؟"

"کیا کچھ نہیں کیا۔ پولیس نے ہمارے ساتھ زبردست تعاون کیا تھا۔ افشاں باجی کی تلاش کے خیال سے کون سی جگہ ہے جو چھوڑی گئی۔ میرے خیال میں لاکھوں روپیہ ان کی تلاش کی کوششوں پر صرف ہو گیا۔"

"ہوں۔" طالوت نے ٹھنڈی سانس لی۔ میں اس وقت اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاش اس وقت وہ اصلی حیثیت میں ہوتا تو ان لوگوں کی مشکل حل کر دیتا۔

"ویسے کمال میاں، ان کی گمشدگی کی تفصیل تو بتائیں۔"

"یونیورسٹی گئی تھیں۔ معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ ڈرائیور وقت مقررہ پر گاڑی لے کر گیا لیکن پتہ چلا کہ وہ تھوڑی دیر قبل جا چکی ہیں۔ بس اتنی سی بات۔ کس کے ساتھ گئیں، کہاں گئیں، یہ آج تک نہیں معلوم ہو سکا۔ آپ خود سوچیں کہ کیا کیا نہ کیا ہو گا؟"

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور ہم خاموش ہو گئے۔

ناشتے وغیرہ کا سارا بندوبست تھا۔ بڑی ماں جاگ گئی تھیں اور پرسکون تھیں۔ افشاں اب بھی ان کے پاس موجود تھی۔

"ارے افشاں بیٹے! تم نے کپڑے نہیں بدلے؟" اچانک وہ بولیں۔

"یہاں میرے کپڑے ہیں کہاں امی۔"

"ایں ہاں۔ یہ ٹرین نہ جانے اتنی سست رفتار کیوں ہے۔ تصدق! ٹرین کب پہنچے گی؟"

"بس ایک گھنٹا باقی ہے بڑی ماں۔" تصدق صاحب نے جواب دیا۔

"ڈرائیور سے کہو تیز چلائے!" بڑی ماں نے کہا۔

"جی بہتر!"

"بڑی ماں! اگر آپ انہیں ٹرین سے نیچے اتار دیں تو یہ خود بخود تیز چلنے لگے گی۔" طالوت نے تصدق کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ایں؟" بڑی ماں چونک پڑیں پھر وہ تصدق کو گھورتے ہوئے بولیں "ہائے تصدق! تو اتنا موٹا کیوں ہو گیا۔ اب تک تو ہم گھر پہنچ بھی گئے ہوتے۔"

اور پورے کمپارٹمنٹ میں قہقہے گونج اٹھے۔ تصدق کا چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ طالوت کی بوٹیاں چبا لے۔

"اگر آپ جلدی پہنچنا چاہتی ہیں بڑی ماں تو انہیں نیچے اتار دیں۔"

"آ کے رہ جائے گا بے چارہ۔ چلو اب رہنے دو، آئندہ سے کہیں ساتھ نہیں لے جائیں گے۔"

"بڑی ماں۔ بڑی ماں! آپ بھی میری بے عزتی برداشت کر رہی ہیں۔" تصدق پھولے ہوئے سانس کے ساتھ بولا۔

"ہائے ہائے تو اتنا موٹا ہوا ہی کیوں ہو گیا۔ غلطی تیری ہے۔" بڑی ماں نے کہا اور تصدق دانت پیستا ہوا ہماری طرف آیا۔

"میں۔ میں تم لوگوں کو۔ میں تم لوگوں کو ایسی سزا دوں گا کہ یاد کرو گے۔ بڑی ماں کی وجہ سے خاموش ہوں لیکن یہ سمجھ لو تصدق کی دشمنی بہت مہنگی پڑے گی۔"

"بڑی ماں! دیکھ لیجئے، یہ تبرک ہمیں دھمکیاں دے رہا ہے۔"

"اور تبرک پر بڑی ماں بھی ہنس پڑیں۔

"بڑی ماں۔ اسے خاموش کر دیں۔ ورنہ۔ ورنہ میں خودکشی کر لوں گا۔" تصدق دہاڑا۔

"وعدہ لے لیں بڑی ماں، جلدی سے وعدہ لے لیں۔ مجھے شبہ ہے مسٹر تبرک خودکشی نہیں کریں گے۔ اگر یہ خودکشی کرنے کی نیت سے ہی نیچے چھلانگ لگا دیں تو ٹرین کی رفتار تیز ہو جائے گی اور ہم ایک گھنٹے کا سفر آدھے گھنٹے میں طے کر لیں گے۔"

ٹرین میں قہقہے گونج اٹھے اور تصدق پہلے طالوت کی طرف بڑھا، پھر رخ بدل کر دروازے کی طرف چل دیا۔ وہ گیلری میں نکل گیا تھا۔

"ہائے ہائے! کیا یہ کم بخت سچ مچ خودکشی کرنے گیا؟" بڑی ماں بولیں۔

"ارے نہیں بڑی ماں! اتنے موٹے آدمی خودکشی نہیں کرتے۔" طالوت بولا۔

"تم ہو کون بیٹے، آگے آؤ۔" بڑی ماں نے کہا اور ہم دونوں ان کے قریب پہنچ گئے "کیا نام ہے تمہارا؟"

"عارف اور یوسف!"

"بھائیوں کی جوڑی ہے۔ خدا سلامت رکھے۔ میری افشاں تمہیں کہاں ملی؟"

"بس یونہی پھر رہی تھیں، حیران و پریشان، ہم انہیں لے آئے۔"

"بڑا احسان کیا ہے تم نے میرے لال، مرتے دم تک نہ بھولوں گی۔" بڑی ماں بولیں اور سب ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔ بڑی ماں پھر شکیلہ کو پیار کرنے لگی تھیں۔

"ذرا سی دیر میں بڑی ماں میں زبردست تبدیلی پیدا ہوئی ہے۔" کمال نے بتایا۔

"پہلے کیا کیفیت تھی؟"

"ہوش و حواس کی بات نہیں کرتی تھیں۔ ہر وقت کسی حادثے کا تذکرہ کرتی رہتی تھیں۔ سو میں سے ایک بات کوئی ہوش کی ہوتی تھی لیکن اب آپ نے خود محسوس کیا ہوگا۔"

"ہاں، اب تو کوئی ایسی بات نہیں کر رہیں۔"

"بڑا اثر پڑا ہے۔ ماموں جان دیکھیں گے تو خوشی سے اچھل پڑیں گے۔"

"تنویر صاحب کس قسم کے آدمی ہیں؟"

"آپ کو پسند آئیں گے۔ گو ان کے دل پر بھی گہرا زخم ہے لیکن اس کے باوجود وہ زندہ دل ہیں۔ اس زخم سے پہلے تو ان کا کوئی جواب ہی نہ تھا۔ بچوں میں بچے، بڑوں میں بڑے۔"

"خدا کرے اصلی افشاں بھی مل جائیں۔" طالوت نے دل سے کہا اور کمال نے سر جھکا لیا۔

تصدق کافی دیر تک واپس نہ آیا تو کمال کو تشویش ہوگئی "آیئے عارف بھائی، تصدق کو دیکھیں۔"

"ضرور دیکھو۔" میں مسکراتا ہوا کھڑا ہوگیا اور ہم لوگ گیلری میں نکل آئے۔ تصدق صاحب ایک جگہ پشت ٹکائے ہوئے کھڑے سگریٹ پی رہے تھے اور اس وقت میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا۔

کافی خطرناک چہرہ تھا، جس پر سے معصومیت کی چادر سرک گئی تھی لیکن ہمیں دیکھ کر وہ سنبھل گیا اور پھر اس کے چہرے پر نفرت کے آثار ابھر آئے۔

"آپ ناراض ہوگئے تصدق صاحب؟" کمال نے کہا۔

"نہیں۔ میں نے سوچا آپ کے ذاتی معاملات میں مداخلت مناسب نہیں ہے۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے مسٹر تمرک۔" طالوت بول پڑا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ کو مذاق اڑانے کا حق دیا گیا ہے، میں کیا بول سکتا ہوں۔ بہرحال مجھے ملازمت کرنی ہے۔"

"ارے ارے۔ آپ تو سنجیدہ ہوگئے تصدق صاحب۔ یوسف، احتیاط کرو۔"

"میں ہر بات نہایت احتیاط سے کر رہا ہوں۔ ان سے کہو مجھ سے دوستی کر لیں۔"

"آپ مالکان کے منظور نظر ہیں جناب۔ میں آپ کی دوستی کے قابل کہاں۔" تصدق نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"بہتر ہے مسٹر تمرک۔ دو ہی چیزیں ہوتی ہیں۔ دوستی یا دشمنی! اور دوستی آپ ٹھکرا چکے ہیں۔" طالوت نے کہا اور تصدق پھیکی سی ہنسی ہنس کر رہ گیا۔ پھر وہ کمال کی طرف رخ کر کے بولا۔

"عظمت آباد قریب آگیا ہے کمال میاں۔ تمہیں تیاریاں کرنی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ زیادہ سامان تو ہے نہیں، آپ اندر جائیں۔" کمال نے کہا اور تصدق اندر چلا گیا۔ ہم تینوں خاموشی سے بھاگتے ہوئے مناظر کا نظارہ کرتے رہے۔

"ابھی چند منٹ کے بعد ماموں جان کے باغات نظر آئیں گے۔"

"زمیں داری بھی ہے آپ کی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ ماموں جان کے شوق بہت دلچسپ اور عجیب ہیں۔ آپ دیکھیں گے، یہ باغات بھی بس انہوں نے خریدے تھے۔ یونہی ایک دن کسی باغ میں جا نکلے تھے۔ یونہی کہتے رہے کہ اگر کوئی باذوق ہوتا تو اس میں یہ ہوتا، وہ ہوتا۔ پورا باغ دیکھ کر گردن ٹیڑھی کر کے بولے۔ کسی بڑے بدذوق انسان کا باغ ہے اور پھر اپنے بزنس منیجر کو حکم دیا کہ چند عمدہ قسم کے باغات خریدے جائیں۔ تعمیل ہونے میں کتنی دیر لگتی اور اب ہمارے باغات میں اعلیٰ درجے کے پھل لگتے ہوئے ہیں۔ ایک باغ میں حسین کاٹیج ہے۔ ایک سوئمنگ پول ہے جو شہر کا سب سے بڑا اور جدید قسم کا سوئمنگ پول ہے۔ دوسرے باغ میں ایک چھوٹا سا چڑیا گھر ہے۔ جس میں درندے تک موجود ہیں۔"

"بہت خوب!"

"اکثر ہم لوگ پکنک منانے چلے جاتے ہیں۔ آپ کو بھی لے چلیں گے۔"

"میں تمرک بھائی کے بغیر نہیں جاؤں گا۔" طالوت



ٹھنکتے ہوئے بولا اور کمال ہنس پڑا۔

"مجھے یقین ہے آپ تصدق کو خودکشی پر مجبور کر دیں گے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"مجال ہے جو مر سکے۔" طالوت بولا۔

"گویا مرنے بھی نہیں دیں گے۔"

"میں دشمن کو مارنے کا قائل نہیں ہوں۔"

"اوہ۔ تو آپ کی دشمنی (CONFIRM) ہے۔" کمال نے کہا۔

"خود اس نے یہ خواہش ظاہر کی تھی۔ طالوت نے جواب دیا۔

"اوہ! دیکھیے۔ عظمت آباد کے آثار ظاہر ہونے لگے۔" اچانک کمال بول پڑا اور پھر ہم خاموشی سے باہر کے مناظر دیکھنے لگے۔

عظمت آباد ریلوے اسٹیشن زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن خاصا خوب صورت تھا۔ یہ شہر کافی سرسبز تھا۔ پلیٹ فارم پر پوری فوج استقبال کے لیے موجود تھی۔ ان میں تنویر صاحب نہیں تھے لیکن ملازم اور اہل خاندان اتنے تھے کہ بس۔

"کو بھئی۔ یہ تو نواب جلال الدین سے بھی اونچی کوئی شے ہے۔" طالوت نے کہا۔

"ہاں۔ لیکن افسوس۔ ہم یہاں۔۔۔" میں نے کہا اور اچانک مجھے احساس ہوا جیسے مجھ سے غلطی ہوگئی۔ میں نے طالوت کے چہرے کی طرف دیکھا لیکن شکر تھا طالوت پوری طرح میری بات کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ استقبال کرنے والوں کی گرم جوشی دیکھ رہا تھا۔ لمبی لمبی کئی کاریں تھیں۔ ملازم اندر گھس آئے۔ سامان مختصر تھا، انہوں نے آپس میں بانٹ لیا اور پھر بڑے احترام سے بڑی ماں کو نیچے اتار لیا گیا۔

لیکن جب شکیلہ بھی ان کے ساتھ نیچے اتری تو ایک اودھم مچ گیا۔

"افشاں بی بی۔ افشاں بی بی۔" چاروں طرف سے پاگلوں کے سے انداز میں لوگ دوڑ پڑے "افشاں بی بی مل گئیں۔ افشاں بی بی مل گئیں۔"

شکیلہ کسی قدر گھبرا گئی تھی۔ اس نے بڑی ماں کا سہارا لیا اور پھر بڑی ماں کے ساتھ ہی جلدی سے کار میں گھس گئی۔ ہم لوگ کمال کے ساتھ دوسری کار میں بیٹھے تھے پھر یہ قافلہ چل پڑا۔ کمال ایک کار کی پچھلی سیٹ پر ہمارے ساتھ بیٹھا تھا۔

"آپ نے دیکھا۔ کوئی ایک ہے جسے ان کے افشاں باجی ہونے پر شک ہو۔"

"ہاں۔ شاید بالکل ہی شکل ملتی ہے۔"

"میں آپ کو ان کی تصاویر دکھاؤں گا، آپ خود حیران رہ جائیں گے۔"

"شاید۔" میں نے مختصراً کہا۔

بقیہ راستہ خاموشی سے طے ہوا اور پھر ہم ایک عالی شان کوٹھی میں پہنچ گئے۔ شہر سے کسی قدر باہر ایک پر فضا علاقے میں بنی ہوئی یہ کوٹھی دور ہی سے عالی شان نظر آتی تھی۔ عام علاقے سے اونچی شاید کسی پہاڑی ٹکڑے پر بنائی گئی تھی۔ اوپر جانے کے لیے ڈھلان راستے تھے جن پر رو رویہ درخت لگے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ دونوں طرف سرخ بجری کی روشیں تھیں پھر کوٹھی کا عظیم الشان پھاٹک تھا۔ راستے چونکہ چاروں طرف سے تھے۔ اس لیے چار بڑے پھاٹک اور چند ذیلی پھاٹک تھے۔

ہم نے بڑے غور سے یہ ساری چیزیں دیکھیں۔ کوٹھی بھی ایک طویل رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی ترتیب بھی ایک خاص انداز کی تھی۔ کوٹھی کے سامنے کے حصے میں ایک عظیم الشان لان بنا ہوا تھا جس پر جگہ جگہ حسین مجسمے ایستادہ تھے۔ خوب صورت فوارے نت نئے انداز میں پانی اچھال رہے تھے۔ اس کے علاوہ تین سمتوں میں چھوٹے چھوٹے خوب صورت بنگلے ایک ہی ڈیزائن کے بنے ہوئے تھے۔

بعد میں یہ معلوم ہوا کہ یہ تنویر صاحب کے عزیزوں کے مکانات تھے۔ تنویر صاحب نے خود یہ اپنے عزیزوں کے لیے تعمیر کرائے تھے۔ بہرحال تنویر محل دیکھ کر اندازہ ہو جاتا تھا کہ تنویر صاحب کس قسم کے انسان ہیں۔ گاڑیاں پورٹیکو میں لگ گئیں اور بڑی ماں کو نیچے اتارا گیا۔ شکیلہ کے سلسلے میں خوب ہنگامے ہوئے۔ ہمیں اس بے چاری کی پریشانی کا احساس تھا لیکن بہرحال پھنس گئی تھی۔

"افشاں باجی کے سلسلے میں خوب ہنگامے ہوں گے۔ میرا خیال ہے ہم اور آپ ان ہنگاموں سے دور رہیں تو بہتر ہے۔" کمال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جیسا مناسب سمجھو۔" میں نے کہا۔

"میری ایک پیشکش ہے، اگر آپ پسند کریں؟"

"بولو۔ بولو۔" میں نے کہا۔

"آپ نے یہ ذیلی بنگلے دیکھے ہیں؟"

"ہاں۔"

"ان میں سے ایک میں، میں اپنی والدہ اور چھوٹے بھائی کے ساتھ رہتا ہوں۔ آپ پسند کریں تو میرے ساتھ ہی قیام

کریں۔" کمال نے کہا۔

"ہاں۔ اندازہ ہو رہا ہے کہ ہماری یہاں پذیرائی نہیں ہوگی۔ بہرحال ٹھیک ہے یہی سہی۔"

"اوہ! یہ بات نہیں ہے۔ آپ کی پذیرائی کے لیے میں کافی ہوں۔" کمال نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہم نے کوئی جواب نہیں دیا اور ہم کمال کے ساتھ چل پڑے۔

یہ چھوٹے چھوٹے بنگلے بھی اندر سے بہت خوب صورت تھے۔ ایک خوب صورت سے ڈرائنگ روم میں کمال نے ہمیں بٹھایا اور پھر اندر چلا گیا۔ ایک ملازم چند ہی منٹ کے بعد عمدہ قسم کی کافی اور دوسری چیزیں لے آیا اور پھر لباس تبدیل کرکے کمال بھی آ گیا۔

"میں نے آپ کے لیے بیڈ روم تیار کروایا ہے۔ چائے وغیرہ پی لیں۔ اس کے بعد اگر تھک گئے ہوں تو آرام کریں۔"

اور ہم خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ پھر ہم نے بیڈ روم دیکھنے پر آمادگی ظاہر کردی۔ بیڈ روم بھی خوب صورت تھا۔ اس میں ہم دونوں کے لیے بستر کا بندوبست کروا دیا گیا تھا۔

"باتھ روم موجود ہے۔"

"شکریہ کمال۔ ویسے ہم تمہیں زیادہ وقت تکلیف نہ دیں گے۔"

"اوہ پلیز۔ آپ سارے خیالات ذہن سے نکال دیں۔ میں ذاتی طور پر آپ سے بہت متاثر ہوں۔ آپ اگر میرے ہاں کچھ عرصہ قیام کریں گے تو مجھے بڑی مسرت ہوگی۔"

"شکریہ کمال! اب اجازت ہو تو ہم کچھ دیر آرام کرلیں؟"

"ضرور۔" کمال نے کہا اور پھر وہ باہر نکل گیا۔

"میں تو غسل کروں گا۔" طالوت بولا۔

"جاؤ' پھر اس کے بعد میں بھی غسل کروں گا۔" اور تھوڑی دیر کے بعد ہم اپنی مسہریوں پر لیٹے ہوئے تھے۔ طالوت کسی گہرے خیال میں گم تھا۔

"طالوت!" میں نے اسے آواز دے کر چونکا دیا۔

"ہوں!"

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"تم کچھ نہیں سوچ رہے عارف؟"

"مثلاً؟"

"ہم جس انداز میں یہاں آئے ہیں' مناسب ہے؟"

"نہیں۔"

"اگر کمال ہمیں نہ پوچھتا تو پھر ہم کس حیثیت سے یہاں رکتے؟"

"ٹھیک ہے۔"

"چنانچہ یہاں سے نکل چلو۔ یہاں کے علاوہ کہیں بھی قیام کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ یہاں ہم دونوں اپنی پوزیشن عجیب محسوس کریں گے بلکہ اگر تم برا نہ محسوس کرو تو میں کہوں گا کہ یہاں ہم لڑکی کے عوض روٹی کھائیں گے۔"

"اوہ! یہ بات ہے تو پھر اسی وقت یہ جگہ چھوڑ دو۔" میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"نہیں۔ کچھ دیر تو رکنا ہی پڑے گا۔ ایک بار شکیلہ سے گفتگو ضرور کریں گے۔ وہ اگر یہاں مستقل قیام کرنے پر تیار ہو تو پھر ہمارے یہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ویسے تمہارا کیا خیال ہے عارف؟"

"کس بارے میں؟"

"کیا ہمیں ایسی صورت میں یہاں رکنا چاہیے؟"

"ہرگز نہیں۔ کیا ہم محتاج ہیں؟"

"رہ گئی شکیلہ کی بات' تو یار کون بدقسمت ہوگا جو اس شاندار پوزیشن کو ٹھکرائے گا۔"

"ہاں اور پھر ہمارا اس سے لگاؤ زیادہ پرانا بھی نہیں ہے۔"

"اور خاص طور پر ایسی شکل میں عارف جبکہ ہم خود قلاش ہیں۔ ہم اس بے چاری سے یہ عیش کی زندگی کیوں چھینیں گے۔"

"ٹھیک ہے طالوت۔ پھر کیوں نہ ہم خاموشی سے یہاں سے چلیں۔"

"نہیں۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ ایک بار شکیلہ سے ملاقات ضرور کریں گے۔ اس سے کہہ کر جائیں گے تاکہ وہ یہ نہ سوچے کہ ہم نے بلا ٹال دی ہے۔"

"چلو' ٹھیک ہے۔"

"افسوس۔ وہ شالہ بھی جل گیا۔ ورنہ کم از کم یہی معلوم ہو جاتا کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔" طالوت نے افسردہ لہجے میں کہا اور میں بھی خاموش ہو گیا پھر ہم خاموش لیٹے رہے اور رات کو چونکہ بے آرام رہے تھے اس لیے نیند آ گئی۔ نیند خوب گہری تھی' ہم شام چار بجے تک سوتے رہے' پھر جاگے' منہ ہاتھ دھویا۔ سامنے لگی ہوئی گھڑی نے چار کا گھنٹا بجایا تھا۔

منہ ہاتھ دھو کر ہم تیار ہو گئے اور پھر دروازے پر آئے ہی تھے کہ ایک ملازمہ اندر آئی۔ ہمیں دیکھ کر وہ چونک پڑی

"کمال میاں نے آپ کو دیکھنے کو بھیجا تھا۔" وہ بولی۔

"دیکھ لیا؟" طالوت برجستہ بولا۔



"ہاں۔" ملازمہ نے سادگی سے جواب دیا۔

"تو اب جاؤ۔" طالوت بولا اور وہ بے چاری چلی گئی لیکن پھر پلٹی۔

"انہوں نے کہا تھا کہ اگر آپ جاگ گئے ہوں تو انہیں بتا دوں۔"

"پھر تمہارا کیا خیال ہے کیا ہم جاگ رہے ہیں؟"

"جاگ تو رہے ہو۔"

"تو پھر بتا دو انہیں۔" طالوت بولا اور ملازمہ پھر واپس چلی گئی۔ میں ہنس پڑا تھا۔ طالوت بھی مسکرانے لگا۔

"کمال اچھا لڑکا ہے اور شاید اسے احساس ہے کہ—" میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن اسی وقت کمال ہمارے سامنے آ گیا۔

"خوب سوئے آپ لوگ۔ دوپہر کا کھانا بھی گول کر دیا۔" اس نے کہا۔

"ہاں! خوب گہری نیند آئی۔"

"کوٹھی میں تو قیامت مچی ہوئی ہے۔"

"کیا ہوا؟"

"ارے وہی افشاں باجی کے سلسلے میں۔ کسی کو کچھ نہیں بتایا گیا تھا لیکن یہ ملازم کم بخت خبریں نشر کرنے کے خصوصی ذرائع رکھتے ہیں۔ آنے جانے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔"

"خوب! تنویر صاحب کو بھی اطلاع ہو گئی؟"

"ماموں جان کل رات کو باہر گئے تھے۔ خصوصی طور پر انہیں اطلاع دی گئی ہے۔ میرا خیال ہے پہنچنے والے ہوں گے۔ ٹیلی فون کیا ہے' چار بجے پہنچ جائیں گے۔"

"حقیقت بتا دی گئی انہیں؟"

"ابھی کہاں سے۔ ویسے وہ سخت حیران ہیں۔"

"ظاہر ہے ہوں گے۔"

"اس کے علاوہ ڈی آئی جی پولیس نے بھی فون کیا تھا۔ وہ افشاں باجی سے ملاقات کے خواہش مند ہیں لیکن میں نے تصدق سے کہہ کر انہیں ٹال دیا ہے۔ ظاہر ہے ڈی آئی جی' شکیلہ صاحبہ سے سوالات کرکے مجرموں کو پہچاننے کی کوشش کریں گے اور وہ گھبرا جائیں گی۔ چنانچہ میں نے کہلوا دیا ہے کہ ماموں جان کے آنے کے بعد افشاں باجی ان سے ملاقات کر سکیں گی۔"

"ڈی آئی جی صاحب ان سے ان کے اغوا کنندگان کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے؟"

"ہاں۔"

"اور وہ ظاہر ہے ہمارے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے مائی ڈیئر کمال؟"

"جی؟" کمال تعجب سے بولا۔

"میرا خیال ہے تم ایک بار ہماری ملاقات شکیلہ سے کرا دو۔ ہم جھگڑوں سے آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ اب ہمیں پولیس کے سامنے بھی جواب دہ ہونا پڑے گا۔ کیا واقعی ہمارا جرم ایسا ہی ہے؟"

"اوہ! ہرگز نہیں یوسف بھائی۔ آپ بس ماموں جان کو آ جانے دیں' پھر آپ دیکھیں۔ براہ کرم اس وقت تک یہاں قیام ضرور کریں اور اب ایک بات بتائیں؟"

"پوچھو۔"

"شام کی چائے لان میں پی جائے گی' آپ اس میں شریک ہونا پسند کریں گے؟"

"کس حیثیت سے؟" طالوت نے پوچھا۔

"ایک مہمان کی حیثیت سے۔"

"نہیں کمال۔ ہم تمہارے مہمان ہیں۔ ہمیں یہیں پلا دو تو بہتر ہے۔" میں نے کہا۔

"تب میرا خیال ہے میں چھت پر بندوبست کروا دوں۔ ویسے مجھے ان کے ساتھ شریک ہونا پڑے گا' یہ اصول ہے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

اور کمال چلا گیا۔ بنگلے کی چھت سے لان کا منظر نظر آتا تھا۔ لان میں رنگین کرسیاں لگائی جا رہی تھیں۔ سفید لباس میں ملازم تیزی سے کام کر رہے تھے۔

پھر کوٹھی کے بڑے گیٹ سے ایک لمبی سیاہ سیڈان اندر داخل ہوئی اور پورٹیکو میں لگ گئی۔ اس سے ایک طویل القامت اور وجیہہ شخص نیچے اترا۔ چہرے سے ہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ تنویر ہے۔ عمدہ شخصیت تھی۔ اعلیٰ درجے کے سوٹ میں ملبوس۔ وہ نہایت بے چینی سے اندر چلا گیا تھا۔

"یہی تنویر معلوم ہوتا ہے؟"

"شاید!" میں نے جواب دیا اور پھر خاندان بھر کے لوگ لان میں جمع ہونے لگے۔ بے شمار افراد تھے۔ تنویر صاحب اندر جانے کیا کر رہے تھے۔ نہ جانے کیا تماشا ہو رہا ہوگا اندر۔ ہم دل ہی دل میں تلملاتے رہے لیکن کیا کرتے' بے دست و پا تھے' خاموش بیٹھے رہے۔ ملازمہ نے ہمارے لیے پر تکلف چائے کا بندوبست کر دیا۔ اس کے ساتھ بہت سے لوازمات بھی تھے۔ ہم خاموشی اور کسی قدر بے دلی سے چائے پیتے رہے اور پھر طالوت نے مجھے اشارہ کیا۔ میں بھی کوٹھی کے اندرونی دروازے کی طرف دیکھنے لگا اور دیکھتا رہ گیا۔

شکیلہ پہلے ہی کون سی کم حسین تھی لیکن اس وقت۔۔۔ اس وقت تو وہ جانے کیا بن گئی تھی۔ دھانی رنگ کی حسین اور قیمتی ساڑھی میں وہ قیامت نظر آرہی تھی۔ بڑی ماں اس کے ساتھ تھیں اور دوسرے بہت سے لوگ، تنویر صاحب موجود تھے۔ شکیلہ پُروقار انداز میں چلتی ہوئی لان میں پڑی کرسیوں کے نزدیک پہنچ گئی۔

"اس کے بعد" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا "اس کے بعد یہ لڑکی اگر ہمیں پہچاننے سے بھی انکار کر دے تو اس کا کیا قصور۔" میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا پھر ہم نے تنویر صاحب کو کمال کے ساتھ آتے دیکھا۔ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے آرہے تھے۔ کرسیوں سے خالی دور رک گئے اور باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد پروگرام شروع ہو گیا۔

لیکن اس وقت میری نگاہ شکیلہ کی طرف اٹھ گئی تھی۔ شکیلہ بے چینی سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ چہرہ گھبرایا ہوا تھا اور میری چھٹی حس نے کہا لیکن میں نے طالوت سے اس کا اظہار نہیں کیا۔

شکیلہ نے بڑی ماں سے کچھ کہا اور بڑی ماں بھی چاروں طرف دیکھنے لگیں پھر ہم نے تصدق کو ان کی طرف لپکتے دیکھا۔ تصدق جھک کر کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کے بعد شاید کمال کو طلب کیا گیا۔

تنویر صاحب بھی کمال کے ساتھ آگے بڑھ آئے تھے۔ پھر نہ جانے کیا الجھن اچانک پیدا ہو گئی اور اس کے بعد ایک گروہ چل پڑا۔ شکیلہ سب سے آگے تھی۔ ہجوم کے جانے کی وجہ سے انتشار پھیل گیا تھا۔ سب پریشان سے نظر آنے لگے تھے۔

کمال شکیلہ کے برابر پہنچ گیا اور پھر تنویر صاحب نے دوسرے تمام لوگوں کو روک لیا اور صرف تین آدمی آگے آنے لگے۔ یہ کمال، تنویر صاحب اور شکیلہ تھے۔

"عارف!" طالوت نے کہا۔

"ہوں۔"

"کچھ گڑبڑ ہو گئی۔"

"دیکھ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کمال کے بنگلے میں داخل ہو گئے اور ہم لوگ حیرت سے رخ بدل کر بے نیاز بیٹھ گئے۔ چند ہی ساعت کے بعد تینوں اوپر پہنچ گئے۔ شکیلہ کی آنکھوں میں آنسو لرز رہے تھے۔ وہ ہمارے سامنے آکر کھڑی ہو گئی اور خاموشی سے ہماری شکلیں دیکھنے لگی۔ اس کے اندر طوفان بھرا ہوا تھا۔

"کیا آپ نے نہیں کہا تھا۔ کیا آپ نے نہیں کہا تھا کہ ہمیں بڑی ماں کے لیے یہ بات مان جانی چاہیے۔" اس نے رندھی ہوئی لیکن تیز آواز میں کہا۔

"شکیلہ۔ شکیلہ۔ کیا ہو گیا؟" میں نے کہا۔

"آپ یہاں کیوں ہیں؟" وہ بولی۔

"کمال صاحب سے پوچھو، ہم تو جا رہے تھے۔" میں نے جلتی پر تیل چھڑکا۔

"کہاں جا رہے تھے؟"

"کسی بھی جگہ۔ بہرحال اس شہر سے جا رہے ہیں۔" میں نے کہا۔ تنویر اور کمال خاموش کھڑے تھے اور شکیلہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"میں۔ میں اب یہاں نہیں رکوں گی۔ مجھے افسوس ہے کمال صاحب۔ میں اتنا بڑا ظرف نہیں رکھتی۔ میری دعا ہے کہ اللہ بڑی ماں کی مشکل حل کرے۔ خدا کرے افشاں بی بی خیریت سے واپس آجائیں۔ مجھے افسوس ہے میں اب ایک منٹ بھی یہاں نہیں رکوں گی۔ براہ کرم میرا لباس واپس کرا دیں۔"

"تم لوگوں کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے بیٹے، وہ واقعی ناقابل برداشت ہے۔ ٹھیک ہے جہنم میں جائیں سب۔ میں تمہیں روکنے کی جرأت خود میں نہیں پاتا لیکن اگر کچھ کہنے کی اجازت دو تو شکرگزار ہوں گا۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"جی فرمائیے محترم!" میں نے کہا۔

"میرے ساتھ بڑی الجھن ہے۔ میری خوشی کی عمر بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ افشاں کے بچھڑ جانے کا غم جتنا شدید ہو سکتا ہے شاید تم لوگ اندازہ نہ کر سکو۔ اس کے بعد بیگم کی بیماری نے ذہن کو شدید زخمی کر رکھا تھا۔ اچانک ٹیلی فون ملا کہ افشاں مل گئی ہیں تو شادی مرگ ہوتے ہوتے بچا۔ یہاں نہ جانے کیا کیا آرزوئیں لے کر آیا تو حقیقت معلوم ہوئی۔ سوچا کہ کم از کم ایک الجھن سے تو نجات ملے گی۔ یعنی بیگم کی بیماری اور پھر یہ بچی افشاں سے اس قدر ملتی ہے کہ دل کو بہلاوا تو دیا ہی جا سکتا تھا۔ سوچا یار۔ انسان ہی تو ہوں۔ کہاں تک ان امیدوں کو سہارا دیے رہوں گا۔"

تنویر صاحب کی آواز میں ہلکی سی بھرّاہٹ آگئی۔

ہم خاموشی سے ان کی شکل دیکھتے رہے۔

"میں اس پورے کارخانے کا کرتا دھرتا ہوں لیکن تنہا۔ کون ہے جو میرا سہارا بن سکے۔ سنو بچو۔ ہوں تو بالکل غیر یہاں تک کہ دشمنوں کے ساتھ بھی میرا یہ سلوک نہیں ہوتا لیکن تمہارے ساتھ ہو گیا۔ غلطی ہو گئی۔ سزا دے لو۔ میں تیار ہوں۔"

"ارے نہیں تنویر صاحب۔ ہوا کیا؟" میں نے ہمدردی



سے کہا۔

"یہی تو بدبختی ہے کہ ابھی تک میں بھی اس سے ناآشنا ہوں۔ کمال میاں نے مجھے حقیقت بتائی ہے۔ اسے سن کر جس قدر رنج ہوا، بیان سے باہر ہے۔ یہ کم بات ہے کہ میری بچی مل کر بھی نہیں ملی۔"

"محترم! مجھے کچھ عرض کرنے کی اجازت ہے؟" شکیلہ نے کہا۔

"ہاں۔ ہاں ضرور بیٹے۔"

"یہ لوگ میرے عزیز نہیں ہیں لیکن دنیا میں اب میرا ان سے بڑا عزیز کوئی نہیں ہے۔ میرے والدین مر چکے ہیں۔ جن حالات میں، میں انہیں ملی ہوں، وہ ایسے تھے کہ میری زندگی کسی وقت بھی ختم ہو جاتی لیکن ان لوگوں نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر بے لوث میری مدد کی اور میں نے ان سے زندگی بھر کا سہارا مانگ لیا۔ اب پوری دنیا میں میرے لیے ان سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔ خدا! یہ سارے عیش و عشرت ان کے پسینے کے ایک قطرے سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔ مجھے کیا کرنا ہے اس جاہ کا۔ مجھے اس دولت کی کیا پروا ہو سکتی ہے جو آپ کے پاس ہے۔ میری تو دعا ہے کہ آپ کی بچی مل جائے۔ میں خود غرضی کر کے ان لوگوں کو نظرانداز کیسے کر سکتی ہوں۔ بھوکی رہوں گی تو ان کے ساتھ۔ ننگے پاؤں پھروں گی تو ان کے ساتھ۔ ایسی شکل میں مجھے تو شہزادی بنا لیا گیا اور یہ یہاں لاوارثوں کی طرح پڑے ہیں۔ مجھے معاف کر دیں محترم۔ اگر یہ مجھ سے نہ کہتے تو میں بیگم صاحبہ کی کوئی مدد نہ کرتی۔ مجھے معاف کر دیں۔ میرا ظرف اتنا بڑا نہیں ہے کہ میں انہیں نظرانداز کر کے خود غرضی کروں اور آپ کے کام آؤں۔"

"ہاں! تم تینوں ہی اعلیٰ ظرف ہو۔ ہم بھی ہیں لیکن بیٹے! ابھی تک ہمارا قصور نہیں ظاہر ہوا ہے۔ ہمیں کچھ کہنے کا موقع تو دو۔" تنویر صاحب بولے۔

"جی فرمائیے۔"

"ہم یہاں موجود نہ تھے۔ ہمیں تحقیقات تو کر لینے دو۔ کمال، میں تم سے بھی جواب طلب کر سکتا ہوں۔"

"جی ماموں جان؟"

"ان کے لیے محل میں بندوبست کیوں نہیں ہوا؟"

"کیا یہ فرض میرا ہے ماموں جان۔ گستاخی معاف لیکن میں جانتا ہوں آپ صاف باتیں سننے کے قائل ہیں۔"

"یقیناً یقیناً۔ کیا تصدق ساتھ نہیں تھا؟"

"تھے! لیکن ان کا سلوک، ان لوگوں کے ساتھ شروع سے اچھا نہیں ہے۔"

"کیوں؟" تنویر صاحب نے تعجب سے پوچھا۔

"کوئی وجہ نہیں ہے۔"

"بلاؤ تصدق کو!" تنویر صاحب نے کہا اور کمال نے جلدی سے ایک ملازم کو بھیج دیا۔

"میرے خیال میں ان تمام باتوں کی ضرورت نہیں ہے تنویر صاحب۔ آپ کا حکم ہے تو ہم دو ایک روز یہاں رک جاتے ہیں اور شکیلہ، تم بہرحال ایک نیک کام کے لیے یہاں تک آئی ہو۔ ہمارے سلسلے میں جذباتی نہ ہو۔"

"مجھے ذلیل نہ کریں یوسف صاحب۔ براہ کرم، آپ جانتے ہیں کہ۔۔۔ کہ میں نے اپنی مرضی سے۔۔۔"

"اوہو! آپ جذباتی ہو رہے ہیں۔"

"میری پوزیشن صاف ہو جانے دو، پھر میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔" تنویر صاحب جلدی سے بول پڑے اور میں نے ہال میں متحیر لوگوں کو دیکھا۔ بڑی شرمندگی ہو رہی تھی۔ ہماری وجہ سے ایک مسئلہ کھڑا ہو گیا تھا۔ چند منٹ کے بعد تصدق اوپر آگیا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ تنویر صاحب اسے گھورنے لگے۔

"تم بیگم صاحبہ کو لینے گئے تھے؟"

"جی سرکار؟"

"ان لوگوں سے تمہاری ملاقات ہے؟"

"جی؟ جی!"

"ساری صورت حال تمہارے علم میں ہے؟"

"جی ہاں۔"

"تمہاری یہاں کیا حیثیت ہے؟ تمہارے سپرد کیا کام ہے؟"

"جی۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔"

"تمہیں علم نہیں ہے کہ تمہیں آنے والے ایک مہمان کے لیے حسب مراتب بندوبست کرنا ہوتا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"ان لوگوں کے لیے تم نے کہاں بندوبست کیا ہے؟"

"ان لوگوں کو یہاں ٹھہرانا مناسب نہیں ہے جناب۔" تصدق نے کہا۔

"اوہ! کیوں؟ کوئی خاص بات ہے؟"

"جی۔"

"بتاؤ۔"

"یہ شریف لوگ نہیں ہیں۔ صورت ہی سے۔۔۔"

"تصدق!" تنویر صاحب سرد آواز میں بولے "تم واقعی بے حد ذہین ہو گئے ہو۔ میں تمہاری ذہانت سے پورا پورا فائدہ

اٹھانا چاہتا ہوں۔ دیکھو مالیوں نے لان کی کیا حالت بنا دی ہے۔ کل سے تم صرف ان مالیوں کی نگرانی کرو گے۔ اپنی نگرانی میں سارے لان کو ٹھیک کراؤ پھر باغوں پر چلے جاؤ۔ اتنے ذہین آدمی کو میں کوٹھی میں نہیں رکھنا چاہتا۔"

"جی۔ جی وہ۔ وہ!"

"گیٹ آؤٹ!" تنویر صاحب حلق پھاڑ کر چیخے اور تصدق جلدی سے واپس مڑ گیا" یہ ذمے داری اس کی تھی اور یارو۔ اب تم بھی فراخ دلی سے کام لے کر معاف کر دو۔" وہ ہماری طرف مڑ کر بولے۔

"ارے' ارے تنویر صاحب! شرمندہ نہ کریں۔" طالوت جلدی سے بولا۔

"چلو نہیں کرتا۔ اب چلو' چائے پر چلو۔" تنویر صاحب بے تکلفی سے بولے اور انہوں نے دونوں طرف سے ہمارے بازو پکڑ لیے۔ اب رکنے کی کیا گنجائش تھی۔ چنانچہ ہم چل پڑے۔ اچھا خاصا تماشا بن گئے تھے' تنویر صاحب کے اہل خاندان میں۔ ناشتے کی میز پر بڑی ماں اور شکیلہ' اس کے بعد تنویر صاحب پھر میں اور طالوت اور ہمارے برابر کمال بیٹھا تھا۔ تمام لوگ بیٹھ گئے اور چائے شروع ہو گئی۔ ہماری یکساں شکلیں سب کی توجہ کا مرکز بن گئی تھیں۔ بہرحال عجیب سی کیفیت رہی پھر چائے ختم ہوئی اور لوگ اٹھنے لگے۔

تنویر صاحب ہم دونوں کو لے کر لان کے ایک گوشے کی طرف چل پڑے۔ راستے میں انہوں نے کمال کو آواز دی اور پھر ہم سے ہٹ کر اسے ہدایات دینے لگے پھر وہ واپس ہمارے پاس پہنچ گئے۔

"آؤ یہاں کچھ دیر گفتگو ہی رہے۔" وہ بولے اور پھر ہم دونوں ان کے ساتھ ایک فوارے کے قریب پہنچ گئے۔ فوارے کے نزدیک ایک خوب صورت بنچ پڑی ہوئی تھی۔ تنویر صاحب نے ہمیں اشارہ کیا اور ہمارے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔

"تم دونوں میں سے عارف کون ہے اور یوسف کون؟" انہوں نے پوچھا۔

"یہ یوسف ہیں' عارف میں ہوں۔"

"تم دونوں بھائی ہو؟"

"نہیں۔ دوست! اور دوستی کی روایت آپ کے علم میں ہوگی؟"

"ہاں میں جانتا ہوں۔ بعض اوقات دوستوں کی محبت بھائیوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔"

"ہم اس کی مثال ہیں۔"

"یقیناً' اور شاید قدرت نے تم دونوں کو ہم شکل اسی لیے بنایا تھا کہ تم دوستی کی مثال بن جاؤ۔ میری بات کا یقین کرو' میں شکیلہ کو افشاں ہی سمجھتا اگر تم دونوں کی شکلوں کی مثال میرے سامنے نہ آجاتی تو' لیکن اس کے باوجود ابھی میرے ذہن میں کرید ہے۔ یہاں میں بڑا آدمی نہیں ہوں بلکہ سخت مظلوم ہوں۔ تم قدرت کے کارخانے دیکھو' اس نے مجھے جی بھر کر دولت دی ہے عیش و عشرت دیا ہے لیکن مجھ سے یقیناً کوئی ایسی خطا ہوئی ہے جس کی پاداش میں اس نے سب کچھ دے کر میرا سکون چھین لیا ہے۔ اب بتاؤ کیا اس دولت کے عوض میں سکون خرید سکتا ہوں۔ میری صرف ایک ہی بچی تھی۔ میں نے اسے پال پوس کر جوان کیا اور ہماری ساری محنت اچانک گم ہو گئی۔ میرے دل کا حال سمجھ سکتے ہو تو سمجھ لو۔ میرے پاس اس کے اظہار کا صحیح طریقہ نہیں ہے۔" تنویر صاحب کی آواز میں لرزش اور آنکھوں میں نمی تھی۔

"ہمیں احساس ہے تنویر صاحب۔" طالوت آہستہ سے بولا۔

"ایسی حالت میں اگر میں کچھ احمقانہ سوالات کر لوں تو قابل معافی ہیں یا نہیں؟"

"آپ بے فکر ہو کر بات کریں۔" طالوت نے کہا۔

"کیا تمہارے خیال میں' میری افشاں کی یہ اس قدر ہم شکل لڑکی میرے لیے معمہ نہ ہوگی؟"

"ہونا چاہیے۔"

"کیا میں امیدوں کے سہارے نہ لوں؟ میں تم سے اس کے بارے میں پوری تفصیل معلوم کر کے ہی اپنے دل کو سکون دے سکتا ہوں۔ میرے ذہن میں بہت سے خیالات ہیں۔ میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ ممکن ہے وہ میری افشاں ہی ہو اور کسی وجہ سے اپنی یادداشت کھو بیٹھی ہو۔ کوئی ایسا حادثہ ہو گیا ہو جس کی وجہ سے وہ ہمیں بھول گئی۔ اب صحیح بات اسی وقت پتہ چل سکے گی جب تم مجھے اس کے بارے میں تفصیل بتا دو گے۔ مجھے بتاؤ وہ کب سے تمہارے ساتھ ہے؟ کہاں تمہاری اس سے ملاقات ہوئی تھی؟ کیا تم میری مدد کرو گے؟"

"کوئی حرج نہیں ہے لیکن ہمیں کچھ باتیں آپ سے چھپانا پڑیں گی جن کے لیے آپ اصرار نہیں کریں گے۔"

"وعدہ کرتا ہوں لیکن اس سے افشاں' میرا مطلب ہے شکیلہ کی ذات پوشیدہ نہ رہے۔"

"ہاں۔ یہ درست ہے۔" طالوت نے کہا۔ وہ تنویر صاحب کی گفتگو سے بہت متاثر تھا۔ یوں بھی اس شریف انسان کا دکھ واقعی بہت بڑا تھا۔



"تو پھر مجھے بتاؤ۔"

"عارف! میرا خیال ہے ہمیں تنویر صاحب سے کچھ نہیں چھپانا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے آمادگی ظاہر کر دی۔

"شکیلہ سے ہماری ملاقات زیادہ عرصے کی نہیں ہے محترم۔ صرف ایک ہفتہ قبل ہم ملے ہیں لیکن اس سے قبل ہم اسے دیکھ چکے تھے۔ اس بات کو بھی ایک ڈیڑھ ماہ سے زیادہ نہیں گزرا۔"

"اوہ! کہاں؟ کیسے؟"

"کچھ عرصہ قبل ہم ایک ہندو ریاست درگاپور میں تھے۔ آپ کو اندازہ ہے وہ یہاں سے کتنی دور ہے۔"

"اوہ۔ درگاپور کا فاصلہ اس جگہ سے بہت زیادہ نہیں ہے۔ کیا تم لوگ وہیں کے رہنے والے ہو؟"

"نہیں۔ یونہی آوارہ گردی کرتے وہاں پہنچ گئے تھے۔ وہاں ہم نے اسے ایک ہندو دیوداسی کے روپ میں دیکھا اور ہم اس کی تلاش میں لگ گئے۔ اس کی وجہ سے بڑے ہنگامے ہوئے کیونکہ ریاست کا دیوان اسے اپنانا چاہتا تھا۔ کچھ ہندو سادھو بھی اس کے چکر میں تھے۔ بہرحال بڑی جدوجہد کے بعد ہم نے اسے ان کے چنگل سے نکالا تو اس نے بتایا کہ وہ مسلمان ہے۔ اس نے ہمیں تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ اس کے والدین کو قتل کیا جا چکا ہے اور اب وہ تنہا ہے' تب ہم نے اسے اپنے ساتھ رکھ لیا۔ وہ ہماری کوئی نہیں ہے لیکن اب سب کچھ ہے۔ ہم اس کی عزت کے نگہبان ہیں۔"

"ہندو ریاست۔ درگاپور!" تنویر صاحب پریشانی سے بولے اور پھر انہوں نے عجیب سے لہجے میں کہا "تو کیا اس خیال کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے کہ کسی وجہ سے۔۔۔ کسی وجہ سے ریاستی ہندوؤں نے اسے اغوا کیا ہو اور اس کی یادداشت کھونے میں بھی ان ہی کا ہاتھ ہو۔ ممکن ہے کسی مقصد کے تحت کسی طریقے سے انہوں نے ایسا کیا ہو۔"

"ناممکن نہیں ہے۔" طالوت نے پرخیال انداز میں کہا۔

"تب میرے بچو' میرے اوپر احسان کرو۔ میں اس سلسلے میں لاکھوں روپیہ خرچ کروں گا۔ تم اس وقت تک میرے ساتھ یہاں قیام کرو' جب تک میں خصوصی ذرائع سے کام لے کر شکیلہ کی حقیقت معلوم نہ کرا لوں۔ اگر تم میرے ساتھ تعاون کرو تو میں زندگی بھر تمہارا شکر گزار رہوں گا۔ مجھے اپنے دل کی تسلی کر لینے دو' اگر یہ میری افشاں نہ بھی نکلی تب بھی میں تمہارا اسی قدر شکر گزار رہوں گا۔"

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے تنویر صاحب۔" طالوت نے جواب دیا۔

"میں تمہارا احسان مند ہوں میرے بچو۔ کاش!" تنویر صاحب کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے اور ہم دونوں بھی اسی انداز میں سوچنے لگے۔ کیا واقعی۔۔۔ کیا واقعی شکیلہ' افشاں ہے؟

شکیلہ کی شخصیت بے حد پراسرار ہو گئی تھی۔ بہرحال ایک بات کا تو مجھے یقین تھا کہ شکیلہ نے اپنے بارے میں جھوٹ نہیں بولا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ خود اسے اپنے بارے میں کچھ یاد نہ ہو۔ لیکن حالات پراسرار تھے۔ اگر ہندو سادھو اس کی یادداشت گم کرنے کے لیے کوئی کارروائی کرتے تو پھر شکیلہ خود کو شکیلہ ہی کیوں سمجھتی۔ وہ اپنے آپ کو رانی بھی کہہ سکتی تھی۔ بہرحال ابھی ہمارا ذہن بھی کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔

"تو تم نے میری درخواست قبول کر لی ہے؟" تنویر صاحب نے چند منٹ کے بعد کہا۔

"ہم حاضر ہیں تنویر صاحب! خدا کرے ہم آپ کے کسی کام آسکیں۔"

"تم میرے کام آچکے ہو بچو۔ میں خفیہ طور پر چند لوگوں کو درگاپور بھیجوں گا۔ وہ وہاں رہ کر شکیلہ کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔ یقین کرو میں نے افشاں کی تلاش پر لاکھوں روپیہ خرچ کیا ہے۔ میں نے بہت سے لوگوں کو ملازم رکھا ہے جن کا کام ہی یہ ہے کہ وہ افشاں کا کھوج لگائیں۔ پولیس کے سارے ذرائع آج تک مجھ سے تعاون کر رہے ہیں۔ حالانکہ پولیس کسی کیس میں دو چار ماہ سے زیادہ دلچسپی نہیں لیتی۔"

"یقیناً۔"

"بہرحال میرے لیے دعا کرنا کہ خدائے قدوس میری یہ مشکل حل کر دے' میں سخت پریشان ہو چکا ہوں۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"ہمیں آپ کے دکھ کا احساس ہے تنویر صاحب۔" طالوت نے ہمدردی سے کہا۔

"میں تمہارا مکمل تعاون چاہتا ہوں۔ یہاں رہ کر خود کو مجھ سے الگ مت تصور کرنا بیٹے۔ کسی سلسلے میں میرا انتظار مت کرنا۔ مجھے دلی مسرت ہوگی۔"

"ٹھیک ہے' آپ بے فکر رہیں۔ ہم بہت بے تکلف لوگ ہیں۔" طالوت نے کہا۔ اتنی دیر میں کمال واپس آ گیا۔

"تشریف لے چلیے ماموں جان۔" اس نے کہا۔

"آؤ۔" تنویر صاحب نے کہا اور پھر وہ ہمیں نکل کے اندرونی حصے میں لے گئے جہاں ہمارے لیے ایک عالی شان کمرا تیار کردیا گیا تھا "یہ تمہارا کمرا ہے۔ جس چیز کی ضرورت ہو کسی بھی ملازم کو بلا کر بے تکلفی سے کہہ دینا۔"

"جی۔" طالوت نے جواب دیا۔ میں خاموش تھا۔ تنویر صاحب ہمیں آرام کرنے کا مشورہ دے کر چلے گئے "کمرا تو عمدہ ہے عارف۔ کیا خیال ہے؟"

"درست فرمایا۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"کیا بات ہے عارف! تم کچھ سنجیدہ ہو؟"

"بالکل نہیں۔"

"نہیں۔ میں محسوس کررہا ہوں۔"

"تمہاری حماقت ہے۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"خوب۔ اچھا بیٹھ جاؤ۔" اس نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا اور میں بیٹھ گیا "ہاں۔ اب بتاؤ۔ کیا سوچ رہے ہو؟" وہ خود بھی میرے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔

"شکیلہ کے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں۔"

"ہاں یار سنجیدگی سے۔ شکیلہ کا کیا معاملہ ہو سکتا ہے؟"

"الجھا ہوا ضرور ہے۔"

"مگر یہ ممکن ہے۔ ممکن بھی ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی لمبا چکر ہو۔"

"شکیلہ جھوٹ تو نہیں بول سکتی۔"

"ہاں اس بات کا مجھے بھی یقین ہے۔ ویسے جذباتی لڑکی ہے۔ تم نے اس کی کیفیت دیکھی تھی؟"

"قابل بھروسا ہے۔ میرا خیال ہے اب ہم لازمی طور پر تعین ہو گئے۔ وہ ہمارا ساتھ نہیں چھوڑے گی۔"

"اور اگر وہ افشاں نکل آئی تو۔۔؟"

"دیکھا جائے گا۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔

"ایسے موقع پر عارف۔ طبیعت عجیب سی ہو جاتی ہے۔ اگر میری قوتیں میرے پاس ہوتیں، تو کیا ہم تنویر صاحب کی مشکل حل نہیں کرسکتے تھے؟"

"اب بھی کوشش کریں گے۔"

"ہاں۔" طالوت نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ہم دونوں خاموش ہو گئے۔ دونوں اپنے اپنے طور پر سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ طالوت نجانے کیا سوچ رہا تھا۔ میں البتہ شکیلہ میں الجھا ہوا تھا، بات صرف تین سال کی تھی۔ اگر کوئی طویل معاملہ ہوتا تو کوئی گہری بات سوچی جا سکتی تھی، کیا معاملہ ہو سکتا تھا۔ اگر شکیلہ افشاں نہیں ہے، تو پھر یہ مشابہت۔ اور اگر مشابہت بھی اتفاقیہ ہے تو پھر افشاں کہاں گئی۔ کیوں نہ افشاں کے سلسلے میں باقاعدہ جاسوسی کی جائے۔

اب طالوت بھی ناکارہ ہو گیا تھا۔ ایسی شکل میں زیادہ ہی محنت کرنا ہوگی۔ بہرحال کرنا تو ہے ہی۔ کچھ ضرور ہے "میں اندر آسکتا ہوں؟" اچانک دروازے سے آواز آئی اور ہم دونوں چونک پڑے۔

آواز کمال کی تھی "آجاؤ یار۔" میں نے کہا اور کمال اندر آ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی "سنائیے کیا حال ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ٹھیک۔ کیوں؟"

"اوہ کوئی بات نہیں۔ ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔" اس نے بے تکلفی سے ایک طرف بیٹھتے ہوئے کہا "آپ لوگ کوئی ضروری بات تو نہیں کررہے تھے۔"

"نہیں۔ کوئی خاص بات نہیں۔ شکیلہ کے متعلق گفتگو کررہے تھے۔"

"اوہ اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کو افشاں باجی کا کمرا دکھا دوں۔"

"ممکن ہے؟"

"کیوں نہیں۔ آئیے۔"

"آؤ یوسف۔" میں نے کہا اور طالوت خاموشی سے اٹھ گیا۔ کمال ہمیں لیے ہوئے ایک دور دراز کمرے کے قریب پہنچ گیا۔ دروازے میں تالا تھا۔ کمال نے چابی نکالی اور دروازہ کھول دیا۔

"وہ اس کمرے میں تالا رہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، مستقل۔"

"لیکن اس کی چابی تمہارے پاس کہاں سے آئی؟"

"اس کوٹھی کے بہت سے معاملات میرے سپرد ہیں۔ ماموں جان میرے اوپر بہت اعتماد کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کچھ ذمے داریاں میرے سپرد کردی ہیں۔"

"اوہ۔" میں نے گردن ہلا دی۔

کمال نے کمرے میں روشنی کردی اور سب سے پہلے ہماری نگاہ ایک قد آدم تصویر پر پڑی۔ بلاشبہ شکیلہ تھی، سر مو فرق نہیں تھا۔ میں اور طالوت حیرانی سے اسے دیکھتے رہے۔ انتہائی حسین تصویر تھی۔

"کیا خیال ہے عارف صاحب؟" کمال کی آواز ابھری۔

"کمال کی تصویر ہے۔"

"ہم لوگوں کی دیوانگی بجا نہیں ہے؟"

"ہاں، تمہارا شبہ درست ہے لیکن ایک بات اور بتاؤ کمال۔ تین سال کا وقفہ بہت طویل تو نہیں ہوتا۔ کیا تمہیں



زندگی زندگاں کے لیے ایک زمانہ گزیدہ کی خوں رنگ سرگزشت

اُن کے لیے جن کے سینے دھواں دیتے ہیں
آنسوؤں، آہوں، اُمنگوں اور حوصلوں کی داستان
عبرت اثر، حیرت انگیز و ناقابلِ فراموش
بابر زمان خان کی آپ بیتی، جگ بیتی
اُس جوانِ رعنا سے زندگی کا رویہ مختلف تھا۔

دل فگاروں کے لیے سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

بازی گر

وہ تحریر جو دلوں کی دھڑکن ہے

کتابی شکل میں 7 حصے شائع ہو چکے ہیں

قیمت فی حصہ -/60 روپے ڈاک خرچ فی حصہ -/23 روپے

بہ رعایت حاصل کرنے کے لیے رقم بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ فرمائیے

کتابیات پبلی کیشنز، کراچی

فون: 021-5804300 kitabiat1970@yahoo.com

C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین روڈ کورنگی روڈ کراچی 75500

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

افشاں کی کچھ مخصوص عادات اور اس کی آواز یاد نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔ ویسے آپ نے بڑی عمدہ بات بتائی۔ درحقیقت ہم سب ان کی شکل میں اس طرح الجھ گئے کہ ان کی آواز پر غور ہی نہیں کیا۔"

"لطف کی بات یہ ہے کہ کسی نے نہیں کیا۔"

"ہاں واقعی۔"

"ایسا تو نہیں ہے کہ لوگ افشاں کی آواز ہی بھول گئے ہوں۔"

"ممکن تو نہیں ہے یوسف صاحب۔ میں ابھی تھوڑی دیر کے بعد اس کی تصدیق کروں گی۔" کمال نے جواب دیا۔ تب ہم آگے بڑھے اور میں گہری نگاہوں سے افشاں کے پورے کمرے کا جائزہ لیتا رہا۔ میں کسی ایسی چیز کی تلاش میں تھا جس سے افشاں کی پراسرار گمشدگی پر کچھ روشنی پڑ سکے لیکن پھر میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔

پولیس تو پورے کمرے کو کھنگال چکی ہوگی۔ ظاہر ہے اگر ایسی کوئی چیز ہوگی تو پولیس نے کہاں چھوڑی ہوگی۔ پھر بھی میں نے کمال سے سوال کر ہی لیا "پولیس نے اس کمرے کی تلاشی بھی لی ہوگی!؟"

"درجنوں بار۔ یہاں کی ایک ایک چیز دیکھی جا چکی ہے۔"

"کمال! مجھے افشاں کے بارے میں کسی وقت پوری تفصیل بتانا۔ ہم لوگ بھی اپنے طور پر کوشش کریں گے کہ تمہاری پریشانیاں دور ہو سکیں۔ خود تنویر صاحب نے ہم سے یہ بات کہی ہے۔"

"خدا آپ کو ہی کامیابی عطا کرے۔" کمال نے گہری سانس لے کر کہا۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ وہ اپنے تبرک صاحب کہاں ہیں؟" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا اور کمال بھی مسکرانے لگا۔ ہم تینوں واپس اپنے کمرے کی طرف چل پڑے۔

"تصدق خاصے رکھ رکھاؤ کا انسان ہے۔ نہ جانے کیوں آپ دونوں سے خار کھا گیا۔ بہرحال سب چارے کے ساتھ بہت بری ہو رہی ہے۔"

"کیوں؟"

"ارے آپ غور کریں۔ کل سے وہ مالیوں کے ساتھ کام کرے گا۔" کمال نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا واقعی!؟"

"کل خود دیکھ لیں۔ ویسے بڑا تلملائے گا۔ ماموں جان عجیب فطرت کے مالک ہیں۔ اوپر سے نرم اندر سے سخت۔ نرم رہیں گے تو پھر بالکل نرم ہیں اور اگر ان کی حکم عدولی کر دی جائے تو پھر شامت ہی آجاتی ہے۔ تصدق کی مجال جو ان کے حکم سے انحراف کرے۔"

"ملازمت چھوڑ کر نہ بھاگ جائے بے چارہ۔" میں نے کہا۔

"ارے نہیں۔ تصدق اس مٹی سے نہیں بنا۔"

"یہ اچھی بات ہے۔"

"اچھا اب اجازت دیں۔ رات کے کھانے پر ملاقات ہوگی۔" کمال نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر دروازے کے قریب پہنچ کر رک گیا "اور ہاں سنیں۔ مجھے اپنی مرضی سے یہاں آنے کی اجازت ہے۔ آپ لوگ میری مداخلت بے جا سے پریشان تو نہیں ہوں گے!؟"

"اجازت ہے۔" طالوت نے جواب دیا اور کمال مسکراتا ہوا چلا گیا۔ ہم دونوں واپس اپنے کمرے میں چلے گئے۔

"تصویر دیکھی تم نے؟" میں نے طالوت سے کہا۔

"ہاں۔ حیرت انگیز۔ یہ مشابہت تو ہماری تمہاری طرح کی ہو گئی۔"

"بہرحال ہم اس بات کو بھی نظرانداز نہیں کریں گے کہ ممکن ہے شکیلہ ہی ہو۔"

"ہاں ہاں۔ مگر میرا دل اس بات کو تسلیم نہیں کر رہا۔"

"خیر جو کچھ ہے۔ سامنے آجائے گا۔"

"شکیلہ بے چاری عجیب الجھن میں گرفتار ہو گئی ہے۔"

"ہاں یار۔ اسے کسی طور بلاؤ۔" طالوت نے کہا۔

"کسی ملازم سے کہلوا دیا جائے۔ ویسے اس کی پوزیشن بہت خراب ہو گئی ہے۔ مروت میں ماری جا رہی ہے۔"

"جاؤ اسے بلاؤ۔" طالوت بولا اور میں باہر نکل آیا۔ میں نے ایک ملازم کو بلایا اور ملازم ادب سے میرے قریب پہنچ گیا۔ ہمارے بارے میں شاید ہدایات جاری کر دی گئی تھیں۔

"افشاں بی بی کہاں ہیں؟"

"بڑی ماں کے پاس۔"

"کیا کر رہی ہیں؟"

"بیٹھی ہیں صاحب۔ بڑی ماں تو انہیں خود سے الگ ہی نہیں ہونے دے رہیں۔" ملازم نے جواب دیا۔

"ہوں! بہرحال۔ ان سے کہہ دو عارف نے بلایا ہے۔"

"جی بہتر۔" ملازم نے کہا اور واپس چلا گیا۔ میں اندر



واپس آگیا۔ اور چند ہی منٹ کے بعد شکیلہ ہمارے پاس پہنچ گئی۔ وہ ہمیں دیکھ کر عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

"کیا حال ہیں افشاں بی بی۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔

"فی الحال تو برے حال ہیں۔ اگر بڑی ماں کی محبت اسی رفتار سے جاری رہی تو میں تو سخت بور ہو جاؤں گی۔ مجھے ان خاتون سے ہمدردی ضرور ہے لیکن یوسف صاحب وہ تو مجھے ایک لمحے کے لیے بھی ہٹنے نہیں دے رہیں۔ ہاں تنویر صاحب بہت اچھے انسان ہیں۔"

"ان حالات نے ہمارا دماغ بھی خراب کر دیا ہے شکیلہ۔ کبھی کبھی تو ہم بھی سنجیدگی سے سوچنے لگتے ہیں کہ کہیں کوئی گڑبڑ ہو۔"

"کیسی گڑبڑ!؟"

"کہیں تم سچ مچ افشاں ہی نہ ہو۔"

"اس لڑکی سے میری مشابہت شاید بہت زیادہ ہے لیکن اس کا کیا سوال ہے۔ اچھا مذاق ہے۔" شکیلہ نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"ایک بات بتاؤ شکیلہ؟"

"جی؟"

"کیا تم دعوے سے کہہ سکتی ہو کہ تم درگا پور کی رہنے والی ہو؟"

"کیا مطلب ہوا اس بات کا!؟"

"ممکن ہے کوئی ایسی بات ہو۔ جو تمہارے ذہن سے بھی محو کر دی گئی ہو۔ ہندو یوگی بڑے انوکھے ہوتے ہیں۔ تم یاد کرو۔"

"عارف صاحب۔ یہ بات مذاق میں بھی نہیں سوچی جا سکتی۔ میں نے اپنا بچپن درگا پور کی گلیوں میں بتایا ہے۔ مجھے وہاں کے ذرے ذرے سے واقفیت ہے۔ میری گلیوں کے سارے لوگ مجھے پہچانتے ہوں گے۔ آپ کی الجھن برحق ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"ہوں۔ پورے وثوق سے کہہ رہی ہو!؟"

"ہاں۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"ویسے تمہارے لیے گولڈن چانس ہے شکیلہ۔ افشاں بن کر پوری زندگی عیش سے گزار سکتی ہو۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دل تو چاہتا ہے کہ آپ کی اس بات پر خودکشی کر لوں لیکن ایسی کوئی حرکت نہیں کروں گی۔ سن لیں جناب! اگر یہ گولڈن چانس آپ کو مل رہا ہے اور آپ مجھ سے جان چھڑانے کے چکر میں ہیں تب غور سے سن لیں۔ خدا کی قسم مر جاؤں گی، آپ کو چھوڑوں گی نہیں۔ آپ جب دل چاہے یہاں سے نکل چلیں، یہ سارے عیش و عشرت یہاں کے مکینوں کو مبارک۔"

"ارے ہم تو مذاق کر رہے تھے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور شکیلہ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔

"نہیں بھائی۔ یہ سو فیصد شکیلہ ہے۔ ان سب کو چاہیے کہ اپنی لڑکی کو تلاش کریں۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ اب اس میں شک و شبے کی بات نہیں ہے۔ بہرحال معاف کرنا شکیلہ۔ ہماری باتوں سے تمہیں دکھ ہوا۔ اس کے علاوہ غور سے سن لیں محترمہ۔ ہم خود آپ جیسی پیاری دوست کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں۔ اب تو ہماری زندگی موت کا ساتھ ہے۔ کیوں بھائی یوسف؟"

"سنجیدگی سے یقیناً۔" طالوت نے کہا۔

"ویسے شکیلہ، طے یہ کیا گیا ہے کہ ہم لوگ بھی افشاں کی تلاش میں ان کی مدد کریں گے۔ اچھا ہے ہماری وجہ سے ان لوگوں کی مصیبت دور ہو جائے، یوں بھی ہم آوارہ گردوں کی کیا ہے۔"

"نہیں۔ یہ تو ثواب کی بات ہے۔ اس مظلوم عورت کے لیے میں بھی افسردہ ہوں۔ بیٹی کے غم میں نیم دیوانوں کی سی کیفیت ہے۔ اس خوف سے آنکھیں بند کرنے پر تیار نہیں ہے کہ آنکھ کھلے گی تو خواب ٹوٹ جائے گا۔"

"اوہ، واقعی افسوس ناک بات ہے۔" میں نے کہا اور طالوت کی طرف دیکھنے لگے۔ طالوت کے چہرے پر بھی اپنی بے بسی کی جھلاہٹ ابھر رہی تھی۔

"بہرحال شکیلہ۔ اسی لیے تمہیں تکلیف دی تھی۔ ہمیں یہاں ہر حالت میں وقت گزارنا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ ہم بھی تعاون کریں گے، تم بھی کرو۔" میں نے کہا اور شکیلہ نے گردن ہلا دی۔

"بس تم بڑی ماں کے پاس جاؤ۔ ویسے دن میں ایک آدھ بار خود ہی موقع نکال کر ہم سے مل لیا کرنا۔"

"یقیناً۔" شکیلہ نے جواب دیا اور پھر وہ چلی گئی۔ طالوت خاموش بیٹھا تھا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" وہ تھکے تھکے انداز میں بولا۔ بہرحال میں اسے سمجھا تا بھی تو کیا۔ درحقیقت بات ہی ایسی

تھی کہ ایک شخص سے اس کی شہنشاہیت چھن گئی تھی۔ وہ جس قدر افسردہ ہوتا کم تھا۔

رات کے کھانے پر بھی وہی کیفیت تھی۔ معلوم ہوتا تھا بارات آئی ہے۔ بڑا عمدہ اجتماع تھا۔ ہمیں یہ بات بہت پسند آئی۔ معلوم ہوا کہ شام کی چائے اور رات کا کھانا اہل خاندان ساتھ کھاتے ہیں۔ صبح کے ناشتے اور دوپہر کے کھانے پر کوئی اجتماع نہیں ہوتا۔ بہرحال ڈنر کے بعد خوش گپیاں ہونے لگیں۔ تنویر صاحب نے پھر ہم دونوں کو گھیر لیا تھا۔

"بھئی تم لوگوں کے بارے میں مزید تفصیل نہیں معلوم ہو سکی؟"

"وہ تو خود ہمیں بھی نہیں معلوم تنویر صاحب۔" میں نے جواب دیا۔

"میرا مطلب ہے درگا پور آنے سے قبل تم لوگ کہاں تھے؟"

"صحیح یاد نہیں۔ ایک طویل القامت آدمی نے ہماری گردنیں پکڑ کر باہر دھکیلتے ہوئے کہا تھا کہ تم دونوں اب ٹھیک معلوم ہوتے ہو۔ یہاں رہ کر سرکاری روٹیاں توڑنا چاہتے ہو اور پھر اسی نے ایک اور شریف آدمی سے ہماری چغلی کھاتے ہوئے کہا تھا۔ ڈاکٹر! ان دونوں کے دماغ اب بالکل ٹھیک ہیں۔ میں انہیں یہاں سے چھٹی دینے کی سفارش کرتا ہوں۔ چنانچہ ہمیں چھٹی دے دی گئی۔"

"کیا مطلب؟" تنویر صاحب حیرت سے بولے۔

"کون سی جگہ تھی۔ یہ یاد نہیں رہا۔"

"ارے۔ وہ۔ وہ پاگل خانہ ہی ہو سکتا ہے۔" تنویر صاحب حیرت سے بولے اور کمال ہنسی نہ روک سکا "کیوں۔ کیوں۔ تم ہنس کیوں رہے ہو؟"

"ماموں جان۔ یہ لوگ انتہائی بذلہ سنج ہیں' باغ و بہار طبیعت کے مالک۔ کیا آپ کو ان کی باتوں پر یقین آ گیا کہ یہ پاگل خانے سے چھوٹے ہیں۔"

"بھئی میں کیا کہوں۔ انہوں نے نقشہ ہی ایسا کھینچا ہے۔" تنویر جمال صاحب بھی ہنستے ہوئے بولے۔ ہم دونوں خاموش تھے۔

"بھئی اگر یہ مذاق تھا تو میں بہت محظوظ ہوا ہوں۔ میرا خیال ہے تم لوگ اپنے ماضی کے بارے میں کچھ بتانے پر تیار نہیں ہو' خیر ٹھیک ہے۔ میں مجبور نہیں کروں گا۔ ویسے ایک درخواست ہے۔ یہاں کسی قسم کی تکلیف نہ اٹھانا' یہ خانہ بے تکلف ہے۔"

"آپ بے فکر رہیں تنویر صاحب۔ اب تو یہاں تم ہی گئے ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"میں کاروباری امور میں مصروف رہتا ہوں' میری غیر حاضری کو بھی محسوس مت کرنا۔"

"بہتر۔"

"ہاں کمال' ان کی ذمے داریاں میں نے تمہیں سونپ دی ہیں۔"

"آپ بے فکر رہیں ماموں جان۔"

"اچھا بھئی مجھے اجازت۔ ویسے بہت دلچسپ ہو تم دونوں۔ واقعی کمال ہے۔" تنویر جمال صاحب ہم دونوں سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گئے۔ کمال ہنسنے لگا۔

"آپ نے ماموں جان کو بھی نہیں چھوڑا۔ ویسے آخر آپ اپنے ماضی کو اس قدر چھپانے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟"

"یار۔ ایک بات بتاؤ؟"

"جی؟"

"تمہارا تعلق کسی طور پولیس سے تو نہیں ہے؟"

"ہرگز نہیں۔" کمال نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تب کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے طالوت کو دیکھا۔

"چلو' بتا دو۔" طالوت نے کہا۔

"دراصل ہم لوگ جرائم پیشہ ہیں۔ پولیس ہماری تلاش میں ہے۔ ہم دونوں نے بے شمار قتل کیے ہیں۔ کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں یوسف؟"

"ہرگز نہیں۔" طالوت نے میری ہاں میں ہاں ملائی اور کمال ہنستا رہا۔ ظاہر ہے اسے یقین نہیں آ سکتا تھا۔

"ایسی صورت میں ہم اپنا ماضی کسی کو نہیں بتا سکتے۔"

"یقیناً یقیناً۔ بہرحال آپ جو کوئی بھی ہیں' بہت دلچسپ ہیں۔ میں آپ کا گرویدہ ہو گیا ہوں۔ پہلے آزما لیں' اگر اچھا ثابت ہوں تو مجھے بھی خود میں شامل کر لیں۔" کمال نے کہا۔

"اوہ' گویا تم بھی جرائم کی طرف راغب ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ ہر وہ کام کروں گا جو آپ کریں گے۔"

"اوہ" میں نے طالوت کی طرف دیکھا۔ طالوت بھی مسکرا رہا تھا پھر ہم سنجیدہ ہو گئے اور میں نے کمال سے پوچھا "تم نے اپنا کام کیا کمال؟"

"آواز والا؟"

"ہاں۔"

"انتہائی غور و خوض سے۔ آپ نے دیکھا ہو گا' میں افشاں باجی کے بالکل سامنے بیٹھا تھا۔"



"ہاں۔ ہم نے غور کیا تھا۔"

"مجھے اپنی یادداشت پر ناز ہے یوسف بھیا۔ بے شک دوسرے لوگ اس بات پر غور نہیں کر سکے ہوں گے لیکن میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ افشاں باجی اور اس خاتون کی آواز میں نمایاں فرق ہے۔"

"ونڈر فل۔ بہرحال دوسرے لوگ کچھ بھی سوچیں۔ تم یہ بات نوٹ کرا دو کہ شکیلہ' افشاں نہیں ہے۔"

"میں تو تسلیم کرتا ہوں۔"

"اب تم ہمیں افشاں کی عادات و اطوار اور اس کے بارے میں پوری تفصیل بتاؤ تاکہ ہم بھی اس مسئلے پر تمہاری مدد کر سکیں۔" اور کمال اپنی یادداشت کے سہارے افشاں کے بارے میں بتانے لگا۔ ہم دونوں ہی غور سے سن رہے تھے لیکن درحقیقت کافی غور و خوض کے بعد بھی ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے اور پھر کافی رات گزر گئی تو کمال ہم سے اجازت لے کر اٹھ گیا۔

دوسری صبح جاگنے کے بعد ضروریات سے فارغ ہوئے تو ایک ملازمہ اندر آئی "ناشتا تیار ہے صاحب لے آؤں؟"

"اوہ یقیناً۔ ویسے صبح کا ناشتا سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں کرتے ہیں؟"

"جی۔"

"ٹھیک ہے' لے آؤ۔" میں نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد ملازمہ نے ناشتا سرو کر دیا۔ ناشتے کے بعد ہم سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ طالوت کسی فکر میں تھا۔ کافی دیر کے بعد اس نے گردن اٹھا کر کہا۔

"عارف۔ تم نے ایک بات کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔"

"کون سی بات؟"

"بھئی ہمیں کچھ روز تو یہاں رہنا ہی ہے۔"

"ہاں' رہنا پڑے گا۔"

"لباس وغیرہ کا کیا ہو گا۔ کیا اس سلسلے میں بھی ہم ان لوگوں کے محتاج رہیں گے؟"

"نہیں طالوت۔ یہ تو نہ ہو سکے گا۔"

"اس کے علاوہ جیب میں بھی کچھ ہونا ہی چاہیے۔"

"یقیناً۔"

"تب اس بارے میں کیا سوچا؟"

"ہاں۔ دوسروں پر لٹاتے رہتے ہیں۔ اگر کسی سے کچھ لے لیا جائے تو کیا حرج ہے۔"

"کس سے لو گے؟"

"جس کے پاس ہو گا۔"

"مگر کس طرح؟"

"اوہ' بہرحال ہم جرائم پیشہ بھی رہ چکے ہیں۔ چلو باہر نکل کر قسمت آزمائی کریں گے۔"

"کرو گے کیا؟"

"یہ باہر چل کر ہی سوچیں گے۔" میں نے کہا اور طالوت نے گردن جھٹکائی۔ میرے ذہن کا چرخہ بھی چل پڑا تھا۔ درحقیقت کام بے حد مشکل تھا۔ ہم نہ جانے کیا رہے تھے مگر جو کچھ اس وقت تھے اس کے بارے میں سوچنا تھا۔ ڈاکہ زنی بھی آسان کام تو نہیں تھا جبکہ ہماری حفاظت کا بھی کوئی بندوبست نہیں تھا۔ طالوت بدستور فکر مند تھا۔ بہرحال تیاریاں کر کے ہم لوگ نکل آئے۔

سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ ہم آرام سے چلتے ہوئے بیرونی راستے کی طرف بڑھنے لگے۔ تب اچانک ایک مکان کے دروازے پر تصدق نظر آیا اور ہم چونک پڑے۔

"طالوت!" میں نے اچانک طالوت کا شانہ دبوچ لیا۔

"کیوں؟"

"تصدق۔" میں نے ایک طرف اشارہ کیا۔ تصدق دروازے کو تالا لگا رہا تھا۔

"ہاں۔" طالوت ہنس پڑا۔

"یہ۔ یہ تنہا ہی رہتا ہے۔" میں پر خیال انداز میں بولا

"اور اس کا مال بھی جائز ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"ارے بھئی' اس نے ہماری بے عزتی کی تھی۔"

"کیا سوچ رہے ہو عارف؟"

"قسمت آزمانے میں کیا حرج ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"سمجھنے کی ضرورت نہیں' تم اس کا تعاقب کرو۔ جب یہ کسی مناسب جگہ پہنچ جائے تو اسے باتوں میں لگاؤ۔ خبردار! یہ مکان کی طرف واپس نہ آ سکے۔"

"ارے۔ ارے' دماغ صحیح ہے؟" طالوت بوکھلا کر بولا۔

"بالکل صحیح ہے۔ تم پروا مت کرو۔"

"عارف! بے عزتی نہ ہو جائے۔ منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔" طالوت نے پریشانی سے کہا۔

"ارے' تو ان لوگوں کو منہ دکھاتے رہنا کیا ضروری ہے؟ اور پھر تم پروا مت کرو' میں کچا کام نہیں کروں گا۔ بس تم چل پڑو۔"

"لیکن کیا ضروری ہے کہ اس کے پاس کچھ موجود ہو؟" طالوت نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"اوہو' قسمت آزمانے میں کیا حرج ہے۔ تم پروا مت کرو۔ شاباش' چلو جاؤ۔ تم اپنا کام کرو مجھے اپنا کام کرنے دو۔" میں نے کہا اور طالوت آگے بڑھ گیا۔ میں نے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیا۔ بہرحال ان معاملات میں میرا ذہن خوب کام کرتا تھا۔ میں نے اس کمپاؤنڈ میں بنے ہوئے مکانات کا جائزہ لے لیا تھا۔ عقبی کھڑکی میں سلاخیں نہیں تھیں۔ ظاہر ہے ان کی ضرورت ہی نہ سمجھی گئی ہوگی۔ اندر داخل ہونا مشکل کام نہیں تھا۔ ہاں اگر دیکھ بھی لیا جاتا تو بھی کوئی دقت نہ ہوتی' میرے پاس ایک عمدہ بہانہ تیار تھا۔ وہ یہ کہ میں اپنے طور پر افشاں کے سلسلے میں کام کر رہا ہوں۔ اس لیے جو کچھ میں کروں کرنے دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

تصدق کے مکان کی عقبی سمت پہنچ کر میں رکا۔ کھڑکی بند تھی مگر خوش قسمتی سے اس کی چٹخنی نہیں لگی ہوئی تھی۔ میں نے اسے دھکیلا تو کواڑ کھل گئے اور میں خاموشی سے اندر اتر گیا۔ اندر پہنچ کر اندازہ ہوا کہ چٹخنی ٹوٹی ہوئی ہے اس لیے کھڑکی بند نہیں ہو سکی۔ بہرحال میرے حق میں بہتر تھا۔ میں پھرتی سے مکان کی تلاشی لینے لگا۔ سامان کی بے ترتیبی سے اندازہ ہوتا تھا کہ تصدق مستقلاً تنہا رہتا ہے۔ ویسے ضروریات زندگی کا سارا سامان موجود تھا۔ کسی چیز کی حفاظت کی کوشش نہیں کی گئی تھی کیونکہ کوئی بیرونی خطرہ تھا ہی نہیں۔ میں نے تصدق کی خواب گاہ کا جائزہ لیا اور پھر خواب گاہ کی الماری کھولنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ الماری میں ایک ایسا خانہ بھی نظر آگیا جسے تجوری کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ میں نے اسے کھولا اور ایک گہری سانس لی۔ اندر چھوٹے بڑے نوٹوں کی خاصی تعداد تھی۔ اب بار بار کون ان چکروں میں پڑتا' جو کچھ ہے اسی سے کام چلانا تھا۔ میں نے نوٹ اٹھائے' تقریباً پونے بیس ہزار روپے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے ایک پستول بھی نظر آیا اور میں چونک پڑا۔

تصدق بظاہر ایک بے ضرر انسان ہے۔ پھر اسے پستول کی کیا ضرورت پیش آگئی؟ اور میرے ذہن میں ایک کرید سی پیدا ہو گئی۔ بہرحال نوٹ قبضے میں کرنے کے بعد میں نے الماری بند کر دی۔ حتی الامکان اپنی انگلیوں کے نشانات وغیرہ صاف کر دیئے اور پھر دوسرے کمروں کی تلاشی لی۔ لکھنے کی میز اور دوسری چیزیں لیکن اور کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے کوئی اندازہ ہو سکتا۔

تب میں اسی راستے سے باہر نکل آیا۔ نوٹ میں نے اپنے لباس میں پوشیدہ کر لیے تھے۔ پھر میں نے طالوت اور تصدق کو تلاش کر لیا۔ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ دوستانہ فضا میں بات کرتے۔ دونوں میں خاصی تیزی ہو رہی تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔ تم لوگ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟" تصدق غرایا۔

"تبرک جو ٹھہرے۔ قسمت والوں کو نصیب ہوتا ہے۔"

"ایسی تیسی تبرک کی۔ آئندہ تم نے مجھے تبرک کہا تو دانت توڑ دوں گا۔"

"دیکھو' تم ہماری بے عزتی کر رہے ہو جبکہ تنویر صاحب۔" طالوت نے کہا۔

"تنویر صاحب بھی مجھے جائز حد تک دبا سکتے ہیں۔"

"تم نے ناجائز حد تک دبا دیا کیا؟" میں نے طالوت سے پوچھا۔

"قسم لے لو جو میں نے ہاتھ بھی لگایا ہو۔" طالوت نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"نہایت لوفر ہو تم لوگ۔ کیا تم شریفانہ گفتگو کر رہے ہو۔" تصدق جھنجلائے ہوئے انداز میں بولا۔

"اگر انہوں نے ناجائز طور سے تمہیں دبا دیا ہو تو اس کے لیے میں معافی چاہتا ہوں مسٹر تصدق۔" میں نے مصالحانہ انداز میں کہا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ میں تم سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔" تصدق نے کہا اور تیز تیز قدموں سے ایک طرف چلا گیا۔ طالوت نے گہری سانس لے کر میری طرف دیکھا۔

"کیسا رہا؟"

"کامیابی۔" میں نے جواب دیا۔

"کوئی ثبوت تو نہیں چھوڑ آئے؟"

"فضول باتیں مت کرو' آؤ چلیں۔" میں نے کہا اور طالوت میرے ساتھ چل پڑا۔ ہم لوگ محل سے نکل آئے۔ ویسے ہم نے کوشش کی تھی کہ دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ رہیں۔

"یار تم عجیب انسان ہو۔" طالوت گہری سانس لے کر بولا۔

"کیوں؟"

"یہی کہ تم نے نہایت دلیری سے تصدق پر ہاتھ صاف کر دیا۔ میں اتنی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔"

"میں نے کہیں ہاتھ صاف کرنا ہی تھا ویسے اس محل میں تصدق کے علاوہ اور کوئی ایسا نہیں تھا۔ اب تم سے دیکھا



نہیں وہ کتنا فضول آدمی ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔۔"

"چھوڑو یار۔ بس بھول جاؤ۔ ہم لوگوں کے لیے آج تک کرتے رہے ہیں' اب ہمارے ساتھ کچھ الجھنیں پیدا ہو گئی ہیں تو کون سی ایسی بڑی مصیبت آگئی۔ آخر لوگوں پر بھی تو ہمارا حق ہے۔"

"خوب حق ہے۔" طالوت ہنستے ہوئے بولا۔

ہم بازار پہنچ گئے اور پھر ضرورت کی چیزیں خریدنے میں ہمیں کوئی دقت نہیں ہوئی لیکن دیر کافی لگ گئی تھی۔ جب ہم واپس محل پہنچے تو دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ تصدق مالیوں کے پاس بیٹھا ان سے کام کرا رہا تھا۔ دھوپ میں کام کراتے ہوئے اس کی بری حالت ہو رہی تھی۔ ہم اس کی نگاہوں سے بچتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چل پڑے۔ ہمارے پیچھے شاید ہماری تلاش کی گئی ہو لیکن بظاہر لگتا تھا جیسے کسی کو ہمارے جانے اور آنے کے بارے میں معلوم ہی نہ ہو۔ بہرحال ہم نے جلدی جلدی سارا سامان سیٹ کیا اور باتھ روم جا کر منہ ہاتھ دھویا۔

ابھی فارغ ہی ہوئے تھے کہ شمسہ آگئی۔ یہ لڑکی ٹرین میں بڑی ماں کے ساتھ تھی۔ چہرے سے شوخ و شریر معلوم ہوتی تھی۔ ابھی تک ہماری اس سے کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔

"اوہ' شمسہ۔" میں نے اسے دیکھ کر کہا۔

"آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہے؟"

"بس۔ یہ ہماری خوبی ہے۔"

"میری شکل بھی یاد ہے نا؟"

"کیوں نہیں۔"

"میں ذاتی طور پر آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

"کریں۔" میں نے کہا۔

اس نے ادھر دیکھا اور پھر ہونٹوں کو زبان سے تر کرتی ہوئی بولی "میں بیٹھ جاؤں؟"

"بیٹھ جائیں۔" طالوت اچانک بول پڑا اور اس نے چونک کر طالوت کی شکل دیکھی' پھر جلدی سے ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ کسی قدر نروس ہو گئی تھی۔ باری باری وہ ہم دونوں کی شکلیں دیکھ رہی تھی۔

پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کی اور بولی "میں آپ لوگوں سے کچھ گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

"جی۔ فرمائیے۔"

"دیکھیے' یہ ساری گفتگو میں ایک دوست کی حیثیت سے کر رہی ہوں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے پوری تفصیل بتا دیں۔"

"جی؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"میرا مطلب ہے افشاں باجی کے سلسلے میں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کا راز راز رکھوں گی۔ بس میں اپنے طور پر آپ کی مدد کروں گی۔ اگر آپ کسی الجھن میں ہوں گے تب بھی میں آپ کے ساتھ تعاون کروں گی۔" اس نے کہا اور میری رگ شرارت پھڑک اٹھی۔

"مس شمسہ!" میں نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"جی!"

"پھر سوچ لیں۔ ہم کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائیں۔"

"میری زندگی میں یہ ناممکن ہے۔"

"وعدہ کرتی ہیں؟"

"کیسا وعدہ؟"

"کیا خیال ہے یوسف' کیوں نہ ہم ان خاتون پر اعتبار کر لیں؟"

"جیسا تم مناسب سمجھو۔" طالوت میری شرارت سمجھ گیا تھا۔ وہ بھی بالکل سنجیدہ تھا۔

"ٹھیک ہے کپتان۔ کسی کو تو رازدار بنانا پڑے گا۔ اس کے بغیر کام چلنا مشکل ہے۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا اور پھر میں شمسہ کی طرف متوجہ ہو کر سنجیدگی سے بولا "آپ کے ذہن میں یہ خیال کیسے آیا مس شمسہ کہ آپ ہم سے کچھ معلوم کریں گی؟"

"مجھے شبہ تھا کہ آپ اپنے سینوں میں کوئی راز چھپائے ہوئے ہیں۔"

"اوہ۔ بے حد ذہین ہیں آپ۔ آپ کا کیا خیال ہے' مس افشاں ہمارے ہاتھ کیسے لگیں؟"

"میں یہ بات نہیں جان سکی۔"

"مس شمسہ! درحقیقت یہ بہت گہرا راز ہے۔ ہمارا تعلق ایک بین الاقوامی گروہ سے ہے جو لڑکیوں کا اغوا کرتا ہے۔" میں نے نہایت سنجیدگی سے کہا اور شمسہ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے "مس افشاں کو بھی ہمارے گروہ کے کچھ لوگوں نے اغوا کیا تھا۔ ہم لڑکیوں کو اغوا کر کے فروخت کر دیتے ہیں لیکن کچھ لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں جو جس قیمت پر فروخت ہوتی ہیں' خود اس کی پیشکش کر دیتی ہیں' چنانچہ ہم ان سے ان کی قیمت وصول کر کے انہیں رہا کر دیتے

ہیں۔ مس افشاں نے بھی اپنے بارے میں بتایا کہ وہ بہت بڑے آدمی کی لڑکی ہیں۔ انہوں نے ہمیں پیشکش کی کہ ہم انہیں فروخت نہ کریں۔ وہ اپنے وطن پہنچیں گی اور نہ صرف اپنی قیمت ادا کریں گی بلکہ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ اپنے بدلے دو اور لڑکیوں کو اغوا کرا دیں گی۔"

"کیا؟" شمسہ اچھل پڑی۔

"ہاں۔ اس طرح ہمیں دہرا منافع ہوگا۔ رقم کی رقم ملے گی اور لڑکیاں کی لڑکیاں۔ مس افشاں نے پکا وعدہ کیا ہے اور بہت جلد وہ ان دونوں لڑکیوں کو ہمارے حوالے کرنے والی ہیں۔ ہم ان کے اشارے کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"اوہ! عارف۔ عارف یہ کیا کر رہے ہو۔" طالوت جلدی سے بول پڑا اور میں نے چونکنے کی اداکاری کی۔

"کیوں کیا بات ہے یوسف؟"

"میرا خیال ہے تم نے جلد بازی سے کام لیا۔ تمہیں یہ راز کسی طور افشا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ممکن ہے مس شمسہ ان دو لڑکیوں میں سے ایک ہوں' بلکہ تم بھول گئے ٹرین میں مس افشاں نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔ کیا اس اشارے کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ ہمارا شکار یہ دونوں ہی ہوں۔"

"اوہ!" میں اچانک خاموش ہو گیا۔ شمسہ در حقیقت بوکھلا گئی تھی۔ وہ اضطراری طور پر کھڑی ہو گئی۔ ہمارے چہروں کی سنجیدگی ہمارے ان الفاظ کی تصدیق کر رہی تھی۔

"مس شمسہ! آپ نے وعدہ کیا ہے کہ ہمارے راز کو راز رکھیں گی۔ کیا ہم امید رکھیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں ہاں۔ لیکن۔ لیکن۔ خدا کے واسطے آپ بتا دیں' کیا آپ مذاق کر رہے ہیں؟" شمسہ نے کہا۔

"ہم سنجیدہ ہیں مس شمسہ! لیکن کان کھول کر سن لیں' آپ ہمارا راز' راز رکھیں گی۔" آخر میں میرا لہجہ سخت ہو گیا اور شمسہ جلدی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"آپ۔ آپ بے فکر رہیں۔" وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی اور میں ہاتھ جھاڑ کر طالوت کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا ضرورت تھی اسے خوف زدہ کرنے کی؟" طالوت نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا۔

"ارے وہ ہمارے بارے میں معلومات فراہم کرنے آئی تھی۔ ہم نے اسے ٹھیک ٹھیک بات بتا دی۔"

"یہاں کی پوزیشن ویسے ہی عجیب ہے۔ ویسے اب پروگرام کیا ہے؟ ظاہر ہے ہم یہاں روٹیاں توڑنے تو نہیں رہیں گے۔" طالوت بولا۔

"افشاں کے سلسلے میں جاسوسی کریں گے۔"

"کہاں جھک مارو گے؟"

"کمال نے جو حالات بتائے ہیں' ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہرحال افشاں ایک تعلیم یافتہ لڑکی ہے' احمق نہیں تھی اور اگر میرا اندازہ درست ہے تو اسے اغوا کرنے والوں کا مقصد مالی فائدہ حاصل کرنا نہیں تھا۔"

"وہ کیسے؟"

"دیکھو نا۔ طویل عرصہ ہو گیا' اگر کوئی مالی مفاد حاصل کرنا ہوتا تو اب تک مطالبہ کیا ہو سکتا تھا۔"

"ہاں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ تب پھر؟"

"یا یہ بھی سوچا جا سکتا ہے کہ کسی نے۔" میں نے کہا اور اچانک چونک پڑا' طالوت کو میرے چونکنے کا احساس ہو گیا تھا۔

"کیا بات ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"یار میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا ہے۔"

"کیا؟"

"طالوت! میں نے تصدق کے سامان میں پستول دیکھا تھا۔"

"تو پھر؟"

"تصدق بظاہر بے ضرر انسان ہے لیکن اس کے چہرے کی ایک جھلک مجھے اب تک یاد ہے۔"

"تفصیل بتاؤ۔"

"ٹرین میں وہ کمپارٹمنٹ سے باہر نکل گیا تھا اور باہر اس کے چہرے کے تاثرات کافی خوفناک تھے۔"

"غور کیا ہے؟"

"کیا ہم افشاں کے اغوا میں تصدق کی شمولیت پر غور نہیں کر سکتے؟"

"ارے کیوں ہوا کے پر کترتے ہوئے ہو بے چارے کو۔ اگر اس بات کا تذکرہ عام ہو گیا تو اسے بھنگیوں کے ساتھ کام کرنا پڑے گا۔"

"تنویر صاحب اس کی کھال کھنچوا کر تمہیں پہنوا دیں گے۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا "بہرحال معلومات تو حاصل کرنا ہی ہیں۔"

"تصدق کے بارے میں؟"

"ہاں۔"

"ضرور کرو۔ اس بدنصیب کی شامت ہی تو آئی تھی اور اس کا اندازہ اسے پہلے ہی ہو گیا۔ اسی وجہ سے وہ شروع سے ہمارے خلاف ہے۔ اب کیا کرو گے؟"



"پہلے پستول کا مسئلہ حل کر لیا جائے۔"

"کس طرح؟"

"کمال سے اس کے بارے میں معلوم کریں گے۔"

"ٹھیک ہے بھائی۔ یہ تمہاری دنیا کی باتیں ہیں۔ ضرور معلوم کرو۔" طالوت نے بیزاری سے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ طالوت کا بجھا بجھا پن صاف نظر آتا تھا اور بہرحال یہ حقیقت تھی۔ وہ اپنی دنیا کا شہزادہ تھا۔ اس سے اس کی ساری چیزیں چھن گئی تھیں گویا اس کی شخصیت ہی ختم ہو گئی تھی۔ اس پر وہ افسردہ نہ ہوتا تو کیا کرتا۔

اور پھر دوسرے دن ہم نے کمال کو پکڑ لیا "یہ تصدق کب سے ہے تنویر صاحب کے پاس؟"

"طویل عرصے سے۔ یوں سمجھ لیں یہیں پرورش پائی ہے۔ تعلیم وغیرہ بھی ماموں جان نے ہی دلوائی ہے۔"

"آدمی کس قسم کا ہے؟"

"برا نہیں ہے' بس تھوڑا سا کریک ہے۔"

"بعض اوقات شکل سے بے حد خطرناک نظر آتا ہے۔"

"کون تصدق؟" کمال ہنس پڑا۔

"ہاں۔"

"وہ سب کچھ ہو سکتا ہے یوسف بھائی لیکن خطرناک نہیں ہو سکتا۔"

"میں نے محسوس کیا ہے جیسے اس کی جیب میں پستول رہتا ہو۔" میں نے کہا۔

"ارے توبہ۔ وہ پستول کے نام سے ہی بے ہوش ہو جائے گا۔" کمال بدستور ہنستے ہوئے بولا۔

"کیوں۔ نہیں' نہیں' اب ایسا بھی نہیں۔ ممکن ہے تنویر صاحب نے اسے حفاظت کے لیے پستول دیا ہو۔"

"نہیں جناب۔ اول تو یہاں ایسی حفاظت کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی اور پھر اس کے لیے تصدق کا انتخاب تو بہت بڑا لطیفہ ہے۔" کمال نے جواب دیا اور ہم خاموش ہو گئے۔

کمال کے چلے جانے کے بعد میں نے طالوت کی طرف دیکھا اور پھر گہری سانس لے کر بولا "بہرحال دال میں کالا تو نظر آ گیا۔"

"کیا مطلب؟"

"تصدق اندر سے بہت کچھ ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کی الماری میں پستول دیکھا ہے گویا جو کچھ وہ اوپر سے ہے' یہاں کے لوگوں کو صرف اتنا ہی معلوم ہے اس نے اپنی دوسری شخصیت دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھی ہے۔"

"تم کیوں اس بے چارے کے لیے مصیبت کھڑی کر رہے ہو؟"

"میں نے اپنی آنکھوں سے پستول دیکھا ہے طالوت۔ میں اسے کیسے نظر انداز کر دوں؟"

"مت کرو بھائی! مگر اب کرو گے کیا؟" طالوت نے کہا اور میں کچھ سوچنے لگا' پھر میں نے کہا "اس کے علاوہ تم نے ایک بات پر غور نہیں کیا۔"

"کرا دو۔ وہ بھی کرا دو۔" طالوت طویل سانس لے کر بولا۔

"تصدق کس خاموشی سے چھ ہزار کی چوری پی گیا ہے۔ کسی کی زبان سے تم نے اس چوری کی کہانی سنی۔"

"اس سے کیا نتیجہ اخذ کیا تم نے؟" طالوت نے پوچھا۔

"ممکن ہے وہ رقم ایسی ہو' جس کے بارے میں تصدق کسی سے تذکرہ بھی نہ کر سکتا ہو۔ چنانچہ اس نے خاموشی سے صبر کر لیا' کسی سے کہنا بھی پسند نہیں کیا۔"

"ممکن ہے۔" طالوت نے پر خیال انداز میں جواب دیا اور میں بھی خاموش ہو گیا۔

"بہرحال تصدق کو کریدنا ضروری ہے۔"

"اب کیا کرو گے؟"

"بس اس پر نگاہ رکھی جائے۔ میرا خیال ہے ہم دونوں مل کر ایک بار پھر اس کے مکان کی تلاشی لیں۔"

"یار۔ ان معاملات میں اس طرح کام کرنے سے مجھے واقعی خوف معلوم ہوتا ہے۔ دراصل ان لوگوں کے ساتھ جو باعزت ہوں اور عزت کرتے ہوں' رہ کر کوئی گڑبڑ کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔"

"خیر کچھ اور سوچیں گے۔" میں نے گردن ہلا دی۔

کئی دن اور کئی راتیں گزر گئیں۔ بڑا سست وقت گزر رہا تھا۔ ہم لوگ ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے تھے۔ تنویر صاحب سے بہت کم ملاقات ہوتی تھی۔ وہ عموماً کاروباری دوروں پر رہتے تھے۔ ویسے جب آتے تھے تو ضرور ملتے تھے۔ محل میں کئی دلچسپیاں تھیں۔ لڑکیوں کی تعداد بھی کافی تھی۔ ہم چاہتے تو ان کے ساتھ تفریح کر سکتے تھے لیکن ابھی تک ایسا کوئی پروگرام نہیں ہو سکا تھا۔ اس دن شمسہ سے جو گفتگو ہوئی تھی' وہ گھومتی ہوئی کمال تک پہنچی اور کمال قہقہے لگاتا ہوا ہم تک آ پہنچا۔

"شمسہ ممکن ہے گھبرا کر بھاگ جائے۔" اس نے

کہا۔

"کیوں؟"

"وہ بردہ فروشوں سے بہت خوف زدہ ہے۔" کمال نے کہا۔

"اوہ!"

"بہرحال میں نے اس کا کافی مذاق اڑایا ہے لیکن وہ ابھی تک سنجیدہ ہے۔ ویسے معاملہ کیا ہوا تھا عارف صاحب؟"

"وہ جاسوسی کرنے آئی تھی' کہنے لگی' ہم اسے افشاں کے بارے میں سب کچھ بتا دیں وہ کسی سے نہیں کہے گی اور میں نے سب کچھ بتا دیا۔" میں نے معصومیت سے کہا اور کمال پھر ہنس پڑا۔ کافی دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔

"بڑی سست زندگی گزر رہی ہے یوسف بھائی۔ کیوں نہ کوئی تفریحی پروگرام بنایا جائے؟"

"بتاؤ۔ ویسے بھی ہم تو تمہارے مہمان ہیں۔"

"اوہ! آپ نے ابھی فرمائش نہیں کی۔ بہرحال یہ کون سی بڑی بات ہے لیکن ایک کام آپ کو کرنا پڑے گا۔"

"کیا؟"

"افشاں باجی۔ میرا مطلب ہے خاتون شکیلہ کو ساتھ لے جانے کے لیے آپ کو ان سے ہی بات کرنا ہوگی۔ وہ بڑی ماں سے کہیں' اگر وہ کہیں گی تو بڑی ماں سب کو اجازت دے دیں گی۔"

"ہاں کیا حرج ہے' میں کہہ دوں گا شکیلہ سے۔"

"بس تو پھر طے۔ کل کا پروگرام رکھ لیا جائے۔ آپ آج ہی یہ کام کرلیں۔ میرا خیال ہے دوپہر کے کھانے کے بعد مس شکیلہ سے آپ گفتگو کرلیں اور ان سے کہہ دیں کہ شام چار بجے تک آپ کو جواب دے دیا جائے۔ ہم ماموں جان کے ایک باغ میں پکنک کو چلیں گے۔ اس پورے علاقے میں تفریح کے لیے ماموں جان کے باغوں سے عمدہ جگہ اور کوئی نہیں ہے۔"

"اوکے۔ میں بات کروں گا لیکن ایک وعدہ تمہیں بھی کرنا ہوگا۔"

"کیا؟"

"بھائی تبرک کے بغیر زندگی ہی بے مزہ ہے' اگر وہ ساتھ نہ ہوئے تو کیا خاک لطف آئے گا۔"

"ہاں۔ تصدق کے بغیر تو زندگی واقعی بے مزہ ہے۔ وہ کیوں نہ ہوں گے۔" کمال ہنستے ہوئے بولا۔

"بس تو ٹھیک ہے۔ تیاریاں کراؤ۔ میں دوپہر کے کھانے کے بعد شکیلہ سے گفتگو کروں گا۔" میں نے کہا اور پھر کھانے کی میز پر میں نے شکیلہ کو اشارہ کردیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد تو شکیلہ بڑی ماں کے ساتھ اندر چلی گئی لیکن پندرہ منٹ کے بعد ہی وہ واپس ہمارے کمرے میں آگئی۔

"آپ نے مجھے بلایا تھا نا یوسف صاحب؟"

"ہاں۔ بیٹھ جاؤ۔" طالوت نے کہا اور شکیلہ بیٹھ گئی۔ "کیا ہو رہا ہے آج کل؟"

"بس وہی۔ کوئی تبدیلی نہیں ہے۔"

"پکنک کا پروگرام ٹھہرا ہے۔"

"اوہ!" شکیلہ نے آہستہ سے کہا۔

"تمہیں بڑی ماں سے اجازت لینا ہے۔"

"میرا خیال ہے وہ میری بات نہیں مانیں گی۔"

"بس تو ان سے بات کرلو۔ کل ہم پکنک پر چلیں گے' اجازت لینا ہی ہے۔"

"میں لے لوں گی۔" شکیلہ نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی گفتگو ہوتی رہی اور پھر شکیلہ چلی گئی۔

تنویر صاحب موجود نہیں تھے' کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ بہرحال اجازت مل گئی تھی' چنانچہ دوسرے دن بہت سی گاڑیاں تنویر صاحب کے باغ صوفیہ کی طرف چل پڑیں۔ ان میں تنویر صاحب کے خاندان کے لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔ ہماری جیپ میں بھائی تبرک مہمان خصوصی تھے۔ باقی شکیلہ تھی' کمال تھا' نادرہ تھی۔ ہم دونوں تھے۔ شمسہ البتہ ہمارے ساتھ نہیں بیٹھی تھی۔

تصدق کا منہ بدستور پھولا ہوا تھا۔ وہ ڈرائیور کے ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے اور طالوت کی رگ شرارت پھڑک رہی تھی' چنانچہ اس نے بڑے پیار سے انہیں پکارا۔

"بھائی تبرک!" تصدق چونک پڑا۔

"جی! فرمایئے۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ناراض ہیں؟"

"آپ سے ناراض ہو سکتا ہوں۔ مالکان کے منہ چڑھے ہیں اور مجھے بہرحال ملازمت کرنی ہے۔" تصدق نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں۔ ایسا بھی کیا۔ ہر انسان کو عزت عزیز رکھنا چاہیے۔ ملازمتیں تو بہت مل جاتی ہیں۔" طالوت سنجیدگی سے بولا۔

"اوہ! اب میں سمجھا۔ شاید آپ نے یہاں ملازمت حاصل کرنے کے لیے یہ چکر چلایا ہے لیکن آپ میری ہی جگہ لینے پر کیوں تلے ہوئے ہیں۔ تنویر صاحب سے کہیں کچھ اور بندوبست کردیں گے۔"

"میری بات ہو چکی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کسی طرح تبرک سے جان چھڑا دو' اس کی جگہ دے دوں گا۔ فی الحال اور کوئی سیٹ خالی نہیں ہے۔" طالوت نے سنجیدگی سے کہا۔

"ارے نہیں یوسف بھائی۔ آپ کہاں ملازمت کرتے پھریں گے۔ جانے دیں۔" کمال نے ہنستے ہوئے مداخلت کی۔

"ہاں۔ اور کیا۔ اور پھر آپ کو ملازمت کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ آپ کی ملازمت تو گئی ہوئی ہے۔" تصدق نے بھرپور چوٹ کی اور مجھے غصہ آگیا۔

کمال بھی ایک دم سنجیدہ ہوگیا تھا۔ شکیلہ الجھن آمیز نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہی تھی۔

"آپ نے پھر بدتمیزی کی تصدق صاحب۔" کمال سنجیدگی سے بولا۔

"سوچ سمجھ کر کی ہے۔ براہ کرم آپ مداخلت نہ کریں۔" تصدق غرایا۔

"یعنی۔ کیا مطلب؟" کمال نے بھی بگڑ کر پوچھا۔

"اس سے پہلے وہ بدتمیزی کرتے رہے ہیں' آپ اس وقت کچھ نہیں بولے۔ میں بھی کہاں تک برداشت کرسکتا ہوں۔ میں تنویر صاحب کو جواب دے لوں گا اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ اور کوئی ناخوشگوار واقعہ نہ ہو تو آپ انہیں سمجھا لیں۔" تصدق نے کہا۔

"بھئی یہ کیا ہو رہا ہے! ہم لوگ پکنک پر چل رہے ہیں نہ کہ جھگڑا کرنے۔" شکیلہ الجھ کر بولی۔

"ڈرائیور گاڑی روکو۔" کمال نے غصیلے انداز میں کہا اور ڈرائیور نے جیپ روک دی "آپ نیچے اتر جایئے مسٹر تصدق۔" کمال نے کہا۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟"

"آپ فوراً نیچے اتر جایئے۔ آپ چاہیں تو کسی دوسری گاڑی میں آسکتے ہیں۔ نہ آنا چاہیں تو واپس چلے جائیں۔"

"یہاں سے میں کیسے واپس جاؤں گا؟" تصدق بھی غرایا۔

"میں نہیں جانتا۔" کمال نے کہا اور تصدق دانت پیستا ہوا نیچے اتر گیا "چلو۔" کمال نے کہا اور جیپ آگے بڑھ گئی۔

"یہ تو اچھا نہیں ہوا۔" شکیلہ نے پریشانی سے کہا۔

"ٹھیک ہے افشاں باجی۔ آپ فکر نہ کریں۔" کمال نے جواب دیا۔ تصدق کسی دوسری گاڑی میں نہیں بیٹھا تھا۔

تنویر صاحب کا باغ واقعی بے حد حسین تھا۔ اسے ایک اعلیٰ پائے کی تفریح گاہ بنانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی تھی۔ سوئمنگ پول' اعلیٰ مکان' خوب صورت روشیں۔ بعض مقامات کو بے حد حسین شکلیں دی گئی تھیں اور پھر کھانے پینے کا عمدہ بندوبست۔ تصدق کے واقعے سے طبیعت کچھ مکدر ہوگئی تھی لیکن بہرحال دوسرے لوگوں کو کوئی تفصیل نہیں معلوم تھی اور پھر یوں بھی تصدق کی کوئی خاص حیثیت نہیں تھی اس لیے کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ لڑکیوں نے ٹولیاں بنالیں۔ لڑکوں نے اپنی الگ ٹولیاں بنالیں۔ نہانے کا پروگرام بنایا گیا پھر دوپہر کا عمدہ کھانا۔

طالوت کو سوئمنگ پول بے حد پسند آیا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد پھر نہانے کا پروگرام بنایا گیا اور ہم سوئمنگ پول میں اتر گئے۔ یوں شام کے تقریباً چار بج گئے' تب کمال نے واپسی کی تیاری کی تجویز پیش کی۔

"بالکل!" ہم نے تائید کی۔

"جاؤ سب کو اطلاع کردو۔" کمال نے کچھ ملازموں سے کہا اور ملازم باغ میں دور دور تک پھیلے ہوئے لوگوں کو اطلاع دینے دوڑ گئے۔ ساری ٹولیاں یکجا ہونے لگیں اور تھوڑی دیر کے بعد سبھی واپس آگئے۔

"شکیلہ کہاں ہے؟" طالوت نے کہا اور میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"شکیلہ کہاں ہے کمال؟" میں نے پوچھا۔

"ایں۔ ہاں۔ افشاں باجی کہاں ہیں؟" کمال بھی ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر ہم دوسروں سے شکیلہ کے بارے میں معلوم کرنے لگے اور پھر عجیب سی پوزیشن ہوگئی۔ پتہ چلا کہ شکیلہ کو کافی دیر سے کسی نے نہیں دیکھا۔

نہ جانے کیوں میری چھٹی حس کسی گڑبڑ کا اعلان کرنے لگی۔

اور پھر سب ہی پورے باغ میں پھیل گئے۔ ایک ایک گوشہ چھان مارا گیا لیکن کسی جگہ شکیلہ کا پتہ نہیں چل سکا۔ بڑی عجیب پوزیشن تھی۔ آخر شکیلہ کہاں گئی؟

سب ہی خوف زدہ ہوگئے تھے۔ رات ہوگئی لیکن شکیلہ کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔

"عارف!" طالوت نے ایک گوشے میں جاکر کہا۔

"کیا شکیلہ کی گمشدگی میں تصدق کا ہاتھ ہوسکتا ہے۔" طالوت ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"تصدق!" میں چونک پڑا۔

"ہاں۔ وہ کمینہ فطرت انسان ہے۔ ممکن ہے اس نے کسی انتقامی جذبے کے تحت ایسی کوئی حرکت کی ہو۔"

"میں نہیں سمجھتا لیکن یہ ثابت کرنا سخت مشکل ہوگا۔"

"میں اس سے اگلوالوں گا۔ اگر اس نے انتقاماً یہ حرکت کی ہے تو پھر اسے معاف کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔" طالوت نے غراتے ہوئے کہا۔
"لیکن طالوت! اس حرکت کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟"
"بس انتقام۔ ہمیں پریشان کرنے کی کوشش۔"
"لیکن یہ تو جرم ہے۔"
"وہ صورت ہی سے جرائم پیشہ معلوم ہوتا ہے۔"
"بات بہت الجھی ہوئی ہے۔ اگر مذاق ہی مذاق میں یہ معاملہ اس حد تک سنجیدہ ہو گیا ہے تو۔۔۔"
"تو پھر اور بتاؤ شکیلہ کہاں جا سکتی ہے؟"
"ممکن ہے طالوت! اس کی گمشدگی میں دوسروں کا ہاتھ ہو۔"
"دوسرے کون؟"
"وہ جنوں نے افشاں کو غائب کیا ہے۔" میں نے کہا اور طالوت کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے شدید الجھن کا اظہار ہو رہا تھا اور میں جانتا تھا کہ اس وقت وہ کس قدر کوفت میں مبتلا ہے۔ وہ ایک اشارے میں سارے راز کھول سکتا تھا لیکن اب اس کے ہاتھ کٹے ہوئے تھے۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔
"ہو سکتا ہے۔" وہ آہستہ سے بولا۔
اور پھر کمال ہمارے پاس پہنچ گیا "اب کیا ہو گا عارف بھائی؟"
"کیا کہا جا سکتا ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔
"بڑی پریشانیاں کھڑی ہو گئیں۔ آخر وہ یہاں سے کہاں جا سکتی ہیں؟"
"کمال! کیا ہم اس میں تصدق کے ہاتھ پر غور کریں؟" میں نے کہا اور کمال بھی اچھل پڑا۔
"تصدق؟ مگر کیوں؟"
"ہم سے انتقام۔"
"ممکن نہیں ہے لیکن آپ اس بارے میں تحقیقات کر سکتے ہیں۔ تصدق کی فطرت میں گھناپن بہت ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کہاں تک جا سکتا ہے۔"
"وہ جہاں تک جا سکتا ہے، ہم اسے واپس بھی لا سکتے ہیں۔"
"اب کیا کیا جائے؟"
"کوئی ممکنہ جگہ رہ گئی ہے؟"
"کوئی بھی نہیں۔"
"بس تو واپس چلو۔"

"بڑی ماں کی حالت پھر خراب ہو جائے گی۔"
"بہرحال، انوکھی واردات ہے۔ ہم بھی سخت پریشان ہیں۔" میں نے کہا اور کمال خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم واپس چل پڑے۔ جتنے لوگ پکنک پر آئے تھے، وہ سخت پریشان تھے اور پھر گھر واپس آئے تو کہرام مچ گیا۔ بہرحال شکیلہ کی گمشدگی کی اطلاع بڑی ماں کو دینا ہی تھی۔ حسب معمول بڑی ماں کے اوپر بہت برا اثر پڑا۔ وہ ایک دم خاموش ہو گئیں۔ خلا میں گھورتی رہیں، پھر لیٹ کر سو گئیں اور جاگیں تو ان کی وہی کیفیت تھی۔
"تصدق۔ تصدق کہاں ہے؟" انہوں نے پوچھا۔
"باہر موجود ہے، بالاکس بڑی ماں۔"
"نہیں۔ اسے بتا دو، حادثہ ہو گیا۔ پھر حادثہ ہو گیا۔" بڑی ماں نے درد بھرے لہجے میں کہا اور سب کے دل دکھ کر رہ گئے۔ ہم دونوں بھی اس وقت وہیں موجود تھے۔ طالوت نے مجھے چلنے کا اشارہ کیا اور میں اٹھ گیا۔ ہم دونوں باہر نکل آئے۔ طالوت کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ وہ خاموشی سے آگے بڑھ گیا اور پھر اس نے ایک ملازم کو روکا۔
"تصدق کہاں ہے؟"
"اپنے مکان میں گئے ہیں جناب!"
"آؤ۔" طالوت نے کہا اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔
"کیا خیال ہے طالوت؟"
"تصدق سے بات کریں گے۔"
"براہ راست؟"
"ہاں!"
"مگر کیا یہ مناسب رہے گا؟"
"اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں ہے۔" طالوت کے لہجے میں خرابٹ تھی۔
"پھر بھی۔۔۔"
"آ جاؤ یار۔" طالوت نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا اور میں نے شانے ہلا دیے۔ طالوت کے ارادے اچھے نہیں تھے۔ بہرحال ہم دونوں تصدق کے مکان پر پہنچ گئے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ طالوت اندر داخل ہو گیا۔ تصدق ایک کرسی پر بیٹھ کر جوتے اتار رہا تھا، ہم دونوں کو اس طرح داخل ہوتے دیکھ کر وہ چونک پڑا۔
"کھڑے ہو جاؤ!" طالوت نے سرد لہجے میں کہا۔
"کیا تنویر صاحب نے تمہیں اس پورے علاقے میں دندناتے پھرنے کی اجازت بھی دے دی ہے؟" تصدق نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔



"کھڑے ہو جاؤ!" طالوت اسی انداز میں بولا۔
"میں تمہارے باپ کا ملازم نہیں ہوں۔ نکل جاؤ یہاں سے۔"
تصدق کا جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ طالوت کی ٹھوکر اس کی کرسی پر پڑی اور کرسی الٹتے الٹتے بچی۔ تصدق اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ خوں خوار انداز میں ہم دونوں کو گھور رہا تھا۔
"میں بھی خود کو باز نہیں رکھ سکوں گا اور اس کے بعد جو کچھ ہو گا، اس کے ذمے دار تم ہو گے۔" اس نے خوفناک لہجے میں کہا۔
"وہاں سے تم کہاں گئے تھے؟" طالوت نے پوچھا۔
"کہاں سے؟" تصدق بے اختیار بولا۔
"پکنک پر جاتے ہوئے۔ اس جگہ سے، جہاں سے تمہیں اتار دیا گیا تھا۔"
"جہنم میں۔ تم سے غرض؟" تصدق سنبھل گیا۔
"شکیلہ کہاں ہے؟"
"وہ بھی جہنم میں گئی۔ چلو، تم باہر نکلو۔" تصدق آگے بڑھا اور اچانک طالوت کا ہاتھ گھوم گیا۔ تصدق کے پھولے ہوئے گال سے ایک زوردار آواز بلند ہوئی تھی اور تصدق آپے سے باہر ہو گیا۔ وہ پاگلوں کی طرح جھپٹا اور میں نے اس کے پاؤں میں پاؤں پھنسا دیا۔ تصدق پیٹ کے بل گرا تھا اور اس کے حلق سے عجیب عجیب آوازیں نکلنے لگیں۔
طالوت نے اوپر سے اس کے کئی ٹھوکریں رسید کر دیں اور تصدق بلبلانے لگا۔ وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔
"بتاؤ شکیلہ کہاں ہے؟" میں نے کہا۔
"مجھے کیا معلوم سور کے بچے۔" وہ دھاڑا۔
"جھوٹ بولتے ہو۔ میں تمہاری کھال تمہارے بدن سے اتار لوں گا۔"
"میں۔ میں کہے دیتا ہوں، میں تم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا سمجھے۔ میں۔ میں۔ تصدق۔" پاگلوں کے سے انداز میں بولا۔
"شکیلہ کے بارے بتاؤ۔"
"نہیں بتاؤں گا۔ کچھ نہیں بتاؤں گا۔" تصدق نے کہا اور اسی وقت کمال اندر پہنچ گیا۔ اندر کا ماحول دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا تھا "آؤ۔ آؤ تم بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ آ جاؤ۔" تصدق دہاڑا۔
"کیا۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟" کمال بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔
"مار رہے ہیں مجھے۔ شکیلہ کا پتہ پوچھ رہے ہیں۔ ہاں، میں نے اسے اغوا کیا ہے۔ پوچھ لو مجھ سے اس کا پتہ۔ پوچھو۔ آؤ۔ تم بھی شریک ہو جاؤ۔"
کمال احمقوں کے سے انداز میں سر کھجانے لگا۔ پھر اس نے ہماری طرف رخ کر کے کہا "وہ۔ ماموں جان اچانک آ گئے ہیں۔ صورت حال ان کے علم میں بھی آ گئی ہے۔ آپ لوگوں کو پوچھ رہے ہیں۔"
"آ گئے۔ آ گئے تنویر صاحب۔ اب ان کے ساتھ ہی بات ہو گی۔" تصدق نے بپھرے ہوئے انداز میں کہا۔
"تمہیں بھی بلایا ہے۔ اپنا حلیہ درست کر کے آ جاؤ۔" کمال نے تصدق سے کہا اور پھر ہم دونوں کے بازو پکڑ کر باہر لے جانے لگا۔ ہم بھی باہر نکل آئے تھے۔ طالوت کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔
"کیا اس نے ہاتھاپائی شروع کی تھی؟" کمال نے پوچھا۔
"نہیں۔ ہم نے اسے مارا ہے!" طالوت بولا۔
"اوہ!" کمال نے آہستہ سے کہا۔
"اعتراض ہے تمہیں؟" طالوت نے پوچھا۔
"نن۔ نہیں۔ مم۔ میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔"
"شکیلہ کو میں اس کے پاس سے برآمد کروں گا۔" طالوت نے کہا۔
"اگر آپ کو یقین ہے تو ماموں جان سے کہہ دیں۔ وہ اگلوا لیں گے۔" کمال نے جواب دیا۔ ہم میں سے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے طالوت کے شدت سے بگڑے ہوئے موڈ کا احساس تھا۔ بالآخر ہم تنویر صاحب کے سامنے پہنچ گئے۔
"سنو!" طالوت نے آہستہ سے کہا۔
"جی۔"
"تنویر صاحب کو اس واقعے کا علم نہ ہونے پائے۔ صرف تم لاعلمی کا اظہار کرو گے۔"
"پلیز۔" کمال آہستہ سے بولا۔
"اوہ۔ اوہ۔ عارف۔ یوسف۔ یہ۔ یہ۔ یہ کیا ہوا۔ یہ کیا ہو گیا ہے؟" تنویر جمال مضطربانہ انداز میں آگے بڑھتے ہوئے بولے۔ ہم نے کوئی جواب نہیں دیا۔
"تم لوگ۔ تم لوگ بھی ہم بدنصیبوں کے چکر میں آ گئے۔ ہماری نحوست تم تک پہنچ گئی۔" تنویر صاحب بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔
"بہرحال شکیلہ کو برآمد کرنا ہو گا تنویر صاحب!"
"ہوں۔ کاش۔ وہ برے ہاتھوں سے محفوظ رہے۔ خدا

کرے۔ مگر۔ کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔ آخر یہ ہو کیا رہا ہے۔ آخر یہ ہو کیا رہا ہے۔" تنویر صاحب پریشانی سے بولے "تم نے کوئی اندازہ لگایا عارف۔۔!"

"بڑی عجیب صورت حال ہے تنویر صاحب۔ پہلے بھی مجھے شک تھا کہ افشاں صاحبہ کی گمشدگی میں کسی ایسے شخص کا ہاتھ بھی ہے جو یا تو اس خاندان سے کوئی تعلق رکھتا ہے یا پھر کسی حیثیت سے وہ یہاں موجود ہے۔"

"ایں۔ یعنی۔ کیا مطلب؟" تنویر صاحب چونک پڑے۔ ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔

"میرا یہی اندازہ ہے۔"

"مگر شکیلہ۔ شکیلہ کے اغوا کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟!"

"ہم نہیں جانتے۔"

"بڑی پریشانی کی بات ہے لیکن کیا تمہارے ذہن میں کسی آدمی کا نام ہے؟" تنویر صاحب نے پوچھا۔ اس سے قبل کہ ہم کوئی جواب دیں، تصدق آندھی و طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا حلیہ بری طرح بگڑا ہوا تھا۔ تنویر صاحب چونک پڑے۔

"کیا بدتمیزی ہے۔" تنویر صاحب بڑبڑائے "تم نے اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں لی؟"

"صورت حال دوسری ہے۔" تصدق نے قہر آلود انداز میں انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

"باہر جاؤ۔ دروازے پر رک کر اجازت طلب کرو پھر اندر آؤ۔" تنویر صاحب غرائے۔

"پانی سر سے گزر چکا ہے۔ آج کچھ نہیں سنوں گا۔" تصدق نے چیخ کر کہا۔

"بالکل ہی پاگل ہو گیا ہے۔ مجھے پہلے ہی شبہ تھا۔"

"میرے ایک سوال کا جواب دیں۔" تصدق نے کہا۔

"پوچھو بھائی۔ پوچھو۔" تنویر صاحب نہ جانے کیوں نرم پڑ گئے۔

"کیا میں نے یہاں پرورش نہیں پائی؟"

"پائی ہے۔"

"میں غدار ہوں؟"

"غور نہیں کیا۔"

"اب غور کریں۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ میں غداری کرنے جا رہا ہوں۔ میں یہاں دو خون کروں گا۔" تصدق نے پستول نکال لیا۔

"خوب!" تنویر صاحب اسے غور سے دیکھنے لگے۔

"ان دونوں نے مجھے مارا ہے۔" اس نے پستول کا رخ ہماری طرف کر لیا۔

"ایں۔" تنویر صاحب نے بوکھلا کر ہمیں دیکھا۔ کمال اپنی جگہ سے کھسک رہا تھا۔ اس نے اپنی جگہ بدل لی تھی اور پستول کی زد سے نکل گیا تھا۔

"کمال ہے!" طالوت بولا۔

"کیوں مارا تھا؟" تنویر صاحب نے پوچھا۔

"ان سے پوچھو۔" تصدق نفرت سے بولا۔

"کیوں بھئی۔ کیا بات ہوئی تھی؟"

"تصدق صاحب کو شاید کوئی ذہنی صدمہ پہنچا ہے۔ یہ ہمارے لیے قابل احترام ہیں۔" طالوت بولا۔

"کیا مطلب؟ یعنی کیا مطلب؟" تصدق بوکھلا کر بولا۔

"میں کیا عرض کروں تنویر صاحب۔ کیا یہ نشے کے عادی ہیں؟" طالوت نے پھر سے کہا۔

"نہیں چھوڑوں گا۔ خدا کی قسم نہیں چھوڑوں گا۔" تصدق نے کہا اور پستول سیدھا کر لیا لیکن دوسرے لمحے کمال نے وہ تپائی اس کے پستول والے ہاتھ پر ماری، جس کے قریب شاید وہ اسی ارادے سے کھڑا ہو گیا تھا۔

اور تصدق کی چیخ نکل گئی۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔ تنویر صاحب نے جلدی سے آگے بڑھ کر پستول اٹھا لیا اور پھر وہ خون خوار نگاہوں سے تصدق کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"اب۔ اب کیا کہتے ہو۔ تم میرے سامنے خون خرابے پر آمادہ تھے۔"

"میرے ساتھ۔ میرے ساتھ ظلم ہوا ہے۔ ان لوگوں نے مجھے مارا ہے۔ سب میرے خلاف کھڑے ہو گئے ہیں۔ میں۔ میں کس سے فریاد کروں۔" تصدق نے کہا۔

"میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا۔ یہ۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" تنویر صاحب پریشانی سے بولے۔ ہم لوگ اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے تھے۔ تنویر صاحب نے ہماری طرف دیکھا اور پھر تصدق کی طرف۔ پھر وہ آہستہ سے بولے "تصدق! تم واپس جاؤ۔ میں تم سے پھر بات کروں گا۔"

اور تصدق ہاتھ پکڑے باہر نکل گیا۔ اس نے کمال کو بھی قہر آلود نگاہوں سے دیکھا تھا پھر تنویر صاحب گہری سانس لے کر بولے "آپ لوگ محسوس نہ کریں۔ میں شرمندہ ہوں مگر میری سمجھ میں نہیں آتا، اس کا دماغ کیوں الٹ گیا۔"

"آدھا تو پہلے ہی الٹا ہوا تھا۔ ویسے تنویر صاحب! شکیلہ کو ضرور مل جانا چاہیے اور اس کے ساتھ ہی یہ اجازت بھی



کہ ہم اپنے طور پر اس کا سراغ لگانے کے لیے آزاد ہیں۔"

"ہاں۔ ہاں یقیناً! آپ لوگ بھی میری وجہ سے مصیبت کا شکار ہوئے ہیں۔"

"تب براہ کرم۔ آپ فرمائیں گے کہ کیا تصدق کے پاس اس پستول کا لائسنس موجود ہے؟"

"ایں؟" تنویر صاحب اچھل پڑے "ارے۔ پستول۔ یہ پستول کہاں سے آیا؟!"

"تصدق کا ہے۔" میں نے کہا۔

"تصدق کے پاس پستول نہیں تھا؟!"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تصدق اور پستول، دو متضاد چیزیں ہیں۔ ارے اس نے پرورش ہی یہاں پائی ہے۔ بڑا بزدل سا انسان ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"بہرحال تنویر صاحب! آپ اس سے پستول کے بارے میں معلوم کریں گے۔ ویسے ہم دونوں آپ سے پورے پورے تعاون کے لیے تیار ہیں لیکن بہرحال شکیلہ کی تلاش بھی ہمارا فرض ہے۔"

"یقیناً۔ یقیناً۔ ویسے دوستو! میں ذاتی طور پر تم سے شرمندہ ہوں۔ میں تو تمہیں مہمان بھی نہیں کہہ سکتا کیونکہ مہمانوں کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہوتا۔ ویسے میں تم سے کچھ اور گفتگو بھی کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی فرمائیے!"

"میں بذات خود درگاپور گیا تھا۔"

"اوہ! آپ تنویر صاحب؟" ہم دونوں چونک کر بولے۔

"بس دل کو تو تسلی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے صبر آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"یقیناً۔" میں نے ہمدردی سے کہا۔

"چنانچہ جس کام سے گیا تھا، وہ مکمل کیا اور پھر اپنے چند ساتھیوں کو لے کر درگاپور پہنچ گیا۔ درگاپور میں تو حال ہی میں بہت سی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ وہاں کی حکومت تک بدل گئی ہے۔ چنانچہ میں نے نہایت احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ اپنا کام شروع کر دیا اور بہت جلد مجھے شکیلہ کی کہانی معلوم ہو گئی۔ وہی کہانی درست ہے جو تم نے سنائی تھی۔"

"آپ نے وہاں مسلمانوں کے علاقے میں قیام کیا تھا؟" طالوت نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہاں۔ بڑی پراسرار روایات سننے میں آئی ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ آسمان سے ایک فرشتہ اترا تھا اور وہ درگاپور کے مسلمانوں کی قسمت ہی بدل گیا۔ اس سے قبل وہاں ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ ان پر مظالم کیے جاتے تھے لیکن سارے ظالم عجیب سی موت مر گئے اور اب نئی حکومت نے تو مسلمانوں کو اتنی آسانیاں، اتنے حقوق دیے ہیں جو وہاں کے ہندوؤں کو بھی حاصل نہیں ہیں۔"

"اوہ!" میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میری بہن اور میرے دوست قول کے پکے تھے۔ طالوت بھی متاثر نظر آ رہا تھا۔

"بہرحال شکیلہ کی داستان سنی۔ بلاشبہ وہ میری افشاں نہیں ہے۔ نہ جانے میری افشاں کہاں ہے؟"

"آپ ہم سے بازپرس نہ کریں تنویر صاحب! تو ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ افشاں کا پتہ ضرور لگا لیں گے۔"

"بازپرس سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"ہم جو کچھ کرتے پھریں، اس کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ نہ کی جائے، بلکہ اسے مصلحت سمجھا جائے اور اب تو یہ ضروری ہو گا۔ مجھے شبہ ہے کہ افشاں کو غائب کرانے والے ہی شکیلہ کو بھی اغوا کر لے گئے ہیں۔"

"مگر عارف میاں۔ عارف میاں! کیا تمہیں کسی پر شبہ ہے؟"

"ابھی نہیں۔ بہرحال جس طرح دوسرے لوگ کام کر رہے ہیں، ہمیں بھی کام کرنے دیا جائے۔"

"میری طرف سے کھلی اجازت ہے۔ میرے لیے جو بھی خدمت ہو، فوراً بتا دیں۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"شکریہ! اس بگڑے ہوئے سانڈ کو آپ سمجھا دیں۔ ورنہ شاید ہم بھی خود پر قابو نہ پا سکیں۔"

"میں اسے آج ہی باغ روانہ کر دیتا ہوں۔ وہ یہاں رہے گا ہی نہیں۔"

"یہی درست ہے۔" میں نے کہا اور طالوت چونک کر میری شکل دیکھنے لگا۔ بہرحال پھر ہم تنویر صاحب سے اجازت لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے کمرے میں آ گئے۔ طالوت کسی خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ کچھ سوچتا ہوا ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں بھی خاموش تھا پھر ہم دونوں نے ہی ایک دوسرے کی شکل دیکھی اور طالوت نے کہا۔

"کیا تصدق کا کوٹھی سے چلا جانا مناسب ہو گا؟"

"انتہائی مناسب۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"کیا مطلب؟" طالوت چونک کر بولا۔

"اس طرح وہ کھل کر سامنے آ جائے گا۔ ہم اس کا تعاقب کریں گے۔ وہاں وہ غیر محتاط ہو جائے گا اور آسانی سے اس کی شخصیت کھل جائے گی۔"

"ہوں۔" طالوت کسی خیال میں ڈوب گیا پھر چند

ساعت کے بعد گردن اٹھا کر بولا "یہ بھی تو ہو سکتا ہے عارف کہ ہم بلاوجہ اس پر شک کر رہے ہوں۔ ممکن ہے ان معاملات سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔"

"ہاں۔ ممکن تو ہے۔"

"پھر کیا ہوگا؟"

"کوشش کرتے رہیں گے طالوت! باقی جو کچھ خدا کی مرضی ہوگی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن عارف! شکیلہ کو ڈھونڈنا چاہتے۔" طالوت کی آواز میں غرابت تھی "خواہ اس کے لیے مجھے اپنی سطح سے گرنا پڑے۔ خواہ اس کے لیے مجھے ابا حضور سے فریب کرنا پڑے۔"

"ابا حضور!" میں نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں عارف! وہ کرنا پڑے جو میں نہیں چاہتا۔" طالوت پرخیال انداز میں بولا۔

"مجھے بتانا پسند کرو گے؟"

"ہاں عارف! بعض اوقات میں مختلف انداز میں سوچنے لگتا ہوں۔ میں۔ تم جانتے ہو میں عیش و عشرت کی زندگی نہیں گزارنا چاہتا' لوگوں پر فوقیت میری زندگی کا مقصد نہیں ہے لیکن تمہاری اس دنیا میں مکر و فریب کے اتنے جال بچھے ہوئے ہیں' قدم قدم پر ایسے زہریلے ناگ پھنکار رہے ہیں کہ ان کے درمیان سانس لینے کے لیے طاقت کی ضرورت ہے۔ طاقت کے بغیر یہاں زندہ رہنا ناممکن ہے۔ جب تک میں اپنی حیثیت میں رہا' میں نے مکر و فریب کے یہ جال توڑے لیکن میری طاقت چھن گئی اور آج میں شکیلہ جیسی مظلوم لڑکی کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میں اپنی طاقتیں دوبارہ حاصل کر سکتا ہوں لیکن اس کے ساتھ کچھ مشکلات ہیں۔"

"کیا طالوت؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے اپنی دنیا میں واپس جانا پڑے گا۔ مجھے ابا حضور کے سامنے سرنگوں ہونا پڑے گا اور پھر ممکن ہے وہ مجھے دوبارہ اس دنیا میں آنے کی اجازت نہ دیں۔ ممکن ہے میرے اوپر کچھ ایسی بندشیں عائد کر دی جائیں کہ میں یہاں واپس نہ آسکوں۔"

"نہیں نہیں طالوت! ہم ایسے ہی گزارہ کر لیں گے۔ میں۔ میں تمہیں تمہارے والدین سے دور تو نہیں رکھنا چاہتا لیکن میں خود بھی تم سے دور نہیں رہوں گا۔ میں بھی اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا میرے دوست۔"

"میں جانتا ہوں اور یقین کرو عارف! میں خود بھی تم سے علیحدہ رہنا پسند نہیں کرتا۔ بس شکیلہ کے ملنے میں بے بسی پر میں سوچتا ہوں۔"

"ہم دوسری طرح اسے تلاش کریں گے۔"

"نہ جانے کیوں عارف! اس تصدق کو چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"کیا مطلب؟"

"میرے ذہن کی گہرائیوں میں یہ شک ہے کہ شکیلہ کے اغوا میں اسی کا ہاتھ ہے۔"

"ہم اسے چھوڑیں گے تو نہیں۔" میں نے کہا اور طالوت خاموش ہو گیا۔ کافی دیر تک ہم یونہی خاموش بیٹھے رہے۔ پھر طالوت نے بیزاری سے کہا۔

"اٹھو یار۔ آوارہ گردی کریں گے۔ یہاں تو نحوست طاری ہو گئی ہے۔ اٹھو۔" اور میں اٹھ گیا۔ ہم دونوں کسی سے کچھ کہے بغیر باہر نکل آئے اور پھر آوارہ گردی کرتے ہوئے کہیں سے کہیں نکل گئے۔

اچھا خاصا شہر تھا۔ بہت بڑا نہیں تھا لیکن جدید وقت کی ساری ضروریات سے آراستہ تھا۔ چھوٹے چھوٹے خوب صورت ریستوران جگہ جگہ موجود تھے۔ رہائشی ہوٹل بھی کئی کئی منزلہ تھے۔ ہم پیدل چلتے رہے اور پھر میں تھکن محسوس کرنے لگا۔

"طالوت!" میں نے ایک گہری سانس لے کر اسے پکارا۔

"ہوں۔"

"کیا ارادے ہیں بھائی۔ کب تک سفر جاری رہے گا؟"

"تھک گئے؟" طالوت مسکرایا۔

"اگر تھوڑی دیر اور اسی طرح چلتے رہے تو پہلے بیٹھوں گا پھر لیٹ جاؤں گا اور تمہیں باقی سفر مجھے کندھے پر لاد کر طے کرنا پڑے گا۔"

"اوہ! تو پھر آؤ سامنے چلتے ہیں۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ چار منزلہ ہوٹل کی خوب صورت عمارت میری نگاہوں کے سامنے تھی جس پر فلاڈیلفیا کا نیون سائن نظر آرہا تھا۔

"چلو۔" میں نے کہا اور چند منٹ کے بعد ہم ہوٹل کے شفاف ہال میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کافی خوب صورت ہوٹل تھا۔ ہال بالکل گول تھا۔ داخلی دروازے کے دونوں سمت اوپر جانے کے لیے لفٹیں لگی ہوئی تھیں۔ رہائشی کمروں میں رہنے والے اوپر نیچے آجا رہے تھے۔ طالوت نے کھانے پینے کی کچھ چیزوں کا آرڈر دے دیا۔ آرڈر سرو ہو جانے کے بعد ہم کھانے میں مشغول ہو گئے۔ طالوت کا موڈ کافی خراب تھا۔ وہ بدستور سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں بھی سر جھکائے کھانے میں مشغول رہا۔

اچانک میں نے طالوت کے ہاتھ سے چمچ گرتے دیکھا اور میں نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

"نن۔ ناممکن۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ وہ ہال کے داخلی دروازے کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا' خیریت؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی۔ ابھی واپس آتا ہوں۔" طالوت پھرتی سے کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے نیپکن پھینکا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ میں حیران رہ گیا تھا۔ ایسی کون سی چیز دیکھ لی اس نے۔ بہرحال میں نے وہیں رک کر اس کا انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ تیزی سے ایک لفٹ میں داخل ہو گیا تھا۔ دوسری لفٹ اوپر گئی ہوئی تھی۔

میں اپنے طور پر اندازے لگا رہا تھا۔ طالوت نے ضرور کسی کو اوپر جاتے ہوئے دیکھا ہے مگر کون؟ کیا تصدق؟ لیکن وہ اتنا حیران کن تو نہیں ہو سکتا۔ نہ جانے کون تھا۔ میں نے کافی کا آخری گھونٹ لیا اور پھر ویٹر کو اشارہ کر کے بل منگوایا۔ بھائی تبرک کی رقم ابھی خاصی موجود تھی۔ میں نے بل ادا کیا اور طالوت کا انتظار کرنے لگا۔

تقریباً دس منٹ کے بعد طالوت لفٹ سے اترا اور میرے پاس پہنچ گیا۔ اس کے چہرے سے حیرت جھلک رہی تھی۔ وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا اور پھر میری آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا "کمرا نمبر ایک سو ساٹھ!"

"کیا مطلب ہے؟"

"وہ اسی میں داخل ہوئی ہے۔"

"کون؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"شکیلہ!" طالوت کا جواب میرے لیے واقعی دھماکہ خیز تھا۔ میرا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"تمہیں یقین ہے؟" میں نے کئی منٹ کے بعد پوچھا۔

"میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔" طالوت نے جواب دیا۔

"تنہا تھی؟"

"ہاں! لیکن عارف' میری ذہنی کیفیت عجیب ہو رہی ہے۔" طالوت نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیوں؟"

"وہ بالکل مطمئن اور پرسکون تھی۔ اس نے ایک عمدہ لباس پہنا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر ذرا سی الجھن یا ذرا بھی تردد نہیں تھا۔"

"اوہ! تو تمہارا مطلب ہے۔"

"ہاں! میرا مطلب کچھ نہیں ہے۔ آؤ اس سے ملیں۔ صاف صاف بات کریں گے۔ عارف! اگر وہ اپنی مرضی سے آئی ہے۔ اگر اس نے اپنے اس اقدام کے بارے میں کوئی قابل قبول بات نہ بتائی تو ہم اسی وقت اس سے تعلقات منقطع کر لیں گے اور پھر یہاں سے چل دیں گے اور اس کے بعد فیصلہ کریں گے کہ آئندہ کسی کو دل سے قریب نہیں آنے دیں گے۔ کون سی مجبوری تھی جس نے اسے خاموشی سے چلے آنے پر اکسایا۔ کوئی بھی مسئلہ تھا' اسے ہمیں بتانا چاہیے تھا۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" میں نے بھی الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"تب اٹھو!" طالوت نے کہا اور میں اٹھ گیا "بل تو ادا کر دو۔"

"کر دیا ہے۔"

"خوب! آؤ۔" طالوت دوبارہ دروازے کی طرف بڑھ گیا اور پھر لفٹ سے ہم تیسری منزل پر پہنچ گئے۔ تیسری منزل کے کوریڈور میں چلتے ہوئے ہم کمرا نمبر ایک سو ساٹھ کے سامنے رک گئے۔

طالوت نے بیل بٹن دبایا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔

"کون؟" دروازے کے قریب سے شکیلہ کی آواز سنائی۔

"ویٹر!" میں نے جلدی سے آواز بدل کر کہا اور دروازہ کھل گیا۔ میں آگے ہی تھا اس لیے شکیلہ کی نگاہ پہلے مجھ پر ہی پڑی۔ تنویر صاحب کے ہاں آنے کے بعد اس نے جدید لباس پہننا شروع کر دیے تھے اور خاصی فیشن ایبل رہنے لگی تھی۔ اس وقت بھی وہ ایک عمدہ لباس میں تھی اور کافی خوب صورت نظر آرہی تھی۔ ہمیں دیکھ کر وہ چونک پڑی اور پھر اس کے چہرے پر خشونت پھیل گئی۔

"فرمایئے؟" اس نے نہایت کھردرے لہجے میں کہا اور ہم دونوں تعجب سے اس کی شکل دیکھنے لگے۔ اس کے لہجے سے بڑی دل شکنی ہوئی تھی اور طالوت کے ہونٹ سکڑ گئے۔

"خوب! غالباً تم ہمیں پہچان نہیں سکیں؟" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"جی۔ میں نہیں پہچان سکی۔" اس نے غور سے ہم دونوں کی شکلیں دیکھتے ہوئے کہا اور شاید ہمیں ہم شکل دیکھ کر اسے حیرت بھی ہوئی تھی۔

"اس کے باوجود ہم تمہیں اٹھا کر لے جائیں گے اور

باقی باتوں کا فیصلہ تنویر صاحب کے مکان پر ہی ہوگا۔" طالوت نے زہریلے انداز میں کہا اور شکیلہ کے چہرے میں نمایاں تبدیلی ہوئی۔

"اوہ! آپ مذاق کر رہے ہیں۔ ویسے اندر تو آیئے۔ غالباً آپ میرے نہ پہچاننے سے ناراض ہوگئے لیکن یقین کریں' میری یادداشت بہت خراب ہوگئی ہے۔ آیئے۔ آیئے تو سہی۔" وہ پیچھے ہٹ کر بولی اور ہم دونوں اندر داخل ہوگئے۔ شکیلہ نے دروازہ بند کردیا اور پھر مسکراتی ہوئی ہمارے سامنے آگئی۔

"وہ کون سی مجبوری ہے جس نے تمہیں ہم سے اظہار اجنبیت پر مجبور کردیا؟" میں نے پوچھا۔

"اوہ! یقین کرو۔ میں تمہیں بالکل نہیں پہچان سکی ہوں۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم نے تو پہلے بھی تمہیں پیشکش کی تھی' تم اگر بہتر مستقبل چاہتی ہو تو ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"اُف! نہ جانے تم کیا کہہ رہے ہو' میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔" اس نے پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے تم الجھ جاؤ۔ ہم تمہیں تنویر صاحب کے حوالے کردیں گے اور اس کے بعد تمہاری مرضی۔ ہم نے تو تمہارے اوپر مسلط ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔"

"میں۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔" شکیلہ گھبرا کر بولی۔

"یہ ممکن نہیں ہے۔ تمہاری وجہ سے تنویر صاحب کا پورا گھرانا پریشان ہے۔ ایک مرتبہ تمہیں ان کے سامنے ضرور جانا پڑے گا' اس کے بعد تم چاہو تو ان سے معذرت کرلینا۔ یہ تم پر فرض ہے۔"

"یعنی اگر میں نہ جاؤں تب بھی؟"

"ہاں!"

"تو۔ تو تم لوگ زبردستی کروگے۔"

"مجبوری ہے۔"

"سنو تو سہی' میں وہاں جاؤں گی لیکن۔۔۔ لیکن کچھ وقت کے بعد۔ مجھے حالات بھی تو درست کرلینے دو۔"

"یہ صرف ایک صورت میں ہوسکتا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"تم ہمیں پوری تفصیل بتادو۔"

"ہوں۔" شکیلہ گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگی' پھر اس نے ایک گہری سانس لی اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ اس نے دیوار میں لگا ہوا کال بیل بٹن دبایا اور ویٹر کا انتظار کرنے لگی۔ چند منٹ کے بعد ویٹر آگیا۔

"کیا پئیں گے آپ؟"

"کچھ نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ! یہ ممکن نہیں۔ ہم باتیں کریں گے' سنو! کافی لے آؤ۔" اس نے ویٹر سے کہا اور ویٹر گردن ہلا کر چلا گیا۔ شکیلہ کے چہرے پر سخت الجھن نظر آرہی تھی پھر وہ ایک الماری کی طرف مڑتی ہوئی بولی "چند منٹ کی اجازت دیں۔" اس نے الماری سے کچھ کپڑے نکالے اور باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ باتھ روم کا دروازہ اس نے اندر سے بند کرلیا تھا۔

طالوت نے گہری سانس لے کر میری طرف دیکھا۔

"کچھ پتا نہیں دوست' تمہاری یہ راج ہنس۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"اب تو مجھے بھی شبہ ہونے لگا ہے۔" میں نے کہا۔

"کیسا شبہ؟"

"لڑکی پراسرار ہے۔"

"یقیناً۔ نہ جانے اس نے کون سی بات درست کہی ہے اور کون سی غلط؟"

"تنویر صاحب تو درگا پور بھی ہو آئے اور وہاں تحقیقات کرکے آئے ہیں کہ وہ وہیں کی رہنے والی ہے۔"

"ارے۔ جہنم میں جائے۔ میرا تو خیال ہے اسے اس کے حال پہ چھوڑ دو۔ تنویر صاحب کے ہاں بھی واپس ہی نہ جایا جائے۔ بس یہیں سے کہیں اور چلتے ہیں۔" طالوت نے بیزاری سے کہا۔

"جیسی تمہاری مرضی لیکن کیا ذہن میں خلش نہ رہے گی؟"

"خلش تو اب بھی ہے۔ میں اس کے لیے کس قدر پریشان تھا اور وہ ہمیں پہچاننے سے بھی انکار کررہی تھی۔" طالوت نے بھاری لہجے میں کہا۔ اسی وقت ویٹر کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے اندر آگیا اور پھر باتھ روم کا دروازہ کھول کر شکیلہ بھی نکل آئی۔ اس نے لباس تبدیل کرلیا تھا اور اس کے بال کٹے ہوئے تھے۔ اتنی بےباک ہوگئی تھی وہ کہ پہلے نہ تھی۔

اس نے تین کپ بنائے اور دو ہمارے سامنے سرو کردیے۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے اور وہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی پھر اس نے چونک کر گردن اٹھائی۔

"براہ کرم۔ کافی۔" اس نے کہا اور ہم دونوں نے پیالیاں اٹھالیں "میری سمجھ میں نہیں آتا میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں۔" اس نے کافی کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"دل چاہے سمجھا دو' دل چاہے نہ سمجھاؤ۔ اگر تمہارا کوئی ذاتی معاملہ ہے تو صرف کہہ دو' ہم اس میں مداخلت نہیں کریں گے۔ اگر تم ہم سے بیزار ہو تو ہم بھی اتنے مشتاق نہیں ہیں۔"

"ہیں!" وہ تعجب سے ہمیں دیکھنے لگی۔

"ہاں! تمہارے لیے ہم جس قدر پریشان تھے' اب وہ حماقت محسوس ہورہی ہے۔"

"لیکن آپ لوگ۔۔۔ آپ لوگ۔" شکیلہ کے چہرے پر سخت الجھن نظر آرہی تھی۔ ہم خاموشی سے کافی پی رہے تھے اور اچانک مجھے محسوس ہوا جیسے شکیلہ میری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہوگئی ہو۔

"ارے۔ ارے۔" میں نے کافی کی پیالی نیچے رکھنے کی کوشش کی لیکن پھر چھناکہ ہوا اور اس کے بعد نہ جانے کیا ہوا۔ کچھ ہوش نہ رہا۔ نہ جانے کب تک۔ ہاں جب آنکھ کھلی تو طالوت کی گہری گہری سانسیں کان میں گھس رہی تھیں۔ اس کا سر ڈھلک کر میرے کندھے سے آٹکا تھا۔

سر بھاری بھاری لگ رہا تھا۔ میں نے بمشکل تمام اس کے سر کو اپنے کندھے سے اٹھایا اور وہ بھی چونک کر جاگ گیا۔ پھر اس نے ایک طویل جماہی لی اور ابھی منہ کھلا ہوا ہی تھا کہ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ اب وہ احمقوں کے سے انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا اور پھر مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ پھر اچھل پڑا۔

"عارف!" اس نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"ہوں۔" میں نے بھاری آواز میں جواب دیا۔

"کیا یہ طلسم ہوشربا ہو گیا ہے؟"

"اوہ! اتنی بکواس مت کرو' بھیجہ پگھل جائے گا۔" میں نے دانت پیس کر کہا۔

"مگر۔ یہ ہوا کیا؟ ہم کہاں ہیں؟" طالوت نے کہا اور میں غور کرنے لگا۔ یادداشت واپس آنے میں دیر نہیں لگی۔ ہم ہوٹل ہی میں تھے اور انہی صوفوں پر لڑھکے ہوئے تھے جن پر بیٹھے تھے اور۔۔۔ اور شکیلہ کمرے میں موجود نہیں تھی۔

جو کچھ ہوا تھا اس کے بعد اس کے موجود ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ یقیناً کافی نشہ آور دوا دی گئی تھی لیکن شکیلہ۔۔۔ شکیلہ! میرے ذہن پر ہتھوڑے برسنے لگے۔ یقیناً وہ ہم سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔ اس نے لباس تبدیل کرنے کے بہانے سے شاید الماری سے نشہ آور دوا نکالی اور پھر لباس تبدیل کرکے آئی اور آخر وہ کام دکھا گئی۔

"کمین شکیلہ۔ احسان فراموش۔" میں نے دانت پیسے۔

"عارف!" طالوت کھوپڑی پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

"ہوں!"

"اب کیا پروگرام ہے؟"

"چلو یہاں سے تو واپس چلیں' ورنہ ہوٹل والے ہمیں چوروں کی حیثیت سے گرفتار کرسکتے ہیں۔"

"وہ تو چلی گئی ہوگی؟"

"ظاہر ہے' اب وہ یہاں کیوں رکتی۔"

"واپس بھی نہیں آئے گی؟"

"اب کیا آئے گی۔"

"چلو بھائی۔" طالوت ٹھنڈی سانس لے کر بولا اور ہم دونوں لڑکھڑاتے ہوئے باہر نکل آئے۔ اعصاب ابھی تک کشیدہ تھے۔ بمشکل تمام باہر آئے اور پھر اسی طرح چلتے ہوئے ہم تنویر محل میں داخل ہوگئے۔ محل کے معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر غسل کیا اور کسی حد تک دماغ درست ہوگیا۔ شکیلہ کے رویے سے بہت دل برداشتہ تھے۔ ابھی تک سر دکھ رہا تھا۔

شام کو چائے پر شریک ہوئے۔ ماحول بے حد اداس تھا۔ تنویر صاحب موجود نہیں تھے۔ تصدق بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ البتہ کمال موجود تھا۔

"آپ لوگ کہیں چلے گئے تھے عارف بھائی؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔ بس ویسے ہی آوارہ گردی کرنے۔"

"شکیلہ کا بھی کوئی پتہ نہیں چل سکا؟"

"نہیں!"

"ماموں جان نے آپ کو تلاش کیا تھا۔ ایس پی صاحب آئے تھے۔ ماموں جان نے شکیلہ کے بارے میں مختصر تفصیل بتا کر ان کی گمشدگی کی رپورٹ بھی لکھوا دی ہے۔ وہ آپ سے ملنے کے خواہش مند ہیں۔"

"کون؟" میں چونک کر بولا۔

"ایس پی صاحب!" کمال نے کہا۔

"کیا ہمیں تھانے جانا پڑے گا؟"

"اوہ! نہیں۔ وہ خود کسی وقت آئیں گے۔"

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لے کر طالوت کی طرف دیکھا۔ وہ کسی حد تک خالی الذہن نظر آرہا تھا۔ چند منٹ خاموشی رہی پھر میں نے کمال سے پوچھا "تصدق نظر نہیں

"آرہا؟"

"ماموں جان نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ باغ میں جاکر رہے۔ میرا خیال ہے چلا گیا۔"

"اوہ! تنویر صاحب کہاں ہیں؟ کیا کہیں باہر چلے گئے؟"

"نہیں۔ ایس پی صاحب کے ساتھ ہی باہر نکل گئے تھے۔" کمال نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔ ان کی چائے ختم ہوگئی اور ہم دونوں اس جگہ سے اٹھ گئے۔ دوسرے لوگ بھی اپنے اپنے ٹھکانوں پر چل پڑے تھے۔

ہم اپنے کمرے میں آگئے۔ طالوت نے کمرے میں داخل ہو کر میری شکل دیکھی "کس سوچ میں ڈوب گئے عارف؟"

"پولیس کے ان ایس پی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"کیا؟"

"بہرحال، یہ میرا وطن ہے۔ پولیس کا سامنا کسی طور مناسب نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے اب یہاں سے چلو۔ شکیلہ کی وجہ سے یہاں پڑے ہوئے تھے، اب اس سے ہمارا کوئی واسطہ بھی نہیں رہ گیا۔ اب یہاں ٹھہرے رہنے سے کیا فائدہ۔ تنویر صاحب شریف آدمی ہیں۔ ہمیں ان سے ہمدردی ہے۔ خدا کرے ان کی لڑکی مل جائے، شکیلہ بھی اپنے بارے میں فیصلہ کرلے گی اور اگر وہ۔۔۔"

اسی وقت دروازے پر کسی نے دستک دی اور طالوت خاموش ہو گیا۔

"کون ہے؟ دروازہ کھلا ہوا ہے۔" میں نے بوجھل آواز میں کہا اور دروازہ کھل گیا۔ سب سے آگے پولیس کی وردی ہی نظر آئی تھی اور یہ وردی ایس پی کی تھی۔

ایس پی نے ہم دونوں کو دیکھا اور ہم نے ایس پی کو۔۔۔ اور میں ساکت رہ گیا۔

یہ آفتاب تھا۔ انسپکٹر آفتاب، جو اب ایس پی بن گیا تھا۔ اس شخص سے تو ہماری کئی جھڑپیں ہوئی تھیں۔ مجھے پہچانتے ہی اس نے پستول نکال لیا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میرا اندازہ درست تھا تنویر صاحب۔" ایس پی نے میری طرف رخ کیے کہا اور تنویر صاحب بھی اس کے پیچھے اندر آگئے۔ ان کے ساتھ تصدق بھی موجود تھا اور اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

"یعنی کہ۔۔۔ یعنی کہ۔۔۔" تنویر صاحب بولے۔

"ان میں سے ایک عارف ہے۔"

"جی ہاں۔ جی ہاں!"

"اندر آجاؤ۔" ایس پی نے باہر رخ کرکے کہا اور انسپکٹر اندر گھس آئے "دونوں کی تلاشی لو اور ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دو۔" ایس پی نے حکم دیا۔ ہم نے نہایت خاموشی سے ہتھکڑیاں پہن لی تھیں۔

"لیکن میں۔ میں یہ بات تسلیم نہیں کرسکتا۔" تنویر صاحب پریشانی سے بولے۔

"یہ ایک مسلم حقیقت ہے تنویر صاحب! مسٹر تصدق نے اس وقت پولیس کی ایسی مدد کی ہے کہ ہم ان کا شکریہ نہیں ادا کرسکتے۔ آیئے، میں آپ کو ان دونوں کی تفصیل بتاتا ہوں۔"

"لیکن میں انہیں اپنے مکان سے گرفتار نہیں ہونے دوں گا۔" تنویر صاحب بولے۔

"براہ کرم جذباتی نہ ہوں۔ آپ بے حد نیک انسان ہیں اور یہی نیکی آپ کو ایسی جگہ لے ڈوبتی کہ آپ پانی بھی نہیں مانگ سکتے۔ پہلے ان کی حقیقت سن لیں، اس کے بعد فیصلہ کریں۔"

"پھر بھی، ان کی ہتھکڑیاں نکال دیں۔ میرا خیال ہے یہ مزاحمت نہیں کریں گے۔"

"آپ صرف مزاحمت کی بات کرتے ہیں، مجھے خطرہ ہے یہ دو چار خون کرکے یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"اوہ!" تنویر صاحب خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگے۔

اور پھر ہمیں ایک دوسرے بڑے کمرے میں لے جایا گیا۔ ہم دونوں خاموش تھے۔ میں تو خیر فکرمند اور خوف زدہ تھا لیکن طالوت کے چہرے سے لاپروائی اور بیزاری کا اظہار ہو رہا تھا۔

ہال میں سب بیٹھ گئے۔ کمال بھی اندر آگیا تھا اور اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ لگتا تھا جیسے رو دے گا۔

"بات زیادہ پرانی بھی نہیں ہے۔" ایس پی نے کہا "ایک فرم تھی حشمت برادرز۔ ایک جعل ساز نے وہاں بہت بڑا ڈاکہ ڈالا اور فرار ہو گیا۔ بے حد چالاک انسان ہے یہ۔ اس نے بہت سی جگہوں پر جعل سازی کی اور پولیس کو اتنے چکر دیے کہ اسے پسینہ آگیا۔ اس نے درجنوں قتل کیے ہیں۔ پولیس کو ہدایت تھی کہ اسے جہاں دیکھے گولی مار دے۔

بہرحال اس کم بخت نے کہیں سے اپنا ایک ہم شکل



تلاش کرلیا۔ اس کی مدد سے یہ کامیابی سے فرار کرتا رہا اور میرا دعویٰ ہے کہ یہ آپ کے ہاں بھی کسی خاص پروگرام سے داخل ہوا تھا اور وہ لڑکی، ممکن ہے وہ ان کی تیسری ساتھی ہو۔ اوہ، بات کسی حد تک میری سمجھ میں آرہی ہے۔ ممکن ہے اس نے مس افشاں کی گمشدگی کی خبر سنی ہو۔ وہ آپ کی اکلوتی صاحب زادی ہیں۔ ممکن ہے یہ اس لڑکی کو اس لیے لایا ہو کہ اسے افشاں بنا کر آپ کی دولت پر قبضہ کرلے۔"

"نہیں، مجھے اس سے اختلاف ہے۔" تنویر صاحب بے ساختہ بولے۔

"کیوں؟"

"اگر یہ لوگ چاہتے تو اس لڑکی کو افشاں کی حیثیت سے پیش کرسکتے تھے، جبکہ انہوں نے اس کی مخالفت کی تھی اور اس لڑکی کی صحیح حیثیت کا میں اندازہ لگا چکا ہوں۔" تنویر صاحب بولے۔

"یقیناً کوئی گہری چال سوچی ہوگی اس نے۔ آپ نہیں سمجھتے۔ اس نے اس امکان کو بھی مدنظر رکھا ہوگا کہ اصلی افشاں واپس بھی آسکتی ہیں۔ ممکن ہے انہوں نے سوچا ہو کہ اصلی افشاں کے قتل کے بعد اپنا اصلی کام کریں گے۔"

"نہیں نہیں!" تنویر صاحب گھبرا کر بولے۔

"اور یہ اصلی افشاں کی تلاش میں ہوں۔"

"نہیں۔"

"یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ افشاں کو بھی انہوں نے ہی غائب کیا ہو۔"

"میں نہیں مان سکتا۔"

"بہت جلد سب کچھ سامنے آجائے گا۔" ایس پی نے کہا۔

"لیکن آپ کو ان پر شبہ کیسے ہوا؟" تنویر صاحب نے پوچھا۔

"تصدق صاحب نے دو ہم شکلوں کے بارے میں بتایا اور کہا کہ وہ بڑے جعل ساز معلوم ہوتے ہیں تو یونہی میرا ذہن ان کی طرف چلا گیا۔ میں نے پرانے فائل تلاش کرکے تصدق کو ان کی تصاویر دکھائیں تو اس نے تصدیق کردی۔"

"لیکن نہ جانے کیوں۔ نہ جانے کیوں میرا دل نہیں مانتا۔" تنویر صاحب بولے۔

"یہ ان کی خوبی ہے۔ کیوں دوستو!" ایس پی نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

"ممکن ہے۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم دونوں میں عارف کون ہے؟" ایس پی نے کہا۔

"کیوں بھئی۔ ہم دونوں میں سے عارف کون ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پتہ نہیں۔" طالوت بیزاری سے بولا۔

"تم لوگ ایس پی کی بات کی تردید کیوں نہیں کرتے۔" تنویر صاحب نے بے چینی سے کہا۔

"ارے۔ اتنے بڑے افسر کی بات کی تردید کیا کریں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"اور پھر اللہ نے ان کی سنی ہے۔ ہم سب بے چارے کی ترقی کی راہ میں کیوں آئیں۔" طالوت بولا۔

"ہاں اور کیا۔ اللہ انہیں ڈی آئی جی بنائے۔"

"کیا مسخرہ پن ہے۔" تنویر صاحب پریشان ہو کر بولے۔

"انہیں دعائیں دے رہے ہیں بے چارے۔ رہنے دیں۔" ایس پی ہنس کر بولا۔

"کیا یہ درست ہے کہ تم یہاں کوئی سازش کرنے آئے تھے؟" تنویر صاحب بولے۔

"صحیح بات میرا بھائی بتائے گا۔" میں نے طالوت کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں۔ ہمیں شرم آتی ہے۔" طالوت نے دانتوں میں انگلیاں دبائیں اور ایس پی نے قہقہہ لگایا۔ دوسرے لوگ البتہ سنجیدہ بلکہ پریشان تھے۔

"ارے اس میں شرمانے کی کیا بات ہے۔" میں بولا۔

"تم ہی بتا دو۔" طالوت بھی موڈ میں آگیا تھا۔

"نہیں تم!"

"ہرگز نہیں تم۔" طالوت شرم سے دہرا ہو کر بولا اور ایس پی نے پستول کا رخ طالوت کی طرف کر دیا۔

"سیدھے رہو۔ تمہاری کوئی حرکت کامیاب نہیں ہوگی۔"

"کیا مطلب؟" تنویر صاحب بولے۔

"تلاشی اچھی طرح لی ہے؟" ایس پی نے تنویر صاحب کی بات کا جواب دینے کے بجائے کہا۔

"جج۔ جی ہاں۔ جی ہاں سر۔"

"پھر یہ بچنے کی کوشش کیوں کر رہا ہے؟"

"اور دیکھتا ہوں سر۔" انسپکٹر نے کہا اور پھر اس نے طالوت کی اچھی طرح تلاشی لی۔

"کچھ نہیں ہے۔"

"کیا یہ لوگ اتنے ہی خطرناک ہیں؟" تنویر صاحب بولے۔

"میں کسی وقت ان کی فائل لے کر حاضر ہوں گا، آپ

خورد کیے لیں۔"
"اچھا۔" تنویر صاحب تعجب سے بولے۔
"تو اجازت؟" ایس پی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔
"نہ جانے کیوں دل دکھ رہا ہے۔"
"آپ نیک انسان ہیں' لیکن کبھی کبھی نیکیاں لے ڈوبتی ہیں۔ اچھا خدا حافظ۔ چلئے حضرات!" ایس پی نے کہا اور ہم شرافت سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ معاملہ اب ہمارے بس سے باہر تھا اس لیے کوئی فضول حرکت بیکار ہی تھی۔
باہر جیپ کھڑی تھی۔ ہمیں جیپ میں سوار کرا دیا گیا۔ تنویر صاحب اور کمال افسردہ تھے۔ تصدق مسکرا رہا تھا۔ جیپ اسٹارٹ ہو کر باہر نکل آئی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے۔
ہم دونوں کو لاک اپ میں بند کر دیا گیا لیکن صورت حال یہ تھی کہ لاک اپ کے چاروں طرف مسلح پولیس تعینات کر دی گئی تھی اور پولیس والے باقاعدہ ہم پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔
لاک اپ کی زمین پر بیٹھتے ہوئے میں نے گہری سانس لی اور نیم باز آنکھوں سے طالوت کی طرف دیکھنے لگا۔
"کیا خیال ہے بھائی خربوزہ!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اچھی جگہ ہے بھائی تربوزہ۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔
"ہاں۔ یہاں بڑی مہمان نوازی ہوتی ہے۔"
"خوب! لیکن ابھی تک انہوں نے چائے کے لیے بھی نہیں پوچھا۔"
"پوچھیں گے' ضرور پوچھیں گے۔ اچھی طرح پوچھیں گے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔
"تم بار بار کیوں ہنس رہے ہو؟"
"بس یار یونہی۔ ابھی میرا تماشہ ہوگا۔ ویسے یہ جگہ ہمیں راس نہیں آئی۔"
"کیا تماشہ ہوگا؟"
"میرا خیال ہے الٹا لٹکا دیں گے اور پھر مار لگائیں گے۔"
"بکواس مت کرو۔" طالوت غرایا اور میں مسکرانے لگا۔
اس کے بعد ہم دونوں خاموش ہو گئے۔
رات ہو گئی تھی۔ کسی نے ہم سے بات بھی نہیں کی۔ نہ ہی اس دوران ہمارے لیے کھانے پینے کی کوئی چیز آئی تھی۔ صبح تک بھوکے رہے۔ صبح کو معمولی سا ناشتہ ملا' جسے ہم نے خاموشی سے زہر مار کر لیا۔
دوپہر ہو گئی اور پھر تقریباً چار بجے کا وقت تھا کہ پولیس کا پورا دستہ لاک اپ پر آ گیا اور ہمیں نکال کر ایک کمرے میں لے جایا گیا۔ یہاں بہت سے شناسا چہرے موجود تھے۔ ان میں بڑے بڑے افسر بھی تھے جو خصوصی طور پر آئے تھے۔
ایس پی نے انہیں رپورٹ پیش کی اور ڈی آئی جی نے گہری نظروں سے ہمیں دیکھا۔
"کیا تم دونوں بھائی ہو؟"
"ہاں!" ہم دونوں بیک وقت بولے۔
"لیکن حشمت برادرز سے غبن کرنے والے عارف کا تو کوئی بھائی نہیں تھا؟"
"وہ کوئی اور ہوگا!" طالوت بولا۔
"بکواس مت کرو۔ سنا ہے تم بہت زندہ دل ہو۔" ڈی آئی جی غرایا۔
"ہاں! ہم تو پورے زندہ ہیں' صرف دل کی بات تو نہیں ہے۔" طالوت نے جواب دیا۔
"تم میں سے عارف کون ہے؟" ڈی آئی جی نے پوچھا۔
"ہم دونوں ہی عارف ہیں۔" طالوت نے جواب دیا۔
"مسٹر آفتاب!" ڈی آئی جی غراتے ہوئے بولا۔
"یس سر!"
"ان کا دماغ درست کرو۔"
"یس۔ یس سر!" آفتاب نے ایک انسپکٹر کو اشارہ کیا اور انسپکٹر نے طالوت کا گریبان پکڑ لیا پھر وہ اسے گھسیٹ کر ایک طرف لے گیا۔ میرے بدن میں اینٹھن ہونے لگی تھی۔
"عارف کون ہے؟ جواب دو۔" انسپکٹر نے کہا۔
"میں ہوں۔" طالوت نے سکون سے جواب دیا۔
"سچ کہہ رہے ہو؟"
"جھوٹ کیوں بولوں گا۔"
"اور اس کا نام کیا ہے؟" انسپکٹر نے میری طرف اشارہ کیا۔
"عارف!"
"پھر حرامی پن!" انسپکٹر نے ایک زنّاٹے دار تھپڑ طالوت کے گال پر رسید کر دیا اور میرے بدن میں بجلیاں دوڑ گئیں۔
"سنو!" میں نے غراتے ہوئے کہا "میں عارف ہوں۔"
"غلط۔ میں عارف ہوں۔" طالوت بولا۔
"نہیں۔ تم خاموش رہو۔ ہاں تو عارف میں ہوں۔"
"ارے واہ۔ کیوں خاموش رہوں۔ عارف تو میں




- "ٹیلی پیتھی" ایک صدیوں پرانا اور پراسرار علم۔
- "ٹیلی پیتھی" ایک ایسا علم جس کو سیکھ کر انسان ہر چیز حاصل کر سکتا ہے۔
- "ٹیلی پیتھی" ایک ایسا علم جس کی وجہ سے انسان پراسرار قوتیں حاصل کر سکتا ہے اور دوسروں کے ذہنوں پر حکومت کر سکتا ہے۔

ٹیلی پیتھی کے موضوع پر 2 نادر و نایاب کتابیں

ٹیلی پیتھی اور مستقبل بینی
قیمت -/45 روپے — ڈاک خرچ -/23 روپے
ٹیلی پیتھی سیکھئے اپنے اور دوسروں کے مستقبل کو جانئے

ٹیلی پیتھی کی جدید تحقیقات (باتصویر)
قیمت -/45 روپے — ڈاک خرچ -/23 روپے
ٹیلی پیتھی کے موضوع پر ہونے والی تمام نئی اور پرانی تحقیقات

ان کتابوں کو پڑھنے کے بعد آپ ٹیلی پیتھی کے لاتعداد فوائد اور اس کو سیکھنے کے آسان طریقے بھی جان سکیں گے۔

یاد رکھیں — ٹیلی پیتھی سیکھنا مشکل ضرور ہے ناممکن نہیں۔

کتاب منگوانے کیلئے کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ پیشگی منی آرڈر کے ذریعے روانہ کیجئے

کتابیات پبلی کیشنز — پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
Email: kitabiat@usa.net kitabiat1970@yahoo.com

ہوں، سمجھے۔ حشمت برادرز سے غبن میں نے کیا تھا اور سارے جرائم۔"

"برائے کرم، جھوٹ مت بولو۔ ڈی آئی جی صاحب! عارف میں ہوں۔"

"میں تم دونوں کو پھانسی دوں گا، سمجھے۔"

"سمجھ گئے۔ یہی ٹھیک رہے گا۔" طالوت نے جواب دیا۔

"جہنم میں جاؤ، تم میں سے جو بھی عارف ہے۔ بتاؤ تم لوگ تنویر صاحب کے یہاں کیوں داخل ہوئے تھے؟"

"تنویر صاحب نے نہیں بتایا؟"

"کیا؟"

"یہی کہ ان کی محترمہ خود ہمیں اپنے گھر لائی تھیں۔"

"تم نے چال ہی ایسی چلی تھی کہ وہ تمہاری طرف متوجہ ہوں۔ تم جان بوجھ کر ان کے کمپارٹمنٹ میں داخل ہوئے تھے اور افشاں کی ہم شکل لڑکی تمہارے ساتھ بھی۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"تمہارا پروگرام کیا تھا؟"

"میرا خیال ہے فضول باتوں سے پرہیز کیا جائے۔ ہمارے خلاف جو کرنا ہے کیا جائے۔" میں نے کہا۔

"خوب! تم ہمیں ہدایات دے رہے ہو۔ تمہارا پورا گروہ ہے یا تنہا ہو؟" ڈی آئی جی نے کڑک کر کہا۔

"گروہ ہے پورا۔ پچیس ہزار افراد پر مشتمل!" طالوت نے جواب دیا اور انسپکٹر نے پھر اس کا گریبان پکڑ کر اس کے ایک تھپڑ مارا۔ طالوت کے منہ سے خون نکل پڑا۔

"کھال کھینچ دو اس کی۔ مار مار کر بولنے کے قابل ہی مت چھوڑو۔ مارو۔" ڈی آئی جی شاید طالوت سے بہت ناراض ہو گیا تھا۔ انسپکٹر نے طالوت کے منہ پر دو گھونسے مارے اور طالوت کافی زخمی ہو گیا۔

"انسپکٹر!" میں انسپکٹر کی طرف دوڑا اور میرا گھونسہ انسپکٹر کے منہ پر پڑا۔ انسپکٹر اچھل کر دیوار سے ٹکرایا اور وہاں سے نیچے پھسل پڑا۔ تمام لوگوں نے پستول نکال لیے تھے اور مجھے اپنا گھونسہ یاد آ گیا، طالوت کا یہ تحفہ ابھی تک میرے پاس موجود تھا۔

"پکڑلو اسے۔ پکڑلو۔" ڈی آئی جی دہاڑا اور بہت سے لوگوں نے دوڑ کر مجھے پکڑ لیا پھر چاروں طرف سے لاتیں، تھپڑ اور گھونسے برسنے لگے۔ میں نیچے گر گیا تھا۔ دوسری طرف طالوت نے بھی جدوجہد شروع کر دی اور اس کے ساتھ بھی وہی سلوک شروع ہو گیا۔

عجیب ہنگامہ شروع ہو گیا تھا۔

تب اچانک ایک خوفناک گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ دیواریں ہل گئی تھیں۔ سب لوگ دہشت زدہ ہو گئے اور پھر کمرے میں خوفناک تاریکی پھیل گئی۔ تیز ہواؤں کی آواز اور تاریکی۔ پھر نہ جانے کیسے رنگ پھیل گئے۔ عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی اور پھر یہ تاریکی میرے حواس پر چھیلتی گئی۔ ذہن عجیب سے انداز میں سو گیا تھا۔

اور پھر آنکھ کھلی تو عجیب سا محسوس ہوا۔ ذہن پر ایک خوشگوار کیفیت طاری تھی۔ بدن پھول کی طرح سبک سبک معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے چند ساعت چھت کو گھورا، ایک حسین فانوس روشن تھا پھر احساسات جاگے اور بدن کے نیچے گداز محسوس ہوا۔ میں نے گردن گھمائی۔ میرے برابر ہی طالوت سو رہا تھا۔ سفید سلک کے بستر پر حسین لباس میں ملبوس۔ میرے بدن پر بھی وہی لباس تھا۔

"انہیں ہوش آگیا ہے مادر ملکہ!" ایک ترنم سنائی دیا اور میں چونک پڑا۔ میں نے جلدی سے دوسری طرف دیکھا۔ ایک حسین شکل نگاہوں کے سامنے تھی۔ قدیم طرز کے لباس میں ہے بڑا پُرسحر چہرہ تھا۔

اور اس کے بعد کسی کے لباس کی سرسراہٹ۔ کوئی میرے قریب پہنچ گیا۔ میری پیشانی پر پیار بھرا ایک ہاتھ آ ٹکا۔

"یوسف عمران!" ایک پیار بھری آواز سنائی دی اور میں نے سرہانے کھڑی معمر عورت کی طرف دیکھا۔ تب میرا دماغ گھوم گیا۔ یہ چہرہ جانا پہچانا تھا۔ یہ شکل۔ یہ شخص!

"عمران بیٹے!" عورت نے پھر پکارا اور میں اچھل پڑا۔ ہاں! یہ شکل میں نے اسی وقت دیکھی تھی، جب میں حشمت برادرز کے یہاں سے لوٹی ہوئی رقم لے کر زمین سے سفر کر رہا تھا اور۔ اور پھر مجھے اغوا کر لیا گیا تھا۔ او ہو۔ یہ تو طالوت کی والدہ تھیں۔

میرا دماغ گھوم گیا۔

"کیسی طبیعت ہے میرے لعل؟" عورت کی آواز میں بے پناہ پیار تھا۔

"میں۔ میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں ماں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"ایں؟" بوڑھی عورت کی آواز سنائی دی۔

"ہاں۔ میں آپ کا عمران نہیں ہوں۔ آپ کا بیٹا وہ ہے۔" میں نے طالوت کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ ہے۔" عورت آہستہ سے بولی اور پھر اس نے



سوتے ہوئے طالوت کا سینہ کھول کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ اس نے طالوت کا سینہ دیکھا اور پھر مسکرانے لگی۔

"تم بھی۔ تم بھی میرے بیٹے ہو۔ میرے بچے۔ تم بھی میرے عمران کے ہم شکل ہو، اتنے ہم شکل کہ ماں بھی دھوکہ کھا گئی۔ ماں بھی دھوکا کھا گئی مگر عمران کو کیا ہوا ہے؟"

اب میں کیا جواب دیتا، میرا تو دماغ گھوم گیا تھا۔ یہ سب کچھ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

میں دیوانوں کی طرح منہ پھاڑے مہربان عورت کو دیکھ رہا تھا۔ طالوت ابھی تک یا تو بے ہوش تھا یا گہری نیند سو رہا تھا۔ مادر ملکہ کی نگاہیں ہم دونوں کو بار بار دیکھ رہی تھیں پھر انہوں نے قریب کھڑی ہوئی کنیز کو مخاطب کیا۔

"شبنمی۔ ذرا دیکھو تو۔ اگر سینے کا نشان نہ دیکھو تو کیا تم شناخت کر سکتی ہو کہ ان میں سے یوسف عمران کون ہے؟"

"سخت مشکل ہوگی مادر ملکہ!" شبنمی نے جواب دیا۔

"ارے لیکن میرا عمران ابھی تک کیوں نہیں جاگا۔ اسے جگاؤ شبنمی۔" مادر ملکہ نے کہا۔

"آشاتا، جاؤ، جلدی سے پُر سمدانہ لاؤ۔ جلدی جاؤ۔"

"ابھی لائی۔" ایک دوسری کنیز نے مستعدی سے کہا اور ایک طرف دوڑ گئی۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے میرے لعل؟" ملکہ میری طرف مخاطب ہو کر میری بولی۔

"ہاں، میں اب ٹھیک ہوں مادر مہربان!" میں نے جواب دیا۔

"لیکن میرے عمران کے چہرے پر یہ زخم کیسے ہیں، خدارا مجھے ان زخموں کی روداد سناؤ۔" ملکہ نے بے چینی سے کہا۔

"کچھ لوگوں نے آپ کے یوسف عمران کو مارا ہے۔"

"زمین کے انسانوں نے؟" ملکہ غضب ناک ہو کر بولی۔

"ہاں۔"

"شبنمی!" ملکہ نے غصے سے لرزتی آواز میں شبنمی کو پکارا۔

"مادر ملکہ۔" شبنمی نے لرزتے ہوئے ہاتھ جوڑ دیے۔

"شمشان کو بلاؤ۔"

"جو حکم۔" شبنمی بھی باہر دوڑ گئی۔ ملکہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اتنی دیر میں آشاتا ایک سفید برتن لے آئی۔ ایسا حسین برتن تھا کہ میں نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ ملکہ نے طالوت کی طرف اشارہ کیا۔ اور آشاتا وہ برتن طالوت کے چہرے سے رگڑنے لگی۔ چند ہی لمحات گزرے تھے کہ طالوت کو ایک چھینک آئی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

اور آنکھیں کھولتے ہی اس نے آواز لگائی "عارف!"

"میں یہاں ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"بھاگ چلو۔ گڑبڑ ہو گئی۔"

"کیا ہوا؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال ہے آ گئے۔" طالوت بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

"کون آ گئے؟"

"بڑے میاں۔"

"ہوش میں آؤ طالوت۔ دیکھو تو سہی تم کہاں ہو۔" میں نے کہا اور طالوت خاموش ہو گیا۔ اب پہلی بار اس نے اردگرد کے ماحول کو دیکھا تھا اور پھر اس نے جلدی سے آنکھیں میچ لیں۔

"عارف!" وہ مضحکہ خیز آواز میں بولا۔

"ہاں طالوت؟"

"مارے گئے بیٹے۔ یہ تو اپنا ہی قبیلہ معلوم ہوتا ہے۔"

"یوسف عمران!" مادر ملکہ نے اسے آواز دی اور طالوت نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں پھر اس نے ماں کی طرف دیکھا اور پھر اچھل پڑا۔

"ماں۔" دوسرے لمحے اس نے مستعدی سے مسہری سے چھلانگ لگا دی اور مادر ملکہ سے لپٹ گیا۔

"میرے بچے۔ میرے جگر کے ٹکڑے۔" مادر ملکہ نے بھی اسے بازوؤں میں بھینچ لیا اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ طالوت بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔ کئی منٹ کے بعد دونوں علیحدہ ہوئے تھے۔

"تجھے میری یاد کبھی نہیں آئی میرے لعل۔" ملکہ نے شکایتی انداز میں کہا۔

"بار بار۔ مگر تمہاری تصویر میرے دل میں تھی، جب چاہتا دیکھ لیتا تھا۔" طالوت نے فوراً جواب دیا۔

"مجھے تجھ سے بڑی شکایت ہے عمران۔ میں تیرے لیے تڑپتی تھی۔"

"کیوں ماں؟"

"میری آنکھیں تیری صورت کو ترستی تھیں۔"

"کیوں۔ کیا تمہارے دل میں میری تصویر نہیں تھی؟" طالوت نے اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"ماں سے چالاکی کی باتیں کرتا ہے عمران۔ کاش تو ماں

کا دل دکھ سکتا۔"

"مجھے معاف کر دو مادر مہربان۔ لیکن تم نے بھی تو میری خواہش پوری نہیں کی تھی۔"

"تو جانتا ہے قصور میرا نہیں۔"

"ابا حضور بہت سخت گیر ہیں۔"

"اور ان کی سخت گیری کی سزا تو نے مجھے دی۔ کیوں؟"

"میں معافی مانگ چکا ہوں۔"

"اب تو نہ جائے گا مجھے چھوڑ کر؟" ماں نے پوچھا۔

"ماں۔ میں نے بچے کی دنیا میں رہ کر جھوٹ بولنا سیکھ لیا ہے۔ یہاں مجھ سے کوئی ایسا وعدہ نہ لو کہ مجھے جھوٹ بولنا پڑے۔ میرا دل ابھی اس دنیا سے نہیں بھرا ہے۔" طالوت نے صاف گوئی سے کہا۔

"اوہ۔" ماں نے سر جھکا لیا۔ اتنی دیر میں شبنمی واپس آ گئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک خوفناک شکل کا دیو قامت شخص تھا۔ ملکہ اسے دیکھتے ہی غضب ناک لہجے میں بولی "شمشان' جاؤ زمین پر معلوم کرو میرے بیٹے کو کس نے مارا ہے۔ اس کے خاندان کو نیست و نابود کر دو۔ ایسی سزا دو اسے کہ مرنے کے بعد بھی یاد رکھے۔ جاؤ۔"

"جو حکم مادر ملکہ۔" شمشان نے سر جھکا دیا۔

"ارے ارے' ٹھہرو شمشان۔ ٹھہرو۔" طالوت بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا اور شمشان رک گیا "ماں۔ ان کاموں کو تم رہنے دو۔ زمین کے حالات بہت الجھے ہوئے ہیں۔ براہ کرم ان معاملات میں تم دخل نہ دو۔"

"نہیں عبران۔ میں تمہارے زخم نہیں دیکھ سکتی۔ اس کی جرأت کیسے ہوئی تھی۔"

"بات کچھ اور بھی ماں۔ خدارا میری بات مانو۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔ شمشان! تم جاؤ' آرام کرو۔"

"کیا حکم ہے ملکہ عالیہ؟" شمشان نے پوچھا۔

مادر ملکہ کچھ دیر تک طالوت کو دیکھتی رہی پھر اس نے دھیمے لہجے میں کہا "جب عبران تیار نہیں ہے تو رہنے دو۔"

"جو حکم۔" شمشان نے گردن جھکائی اور واپس چلا گیا۔

"بال بال بچ گئے مسٹر عارف۔ خیر کیا یاد کریں گے۔" طالوت میری طرف دیکھ کر بولا۔

"شبنمی!" ماں نے پھر آواز دی۔

"جی ملکہ عالیہ۔"

"یوسف عبران کے زخموں پر مرہم لگاؤ۔ تم نہیں جانتیں یہ بہت تو نہیں محسوس کر رہے میرے بچے۔" ماں کے لہجے میں بے قراری تھی۔ میں اس سے بہت متاثر ہوا۔

"وہ' بالکل نہیں ماں۔ انسانوں کی زمین پر تو یہ زخم عام ہیں۔ کوئی انسان آپ کو زخموں سے خالی نظر نہیں آئے گا۔" طالوت نے جواب دیا۔

"جہنم میں جائیں سارے کے سارے۔ انہوں نے تمہارے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا؟"

"وہ سب ایک دوسرے کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں۔ یہ ان کا دلچسپ مشغلہ ہے۔"

"انوکھا مشغلہ ہے اور تجھے ایسے لوگوں سے دلچسپی ہے۔"

"دلچسپی اپنی جگہ ہے ماں۔ بہرحال وہاں ایسے ایسے مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں جو ہماری دنیا میں نہیں ہوتے۔"

"اور تو ان کے درمیان رہنا چاہتا ہے۔ دل نہیں اکتاتا تیرا ان سے؟"

"وہ دنیا ایسی ہی ہے ماں۔ کون ہے جسے دکھ نہیں ہے لیکن وہ دنیا چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے۔ یہ اس دنیا کی خوبی ہے ماں۔"

"نہ جانے تجھے کیا ہو گیا ہے میرے بچے۔" مادر ملکہ نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولیں "یہ وہی بچہ ہے جسے پہلے تیرے دھوکے میں لے آیا گیا تھا؟"

"ہاں۔" طالوت نے جواب دیا۔

"کیا تجھے بھی یہ دنیا پسند نہیں آئی میرے بچے؟" مادر ملکہ نے مجھ سے پوچھا۔

"یہ سکون کی دنیا عظیم ہے ماں۔ میری دنیا میں یہ سکون کہاں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اس کے باوجود یہ اس دنیا میں خوش نہیں رہے گا۔ یہ زندگی میں ہنگامے چاہتا ہے۔ اس کا دل اپنی دنیا ہی میں لگے گا۔" طالوت نے جلدی سے جواب دیا۔ وہ مجھے گھور رہا تھا۔

"کیوں میرے بچے۔ کیا عبران ٹھیک کہہ رہا ہے؟"

"جی۔ ماں۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔

"عجیب بات ہے۔ عجیب ہو تم دونوں۔"

شبنمی آئی اور طالوت کے زخموں پر مرہم لگا دیا گیا۔

"ابا حضور خیریت سے ہیں ماں؟"

"ہاں ٹھیک ہیں۔ لیکن تیری جدائی سے خوش نہیں تھے۔"

"مجھ سے تو ناراض ہوں گے۔"

"ہاں۔"

"میرے بارے میں اطلاع کس نے دی؟"

"اسی بے چین راسم نے۔ نہ جانے کیوں وہ تیرا ساتھ چھوڑ کر واپس آ گیا تھا۔"

"اوہ۔ آپ کو اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"

"نہیں۔ شاید شہنشاہ اعظم نے راسم کو منع کر دیا تھا۔"

"شبنمی۔" اس بار طالوت نے کنیز کو آواز دی۔

"شہزادے حضور۔" شبنمی نے آگے آ کر گردن جھکا دی۔

"راسم کو تلاش کر کے لا۔ جلدی۔"

"ابھی آئی شہزادے حضور۔" شبنمی جلدی سے باہر نکل گئی۔ مادر ملکہ پھر بیٹھ گئی تھیں۔ ایک انتہائی خوش ذائقہ مشروب سے ہماری تواضع کی گئی۔ اس مشروب کو پینے کے بعد بدن میں قوت آ گئی تھی اور طبیعت بڑی ہلکی محسوس ہونے لگی تھی۔ تقریباً دس منٹ کے بعد راسم آ گیا۔ آتے ہی وہ طالوت کے قدموں سے لپٹ گیا تھا۔

"میرے آقا۔ میرے شہزادے۔" وہ طالوت کے پیروں سے منہ رگڑتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"چھوڑ یار۔ تو بھی بس یونہی نکلا۔"

"میری مجبوریوں پہ نگاہ کریں شہزادے۔ میری مجبوریوں کو نظر انداز نہ کریں۔ آپ کو کیا معلوم' راسم پہ دن رات کس طرح گزرتے ہیں۔ راسم تو کبھی کسی لمحے آپ سے دور نہیں رہا۔"

"ہماری کوئی مدد بھی نہیں کر سکتا تھا؟"

"شہنشاہ حضور نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ میں آپ کے معاملے میں ٹانگ نہ اڑاؤں۔" راسم نے گردن جھکا کر کہا۔

"پھر ہمیں یہاں کیوں لایا گیا؟" طالوت نے ناگواری سے کہا۔ اس بات کا راسم نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"ابا حضور نے ہمارے ساتھ ہمیشہ سختی کا سلوک کیا ہے امی۔ آپ زمین کے لوگوں کو سزا دینے پر تلی ہوئی ہیں۔ کیا میرے بارے میں آپ ابا حضور سے بات نہیں کر سکتیں؟" طالوت نے کہا۔

مادر ملکہ خاموشی سے سر جھکائے سوچتی رہیں پھر انہوں نے گہری سانس لے کر کہا "راسم۔ ہمیں حقیقت بتاؤ۔"

"کیا عرض کروں ملکہ حضور۔ آپ جانتی ہیں کہ میں اس وقت سے یوسف عبران کا خادم ہوں' جب ان کی اور میری عمر تین سال تھی۔ یوسف عبران نے مجھے کبھی خادم نہیں سمجھا اور ایک دوست کا درجہ دیا۔

چنانچہ جب وہ زمین پر گئے تو میں ان کے ساتھ تھا۔ اس طرح میں بھی شہنشاہ کی نگاہوں میں معتوب تھا۔ حالات درست چلتے رہے لیکن پھر ایک بدمعاش سادھو نے چالاکی سے عبران کو آگ میں گرا دیا اور ان کی ساری قوتیں سلب ہو گئیں۔ یہ عام انسان رہ گئے۔ چنانچہ اب میری آواز ان کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

پھر جب یہ مزید پریشانیوں میں پھنسے تو میں مجبوراً شہنشاہ کے حضور حاضر ہوا۔ میں نے درخواست کی کہ شہزادے کی مدد کی جائے تو شہنشاہ حضور نے مجھے قید کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ میں بھی ان کا نافرمان ہوں۔

طویل عرصے کے بعد یہ قید ختم ہوئی اور مجھے یوسف عبران کے حالات معلوم کرنے کی ہدایت کی گئی۔ سو میں نے زمین پر دیکھا کہ چند لوگ ان کے ساتھ سختی کر رہے ہیں۔ میں نے شہنشاہ کو اطلاع دی تو انہوں نے کچھ لوگوں کو بھیج کر انہیں یہاں بلا لیا۔"

"ہوں۔" ملکہ نے گردن ہلائی پھر بولیں "تم کیا چاہتے ہو عبران؟"

"کچھ نہیں ماں۔ میں زمین کی سختیاں برداشت کرنے کو تیار ہوں' میں وہاں جاؤں گا ضرور۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ تم کچھ توقف کرو۔"

"نہیں مہربان ماں۔"

"آخر کیوں؟"

"زمین کے حالات میں' میں نے وہاں کچھ لوگوں سے رابطہ قائم کیا ہے۔ میری بھی زبان ہے۔"

"تم ان لوگوں کی نشان دہی کر دو۔ وہاں ان کی امداد کی جائے گی۔"

"مجھے قبول نہیں۔"

"تم اپنے باپ کی مانند ضدی ہو۔" ملکہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں شرمندہ ہوں۔"

"خیر۔ ہم شہنشاہ سے گفتگو کریں گے۔"

"اور وہ گفتگو میرے حق میں ہوگی۔"

"ماں سے غلط توقع رکھتے ہو۔"

"ہرگز نہیں۔" طالوت نے جواب دیا۔

کافی دیر تک ملکہ عالیہ ہم دونوں سے گفتگو کرتی رہیں اور پھر وہ کنیزوں کو ہماری خبرگیری کی ہدایت کر کے چلی گئیں۔ طالوت نے ایک گہری سانس لے کر میری طرف دیکھا "کیے۔" وہ آہستہ سے بولا۔ میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا "فرماں برداری کے سارے ریکارڈ آپ نے ہی نہ توڑیں۔ کیا سمجھے؟"

"کچھ نہیں سمجھا یار۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

"آپ نے ملکہ کی بات سے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ بلکہ اس سکون کی دنیا میں بھی رہنے پر آمادہ تھے۔"

"یار طالوت' خدا کے واسطے ان معاملات سے مجھے جس قدر دور رکھ سکو' رکھنا۔ میں نے زندگی میں کبھی ماں نہیں دیکھی۔ ماں کی آنکھوں سے چھلکتی ہوئی ممتا مجھے مفلوج کر دیتی ہے۔ میں ماؤف ہو کر رہ جاتا ہوں۔ مجھ سے کوئی بات کرائی تو وہ غلط ہی ہو گی۔"

"ٹھیک ہے بھائی! میں اکیلا ہی پھنسا ہوا ہوں۔"

"مگر اب ہو گا کیا؟"

"طوفان آئے گا' گرج چمک ہو گی' نتیجہ اس کے بعد ہی ظاہر ہو گا۔"

"خدا محفوظ رکھے۔ حالات غلط رخ بھی اختیار کر سکتے ہیں۔"

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم پروا نہ کرو۔ آخر میں وہی ہو گا جو میں چاہتا ہوں۔ ہاں ایک امید بندھ گئی ہے۔"

"کیا؟"

"اگر حالات موافق ہو گئے تو ممکن ہے میری بادشاہت مجھے مل جائے۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" میں نے خلوص دل سے کہا اور پھر ہم دونوں خاموش ہو گئے۔ ہماری تکلیف ایسی نہیں تھی کہ ہم بستر پر پڑے رہتے لیکن بہرحال ماں کا حکم تھا اس لیے ہمیں رات تک بستر پر رہنا پڑا۔

ہاں رات کو ملکہ عالیہ بہ نفس نفیس ہمارے پاس آئیں۔

"کیسے ہو بچو؟" انہوں نے پوچھا۔

"ماں کی دعا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کھانے کے کمرے میں چل سکو گے؟"

"ہم بالکل ٹھیک ہیں ماں۔ صرف آپ کے حکم سے بستروں پر رہے ہیں۔"

"شکر ہے خدائے قدوس کا۔"

"ماں!" طالوت آہستہ سے بولا۔

"ہوں۔" ملکہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بابا حضور سے گفتگو ہوئی؟"

"ہاں۔"

"کیسا موسم ہے؟"

"بہت خراب۔"

"اوہ' پھر میں کھانے کے کمرے میں نہیں جاؤں گا۔"

طالوت جلدی سے بولا۔

"نہیں۔ چلو تو بہتر ہے۔ بہرحال تمہیں ان کا سامنا کرنا ہے۔ یوں بھی وہ تم سے ملنے کے لیے بے چین ہیں۔"

"عارف!" طالوت نے مجھے پکارا۔

"جی۔" میں آہستہ سے بولا۔

"میرے لیے ایک کام کر سکتے ہو؟"

"کر سکتا ہوں۔" میں نے مستعدی سے کہا۔

"پہلے کام سن لو' پھر فیصلہ کرنا۔ معمولی کام نہیں ہے۔" طالوت نے مسخرے انداز میں کہا۔

"دل چاہے سنا دو۔ بہرحال میں آمادگی کا اظہار کر چکا ہوں۔" میں نے پرسکون سے کہا۔

"تو میرے بھائی! کام یہ ہے کہ ہم دونوں یکساں لباس پہن کر بابا حضور کے سامنے جائیں گے۔ ابتدا ان کے غصے سے ہو گی' وہ وقت تم ان کے سامنے گزارنا۔ اور جب ان کا غصہ اتر جائے تو بتا دینا کہ تم یوسف عبران نہیں بلکہ عارف ہو۔"

ملکہ ہنس پڑیں "بڑے خود غرض دوست ہو عبران! دوست کے سر مصیبت ڈالنا چاہتے ہو۔"

"ہم لوگ اپنی مصیبتیں تقسیم کر لیتے ہیں ماں۔ کچھ مصیبتیں برداشت کرنے میں' میں ماہر ہوں اور کچھ میں عارف۔ اب یہ مصیبتوں کی نوعیت ہوتی ہے کہ کون' کون سی مصیبت آسانی سے برداشت کر سکتا ہے۔"

"اچھا۔ شرارت نہیں' جلدی تیار ہو جاؤ۔"

"ماں' خدا کے واسطے مجھے اس منزل سے گزر جانے دو۔ عارف میری مدد پر آمادہ ہے' تم اسے نہ روکو۔"

"یہ تو سوچو عبران کہ وہ ہمارا مہمان ہے۔"

"بعد میں سوچ لیں گے۔" طالوت شرارت سے بولا۔

"بھئی جیسی تم لوگوں کی مرضی۔ تمہارا دوست ہے' تم جانو۔" ملکہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور طالوت نے میرے شانے پر ہاتھ مارا "تیار ہو جاؤ استاد!"

"تیار ہوں بھائی۔ ایک بات کا وعدہ کرو' قربانی سے پہلے کی دعا یاد ہے تمہیں۔"

"بالکل بالکل' تمہاری قربانی حلال ہو گی' پروا مت کرو۔"

"اچھا' تم لوگ تیار ہو کر آ جاؤ۔ میں کھانے کے کمرے میں تمہاری منتظر ہوں۔" ملکہ نے کہا اور باہر نکل گئیں۔

"آپ وعدہ کر چکی ہیں ماں کہ آپ اس معاملے میں خاموش رہیں گی۔" طالوت چیخ کر بولا۔



اس کے بعد ہم تیاریاں کرنے لگے۔ ہم دونوں نے یکساں لباس پہنا' مشاطاؤں نے ہمیں سنوارا اور پھر ہم دونوں خشبی کے ساتھ کھانے کے کمرے کی طرف چل پڑے۔ طالوت کی نہ جانے کیا کیفیت ہو' حالت میری بھی خراب تھی۔ کھانے کے کمرے میں شہنشاہ موجود تھے۔ قہرو غضب کا پیکر' کشادہ پیشانی پر شکن' بڑی بڑی آنکھوں میں سرخی۔ دیکھ کر ہی حالت خراب ہو رہی تھی۔

لیکن ہم دونوں کو یکساں دیکھ کر تھوڑی سی الجھن صاف محسوس کی گئی اور پھر میری بدبختی کہ مخاطب بھی مجھے ہی کیا گیا۔

"ادھر آؤ۔ بیٹھو۔" بادلوں کی گرج الفاظ میں ڈھل گئی۔ مجال تھی جو نہ بیٹھتا "نافرمان ہو' احمق ہو' بدبو ہو' اعتراف کرو۔"

"جی۔" میں نے سہمے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"مجھے احمق سمجھتے ہو؟"

"جی نہیں۔" میں جلدی سے بولا۔

"دشمن ہوں تمہارا؟"

"ہرگز نہیں۔"

"پھر تم نے مجھ سے فریب کیوں کیا؟ مجھ سے نافرمانی کیوں کی؟ کیا میں تمہیں سزا نہیں دے سکتا؟" میں خاموش رہا "دیکھ لیا اس دنیا کو جو تمہاری نگاہوں میں بہت خوب صورت تھی۔ کیا پایا؟ کیا اب بھی وہ تمہارے لیے دلکش ہے؟"

"میں نے... میں نے کچھ نہیں کیا۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔

"پھر کس نے کیا۔ بولو۔ پھر کس نے کیا؟ میں نے۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ تم چلے جاؤ۔" شہنشاہ پرجلال انداز میں بولے۔

"جی نہ... وہ..." میری حالت واقعی خراب ہو رہی تھی۔

"بس۔ بکواس بند کرو۔ تم نہایت نافرمان ہو۔ تم نے حکم عدولی کی ہے۔ تم نے تلاش کرنے والوں کو بے وقوف بنایا ہے۔ تم نے وہ کچھ کیا ہے جو تمہیں نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

میں خاموش ہو گیا۔ شہنشاہ نے غصے میں بہت کچھ کہا اور پھر ان کا غصہ ٹھنڈا ہونے لگا۔ وہ نرم ہو گئے اور پھر انہوں نے دوسرے لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کھانا شروع کرو۔"

اور سب خاموشی سے کھانے میں مشغول ہو گئے۔

کھانا نہایت خاموشی سے کھایا گیا۔ کھانے کے بعد شہنشاہ بالکل پرسکون تھے۔

"وہ کون تھا جس نے تمہاری توہین کی تھی؟"

"جی۔ میری..." میں نے پھر گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"اور وہ کون تھے جو تمہیں اذیت دے رہے تھے۔ کیا چاہتے تھے وہ تم سے؟" شہنشاہ نے پوچھا۔

"کب تک وہ غریب ہدف ملامت رہے گا؟" بالآخر ملکہ سے میری حالت نہ دیکھی گئی۔

"کیا مطلب؟"

"ہمارے یہاں' اس سے قبل مہمانوں کے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا گیا۔" ملکہ نے کہا۔

"آپ کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی ملکہ۔ یہ مہمان کہاں سے آیا؟"

"یہ مہمان ہی ہے۔"

"کیوں۔ کیا یہ پھر وہیں جانے کا ارادہ رکھتا ہے؟"

"یہ بے چارہ تو کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔" ملکہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پھر مہمان کیوں؟"

"اس لیے کہ اس کا نام عارف ہے۔"

"کیا مطلب؟" شہنشاہ چونک پڑے۔

"اپنے بیٹے کو بھی نہیں پہچانتے۔ آپ نہ اپنے خون کی بو بھی نہیں محسوس کر سکتے۔ کیسے باپ ہیں۔"

"کیا۔ کیا مطلب ہے اس بات کا۔ کون ہو تم؟" اس بار شہنشاہ نے براہ راست مجھ سے سوال کیا۔

"عارف۔" میں ملکہ کی بات نہیں جھٹلا سکتا تھا۔

"اور عبران۔ وہ... وہ..." شہنشاہ حیرت سے بولے۔

"جی۔" میں نے جواب دیا اور شہنشاہ بے ساختہ مسکرا پڑے پھر وہ سنجیدہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔

"اور... اور یہ باقی خاموش بیٹھا رہا۔"

"بابا حضور۔" طالوت دوڑ کر شہنشاہ کے قدموں سے لپٹ گیا "اب آپ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ دوبارہ اتنی آواز نہ دیں' دوبارہ ناراض نہ ہوں بابا حضور!"

"ارے احمق۔ میں اس بچے کو بلا وجہ..."

"کوئی حرج نہیں ہے۔ میں نے اسے پہلے ہی تیار کر لیا تھا۔"

"معاف کرتا بیٹے۔ میں نے تمہیں... معاف کرتا۔" شہنشاہ نرم لہجے میں بولے۔

"جی۔ کوئی بات نہیں ہے۔"

"مگر تم نے بھی تو نہیں بتایا۔ اُف‘ تم دونوں اس قدر ہم شکل ہو کہ ہم دھوکا کھا گئے۔" شہنشاہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"کوئی بات نہیں ہے بابا حضور‘ وہ فراخ دلی سے کہہ رہا ہے۔" طالوت بولا۔

"تم نہایت نالائق ہو۔ کیا سمجھے۔" شہنشاہ اسے اٹھا کر سینے سے لگاتے ہوئے بولے اور پھر وہ میری طرف رخ کر کے بولے "آؤ۔ تم بھی ہمارے سینے سے لگ جاؤ۔ تم ہمارے ہی بیٹے ہو۔ تمہاری سعادت مندی سے ہم بہت خوش ہوئے‘ لیکن بیٹے! تم درمیان میں بول کیوں نہیں پڑے کہ تم عمران نہیں ہو۔"

"بول کیسے پڑتا‘ تمہارے شریر بیٹے نے اس سے کہہ دیا تھا۔"

"کیا؟"

"یہی کہ اس کے بدلے ڈانٹ وہی سن لے۔"

"اوہ‘ اس کا مطلب ہے کہ عمران کا ہم شکل اعلیٰ ظرف کا انسان اور ایک اچھا دوست ہے۔" شہنشاہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"اور کیا‘ کیا آپ کا بیٹا زمین کے گندے انسانوں کو دوست بناتا پھرے گا بابا حضور۔" طالوت جلدی سے بولا۔

"بس تم نہایت نالائق ہو۔"

"راسم کو بلائیں بابا حضور اور اس سے معلوم کر لیں کہ میں نے زمین پر کتنی نالائقیاں کی ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"میں دوبارہ زمین پر واپس جانا چاہتا ہوں بابا حضور!" طالوت نے کہا۔

"میرے غصے کو آواز نہ دو طالوت۔"

"میرا جانا ازحد ضروری ہے بابا حضور۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ جو کام میں نے وہاں شروع کیے ہیں‘ وہ ادھورے پڑے ہیں۔"

"کیسے کام؟"

"انسانیت کی فلاح کے کام۔ راسم آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس سے پوچھیے زمین پر جا کر میں نے کیا کیا ہے۔ میں نے اپنی قوتوں سے جتنے کام کیے ہیں۔ میں نے زمین پر سسکتے ہوئے انسانوں کے دکھ دور کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کیا بابا حضور۔ اور ابھی بہت سے ایسے ہیں جنہیں میری ضرورت ہے۔"

"عمران بیٹے‘ زمین بہت وسیع ہے۔ اس کے رہنے والے عجیب ہیں۔ انہوں نے اپنے لیے خود مسائل پیدا کیے ہیں۔ تاریخ اٹھا کر دیکھو۔ زمین کیا تھی؟ اس کے رہنے والے کس قدر پرسکون تھے۔ آسمان سے رزق اترتا تھا‘ انہوں نے وہ رزق کھو دیا اور اپنے لیے گوناگوں دشواریاں پیدا کرتے رہے۔ تم ان میں سے کس کس کا دکھ بانٹو گے۔ دنیا تو دکھوں کی آبادی ہے۔"

"جس قدر بھی ہو سکے بابا۔ جو بھی سامنے آ جائے‘ آپ کا کہنا ٹھیک ہے۔ انسانوں نے خود اپنی مٹی پلید کی ہے لیکن ان میں بہت سے ایسے بھی ہیں جو بے گناہ ہیں۔"

"ٹھیک ہے لیکن یہ ہمارا کام نہیں ہے بیٹے۔"

"آپ نے مجھے تعلیم تو یہی دی ہے بابا حضور کہ جس قدر نیکیاں سمیٹ سکتے ہو‘ سمیٹ لو۔ وہ صرف تمہاری کوشش ہوگی اور تمہارے کام آئے گی۔" طالوت نے کہا۔

"ہاں‘ یہ ٹھیک ہے۔ لیکن کیا نیکیاں کی ہیں تم نے زمین پر؟" شہنشاہ کے انداز میں پھر جھنجلاہٹ پیدا ہونے لگی تھی۔ طالوت نے ان کی خوب گرفت کی تھی اور وہ لاجواب ہو گئے تھے۔

"نیکیاں گنائی نہیں جا سکتیں بابا حضور۔ بس اتنا عرض کروں گا کہ جو سرِعام رسوا ہونے والے تھے‘ میں نے انہیں رسوا نہ ہونے دیا۔ جو سفاک اور ظالم انسان کی قید میں تڑپ رہے تھے‘ میں نے انہیں ان کی قید سے چھڑایا۔ آپ کو اگر اپنے دیے ہوئے سبق پر اعتماد ہے تو آپ سمجھ لیں کہ میں نے مظلوم کو نظرانداز نہیں کیا۔"

"لیکن عمران بیٹے۔"

"اور آج بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی آنکھیں میری طرف لگی ہوئی ہیں۔ ان کا رواں رواں مجھے پکار رہا ہوگا۔ میرا انتظار کر رہا ہوگا۔"

"کون ہیں وہ؟"

"وہ جنہیں میں نے امداد کی آس دلائی ہے۔"

"لیکن یہ دنیا۔ میرا مطلب ہے۔" شہنشاہ زچ ہوتے جا رہے تھے۔

"آپ کی دنیا سکون کی دنیا ہے۔ آپ نے اپنی دنیا کو سکون دینے کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی ہے۔ میں اس بے سکون دنیا کے چند لوگوں کی مدد کرنا چاہتا ہوں تو آپ مجھے روک رہے ہیں بابا حضور۔ آپ مجھے منع کر رہے ہیں۔"

"میں نے کب منع کیا؟" شہنشاہ جھلا کر بولے۔



"پھر یہ برہمی کیوں ہے۔ یہ ناراضگی کیوں ہے؟"

"کیا میں تیرا باپ نہیں ہوں؟"

"بفضل تعالیٰ۔ میں ایک اعلیٰ نسب کا بیٹا ہوں۔"

"یہ تیری ماں نہیں ہیں؟"

"ہیں بابا حضور۔"

"ہمیں تیری ضرورت نہیں ہے۔ ہم تجھے نہیں دیکھنا چاہتے؟"

"آپ کی محبت سر آنکھوں پر۔ لیکن کیا آپ کو اس بات پر مسرت نہیں ہوتی کہ آپ کا بیٹا دکھی انسانیت کی خدمت کر کے اپنا فرض انجام دے رہا ہے۔"

"دنیا میں جا کر تو نے اور جو کچھ بھی کیا ہو عمران‘ بہرحال تو چرب زبان ضرور ہو گیا ہے۔ باتیں بہت اچھی بنا لیتا ہے۔" بالآخر شہنشاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں نے جو کچھ کہا ہے‘ ٹھیک کہا ہے۔"

"لیکن عمران‘ ہمارا کیا ہوگا؟"

"اگر آپ بخوشی مجھے اجازت دے دیں تو میں ایک تجویز پیش کر سکتا ہوں بابا۔"

"کیسی تجویز؟" شہنشاہ نے کہا۔

"میں دنیا کے کسی بھی حصے میں ہوں‘ ہر ماہ کی دو راتیں اپنی دنیا میں گزاروں۔"

"اوہ۔" شہنشاہ نے گھور کر اسے دیکھا "کتنا چالاک ہو گیا ہے یہ ملکہ۔"

"ہاں۔ میں نے محسوس کیا ہے۔"

"پھر آپ کا کیا مشورہ ہے؟" شہنشاہ نے پوچھا۔

"اس کی تجویز مناسب معلوم ہوتی ہے۔"

"تو سنو یوسف عمران۔ جس روز چاند ڈوبے‘ تم یہاں پہنچ جاؤ۔ چاند کی ڈوبنے والی رات اور نکلتے چاند کی رات تم یہاں گزارو گے اور سختی سے اس وعدے کی پابندی کرو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ تب میں تمہیں اس دنیا میں جانے کی اجازت دیتا ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ بابا حضور۔ براہ کرم ہم دونوں کو وہیں پہنچوا دیں جہاں سے اٹھوایا تھا۔" طالوت بولا۔

"کیوں؟ وہ لوگ تو تمہارے ساتھ زیادتی کر رہے تھے۔"

"اگر وہاں نہ پہنچے اور دوبارہ پکڑے گئے تو وہ لوگ اس سے زیادہ زیادتی کریں گے‘ بڑے خطرناک لوگ ہیں۔"

"مگر پکڑے ہی کیوں جاؤ گے؟"

"اس لیے بابا حضور کہ اب میں بھی ایک عام انسان سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔"

"اور وہ کون تھا جس نے تمہیں آگ میں ڈالا تھا؟"

"ایک ہندو سادھو۔ تاکا!"

"کیا وہ زندہ ہے؟"

"نہیں۔ اسے میرے ہم شکل دوست نے قتل کر دیا۔"

"انسان بہرحال انسان ہے‘ اشرف المخلوقات۔ دیکھ لو تم سے وہ نہ ہوا جو اس نے کر دکھایا۔ بہرحال پیرابوزا کے پاس چلے جاؤ‘ وہ تمہاری مدد کریں گے۔" شہنشاہ نے کہا اور طالوت نے اٹھ کر ان کے ہاتھوں کو بوسے دیے۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم وہاں سے واپس آ گئے۔ طالوت نے آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

"کیسی رہی استاد؟"

"لاجواب کمال کیا ہے تو نے بدمعاش انسان۔"

"جن کو جن۔" طالوت بولا۔

"یہ پیرابوزا کون بزرگ ہیں؟"

"بڑے کام کی چیز ہیں۔ بس میں جلدی سے ہو آؤں۔ ویسے تمہیں میرے معاہدے پر اعتراض تو نہیں ہے؟"

"کون سا معاہدہ؟"

"وہ ڈوبتے چاند کی رات والا۔"

"اوہ۔ نہیں طالوت۔ اعتراض کی کیا بات ہے۔ میں تو بہت خوش ہوں۔ اس طرح تمہارے والدین بھی خوش رہیں گے۔ دو دن کی بات ہی کیا ہوتی ہے۔" میں نے خلوص سے کہا۔

"سچ پوچھو تو یہ اتنی عمدہ بات ہوئی ہے جس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اس سے مجھے بڑی مراعات مل جائیں گی۔"

"یقیناً۔"

"اچھا تو میری جان‘ اجازت۔ ممکن ہے کچھ وقت لگ جائے۔"

"خدا حافظ۔" میں نے کہا اور طالوت چلا گیا۔ میں ایک گہری سانس لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ اور پھر میں ایک مسہری پر دراز ہو کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

اور پھر نجانے غنودگی آ گئی یا میں ذہنی طور پر اتنا کھو گیا۔ کوئی احساس ہی نہ رہا۔ پیشانی پر ایک نرم و گداز سی گرماہٹ کا احساس ہوا تو آنکھیں کھل گئیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک لطیف خوشبو ناک میں گھس گئی تھی۔ آنکھیں کھلیں تو ایک

رنگین بدن خود پر جھکے ہوئے پایا۔ چودہ طبق روشن ہو گئے۔ جلدی سے اس کے نیچے سے سرک کر اٹھ گیا۔

"عبران!" اس کی مترنم آواز ابھری اور میں نے گہری سانس لی۔ وہی معاملہ تھا "میں نے سنا ہے عبران' تم نے واپس جانے کی اجازت حاصل کر لی ہے۔" اس نے کہا۔

"جی ہاں۔"

"میرے دل کی آواز آج تک تمہارے کانوں میں نہیں پہنچی عبران۔" حسین خدو خال والی لڑکی نے اداس نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کار خراب ہو گئے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا انسانوں کی آبادی میں کسی سے دل لگا بیٹھے ہو عبران؟"

"سینگ نکل آئے ہیں کیا میرے؟" میں نے کہا۔

"تو پھر میری محبت کیوں قبول نہیں کر لیتے۔ کیا تمہیں آج تک احساس نہیں ہوا کہ میں تمہیں کس قدر چاہتی ہوں۔"

"کبھی غور ہی نہیں کیا۔"

"آہ۔ کیا میں اس قابل نہیں ہوں؟"

"آپ کی قابلیت پر بھی میں نے غور نہیں کیا۔"

"کیوں۔ آخر کیوں؟"

"اس لیے کہ میں عبران نہیں ہوں۔" میں نے ذرا ایپ سیٹ کر دیا اور وہ اچھل پڑی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے گھورتی رہی اور پھر دونوں ہاتھ سے چہرہ چھپا کر باہر بھاگ گئی۔

"آہم" میں نے مصنوعی ڈکار لی اور سر سہلانے لگا۔ ابھی اور نہ جانے کتنے عجیب واقعات پیش آئیں گے۔ میں نے سوچا۔ یہاں بھی عشق' محبت کے جراثیم کافی مقدار میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ خاتون بھی عبران سے عشق کرتی ہیں۔ بہر صورت کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ ہم لوگ تو بیچارے ہو کر رہ گئے ہیں۔

اور پھر میری ذہنی رو عظمت پور کی طرف بھٹک گئی۔ شکیلہ کا معاملہ بے حد پراسرار ہو گیا تھا۔ آخر وہ کیا تھی.... اور اس نے ہمارے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا تھا اور پھر اچانک ہی میرے ذہن میں ایک دھماکا ہوا اور میں اچھل کر بستر پر بیٹھ گیا۔ اُف۔ اُف۔ اس انداز میں پہلے کیوں نہیں سوچا تھا۔ کیسی غلطی ہو گئی۔

"طالوت۔ طالوت! کہاں ہو یار۔ جلدی آؤ۔" میں نے کہا۔

"ہم یہاں ہیں ہماری جان۔" کارنس سے طالوت کی آواز آئی اور میں اچھل پڑا۔ کارنس پر ایک خوب صورت پرندے کا مجسمہ رکھا ہوا تھا "آجاؤں۔" پرندے نے چونچ ہلاتے ہوئے کہا اور میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔ میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجسمے کو گھور رہا تھا۔ دوسرے لمحے دھات کے بنے ہوئے مجسمے نے پر کھولے اور کارنس سے پرواز کرتا ہوا میری آغوش میں آ بیٹھا۔

میں اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"ابے سیدھا بیٹھ۔ کیا اچھل کود مچا رہا ہے۔" پرندے نے پھر کہا۔

"طالوت۔ طالوت۔" میں نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"او نہہ لے یار۔" مجسمے نے کہا اور دوسرے لمحے طالوت میرے سامنے تھا۔ مجسمہ پھر بے جان ہو گیا تھا۔

"ارے باپ رے۔ یہ۔ یہ سب کیا ہے؟" میں نے کہا۔

"سب کچھ ہے میری جان' سنئے ساز و سامان سے آراستہ طالوت آپ کی خدمت میں۔"

"او۔ تو۔ تو تمہاری قوتیں واپس مل گئیں؟"

"پیر سائیں زندہ باد۔ بابا حضور نے خصوصی ہدایات کے ساتھ تو بھیجا نہیں تھا۔ چنانچہ جو چاہا مانگ لیا۔"

"مبارک ہو یار۔ دلی مبارک باد۔"

"مجھے کیوں پکار رہے تھے؟"

"بس ذہن میں ایک خیال آیا تھا۔"

"کیا خیال؟" طالوت نے میرے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ میں اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ طالوت کے چہرے کی چمک سے اندازہ ہو رہا تھا جیسے وہ بہت خوش ہے۔ ظاہر ہے اس کی کھوئی ہوئی دولت اسے مل گئی تھی۔

"جو لڑکی ہمیں شکیلہ ملی تھی۔"

"ہاں۔"

"اور اس کے انداز میں اجنبیت تھی۔"

"ہاں تھی۔"

"کیا وہ حقیقتاً اجنبی نہیں ہو سکتی؟"

"کیا مطلب؟"

"یار کہیں وہ افشاں تو نہیں تھی۔"

"او۔" طالوت بھی ہکا بکا رہ گیا۔ کئی منٹ تک وہ خاموش رہا پھر ایک گہری سانس لے کر بولا "یہ حقیقت ہے عارف! جب گردش کرتی ہے تو انسان کا ذہن بھی ماؤف ہو جاتا ہے۔ یہ بات ہم نے پہلے نہیں سوچی تھی۔"



"ہاں۔"

"ہو سکتا ہے میرے دوست۔ ہو سکتا ہے یہی بات ہو لیکن اگر وہ افشاں تھی تو اس کا مطلب ہے کافی چالاک لڑکی ہے اور کسی مصیبت میں نہیں ہے۔ ارے تم نے محسوس نہیں کیا۔"

"ہاں۔ یقیناً۔"

"پھر تو وہ جان بوجھ کر گھر سے غائب ہے۔"

"ابھی قیاس آرائی مناسب نہیں ہے۔ وہاں چل کر ہی غور کریں گے۔"

"بس اب یہاں سے بھاگو۔" طالوت نے کہا۔

"یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ اجازت لے لی؟"

"بس اجازت ہی لینا ہے۔ ویسے یار' تم نے ذہن ہلا کر رکھ دیا ہے۔ یہ بات ممکن ہے کہ وہ افشاں ہی ہو۔ ہم بے چاری شکیلہ کی طرف سے یونہی بدگمان ہو گئے تھے۔"

"مگر پھر شکیلہ کہاں گئی؟"

"تبرک۔ وہی تبرک۔ اوہ' تبرک بیٹے' سنبھلو۔ اب تمہاری شامت آ ہی گئی۔ دیکھ لوں گا۔ دیکھ لوں گا تمہیں اچھی طرح۔" طالوت نے گھونسہ بناتے ہوئے کہا اور میں ہنس پڑا۔ درحقیقت بے چارے تصدق کی تو اب شامت آ ہی گئی تھی۔

"آؤ عارف' اب مادر ملکہ اور شہنشاہ سے اجازت لے لیں۔ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔"

"تمہاری غیر حاضری میں ایک خاتون یہاں تشریف لائی تھیں۔" میں نے کہا۔

"خاتون۔!" طالوت نے میری طرف دیکھا۔

"ہاں۔"

"کیا فرماتی تھیں؟"

"عشق۔"

"اللہ اکبر۔ پھر تم نے معذرت کر لی؟"

"ہاں۔ میں نے تصحیح کر دی کہ میں یوسف عبران نہیں بلکہ عارف ہوں۔ چنانچہ فرار ہو گئیں۔"

"نہایت مناسب۔"

"کون خاتون تھیں؟"

"میں کیا جانوں؟" طالوت نے آنکھیں پھاڑ دیں۔

"کیا مطلب؟"

"بھئی ایک آدھ ہو تو یاد بھی رکھوں' نہ جانے کون کون ہے؟" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا اور میں خاموش ہو گیا۔ ظاہر ہے' وہ شہزادہ تھا۔ اس معاملے میں جھوٹ نہیں بول رہا ہو گا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ملکہ عالیہ اور شہنشاہ کے حضور پہنچ گئے اور طالوت نے ان سے اجازت طلب کی۔

"اتنی جلدی کیا ہے عبران۔ ایک آدھ دن اور رکو۔"

"میں حسب وعدہ حاضر ہو جاؤں گا مادر مہربان۔ کچھ معاملات ایسے ہیں جن کی مجھے جلدی ہے۔ اجازت دیں' نہایت شکر گزار ہوں گا۔"

"ٹھیک ہے لیکن ایک بار پھر تمہارا وعدہ یاد دلا رہا ہوں' چاند ڈوبنے والی رات تم یہاں ہو گے۔ اس وعدے میں کبھی گڑبڑ نہیں ہونی چاہیے۔" شہنشاہ نے کہا۔

"آپ مطمئن رہیں بابا حضور۔" طالوت نے جواب دیا اور پھر اس نے آگے بڑھ کر ماں اور باپ کے ہاتھ چومے۔ ملکہ نے میرے سر پر بھی ہاتھ پھیرا۔ شہنشاہ نے مجھ سے مصافحہ کیا اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔

"راسم ساتھ نہیں جائے گا؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔" طالوت نے کہا اور پھر آواز دی "راسم۔!"

"حاضر۔" راسم نے بائیں سمت سے جواب دیا۔

"کیا انتظامات ہوئے؟"

"جو حکم۔" راسم نے جواب دیا۔

"تب میرا خیال ہے اہتمام کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنا تبرک کہاں ہے؟"

"عظمت پور کے باغات میں۔"

"کیا کر رہا ہے؟"

"سو رہا ہے۔" راسم نے جواب دیا۔

"ہوں۔" طالوت نے آہستہ سے کہا اور پھر اس نے میری طرف دیکھا "میرے نزدیک آجاؤ عارف۔!" اس نے کہا اور میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ اب کیا حرکت کرنے والا ہے۔ اس نے میرا ہاتھ اونچا کیا اور میں گرنے سے سنبھلنے کے لیے تیار ہو گیا لیکن راسم نے ہاتھ نیچے کیا اور میرا سر چکرا گیا۔

پھر میں نے سرسبز درخت دیکھ کر گہری سانس لی تھی۔

"تکنیک میں تھوڑی سی تبدیلی ہے۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے بھائی۔ شکار ہوں تمہارا۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"غلط۔ ہمارا شکار تو بھائی تبرک ہیں۔ آؤ ذرا ان کی زیارت کریں۔"

"پروگرام کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مرمت کریں گے خبیث کی۔" طالوت دانت پیس کر بولا۔

"اس میں کیا مزہ آئے گا طالوت۔"

"پھر تم بتاؤ۔"

"میرا خیال ہے اسے تنگ کیا جائے۔"

"کس طرح؟"

"یار تم بھی یہی پوچھ رہے ہو۔ تمہارے لیے یہ کوئی مشکل کام ہے۔"

"کیا خیال ہے اس سے شکیلہ کے بارے میں معلوم کریں۔"

"وہ بھی معلوم کریں گے۔"

"تب پھر آؤ۔" طالوت نے کہا اور ہم اس عمارت کی طرف چل پڑے جہاں تصدق کے موجود ہونے کے امکانات تھے۔ ہمارا اندازہ اور راسم کا کہنا درست تھا۔ تصدق ایک کمرے میں سو رہا تھا۔ ہم لوگ اس کے سرہانے پہنچ گئے۔ موٹے آدمی کے خراٹوں سے کمرا گونج رہا تھا۔ عجیب مضحکہ خیز خراٹے لے رہا تھا جیسے ہو کتے لڑنے سے قبل ایک دوسرے پر غراتے ہیں۔ خراٹے کی ابتدا کرتے وقت اس کا منہ پورا کھل جاتا تھا اور پھر بعد میں ہونٹ مضبوطی سے بھینچ جاتے تھے۔

"کیا یہ دم توڑ رہا ہے؟" طالوت نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں، خراٹے لے رہا ہے۔"

"اس کے حلق سے خرخراہٹ تو ایسی ہی بلند ہو رہی ہے جیسے کوئی بکرا ذبح کیا جا رہا ہو۔ یار عارف! مجھ سے اس کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی۔ کیا میں اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دوں؟" اور پھر وہ اچانک کسی خیال کے تحت اچھل پڑا۔ اس نے قریب ایک ہاتھ بلند کیا اور مٹھی بند کر لی پھر اس نے تصدق کے منہ کے قریب مٹھی کھول دی۔ سرخ رنگ کی کوئی چیز میں نے بھی تصدق کے ہونٹوں پر دیکھی تھی۔

"آجاؤ۔" طالوت نے جلدی سے میرا ہاتھ پکڑا اور کمرے کے کونے میں پہنچ گیا۔

"کیا کیا ہے؟" میں نے پوچھا لیکن پھر اپنا سوال خود ہی تشنہ چھوڑ دینا پڑا۔ کیونکہ تصدق نے منہ بند کیا تھا اور اس کی خوفناک دہاڑ کمرے میں گونج اٹھی تھی۔

"آغو۔ اوہ بجا۔ غو۔ غو۔ ہا۔" اس کے منہ سے عجیب عجیب آوازیں نکلیں اور اس نے بستر سے چھلانگ لگا دی۔ پھر وہ زمین پر کودنے لگا۔ وہ تھو تھو کرتا جا رہا تھا لیکن مرچیں ایسے تو پیچھا نہیں چھوڑ سکتی تھیں۔ تصدق کی بری حالت تھی۔ چہرہ سرخ تھا۔ آنکھوں سے پانی نکل رہا تھا اور منہ سے عجیب عجیب آوازیں۔

"مغیا۔ غانے۔ مغیا۔ تھو تھو۔ اف۔ مغیا۔" وہ کمر پر ہاتھ رکھے ناچ رہا تھا اور پھر وہ باتھ روم میں گھس گیا۔ طالوت پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنس رہا تھا۔

"یار یہ تو بہت عمدہ رقاص ہے۔ اس کی یہ صفت تو آج ہی معلوم ہوئی۔" طالوت ہنستے ہوئے بولا "پانی بھی اس کا حلق صاف نہیں کر سکے گا۔ مرچیں خالص تھیں۔"

اور یہ حقیقت تھی۔ تصدق کافی دیر تک غسل خانے میں غرارے کرتا رہا پھر جب وہ باہر آیا تب بھی اس کی حالت اچھی نہ تھی۔ وہاں سے وہ سیدھا باورچی خانے پہنچا۔ پہلے کوئی چیز کھائی پھر گھی کی کلیاں کیں۔ تب جا کر شاید اسے سکون ملا۔ ہم لوگ بھی اس کے پیچھے باورچی خانے کے دروازے تک پہنچ گئے تھے۔

اور باورچی خانے سے نکلتے وقت اس کی نگاہ ہم دونوں پر پڑی۔ وہ بری طرح اچھل پڑا۔

"تم۔ تم۔" اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"آداب بھائی تبرک کیسے ہیں آپ؟" طالوت نے دونوں بازو پھیلاتے ہوئے کہا۔

"تم۔ تم یہاں کیسے آگئے۔ تم پولیس کو جل دے کر نکل گئے تھے۔" تصدق نے بدحواس لہجے میں کہا۔

"کیا آپ اندازہ نہیں لگا سکے بھائی تبرک کہ ہم وہاں سے کیوں بھاگے تھے؟"

"تم۔ تم تو عادی بدمعاش ہو۔"

"درست خیال ہے لیکن ہمیں گرفتار کرانے میں آپ نے پولیس کی پوری پوری مدد کی ہے۔"

"ہاں کی ہے۔ یہ... یہ میرا فرض تھا۔"

"ہم بھی اپنا فرض ہی پورا کرنے آئے ہیں تبرک بھائی!"

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔ کیا چاہتے ہو تم لوگ؟"

"عادی بدمعاش ہیں۔ اگر چاہیں تو آپ کو قتل کر کے خاموشی سے باغ کے کسی حصے میں دفن کر دیں لیکن ہم اس طرح مارنے کے قائل نہیں ہیں۔ ہم آپ کو ایسی سزا دیں گے تبرک بھائی! جس سے دوسرے بھی محظوظ ہوں۔ ویسے میرا خیال ہے مرچیں آپ کو پسند آئی ہوں گی۔"

"آخ تھو۔ آخ تھو۔ تو۔ تو یہ سب کچھ تم نے کیا ہے ذلیلو۔ آخ تھو۔"



"یہ تو ابتدا ہے تبرک بھائی۔ ہم تو قبر میں بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ آپ نے ہم دونوں کی جان لے لی ہے۔ ہم بھی آپ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"ایں۔ کیا مطلب۔ کیا مطلب۔" تصدق چونک پڑا۔

"ہاں تصدق۔ ہماری زندگیاں تمہاری وجہ سے گئیں۔"

"زندگیاں گئیں؟"

"اوہ۔ انجان کیوں بن رہے ہو۔ کیا تم ہی نے ہمیں گرفتار نہیں کرایا تھا؟"

"لیکن زندگیوں والی بات..."

"پولیس نے ہمارے اوپر اتنا تشدد کیا کہ ہم مر گئے۔"

"تم۔ مر گئے۔" تصدق کا منہ بھاڑ کی طرح کھل گیا۔

"اوہو۔ کیا تمہارے ہاں کے اخبارات میں ہماری موت کی خبر نہیں چھپی؟"

"نہیں۔ ان میں تو تمہارے فرار کی کہانی ہے۔ پولیس رپورٹ تو یہ ہے کہ تم دونوں بڑے پراسرار انداز میں فرار ہو گئے۔ کچھ پراسرار لوگوں نے اس فرار میں تمہاری مدد کی ہے۔" تصدق بولا۔

"خوب۔ ظاہر ہے پولیس اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتی تھی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اوپر تشدد کی انتہا کر دی گئی اور پھر جب ہم مر گئے تو ہماری لاشیں دریا میں ڈلوا دی گئیں۔"

"دریا میں...؟" تصدق اچھل کر بولا۔

"ہاں دریا میں۔" طالوت الفاظ چباتے ہوئے بولا۔

"لیکن۔ پھر۔ تم وہاں سے کیسے نکلے؟"

"روحوں کے لیے کون سی بات مشکل ہے۔"

"رر۔ رو۔ روح۔" تصدق کی چیخ نکل گئی "مگر تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

"ان لوگوں سے انتقام لینے، جو ہماری موت کے ذمے دار ہیں۔"

"ارے۔ ارے۔ مم۔ مر گیا۔ مر گیا۔" تصدق نے اپنے بھاری بھرکم بدن کے ساتھ بڑی پھرتی سے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن طالوت نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے روک لیا۔

"بھاگ رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"جائے گا کہاں!" طالوت پوری طرح شرارت کے موڈ میں تھا اور پھر وہ میرا ہاتھ پکڑے باہر نکل آیا۔ تصدق بڑی تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ ہم اسے صاف دیکھ رہے تھے۔ باغ کے ایک گوشے میں پہنچ کر وہ رکا اور خوف زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

طالوت نے مجھے اشارہ کیا اور اس بار اس نے مجھے جھلاوا بھی نہیں دیا تھا۔ بس ہلکا سا چکر آیا اور دوسرے لمحے ہم تصدق کی پشت پر تھے۔ تصدق کا رخ سامنے تھا۔

"تو پیارے تبرک!" طالوت بولا اور تصدق کی وحشت آمیز چیخ نکل گئی۔ اس نے گردن گھما کر ہمیں دیکھا اور بری طرح چیخنے لگا۔ اس نے پھر بھاگنے کی کوشش کی لیکن طالوت نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"کہاں تک بھاگو گے میری جان!" طالوت بولا "چلو بھاگ جاؤ۔" اس نے تصدق کا گریبان چھوڑ دیا اور تصدق کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح دوڑا۔ طالوت نے ہاتھ آگے بڑھایا اور میں نے بھی وہ خوفناک منظر دیکھا جو یقیناً کسی انسان کو دہلانے کے لیے کافی تھا۔ خود میری بھی نہ جانے کیا حالت ہوتی اگر میں طالوت سے واقف نہ ہوتا۔

طالوت کا ہاتھ کسی رسی کی طرح دراز ہو رہا تھا۔ اس کا پنجہ تصدق کی گردن کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا تھا اور بلاشک تصدق کوئی سو گز دور گیا ہوگا تب طالوت نے دوبارہ اس کی گردن پکڑ لی۔ اور پھر اس کا پنجہ تصدق کو واپس کھینچ لایا۔ تصدق اب ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔

"اچھا پیارے تصدق! اب اجازت دو اور ہاں۔ ہماری طرف سے یہ تحفہ قبول کرو۔ آتے جاتے رہیں گے۔" طالوت نے کوئی چیز نکالی اور تصدق کی پشت سے لگا دی۔

میں نے چونک کر اس شے کو دیکھا۔ سیاہ رنگ کی لمبے لمبے بالوں والی ایک دم تھی، جو زور زور سے ہل رہی تھی۔ یہ دم تو ٹھیک تھی، دیکھی جا سکتی تھی لیکن وہ ہل کس طرح رہی تھی، یہ میری سمجھ میں بھی نہیں آیا۔ تصدق نے تو شاید اس پر غور بھی نہیں کیا تھا۔

پھر طالوت نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور پیچھے ہٹ آیا۔ تصدق آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"ارے کیا یہ اندھا ہو گیا!" میں نے طالوت کے کان میں سرگوشی کی۔

"نہیں۔ بس ہمیں نہیں دیکھ سکتا۔"

"مجھے بھی؟"

"ہاں۔ تمہیں بھی۔"

"اوہ۔" میں نے گہری سانس لی "اس کا مطلب ہے اس بار تم ضرورت سے زیادہ ہی مسلح ہو کر آئے ہو مگر یہ دم؟"

"تخت شاہی ہے بھائی تبرک کو۔"

"یار۔ یہ فٹ کیسے رہی ہے؟"

"ہمیشہ فٹ رہے گی۔ اب اس کا پورا نام تصدق دم دار ہے صاحب۔" طالوت نے کہا اور میں ہنس پڑا۔

ہم دونوں کچھ فاصلے سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس بے چارے کے حواس ابھی تک درست نہیں ہوئے تھے۔ اسے شاید یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہم اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ وہ اب بھی ذرا سی آہٹ پر چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگتا۔

"ایک بات ہے طالوت!" میں نے کہا۔

"کیا؟"

"ہم اس سے شکیلہ کے بارے میں تو کچھ بھی نہیں پوچھ سکے۔"

"پوچھ لیں گے' ذرا دم لے لینے دو اسے۔ اب اسے چھوڑے گا کون۔" طالوت نے ہنستے ہوئے کہا اور ہماری نگاہ پھر تصدق کی طرف اٹھ گئی۔ وہ اپنا لباس درست کر رہا تھا اور پھر وہ ایک طرف چل پڑا۔ نہ جانے کہاں جا رہا تھا۔ طالوت نے مجھے اشارہ کیا اور ہم دونوں اس کے پیچھے چل پڑے۔

تصدق شاید ہمارے قدموں کی چاپ بھی نہیں سن پا رہا تھا۔ بہرحال چند منٹ کے بعد وہ درختوں کے درمیان کھڑی ایک لینڈ روور تک پہنچ گیا۔ ہم اس کا مقصد سمجھ گئے تھے۔

پھر جناب لینڈ روور میں وہ اکیلا کیوں ہوتا' ہم بھی اس کے ساتھ تھے اور اس کی پشت پر بیٹھ گئے تھے۔ تصدق لینڈ روور کی سیٹ پر بیٹھا اور پھر اچھل پڑا۔ اس نے پشت پر ہاتھ مارا اور بالوں والی دم اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ تصدق کی بے ساختہ چیخ بہت زوردار تھی۔ شاید وہ دم کو سانپ سمجھا تھا۔ اس نے سیٹ سے چھلانگ لگائی اور کھلے ہوئے دروازے سے باہر جا پڑا۔ بری طرح گرا تھا لیکن دم اس کے ساتھ تھی۔ اسے محسوس کر کے تصدق نے پھر چیخ ماری اور زور سے کھینچ کر خود سے الگ کرنا چاہا۔

لیکن پھر دوسری چیخ بھی فطری تھی۔ ایک بار پھر وہ گر پڑا تھا۔ تب اس نے سنجیدگی سے دم کو ہاتھ میں پکڑ کر دیکھا اور اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ اس نے اچھی طرح دم ٹٹولی' اسے چہرے کے قریب کر کے دیکھا۔

"ارے۔ ارے۔ یہ۔ یہ کیا ہو گیا۔ ہائے۔ یہ کیا ہو گیا۔" وہ روتی آواز میں بولا "ارے باپ رے۔ اب کیا کروں۔ دم نکل آئی اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ عجیب مضحکہ خیز انداز میں رو رہا تھا اور پھر چپ بھی اچانک ہی ہو گیا تھا۔ شاید کوئی خیال آ گیا تھا۔

"ارے باپ رے!" ایک بار پھر وہ سہمے ہوئے انداز میں چیخا اور پھر جلدی سے لینڈ روور میں گھس گیا۔ اس نے بمشکل تمام دم سمیٹ کر کسی طرح ایک طرف رکھی اور لینڈ روور اسٹارٹ کر کے اندھا دھند ریورس کی اور باغ سے نکل بھاگا۔ ہم دونوں نے سیٹیں مضبوطی سے پکڑ لی تھیں۔ تصدق پاگلوں کے سے انداز میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ باغ سے کافی دور آ کر وہ کسی حد تک سنبھلا اور اس نے رفتار تھوڑی سست کر دی۔ دور سے کار آتی نظر آ رہی تھی۔ تصدق نے لینڈ روور کی رفتار کچھ اور سست کر دی۔

کار لینڈ روور کے قریب سے گزری اور پھر اس سے ایک تیز نسوانی آواز ابھری "ہائے۔ تصدق!" اور تصدق نے بوکھلائے ہوئے انداز میں بریک لگا دیے۔

دوسری طرف جانے والی کار بھی رک گئی تھی اور پھر وہ بڑی تیزی سے ریورس ہو کر تصدق کی گاڑی کے برابر پہنچ گئی اور ایک بار پھر ہمارے ذہن کو جھٹکا لگا۔

وہ شکیلہ ہی تھی۔

تصدق ساکت و جامد اسے دیکھ رہا تھا۔

"ارے تصدق! کیسے ہو۔ تم کہاں بھاگے رہتے ہو؟" لڑکی مسکراتے ہوئے بولی۔

"افشاں بی بی!" تصدق نے آہستہ سے کہا۔

"کیوں' کیا تمہیں پہچاننے میں دقت ہو رہی ہے؟" لڑکی نے کہا۔

"آپ۔ آپ آ گئیں افشاں بی بی؟"

"ہاں۔ میں نے تمہیں اطلاع دی تھی۔"

"اطلاع تو مل گئی تھی افشاں بی بی لیکن۔ لیکن آپ نے مار دیا مجھے۔ میں تو بے موت مارا گیا افشاں بی بی۔ مارا گیا خدا کی قسم۔ میں تو بے موت مارا گیا۔"

"ارے۔ ارے۔ کیا ہوا تصدق؟ اور اب جا کہاں رہے ہو؟ چلو واپس چلو۔"

"کہاں؟" تصدق اچھل پڑا۔

"باغ میں!"

"باغ!" تصدق غیر اختیاری طور پر چیخا اور افشاں گہری سانس لے کر اسے گھورنے لگی۔

"کچھ اور کھسک گئے ہو شاید۔" لڑکی اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"میں کیا بتاؤں۔" تصدق روہانسی آواز میں بولا۔

"اف! کچھ تو بتاؤ۔ کچھ تو بتاؤ تصدق!"

"کیسے بتاؤں!" تصدق نے بے چارگی سے کہا۔



"کیوں۔ کیا تمہارے حلق میں تکلیف ہے؟" لڑکی نے کہا اور تصدق نے گردن جھٹکائی۔ ویسے ہم دونوں بھی گہری نگاہوں سے لڑکی کا جائزہ لے رہے تھے۔ یقیناً یہ وہی تھی جو ہوٹل میں ملی تھی۔ یہ بات ذہن میں تو آئی تھی لیکن اب یقین ہو گیا تھا کہ وہ شکیلہ نہیں' افشاں ہے۔ لیکن افشاں اور تصدق کی باتیں سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔

"کیوں سڑک روکے کھڑے ہو۔ میں کہتی ہوں باغ میں کیوں نہیں چلتے۔ وہاں سکون سے گفتگو ہو گی۔"

"نہیں نہیں۔ باغ میں نہیں۔ خدا کی قسم باغ کا نام نہ لیں' میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔" تصدق پھر سہمے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ارے تو خدا کے بندے' کہیں تو مرو۔ کیا یہیں کھڑے رہو گے۔"

"آپ۔ آپ میری گاڑی میں آ جائیں افشاں بی بی۔"

"اور اپنی گاڑی کا کیا کروں؟"

"یہیں کنارے کر دیں پھر واپسی میں آپ کو اسی جگہ لے آؤں گا۔"

"اور جاؤ گے کہاں؟"

"کہیں بھی نہیں۔ بس کسی پرسکون جگہ گاڑی روک کر باتیں کر لیں گے۔"

"یہاں کیا مصیبت آ رہی ہے۔ یہ جگہ بھی تو پرسکون ہی۔ گاڑی سائڈ کر کے نیچے اتر آؤ۔ درخت کے نیچے چل کر بیٹھتے ہیں۔ نہ جانے باغ کے نام سے تم پر کیوں وحشت سوار ہے۔"

"بس میں آپ کو بتا نہیں سکتا افشاں بی بی۔"

"نہ بتاؤ۔ جہنم میں جاؤ۔ اب اترو تو سہی۔"

"افشاں بی بی۔ افشاں بی بی! میں اتر بھی نہیں سکتا۔" تصدق نے لجاجت سے کہا۔

"ارے ارے۔ ارے۔ تم واقعی پاگل ہو گئے۔ میں سوچ رہی ہوں کہ تمہاری دماغی حالت پر اعتبار بھی کروں یا نہ کروں۔"

"اب جو کچھ بھی چاہیں سمجھ لیں۔ آپ اسی گاڑی میں آ جائیں۔" تصدق بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور افشاں نے ایک گہری سانس لی پھر اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور ایک جھٹکے سے اسے آگے بڑھا کر سڑک سے اتار دی اور پھر دروازہ کھول کر نیچے اتری اور لینڈ روور میں آ بیٹھی۔ تصدق اس دوران دم چھپانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ اس نے حتی الامکان دم چھپا لی تھی۔

افشاں نے گاڑی میں داخل ہو کر اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا "بظاہر تو کوئی تبدیلی نہیں نظر آتی۔ البتہ کھوپڑی ضرور کھسک گئی۔"

"میں کچھ نہ کہوں گا افشاں بی بی۔ کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔"

"اچھا۔ اب چلو جہاں جانا ہو۔"

"کمپنی پارک چلوں۔ یہاں سے زیادہ دور بھی نہیں ہے۔"

"اوہ فضول آدمی' جہاں دل چاہے چلو۔" لڑکی نے کہا اور تصدق نے پھر گاڑی آگے بڑھا دی۔ ہم دونوں کی دلچسپی عروج پر تھی۔ اس وقت تو واقعی لطف آ گیا تھا۔ کیسے انوکھے انکشافات ہوئے تھے اچانک' اور اب۔ اب ان دونوں کی گفتگو سے یقیناً بہت سے رازوں کا انکشاف ہو گا۔ ممکن ہے شکیلہ کا پتہ بھی چل جائے۔

چنانچہ ہم بھی خاموشی سے کمپنی پارک کا انتظار کرنے لگے۔ افشاں بار بار تصدق کی شکل دیکھنے لگتی تھی لیکن تصدق کی نگاہیں سامنے تھیں اور اس کے چہرے پر شدید ہیجان کے آثار تھے۔

راستے میں خاموشی رہی اور تھوڑی دیر کے بعد لینڈ روور کمپنی پارک کے سنسان علاقے میں داخل ہو گئی پھر ایک جگہ گاڑی روک کر تصدق گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

افشاں اب بھی خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے تصدق؟" آخر وہ عاجز آ کر بولی۔

"طویل داستان ہے افشاں بی بی!"

"شاید میری طویل جدائی نے تمہارے اندر کافی تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں۔" افشاں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں تو پیدا ہی مذاق اڑانے کے لیے ہوا ہوں افشاں بی بی' آپ کا دل خوش ہو جائے۔ بس یہی میری خواہش ہے۔"

"ابھی تمہارا انداز ہی ایسا ہے کہ بے اختیار زبان میں کھجلی ہونے لگتی ہے۔"

"میری بدقسمتی کہ میں آپ کو کبھی متاثر نہ کر سکا۔"

"اچھا اب فضول باتوں سے پرہیز کرو۔ گھر کے حالات بتاؤ۔"

"بے حد خراب ہیں۔ آپ نے بڑا ظلم کیا ہے افشاں بی بی۔"

"کیوں؟"

"بڑی ماں تو کئی بار موت کے منہ سے نکلی ہیں۔ ان کا ذہنی توازن بگڑ چکا ہے۔"

"ارے!" افشاں تھکے ہوئے انداز میں بولی۔
"ایسی ویسی مصیبت آئی ہے یہاں' کیا کیا بتاؤں۔ تنویر صاحب بے چارے زندہ درگور ہوگئے ہیں۔"
"اوہ! تصدق! مجھے اس حد تک حالات بگڑ جانے کی امید نہیں تھی۔"
"لیکن آپ غائب کہاں ہوگئی تھیں افشاں بی بی؟ آپ نے تو وعدہ کیا تھا کہ آپ اپنے ہر اسٹیشن سے رپورٹ دیں گی۔"
"غلطی ہوگئی تھی تصدق! مجھے امید نہیں تھی کہ تم اس قدر ثابت قدم رہو گے۔ میں نے سوچا اگر میں تمہیں اپنے ٹھکانوں کے بارے میں بتاتی رہی تو ایک روز ڈیڈی آئیں گے اور مجھے پکڑ لے جائیں گے۔"
"میں نے شدید ترین حالات میں بھی زبان نہیں کھولی۔"
"واقعی تم نے احسان کیا۔"
"احسان کی بات نہیں افشاں بی بی! ہزار بار میرا دل چاہا کہ آپ کے بارے میں بتادوں لیکن اس سے فائدہ' سوائے اس کے کہ آپ کا رازدار ہونے کی وجہ سے میری مصیبت آجاتی۔"
"واقعی میری وجہ سے تم بڑی الجھنوں کے شکار رہے ہو تصدق!"
"میں آپ کو کیا کیا بتاؤں افشاں بی بی! ایسے ایسے حیرت انگیز واقعات ہوئے ہیں کہ بس۔"
"اب کیا حالت ہے امی کی؟"
"نیم دیوانی ہیں بے چاری۔ بس میں کیا بتاؤں۔"
"افسوس۔ افسوس۔ میں نے اس حد تک حالات بگڑ جانے کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ اب کیا کروں تصدق؟"
"صورت حال بے حد سنگین ہے افشاں بی بی۔"
"میں تفصیل بعد میں سنوں گی تصدق! براہ کرم مجھے فوری طور پر ان کے پاس لے چلو۔"
"مگر۔ مگر افشاں بی بی! آپ کس طرح' کس حیثیت سے ان کے سامنے جائیں گی؟"
"تم ہی کوئی ترکیب بتاؤ تصدق! امی کی حالت سن کر میرا تو ذہن ماؤف ہوگیا ہے۔"
اور تصدق گہری سوچ میں ڈوب گیا "حالات سے آپ کو آگاہ کرنا بھی ضروری ہے افشاں بی بی! لیکن میرے خیال میں فوری طور پر اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بعد میں آپ کو تفصیل بتادوں گا۔ ابھی آپ اس سے ناواقف رہیں تو بہتر ہے۔ میری مانیں تو آپ ایک کام کریں۔"
"ہاں۔ ہاں بتاؤ۔"
"آپ واپس محل پہنچ جائیں۔"
"ہاں۔ پھر کیا کہوں؟"
"آپ ایک کہانی سنا دیں۔ آپ تنویر صاحب کو بتائیں کہ آپ کو چند خطرناک لوگوں نے اغوا کیا۔ آپ کو کوئی احساس نہیں کہ وہ آپ کو کہاں کہاں لے گئے۔ آپ پر ہمیشہ بے ہوشی طاری رہتی تھی پھر جب آپ کو ہوش آیا تو آپ کسی بردہ فروش کے چنگل میں تھیں۔ اس نے آپ کو فروخت کردیا اور آپ کسی عیاش آدمی کی خواب گاہ میں پہنچ گئیں۔ اس عیاش آدمی نے آپ پر دست درازی کی تو آپ نے اسے قتل کردیا اور اس کے قتل کے الزام میں آپ کو سزا ہوگئی۔ آپ بتادیں کہ وہ کوئی چھوٹی سی افریقی ریاست تھی پھر اس کی جیل میں بغاوت ہوئی اور آپ دوسرے قیدیوں کے ساتھ فرار ہو کر یہاں تک پہنچ گئیں۔ انہی میں کسی رحم دل قیدی نے آپ کی مدد کی تھی۔"
"ونڈر فل!" افشاں اچھل کر بولی "ویری گڈ تصدق! تمہارا ذہن تو کمپیوٹر کی طرح کام کرتا ہے۔"
"آپ کو دیکھنے کے بعد تو ساری ذہانتیں عود کر آئی ہیں۔" تصدق نے جواب دیا۔
"پھر تھوڑی دیر قبل ایسی بہکی بہکی باتیں کیوں کررہے تھے؟"
"اوہ۔ وہ۔ وہ۔ میں نے کہا نا کچھ تفصیلات۔" تصدق پر پھر بدحواسی طاری ہوگئی۔
"ارے۔ یہ۔ یہ تمہارے نیچے کیا دبا ہوا ہے؟" افشاں چونک پڑی۔
"اوہ۔ اوہ۔" تصدق کا سانس پھولنے لگا۔
"ارے' ہٹو تو۔ ہٹو تو۔" افشاں نے تصدق کی دم پکڑلی۔
"خدا کے لیے۔ خدا کے لیے۔" تصدق گھگھیایا۔
"اٹھو تو پاگل! یہ کیا دبا رکھا ہے؟" افشاں نے اس کی دم کو زور سے کھینچا اور تصدق کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ پوری دم پھر اس کے نیچے سے نکل آئی تھی۔
"آخر یہ ہے کیا؟" افشاں اسے کھینچے جارہی تھی۔ اس نے پوری قوت سے جھٹکا دیا تو تصدق اوندھا ہوگیا اور اس بار اس کی چیخ کے ساتھ افشاں بھی چیخ پڑی تھی۔
"دم!"
"افشاں بی بی!" تصدق رو دینے والے انداز میں بولا۔



"تمہاری ہی ہے!" افشاں بے ساختہ بولی۔
تصدق نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپالیا اور افشاں نے زوردار قہقہہ لگایا۔
"خدارا۔ خدارا میرا مذاق نہ اڑائیں افشاں بی بی۔"
"مبارک ہو۔ مبارک ہو تصدق! اب تم مکمل ہوگئے۔" افشاں بے اختیار قہقہے لگا رہی تھی۔
"بڑے افسوس کی بات ہے افشاں بی بی! آپ میری مصیبت پر ہنس رہی ہیں۔"
"یہ مصیبت نہیں' دم ہے تصدق!" افشاں نے پھر قہقہہ لگایا۔
"براہ کرم خاموش ہوجائیے۔ ورنہ۔ ورنہ میں خودکشی کرلوں گا۔"
"کچھ بھی ہو تصدق' ہے بڑی خوب صورت۔ گھنے اور سیاہ چمک دار بالوں سے ڈھکی ہوئی۔ اللہ اللہ' دم سب کو دے۔" افشاں بھی انتہاپسند معلوم ہوتی تھی۔
"افشاں بی بی!" تصدق غرایا۔ اس نے لینڈ روور کا دروازہ کھول لیا تھا۔
"ارے' ارے۔ کہاں چلے تصدق؟"
"میں۔ میں اب کسی کو منہ نہیں دکھاؤں گا۔ میں آپ ہمیشہ کے لیے۔ ہمیشہ کے لیے کہیں چلا جاؤں گا۔"
"تو کیا ابھی دوسرے لوگ اس کے دیدار سے محروم ہیں؟"
"اڑالیں۔ اڑالیں آپ میرا مذاق۔ میں۔ میں ہمیشہ آپ کا وفادار رہا ہوں اور آپ۔ آپ میرے ساتھ یہ سلوک کررہی ہیں۔"
"ارے تو کیا میں نے تمہاری دم نکال دی ہے۔ مجھ پر کیوں ناراض ہورہے ہو۔ ویسے تصدق! یہ نکل کیسے آئی؟" افشاں بمشکل تمام ہنسی روکتے ہوئے بولی۔
"کاش۔ کاش!" تصدق بری طرح تلملا رہا تھا۔
"ہاں۔ ہاں بتادو۔" افشاں نے اسے تسلی دی۔
"افشاں بی بی! براہ کرم میرا مذاق نہ اڑائیں۔ اگر خدانخواستہ اگر آپ کے ساتھ بھی کوئی ایسا حادثہ ہوجاتا؟"
"یعنی دم نکل آتی میرے؟"
"ہاں!"
"مزہ آجاتا۔ خدا کی قسم مزہ آجاتا۔ میں اخباری نمائندوں کو طلب کرتی۔ انہیں اپنی خوب صورت دم دکھاتی' اس کی تصویریں اخبارات میں چھپتیں اور پھر میں دم کے سنگھار کا سامان خریدتی۔ بال بال موتی پروتی اس میں۔ ایسی سجاتی کہ جتنے لوگ اسے دیکھتے' خود بھی دم کی آرزو کرنے لگتے۔ میری حیثیت ہی کچھ اور ہوتی۔"
"اڑا لیجیے اڑا لیجیے جتنا دل چاہے مذاق۔ تصدق تو پیدا ہی اس لیے ہوا ہے۔" تصدق نے افسردگی سے کہا۔
"اچھا تصدق! اب چلو۔ تم سے پھر تفصیلی بات چیت ہوگی۔ مجھے میری کار تک چھوڑ دو' وہاں سے میں اپنے ہوٹل جاؤں گی۔ میرے ساتھ بھی عجیب واقعات پیش آئے ہیں۔ ہم فرصت سے ان کا تبادلہ کریں گے۔"
اور تصدق نے لینڈ روور اسٹارٹ کرکے واپس موڑ دی۔ افشاں بار بار اس کی دم ٹٹولنے لگتی تھی اور تصدق اس طرح بدکنے لگتا جیسے درحقیقت یہ دم ہمیشہ سے اس کے بدن کا حصہ رہی ہو۔
پھر لینڈ روور اس کار کے پاس پہنچ گئی اور افشاں گاڑی سے اتر گئی۔
"تم کب پہنچو گے تصدق؟" اس نے اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔
"نہیں کہہ سکتا۔ کچھ نہیں کہہ سکتا۔"
"کیوں؟"
"آپ نے سنجیدگی سے میری اس مصیبت پر غور ہی نہیں کیا افشاں بی بی۔"
"اپنی دم کی مصیبت؟"
"ہاں!"
"تو کیا یہ نئی ہے؟"
"میں آج ہی اس مصیبت میں پھنسا ہوں۔"
"ارے۔" افشاں حیرت سے بولی "گویا دوسرے ابھی اس کی زیارت سے محروم ہیں۔" وہ پھر ہنس پڑی اور تصدق نے جھلاہٹ میں لینڈ روور اسٹارٹ کردی۔
"عارف!" طالوت نے میرے کان میں سرگوشی کی۔
"ہوں!"
"میرا خیال ہے اب ہمیں افشاں کے ساتھ سفر کرنا چاہیے۔ تصدق سے پھر ملاقات کرلیں گے۔"
"جیسی تمہاری مرضی!"
"نہیں' تمہارا کیا خیال ہے؟"
"ٹھیک ہے۔"
"تو آؤ۔ افشاں کی گاڑی میں چلیں۔" طالوت نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم دونوں لینڈ روور سے اتر گئے پھر ہم افشاں کی گاڑی میں پہنچ گئے۔ افشاں بھی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی اور پھر اس نے بھی کار اسٹارٹ کرکے واپس موڑ دی۔

"انوکھی داستان ہے عارف!" طالوت نے ایک گہری سانس لے کر کہا اور میں اچھل پڑا۔ میں نے افشاں کی طرف دیکھا' لیکن افشاں خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ اس نے شاید طالوت کے الفاظ نہیں سنے تھے۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟" طالوت پھر بولا۔

"طالوت!" میں نے آواز بھینچ کر کہا اور طالوت چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"کیوں؟"

"وہ۔۔۔ وہ سن لے گی۔" میں نے افشاں کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں سنے گی۔ کیوں۔ کیا تم ہماری آواز سن رہی ہو؟" طالوت حلق پھاڑ کر چیخا لیکن افشاں کے کان پر جوں تک نہیں رینگی تھی۔ تب میں نے ایک گہری سانس لی۔

"میری بھی نہیں سنے گی؟"

"وہ مکمل طور پر بہری ہے۔"

"کمال ہے۔ بہرحال میں تم سے متفق ہوں۔ حالات واقعی عجیب ہیں۔"

"یہ بات تو طے ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جس نے ہمیں ہوٹل میں بے ہوش کیا تھا۔"

"ہاں۔"

"پھر شکیلہ کہاں ہے؟"

"مجھے یقین ہے اس کا جواب تصدق ہی دے سکے گا۔"

"وہ حشر کروں گا اس کا کہ یاد ہی کرے گا۔" طالوت دانت پیس کر بولا "اور اس لومڑی کو بھی کچھ سزا دی جائے؟" اس نے افشاں کو گھورتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے اسے معاف کرو طالوت۔ ظاہر ہے وہ ہمیں نہیں جانتی تھی اور ہم نے اسے پکڑ کر تنویر صاحب کے سامنے لے جانے کی دھمکی دی تھی۔" میں نے کہا۔

"اس سفارش کے پیچھے کیا ہے؟" طالوت نے شرارت آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

"دیوار ہے صرف۔ بکواس مت کرو۔" میں بگڑ کر بولا۔

"خیر خیر۔ یوں بھی بھائی تبرک اس کے عاشقوں میں معلوم ہوتے ہیں۔"

"دلچسپ بات ہے۔" میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

اور ہم خاموش ہو گئے۔ افشاں کی کار ایک اور ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ اس نے دروازے بند کیے اور کار لاک کر کے نیچے اتر آئی۔ ہم اس کے پیچھے پیچھے تھے۔

افشاں کے کمرے میں بھی ہم اس کے ساتھ ہی داخل ہوئے تھے۔ افشاں نے گھنٹی بجا کر ویٹر کو بلایا اور پھر اس سے ہوٹل کے سپروائزر کو۔ "سنو! میں ہوٹل چھوڑ رہی ہوں لیکن میرا سامان چند روز یہیں رہے گا۔"

"کمرا آپ کے نام رہنے دیا جائے میڈم۔ آپ اسے لاک کر دیں۔"

"ٹھیک ہے' ایسا ہی کرو۔ یہ ایڈوانس رکھو اور رسید بنوا لو۔"

"بہتر ہے میڈم!" سپروائزر نے ادب سے جواب دیا اور پھر نوٹ سنبھالتا ہوا چلا گیا۔ افشاں نے اپنے لباس میں سے ایک معمولی سا لباس نکالا اور پھر اپنے کپڑے اتارنے لگی۔

"بند کرو۔ جلدی سے بند کرو۔" طالوت نے میری آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور پھر خود مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں "وہ ہماری موجودگی سے بے خبر ہے اس لیے ہمیں یہ غیر اخلاقی حرکت نہیں کرنی چاہیے۔"

"ٹھیک ہے یار۔" میں نے رخ بدل لیا۔

اور پھر افشاں تیار ہو گئی۔ اس نے اپنا سامان الماری میں بند کیا اور پھر کمرے سے نکل آئی۔ ہم سب اس کے ساتھ تھے۔ تالا لگا کر وہ نیچے اتر آئی' چابی کاؤنٹر کلرک کو دی اور پھر کار کی چابی اور کچھ نوٹ اس کے حوالے کرتی ہوئی بولی۔

"مسٹر! براہ کرم میری کار اس کی کمپنی کو واپس کر دیں۔ یہ آج تک کا کرایہ۔" اس نے نوٹ کلرک کی طرف سرکا دیے اور پھر ایک نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی "اور یہ تمہارا انعام!"

"شکریہ میڈم!" کلرک نے ادب سے کہا اور افشاں باہر نکل آئی۔ باہر آ کر اس نے ایک ٹیکسی روکی۔

"اب کیا کرو گے طالوت؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں؟" طالوت نے میری طرف دیکھا۔

"ٹیکسی میں ہم اس کے ساتھ بیٹھیں گے؟"

"پیدل بھی کچھ چلو۔" طالوت عجیب سے لہجے میں بولا۔

"آؤ۔" اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر قدم آگے بڑھا دیے۔ ٹیکسی اسٹارٹ ہو کر چل پڑی لیکن عجیب بات تھی' ہم قدم مناسب انداز میں اٹھا رہے تھے لیکن ٹیکسی ہم سے آگے نہیں نکل پا رہی تھی۔ گو اس کی رفتار کافی تیز تھی لیکن سڑک ہمارے قدموں کے نیچے مختصر ترین ہو گئی تھی۔

یہاں تک کہ ہم تنویر محل پہنچ گئے۔



Uploaded By Muhammad Nadeem

میں نے ایک گہری سانس لی تھی "اس بار تم ضرورت سے زیادہ ہی سنے آئے طالوت!" میں نے کہا۔ طالوت نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ افشاں کی سب سے پہلی ملاقات کمال سے ہی ہوئی تھی جو ٹیکسی دیکھ کر رک گیا تھا اور پھر وہ تیر کی طرح ٹیکسی کی طرف لپکا۔

"ارے۔ مس شکیلہ! آپ۔۔۔ آپ آ گئیں؟" وہ مسرت سے بولا۔

"کمال!" افشاں نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ پکڑ لیے "کیسے ہو کمال؟"

"ٹھ۔۔۔ ٹھیک ہوں مس شکیلہ! الل۔۔۔ لیکن۔۔۔"

"کیا بکواس ہے' تم میرا نام کیا لے رہے ہو؟"

"تک۔۔۔ کیا مطلب؟"

"بھول گئے ہو مجھے یا پاگل ہو گئے ہو؟" افشاں اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"اف۔۔۔ افشاں باجی!"

"ہاں۔ ہاں بھول جاؤ۔ کمال بچو مجھے ذہن سے کیسے کیسے گئے۔"

"افشاں باجی!" کمال دوڑ کر اس سے لپٹ گیا۔

افشاں نے بھی اسے لپٹا لیا تھا "آپ۔۔۔ آپ کہاں چلی گئی تھیں افشاں باجی۔ اف۔۔۔ آپ آ گئیں' اس گھر کی زندگی لوٹ آئی۔ ہم سب مُردوں کی سی زندگی گزار رہے تھے۔ آپ کہاں چلی گئی تھیں افشاں باجی!"

"امی کیسی ہیں کمال؟ جلدی سے مجھے ان کے پاس لے چلو۔"

"آئیے۔ آئیے افشاں باجی۔ آئیے۔" اور کمال نے شور مچا دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں سارے گھر میں کہرام مچ گیا۔ افشاں آ گئی۔ افشاں آ گئی۔ تنویر صاحب بھی موجود تھے۔ ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ ایک بار انہوں نے افشاں سے پوچھا۔

"کیا تم سچ مچ افشاں ہو؟"

"ڈیڈی! یہ کیا بات ہے۔ کمال نے بھی مجھے شکیلہ کہہ کر مخاطب کیا تھا۔"

"بہت کچھ ہے بیٹی۔ معلوم ہو جائے گا تمہیں۔" اور پھر افشاں نے تصدق کی بتائی ہوئی کہانی دہرا دی۔ اس نے اس چالاکی سے یہ کہانی سنائی تھی کہ یقین نہ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ بہرحال پھر دن بھر ہنگامے ہوتے رہے۔ تنویر صاحب نے ایس پی آفتاب کو بھی بلایا تھا۔ آفتاب نے افشاں سے اس کے بیانات لیے اور پھر تنویر صاحب کی بچی کی بازیابی پر مبارک باد پیش کی۔

"لیکن ایس پی صاحب! میں اس بچی کی بازیابی بھی چاہتا ہوں' جو افشاں کی ہم شکل تھی۔ مجھے اس سے بھی ہمدردی ہے۔"

"میرے خیال میں اب اس کا ملنا مشکل ہے تنویر صاحب' اس کے ساتھی پولیس کو جل دے کر نکل گئے۔ یقیناً وہ بھی ان کے ساتھ ہو گی۔ ممکن ہے کبھی تینوں ایک ساتھ ہی ہاتھ لگ جائیں۔"

"نہ جانے کیوں۔ آج بھی میرا دل انہیں مجرم سمجھنے کو تیار نہیں ہے۔" تنویر صاحب بولے۔

"آپ نیک دل انسان ہیں۔ بعض مجرموں کی شکلیں بے حد معصوم ہوتی ہیں۔ اب اجازت دیں۔" ایس پی صاحب چلے گئے۔ ہم لوگوں نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور ایک سنسان جگہ پر پہنچ آئے۔

"جی!" طالوت نے گہری سانس لے کر مجھ سے کہا۔

"فرمائیے!"

"ہماری تو کوئی پوچھ گچھ اب یہاں ممکن نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کچن میں چل کر کھانے کا بندوبست کیا جائے؟"

"جیسا مناسب سمجھو۔"

"یا پھر راسم سے منگا لیتے ہیں۔" طالوت نے کہا اور راسم کو آواز دی۔ دوسرے لمحے راسم موجود تھا۔

"کھانا کچن سے ہی آنا چاہیے۔"

"جو حکم آقا!" راسم نے مسکراتے ہوئے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد کھانے کی ٹرے ہمارے سامنے تھی۔ میں نے اور طالوت نے اطمینان سے کھانا کھایا اور فارغ ہو گئے۔

"آؤ۔ اب ذرا بھائی تبرک کو تلاش کیا جائے۔"

"ارے ہاں۔ وہ نظر نہیں آیا۔"

"اس کے مکان میں دیکھتے ہیں۔" طالوت نے کہا اور ہم دونوں تصدق کے مکان کی طرف چل پڑے۔ لیکن دروازے سے چند قدم دور ہی ہم ٹھٹک گئے۔ افشاں' تصدق کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔

طالوت نے میری طرف دیکھا اور پھر ہم خاموشی سے دروازے کے نزدیک پہنچ گئے۔ افشاں نے پھر دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے۔ بھاگ جاؤ۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اندر سے تصدق کی آواز آئی۔

"دروازہ کھولو تصدق! میں افشاں ہوں۔" افشاں نے کہا اور چند ساعت کے بعد دروازہ کھل گیا۔ تصدق عجیب

سے لباس میں کھڑا تھا۔ ہم دونوں جھٹکے سے اندر داخل ہو گئے اور پھر تصدق کی کمر پر ٹھٹھری دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی۔ تصدق نے اپنی دم اس طرح لپیٹ کر باندھ لی تھی کہ وہ ٹھٹھری سی بن گئی تھی۔

"آئیے افشاں بی بی!" اس نے اداس آواز میں کہا۔

"کیسے ہو تصدق؟"

"خدا کے واسطے میرا مذاق نہ اڑائیں۔ میں سخت پریشان ہوں۔"

"دم کہاں گئی؟" افشاں نے جھک کر اسے دیکھا اور تصدق اچھل پڑا۔ وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گیا تھا اور پھر اس کے چہرے پر جنون کے آثار نظر آنے لگے۔

"افشاں بی بی! اگر آپ میرا مذاق اڑانے آئی ہیں تو میں درخواست کرتا ہوں براہ کرم یہاں سے چلی جائیں۔ میں اس وقت کسی کو برداشت نہیں کر سکتا۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"ارے نہیں تصدق! لیکن براہ کرم تم مجھے اپنی پریشانی کے بارے میں بتاؤ تو۔" افشاں نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں اس سلسلے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"خیر تمہاری مرضی۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ بڑی مشکل سے آئی ہوں۔ کچھ ضروری باتیں مجھے بتا دو۔" وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"پوچھئے۔" تصدق نے بھی ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا لیکن دم کی وجہ سے وہ بے چین تھا۔

"یہ شکیلہ کون ہے۔ بہت سوں کی زبان سے اس کا نام سنا ہے۔"

"آپ کی ہم شکل تھی۔ حیرت انگیز طور پر ہم شکل۔ نرین میں بڑی مال کو مل گئی تھی۔ اس کے ساتھ اس کے ساتھی دو ہم شکل لوگ تھے۔ شیطان صفت۔ سب نے اسے افشاں سمجھا تھا لیکن میں حقیقت جانتا تھا۔"

"اوہ! کیا وہ مجھ سے بہت ملتی تھی؟"

"اتنی کہ شناخت ناممکن تھی۔"

"کمال ہے! گمر وہ گئی کہاں؟"

"نہ جانے کہاں۔" تصدق کی آواز میں عجیب سی کیفیت تھی۔

"اور اس کے ساتھی؟"

"وہ دونوں جرائم پیشہ تھے، میں نے انہیں گرفتار کرا دیا۔"

"تو وہ جیل میں ہیں؟"

"نہیں!"

"چھوٹ گئے؟!"

"خدا ہی بہتر جانے۔"

"بہرحال تصدق! تم نے میرے ساتھ جو تعاون کیا ہے اس کے لیے شکر گزار ہوں۔ میری طرف سے دل میں کوئی خیال نہ لانا لیکن دم کے مسئلے میں میرا دم اٹکا رہے گا۔"

"بس میرے لیے دعا کریں۔ خدا مجھے موت دے دے۔"

"آمین۔" افشاں نے بے ساختہ کہا اور پھر جلدی سے بولی "ارے نہیں نہیں میں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم اسے کٹوا بھی سکتے ہو۔"

"چلی جائیے۔ خدا کے لیے چلی جائیے۔" تصدق جھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے۔ ارے۔ میں تو تمہیں تسلی دے رہی ہوں دیکھو۔ تم نے ابھی تک مجھے پوری طرح بتایا بھی نہیں ہے۔ دکھاؤ تو۔ شاید میں ہی تمہیں کوئی حل بتا سکوں۔"

"افشاں بی بی۔ افشاں بی بی! میرے تم کہا ہے بس اس وقت چلی جائیے۔"

"اچھا۔ خدا حافظ۔ جیسی تمہاری مرضی۔ ویسے مجھے تم سے ہمدردی ہے۔" افشاں اٹھی اور دروازے سے باہر نکل گئی۔

ہم دونوں کمرے میں ہی رہے..... تصدق نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔ طالوت اس دوران کارروائی کر چکا تھا اور اب ہم نگاہوں کے سامنے تھے۔ تصدق پلٹا اور بری طرح اچھل پڑا۔

"تت۔ تم۔ تم!" اس نے خوف زدہ نگاہوں سے ہمیں دیکھا پھر اس کی آنکھوں میں خون خوار تاثرات ابھر آئے لیکن پھر ان کی جگہ بے بسی نے لے لی اور پھر وہ رو پڑا۔

"نجات دلا دو۔ خدا کے لیے مجھے اس سے نجات دلا دو۔ میری زندگی تباہ ہو جائے گی۔ میں بے موت مر جاؤں گا۔ تمہیں خدا کا واسطہ مجھے اس سے نجات دلا دو' میں سخت پریشان ہوں۔"

"اور تم نے جو ہماری زندگیاں خاک میں ملا دیں تصدق!" میں نے کہا۔

"میں شرمندہ ہوں۔ میں تم سے دلی طور پر شرمندہ ہوں' اگر میں تمہاری زندگیاں واپس دلا سکتا تو ضرور دلا دیتا۔ مجھے معاف کر دو۔ میں تمہارے ہاتھ جوڑتا ہوں۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر زمین پر بیٹھ گیا۔



"ایک شرط ہو گی تصدق!" بالآخر طالوت نے کہا۔

"بتاؤ۔ بتاؤ۔ میں ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔"

"افشاں کی کہانی سناؤ۔"

"اوہ!" تصدق نے بے بسی سے ہمیں دیکھا پھر گہری سانس لے کر بولا "سنا دوں گا' خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ تم پہلے مجھے اس سے نجات دلا دو۔"

"پہلے کہانی۔ لیکن سچی!"

"اب تمہارے سامنے کیا جھوٹ بولوں گا۔"

"تو پھر شروع ہو جاؤ۔"

"دراصل افشاں بی بی غیر ممالک کی سیر کرنا چاہتی تھیں۔"

"اچھا۔ پھر؟"

"تنویر صاحب نے کسی طور انہیں اجازت نہیں دی۔ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ انہوں نے مجھے آلۂ کار بنایا۔ میرے ذریعے ہی انہوں نے پاسپورٹ وغیرہ بنوایا اور دوسرے ضروری کاغذات تیار کرائے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ ان کا دورہ مختصر ہو گا اور وہ جہاں بھی ہوں گی' مجھے آگاہ رکھیں گی۔ ساری تیاریاں کرنے کے بعد ایک روز وہ یونیورسٹی گئیں اور وہیں سے ایئرپورٹ چلی گئیں۔

اس کے بعد سے ان کا پتہ نہیں چل سکا۔ انہوں نے مجھے بھی جل دے دیا تھا۔ یہاں کے حالات بے حد بگڑ گئے لیکن اب میں زبان کیسے کھول سکتا تھا' خود میری شامت آ جاتی۔ یہ ہے کل کہانی۔"

"اوہ!" میں نے طویل سانس لی۔

"ایک سوال اور تصدق؟"

"وہ بھی پوچھ لو۔" تصدق نے عاجزی سے کہا۔

"شکیلہ کہاں ہے؟"

"میرے ایک دوست کے ہاں ہے۔ یقین کرو' اسے میں نے کوئی تکلیف نہیں ہونے دی ہے۔"

"تم نے اسے اغوا کیا تھا؟"

"ہاں۔" تصدق نے سر جھکا لیا۔

"کیوں؟" طالوت نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

تصدق گھبرائے ہوئے انداز میں ہماری شکلیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"جواب دو' تم نے اسے کیوں اغوا کیا ہے؟"

"معاف کر دو۔ خدا کے واسطے معاف کر دو۔" تصدق نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"جواب دو تصدق۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"تم لوگوں نے بھی تو میری زندگی جہنم کر دی تھی۔ میرا جینا حرام کر دیا تھا۔ تم لوگوں نے جتنا بے عزت مجھے کیا' اس سے قبل میں کبھی نہیں ہوا۔ میں تم لوگوں سے نفرت کرتا تھا۔"

"تو اس کا انتقام تم نے شکیلہ سے لیا؟"

"نہیں۔" تصدق نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"پھر؟"

"میں نے اسے اس لیے اغوا کیا کہ تم یہاں سے دفعان ہو جاؤ۔ تم اسے تلاش کرتے پھرو اور میری جان چھوٹ جائے۔ یہاں تمہاری پوچھ گچھ صرف اس کی وجہ سے تھی۔ اس کے بعد تمہارے یہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں رہتا۔"

"لیکن کیا یہ جرم نہیں تصدق؟"

"بس میں اتنا ہی عاجز آ گیا تھا۔"

"ہوں! اس کے بعد تم نے پولیس کو ہماری نشاندہی کر دی لیکن تمہیں ہمارے بارے میں علم کیسے ہو گیا؟"

"اتفاقیہ طور پر۔ میں نے اخبار دیکھے تھے' ان میں تمہاری تصویر اور تفصیل مل گئی تھی۔"

"خوب!" میں نے طالوت کی شکل دیکھی۔ وہ بھی میری طرف دیکھ رہا تھا پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا "اب ہم تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں تصدق؟"

"بس قتل کر دو۔ میں مرنا چاہتا ہوں۔"

"خودکشی کیوں نہیں کر لیتے؟" طالوت نے بے رحمی سے پوچھا۔

"نہیں کر سکتا۔ کر سکتا تو اب تک کر چکا ہوتا۔ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔"

"دم دکھانے کے قابل تو ہو۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔ تصدق نے بے بسی سے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری تھی۔

"کیا خیال ہے؟" میں نے اسے گھورا۔

"میں۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"ہم تمہاری خواہش پوری کیے دیتے ہیں تصدق۔ اسے قتل کر دو۔" میں نے کہا اور طالوت نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے' تصدق نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"لیکن ٹھہرو' پہلے اس سے شکیلہ کے بارے میں تو معلوم کر لو۔" میں بولا۔

"شکیلہ کہاں ہے؟" طالوت اسے گھورتے ہوئے بولا۔

"اکل روڈ کے مکان نمبر سترہ میں' چوہدری اسماعیل نامی ایک شخص ہے' میرا دوست ہے۔ وہ شریف آدمی ہے۔ بس



Uploaded By Muhammad Nadeem

میری دوستی سے مجبور ہو کر اس نے شگفتہ کو رکھ لیا ہے۔ براہ کرم اسے کچھ نہ کہنا۔ تم کسی طرح بھی اسے وہاں سے نکال سکتے ہو۔" تصدق نے جواب دیا اور طالوت نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"آنکھیں کھول دو تصدق!" وہ بولا اور تصدق نے آنکھیں کھول دیں "تمہاری ایک شرافت کی وجہ سے ہم نے تمہاری جان بخش دی۔"

"شرافت؟"

"ہاں۔ تم نے شگفتہ کا پتہ آسانی سے بتا دیا۔ اگر تم اس پر سودے بازی کرتے تو پھر ہم شاید تمہیں معاف نہ کرتے۔"

"میں زندگی سے عاجز آگیا ہوں۔ اس دم کی وجہ سے میں، میں زندہ درگور ہو گیا ہوں۔" تصدق رو پڑا۔

"کون سی دم کی بات کر رہے ہو؟" طالوت نے کہا۔

"یہی۔ یہی۔" تصدق نے بتلاتے ہوئے انداز میں پشت پر ہاتھ مارا اور پھر بوکھلائے ہوئے انداز میں ٹٹولنے لگا پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ نیچے جھانکا لیکن دم موجود نہیں تھی۔ اس نے تھوک نگل کر ہم دونوں کی طرف دیکھا۔

"تت۔ تت۔ تو کیا۔ کیا واقعی تم نے مجھے معاف کر دیا؟"

"تم نے نرمی سے ہی ہمارے ساتھ غلط سلوک کیا تھا تصدق! تم نے اسی وقت سے ہماری دشمنی مول لے لی تھی ورنہ ہم تم سے دشمنی ہی کیوں کرتے۔" طالوت نے کہا۔

"مجھ سے غلطی ہوئی تھی۔"

"کوئی بات نہیں میری جان۔ ہم تو یاروں کے یار ہیں۔ تم نے ہماری دشمنی دیکھ لی اب دوستی بھی دیکھو۔"

"لل۔ لیکن۔ تم تو۔ تم تو مر چکے ہو۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" طالوت نے لاپروائی سے کہا۔

"کیا مطلب؟" تصدق پھر حیران ہو گیا۔

"ارے ہم تو اکثر مرتے رہتے ہیں۔ دس بیس بار مرنے سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

"تت تو۔ تم واقعی زندہ ہو۔" تصدق نے آنکھیں پھاڑ دیں۔

"تمہیں کیسے نظر آ رہے ہیں؟"

"اور وہ دم؟"

"ارے وہ تو ایک شعبدہ تھا۔ ایسا ہی شعبدہ جیسے ہم تھانے سے نکل بھاگے تھے۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔" تصدق نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔

"چلو۔ اب لباس تبدیل کرو۔ ہمارے ساتھ چلو اور شگفتہ کو ہمیں واپس کر دو۔" طالوت نے کہا اور تصدق اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا ہاتھ بار بار پیچھے چلا جاتا تھا۔

بہرحال ہم اس کے کمرے سے نکل آئے۔ اس نے لباس تبدیل کیا۔ اب اس کی کیا مجال تھی کہ وہ ہمارے خلاف کوئی حرکت کرتا۔ لباس تبدیل کر کے وہ باہر نکل آیا۔ اس کے چہرے سے اب خوشی جھلک رہی تھی۔

"دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہتا ہے۔ تمہارے بارے میں سب کو اطلاع مل چکی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم اپنی گاڑی میں پہنچو۔ ہم آ رہے ہیں۔" طالوت نے کہا اور تصدق گردن ہلا کر باہر نکل گیا۔ "آؤ۔" طالوت نے مجھ سے کہا اور پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑا۔ دوسرے لمحے ہم گاڑی کے نزدیک تھے۔ طالوت نے دونوں ہاتھ ہوا میں لہرائے اور پھر دور سے آتے ہوئے تصدق کی طرف انگلی اٹھا دی۔

"کیا کر دیا؟" میں نے بے ساختہ پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ اب اس کے علاوہ ہمیں اور کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔"

"اوہ! یہ بات ہے طالوت۔ بہرحال پولیس سے دوبارہ مڈبھیڑ بھی ہو سکتی ہے۔"

"ارے تو پروا کیوں کرتے ہو میری جان۔ اب میں بے دست و پا تو نہیں ہوں۔ ایس پی صاحب سے بھی ملاقات کر لیں گے۔"

"نہیں بھائی۔ خدا کے واسطے نہیں۔ میرا خون خشک مت کر۔" میں نے طالوت سے کہا۔

"بزدلی نہ دکھاؤ عارف! سب ٹھیک ہو جائے گا۔" طالوت نے میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اتنی دیر میں تصدق بھی ہمارے پاس پہنچ گیا۔ ہمیں دیکھ کر اس کا منہ پھر کھل گیا تھا۔

"ارے۔ تم لوگ یہاں پہنچ گئے؟" اس نے ہونقوں کے سے انداز میں کہا۔

"دوڑتے ہوئے آئے ہیں دوسروں کی نظروں سے بچ کر۔ چلو گاڑی نکالو کوئی دیکھ نہ لے۔" طالوت بولا اور تصدق نے جلدی سے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور ہم محل سے نکل آئے۔

تصدق خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے پھر اس نے ایک گہری سانس

Uploaded By Muhammad Nadeem



جاسوسی ڈائجسٹ کے مقبول سلسلے کتابی شکل میں دستیاب ہیں

شکاری
20 حصے (مکمل)
ڈاک خرچ فی حصہ 23 روپے
مکمل سیٹ ایک ساتھ منگوانے پر رعایتی قیمت صرف -/1000 روپے

مجاہد
11 حصے (مکمل)
ڈاک خرچ فی حصہ 23 روپے
مکمل سیٹ ایک ساتھ منگوانے پر رعایتی قیمت صرف -/600 روپے

گمراہ
8 حصے (مکمل)
ڈاک خرچ فی حصہ 23 روپے

مفرور
6 حصے (مکمل)
ڈاک خرچ فی حصہ 23 روپے

صدیوں کا بیٹا
5 حصے (مکمل)
ڈاک خرچ فی حصہ 23 روپے

کسی بھی کتاب کے چار حصے ایک ساتھ منگوانے پر ڈاک خرچ 29 روپے
کسی بھی قسم کی رعایت حاصل کرنے کے لئے رقم پیشگی بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں

کتابیات پبلی کیشنز
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
kitabiat1970@yahoo.com
پوسٹ بکس 23
کراچی 74200

لے کر کہا "تمہارے لیے تو بڑی مشکلات پیش آجائیں گی۔"
"کیوں؟"
"پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔"
"تمہاری دوستی کب کام آئے گی تصدق؟"
"میں کیا کر سکتا ہوں؟"
"ہمیں کہیں چھپانے کا بندوبست نہیں کرا سکتے؟"
"چھپانے کا۔" اس نے فکرمندانہ انداز میں کہا اور پھر کئی منٹ تک سوچتا رہا پھر اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا "تنویر صاحب کا باغ عمدہ جگہ ہے۔ میں وہاں تمہارے لیے ساری سہولتیں مہیا کر دوں گا۔ یوں بھی وہاں میری اطلاع کے بغیر کوئی نہیں جاتا۔ مالی سے کہہ دوں گا میرے عزیز ہیں۔" تصدق نے کہا۔ خالص انسان بن گیا تھا وہ اور انسانوں سے بہرحال ہماری کوئی دشمنی نہیں تھی۔

چنانچہ ہم خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد گاڑی مطلوبہ جگہ پہنچ گئی اور تصدق نیچے اتر گیا "میں شکیلہ کو لے کر آتا ہوں۔ براہ کرم اگر ہو سکے تو اس کی نگاہوں میں میری پوزیشن خراب مت ہونے دینا۔ اسے نہیں معلوم کہ اسے کس نے اغوا کیا ہے۔ میں نے اسے بے ہوش کر کے اغوا کیا تھا۔"

"جاؤ۔ لے کر آؤ۔" طالوت نے کہا اور تصدق اس مکان میں پہنچ گیا۔ ہم دونوں انتظار کرنے لگے "بھائی تیرک تو میدان چھوڑ گئے عارف! اب کیا کیا جائے؟" طالوت نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ابھی تو بہت سی دلچسپیاں ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بتاؤ یار۔"
"شکیلہ آ جائے، اس کے بعد پروگرام بنائیں گے۔"
"یہاں سے کہاں چلا جائے؟ کیا تصدق کی پیشکش قبول کر لی جائے؟"
"باغ والی؟"
"ہاں۔"
"میرا خیال ہے ضروری نہیں ہے۔ ہم کسی ہوٹل میں بھی رہ سکتے ہیں، اس شکل میں کہ صرف شکیلہ منظرِ عام پر رہے اور ہم دونوں دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہیں۔"
"ویری گڈ۔ اچھا آئیڈیا ہے۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا "منظور ہے تمہیں۔"
"سو فیصد!" اس نے کہا اور ہم خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد تصدق، شکیلہ کے ساتھ باہر آیا۔ وہ دونوں بڑی تیزی سے قدم اٹھا رہے تھے اور پھر لینڈ روور میں پہنچ کر شکیلہ ہم دونوں سے لپٹ گئی۔ وہ سسکیاں لے رہی تھی۔

"ارے۔ ارے شکیلہ! اس کی کیا ضرورت ہے۔ ارے۔ ارے۔" طالوت بوکھلائے ہوئے انداز میں اسے تسلی دینے لگا۔

"میری تقدیر میں کیا سب کچھ رہ گیا ہے یوسف! کیا میں زندگی بھر یونہی کھلونا بنی رہوں گی؟"

"ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ تمہیں غلطی سے اغوا کر لیا گیا تھا۔ اب کچھ نہیں ہوگا۔ فکر مت کرو۔ تمہیں اب تم بالکل فکر مت کرو۔" بمشکل ہم شکیلہ کو خاموش کرانے میں کامیاب ہو سکے۔

تصدق احمقوں کی طرح گردن جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ "تصدق!" میں نے اسے آواز دی اور وہ چونک پڑا "ہمیں کسی عمدہ ہوٹل میں لے چلو۔"

"ہو۔۔۔ ہوٹل کیوں؟"
"فی الحال یہی پروگرام ہے۔ تمہارے پروگرام پر بعد میں عمل کریں گے۔"
"ہاں۔ لیکن۔" تصدق ہچکچایا۔
"فکر مت کرو۔ سب ٹھیک ہے۔ ہم پروا نہیں کرتے۔ چلو۔" طالوت نے کہا اور تصدق نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔
"آپ لوگ مجھ تک کیسے پہنچے؟" شکیلہ نے سوال کیا۔ اب وہ سنبھل گئی تھی۔
"تصدق صاحب کے ذریعے۔ انہوں نے تمہارا کھوج لگایا تھا۔"

"اوہ! میں تصدق صاحب کی شکر گزار ہوں۔" شکیلہ نے ممنونیت سے کہا اور تصدق کی گردن شرم سے جھک گئی۔
"ویسے ان لوگوں کی قید میں تمہیں تکلیف تو نہیں ہوئی؟"
"انوکھی قید تھی۔ سب لوگ اس طرح میری خدمت کرتے تھے جیسے میں شہزادی ہوں۔ میری ذرا سی بات پر سب دوڑ پڑتے تھے، سوائے اس کے مجھے اور کوئی تکلیف نہیں تھی کہ میں ایک کمرے تک محدود تھی۔"
"شکر ہے، ہم تمہارے لیے بہت پریشان تھے۔"
ایک خوب صورت سے ہوٹل کے سامنے تصدق نے گاڑی روک دی اور ہماری طرف رخ کیے بغیر بولا "یہ ہوٹل بہت عمدہ ہے۔"
"شکریہ تصدق! بس اب تم واپس جاؤ۔ ہم پھر ملاقات کریں گے۔"
"میرے لیے اور کوئی خدمت؟"
"نیشن کرو پیارے! لیکن ہماری یہاں موجودگی کے بارے میں کسی کو معلوم نہ ہو۔"
"اب آپ بے فکر رہیں۔ تصدق کا رواں رواں آپ کا غلام ہے۔ مجھے پورا پورا احساس ہے کہ میرے رویے نے ہی آپ کو میرا دشمن بنایا تھا۔ غلطی میری ہی تھی۔" تصدق نے شرمندگی سے کہا۔

"بس بس میری جان تصدق! ہمارا دل صاف ہو گیا۔ آج سے تم دوستوں میں ہو۔" طالوت نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ میں نے بھی تصدق سے مصافحہ کیا اور تصدق واپس چلا گیا۔

"شکیلہ!" طالوت نے شکیلہ کو پکارا۔
"جی!" وہ آہستہ سے بولی۔
"اب تم ٹھیک ہو جاؤ۔ ہماری بادشاہت واپس مل گئی ہے۔ اندر چلو۔ ہم کہیں رک جائیں گے۔ تم یہاں تین افراد کے لیے کمرے حاصل کرو۔ ذرا شان سے۔ کہہ دینا وہ شہزادے قیام کریں گے، تم ان کی نگراں ہو۔"
"اوہ! لیکن؟"
"ہاں، ہاں۔ یہ نوٹ کاؤنٹر پر ڈال دینا۔" طالوت نے بڑے نوٹوں کی ایک گڈی شکیلہ کو تھماتے ہوئے کہا۔
"اوہ۔ اتنے سارے لیکن یہ سب؟"
"کاؤنٹر پر جو بھی ہو، اس سے کہہ دینا نوٹ رکھیے، حساب بعد میں ہو جائے گا۔"
"اچھا!" شکیلہ نے گہری سانس لی، نوٹ سنبھالے اور اندر چل پڑی۔ ظاہر ہے معمولی سے طلاقے کی لڑکی تھی، گھبرائی ہوئی تھی۔ لیکن بہرحال ہم نے اسے جو کچھ سمجھایا تھا اس نے وہی کیا تھا۔ واپس آئی تو دو پورٹرز اس کے ساتھ تھے۔

"ارے۔ ارے۔ یہ اس نے کیا گڑبڑ کر ڈالی۔" طالوت نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔
"اس کے علاوہ وہ بے چاری کیا کر سکتی تھی۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "مگر اب؟"
"میں ان کے پاس جاتا ہوں۔ جاؤں؟"
"جاؤ ڈیئر۔ لڑکی ابھی سیدھی ہے۔" طالوت نے ایک ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا اور میں ان دونوں کی طرف خود ہی بڑھ گیا۔
"تم لوگ کمرے کا نمبر بتا دو، فی الحال سامان وغیرہ نہیں آیا، آ جائے گا۔" میں نے کہا۔
"بہتر جناب۔" پورٹرز نے کہا اور پھر وہ کمرے تک ہماری رہنمائی کرنے چل پڑے۔ طالوت بھی ساتھ ہی آ رہا تھا لیکن بہرحال وہ پورٹرز کی نگاہ میں نہیں تھا۔ ہوٹل واقعی خوب صورت تھا۔ بڑے کمرے میں تین بیڈ لگے ہوئے تھے۔ ضرورت کا سارا سامان موجود تھا۔ طالوت آنکھیں بند کر کے گردن ہلانے لگا اور شکیلہ اس کی شکل دیکھنے لگی۔
"کیوں؟ کیا بات ہے؟" اس نے پوچھا۔
"کچھ نہیں۔ بیٹھو شکیلہ۔ ظاہر ہے اس دوران کے واقعات سے تو تم لاعلم رہی ہو گی؟"
"ظاہر ہے۔"
"چنانچہ پہلی اہم اطلاع یہ ہے کہ انشاں واپس آ گئی۔"
"اوہ! شکر ہے مگر وہ کہاں گئی تھی؟"
"سیر کرنے۔"
"کیا مطلب؟" شکیلہ تعجب سے بولی اور میں نے اسے مختصراً تفصیل بتا دی "بڑی عجیب لڑکی ہے۔" شکیلہ نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور پھر وہ چونک کر بولی "لیکن آپ لوگوں نے میرا پتہ کیسے چلا لیا؟"
"بس اسی دن سے تمہاری تگ و دو میں لگے ہوئے تھے۔"
"لیکن یہ کون لوگ تھے جنہوں نے مجھے اغوا کیا تھا؟"
"جرائم پیشہ۔ تنویر صاحب سے کچھ وصول کرنا چاہتے تھے لیکن بہت جلد ان کی غلط فہمی دور ہو گئی۔" میں نے جواب دیا اور شکیلہ گردن ہلانے لگی پھر وہ مسکراتی ہوئی بولی۔
"گویا کل سے اب ہماری چھٹی؟"
"بظاہر تو یہی بات ہے۔"
"بظاہر کیوں؟"
"بھئی وہ لوگ بد اخلاق ہو سکتے ہیں، ہم نہیں۔ بہرحال سلام دعا ہے، ملاقات تو ضرور کریں گے۔ ویسے اگر تم ہمت کرو تو ایک دلچسپ کھیل کھیلا جا سکتا ہے۔"
"کیسا کھیل؟" شکیلہ نے پوچھا اور ہم اسے کھیل کی تفصیل بتانے لگے "اوہ لیکن یہ بہت خاصا مشکل کام ہے۔"
"اگر کر سکو تو تفریح رہے گی۔ ہم تمہاری پوری پوری مدد کریں گے۔"
"مگر اس سے فائدہ؟"
"صرف تفریح اور کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔"
"مناسب رہے گی یہ تفریح؟" شکیلہ نے کہا۔
"حرج بھی کیا ہے۔ پہلے تنویر صاحب صرف ایک

Uploaded By Muhammad Nadeem

افشاں کے لیے سرگرداں تھے' اب انہیں دور سے بھٹکنا پڑے گا لیکن شرط یہی ہے کہ تم خوبی سے اپنا کردار نبھادو۔"

"میں کوشش کروں گی۔"

"عقل سے واقف ہی ہو۔ جن معاملات میں الجھو گی' کسی نہ کسی طرح تمہارے کان میں وہ بات پہنچا دی جائے گی۔"

"دلچسپ پچویشن رہے گی۔" شکیلہ ہنس پڑی۔

"ہاں۔ لیکن اسی شکل میں جب تمہارا کردار کامیاب رہے۔"

"آپ بے فکر رہیں۔ میں پوری پوری کوشش کروں گی۔"

"بس تو کل صبح یہ ڈراما شروع ہو جائے گا۔" طالوت نے کہا اور میری طرف دیکھنے لگا۔ میں ہنس پڑا تھا۔ طالوت کو اس کی زندگی واپس مل گئی تھی اور اس کی سوئی ہوئی شرارتیں بھی جاگ اٹھی تھیں۔

بہرحال' یہ پروگرام طے ہو گیا۔ شکیلہ جس انداز سے ہوٹل میں داخل ہوئی تھی' اس نے ہوٹل والوں پر بڑا اثر ڈالا تھا۔ کئی ویٹروں نے دروازے پر دستک دے کر کسی ضرورت کے بارے میں پوچھا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد طے ہوا کہ کھانا کھایا جائے اور میں نے شکیلہ سے ویٹر کو بلانے کے لیے کہا۔ شکیلہ نے گھنٹی بجادی تھی۔

"کھانا ہم لوگ یہیں کھائیں گے۔" شکیلہ بولی۔

"اوہ۔ خاتون! کیا آپ کے ساتھی۔۔۔؟" ویٹر نے پوچھا۔

"ہاں۔ ہاں۔ تین آدمیوں کا کھانا لاؤ۔" شکیلہ نے کہا۔

"جی۔ بہتر۔ بہتر۔" ویٹر نے جواب دیا اور باہر نکل گیا۔

"یہ بوکھلایا ہوا کیوں تھا؟" شکیلہ تعجب سے بولی۔

"پتہ نہیں۔" طالوت نے گہری سانس لے کر گردن ہلا دی۔ ویٹر کھانے کی ٹرالی لے آیا تھا اور پھر اس نے کھانا میز پر لگا دیا لیکن وہ بار بار چاروں طرف گردن گھما کر ہمیں تلاش کر رہا تھا۔ ہم دونوں تو اس وقت شکیلہ کے سوا کسی کو نظر نہیں آ رہے تھے۔ کھانا لگا کر ویٹر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"بس جاؤ۔ کھانے کے بعد کافی لے آنا۔"

"جی!" ویٹر نے پھر چاروں طرف دیکھا اور باہر نکل گیا۔

"یار عارف!" طالوت نے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی کھسکاتے ہوئے کہا "ہوں!"

"شکیلہ سے یہ گڑبڑ زیادہ نہ چل سکے گی۔ اسے اس چکر کے بارے میں کیا بتاؤ گے؟" میں نے چونک کر شکیلہ کی شکل دیکھی۔ لیکن وہ بے چاری ہماری گفتگو سے لاعلم تھی۔ طالوت کے لیے یہ کون سی مشکل بات تھی۔ جب چاہتا کسی کی آنکھوں اور کانوں پر ہاتھ پھیر سکتا تھا۔

"ہاں۔ اگر اس لڑکی کو ساتھ رکھنا ہے تو اسے رازدار بنانا ہو گا۔"

"مگر ساری باتیں بتا دو گے؟"

"تمہارا کیا خیال ہے؟"

"نہ بتاؤ تو بہتر ہے۔ کوئی اور ترکیب کرو۔" طالوت نے کہا اور شکیلہ کی طرف دیکھنے لگا جو پلیٹوں میں کھانا سرو کر رہی تھی۔

"میں بات کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"شروع کریں۔" شکیلہ بولی اور ہم کھانے میں مصروف ہو گئے "ویٹر بڑا احمق ہے۔ اس کی بوکھلاہٹ میری سمجھ میں نہیں آئی۔" شکیلہ کھانے کے دوران بولی۔

"یہ سب یوسف کی شرارت ہے۔" میں نے کہا اور شکیلہ میری شکل دیکھنے لگی۔

"کیوں۔ یوسف صاحب کی شرارت کیوں ہے؟"

"عجیب و غریب انسان ہے یہ۔ تمہارا کیا خیال ہے' بتا سے ٹکرانے والا کوئی معمولی انسان ہو سکتا ہے۔"

"ٹکرائے تو آپ نے قتل کیا تھا عارف صاحب!"

"اس کی مدد کے بغیر کیسے ممکن تھا؟"

"میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا عارف صاحب۔" شکیلہ نے کھانا ختم کرتے ہوئے کہا۔

"بس یوں سمجھ لو' اس وقت ہم دونوں میں سے کوئی ویٹر کو نظر نہیں آ رہا۔"

"کیا مطلب؟"

"اونہہ' بتاتے کیوں نہیں یوسف۔" میں نے مصنوعی طور پر جھلاتے ہوئے کہا اور پھر خود ہی بولا "دراصل یوسف ایک بہت بڑا شعبدہ باز ہے۔ اسے بہت سے گر آتے ہیں۔ پچھلے دنوں اسے اپنے شعبدوں سے نفرت ہو گئی تھی۔ بمشکل تمام میں نے اسے تیار کیا کہ وہ پھر سے اس دنیا میں آ جائے۔ اس جہاں میں جو جتنا بڑا شعبدہ گر ہے' اتنا ہی کامیاب ہے۔"

"لیکن ویٹر والی بات؟" شکیلہ حیرت سے بولی۔

"کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ بڑی معمولی بات ہے۔ تم نے یوسف کی شعبدہ گری نہیں دیکھی۔"

"کمال ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟" شکیلہ بڑبڑانے لگی۔

"بس تم دیکھو گی۔ لیکن کسی بات پر حیرت کا اظہار نہیں کرو گی۔"



"لیکن یہ معمولی شعبدہ گری نہیں ہے کہ آپ دونوں اسے نظر نہیں آ رہے۔"

"ان معاملات میں یوسف اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گی۔"

"میں واقعی حیران ہوں۔ اگر یوسف صاحب ایسے ہی شعبدہ گر تھے تو اتنے دن تک کیوں خاموش رہے۔"

"وہ خاموشی کا دور تھا۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

"ویٹر کی حرکات دیکھ لینا لیکن کچھ بولنا نہیں۔"

شکیلہ دلچسپی سے گردن ہلانے لگی پھر ہمارے کھانا ختم کرنے کے بعد اس نے جلدی سے ویٹر کو بلانے کے لیے گھنٹی بجا دی۔ چند منٹ کے بعد ویٹر اندر آ گیا۔ اس نے اندر آتے ہی چاروں طرف دیکھا تھا۔

"برتن اٹھا لو ویٹر۔ اور کافی لا دو۔"

"جی۔" ویٹر نے گردن ہلائی پھر برتنوں کے پاس پہنچ کر وہ دوبارہ چونک پڑا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر بولا "کافی کتنی لاؤں بی بی؟"

"تین۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"تین؟" ویٹر نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں۔ کیوں؟"

"بی بی۔ ایک بات پوچھوں۔" ویٹر نے ہمت کر کے کہا۔

"پوچھو۔"

"آپ کے۔ آپ کے دوسرے ساتھی کہاں ہیں؟"

شکیلہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش پھیل رہے تھے۔ تب طالوت نے شکیلہ سے کہا "ٹال دو اسے' یہ کہہ کر سن کر۔ وہ نہ ہمیں دیکھ سکتا ہے' نہ ہماری آواز سن سکتا ہے۔"

شکیلہ نے پھر ویٹر کی طرف دیکھا۔ اس کے انداز سے ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے طالوت کی آواز بھی نہ سنی ہو۔

"تم جاؤ کافی لے آؤ۔" شکیلہ نے اس سے کہا اور ویٹر پلیٹ کر دروازے کی طرف چل پڑا لیکن وہ گھوم گھوم کر پیچھے دیکھ رہا تھا۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔" شکیلہ نے کہا۔

"الجھنے کی بات نہیں ہے شکیلہ۔ یہ یوسف کا فن ہے۔"

"انتہائی حیرت انگیز ہے۔ اور اس کے ساتھ آپ بھی عارف صاحب!"

"ہاں بھائی' اس نے مجھے بھی رنگ دیا ہے۔"

"میرے لیے سخت حیرت انگیز انکشاف ہے بہرحال۔"

"ہاں۔ اس بات پر الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اعصاب پر قابو رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً تنویر صاحب کے مکان میں ڈرامہ کے دوران ہم تمہارے ساتھ موجود ہوں گے' لیکن دوسرے لوگ ہمیں نہیں دیکھ سکیں گے۔ تم پورے طور سے مطمئن ہو کر کام کرنا۔ ہم ہر لمحے تمہاری مدد کو موجود ہوں گے۔"

"بہرحال مجھے حیرت ہے۔"

اتنی دیر میں ویٹر کافی لے آیا۔ اس گدھے کو بھی حیرت تھی۔ شکیلہ نے اسے واپسی کی اجازت دے دی اور پھر اٹھ کر دروازہ بند کر دیا پھر اس نے تین پیالوں میں کافی بنائی اور ہم سب کافی کی چسکیاں لینے لگے۔ اس کے ساتھ ہی ہم تنویر صاحب کے ہاں ڈرامے کا پروگرام ترتیب دیتے رہے تھے۔ آخر کافی بھی ختم ہو گئی۔

"ویسے اس پروگرام کی ابتدا کب ہو؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"کل صبح' بلکہ علی الصبح۔ وہی موزوں رہے گا۔" طالوت نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" شکیلہ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور پھر مسکرا دی "اس شخص تصدق کا کیا حال ہے؟"

"اب تو دوست بن گیا ہے بے چارہ۔"

"اوہ۔"

"ہاں۔ غریب کو بہت پریشان کر دیا۔"

"ویسے افشاں کی کہانی عجیب ہے۔"

"ہاں۔ سیاحت کے شوق نے اسے خراب کیا تھا۔"

"اور تصدق بھی خوب گہرا آدمی نکلا۔"

"ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے اور ظاہر ہے' تمہیں دیکھ کر اس کی حالت ہی سب سے زیادہ خراب ہونی چاہیے تھی۔"

"افشاں واقعی میری اس حد تک ہم شکل ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں' دلچسپ مشابہت ہے۔ آج تک ہم دونوں ہی خود کو انوکھا سمجھتے تھے۔ لیکن تم دونوں بھی حیرت انگیز طور پر یکساں شکلوں کی مالک ہو۔" اس کے بعد شکیلہ کافی دیر تک افشاں کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرتی رہی۔ وہ دل ہی دل میں اس ڈرامے کے تصور سے خوب لطف اندوز ہو رہی تھی۔

بہرحال دوسرے دن منہ اندھیرے اٹھ گئے' شکیلہ ابھی



Uploaded By Muhammad Nadeem

سو رہی تھی۔ طالوت نے مجھے جگایا اور میں بھی جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تیار ہو عارف؟"

"ابھی۔ ہاں ٹھیک ہے۔"

"شکیلہ کے بارے میں بتاؤ۔"

"کیا؟"

"اسے جگا کر لے چلیں یا ایسے ہی؟"

"جگاؤ گے تو باقاعدہ جانا پڑے گا۔"

"یہی سوچ رہا تھا۔"

"ویسے ہی لے چلو۔ وہاں جگالیں گے۔"

"حیرانی کی وجہ سے اپنا کردار نہ بھول جائے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"میرا خیال ہے اس پر کسی حد تک کھل جاؤ۔ جگالو اسے۔" طالوت نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی پھر میں نے شکیلہ کو جھنجوڑا اور شکیلہ جاگ گئی۔ وہ جلدی سے بستر سے اٹھ آئی تھی۔

"چلو گی نہیں شکیلہ؟"

"اتنی صبح؟"

"ہاں۔ ڈرامہ بستر سے ہی شروع کردیا جائے۔"

"اچھا ٹھیک ہے چلیں۔ میں منہ ہاتھ دھولوں۔"

"لیکن اس کی کیا ضرورت ہے۔ وہاں جاکر بھی تو بستر پر لیٹ جانا ہے۔"

"لیکن وہاں تک جائیں گے کیسے؟"

"اس ظالم کے شعبدے کس دن کام آئیں گے۔"

"کیا مطلب؟"

"آنکھیں بند کرو۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"یہ ہوٹل ہے نا؟"

"ہاں پھر؟"

"بس تو آنکھیں بند کرلو۔ اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو۔" طالوت نے کہا اور شکیلہ نے مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں۔ طالوت نے میرا بھی ہاتھ پکڑا۔ اور دوسرے لمحے ایک ہلکی سی سنسناہٹ ہوئی۔ یہ سنسناہٹ بھی صرف میں نے محسوس کی تھی۔ تب طالوت کی آواز ابھری۔

"بس حضرات آنکھیں کھول دیں۔ کیا کھڑے کھڑے سونے کا ارادہ ہے۔" اور ہم نے آنکھیں کھول دیں۔ تنویر صاحب کے مکان کو ہم صاف پہچان گئے تھے۔ شکیلہ شدت حیرت سے گنگ ہو گئی تھی۔

"اتنا حیران ہونے کی نہیں ہو رہی شکیلہ۔ اب اپنا کردار انجام دینے کو تیار ہو جاؤ۔" طالوت نے کہا۔

"حیرت انگیز۔ کیا ہم اسے صرف شعبدہ کہیں گے۔" شکیلہ آہستہ سے بولی۔

"جو کہنا ہوگا بعد میں کہہ لیں گے۔ آؤ۔" طالوت نے کہا اور ہم آگے بڑھ گئے۔

"کیا ہمیں دیکھ نہیں لیا جائے گا؟" شکیلہ نے کہا۔

"نہیں۔"

"اور مجھے؟"

"تمہیں بھی کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔"

"میرے خدا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔"

"لڑکیوں میں بس یہی خرابی ہوتی ہے جب تک سمجھ نہیں لیتیں کچھ نہیں کرتیں۔ اب اگر تم اسی طرح سمجھنے کی کوشش کرتی رہیں تو کام ہوگیا۔ کوئی کام بغیر سمجھے بھی کرلو تو کیا حرج ہے۔" طالوت نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اوہ۔ اچھا۔ میں اب ٹھیک ہوں لیکن کیا میری حیرت فطری نہیں ہے؟"

"ہاں ہاں فطری ہے سو فیصد فطری ہے۔"

"آئیے۔" شکیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور ہم اندر کی طرف چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم افشاں کی خواب گاہ کے سامنے تھے۔ طالوت نے اندر جھانکا۔ افشاں سو رہی تھی اور دروازہ اندر سے بند تھا۔

"تم رکو۔ میں دروازہ کھولتا ہوں۔" طالوت بولا اور پھر وہ خواب گاہ کے عقب میں چلا گیا۔ ہمیں نہیں معلوم وہ اندر کہاں سے گھسا لیکن بہرحال چند ساعت کے بعد اس نے دروازہ کھول دیا۔

"آؤ۔" اس نے کہا اور میں اور شکیلہ اندر داخل ہوگئے۔ افشاں سامنے ہی ایک خوب صورت مسہری پر سو رہی تھی۔ اس کے بدن پر شب خوابی کا لباس تھا۔

"میں نے اس پر ہاتھ پھیر دیا ہے۔ کم از کم ڈیڑھ گھنٹے تک نہ اٹھ سکے گی۔ شکیلہ۔ تم الماری سے اس کا شب خوابی کا لباس نکال کر پہن لو۔ ہم اسے مسہری کے نیچے سلا دیتے ہیں۔ لباس پہن کر لیٹ جانا اور تھوڑی دیر کے بعد۔"

"پتہ ہے۔"

"لیکن دیکھو۔ پوری ہوشیاری سے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔" شکیلہ نے کہا اور ہم مطمئن ہو کر افشاں کی طرف متوجہ ہوگئے۔ ہم دونوں نے پکڑ کر خوب



صورت لڑکی کو احتیاط سے مسہری کے نیچے سلا دیا اور پھر باہر نکل آئے۔ شکیلہ نے دروازہ بند کرلیا تھا۔

"کیسی رہی استاد؟" طالوت نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بس تمہاری شرارت۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"اب دلچسپی رہے گی۔" طالوت ہنستے ہوئے بولا "آؤ ذرا قرب و جوار کی سیر کریں۔ دیکھنا یہ ہے کہ مس شکیلہ اپنا کردار کس طرح انجام دیتی ہیں۔"

کافی دیر تک ہم تنویر صاحب کے محل میں آوارہ گردی کرتے رہے پھر خاصا دن نکل آیا۔ یہاں کے معمولات ہمیں معلوم تھے اس لیے اب سب لوگ جاگ چکے ہوں گے۔

ہم نے افشاں کے کمرے کا رخ کیا تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ گویا شکیلہ جاگ گئی ہے۔ ایک ملازمہ اندر سے نکلی۔ میں نے شکیلہ کے کمرے میں جھانکا۔ شکیلہ لباس تبدیل کرچکی تھی۔ درحقیقت وہ بے حد پرسکون تھی۔ بڑے اطمینان سے اس نے بال درست کیے اور پھر باہر نکل آئی۔ ہم دونوں نے خود کو اس پر ظاہر نہیں کیا تھا۔ خاموشی سے اس کے پیچھے چل پڑے۔ شکیلہ بھی اس کوٹھی سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ ناشتے کے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔

ناشتے کی میز پر تنویر صاحب، بڑی ماں، کمال اور دوسرے لوگ موجود تھے۔ شکیلہ بھی ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور ناشتا شروع ہوگیا۔ ناشتے کے دوران ہلکی پھلکی گفتگو بھی جاری تھی۔

"بہت خوب۔ یہ لڑکی تو بہت عمدہ جا رہی ہے۔"

"ہاں یار، حیرت انگیز۔" میں نے بھی اعتراف کیا۔ شکیلہ بے حد پرسکون تھی اور نہایت اطمینان سے ناشتا کر رہی تھی لیکن سنسنی خیز مناظر شروع ہونے میں دیر نہیں لگی۔ ابھی ناشتا ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ دروازے سے افشاں داخل ہوئی۔ اس نے لباس بدل لیا تھا لیکن بال وغیرہ یونہی بکھرے ہوئے تھے۔ سب سے پہلے تنویر صاحب کی نگاہ اس پر پڑی اور چائے کی پیالی ان کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچی۔ ان کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

"ہوں۔ تو ناشتا شروع ہوگیا؟" اس نے کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر غصیلے انداز میں کہا۔ اور اس کی آواز پر کمال اور بڑی ماں نے بھی چونک کر ادھر دیکھا۔

دونوں کی حالت بدل گئی تھی۔

"ارے مس شکیلہ۔ آپ۔" کمال ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

شکیلہ نے بھی گھوم کر دیکھا۔ اور پھر افشاں کو دیکھتے ہوئے حیرت سے بولی "ارے۔ یہ کون ہے؟"

افشاں کمر پر ہاتھ رکھے اسی طرح کھڑی تھی۔ لیکن شکیلہ کو دیکھ کر اس کی حالت بھی بدل گئی "ارے۔ ارے۔" وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں آگے بڑھ آئی۔

"یہ۔ یہ۔ یہ۔" افشاں متحیرانہ انداز میں بولی۔

"آپ کب آئیں مس شکیلہ؟" کمال نے کہا۔

"کیا بکواس ہے؟" افشاں غرائی۔

تنویر صاحب خاموشی سے دونوں لڑکیوں کو دیکھ رہے تھے۔ شکیلہ کے اطمینان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ تیکھی نگاہوں سے افشاں کو دیکھ رہی تھی۔

"اے۔ کھڑی ہو جاؤ۔" افشاں شکیلہ کے قریب پہنچ کر تحکمانہ لہجے میں بولی۔

"یہ کون بدتمیز ہے؟" شکیلہ نے بھی منہ بگاڑ کر کہا۔

"وہی لڑکی، جس کے بارے میں، میں نے تمہیں بتایا تھا۔" تنویر صاحب سنجیدگی سے بولے۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں ابو!" افشاں تنک کر بولی۔

"میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" تنویر صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا آپ۔ آپ سب کا دماغ خراب ہو گیا ہے؟" افشاں تنک کر بولی۔

"کیا بکتی ہو؟" شکیلہ غرا کر کھڑی ہو گئی اور پھر وہ کمال کی طرف رخ کرکے بولی "یہ کوئی بھی ہو اس کے بال پکڑ کر باہر نکال دو۔"

"میں تیری شکل بگاڑ دوں گی۔" افشاں غرا کر شکیلہ کی طرف لپکی لیکن شکیلہ بھی اس وقت کمال کر رہی تھی۔ اس نے لپک کر میز پر سے چھری اٹھالی۔

"ارے۔ ارے! یہ کیا بدتمیزی ہے؟" تنویر صاحب اور دوسرے لوگ بھی گھبرا کر کھڑے ہوگئے تھے۔

"میں کہتی ہوں اسے باہر نکال دو۔" شکیلہ چیخ کر بولی۔

"کمال۔ اسے باہر لے جاؤ۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"آپ۔ آپ سب میری توہین کر رہے ہیں۔ آپ۔ آپ۔" افشاں رو پڑی۔

"میں باہر آکر تم سے بات کرتا ہوں۔" تنویر صاحب نے کہا اور کمال بمشکل تمام افشاں کو باہر لے گیا۔ تنویر صاحب تشویش ناک نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"یہ کہنا کیا چاہتی ہے؟" شکیلہ نے کہا۔

"خدا معلوم؟"

"اور یہ آپ کو ابو کیوں کہہ رہی ہے؟"




Uploaded By Muhammad Nadeem

"آؤ۔ تم بھی آؤ۔ لیکن برائے کرم خود پر قابو رکھنا۔" تنویر صاحب نے کہا اور پھر سب کمرے سے نکل آئے۔ درحقیقت لطف آ گیا تھا۔ ہم دونوں بھی سب کے پیچھے تھے۔

دوسرے کمرے میں افشاں زار و قطار رو رہی تھی اور کمال اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"یہ ہے آپ کی بیٹی۔ میں نہیں ہوں۔ مجھے بھول جایئے۔ بس نا۔" وہ سسکتی ہوئی بولی۔

"شکیلہ!" تنویر صاحب نے اسے مخاطب کیا۔

"میں کہتی ہوں میں خودکشی کرلوں گی۔" افشاں غرائی۔

"لیکن کیوں؟"

"اس لیے کہ میں افشاں ہوں۔ یہ شکیلہ ہے۔"

"خوب ابو! اس سے پوچھئے یہ کیا چاہتی ہے؟" شکیلہ نے کہا۔

"ہاں۔ تم جانتی ہو تم افشاں نہیں ہو اور اس سے قبل تم یہی کہتی آئی ہو کہ تم افشاں نہیں شکیلہ ہو۔ اب اچانک تمہارا ارادہ کیوں بدل گیا؟" تنویر صاحب نے کہا۔

"میں کہتی ہوں باز آجائیں آپ لوگ!" افشاں دانت پیس کر بولی۔

"تم بھی ہوش میں آجاؤ۔ ہم تمہیں پولیس کے حوالے بھی کرسکتے ہیں۔" شکیلہ نے کہا۔

"تو خاموش ہوجا کمینی ذلیل۔" افشاں دہاڑی۔

"ابو آپ سن رہے ہیں؟" شکیلہ بولی۔

"لڑکی۔ میں اب بھی تمہارے ساتھ نرمی برتنا چاہتا ہوں۔ مجھے بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟" تنویر صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں یہاں سے چلی جاؤں۔ یہی چاہتے ہیں آپ؟" افشاں بولی۔

"میرا خیال ہے جانے کی کوشش کے باوجود تم نہیں جاسکو گی۔" تنویر صاحب نے اسی سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں؟"

"اس لیے کہ تمہارے دونوں ساتھی پولیس کو جل دے کر نکل گئے ہیں اور اب تمہارے بارے میں پولیس کو اطلاع دینا میرا فرض ہے۔ مجھے ایس۔ پی نے بھی یہی ہدایت کی تھی۔"

"آپ۔ آپ اپنی بیٹی کی تمیز نہیں کرسکتے ابو۔" افشاں بولی۔

"ہاں۔ میں تمیز کرچکا ہوں۔ مجھے اس ڈرامے کا مقصد بتاؤ؟"

"امی! آپ بھی۔" افشاں بڑی ماں سے بولی۔

"تم کوئی بھی ہو بیٹی۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے لیکن تم یہ سوانگ کیوں رچا رہی ہو؟" بڑی ماں نے کہا۔

"میرے خدا! میں کیا کروں؟" افشاں سر پیٹ کر بولی۔

"میں تمہیں مشورہ دے سکتا ہوں۔" کمال نے جو اب تک خاموش تھا، دخل دیا۔

"جی۔ فرمایئے آپ بھی؟"

"بہتر ہے کہ تم اب حقیقت پر آجاؤ۔ ہمیں بہرحال تم سے ہمدردی ہے۔"

"جہنم میں جاؤ تم سب۔ ٹھیک ہے وہ تمہاری بیٹی ہے۔ وہی افشاں ہے۔ میں جا رہی ہوں۔"

"نہ جاسکو گی لڑکی۔" تنویر صاحب غصے میں بولے۔

"پھر یہاں کیا جھک ماروں؟"

"چند باتیں بتا دو ورنہ پھر پولیس تم سے پوچھے گی۔ ممکن ہے تم بے گناہ ہو اور قصور صرف تمہارے ساتھیوں کا ہو۔ ایسی شکل میں تم مجھے صورت حال بتا دو تاکہ میں تمہاری مدد کرسکوں۔"

"اللہ۔" افشاں ایک کرسی میں گر پڑی۔

"تمہیں کس نے اغوا کیا تھا اور تم ان کے چنگل سے کیسے چھوٹیں؟"

"دیکھیے ابو۔ دیکھیے ابو! اچھا نہ ہوگا۔ دیکھیے میں کہتی ہوں اچھا نہیں ہوگا۔" افشاں پھر کھڑی ہوگئی۔

"میرا خیال ہے تمہارے ساتھیوں نے ہی تمہیں آزاد کرایا ہوگا۔ اور اب شاید ان ہی کے کسی پروگرام کے تحت تم یہاں آئی ہو۔"

"درست ہے۔ بالکل درست ہے۔" افشاں نے کہا۔

"وہ تم سے کیا چاہتے ہیں؟"

"نہیں بتاؤں گی۔ آپ پولیس کو فون کردیں۔ بلائیں پولیس۔ بلائیں۔"

"تم شاید مجھے احمق سمجھتی ہو۔ اگر تم افشاں ہو تو یہ کون ہے؟"

"مجھے اجازت دے دیں۔ خدا کی قسم مجھے اجازت دے دیں، ابھی اس سے پوچھ لوں گی۔"

"ارے! میرے منہ مت لگو تم۔ تم ان لوگوں کا شوق ہو، میرا نہیں۔ ایسا ٹھیک کروں گی کہ زندگی بھر یاد رکھو گی۔" شکیلہ نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

"ارے تو آ تو جا۔ چور کہیں کی۔ آ تو ٹھیک کروں۔" افشاں آستین چڑھا کر آگے بڑھی لیکن کمال نے اسے پکڑ لیا۔



"تصدق سے کہو پولیس کو فون کرے۔ ایس پی آفتاب کو فوراً طلب کرے۔ جاؤ۔" تنویر صاحب نے کہا اور ملازم دوڑ گیا۔ میں نے طالوت کی طرف دیکھا۔

"اب۔؟" میں نے سرگوشی کی۔

"کیا ہوا؟"

"پولیس آرہی ہے محترم!"

"تو پھر؟ نہیں میری جان! ایس پی صاحب فیصلہ نہ کرسکیں گے۔" طالوت نے ہنستے ہوئے کہا۔

"پھر بھی۔ اگر شکیلہ گڑبڑا گئی؟"

"ایسے ہی گڑبڑا جائے گی، ہم دو دو اس کی مدد کو موجود ہیں۔" طالوت نے جواب دیا اور میں خاموش ہوگیا۔

تنویر صاحب اپنی جگہ سے اٹھ گئے، تماشا بھی کمال کا ہو گیا تھا۔ اصلی افشاں کا غصے کے مارے برا حال تھا لیکن شکیلہ کے انداز بھی خراب تھے۔ نہ جانے کس طرح یہ مندر کی داسی اتنی عمدہ اداکاری کر رہی تھی۔

"آؤ۔ تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔" انہوں نے کہا۔

"میں نہیں جاؤں گی۔ میرے ہی گھر میں میری اتنی توہین ہورہی ہے۔ اس کمینی کو۔ آپ لوگوں نے۔" افشاں نے روتے ہوئے کہا۔

"اس سے قبل تم شاید کسی تھیٹر میں اداکاری کرتی ہوگی کیونکہ اس وقت بھی عمدہ ایکٹنگ کررہی ہو۔ یہاں کس لیے داخل ہوئی ہو، یہ بتا دو۔" شکیلہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"ارے یہ تم بتاؤ۔ فراڈ کہیں کی۔"

"ابو۔ اب کی بار اگر اس نے زبان سے کوئی بدتمیزی کی تو میں اس کے منہ پر کوئی چیز دے ماروں گی۔ خدا کی قسم رعایت نہیں کروں گی۔" شکیلہ نے [illegible]

"[illegible] افشاں بیٹے۔ تم اپنی امی کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلی جاؤ۔ پلیز جاؤ۔" تنویر صاحب نے کہا اور کمال [illegible] کو باہر لے گیا۔

لیکن ہم دونوں کمرے ہی میں رکے رہے تھے۔

"شکیلہ!" تنویر صاحب نے بڑی نرمی سے اسے پکارا۔

"میں افشاں ہوں۔ آپ لوگ اس کی باتوں میں کیوں آگئے۔"

"تم افشاں نہیں ہو لیکن اس کی ہمشکل ضرور ہو۔ اس کے علاوہ تم نے ایک آڑے وقت میں ہماری مدد کی تھی۔ میں تمہارا احسان مند بھی ہوں شکیلہ۔ اس کے علاوہ میرا خیال تھا کہ تم ایک نیک طینت لڑکی ہو۔ بیٹی! زندگی گزارنا بہت ہی مشکل کام ہے لیکن اس کے باوجود انسان اچھے راستے اپنانے کی کوششوں میں مصروف رہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تمہاری اپنی سازش نہیں ہے بلکہ ان دونوں نے اب کوئی نئی چال چلی ہے۔"

"کن دونوں نے؟" افشاں بے ساختہ بولی۔

"تمہارے ساتھیوں نے۔"

"ابو۔ ابو۔ دیکھیے میں کہتی ہوں ہوش میں آجایئے۔ میں سب سے نمٹ سکتی ہوں۔ میں ان سب کو ٹھیک کرسکتی ہوں لیکن یہ تو سوچیں، یہ بات میرے لیے کس قدر تکلیف دہ ہے کہ خود میرے والدین دھوکا کھا گئے۔"

"اس کے علاوہ۔" تنویر صاحب اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے بولے "اس کے علاوہ میں ان دونوں کو بھی برا نہیں سمجھتا تھا۔ یقین کرو۔ دلی صدمہ ہوا تھا، دلی قلق ہوا تھا ان کی گرفتاری پر لیکن ان کے بارے میں تفصیلات معلوم کرکے ششدر رہ گیا تھا۔ لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"ابو۔" افشاں سر پکڑ کر بولی۔

"تم لوگوں نے پہلے ہی یہ ڈراما کیوں نہیں کیا۔ پہلے تو تم انکار کرتی رہیں کہ تم افشاں نہیں شکیلہ ہو۔"

"ہوں۔ تو آپ کو یقین ہے کہ میں افشاں نہیں ہوں۔" بالآخر افشاں عاجز آکر بولی۔

"اب اس کی موجودگی میں تو کچھ نہیں سوچا جاسکتا شکیلہ۔" تنویر صاحب نے جواب دیا۔

"آپ نے پولیس کو بلایا ہے؟"

"ہاں۔"

"بس ٹھیک ہے آپ مجھے پولیس کے حوالے کردیں۔" افشاں نے کہا۔

"لیکن میں یہ نہیں چاہتا۔"

"کیوں۔ آخر کیوں؟ جب میں افشاں نہیں ہوں۔"

"مجھے تم سے ہمدردی ہے، پولیس تمہارے اوپر سختی کرے گی۔"

"کیوں سختی کرے گی؟"

"وہ تم سے ان دونوں کے بارے میں پوچھے گی۔"

"کچھ بھی کرے۔ بس میں افشاں نہیں ہوں۔ آپ مجھے پولیس کے حوالے کردیں۔" افشاں نے کہا۔

"میں نے ایس۔ پی آفتاب کو بلایا ہے۔ بہرحال وہ تم سے معلومات کرلے گا۔ ہوسکے تو بیٹی ان دونوں کے بارے میں بتا دینا۔ بہرحال وہ خطرناک مجرم ہیں۔ میں کوشش کروں



Uploaded By Muhammad Nadeem

گا پولیس تمہیں تکلیف نہ پہنچا سکے۔"

"لعنت ہے۔" افشاں دانت پیس کر بولی اور تنویر صاحب کمرے سے نکل گئے لیکن جاتے وقت وہ کمرے کا دروازہ بند کرنا نہیں بھولے تھے۔ میں نے ایک گہری سانس لی اور طالوت کی طرف دیکھا۔

"اب پولیس آئے گی۔" طالوت مسکرایا۔

"ہاں۔"

"اور افشاں کو پکڑ لے جائے گی۔"

"لیکن یہ تو اچھا نہیں ہوگا طالوت!" میں نے کہا۔

"کیوں؟"

"اس بے چاری کا کیا قصور ہے؟"

"اس۔" طالوت نے کان کھجاتے ہوئے کہا "ہاں۔ اس کا قصور تو نہیں ہے۔"

"کہیں ہی تفریح میں کوئی المیہ نہ ہو جائے۔"

"خطرہ تو ہے۔" طالوت نے افشاں کی طرف دیکھا۔ جس کے چہرے پر پتھروں کی سی خاموشی تھی "لڑکی کے چہرے پر خطرناک تاثرات ہیں۔ کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھے۔"

"ہاں جذباتی ہے۔"

"پھر کچھ کیا جائے؟" طالوت پر خیال انداز میں بولا۔

"کیا کرو گے؟"

"اسے افشاں بنائے دیتے ہیں اور شکیلہ کو واپس۔"

"اوہ اتنی آسانی سے؟"

"ہاں کیوں نہیں۔" طالوت نے کہا اور پھر اس نے ایک ہاتھ کی مٹھی بند کی اور پھر افشاں کی طرف کھول دی۔ دوسرے لمحے افشاں کے بدن پر ایسا ہی لباس تھا جیسا شکیلہ کے جسم پر۔ لیکن افشاں کو اس کا ذرا بھی احساس نہ تھا۔ اس کے بعد اس فتنہ انگیز شخص نے مجھے اشارہ کیا اور جوں ہی میں اس کے نزدیک پہنچا اس نے میرے کندھے پر سے کوئی چیز جھاڑی۔ میں چونک کر اپنے کندھے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن دوسرے لمحے ہم دروازے سے باہر تھے۔

"آؤ۔" اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم شکیلہ کی تلاش میں چل پڑے۔ شکیلہ بڑی ماں کے ساتھ تھی۔ بڑی ماں آنکھیں بند کیے ایک کرسی پر دراز تھیں۔

طالوت ظاہر ہو گیا اور پھر اس نے ہاتھ سے شکیلہ کو اشارہ کیا۔

شکیلہ نے ہمیں دیکھ لیا اور پھر اس نے بڑی ماں کی طرف دیکھا اور پھر خاموشی سے اٹھ گئی لیکن بڑی ماں چونک پڑیں "کہاں جا رہی ہو افشاں؟"

"ابھی آئی امی جان!"

"اس لڑکی کی طرف نہ جانا۔ نہ جانے کس ارادے سے آئی ہے۔"

"نہیں۔ وہاں نہیں جاؤں گی امی۔" شکیلہ نے کہا اور باہر نکل آئی اور جوں ہی وہ باہر نکلی طالوت نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ شکیلہ مسکرانے لگی تھی۔ وہ بے چاری سمجھ بھی نہ سکی کہ طالوت نے کیا کر دیا۔

"جی؟" شکیلہ نے کہا۔

"آؤ۔ کھیل ختم۔" طالوت نے کہا۔

"اوہ۔ اچھا۔" شکیلہ نے ایک گہری سانس لی۔

"کیوں۔ کھیل جاری رکھنے کا ارادہ ہے؟"

"نہیں۔ لیکن میں کیسی رہی؟"

"شاندار۔" طالوت نے کہا۔

"شکریہ۔ اب کیا پروگرام ہے؟"

"ابھی تو ان لوگوں کو دیکھیں گے۔ کیا [illegible] رہی ہے۔"

"خطرہ نہیں ہے۔ خاص طور سے آپ لوگوں کے لیے؟"

"ارے دیکھا جائے گا۔ تم آؤ۔ ابھی پولیس آنے والی ہے۔"

"پولیس کے سامنے میرا کیا رویہ رہنا چاہیے؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"تمہیں پولیس کے سامنے آنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" طالوت نے کہا۔

"اوہ۔" شکیلہ نے گردن ہلا دی اور پھر وہ ایک دم چونک پڑی "ارے تنویر صاحب آرہے ہیں۔ اوہ شاید انہوں نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔"

"اطمینان رکھو۔ ان کی بینائی اتنی تیز نہیں ہے۔" طالوت نے کہا۔

"ارے۔ وہ۔ وہ اسی طرف آرہے ہیں۔"

"آنے دو۔" طالوت نے کہا اور پھر شکیلہ کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ تنویر صاحب ہمارے نزدیک سے گزرتے چلے گئے۔ شکیلہ منہ پھاڑے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

"انہیں کیا ہو گیا؟" وہ تعجب سے بولی۔

"وہ نہ صرف اندھے بلکہ بہرے بھی ہو گئے ہیں۔" طالوت بولا۔

"ارے نہیں۔" وہ ایک دم بولی۔

"تنویر صاحب۔ ابا او تنویر صاحب بھائی تنویر



صاحب۔" طالوت نے زور زور سے آوازیں لگائیں لیکن تنویر صاحب کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

"دیکھ لیا تم نے؟" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔" شکیلہ نے پریشانی سے کہا۔

"آؤ۔ سمجھائیں تمہیں بھی۔" طالوت نے کہا اور واپس پلٹ پڑا۔ شکیلہ کے چہرے پر الجھن تھی۔ ہم لوگ تنویر صاحب کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔

تنویر صاحب ڈرائنگ روم کی طرف جا رہے تھے۔ ڈرائنگ روم کے دروازے کے باہر پولیس والے کھڑے تھے۔ شکیلہ کا سانس پھول گیا "پولیس۔!" اس نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"چلی آؤ۔ ان بے چاروں کو بھی دن میں نظر نہیں آتا۔ آجاؤ۔" طالوت نے کہا۔ شکیلہ کے ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے تھے۔ بہرحال ہم تینوں بھی تنویر صاحب کے پیچھے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔ ڈرائنگ روم میں تصدق کمال اور دو انسپکٹروں کے ساتھ ایس۔ پی آفتاب بھی موجود تھے۔

"اوہ تنویر صاحب۔ خیریت؟" آفتاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خیریت نہیں آفتاب میاں!"

"کیا بات ہے؟" آفتاب نے پوچھا۔

"بڑی دلچسپ پوزیشن ہے۔"

"یعنی؟"

"اب اس لڑکی نے بھی افشاں ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے افشاں کی ہم شکل تھی۔"

"ارے۔" ایس۔ پی اچھل پڑا "مگر وہ کہاں ہے؟"

"ایک کمرے میں بند کر آیا ہوں۔"

"وہ کب؟"

"تھوڑی ہی دیر قبل۔ افشاں ہی کے لباس میں ہے۔ اور ایسی اداکاری کر رہی ہے جیسے افشاں وہی ہو۔ اور اصل افشاں فرار ہو گئی۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"ہوں۔ لیکن اسے کس نے فرار کرایا تھا؟"

"خدا معلوم۔"

"اس بارے میں وہ کیا کہتی ہے؟"

"کس بارے میں؟"

"اپنے اغوا کے سلسلے میں۔"

"یعنی وہ خود کو شکیلہ تسلیم کب کر رہی ہے۔"

"اوہ، ہاں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ آپ نے اسے بند کر دیا ہے؟"

"ہاں۔"

"بہت اچھا کیا آپ نے تنویر صاحب! ہم اس سے ان دونوں کا پتہ بھی معلوم کر سکیں گے۔ اُفوہ، میں نے ایسے خطرناک لوگ نہیں دیکھے۔ ممکن ہے اب وہ اس لڑکی کو افشاں بنا کر یہاں رکھنا چاہتے ہوں۔ اس طرح وہ آپ کی دولت پر ہاتھ صاف کرنے کے چکر میں ہوں۔"

"ایک بات ضرور کہوں گا آفتاب میاں۔" تنویر صاحب بولے۔

"جی۔"

"میرے خیال میں وہ ایسے لوگ نہیں تھے۔"

"کمال ہے یعنی سب کچھ جاننے کے باوجود؟"

"یقیناً۔ درمیان میں کوئی غلط فہمی ضرور ہے۔"

"یہ لوگ اسی طرح متاثر کر لیتے ہیں پھر بعد میں نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ بہرحال یہ پولیس کا کام ہے۔"

"اس کے علاوہ اگر وہ چاہتے تو پہلے ہی شکیلہ کو افشاں کہہ سکتے تھے۔"

"اس میں بھی کوئی مصلحت ہوگی۔"

"خدا جانے۔ بس دل ان بچوں کے لیے کڑھتا ہے۔ نہ جانے کیوں؟" تنویر صاحب نے کہا "خیر۔ آؤ اس لڑکی سے مل لو۔ لیکن تم اس کے ساتھ سختی نہیں کرو گے۔"

"آپ بے حد نرم دل ہیں۔ خیر۔ آئیے۔ میں اسے زیادہ پریشان نہیں کروں گا۔ آپ آئیے۔" اور سب اٹھ گئے۔ ہم بھی حسب معمول سب کے پیچھے تھے۔

"عارف صاحب خدا کے واسطے کچھ تو بتائیے۔ اس وقت ہماری پوزیشن کیا ہے؟" شکیلہ میری آستین پکڑتے ہوئے بولی۔

"کیا مطلب؟"

"کیا یہ سب اندھے ہو گئے ہیں۔ ہم ان کے ساتھ ہیں۔ اور یہ ہماری طرف توجہ ہی نہیں دے رہے۔"

"ہوٹل کے بیرے کی کیا کیفیت تھی؟"

"اوہ۔ تو۔ تو۔"

"ہاں۔ اس وقت بھی وہی شعبدہ کارفرما ہے۔"

"آپ صرف شعبدہ کہیں گے عارف صاحب!"

"چلو شعبدے سے کچھ آگے بڑھا لو۔"

"گویا مجھے صحیح بات نہیں بتائی جائے گی؟" شکیلہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"صحیح بات سے تمہاری کیا مراد ہے شکیلہ؟"



Uploaded By Muhammad Nadeem

"چلیں کوئی بات نہیں۔ میں اب نہیں پوچھوں گی۔" شکیلہ نے کہا اور پھر وہ خاموش ہو گئی۔ مجھے تھوڑی سی الجھن ضرور ہوئی تھی لیکن بہرحال میں طالوت کی مرضی کے بغیر شکیلہ کو اس راز میں شریک نہیں کر سکتا تھا۔

ہم اس کمرے کے دروازے پر پہنچ گئے جہاں افشاں بند تھی۔ تنویر صاحب نے خود آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تھا اور پھر وہ اندر داخل ہو گئے۔ ان کے پیچھے ایس۔ پی اور انسپکٹر بھی تھے۔

"ارے۔ وہ۔ وہ۔!" تنویر صاحب افشاں کا لباس دیکھ کر چونک پڑے۔

افشاں شاید رو رہی تھی۔ اس نے سرخ سرخ آنکھیں اٹھا کر ان سب کو دیکھا اور کھڑی ہو گئی "آیئے ایس۔ پی صاحب! مجھے گرفتار کر لیجیے۔ میں شکیلہ ہوں۔ ہاں میں ان دونوں مجرموں کی ساتھی ہوں۔۔۔ مجھے گرفتار کر لیں۔"

"افشاں۔ افشاں بیٹی!" تنویر صاحب بولے۔

"او، کوئی نیا ڈراما ابو۔ کیا آپ کی آنکھوں سے پٹی کھل گئی؟" افشاں نے طنزیہ کہا۔

"مگر تم یہاں کہاں آ گئیں۔ تم یہاں کیسے آ گئیں۔ یقیناً تم نے دروازہ کھولا ہو گا اور وہ تمہیں پھنسا کر نکل گئی۔"

"آپ کی ذہنی کیفیت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی ابو۔" افشاں نے زہر خند سے کہا۔

"وہ کہاں گئی افشاں۔" تنویر صاحب نے کسی قدر خشک لہجے میں کہا۔

"افشاں۔۔۔ افشاں۔۔۔ افشاں۔۔۔ میں کہتی ہوں میں شکیلہ ہوں۔ آپ بھول کیوں رہے ہیں۔ افشاں کو آپ کے ساتھ ہونا چاہیے۔"

"کیا بکواس ہے افشاں۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

"چند منٹ پہلے آپ کو کیا ہو گیا تھا ابو۔ اس کا جواب دیں؟"

"کیوں، مجھے کیا ہوا تھا؟"

"آپ تو مجھے افشاں مان ہی نہیں رہے تھے۔"

"تمہیں؟"

"آپ کی اس اداکاری کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"او۔ ایس۔ پی، میری سمجھ میں یہ سارا گورکھ دھندا نہیں آ رہا۔"

"مجھے بتائیں، بات کیا ہے؟" آفتاب نے نرم لہجے میں کہا۔

"ارے! ابھی چند منٹ پہلے میں شکیلہ کو یہاں بند کر گیا تھا۔ افشاں اپنی ماں کے ساتھ تھی۔ اب یہ یہاں ہے اور وہ۔۔۔"

"ابو! خدا سے ڈریں۔ کیا ہو گیا آپ کو؟"

"کیا تنویر صاحب آپ کو یہاں بند کر گئے تھے؟" ایس۔ پی نے پوچھا۔

"تو اور کیا؟" افشاں نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"لیکن آپ کیسے کہہ سکتے ہیں تنویر صاحب کہ یہ افشاں نہیں شکیلہ ہیں؟" ایس۔ پی نے پوچھا۔

"ارے میں اسے بند کر گیا ہوں۔ یہ تو میرے ساتھ ناشتے پر تھی۔ وہ تو۔۔۔ وہ تو شب خوابی کا لباس پہنے ہوئے تھی اور یہ۔۔۔" تنویر صاحب نے کہا اور اس بار افشاں نے اپنے لباس پر توجہ دی۔

اور دوسرے لمحے اس کے منہ سے عجیب سی آواز نکل گئی "ارے۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ میں۔۔۔ میں ابھی باہر نکل میں یہ لباس تو پہنے ہوئے نہیں تھی۔ خدا کی قسم۔۔۔ خدا کی قسم۔۔۔ یہ۔۔۔"

تنویر صاحب' ایس۔ پی اور دوسرے لوگ پریشان نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔" ایس۔ پی نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔

"تو۔ تو کیا ہم سب پاگل ہو گئے ہیں؟"

"اچھا ان دوسری خاتون ہی کو کہیں سے بلوا دیں جو دوسرا لباس پہنے ہوئے تھیں یا انہیں آپ افشاں تسلیم نہیں کرتے تو پھر انہیں بلوا دیں جو افشاں ہیں۔"

"کمال۔ افشاں کو بلا کر لاؤ۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"جی بہتر" کمال دوڑا۔ تنویر صاحب سخت پریشانی کے عالم میں ہاتھ مل رہے تھے۔

"کیسی شرم کی بات ہے میرے لیے' میں اپنے ہی گھر میں اجنبی ہو گئی ہوں۔ لیکن یہ لباس' خدا کی قسم ابو۔ میں نے لباس نہیں تبدیل کیا۔" افشاں نے کہا۔

"خود بخود تبدیل ہو گیا؟" تنویر صاحب دانت نکال کر بولے۔

"ہاں۔" افشاں نے بے بسی سے کہا۔

ایس۔ پی کے چہرے پر بھی عجیب سے تاثرات تھے۔ شاید وہ ہمارے بارے میں کچھ کہنے میں احتیاط کر رہا تھا۔ ورنہ پراسرار حالات سو فی صدی ہماری نشاندہی کرتے تھے۔



تھوڑی دیر کے بعد کمال واپس آ گیا۔ اس کا چہرہ لٹکا ہوا تھا "پوری کوٹھی میں اس کا پتہ نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"تھوڑی دیر پہلے بڑی ماں سے اجازت لے کر گئی تھیں۔"

"او۔۔۔ او۔۔۔ گویا۔۔۔"

"میرے لیے جو حکم ہو؟" ایس۔ پی نے کسی قدر اُبھرتے ہوئے کہا۔

"بائو جی' معافی چاہتا ہوں۔ میں تو واقعی پریشانی میں پھنس گیا۔" تنویر صاحب نے پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

"صرف ایک درخواست کروں گا۔" آفتاب نے کہا۔

"جی۔"

"اگر دوبارہ ان تینوں میں سے کسی کا پتہ چل جائے تو انتہائی احتیاط سے پیش آئیں اور خاموشی سے مجھے اطلاع دے دیں۔"

"بہتر ہے۔ میں ایسا ہی کروں گا۔"

"خدا حافظ۔ آؤ۔" ایس۔ پی نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور پھر وہ وہاں سے چلے گئے۔

"تو تم نے۔ میں نے تمہیں ہی بند کیا تھا؟" تنویر صاحب نے افشاں سے کہا۔

"نہیں بولوں گی۔ خدا کی قسم نہیں بولوں گی۔ کیسے باپ ہیں آپ۔ اپنے خون کی بو بھی نہیں محسوس کر سکتے۔ اس نیچی کی بات مان لی تھی آپ نے۔"

"میری ناک خراب ہو گئی ہے بچے۔ آؤ۔" تنویر صاحب نے کہا اور پھر وہ سب بھی باہر نکل گئے۔ شکیلہ تنگ گیا میں یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ جب وہ سب نکل گئے تو اس نے گہری سانس لی۔

"ان لوگوں میں سے کسی نے ہمیں نہیں دیکھا؟"

"ہم وہاں وقت کی ایک نائٹ لیے کھڑی ہو۔" طالوت نے کہا۔

"نہیں۔ یہ تو مجبور نہیں کروں گی۔" شکیلہ نے کہا۔

"البتہ بور ضرور کرو گی؟"

"نہیں' اب بور بھی نہیں کروں گی۔" وہ آزردگی سے بولی۔

"پکا وعدہ؟" طالوت مسخرے پن سے بولا۔

"ہاں پکا وعدہ۔ شکیلہ نے روہانسے لہجے میں کہا۔

"شکریہ۔ آؤ اب کچھ کھانے پینے کی بات ہو۔۔۔۔"

طالوت نے کہا اور وہ ہمارا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چل دیا "میں نے ڈرائنگ روم الگ بنا لیا ہے۔ وہاں کھانا لگ چکا ہو گا۔"

میں اس کی بات کی حقیقت جانتا تھا۔ ہم کوٹھی کے ایک دور افتادہ حصے میں پہنچ گئے اور جب ہم ایک کمرے میں داخل ہوئے تو آنکھیں کھل گئیں۔ ایک چوڑی میز لگی ہوئی تھی اور وہاں انواع و اقسام کے کھانے چنے ہوئے تھے۔

میں نے شکیلہ کی جانب دیکھا۔ شکیلہ کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ اس نے اپنے آپ کو بے نیاز کر لیا تھا۔ کھانے پر وہ خاموشی سے بیٹھ گئی اور پھر کھانا نہایت خاموشی سے کھا لیا۔

کھانے کے بعد طالوت نے ہم دونوں کی شکل دیکھی اور بولا "تو دوستو! اب کیا پروگرام ہے؟"

"پروگرام ڈائریکٹر تو تم ہی ہو۔"

"تم کوئی اعتراض تو نہیں کرو گے؟"

"ہرگز نہیں۔"

"تو سنو' میرا خیال ہے میں تنویر صاحب کے سامنے آ جاؤں۔"

"کیا مطلب؟"

"ہاں۔ ان سے بات کریں گے۔"

"کیا بات کرو گے؟"

"بس انہیں حقیقت بتا دیں گے اور پھر یہاں سے چلیں گے۔"

"او، تو تم تنہا جاؤ گے؟"

"نہیں۔ تم دونوں بھی چلو۔"

"مگر طالوت۔ میرا مطلب ہے یوسف!" میں نے چور نگاہوں سے شکیلہ کی طرف دیکھا۔ بے اختیاری میں میرے منہ سے طالوت نکل گیا تھا۔ شکیلہ نے ایک لمحے کے لیے مجھے دیکھا اور پھر لاتعلق ہو گئی۔ وہ خود پر جبر کر رہی تھی۔

"ہاں۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟" طالوت نے اس بات کو نظر انداز کر کے کہا۔

"میرا مطلب ہے کہ چلنا ہے تو خاموشی سے ہی نکل چلو' ان باتوں کی کیا ضرورت ہے؟"

"پھر وہی بزدلی کی بات۔"

"بزدلی کی بات نہیں یار۔ اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

"اچھا ہے' ان لوگوں کا ذہن بھی صاف ہو جائے گا۔ اس کے بغیر میں یہاں سے جانا نہیں چاہتا۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسی تمہاری مرضی۔" میں نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔



Uploaded By Muhammad Nadeem

"اس وقت تو ہم یہیں آرام کریں گے۔ شام کو تنویر صاحب سے ملاقات کی جائے گی۔" طالوت نے آخری بات کہی۔

"آرام کہاں کرو گے؟"

"برابر میں بیڈ روم موجود ہے۔" طالوت نے کہا اور پھر ہم اٹھ کر برابر والے کمرے میں داخل ہو گئے۔ انتہائی کشادہ کمرا تھا، اس میں تین نہایت آرام دہ بستر لگے ہوئے تھے۔ میں ان کمروں سے ابھی نہیں تھا۔ پہلے انہیں دیکھ چکا تھا۔ کباڑ گودام تھے۔ دنیا بھر کا کاٹھ کباڑ بھرا پڑا تھا۔ ٹوٹا پھوٹا فرنیچر اور دوسرا سامان۔

لیکن طالوت کے لیے اسے عمدہ بیڈ روم بنالینا کون سی بڑی بات تھی۔

شکیلہ بھی ایک دور کے بستر پر جا پڑی۔ میں اور طالوت دو برابر برابر بستروں پر لیٹ گئے۔

"یہ لڑکی اب بور کرنے لگی ہے۔" طالوت نے سرگوشی کی۔

"انسان ہے طالوت!"

"کیا مطلب؟"

"اور پھر عورت ہے۔ تجسس تو فطری ہے اور پھر وہ لوگ، جن کے سوا اب دنیا میں اس کا اور کوئی نہیں ہے، نیسی انوکھی بات ہے کہ وہ ان کی حقیقت سے بھی ناواقف ہے۔"

"مطلب کیا ہے تمہارا؟"

"قسم لے لو، مطلب کچھ نہیں ہے۔ میں صرف یہ بتا رہا ہوں کہ اس سے بور مت ہو۔ اس کی یہ ناراضگی فطری ہے۔"

"تو کیا اسے بتا دیا جائے؟"

"نہیں۔ میں یہ تو نہیں کہتا۔"

"یوں بھی تو سوچو عارف، اگر ہم اسے اپنے راز میں شریک کرلیں، تب بھی تو وہ برداشت نہیں کرسکے گی۔ اب سب تمہاری طرح پتھر تھوڑی ہوتے ہیں اور پھر تمہاری دنیا کے لوگ تو ہمارے نام سے ہی کان پر ہاتھ رکھتے ہیں۔"

"ہاں، ٹھیک ہے۔ میں اس بات پر اصرار نہیں کررہا۔"

"اس کے باوجود اگر تم مناسب سمجھو تو اسے بتا دو۔"

"نہیں۔ کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔"

"اس کے علاوہ ایک بات اور بتاؤ؟"

"ہوں۔"

"اس کی طرف کچھ زیادہ ہی مائل ہو؟" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب میں تمہارا مطلب پوچھوں گا۔"

"میں صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں، مطلب وغیرہ تم خود اخذ کرلینا۔" طالوت نے کہا۔

"کون سی بات؟"

"راج ہنس یا شبہ ایک پرکشش لڑکی تھی پھر جب وہ شکیلہ بن گئی تو نہ جانے میرے دل میں اس کے لیے کیسا جذبہ پیدا ہوگیا۔ میں اس سے ایک خوب صورت لڑکی کی حیثیت سے متاثر نہیں ہوں۔ چنانچہ اگر تم اسے پسند کرتے ہو تو میری طرف سے مکمل آزادی ہے۔"

"تمہارے دماغ میں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔" میں نے جھلاتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

"کیا شکیلہ کی حیثیت ایسی ہے کہ ہم دونوں میں سے کوئی اس کے بارے میں اس انداز سے سوچے؟"

"وہ خود تو سوچ سکتی ہے۔" طالوت نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"یار میں بڑی بیکار باتیں کررہا ہوں۔ لیکن بس اس وقت نہ جانے کیوں یہ خیال ذہن میں آگیا۔"

"اب یہ خیال تمہارے ذہن میں آہی گیا ہے طالوت تو اجازت ہو تو ایک بات میں بھی پوچھ لوں۔"

"پوچھو؟"

"اگر شکیلہ تمہارا قرب چاہے؟"

"مشکل ہے۔" طالوت نے جواب دیا۔

"کیوں؟"

"میرے حالات۔ میں کیا کرسکتا ہوں؟"

"اس سے شادی۔"

"ارے توبہ توبہ۔ یہ تم مجھ سے دشمنی پر کیوں آمادہ ہو گئے۔"

"کیوں؟"

"بلاوجہ مجھ شریف آدمی کی شادی کرا دینا چاہتے ہو۔" طالوت ہنس کر بولا۔

"میں آج کی بات نہیں کررہا طالوت۔ لیکن زندگی کے کسی حصے میں تو تم اس بارے میں سوچو گے؟"

"ہاں۔ اس وقت کوئی عمر رسیدہ بڑی بی مل گئیں تو غور کروں گا۔"

"گویا شکیلہ تمہیں پسند نہیں ہے؟"

"یہ میں نے کب کہا۔"

"مجھے معلوم ہے طالوت۔ تمہارے ذہن میں راج ہنس



سمائی ہوئی تھی۔"

"ہاں۔ لیکن شکیلہ نہیں۔"

"کیا مطلب۔ پہلے تو تمہیں پسند تھی؟"

"ہاں عارف۔ نہ جانے کیوں اس وقت میرے ذہن میں اس کی شکل کچھ اور تھی۔ تم بھروسہ کرو میری بات پر کہ اس وقت اس کی شکل نے میرے اوپر تاثر ہی کچھ اور چھوڑا تھا۔ بعد میں مجھے اس سے ایک عجیب سی انسیت ہوگئی اور یہ تصور میرے ذہن سے نکل گیا۔"

"بہرحال ابھی تو خود اس کے مزاج کے بارے میں کچھ نہیں معلوم وہ کیا چاہتی ہے۔"

"اس مسئلے کو درمیان میں کہاں سے لے آئے فی الحال ہمیں کچھ دوسری باتیں سوچنی ہیں۔"

"مثلاً۔"

"میرے خیال کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"ارے بھائی کون سا خیال؟"

"ہم تنویر صاحب پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔"

"مگر اس سے فائدہ؟"

"بس دل کی تسکین۔"

"جو مناسب سمجھو۔ وہی کرو گے جو سوچ لے۔ مجھے کیا اعتراض ہے۔"

"تم پروا مت کرو۔"

"ہاں۔ مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔"

"بس میں اپنی پوزیشن صاف کرنا چاہتا ہوں۔ باقی میں خود دیکھ لوں گا۔"

"اوکے اوکے، ضرور صاف کرو۔ مجھے اعتراض نہیں ہے۔" میں نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا اور طالوت مسکرانے لگا۔

"شکیلہ۔" اچانک میں نے شکیلہ کو آواز دی۔

"جی۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"سو رہی ہو؟"

"نہیں۔"

"اوہ، میں سمجھا تم سو گئیں۔"

"نہیں۔"

"تب ادھر ہی آؤ۔"

اور شکیلہ اٹھ کر ہمارے پاس آگئی۔ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

"تمہاری اداسی کی وجہ سمجھ میں نہیں آرہی؟"

"بتا دوں؟" شکیلہ نے نگاہیں اٹھا کر پوچھا۔

"اتنی نفیس بات ہے، خدا کی قسم بہت پسند آئی۔" طالوت نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"اگر یہ 'کچھ نہیں، کوئی بات نہیں ہے' وغیرہ کہتیں تو وہ اپنائیت نہیں رہتی جو اب پیدا ہوئی ہے۔ یار عارف! میں اس سوال پر وجد میں آگیا ہوں۔"

"مذاق اڑا رہے ہیں آپ میرا؟" شکیلہ نے شکایتی انداز میں کہا۔

"نہیں خدا کی قسم نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔"

"اچھا اب پوچھنے تو دو۔" میں نے کہا۔

"ہاں، ہاں پوچھو۔ بتاؤ شکیلہ۔" طالوت نے کہا۔

"آپ دونوں کی شخصیت میرے لیے جو کچھ ہے، اس کے بارے میں الفاظ میں نہیں کہہ سکتی۔ یوں سمجھ لیں، اب آپ کے بغیر جینے کا تصور بھی بے حد خوفناک ہے۔ آپ دونوں کی جدائی کے بعد موت ہی مناسب رہے گی۔ جب آپ نے مجھے یہ اپنائیت، یہ تصور دے دیا ہے تو اس کے بعد کیا وجہ ہے کہ آپ کی شخصیت کا کوئی پہلو میری نگاہوں سے یا میرے علم سے دور رہے۔ یا تو آپ کہہ دیں کہ میں ابھی زیر امتحان ہوں۔ میں اپنی محبت، اپنی وفا کا مکمل ثبوت نہیں دے سکی ہوں۔ مجھے وہ طریقہ بتا دیں جس سے میں اپنے آپ کو آپ کا بنا سکوں۔"

شکیلہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"عارف!" طالوت نے ہانک لگائی "بتا دو یار۔ بتا دو۔ جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"تب تم خود ہی بتا دو۔" میں نے کہا۔

"میں بتا دوں۔ تو سنو شکیلہ۔ جس طرح تم راج ہنس نہیں تھیں، بلکہ شکیلہ تھیں۔ اسی طرح میں خالی یوسف نہیں ہوں بلکہ میرا پورا نام یوسف عمران ہے۔"

"یوسف عمران۔" شکیلہ نے زیر لب دہرایا۔

"ہاں اور تمہارے عارف صاحب مجھے طالوت کہتے ہیں۔"

"اوہ۔ مگر پھر میرے سامنے؟"

"کیا یہ نام عجیب نہیں ہے؟"

"ہے۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"لیکن میری کیفیت یہی ہے۔ زمین پر رہنے والے انسان ایسے نام نہیں رکھتے، لیکن ہمارے ہاں ایسے نام ہوتے ہیں۔"

"زمین پر رہنے والے۔ ہمارے یہاں۔" شکیلہ نے



Uploaded by Muhammad Nadeem

دہرایا۔
"ہاں جنی۔ میرا تعلق تمہاری دنیا سے نہیں ہے۔"
"جنی؟" شکیلہ تعجب سے بولی۔
"میں اس پوشیدہ دنیا کا انسان ہوں جسے تم لوگ جنوں کی دنیا کہتے ہو۔"
"اوہ!" شکیلہ ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔
"ہاں۔ میں جن ہوں۔"
"نہیں۔" شکیلہ دیوانگی کے انداز میں ہنس پڑی۔
"خوف زدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ تم لوگوں نے ہماری طرف سے ایک بے بنیاد خوف طاری کر رکھا ہے خود پر اور مسٹر عارف! اب پوری کہانی آپ سنا دیں۔"
اور میں نے نہایت سنجیدگی سے شکیلہ کو ساری تفصیل بتا دی۔
"خدا کی قسم یہ کہانی جھوٹی نہیں ہے اور تم اس میں شک نہ کرنا۔" میرے خاموش ہونے کے بعد طالوت بولا۔ شکیلہ آنکھیں پھاڑ کر طالوت کو دیکھ رہی تھی۔ تب طالوت نے راسم کو آواز دی اور دوسرے لمحے راسم ظاہر ہو گیا۔
"انہیں مختلف شکلیں بنا کر دکھاؤ۔ یہ میرا غلام ہے شکیلہ۔"
اور پھر راسم نے وہ تماشے دکھائے کہ کئی بار شکیلہ کی چیخیں نکل گئیں۔ تب طالوت نے راسم کو روک دیا "بس اب جاؤ۔" اس نے راسم سے کہا اور راسم نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔
"اب بتاؤ کیا تم مجھ سے خوف زدہ ہو؟"
"نہیں۔" شکیلہ نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔
"ونڈرفل۔ تب تمہیں اپنے بارے میں بتا کر کوئی افسوس نہیں ہوا۔"
"اس سے قبل تم نے کوئی انگریزی بولنے والا جن دیکھا ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور شکیلہ خوف زدہ انداز میں مسکرانے لگی۔
"چنانچہ شکیلہ تمہیں یہ بھی عارف کی زبانی معلوم ہو گیا کہ اس وقت جب تم میسا نامی منحوس تنظیم کا شکار ہو گیا تھا لیکن اب خدا کا شکر ہے، سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ ایسی صورت میں یہ تنویر صاحب وغیرہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اب یہ بتاؤ اب تمہارے ذہن میں کوئی خلش ہے۔"
"خدا کی قسم نہیں۔ لیکن میں کئی دنوں تک حیرت زدہ رہوں گی۔"
"اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" طالوت نے مسخرے پن سے کہا "تو اب میں کہہ رہا ہوں کہ ہم تنویر صاحب پر ظاہر ہو جائیں۔"
"کیا حرج ہے۔" شکیلہ نے سینہ نکال کر کہا۔
"ہاں۔ ہاں۔ ہو جائے کوتوال۔" میں نے قہقہہ لگایا اور شکیلہ مسکرانے لگی۔
"ذرا عارف۔ باہر کی فضا دیکھو۔" طالوت نے کہا۔
"تو کیا میں ڈیوٹی تو نہیں اس جن سے؟"
"ہرگز نہیں۔ یہ ہمارے اپنے ہیں۔" شکیلہ نے کہا۔
"اللہ اس اپنائیت کو برقرار رکھے۔" میں نے مسخرے پن سے کہا اور جلدی سے باہر نکل گیا۔ میں جانتا تھا کہ میں دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں اس لیے میں اطمینان سے کوٹھی کی گردی کرتا رہا۔ ایک حصے میں کچھ ملازم تھے۔ بہت سے ملازم ایک ... کام کرنے میں مصروف ہو گئے تھے۔
ملازموں کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ کچھ مہمان آ رہے ہیں۔ میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ طویل ... کافی دیر میں واپس آیا۔ طالوت اور شکیلہ باتیں کر رہے تھے۔
"کیا پوزیشن ہے؟"
"نارمل۔"
"کوئی خاص بات تو نہیں؟"
"کوئی نہیں، سوائے اس کے کہ کوٹھی میں کچھ مہمان آ رہے ہیں اور بڑا اہتمام ہے۔"
"تنویر صاحب موجود ہیں؟"
"شاید نہیں۔"
"خیر بعد میں کیا ہے۔ اب آرام کرو۔"
"آرام؟"
"ہاں، تھوڑی دیر سونا چاہتا ہوں۔ تم لوگ بھی سو جاؤ۔" طالوت نے کروٹ بدل لی۔ شکیلہ اپنی مسہری پر چلی گئی تھی اور پھر ہم سب سو گئے۔ آنکھ کھلی تو خاصی رات ہو چکی تھی۔ پورے کمرے پر گہری تاریکی مسلط تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دے رہا تھا۔ آنکھ کھلنے کے بعد چند ساعت تک تو ماحول کا اندازہ ہی نہ ہو سکا اور جب سب کچھ یاد آیا تو میں نے طالوت کو آواز دی۔
"جاگ گئے عارف!" طالوت کی آواز سنائی دی۔
"ہاں۔ لیکن یہ اندھیرا؟"
"رات ہو چکی ہے۔" طالوت نے جواب دیا۔
"روشنی تو کرا دو یار۔"
"راسم!" طالوت نے راسم کو آواز دی "بجلی روشن۔" اس نے راسم کو ہدایت کی اور کمرے میں ایک دم



دان روشن ہو گیا۔ ہلکی روشنی میں ہم نے شکیلہ کی مسہری کی طرف دیکھا۔ شکیلہ ابھی تک سو رہی تھی۔
"ان خاتون کو بھی جگایا جائے۔"
"ہاں۔ آواز دو۔" طالوت نے کہا اور میں نے شکیلہ کو آوازیں دیں۔ خاصی گہری نیند سو رہی تھی۔ کئی آوازوں پر جاگی۔ اور پھر گھبرا کر جلدی سے مسہری سے نیچے اتر آئی۔
"کیا ہوا۔ کیا ہو گیا؟"
"رات۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"ارے کیسے؟" شکیلہ نے اور پریشان ہو کر پوچھا۔
"بس خود بخود ہو گئی۔" میں نے جواب دیا اور طالوت ہنسنے لگا۔
"اوہ۔" شکیلہ نے ایک گہری سانس لی۔ اب اسے اپنی بدحواسی کا احساس ہوا تھا اور وہ بھی مسکرانے لگی "واقعی خوب رات ہو گئی۔ نہ جانے کیا بج گیا ہو گا؟"
"آؤ باہر چل کر دیکھیں۔" طالوت نے کہا اور ہم تینوں باہر نکل آئے لیکن باہر نکل کر ہم نے گہری سانس لی تھی۔ رات تو توقع سے کہیں زیادہ گزر گئی تھی۔ غالباً ڈھائی بجے تھے۔ پوری کوٹھی سنسان پڑی تھی، سب سو چکے ہوں گے۔ کسی کے جاگنے کے آثار نہیں نظر آ رہے تھے۔
"کمال ہے یار۔ سب اتنی گہری نیند سو گئے۔"
"کھانا تو نشہ آور نہیں تھا؟" میں نے کہا۔
"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جن معنوں میں تم کہہ رہے ہو ویسے تو خوراک کے نشے سے بڑا کوئی نشہ ہی نہیں ہے۔"
"مگر حضرت۔ اب کیا کیا جائے؟"
"آؤ۔ آوارہ گردی کرتے ہیں۔"
"اس وقت۔ کہاں؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔
"شہر کی سنسان سڑکوں پر۔" طالوت نے جواب دیا۔
"واہ ... مزہ آ جائے گا۔" شکیلہ بولی۔
"بہت خوب۔ بہت خوب۔" میں نے شرارت آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور پھر آمادگی ظاہر کر دی۔ ہم کوٹھی سے باہر نکل آئے۔ خوب تھی یہ رات کی آوارہ گردی۔ سڑکیں بالکل سنسان پڑی تھیں لیکن شہر کے چند علاقے اب بھی جاگ رہے تھے۔ خاص طور سے بندرگاہ کا علاقہ۔ اس علاقے میں دن رات رونق رہتی تھی۔ یہاں کے ہوٹل بھی کھلے ہوئے تھے۔
"کیا خیال ہے کھانے کا پروگرام ہے؟" طالوت نے پوچھا۔
"اوہ نہیں۔ لیکن کافی پی جا سکتی ہے۔"
"تو کسی ہوٹل میں چلیں۔"
"یہاں کے ہوٹل شریف لوگوں کے نہیں ہوتے۔" میں نے کسی قدر ہچکچاتے ہوئے کہا۔
"تو ہم ہی کون سے شریف ہیں۔ آؤ۔" طالوت نے کہا اور ہم تینوں "سی ہاک" کی طرف بڑھ گئے۔ خاصی بڑی عمارت تھی۔ باہر سے خوب صورت بھی نظر آ رہی تھی۔ ایک چوڑے زینے سے گزر کر ہم ریفریشمنٹ ہال میں پہنچ گئے۔ ہال میں خاصی رونق تھی۔ سگریٹوں کے دھوئیں چکرا رہے تھے۔ ان میں نشہ آور سگریٹوں کی بو بھی شامل تھی۔ گندی ہوا باہر پھینکنے والے پنکھے چل رہے تھے لیکن پھر بھی ناگوار بو باقی تھی۔ زیادہ تر ملکی اور غیر ملکی ملاح ہی نظر آ رہے تھے۔ عورتیں بھی تھیں لیکن شریف عورتوں کی جھلک بھی نہیں تھی۔ یہ سب کی سب شکاری تھیں جو خاص طور سے غیر ملکیوں کا شکار کرنے آتی ہیں۔
"ماحول اچھا نہیں ہے طالوت۔" میں نے کہا۔
"تو پھر؟"
"شکیلہ بھی ہمارے ساتھ ہے۔"
"ہائے اللہ۔ میں مر جاؤں۔ یار تم میرے سامنے ایسی باتیں نہ کیا کرو۔" طالوت نے کہا اور اس کونے کی میز کی طرف بڑھنے لگا جو خالی نظر آ رہی تھی۔
بہرحال ہم کرسیاں گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔ بے شمار نگاہیں ہماری طرف تھیں۔ ان میں زیادہ تر خطرناک چہرے تھے۔ مجھے الجھن ہونے لگی۔ اس بے باک ماحول میں کوئی ہنگامہ ضرور ہو گا، میرے دل نے کہا لیکن مجھے حیرت اس شکیلہ کی ہمت پر ہو رہی تھی۔ مجھ سے زیادہ اسے طالوت پر اعتماد ہو گیا تھا۔ وہ بے حد مطمئن نظر آ رہی تھی۔
ویٹر ہمارے سروں پر پہنچ گیا۔
"کافی۔" طالوت نے بھاری آواز میں کہا۔
"صاحب!" ویٹر ٹھٹک کر بولا۔
"ہوں۔" طالوت نے چونک کر اسے دیکھا۔
"آپ کسی جہاز سے آئے ہیں؟"
"نہیں۔ کیوں؟"
"شہر سے آئے ہیں؟"
"ہاں۔"
"تب میں آپ کے لیے کمرے کا بندوبست کر سکتا ہوں۔ رات بھر رہیں، کرایہ صرف بیس روپے ہو گا۔ یہاں بیٹھنا ٹھیک نہیں ہے۔"
"اچھا۔ کیوں؟" طالوت نے پوچھا۔



Uploaded By Muhammad Nadeem

"یہاں اتنے لوگ نہیں آتے اور پھر اس وقت ہال میں بہت بڑے بڑے لوگ موجود ہیں۔"

"تم کافی لاؤ۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان بڑے بڑے لوگوں کی ایک فہرست بھی لے آؤ۔ میں سب کو ٹھیک کر دوں گا۔"

"آپ کی مرضی صاحب۔ میں نے آپ کو آگاہ کر دیا ہے۔" بیرا چلا گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے کافی سرو کر دی۔ گھورنے والے اب بھی شکیلہ کو گھور رہے تھے۔ ان کی نگاہیں اس پر سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔

اور پھر گڑبڑ شروع ہو گئی۔ کرسی سے اٹھنے والا شخص باقاعدہ پونے سات فٹ قد رکھتا تھا۔ بدن اس کا کچھ موٹا نہیں تھا لیکن تندرست ضرور تھا۔ سفید قمیص اور سفید پتلون پہنے ہوئے تھا۔ گریبان پیٹ تک کھلا ہوا تھا اور بالوں سے صاف سینہ نظر آ رہا تھا۔ آنکھیں نشے میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ویسے وہ کسی غیر ملک سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ نہ جانے کہاں کا تھا۔

"ہیلو۔" اس نے ہمارے قریب آ کر دونوں ہاتھ میز پر رکھ دیے اور جھک گیا۔ طالوت گردن جھکائے کافی پیتا رہا۔ لمبا آدمی براہ راست شکیلہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا یہ دونوں تمہارے دوست ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"جی۔ فرمائیے۔" میں نے کہا۔

"اوہ' تم خاموش رہو۔ مجھے بات کرنے دو۔ کہاں ہو ڈارلنگ!"

اب شکیلہ کسی حد تک نروس ہوئی۔ اس نے دزدیدہ نظروں سے طالوت کو دیکھا۔ وہ بڑی شرافت سے کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہا تھا۔

"میرا نام کیپٹن ہے' انڈرو لوکا ہیلڈ فاسی ہوں۔ یہاں مجھے سب جانتے ہیں۔ کیا تم تھوڑی دیر میرے ساتھ بیٹھو گی؟"

اب طالوت نے کافی ختم کر لی تھی پھر اس نے ہونٹ خشک کرتے ہوئے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا "ہیلو کیپٹن!" اس نے بڑے پیار سے کہا۔

"اوہ' ہیلو۔ تمہاری ساتھی مجھے بے حد پسند آئی ہے دوستو! صرف آج کی رات اسے مجھے دے دو۔ میں تمہارا دوست بن جاؤں گا۔"

"مگر تم جیسے مرغی لوگوں کو ہم دوست نہیں بناتے۔ تم بانس کی طرح لمبے اور بے تکے ہو۔ اب تم تو تیز ہوا میں قدم بھی نہ جما پاتے ہو گے۔ جاؤ بھاگ جاؤ۔"

"اٹھو لڑکی! تم بندرگاہ کے شہنشاہ کو نہیں جانتیں۔ میں خوش ہو گیا تو قسمت سنور جائے گی۔" کیپٹن نے شکیلہ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پھر چونک پڑا۔

نہ صرف اس نے' بلکہ میں نے اور شکیلہ نے بھی محسوس کیا کہ اچانک اس کا ایک ہاتھ غائب ہو گیا تھا۔ کیپٹن نے دوسرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ ٹٹولا۔ اور پھر اس کی چیخ نکل گئی۔

بہت سے لوگ چونک کر کھڑے ہو گئے تھے۔

"ارے' میرا ہاتھ۔ میرا ہاتھ۔ میرا ہاتھ۔" کیپٹن چیخ رہا تھا اور پھر اچانک وہ ایک طرف لڑھک گیا۔ اس کی ایک ٹانگ چھوٹی ہو گئی تھی۔ تب طالوت جھکا اور اس نے منہ سے پھونک ماری۔

پورے ہال میں ہنگامہ ہو گیا تھا۔ کیپٹن کسی بچے کی طرح اچھل کر دور جا گرا تھا۔

میں نے گہری سانس لی۔ لوگ کیپٹن کی طرف متوجہ تھے۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ ہماری طرف سے کچھ نہیں ہوا۔ ہم تو خاموش بیٹھے تھے۔ نہ جانے کیپٹن کو کیا ہو گیا تھا۔

شکیلہ کھلکھلا کر ہنس پڑی پھر اس نے کافی کی پیالی میز پر رکھ دی "میرا خیال ہے اٹھ ہی جائیں یہاں سے بہتر ہے چلیں۔"

"بل کی رقم رکھ دو عارف!" طالوت نے کہا اور میں نے جیب سے چند نوٹ نکال کر میز پر ڈال دیے۔ کیپٹن کے گرد تقریباً سارے ہی ہال کے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ دروازے خالی تھے۔ ہم اطمینان سے دروازے سے نکل آئے۔ ہمیں روکنے والا کوئی نہیں تھا پھر ہم اس ہوٹل سے ہی کافی دور نکل آئے۔ ہمارا رخ سمندر کے ساحل کی طرف تھا۔

"اب اس کا کیا ہو گا مسٹر یوسف!" شکیلہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں ہو گا۔ بس ایک ہاتھ غائب اور ایک ٹانگ چھوٹی۔"

"اوہ' ہمیشہ رہے گی؟"

"ہاں۔"

"میرا خیال ہے بہت سخت سزا ہے۔"

"اب دے دی گئی۔ کچھ نہیں ہو سکتا۔" طالوت نے جواب دیا۔ ہم چلتے رہے' پھر چلتے چلتے طالوت نے رفتار سست کر دی اور میرے کندھے کو دبایا۔

"ہوں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"یار۔ تھوڑی سی تنہائی دے دے۔"

"اوہ' ویری گڈ۔ واقعی؟" میں نے چونک کر کہا۔



"ہاں۔" طالوت نے گردن ہلا دی۔

"وری گڈ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور ہم آگے بڑھتے رہے پھر ہم سمندر کے خالی حصے میں پہنچ گئے۔ یہاں چاروں طرف ٹھنڈی ٹھنڈی ریت اور ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی بکھری ہوئی تھی۔

"طالوت!" میں نے اسے آواز دی۔

"ہوں۔"

"میں تو اس ٹیلے پر لیٹ کر چاندنی کا سفر کروں گا۔ ٹھنڈی ریت مجھے بچپن سے پسند ہے۔"

"اوہ' کیا بچوں والی حرکت ہے۔ آؤ چہل قدمی کریں گے۔"

"تم لوگ کرو۔ مجھے تھوڑی دیر کے لیے تنہا چھوڑ دو۔" میں نے کہا۔

"تمہاری مرضی۔ آؤ شکیلہ۔" طالوت نے کہا اور پھر وہ شکیلہ کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ میں ریت پر لیٹ کر ان دونوں کو دیکھنے لگا۔ سچی بات ہے شکیلہ بہت خوب صورت تھی۔ میرے دل میں اس کے لیے جگہ تھی لیکن دل لگانے کا کاروبار تو میں نے عرصہ دراز سے چھوڑ دیا تھا۔ اب تو اس کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔

چنانچہ طالوت کو اس کی طرف مائل دیکھ کر مجھے کوئی احساس نہیں ہوا بلکہ اس التفات میں مجھے خود دلچسپی محسوس ہوئی تھی۔ ویسے عجیب تھا یہ جن زادہ بھی۔ خود مجھے اس سے عشق کا مشورہ دے رہا تھا اور اب۔۔۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور پھر نہ جانے کیوں میرے ذہن میں ماضی کی کچھ تصویریں ابھرنے لگیں۔ کیسی عجیب زندگی ہے میری بھی۔ تردد سے پاک۔ لیکن اضطراب سے بھرپور۔ دونوں خیال ایک دوسرے کی نفی۔ شاید احساس کا تعین نہیں مل سکا ہے۔ یہ خیال ذہن کے گوشوں میں موجود ہے کہ میں وہ زندگی نہیں گزار رہا جو میرے آباؤ اجداد گزارتے آئے ہیں۔ اور وہ زندگی۔۔۔ سکون کی زندگی مجھ سے کافی دور ہے۔ میں جن کے کندھے کے سہارے چل رہا ہوں کسی وقت بھی یہ سہارا ہاتھ سے نکل سکتا ہے۔

نہ جانے کب تک خیالات میں گم رہا۔ پھر طالوت کی آواز نے ہی خیالات کا طلسم توڑا۔

"میں نے کہا مولانا۔ پھر سو گئے کیا؟"

"نہیں جاگ رہا ہوں۔" میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ طالوت اور شکیلہ بھی میرے پاس ہی بیٹھ گئے تھے۔

"کیا سوچ رہے تھے؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔"

"کیا خیال ہے واپس چلیں؟"

"چلو۔"

"چہل قدمی کا موڈ تو اب نہیں ہو گا۔ چنانچہ ہوا کی سواری کی جائے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"چنانچہ تم دونوں آنکھیں بند کرو۔" طالوت نے کہا اور پھر آنکھیں تنویر محل ہی میں کیوں نہ کھلتیں۔ ہم اسی کمرے میں تھے۔

"یہ کیسا سفر ہے یوسف صاحب! ہمیں اپنے جسم تک متحرک نہیں معلوم ہوئے۔" شکیلہ نے کہا۔

"ہوا کے سبک ذرات ہمارے بدن منتقل کر دیتے ہیں' اس سے زیادہ تفصیل میں خود نہیں جانتا۔ مجھے صرف عمل آتا ہے تھیوری نہیں۔" طالوت نے جواب دیا اور پھر مجھ سے بولا "آؤ عارف۔۔۔! ایک بار پھر ماحول کا جائزہ لے لیں۔ شکیلہ! تم آرام کرو۔"

"آؤ۔" میں نے کہا اور ہم دونوں کمرے سے نکل آئے۔

"میرا خیال ہے صبح کو ہم تنویر صاحب سے بات کر لیں' اور پھر یہاں سے نکل چلیں۔ کہیں اور چلیں گے۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔"

"یار۔ ایک اور خاص بات میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟"

"میں اس لڑکی کو پسند کرنے لگا ہوں۔"

"مبارک ہو۔ دل سے مبارک ہو لیکن اچانک کیسے؟"

"بس یار جو کچھ ہوا اچانک ہی ہوا لیکن تمہیں طالوت کی قسم کھانی پڑے گی۔"

"کس بات پر؟"

"جو کچھ کہو گے سچ کہو گے۔"

"ہاں' ہاں۔ پوچھو کیا بات ہے؟"

"نہیں پہلے قسم کھاؤ۔" اور پھر طالوت نے پیچھے پڑ کر مجھے قسم کھلوائی پھر بولا "اگر میں اس لڑکی سے راہ و رسم بڑھاؤں تو تمہیں دکھ تو نہیں ہو گا؟"

"طالوت کی قسم! نہیں۔"

"اوہ' شکریہ میرے دوست! تمہارے الفاظ میں خلوص اور سچائی ہے۔ مجھے اعتماد ہے۔ سنو' وہ بھی مجھے چاہنے لگی

Uploaded By Muhammad Nadeem

ہے۔"

"اعتراف کیا اس نے؟"

"ہاں۔" طالوت نے بھونڈے انداز میں شرمانے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا اور میں نے اس کی پشت پر ایک دھپ رسید کردی۔ طالوت ہنسنے لگا تھا۔

"یار عارف! کیوں نہ ہم زندگی میں تھوڑی سی تبدیلی لائیں؟"

"کیسی تبدیلی؟"

"ہم دونوں شادیاں کرلیں۔"

"سوار ہوگئی عورت ذہن پر؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے۔ خدا کی قسم یہ بات نہیں ہے۔ بس ایسے ہی سوچ رہا تھا۔"

"بہرحال میں تمہیں منع نہیں کروں گا۔"

"اور تم؟"

"میری اور بات ہے۔"

"کیوں؟"

"یار۔ میں شادی نہیں کروں گا۔"

"آخر کیوں؟"

"تم خود سوچ سکتے ہو' میری زندگی ہی کیا ہے۔ سولی پر تو لٹکا رہتا ہوں ہمیشہ۔ تمہاری بات دوسری ہے۔ تمہاری ساتھی ہمیشہ تیش کرے گی اور میں۔ جس وقت بھی تم مجھ سے جدا ہوگئے' میری حیثیت دو کوڑی کی ہوجائے گی۔"

"کیا کہہ رہے ہو عارف" طالوت سنجیدہ ہوگیا۔

"اس میں کون سی بات غلط ہے میرے دوست؟"

"گویا تمہیں طالوت پر اعتماد نہیں ہے۔"

"ہے۔ لیکن۔۔۔"

"سن میرے یار۔ اپنے باپ کی قسم کھاتا ہے جب تک وہ زندہ ہے' حالات کچھ بھی ہوجائیں' وہ تجھے نظرانداز نہیں کرے گا۔ وہ ہمیشہ تیری بہتری کی تلاش میں رہے گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے طالوت لیکن۔۔۔"

"اب بھی لیکن کی گنجائش رہ گئی ہے؟" طالوت نے شکایتی انداز میں کہا۔

"نہیں۔ میرا مطلب ہے' ابھی تو میری نگاہ میں۔۔۔"

"میں سمجھ گیا۔ بہرحال ہم تلاش شروع کردیں گے۔"

"تمہیں اجازت مل جائے گی؟" میں نے سوال کیا۔

"بتاؤں گا ہی نہیں وہاں۔"

"میرا خیال ہے' خاصی خطرناک بات رہے گی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے' مگر یہ بھی تو سوچو' میں اپنے ہاں کسی سے شادی نہیں کروں گا۔ اور پھر اگر میری زندگی میں کوئی عورت بیوی کی حیثیت سے آئی تو اب وہ شگیلہ ہوگی۔ ہم لوگ قول کے سچے ہوتے ہیں۔"

"خدا کامیاب کرے۔" میں نے خلوص دل سے کہا۔

"اچھا اب ان تنویر صاحب سے نمٹنے کی سوچو۔"

"تم بضد ہی ہو تو آؤ۔ انہیں تلاش کریں۔"

"ابھی تو سو رہے ہوں گے۔"

"جگالیں گے۔" میں نے کہا۔

"تب پھر آؤ۔" طالوت نے کہا اور ہم تنویر صاحب کی خواب گاہ کی طرف چل پڑے لیکن ہمارا یہ خیال غلط ثابت ہوا کہ وہ سو رہے ہوں گے۔ تنویر صاحب کی خواب گاہ سے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ دو تین افراد تھے۔

"جلدی جاگ جاتے ہیں یہ لوگ؟" طالوت بولا۔

"ہاں مگر دوسری آوازیں؟"

"مسز تنویر ہوں گی۔"

"تب کیا خیال ہے۔"

"آخری عمر میں ہیں یار۔ دستک دو۔" طالوت نے کہا اور میں نے دستک دی۔

"کون ہے۔ اندر آجاؤ۔" تنویر صاحب کی آواز ابھری اور ہم دونوں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئے۔ اندر تنویر صاحب' بڑی ماں اور افشاں' تینوں موجود تھے۔

ہمیں دیکھ کر تنویر صاحب اور بڑی ماں کی جو حالت ہونی چاہیے تھی' وہی ہوئی۔ البتہ افشاں حیرانی سے ہم دونوں کی شکلیں دیکھ رہی تھی۔ تنویر صاحب اور بیگم تنویر سکتے کے عالم میں تھے پھر تنویر صاحب کا ہاتھ تکیے کے نیچے رینگ گیا۔ اور ہم نے صاف محسوس کیا کہ اب ان کے ہاتھ میں پستول ہے لیکن پستول چادر کے نیچے چھپا ہوا تھا۔

"ہمیں بیٹھنے کی اجازت نہیں ملے گی؟" طالوت نے کہا اور تنویر صاحب سنبھلے۔

"بیٹھو۔" انہوں نے بھاری آواز میں کہا اور ہم اطمینان سے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"ہم آپ سے کچھ باتیں کرنے آئے تھے۔" میں نے کہا۔

"کہو؟"

"ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔ خاموشی سے چلے جاتے لیکن دل نہ مانا۔ سوچا' آپ سے آخری گفتگو کرکے ہی



جائیں۔"

"یہ گفتگو کا وقت ہے؟"

"ہم جیسے لوگوں کے لیے ایسے ہی اوقات مناسب ہوتے ہیں۔"

"ہوں۔ کہو؟" تنویر صاحب بولے۔

"کیا آپ کے رویے کی یہ تبدیلی مناسب ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"ہماری ذات سے آپ کو دکھ پہنچا ہے کوئی؟"

"نہیں۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"پھر آپ کے رویے کی یہ تبدیلی سمجھ میں نہیں آتی؟"

"معمولی سی بات ہے' تم لوگ جرائم پیشہ ہو اور پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔ تم نے کئی بار پولیس کو دھوکا دیا ہے اور میں بہرحال ایک شریف شہری ہوں۔"

"تو سنیں تنویر صاحب۔۔۔ میں صرف یہ عرض کروں گا کہ ابتدا سے آج تک پولیس غلط فہمی کا شکار رہی ہے۔ اس شخص کا نام عارف ضرور ہے' لیکن یہ وہ نہیں جو پولیس کا مجرم تھا۔ ہمارا تعلق تو ایک پہاڑی ریاست سے ہے۔ ہم سیر و تفریح کی غرض سے نکلے تھے لیکن حالات کا شکار ہوگئے۔ آپ کے یہاں کی پولیس نے ہمیں مجرم سمجھا' اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔ ہم اسے باور کراتے رہے لیکن شاید وہ شخص بھی ہمارا ہم شکل ہی تھا جو مجرم تھا۔ ایسی شکل میں ہم کیا کریں۔" طالوت نے ترپ ماری۔

"یہ تم پولیس کو باور کراسکتے ہو۔"

"مصیبت یہ ہے کہ کوئی نہیں مانتا۔"

"اور وہ جعل سازلڑکی؟"

"اس نے کوئی جعل سازی کی آپ سے؟ کیا اس نے ابتدا میں ہی کو افشاں کہا۔ جب آپ لوگوں نے ہمیں مجرم سمجھ لیا تو پھر ہم نے بھی تھوڑی سی تفریح کی۔"

"بہرحال یہ فیصلہ کرنا پولیس کا کام ہے۔"

"ہمارے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق صرف ہمیں ہے۔ یہ حق کسی کو نہیں دیا جائے گا۔ آپ کے پاس ہم صرف اس لیے آئے تھے کہ آپ اپنے ذہن سے یہ بات نکال دیں کہ ہم مجرم ہیں۔"

"میرے ذہن سے نکال دینے سے کیا ہوگا؟"

"صرف دل مطمئن ہوجائے گا اور کچھ نہیں۔"

"ہوں۔" تنویر صاحب کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

"یہ وہی دونوں ہیں ابو؟" افشاں نے پوچھا۔

"ایں۔ ہاں۔" تنویر صاحب چونک کر بولے۔

"لیکن انہوں نے جو کہا ہے اس پر غور بھی تو کیا جاسکتا ہے۔" افشاں بولی۔

"کیا مطلب؟"

"آپ کے تعلقات ہیں۔ آپ پولیس افسروں سے بات کیوں نہیں کرتے۔ ٹھنڈے دل اور ٹھنڈے ذہن سے ان کی بات سنیں' تحقیقات کریں۔ وہ لوگ جو مجرم نہیں ہیں ان کی زندگی کیوں عذاب کی جائے۔" افشاں بولی۔

"ہوں۔" تنویر صاحب کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ وہ بدستور گہری سوچ میں تھے پھر انہوں نے گردن اٹھائی اور بولے "تم لوگ کہاں مقیم ہو؟"

"آپ کی کوٹھی میں۔"

"کیا مطلب؟" سب اچھل پڑے۔

"ہاں' ہم نے آپ کا کباڑ گودام خالی کرلیا ہے' آج کل وہیں رہتے ہیں۔" طالوت نے اطمینان سے جواب دیا۔

"ارے۔" سب اچھل پڑے۔ افشاں حیرت زدہ انداز میں مسکرانے لگی تھی۔

"سچ کہہ رہے ہو؟" تنویر صاحب نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ آپ دیکھ سکتے ہیں۔" طالوت نے جواب دیا۔

"اُفوہ' بچو! وہ کوئی رہنے کی جگہ ہے۔ کیسی تکلیف ہوتی ہوگی۔"

"میری رائے ہے ابو۔ اگر یہ لوگ بے گناہ ہیں تو ان کی مدد اخلاقی فرض ہے۔ بہرحال ان لوگوں نے بھی ہماری مدد کی ہے۔ میں چاہتی ہوں آپ ان کی مدد کریں۔" افشاں نے کہا۔

میں نے طالوت کے چہرے پر عجیب سے تاثرات دیکھے۔

"کیا آپ ہمیں اپنی رہائش گاہ دکھائیں گے؟" افشاں نے پوچھا۔

"کیوں نہیں' کیوں نہیں۔" طالوت جلدی سے بولا۔

"آئیے ابو۔ دیکھیں۔" افشاں نے بچوں کی طرح کہا اور تنویر صاحب تیار ہوگئے۔ بڑی ماں بھی اٹھ کھڑی ہوئیں اور پھر سب کباڑ گودام کی طرف چل پڑے۔ میں نے طالوت کے ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھے تھے۔ غالباً راسم کو ہدایات مل رہی تھیں۔ بہرحال ہم گودام میں داخل ہوئے تو اس کی شکل بگڑی ہوئی تھی۔ ایک ٹوٹی مسہری پر شگیلہ لیٹی ہوئی تھی۔ یقیناً راسم نے اسے بھی حالات سے آگاہ کردیا ہوگا۔

"خدا کی پناہ! تم اس منحوس جگہ پر کیسے گزارا کررہے تھے بچو! کھانے پینے کی کیا رہتی تھی؟" بڑی ماں نے کہا۔



Uploaded By Muhammad Nadeem

"قسم لے لیں بڑی ماں! آپ کے کچن سے کبھی کچھ نہیں چرایا۔" طالوت جلدی سے بولا۔

"چھوڑو، مجھے افسوس ہے۔ میری چھت کے نیچے تمہیں اتنی تکلیف ہوئی۔" بڑی ماں نے دکھ سے کہا۔

"اور مجھے بھی۔" افشاں نے کہا اور شکیلہ کی طرف بڑھ گئی۔ شکیلہ جلدی سے اٹھ گئی۔ افشاں مسکرانے لگی "جی خاتون! اب آپ کیا کہتی ہیں؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں شکیلہ ہوں۔" شکیلہ نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے۔ لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ مجھے مسہری کے نیچے کس نے ڈالا تھا؟"

"جانے دو ان باتوں کو۔" شکیلہ نے کہا۔

"ہاں، جانے دو۔ آؤ، باہر آؤ۔" بڑی ماں نے کہا "بچوں کو کیسی تکلیف ہوتی ہوگی۔"

"آپ لوگوں کے ذہن ہماری طرف سے صاف ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں ہاں بیٹے۔ تم شکلوں سے ایسے نہیں معلوم ہوتے کیسی پیاری پیاری شکلیں ہیں۔ میں تو ان دنوں ہوش میں ہی نہیں تھی ورنہ میں تمہیں کسی طرح نہ جانے دیتی۔"

"ہماری یہی خواہش تھی بڑی ماں۔ بہرحال پولیس ہماری تلاش میں ہے، ہم مزید یہاں نہیں ٹھہریں گے ورنہ آپ لوگ الجھن میں پڑ جائیں گے۔"

"اب میں ایسا فقیر بھی نہیں ہوں کہ الجھنوں میں پڑتا رہوں۔ تم ابھی ایک آدھ دن یہاں رہو، پھر خاموشی سے جہاں دل چاہے چلے جانا، ناشتا تم ہمارے ساتھ ہی کرو گے۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"ہم اپنی شکیلہ باجی کو ایسے نہیں جانے دیں گے۔" افشاں نے پیار سے شکیلہ کی گردن میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"افشاں! تم انہیں ساتھ لے جاؤ۔ لیکن براہ کرم کسی کو ان کے بارے میں ابھی نہ بتانا۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"آئیے حضرات!" افشاں نے کہا۔ میں نے طالوت کی طرف دیکھا اور طالوت نے لاپروائی سے گردن ہلا دی۔ ظاہر ہے طالوت کو کیا پروا ہو سکتی تھی، ہوا تو میری کھٹک رہی تھی۔

بہرحال ہم سب افشاں کے ساتھ چل پڑے۔ افشاں ہمیں اپنے کمرے میں لے گئی "تشریف رکھیے، حضرات! آپ لوگ تو بے حد مشہور شخصیتیں ہیں لیکن کیسی دلچسپ بات ہے کہ آپ دونوں ہم شکل اور ہم دونوں ہم شکل۔ اور ہم شکل بھی ایسے کہ خود سے دھوکا کھا جائیں۔ لیکن یہ بھی کوئی شعبدہ تو نہیں ہے؟"

"یہ قدرتی شعبدے ہیں مس افشاں۔" طالوت نے ٹھنڈی سانس لی۔

"مگر یہ تو بتائیں کیا آپ کالے جادو کے ماہر ہیں؟"

"کیوں؟"

"پولیس رپورٹ۔۔۔ اور پھر خود میرے ساتھ جو کچھ ہوا۔" افشاں نے کہا۔

"اوہ، آپ شعبدوں کی کہانی۔۔۔"

"مگر کمال ہے۔ ہاں آپ میں یوسف کون ہیں اور عارف کون؟!"

"میں عارف ہوں۔" میں نے کہا۔

"تو بس۔ مگر پوچھنا ہی بیکار ہے۔ اگر میں ایک لمحے کے لیے پلک جھپک لوں اور آپ لوگ جگہیں بدل لیں تب بھی میں نہ پہچان سکوں گی۔ شکیلہ! آپ کو دقت نہیں ہوتی؟"

"اب نہیں ہوتی۔" شکیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بڑی دلچسپ بات ہے۔ کاش! آپ پر سے یہ الزامات ہٹ جائیں اور ہم لوگ ساتھ رہیں۔ جہاں جائیں گے لوگ بری طرح چکرا جائیں گے۔"

"یہ آپ کی خواہش ہے مس افشاں؟" طالوت نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"لیکن بہرحال یہ مشکل ہے۔ ویسے شعبدے تو آپ بھی خوب دکھاتی ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"میں نے؟"

"ہاں۔ ہماری ملاقات ان لوگوں سے ہوئی تھی جنہوں نے آپ کو اغوا کیا تھا۔ اور پھر ساری دنیا میں گھماتے رہے تھے۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

لیکن افشاں کا چہرہ فق ہو گیا تھا "آپ۔۔۔ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟!"

"دوسرا شعبدہ باز تصدق ہے۔"

"اوہ، اوہ۔ تو کیا اس نے۔۔۔؟"

"ہرگز نہیں۔"

"پھر براہ کرم بتا دیں، آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"کیا آپ کو ہوٹل کی ملاقات یاد نہیں ہے؟"

"ہے۔۔۔ اوہ۔۔۔ تو۔۔۔ تو۔۔۔"

"ہاں۔ پہلے ہم آپ کو شکیلہ سمجھے تھے مگر جب آپ ہمیں جل دے کر نکل گئیں اور ہمیں ہوش آیا تو ہم نے آپ کے بارے میں کافی تحقیقات کی۔"

"خدا کی پناہ۔ میرا خیال تھا آپ مجھے نہیں پہچان سکے ہوں گے۔"

"خیر، پرانی باتیں جانے دیں۔"

"لیکن ایک درخواست ضرور کروں گی۔"

"کیا؟"

"خدا کے واسطے یہ معلومات اپنے تک محدود رکھیں۔ امی جان کی حالت اتنی خراب نہ ہوتی تو کوئی بات نہیں تھی لیکن میری وجہ سے ان کی جو حالت ہوئی وہ میرے لیے بڑی شرمندگی کا باعث ہے۔"

"آپ مطمئن رہیں۔"

"شکریہ! ویسے آپ یہاں آرام سے رہیں۔ میں آپ کو اپنی باجی سے ملواؤں گی۔ ہمارے خالو اور خالہ زاد بہنیں وغیرہ آئی ہوئی ہیں۔"

"افسوس اس الزام کی وجہ سے ہم سوشل زندگی سے کافی دور ہو گئے ہیں۔"

"خدا آپ پر سے یہ الزام دور کرا دے۔" افشاں نے بڑے خلوص سے کہا۔

کافی دیر تک ہم گفتگو کرتے رہے، بہت وقت گزر گیا۔ تب ایک ملازمہ نے ناشتا لگ جانے کی اطلاع دی۔ اور افشاں نے کہا "آئیے۔ ناشتا تیار ہے۔"

"آپ کے مہمان بھی ہوں گے ناشتے کی میز پر؟"

"ہاں۔ کیوں؟"

"کیا ہمارا ان کے سامنے جانا مناسب رہے گا؟!"

"ارے آئیے۔ کیا حرج ہے؟!" افشاں نے کہا۔

اور ہم اس کے اصرار سے مجبور ہو کر اس کے ساتھ چل پڑے۔ پھر ہم ناشتے کے عظیم الشان کمرے میں داخل ہو گئے۔ کمرے میں بہت سے لوگ موجود تھے۔ ہم نے سب کو نہیں دیکھا لیکن چند آوازوں نے ہمیں اپنی طرف متوجہ ضرور کیا تھا۔

"ارے۔۔۔ ارے۔۔۔ ارے۔۔۔!" اور ہماری نگاہیں بھی سامنے اٹھ گئیں۔

اور پھر ہماری حیرت کی بھی انتہا نہ رہی۔ یہاں کئی جانی پہچانی شکلیں نظر آئی تھیں اور یہ شکلیں نواب جلال الدین، سیمیں اور احسان کی تھیں۔

"عارف بھائی۔ صائم بھائی!" سیمیں اور احسان اس بری طرح اٹھے کہ کرسیاں الٹ گئیں اور پھر وہ اس بری طرح ہم سے لپٹے کہ توبہ۔ سیمیں نے بھی کوئی تکلف نہیں کیا تھا۔

"ارے۔ ارے! تم کہاں میرے نور نظر۔ تم کہاں سے نظر آ گئے؟" نواب جلال الدین بھی بے اختیار ہو گئے۔ وہ بھی ہم سے آ چپٹے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"بتائیے کہاں چلے گئے تھے آپ لوگ؟" سیمیں ہچکیاں لے لے کر روتے ہوئے بولی۔ احسان بھی بچوں کی طرح رو رہا تھا اور بقیہ لوگ احمقوں کی طرح منہ پھاڑے کھڑے تھے۔

تنویر صاحب کی بری حالت تھی۔ بڑی ماں پاگلوں کی طرح کھڑی تھیں اور افشاں عجیب احمقانہ انداز میں منہ پھاڑے کھڑی تھی۔ سب لوگ ناشتا واشتا بھول گئے تھے۔

"میرے بچو! آہ کتنا تڑپا ہوں میں تمہارے لیے۔ یہ بتاؤ۔۔۔ بتاؤ کہاں چلے گئے تھے تم لوگ؟"

سچی بات یہ ہے ان مخلص لوگوں کو دیکھ کر ہم بھی دنگ رہ گئے تھے۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ تنویر صاحب کے مہمان یہ ہوں گے۔ ہم خود بھی ان لوگوں سے لپٹ گئے تھے۔

نواب جلال الدین سب کچھ بھول گئے تھے۔ وہ ہمیں ساتھ لے کر کرسیوں پر آ بیٹھے۔ سیمیں اور احسان تو ہم پر ہی لدے پڑ رہے تھے۔ ابھی تک کسی نے شکیلہ کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔

"بتاؤ۔ تم کہاں چلے گئے تھے؟" نواب صاحب نے پھر پوچھا۔

"آپ سے جدا ہونا ہی تھا نواب صاحب!" میں نے کہا۔

"ہاں۔ پھر؟"

"اگر ہم باقاعدہ آتے تو آپ لوگوں کو بہت دکھ ہوتا۔ اور ہمیں بھی۔ اس لیے ہم اسی طرح چلے آئے۔"

"بڑا ظلم کیا ہے تم دونوں نے۔ خدا کی قسم! مہینوں تمہارے لیے تڑپتے رہے۔ سیکڑوں آدمی نہ جانے کہاں کہاں تمہاری تلاش میں ہو آئے۔ ابھی تک صبر نہیں آیا تھا۔ خدا کا احسان ہے۔ خدا کا احسان ہے کہ اس نے پھر تم سے ملا دیا۔"

"جلال بھائی!" تنویر صاحب کی گھٹی گھٹی آواز ابھری۔

"ابھی خاموش رہو۔ میرے دونوں گوہر تم نے چھپا رکھے تھے۔ مجھے کیا معلوم۔"

"جلال بھائی! سن۔۔۔ سنئے تو۔" تنویر صاحب نے پھر اسی انداز میں کہا۔

"کیا خاک سنوں۔ یہ بتاؤ یہ کب سے تمہارے ہاں ہیں۔ اور ان کے ساتھ تمہارا سلوک کیسا رہا؟"

Uploaded By Muhammad Nadeem

"میری بات تو سنیں۔"
"بس اب کچھ نہیں سنوں گا۔ خدا کی قسم! بھوک اڑ گئی ہے۔ مگر آؤ بیٹے، ناشتا کرو۔ اف، میری کھوئی ہوئی دولت مل گئی ہے۔ آؤ ناشتا کرو۔ پھر باتیں کریں گے۔" نواب جلال الدین نے کہا۔

اسی وقت دروازہ کھلا۔ ایس۔ پی آفتاب اور چار انسپکٹر ہاتھوں میں پستولیں لیے اندر گھس آئے۔ ایس پی آفتاب سب سے آگے تھا۔

"مداخلت کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔ تم دونوں ہاتھ بلند کرلو۔ کوٹھی کے چپے چپے پر پولیس موجود ہے۔ تم نکل نہ سکو گے۔ اگر تم نے ذرا سی گڑبڑ کی تو تمہیں گولی ماردی جائے گی۔"

طالوت نے گہری سانس لی۔ میں بھی ساکت رہ گیا تھا۔ نواب جلال الدین عجیب سی نگاہوں سے ایس پی کو گھور رہے تھے اور تنویر صاحب کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

"تم کس سے مخاطب ہو آفیسر؟" بالآخر نواب جلال الدین کی گرج دار آواز ابھری۔

"معاف کیجئے گا جناب! یہ دونوں جو آپ کے قریب بیٹھے ہوئے ہیں، بہت بڑے جعل ساز ہیں۔ ہم انہیں گرفتار کرنے آئے ہیں۔"

"انہیں؟" نواب صاحب اچھل پڑے۔

"جی ہاں! آپ ہمیں اجازت دیں۔" ایس پی آگے بڑھا۔

"کیا بدتمیزی ہے۔" نواب صاحب کی غراہٹ بلند ہوئی "پیچھے ہٹو۔ گیٹ آؤٹ! آئی سے گیٹ آؤٹ!" نواب صاحب حلق پھاڑ کر دہاڑے اور پھر وہ تنویر صاحب کی طرف مڑے "تنویر۔ یہ تمہاری کوٹھی ہے یا جوئے کا اڈہ۔ یہاں پولیس اس طرح گھس آتی ہے۔"

تنویر صاحب کے تو حواس ہی جواب دے گئے تھے۔ وہ پاگلوں کی طرح ایک ایک کی شکل دیکھ رہے تھے اور نواب جلال الدین کا چہرہ غصے سے سرخ تھا "آپ سمجھنے کی کوشش کیجئے محترم۔ یہ دونوں۔" آفتاب نے کہنا چاہا۔

"ایس پی۔ تم قانون کے محافظ ہو۔ میں تم سے اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکوں گا کہ ان دونوں کی شان میں گستاخی کا دوسرا لفظ نہ نکلے اور اس کے بعد میں تم سے وارنٹ طلب کرتا ہوں۔"

"ان دونوں کے لیے تو ہدایات ہیں جناب کہ اگر زندہ گرفتار نہ ہوں تو گولی ماردی جائے۔" آفتاب نے کہا۔ "اور یہ بھی ہدایات ہیں کہ صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر ہر جگہ گھس جاؤ۔" نواب جلال الدین بولے۔

"ان کی تلاش میں تو یہ بھی جائز ہے۔ خواہ بعد میں حکومت کو کتنا ہی بڑا جرمانہ ادا کرنا پڑے لیکن اس وقت میں صاحب خانہ کے طلب کرنے سے آیا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" نواب جلال الدین نے اس بار تنویر صاحب کی طرف گھور کر دیکھا۔

"وہ۔ وہ دراصل۔ یہ حقیقت ہے۔" تنویر صاحب کی آواز مشکل سے نکل سکی تھی۔

"بہت خوب۔ ٹھیک ہے ایس پی صاحب۔ ان دونوں کے جتنے جرائم ہیں، میں ان میں برابر کا شریک ہوں۔ براہ کرم مجھے بھی گرفتار کرلیا جائے۔"

"جلال بھائی۔" تنویر صاحب گھبرا کر بولے۔

"الو۔" نواب جلال الدین نے تیموں احسان وغیرہ سے کہا اور سب اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جلال بھائی۔ سنئے تو سہی۔" تنویر صاحب پریشانی سے بولے۔

"تنویر۔ بے تکلفی کے لیے معافی چاہتا ہوں۔ دنیا کے بدبخت ترین انسان ہو جو ان فرشتوں سے پرخاش رکھتے ہو۔ میں اس کی وجہ بھی نہیں معلوم کروں گا۔ بہرحال اگر تم نے کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اپنی دانست میں، تو بہرحال تمہیں یہ سوچنا چاہیے تھا کہ میں بھی یہاں موجود ہوں۔ میری موجودگی میں پولیس نہیں آنی چاہیے تھی۔ بہرحال شکریہ۔ ان لوگوں کو تم نہیں جانتے، میں جانتا ہوں اور جس گھر میں ان کی بے عزتی ہوئی ہو، وہاں میں ایک پل نہیں رہ سکتا۔"

"بات کچھ۔ بات کچھ غلط فہمی کی ہے جلال بھائی۔ ہم۔ میں۔"

"تم جانتے ہو میں ضدی آدمی ہوں۔ میں اب یہاں نہ رہ سکوں گا۔ تمہیں واپس جاؤ۔ وقتی طور پر کوئی ہوٹل مناسب رہے گا پھر ہم کسی مکان کا بندوبست کرلیں گے اور ایس پی۔ تم سنو۔ ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالنے کا تصور ذہن سے نکال دو۔ میں نواب جلال الدین آف جلال آباد ہوں۔ تمہارا ہوم سیکریٹری میرا لنگوٹیا دوست ہے۔ آؤ ٹیلی فون تک چلیں، میں تمہیں اس سے فوری ہدایات دلوا دیتا ہوں تاکہ تمہاری الجھن دور ہوجائے۔"

"اوہ۔ نواب صاحب۔ آپ فرما رہے ہیں۔ یہی کافی ہے، لیکن میری صرف ایک درخواست ہے۔" ایس پی



آفتاب نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔
"ہاں۔ کہو۔" نواب جلال الدین بولے۔
"براہ کرم تصدیق کرلیں۔ ممکن ہے آپ غلط فہمی کا شکار ہوں۔"

"تصدیق۔" نواب صاحب اچھل کر بولے "ارے میاں تمہیں اگر ان کی حقیقت معلوم ہوجائے، تو معاف کرنا اپنی ملازمت کے لیے پریشان ہوجاؤ گے۔"

"خیر۔ پھر میرے لیے کیا حکم ہے؟" ایس پی آفتاب نے بیزار ہوتے ہوئے کہا۔

"تم خود فیصلہ کرلو۔ کیا میں ہوم سیکریٹری سے بات کروں؟"

"مناسب رہے گا اگر آپ مجھے اوپر سے احکامات دلوا دیں، کیونکہ ان لوگوں کی شخصیت ایسی ہے کہ انہیں گرفتار نہ کرنے پر بھی میں ملازمت سے ہاتھ دھو سکتا ہوں۔" آفتاب نے کہا۔

"آفتاب میاں۔ آفتاب میاں۔ میری بات سنو، میرے ساتھ آؤ۔" تنویر صاحب نے ایس پی کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور آفتاب ایک طرف چلا گیا۔ بہرحال وہ کمرے میں ہی تھے "میری درخواست ہے اس وقت واپس چلے جاؤ۔ انہیں گرفتار نہ کرو، ممکن ہے جلال بھائی کو غلط فہمی نہ ہو اور۔ اور۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں تنویر صاحب بھلا یہ کیسے اور۔"

"ایس پی۔ ایس پی۔" نواب جلال الدین دہاڑے "میں کہتا ہوں اپنے اختیارات سے تجاوز کرنے کی مت سوچو۔ اگر تم نے ان کے بارے میں کوئی نازیبا جملہ استعمال کیا تو اچھا نہ ہوگا۔"

"صاحب۔ براہ کرم باہر آیئے۔" آفتاب نے جھنجلاتے ہوئے کہا اور پھر وہ دونوں باہر نکل آئے۔ ناشتے کی میز اب بھیک مانگ رہی تھی۔ بھلا ناشتے کا ہوش کس کا رہا۔ نواب جلال الدین غصے میں تھے۔ تیمیں اور احسان بھی سرخ ہو رہے تھے۔ کمال اور دوسرے لوگ بھی پریشان تھے۔

"اور یہ تنویر کو کیا ہوگیا ہے۔ اتنے برے کی ساری تمیز کھو بیٹھا ہے۔" نواب جلال الدین بولے۔ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا "اس نے خود ہی پولیس کو بلایا تھا۔ حد ہے۔ اب وہ اتنا بڑا کاروباری ہوگیا ہے کہ مہمانوں کو ناشتے کی میز سے گرفتار کراتا ہے۔ اس نے میری توہین کی ہے۔"

"خالو جان براہ کرم۔" افشاں نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"نہیں افشاں بیٹے۔ تمہارا باپ اب مصلحتوں کا قائل ہوگیا ہے، میں یہاں نہ رک سکوں گا۔ براہ کرم مجھے مجبور نہ کیا جائے۔" نواب صاحب بھتیجے سے اکھڑ گئے تھے۔

تقریباً دس منٹ کے بعد تنویر صاحب حیران و پریشان کمرے میں داخل ہوئے، آفتاب اب ان کے ساتھ نہیں تھا۔ ہم دونوں بالکل خاموش تھے۔ طالوت کے چہرے سے بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔

"جلال بھائی۔ کیا آپ ناشتے کے بعد تھوڑی دیر تک مجھ سے گفتگو پسند کریں گے؟" تنویر صاحب نے کہا۔

"معافی چاہتا ہوں تنویر۔ میں اب یہاں نہ رک سکوں گا۔" جلال الدین صاحب نے خشک سے انداز میں کہا۔

"میں شرمندہ ہوں لیکن حالات آپ کے علم میں نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ وہ حالات تمہارے تھے، میری بے عزتی کیوں کرائی گئی؟"

"دراصل آپ کو کچھ نہیں معلوم۔ میں خود بھی بے شمار الجھنوں سے گزر رہا ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے میں تمہاری الجھنوں میں اضافے کا

Uploaded By Muhammad Nadeem

باعث بنا۔ بہرحال میں یہاں آیا ہوں تو کچھ عرصہ ضرور رہوں گا لیکن اس کوٹھی میں نہیں جہاں پولیس درانہ گھس آتی ہو۔"

"یہ قصور تو میرا ہے جلال بھائی!" تنویر صاحب بولے۔

نواب جلال الدین حد سے زیادہ بگڑ گئے تھے۔ سب ہی ان کے پیچھے پڑ گئے۔ خاص طور سے انشاں اور بڑی ماں اور خدا خدا کر کے نواب صاحب کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ ناشتا بھی ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

از سرِ نو ناشتا لگایا گیا اور نواب صاحب سے ناشتا کرنے کی درخواست کی گئی۔

"ہم اجازت چاہیں گے۔" طالوت نے کھڑے ہو کر کہا اور ایک بار پھر سب چونک پڑے۔ میں اور شکیلہ بھی کھڑے ہو گئے تھے۔

"ارے۔ ارے۔ اب۔" کمال نے کہا۔

نواب جلال الدین خاموشی سے ہماری شکلیں دیکھ رہے تھے۔

"آپ تنویر صاحب کے مہمان ہیں نواب صاحب اور ہم وہ، جنہیں دھوکے میں رکھ کر تنویر صاحب گرفتار کرانے کے چکر میں تھے۔ اگر آپ نہ ہوتے تو ہم تینوں اس وقت حوالات میں ہوتے۔ ایسی شکل میں اب ہمارے لیے کیا گنجائش ہے۔ کیا ہم ناشتا اس لیے کریں کہ آپ نے ہماری حمایت کی ہے۔" طالوت نے کہا۔

"جواب دو تنویر۔" نواب صاحب بولے۔

"میں تم دونوں سے ۔۔۔ تم سب لوگوں سے معافی چاہتا ہوں۔ میں سخت شرمندہ ہوں۔ خدا کے لیے ناشتا کر لو۔ مجھے الجھنوں میں نہ ڈالو۔ میں سخت پریشان ہوں۔"

"خدا کے لیے ٹھیک ہے۔" طالوت نے کہا اور بیٹھ گیا اور پھر خاموشی سے ناشتا کیا گیا۔ بڑی عجیب سی کیفیت رہی تھی۔ سیمیں اور احسان ہماری طرف دیکھے جا رہے تھے۔ درحقیقت ان کے حلق سے نوالے نہیں اتر رہے تھے۔ بالآخر ناشتا ختم ہو گیا اور سب لوگ خاموشی سے اٹھ گئے۔

"آپ میرے ساتھ آئیں گے جلال بھائی؟" تنویر صاحب نے عاجزی سے کہا۔

"صرف میں؟" جلال الدین نے پوچھا۔

"ہاں۔ مجھے آپ سے گفتگو کرنی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے۔ میں شہزادہ عادل اور شہزادہ صائم کی موجودگی کے بغیر کوئی گفتگو کرنے کو تیار نہیں ہوں۔" نواب صاحب نے کہا۔

"لیکن میں۔" تنویر صاحب نے پریشانی سے کہا۔

"تنویر۔ تم بات سمجھ نہیں رہے۔ میں کسی ایرے غیرے کے لیے اس قدر جذباتی نہیں ہو سکتا۔ کاش تم ان لوگوں کو جانتے ہوتے۔ یہ ایک ایسی ریاست کے شہزادے ہیں جو اگر چاہے تو ہمیں اور تمہیں خرید کر کسی یتیم خانے کو وقف کر دے۔ نہ جانے تم نے انہیں کیا سمجھا ہے اور کیوں ان کی بے عزتی پر آمادہ ہوئے ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تم سے سخت ہو گیا ہوں لیکن میرا ان سے لگاؤ اتنا قدرتی ہے کہ میں اس کی ترجمانی نہیں کر سکتا۔"

ناشتے کے کمرے میں موجود سارے لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہمیں دیکھ رہے تھے۔ بی شکیلہ کے چہرے پر بھی عجیب تاثرات تھے، بہرحال وہ اب جان گئی تھی کہ ہم کسی ریاست کے شہزادے تو کیا، کسی بہت بڑی سلطنت کے سربراہ بھی ہو سکتے ہیں، چنانچہ وہ بہرحال دوسروں کی طرح حیران نہیں تھیں۔

"تب آئیے۔ لیکن دوسرے لوگوں کی موجودگی تو ضروری نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن ان کے بغیر میں کوئی گفتگو نہیں کروں گا!" نواب جلال الدین نے کہا اور میری طرف دیکھ کر بولے۔ "آئیے شہزادہ عادل، آئیے شہزادہ صائم۔"

"نواب صاحب قبلہ اب تک جو کچھ ہوا، وہ آپ کی محبت اور تنویر صاحب کی نفرت پر مبنی تھا، ہم کچھ نہیں بولے لیکن ضروری تو نہیں تھا کہ ایس پی آفتاب ہمیں گرفتار ہی کر لیتے۔ اس سے پہلے بھی تنویر صاحب کے ہاں یہ کوشش ہو چکی ہے۔ اپنی دانست میں ان حضرات نے ہمیں پھانسی کے تختے تک پہنچا دیا تھا لیکن اس کے بعد کیا ہوا؟ نواب صاحب آپ کی محبت سر آنکھوں پر لیکن میرے خیال میں تنویر صاحب کی بہت سی کوششیں ناکام بھی ہو سکتی ہیں۔ آپ اگر چاہیں تو ان سے گفتگو کریں۔ جہاں تک ہمارا معاملہ ہے ہم دنیا گردی کرنے نکلے ہیں تو اپنی حفاظت بھی کر سکتے ہیں۔"

"آئیے تو سہی۔ تنویر کو نہ جانے کیا ہو گیا۔ یہ اتنا برا انسان تو نہیں ہے۔ نہ اتنا کم عمر ہے کہ انسانوں کو پہچاننے کی صلاحیت نہ رکھے۔ آپ آئیے تو سہی۔" اور ہم دونوں ان کے ساتھ چل پڑے۔ تنویر صاحب کے چہرے سے شرمندگی ٹپک رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ان کی آنکھوں سے سخت الجھن ترشح تھی۔ ہم چاروں ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ نواب صاحب نے سب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور تنویر صاحب جھکے جھکے سے انداز میں سب سے پہلے بیٹھ گئے۔



"جلال بھائی! میں سخت پریشان ہوں۔ اتنا بدباطن بھی نہیں ہوں۔ دراصل میری ذہنی کیفیت اس قدر خراب ہو گئی ہے کہ میں کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہا۔ براہ کرم ناراضی ذہن سے نکال کر میری الجھنوں کو سن لیں۔"

"ہوں۔" نواب جلال الدین نے گردن ہلائی۔ ہم دونوں بھی ان کے ساتھ ہی صوفوں پر بیٹھ گئے "تب پھر میں تم سے بنیادی سوالات کروں گا۔ میرے بچو، مجھے اجازت دو۔"

"ہاں، ہاں ضرور۔" طالوت نے کہا۔

"آپ لوگوں کی ملاقات کہاں ہوئی؟" جلال الدین نے پوچھا۔

"اس کوٹھی میں۔ یہ دونوں بچے اس لڑکی کے ساتھ جو انشاں کی ہم شکل ہے۔ ٹرین میں سفر کر رہے تھے کہ بیگم کو مل گئے۔ انشاں کی گمشدگی کی تفصیل میں نے تمہیں لکھی تھی۔ بیگم کی ذہنی کیفیت درست نہ تھی۔ تصدق وغیرہ نے ان لوگوں سے ساتھ آنے کی درخواست کی تاکہ بیگم کی ذہنی کیفیت کچھ سنبھل جائے اور یہ یہاں آ گئے۔ ان سے پوچھو، ان کے ساتھ میرا سلوک برا نہ تھا لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ یہ دونوں بڑے خطرناک مجرم ہیں تب میں الجھ گیا اور بہرحال کچھ بھی ہو، میرا شمار شریف شہریوں میں ہے۔ میں قانون کا احترام کرتا ہوں۔ یہ قانون کو جل دے کر نکل بھاگے تھے اور جب یہ دوبارہ میرے ہاتھ آئے تو پولیس کو اطلاع دینا میرا فرض تھا۔"

"لیکن تم نے ان سے بھی کچھ پوچھا؟"

"کیا پوچھتا؟" تنویر صاحب نے کہا۔

"تنویر میاں۔ کیا تصدق وغیرہ کی درخواست پر تمہاری بیگم کے لیے یہ لوگ تمہاری کوٹھی میں نہ آئے تھے۔ کیا تمہارے اوپر ان کا یہ احسان نہ تھا۔ کیا یہ تمہارا فرض نہ تھا کہ تم ان سے بھی ان کے بارے میں معلوم کر لیتے۔"

"نہیں نواب صاحب۔ شاید آج ہی ہم سے ہمارے بارے میں معلوم کیا گیا تھا۔ ہم نے تھوڑی بہت تفصیل بتا دی۔ اس کے بعد ہی پولیس کو اطلاع دی گئی تھی۔"

"یہ درست ہے۔ مجھے تمہاری باتوں پر یقین نہیں آیا تھا۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" طالوت بولا۔

"شہزادہ عادل! یہ تنویر کچھ احمق بھی ہے۔ مجھے اجازت دیں کہ میں کسی حد تک آپ کے بارے میں بتا دوں، میرا خیال ہے آپ اس کی اس حالت غیر پر ترس کھائیں گے۔"

"اوہو۔ نہیں۔ تنویر صاحب ہمارے لیے بھی قابل احترام ہیں۔" طالوت نے گہری سانس لے کر کہا اور میری طرف دیکھ کر آنکھ ماری۔ گویا اشارہ کر رہا ہو ٹھیک ہے، ہونے دو۔"

"تو سنو تنویر۔ یہ دونوں ایک پہاڑی ریاست کے شہزادے ہیں۔ سیر و سیاحت کے شوقین۔ ریاست کا خزانہ اتنا عظیم ہے کہ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا اور اس کے ساتھ ہی ان دونوں کی شخصیت میں جو حشمت ہے، تنویر تم اس کا ثانی تلاش نہیں کر سکو گے۔ میرے بارے میں تم جانتے ہو، میں کس قسم کا انسان ہوں لیکن سنو میرے دوست۔ اگر شہزادہ عادل اور شہزادہ صائم میری کھال کی جوتیاں بنا کر پہن لیں تو میں اسے اپنی خوش بختی تصور کروں گا۔ نہ صرف میں بلکہ میری اولاد، میری بیوی، میرا رواں رواں ان کے احسان کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ اس سے زیادہ تفصیل میں نہیں بتا سکوں گا۔"

تنویر صاحب ششدر نگاہوں سے نواب جلال الدین کی شکل دیکھ رہے تھے۔ بلاشبہ انہیں احساس تھا کہ نواب جلال الدین جیسا مغرور انسان، جو کسی کی تعریف بھی کرنے میں احتیاط کرتا ہے، جو شاید صرف احسان کرنا جانتا ہے، احسان لینا نہیں۔ اس کے منہ سے ان لوگوں کے لیے یہ الفاظ کوئی حیثیت ہی رکھتے تھے۔

کئی منٹ تک خاموشی رہی پھر تنویر صاحب آہستہ سے بولے "لیکن ان لوگوں نے تو اپنے نام عارف اور یوسف بتائے تھے؟"

"ہمیں بھی ان کی اصلیت بہت بعد میں معلوم ہوئی۔ ظاہر ہے یہ اپنی پبلسٹی کے لیے نہیں نکلے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن پولیس کو کیا ہوا؟"

"جو کچھ بھی ہوا ہو۔ پولیس جانے، اس کا کام ہے۔ میں ہوم سیکریٹری سے بات کروں گا، میرا دوست ہے۔"

"اور میرے لیے کیا سزا تجویز ہوتی ہے۔" تنویر صاحب نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کیا مطلب؟" نواب جلال الدین بولے۔

"مجھ سے بڑی گستاخی ہوئی ہے لیکن لاعلمی میں۔ اس سے قبل شہزادہ عادل کو کوئی شکایت نہ ہوئی ہوگی۔"

"بہرحال کیا چاہتے ہو؟" جلال الدین بولے۔

"بس معاف کروا دیجیے۔" تنویر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا خیال ہے شہزادہ صائم؟"

"چلیے ٹھیک ہے۔ تنویر صاحب کی بھی غلطی نہ تھی لیکن



Uploaded by Muhammad Nadeem

بہرحال پولیس کو مطمئن کرنا ضروری ہے اور یہ کام آسان نہ ہوگا۔"

"میں ابھی جاتا ہوں۔ ہوم سیکریٹری سے ملاقات کروں گا اور اس سلسلے میں ساری تفصیلات طے کراؤں گا۔" نواب جلال الدین نے کہا اور پھر مسکراتے ہوئے ہم دونوں کی طرف دیکھ کر بولے "بھئی میرا غصہ تو ٹھنڈا ہوگیا ہے۔ تم لوگ بھی اپنی کیفیت سے آگاہ کردو تاکہ گفتگو کا موضوع بدل دیا جائے۔"

"نہیں نہیں' تنویر صاحب بہرحال برے انسان نہیں ہیں' اس کا اندازہ ہم پہلے سے کرچکے ہیں۔"

"بہت خوب۔ تو اب آپ۔۔۔ شہزادگان عالی یہ فرمائیں کہ ریس کے گھوڑے آپ کو کہاں لے گئے تھے؟" نواب جلال الدین نے پوچھا اور ہم دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"نہ جانے کہاں کہاں نواب صاحب۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ بچی کون ہے جو افشاں بیٹی کی ہم شکل ہے؟"

"تنویر صاحب خود بھی اس کے بارے میں تصدیق فرما چکے ہیں۔" میں نے تنویر صاحب کی طرف اشارہ کیا۔

"مجھے اور شرمندہ نہ کریں مسٹر صائم۔ ویسے آپ لوگوں کی شخصیت آج بھی میرے لیے سخت پراسرار ہے۔ جلال بھائی کے سامنے میں کچھ کہنے کی جرات نہیں کرسکتا' لیکن۔۔۔"

"لیکن کیا؟"

"میں عرض کرچکا ہوں ناکہ میں خود پریشان ہوں۔ بلاشبہ مجھے آپ کی شخصیتیں جرائم سے بالاتر نظر آئیں لیکن پولیس۔۔۔ نہ جانے اسے اتنی شدید غلط فہمی کیوں ہوئی؟"

"ہاں بھئی۔ بعض اوقات عجیب و غریب واقعات پیش آتے ہیں۔ بہرحال تنویر' مجھے ان لوگوں پر خود سے زیادہ بھروسا ہے۔ تم احسان اور سیمیں یا جلال آباد کے کسی بھی فرد سے پوچھ لو۔ ہر ایک تمہیں ان دونوں کی محبت میں ڈوبا نظر آئے گا۔"

"آپ غلط نہ کہتے ہوں گے!" تنویر صاحب نے کہا۔

"بہرحال۔ اب ان دونوں کی شان میں کوئی گستاخی نہ ہونے پائے۔"

"نہیں ہوگی۔"

"میرے لیے گاڑی تیار کرادو۔ ہوم سیکریٹری سے میں خود ملوں گا' میرا خیال ہے گھر پر ہی ان سے ملاقات ہوجائے

گی۔ تم مجھے ڈائریکٹری دینا ذرا۔"

"میں ابھی بھجواتا ہوں۔" تنویر صاحب نے کہا اور اٹھ گئے پھر وہ باہر نکل گئے اور نواب جلال الدین ہم دونوں کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔

"تجھ سے کوئی شکایت ہوگئی تھی شہزادہ صائم؟"

"ارے۔۔۔ نہیں۔ کیوں؟" میں نے کہا۔

"پھر مجھے تڑپتا چھوڑ کر کیوں چلے آئے تھے؟"

"آپ خود غور کریں نواب صاحب۔"

"کیا مطلب؟"

"ہم لوگوں کے ورود کی نوعیت اتنی بدل گئی تھی کہ اگر ہم باقاعدہ وہاں سے آنے کا اعلان کرتے تو شاید لوگ ہفتوں کے لیے کھانا پینا چھوڑ دیتے اور ہمارا وہاں سے آنا ضروری تھا۔"

"ہاں۔" نواب جلال الدین نے ایک ٹھنڈی سانس بھری "اور اب تم پھر مل گئے۔ بڑی مشکل سے دل کو سمجھایا تھا۔ اب کیا کریں گے؟"

"ہم شرمندہ ہیں نواب صاحب۔ لیکن بہرحال آپ کو علم ہوگیا ہے۔ ہم خود یہاں نہیں آئے۔"

"میرے ساتھ واپس چلو گے؟"

"کہاں؟"

"جلال آباد۔" نواب صاحب نے جواب دیا۔

"مشکل ہے نواب صاحب۔ براہ کرم ہماری مجبوریوں کو ذہن میں رکھیں۔" طالوت نے صاف گوئی سے کہا اور نواب جلال الدین نے گردن جھکالی پھر کئی منٹ کے بعد آہستہ سے بولے۔

"ہاں۔ ٹھیک ہی ہے لیکن تمہاری ریاست کا کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ اب تو ابا حضور سے رابطہ قائم ہوگیا ہے۔ ایک طویل عرصے کے لیے ان سے اجازت مل گئی ہے۔ ریاست سے وفود آتے رہتے ہیں اور ابو حضور کی طرف سے تحائف آتے رہتے ہیں۔"

"اس لڑکی سے تعارف نہیں ہوا۔ کہاں سے ملی؟ اور اس دوران تم کہاں رہے؟"

"بس آوارہ گردی۔ صائم نے ایک قسم کی کمپنی قائم کی تھی۔ پھر وہاں سے سرحد کی طرف نکل گئے اور وہاں سے ایک ہندو ریاست درگاپور۔ یہاں یہ مظلوم اور بے سہارا لڑکی ملی۔ یہ اس قدر بے بس تھی کہ ہم نے اسے ساتھ ہی رکھ لیا۔"



"اوہ۔ ہاں تم لوگ بے حد رحم دل ہو۔ تمہارا پاؤں آج بھی میری گردن پر ہے۔" نواب صاحب نے کہا اور طالوت نے جلدی سے اپنے دونوں پاؤں اٹھا کر نیچے اور پھر میرے پاؤں دیکھنے لگا۔ نواب صاحب کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"برا نہ محسوس کرو تو ایک بات اور پوچھ لوں؟"

"ضرور' ضرور۔" طالوت فراخ دلی سے بولا۔

"یہ پولیس کا کیا چکر ہے؟"

"تفصیل تو نہیں معلوم۔ بس ایک مذاق تکلیف دہ بن گیا۔" طالوت ہی نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"شاید ہم دونوں کا ایک تیسرا ہم شکل بھی موجود ہے۔ جو کوئی جعل ساز تھا اور اس کا نام عارف تھا۔ ہمیں چونکہ حقیقت نہیں معلوم تھی۔ اسی لیے کسی نے کہا تو ہم نے خود کو عارف تسلیم کرلیا اور پھر پولیس چکر میں پڑ گئی۔"

"اوہ۔" نواب صاحب نے گہری سانس لی۔ بہرحال میں ہوم سیکریٹری سے بات کرکے سب ٹھیک کردوں گا۔"

"نہ بھی کریں نواب صاحب تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"میں نہیں سمجھا؟"

"مقصد یہ کہ کچھ دن جیل کی ہوا کھائیں گے۔"

"میری زندگی میں یہ ناممکن ہے؟"

"تب پھر ابو حضور کو لکھ دیں گے اور ہماری ریاست کا وفد یہاں پہنچ جائے گا۔ حکومت کو جواب دہی مشکل ہوجائے گی۔" طالوت نے جواب دیا۔

"ارے کیا ضرورت ہی کیا ہے؟ میں تمہارا کوئی نہیں ہوں؟" نواب جلال الدین نے اپنائیت سے کہا۔

"بہتر۔" طالوت نے گہری سانس لی اور پھر تنویر صاحب کی آواز دروازے پر سنائی دی۔

"اندر آسکتا ہوں؟"

"ہاں ہاں۔ آؤ۔" نواب صاحب بولے۔

"گاڑی تیار ہوگئی ہے۔"

"اب تم مجھے شرمندہ کررہے ہو۔" نواب صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا "یہ اطلاع کسی ملازم کے ذریعے بھی پہنچ سکتی تھی؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ اصل میں' میں بہت شرمندہ ہوں۔ کسی نہ کسی طرح شرمندگی تو کم ہو۔"

"اچھا فضول باتیں مت کرو۔ میں چلتا ہوں صائم

میاں۔" نواب صاحب اٹھتے ہوئے بولے اور ہم سب ساتھ ہی باہر نکل آئے۔ نواب صاحب تنویر صاحب کے ساتھ باہر چلے گئے۔ سامنے ہی پورا گروہ ہماری تاک میں تھا ان میں شکیلہ بھی شامل تھی۔ ہمیں تنہا پاکر ہماری طرف لپکا اور سب ہمارے گرد اکٹھا ہوگئے۔ ان میں کمال' تصدق' افشاں' سیمیں' احسان اور دوسری چند لڑکیاں تھیں۔ سب کے سب حیرت اور شرارت کی نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہے تھے پھر افشاں آگے بڑھی۔

"اور یہ بات ہم سے کیوں چھپائی گئی؟" افشاں نے شرارت آمیز انداز میں کہا۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ صرف خدا بہتر جانتا ہے کہ معاملہ کیا ہے۔" تصدق نے کھوپڑی کھجاتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔ کیا آپ کو خادم جان کی باتوں پر یقین نہیں ہے؟" افشاں نے تیکھی نگاہوں سے تصدق کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے۔" تصدق نے گہری سانس لے کر کہا۔

"آئیے عادل بھائی' صائم بھائی۔ کہیں بیٹھ کر گفتگو کریں۔ آپ سے بہت سی شکایات ہیں۔"

"سوری سیمیں باجی۔ آپ میرے مہمانوں سے شکایات وغیرہ نہیں کرسکتیں' اس کے لیے آپ کو تحریری اجازت لینا ہوگی۔"

"کس سے؟" سیمیں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"فی الحال میں اور کمال ہی میزبان ہیں لیکن ہمارے پاس اجازت نامے تیار نہیں ہیں۔ اس کے لیے آپ کو انتظار کرنا ہوگا۔" سیمیں نے کہا اور پھر شکیلہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی "آئیے شکیلہ۔ کہیں بیٹھ کر کسی مشروب کا دور چلے۔"

اور پھر پورا گروہ عقبی باغ کی طرف چل پڑا۔ باغ کے ایک خوشنما گوشے کو نشست کے لیے منتخب کیا گیا اور سب بیٹھ گئے۔ میں نے مسکراتے ہوئے احسان کی طرف دیکھا اور احسان بھی مسکرادیا۔

"کیسی گزر رہی ہے احسان؟"

"میں الفاظ میں نہ بتاسکوں گا عادل بھیا۔"

"اوہ۔۔۔ کسی مناسب وقت لکھ کر دے دینا۔ معلوم ہوتا ہے سیمیں بھابی بہت سخت ہے۔"

"نامنظور۔ نامنظور۔ یہ بھابی وغیرہ کا چکر نہیں چلے گا' مجھے بہن کی حیثیت سے ہی ناز کرنے دیں۔" سیمیں نے جلدی سے کہا اور ہمارے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔



Uploaded by Muhammad Nadeem

"ارے سیمیں۔ اپنی بوا کا کیا حال ہے؟"
"ٹھیک ہیں۔" سیمیں ہنس پڑی "یقین کریں' نماز پڑھ پڑھ کر آپ کے لیے دعا کرتی تھیں اور ابو جان تو بھتوں (?) کی طرح ویرانوں کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔"
"کیوں؟"
"ان کا خیال تھا کہ خدانخواستہ گھوڑوں نے آپ کو نقصان نہ پہنچایا ہو۔"
"اوہ۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اور ہاں سیمیں' وہ اپنے شمشیر الدولہ' ان کی خیریت بھی معلوم ہو سکی؟"
"شادی ہو گئی ہے ان کی۔"
"ارے!" طالوت اچھل پڑا "واقعی؟"
"ہاں۔ اور سنا ہے اپنی ریاست میں بھی نہیں ہیں۔"
"واپس چلے گئے؟"
"نہیں۔ واپس کہاں جاتے۔ کوئی کاروبار کر لیا ہے۔" سیمیں نے جواب دیا۔
"بہت خوب۔ گویا کام کا آدمی بن گیا ہے وہ بھی۔ لیکن وہ بے چاری کون ہوگی جس سے اس نے شادی کی ہے۔ کیا تم لوگ اس شادی میں شریک نہیں ہوئے؟"
"بلایا تھا ہمیں بھی لیکن ابو حضور نے جانا پسند نہیں کیا۔"
"بہت خوب!" طالوت پرخیال انداز میں مسکراتا ہوا بولا "بہرحال عمدہ بات ہے۔"
"اب آپ اپنے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے؟"
"ارے ہم کیا بتائیں۔ افشاں کے دیس میں مظالم کا شکار ہوتے رہے ہیں بس! غور کرو اتنی بڑی کوٹھی میں کتنی گنجائش ہے لیکن ہم نے کباڑ خانے میں یہ روز گزارے ہیں۔"
"اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے' اس لیے میں شرمندہ بھی نہیں ہوں۔" افشاں نے ڈھٹائی سے کہا۔
"ہاں واقعی۔ یہ تو درست ہے۔ سارا چکر تصدق کا چلایا ہوا ہے۔"
"مجھے اس کی بھرپور سزا مل چکی ہے۔" تصدق جلدی سے بولا۔
"کیا مطلب؟"
"افسوس۔ مطلب نہیں بتایا جا سکتا۔ ارے ہاں افشاں بی بی' وہ مشروب کی کیا رہی؟" تصدق شاید بات بدلنے کے لیے بولا۔

"ہاں۔ سب لوگوں سے معلوم کیا جائے۔ کیا پسند کریں گے۔"
"میں تو کافی کے حق میں ہوں۔" سیمیں بولی۔
"لطف دے جائے گی۔"
"اور بقیہ لوگ۔۔۔؟"
"کافی۔ کافی۔ کافی۔" کئی آوازیں ابھریں۔
"آپ لوگ کیوں خاموش ہیں؟" افشاں نے ہماری طرف دیکھا۔
"ڈر رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔
"کیوں؟" افشاں حیرت سے بولی۔
"وہ۔۔۔ ہوٹل والی کافی یاد آ گئی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور افشاں بے اختیار مسکرا پڑی۔
"دیکھیے اب مجھے زیادہ شرمندہ نہ کریں۔"
"اوہو۔ اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے۔ کافی ہی خراب ہو گئی تھی کیوں نادل بھائی؟"
"ہاں۔ ہاں ہو سکتا ہے۔"
"لیکن یہ آپ لوگوں نے نام کیوں بدل ڈالے۔ اتنے خوب صورت نام ہیں اور آپ نے۔۔۔" کمال بولا۔
"ہم لوگ تو نہ جانے کیا کیا کرتے رہتے ہیں۔ بتا نہیں ...؟" طالوت نے گہری سانس لے کر کہا۔ تصدق کافی کے لیے کہنے چلا گیا اور خوش گپیاں ہوتی رہیں۔ ہم سے ہماری ریاست کے بارے میں معلومات حاصل کی جانے لگیں اور ظاہر ہے اناپ شناپ بکنے کے علاوہ ہم کیا کر سکتے تھے۔ طالوت اس میں پیش پیش تھا۔
تصدق کافی لے کر ہی آیا تھا۔ کافی کا دور چلا۔ سیمیں اور احسان بے حد خوش تھے۔ جلال آباد کی باتیں ہونے لگیں اور بنٹے والے دنگ رہ گئے۔ یوں دوپہر ہو گئی اور پھر لنچ کے لیے طلبی ہوئی۔ کھانے کی میز پر نواب جلال الدین اور تنویر صاحب موجود نہیں تھے۔
نہ جانے یہ لوگ کس الجھن میں پھنس گئے تھے۔ لنچ پر قہقہے جاری رہے اور پھر آرام کی ٹھہری۔ ہمارے لیے تو کباڑ گودام اور خوب صورت بیڈ روم یکساں حیثیت رکھتے تھے۔ شکیلہ ہمارے ساتھ نہ تھی۔
طالوت نے ایک گہری سانس لی اور مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا "ہاں بھئی۔ اب کیا پروگرام ہے؟"
"پروگرام۔۔۔" میں ہنس پڑا۔
"کیوں۔ اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"
"یار صرف پروگرام بنتے ہیں اور قسمتوں پر عمل ہوتا ہے۔



میرا خیال ہے ہمیں اپنی مرضی سے کوئی پروگرام بنانا ہی نہیں چاہیے۔"
"ایسی بات تو نہیں ہے۔ بولو کیا چاہتے ہو؟"
"میں کچھ بھی نہیں چاہتا۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔
"افشاں کو بھی نہیں؟"
"کیا مطلب؟"
"میرا مطلب ہے۔ افشاں' افشاں۔" طالوت شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا۔
"بکواس کے موڈ میں ہو۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔
"ہرگز نہیں۔ میں بالکل سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔ یار یقین کرو میں نے اس کی آنکھوں میں تیرے لیے پسندیدگی کے جذبات پائے ہیں۔"
"طالوت۔" میں نے اسے سرزنش کی۔
"تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔ مولانا' اب زیادہ اداکاری مت کرو۔ آخر برائی کیا ہے اس میں؟"
"میں نے اس انداز میں سوچنا ہی چھوڑ دیا ہے طالوت۔"
"کیوں۔ کسی پہاڑ پر بس جانے کا ارادہ ہے کیا؟"
"نہیں۔ یہ بات نہیں۔"
"پھر کیا بات ہے؟"
"بس ایسے ہی اور پھر یہ افشاں تمہارے ذہن میں کیوں گھس آئی ہے؟"
"میرے ذہن میں نہیں آئی۔ بلکہ میں اسے تمہارے ذہن میں تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"
"نہیں طالوت۔ میری زندگی اب ان ہنگاموں کی تابع نہیں رہی۔"
"بڑھاپا محسوس کر رہے ہو؟"
"ہاں۔ ذہنی طور پر میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔"
"بکواس۔" طالوت نے ہونٹ سکوڑے "اگر تم نے بوڑھا ہونے کی کوشش کی تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔ میرے خیال میں تو زندگی صرف جوانی کا نام ہے۔ جب انسان کے ذہن میں بڑھاپے کا تصور پیدا ہو جائے تو اسے خودکشی کر لینی چاہیے۔"
"اچھا اب تم فضول باتیں مت کرو۔"
"نہیں یار۔ فضول باتیں نہیں۔ یہ میری خواہش ہے۔"
"یعنی۔ کیا خواہش ہے آپ کی؟"

"دیکھو۔ ہم اور تم ہم شکل ہیں۔ افشاں اور شکیلہ اور تمہیں پتہ ہے شکیلہ۔۔۔ میرا مطلب ہے' شکیلہ۔ چنانچہ اب افشاں بھی ہم سے الگ نہیں ہونی چاہیے۔"
"بندہ خدا ابھی چند گھنٹوں قبل پولیس کے چکر سے بچے ہو۔ نیکی کام آ گئی کہ نواب جلال الدین یہاں موجود تھے ورنہ پھر الجھنوں میں پھنسنا پڑتا اور پھر ابھی تنویر صاحب کا ذہن بھی ہماری طرف سے صاف نہیں ہے پھر یہ افشاں کہاں سے درمیان میں آ کودی۔ میرے خیال میں تمہاری یہ سوچ فضول ہے اور اب ہمیں یہاں زیادہ عرصے تک رہنا بھی نہیں چاہیے۔"
"کیوں؟ کیا تکلیف ہے آپ کو یہاں پر؟"
"معلوم ہوتا ہے تمہارا دل خوب لگ گیا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"صرف شکیلہ سے۔" طالوت جلدی سے بولا۔
"وہ تو جہاں ہم ہوں گے۔ ہمارے ساتھ ہوگی۔"
"بالکل ٹھیک۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ وہ تنہا ہمارے ساتھ نہ ہو۔ افشاں بھی ہوگی تو لطف دوبالا ہو جائے گا۔ ورنہ تمہاری سرد آہیں خواہ مخواہ موسم خراب کرتی رہیں گی۔"
"وعدہ کرتا ہوں' آہیں نہیں بھروں گا۔"
"میں یہ وعدہ نہیں مانتا۔ بلکہ وعدہ کرو کہ اگر افشاں کی طرف سے کچھ اظہار ہو تو اسے نظرانداز نہیں کرو گے۔"
"وعدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ ناممکن ہی نظر آتا ہے۔"
"یہ تم براہ راست میری توہین کر رہے ہو؟"
"تمہاری کیوں؟"
"اس لیے کہ میری شکل تم سے الگ نہیں ہے۔"
"سنجیدگی سے سوچو طالوت' واقعی اب کچھ ہونا ہی چاہیے۔ یہاں زیادہ دل نہیں لگ رہا۔"
"افشاں۔ افشاں۔ افشاں۔ کہے دیتا ہوں ابھی یہاں سے نہیں جاؤں گا۔"
"اور اگر پولیس سے بات نہیں بن سکی۔"
"عارف۔" طالوت نے آنکھیں نکالیں۔
"کیا فائدہ ان ہنگاموں سے۔"
"تم واقعی بوڑھے ہو گئے۔ میرا خیال ہے میں تمہاری گردن دبا کر تمہیں سارے جھگڑوں سے نجات دلا دوں۔"
"مجھے انکار نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ اسی وقت کسی ملازم نے دروازے پر دستک دی۔
"کون ہے؟ اندر آ جاؤ۔" اور ایک ملازم اندر آ گیا۔




Uploaded By Muhammad Nadeem

"صاحب نے بھیجا ہے۔ کہا ہے دیکھو 'اگر' آپ جاگ رہے ہیں یا سو رہے ہیں۔" ملازم احمقانہ انداز میں بولا۔

"سو رہے تھے ہم لوگ۔ تم نے دروازہ کیوں بجایا؟"

"نہ بجاتا تو دیکھتا کیسے جناب۔"

"خیر اب دیکھ لیا۔" میں نے درمیان میں مداخلت کی۔

"جی۔" ملازم نے احمقانہ انداز میں گردن ہلا دی اور واپس دروازے کی طرف مڑ گیا۔

"سنو۔" میں نے ملازم کو آواز دی۔ ملازم رک گیا "کیا نواب جلال الدین واپس آ گئے؟"

"ہاں صاحب ابھی ابھی آئے ہیں۔"

"اوہ۔ اچھا۔ ہمیں بلایا تو نہیں ہے؟"

"نہیں صاحب۔ بس یہی کہا تھا۔" ملازم نے جواب دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے' جاؤ۔" میں نے کہا اور ملازم واپس چلا گیا۔

"طالوت آؤ نواب جلال الدین سے مل لیں۔ دیکھیں کیا کر کے آئے ہیں۔"

"چلو۔" طالوت نے ایک گہری سانس لی اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم نواب جلال الدین کے سامنے تھے۔ تنویر صاحب بھی ان کے پاس ہی موجود تھے۔ نواب صاحب نے مسکراتے ہوئے ہمارا استقبال کیا۔

"ارے میں خود تم دونوں کے پاس آ رہا تھا۔ بے وقوف ملازم نے کیا کہہ دیا۔"

"کوئی بات نہیں۔ آپ بزرگ ہیں۔" طالوت نے جواب دیا۔

"میں نے ہوم سیکریٹری سے بات کر لی ہے۔ بڑا گہرا سلسلہ ہے۔ مجھے انہوں نے اس کیس کی فائل بھی دکھائی تھی۔ تصویریں بھی لگی ہوئی تھیں اس میں۔ حیرت انگیز بات ہے شہزادہ صائم' اس کم بخت کی شکل تم دونوں سے اس قدر ملتی ہے کہ دو شخصیتوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یوں سمجھو کہ جیسے عادل اور تم اور وہاں بھی دو ہی کردار ملتے ہیں۔ ایک کا نام عارف ہے دوسرا گلنام۔ دونوں نے مل کر ایسی خوفناک وارداتیں کی ہیں کہ پولیس پریشان ہو کر رہ گئی۔ اغوا قتل و غارت گری' پولیس کو دھوکا دہی اور ایسے بہت سے دوسرے جرائم جن کی وجہ سے پولیس ان کی سخت دشمن ہے۔ یہاں تک کہ آخر میں احکامات صادر کیے گئے کہ انہیں جہاں بھی دیکھا جائے گولی مار دی جائے۔ مجھے تو شدید حیرت ہے۔ ہم شکلوں کا ایسا عجیب چکر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ تم اور عادل سب کے لیے عجوبہ بن گئے تھے۔ ہم تمہیں دیکھ کر ہی حیران تھے کہ یہ افشاں اور شکیلہ کا مسئلہ آگیا اور اب دو اور یہ چار یعنی صائم' عادل اور دو وہ بدمعاش۔ کیا اتنے سارے ہم شکلوں کو اکٹھا کر دو تو تم چکر نہیں بن جاؤ گے۔ ہوم سیکریٹری نے مجھے تصویریں دکھائیں اور کہا کہ میں فرق تلاش کروں۔ ایمان کی بات ہے کہ میں کوئی فرق نہ نکال سکا۔ بڑی پریشانی ہوئی۔ بالآخر ایک بات پر فیصلہ ہو گیا۔" نواب جلال الدین نے گردن ہلائی۔

"کس بات پر؟" میں نے بے اختیار پوچھا۔

"پولیس کے ریکارڈ میں عارف' ننگر زیرنٹ اور جھینڈوں کے نشانات موجود تھے۔ ہوم سیکریٹری نے درخواست کی ہے کہ تمہارے ہاتھوں کے نشانات ان کے پاس بھجوا دیے جائیں۔ میں نے انہیں یقین دلاتے ہوئے کہا کہ آپ لوگوں کو اس پر تیار کراؤں گا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ہوم سیکریٹری سے کہا کہ وہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کے اعلیٰ آفیسر کو سادہ لباس میں تنویر کی کوٹھی پر بھیج دیں تاکہ وہ اپنے سامنے ننگر زیرنٹ لے لے۔ چنانچہ ایک فرسٹ کلاس مجسٹریٹ اور ڈی آئی جی پولیس ابھی یہاں آئیں گے اور آپ کے پرنٹس لے لیں گے۔ شہزادہ صائم اور عادل' میری اس جسارت پر آپ برہم تو نہ ہوں گے؟"

میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں طالوت کی طرف دیکھا۔

"نہیں نہیں۔ بہرحال اس جھنجھٹ سے نمٹنے کے لیے ہمیں تعاون کرنا ہی ہو گا۔" طالوت نے جلدی سے جواب دیا اور میں ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

"بہرحال عجیب معاملات ہیں۔ میرا خیال ہے ہم شکلوں کا اتنا بڑا ہنگامہ پہلے کبھی نہ ہوا ہو گا اور مجھے اس سلسلے میں جتنا شرمندہ ہونا پڑا ہے میں ہی جانتا ہوں۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"نہیں نہیں اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے۔" طالوت جلدی سے بولا۔

"شہزادہ عادل' جلال بھائی نے مجھے جو کچھ بتایا ہے' میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بہرحال یہاں آپ کے ساتھ جو کچھ گستاخیاں ہوئی ہیں' میرے پاس ان کا ازالہ کرنے کے لیے کوئی ذریعہ نہیں ہے' سوائے معافی کے۔"

"بس اب آپ شرمندہ نہ کریں تنویر صاحب' جو بات تھی ختم ہو گئی۔" طالوت نے کہا اور تنویر صاحب ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئے۔

"وہ لوگ کس وقت آئیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"شام کی چائے پر۔ بالکل دوستانہ انداز ہو گا۔"

"ٹھیک ہے۔" طالوت لاپروائی سے بولا۔

"کھانا کھا لیا آپ لوگوں نے۔" تنویر صاحب نے پوچھا۔

"ہاں۔ آرام کر رہے تھے۔ اجازت۔"

"بہت بہت شکریہ۔ اب شام کی چائے پر ملاقات ہو گی۔ آپ آرام کریں۔" نواب جلال الدین نے کہا اور ہم دونوں واپس نکل آئے۔

"میں جانتا ہوں فنگر زیرنٹ کے معاملے میں بھی تم کوئی چکر چلاؤ گے۔ لیکن اب یہاں رکنے سے فائدہ؟"

"یار کیوں بور کر رہے ہو۔ دل لگ رہا ہے اور کیا۔ تم اگر زیادہ ہی بور ہو رہے ہو تو پھر چلو۔"

"تمہارا دل بالکل نہیں چاہ رہا؟"

"ہاں۔ میں تو یہاں کچھ روز رہنا چاہتا تھا۔" طالوت نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"تب ٹھیک ہے۔ جیسی تمہاری مرضی۔" میں بستر میں گر گیا۔ طالوت بھی جوتے اتار کر مسہری پر لیٹ گیا تھا۔ کئی منٹ تک ہم دونوں خاموش رہے پھر طالوت نے شرارت آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم نے شکیلہ کے بارے میں مجھے ہدایات دی تھیں اور میں نے تسلیم کر لی تھیں۔ یوں سمجھو تمہاری ہدایت پر میں نے اس سے عشق کیا اور اب تمہیں میری بات ماننی پڑے گی۔"

"کون سی بات؟"

"افشاں۔"

"[illegible] تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ ہم پر تو ایسی عشق و عاشقی [illegible]۔ ارے بھائی کام کے آدمی ہو۔ کیا رکھا ہے شکیلہ اور افشاں میں۔"

"یار عارف' [illegible] مشکل ہے؟"

"کیا مشکل ہے؟"

"اب تو ہو گیا۔"

"عشق نا؟"

"بالکل۔"

"چلو۔ خدا تم پر رحم کرے لیکن مجھے کیوں مریض بنائے دے رہے ہو؟"

"یہ ممکن ہے کہ طالوت کسی مرض میں مبتلا ہو اور عارف اس مرض سے دور رہے۔" طالوت نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"خدا کی پناہ۔" میں نے ایک گہری سانس لی۔

"چنانچہ مسٹر عارف' آپ کو حکم دیا جاتا ہے کہ شام کی چائے پر آپ افشاں سے نظربازی شروع کر دیں گے اور پھر رات کے کھانے پر آپ اس کی کرسی کے بالکل سامنے ہو جائیں گے۔ آپ کی آنکھوں میں ایک تجربہ کار عاشق کی طرح محبت کے جذبات ہوں گے۔ کم از کم اس حد تک کہ افشاں انہیں محسوس کر لے۔ گویا آج ہی آپ اپنا کام شروع کر دیں گے اور اڑتالیس گھنٹوں کے اندر اندر آپ دونوں کو مکمل طور سے ایک دوسرے پر عاشق ہو جانا ہو گا۔" طالوت کے انداز پر مجھے ہنسی آ گئی۔

"کیا یہی احکامات آپ افشاں پر بھی صادر کر سکتے ہیں۔"

"دیکھو دیکھو یہ بات مت کرو۔ کیوں اس بے چاری کو بدنام کرانے کی فکر میں ہو۔ ورنہ ابھی پانچ منٹ کے اندر اندر وہ پوری کوٹھی میں ہائے صائم وائے صائم پکارتی پھرے گی۔"

"ارے نہیں نہیں' ایسا مت کرنا۔" میں نے گھبرا کر کہا۔ سچی بات یہ ہے کہ طالوت جیسے بدمعاش کے لیے یہ کام مشکل نہ تھا۔

"ویری گڈ۔ گویا ثابت ہوا کہ تمہارے دل میں بھی اس کے لیے کچھ ہے۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔

"کیوں نہیں ہے۔"

"کیا ہے؟" طالوت دلچسپی سے بولا۔

"انسانی ہمدردی۔"

"رحمت تیرے کی۔ خیر بیٹے' بہرحال تمہیں اڑتالیس گھنٹے کا وقت دیا گیا ہے۔ انسانی ہمدردی کے تحت ہی سہی' عشق شروع کر دو۔"

مجھے ہنسی آ رہی تھی۔ عجیب احمق آدمی ہے یہ بھی۔ طالوت کروٹ بدل کر لیٹ گیا تھا۔ اس کے بعد کافی دیر تک اس نے بات نہ کی۔ تیز سانسوں کی آواز سے اندازہ ہوا کہ وہ سو گیا ہے۔ میں نے بھی خاموشی اختیار کر لی اور خیالات کی ریل چھک چھک کرتی چل پڑی۔

ماضی۔ زرینہ' نرگس رحمانی' شیکسپر کی فراہم کردہ بے شمار لڑکیاں' بھیجنی انجیلا۔ طالوت کی دنیا میں ملنے والی حسینہ سیمی اور نہ جانے کون کون۔

لیکن عشق کا تصور تو کب کا ذہن سے زائل ہو چکا تھا۔ شاید زرینہ کے بعد ہی۔ اب کوئی لڑکی دل کے دروازے پر دستک نہیں دے سکتی تھی لیکن طالوت کی ضد عجیب تھی۔ خود

Uploaded By Muhammad Nadeem

بھی پھنسا تھا اور مجھے بھی پھنسانے کے درپے تھا اور اس بار ایسا نظر آ رہا تھا جیسے کوئی تدبیر کارگر نہ ہو گی۔ کیا کرنا چاہیے!! افشاں۔ لڑکی تو اچھی ہے لیکن ضروری ہے کہ وہ بھی مجھ سے عشق کرے اور پھر اتنے اعلیٰ گھرانے کی لڑکی۔ طالوت نے مجھے کچھ بھی بنا دیا ہو لیکن ' بہرحال تھا میں حشمت برادرز کا ایک کلرک ہی۔ طالوت کی حماقت کے جواب میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ طالوت کے احکامات کی پابندی کرنے آیا تھا۔ اسی میں میری بہتری تھی۔ لیکن انوکھا منصب افشاں میری آنکھوں میں ابھر آئی لیکن یہ تصور ناگوار تو نہیں محسوس ہو رہا تھا۔ افشاں حسین ہے۔ کیا حرج ہے؟ اگر۔ اگر۔ اور میری آنکھوں میں تاریکیاں گہری ہو گئیں۔ مجھے نیند آ گئی تھی۔

پھر شام کو پانچ بجے طالوت ہی نے جگایا۔ وہ شاید غسل کر کے آیا تھا۔

"دن کے خواب اچھے نہیں ہوتے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "بس اب اٹھ جاؤ۔ افشاں صاحبہ ابھی چند منٹ کے بعد ناشتے کی میز پر نظر آئیں گی۔" میں مسکرا دیا۔ "تم تو کالج کے نوجوان لڑکوں کی طرح عشق کے ابتدائی طالب علموں کی سی حرکتیں کر رہے ہو۔"

"اور تمہیں بکواس کرنے کا مرض لاحق ہو گیا ہے۔"

اور پھر ان لوگوں سے چند لمحات کی معذرت طلب کی اور طالوت کا بازو پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔

"حضرت چائے کی میز پر رومان کی ابتدا کینسل۔ تم سمجھ گئے ہو گے کہ مہمان کون ہیں!؟"

"وہی لوگ!" طالوت نے جواب دیا۔

"یار طالوت۔ ہاتھوں کے نشانات کا کیا کرو گے؟"

"کیا چاہتے ہو؟"

"میرے فنگر پرنٹ پولیس ہیڈ آفس میں موجود تھے۔" میں نے جواب دیا۔

"فکر مت کرو۔ جس کاغذ پر وہ تمہارے ہاتھ کا نشان لیں گے۔ اس پر گدھے کے کھر کی تصویر آئے گی۔" طالوت نے بے فکری سے کہا۔

"نہیں یار۔ ایسی کوئی حرکت بھی نقصان دہ ہو گی۔ میرا خیال ہے کوئی سیدھی سادی بات ہو جائے تاکہ میری جان بچے۔"

"ٹھیک ہے۔ ان کے فرشتے بھی تمہارے ہاتھ کے موجودہ نشانات کو پہلے نشانوں سے نہ ملا سکیں گے۔"

"یہی مناسب ہے۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

ویسے میں کسی حد تک مسرور تھا۔ اس معاملے کے بعد میری شخصیت بدل رہی تھی۔ اور اپنے ہی وطن میں اب میری حیثیت ایک مجرم کی نہ رہے گی۔ بہرحال یہ مسرت کی بات تھی۔

ہم واپس دوسرے لوگوں میں پہنچ گئے اور سب ناشتے کے کمرے کی طرف چل پڑے۔ ناشتے کے کمرے میں نواب جلال الدین' تنویر صاحب اور دوسرے لوگ موجود تھے۔ سب لوگوں کے بیٹھ جانے کے بعد چائے کا پرتکلف دور شروع ہو گیا۔ نئے آنے والوں کی نگاہیں گہرے انداز میں ہمارا جائزہ لے رہی تھیں اور طالوت نے ایک پولیس افسر کو صاف پہچان لیا تھا۔ اسی حضرت کو ہم نے ایک دن پولیس ہیڈ آفس میں کافی پریشان کیا تھا۔

بہرحال ہم سنجیدہ شخصیں بنائے رہے۔ چائے کے دوران غیر فطری سی خاموشی طاری رہی۔ بالآخر یہ کا دور ختم ہو گیا اور نواب جلال الدین نے کہا۔

"عادل میاں اور صائم میاں' یہ حضرات آپ سے کچھ خصوصی گفتگو کرنے کے خواہش مند ہیں۔ میرا خیال ہے ڈرائنگ روم میں چلیں۔"

"جیسا آپ پسند کریں۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ لوگوں سے معذرت۔" نواب صاحب نے چونکہ میں نے انگڑائی لیتے ہوئے جواب دیا اور پھر اٹھ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

"جی نہیں۔ ابھی آپ سوتے میں افشاں سے گفتگو فرما رہے تھے اور خاصی رومانی گفتگو تھی۔"

"یار طالوت' تمہارے اوپر تو واقعی مجھے حیرت ہونے لگی ہے۔ اچانک تمہاری شخصیت ہی بدل گئی۔ تمہارے ذہن پر تو صرف رومان ہی رومان سوار نظر آتا ہے۔" میں نے کہا۔

"میں اس سے انکار نہیں کروں گا بلکہ اعتراف کرتا ہوں۔" طالوت نے جواب دیا اور میں گردن جھٹک کر باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں تیار ہو کر کمرے سے باہر نکل آئے۔ یہ لڑکے لڑکیاں تو جیسے ہر وقت ہی ہماری تاک میں رہتے تھے۔ سامنے ہی موجود تھے۔ انہیں دیکھ کر طالوت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ سب ہمارے قریب پہنچ گئے۔

"کیا آپ نے ہمارے قدموں کی آہٹ سن لی تھی؟"

کنول نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ البتہ دل کی آہٹ سن لی تھی۔" طالوت



نے افشاں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اوہو۔ یہ آواز کسی ایک دل کی تھی؟" شگفتہ جلدی سے بولی۔

"جی ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ نے سنی تھی؟" شگفتہ شرارت سے بولی۔

"نہیں۔ مجھے عادل نے بتایا تھا۔"

"آواز کس کے دل کی تھی؟"

"خاتون شگفتہ کے دل کی!" میں نے برجستہ کہا۔ دوسرے لوگوں نے قہقہہ لگایا اور شگفتہ کسی قدر جھینپ گئی۔

"بھئی باقی گفتگو چائے کی میز پر۔" افشاں نے میزبان کی حیثیت سے کہا۔

"اونہہ۔ چائے کی میز تو اس وقت قید خانہ کی حیثیت رکھتی ہے۔" ایک لڑکی بولی۔

"کیوں؟"

"انکل تنویر کے کچھ مہمان چائے پر مدعو ہیں۔"

"آ چکے ہیں؟" میں نے بے ساختہ پوچھا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ کون لوگ ہیں۔

"ہاں۔ تین چار افراد ہیں لیکن کوئی حرج نہیں ہے۔ ہم جلدی چائے کی میز سے اٹھ جائیں گے۔" افشاں نے جواب دیا۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر طالوت کی طرف دیکھا

کی طرف دیکھا اور پھر تنویر صاحب' نواب صاحب اور نو وارد حضرات ہمارے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ پولیس آفیسر نواب صاحب کے احترام میں خاموش تھے' ورنہ میں نے ان کی نگاہوں میں کینہ توزی صاف دیکھی تھی اور پھر وہ حضرت بول ہی اٹھے' جنہیں ہم نے پولیس ہیڈ آفس میں پریشان کیا تھا۔

"آپ مجھے بھی پہچاننے سے انکار کر دیں گے مسٹر" ان کے انداز میں طنز تھا' جسے نواب صاحب برداشت نہیں کر سکے۔

"برائے کرم آپ صرف وہ کریں جس کی آپ کو ہدایت کی گئی ہے۔" انہوں نے پولیس افسر کو ٹوک دیا۔

"میں نے پوری زندگی پولیس کے محکمے میں گزاری ہے جناب۔ میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ میں ان دونوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔" پولیس آفیسر نے کہا۔

"تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟" نواب جلال الدین ہونٹ بھینچ کر بولے۔

"کچھ نہیں۔ میں صرف آپ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کوئی بڑا نقصان نہ اٹھا بیٹھیں۔"

"میرا آپ سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اس لیے آپ میرے بارے میں فکر مند ہونے کے بجائے' صرف اپنا کام کریں۔" نواب صاحب نے کہا اور پولیس آفیسر تلملا کر خاموش ہو گیا۔

بہرحال ہمارے ہاتھوں کے اور انگلیوں کے نشانات لے لیے گئے۔ میرے دل میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی' لیکن طالوت لاپرواہ تھا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد مجسٹریٹ اور پولیس آفیسرز چلے گئے۔

نواب صاحب نے گہری سانس لی تھی۔ چند منٹ خاموشی رہی پھر نواب صاحب بولے "دراصل قصور ان کا بھی نہیں ہے۔"

"جی؟" تنویر صاحب نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں بھئی۔ یہ روایتی مشابہت ہے۔ تصویر دیکھ کر میں خود دنگ رہ گیا تھا۔"

"بہرحال اب بات صاف ہو جانے کی ہے۔"

"ہاں بھئی۔ چھوڑو' اس تذکرے پر ہی لعنت بھیجو۔ ویسے تنویر اب تم نرے کاروباری بن کر رہ گئے ہو۔" نواب صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں سمجھا بھائی صاحب؟" تنویر صاحب شریف انسان تھے' سادگی سے بولے۔

"نہ سیر' نہ شکار۔ بچے ہیں' ان کے لیے کوئی بھی پروگرام نہیں بنایا تم نے؟"

"تنہا کیا بناتا۔ اب آپ تشریف لائے ہیں' ہمارے بھی دن اچھے گزر جائیں گے اور پروگرام آپ سے اچھے کون بنا سکتا ہے۔ آپ بھی ان علاقوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔"

"ہاں بھئی کچھ سوچو۔ صائم اور عادل میاں کی موجودگی ان پروگراموں میں چار چاند لگا دے گی۔ تم یقین کرو' جلال آباد میں انہوں نے جو دن گزارے' وہ ایک یادگار حیثیت رکھتے ہیں۔ ویسے عادل میاں آپ نے وہ گھوڑے کہاں چھوڑے؟"

"ریاست واپس بھجوا دیے تھے۔" طالوت اب جھوٹ بولنے میں ماہر ہو گیا تھا۔

"اوہو' تو عادل صاحب اور صائم صاحب کو بھی ریس کا شوق ہے؟" تنویر صاحب دلچسپی سے بولے۔

"تم صرف شوق کی بات کرتے ہو۔ ان کے گھوڑوں کا ثانی تو مشکل سے ملے گا۔" نواب جلال الدین فخر سے بولے۔

"کمال ہے۔"



Uploaded By Muhammad Nadeem

"ابھی تم نے ان کے کمال دیکھے کہاں ہیں۔ تم تو بس انہیں مجرم بنانے پر تل گئے تھے۔"

"براہ کرم بھائی صاحب یہ کہہ کر میرا دل نہ دکھایئے۔ میں اتنا برا انسان نہیں ہوں۔ بس حالات ہی ایسے ہو گئے تھے۔ آپ اندازہ لگایئے۔"

"خیر اب تو سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔ ہاں تمہارے گھوڑوں کی کیا کیفیت ہے؟"

"افشاں کی گمشدگی نے سارے شوق ختم کر دیے تھے۔ گھوڑے اصطبل میں موجود ہیں لیکن عرصے سے نہیں دوڑے ہیں۔ اب تو دوڑنا بھی بھول گئے ہوں گے۔"

"ارے۔ عمدہ گھوڑے تھے ناکارہ کر دیے تم نے۔ میرے پاس ہی بھیج دیتے۔"

"بس مجبوریاں۔"

"ہاں۔ بعض باتیں اپنے بس سے باہر ہوتی ہیں۔ یہاں ریس وغیرہ کی کیا کیفیت ہے؟"

"باقاعدہ۔ سالانہ ریس بھی ہونے ہی والی ہے۔"

"اوہو۔ وہ تو کافی بڑی ریس ہوتی ہے؟"

"ہاں۔"

"کب ہو گی۔ معلوم کرو۔"

"بہتر۔"

"بہرحال ایک آدھ دن میں سیر و تفریح کا کوئی پروگرام بنائیں گے اب تو تمہارے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں رہا؟"

"ہاں۔ خدا کا شکر ہے سارے معاملات ہموار ہو گئے۔" تنویر صاحب ہمیں عجیب سی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

"تو پھر انہیں اور ہاں ملازموں کو ہدایت کرو کہ ان کے ہاتھ صاف کرا دیں۔"

"نہیں۔ ہم خود صاف کر لیں گے۔ تھوڑی دیر کے لیے اجازت دیں۔" میں نے کہا اور پھر میں طالوت کے ساتھ اس کمرے سے نکل آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اپنے کمرے میں تھے۔ سب سے پہلے ہم نے ہاتھ صاف کیے اور پھر میں تولیہ سے ہاتھ خشک کرتا ہوا طالوت کے سامنے آ بیٹھا۔

"جی حضور۔ اب کیا حکم ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی پہلے حکم کی تعمیل کہاں ہوئی ہے؟" طالوت نے سنجیدہ شکل بناتے ہوئے کہا۔

"آپ نے کوئی دفتر عشق کھول رکھا ہے؟"

"یونہی سمجھ لو۔" طالوت نے جواب دیا۔

"یار۔ میری مانو تو بس چلو یہاں سے۔ اب دل نہیں لگ رہا۔"

"دل کی بات کیوں کرتے ہو یار۔ سچی بات کہو۔ دل تو خوب لگ رہا ہے مگر اس کے ساتھ ڈر بھی لگ رہا ہے۔"

"ڈر کس بات کا؟"

"پولیس کا۔ اور کس کا؟"

"چلو یونہی سمجھ لو۔ یہ بے عزتی اچھی لگ رہی ہے۔ ویسے ہاتھوں کی لکیروں کا تم نے کیا کیا؟"

"سب بدل دی ہیں۔"

"ہمارے یہاں کے فنگر پرنٹ ایکسپرٹ بے حد ذہین ہوتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"اور میں تو تجھے گدھا ہوں۔" طالوت آنکھیں نکال کر بولا۔

"یہ بات نہیں۔"

"بس پھر کوئی بات نہیں ہے۔ فضول باتوں سے پرہیز کرو۔" طالوت ہاتھ اٹھا کر بولا اور مجھے ہنسی آ گئی۔

"دانت نکالنے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں ... ہو گا۔" طالوت نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"اب میں کیا جواب دوں۔ بہرحال کوشش کروں گا لیکن اس کا نتیجہ میری سمجھ میں نہیں آیا ہے۔" میں نے کہا۔

"نتیجہ جب نکلے گا تب سمجھ میں آئے گا۔ ابھی سے کیسے آ جائے گا۔"

"لیکن تمہیں آخر اس سے کیا دلچسپی ہے طالوت؟"

"دیکھو عارف۔ طالوت عشق کرے گا تو تم بھی کرو گے۔ طالوت شادی کرے گا تو تم بھی شادی کرو گے۔ بس اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔"

"اچھی زبردستی ہے۔"

"بس اب زیادہ بننے کی کوشش مت کرو۔ میں تمہاری پارسائی سے واقف ہوں۔ اب وہ ایسی بری بھی نہیں ہے۔"

"پارسا تو میں نے خود کو کبھی نہیں کہا طالوت!"

"سنجیدہ ہونے کی کوشش مت کرو۔ جاؤ لگن سے کام کرو۔ کامیابی ہو گی۔"

"بہت بہتر پیر و مرشد۔"

"یہ شکیلہ کہاں ہے؟ بہت غیر حاضر رہنے لگی ہے۔"

"بلا کر لاؤں۔" میں نے کہا۔

"نہیں، خود آ جائے گی۔ میرا جذبۂ عشق دیکھنا چاہتے ہو؟" طالوت بولا۔



"ضرور دکھاؤ۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"راز نہیں۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔" طالوت چھت کی طرف منہ اٹھا کر بولا اور میں مسکرانے لگا۔

"خوب۔ تو گویا آپ اسے پیار سے راز نہیں کہتے ہیں۔"

"اچھا نام ہے۔ مجھے پسند ہے۔" طالوت نے کہا اور اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی پھر شکیلہ کی آواز سنائی دی۔

"میں اندر آ سکتی ہوں؟"

"تشریف لایئے۔" طالوت نے جواب دیا اور شکیلہ مسکراتی ہوئی اندر آ گئی۔

"میں باہر جا سکتا ہوں؟" میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"ارے۔ ارے خیریت؟ یعنی میرے آتے ہی؟" شکیلہ نے کہا۔

"جی۔ یہی مناسب بھی ہے کیونکہ آج کل آپ ہمارے قریب رہنا پسند کر رہی ہیں۔" میرے بجائے طالوت نے جواب دیا۔

"لیکن آپ لوگ تو ان کے ساتھ تھے اس لیے اور پھر یہ افشاں کی بچی۔ جونک بن گئی ہے ایک منٹ کے لیے نہیں چھوڑتی۔ اس نے میری شکل سے اپنی سہیلیوں کو دھوکا دینے کے درجنوں منصوبے بنا ڈالے ہیں۔ بس عجیب احمقانہ حرکتیں کرتی رہتی ہے۔ وہ تو بس دیوانی ہو کر رہ گئی ہے۔"

"میرے خیال میں یہ مناسب نہیں ہے۔ جس طرح ایک ملک کے دو بادشاہ نہیں ہو سکتے تھے اسی طرح ایک خاتون کے دو دیوانے نہیں ہو سکتے۔" طالوت نے کہا۔

شکیلہ ہنس پڑی۔ اس نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا لیکن میں نے اس کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ البتہ شکیلہ نے مسکراتے ہوئے طالوت سے پوچھا۔

"اوہو۔ ان کا دوسرا دیوانہ کون ہے؟"

"اتفاق سے میرے پاس کوئی پتھر نہیں ہے۔ ورنہ میں اسے اٹھا کر تمہارے سر پر دے مارتا۔ تب تمہیں اندازہ ہوتا کہ دوسرا دیوانہ کون ہے۔" طالوت نے کہا "ویسے میں تمہیں شکل سے دیوانہ نہیں نظر آتا۔"

"ہمیشہ سے نظر آتے ہو، یہ کون سی نئی بات ہے۔ لیکن میرا سر کیوں پھوڑنا چاہ رہے ہو؟"

"اس لیے کہ تم ابھی تک باہر نہیں گئے۔" طالوت نے کہا۔

"جا رہا ہوں۔ جا رہا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ محبت میں انسان بے حد خود غرض ہو جاتا ہے۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا اور دروازے سے باہر نکل آیا۔ شکیلہ کی گردن جھکی ہوئی تھی۔

بہرحال میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اس بار طالوت سنجیدگی سے مرض عشق میں گرفتار ہو گیا تھا لیکن اس بار میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ شکیلہ کوئی بری لڑکی نہیں تھی اور بہرحال یہ طالوت کا اپنا فعل تھا۔ اگر وہ کسی شریف لڑکی کو پسند کر کے اس سے شادی کرنا چاہتا ہے تو میں اسے کیسے روک سکوں گا۔ میں تو اب اسے سمجھا بھی نہیں سکتا، یہ بات میری خود غرضی پر محمول کی جاتی۔ میں اپنی حفاظت کی خاطر اسے روکنے کی کوشش نہیں کر سکتا تھا۔

"خدا کرے یہ محبت کامیاب ہو۔" آج تو طالوت نے کھل کر اعلان کر دیا تھا اور شکیلہ کے چہرے کی سرخی اور شرم اس بات کی گواہ تھی۔

لیکن وہ احمق مجھے بھی پھنسا رہا تھا۔ افشاں شکیلہ کی ہم شکل تھی، خوش مزاج تھی، اعلیٰ خاندان سے تھی لیکن ضروری تو نہیں تھا کہ وہ بھی مجھے پسند کر لے۔ طالوت نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ چاہے تو افشاں مجنوں کی مانند میرے لیے صحرا گردی کرنے لگے لیکن یہ فضول بات تھی۔ دل کے سودوں میں، میں طالوت کی مدد نہیں چاہتا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں اور بھی بہت سے خیالات تھے۔ میں اپنی حیثیت سے اچھی طرح واقف تھا۔ ایک نہ ایک دن بہرحال طالوت کا طلسم ٹوٹنا تھا۔ اس کے بعد۔۔۔ اس کے بعد میری کیا حیثیت ہو گی۔ ممکن ہے میں طالوت کے چلائے ہوئے چکر کی وجہ سے پولیس کے جھگڑے سے بھی نکل جاؤں لیکن دنیا کو میری حقیقت پتہ چل گئی تو کیا ہو گا؟

لیکن اپنا یہ خیال مجھے خود بچکانہ لگا۔ طالوت بہرحال ایک مخلص انسان تھا۔ اس نے اجنبی لوگوں کے لیے اتنا کچھ کیا تھا تو میرے لیے وہ کیا کچھ نہ کرے گا۔

میں نے ایک گہری سانس لی اور پھر عقب سے تہمینہ کی آواز سن کر چونک پڑا "ارے۔ صائم بھائی۔ کہاں گھوم رہے ہیں؟"

اور میں رک گیا۔ تہمینہ، احسان اور افشاں آ رہے تھے اور پھر وہ میرے قریب پہنچ گئے۔

"تہمینہ باجی۔" افشاں نے تہمینہ کو پکارا۔

"ہوں۔"



Uploaded By Muhammad Nadeem

"آپ کو یقین ہے کہ یہ صائم صاحب ہیں؟"
"ہاں۔ کیوں؟" سیمیں مسکراتے ہوئے بولی۔
"براہ کرم مجھے ان دونوں کی کوئی نمایاں پہچان بتادیں۔"
"دل کی آنکھیں کھول لو افشاں۔ مشکل نہ رہے گی۔" سیمیں نے جواب دیا۔
"یہ جذباتی باتیں ہیں سیمیں باجی۔ خدا کی قسم میں ان دونوں میں تمیز نہیں کر سکتی۔" افشاں نے کہا۔
"جذبات ہی تو زندگی کا اظہار کرتے ہیں افشاں۔ خدا کی قسم میں صرف دل سے انہیں پہچانتی ہوں ورنہ میرے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔"
"لیکن میرا خیال ہے حضرات' آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میں عادل ہوں۔" میں نے شرارتاً کہا۔
"صائم بھائی' آپ کی سیمیں دھوکا نہیں کھا سکتی۔"
"اور احسان بھی۔" احسان نے کہا۔
میں ہنسنے لگا "کیا یہ سچ ہے؟" افشاں نے پریشان لہجے میں پوچھا۔
"کیا افشاں صاحبہ۔"
"آپ۔ آپ صائم صاحب ہی ہیں؟"
"جی۔!"
"تب تو سیمیں باجی قابل داد ہیں۔"
"میں نے دل کی آنکھوں کی بات کی تھی افشاں۔"
"لیکن سیمیں بہن' اب آپ کا عادل کہاں سے آگیا اور پھر آپ سے جو قربت ہے' آپ اسے افشاں صاحبہ پر کیوں مسلط کر رہی ہیں؟" میں نے کہا۔
افشاں دوسری طرف دیکھنے لگی۔ سیمیں نے مسکراتے ہوئے اس کی شکل دیکھی اور بولی "ہاں۔ میری نگاہ سے اگر کوئی دیکھے تو میں کہوں کہ تم کیا ہو۔ عادل کہاں ہیں؟"
"عبادت کر رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔
"کیا مطلب؟"
"عبادت۔ میرا خیال ہے عام فہم لفظ ہے۔"
"مگر اس وقت؟"
"عبادت کے لیے کوئی وقت تو متعین نہیں ہے۔ جب دل چاہے جب دل طلب کرے۔" میں نے جواب دیا۔
"مگر اس سے قبل تو۔ ہیں کہاں؟"
"اپنے کمرے میں۔"
"آؤ ذرا دیکھیں تو سہی۔"
"آپ چلیے۔ میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔" میں نے کہا اور وہ سب طالوت کے کمرے کی طرف بڑھ گئے اور پھر میں نے دور سے انہیں طالوت کے کمرے میں جھانکتے ہوئے دیکھا۔ پھر سب کے سب دروازے سے کان لگا کر کھڑے ہوگئے تھے۔ میرے سینے میں قہقہے مچل اٹھے۔ اور میں اندازہ لگانے لگا کہ طالوت کو جب میری شرارت کا پتہ چلے گا تو وہ کتنا سیخ پا ہوگا۔ بہرحال خود میں نے اس وقت وہاں جانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ پھر میں نے ان سب کو طالوت کے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا اور کان دبا کر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ بات کچھ زیادہ ہی آگے بڑھ گئی تھی۔
اور پھر میں جان بوجھ کر رات کے کھانے تک طالوت کی نگاہوں سے اوجھل رہا۔ نواب جلال الدین سے کہیں ہٹتا رہا تھا پھر نواب صاحب کا ٹیلی فون آیا اور وہ اٹھ کر چلے گئے۔ تب تصدق اور کمال باتھ تک ... رات کے کھانے پر سب ساتھ تھے۔ نواب صاحب کا چہرہ ... سے سرخ ہو رہا تھا۔
"حضرات!" انہوں نے کھانے کی میز پر سب کو مخاطب کیا "بمشکل تمام میں نے اب تک صبر کیا ہے لیکن ... میرا پیٹ اس اطلاع سے خالی نہیں ہو جائے گا' ... نہیں کھا سکوں گا۔ اس لیے آپ ایک خوش خبری سنئے۔"
"خیریت؟"
"ہوم سیکریٹری صاحب نے بطور خاص مجھے ٹیلی فون کیا تھا۔"
"اوہ!" تنویر صاحب نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔
"ظاہر ہے انہوں نے میری درخواست پر خصوصی ہدایات جاری کی تھیں۔ چنانچہ کام بھی نہایت پھرتی سے ہوا ہے۔ جس شخص نے ایک نرم جنت براورز سے فون کیا تھا' اور پھر جس نے تین قتل بھی کیے اور پولیس سے فرار بھی۔ اس کا نام عارف ہے۔ وہ شہزادہ عادل اور شہزادہ صائم کا ہم شکل ضرور ہے لیکن اس کا کوئی تعلق ان دونوں حضرات سے نہیں ہے۔ فنگر پرنٹس ڈیپارٹمنٹ نے تصدیق کر دی ہے۔ وہ کوئی اور ہی شخص ہے۔ چنانچہ ہوم سیکریٹری نے پیشکش کی ہے کہ پولیس باضابطہ معافی مانگ سکتی ہے اگر یہ دونوں حضرات چاہیں تو اور سرکاری طور پر ان کی رہائش کا بندوبست بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن میں نے ان دونوں کی طرف سے کہہ دیا ہے کہ ہمیں کسی شے کی ضرورت نہیں ہے۔"
نواب صاحب کے خاموش ہوتے ہی پر زور تالیاں بجیں۔ سب نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔
"میرے اوپر معافی خاص طور سے فرض ہوگئی ہے۔"



تنویر صاحب شرمندہ لہجے میں بولے۔
"ارے نہیں تنویر۔ بس بات ختم ہوگئی۔ خدا کی قسم ان کے ظرف سے واقف ہو جاؤ گے' تو انہیں کسی اور ہی دنیا کا انسان پاؤ گے۔"
"مجھے اعتراف ہے۔" تنویر صاحب نے کہا۔
"بس اب کھانا شروع کیا جائے۔" نواب صاحب بیٹھ گئے اور کھانا شروع ہوگیا۔ کھانے کے دوران میں نے کن انکھیوں سے طالوت کی شکل دیکھی وہ نارمل تھا۔ ایک آدھ بار میں نے اس سے آنکھیں بھی ملائیں لیکن اس کی آنکھوں میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ تب میں نے سکون کا سانس لیا گویا وہ مجھ سے ناراض نہیں ہے۔
"بھئی اب کوئی عمدہ سا پروگرام بن جائے تنویر۔" نواب صاحب کھانے سے فارغ ہو کر بولے۔
"میں حاضر ہوں بھائی صاحب۔"
"میں حاضر کیا ہوں۔ پروگرام بتاؤ۔"
"میرا خیال ہے کل کا دن میرے باغ میں گزارا جائے۔ سوئمنگ وغیرہ کی جائے اور پھر وہیں بیٹھ کر کوئی دوسرا پروگرام بنائیں گے۔"
"ضرور ہے۔" نواب صاحب نے کہا "اور ہاں' تمہارا دو اصطبل بھی تو وہیں کہیں ہے۔"
"باغ سے تھوڑی دور ایک عمارت میں ہے۔ لیکن بھائی صاحب میرے گھوڑے بس اب نام کے ہیں۔"
"خیر خیر۔ تو یہ طے ہے۔"
"جی!"
"اب رات کا کیا پروگرام ہے۔"
"جو حکم۔"
"بھئی میں تو شطرنج کھیلنا چاہتا ہوں۔ پبلک کی کیا رائے ہے؟"
"کسی کو اعتراض نہیں ہے۔ ہم سب پائیں باغ کی سیر کریں گے۔" ... نے کہا۔
"چلو ٹھیک ہے۔" نواب صاحب نے کہا اور سب کھانے کے کمرے سے نکل آئے۔
"اگر آپ حضرات کو شوق ہو تو میں پائیں باغ میں موسیقی کا بندوبست کروں؟" افشاں نے پوچھا۔
"واہ۔ یہ بھی پوچھنے کی بات ہے۔" سیمیں اور احسان نے کہا۔
"تب مجھے تھوڑی دیر کی اجازت دیں۔ آؤ تصدق۔ آؤ کمال۔" افشاں نے کہا۔
"ہم بھی لباس وغیرہ تبدیل کر آئیں؟" طالوت نے کہا۔
"ضرور!" اور پھر ہم دونوں واپس چل پڑے۔ میں خاموش تھا۔
"کیا سوچ رہے ہو عارف؟" طالوت نے حسب عادت پوچھا۔
"کوئی خاص بات نہیں۔"
"خوش نہیں ہو؟"
"کیوں نہیں۔"
"ساری زندگی کے لیے جان چھوٹ گئی۔ ویسے یار تمہارے ہاں کا قانون بھی عجیب ہے۔ جب انسان مجرم ہوتا ہے تو اس سے کوئی نہیں پوچھتا۔ اور جب نہیں ہوتا تو سب اس کی جان کو آجاتے ہیں۔"
"ہاں طالوت۔ بہرحال اچھا ہی ہوا۔" میں نے گہری سانس لی۔
ہم نے لباس تبدیل کیے اور پھر باہر نکل ہی رہے تھے کہ افشاں پہنچ گئی "تیار ہوگئے آپ لوگ؟" اس نے پوچھا۔
"ہاں۔ کچھ خاص تیاریاں کرنی تھیں کیا؟" طالوت نے پوچھا۔
"ارے نہیں۔ بس ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔"
"دوسرے لوگ پہنچ گئے؟"
"ہاں۔ سیمیں باجی اور احسان بھیا کو روانہ کر کے آئی ہوں۔" افشاں نے جواب دیا اور طالوت نے گردن ہلا دی۔
پھر ہم لوگ پائیں باغ کے اس خوب صورت حصے میں پہنچ گئے جہاں درختوں کی جڑوں میں روشنیاں چھپی ہوئی تھیں۔ رنگین کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ درمیان کی میزوں پر خوش رنگ پھلوں کے برتن رکھے ہوئے تھے۔ تمام لوگ پہنچ چکے تھے۔ روشنیاں اس قدر مدھم تھیں کہ شکلیں صاف نہیں نظر آرہی تھیں۔ تاہم پتہ چل رہا تھا کہ کون کون ہے۔
"آئیے حضرات۔" سیمیں کی آواز سنائی دی "افشاں تم نے تو چند منٹ میں ہی بہت کچھ کر ڈالا۔"
"نہیں سیمیں باجی۔ ہم اکثر یہاں یہ پروگرام رکھتے ہیں۔ میں آپ کو بڑی عمدہ چیزیں سنوا رہی ہوں۔" افشاں نے کہا اور درحقیقت افشاں بے حد باذوق تھی۔ درختوں ہی میں مائک چھپے ہوئے تھے۔ ہواؤں کی ہر سراہٹ کے ساتھ انسانی سرگوشیاں ابھریں۔ کسی نوجوان کی آواز سنائی دی۔ ایک روح کی مانند۔ سسکتی ہوئی روح کی مانند۔ اور پھر جواب۔ عجیب سا سماں بندھ گیا تھا۔ اور پھر ایک زخمی نغمہ ابھر ابھرنے لگا۔



Uploaded By Muhammad Nadeem

سب خاموش تھے اور بہت غور سے سن رہے تھے۔ نغمہ جاری رہا اور پھر خاموش ہو گیا۔ کئی منٹ تک سکتہ سا طاری رہا۔ سب متاثر تھے پھر جب ہوش آیا تو تالیاں گونج اٹھیں۔

"یہ افشاں اتنا اعلیٰ ذوق رکھتی ہے۔ معلوم نہیں تھا۔" احسان نے کہا۔

"واقعی افشاں' کمال کردیا لیکن آوازیں کس کی تھیں؟" سیمیں نے پوچھا۔

"میں نے ایسے بہت سے ریکارڈ تیار کرائے ہیں باجی۔ ان میں مختلف آرٹسٹوں کی آوازیں ہیں۔ تاریخ کے چند کرداروں کو سنیں گی؟"

"اوہ۔۔۔ہاں' ضرور۔"

"تو سنئے۔ یہ زیب النساء ہے اور دوسرا اس کا محبوب نواب عاقل خان۔" افشاں نے کہا اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ خلیہ دور کی سوتی تصویر اجاگر ہونے لگی۔ کنیزوں کی چہلیں۔ خداموں کی دست بستہ آئیں اور خواجہ سراؤں کی آوازیں۔ اور پھر زیب النساء کی شیریں آواز۔ فارسی کا ایک شعر اور اس کے بعد ایک غزل جو مشاعرے کے انداز کی تھی۔ واقعی کمال کردیا تھا۔

طالوت بھی بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔

موسیقی کا یہ پروگرام اس قدر حسین تھا کہ بس داد نہ دی جا رہی تھی۔ المیہ طربیہ نغموں کے لیے ایک خاص ماحول پیدا کیا جاتا تھا اور اس کے بعد نغمے کا لطف۔ بس دل موہ لیتا تھا۔

"اب بھی تم اس پر عاشق نہیں ہوئے؟" طالوت نے سرگوشی کی۔

"کیا مطلب؟" میں نے حیرت سے چونک کر پوچھا۔

"مطلب بھی پوچھو گے؟" طالوت دانت پیس کر بولا۔

"یار تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تو سر پر پتھر ماروں تاکہ عقل آجائے۔"

"کیوں مرچیں چبا رہے ہو؟" میں نے ہنس کر کہا۔

"خدا کی قسم' شکیلہ پر عاشق نہ ہوا ہوتا تو اس وقت افشاں کے ذوق پر ضرور عاشق ہو جاتا۔" طالوت نے کہا۔

"اوہ۔۔۔!" میں نے طویل سانس لی۔

"میں تمہاری ہڈیاں توڑ دوں گا۔" طالوت غرایا۔

"لیکن کیوں میرے بھائی؟"

"تم نے ابھی تک اس سے اظہار عشق نہیں کیا؟"

"یار طالوت۔۔۔"

"ہاں' ہاں۔ بکو۔"

"ہمت نہیں پڑتی۔"

"دیکھو۔ میرے سامنے فضول باتیں کیں تو اچھا نہ ہوگا۔"

"قسم لے لو۔ ایسے ویسے ماحول کی دوسری بات تھی۔ اس شریف لڑکی سے کچھ کہتے ہوئے ہلکا سا خوف محسوس ہوتا ہے۔"

"اب کہہ تو دو۔ نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔"

"کل ہم پکنک منا رہے ہیں۔"

"ہاں۔ پھر؟"

"وعدہ کرتا ہوں وہاں۔"

"آخری وعدہ؟" طالوت نے پوچھا۔

"ہاں یار۔ آخری وعدہ۔" میں نے کہا۔ مجھے بے ساختہ ہنسی آرہی تھی۔ طالوت کسی خیال میں گم تھا۔ پھر اس نے چونک کر گردن اٹھائی اور شکیلہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"بلاؤں؟" میں نے شرارت سے کہا۔

"دل تو چاہ رہا ہے مگر رہنے دے یار۔ آج دن میں بھی بڑی ہو گئی تھی۔"

"کیا مطلب؟"

"تم گئے تو یہ غول بیابانی آدھمکا۔" طالوت نے کہا۔

"اوہ۔ اچھا۔" میں نے بڑی سنسنی محسوس کی۔ اس کا مطلب ہے کہ حضرت کو میرے اوپر شبہ نہیں ہوا تھا۔ بہرحال یہ عمدہ بات تھی' ورنہ میری جان کو آجاتا۔"

"میرا خیال ہے انہوں نے چھپ کر ہماری باتیں بھی سنی تھیں۔"

"اوہو۔ تو کیا۔"

"ہاں اور پھر اچانک سب اندر گھس آئے۔ صاف تو نہیں کہا' لیکن اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے بہت کچھ سن لیا تھا۔ ان کی بکواس سے اندازہ ہوتا تھا۔

"اوہ۔ لیکن تمہارے درمیان گفتگو کیا ہو رہی تھی؟"

"بکو مت۔" طالوت ہونٹ بھینچ کر غرایا اور میری ہنسی چھوٹ گئی۔ طالوت خوں خوار نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ چاہے دوسروں کو سب معلوم ہے۔" میں نے شکایتی انداز میں کہا۔ طالوت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ پرخیال انداز میں گردن ہلا رہا تھا۔ یہ نغمہ بھی ختم ہو گیا اور پھر شاید انٹرول ہو گیا۔ افشاں نے سب کو فروٹ اور مشروب کی دعوت دی۔ پھلجھڑیاں چھوٹنے لگیں۔ ویسے اتنی خوب صورت رات پر سب نے افشاں کو مبارک باد دی۔



"آپ کو بھی پسند آیا یہ پروگرام۔۔۔یا نہیں؟" اس نے ہم دونوں سے پوچھا۔

"دوسرے لوگوں نے جتنی داد دی ہے۔ ہماری طرف سے اسے دس سے ضرب دے لو۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور آپ کا کیا خیال ہے صائم صاحب؟" اس نے میری طرف دیکھا۔

"ضرب ہی کی بات ہے تو میری طرف سے آپ پچیس سے ضرب دے دیں۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہو۔ آپ لوگ بڑی فراخ دلی کا ثبوت دے رہے ہیں' میں مغرور ہو جاؤں گی۔ فروٹ لیجئے نا۔" وہ ہمارے سامنے بیٹھ گئی اور پھر اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا "ارے شکیلہ۔ کہاں ہو۔ یہاں آؤ بھئی۔" افشاں کے انداز میں ہلکی سی شرارت تھی' طالوت نے سر کھجایا تھا' لیکن وہ فوراً سنبھل گیا۔

"ویسے میں آپ کی غلط فہمی دور کردوں محترمہ' آپ عادل کو صائم کہہ کر مخاطب کر رہی ہیں۔" وہ بولا۔

"ہرگز نہیں۔" افشاں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟ کمال ہے۔" طالوت نے کہا۔

"اب کوئی کمال نہیں ہے۔" افشاں شرارت سے بولی۔

"کیا مطلب؟"

"شکیلہ نے مجھے آپ کی خاص پہچان بتا دی ہے۔" افشاں نے کہا اور طالوت سچ مچ جھینپ گیا۔ اس دوران شکیلہ وہاں پہنچ گئی تھی۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بس یونہی پہچان کی باتیں ہو رہی تھیں۔ سچ بتانا شکیلہ' کیا تمہیں کبھی ان دونوں کو پہچاننے میں کوئی دقت ہوئی؟"

"ہاں۔ ابتدا میں کئی بار۔" شکیلہ نے سادگی سے کہا۔

"شکر ہے بات ابتدا کی تھی۔" افشاں ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"کیا مطلب؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"اب کیا میں اتنی مطلبی ہوں کہ ہر بات مطلب سے کروں گی۔" افشاں پوری طرح شرارت پر آمادہ تھی۔

"اوہ۔۔۔" شکیلہ ہنسنے لگی۔

"ویسے واقعی بڑی انوکھی پچویشن ہے۔ فرض کرو کوئی شخص کسی کو چاہتا ہے اور اس سے اظہار عشق کرتا ہے اور اس کا جواب اس کے ہم شکل سے مانگتا ہے۔"

"میری ایک درخواست ہے مس افشاں۔" طالوت بولا۔

"فرمائیے۔ فرمائیے۔" افشاں ڈھٹائی سے بولی۔

"آپ اپنے گلے میں کوئی نشانی لٹکا لیجئے۔"

"اوہ۔ آپ فکر نہ کریں۔ آپ اگر کبھی غلط فہمی کا شکار ہوئے تو میں برا نہ مانوں گی اور جلدی سے اپنا نام بتا دوں گی۔"

"خیر اب میری آنکھیں۔۔۔۔ اتنی کچی بھی نہیں ہیں۔" طالوت نے طویل سانس لے کر کہا۔

"یہ نہ کہیں عادل بھائی۔ ہم آپ کو دھوکا بھی دے سکتے ہیں۔"

"چیلنج کردو مجھے۔" طالوت نے کہا۔

"جانے دیں۔ ہمیں کسی کو پریشان کرنے سے کیا فائدہ۔ کیوں شکیلہ؟"

"مم۔ میں۔ مجھے کیا معلوم۔" شکیلہ نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیا ہوا بھئی۔ یہ انٹرول کب ختم ہوگا؟" احسان نے ہانک لگائی۔

"بس احسان بھائی۔ ابھی دوسرا دور شروع ہو جائے گا۔" افشاں نے جواب دیا اور پھر وہ چند منٹ کی معذرت طلب کرکے اٹھ گئی۔ طالوت شرارت آمیز نگاہوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا پھر اس نے شکیلہ کی طرف رخ کرکے کہا۔

"شکیلہ تمہارا اس لڑکی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کون لڑکی؟" شکیلہ جیسے کسی خیال سے چونک پڑی۔

"اوہو۔ کہاں ہیں آپ؟" میں بھی چپ نہ رہا۔

"یہیں۔ ہاں ہاں یہیں۔" شکیلہ احمقانہ انداز میں بولی۔

"افسوس۔ اچھی خاصی لڑکی تھی۔"

"کون؟" شکیلہ بدستور گھبرائی ہوئی تھی۔

"شکیلہ کی بات کر رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور شکیلہ پھیکے انداز میں مسکرا دی۔

"مس شکیلہ' آپ اس شخص کی باتوں پر توجہ مت دیں۔ میں آپ سے افشاں کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔" طالوت نے کہا۔

"بلاؤں اسے؟"

"جی نہیں۔" طالوت نے گہری سانس لی "آپ بدحواس نہ ہوں۔"



Uploaded by Muhammad Nadeem

"میں ابھی حاضر ہوئی!"
"ہاں۔ ہاں۔ آپ تشریف رکھیے۔ میں غائب ہوا جاتا ہوں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا اور شکیلہ جھینپ گئی۔
"دفع ہو جاؤ۔" طالوت غرایا اور میں ہنستا ہوا آگے بڑھ گیا۔
موسیقی کا پروگرام خاصی رات گئے جاری رہا۔ کسی بزرگ نے بچوں کے مشاغل میں دخل نہیں دیا تھا۔ پھر جب سب تھک گئے تو متفقہ طور پر پروگرام بند کر دیا گیا اور سب آرام کرنے اپنے اپنے کمروں کی طرف چلے گئے۔
دوسرا دن حسب معمول تھا۔ لیکن تنویر صاحب باغ کی پکنک تیاریوں میں مشغول تھے۔ صبح کا ناشتا کمرے پر ہی کیا گیا اور ناشتے کے فوراً بعد سب لوگ گاڑیوں میں سوار ہو کر باغ کی طرف چل پڑے، جہاں انتظام پہلے ہی پہنچ گیا تھا۔
بلاشبہ زندہ دل لوگ تھے۔ تنویر صاحب نے بہترین انتظامات کیے تھے۔ بزرگ ساتھ ضرور تھے لیکن نواب جلال الدین اور تنویر صاحب ایک گوشہ میں شطرنج کی بازی لگا کر بیٹھ گئے۔ نوجوانوں کے کسی مشغلے میں انہوں نے دخل نہ دیا۔ کچھ لوگ سوئمنگ کر رہے تھے اور کچھ سیر و تفریح۔ طالوت نہ جانے کہاں تھا۔ شکیلہ بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں سیب کے ایک درخت کے نیچے کھڑا گردن اٹھائے خوش رنگ سیبوں کو دیکھ رہا تھا کہ افشاں میرے پاس پہنچ گئی۔
"جی۔۔؟" اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔
"اوہ۔۔۔ فرمائیے مس افشاں۔" اسے تنہا پا کر میں کسی قدر گڑبڑا گیا۔
"کیا مطلب؟" افشاں حیرت سے بولی۔
"مطلب بھی آپ ہی بتا دیں۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔
"کیا گڑبڑ ہے بھئی؟" افشاں الجھے ہوئے انداز میں مسکرا دی۔
"بخدا مجھے نہیں معلوم۔"
"آپ نے مجھے بلایا نہیں تھا؟"
"یہ پیغام کس نے دیا آپ کو؟"
"عادل بھائی نے۔"
"تب ٹھیک ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔
"گویا آپ نے نہیں بلایا تھا اور یہ ان کی شرارت تھی؟"
"بہرحال مجھے یہ شرارت پسند آئی۔"
"آپ سوئمنگ نہیں کریں گے؟"

"پانی سے ڈر لگتا ہے۔"
"کیوں؟"
"ڈوب جاؤں گا۔"
"ارے نہیں۔ سوئمنگ پول اتنا گہرا نہیں ہے۔" افشاں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
اس کے بعد ہم دونوں خاموش ہو گئے۔ میں اپنے آپ کو ازلی چغد محسوس کر رہا تھا۔ ورنہ دونوں لڑکیاں میرے نزدیک اچھی تھیں لیکن خود کو اتنا نروس پہلے کبھی نہیں محسوس کیا تھا۔
"آئیے صائم صاحب۔ چلیں!"
"کہاں؟" میری آواز جیسے کہیں دور سے ابھری۔
"سوئمنگ پول پر۔" افشاں کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔
"اوہ۔۔۔ اگر آپ محسوس نہ کریں۔ تو میں کچھ وقت دوسروں سے الگ گزارنا چاہتا ہوں۔"
"اوہو۔ معاف کیجیے۔ گویا عادل بھائی کی شرارت سے آپ کو تکلیف ہوئی۔"
"کیسی تکلیف؟"
"میں نے بلاوجہ آپ کی تنہائی میں مداخلت کی۔"
"اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو تشریف رکھیے مس افشاں۔ آپ کی مداخلت میرے لیے ناگوار نہیں ہے۔"
افشاں خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی آ گئی تھی، پلکیں جھک گئی تھیں اور وہ میری طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیا بات کروں؟ اچھا خاصا احمق بن گیا تھا اور خاموشی بھی بری لگ رہی تھی "میرا خیال ہے مس افشاں، ہم نے آپ لوگوں کو خاصا پریشان کیا ہے؟"
"کیوں؟" افشاں بے ساختہ بولی۔
"بھئی ایک طرح سے زبردستی کے مہمان ہیں۔"
"یہ صرف آپ کا احساس ہے صائم صاحب۔ براہ کرم مجھے بتائیے کیا آپ نے کسی کے انداز میں ناگواری محسوس کی ہے؟"
"ارے نہیں نہیں افشاں صاحبہ۔ آپ لوگوں کے بارے میں یہ سوچنا بھی گناہ ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔
"تب پھر آپ کے الفاظ؟"
"بس یونہی۔ اخلاق کا تقاضا بھی ہے کہ زیادہ بار نہ بنا جائے، میں نواب جلال الدین اور تنویر صاحب سے اجازت لینے کی سوچ رہا ہوں۔"



افشاں نے گردن جھکا لی۔ اس کے ہونٹ کپکپانے لگے اور میں نے اس کی آنکھوں میں نمی دیکھی۔
"ہم آپ کو روک بھی کس طرح سکتے ہیں؟ ہماری آپ کی حیثیت میں بڑا فرق ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے پاس کوئی بھی تو ایسا ذریعہ نہیں ہے کہ ہم آپ سے رک جانے کے لیے کہیں۔" وہ لرزتی آواز میں بولی۔
"اوہ۔ اوہ۔ افشاں صاحبہ۔ آپ سنجیدہ ہو گئیں۔"
"ہاں۔ اس تصور سے دکھ ہوتا ہے کہ آپ یہ رونقیں سمیٹ لے جائیں گے۔"
"چاہتا تو ہوں کاش افشاں صاحبہ۔"
افشاں چند ساعت خاموش رہی پھر بولی "شکیلہ میں اور مجھ میں کتنا بڑا فرق ہے، وہ میرا ہم شکل ہے لیکن خوش بخت ہے۔ میں اس کی شکل حاصل کر کے بھی اس جیسی قسمت نہ پا سکی۔"
"کیوں؟" میں نے پوچھا۔
"افشاں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ کاش مجھے بھی بچپن میں اغوا کر لیا جاتا۔ میں بے بس ہوتی، مظلوم ہوتی۔ میرے اوپر ترس کھایا جاتا اور پھر مجھے اس قدر اپنائیت دے دی جاتی کہ میں اس کے بوجھ تلے دب کر رہ جاتی۔ کاش میں بھی کوئی راز بنی ہوتی۔ آئیے صائم صاحب چلیں؟"
"ابھی نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ لیکن افشاں کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔
"ارے۔ ارے۔ ارے افشاں۔ افشاں صاحبہ۔۔۔ یہ یہ۔۔۔"
"معاف کیجیے۔ آپ کے لیے زحمت بنی۔" وہ اٹھ گئی۔
"سنیے تو سہی۔ براہ کرم سنیے۔"
"جی۔ وہ رکی۔"
"کیا آپ نہیں جانتی ہیں کہ؟"
"کیسے روک سکتی ہوں۔" اس نے ڈبڈبائی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔
"نہیں تو بس ایک بار۔"
"رک جائیں گے آپ؟"
"زندگی بھر کے لیے۔"
"صائم صاحب۔" افشاں کی شرمیلی آواز ابھری۔
"سچ افشاں۔ آپ کہیے تو سہی۔"
"تو پھر رک جائیے۔" افشاں نے رخ بدل کر دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لیے۔

"ہمیشہ کے لیے؟"
"ہاں۔" اس نے کہا اور تیزی سے دوڑ گئی۔
میں خاموشی سے کھڑا اسے جاتے دیکھتا رہا۔ میں نے اسے آواز نہ دی۔ بس ایک عجیب سی کیفیت میرے ذہن پر طاری تھی۔ عمر کے اس دور میں نہ تھا کہ نوجوانوں کی طرح دوڑ کر اسے پکڑ لیتا۔ بے قراری سے اسے آوازیں دیتا۔ محبت کی بے چینی کا اظہار کرتا۔ عورت کی دنیا میں نیا انسان نہ تھا۔ بے شمار لڑکیاں قریب آئی تھیں۔ پیار بھرے جملے بھی سنے تھے۔ اظہار عشق کے نت نئے انداز بھی دیکھے تھے۔ لیکن بدن کے اندرونی حصوں میں یہ ہلکی ہلکی کسک اس سے پہلے بیدار نہ ہوئی تھی۔ کسی کی شرمیلی آواز نے رگ و پے میں سرور کی یہ لہریں نہ دوڑائی تھیں۔ دور تک اسے دیکھتا رہا اور جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو دل کی ایک تیز دھڑکن نے اسے آواز دی۔ قدم خود بخود آگے بڑھ گئے۔ نہیں اس کی تمنا کرنے لگیں اور جب حواس یکجا ہوئے تو میں سوئمنگ پول کے نزدیک تھا۔
سوئمنگ پول میں عجیب تماشا تھا۔ بھائی خربوز خان موڈ میں تھے۔ ساکت پانی پر پالتی مارے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور کناروں پر کھڑا مجمع آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ مجمع میں شکیلہ بھی تھی۔ طالوت کی محبوبہ اور محبوبہ کی موجودگی میں سر دفتن جیسی بھی دنیا کے سب سے بڑے احمق نظر آتے تھے۔ چنانچہ اپنا یار پانی پر پالتی مارے بیٹھا تھا تو کونسی بڑی بات تھی۔
میں نے افشاں کو بھی ایک کنارے پر دیکھا اور بے دھڑک اس کی طرف بڑھ گیا۔ اس سے اجتناب دوسروں پر اظہار بن جاتا۔ افشاں نے بھی مجھے دیکھا۔ ہلکی سی گھبراہٹ چہرے پر ابھری پھر اس نے بھی شاید میرے ہی انداز میں سوچا اور پرسکون ہو گئی۔
"یہ کیا ہے صائم صاحب؟" اس نے سوئمنگ پول کی طرف اشارہ کیا۔
"عادل ہی ہے۔"
"مگر یہ پانی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔"
"اس نے پیراکی کا اعلیٰ ترین اعزاز حاصل کیا ہوا ہے۔ ہماری ریاست میں۔"
"لیکن یہ پیراکی کی کون سی قسم ہے؟" افشاں حیرت سے بولی۔
"کچھ بھی نہیں ہے یہ تو۔ اگر آپ کہیں تو وہ پانی پر دوڑ سکتا ہے۔" میں نے بڑے وثوق سے کہا۔



Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں نہیں مانتی صائم صاحب۔"

"کیوں؟"

"مجھے بتایئے۔ میرا لباس خود بخود کیسے بدل گیا۔ شکیلہ نے میری جگہ کیسے لے لی اور پھر وہ انوکھے سے واقعات۔" افشاں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"ارے ہم لوگ کالے جادو کے ماہر ہیں۔"

"جی نہیں۔ سفید جادو کے۔" افشاں ایک پیار بھری مسکراہٹ سے بولی۔

"کیوں۔ کیوں۔" میں نے پوچھا۔

"اگر آپ کالے جادو کے ماہر ہوتے تو کالے ہوتے۔"

"اوہ۔" میں ہنسنے لگا۔ اسی وقت طالوت کی نگاہ ہم دونوں پر پڑ گئی اور وہ اچھل کر پانی پر کھڑا ہو گیا پھر تیزی سے دوڑتا ہوا اس کنارے تک آیا جہاں ہم دونوں کھڑے ہوئے تھے اور اچھل کر کنارے پر چڑھ آیا۔

"جی۔ جی۔ میرا نام افشاں ہے۔" افشاں برجستہ بولی۔

"اوہ۔ خدا کا شکر ہے۔" طالوت نے کہا اور دوبارہ پانی میں چھلانگ لگا دی۔ افشاں ہنسی نہ روک سکی۔ میں بھی قہقہہ لگا رہا تھا۔ جبکہ دوسرے لوگ حیران و پریشان کھڑے تھے۔

طالوت اب باقاعدگی سے پانی میں تیر رہا تھا۔ اور پھر وہ دوسرے کنارے پر نکل آیا۔ سب لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ ہم دونوں بھی ٹہلتے ہوئے دوسرے لوگوں کے پاس پہنچ گئے۔

"میں کہتا ہوں خدا کی قسم یہ جادو ہے۔" تنویر صاحب کہہ رہے تھے "پانی پر چلنا انسانی کارنامہ نہیں ہو سکتا۔"

"تعجب ہے تنویر صاحب۔ اس کا مقصد ہے کہ آپ کے یہاں کے تیراک صرف پانی کے نیچے ہی جا سکتے ہیں۔ ارے ہماری ریاست کے تیراک تو پانی پر بانس کھڑے کرتے ہیں اور ان پر کرتب دکھاتے ہیں۔ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ میں پانی پر سر کے بل دوڑ سکتا ہوں۔" طالوت نے کہا۔

"تب پھر تمہاری ریاست جنوں کی ریاست ہی ہو سکتی ہے۔" تنویر صاحب مسکراتے ہوئے بولے اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ آپ کا خیال کس قدر حقیقی ہے محترم' یہ آپ نہیں جانتے۔ میں نے دل میں سوچا۔

کافی دیر تک وہ لوگ طالوت کی اس تیراکی پر حیرت کا اظہار کرتے رہے۔ بہرحال اس کے بعد دوسرے پروگرام شروع ہو گئے۔ جن میں کھانے پینے کا پروگرام بھی شامل تھا۔ ویسے بدمعاش طالوت بار بار میری اور افشاں کی شکلیں دیکھ رہا تھا۔ جیسے کوئی اندازہ لگانے کی فکر میں ہو۔ لیکن ہم دونوں نے اپنے چہرے اتنے نارمل کر لیے تھے کہ کوئی اندازہ لگانا ناممکن تھا۔ بہرحال اسے شبہ ضرور تھا۔ تنہائی ملتے ہی وہ میرے سر پر سوار ہو گیا۔ "رپورٹ؟"

"خیریت۔"

"میں کہتا ہوں رپورٹ۔" طالوت ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"کس سلسلے میں بندۂ خدا۔"

"عارف مجھ سے اڑنے کی کوشش مت کرو۔ کیوں مجھے غصہ دلا رہے ہو؟ ابھی تمہاری زبان سب کچھ اگل دے گی۔"

"عجیب منحوس آدمی ہو۔" میں نے [illegible] ہوئے کہا "کوئی راز' راز نہیں رہنے دیتے۔"

"راز کے بچے۔ میں نے اسے تیرے [illegible] تھا۔" طالوت بولا۔

"جی ہاں۔ مہربانی۔"

"یہ دیکھو۔" طالوت نے اپنی ایک انگلی اٹھائی اور میری نگاہیں بے ساختہ اس کی انگلی کی طرف اٹھ گئیں۔ اچانک میں نے اپنے ذہن میں سناٹا محسوس کیا اور پھر جیسے میرے حلق سے کوئی اجنبی آواز نکلی۔

"وہ میرے پاس آئی تھی تو میں نے اس سے کہا کہ ہم نے اسے خاصا پریشان کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ صرف آپ کا احساس ہے اور پھر وہ رونے لگی۔ اس نے کہا کہ ہم یہاں کی رونقیں لے جائیں گے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ شکیلہ خوش قسمت ہے کہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس نے آرزو کی کہ کاش وہ بھی ہمارے ساتھ رہ سکتی۔ اس نے کہا کہ میں زندگی بھر اس کے ساتھ رہوں۔"

میرے ذہن نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا تھا لیکن میری زبان میرا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ میں یہ سب کچھ طالوت کو نہیں بتانا چاہتا تھا۔ لیکن میری زبان سے بے ساختہ سارے الفاظ نکل رہے تھے اور طالوت حکیمانہ انداز میں گردن ہلا رہا تھا۔

"بس۔" اس نے انگوٹھا اٹھا دیا اور میری زبان جیسے اس کی گرفت سے آزاد ہو گئی۔ مجھے احساس تھا' مجھے یاد تھا کہ میں نے اس سے کیا کہا ہے۔ میں نے طالوت کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"یہ اچھی بات نہیں ہے۔" میں جھلا کر بولا۔

"میں نے کیا کیا ہے؟" طالوت نے معصومیت سے کہا۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

"اور یہ اچھی بات تھی کہ تم دوستی کا دعویٰ بھی کرتے ہو



اور اپنی باتیں بھی چھپانا چاہتے ہو؟"

"یار تم احمق ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے افسوس ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ تمہارے معاملات میں مداخلت نہیں کروں گا۔" طالوت مڑا اور آگے بڑھ گیا۔

"میں خاموش کھڑا رہ گیا تھا اور پھر اچانک مجھے احساس ہوا کہ میں نے واقعی طالوت سے زیادتی کی ہے۔ مجھے یہ لہجہ نہیں اختیار کرنا چاہیے تھا اور پھر اس بے ایمان سے تو کچھ چھپانا بھی حماقت ہے بھلا اس سے کون سی بات چھپی رہ سکتی ہے۔"

میں تیزی سے آگے بڑھا لیکن طالوت نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ نواب جلال الدین اور تنویر صاحب کھڑے ہوئے گفتگو کر رہے تھے' میں بھی ان کے پاس پہنچ گیا۔

"کیا خیال ہے صائم میاں؟ واپس چلیں؟"

"جیسی آپ کی مرضی۔"

"جلال بھائی کہہ رہے تھے کہ میں انہیں اپنے گھوڑے دکھاؤں' آپ لوگ پسند کریں گے؟"

"کیوں نہیں پسند کریں گے۔" میرے بجائے نواب جلال الدین بولے۔

"ضرور۔ ضرور۔ عادل کو بھی ساتھ لے لیا جائے۔"

"تب پھر آیئے۔ باقی لوگ بدذوق ہیں گھوڑوں کو کیا سمجھیں گے۔" تنویر صاحب نے کہا اور ہم تینوں طالوت کو تلاش کرنے لگے۔ طالوت دوسرے لوگوں کے ساتھ ہی مل گیا۔

"آیئے عادل میاں۔ ذرا تنویر کے گھوڑے دیکھتے چلیں [illegible]۔" نواب صاحب نے اسے دعوت دے دی۔

"[illegible]۔" طالوت سنجیدگی سے بولا۔ پھر تنویر صاحب نے دوسرے لوگوں سے وہیں انتظار کرنے کے لیے کہا اور تصدق کو ساتھ لے کر ایک جیپ کی طرف چل پڑے۔ تصدق نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور ہم چاروں پیچھے بیٹھ گئے۔ زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ باغ سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک عمارت میں تنویر صاحب کا اصطبل تھا۔ وہاں گیارہ گھوڑے تھے۔ خاصے قیمتی تھے۔ مجھے یا طالوت کو بھلا گھوڑوں کی کیا پہچان۔ ہم اگر چاہتے تو ایک گدھے کو بھی ڈربی کا انعام دلا سکتے تھے۔ طالوت خواہ مخواہ گھوڑے کے بارے میں بکواس کر رہا تھا۔ گو وہ مجھ سے ناراض تھا لیکن اس خفگی کا اظہار دوسروں پر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ویسے اس کا موڈ شرارت کا ہی تھا۔ چنانچہ ایک مریل سے گھوڑے کے سامنے وہ رک گیا۔

"اوہو ہو ہو نواب صاحب۔" اس نے نواب جلال الدین کو مخاطب کیا۔

"ہاں ہاں۔ خیریت؟" نواب صاحب بولے۔

"اس گھوڑے کو دیکھا آپ نے؟"

"ہاں۔" نواب صاحب ہنس پڑے "میرا خیال ہے تنویر نے اسے دوسرے گھوڑوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے خریدا ہے۔"

"کیا آپ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں نواب صاحب۔" طالوت نے تعجب سے کہا۔

"ہاں تو اس ٹٹو کو یہاں باندھنے کی وجہ تمہاری سمجھ میں آتی ہے۔" نواب صاحب بولے۔

"اوہ۔ بھئی دراصل یہ میرے سائیس کا گھوڑا ہے۔ اکثر وہ اس پر بیٹھ کر شہسوار بننے کی کوشش کرتا ہے۔ نہ جانے بے وقوف کہاں سے خرید لایا۔ میرے گھوڑوں کے ساتھ باندھ کر ان کا اخلاق بھی تباہ کر رہا ہے۔ ابھی بلاتا ہوں بدبخت کو اور اسے کھلواتا ہوں یہاں سے۔" تنویر صاحب جھلائے ہوئے لہجے میں بولے۔

"تعجب ہے۔ تعجب ہے۔ آپ دونوں حضرات کی ایک ہی رائے ہے۔" طالوت نے منہ پھاڑ کر کہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو بھئی؟" نواب جلال الدین بولے۔

"معاف کیجئے نواب صاحب۔ آپ اس گھوڑے کو نہیں سمجھ سکتے۔" طالوت مایوسی سے بولا۔

"اوہ۔ گویا یہ بھی سمجھنے کی چیز ہے؟"

"جی ہاں۔ شاید اپنی نسل کا یہ آخری گھوڑا ہے۔"

"بہت خوب۔" نواب صاحب ہنس پڑے۔

"آپ ہنس رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں معلوم کیجئے سائیس سے کہ یہ اسے کہاں سے مل گیا؟" طالوت انتہائی سنجیدگی سے یہ تمام باتیں کر رہا تھا۔

"ہاں کوئی چھوڑ گیا ہو گا مصیبت سمجھ کر۔ سو پچاس روپے دے دیئے ہوں گے اس نے۔ کیوں تنویر؟" نواب جلال الدین بولے۔

"گویا ریس کے لیے اس کی تربیت بھی نہیں ہوئی ہو گی؟"

"یہ ریس میں دوڑے گا؟" نواب صاحب ہنس پڑے۔

"قبلہ نواب صاحب۔" طالوت نے ہونٹ بھینچ کر کہا "صرف ایک ہفتے کے لیے یہ گھوڑا میرے حوالے کر دیں اور اس کے بعد سارے ملک میں چیلنج کر دیں۔ اگر کوئی اسے ہرا سکا تو ہمیشہ کے لیے خود کو گھوڑوں کا ماہر کہنا چھوڑ دوں گا۔"



Uploaded By Muhammad Nadeem

طالوت نے کہا اور دونوں بزرگ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

"کیوں بھئی کیا خیال ہے؟" نواب جلال الدین بولے اور تنویر صاحب ہنس پڑے۔

"قبلہ، ٹھیک ایک ہفتے کے بعد اگر کوئی گھوڑا اس گھوڑے کو ہرا سکا تو میں اس کے مالک کی خدمت میں ایک ہزار گھوڑے پیش کروں گا۔" طالوت انتہائی سنجیدگی سے بولا۔

"ہے کوئی اس گھوڑے کو ہرانے والا۔ اور پھر ریس کورس میں اگر شمشیر الدولہ کے گھوڑے بھی ہوں تو۔۔؟"

طالوت کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی طاری تھی لیکن گھوڑے کی ہیئت دیکھ کر اور اس کے بارے میں ریس کے ایک شاندار گھوڑے کا تصور کرنے سے ہنسی نہ رک سکتی تھی اور طالوت کے الفاظ کو ایک شرارت آمیز طنز کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھا جا سکتا تھا لیکن ظاہر ہے میں ان الفاظ کو شرارت نہیں سمجھ سکتا تھا۔ طالوت، طالوت تھا۔ وہ چاہتا تو کسی گدھے کو بھی ریس جتا سکتا تھا۔ بہرحال دونوں بزرگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس دلچسپ بات کو حقیقت سمجھیں یا مذاق، لیکن طالوت کی بے پناہ سنجیدگی بھی انہیں الجھا رہی تھی۔

"پھر کیا خیال ہے۔ کیا مجھے اس کی تربیت کی اجازت مل جائے گی؟" چند منٹ کے بعد طالوت نے پوچھا۔

"ارے۔ اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے، نہ صرف یہ بلکہ سارے گھوڑے آپ کی نذر عادل میاں۔" تنویر صاحب نے جواب دیا۔

"نہیں۔ مجھے صرف یہ قیمتی گھوڑا درکار ہے۔ ہاں، ذرا اس شخص کو بلوائیے جس کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ اسے لانے والا وہ ہے۔"

"اچھا اچھا۔" تنویر صاحب نے کہا اور تصدق کو سائیس کو بلانے بھیج دیا۔

"میں اس نایاب گھوڑے کا شجرہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" طالوت بولا۔

"مجھے یقین ہے یہ کسی گدھے کی جولانی طبع کا نتیجہ نکلے گا۔" تنویر صاحب بولے اور نواب جلال الدین نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"نواب صاحب! مجھے آپ پر حیرت ہے۔" طالوت نے کہا "آپ گھوڑوں کے سلسلے میں اچھی خاصی مہارت رکھتے ہیں۔ آپ بھی اس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔"

"گھوڑوں کے بارے میں۔ صرف گھوڑوں کے بارے میں، گدھوں پر میں نے کوئی ریسرچ نہیں کی۔" نواب صاحب بدستور ہنستے ہوئے بولے "ویسے تنویر! تم نے کسی کو اتنی سنجیدگی سے مذاق کرتے دیکھا ہے؟"

"بہتر ہے نواب صاحب! میں اس گھوڑے کی طرف سے ہر چیلنج قبول کروں گا۔ بس اب میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔" طالوت نے فیصلے انداز میں کہا اور سب ہنستے رہے۔

چند منٹ کے بعد سائیس آ گیا۔ اس نے جھک جھک کر سلام کیا تھا اور پھر وہ ایک طرف مؤدب سے کھڑا ہو گیا۔ طالوت نے اس کی طرف دیکھا اور بولا "یہ گھوڑا تمہارا ہے؟"

"جی۔ جی سرکار۔" سائیس نے جواب دیا۔

"کہاں سے حاصل کیا تھا؟ مجھے اس کے بارے میں تفصیل بتاؤ۔"

"جی سرکار۔ وہ۔ ہمارا ایک واقف کار ہے رمضانی۔ یکہ چلاتا ہے تین سال سے اس کے پاس تھا اور اس کی دال روٹی کا سہارا تھا پھر ایک دن اس کی ٹانگ میں کتے نے کاٹ لیا اور زخم خراب ہو گیا۔ رمضانی اسے چلاتا رہا اور جب بالکل ہی نہ چل سکا تو وہ مایوس ہو گیا۔ اور ایک دن اس نے مجھ سے کہا کہ اس کا جو بھی مل جائے بکوا دوں۔ لنگڑا گھوڑا کون خریدتا صاحب! میں نے دو چار آدمیوں سے بات کی۔ کوئی پچاس بھی دینے کو تیار نہ ہوا۔ مگر رمضانی کی حالت خراب تھی۔ اس کے بچے بھوکے مرنے لگے۔ تھوڑے سے پیسے اس کے پاس تھے لیکن ان سے وہ گھوڑا نہیں خرید سکتا تھا۔ ہم نے اس کی مدد کی سرکار اور پچھتر روپے اسے دے دیے۔ یہی ہم کر سکتے تھے۔ اس کا کام چل گیا اور اس نے زبردستی اسے ہمیں دے دیا۔ اس نے کہا کہ ویسے بھی وہ اسے چھوڑ دے گا۔ کہاں سے کھلائے گا اس بیکار جانور کو۔ تو ہم اسے لے آئے ہم نے سوچا ہم اس کا علاج کریں اور ہماری قسمت سے اس کا زخم ٹھیک ہو گیا۔ اب تو یہ خوب چل لیتا ہے سرکار۔ ہمارا گاؤں تھوڑی دور ہے۔ جب ہم وہاں جاتے ہیں تو اسی پر سوار ہو کر جاتے ہیں۔" سائیس نے سادگی سے کہا۔

"اف۔۔۔ اف۔۔۔ اس نایاب گھوڑے کی یہ بے قدری۔ یقیناً اس کے ساتھ زبردست ناانصافی ہوئی ہے۔ یہ تین سال تک یکے میں جتا رہا ہے۔" طالوت نے کہا۔

نواب صاحب اور تنویر صاحب بے ساختہ قہقہے لگا



رہے تھے۔

"تم یہ گھوڑا بیچو گے سائیس!" طالوت نے انہیں نظر انداز کر کے پوچھا۔

"اس کی کیا حیثیت سرکار۔ خادم ہیں آپ کے۔"

"کیا قیمت لو گے اس کی؟"

"کچھ نہیں مائی باپ۔ یہ ہے کس قابل۔"

"او، بے وقوف۔ اس عظیم المرتبت گھوڑے کی توہین مت کرو۔ تم کیا جانو اس کے بارے میں۔ غریب رمضانی کو بھی زبردست خسارہ ہوا ہے لیکن کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہونی چاہیے۔ میں اس کی حیثیت مقرر کرتا ہوں۔ صائم بھائی! آپ کی جیب میں بیس ہزار روپے ہوں گے؟" طالوت نے اچانک مجھ سے پوچھا اور میں بوکھلا گیا۔

"کیا؟" نواب صاحب اور تنویر صاحب بیک وقت بولے۔

"او، میرے۔ میں پیسے تو نہیں لایا۔" میں نے جیبیں ٹٹولتے ہوئے کہا۔

"آپ اتنے قلاش کب سے ہو گئے صائم بھائی کہ آپ کی جیبوں میں دس بیس ہزار بھی نہ نکلیں، دیکھیے تو سہی۔" طالوت کے لہجے میں ایک خاص انداز تھا۔ میں نے طویل سانس لے کر جیبیں ٹٹولیں اور بھلا میری جیبوں میں گڈیاں کیوں نہ ہوتیں۔ میں نے دو گڈیاں نکال لیں۔ طالوت نے انہیں میرے ہاتھ سے اچک لیا تھا۔

"یہ دس ہزار روپے رمضانی کو بھجوا دو۔ کسی غریب کی غربت سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے۔ اسے اس کے مال کی قیمت ملنی ہی چاہیے۔"

"عادل!" تنویر صاحب بے چین ہو کر بولے۔

"اور یہ دس ہزار تمہارے۔ میرا خیال ہے گھوڑے کی خدمت کر کے اسے ٹھیک کرنے کا یہ معاوضہ کم نہیں ہے۔" طالوت نے تنویر صاحب کے احتجاج پر توجہ دیے بغیر کہا۔

سائیس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے تھے۔ اس نے [illegible] انداز میں ایک ایک کی شکل دیکھی جیسے یہ سب اس کا مذاق اڑانے آئے ہوں۔

"کیوں، کیا یہ رقم کم محسوس ہو رہی ہے۔ پھر تم بتا دو بھئی کیا لو گے؟" طالوت سائیس سے بولا۔

"عادل میاں! یہ غلط ہے۔ نہیں نہیں یہ غلط ہے۔ گھوڑا آپ کی نذر کیا جا چکا ہے۔ براہ کرم پیسے واپس لے لیں۔" تنویر صاحب نے آگے بڑھ کر مداخلت کی۔

"اوہ گویا آپ کو یہ سودا منظور نہیں ہے؟" طالوت بولا۔

"سودے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہ رقم۔"

"میں اسے اسی قیمت پر خریدوں گا۔ اگر آپ نے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا تو پھر میں اسے قبول نہیں کر سکوں گا۔ معاف کیجئے مجھے ہمیشہ یہ احساس رہے گا کہ یہ گھوڑا بے حیثیت ہے۔"

"لیکن سنیں تو سہی۔ اس نے اسے پچھتر روپے میں خریدا ہے۔"

"یہ اس کی حماقت ہے میری نہیں۔"

"اچھا، آپ کی طرف سے میں اسے ادائیگی کر دوں گا۔"

"ایک ہی بات ہے تنویر صاحب! براہ کرم اس معاملے میں مداخلت نہ کریں۔"

"لیکن یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

"اوہ۔ ہاں۔ شاید آپ ناراض ہو گئے۔ یہ ٹھیک ہے مجھے آپ کے اصطبل میں آ کر خرید و فروخت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ خیر سنو!" اس بار اس نے سائیس کو مخاطب کیا "اگر تم یہ گھوڑا اس قیمت پر فروخت کرنا چاہو تو یہاں سے باہر آ کر مجھ سے بات کر سکتے ہو۔"

"تنویر!" نواب جلال الدین نے مداخلت کی۔

"جی بھائی صاحب!"

Uploaded by Muhammad Nadeem

"جو ہو رہا ہے ہونے دو اور خوشی سے ہونے دو۔"
"تسکین بھائی صاحب! کیا یہ اس گھوڑے کی قیمت ہے۔"
"صائم بھائی!" طالوت نے مجھے پکارا۔
"فرمائیے۔"
"ایک گڈی اور ہو گی؟"
"یقیناً۔" میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک گڈی اور نکال لی۔
"پندرہ ہزار دونوں کے۔ اب تو ٹھیک ہے تنویر صاحب۔"
"تنویر۔ میں کہتا ہوں مداخلت مت کرو۔" نواب جلال الدین بولے "شہزادوں کو جو چیز پسند آتی ہے وہ اسے شایانِ شان قیمت ادا کر کے ہی خریدتے ہیں۔ لے لو میاں! یہ رقم لے لو۔ لیکن رمضانی کو پندرہ ہزار تو ہی پہنچ جانے چاہئیں۔ اس سے معلوم کر لیا جائے گا۔" نواب جلال الدین بولے۔
اور تنویر صاحب خاموش ہو گئے۔ نوٹ لیتے ہوئے سائیس بری طرح کانپ رہا تھا۔ تب طالوت نے کہا "بابا آپ سے ایک رعایت ضرور طلب کروں گا تنویر صاحب!"
"ہاں ہاں ضرور۔" تنویر صاحب پھنسی پھنسی آواز میں بولے۔
"یہ گھوڑا یہاں پر ہی رہے گا۔ میں یہاں آ کر ہی اس کی تربیت کروں گا اور اسے آئندہ ریس کے لیے تیار کروں گا۔"
"ضرور، ضرور۔ اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے۔"
"تو بھئی آج سے تم اس کی خصوصی نگرانی کرو گے اور اس کے لیے جو غذا میں تجویز کروں اسے باقاعدگی سے دو گے۔" طالوت سائیس سے بولا۔ سائیس کی تو آواز ہی بند ہو گئی تھی۔
"آئیے نواب صاحب چلیں۔" طالوت نے کہا اور سب واپس چل پڑے۔ تنویر صاحب بے حد سنجیدہ ہو گئے تھے۔ راستے میں نواب جلال الدین نے ان کی شکل دیکھی اور ہنس پڑے۔
"کیا ہو گیا تنویر؟" انہوں نے مضحکہ خیز انداز میں پوچھا۔
"کچھ نہیں بھائی صاحب۔"
"میاں احمق ہو نرے۔" نواب صاحب بولے "کیا تم نے سنا نہیں تھا کہ سائیس نے کیا کہا تھا۔"
"کیا؟" تنویر صاحب چونک کر بولے۔
"اس نے کہا تھا، رمضانی کے پاس دوسرا گھوڑا خریدنے کے لیے پیسے نہیں تھے اور اس کے بچے بھوکے مر رہے تھے۔ کیا پندرہ ہزار سے اس کی زندگی نہیں سدھر جائے گی اور کیا تمہارا سائیس اس رقم سے اپنے سارے دکھ دور نہیں کر لے گا۔ کیا تمہارے خیال سے میں احمق ہوں کہ بلاوجہ ان لوگوں کے گن گاتا رہتا ہوں۔"
"خدا کی قسم۔ خدا کی قسم۔ میں نے ان لوگوں کے ساتھ جو کیا ہے اس پر زندگی بھر شرمندہ رہوں گا۔" تنویر صاحب نے جذباتی لہجے میں کہا۔
"آپ زیادتی کر رہے ہیں نواب صاحب!" طالوت نے مداخلت کی۔
"کیا نادان میاں؟"
"یہ سمجھ کر کے آپ میرے [illegible] گھوڑے کی توہین کر رہے ہیں۔"
"اوہو۔ معافی چاہتا ہوں۔ معافی چاہتا ہوں۔" نواب صاحب ہنستے ہوئے بولے۔ تنویر صاحب [illegible] ہنسی ہنس رہے تھے۔
ہم واپس اسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے چلے تھے۔ تمام لوگ ہمارے منتظر تھے اور بور ہو رہے تھے۔ بہرحال [illegible] پروگرام بنا اور اسی طرح یہ دلچسپ پکنک ختم ہو گئی۔ لیکن [illegible] دلچسپی اور نواب صاحب کے ابا کے [illegible] ہر وقت قہقہے گونجتے رہتے تھے۔ پکنک کی جگہ [illegible] پروگرام بنتے رہتے۔ خاص طور پر جب سے افشاں سے میری بات ہوئی تھی نہ جانے کیوں میرا دل بھی یہاں لگنے لگا تھا۔ حالانکہ میری کیفیت سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ دنیا کی ساری دلچسپیاں بے معنی ہو چکی تھیں اور عورت میرے لیے کوئی چیز نہیں تھی۔ عورت ہی نے تو میری زندگی میں کانٹے بوئے تھے اور سچی بات یہ ہے کہ عورت ہی میری زندگی میں نت نئے روگ لائی تھی ورنہ شاید آج تک حشمت برادرز میں کلرک ہوتا۔
لیکن آج پھر عورت مجھے اچھی اچھی لگ رہی تھی۔ آج پھر میرے دل میں وہ پاکیزگی اور تقدس لیے جلوہ گر ہو گئی تھی۔ آج پھر میں نے افشاں کی آنکھوں سے لڑھکتے ہوئے موتیوں میں محبت پائی تھی۔ دیکھیں یہ محبت راس بھی آتی ہے یا نہیں۔ اور یہ بہرحال طالوت کی بدمعاشی تھی۔ اس نے مجھے زبردستی عشق کروایا تھا اور پھر بدمعاش نے کس چالاکی سے میرے منہ سے سب کچھ اگلوا لیا تھا لیکن... نہ جانے کیوں اس کے بعد اچانک یہ دنیا زیادہ حسین لگنے لگی تھی۔
مجھے طالوت کی ناراضگی کا احساس تھا اور بہرحال میں



اسے ناراض نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ جونہی موقع ملا میں نے اسے گھیر لیا "تو آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" میں نے پوچھا۔
"جی نہیں۔" طالوت منہ پھلا کر بولا۔
"یار واقعی ناراض ہو گئے۔" میں نے اداس لہجے میں کہا اور طالوت چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔
"الو بنا رہے ہو؟" اس نے کہا۔
"نہیں طالوت۔ میں تمہاری ناراضگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ خدا کی قسم! دنیا میں تمہارے علاوہ میرا ہے بھی کون۔ اگر تم ناراض ہو گئے ہو تو معافی چاہتا ہوں۔ یقین کرو تمہارے کہنے سے تو میں اس حماقت پر آمادہ ہو گیا ہوں ورنہ عورت میری زندگی میں جو حیثیت رکھتی ہے تمہیں معلوم ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو طالوت، عورت نے مجھے کہاں پہنچا دیا تھا۔ جیل میں سڑ رہا ہوتا یا پھر پھانسی پا چکا ہوتا۔ میری تو پوری زندگی ہی دوسروں کے سہارے ہے۔ اگر تم مجھے نہ سنبھال لیتے تو عورت مجھے کہاں پہنچا چکی ہوتی۔ اسی لیے کسی کے معاملے میں سنجیدہ ہونے کو تیار نہ تھا۔"
"افشاں ایسی نہیں ہے۔" اس نے کہا۔
"میں اس پر الزام نہیں لگاؤں گا لیکن تم میرے زخموں کا احساس کیوں نہیں کرتے؟"
"مجھے احساس ہے۔"
"بس یہی بات تھی کہ میں کسی کے معاملے میں سنجیدہ ہونا نہیں چاہتا۔"
"اب یوسف عمران سنجیدہ ہو گیا ہے تو تمہیں بھی سنجیدہ ہونا پڑے گا۔"
"[illegible] تمہاری بات سے کب انکار کیا ہے طالوت۔"
"مگر یار یہ زبردستی کا عشق نہیں چلے گا۔ تمہیں سنجیدہ ہونا پڑے گا۔"
"اور اگر کچھ اور [illegible] گئے طالوت تو"
"میرا خیال ہے [illegible] لیں گے۔ خدا کی قسم! وہ لڑکی بہت اچھی ہے۔"
"ہاں، مجھے احساس ہے۔"
"بس تو پھر توہمات کو ذہن سے نکال دو۔ پوری دل جمعی سے عشق کرو کہ عشق ہی زندگی ہے، عشق ہی خدا ہے۔ عشق عشق صرف عشق۔ باقی دنیا فالتو ہے۔ بیکار بالکل بیکار۔"
"کر تو لیا بھائی۔ اب تو ناراض نہیں ہے۔"
"ارے میری جان، میں تجھ سے ناراض ہو سکتا ہوں۔" طالوت نے مجھے کھینچ کر سینے سے لگا لیا اور اسی وقت کمال نے دروازے پر دستک دی۔
"آ جاؤ۔ کون ہے؟"
"قاصد۔" کمال اندر داخل ہو کر مسکراتے ہوئے بولا۔
"کیا پیغام ہے، کس کا پیغام ہے؟"
"کھانے کی میز پر انتظار ہو رہا ہے۔" کمال نے جواب دیا۔
"ارے کھانے کا وقت ہو گیا۔" طالوت چونک کر بولا اور ہم دونوں کمال کے ساتھ کمرے سے نکل آئے "یہاں کھانے پینے کی مصروفیت کچھ زیادہ ہی رہتی ہے۔" راستے میں طالوت نے کہا اور کمال ہنسنے لگا۔ کھانے کی میز پر ہمارے علاوہ سب پہنچ چکے تھے۔ نواب صاحب وغیرہ نے مسکراتے ہوئے ہمارا خیر مقدم کیا۔ سب دلچسپی سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔
"بیٹھو بھئی۔ اس وقت تمہارے گدھے کا تذکرہ ہو رہا تھا۔" نواب صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔
"ارے بیٹے۔ یہ دولت کیوں لٹاتے پھر رہے ہو۔ سنا ہے تم نے تیس ہزار روپے کا ایک گدھا خریدا ہے۔" بڑی اماں ہماری طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔
"نہیں بڑی ماں، وہ ایک مظلوم گھوڑا تھا۔ آپ دیکھیے نا، بعض اوقات اعلیٰ خاندان کے لوگ اپنی مجبوریوں کے ہاتھوں اس قدر لاچار ہو جاتے ہیں خود انہیں اپنی اعلیٰ نسبی پر شک ہونے لگتا ہے۔ دوسرے لوگ انہیں خاطر میں نہیں لاتے اگر آپ انہیں پہچان کر انہیں ان کی صحیح جگہ دے دیں تو یہ کیا بری بات ہے؟" طالوت نے کہا۔
"ہرگز نہیں۔" بڑی ماں بولیں۔
"بس میں نے اس ستم رسیدہ گھوڑے کے ساتھ یہی کیا ہے۔" طالوت نے کہا اور ستم رسیدہ گھوڑے پر سب ہنس پڑے۔
"افسوس! آپ اس گھوڑے کی عظمت نہیں پہچان سکے۔ لیکن خیر۔ نہ گھوڑا دور ہے نہ میدان۔" طالوت سنجیدگی سے بولا اور سب ہنستے رہے۔
"وہ تو ٹھیک ہے بھئی لیکن تم نے میرے ہاتھ سے سائیس نکلوا دیا۔" تنویر صاحب بولے۔
"کیا مطلب؟"
"ارے اس کی جیب میں پندرہ ہزار روپے ہیں۔ اب وہ گھوڑوں کو کیا خاطر میں لائے گا۔"
"یہ رقم اسے کہیں اور سے بھی مل سکتی تھی۔ کیا آپ



Uploaded By Muhammad Nadeem

تقدیر کے قائل نہیں ہیں؟"

"ہوں بھئی۔ اچھی طرح ہوں اور تم سے بحث بھی نہیں کر سکتا۔ میرا خیال ہے کھانا شروع کیا جائے۔" تنویر صاحب نے کہا اور کھانا شروع ہو گیا۔

کھاتے کھاتے میری نگاہ افشاں کی طرف اٹھ گئی اور میرے ذہن میں سرور کی ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔ افشاں میری طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا خمار تھا جو اس سے قبل نہیں نظر آیا تھا۔ مجھ سے نگاہیں ملتے ہی اس کے ہونٹ شرمگیں انداز میں بھنچ گئے اور نگاہیں جھک گئیں۔

"ہا۔" میں نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے کہا۔ خاتون! شاید آپ کی زندگی میں محبت کا کھیل پہلی بار ہی آیا ہو لیکن یہ شرم' یہ مسکراہٹ میں کئی بار دیکھ چکا ہوں اور اس کے بارے میں میرا تجربہ خاصا وسیع ہے۔ کچھ اچھے خیالات نہیں رکھتا۔ خدا کے واسطے آپ میرے ان خیالات کی تجدید نہ کریں بلکہ جب قدم بڑھایا ہے تو کسی منزل تک ہی پہنچا دیں ورنہ اس کے بعد خود کو جینے کے لیے تیار نہ کر سکوں گا۔ ایسا نہ ہو کہ آپ ہی میری موت کا سبب بن جائیں۔

کھانا جاری رہا اور پھر ختم ہو گیا۔ سب لوگ اٹھ گئے۔ یہاں کے لوگوں میں یہ عمدہ بات تھی کہ عمر کے تعین کے ساتھ ہی ساتھی متعین کر لیتے تھے۔ حالانکہ تنویر صاحب اور نواب جلال الدین ہم دونوں سے کافی بے تکلف تھے لیکن وقت کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ زبردستی ہم میں گھسنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ اس وقت بھی نوجوانوں کو تنہا چھوڑ دیا گیا اور ہم لوگ ایک گروہ کی شکل میں جمع ہو گئے۔

"ہاں تو خواتین و حضرات! کیا حکم ہے؟" افشاں نے سب کی طرف باری باری دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے تمہیں کون حکم دے سکتا ہے۔" تہمیں مسکراتے ہوئے بولی۔

"نہیں تہمیں باجی پلیز بتائیے کیا موڈ ہے پبلک کا؟"

"کس بارے میں بھئی؟"

"کل کے پروگرام کی تجدید کی جائے یا کوئی اور پروگرام؟"

"پبلک کی رائے تو پبلک ہی سے پوچھنی چاہیے۔"

"بھئی میرا تو خیال ہے آج ہم لوگوں نے خاصی آوارہ گردی کی ہے' تھکن بھی سوار ہے۔ کیوں نہ آج کے اس خوب صورت پروگرام کو ذہن میں بسائے ہوئے بستروں میں پہنچ جائیں اور اسی کے خوابوں میں سو جائیں۔ ویسے یہ اس ناچیز کی ذاتی رائے ہے اور اگر خواتین و حضرات کا اس پر اتفاق نہ ہو سکے تو خادم ہر پروگرام میں شامل ہے۔" احسان نے کہا۔

"میرا خیال ہے احسان صاحب کی رائے درست ہے۔" طالوت فوراً بولا۔

"بس پھر طے۔ خدا حافظ۔" افشاں نے کہا اور تمام لوگ ایک دوسرے کو شب بخیر کہہ کر اپنے کمروں کی طرف چل پڑے۔ ایسا لگتا تھا جیسے سب کی دلی خواہش یہی ہو۔ اس کی وجہ تھکن ہی ہو سکتی تھی۔

میں اور طالوت اپنے کمرے میں واپس آ گئے۔ لباس تبدیل کیے اور مسہریوں پر پہنچ گئے۔ طالوت کسی خیال میں گم تھا۔ میں بھی خاموش لیٹا رہا۔ کافی دیر کے بعد طالوت نے گردن اٹھائی۔

"عارف کے بچے! باز نہیں آؤ گے؟"

"خیریت؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"دفع نہیں ہو گے یہاں سے؟"

"ارے ارے کیا ہو گیا تمہیں؟" بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"ابے تو کیا سونے کے لیے میں نے سب کو بھگایا ہے۔" طالوت جھلا کر بولا۔

"اے جن زادے! بخدا تیری بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"تو اے آدم زاد! تو بھی غور سے سن' میں نے کوئی تربیت گاہ عشق نہیں کھولی۔ تو جس اناڑی پن کا مظاہرہ کر رہا ہے اس سے اظہار ہوتا ہے کہ تو نے صرف لڑکیوں سے فلرٹ کیا ہے عشق نہیں اور تیرے ساتھ لڑکیوں نے جو سلوک کیا ہے اس میں ان کا قصور نہیں بلکہ تیرا تھا۔"

"جی ہاں۔ ٹھیک ہے۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن اب آپ بکواس کریں کہ کیا مقصد ہے؟"

"یار خود بھی غور کیا کر۔ دن میں شکیلہ سے کوئی خاص گفتگو نہیں ہو سکی۔ یہ کم بخت لڑکیاں اور لڑکے بڑی خوفناک نگاہیں رکھتے ہیں۔ کم بخت دن بھر ہمیں ہی تاڑتے رہے۔ چونکہ ان کے منحوس کانوں میں بھنک پڑ چکی ہے' درجنوں بار انہوں نے مجھے اور شکیلہ کو تنہائی کا موقع دیا اور خود تاک میں رہے کہ ہماری گفتگو سن سکیں لیکن بہرحال تیرا یار اتنا احمق بھی نہیں ہے۔"

"اوہ' تو یوں کہیے اس لیے یہ تقریر جھاڑی جا رہی ہے۔"

"نہیں یار۔ سمجھا کرو۔ بات صرف میری نہیں ہے' تیری بھی ہے۔"

"الحمدللہ' میں خیریت سے ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"بکواس مت کرو۔ کیا آج ہی قتل ہو جانا چاہتے ہو؟"

"کیوں؟"

"کیا تمہارے خیال میں اسے آسانی سے نیند آ جائے گی؟"

"کسے؟"

"افشاں کو۔"

"کیوں۔ کیا وہ بے خوابی کی مریضہ ہے؟"

"دیکھو عارف۔ مجھے غصہ مت دلاؤ۔ تمہیں چاہیے اس کے کمرے کی عقبی کھڑکی پر جاؤ' دستک دو اور اسے باغ میں چلنے کی پیشکش کرو۔"

"واہ اناڑی استاد۔ رہے نا جن کے جن۔ پہلے ہی مرحلے پر مروا دو گے۔"

"کیا مطلب؟"

"صاحب زادے! خوش نصیب ہو کہ ریڈی میڈ عشق مل گیا۔ کچھ کوششیں کرنا پڑتیں تو یقیناً منہ کی کھاتے۔ ارے وہ ایک شریف لڑکی ہے اور یہ حرکت قطعی غیر شریفانہ۔ کیا سوچتی وہ اپنے دل میں؟" میں نے کہا۔

"بس یہی سوچتی کہ عجیب عاشق ملا ہے جو دن بھر اطمینان سے تارے گنتا ہے اور رات کو آرام سے سو جاتا ہے۔"

"کچھ بھی سوچے' میں ایسا نہیں کروں گا۔ ویسے کیا شکیلہ یہاں آئے گی؟"

"کیوں نہیں آئے گی۔ میں کوئی کچا عاشق ہوں۔"

"ٹھیک ہے' تب میں باغ میں چلا جاتا ہوں۔"

"یار برا تو نہیں مانے گا؟" طالوت جھینپے ہوئے انداز میں مسکراتے ہوئے بولا اور میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی' پھر میں کمرے سے نکل آیا۔ عشق و محبت کی باتیں تھیں' میں درمیان میں کیوں دخل دیتا۔ ویسے دونوں کے کردار سے میں پوری طرح مطمئن تھا۔ طالوت ایک ٹھوس کردار کا نوجوان تھا اور شکیلہ انتہائی پاکیزہ فطرت۔ ان دونوں کی تنہائی میں شیطان کبھی نہیں داخل ہو سکتا تھا چنانچہ میں باغ کی طرف چل پڑا۔

چاند نہیں نکلا تھا لیکن اس کے آثار آسمان کے آخری سرے پر نمودار ہو رہے تھے۔ باغ کی فضا بے حد خوشگوار تھی۔ فرحت بخش ہوا کے جھونکے روح کو معطر کر رہے تھے۔ مجھے اس تنہائی میں بے حد سکون کا احساس ہوا اور ایک خوب صورت تختے کے نزدیک میں گھاس پر بیٹھ گیا۔ چند منٹ بیٹھا رہا' پھر لیٹ گیا۔ نرم گھاس مخمل کے فرش کی مانند تھی۔ سکون۔ بے پناہ سکون۔ لیکن پھر کسی کے قدموں کی آہٹ سن کر میں چونک پڑا اور جلدی سے اٹھ گیا۔

تاروں کی چھاؤں بھی اتنی تھی کہ کسی کو پہچانا جا سکے۔ اور افشاں کو دیکھ کر میرا دل دھڑک اٹھا۔ وہ کافی قریب آ چکی تھی اور بے حد گھبرائی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"میں۔ میں انتہائی شرمندہ ہوں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"ارے ارے۔ آئیے افشاں۔ کیوں آپ شرمندہ کیوں ہیں؟"

"میں نے آپ کے سکون میں مداخلت کی ہے۔" وہ چوروں کے انداز میں بولی۔

"یہ آپ کو کیسے معلوم؟" میں نے کہا۔

"کیا؟"

"یہی کہ آپ نے مداخلت کی ہے؟"

"تو پھر؟"

"ممکن ہے میں اس وقت آپ کے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں اور آپ غور کریں' کسی کے بارے میں سوچا جائے اور وہ اچانک آ جائے تو کیا کیفیت ہوتی ہے۔"

افشاں کئی منٹ تک کچھ نہیں بولی تو میں نے ہی کہا "اور اب آپ اجنبیوں کی طرح کھڑی بھی رہیں گی؟"

"اوہ' معافی چاہتی ہوں۔" وہ میرے نزدیک بیٹھ گئی۔ اس قرب میں بڑا اعتماد' بڑی اپنائیت تھی۔

"آپ خاموش کیوں ہو گئیں؟"

"ویسے ہی۔"

"چاندنی پسند ہے آپ کو؟"

"ہاں۔"

"اور تنہائی؟"

"نہیں۔" افشاں نے جواب دیا۔ اس کے انداز میں کسی قدر شوخی تھی۔

"اور افشاں صاحبہ! جو قرب آشنا ہی نہ ہو؟" میں نے نہ جانے کس خیال کے تحت کہا اور افشاں نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"اپنی طرف بڑھنے والوں کی پذیرائی ہی نہیں کی ہو گی آپ نے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"شاید کوتاہی میری ہی ہو۔"

"عادل صاحب کی نسبت' آپ سنجیدہ ہیں۔"


Uploaded By Muhammad Nadeem

"بڑا جو ہوں اس سے۔"
"کوئی خاص فرق نہیں محسوس ہوتا آپ دونوں میں۔"
"اب تو آپ پہچان لیتی ہیں۔"
"ہاں۔" افشاں نے ایک شرمگیں مسکراہٹ سے کہا۔
میں بھی مسکرانے لگا۔ اس وقت دل سے ساری محرومیاں دھل گئی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے دوبارہ پیدا ہوا ہوں۔ دوبارہ جوان ہوا ہوں اور افشاں میری زندگی کی پہلی لڑکی ہو۔ اس سے قبل اتنی فرحت، ایسا انوکھا پن محسوس نہیں کیا تھا۔
اس کے بعد ہم دونوں کئی منٹ تک خاموش رہے۔ افشاں گردن جھکائے گھاس کرید رہی تھی۔
"کیا آپ نے مجھے دیکھ لیا تھا مس افشاں!"
"ہاں۔"
"کہاں سے؟"
"کھڑکی میں کھڑی تھی۔"
"کیوں؟"
"نیند نہیں آ رہی تھی۔"
"یہی کیفیت میری تھی۔" میں نے جواب دیا۔
"آپ نے اس وقت کیوں نہ کہا کہ آپ کو نیند نہیں آ رہی۔ کوئی پروگرام ہی رکھتے۔"
"تنہائی کو دل چاہ رہا تھا۔"
"اوہو تب تو میری بات درست ہے، یعنی میں نے مداخلت کی ہے۔"
"افشاں۔ گستاخ ہونے کو دل چاہ رہا ہے۔ اگر اجازت دیں۔ آپ کی آمد نے تو وہ خلا پُر کر دیا ہے جس کے پُر ہونے کی دل نے بارہا آرزو کی تھی۔" اور افشاں کے چہرے پر سنجیدگی پھیل گئی۔ وہ خاموشی سے گھاس کریدتی رہی پھر نہایت صاف ستھرے لہجے میں بولی۔
"صائم صاحب۔ آپ کے خیال میں میری عمر کیا ہوگی؟"
"کیوں؟" میں نے چونک کر اسے دیکھا۔
"میری عمر بائیس سال ہے۔ کسی حادثے کے تحت نہیں بلکہ قدرتی طور پر، میرے خیال میں، میں اپنی عمر سے دس سال آگے بڑھ گئی ہوں۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو میں یہ کہوں کہ میری عمر بتیس سال ہے۔"
"ماشاءاللہ!" میں نے کسی قدر شوخی سے کہا۔
"اور یہ عمر کم نہیں ہوتی صائم صاحب!"
"ظاہر ہے بڑھاپے کی آمد آمد ہوتی ہے۔" میں نے جواب دیا لیکن افشاں کے چہرے کی سنجیدگی برقرار رہی۔

"میں ایک مشرقی لڑکی ہوں اور بے حد خود سر ہوں لیکن اگر آپ یقین کریں تو بتا دوں کہ میں نے بہت سے ممالک کی سیر کی، بہت کچھ دیکھا لیکن ضمیر پر کوئی داغ نہیں لگنے دیا اور میں آج بھی خود کو فخر سے مشرقی کہہ سکتی ہوں۔ البتہ میں نے کچھ تجربات ضرور کیے ہیں۔ میں نے کچھ حاصل بھی کیا ہے۔"
"اوہ!" افشاں کی سنجیدہ گفتگو پر میں بھی سنجیدہ ہو گیا۔
"ہاں صائم صاحب! میں نے سیکھا ہے کہ پاکیزگی کی حدود نہیں ہوتیں۔ ضمیر اگر صاف ہے تو زندگی بوجھ نہیں بنتی، بلکہ نگاہ کے راستے بہت چھوٹے ہیں، اور ان کے اختتام تک پہنچتے پہنچتے انسان اپنی زندگی کا مقصد سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے اب کیا کرے۔ پھر یہ بوجھل زندگی اسے عذاب لگتی ہے اور اس کا خاتمہ ہی ہو جاتا ہے۔ انسان اگر زندہ بھی رہے تو ضمیر کی خلش اسے مضطرب رکھتی ہیں۔ صائم صاحب میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں۔ صاف ہوں تو اس قدر کہ والدین کی مرضی کے بغیر، ان سے چھپ کر بلکہ مجرمانہ انداز میں سیاحت کا شوق پورا کیا۔ چرب زبانی سے کام نہیں لے رہی، اپنی خوبیاں عریاں کر رہی ہوں۔ مشرق کی حیا اپنی جگہ لیکن زندگی گزارنے کی خواہش کے اظہار کو بے حیائی نہیں سمجھتی۔ میں آپ کی شکل و صورت، آپ کے کردار اور آپ کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوں۔ خدا کی قسم اگر کسی بہت بڑے ملک کے شہزادے بھی ہوتے تو میرے قابلِ التفات تھے لیکن آپ اپنی اسی شخصیت، اسی کردار کے ساتھ کسی دفتر کے معمولی کلرک ہوتے اور کسی طور میری آپ سے ملاقات ہو جاتی تو اپنی پسند کے اظہار سے باز نہ رہتی۔ صائم صاحب! اسے میرا اظہارِ عشق سمجھ لیں، میری آرزو سمجھ لیں یا میری بے حیائی۔ یہ سب کچھ میں آپ سے صرف ایک بار کہوں گی، اس خوف سے بے نیاز ہو کر آپ میرے بارے میں کیا سوچیں گے۔"
بڑی سلجھی ہوئی، بڑی انوکھی اور بڑی جذباتی گفتگو تھی۔ ایک ایک لفظ میرے دل پر نقش ہو رہا تھا۔ میں حیرانی سے اس کچی عمر کی جہاں دیدہ لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔
"میں آپ کو پسند کرتی ہوں صائم صاحب! میں آپ سے چھپ چھپ کر نہیں ملوں گی۔ ہم ایک دوسرے سے تنہا طور پر رومان نہیں کریں گے۔ بلکہ۔ اگر۔ بلکہ اگر۔ آپ کے حالات اجازت دیں تو ہر پہلو سے سوچ کر، ہر خطرے، ہر الجھن کو مدِنگاہ رکھ کر مجھے بتائیں کہ۔ کہ۔ کہ کیا آپ مجھے زندگی بھر کا ساتھی منتخب کر سکتے ہیں؟"



یہ سوال میرے لیے خاصا سنسنی خیز تھا۔ مشورہ کس سے کرتا تھا۔ طالوت بد معاش ہی میرا سب کچھ تھا لیکن اسی نے تو مجھے اس کے لیے مجبور کیا تھا اور اب یہ لڑکی میری زندگی کا ایک اہم کردار بن گئی تھی۔ چنانچہ اب اگر طالوت بھی مجھے اس سے شادی کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کرتا تو میں اس سے معذرت کر لیتا۔ ہاں میری زندگی اب ایک ٹھوس حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ ضمیر پر جھوٹ کا داغ ہی سہی لیکن خدا کی مہربانی سے میں بھی زندگی گزارنے کے قابل بن گیا تھا اس لیے اس سلجھی ہوئی لڑکی کو زندگی کا ساتھی نہ بنانے کا تصور بھی محال تھا۔ تاہم میں نے کچھ اور باتیں کرنا مناسب سمجھیں۔
"آپ کے جذبات میری خوش بختی ہیں افشاں لیکن اپنی چند مجبوریوں کو مدِنگاہ رکھ کر میں آپ سے چند سوالات کروں گا۔"
"بصد خوشی!" افشاں نے کھلے دل سے کہا۔
"فرض کریں، میرے والدین اس کی اجازت نہ دیں!"
"یہ فیصلہ آپ کریں گے۔" افشاں نے جواب دیا۔
"فرض کریں آپ سے شادی کے بعد مجھے قلاش ہونا پڑے؟"
"میرے فیصلے پر اثر نہیں پڑے گا۔ میں آپ کو ہر حیثیت میں قبول کروں گی۔"
"بہت شکریہ لیکن مس افشاں! خود آپ اس سلسلے میں کس قدر ثابت قدم رہیں گی؟"
"میں آپ کے پاس آ گئی ہوں۔"
"وہ تو ٹھیک ہے لیکن تنویر صاحب؟"
"میرے والدین روشن خیال ہیں۔"
"پوزیشن تو خراب نہیں ہوگی؟"
"... ذمے داری ہے اور میں اسے نبھانے کی کوشش ... تک باری رکھوں گی۔"
"... افشاں آپ ہی بتائیں، مجھے آپ سے اچھا زندگی ... کون ملے گا؟"
"جی؟"
"افشاں! آپ سن لیں، میں آپ کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گا۔"
اور افشاں کے چہرے پر افشاں بکھر گئی۔ اس کی پلکیں بوجھل ہو کر جھک گئیں۔ "آپ... آپ سوچ سمجھ کر یہ بات کہہ رہے ہیں صائم صاحب؟"
"ہاں افشاں!"

"آپ کی جانب سے کسی تعرض کی گنجائش؟"
"ہرگز نہیں۔"
"تب مجھے دعا دیں کہ میں کامیاب ہو جاؤں۔ جب میں آپ سے درخواست کروں، اس وقت آپ نادل بھائی کے ذریعے یا پھر نواب جلال الدین کے ذریعے ابو سے کہلوا دیں۔"
"تعمیل ہوگی۔"
"صائم صاحب!" افشاں شرمائی سی اٹھ کھڑی ہوئی۔
"ارے۔ ارے، بیٹھو افشاں۔"
"اب نہ بیٹھ سکوں گی۔" اس نے سر جھکائے جھکائے کہا اور ایک دم چاند نکل آیا۔ چاندنی میں بھیگی بھیگی، شرمائی شرمائی لڑکی بے حد حسین لگ رہی تھی۔
"کیوں؟" میں نے بے قراری سے پوچھا۔
"صائم صاحب! میں۔۔۔ میں بہرحال مشرقی بھی ہوں۔ اب مجھے شرم آ رہی ہے۔" افشاں نے کہا اور پھر وہ تیزی سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ میں اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد میں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی لیکن روح میں بالیدگی اتر گئی تھی۔ چاندنی ہمیشہ سے زیادہ روشن ہو گئی تھی اور میں جیسے ایک نئی دنیا میں سانس لے رہا تھا۔ یہ دنیا ہمیشہ سے زیادہ حسین ہوتی ہے۔ روح کو سہارا مل جائے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔
نہ جانے کتنی دیر تک میں وہاں بیٹھا رہا، وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا پھر طالوت کو اپنی طرف آتے دیکھ کر میں چونک پڑا۔ طالوت نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ چند منٹ کے بعد وہ میرے قریب پہنچ گیا۔ اس کے چہرے پر کسی قدر شرمندگی کے آثار تھے۔
"ارے۔ تم تنہا ہی بیٹھے ہو!" اس نے کہا۔
"ہاں!" میں مسکرا دیا۔
"یار اس وقت تو زیادتی ہو گئی تمہارے ساتھ۔ میں نے سوچا تھا کہ تم بھی کسی طرح اپنا کام چلا لو گے۔"
"نہیں طالوت! زیادتی نہیں ہوئی۔"
"کیا مطلب؟"
"کام چل گیا تھا اور ضرورت سے زیادہ ہی چل گیا۔"
"کیا کہہ رہا ہے یار۔ صاف صاف کہہ۔"
"افشاں ابھی تھوڑی دیر قبل گئی ہے۔"
"اوہ! ویری گڈ۔ تیری استادی پر تو میں نے کبھی شبہ نہیں کیا۔" طالوت میرے کندھے پر ہاتھ مار کر نزدیک بیٹھ گیا۔



Uploaded By Muhammad Nadeem

"شکیلہ چلی گئی؟"
"ہاں! بڑا شرما رہی تھی اس بات پر کہ تم اسی کی وجہ سے کمرا چھوڑ کر فرار ہو گئے ہو۔ مگر اس وقت شکیلہ کے ذکر کو چھوڑو۔ تم بتاؤ کیا افشاں نے اس وقت آنے پر اعتراض نہیں کیا؟"
"میں نے اسے نہیں بلایا تھا۔"
"وینڈر فل! پھر؟"
"خود ہی آگئی۔"
"ٹھیک ہی ہے۔ جلدی جلدی آگے بڑھو۔ پھر کیا ہوا؟"
"بہت کچھ ہو گیا ہے طالوت! بات اتنی آگے بڑھ گئی کہ۔۔۔"
"ارے!" طالوت کا منہ حیرت سے کھل گیا اور میں نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔ احمق انسان غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں جلدی سے بولا۔
"منہ بند کرو۔ ایسی کوئی بات نہیں کہ تمہارا منہ کھل جائے۔"
"اوہ!" طالوت نے ایک گہری سانس لی "بات کو ڈرامائی انداز میں مت پیش کیا کرو۔ خواہ مخواہ منہ کا مزہ کرکرا کر دیا تھا۔ ہاں کیا بات ہوئی بتاؤ؟" میں نے افشاں کی پوری گفتگو طالوت کو سنا دی۔ طالوت خوشی سے اچھل پڑا تھا اور پھر اس نے بے ساختہ اچھل کر مجھے دبوچ لیا "ارے زندہ باد میرے شیر کیا گہرا رنگ مارا ہے۔ پھر اب؟"
"اب کیا طالوت؟"
"کیا فیصلہ کیا؟"
"اگر زندگی کا یہ اہم فیصلہ بھی تمہارے اوپر چھوڑ دوں طالوت؟" میں نے اسے دیکھا۔
"تو میں فوراً تیرے گلے میں پھولوں کے ہار ڈال دوں۔"
"یعنی؟"
"میری تو دلی خواہش ہے عارف! بہرحال ہمیں زندگی کسی منزل تک لے جاتی تو سہی۔ یوں کب تک خوار پھرتے رہیں گے اور عارف سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ تیرے ہی وطن میں تیرے لیے مکمل آزادی ہو گئی۔ اب تو یہاں آرام سے رہ سکتا ہے۔"
"بے شک مجھے احساس ہے وطن کیا شے ہوتی ہے۔"
"خدا اہلِ وطن کو کسی کا دشمن نہ بنائے۔"
"تو پھر بتایا نہیں عارف؟"
"کہہ تو چکا ہوں۔ میں کیا بتاؤں۔ میرا فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہے۔"
"ہوں۔" طالوت کچھ سوچنے لگا پھر بولا "ٹھیک ہے عارف! اس کا فیصلہ اگلے چاند کریں گے۔"
"مناسب۔" میں نے جواب دیا۔
"ویسے میں بہت خوش ہوں۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا اور میرا بازو پکڑ کر کہنے لگا "اس کا مطلب ہے یار کہ یہ افشاں بہت ستھری طبیعت کی لڑکی ہے۔"
"ہاں طالوت! میں اس سے بہت متاثر ہوا ہوں۔"
"متاثر ہونے کی بات ہی ہے۔ ہم اس سے یہ توقع نہیں رکھتے تھے۔ چل یار اب سوئیں گے، رات کافی گزر چکی ہے۔" اور ہم دونوں اٹھ کر بستر کی طرف چل پڑے۔
"مجھے بھی کچھ پوچھنے کی اجازت ہے؟" میں نے بستر پر لیٹتے ہوئے پوچھا۔
"ضرور!"
"تم نہیں بتاؤ گے، تمہارا اور شکیلہ کے معاملات کس حد تک پہنچے؟"
"بس سرحد کے قریب ہیں۔ چاند ڈوبنے پر والدہ صاحب کے پاس جاؤں گا اور ان سے بات کروں گا، آخری فیصلہ ہوگا۔ میرے لیے دعا کرنا۔"
"میری دلی دعائیں تیرے ساتھ ہیں میرے دوست!" میں نے کہا اور طالوت مسکرانے لگا۔
دوسری صبح حسب معمول تھی۔ ناشتے کی میز پر گپیں ہوتی رہیں۔ سب کے موڈ خوشگوار تھے۔ افشاں کی گہرائی دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی تھی۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ رات کو اس نے مجھ سے ایسی گفتگو کی ہوگی۔ جیسی روزانہ ہوتی تھی، ویسی ہی تھی۔
"ہاں بھئی۔ اپنے اس زر خرید کے بارے میں تم نے کیا سوچا۔" نواب جلال الدین بولے۔
"بس۔ تھوڑی دیر کے بعد جاؤں گا۔"
"اخبار دیکھا آج کا؟"
"نہیں۔" طالوت نے جواب دیا۔
"آئندہ ماہ کی چھ تاریخ کو ایک عظیم الشان ریس ہے، جس پر زبردست انعام رکھا گیا ہے۔ بڑے بڑے نامی گرامی گھوڑے دوڑیں گے اس ریس میں۔ پوری تفصیل آئی ہے اخبارات میں۔"
"میرا عظیم المرتبت بھی دوڑے گا۔ کسی سے کم ہے؟" طالوت نے کہا اور سب ہنس پڑے۔
"گویا تم نے اس کا نام ہی عظیم المرتبت رکھ دیا ہے؟"
"جی۔ وہ اسی قابل ہے۔ براہ کرم آپ اسے اس ریس میں رجسٹر کرا دیں۔"
"شہزادہ عادل! براہ کرم بتا دو کیا تم سنجیدہ ہو؟"
"نواب صاحب! عظیم المرتبت سے مجھے دلی لگاؤ ہے۔ براہ کرم اس کی شان میں کوئی ایسی ویسی بات نہ کی جائے۔ اس پر کوئی شبہ نہ کیا جائے اور کیا آپ اسے رجسٹر کرا دیں گے یا پھر میں ہی کوشش کروں؟"
"نہیں بھئی۔ ہم بھی اس تفریح میں حصہ لیں گے۔" نواب صاحب ہنستے ہوئے بولے اور طالوت سر جھکا کر ناشتے میں مصروف ہو گیا۔ ناشتے کے بعد طالوت نے تنویر صاحب سے گاڑی حاصل کی اور جانے کے لیے تیار ہو گیا۔
"تنہا جاؤ گے؟" میں نے پوچھا۔
"جی نہیں۔"
"تب میں تیار ہو جاؤں؟"
"جی نہیں۔ ہرگز نہیں۔"
"پھر؟"
"مس شکیلہ کو بازار میں کچھ کام ہے، وہ میرے ساتھ جائیں گی۔"
"اوہ!" میں مسکرا پڑا۔
"کوئی اعتراض ہے آپ کو؟"
"ہرگز نہیں۔ مس شکیلہ سے بات ہوئی ہے؟"
"کیوں بتاؤں۔"
"گویا اب آپ لوگ علی الاعلان سامنے آ گئے ہیں؟"
"الحمدللہ!" طالوت نے خیالی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور مجھے ہنسی آ گئی۔ بہرحال میں نے خوشی سے انہیں جانے کی اجازت دے دی اور طالوت چلا گیا۔ پھر سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے اور میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ نواب جلال الدین بھی کسی کام سے چلے گئے تھے۔ بیگم اور افشاں کہیں ملنے چلے گئے تھے۔
نہ جانے کتنا وقت گزرا تھا کہ اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی۔
"کون؟"
"حاضر ہو سکتی ہوں؟" افشاں کی آواز تھی اور میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔
"تشریف لائیے۔" میں نے جواب دیا اور افشاں مسکراتی ہوئی اندر آ گئی۔
"کیا ہو رہا ہے؟"
"بیکاری کا شغل!" میں نے جواب دیا اور افشاں مسکراتی ہوئی میرے سامنے بیٹھ گئی۔
"بور ہو رہے ہیں؟"
"ہرگز نہیں۔" میں جلدی سے بولا۔
"پھر یہ تنہائی پسندی کیسی؟"
"الفاظ غیر معیاری بھی ہو سکتے ہیں۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔
"آپ کے سامنے ہوں جناب اور اب ہمارا معیار جدا نہیں ہے۔"
"خدا کی قسم افشاں! یہ اپنائیت ولا رہی ہے۔" اچانک میری آواز بھرا گئی۔ بس نہ جانے کیوں عجیب سا لگا تھا۔
"اب آپ اسے اپنا حصہ سمجھئے۔" افشاں نے کہا۔ اس نے لاکھ ضبط کرنے کی نڈر بننے کی کوشش کی لیکن اس کی آنکھوں میں حیا آ گئی اور میں بے اختیار اس کے نزدیک پہنچ گیا۔
"افشاں!" میں نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیے "بعض اوقات وہ ہو جاتا ہے جو انسان کی سرشت نہیں ہوتی لیکن جذبات بے پروا ہوتے ہیں، وہ سوچتے ہیں۔"
"ہاں۔ شاید۔ ورنہ۔ ورنہ میں اس بے باکی سے یہاں نہ آ جاتی۔" افشاں نے نہایت خوب صورتی سے کہا اور میں بے اختیار ہو گیا۔
سچ مچ زندگی میں بے شمار پھول کھل گئے تھے۔ چاروں طرف خوشبوئیں بکھر گئی تھیں۔ ہر شے حسین نظر آنے لگی تھی۔ طالوت بھی شکیلہ میں ڈوبا ہوا تھا۔ روزانہ ناشتے کے بعد وہ گھوڑے کو تربیت دینے نکل جاتے۔ یہ تو میں ہی جانتا تھا کہ طالوت گھوڑے کو کیا تربیت دے گا۔
بہرحال ریس قریب آ گئی تھی۔ خود نواب جلال الدین اور تنویر صاحب نے کئی بار گھوڑے کو دیکھنے کی فرمائش کی تھی لیکن طالوت نے معذرت کر لی تھی۔
"میں اسے ریس کے میدان میں ہی آپ کے سامنے پیش کروں گا۔" بہرحال ہر طرف خوشیاں اور قہقہے بکھرے ہوئے تھے۔ بی افشاں خوب تھیں۔ شرماتی بھی تھیں اور جب اپنے تئیں جدید دور کی ایک فرد ہونے کا خیال آتا تو خاصی بے تکلف بننے کی کوشش کرتیں۔ بہرحال میں اس سے مطمئن ہو گیا تھا۔
اور پھر ریس کا دن آ گیا۔ نواب جلال الدین نے بھی اپنے گھوڑے منگوائے تھے اور ان کے ایما پر تنویر صاحب بھی ریس میں اپنا ایک الگ گھوڑا لے آئے تھے۔
لیکن اس مرغی نو کو میں نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ ریس

Uploaded By Muhammad Nadeem

کورس میں خصوصی نشستوں کا بندوبست کیا گیا تھا۔ طاؤت نے خود ہی کسی جیکی کا بھی انتظام کرلیا تھا اور جب ریس کورس میں طاؤت کا گھوڑا آیا تو چاروں طرف ہلچل مچ گئی۔ طاؤت نے اس کے پورے بدن کے بال صاف کراوئے تھے اور اسے کئی رنگوں میں رنگوا دیا تھا۔ انتہائی مضحکہ خیز ہو گیا تھا وہ۔ بال صاف ہو جانے سے اس کی ساری پسلیاں نظر آ رہی تھیں اور شکل کچھ اور بھیانک نظر آنے لگی تھی۔

چاروں طرف سے اسے دیکھ کر قہقہے ابل رہے تھے۔

طاؤت نے ان دونوں حضرات کو متنبہ کردیا تھا کہ اپنے گھوڑے اس ریس میں نہ رکھیں جس میں عظیم المرتبت دوڑ رہا ہو۔ بہرحال ان لوگوں نے اس کی بات مان لی تھی لیکن وہ بمشکل تمام اس گھوڑے کو آج کی سب سے بڑی ریس میں رجسٹر کرا سکے تھے۔ اس ریس میں سارے نامی گرامی گھوڑے دوڑ رہے تھے۔ ان کی جسامت اور شان دیکھنے کے قابل تھی۔

لیکن جب میں نے جیکی کو دیکھا تو ایک طویل سانس لی۔ جیکی کے لباس میں راشم تھا جو خود بھی گھوڑے سے کم مضحکہ خیز نہیں نظر آ رہا تھا۔ اچھا خاصا مزاحیہ پروگرام بن گیا تھا۔ طاؤت سارے انتظامات کرنے کے بعد واپس ہم لوگوں میں آ گیا اور نواب جلال الدین اسے دیکھ کر قہقہے لگانے لگے۔ طاؤت بے حد سنجیدہ تھا۔

"بھئی واہ! کیا گھوڑا ترتیب دیا ہے اور اس کے رنگ، کیا خوب، کیا خوب۔" نواب صاحب نے پھر ایک قہقہہ لگایا۔

"اور جیکی۔۔۔ آپ نے جیکی نہیں دیکھا نواب صاحب؟" تنویر صاحب نے بھی اس مذاق میں حصہ لیا۔ اس سے قبل کہ طاؤت کوئی جواب دیتا، اچانک احسان کی حیرت زدہ آواز سنائی دی۔

"ارے، انکل۔ شمشیر!" اور سب چونک پڑے۔

"کہاں ہے؟" نواب جلال الدین بولے۔

"وہ دیکھیے۔" احسان نے اشارہ کیا اور اسی وقت شمشیر کی نگاہ بھی ہم لوگوں پر پڑی۔ وہ بھی چونک پڑا۔ ایک لمحے کے لیے وہ اپنی سیٹ سے کھڑا ہوا ٹھٹکا اور پھر رک گیا۔ طاؤت بھی اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"زندہ باد! آپ لوگوں نے جس قدر موڈ خراب کیا تھا، شمشیر کو دیکھ کر اتنی ہی فرحت ہوئی ہے۔"

"اس نے بھی ہمیں دیکھ لیا ہے۔" نواب جلال الدین بولے۔

"لیکن مخاطب تو نہیں ہوئے ابو۔" تسنیم نے کہا۔

"ارے تو کیا ہم اتنے بد اخلاق ہیں کہ اس سے ملاقات ہونے پر گفتگو بھی نہیں کریں گے؟"

"اوہو! وہ خاتون شاید ان کے ساتھ ہیں۔" احسان نے کہا۔

"ممکن ہے اس کی بیوی ہو۔"

"ہائے بے چاری۔ اگر بیوی ہے تو بدنصیب ہے۔ صورت سے تو بڑی پیاری لگ رہی ہے۔" تسنیم نے کہا۔

"ارے صائم! ہم کیا دیکھ رہے ہیں... وہ ان نواب شمشیر الدولہ کو۔" طاؤت نے کہا اور شمشیر کی طرف بڑھ گیا۔ شمشیر طنزیہ انداز میں مسکرایا تھا۔

"ہیلو شمشیر صاحب آپ یہاں۔ بڑی خوشی ہوئی آپ کو دیکھ کر۔"

"خوب! تو گویا تم لوگ ابھی تک اس خاندان سے منسلک ہو؟"

"ہاں! ہم اس قدر بے مروت نہیں ہیں، جیسے آپ۔ گئے تو پلٹ کر خبر نہ لی۔ آیئے نواب صاحب آپ کو یاد کر رہے ہیں۔" میں نے شمشیر کا غرور پی کر کہا۔

شمشیر کی ساتھی خاتون دلچسپی سے میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ میں نے ان کی طرف دیکھا تو شمشیر نے گردن اکڑا کر کہا "یہ مسز شمشیر ہیں۔"

"اوہ! بھابی آداب۔" میں نے خوش اخلاقی سے کہا۔

"آداب!" خاتون کی آواز بے حد شیریں تھی۔

"آیئے بیگم۔ نواب جلال الدین سے ملیں۔ غائبانہ آپ کا تعارف ہے؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ وہ خوب صورت خواتین انہی کے ساتھ ہیں نا؟" خاتون اٹھتی ہوئی بولیں اور نواب شمشیر الدولہ اپنی بیگم کے ساتھ نواب صاحب کے پاس پہنچ گئے۔

نواب صاحب اور دوسرے لوگوں نے بڑے تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا۔ شمشیر کی بیوی بلاشبہ خوش اخلاق عورت تھی۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ سب ہی کو بھلی لگی۔

"بڑے عرصے کے بعد نیاز حاصل ہوئے۔" شمشیر الدولہ نے رسماً کہا۔

"ہاں میاں تم نے تعلقات ہی ختم کر لیے۔ آؤ بیٹھو۔" نواب جلال الدین نے شمشیر کے لیے بھی جگہ بنا دی اور شمشیر بیٹھ گیا۔ اس کی بیوی کو لڑکیوں نے گھیر لیا تھا۔ سب ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرنے لگے۔

"اور سناؤ کیا مشاغل ہیں؟"



"بزنس کر رہا ہوں اور اس شہر کا کامیاب ترین تاجر ہوں۔" شمشیر اکڑ کر بولا۔

"ماشاءاللہ۔۔۔ ماشاءاللہ بڑی مسرت ہوئی۔"

"لندن کا بھوت اتر گیا؟" نواب صاحب بولے اور شمشیر تحقیر آمیز انداز میں ہنسنے لگا۔

"بہرحال بڑی خوشی ہوئی تمہیں دیکھ کر اور سناؤ، گھوڑے وغیرہ بھی رکھے ہوئے ہیں کیا؟"

"جی ہاں۔ بڑی ریس میں میرا بلنڈر دوڑ رہا ہے۔"

"بلنڈر! بہت خوب۔ بڑا خوفناک گھوڑا ہوگا؟"

"جی ہاں۔ وہ سیاہ گھوڑا آپ نے دیکھا ہوگا جس کے سینے پر سفید نشان ہے؟"

"بھئی واہ بھئی واہ۔ شاندار گھوڑا ہے۔ کتنے گھوڑے ہیں آج کل؟"

"چار۔ لیکن میں نے صرف بڑی ریس میں حصہ لیا ہے۔" شمشیر الدولہ نے جواب دیا اور پھر طنزیہ انداز میں بولا "بک میں آپ کا نام بھی نظر آیا تھا؟"

"ہاں بھئی، لیکن کوئی خاص پروگرام نہیں تھا۔ البتہ شہزادہ عادل نے ایک گھوڑا تیار کیا ہے جو تمہارے بلنڈر سے مقابلہ کرے گا۔"

"کون سا؟" شمشیر الدولہ چونک کر بولا۔

"عظیم المرتبت!" نواب صاحب نے کہا اور ہنس پڑے۔

"وہ! وہ رنگین گھوڑا؟" شمشیر نے کہا۔

"ہاں۔"

"لیکن قبلہ گستاخی معاف، کیا آپ جیسے سنجیدہ لوگوں کو یہ مذاق زیب دیتا ہے؟ یہ گھوڑا تو کسی تانگے سے اکھاڑا ہوا لگتا ہے۔ تمام لوگ ہنس رہے ہیں۔"

"بھئی دم تو ہے اکھاڑے کا نواب شمشیر الدولہ!" طاؤت نے کہا اور شمشیر زہریلی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تب پھر ہو جائے ایک شرط؟ میں شہزادہ عادل!" میں نے کہا۔

"ضرور۔ ضرور۔" طاؤت جلدی سے بولا۔

"اگر بلنڈر اس ریس میں ہار جائے تو میں اسے گولی مار دوں گا اور آپ سے تو میں یہ بھی نہیں کہوں گا کہ اس گھوڑے کو ہلاک کر دیں۔ اس سے فرق بھی کیا پڑے گا۔ ہاں، یہ ضرور کریں کہ اس کے بعد آپ ریس نہیں کھیلیں گے۔"

"منظور!" طاؤت نے جواب دیا۔

"ارے بھئی یہ کیا گفتگو شروع ہو گئی۔ شرط ورط نہیں ہوگی۔ شمشیر پلیز۔ اتنے اچھے لوگوں سے ملاقات ہوئی ہے، کچھ اچھی گفتگو کریں۔" شمشیر کی بیوی نے درمیان میں مداخلت کی "گھوڑے دوڑے جائیں جہنم میں۔" اور شمشیر طنزیہ انداز میں مسکرانے لگا۔

"آپ نے مجھے اب تک افشاں سے کیوں نہیں ملایا تھا؟"

"اوہ۔ بس کاروباری مصروفیات۔" شمشیر کسی قدر رام ہو گیا تھا۔

"بڑے اچھے لوگ ہیں یہ اور انہیں تو دیکھو یہ افشاں اور شکیلہ جڑواں بہنیں نہیں معلوم ہوتیں؟ کتنی عجیب بات ہے، یہ دو ہم شکل لڑکیاں اور دو ہم شکل صاحب زادے۔ سر مو فرق نہیں ہے ان میں۔"

"پانچواں ہم شکل گھوڑا نہیں دیکھا آپ نے؟" شمشیر نے جانے کس طرح یہ خوب صورت جملہ کہہ دیا، جو بہرحال بدتمیزی تھی لیکن اس کی برجستگی نے ماحول خراب نہ ہونے دیا۔

"ہاں کیسی حیرت کی بات ہے، اگر شمشیر کو ایسے ہی رنگوں میں رنگ دیا جائے تو لوگ سوچنے لگیں کہ شاید یہ بھی ریس میں دوڑیں گے۔" طاؤت نے جواب دیا۔

"اچھا بھئی یہ گفتگو ختم۔ دیکھو پہلی ریس تیار ہے۔" اور گفتگو واقعی ختم ہو گئی۔ ریس چھوٹی اور شمشیر الدولہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگا۔ ریس کے خاتمے پر وہ خوشی سے ناچنے لگا تھا۔

"میں نے ستارہ پر داؤ لگایا تھا، اسی ہزار جیتا۔" وہ چیخا اور نواب صاحب اور دوسرے لوگ ہنسنے لگے لیکن شمشیر جیتنے پر بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

اس کی بیوی لڑکیوں سے گفتگو کر رہی تھی۔ کافی خوش اخلاق معلوم ہوتی تھی اور سب سے گھل مل گئی تھی۔ ہم لوگوں سے بھی وہ کبھی کبھی گفتگو کر لیتی تھی۔ دوسری، تیسری اور چوتھی ریس بھی ختم ہو گئی۔ شمشیر کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں تھا، کیونکہ اس نے چاروں ریسیں جیتی تھیں اور مجموعی طور پر اب تک تقریباً پانچ لاکھ روپے جیت لیے تھے اس لیے اس کا موڈ بہت ہی خوشگوار تھا اور اب پانچویں ریس کے انتظامات ہو رہے تھے، جس میں شمشیر اور طاؤت کا گھوڑا دوڑنے والا تھا۔ سب لوگ ریس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ گھوڑے اسٹارٹنگ پوائنٹ پر پہنچ گئے۔ طاؤت نے واقعی بڑا مسخرہ پن کیا تھا۔ گھوڑے کے رنگوں کو



Uploaded By Muhammad Nadeem

بری طرح چھوڑ رہے تھے اور وہ شاندار گھوڑوں کے درمیان بے حد عجیب لگ رہا تھا لیکن میں اس خوفناک گھوڑے سے اچھی طرح واقف تھا کیونکہ ایک تو اس پر طالوت کا سایہ تھا اور پھر طالوت ہی کی نسل کا پراسرار راسم اس پر سواری کر رہا تھا۔ گویا دو آتشہ۔

فائر ہوا اور ریس چھوٹ گئی۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ایک چھوٹا سا رنگین تیر اس طرح نکلا جیسے بندوق سے گولی نکلتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی کتنی ٹانگیں ہیں۔ اس وقت جب گھوڑے پہلے راؤنڈ پر تھے وہ دوسرا موڑ کراس کر رہا تھا اور جب گھوڑے دوسرے موڑ پر پہنچے تو عظیم الرتبت وننگ پوسٹ کے نزدیک تھے اور ریس کورس میں ایسی خاموشی ایک تاریخی حیثیت رکھتی تھی۔ کچھ نعرے بھی تو لگے ضرور تھے لیکن چاروں طرف کی خاموشی حیرت ناک تھی اور حیرت کی بات ہی تھی گھوڑے نے اس طرح یہ ریس جیتی تھی کہ عقل تسلیم نہیں کرتی تھی۔ اس کی رفتار کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔

نواب جلال الدین اور دوسرے لوگوں کے منہ حیرت سے کھلے ہوئے تھے۔ کبھی وہ طالوت کی طرف دیکھ رہے تھے اور کبھی گھوڑے کی طرف' جسے بے شمار لوگوں نے گھیر لیا تھا اور اسے حیرت سے چاروں طرف سے ٹٹول رہے تھے جیسے اس کے کل پرزے تلاش کر رہے ہوں۔

"وہی ہو گیا جو شہزادہ عادل نے کہا تھا۔" بالآخر نواب جلال الدین نے کہا۔ شمشیر الدولہ پریشانی سے لٹکا ہوا گیا۔ اس کا گھوڑا آٹھویں نمبر پر آیا تھا۔

"بہرحال میں شہزادہ عادل کو مبارکباد دیتا ہوں۔"

"میں اس گھوڑے کا میڈیکل چیک اپ کراؤں گا۔ میں اسے چیلنج کروں گا۔" شمشیر الدولہ نے غراتے ہوئے کہا۔

"ارے ارے آپ کو کیا ہوا؟!"

"اور تم نہیں سمجھتیں بیگم یہ لوگ..... اٹھو!" شمشیر نے اپنی بیوی سے کہا۔

"یہ تو بڑی بد اخلاقی ہے شمشیر' سنو تو۔" اس کی بیوی نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن شمشیر الدولہ نہیں رکا۔

"تم بیٹھنا چاہتی ہو بیٹھو۔" اس نے کہا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

"میں آپ لوگوں سے معذرت چاہتی ہوں۔ نہ جانے شمشیر کو کیا ہو گیا ہے۔ سوری میں انکل۔ میں آپ کی خدمت میں پھر حاضر ہو جاؤں گی۔" شریف عورت بے حد خجل نظر آ رہی تھی۔ سب کو رنج ہوا۔ بہرحال طالوت کے گھوڑے کے جیت جانے سے سب حیران تھے لیکن طالوت سنجیدہ تھا۔

"بھئی بڑی ہلچل مچ گئی ہے۔ اب لوگوں کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے اخباری رپورٹر تمہارے پاس ضرور آئیں گے۔" تنویر صاحب ہجوم کی حالت دیکھ کر بولے۔ گھوڑے کی دھڑا دھڑ تصویریں بنائی جا رہی تھیں اور لوگوں نے تنویر صاحب کے منیجر کو گھیر لیا تھا۔

"آپ نے مجھ سے کہا؟" طالوت بولا۔

"ہاں' دیکھو۔ میرا خیال ہے منیجر بے وقوف ہماری طرف اشارہ کر رہا ہے۔" تنویر صاحب گھبرا کر بولے۔

"لیکن اس گھوڑے سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟!"

"یہ گھوڑا تو سائیس کا ہے میں تو بس آپ کو اس کی شخصیت سے آگاہ کرنا چاہتا تھا' آپ نے۔" طالوت نے کہا۔ کسی کی سمجھ میں اس کی بات نہیں آئی تھی۔ بہرحال لوگوں کے ڈر سے ہم وہاں سے ہٹ گئے لیکن تھوڑی دیر بعد کی ریس کی تیاریاں ہونے لگی تھیں۔ اس لیے لوگ اس حیرت انگیز گھوڑے کے مالکان سے ملنے نہیں آئے اور اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔

ہم نے بھی گھر کا رخ کیا لیکن راستے میں اس حیرت انگیز واقعے پر تبصرہ ہوتا رہا تھا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گھوڑا کیسے جیت گیا۔ میں جانتا تھا یا شکیلہ۔ اور بس! تنویر صاحب تو اس قدر حیران ہوئے تھے کہ انہوں نے منیجر کو فون کیا کہ گھوڑے کو کوٹھی لے آئے۔

"آخر تم نے اسے ریس میں دوڑنے کے قابل کیسے بنایا؟" تنویر صاحب نے پوچھا۔

"قابل تو وہ خود تھا۔ بس میں نے ذرا اس کی غذا وغیرہ کا خیال کیا تھا اور تھوڑی سی سرگشت کرا دیتا تھا۔"

"لیکن اس کی جسامت تو وہی تھی۔ خاصا لاغر نظر آ رہا تھا۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں نے اسے مضبوط کرنے والی غذائیں دی تھیں۔"

"بھئی سچی بات ہے' نہ جانے کیوں' کبھی کبھی تم دونوں مجھے بے حد پراسرار معلوم ہوتے ہو۔ تمہارے واقعات اس قدر حیرت انگیز ہوتے ہیں کہ عقل انہیں تسلیم نہیں کرتی۔"

"حالانکہ ان کا عقل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔" گھوڑا کوٹھی پر آ گیا اور عورتیں تک اس عجوبے کو دیکھنے گئیں' جس میں بظاہر کوئی خاص بات نہیں تھی صرف اس کی دوڑ حیرت انگیز تھی ورنہ شکل پر اب بھی پھٹکار برس رہی تھی۔



... نے اسے دیکھتے ہوئے گردن ہلائی۔

"خدا کی قسم! مجھے اس میں کوئی بات نظر نہیں آئی۔"

"نگاہ نگاہ کی بات ہے۔ بہرحال اب اسے سائیس کو واپس کر دیا جائے۔"

"کیوں؟ اب تو یہ تمہاری ملکیت ہے۔"

"میں اس کا کیا کروں گا۔ بس مجھے تو آپ لوگوں پر ثابت کرنا تھا کہ یہ واقعی اعلیٰ نسل کا گھوڑا ہے۔" طالوت نے کہا اور تنویر صاحب اس پر بھی حیرت کرنے لگے کیونکہ بہرحال تیس ہزار معمولی رقم نہیں ہوتی۔ اس ریس کی آمدنی کے بارے میں بھی طالوت نے صاف کہہ دیا تھا کہ یا تو اسے سائیس کو دے دیا جائے یا پھر کسی اور کام میں لگا دیا جائے۔

"بیٹے آدمی' خاصی معقول رقم ہو گی۔" تنویر صاحب بولے۔

"والد صاحب کو معلوم ہو جائے کہ اب میں جوئے کی رقمیں استعمال کرنے لگا ہوں تو عاق کر دیں گے۔" طالوت نے جواب دیا اور تنویر صاحب خاموش ہو گئے۔ بہرحال بمشکل تمام یہ موضوع ختم ہو سکا۔ گھوڑے کو واپس اصطبل بھجوا دیا گیا۔ رات کو مجھے اور طالوت کو فرصت ملی تو میں نے طالوت کو اس کے باتھوں لیا۔

"ایسا لگتا ہے جیسے اب تم دنیا کو اپنے بارے میں بتا دینا چاہتے ہو؟" میں نے کہا۔

"کیوں؟"

"تمہاری حرکتیں اب کھلی ہوتی ہیں۔ تنویر صاحب کے حوالے دیتے بھی تمہاری طرف سے مشکوک تھے۔ وہ پانی کی ٹنکیاں' افشاں کے ساتھ تفریح اور اب یہ مرحلہ حیرت کا رہتا ہے۔ جبکہ اب یہ گھوڑا زندگی بھر کسی ریس میں نہیں دوڑے گا۔"

"بھئی کبھی کبھی تفریح کو دل چاہتا ہے اور پھر میں کسی سے کیوں ڈروں' اپنے منہ سے تو نہیں بتاؤں گا۔ دنیا والے اگر یہ سوچتے ہیں تو سوچتے رہیں۔"

"تمہارے لیے ٹھیک ہے لیکن لوگ مجھ سے بھی وہی چیزیں طلب کریں گے۔"

"اوہ! ہاں' اس انداز میں' میں نے نہیں سوچا تھا' آئندہ خیال رکھوں گا۔" طالوت نے جواب دیا اور پھر دلچسپی سے بولا "خیر ان باتوں کو چھوڑو۔ آج نواب زادہ شمشیر الدولہ سے مل کر دلی مسرت ہوئی ہے۔ ہائے کیا چاند سا ٹکڑا نکل آیا ہے۔ اب کیا تمہیں اس سے محبت نہیں محسوس ہوئی؟"

اور میں ہنس پڑا۔

"یہ کیسے ممکن ہے اپنا شمشیر اسی شہر میں ہو اور ہم اس سے ملاقات نہ کریں' بلکہ کرتے رہیں۔"

"اب اس کی زندگی بدل گئی ہے طالوت۔"

"لیکن عادت نہیں بدلی میرے یار کی۔"

"اس کی بیوی تو خاصی سلیقے کی عورت معلوم ہوتی تھی؟"

"ستیں غریب بھی تو سلیقے کی تھی۔ وہ بدنصیب بھی کسی چکر میں ہی پھنسی ہو گی۔"

"ہاں۔ یہ ممکن ہے۔"

"بہرحال مجھے اس کے حالات سے کافی دلچسپی ہے۔" طالوت نے کہا۔

"لیکن اس کا پتہ وغیرہ تو معلوم ہی نہیں ہو سکا۔"

"یہ کون سی بڑی بات ہے۔ اپنا جیکی کس دن کام آئے گا۔"

"ارے ہاں۔ یہ راسم کو تم نے جیکی خوب بنایا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہائے اپنے عظیم الرتبت کی ٹانگوں میں تو جان ہی نہیں تھی۔ راسم اگر ان کی مشین نہ بنتا تو وہ تو اب چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو چکے ہوتے۔" طالوت نے کراہتے ہوئے کہا اور میرے حلق سے قہقہہ ابل پڑا۔

"سچ کہہ رہا ہوں عارف! وہ گھوڑا اب دو چار دن سے زیادہ کا مہمان نہیں ہے اور بہرحال اس کا مر جانا ہی بہتر ہے۔ اس طرح اس کا شاندار کارنامہ تو زندہ رہے گا۔ وہ خود زندہ رہا تو اس کے کارنامے پر پانی پھر جائے گا۔"

"یار۔ تم سے بڑا بدمعاش روئے زمین پر نہیں ہو گا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ممکن ہے۔ ویسے میرے قبیلے میں بہت سے مل جائیں گے۔ ہاں یار۔ چاند رو بیٹی کی رات آ رہی ہے۔"

"میں بھی سوچ رہا تھا۔"

"کیا پروگرام رہے گا؟"

"پروگرام بنا لو۔"

"بس پروگرام کیا بنانا ہے۔ دو دن کی تو بات ہی ہے لیکن ہم یہاں کسی سے نہیں کہیں گے کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"اگر اپنی ریاست جانے کی بات کی تو ممکن ہے کوئی پرخلوص انسان میرے والد صاحب سے ملاقات کی خواہش ہی کر ڈالے۔"

"ہاں۔ یہ تو ٹھیک ہے۔"



Uploaded by Muhammad Nadeem

"بہرحال کوئی بہانہ کردیں گے۔"

"ہاں۔ وہ مشکل بات نہیں ہے لیکن شکیلہ؟"

"اس سے میں کہہ دوں گا۔"

"ساتھ نہیں لے جاؤ گے؟"

"ارے نہیں۔ ابھی نہیں۔ مرواؤ گے کیا۔ ویسے اس بارے میں والدہ محترمہ سے گفتگو ضرور کروں گا۔"

"مناسب!"

"خیر، اب کل کا پروگرام سوچو۔"

"کوئی خاص پروگرام؟"

"یار۔ اپنے جگری دوست کو بار بار کیوں بھول جاتے ہو۔ کیا شمشیر الدولہ کی حسین صورت نگاہوں سے اوجھل ہوسکتی ہے؟"

"اچھا۔ ہاں تو گویا تم اس کے پیچھے پڑ ہی گئے۔"

"ہاں۔ وہ چیز ہی ایسی ہے۔ ویسے میں اس کے بارے میں تفصیل معلوم کرتا ہوں۔" طالوت نے کہا اور پھر اس نے راسم سے شمشیر الدولہ کا کچا چٹھا بیان کروایا۔

"یہاں کے ایک معروف بازار میں اس کی قالینوں کی بہت بڑی فرم ہے اور شہر کے ایک خوب صورت علاقے میں اس کی کوٹھی ہے جہاں وہ اپنی بیوی کے ساتھ رہتا ہے۔"

"ہوں۔" طالوت گہرے خیال میں ڈوب گیا۔ اس نے راسم کو واپسی کا اشارہ کردیا تھا۔ کافی دیر تک خاموش رہنے کے بعد وہ بولا "ہم اس کی فرم ضرور دیکھیں گے اور مارف! کیا تمہیں کسی کاروبار سے دلچسپی نہیں ہے؟"

"کیوں نہیں لیکن تمہارا مطلب کیا ہے؟"

"یار۔ شمشیر الدولہ کی فرم کے سامنے اگر ہمارا شوروم نہ ہو تو پھر بات ہی کیا ہے۔"

"او! طالوت کسی کی روزی پر۔۔"

"یار بس تفریح۔۔۔ وہ چمک جائے۔ ہمیں کون سا کاروبار کرنا ہے۔" میں خاموش ہوگیا۔ طالوت جیسے بدمعاش کو کون روک سکتا تھا۔

دوسرے دن ناشتے کے بعد وہ اجازت لے کر نکل گیا۔ آج وہ شکیلہ کو بھی ساتھ نہیں لے گیا تھا۔ پھر شام ہی کو واپس آگیا۔ اس نے دن بھر کی مصروفیات کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہاں شام کی چائے پر اس نے معمولی انداز میں تذکرہ کیا جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کچھ کارروائی کرکے آیا ہے۔ یہ تذکرہ اس نے تنویر صاحب سے گفتگو کرتے ہوئے کیا تھا۔

"آپ کا شہر بے حد خوب صورت ہے تنویر صاحب! میں نے والد صاحب سے اجازت منگوائی تھی کہ کیوں نہ یہاں کوئی کاروبار کیا جائے۔"

"اوہو۔ عمدہ خیال ہے پھر کیا اجازت مل گئی؟"

"ہاں۔ انہوں نے ہمیں مختار کردیا ہے۔ دراصل ہم تو ہمیشہ کے آوارہ گرد ہیں۔ حکومت کے کام سب سے بڑے بھائی نے سنبھال رکھے ہیں اس لیے ہمیں کھلی آزادی ہے۔ بلکہ صائم بھائی نے تو اسی شہر میں رہنے کی اجازت بھی لے لی ہے۔"

"بہت خوب بھئی۔ بڑی دلی مسرت ہوئی یہ سن کر۔" تنویر صاحب کے علاوہ نواب جلال الدین نے بھی خوشی کا اظہار کیا "اس طرح تم لوگ ہماری نگاہوں کے سامنے رہو گے۔ اوجھل ہونے کا خوف تو نہیں رہے گا۔"

"تو پھر آپ لوگوں کی اجازت ہے؟"

"اجازت کا کیا سوال ہے۔ اس سے زیادہ مسرت کی بات کیا ہوگی لیکن کیا کاروبار کا ارادہ کرلیا ہے؟"

"ہاں۔"

"بہت خوب! کیا؟"

"غیر ممالک سے قالینوں کی تجارت عمدہ رہتی ہے۔"

"اوہ! کسی سے مشورہ کیا ہے؟"

"ہاں! آج بھی اسی سلسلے میں گیا تھا۔"

"بہت عمدہ! اچھی بڑے عملی انسان ہو۔ پھر کیا رہی؟"

"یہاں کے ایک خوب صورت علاقے میں میں نے آج ایک بلڈنگ کا سودا کیا ہے۔ نہایت حسین بلڈنگ ہے۔ ابھی تعمیر ہوئی ہے۔"

"پوری بلڈنگ خرید لی ہے؟" تنویر صاحب حیرت سے بولے۔

"ہاں۔ میرا شوروم ہمارے شایان شان ہوگا۔" طالوت نے کہا اور میں نے گہری سانس لی۔

"کیا وہ بلڈنگ برائے فروخت تھی؟"

"جی نہیں۔ لیکن میں نے اس کے مالک کو اتنی رقم کی پیشکش کی کہ وہ بدحواس ہوگیا۔ اس نے فوراً ہی ان لوگوں سے رابطہ قائم کیا جو اس میں تھے اور انہیں اتنی دولت کی پیشکش کی کہ تقریباً سبھی تیار ہوگئے۔ اتنی دولت وہ کاروبار میں محنت کرکے دس سال تک بھی نہیں کما سکتے تھے۔"

"ابھی وہ کہاں ہے؟ ہمیں بھی تو اس کے بارے میں بتاؤ۔" نواب جلال الدین نے کہا۔

"صرف چند روز انتظار کریں۔ میں اس کی اصل شکل آپ کے سامنے پیش کردوں گا۔" طالوت نے جواب دیا اور



لوگ خاموش ہوگئے لیکن میرے تو پیٹ میں ہانڈی پک رہی تھی، چنانچہ ذرا سی تنہائی ملتے ہی میں نے اسے پکڑ لیا۔

"اور یہ عمارت یقیناً شمشیر الدولہ کی فرم کے سامنے والی ہوگی؟"

"یقیناً!"

"اور تم نے اس کے مالک کو اتنی ہی رقم کی پیشکش کی ہوگی کہ وہ بادل نخواستہ تیار ہوگیا؟"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"بہرحال، تمہیں کوئی کیا کرسکتا ہے۔ اب کیا پروگرام ہے؟"

"کچھ دوسرے انتظامات میں نے راسم کے سپرد کردیے ہیں۔ وہ کام کررہا ہے۔" طالوت نے جواب دیا اور میں سمجھ گیا کہ طالوت یقیناً بہت لمبا چکر چلا رہا ہے اور شمشیر الدولہ کی شامت ہی آگئی ہے۔

بہرحال شب و روز گزرتے رہے۔ طالوت بے حد مصروف تھا۔ شکیلہ بھی اس کے ساتھ ہوتی کبھی نہ ہوتی۔ رہ گئی بی افشاں تو ان دنوں انہوں نے ایک خوفناک کھیل شروع کر رکھا تھا جس میں کسی حد تک بوکھلا گیا تھا۔ لیکن مجھ سے بے پناہ لگاوٹ کا اظہار اور اس انداز میں کہ دوسروں کی نگاہوں میں نہ آجائے۔ میں اس چالاک لڑکی کا مقصد سمجھ گیا تھا۔

بالآخر طالوت کے گھر جانے کا دن آگیا۔ اس نے ننھے دلائل دیے … اس کی غیر موجودگی سب ہی محسوس کررہے تھے … بات بنا رہی تھی۔ ہاں، دوسری رات کچھ دلچسپ … افشاں نے باغ میں محفل لگائی تھی۔ سب شریک … یہاں تک کہ بزرگ بھی، اور افشاں نے ان کی موجودگی میں ہی خاطر مدارات کی کثرت اٹھا رکھی۔ اس رات تو وہ [illegible] ہوئی کہ بہت سی نگاہیں ان پر اٹھ گئیں۔

اور جب رات گئے محفل ختم ہوئی اور سب رخصت ہوگئے تو میں بھی اپنے کمرے میں آگیا لیکن ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی اور نیند بھی نہیں آئی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی اور میں چونک پڑا۔ میرے ذہن میں الجھن سی پیدا ہوگئی اگر یہ افشاں ہے تو اس وقت اس نے اگر ایسا نہیں کیا۔ میں نے لوگوں کی نگاہیں دیکھی تھیں۔ اگر اسے یہاں دیکھا گیا تو یہ ٹھیک نہ ہوگا۔

بہرحال میں نے دروازہ کھول دیا۔ ثمین اور احسان کو دیکھ کر میں نے سکون کی سانس لی۔ ثمین مسکرا رہی تھی اور احسان کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔

"صائم بھائی! آپ سو تو نہیں گئے تھے؟"

"نہیں!"

"حالانکہ خاصی رات ہوچکی ہے۔"

"ہاں، نیند نہیں آئی۔"

"خدا کا شکر ہے۔" احسان نے شرارت سے کہا۔

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"گویا یہاں بھی نیندیں اڑی ہوئی ہیں۔" احسان مسکراتا ہوا بولا۔

"خوب! گویا کسی شرارت کا پروگرام بنا کر آئے ہیں آپ حضرات۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"توبہ توبہ! اس گستاخی کی جرات ہوسکتی ہے صائم بھائی۔" ثمین نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"پھر کیسے تشریف آوری؟" میں نے پوچھا۔

"ایک خاص مسئلے پر گفتگو کرنے حاضر ہوئے ہیں اور اس تصور کے ساتھ کہ آپ ہمارے کوئی ہیں اور آپ پر حق رکھتے ہیں۔"

"اوہو۔ تو کوئی جذباتی مسئلہ ہے؟"

"ہاں۔ یونہی سمجھ لیں۔"

"مسئلہ پیش کیا جائے۔"

"پہلے کہیں کہ خدا کی قسم جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا۔" ثمین شرارت سے بولی۔

"میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

"آپ کو ثمین کی قسم صائم بھائی! جھوٹ نہ بولیں۔"

"ارے ارے احسان! کیا ہوگیا ہے اسے؟" میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"ماشاءاللہ خاصی ذہین ہوگئی ہیں بھائی جان۔"

"اچھا ذہین صاحبہ! اب آپ فرمادیں کیا سلسلہ ہے؟"

"یہ افشاں بیگم کس موڈ میں ہیں آج کل؟" ثمین نے کہا۔

"اوہو۔ آپ ان کے موڈ کے بارے میں پوچھنے آئی ہیں؟"

"جی۔"

"لیکن آپ سے کس نے کہا کہ میں ان کا پرائیویٹ سیکریٹری ہوں؟"

"سیکریٹری نہ ہوں بھائی جان لیکن پرائیویٹ ضرور ہیں۔" ثمین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ثمین!"

Uploaded By Muhammad Nadeem

"خدا کی قسم بھائی جان۔ سیمیں ہی نہیں، سب نے یہ بات محسوس کی ہے۔ نہ جانے افشاں کو کیا ہو گیا ہے۔ حالانکہ خاصی سنجیدہ لڑکی ہے۔"

"یہ بات آپ نے افشاں سے کیوں نہیں پوچھی؟"

"اس سے بھی پوچھیں گے۔"

"جو کچھ معلوم ہو مجھے بھی بتا دینا اور اب میرے کان نہ کھاؤ۔" میں نے کہا۔

"میری قسم پر بھی نہیں بتائیں گے بھائی جان۔" سیمیں نے کہا۔

"سیمیں! فضول باتوں سے پرہیز کرو۔" میں نے خشک لہجے میں کہا اور اچانک سیمیں کا چہرہ اتر گیا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور پھر اس نے بے بسی سے احسان کی طرف دیکھا۔ احسان پریشان سا ہو گیا تھا۔

"بھائی جان کی نیند خراب کر دی ہے تم نے سیمیں۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا یہ سونے کا وقت ہے، پھر کبھی سہی۔ آؤ۔ بھائی جان کو سونے دیں۔" احسان نے سیمیں کا بازو پکڑا اور پھر وہ دونوں مڑ گئے "واقعی' حماقت ہوئی صائم بھائی۔ ہم دونوں معافی چاہتے ہیں۔" احسان نے مڑ کر کہا اور پھر وہ سیمیں کا بازو پکڑ کر کھینچتا ہوا دروازے کی طرف مڑ گیا۔

مجھے ایک دم اپنے خشک لہجے کا احساس ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی میرے دل پر ایک گھونسا سا پڑا۔ ان دونوں کو غلط فہمی ہو گئی اور اب یہ شرمندگی سے واپس جا رہے تھے۔

میں تیزی سے آگے بڑھا اور چھلانگ لگا کر دروازے پر پہنچ گیا۔ میں نے ان دونوں کا راستہ روک لیا تھا "کہاں جا رہے ہو تم دونوں؟"

سیمیں کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ احسان نے بے قراری سے اس کے رخسار صاف کر دیے تھے۔ اس سے اس کی بے پناہ محبت کا احساس ہوتا تھا اور پھر اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ ہونٹ ہلے لیکن آواز نہیں نکلی۔

"چلو۔ واپس بیٹھو۔" میں نے پھر اسی طرح ڈپٹ کر کہا اور احسان کے ہونٹوں پر پھیکی سی ہنسی آ گئی۔ اس نے بے بسی سے سیمیں کی طرف دیکھا۔

"بس ہم نہیں بیٹھیں گے۔ آؤ چلو۔ ہم نہیں بیٹھیں گے۔ ٹھیک تو ہے۔ ہم ہیں کون۔ ہمارا رشتہ ہی کیا ہے۔ صرف زبان سے۔ زبان سے... بہن یا بھائی کہہ دینے سے خون تو نہیں مل جاتے۔" وہ ہچکیاں لے کر رونے لگی اور جذبات سے میرا سینہ پھٹنے لگا۔

اس دیوانی کو کیا معلوم تھا کہ مجھے نہ بہن کی محبت ملی تھی نہ بھائی کا پیار' نہ ماں کی ممتا ملی تھی نہ باپ کی شفقت۔ یہ محبت تو میرے لیے انمول تھی۔ میں جذبات سے اندھا ہو کر آگے بڑھا اور میں نے سیمیں کو بازوؤں کے حلقے میں لے لیا اور پھر میں نے اس کی پیشانی پر' آنکھوں پر' رخساروں پر' گردن پر' بالوں پر' بازوؤں پر اتنے پیار کیے' اتنے پیار کیے کہ سیمیں بوکھلا کر رونا بھول گئی۔ وہ ششدر رہ گئی تھی۔ احسان بھی بھونچکا ہو کر مجھے دیکھ رہا تھا اور میں سیمیں کو زور زور سے بھینچ رہا تھا۔ میرا پورا بدن لرز رہا تھا۔ نہ جانے کیسی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور میری آنکھوں سے آنسو ابلنے لگے تھے۔ سیمیں نے میرے بازوؤں سے نکلنے کی کوشش نہیں کی نہ ہی وہ کسمسائی اور میں اسے شدت جذبات میں چومتا رہا پھر میں نڈھال ہو گیا اور میں نے آہستہ سے سیمیں کو چھوڑ دیا۔

"بھائی جان۔ بھائی جان!" احسان نے رومال سے میرے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا "کیا ہو گیا آپ کو بھائی جان۔"

"صائم بھائی۔ صائم بھائی۔" سیمیں نے میری کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا۔

"مجھ سے غلطی ہو گئی تھی سیمیں لیکن میں نے تم سے اجنبیت نہیں برتی تھی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"ارے کوئی بات نہیں۔ خدا کی قسم! میرا دل صاف ہو گیا۔" سیمیں جلدی سے بولی۔

"مجھ سے میری اس کیفیت کے بارے میں کچھ مت پوچھنا احسان۔ میں تمہارا شکر گزار رہوں گا۔ صرف اتنا سمجھ لو کہ سیمیں کے خلوص نے' سیمیں کی اپنائیت نے مجھے۔ مجھے..." میں کوئی الفاظ نہ تلاش کر سکا۔

"جانے دیں بھائی جان' کوئی بات نہیں۔ آپ خواہ مخواہ سنجیدہ ہو گئے۔ بھئی سیمیں! اس وقت تو بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ ہم کیا سوچ کر آئے تھے کیا ہو گیا۔"

"بیٹھو تم لوگ۔ بیٹھ جاؤ!" میں نے کہا اور سیمیں اور احسان بیٹھ گئے۔ اب ان کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ سیمیں کی گردن جھکی ہوئی تھی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ مسکراہٹیں بکھیرنے والے بھی زندگی کے کسی دور میں اس قدر سنجیدہ ہو سکتے ہیں۔ خدا کی قسم میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔"

"آئی ایم سوری سیمیں۔ سوری احسان! میں نے تم لوگوں کو بھی کبیدہ کر دیا۔"

"صائم بھائی! خدا کے واسطے شرمندہ نہ کریں۔ ہم ہی کچھ غلط ہو گئے تھے۔"



"بات یہ ہے احسان۔ کہ میں تم لوگوں کو بہت چاہتا ہوں۔ ہم لوگ بھی مکمل نہیں ہیں۔ ہمیں بھی بہت سی چیزوں کی کمی محسوس ہوتی ہے اور ہمیں تم سے اپنائیت اور محبت ملی ہے۔ ہمارے لیے وہ بیکار شے نہیں ہے۔"

"بے شک بھائی جان ہم بھی خدا کی قسم آپ پر جان دیتے ہیں۔"

"مجھے احساس ہے۔" میں نے جواب دیا "اب بتاؤ' تم کس پروگرام سے آئے ہو؟"

"جانے دیں بھائی جان! سیمیں کی حماقت تھی۔" احسان نے کہا۔

"اور خود بے چین نہیں تھے؟" سیمیں بولی۔

"تھا تو سہی!" احسان نے اعتراف کیا۔

"پھر؟"

"مگر اب اس کی کیا گنجائش رہی؟" احسان نے کہا۔

"ہاں ماحول کچھ خراب ہو گیا۔" سیمیں نے میری شکل دیکھتے ہوئے کہا۔

"جانے دیں بھائی جان' اس موضوع پر پھر گفتگو کریں گے۔"

"تم لوگ یہاں سے نکل نہیں سکتے۔" میں نے غراتے ہوئے کہا اور دونوں ہنس پڑے۔

"لیکن ہمارے تو بہت سے پروگرام تھے؟" سیمیں بولی۔

"تو پھر اب کیا ہو گیا؟"

"بس ذرا فضا بدل گئی۔ وہ چیز باقی نہیں رہ گئی۔"

"سب کچھ وہی ہے۔ پچھلے کچھ منٹ ذہن سے خارج کر دو۔ جذبات میں حماقت کی باتیں ہو ہی جاتی ہیں۔"

"یہ بات مناسب بات ہے۔" احسان نے کہا۔

"لیکن ایک شرط ہے بھائی جان۔" سیمیں شرارت سے بولی۔

"چلو وہ بھی بتا دو۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

"وہ لمحات جو آپ نے ذہن سے نکال دیے ہیں اور ان میں سے کچھ کام کے بھی تھے۔ کیا آپ ہمیں ان کے استعمال کی اجازت دیں گے؟"

"بہت شریر ہو۔ اب جلدی سے بک دو کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"اللہ شافی اللہ کافی!" سیمیں نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا اور پھر کسی قدر پتلی آواز میں بولی "جناب قبلہ بھائی جان' یہ افشاں کا کیا سلسلہ ہے؟ احسان ذرا میرے سامنے آ جانا۔ میری آنکھیں بند ہیں' میں انہیں کھول نہیں سکتی۔ حملہ سخت ہو تو حقوق شوہریت استعمال کرنا۔ میرا مطلب ہے زخمی نہ ہو جاؤں۔"

میں ایک لمحے کے لیے بوکھلا گیا تھا لیکن پھر سنبھل گیا۔ افشاں نے اپنے رویے سے یہ راز دوسروں کی نگاہوں تک پہنچا دیا تھا۔ وہ خود ہی اس کی پردہ پوشی نہیں چاہتی تھی تو پھر میں کہاں تک اسے پوشیدہ رکھتا۔

"احسان! کیا پوزیشن ہے؟" سیمیں نے آنکھیں بند کیے کیے پوچھا۔

"نارمل!" احسان نے جواب دیا۔

"دشمن غیض و غضب میں تو نہیں ہے؟"

"نہیں۔ مسکرا رہا ہے۔"

"خدا کا شکر ہے۔" سیمیں نے آنکھیں کھولیں "کیا بندی کو اس گستاخی پر معاف کر دیا گیا ہے؟"

"آخر یہ بکواس کیا ہے؟"

"آپ کو سیمیں کی قسم بھائی جان' اپنی بہن سے کچھ نہ چھپائیں۔"

"اُفوہ! مگر مسئلہ کیا ہے؟ کیا ہو گیا اتنی رات گئے تم دونوں کو؟"

"ہمیں افشاں ہو گئی ہے۔" سیمیں بولی۔

"خطرناک مرض ہے' علاج کراؤ۔" میں نے کہا۔

"اسی لیے تو آپ کے پاس آئے ہیں۔"

"سیمیں کی بچی باز نہیں آؤ گی۔" میں نے مصنوعی طور پر آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

"ہرگز نہیں بھائی جان۔ ماری گئی تو شہادت کا درجہ ملے گا۔"

"احسان! یہ کیا بکواس کر رہی ہے؟" میں نے احتجاج کیا۔

"میں دخل نہیں دے سکتا بھائی جان۔"

"گویا تم بھی اس سازش میں شریک ہو؟"

"الحمد للہ!" احسان نے سر جھکا کر کہا۔

"میں مار بیٹھوں گا تم لوگوں کو۔"

"تو آئے کس لیے ہیں۔ لیکن جب آئے ہیں تو کچھ لے کے ہٹیں گے۔"

"انشاء اللہ!" احسان نے کہا اور دونوں کی اداکاری پر مجھے ہنسی آ گئی۔

"اچھا بھئی' چلو شکست تسلیم' اب عقل کی گفتگو کرو۔"

"افشاں۔ صرف افشاں! خواہ اس کا تعلق عقل سے ہو یا نہ ہو۔"




Uploaded By Muhammad Nadeem

"آخر کیا ہوا ہے افشاں کو؟"

"بھائی جان' وہ عقل کی باتیں نہیں کر رہی۔ براہ کرم اب سنجیدہ ہو جائیے۔" میں نے بھی سنجیدہ ہو کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"کیا آپ نے اس کے رویے کو محسوس نہیں کیا؟"

"کھل کر بتاؤ۔"

"آپ ناراض تو نہیں ہوں گے؟"

"نہیں ہوں گا۔"

"وہ آپ کی طرف بے پناہ ملتفت ہے۔ آپ کو خدا کی قسم' آپ بتائیے کیا آپ نے محسوس نہیں کیا؟"

"ہاں کیا ہے۔"

"وہ بچپن کر رہی ہے۔ تمام لوگ اسے غور سے دیکھنے لگے ہیں۔"

"ہاں شاید۔"

"لیکن بھائی جان' خدا کے واسطے یہ بتائیے کہ اس کا ہو گا کیا؟"

"تمہیں اسے مجھ سے پوچھ رہی ہو؟"

"ہاں۔ آپ بتا سکتے ہیں' صرف آپ!"

"وہ کس طرح؟"

"افشاں جرم کر رہی ہے' وہ حماقت کر رہی ہے۔ ایسا نہ ہو بھائی جان کہ وہ دنیا کی نگاہوں میں آجائے۔ اور اس کے بعد اسے رسوائی کے سوا کچھ نہ ملے۔"

"وہ کس طرح؟"

"اسے احساس ہو جانا چاہیے کہ... کہ وہ آپ کے قابل نہیں ہے۔"

"کیوں؟" میں نے کہا۔

"اس لیے کہ اس کی حیثیت آپ سے کہیں کمتر ہے۔ وہ آخر آپ کو کیسے اپنا سکتی ہے؟"

"تمہیں! تمہیں بولتے وقت عقل کچھ گھٹتی ہو۔ بولے جا رہی ہو کہ غور بھی کر رہی ہو۔" احسان نے درمیان میں دخل دیا۔

"کیا مطلب؟"

"ارے تم بھائی جان کے جواب بھی سن رہی ہو؟"

"ہاں سن رہی ہوں۔"

"خاک سن رہی ہو۔ بلکہ کانوں کے ساتھ دماغ بھی استعمال کرو۔ غور کرو۔ ابھی ابھی بھائی جان نے کیا کہا ہے؟" احسان مسرت سے سرخ ہوتے ہوئے بولا اور اس کی اس بوکھلاہٹ پر مجھے ہنسی آگئی۔

"آخر ہوا کیا احسان؟" تمہیں نے حیرت سے کہا۔

"تم نے کہا تھا' اسے احساس ہو جانا چاہیے کہ وہ بھائی جان کے قابل نہیں ہے' تو بھائی جان نے کیا سوال کیا تھا؟"

"ایں! اوہ۔ مجھے یاد نہیں۔"

"یہی تو کہہ رہا ہوں۔ کم بولا' زیادہ سوچو۔"

"ارے تو بتاؤ نا؟" تمہیں جھنجھلا کر بولی۔

"انہوں نے کہا تھا' کیوں؟"

"تو پھر؟"

"خدا کی پناہ! اس کیوں پر غور کرو تمہیں۔ اس کا مطلب ہے بھائی جان سوال کر رہے ہیں کہ آخر وہ میرے قابل کیوں نہیں ہے؟ گویا ہے۔" احسان نے کہا اور تمہیں اچھل پڑی۔

"ارے خدا کی قسم۔ ہاں خدا کی قسم' ٹھیک تو ہے بھیا! میں نے غور نہیں کیا۔ پیارے بھائی جان! آپ کو میری قسم بتا دیں۔ کیا آپ۔ کیا آپ تمہیں کو قبول نہیں کر سکتے؟"

"کیوں۔ کوئی خرابی ہے تمہیں؟"

"آپ میرے ارے نہیں۔ اف وہ۔ احسان۔ یہ۔ یہ کیا ہوا۔ ارے احسان' بھائی جان تیار ہیں۔" تمہیں مسرت سے چیختے ہوئے بولی اور احسان نے جلدی سے اس کا منہ دبا دیا۔

"چھوڑ دو احسان! چھوڑ دو۔ میں پاگل ہو جاؤں گی۔ بس چیخنے دو مجھے۔"

"بے حد افسوس ہو رہا ہے۔ میں نے اپنا راز تمہیں اس لیے بتایا ہے کہ سب کو بتا دو۔"

"للہ بھائی جان۔ ایک بار اور کہہ دیں' آپ افشاں کو اپنانے پر تیار ہو جائیں گے؟" تمہیں فرط مسرت سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔

"ہاں بھئی' میرے دوستی کے راز دار ہو۔

راز جب تک راز ہے جب تک کوئی محرم نہ ہو
کھل گیا جس دم تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں

چنانچہ اب سارے معاملات تمہارے سپرد' لیکن دیکھو۔ کوئی گڑبڑ نہ ہونے دینا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خدا کی قسم' جان لڑا دوں گی۔ سمجھا کیا ہے آپ نے۔ اپنے بھیا کے لیے جان دے دوں گی۔ میرے لیے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے اور پھر تو یہ آنکل کو ایسا داماد کہاں سے ملے گا۔ ایں!"

"بڑی بھولی ہو تمہیں! ارے یہ بڑا کٹھن ہے لیکن بہرحال ہوا رہے اور بہت سی ذمے داریاں آپڑی ہیں۔"

احسان نے بوڑھوں کے سے انداز میں کہا۔

"اچھا۔ اب اب بھاگو تم لوگ' مجھے سونے دو۔" میں نے کہا اور دونوں قہقہے لگاتے رہے۔

احسان اور تمہیں خوش خوش واپس چلے گئے لیکن میری نیند اڑ گئی تھی۔ نشت برادرز کا ایک کلرک' ایک معمولی سا انسان' اتنی بڑی خوشی سے دو چار ہونے جا رہا تھا۔ کیسی انوکھی بات تھی میرے لیے' طالوت کے ساتھ ایک طویل عرصہ گزرا تھا' ایک انوکھی زندگی گزری تھی لیکن یہ حقیقت تھی۔ میں نے اس پوری زندگی کو الف لیلہ کی ایک رات سمجھا تھا' جس کی صبح ہو گئی۔ آنکھ ضرور کھلی اور آنکھ کھلنے کے بعد میں تلاش ابوالحسن کے علاوہ کچھ نہیں ہوں گا۔

لیکن میں تو ابوالحسن کی مانند بھی نہ ہوں گا۔ وہ دیوانہ تو آزادی سے سڑکوں پر پھرتا تھا۔ میرے لیے تو تخت گردن زنی کے علاوہ کچھ نہیں تھا' جو میری گردن کو لمبا کر دے گی۔ زبان اور آنکھیں باہر نکل آئیں گی۔ ہاں الف لیلہ کی اس حسین رات کے حسین واقعات کے بعد میری آنکھ کھلے گی تو ہوش کے لیے بند ہونے کے لیے اور یہ خوفناک تصور میں نے ذہن کے آخری گوشوں میں نہاں رکھا تھا۔ یہ تصور جس دم ابھرتا میرے پورے بدن کے مسامات پسینہ اگل دیتے۔

میں تو کسی سے کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ اپنے اس خوف کو کسی کے سامنے بیان بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بیان کرنے کے لیے تھا کون' سوائے طالوت کے اور طالوت ان باتوں کو سن کر ناراض ہو جاتا تھا۔ اسے یہ سب ادھوری پسند نہیں تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ جب مجھ سے جدا ہو گا تو دنیا میں... پھولوں کے بستر کے علاوہ کچھ نہ ہو گی۔ سچی بات ہے' مجھے یقین نہیں تھا۔ طالوت کی قوتیں مسلم تھیں لیکن میری دنیا اس کی دنیا سے مختلف تھی۔ وہ سب کچھ مشکل تھا جو طالوت سوچ رہا تھا۔ کانٹوں کے ڈھیر بھی پھولوں کے بستر میں بدل سکتے ہیں' تنا سے سچی ہوں۔

لیکن حالات بدل گئے تھے اور اس انوکھے انداز میں بدلے تھے کہ طالوت کو بھی اتنی آسانیوں کی امید نہیں تھی۔ وہ صرف یہ ارادہ رکھتا تھا کہ میری شکل بدل دے لیکن بدلی ہوئی شکل کے ساتھ بھی میں اس طرح خوش نہیں رہ سکتا تھا لیکن اب سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا اور اس انداز میں ٹھیک ہوا تھا کہ مجھے اب بھی یقین نہیں آتا تھا۔

اور پھر اس کے بعد کے حالات' میں نے اپنی پوری زندگی کو خوش گزار کر دی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں فطرتاً برا انسان نہیں تھا۔ ایک سیدھا سادا کلرک۔ اگر زرینہ مجھ سے بے وفائی نہ کرتی تو شاید آج وہ میری بیوی ہوتی۔ ہمارا ایک چھوٹا سا گھر ہوتا اب تک دو چار بچے ہوتے۔ زرینہ بھی شاید گھرانے کو خوش حال رکھنے کے لیے ملازمت کر رہی ہوتی۔ نہ جانے کیسی زندگی ہوتی۔ اپنے طور پر میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ میں ایک اچھا شوہر' ایک اچھا باپ ہوتا۔

لیکن ایک عورت کی بے وفائی نے میری صورت بدل دی تھی۔ اگر قسمت یاور نہ ہوتی تو جیل میں سڑ رہا ہوتا۔ اگر بات صرف تھین تک ہی رہتی اور اگر حالات زیادہ سنگین شکل اختیار کر جاتے تو پھر اب تک میں کبھی کا موت کی آغوش میں جا سوتا اور میری زندگی کے زیاں میں میرا کوئی قصور نہ ہوتا۔

کیسی انوکھی بات ہے' انسان سیدھا سچا رہنا چاہتا ہے' دنیا اور اہل دنیا کے ساتھ مصالحت اور محبت کی زندگی کا خواہش مند ہوتا ہے لیکن بعض اوقات یہ دنیا والے' اس کے پاس کچھ بھی نہیں رہنے دیتے۔ اس کا خلوص' اس کی محبت' اس کی سادگی سچائی سب چھین لیتے ہیں۔

کاش ایجادات کرنے والے' کاش جہاز بنانے والے' راکٹ اڑانے والے' چاند پر اترنے والے' چاند سے پہلے اس زمین کے مسائل حل کر سکتے۔ کاش وہ کوئی ایسا آلہ بھی ایجاد کر دیتے جو صحیح مجرم کی تشخیص کر سکتا جو بتا سکتا کہ معاشرے کو تباہ کرنے والا وہ نہیں ہے جس نے کسی کی گردن کاٹ دی ہے۔ اصل مجرم وہ ہے جس نے اس جرم کی طرف تحریک دلائی ہے' جس نے اسے جرم پر مجبور کیا ہے۔ کاش لیکن۔ لیکن۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

خیالات کا ریلا اس طرح آیا تھا کہ وقت کا تعین ہی نہیں ہو سکا۔ دور کہیں گھڑیال نے دو بجائے۔ میں نے آنکھوں میں نیند تلاش کی لیکن دور دور تک اس کا نشان نہیں ملا تھا۔ میں نے بے چینی سے کروٹ بدلی اور پھر افشاں کی حسین شکل میری نگاہوں میں در آئی۔ ہر طرح سے ایک مکمل لڑکی' تعلیم یافتہ' خوش مزاج' خوش مذاق' سنجیدگی سے محبت کرنے والی۔ نتھی صاف ستھری گفتگو کی تھی اس نے' حقیقتوں سے نزدیک گفتگو' جس میں تلاش کے باوجود فریب نہیں تھا۔ اس کے علاوہ باعزم بھی تھی' ہمت بھی رکھتی تھی۔ بلاشبہ بیوی کی حیثیت سے وہ اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔

حالانکہ جو حادثات مجھے پیش آئے تھے' ان میں بہت سی لڑکیوں کا کردار تھا۔ نرگس رحمانی اور دوسری کئی لڑکیوں نے مجھے متاثر کیا تھا لیکن اس وقت حالات دوسرے تھے۔ میں نے ان پر توجہ ہی نہیں دی تھی۔ اس وقت خود میری حیثیت

Uploaded By Muhammad Nadeem

کیا تھی لیکن اب، میں نے حسرت بھرے انداز میں سوچا۔ اب تو میں اپنے ہی وطن میں، اسی جگہ جہاں میں ملعون و مطعون ہوا تھا، سرخ رو تھا۔ میرے اوپر سے الزامات ہٹ چکے تھے۔ خاص طور سے انگلیوں کے نشانات والے کمال نے سارے اندیشے بے بنیاد ثابت کر دیے تھے اور بہرحال یہ طالوت کا ایک کارنامہ تھا۔ جس نے مجھے بہت مدد دی تھی۔

نواب، ویسے تنویر صاحب اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں کریں گے، خاص طور سے نواب جلال الدین کی موجودگی میں۔ اگر انہوں نے ہمارے بزرگوں کو طلب کیا تو نواب جلال الدین موجود ہیں۔ افشاں کے سامنے میں کسی فریب سے کام نہیں لینا چاہتا تھا لیکن اپنی شخصیت کا جھوٹ تو ساری زندگی نبھانا ہوگا۔ خدا مجھے معاف کرے۔ میں اس مخلص لڑکی کے سامنے بھی حقیقت نہیں بیان کر سکتا تھا، مجھے بہت تجربہ ہو چکا تھا۔

ضمیر کا بوجھ ایک مسلم حقیقت رکھتا ہے لیکن حالات شاہد رہتے ہیں کہ بعض اوقات سچ اور خلوص بھی اس دنیا کے قابل قبول نہیں ہوتا۔ میری تو پوری زندگی ہی اس تجربے کا نچوڑ تھی، چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ یہ بوجھ ہمیشہ برداشت کروں گا۔ عورت میرے لیے نئی نہیں ہوگی لیکن افشاں کو میں ہمیشہ اپنی زندگی کی نئی عورت سمجھوں گا۔

اور اس وقت نیند میرے نزدیک آنے کو تیار نہیں تھی۔ میں نے بار بار خیالات کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی لیکن افشاں کی تصویر نگاہوں میں ابھی ہوئی تھی۔

اور جب نیند کی کوئی صورت نہیں رہی تو میں اٹھ گیا اور اپنے کمرے سے نکل آیا۔ اس وقت میرے علاوہ اس کوٹھی میں کون جاگ رہا ہوگا۔ میں نے سوچا۔ کون میری مانند دیوانہ ہے۔ چنانچہ کسی سے ملنے یا گفتگو کرنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا پھر اس وقت باغ کی ٹھنڈی ہوا ہی سکون بخش ہوگی۔ کسی کو شبہ کرنے کا موقع دینا بھی حماقت ہے، چنانچہ میں دبے پاؤں باغ میں نکل آیا۔ درحقیقت باغ کی فضا اس وقت بے حد حسین تھی۔ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ تاروں کی مدھم روشنی چاند کی کمی پوری کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھی۔ ہوا چل رہی تھی۔

میں نے حوض کے کنارے ایک بنچ پر بیٹھ کر گہری سانس لی اور بنچ پر لیٹ کر رخسار اس پر رکھ دیا۔ ٹھنڈے پتھر نے بے حد سکون بخشا لیکن پھر کسی کے قدموں کی چاپ سن کر میں چونک پڑا۔

یقیناً انسانی قدموں کی چاپ تھی اور میں نے گردن اٹھا کر دیکھا اور پہچان لیا۔ میرا دل مسرت سے دھڑک اٹھا کیونکہ وہ افشاں تھی۔

اس وقت افشاں ذہن کے گوشے گوشے سے مسرت پھوٹ پڑی۔ اس تنہائی میں کسی مونس کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی اور وہ اگر افشاں تھی تو پھر اب باقی کیا رہ گیا تھا۔

میں سکرات کے عالم میں اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس کے بدن سے اٹھنے والی خوشبو مجھے اس کے قرب کا احساس دلا رہی تھی۔ افشاں میرے قریب پہنچ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ بھی خاموش تھی۔ اس کے جذبات بھی اس کی گویائی سلب کر رہے تھے۔ میں نے دوبارہ گال بنچ پر رکھ دیا اور تاروں کی چھاؤں میں کھڑی افشاں کو دیکھنے لگا۔

واقعی عجیب پوزیشن تھی۔ جذبات بے چین تھے لیکن زبانیں اس طرح خاموش ہو گئی تھیں جیسے بولنا ہی بھول گئی ہوں، حالانکہ ہم دونوں عملی دنیا کے انسان تھے۔ حقیقت پسندی کو جذباتیت پر ترجیح دیتے تھے لیکن اس وقت نہ جانے کیا ہو گیا تھا، بولنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔

افشاں شب خوابی کے لباس میں تھی، اس کے بال الجھے الجھے نظر آ رہے تھے۔

نہ جانے کتنی دیر گزر گئی۔ افشاں کسی سنگتراش کے شاہکار کی مانند خاموش کھڑی تھی اور میں بنچ پر لیٹا تھا پھر شاید ہم دونوں کو ایک ساتھ ہی ہوش آیا۔ ادھر افشاں کے جسم میں حرکت ہوئی، ادھر میں گھبرائے ہوئے انداز میں اٹھ بیٹھا۔ افشاں ایک قدم اور آگے بڑھ آئی۔ اب وہ سنبھل گئی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا تھا؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اوہ۔ وہ۔ وہ۔ کہاں؟" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں لیٹے تھے یہاں؟"

"بڑی پرسکون جگہ ہے افشاں!" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"آثار اچھے نہیں ہیں۔" افشاں مسکراتی ہوئی بولی۔

"کیا مطلب؟"

"جب تنہائیوں میں سکون ملنے لگے، جب انسان راتوں کو جاگنے لگے تو نہ جانے کیا ہوتا ہے۔"

"بیٹھو افشاں!" میں نے بڑی اپنائیت سے کہا اور افشاں اور آگے بڑھ آئی۔

"جگہ دو۔" اس نے کہا اور میرے برابر بنچ پر بیٹھ گئی۔

اس کے حالات بھی زیادہ اچھے نظر نہیں آ رہے تھے۔

"تم بھی نہیں سوئیں افشاں؟" میں نے پوچھا۔

"بھی' سے کیا مراد ہے؟" اس نے شرارت سے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے، تم کیوں نہیں سوئیں؟"

"آپ کو نیند کیوں نہیں آئی؟"

"تم شرارت کے موڈ میں ہو۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"قطعی نہیں! لیکن آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"ایک ایک سوال، ایک ایک جواب۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"منظور!" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بسم اللہ۔" میں نے کہا۔

"آپ یہاں کس وقت آئے؟"

"زیادہ دیر نہیں ہوئی۔"

"اب آپ سوال کریں گے۔" افشاں نے کہا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"اجازت؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جان کی اماں دی جاتی ہے۔"

"آپ کیوں جاگ رہی تھیں ظل سبحانی؟" میں نے سوال کیا۔

"ہمارے بستر میں کھٹمل ہو گئے تھے۔" افشاں نے جواب دیا اور ہنس پڑی۔

"غلام جھوٹ کی تشخیص ضرور کر سکتا ہے عالی جاہ! اس کی تردید کی جرات نہیں۔"

"اوہ۔ نہایت بزدل غلام ہے۔ خیر ہم سچ بتائے دیتے ہیں۔ یوسف زلیخا کا دور تازہ ہو گیا ہے۔"

"ہماری ... بھی ہوئی ہے۔"

"... شک ہونی چاہیے۔ ہم نے ایک خواب دیکھا تھا۔" افشاں نے کہا۔

"خواب ... دیکھا تھا؟"

"دیکھیے ... ہمارے خواب پر مسکرائیں گے نہ ہمارا مذاق اڑائیں گے۔ سنجیدگی سے سنیں گے اور اس پر یقین کریں گے۔"

"تعمیل ارشاد ہوگی۔" میں نے جواب دیا۔

"ہم نے خواب میں آپ کو دیکھا تھا۔"

"زہے نصیب۔"

"ہم نے دیکھا آپ تنہا کھڑے ہیں، اداس ہیں۔ آپ کی آنکھیں خلاؤں میں نہ جانے کیا تلاش کر رہی ہیں پھر ہم نے دیکھا آپ بے چین ہیں، آپ بہت گھبرا رہے ہیں۔ ہم نے آپ کو آواز دی اور آپ چونک پڑے۔ پھر ہم آپ کے پاس پہنچ گئے۔ ہم نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور۔ اور آپ ٹھیک ہو گئے۔ خدا کی قسم، ہم نے جھوٹ نہیں بولا۔ ہماری آنکھ کھل گئی اور پھر ہم بے چین ہو گئے۔ جب ہمیں چین نہیں آیا تو ہم یہاں نکل آئے اور یہاں آپ کو اس انداز میں دیکھ کر ہم سکتے میں رہ گئے تھے۔"

میں خاموشی سے افشاں کی شکل دیکھ رہا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر بھی میں کچھ نہیں بول سکا۔ نہ جانے دل کی کیسی کیفیت ہو گئی تھی۔

"اب ہماری باری ہے۔" افشاں پھر ہنس پڑی۔

"دیکھیے جناب یہ بے ایمانی ہے۔"

"پلیز افشاں! مجھے معاف کر دو۔"

"ہرگز نہیں۔ ہم سے پوچھ لیا اور اب خود۔ ہرگز نہیں جناب، ہرگز نہیں۔"

افشاں بچوں کی طرح ضد کرنے لگی۔ میں بے بسی سے اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ میں اس سے سچ نہیں بول سکتا تھا۔ میں اپنے اندر سچ بولنے کی جرات نہیں پا رہا تھا۔ میرا سچ مجھے یقیناً نقصان پہنچا سکتا تھا۔ بلاشبہ افشاں نے عورت کی فطرت سے بغاوت کی تھی۔ اس نے پورے خلوص سے میرے سامنے وہ سب کچھ سچ سچ کہہ دیا تھا، جو عورت ذہن میں رکھنے کے باوجود کبھی نہیں کہتی۔

لیکن جو کچھ میں کہتا، وہ افشاں کے ذہن کو منجمد کر دینے کے لیے کافی تھا۔ میں اس کی طرح سچ نہیں بول سکتا تھا۔ بھلا میں اس سے کیسے کہتا، افشاں میری بے شمار بیٹیاں کچھ اور ہیں۔ بحیثیت عورت تم میرے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں لیکن میں خود کو بھولنے کی کوشش کر رہا ہوں، میں اپنے آپ سے اجنبی بن کر خود کو تیار کر رہا ہوں کہ عورت کی دنیا کے پہلے انسان کی مانند تمہیں چاہوں اور اپناؤں۔

"صائم صاحب!" افشاں نے مجھے پھر ٹوک دیا۔

"ہوں!" میں خیالات سے چونک پڑا۔

"آپ کی یہ خاموشی شرط کی خلاف ورزی ہے۔"

"میں خلاف ورزی نہیں کرنا چاہتا افشاں۔"

"میں آپ کو اچھا انسان تسلیم کرتی ہوں۔" افشاں نے میرے ذہن پر ایک اور تازیانہ لگایا لیکن میں خود کو کسی حد تک تیار کر چکا تھا۔

"شکریہ!" میں نے کہا۔

Uploaded By Muhammad Nadeem

"تب پھر بتایئے۔"

"کیا بتاؤں؟" میں نے مسکرا کر پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کیوں اپنی خواب گاہ سے نکل بھاگے؟"

"دراصل افشاں! رات کو سیمیں اور احسان میرے کمرے میں آگئے تھے۔"

"او ہو!" افشاں سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"میرا خیال ہے اب ہم لوگوں کی نگاہوں تک پہنچ گئے ہیں۔"

"کچھ کہہ رہی تھیں۔ سیمیں باجی؟"

"ہاں۔" میں نے کہا اور پھر سیمیں اور احسان کی پوری گفتگو اسے سنا دی۔ افشاں کے چہرے پر کسی قسم کا تردد یا پریشانی نہیں تھی۔ وہ دیکھتے دیکھتے مسکرا رہی تھی۔ میں خاموش ہو گیا۔ وہ دیر تک مسکراتی رہی اور پھر بولی۔

"لیکن اس میں آپ کے لیے پریشانی کی کیا بات تھی؟"

"میں پریشان تو نہیں تھا۔"

"اور ۔۔۔ پھر؟"

"بس افشاں! خوشیوں کا ہجوم اتنا وسیع ہو گیا کہ کمرا تنگ محسوس ہونے لگا اور میں اس کھلی فضا میں نکل آیا۔ اس وقت تمہارے ہی بارے میں سوچ رہا تھا، جب تمہارے قدموں کی چاپ سنائی دی۔"

"اوہ!" افشاں کے لہجے میں کسی قدر محجوبیت محسوس ہوئی۔ اس نے گردن جھکالی اور میں عجیب نگاہوں سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ کئی منٹ تک میں اسے دیکھتا رہا، پھر میں نے اسے مخاطب کیا۔

"کیوں افشاں! کیا سوچ رہی ہو؟"

"اوں ہوں۔ تھوڑا سا تو شرما لینے دیں، شرم و حیا لڑکیوں کا زیور ہے۔" وہ اسی طرح گردن جھکائے جھکائے مسکراتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔ ضرور۔" میں ہنس پڑا۔

"بہرحال، حالات ہماری مدد کر رہے ہیں۔" چند منٹ کے بعد اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"آہستہ آہستہ یہ بات پھیلتی جا رہی ہے۔"

"تم اس سے خوف زدہ نہیں ہو افشاں؟"

"نہیں۔" اس نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

"مجھے حیرت ہے۔"

"کیوں؟ اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟"

"اگر ۔ میرا مطلب ہے اگر تمہارے والدین اس انداز میں سوچنے پر تیار نہ ہوئے؟"

"یہ ممکن نہیں سائم صاحب! اگر ایسی کسی بات کا امکان ہوتا تو میں خود محتاط ہو جاتی۔ میں ان راستوں پر قدم بڑھانے کی عادی نہیں ہوں، جو آگے جا کر مسدود ہو جاتے ہوں۔"

"تمہیں اتنا یقین ہے؟"

"آپ کو بھی ہونا چاہیے۔"

"واقعی؟"

"یقیناً۔ سائم صاحب! ۔۔۔ سوچنے لگے تھے ہم اپنی عزت پیاری ہے۔ ۔۔۔ اگر ۔۔۔ باوجود آپ کے پاس اس وقت نہیں ۔۔۔ لیکن ۔۔۔ صاف ہوں تو پھر کوئی اعتراض میرے نزدیک جائز ۔۔۔"

"افشاں! تم عجیب لڑکی ہو۔" ۔۔۔ ہی کہہ سکا۔

"اور آپ کے مقابلے میں غریب بھی۔" افشاں نے کہا اور میں مسکرانے لگا، پھر ہنس پڑا۔ "غریب؟ ہنسی کیوں آ گئی؟"

"تم بھی کس احمقانہ انداز میں سوچنے لگی تھیں۔"

"یعنی؟"

"بس یونہی۔ دل چاہا تھا سوال کروں گا کہ اگر میں کوئی غریب انسان ہوتا تو کیا تمہاری محبت حاصل کر سکتا تھا؟ ظاہر ہے اس میں ایک پہلو احمقانہ بھی ہے۔"

"اوہ نہیں خیر، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کی ذات یقیناً محبت کے قابل ہے سائم صاحب! لیکن چند باتیں ضرور ہوتی ہیں۔"

"کیا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"اگر آپ کوئی غریب اور غیر معروف انسان ہوتے تو اتنے لوگوں کی توجہ ہی نہ حاصل کر پاتے۔ کون آپ کے بارے میں اس انداز سے سوچتا۔ اگر آپ کی عملی شخصیت میرے سامنے آ بھی جاتی تو میں یہ ضرور سوچتی کہ آپ ایک اچھے انسان ہیں۔ میں آپ کی عزت کرتی لیکن زندگی گزارنے کا تصور آپ سے وابستہ نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے معاف کر دیں۔ میں آسمان سے نہیں اتری ہوں۔ ہاں، آپ کی قربت کے بعد، میرا مطلب ہے آپ سے دائمی طور پر منسلک ہونے کے بعد، کل اگر آپ اچانک قلاش ہو جائیں، خدانخواستہ آپ کے پاس کچھ نہ رہے اور اس وقت آپ اپنی فطری خودداری سے کام لے کر کسی کی اعانت نہ قبول



کریں تو سن لیں، میری پیشانی پر بل نہیں آئے گا۔ میں اتنی ہی خوشی اور مسرت سے آپ کے ساتھ فکرِ مستقبل کے منصوبے بناؤں گی اور اپنے مسائل ٹالنے میں آپ کی معاون ہوں گی۔"

"افشاں!" میں نے بے اختیار اس کا بازو پکڑ لیا۔

"جی ہاں۔ ۔۔۔ رہی ہوں۔"

"مجھے یقین ہے۔"

"آپ ۔۔۔ سے ناراض ہو گئے؟"

"خدا کی قسم نہیں۔ تم نے اس قدر حقیقی اور سچی بات کہی ہے کہ میں اس کی تعریف نہیں کر سکتا۔"

"آداب۔ بندی کس قابل ہے۔"

"تم بے حد ذہین ہو افشاں!"

"لیکن آپ سے کم۔"

"اوہ نہیں افشاں! میں کچھ بھی نہیں ہوں۔" میں نے کہا اور افشاں مسکراتی رہی، پھر بولی۔

"یہ صرف انکساری ہے۔"

"کیوں؟"

"اب دیکھیے آپ کتنی خوب صورتی سے وہ سوال گول کر گئے جو میں مزید آپ سے کرنے والی تھی۔"

"اوہ! ابھی اور بھی سوالات رہ گئے ہیں؟"

"تو پھر کرلیں وہ بھی۔"

"عادل بھائی کہاں گئے ہیں؟" افشاں نے سوال کیا اور میں ایک منٹ کے لیے بوکھلا گیا۔ خاصا خطرناک سوال تھا۔ اس کے علاوہ اس وقت میں ایک ایسی جذباتی کیفیت میں تھا کہ افشاں سے جھوٹ بولتے ۔۔۔ کبھی دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن افشاں نے جو حقیقی گفتگو کی تھی، ایک انداز سے وہ خطرے کی گھنٹی بھی تھی، یعنی سارا کھیل بگڑ سکتا تھا اور اس وقت، جب زندگی کی بہت سی گتھیاں سلجھ گئی تھیں، غیر متوقع طور پر کچھ خوشیاں ملنے والی تھیں، میں اپنی کسی جذباتی لغزش سے کھیل خراب نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ فوری طور پر جھوٹ بولنا تھا اور جھوٹ بھی نہایت سلیقے کا، کیونکہ ایک ذہین شخصیت کے سامنے بولا جانے والا تھا۔

"ریاست!" میں نے جواب دیا۔

"اوہ! کسی خاص پروگرام کے تحت؟" افشاں نے پوچھا۔

"نہیں۔ ابو جان سے انہیں کچھ خصوصی مراعات مل گئی ہیں۔ دراصل یہ ایک الجھی ہوئی کہانی ہے افشاں۔ ایسی کہانی، جسے ہم نے ذہنوں سے نکال پھینکا ہے۔"

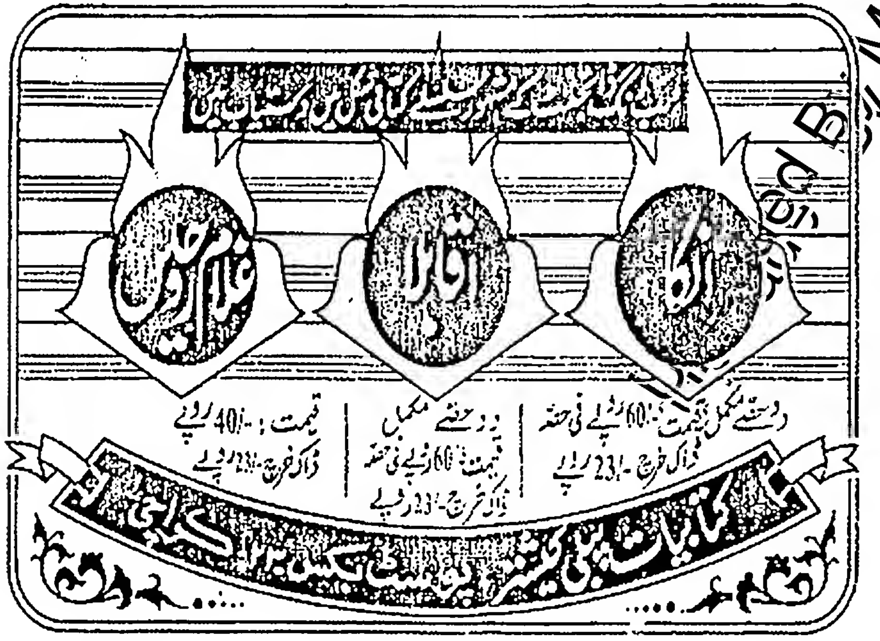




Typed By Muhammad Nadeem

"اللہ! ہمیں بھی سنا دیں۔" افشاں نے کہا۔
"کسی حد تک دردناک بھی۔"
"روئیں گے تھوڑا سا۔" افشاں مسخرے پن سے بولی اور میں اس کی شرارت پر مسکرا پڑا۔
"تمہاری مرضی۔ دراصل افشاں' ہم ریاست سے نکالے ہوئے ہیں۔ ہمارا کوئی قصور نہیں تھا بلکہ والد صاحب غلطی کر بیٹھے تھے۔ یوں سمجھو کرتے ہی رہتے تھے۔ عادل میرا سگا بھائی نہیں ہے۔ ماں دوسری تھی۔ ایک ماں سے میں دوسری سے عادل بھائی لیکن ہم دونوں کی ماؤں کے بعد والد صاحب نے تیسری بھی کرلی اور وہ ماں' ہم دونوں سے بے پناہ نفرت کرنے لگی۔ اتنی نفرت کہ کئی بار اس نے ہم دونوں بھائیوں کو زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ والد صاحب کے علم میں ساری باتیں تھیں لیکن وہ بیویوں سے ڈرنے کے عادی ہیں اور یہ عادت انہوں نے آج تک ترک نہیں کی۔"
"عادت؟"
"ہاں۔ میری اور عادل کی ماں سے بھی وہ اسی طرح ڈرتے تھے۔"
"اوہ!" افشاں مسکرا پڑی۔
"چنانچہ وہ اس نئی ماں سے بھی اتنے ہی خوف زدہ تھے اور اس کے کسی معاملے میں مداخلت نہیں کرتے تھے' پھر جب ہمارے بچ جانے کے بعد ہماری ماں موت کے دوسرے منصوبے بنانے لگی تو والد صاحب نے ہم سے رابطہ قائم کیا اور کہا کہ جان بچاؤ۔ تجویز یہ طے پائی کہ ہم دنیا گردی کرتے نکل جائیں۔ دولت کی تو کوئی پروا ہی نہیں ہے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ ریاست کی حکمرانی کے لیے وہ نئی اولاد پیدا کرلیں گے اور اگر یہ تیسری ماں مرگئی اور پھر بھی اچھی عادت کی ثابت ہوئی تو وہ ہمیں واپس بلالیں گے لیکن اگر وہ بھی غلط ہوئی تو انہوں نے ہم سے وعدہ لیا کہ ہم اس تیسرے بھائی کو بھی اپنے ساتھ ہی رکھیں گے جو تیسری ماں سے پیدا ہوگا۔"
افشاں نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔
"تم اس دردناک کہانی پر ہنس رہی ہو؟"
"اللہ! کیا یہ حقیقت ہے؟" افشاں ہنستے ہوئے بولی۔
"ہاں۔ ایک دردناک حقیقت۔" میں نے ناک سے شوں شوں کرتے ہوئے کہا اور افشاں بھی بمشکل' شاید میری وجہ سے سنجیدہ ہوگئی۔
"اچھا۔ پھر کیا ہوا؟"
"چنانچہ ہم چل پڑے۔ طے یہ پایا ہے کہ عادل بھائی ہر ماہ خفیہ طور پر والد صاحب سے ملاقات کرتے رہیں گے۔ چنانچہ وہ ان سے ملنے جاتے ہیں۔"
"اوہ! تم نہیں جاتے؟"
"نہیں۔ میں سینئر ہوں اس لیے میری کوئی گنجائش نہیں ہے۔"
"تیسری ماں کا کیا حال ہے؟" افشاں نے پوچھا۔
"زندہ بھی ہے اور صحت مند بھی۔ اب تو والد صاحب بھی مایوس ہوگئے ہیں۔" میں نے [illegible] کی صورت بنا کر کہا اور افشاں نے پھر قہقہہ لگایا۔
"گویا اس کا مرنے کا کوئی پروگرام [illegible]؟"
"شاید نہیں۔" میں نے [illegible] کر کہا اور افشاں میری غم زدہ شکل دیکھتی رہی۔ [illegible] ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل جاتی اور کبھی وہ سنجیدہ بننے کی کوشش کرتی پھر وہ جھنجلا کر بولی۔
"اللہ! اب بس بھی کریں' یہ اداکاری طویل ہوگئی [illegible] آپ نے مجھے نہایت خوب صورت طریقے سے بے وقوف بنایا ہے۔ قسم کھا کر بتائیں' جو کچھ کہا ہے ٹھیک کہا ہے۔"
"افشاں! میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ یہ حقیقت ہے' جو کچھ کہا گیا ہے' وہ اس انداز میں کہا گیا ہے کہ موسم اور ماحول خراب نہ ہونے پائے۔ ہم ان لوگوں کو داد نہیں دو گی جو اپنا مذاق خود اڑانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔"
"سوری! اگر یہ بات ہے تو مجھے افسوس ہے۔" افشاں نے سنجیدگی سے کہا۔
"کس بات پر؟"
"آپ کے ساتھ واقعی زیادتی ہوئی ہے۔"
"ہم نے اسے زیادتی سمجھنا چھوڑ دیا ہے افشاں۔ تم نے دیکھا' ہم دونوں کس قدر خوش ہیں اور ہمیں افسوس کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ ہمارا باپ ہم سے مخلص ہے۔ اگر اس کی کچھ مجبوریاں ہیں تو ہم ان میں اضافہ کیوں کریں۔ ہمیں دنیا کے کسی بھی خطے میں کوئی تکلیف نہیں ہوسکتی۔ ساری دنیا کے بینکوں میں ہمارے اکاؤنٹ موجود ہیں۔ رہی حکومت کی بات' تو حکومت کرنے میں کیا رکھا ہے افشاں!"
"بے شک' لیکن کیا آپ لوگوں کو یہ بھی اجازت ہے کہ جہاں چاہیں' رہیں؟"
"ہاں۔ مکمل۔" میں نے جواب دیا۔
"میرا مطلب ہے' یعنی...؟" افشاں جھجکنے لگی۔
"ہاں' مکمل آزادی ہے۔" میں نے جواب دیا اور وہ شرما گئی۔



"واقعی' انوکھی داستان ہے۔ کسی حد تک افسوس ناک بھی لیکن آپ کے سنانے کے انداز نے اس کا تاثر بدل دیا ہے۔"
"لکیریں پیٹنے سے کیا ملتا ہے۔"
"ہاں واقعی' آپ کو خوش رہنا چاہیے۔" افشاں نے بڑی اپنائیت سے کہا اور پھر بولی "بس ایک بات اور ذہن میں ابھی رہ گئی ہے۔"
"کیا؟ وہ بھی پوچھ لیں۔"
"اس روز کیا ہوا تھا' میرا مطلب ہے جس دن شگفتہ نے افشاں ہونے کا دعویٰ کیا تھا؟"
"اوہ' وہ عادل بھائی کی شرارت تھی۔" میں نے بظاہر اس سوال کو زیادہ اہمیت نہ دیتے ہوئے کہا لیکن اگر غور کیا جائے تو خوفناک سوال تھا۔ گویا افشاں کے ذہن میں یہ سب کچھ تھا۔
"مگر یہ کیسی شرارت تھی؟"
"ویسی ہی' اس دن تم نے تیراکی سلسلے میں دیکھی تھی۔ کیا پانی پر دوڑنا معمولی بات ہے؟"
"ہرگز نہیں۔ آپ لوگوں کی ان انوکھی قوتوں پر سب حیران ہیں' ورنہ وہ مریل گھوڑا بھلا ریس میں دوڑنے کے قابل تھا۔"
"دراصل ہماری ریاست کے ایک بزرگ بابا صادق شاہ بچپن سے اس پر مہربان تھے اور بابا صادق شاہ کے بارے میں مشہور تھا کہ جس پر ان کی نگاہ ہوجائے' وہ بہت کچھ بن جاتا ہے۔"
"اوہ' تو کیا تمہارے خیال میں؟"
"یہ خیال صرف میرا ہی نہیں' بلکہ بہت سے لوگوں کا [illegible] بابا صادق شاہ نے عادل کو کچھ دیا ہے لیکن ایسی باتیں [illegible] سے بھی چھپائی جاتی ہیں۔ عادل خوش طبیعت ہیں اس لیے وہ کبھی کبھی ایسی حرکتیں کر جاتے ہیں' ورنہ یہ باتیں تو کسی کے علم [illegible] نہیں آنی چاہئیں۔"
"اوہ!" افشاں نے متحیرانہ انداز میں کہا "تو آپ بھی اس بات سے ناواقف ہیں؟"
"نہیں' ناواقف تو نہیں ہوں لیکن تفصیل بھی نہیں جانتا۔"
"آپ نے کبھی پوچھا بھی نہیں؟"
"ہاں' لیکن عادل نے کبھی کچھ نہیں بتایا۔"
"بہرحال حیرت انگیز بات ہے۔"
"میرے لیے اب نہیں رہی ہے۔"

"ظاہر ہے۔ آپ تو بے شمار انوکھی باتوں سے دوچار ہوتے ہیں۔"
"ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اچھا حضور! اب تو کافی باتیں ہوگئیں۔ اب بھی آپ کمرے میں جائیے' آرام سے سویئے اور مجھے بھی اجازت دیجیے۔"
"میں تمہارا شکر گزار ہوں افشاں' اس وقت تم نے آکر مجھے روحانی سرور بخشا ہے۔"
"آپ اداس تھے' میں کیوں نہ آتی۔" افشاں پیار بھرے انداز میں بولی۔
"تم میری ساری زندگی کی اداسیاں سمیٹ لو گی افشاں۔"
"جی اور ان کی گٹھڑی باندھ کر کسی گہرے کنویں میں پھینک دوں گی' پھر آپ ساری زندگی اداس نہیں ہوں گے۔" افشاں نے کہا اور میں جذباتی انداز میں اس کی شکل دیکھنے لگا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اسے بازوؤں میں بھینچ کر سینے سے لگالوں گا۔ لیکن وہ عام لڑکی نہیں تھی اور میں کوئی ایسی حرکت کرکے خود کو ہلکا نہیں کرنا چاہتا تھا۔
ہم دونوں اٹھ گئے اور پھر تھوڑی دور پہنچ کر رک گئے۔ یہاں سے دونوں کو دو مختلف راستوں پر جانا تھا۔
"افشاں!" میں نے اسے مخاطب کیا۔
"ہوں۔" اس نے محبت پاش نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔
"اگر اس وقت کوئی ہمیں دیکھ لے؟"
"آپ نے یہ بات اب سوچی ہے؟" افشاں نے الٹا مجھ سے سوال کردیا۔
"کیا مطلب؟"
"میں نے اس وقت سوچی تھی جب آپ نظر آئے تھے۔"
"اوہ! تب تمہیں خوف نہیں محسوس ہوا؟"
"خوف؟ کس بات سے؟"
"اگر ہمیں کوئی اس وقت اس دیکھ لے؟"
"تو پھر کیا ہوگا؟"
"لوگ غلط بھی سوچ سکتے ہیں۔"
"نہیں صائم صاحب! اول تو کوئی غلط نہیں سوچے گا اور اگر سوچے گا بھی تو اس کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سب سے بڑا محافظ میرا ضمیر ہے اور اس نے اس وقت آپ کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات پر کوئی اعتراض نہ کیا ہے' پھر کسی اور



Uploaded By Muhammad Nadeem

کے اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔ دوسری بات یہ کہ بہرحال ہمارا آپ کا ذہنی رابطہ ہے۔ آپ کوئی راہ گیر نہیں ہیں۔ وہ ہیں جن کے ساتھ میں ان گزارنے کا فیصلہ کیا ہے اور میں بہر طور اس فیصلے پر عمل درآمد کراؤں گی۔ اس طرح خود آپ کی اپنی ایک شخصیت ہے اور جو مجھے اس وقت اس جگہ آپ کے ساتھ دیکھ کر اعتراض کرتا ہے' اس کا مطلب ہے وہ آپ کی شخصیت کو تسلیم نہیں کرتا اور ایسا شخص بہرحال میرے لیے قابل اعتنا نہ ہوگا' خواہ اس کا مجھ سے کوئی بھی رشتہ ہو۔" افشاں نے انتہائی مضبوط لہجے میں کہا۔

اور میں افشاں کی شکل دیکھنے لگا۔

"اچھا' خدا حافظ۔ شب بخیر!" افشاں نے کہا اور پھر وہ تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔ عمارت کے دروازے پر پہنچ کر اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور اندر چلی گئی۔

میں بھی واپس اپنے کمرے میں آگیا اور پھر بستر پر لیٹ گیا۔ نیند اس بار بھی آنکھوں سے دور تھی لیکن اب ذہن میں کوئی الجھن نہیں تھی۔ افشاں کے پیار بھرے انداز نے' اس کے الفاظ نے زندگی میں ایک نیا رنگ بھر دیا تھا۔ بلاشبہ افشاں جیسا ساتھی تو زندگی کی ساری کلفتوں کو اپنی ایک مسکراہٹ میں سمیٹ سکتا ہے۔ اس پر مکمل اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

○☆○

دوسرا دن حسب معمول تھا۔ افشاں پورے اعتماد سے میرے سامنے آئی تھی۔ ناشتے کی میز پر بھی اس نے اپنی معلومات کی بارش جاری رکھی۔ میں مخل ہو رہا تھا لیکن افشاں کی پیشانی پر کوئی نشان نہیں تھا۔ ہاں سیمیں اور احسان زیر لب مسکرا رہے تھے لیکن اس طرح کہ ان کی مسکراہٹ کوئی محسوس نہ کر سکے۔

"شہزادہ عادل کی غیر موجودگی بری طرح محسوس ہو رہی ہے۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"میرے منہ کی بات چھین لی۔ صائم میاں اور عادل میاں ہم شکل ہیں لیکن ان دونوں میں ایک فرق نمایاں ہے۔ عادل کی آنکھوں اور ہونٹوں پر ہمیشہ شرارت مسکراتی رہتی ہے۔ اس کے برعکس صائم میاں کی آنکھوں میں سنجیدگی اور وقار ہے اور یہ دور ہی سے بڑے بھائی نظر آجاتے ہیں۔" نواب جلال الدین بولے۔

"واقعی۔ بڑا خوش مزاج بچہ ہے۔" بڑی ماں بھی بول پڑیں۔

"آپ کو پسند ہے بڑی ماں؟" سیمیں نے پوچھا۔

"مجھے تو دونوں پیارے لگتے ہیں۔" بڑی ماں نے جواب دیا۔

"نہیں۔ زیادہ کون اچھا لگتا ہے؟"

"کم زیادہ کی بات مت کرو۔ اب تو یہ بچے بھی کوئی الگ تھوڑی ہیں۔ تبھی افشاں' ویسے تم لوگ' ویسے وہ۔ کسی ماں سے یہ سوال مت کرنا کہ اسے اپنا کون سا بچہ زیادہ پیارا لگتا ہے۔ اس کے لیے یہ سوال دنیا کا سب سے مشکل ہوگا' جس کا وہ کبھی جواب نہ دے سکے گی۔" بڑی ماں نے جواب دیا۔

سیمیں مسکرانے لگیں۔

"اچھا۔ بھئی تو صائم میاں آج کا کیا پروگرام ہے؟" تنویر صاحب نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ بس عادل کا انتظار کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔ اسی وقت تصدق ایک تار ہاتھ میں لیے اندر آیا اور اس نے لفافہ تنویر صاحب کو پیش کر دیا۔

"کیا ہے؟" تنویر صاحب نے پوچھا۔

"ٹیلی گرام ہے صاحب!" تصدق نے احتیاط سے جواب دیا۔

تنویر صاحب نے لفافہ کھول لیا' پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولے۔

"جمشید آرہے ہیں۔"

"ارے ارے۔" بڑی ماں اچھل پڑیں "کب؟"

"آج ہی پہنچ جائیں گے۔"

"مگر کس وقت؟"

"ساڑھے گیارہ بجے۔"

"ارے واہ! اللہ تعالیٰ اس کی زندگی رکھے' اب تو وہ خوب بڑا ہو گیا ہوگا۔" بڑی ماں محبت بھرے انداز میں بولیں۔

"ہاں بھئی' افشاں سے پانچ سال بڑے ہیں جمشید میاں۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"انکل یہ وہی جمشید ہیں نا' حسیم پور والے؟" سیمیں نے پوچھا۔

"ہاں ہاں بھئی' میرے بھائی کا بچہ ہے۔ بھائی جان تو ولایت جا کر سب کو بھول گئے۔ بھابی جان کا زر بہت تھا ان پر مگر یہ بچہ' اللہ رکھے ہمیشہ سے محبت کر رہا ہے۔ اس کے خط آتے ہی رہتے ہیں مگر اس نے اچانک آنے کا پروگرام کیسے بنا لیا؟" بڑی ماں کے لہجے سے پیار ٹپک رہا تھا۔ تنویر صاحب کا چہرہ کچھ سپاٹ سپاٹ سا تھا۔

"چلیے اچھا ہے' ہم لوگ بھی موجود ہیں ملاقات ہو جائے گی۔" سیمیں نے کہا۔



"ہاں یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔"

"ارے تصدق' تیاریاں تو کر' ساڑھے گیارہ بجے اسے لینے بھی جانا ہے۔" بڑی ماں نے کہا "اور ہاں' اس کے لیے ایک کمرا بھی درست کرنا ہے۔ بالکل ولایتی طرز پر۔ نہ جانے وہاں ان کا طرز رہائش کیا ہو۔ یہاں اسے کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے۔ پھوپی کے ہاں' اللہ رکھے بارہ سال بعد آرہا ہے۔"

بڑی ماں پیار کے عالم میں بولتی رہیں لیکن میں نے تنویر صاحب کے چہرے پر کوئی خاص تاثرات نہیں دیکھے پھر نواب جلال الدین' سیمیں' احسان اور بڑی ماں' جمشید اور اس کے والدین کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ میں بھی رسمی طور پر اس گفتگو میں شریک تھا۔ تنویر صاحب نے کسی مصروفیت کا ذکر نہیں کیا اور اٹھ گئے پھر میں نے بھی اجازت مانگی اور اپنے کمرے میں آگیا۔

شاید افشاں بھی میرے پیچھے ہی اٹھ گئی تھی کیونکہ چند ہی منٹ کے بعد وہ بے تکلفی سے میرے کمرے میں آگئی۔ افشاں کی اس بے تکلفی سے میں کسی حد تک خوف زدہ تھا لیکن اس سے کچھ کہنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ وہ جس ٹائپ کی تھی' مجھے اندازہ ہو گیا تھا' چنانچہ اس کی خود اعتمادی کو توڑنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔

"آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کیسی کمبل قسم کی لڑکی ہے؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"اوہ! ان پر تکلف جملوں کی ضرورت کیوں پیش آئی؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ بس ایسے ہی کہا تھا۔ ظاہر ہے آپ ابھی ناشتے کی میز سے اٹھ کر آئے ہیں اور پھر میں یہاں آگئی۔ دراصل میرے ذہن میں یہ احساس تھا کہ آپ تنہا ہیں' میرا مطلب ہے عادل بھائی موجود نہیں ہیں۔"

"ہاں تنہائی تو محسوس کر رہا تھا لیکن آپ کے قرب سے میں خوف زدہ ہو جاتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"کوئی بہت ہی عزیز شے ہوتی ہے افشاں! انسان اس بات سے خوف زدہ رہتا ہے کہ کہیں وہ چھن نہ جائے۔ میرے ذہن میں کئی وسوسے جاگتے رہتے ہیں۔ ممکن ہے وہ تمہارے ذہن تک نہ پہنچ سکیں۔"

"اوہ' آپ یہ خوف اپنے ذہن سے نکال دیں۔ اس کی پوری پوری ذمے دار میں ہوں گی۔ آئندہ آپ خوف کے عالم میں نہیں رہیں گے۔ میں اب اس سے زیادہ بے باک نہیں بن سکتی کہ آپ۔۔۔ آپ اپنی شخصیت پر اب صرف اپنا حق نہ سمجھیں' آپ اپنے لیے کبھی خوف زدہ نہ ہوں کیونکہ اب یہ ذمے داریاں میں نے سنبھال لی ہیں۔"

"افشاں! تمہاری اس اپنائیت نے زندگی بھر کی محرومیاں دھو دی ہیں۔"

"دخل در معقولات۔" دروازے سے شکیلہ کی آواز سنائی دی اور میں چونک پڑا لیکن افشاں کے چہرے پر کوئی تغیر نہیں پیدا ہوا۔

"اب تم یہ نامعقولیت کر ہی بیٹھی ہو تو آجاؤ۔" افشاں نے کہا۔

"معذرت خواہ ہوں لیکن اس خیال سے اندر آنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھی کہ بہرحال آپ کی گفتگو پرائیویٹ نہیں ہوگی۔" شکیلہ نے کہا۔

"خیر' خیر' اب ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ آؤ۔" افشاں مسکراتے ہوئے بولی اور شکیلہ اندر آگئی۔

"چونکہ میرا دل صاف ہے اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے اس لیے میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ دونوں کے درمیان کیا گفتگو ہو رہی تھی؟" شکیلہ نے کہا۔

"پھر عادل بھائی کہنے لگے۔ شکیلہ! یقین کرو' میری زندگی میں اس سے مکمل کوئی لڑکی نہیں آئی۔ اب تم آہی گئی ہو تو اللہ مالک ہے۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" افشاں کہنے لگی۔ میں ہنس پڑا اور شکیلہ جھینپ گئی۔

"خوب! پھر کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"ارے' ارے۔ آپ بھی اس افشاں کی بچی کی باتوں میں آگئے۔" شکیلہ نے کہا۔

"اُفوہ۔ تم ہماری گفتگو میں دخل مت دو تو پھر۔۔۔" افشاں نے کہا اور شکیلہ جلدی سے واپس مڑی لیکن افشاں نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔

"بیٹھو بھی شکیلہ بی بی۔ تمہارے دل میں تو کوئی چور نہیں ہے۔" افشاں ہنستے ہوئے بولی۔

"ہاں ہاں نہیں ہے لیکن تم بھگانا چاہتی ہو۔" شکیلہ نے کہا۔

"ارے نہیں۔ تم کہو تو میں یہ موضوع بدل دوں؟"

"چلو بدل دو افشاں' کوئی اور بات کرو۔" میں نے کہا۔

"اچھا! مان لیا۔"

"کیوں نہ مانو گی۔" شکیلہ نے آہستہ سے کہا۔

"اچھا' اچھا' پھر شروع ہو گئی ہو۔"

"یہ جمشید صاحب کون ہیں افشاں' جن کے بارے میں کھانے کی میز پر تذکرہ ہوا تھا؟" میں نے شکیلہ کی مدد کرتے



Uploaded By Muhammad Nadeem

ہوئے موضوع بدل دیا۔
"میرے ماموں زاد بھائی ہیں۔ امریکا میں رہتے ہیں۔ ماموں جان کا وہیں کاروبار ہے۔"
"اوہ!" میں نے گردن ہلائی "کتنا عرصہ قبل گئے تھے؟"
"طویل عرصہ ہو گیا۔ ماموں جان کافی مغرور انسان ہیں۔ ابو انہیں پسند نہیں کرتے۔"
"میں نے محسوس کیا تھا۔"
"بہرحال' امی جان کے تو بھائی ہیں۔ امی ان سے کافی محبت کرتی ہیں۔"
"کیسے انسان ہیں؟"
"کون' ماموں جان؟"
"نہیں' شہید صاحب!"
"اتنا عرصہ ہو گیا کہ اب تو میں شکل بھی بھول گئی ہوں۔ چھوٹے سے تھے جب دیکھا تھا۔ ویسے امریکا سے خط آتے ہیں وہ بھی اردو میں' لگتا ہے جیسے تیسری کلاس کے بچے نے لکھے ہوں۔"
"اوہو۔ ظاہر ہے وہاں اردو تو پڑھ نہیں رہے ہوں گے۔" میں نے کہا۔
"ہاں۔" افشاں بولی۔
"بہرحال' دیکھیں کس قسم کے آدمی ثابت ہوتے ہیں۔"
"اور ثابت بھی ہوتے ہیں یا نہیں۔" افشاں ہنس پڑی تھی۔
"اوہو۔ تمہارے ماموں زاد بھائی ہیں۔" میں نے کہا۔
"لیکن ماموں جان کے بارے میں جو کچھ سنا ہے' اس کے تحت میں بھی ابو جان کی ہم خیال ہوں۔" افشاں نے کہا اور پھر شکیلہ کی طرف دیکھ کر بولی "ارے' تم بہت اداس ہو شکیلہ؟"
"باتیں باکیں۔ اچھی خاصی تھیں۔ پٹڑی سے کیوں اتر گئیں۔" شکیلہ نے کہا۔
"خوب' خوب تو یہ یہاں کانفرنس ہو رہی ہے۔ موضوع کیا ہے ہم بھی تو سنیں۔" دروازے سے تہمیں اور احسان اندر داخل ہو گئے اور ہم چونک پڑے۔
"تہمیں باجی! گستاخی نہ تصور کریں تو ایک بات بتائیں۔"
"پوچھو؟"
"دن یا رات کا کوئی لمحہ ایسا بھی ہوتا ہے جب آپ دونوں ساتھ نہ ہوں؟"
"ارے۔ واہ۔ میں شاید مخل ہوا ہوں۔" احسان جلدی سے بولا۔
"نہیں۔ احسان بھائی۔ پلیز۔ میں تو یہ پوچھنا چاہتی تھی کہ آپ دونوں کونسا سرلیش استعمال کرتے ہیں؟"
"فکر مت کرو' ہم تمہارے لیے بھی منگوا دیں گے۔" تہمیں نے جلدی سے کہا۔
"لیکن یہ لگا نہیں کی کسے؟" شکیلہ کو موقع مل گیا۔
"جو بھی سامنے پڑ گیا۔" تہمیں نے شرارت سے کہا۔ میں افشاں کے بالکل سامنے تھی۔
"اللہ باجی! ایک شیشی فوری طور پر شکیلہ کے لیے بھی منگوا دیں۔ دیکھیں نہ بے چاری کتنی اداس ہے۔ اگر سرلیش ہوتا تو۔" افشاں بہت تیز تھی۔ سب ہنس پڑے۔ شکیلہ اور طاہر کی بات اب کسی سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ شکیلہ نے منہ پھول کر رہ گئی۔
"بس بس افشاں بی! میری شکیلہ کو زیادہ تنگ مت کرو۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ اس کا کوئی ہمدرد نہیں ہے؟" تہمیں نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔
"یہ تو دلچسپ گفتگو ہو رہی اور سب قہقہے لگاتے رہے۔
"صائم بھائی! میں خاص طور سے آپ کو ایک خوش خبری دینے آئی تھی۔"
"اوہو۔ پھر اتنی دیر تک آپ خاموش کیوں رہیں؟"
"بول تو رہی تھی' شکیلہ کی حمایت کے خیال سے سب کچھ بھول گئی تھی۔"
"ہائے! شکیلہ کا خواہ مخواہ ذکر آ جائے گا۔" افشاں پھر بولی۔
"افشاں! تم خاموش نہیں رہو گی۔ صائم بھائی آپ ہی اسے خاموش کرائیں۔" تہمیں بہت تیز ہو گئی تھی۔
"وہ خوش خبری تو سناؤ تہمیں!"
"آج ماشاء اللہ مہمانوں کی آمد آمد ہے۔ بوا بھی دس بجے والی ٹرین سے پہنچ رہی ہیں۔ اکیلی گھبرا رہی تھیں بے چاری لیکن ان کا خط دیر سے ملا۔"
"ارے۔ ٹرین تو آ بھی چکی ہو گی۔ دس تو بج رہے ہیں۔"
"خط ابھی تھوڑی دیر پہلے ملا۔ تصدق کو روانہ کر دیا گیا ہے۔"
"ویری گڈ۔ طبیعت خوش ہو گئی۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کوٹھی میں ایک نئی زندگی دوڑنے والی ہے۔"
"یہ بوا کون ہیں؟" شکیلہ نے پوچھا۔



"صائم بھائی کی محبوب!" تہمیں چپکے سے بولی اور میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ شکیلہ میری طرف دیکھنے لگی تھی۔
"عرصہ ہو گیا انہیں دیکھے ہوئے۔ کیسی ہو گئی ہوں گی وہ؟" میں نے کہا۔
"پہلے سے زیادہ حسین!" تہمیں نے کہا اور ہنس پڑی۔ احسان بھی ہنس رہا تھا۔
"عادل بھائی جلدی سے واپس آ جائیں' لطف دوبالا ہو جائے گا۔" تہمیں ہنستے ہوئے بولی۔
"میرا خیال ہے کل تک عادل ضرور آ جائیں گے۔" میں نے کہا۔
"چلئے' بوا کے استقبال کے لیے چلیں۔ اب کمرے سے نکلیے۔" تہمیں نے کہا اور ہم سب کمرے سے نکل آئے۔ بیرونی برآمدے میں نواب جلال الدین بڑی ماں سے گفتگو کر رہے تھے' اس گروہ کو دیکھ کر خاموش ہو گئے اور ہم سب ان کے نزدیک پہنچ گئے۔
"ماشاء اللہ! واقعی لطف آ رہا ہے یہاں۔ میں تو اپنا پروگرام کچھ اور طویل کر دوں گی۔"
"تو تمہیں جانے ہی کون دے رہا ہے۔ بس ذہن میں رکھو' تین چار مہینے سے پہلے نہیں جانے دوں گی۔" بڑی ماں نے کہا۔
"اوہ' تین چار مہینے تو بہت ہوتے ہیں۔ بہرحال پھر بھی۔" نواب صاحب ہنستے ہوئے بولے اور اسی وقت نواب صاحب کی کار مین گیٹ سے اندر داخل ہوتی نظر آئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر تصدق ہی تھا۔ تصدق بوا کو لے کر آیا تھا اور پھر بوا پچھلی سیٹ کے دروازے سے اتریں۔ وہی شباب تھا۔ آنکھوں میں مستی' ہونٹوں پر پانوں کی سرخی' زیورات سے لدی پھندی' چوڑی دار پاجامہ' باریک ریشمی کرتا' جس میں سونے کے بٹن لگے ہوئے تھے۔ تندرستی بھی خوب تھی۔ اور پھر وہ تیزی سے دروازے کی طرف لپکیں "سلام بہو۔ سلام میاں۔" انہوں نے بڑی ماں اور نواب صاحب کو سلام کرتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ کر دونوں کی بلائیں لیں اور انگلیاں چٹخانے لگیں۔
"اچھے ہو تم یہاں۔ مجھ کم بختی ماری کو وہاں چھوڑ آئے۔ دن رات کاٹنے کو دوڑتے تھے۔ ایک پل دل نہیں لگ رہا تھا۔ ہائے میں تو آدھی ہو گئی۔"
"چلئے آپ نے اچھا کیا بوا' یہاں آ گئیں۔"
"اللہ خوش رکھے۔ تہمیں بیٹا کہاں ہے۔ ہائے میری تو آنکھیں ترس رہی ہیں اسے دیکھنے کو۔"
"یہ ہوں بوا۔ سلام!"
"آئے جیتی رہو۔ پھلو پھولو۔" بوا تہمیں کی طرف لپکیں اور پھر احسان اور تہمیں دونوں کو گلے لگا لیا۔
"ہم بھی تو ہیں بوا۔" افشاں آگے بڑھ آئی۔
"آئے جیتی رہو میری بچی۔ کون ہے یہ بچی؟" بوا نے افشاں کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔
"آپ ہی کی بچی ہے بوا۔" بڑی ماں نے کہا۔
"ایں!" بوا چونک پڑی۔ پہلے حیرت سے بڑی ماں کو دیکھتی رہیں' پھر بولیں "آئے' مذاق کر رہی ہو۔ میری تو شادی بھی نہیں ہوئی۔" اور ان کی اس بات پر زوردار قہقہہ پڑا۔
"ان کا مطلب ہے' یہ تنویر بھائی کی بیٹی افشاں ہے۔" نواب صاحب جلدی سے بولے "کیا یہ آپ کی بچی نہیں ہوئی بوا۔"
"آئے یہ مطلب ہے۔ کیوں نہیں' کیوں نہیں۔ خدا سلامت رکھے۔ ایں۔ یہ بھی ہے۔ ہائے۔ جڑواں معلوم ہو رہی ہیں دونوں۔" بوا کی نگاہیں شکیلہ پر پڑی تھیں لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے مجھے بھی دیکھ لیا اور ان کا منہ بھاڑ جیسا کھل گیا۔
"سلام بوا۔" میں نے کہا لیکن بوا کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ سکتے کے عالم میں مجھے گھور رہی تھیں۔
نواب جلال الدین بھی خاموشی سے مسکراتے رہے پھر بوا نے آنکھیں ملیں اور ان کے منہ سے نکلا "یا الٰہی! کیا میں خواب دیکھ رہی ہوں۔"
"کیا ہو گیا بوا؟" تہمیں نے پوچھا۔
"آئے۔ یہ دو نہیں ہیں۔ دو؟"
"کون؟"
"آئے وہی۔ اے بی بی' ذرا غور سے دیکھو۔"
"میں نے دیکھ لیا بوا۔" تہمیں نے کہا۔
"ان کی شکل نہیں ہیں۔"
"کن کی؟"
"آئے وہی اپنے صائم میاں اور عادل میاں۔"
"وہی ہیں۔" تہمیں نے ہنستے ہوئے کہا۔
"آئے میرے رب۔ یہ کہاں سے آ گئے۔ ہاں تم تو سب کو تڑپا گئے بیٹا۔" بوا دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئیں۔ بعد میں ہمارے تعلقات بوا سے بہت اچھے ہو گئے تھے۔ بوا محبت کی ماری رونے لگی تھیں۔
"بس بوا' آپ کی یاد دوبارہ کھینچ لائی۔"
"ہائے تمہیں تو گھوڑے لے گئے تھے۔" بوا روتے



Uploaded By Muhammad Nadeem

ہوئے بولیں۔

"ہاں۔ پھر وہ ہمیں یہاں چھوڑ گئے۔"

"وہ بھی آجائیں گے۔"

"آئے اللہ جوڑی سلامت رکھے۔ ہائے ان بچوں کے لیے کیسا کلیجہ کٹتا ہے میرا۔ روشنی بن گئے تھے آنکھوں کی۔ بس خوش ہو گیا ہے تمہیں دیکھ کر میرے بچے۔" بوا ابھی رو رہی تھیں کبھی ہنس رہی تھیں اور ہم دونوں نے انہیں نہیں دیکھا تھا' وہ اس جوبے کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ تصدق بھی برابر اکڑا ہوا تھا۔

کئی منٹ کے بعد بوا سنبھلیں' پیچھے ہٹیں تو تصدق سے ٹکرا گئیں۔ انہوں نے تصدق کی شکل دیکھی اور آگ بگولہ ہو گئیں "ہاں ہاں' آجاؤ' چڑھ جاؤ میرے اوپر۔ اے میں کہوں تیرا دماغ ٹھیک ہے۔"

"ارے ارے بوا' کیا ہوا؟" نواب صاحب جلدی سے بولے۔

"اے ہے یہ کون موا نٹھلن کا نٹھلن۔ گاڑی میں بھی میرے پاس ہی آ بیٹھا۔ ذرا ڈرائیور کے برابر کی سیٹ خالی پڑی تھی مگر میرے پاس ہی گھسا مرا تھا اور بار بار سرک رہا تھا میری طرف۔ ارے یہاں بھی مرا کم بخت مارے۔" اور تصدق دکھا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"ارے' ارے' ان بڑی بی کو نہ جانے مجھ سے کیا دشمنی ہو گئی ہے۔" وہ جھنجلاتے ہوئے انداز میں بولا۔

"تم نے کوئی بدتمیزی کی ہو گی تصدق۔" بڑی ماں بولیں۔

"ارے نہیں بڑی ماں۔ انہوں نے میرے بڑی زور سے نوچا تھا۔" تصدق ران سہلاتے ہوئے بولا۔

"آئے ہائے نوچا تھا۔ تو بار بار مجھ سے کیوں چپکا جا رہا تھا؟" بوا بولیں۔

"میں چپک رہا تھا؟" تصدق آنکھیں نکال کر بولا۔

"تو کیا میں چپک رہی تھی تجھ سے نٹے صورت حرام۔ ارے ایسی ویسی مت سمجھیو۔ ہاں۔ کچا چبا جاؤں گی۔" بوا مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئیں۔

"یہ زیادتی ہے بڑی ماں!" تصدق فریاد کرتے ہوئے بولا۔ لڑکیوں کے پیٹ میں درد ہوا جا رہا تھا ہنستے ہنستے۔ یہاں تک کہ بڑی ماں بھی ہنس رہی تھیں۔

"ارے تو تو بیٹھا ہی کیوں تھا چپکے۔ اب تیار ہو جا جلدی سے ایئرپورٹ چلنا ہے۔"

"آئیے بوا' آپ اندر چلیے۔" نواب جلال الدین ہنستے ہوئے بولے اور بوا کا شانہ پکڑ کر اندر لے چلے۔ ہم سب بھی ان کے پیچھے ہی چل پڑے تھے۔

"نصیب کی چیز ہیں یہ بوا تو۔" افشاں بولی۔

"تصدق کو نوچ لیا۔" شکیلہ پھر ہنس پڑی اور ہم سب ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ نواب صاحب بوا کو لے کر اندر پہنچ گئے اور پھر انہوں نے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بھئی بوا کے قیام کے لیے بندوبست کرو' تھکی ہوئی آئی ہیں۔"

"آئیے بوا۔" افشاں نے کہا ... پورا کر دو افشاں اور بوا کے پیچھے چل پڑا "بہانہ ... تصدق بھی۔ اب بتائیے بوا کے پیچھے ہی پڑ گیا۔"

"اے دیکھنا بیٹی' ٹھیک کر دوں گی ... یہ ہے کون؟"

"ملازم ہے بوا۔" افشاں نے جواب دیا۔

"ہوا کرے مجال ہے مگر مجھ سے بھڑا تو ٹھیک نہ ہو گا ... بتاؤ' پوری جوانی گزار دی' کسی کو منہ نہ لگایا' اب یہ موئے ملازم چپک رہے ہیں۔ ارے ٹھیک کر دوں گی۔"

"مگر آپ بوڑھی کہاں ہوئی ہیں بوا۔" افشاں بولی۔

"ارے رہنے دو بیٹی۔ اب کیا رکھا ہے۔ کبھی دیکھتیں۔" بوا نے شرما کر کہا۔

"اب بھی دیکھ رہے ہیں بوا۔" افشاں نے کہا اور پھر ایک کمرے کے دروازے کے سامنے رک گئی "یہ کمرا دیکھ لیں بوا' آپ کو پسند ہے؟"

"اے بس ٹھیک ہے بیٹی۔ میرا کیا۔ غسل خانہ ہے اس میں؟" بوا نے پوچھا۔

"سنگھار میز بھی رکھی ہے۔" افشاں نے جواب دیا۔

"اللہ خوش رکھے۔ میں ذرا نہاؤں گی۔ اب تم لوگ آرام کرو۔" بوا نے کہا۔

"ہاں ہاں بالکل۔ تصدق جو قریب بیٹھ گیا تھا۔" افشاں نے کہا اور پھر ہم واپس چل پڑے۔ لڑکیاں ہنستے ہنستے مری جا رہی تھیں۔ میں بھی ان میں شریک تھا۔

"ارے خدا کی قسم تمہیں بانی۔ اب تک کہاں تھیں۔ کہاں چھپا رکھا تھا اس نایاب شے کو؟"

"کمال کی ہیں بوا بھی۔ حاتم بھی یاد ہے۔" تمہیں ہنستے ہوئے بولی۔

"ہاں مجھے بھی یاد ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"کیا۔ کیا؟ ہمیں بھی تو بتائیے۔" شکیلہ نے کہا۔

"سب سے پہلی ملاقات ہم لوگوں کی ٹرین میں ہوئی تھی

Uploaded By Muhammad Nadeem



اور بوا۔ بس بوا کو یقین ہو گیا کہ یہ دونوں بھائی ان پر مرتے ہیں اور عادل بھائی' خدا کی پناہ ان کا تو جواب نہیں۔ ہفتوں بوا کا نام لے کر آہیں بھرتے رہتے تھے اور بوا کی زندگی عذاب ہو گئی تھی اور حاتم بھائی۔ جب عادل بھائی نے بوا کو شادی کا پیغام دیا۔"

"شادی کا پیغام بھی دیا۔" افشاں ہنس پڑی۔

"ہوا بھی ہوا یا تھا دن کا اور پیغام بھی دیا تھا۔ اگر بوا بھی یا آخر تم راضی ہو گئی تھیں۔" میں نے بتایا اور قہقہوں کا طوفان دیر تک امنڈتا رہا۔

"خدا کی قسم' آج کل بیٹے کا حیف آ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کو غمی میں ہو رہا ہے' اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا۔" افشاں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا اب کچھ دیر کی چھٹی۔ دوپہر کو کھانے پر ملتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"ابھی بوا کا وقت نہیں ہے۔" شکیلہ نے کہا۔ اسی وقت ایک ملازمہ افشاں کے پاس آئی۔

"بی بی! بڑی ماں بلا رہی ہیں۔ کہہ رہی ہیں ایئر پورٹ نہیں چل رہیں؟"

"ارے میں جا کر کیا کروں گی۔ امی جا رہی ہیں؟"

"ہاں۔"

"ان سے کہہ دیں' وہ چلی جائیں۔ میں شاید بعد میں یہیں ملاقات کروں گی۔"

"جی بی بی۔" ملازمہ چلی گئی۔

"اچھا بھئی۔" افشاں نے کہا اور پھر میری طرف دیکھا "تھوڑی دیر کی اجازت۔" اور پھر سب منتشر ہو گئے۔ میں بھی اپنے کمرے میں آ گیا تھا لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی افشاں پھر آ گئی۔

"ایک اجازت لینے آئی ہوں۔" اس نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"خیریت؟"

"امی بضد ہیں کہ میں بھی ایئرپورٹ چلوں۔ میں نے ... وہ کہہ رہی ہیں کہ شاید کیا خیال کریں ___"

"تو آپ ضرور جائیں افشاں۔"

"آپ کی اجازت سے۔" افشاں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ نے مجھے اتنی عزت بخشی تو میں ہوش میں نہیں رہوں گا افشاں۔" میں نے وفور مسرت سے کہا۔

"ارے اب کائنات میں آپ کے علاوہ رکھا کیا ہے۔" افشاں نے ایک ادا سے گردن ٹیڑھی کر کے کہا اور مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔ میں دروازہ دیکھتا رہ گیا تھا۔

عجیب کیفیت ہو گئی تھی۔ اس افشاں نے تو میرے دل کی دنیا ہی بدل دی تھی اور پھر خیالات کا چکر جاری ہی ہوا تھا کہ کسی نے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اچھل پڑا۔ طلاوت مسکرا رہا تھا۔

"ارے!" منہ حیرت سے کھل گیا۔

"جیتے رہو بیٹے' جیتے رہو۔ استاد کا نام روشن کر رہے ہو' کیا جال مارا ہے۔ دشمن چاروں شانے چت!" طلاوت نے میری کمر کو ٹھونکتے ہوئے کہا۔

"استاد کے بچے! اس طرح آنے کی کیا تک تھی۔" میں نے اسے سینے سے لپٹاتے ہوئے کہا۔

"میری مرضی۔ دیکھنا چاہتا تھا کہ میرا ہونہار شاگرد کیا کر رہا ہے۔"

"دیکھ لیا؟" میں نے ہونٹ بھینچ کر پوچھا۔

"اچھی طرح مگر خوب ہے بھائی۔ یہ تو الٹا پکڑ کر چل گیا ہے۔ زندہ باد افشاں بی۔ زندہ باد۔" طلاوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اپنی واپسی کی خبر تو لو۔ چہرہ اتر گیا ہے۔"

"ہائے میں مر جاؤں' کہاں ہیں؟" طلاوت مسخرے پن سے بولا۔

"اپنے کمرے میں ہوں گی۔"

"جا رہا ہوں۔" طلاوت مڑتے ہوئے بولا لیکن میں نے اسے پیچھے سے پکڑ لیا۔

"بڑا بے مروت انسان ہے۔ ابو حضور اور امی کے بارے میں تو بتاؤ۔"

"ابو حضور کچھ بیمار ہیں۔ امی ٹھیک ہیں۔ تمہارے کہے بغیر تمہارا سلام ان دونوں تک پہنچا دیا ہے۔ دعا کہی ہے انہوں نے اور کچھ؟"

"ہاں۔ شکیلہ کے بارے میں گفتگو ہوئی؟"

"یار مکمل کر تو ہمت نہیں پڑ سکی' گول مول سی باتیں کی ہیں۔"

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"پوچھنے لگیں آخر کب تک یونہی بھٹکتا پھرے گا۔ شادی وغیرہ بھی کرے گا یا نہیں۔ میں نے جواب دیا کیوں نہیں۔ خوش ہو گئیں' پوچھا کہ کوشش کی جائے تو میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگیں کیا مطلب؟ تب میں نے کہا' امی حضور!

آپ نے میری ساری خوشیاں پوری کردی ہیں ایک اور کردیں۔ کہنے لگیں، کون سی تو میں نے جواب دیا کہ کسی ذہین لڑکی سے ہی شادی کی اجازت دے دیں۔ بس، دیکھتی رہ گئیں۔ اس کے بعد کسی گفتگو کا موقع ہی نہیں مل سکا اور بس۔ اب جانے دو۔"

"سنو تو یار!" میں نے کہا۔

"جھگڑا ہو جائے گا بس، اب جانے دو۔ صبر نہیں ہو رہا۔" طالوت نے کہا۔

"میں بلا کر لاتا ہوں، یہیں مل لو۔ ممکن ہے اس کے پاس کوئی اور موجود ہو۔"

"جی نہیں۔ میں بھگا دوں گا، آپ فکر نہ کریں۔" طالوت دانت نکال کر بولا اور کمرے کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ میں نے گہری سانس لی تھی۔ بہرحال طالوت کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ ابھی اسے بہت سی باتیں نہیں معلوم ہوئی لیکن بہرحال دلچسپی رہے گی۔ مجھے حضرت جمشید کی آمد کا بھی شدت سے انتظار تھا۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ کیا چیز تھے ویسے بڑی ماں کے چہیتے تھے، کسی قسم کی الجھن بننے کی کوشش نہ کریں۔

لیکن اس بارے میں زیادہ فکر نہیں تھی۔ اپنا یار موجود ہے ٹھکانے لگا دے گا اچھی طرح اور پھر افشاں بھی خاصی بولڈ تھی، اسے زیر کرنا آسان کام نہیں ہوگا۔ مجھے رہ رہ کر شمشیر یاد آ رہا تھا۔ یہاں بھی کچھ ایسی ہی پوزیشن ہو گئی تھی لیکن آنے والے موصوف بھی اگر شمشیر ہی کی مانند ہوتے تو گویا ایک بار بازی پھر جم جائے گی۔

ساڑھے گیارہ بج چکے تھے۔ یقیناً طیارہ آ گیا ہوگا۔ طالوت بھی شکیلہ کے پاس جا گھسا تھا۔ میرے پاس اس وقت کوئی مشغلہ نہیں تھا۔ بہرحال میں باہر نکل آیا اور پھر یونہی آوارہ گردی کرتا رہا۔ شکیلہ کے کمرے کی طرف میں نے جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

اس وقت اتفاق سے میں بیرونی حصے کی طرف نکل آیا تھا۔ میں نے تنویر صاحب کی شاندار کار گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھی۔ دوسرے لوگ سب اندر تھے۔ کسی کو بھی بڑی ماں اور ان کے بھتیجے کے آنے کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ کار پورٹیکو میں رک گئی اور بڑی ماں جلدی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئیں۔ یہی حرکت افشاں نے کی تھی۔ تصدق آگے ڈرائیور کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اطمینان سے نیچے اترا اور پھر اس نے پچھلے دروازے میں منہ ڈال کر کسی سے کچھ کہا۔

ویسے مجھے کوئی نظر تو آ رہا تھا لیکن صاف نہیں اور پھر گاڑی سے ایک عجوبہ برآمد ہوا۔ سانولا رنگ، سر کے بال خشک اور نیگروز کی مانند گھنگھریالے ایک خاص تراش کے ساتھ انہیں درمیان سے بلند کیا گیا تھا۔ سفید لمبا کوٹ جس کی آستینیں آگے سے کھلی ہوئی تھیں، کمر میں چاندی کی بیلٹ بندھی ہوئی اور غرارہ نما پتلون، جس کے دونوں سائڈ پر بڑا خوب صورت کام ہوا تھا۔ ماتھے پر پٹی بندھی ہوئی اور کانوں میں بڑے بڑے بالے پڑے ہوئے تھے۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں نرمی لیے وہ [illegible] آیا۔

"بھتیجا!" میرے ذہن نے [illegible] اور میں جلدی سے آگے بڑھ آیا۔ افشاں منہ بنائے کھڑی تھی اور بڑی ماں کا چہرہ اترا ہوا تھا۔

افشاں مجھے دیکھ کر قریب آ گئی "خدا کی پناہ!" اس نے کہا۔

"کیا ہوا؟"

"ایسا بدبودار شخص میں نے زندگی بھر نہیں دیکھا۔ راستہ طے کرنا محال ہو گیا۔"

"سبحان اللہ! چلو اب یہاں کیوں کھڑی ہو۔ آیئے بڑی ماں۔ مہمان کو اندر لے چلیں۔"

"آؤ جمشید میاں!" بڑی ماں نے کہا۔

"ایک منٹ، ایک منٹ۔ موٹا مین جلدی ڈکی کھولو۔ جلدی کاراؤ۔" جمشید نے چٹکی بجا کر تھرکتے ہوئے کہا۔ تخاطب تصدق سے کیا۔

"ارے سامان سب حفاظت سے پہنچ جائے گا، تم فکر مت کرو۔" بڑی ماں نے کہا۔

"اوہ، ناممکن، ناممکن بائے گاڈ میں تم نے ہمیں اس سے جدا کر دیا۔ ہم تو پلین میں بھی اسے ساتھ رکھا۔ گٹار سے ہمارا دوستی جانم جانم کا ہائے۔ اس کے بغیر ہمارا شخصیت ہاف ہائے۔" جمشید نے جواب دیا۔ اس دوران اس کے پاؤں، ہاتھ اور کولہے ہلتے رہے تھے۔ وہ ہمیشہ رقص کی کیفیت میں رہنے کا عادی تھا۔

"ارے نکالو تصدق! اس کی سارنگی نکال کر اسے دے دو۔" بڑی ماں نے کراہنے والے انداز میں کہا اور تصدق نے ڈکی کھول کر ایک لمبا سا گٹار نکال لیا۔ جونہی گٹار جمشید کو نظر آیا، وہ دیوانہ وار اس کی طرف لپکا اور اسے تصدق کے ہاتھوں سے لے لیا۔

"اوہ جان من، ہم کو معافی دینا، ہم سے ناراض مت ہونا۔" اس نے گٹار کو چومتے ہوئے کہا۔



"امی جان! اب چلیں بھی۔" افشاں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"تصدق! تم اسے ساتھ لے کر آؤ۔" بڑی ماں نے کہا اور واپسی کے لیے مڑ گئیں۔

"آیئے صائم صاحب!" افشاں بولی اور میں بھی ان دونوں کے ساتھ چل پڑا۔

"اب کیا ہوگا امی جان!" افشاں نے مسخرے انداز میں کہا۔

"کیا ہوگا؟" بڑی ماں نے پوچھا۔

"ان حضرت کو کہاں رکھیں گی؟"

"مذاق مت اڑاؤ افشاں! یہ بھائی جان کی بگڑی ہوئی تقدیر ہے۔ بہرحال میرا خون ہے۔ آیا ہے تو یہیں رہے گا۔ میں جانتی ہوں مجھے کیسی کیسی نگاہیں برداشت کرنا پڑیں گی۔"

"اف اللہ! بدبو کتنی تھی گاڑی میں۔"

"نہ جانے کم بخت امریکا میں ایک آدھ بار نہایا بھی ہے یا نہیں۔"

"امی جان! معاف کریں۔ ان حضرت کو اس انداز میں تو ہم کمپنی نہیں دے سکیں گے۔ بتایئے کیسے برداشت کریں گے۔ لوگ میرا مذاق بھی اڑائیں گے کہ یہ افشاں کا ماموں زاد بھائی ہے۔"

"اس وقت بات مت کرو افشاں۔ میرا دماغ خود چکرا رہا ہے۔ اللہ کے واسطے۔" بڑی ماں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا اور میں نے افشاں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

مسٹر جمشید گٹار گردن میں ڈالے تیز تیز قدموں سے ہماری طرف آ رہے تھے تاکہ ہم شامل ہو جائیں۔ تب بڑی ماں گھبرائے ہوئے انداز میں بولیں۔

"خدا کے لیے افشاں، اسے تم ہی سنبھالو، اس کے کمرے میں پہنچا دو اور کسی طرح اسے نہانے پر تیار کر دو۔ میں تو ایک منٹ برداشت نہ کر سکوں گی۔"

"آپ جایئے بڑی ماں۔" افشاں کے بجائے میں بولا اور بڑی ماں نے شکر گزار نگاہوں سے میری طرف دیکھا پھر تیزی سے آگے بڑھ گئیں، حالانکہ عام حالات میں وہ اتنی تیز چلنے کی عادی نہیں تھیں۔ مسٹر جمشید مسکراتے ہوئے ہمارے قریب پہنچ گئے۔ ان کے چہرے پر کھلنڈرے پن کے سے آثار تھے لیکن حماقت لیے ہوئے۔ گول گول آنکھوں میں عجیب سی شرارت ناچتی نظر آتی تھی۔

"ہیلو بوائے۔" اس نے پہلی بار مجھے مخاطب کیا اور میں گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا "ہام سے ملو۔ تم۔ تم اور تمہارا نام؟" اس نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا اور میں نے اس کا ہاتھ، ہاتھ میں لے لیا۔ یہ وہی ہاتھ تھا جسے بے پناہ طاقت دے دی گئی تھی۔ میں نے زور سے جمشید کا ہاتھ دبایا اور جمشید نے ایسی بھیانک چیخ ماری کہ میں خود ڈر گیا۔ میں نے جلدی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"ارے، ارے کیا ہو گیا؟"

"ہائے۔ مارا گیا۔ مارا گیا۔" وہ ہاتھ دبا کر دوہرا ہو گیا اور پھر وہ زمین پر پالتی مار کر بیٹھ گیا اور انتہائی سریلے لہجے میں مارا گیا۔ مارا گیا کی گردان کرنے لگا۔

شامت کی ماری بوا نہ جانے کہاں سے نکل آئیں اور ہمارے پاس ہی پہنچ گئیں "آئے ہائے۔ میراثی ہے یہ۔ دل بہلانے کو بلوایا ہے وہاں سے۔" وہ دانت نکال کر بولیں اور جمشید ہاتھ کی تکلیف بھول گیا۔

"ہم میراثی کا مطلب سمجھتا ہائے۔ امریکا میں بہت سا بک پڑھا ہائے۔ ہم مراثی نہیں، فنکار ہائے۔ بوڑھا عورت تم غلط سمجھا اور دیکھو۔" جمشید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ گٹار کھینچا اور پھر گٹار کی تاریں گونجنے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ رقص بھی کر رہا تھا۔ بوا نے پیچھے کھسکنے کی کوشش کی لیکن جمشید نے انہیں گھیر لیا اور ان کے چاروں طرف ناچ ناچ کر گٹار بجانے لگا۔ بوا بدحواس ہو گئی تھیں۔ وہ خود بھی اچھل اچھل کر اس کے دائرے سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن جمشید نے انہیں پوری طرح گھیر لیا تھا۔

"اے ئے۔ اے ئے۔" بوا بدحواسی میں کہہ رہی تھیں اور افشاں کا ہنسی کے مارے برا حال ہو رہا تھا "اے ئے بٹے کا کہ نہیں سنے مارے۔ اماں نہیں ہیں کیا۔ اے ئے دیکھو۔ اے ئے۔ اے ئے!" بوا احتجاج کر رہی تھیں۔ کئی بار انہوں نے جمشید کے دو ہتھڑ مارنے کی کوشش کی لیکن بہرحال وہ پھرتیلا تھا۔

"اے کوئی شرافت ہے۔ جسے دیکھو پرائی بہو بیٹیوں کے پیچھے لگ رہا ہے۔ عزت محفوظ ہی نہیں ہے۔ اے ئے ہٹ جا مونڈی کاٹے۔ تیرا ستیاناس!"

"تم نے دیکھا بوڑھا عورت، مراثی اور فنکار میں کیا فرق ہوتا ہے۔" جمشید نے کہا۔

"بھاڑ و پھرے تیری شکل پر۔ مجھے جانے دے ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" بوا نے کہا۔ اور بالآخر وہ جمشید کے نرغے سے نکل ہی گئیں لیکن گٹار کی آواز پر سب ہی نکل آئے تھے، یہاں تک کہ طالوت اور شکیلہ بھی۔ سب دلچسپی سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔

جمشید نے گردن جھکائی اور گٹار بند کر دیا۔ بوا بھاگ کر



Uploaded By Muhammad Nadeem

ایک کمرے میں گھس گئیں۔ تب طالوت نے تالیاں بجائیں اور جمشید جیسے انہیں کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے بڑے دل آویز انداز میں مسکراتے ہوئے چاروں طرف گردن جھکائی لیکن طالوت کو دیکھ کر سیمیں' افشاں وغیرہ اچھل پڑی تھیں۔

"ارے۔ عادل بھائی۔ آپ آگئے۔ آپ آگئے۔"

سب اس کے گرد جمع ہو گئے۔

"ہاں بھئی' لیکن یہ دو دن میں کیا ماجرا ہو گیا؟" طالوت ہنستے ہوئے بولا۔

"ہائے عادل بھیا۔ بہت کچھ ہو گیا ہے۔" افشاں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"وہ بوا تھیں نا؟" عادل نے سیمیں سے پوچھا۔

"ہاں۔ آج ہی آئی ہیں۔" سیمیں نے جواب دیا۔

"کیا بوا نے شادی کر لی ہے؟" طالوت نے بمشکل پوچھا۔

"ایں۔ کیوں؟" سیمیں نے ہنسی روک کر پوچھا۔

"پھر یہ کون تھا جو ان کے ساتھ رقص کر رہا تھا؟"

"آپ کے خیال میں یہ بوا کا شوہر ہے؟" سیمیں نے قہقہہ لگایا۔

"اوہ! دونوں اسی طرح محبت بھرے انداز میں رقص کر رہے تھے کہ میں یہی سمجھا اور بوا شرما کر بھاگ گئیں۔" طالوت نے سوکھے منہ سے کہا اور سیمیں ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئی۔

سب جمشید کے گرد جمع ہو گئے تھے اور وہ یونہی احمقوں کی طرح مسکرا رہا تھا۔

"کون ہو بھائی؟" طالوت نے اس سے پوچھا۔

"ہم۔ آئی مین جمی۔ میرا مطلب ہے فنکار۔" آخر میں جمشید نے گٹار کے تاروں پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"عادل بھیا! یہ جمشید ہیں۔ آج ہی امریکا سے آئے ہیں۔ امی کے بھتیجے ہیں۔" افشاں نے کہا۔

"آج ہی آئے ہیں؟" عادل نے مسرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"بلکہ ابھی ابھی۔"

"اوہ۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی جمشید صاحب!" طالوت نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

"ہائے اب نہیں پھنسیں گا۔ بائی گاڈ اب نہیں پھنسیں گا۔" جمشید نے ہاتھ کر کے پیچھے کر لیا۔ اسے میرا مصافحہ یاد آگیا تھا۔

"پھنس ہی جاؤ یار۔" طالوت بولا۔

"بالکل نائیں۔ بالکل نائیں۔ پھر ہم گٹار کاہے سے بجائیں گا۔ بالکل نائیں۔"

"تمہاری مرضی۔" طالوت نے گہری سانس لی۔

"انہیں ان کے کمرے میں چھوڑ آؤ عادل بھیا۔ آیئے جمشید صاحب!"

"جمی بولو۔ جمی۔ جمی ڈارلنگ!" جمشید نے کہا اور افشاں کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

"بہت خوب! میرے جانے کے بعد خاصی ترقی ہوئی ہے' بہرحال خواتین و حضرات آپ کو بھی مبارک۔ واقعی اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوئی ہے۔"

"لیکن آپ اچانک کہاں چلے گئے تھے عادل بھائی؟"

"بس آگئے۔ آنا ہی تھا۔"

"خدا کی قسم! بڑی کمی محسوس ہو رہی تھی آپ کی۔"

"ہائے۔ جمی۔ جمی ڈارلنگ!" طالوت چٹخارے بھرتے ہوئے بولا "لیکن ایک گڑبڑ ہے۔"

"کیا؟"

"بڑی ماں کے جذبات کیا ہیں ان حضرت کے بارے میں' انہیں دیکھنا ہو گا۔ اس کے بعد ہی فیصلہ کیا جائے گا۔" طالوت نے کہا۔ اس کے ذہن میں نہ جانے کیا منصوبے بن رہے تھے۔

"آپ نے ناشتا تو نہیں کیا ہو گا؟" شگفتہ نے طالوت سے پوچھا۔

"ارے ہاں' اور شکریہ شگفتہ! کیا میں ناشتا لاؤں عادل بھیا؟" سیمیں جلدی سے بولی۔

"نہیں۔ میں ناشتا کر چکا ہوں۔ ہاں' دو دن کے حالات معلوم کرنے کے لیے ایک نشست ہونی چاہیے جس میں سب کا ہونا ضروری ہے۔" طالوت نے کہا۔

"میں کہتی ہوں کافی کے لیے۔ آپ لوگ ناشتے کے کمرے میں چلیے۔ میں افشاں کے ساتھ واپس آتی ہوں۔" سیمیں چلی گئی اور ہم سب ناشتے کے کمرے میں جا کر میز کے گرد بیٹھ گئے۔

سیمیں اور افشاں کے پہنچنے تک خاموشی رہی پھر دونوں بھی آگئیں۔ اس دوران سب ہنستے رہے تھے۔ ہنسنے کے لیے بہت سے خیالات تھے۔

"کارروائی شروع کی جائے۔ مجھے ان دو دنوں کی رپورٹ چاہیے۔" طالوت نے کہا۔

"سب آپ کو یاد کرتے رہے عادل بھیا۔ بڑی شدت سے کمی محسوس ہوئی۔ آج اچانک بہت سے قہقہے ہو



پڑے۔ جمشید صاحب اور بوا کی آمد کی اطلاع اچانک ملی۔ تصدق بوا کو لینے گیا تھا۔" افشاں نے کہا اور سب ہنس پڑے۔

"اس قہقہے کی وجہ؟"

"بوا کا خیال ہے کہ تصدق ان پر ڈورے ڈال رہا ہے۔"

"عمدہ!" طالوت ہنس پڑا "تفصیل؟" اور افشاں نے بے تکلفی سے تفصیل بتا دی۔ تصدق کے نوچنے والے واقعے پر طالوت بھی دل کھول کر ہنسا۔

"ان جمشید صاحب کی شان نزول کیا ہے؟"

"امی کے بھتیجے ہیں۔ بارہ سال کے بعد امریکا سے آئے ہیں۔ ماموں جان وہیں آباد ہیں۔"

"بہت خوب۔ بہت خوب! بہرحال اللہ کی دین ہے۔ آپ لوگوں کو خلوص دل سے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔"

"آپ سنایئے بھیا۔"

"بس آپ لوگوں کے بغیر میں بھی اداس تھا۔ میرے والدین بھی بخیریت ہیں۔ جونہی اجازت ملی' میں واپس آگیا۔" طالوت نے جواب دیا۔

"لطف آجائے گا بھئی۔" احسان نے کہا۔

"آج کل ہم مالا مال ہیں۔ شمشیر الدولہ بھی یہیں ہیں' بوا بھی ہیں اور پھر اپنا جمی۔ مگر بڑی ماں کے جذبات کا خیال رکھنا ہے۔"

"امی جان تو اسے دیکھ کر خود بدحواس ہو گئی ہیں۔" افشاں نے بتایا۔

"اوہ! کیا کہہ رہی تھیں؟"

"پریشان ہیں بری طرح۔ ابو جان کے تعلقات ماموں جان سے کبھی اچھے نہیں رہے لیکن امی بھتیجے کی آمد کی خبر سن کر باغ باغ ہو گئیں اور اب پریشان ہیں کہ ابو جان اسے دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔"

"خوب!" طالوت نے گردن ہلائی۔

"اللہ! بدبو دار اتنا ہے کہ توبہ۔ بڑی مشکل سے ہم نے اس کے ساتھ ایئرپورٹ سے یہاں تک کا سفر طے کیا۔ امی کا تو سر چکرا گیا تھا۔" افشاں نے بتایا۔

طالوت گردن ہلانے لگا تھا۔

پھر اس نے کہا "بہرحال خواتین و حضرات! قدرت نے نعمتوں کے انبار ہمارے سامنے لگا دیے ہیں۔ اب فیصلہ ہو جائے کیا پروگرام رکھا جائے۔ ویسے تصدق اور بوا کی جوڑی مجھے بہت پسند آئی ہے۔ رہی یہ نایاب شے' تو اس کے بارے میں ابھی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں بڑی ماں کے جذبات کا جائزہ لیا جائے گا۔"

"میرا خیال ہے امی جان کو بڑی مایوسی ہوئی ہے۔" افشاں نے کہا۔

"پھر بھی بہرحال خون ہے۔"

"ہاں۔ اندازہ کر لیں گے۔" افشاں نے کہا۔

"چنانچہ فی الحال یہ نشست برخاست۔ میرا خیال ہے تھوڑی دیر کے بعد کھانے پر ملاقات ہو گی۔" طالوت اٹھ گیا۔ باقی لوگ بھی اٹھ گئے تھے اور پھر طالوت میرے ساتھ کمرے میں آگیا۔

"تو عیش ہو رہے ہیں؟" مسکراتے ہوئے بولا۔

"جی ہاں! اعتراض ہے آپ کو؟" میں نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں' ہرگز نہیں۔ ارے ہم کوئی جلنے والوں میں ہیں۔ ویسے کیسی چل رہی ہے؟"

"یار طالوت' قسم سے بہت عمدہ!"

"ہم کو نہ بتاؤ گے؟"

"بس کیا بتاؤں' افشاں بہت ہی شاندار لڑکی ہے۔ انتہائی خود اعتماد قسم کی اور اب وہ بالکل کھل گئی ہے۔"

"سو فیصدی۔ یوں بھی سب بڑے چالاک ہیں۔" میں نے سیمیں اور احسان کی گفتگو سنا دی۔

"بس پیارے' حالات تمہارے حق میں ہی ہیں۔ ابھی ہمارا معاملہ ذرا ٹیڑھا ہے۔ یار امی کے سامنے بھی کھل کر کہنے کی ہمت نہیں پڑی اور پھر ابا جان بھی بیمار تھے۔"

"آیندہ ماہ سہی۔ اس وقت تک شہنشاہ حضور بھی ٹھیک ہو چکے ہوں گے۔"

"ویسے میرے وعدے کی پابندی پر سب خوش ہو گئے تھے۔ واپسی کی اجازت بھی خوشی سے مل گئی۔ خیر یہ تو سب کچھ ہے مگر یار ان شمشیر الدولہ کو بھی نظر انداز نہیں کرنا۔"

"کیا پروگرام ہے اس کے بارے میں؟"

"اس نے نواب جلال الدین کے ساتھ کون سا اچھا سلوک کیا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"ہم اس سے کاروباری مقابلہ کریں گے۔"

"اوہ! بس ایک قباحت ہے۔" میں نے تھوڑی سمجھاتے ہوئے کہا۔

"کیا؟"

"وہ اب تنہا نہیں ہے اور اس کے ساتھ جو عورت تھی' وہ اس کے برعکس نظر آتی تھی۔ بے چاری یونہی شمشیر



Uploaded By Muhammad Nadeem

الدولہ سے عاجز ہوگی اور پھر سے مالی مصیبتوں میں گرفتار ہو جائے گی۔"

"اگر وہ اچھی ہوتی تو ہم اسے مصیبت میں نہیں پھنسا رہنے دیں گے۔ اگر شمشیر ٹھیک ہو گیا ہوتا تو کوئی بات نہیں تھی۔ وہ اب بھی اتنا ہی ٹیڑھا ہے۔ بس اسے سیدھا کرلیں اور پھر عارف، میرے ذہن میں ایک اور خیال بھی ہے۔"

"کیا؟"

"میں چاہتا ہوں تم کوئی کاروبار جماؤ۔ اب حالات دوسرے ہو گئے ہیں۔ تنویر صاحب کی بیٹی سے شادی کرنے کے لیے ان کا ہم پلہ بلکہ ان سے کچھ آگے ہونا ضروری ہے۔"

"ارے ہاں طالوت! میں نے افشاں کو ایک کہانی سنائی تھی۔"

"براہ کرم سنجیدگی سے سنو۔ اس کے سوالات خاصے پریشان کرنے والے تھے۔ میں نے بڑی ذہانت سے ایک کہانی ترتیب دی ہے، تم بھی سن لو تاکہ اس کی روشنی میں بات کرسکو۔"

"سناؤ!" طالوت نے کہا اور میں نے اسے سوتیلی ماں کی کہانی کی تفصیل سنا دی۔ طالوت مسکراتے ہوئے گردن ہلانے لگا "درحقیقت تم نے بڑی ذہانت سے یہ کہانی ترتیب دی ہے۔ سارے تانے بانے پورے کر دیے ہیں۔ تم نے مجھے اس سے آگاہ کر دیا، یہ اچھا ہوا۔ ہاں تو کاروبار کے سلسلے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"جب تم نے میری شخصیت ہی بدل دی ہے تو میں اس بارے میں کیا تکلف کروں۔ جیسی تمہاری مرضی۔"

"ہم تنویر صاحب سے مدد لیں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اس عمارت کو بھی دیکھنے چلیں گے۔ تنویر صاحب کچھ کاروباری ضروریات کو پورا کرنے میں ہماری مدد کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا اور طالوت خاموش ہو گیا پھر ہم دونوں نے غسل کر کے تیاریاں کیں۔ عمدہ لباس پہنے اور دوپہر کے کھانے کے لیے تیار ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد بلاوا آ گیا۔ کمرے سے نکلے ہی تھے کہ بوا مل گئیں۔ طالوت کو دیکھ کر وہ خوشی سے اچھل پڑی تھیں۔

"ماشاء اللہ! جوڑی اچھی ہو گئی۔ اللہ سلامت رکھے۔ تم دونوں کو دوبارہ دیکھ کر کتنی خوشی ہے کیا کہوں۔" انہوں نے ہم دونوں کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔

"کیسی ہیں بوا؟" طالوت نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں میرے بچو۔ بس تمہیں دعائیں دیتی ہوں۔"

"سنا ہے آپ کے ساتھ یہاں بڑی زیادتی ہوئی ہے۔ آخر کیا سمجھ رکھا ہے ان لوگوں نے ہماری بوا کو۔"

"کس کی بات کر رہے ہو میاں؟"

"ارے وہ کم بخت قطب مینار۔ ذرا دیکھو بد نظرے کی باتیں۔ گاڑی میں مجھ سے چمٹا جا رہا تھا۔"

"اور اس جوکر نے مجھے دیکھتے ہی ناچنا شروع کر دیا تھا۔"

"بوا! تم بھی نرالا ہے یہاں بڑے بڑے گھرانوں کا سنا ہے بڑے آدمی کا بیٹا ہے۔ پر میاں ... بخت نے کیسا بنایا تھا۔ ہم نے تو ایسے بڑے آدمی کا بچہ ... ہاں اللہ رسایا کے سرکس میں وہ موئے ہنسانے والے ایسے ہی بہروپ بدلتے تھے۔ مجھے تو وہی لگ رہا تھا۔" بوا نے کہا اور پھر ہنسنے لگیں۔

"بہرحال بوا، آپ کے آنے سے ہمیں بہت خوشی ہوئی ہے۔ اب اطمینان سے بیٹھیں گے تو باتیں کریں گے۔"

"اچھا میاں۔" بوا نے سر ہلایا اور ہم دونوں کھانے کے کمرے کی طرف چل پڑے۔ کمرے میں سبھی موجود تھے۔ حضرت جی شاید ابھی داخل ہوئے تھے لیکن دلچسپ بات یہ تھی کہ ان کے ساتھ ان کا گنار بھی تھا۔

تنویر صاحب بہت غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر وہ مسکرائے اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"ماشاء اللہ! تم سے مل کر بڑی مسرت ہوئی جمشید میاں۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"میں بھی آپ لوگوں سے ملنے کو بہت تڑپتا تھا انکل۔ کتنا ونڈرفل ہے آپ لوگ۔ اوہ مجھے مشرق کا سک بہت پسند ہائے۔ آپ دیکھنا میں آپ لوگ کو اردو میں خط لکھتا۔ میرا مادری ٹنگ ہاؤ سوئٹ۔"

"بیٹھو اور اسے ایک طرف رکھ دو۔ کھانے کے کمرے میں اسے لانے کی کیا ضرورت تھی۔" تنویر صاحب نرمی سے بولے۔

"اوہ میوزک سوئٹ انکل۔ موسیقی میری جان ہائے اور یہ گنار، یہ مجھے سوئٹ سیلی نے دیا تھا۔ بی کا ناک چمک دار آنکھوں والا سیلی۔ اوہ سیلی ڈارلنگ!"

"کیا تم اسے بھی لنچ کراتے ہو؟" تنویر صاحب نے پوچھا۔

"کسے..." جمشید نے منہ پھاڑ کر پوچھا۔



"اپنے گنار کو۔"

"اوہ نہیں۔ نہیں انکل۔ آپ مذاق بولتا مگر یہ آل ٹائم ہمارے ساتھ رہتا۔ میوزک ہمارا جان ہائے۔ ہم اسے بیڈ پر ساتھ لے کر سوتا۔"

"ماشاء اللہ! مگر کرسی پر کیسے بیٹھو گے؟"

"بیٹھ جائیں گا۔ بیٹھ جائیں گا۔ ایسا مافک۔" جمشید کرسی پر بیٹھ گیا۔ گنار اس کی گود میں تھا لیکن دونوں طرف بیٹھے ہوئے لوگوں کو کرسی چھوڑ دینی پڑی تھی۔ کیونکہ گنار کی لمبائی متاثر ہو رہی تھی۔

"دوسری کرسیاں ڈلواؤ۔" تنویر صاحب سنجیدگی سے بولے۔ بڑی ماں کے چہرے پر خجالت کے آثار تھے۔ ویسے شکر تھا کہ جمشید نہا لیا تھا اور اب اس کے بدن سے وہ بدبو نہیں اٹھ رہی تھی۔ ورنہ کھانے کی میز پر کسی سے نہ بیٹھا جاتا لیکن اس کی کسر اس کے کھانے کے انداز نے پوری کر دی۔

نہایت بدتمیزی سے کھا رہا تھا۔ اسے ہندوستانی کھانے کھانے کا سلیقہ ہی نہیں آتا تھا۔ اس کی بہت سی حرکتیں مسکراہٹوں کا سبب بنیں۔ اوپر سے تنویر صاحب کی سنجیدگی سونے پر سہاگہ تھی۔ وہ بغور اس لنگور کا جائزہ لے رہے تھے، جو دونوں ہاتھوں سے کھانا اس طرح سمیٹ رہا تھا جیسے آندھی آنے والی ہو۔

"بہت مزے کا کھانا ہائے، ہمیں پسند آیا۔" اس نے سب سے آخر میں کھانا ختم کرتے ہوئے کہا۔

"ہماری خوش بختی ہے۔" تنویر صاحب بولے "اور سناؤ شاداب علی کیسے ہیں؟"

"کون شاداب۔ ہم نہیں جانتا۔" جمشید بولا۔

"او ... وہ جب بولتا ہائے گرینڈی کا دوست اس کو شیڈوب بولتا ہائے مسٹر شیڈوب!"

"ماشاء اللہ! کافی ترقی ہو گئی ہے۔ کاروبار کیسا چل رہا ہے تمہارا؟"

"اوہ میں نہیں جانتا انکل۔ یہ ڈیڈ کا ورک ہے، وہی جانتا۔ میں تو بس میوزک جانتا۔ آپ بولو تو سناؤں۔" جمشید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"ابھی نہیں، ابھی نہیں، ابھی کھانا کھایا ہے۔"

"ٹھیک ہائے، ٹھیک ہائے پھر سنائیں گا۔ جب آپ کا موڈ ہوئیں گا تب سنائیں گا۔ اوہ انکل آپ نہیں جانتا، آپ کا جمی نیویارک میں ہیرو ہائے۔ جدھر نکل جاتا لڑکی لوگ اسے کس مارتا۔ ایک دم دور سے آتا اور کس مارتا۔"

"اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔" تنویر صاحب نے کہا اور ہماری طرف دیکھ کر بولے "آپ لوگ ذرا احتیاط رکھیں۔" سب کی ہنسی نکل گئی تھی "اور مسٹر جمی! آپ بھی ذرا خیال رکھیں، یہ نیویارک نہیں ہے۔"

"نظر آتا ہائے۔ ادھر تو کچھ نہیں ہائے۔ ہم ایئرپورٹ سے ادھر تک کا عمارت دیکھا۔"

"اچھا بھئی۔ آئیے جلال بھائی اور آپ بھی مسٹر عادل اور صائم۔" تنویر صاحب نے کہا اور ہم چاروں باہر نکل آئے۔

"یہ شاداب میاں کی اولاد ہے تنویر۔ کیا ہو گیا شاداب کو؟" باہر نکل کر جلال الدین نے کہا۔

"اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ شاداب میاں کے اعمال کون سے اچھے تھے۔ آپ کو تو معلوم ہے جلال بھائی اور اللہ تعالیٰ کسی کو چھوٹ نہیں دیتا۔ شاداب کے اعمال کی سزا آپ کے سامنے ہے۔ کیا خوب بیٹا ہے۔ باپ کی ریڑھ کی ہڈی!"

"لیکن کیا کہا جا سکتا ہے تنویر۔ ممکن ہے شاداب اپنے اس بیٹے کے جدید طرز سے خوش ہو؟"

"ٹھیک ہے، اللہ بہتر جانتا ہے۔" تنویر صاحب بولے اور پھر ہماری طرف دیکھ کر کہنے لگے "آپ لوگ اس چڑیا گھر سے بددل نہ ہوں شہزادہ صائم اور شہزادہ عادل!"

"اوہ۔ نہیں جناب۔ ایسی کوئی بات نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"ارے بھئی یہ عادل میاں تو بڑے ستم ظریف ہیں۔ شمشیر الدولہ جب انگلینڈ سے واپس آیا تھا تو وہ بھی پچھتر فی صد پاگل تھا لیکن عادل میاں نے اس کے دماغ درست کر دیے تھے۔" جلال الدین نے کہا۔

"اونہہ۔ لیکن بیگم کے اکلوتے بھائی کی اولاد ہے اس لیے ذرا احتیاط رکھنا ہو گی۔ میں اس مردود کو کھڑے کھڑے کھانے کے کمرے سے نکال دیتا جس کا گنار ہر وقت اس کے ساتھ ہوتا ہو لیکن بیگم خود ہی شرمندہ نظر آ رہی تھیں، ان کی غم انگیز خاموشی نے مجھے بھی خاموش کر دیا۔ نہ جانے بے چاری کیا کیا خیالات باندھے بیٹھی تھیں۔ یہ لنگور تو ان کے تصور میں بھی نہ ہو گا۔"

"خیر چھوڑو۔ آیا کتنے دن کے لیے ہے۔ چلا جائے گا۔" نواب جلال الدین نے کہا۔

"آؤ بھئی کہیں بیٹھتے ہیں۔" تنویر صاحب نے کہا اور پھر وہ ہم سب کو لیے ہوئے نشست کے کمرے میں پہنچ گئے "آپ کے والدین کیسے ہیں عادل میاں؟"

"ٹھیک ہیں۔"



Uploaded by Muhammad Nadeem

"کاروبار ریاست کیسا چل رہا ہے؟"
"بالکل ٹھیک۔" طالوت نے جواب دیا اور پھر بولا "مجھے آپ سے کچھ ضروری گفتگو کرنی ہے انکل۔"
"ہاں ہاں بیٹے ضرور۔ کیا بات ہے؟"
"میں نے آپ کو بتایا تھا کہ میں نے ایک عمارت خریدی ہے۔ میں نے اسے تبدیل بھی کرایا ہے' دو ایک دن میں کام مکمل ہو جائے گا اس کے بعد میرا پروگرام ہے کہ میں یہاں کاروبار کروں۔"
"نہایت مناسب خیال ہے۔" تنویر صاحب خوش ہو کر بولے۔
"اس سلسلے میں مجھے آپ سے کچھ مدد چاہیے۔"
"ہر طرح سے حاضر ہوں بیٹے کہو؟"
"کاروباری امور میں گورنمنٹ کے جو کام ہوتے ہیں' وہ آپ کو کرانے ہوں گے۔ میرا مقصد ہے فرم کو رجسٹریشن وغیرہ' امپورٹ لائسنس اور ایسے ہی دوسرے کام۔"
"سب ہو جائے گا مگر کاروبار کیا کرو گے؟"
"قالینوں کا۔" طالوت نے جواب دیا۔
"اوہو۔" نواب جلال الدین مسکرا اٹھے "اور یہ کاروبار یقیناً شمشیر الدولہ کے مقابلے پر ہوگا؟" طالوت ہنسنے لگا۔
"بہرحال میری ساری خدمات حاضر ہیں۔" تنویر صاحب نے کہا "میں آج ہی اپنے کاروباری مشیر کو بلاتا ہوں اور اس سے فرم کے کاغذات تیار کرا لیتا ہوں۔"
"بہت بہت شکریہ!" طالوت نے جواب دیا۔ اس کے بعد کافی دیر تک ہم لوگ گفتگو کرتے رہے پھر نواب جلال الدین نے اجازت چاہی۔
"میں اپنے کچھ دوستوں سے ملنے جا رہا ہوں۔ ممکن ہے شام کی چائے پر نہ ہوں' آپ لوگ خیال نہ کریں۔"
"ٹھیک ہے' آپ بھی آرام کریں۔" تنویر صاحب ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولے اور ہم دونوں ان دونوں بزرگوں سے رخصت ہو کر اپنے کمرے میں آ گئے۔ طالوت جوتے اتار کر بستر پر دراز ہو گیا تھا۔
"تو یہ ہیں حالات۔ ایک بات بتاؤ عارف۔ اب ہم اس کوٹھی میں کب تک رہیں گے؟"
"کیوں؟"
"بھئی یہاں رہنے کا کیا جواز ہے۔ مہمان داری کی ایک انتہا ہوتی ہے۔ کیوں تکلیف دی جائے ان لوگوں کو' میرا خیال ہے قرب و جوار میں کوئی خوب صورت سی کوٹھی تلاش کرنی جائے۔ پاس بھی ہوں گے اور الگ بھی۔"
"ہاں' خیال تو برا نہیں ہے۔ رات کو یہ تجویز تنویر صاحب کے سامنے رکھ دیں گے۔"
"تمھیں لوگ اجازت نہیں دیں گے لیکن بہرحال اب تو ہم کاروبار بھی کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے خاموشی سے کوٹھی خریدی جائے اور پھر انھیں اطلاع دے دی جائے۔"
"ٹھیک ہے لیکن یہاں سے جانے کا فیصلہ کچھ لوگوں کے مشوروں سے کیا جائے گا۔"
"یعنی۔ یعنی؟" طالوت [illegible] کر بولا۔
"افشاں سے اجازت لینا ضروری ہے۔"
"اللہ اکبر۔ اللہ اکبر!" طالوت [illegible] داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔
"تمہارا کیا ہے استاد' تمہاری رانی [illegible] تمہارے ایک اشارے پر تمہارے ساتھ ہو گی لیکن میری [illegible] افشاں' وہ تو ابھی غیروں کے بس میں ہے۔"
"حق اللہ!" طالوت نے زور سے نعرہ لگایا "اب [illegible] پیدائشی عاشق' معلوم ہو رہا ہے۔"
"سب تمہاری حرکت ہے۔"
"جی ہاں۔ حق آپ کر رہے ہیں' شادی آپ کریں گے اور حرکت میری ہے۔ ویسے میرا خیال ہے کچھ ہو ہی جانا چاہیے۔ کیوں نہ میں براہ راست نواب جلال الدین سے بات کروں۔"
"چند روز رک جاؤ یار۔ ذرا کاروبار شروع کر لیں اس کے بعد کچھ کریں گے۔"
"ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔" طالوت گہری سانس لے کر بولا۔
تقریباً چار بجے تک ہم لوگ اپنے کمرے میں رہے۔ یہاں کے لوگ دوپہر کو سونے کے عادی نہیں تھے لیکن بہرحال ہر وقت تو سب ایک دوسرے میں نہیں گھسے رہتے تھے۔
سوا چار بجے کے قریب کسی نے دروازے پر دستک دی اور میں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ شکیلہ' افشاں' تہمیں اور احسان کے خاندان کی دو لڑکیاں اور تھیں۔
"سو رہے ہیں آپ لوگ؟" افشاں نے کہا۔
"ہرگز نہیں۔ ہم دن میں کبھی نہیں سوتے۔"
"پھر یہاں کیوں گھسے ہوئے ہیں؟"
"بحالت مجبوری۔" طالوت نے جواب دیا۔
"کیوں' کیا مجبوری ہے؟"



"بھئی آپ لوگ نہ جانے کہاں تھے' کیا کر رہے تھے۔ ہم نے سوچا ہر وقت تو آپ کے سر پر سوار رہنا مناسب نہیں ہے۔"
"تکلف کی باتیں نہ کیا کریں۔ آئیے ذرا بھائی جمشید' میرا مطلب ہے جمی عرف جم کی خدمت میں چلیں۔ ان سے تفصیلی تعارف تو ہوا ہی نہیں۔" افشاں نے کہا۔
"جو حکم۔ ذرا لباس بدل لیں؟"
"ابھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ شام کی چائے پر دیکھا جائے گا۔" افشاں بولی اور طالوت نے شانے ہلا دیے۔ پھر ہم دونوں بھی اس گروہ میں شامل ہو گئے اور یہ شیطانی ٹولی ادھر جم کی خواب گاہ کی طرف چل پڑی۔ دبے پاؤں سب لوگ دروازے پر پہنچے اور چابی کے سوراخ سے باری باری اندر جھانکنے لگے۔
"ارے خدا کی پناہ!" تہمیں بولی۔
"کیا ہوا۔ کیا ہوا۔" افشاں نے تہمیں کے شانے پکڑ کر اسے چابی کے سوراخ سے ہٹایا اور خود آنکھ اس پر لگا دی اور پھر اس نے بمشکل ہنسی روکی۔
"بات کیا ہے؟" شکیلہ نے کہا۔
"الٹا کھڑا ہے احمق کہیں کا۔" افشاں نے کہا "اور صرف زیر جامہ پہنے ہوئے ہے۔"
"ہائے کمبخت ہوا کیا؟" افشاں کراہی۔
"تمہارا کزن ہے افشاں! کچھ تو خیال کرو۔" تہمیں مسکراتے ہوئے بولی۔
"اوہ' ہاں۔ چلو اسے سیدھا کریں۔" افشاں بولی۔
"ارے افشاں! کیوں نہ اچانک اندر گھس جائیں' [illegible] جائے گا۔" شکیلہ جیسی سنجیدہ لڑکی کے ذہن میں بھی [illegible] شرارت گھس آئی۔
"[illegible] دروازہ تو اندر سے بند ہے۔"
"[illegible] پورے چھ ماہ تک ایک نقب زن سے تجوری توڑنے کی تربیت لی ہے۔ دروازہ بے آواز کھل سکتا ہے۔" طالوت آگے بڑھا [illegible]
"تو کھولیے۔" افشاں نے سرگوشی کی اور طالوت نے دکھاوے کے لیے ایک پن جیب سے نکالی۔ ورنہ یہ بات تو میں بھی جانتا تھا اور شکیلہ بھی کہ دروازہ ایک اشارے سے کھل سکتا تھا۔
بہرحال' پن باہر نکل آئی اور دروازہ کھل گیا۔ تب اچانک ہم سب نے اسے زور سے دھکا دیا اور دونوں پٹ کھل گئے۔ جمشید بری طرح اچھل پڑا لیکن یہ بات صرف میں ہی دیکھ سکا تھا کہ طالوت نے اپنی ایک انگلی اوپر کر دی تھی۔ اب اس کا مقصد کیا تھا یہ ابھی میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔
جمشید کی آنکھ کھلی ہوئی تھیں۔ اس نے ہمیں دیکھ کر بھی سیدھا ہونے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ اس کے پاؤں خلا میں سائیکل چلانے والے انداز میں حرکت کر رہے تھے۔
"ڈیئر مسٹر جم! کیا ہو رہا ہے؟" افشاں نے پوچھا لیکن جمشید کے منہ سے آواز نہ نکل سکی۔ البتہ پاؤں کی حرکت تیز ہو گئی تھی۔
"میں نے کہا جمشید بھائی' آپ تو الٹے ہو گئے ہیں۔" افشاں پھر بولی۔
"مم۔ مم۔ مجھے سیدھا کرو۔" جمشید کی آواز ابھری۔ اس کے چہرے پر بہت زیادہ بوکھلاہٹ نظر آ رہی تھی۔
"الٹا کیا ہم نے کیا تھا؟"
"نن۔ نہیں ہوا تھا۔"
"پھر سیدھے بھی خود ہو جائیے۔"
"نہیں ہو سکتا۔"
"کیوں؟"
"نہیں جانتا کیا ہو گیا ہے۔ بس سیدھا نہیں ہو سکتا۔"
"اللہ کی مرضی۔ ہم کیا کر سکتے ہیں؟" افشاں شانے اچکا کر بولی "ویسے آپ کیا کر رہے تھے؟"
"عبادت!" جمشید نے جواب دیا۔
"سبحان اللہ!" طالوت پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا اور میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ بات کسی حد تک سمجھ میں آ رہی تھی۔ جمشید الٹا اپنی مرضی سے ہوا تھا لیکن بدمعاش طالوت کی موجودگی میں اپنی مرضی سے سیدھا نہیں ہو سکتا تھا اور بے اختیار میری ہنسی نکل گئی۔
جمشید نے اب سائیکل چلانا بند کر دی تھی۔ وہ اب ساکت ہم سب کی شکلیں دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر صبر کے آثار تھے۔ کئی منٹ گزر گئے تھے۔ میں نے طالوت کی طرف دیکھا۔ وہ اسی طرح بے تعلق تھا۔
"جمشید بھائی!" تہمیں نے آواز دی۔
"آئی ایم سوری لیڈیز۔ میں آپ لوگ کو اچھا ریسپشن نہیں دے سکتا۔ آئی ایم سوری۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
"مگر آپ سیدھے تو ہوں۔" افشاں نے کہا۔
"نہیں۔ یونہی ٹھیک ہوں۔ آج عبادت میں گڑبڑ ہو گیا ہے۔ اب جب تک گوڈ کا مرضی ہو گا' الٹا رہیں گا۔" جمشید نے ایسی بے چارگی سے کہا کہ سب ہنس پڑے۔ میں



Uploaded By Muhammad Nadeem

آہستہ آہستہ طالوت کے قریب پہنچ گیا تھا اور پھر میں نے سرگوشی کی۔

"بس طالوت، کافی ہے۔"

"واقعی؟" طالوت نے میری طرف رخ کیے بغیر کہا۔

"ہاں۔ اس کی بے چارگی پر ترس آ گیا ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" طالوت نے کہا اور جمشید پٹ سے نیچے آ پڑا لیکن اس کا چہرہ اب بھی پرسکون تھا۔ وہ اسی طرح نیچے پڑا رہا۔ لڑکیاں اب بھی ہنس رہی تھیں۔

"لیڈیز اینڈ جنٹلمین۔ آپ کو تکلیف تو ہوگی 'مگر' میرے کو اٹھا کر کرسی پر رکھ دیں۔ میرا نروس بریک ڈاؤن ہے۔ میں کھڑا نہیں ہو سکتا ہائے پلیز۔" جمشید لجاجت سے بولا۔

"اوف جمشید بھائی! کمال ہے آخر آپ ہیں کیا چیز؟" افشاں پیر پٹخ کر بولی۔

"آرام آرام سے پٹا کرو۔ جلدی مت کرو۔ ہم فنکار ہے 'دیر سے سمجھ میں آئیں مگر کیا تم لوگ ہمارا ہیلپ نہیں کریں گا؟" جمشید مخصوص انداز میں بولا۔

"آؤ بھئی۔" طالوت بولا اور پھر میں نے اور طالوت نے جمشید کو اٹھا کر کرسی پر بٹھایا۔ اس کی آنکھیں بدستور پتھرائی ہوئی تھیں 'بے تاثر آنکھیں پھر اس نے یاس بھری نگاہوں سے افشاں کو دیکھا۔

"کزن۔ ڈیر کزن! ہمارا پرسنالٹی خراب ہوگیا ہائے۔ کیا تم وہ چادر ہمیں نہیں دیں گا۔" اس نے بستر پر پڑی چادر کی طرف اشارہ کیا اور افشاں نے چادر اس کے بدن پر ڈال دی۔

"مگر یہ کون سی عبادت تھی مسٹر جمشید؟" میں نے پوچھا۔

"عبادت نمبر ایک سو گیارہ!"

"کیا مطلب؟" سب حیرت سے بولے۔

"سوری لیڈیز۔ ہم خود کسی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا تو آپ کیوں مغز خراب کرتا۔ آپ لوگ بیٹھو۔ ہم کو رنج ہے ہم آپ کا خاطر کچھ نہیں کر سکتا۔"

"آپ ہمیں صرف اس عبادت کے بارے میں بتا دیں۔" شکیلہ بولی۔

"اوہ سیمی کزن! ہم کیا بولے۔ ہمارا بات تمہارا سمجھ میں نہیں آئیں گا۔ بس ہم جو کچھ کرتا خواب دیکھ کر کرتا۔ ایک رات ہم ڈنر میں گیا۔ ادھر چکن فرسٹ کلاس پکا۔ ہم اتنا کھایا کہ پیٹ خراب ہوگیا۔ تب ہم رات کو خواب دیکھا۔ ایک بوڑھا مین بولتا کہ عبادت کرو۔ ہم بولا کیسے 'تو اس نے ایسا ایکٹ کیا۔ تب ہمارا پیٹ ٹھیک ہوگیا۔ ادھر رات کو ڈنر بہت اچھا تھا' ہم کھایا اور پھر خراب ہوگیا۔ تب ہم عبادت کیا۔ ابھی ٹھیک ہے۔" جمشید پیٹ ٹھیک کرنے کے لیے عبادت کر رہا تھا۔

"زندہ رہو یار' پیارے آدمی ہو۔" طالوت نے بڑے پیار سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور جمشید شرماتے ہوئے انداز میں مسکرانے لگا پھر چونک کر بولا۔

"لیکن مین' میں تمہارا کیا خدمت کروں۔ ادھر تو کچھ نہیں ہے۔ ویری سوری۔ ابھی ہم ہمارا اکنٹری آؤ تو میں تمہارا خدمت کروں گا۔ اس ٹیم میرے کو معاف کر دو۔"

"دیا۔ بخدا دیا۔ بس اب تم تیار ہو جاؤ۔ باہر سب لوگ تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔" طالوت نے کہا۔

"اوہ' مگر کیسے تیار ہوں۔ اوہ گڈ! ہم سمجھو ہم تیار ہو تا ہائے۔" جمشید نے کہا اور پھر وہ بدن پر چادر ڈال کر الماری کی طرف گیا۔ اس سے کپڑے نکالے اور باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ لڑکیاں اب بھی ہنس رہی تھیں۔

"آپ نے ایک بات محسوس کی صائم بھائی؟" سیمی نے کہا۔

"کیا؟"

"جمشید کے اندر ایک عجیب بات ہے۔ یہ صورت حال پیش آئی لیکن انہوں نے ہمارے اس طرح گھس آنے کا برا نہیں منایا بلکہ اس بات پر افسوس کر رہے تھے کہ وہ ہماری خدمت نہیں کر سکتے۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔" طالوت نے بھی اعتراف کیا۔

"ایک شمشیر الدولہ بھی ولایت پلٹ تھے۔"

"غیر ممالک میں سب برے نہیں ہوتے' جو کوئی جس شخصیت کو اپنا لے۔ بہرحال یہ شخص کافی دلچسپ ہے اور ہمارے شب و روز کو رنگین بنائے گا۔" میں نے کہا اور ہم سب جمشید کے کمرے کے مختلف حصوں میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگے۔ پانچ منٹ' دس منٹ اور پھر پندرہ منٹ گزر گئے لیکن جمشید باتھ روم سے نہ نکلا۔

"ارے کیا ہوگیا اسے؟" احسان نے باتھ روم کے دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا اور اسی وقت اندر سے گٹار کی آواز پھوٹ پڑی۔ سب اچھل پڑے تھے۔

"کیا مطلب؟" سیمیں حیرت سے بولی۔

"یہ گٹار باتھ روم میں کہاں سے پہنچ گیا؟" افشاں حیرانی سے بولی اور ہم سب گٹار سننے لگے۔ اچھا خاصا نغمہ تھا لیکن



جس جگہ بجایا جا رہا تھا' وہ بڑی مضحکہ خیز تھی۔

"اب کیا خیال ہے دوستو؟" طالوت ہنس کر بولا۔

"آواز تو دیں۔ نہ جانے کیا ہوگیا اس پاگل آدمی کو۔" افشاں نے کہا۔

"چل کر دیکھا جائے اندر۔" طالوت بولا اور سب ہنس پڑے۔

"نہیں عادل بھائی۔ نہ جانے کس حال میں ہو۔ کوئی صحیح الدماغ شخص تو ہے نہیں۔" افشاں نے کہا۔

"تو پھر اسے باہر بلانے کی کوئی ترکیب کرو' ورنہ وہ اندر بیٹھا گٹار بجاتا رہے گا اور ہم سب یہاں احمق بنے بیٹھے رہیں گے۔" احسان نے کہا۔

لڑکیاں ہنستے ہنستے بے حال ہو گئی تھیں۔ درحقیقت یہ جمشید شاہ چیز تھی۔ اس کی حرکتوں میں ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہوتا تھا۔ وہ تخریب نہیں بلکہ ستم ظریف تھا اور اب اس وقت کسی معاملے کو لیا جائے' وہ ہم سب کو یہاں بٹھا کر باتھ روم میں گٹار بجا رہا تھا۔ کوئی اندر جا بھی نہیں سکتا تھا۔

بالآخر میں' احسان اور شکیلہ آگے بڑھے۔ ہم نے زور زور سے باتھ روم کا دروازہ دھڑ دھڑایا اور گٹار کی آواز بند ہوگئی۔ امید افزا بات تھی۔ دوسری اور تیسری بار دروازہ بجانے پر اندر سے جمشید کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

"ارے کون آگیا صبح ہی صبح؟"

"کیا جمشید صاحب اندر موجود ہیں؟" طالوت نے آواز بدل کر کہا۔

"ہاں! کون صاحب ہیں؟" اندر سے جمشید کی آواز آئی۔

"آپ سے ایک ضروری کام ہے۔" طالوت نے کہا اور چند لمحوں کے بعد اندر سے دروازہ کھل گیا۔ جمشید لباس پہن چکا تھا۔ گٹار اس کے ہاتھ میں تھا اور آنکھوں میں عجیب سا کھویا کھویا پن تھا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے خالص امریکن لہجے میں پوچھا۔

"کیا ہو رہا تھا اندر؟"

"اوہ!" جمشید چونک پڑا "تم کون ہو؟ یہ میرا کمرہ ہے۔" پھر اس نے باقی لوگوں کی شکلیں دیکھیں اور گٹار کو دے مارنے لگا۔ اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں پھر وہ لہرا کر گرنے ہی والا تھا کہ میں' احسان اور طالوت نے اسے جلدی سے سنبھال لیا۔ گٹار جمشید کے ہاتھ سے لے لیا گیا اور ہم سب اسے باہر لے آئے۔

"یہ کیا ہوگیا؟" افشاں کی سرسراتی آواز ابھری۔

"ابھی پتہ چل جاتا ہے۔" طالوت نے کہا اور پھر جمشید کی سفید پتلون پر ایک ننھا سا سرخ دھبہ ابھر آیا۔ طالوت نے اس کی ران میں پن گھسیڑ دی تھی لیکن جمشید کے جسم میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ طالوت کی آنکھوں میں خجالت کے آثار ابھر آئے۔ جمشید کو تکلیف دے کر اسے افسوس ہوا تھا۔

بہرحال ہم سب نے اسے بستر پر لٹا دیا۔

"یہ سب کیا ہے عادل بھائی؟" افشاں نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"کوئی انوکھا کیس! یہ بے ہوش ہے۔" طالوت آہستہ سے بولا۔ سب ہی جمشید کے لیے دل میں ہمدردی محسوس کر رہے تھے۔ اچھا خاصا نوجوان تھا۔ بے چارہ ذہنی طور پر بھی کم تر تھا اور اس وقت کی بے ہوشی بہرحال قابل رحم تھی۔ اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی جانے لگی اور چند منٹ کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ سہمی ہوئی نگاہوں سے ایک ایک کا جائزہ لینے لگا اور پھر بستر سے چادر کھینچ کر لپیٹ لی۔ وہ اس طرح اپنا بدن چھپا رہا تھا جیسے برہنہ ہونے کا احساس ہو رہا ہو۔ لیکن پھر اس نے بدن کے لباس کو دیکھا اور سکون کی گہری سانس لی پھر جھینپی جھینپی نگاہوں سے ایک ایک کی شکل دیکھنے لگا۔

"اب کیا کروں؟" اس نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

"کیسی طبیعت ہے جمشید صاحب؟" طالوت ہمدردی سے بولا۔

"ٹھیک ہائے' ٹھیک ہائے مگر آپ لوگ کھڑا کیوں ہے؟"

"پہلے ناشتا نہیں کریں گے۔"

"اوہ۔ آئی ایم سوری۔ پلیز میرا گٹار واپس رکھ دیں۔ میں اس کے معاملے میں بہت جذباتی ہوں۔ پلیز آپ لوگ مائنڈ نہیں کریں گا۔" اس نے گٹار احسان کے ہاتھ سے لے لیا اور بڑے پیار سے اس پر ہاتھ پھیرنے لگا پھر وہ گٹار سمیت ہی ہمارے ساتھ باہر آیا تھا۔ ناشتے کے کمرے میں بھی وہ ننھا گٹار کے وائلن ہوا تھا اور حسب معمول اس کے منتظر کو باقاعدہ جگہ دی گئی لیکن نہ جانے کیوں ہم سب اس کے لیے سنجیدہ ہو گئے تھے۔ بزرگوں سے اس کی پراسرار بے ہوشی کا تذکرہ نہ کیا گیا لیکن ناشتے کے بعد سب ہی سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ جمشید کو اس کے کمرے میں چھوڑ دیا گیا تھا۔

"کیا خیال ہے؟ یہ جمشید کیا چیز ہے؟" احسان نے کہا۔




Uploaded By Muhammad Nadeem

"خدا ہی بہتر جانے۔ ویسے کیا اس کی بے ہوشی مصنوعی تھی؟"

"ہرگز نہیں۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔" طالوت بولا۔

"آپ کہہ رہے ہیں عادل بھائی تو پھر ٹھیک ہی ہوگا لیکن آخر یہ ہے کیا کردار؟"

"میرے خیال میں کوئی ذہنی مرض۔" میں نے کہا۔

"اور پھر امریکا جیسا ملک' نت نئے امراض وہاں ایجاد کیے جاتے ہیں۔ کچے ذہن کا ایشیائی نوجوان جو اپنی شخصیت ان لوگوں میں کھو بیٹھا۔ شمشیرالدولہ دوسری قسم کا انسان تھا' چالاک اور بد فطرت لیکن جمشید اس سے مختلف فطرت کا مالک ہے۔"

"شکر ہے خوب۔" میں نے گردن ہلائی۔

"میرا خیال ہے اس کی حماقتوں پر گہرا نوٹس نہ لیا جائے۔"

"اور اس کے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہ کیا جائے جو اسے تکلیف پہنچائے۔"

"ٹھیک رہی۔"

"لیکن وہ بے ہوش کیوں ہوگیا تھا؟"

"یہ تو کوئی ڈاکٹر ہی بتا سکے گا۔" طالوت نے شانے ہلاتے ہوئے کہا اور ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ ہاں جمشید نے ہماری ہمدردیاں حاصل کرلی تھیں۔ اس کے بعد سب منتشر ہوگئے۔ طالوت 'شکیلہ کے کمرے میں گھس گیا تھا۔ اب وہ تکلف کا عادی نہیں رہا تھا۔ افشاں 'تصدق کے ساتھ کہیں چلی گئی تھی۔ میں اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ کوئی خیال ذہن میں نہیں تھا' یونہی بے خیالی کے عالم میں بیٹھا ہوا تھا کہ دروازے پر آہٹ سنائی دی۔

"اے عادل بھیا' صائم میاں! کوئی ہے؟" آواز بوا کی تھی۔ میں جلدی سے سنبھل گیا۔

"آئیے بوا۔ آئیے۔" میں نے کہا اور بوا کمرے میں داخل ہوگئیں۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں حیرت کے آثار "بیٹھیں بوا' کیسی ہیں؟" میں نے کہا اور بوا بیٹھ گئیں۔

"ٹھیک ہوں بیٹے۔ عادل میاں کہاں گئے؟"

"ارے بوا! عادل تو میں ہوں۔ آپ غالباً صائم کی بات کررہی ہیں۔" میں نے کہا۔

"ایں!" بوا حیرت سے بولیں۔ مجھے گھورتی رہیں پھر کہنے لگیں "نا بیٹا نا' محبت کے ماروں سے مذاق نہیں کرتے۔ میاں یادوا کی آنکھیں کیسی ہی کمزور کیوں نہ ہوجائیں' اولاد کو پہچاننے میں دھوکا نہیں کھاسکتیں۔ میں تم لوگوں کی سگی نہیں ہوں لیکن تم دونوں ایسے پیارے بچے ہو کہ بس اپنے ہی لگتے ہو۔ بتا دے بیٹا' میں جھوٹ تو نہیں کہہ رہی؟"

"نہیں بوا۔ آپ بے حد مہربان ہیں۔ میں صائم ہی ہوں۔"

"اللہ زندہ سلامت رکھے۔" بوا نے دل سے دعائیں دیں اور پھر میں ان سے دوسری باتیں کرنے لگا۔ باتوں کے دوران بوا بول اٹھیں "لیکن بیٹا یہاں کا ماحول میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

"کیوں بوا؟"

"بس اچھا نہیں لگے ہے۔ لڑکے لڑکیاں ہر وقت ایک دوسرے میں گھسے ہی کرتے رہتے ہیں۔ ایک موا مراثی ہے جو امریکا سے آیا ہوا ہے۔ نوکریں تو ہولیں از رہے ہیں۔"

"ارے بوا۔ وہ تصدق بہت کمینہ انسان ہے۔"

"کون تصدق؟"

"وہی جو آپ کو لینے اسٹیشن گیا تھا۔"

"ارے اس جھاڑو پھرے کی بات مت کرو۔ بڑا ہی کمینہ ہے۔ لوگوں کی بہو بیٹیوں کے تو اسے قریب بھی نہ کھڑا کیا جائے۔"

"واقعی۔ اب دیکھو نا تمہارے بارے میں ہی کیا کہتا پھر رہا ہے۔ وہ تو مجھے احسان نے روک دیا' ورنہ اسے مار بیٹھتا۔"

"میرے بارے میں؟" بڑی بی چونک پڑیں۔

"ہاں بوا۔ جانے دو بے غیرت کو۔"

"ارے مگر کہہ کیا رہا تھا جھاڑو پھرا؟"

"بس بوا' الٹی سیدھی باتیں۔ لڑکیاں تو حیران رہ گئیں۔"

"بتا دے بیٹا۔ تجھے میری قسم' بتا دے۔" بوا ضد کرنے لگیں۔

"بس یہی اسٹیشن سے آنے کی باتیں کررہا تھا۔ کہتے لگے' خود تو بار بار میری ران میں نوچ نوچ کر مجھے متوجہ کررہی تھیں۔ میں نے توجہ نہیں دی تو بگڑنے لگیں۔"

"ہائے میں مرجاؤں۔" بڑی بی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"کہہ رہا تھا مجھے دیکھ کر آنکھیں تتلی بنالیتی ہیں۔" بڑی بی کا دماغ چل گیا ہے۔



"ارے بھوبھل پڑے منہ پر۔ کوڑھی ہو مرے کالیا۔ بے کماں ستیاناسی' مار مار کر حلیہ نہ بگاڑ دوں تو نام نہیں۔" بوا بری طرح بپھر گئی تھیں۔

"ارے ارے اس قدر ناراض نہ ہو بوا!" میں نے گڑگڑایا۔

"ارے ناراض نہ ہوں۔ کم بخت پرائی بہو بیٹیوں کو عیب لگاتا ہے۔ ارے آ تو جائے' گیا کہاں؟" بوا اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھیں۔

"بوا۔ بوا۔ وہ ہے نہیں۔ افشاں بی بی کے ساتھ کہیں گیا ہے آجائے تو اپنا غصہ نکال لیجیے گا۔" میں نے بوا کو روکتے ہوئے کہا "آئیے بیٹھیے۔"

"ارے نہیں بیٹا۔ اب نہیں بیٹھوں گی۔ کم بخت نے دو کوڑی کی عزت کردی۔ اب کس منہ سے تمہارے سامنے بیٹھوں۔ اب تو جب تک دل ٹھنڈا نہ ہوجائے گا میں نہیں بیٹھوں گی۔" بوا کمرے سے نکل گئیں اور میرے حلق میں سیکڑوں قہقہے مچل اٹھے۔ آگئی شامت بے چارے تصدق کی۔

بہرحال بوا کے جانے کے بعد میں کمرے سے باہر نہیں نکلا۔ کسی کو اس شرارت کے بارے میں بتانا مناسب نہیں تھا لیکن تقریباً پونے گھنٹے کے بعد کا ہنگامہ ایسا نہیں تھا کہ میں کمرے میں گھسا رہتا۔ بوا کی تیز تیز آوازیں سن کر یہ اندازہ بھی ہوگیا تھا کہ بے چارہ تصدق مرہوا!

باہر نکل کر دیکھا تو وہی صورت حال تھی جس کا میں منتظر تھا۔ نہ جانے کس طرح تصدق کی ٹائی پکڑلی تھی اور اب تصدق ناچ رہا تھا اور بوا زری کے کام کی جوتی پٹاپٹ برسا رہی تھیں۔

"کمینے' ذلیل خاندان' آنکھیں بند ہوگئی ہیں کیا' عمر بھی نہیں دیکھی تیری ماں کے برابر ہوں۔ ہائے ہائے ان بچوں کے سامنے میری کیسی مٹی پلید کی ہے۔" چٹ چٹ بوا نے اپنے ساتھ جوتیوں کا میوزک دیا اور پھر شروع ہوگئیں "ارے بول کیا کہتا ہے تو مجھے؟"

تصدق کی ایسی حالت بری تھی کہ منہ سے آواز تک نہ نکل رہی تھی۔ اس کے تن و توش کے آگے بوا کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی لیکن اس وقت اس کی پوزیشن بڑی کمزور تھی۔ اچانک ٹائی کھینچنے سے گرہ تنگ ہوگئی تھی اور وہ کافی تکلیف میں مبتلا تھا۔

بوا کی جوتیوں کے رخ پر وہ ناچ رہا تھا۔ صورت حال تو کسی کو معلوم نہیں تھی' بس یہ بندر کا ناچ سب کے لیے دلکش تھا اور چاروں طرف سے قہقہے ابل رہے تھے۔

صورت حال اس قدر خطرناک ہوجائے گی مجھے اس کا احساس نہیں تھا لیکن اب کیا ہوسکتا تھا۔ بوا کو روکنے اور یہ تماشا ختم کرنے کے لیے کوئی تیار نہ تھا۔ پھر تصدق کی مشکل قدرتی طور پر حل ہوگئی۔ نواب جلال الدین کسی طرف سے آنکلے تھے۔

"ارے ارے بوا۔ ارے بوا۔ کیا ہوگیا؟ ارے یہ کیا کررہی ہو؟ چھوڑو اسے۔" نواب جلال الدین دوڑتے ہوئے ان کے قریب پہنچ گئے۔ نواب صاحب کا حکم تھا اس لیے بوا نے ٹائی تو چھوڑ دی لیکن منافع کے طور پر دو چار جوتیاں اور برسادیں اور پھر دوپٹے سے منہ ڈھانپ کر رونے لگیں۔

"جان دے دوں گی یہاں' عزت نہیں گنواؤں گی۔ ہائے ہائے۔ ساری عمر تمہاری ڈیوڑھی میں گزار دی۔ آنکھ اٹھا کر کسی کو دیکھا؟ پہاڑ سی جوانی کاٹ دی' کبھی انگلی نہ اٹھی اور اب اس بڑھاپے میں' ہائے اس بڑھاپے میں۔" بڑی بی نے جھلاہٹ میں چپل اٹھائی اور تصدق نے چھلانگ لگادی۔

"ارے رک تو سہی مردار۔ گنجا نہ کردوں تو نام نہیں۔" بوا کانپ رہی تھیں۔

"میں منع کر... ہاں بوا' آپ کی سمجھ میں نہیں آرہا۔" نواب صاحب فیصلے انداز میں بولے۔

"ٹکڑے کردو میاں مگر عزت نہیں گنواؤں گی۔"

"ارے مگر ہوا کیا ہے؟" نواب صاحب جھلا کر بولے۔

"اسی سے پوچھو۔ اسی سے پوچھو میاں۔ ارے دو کوڑی کا کردیا ہے مجھے۔"

"تمہارا تو دماغ خراب ہوگیا ہے بوا۔ تصدق! تم میرے ساتھ آؤ۔" نواب صاحب بے چارے تصدق کو بازو سے تھام کر ایک طرف لے گئے اور بوا دوپٹے سے منہ ڈھانپے روتی رہیں۔ ہم سب بوا کو سمجھانے لگے۔ ویسے اصلی بات انجان بوا کے اور میرے درمیان ہی رہی تھی لیکن ظاہر ہے اس کا بھانڈا پھوٹنے ہی والا تھا۔

سب لوگ بوا کو پکڑ کر ایک کمرے میں لے گئے۔ بوا اب بھی زار و قطار رو رہی تھیں۔

"اللہ کے واسطے بوا' اب چپ بھی ہوجایئے۔ بتایئے تو سہی آخر ہوا کیا؟" میں نے عاجز آکر پوچھا۔

"نہیں بی بی۔ ہرگز نہیں۔ اللہ کے واسطے مجھے یہاں سے واپس بھجوا دو۔ میں اب یہاں نہیں رہ سکتی۔ اللہ مجھے ساتھ خیریت کے گھر بھجوا دے۔ ہائے اس دنیا کو کیا ہوگیا۔"

"اب آپ تصدق کو چھوڑ کر دنیا کی باتیں کرنے



Uploaded By Muhammad Nadeem

لگیں۔"

"ارے چھوڑوں گی تھوڑی اس مردار کو۔ لو اور سنو' کیا سمجھ رکھا ہے مجھے؟"

"اللہ تصدق کی جان پر رحم کرے۔" میں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"ایں!" بوا چونک پڑیں۔ میری شکل دیکھتی رہیں اور پھر جو انہوں نے آسمان سر پر اٹھایا تو بس ہی بھلی۔ وہ زار و قطار رو رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں "میں بیٹا! تم سے یہ امید نہیں تھی۔ اللہ کی قسم تم سے یہ امید نہیں تھی۔ ہائے گودوں میں پروان کیا ہے' گو ترسے رعوتے ہیں تمہارے اور آج یہ دن ہے' تم میرے دشمنوں کی خیر مانگ رہی ہو۔ ہائے میں بیٹا۔ تم سے یہ امید نہ تھی۔ تم سے۔"

"بوا۔ بوا۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ اب میری جان کو آگئیں۔" میں بوکھلا کر بولی۔

"ارے اب کچھ بھی ہو جائے' جب اپنے ہی بیگانے ہو گئے' تو کسی سے کہنے سے کیا فائدہ۔" بوا روتی رہیں' پھر سب نے لاکھ پوچھا لیکن بوا نے کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ وہ صرف روتی رہیں اور سب تنگ آگئے۔ پھر کچھ اور لطف آگیا۔ جمشید صاحب کو نہ جانے کیا سوجھی کہ ستار لے کر آگیا۔ اس نے تاروں پہ انگلیاں پھیریں اور بوا کی آواز کو بریک لگ گیا۔ وہ روتے روتے ایک دم چپ ہو گئیں اور پھر انہوں نے جلدی سے دوپٹہ سر پہ لے لیا۔

ہم سب بھی ایک دم جمشید کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"اوہ۔ سیڈ سین ہے۔ کیا ہوا' پرانا عورت کیا ہوا؟" اس نے بوا سے پوچھا۔ بوا شاید اس کی اردو نہیں سمجھ سکی تھیں۔

وہ ایک دم واپسی کے لیے مڑیں اور افشاں بول پڑی "ارے ارے بوا! کہاں چلیں؟"

"اے بی بی' میرا جانا ہی ٹھیک ہے۔ ایسی باتیں دیکھی نہ سنیں۔ اے ایک سے ایک بڑھ کر ہے اس گھر میں۔ یہ موا مراثی کیا کسی سے کم ہے۔"

"تم ہم کو مراثی بولا پرانا عورت۔" جمشید برا مان کر بولا۔

"کیا؟ کیا کہا تو نے نگوڑے! پرانی عورت!" بوا کو غصہ آگیا۔

"تم میرے کو مراثی بولا؟" جمشید نے آنکھیں نکالیں۔

"ارے۔ مراثی' بھانڈ اور نہ جانے کیا کیا۔" بوا نے بھی آنکھیں نکال کر کہا۔

"بوا۔ بوا۔ اب بھی آپ کو کچھ نہ کہوں' بڑی ہاں سنی کی تو کیا نہیں کی۔ جمشید صاحب ان کے بھتیجے ہیں۔" میں نے کہا اور بوا کی آنکھیں ایک دم پھیل گئیں۔

"ایں۔ بھتیجے؟"

"تو اور کیا۔ آپ سمجھتی تو ہیں نہیں۔ جو دل چاہتا ہے بولتی چلی جاتی ہیں۔"

"اور لو' مجھے کیا معلوم تھا۔ اے بھئی کمریہ کیسے بھتیجے ہیں؟" بوا ناک پر انگلی رکھ کر بولیں۔

"یہ جمشید صاحب بہت بڑے فنکار ہیں۔" میں نے کہا۔

"خدا نگتی کہوں بابا۔ بڑا مانو یا بھلا۔ آنکھیں اس لونڈے کی بھی اچھی نہیں ہیں۔" بوا نے کہا۔

"افشاں۔ مائی کزن۔ پلیز۔ میرے کو بتاؤ کیا جینڈ کیا ہوتا؟"

"بہت برا ہوتا۔" خالوت ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"اور پرانا عورت۔ تم میرے کو مراثی بولنا۔ میں تمہارے کو مردار کریں گا' تم تمہارے کو ایک دم مردار کریں گا۔" جمشید نے جیب سے ایک بڑا چاقو نکال لیا اور بوا نے ایک بھیانک چیخ ماری۔ جمشید ان کی طرف لپکا اور بوا نے ایک لمبی چھلانگ لگائی۔ اس عمر میں اتنی پھرتی سے وہ زندہ بچ گئی۔ جمشید تو ایک جھلک دے کر رک گیا تھا۔

بوا اتنی تیزی سے دوڑی تھیں کہ آن کی آن میں نگاہوں سے غائب ہو گئیں۔ البتہ جب ہم جمشید کی طرف مڑے تو وہ احمقانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"میرے کو بھاگتا ہوا بڈھا عورت بہت اچھا لگتا۔" وہ شرماتے ہوئے انداز میں بولا۔

"سبحان اللہ!" احسان نے گہری سانس لے کر کہا۔

"بائی گوڈ۔ معلوم ہوتا انڈوں پر بیٹھا مرغی بھاگ پڑا۔" جمشید نے پھر کہا۔

"اور حضور نے یہ چاقو کس خوشی میں نکالا تھا؟" خالوت نے پوچھا۔

"بس اس کو بھاگتے دیکھنا مانگتا تھا۔"

"لیکن جناب' یہ امریکا نہیں ہے۔"

"بالکل نہیں ہے۔ ہم جانتا ہے۔"

"اور اس سائز کا چاقو رکھنا یہاں جرم ہے۔"

"نو نو۔ نو نو۔ یہ تو نقلی ہے۔ دیکھو اصلی کا نقل کر نقلی۔" جمشید نے چاقو ہمارے ہاتھ میں دے دیا۔ درحقیقت وہ نقلی چاقو تھا۔ سب کی عجیب کیفیت تھی۔



Uploaded By Muhammad Nadeem

ان لوگوں کے لیے جو خوبصورت کہانیاں پڑھنے کے شوقین ہیں

ہزاروں دلوں کی دھڑکن

محی الدین نواب

کی خوبصورت کہانیوں کے تین دلکش مجموعے

پتھر کا گھر
قیمت -/100 روپے ڈاک خرچ -/25 روپے
8 بہترین کہانیوں کا مجموعہ

ایمان کا سفر
قیمت -/150 روپے ڈاک خرچ -/25 روپے
10 خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ

آدھا چہرہ
قیمت -/250 روپے ڈاک خرچ -/25 روپے
پہلا طویل معاشرتی ناول

کمپیوٹرائزڈ کتابت
دلکش طباعت
مضبوط جلد

تینوں کتابوں کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں

تینوں کتابیں ایک ساتھ منگانے پر ڈاک خرچ معاف۔ تینوں کی قیمت مبلغ -/450 روپے بذریعہ منی آرڈر پیشگی ارسال کریں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

کبھی ہنس رہے تھے، کبھی سنجیدہ ہو جاتے تھے۔

"خوب چڑیا گھر بنایا ہے افشاں صاحبہ۔" احسان ہنستے ہوئے بولا۔

"ایمان سے بتائیے احسان بھائی مزہ نہیں آرہا۔" افشاں کی آنکھوں میں ہنستے ہنستے آنسو آگئے تھے۔

"بے حد۔"

"ارے آیئے اس بے چارے کی حالت تو دیکھیں۔"

"تصدق کی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" افشاں نے جواب دیا اور ہم تصدق کی تلاش میں چل پڑے۔ تصدق، نواب جلال الدین کے کمرے میں ملا۔ عجیب سی شکل بنائے بیٹھا تھا اور نواب صاحب اسے سمجھا رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر وہ سنبھل گئے۔

"بھئی کیا قصہ تھا؟ تم ہی کچھ بتاؤ۔"

"پتہ نہیں ابو۔ تصدق صاحب کیا بتاتے ہیں؟" سیمیں نے کہا۔

"اس بے چارے کو کچھ نہیں معلوم۔ بوا نے اسے کیوں مارا؟" نواب صاحب بولے۔

"کمال ہے۔ ادھر بوا کچھ نہیں جانتیں۔"

"بوا کافی ضعیف ہو گئی ہیں۔ مجھے ان کی دماغی صحت پر بھی شبہ ہونے لگا ہے۔ تم انہیں سمجھا دو سیمیں، ورنہ مجھے ان کے ساتھ سخت سلوک کرنا پڑے گا۔ آئی ایم سوری تصدق! تم اس بات کو ٹال دو۔"

"میں اب یہاں کس منہ سے رہوں گا جناب! میں شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دیں۔ اب میں یہاں نہیں رہوں گا۔"

"بس ایک بار تصدق! ڈیئر۔ میری وجہ سے معاف کر دو۔ سیمیں! بوا کو میرے پاس بھیج دو بلکہ اسی وقت بلاؤ۔" نواب صاحب نے کہا۔

"میں بلا کر لاتی ہوں۔" سیمیں نے کہا۔

"نہیں۔ براہ کرم رہنے دیں۔ میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔" تصدق نے گھبرا کر اٹھتے ہوئے کہا اور پھر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ نواب صاحب نے اسے نہیں روکا تھا۔ پھر وہ آہستہ سے بولے۔

"کوئی جھمیلا ضرور ہے۔ تصدق خود بھی بوا کے سامنے نہیں رکنا چاہتا۔ بہرحال، بوا کو اس حد تک نہیں جانا چاہیے تھا۔ بھئی تم میں سے تو کسی نے شرارت نہیں کی ہے؟" نواب صاحب مسکرا کر بولے لیکن کسی نے کوئی جواب نہیں دیا پھر سب نواب صاحب کے کمرے سے نکل آئے۔ پورا دن دلچسپ ہنگاموں میں گزرا تھا۔

رات کو میں اور طالوت تنہا ہوئے تو طالوت نے پوچھ ہی ڈالا "یہ بڑی بی نے تصدق کی اس قدر پٹائی کیوں کروائی، سمجھ میں نہیں آیا؟"

"گڑبڑ ہو گئی تھی طالوت۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

اور میں نے طالوت کو تفصیل بتا دی۔ طالوت خوب ہنسا تھا "خیر کوئی بڑی بات نہیں تھی لیکن تم نے مجھے بھی نہیں بتایا تھا، جو کوئی کارروائی کر لیتا کم از کم ہی بتا دیتیں تو؟"

"ہاں یار، میری تو روح فنا ہو گئی تھی۔" میں نے کان پکڑتے ہوئے کہا۔

"مگر عارف۔ یہ جمشید ذہن میں اٹک رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس آدمی کے بارے میں فیصلہ کر دو۔"

"میں نہیں سمجھا طالوت؟"

"یہ کیا شے ہے؟"

"کوئی دماغی کیس۔" میں نے جواب دیا۔

"نہ جانے کیوں عارف۔ بعض اوقات یہ بعض بعض کافی ذہین لگتا ہے۔" طالوت پر خیال انداز میں بولا۔

"ذہین!" میں ہنس پڑا۔

"ہنسو نہیں۔ کیا اس کی کیفیت میں ایک انوکھا پن نہیں محسوس ہوتا؟"

"مگر کیسا انوکھا پن میری جان۔ میں تو نہیں تلاش کر پایا۔"

"بس دل اندر سے کہتا ہے کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ اس کی آنکھوں سے شوخی ٹپکتی ہے اور اس کی حرکتوں میں ایک باقاعدہ سی شرارت ہوتی ہے اگر وہ بے حد چالاک اور مضبوط اعصاب کا مالک نہیں ہے تو پھر میرے لیے بہت عجیب ہے۔"

"چالاک، مضبوط اعصاب کا مالک؟"

"ہاں۔ وہ الٹا کھڑا تھا، میں نے اسے معلق کر دیا لیکن وہ صرف چند سیکنڈ اضطراب میں مبتلا رہا اور پھر پرسکون ہو گیا۔ معمولی بات نہیں تھی عارف! اس حیرت انگیز بات پر اسے پریشان ہو جانا چاہیے تھا۔"

"لیکن طالوت، اس طرح پرسکون ہو جانا اس کے ذہنی عدم توازن کی دلیل بھی ہو سکتی ہے۔ تم غسل خانے والا واقعہ بھول گئے ہو؟"

"نہیں۔ میں نہیں بھولا۔ میں نے اس کے بورا پن اتار دیا تھا لیکن وہ بے ہوش ہی تھا اور اسی بات پر میں نے اسے معصوم قرار دے دیا تھا۔"

"پھر؟ اور کوئی بات ہوئی؟"

"ہاں!"

"کیا؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"چاقو والی بات۔ تمہاری شرارت سے بڑی بی نے تصدق کی پٹائی کر دی اور تم یا اور کوئی جمشید کے سلسلے میں بھی کوئی شرارت کر سکتا تھا لیکن اب بڑی بی کی ہمت نہیں پڑ سکتی کہ وہ جمشید کے ساتھ کوئی برا سلوک کریں۔"

"اوہ! تم بہت گہرائی میں سوچ رہے ہو طالوت۔"

"ہاں۔ میرا خیال تھا۔"

"بظاہر ایسی بات نظر نہیں آتی لیکن اگر کوئی گڑبڑ ہے تو بہرحال ہم سے کہاں چھپ سکے گا وہ۔"

"ہاں۔ ٹھیک ہے۔ میں نے سوچا تھا لیکن پن والی بات مصنوعی نہیں تھی۔" طالوت نے کہا۔

"یقیناً۔ اس کے بدن میں جنبش بھی نہیں ہوئی تھی۔"

"بہرحال چھوڑو۔ ویسے تنویر صاحب کی کوٹھی ایک دم دلچسپ تفریحات کا مرکز بن گئی ہے لیکن اس کے باوجود بھائی شمشیر کو نظرانداز کرنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"اوہ! ہاں۔ اب کیا پروگرام ہے؟" میں نے کہا۔

"کاروبار۔ میں چاہتا ہوں کہ آئندہ چند روز میں کام شروع ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ عمارت میں کام مکمل ہو گیا؟"

"کل میں کون سی دیر لگے گی۔ میرا خیال ہے کام مکمل ہو جانا چاہیے۔" طالوت نے کہا اور میں گردن ہلانے لگا۔ دیر تک ہم بڑی بی اور تصدق کے معاملے پر ہنستے رہے پھر طالوت نے موضوع بدل دیا "اب تم افشاں کی بات سناؤ۔"

"افشاں!" میں نے گہری سانس لی۔

"ہاں۔ میری نظر سے دور نہیں ہے۔ بات بہت آگے ہو رہی ہے۔" طالوت شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"میں اس سے انکار نہیں کروں گا طالوت! بات واقعی بہت آگے ہو گئی ہے۔ تم یقین کرو بعض اوقات تو میں پریشان ہونے لگتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"کیوں؟ پریشانی کی کیا بات ہے؟" طالوت نے چونک کر پوچھا۔

"بہت سی باتیں طالوت! گو تم نے حق دوستی کی انتہا کر دی ہے، یعنی اپنے ہی شہر میں، میں سرخ رو ہو گیا ہوں۔ اب میرے وطن والوں کو مجھ پر شبہ نہیں رہا ہے اور میں باعزت لوگوں میں شمار ہونے لگا ہوں لیکن ضمیر کبھی کبھی حقیقت کا احساس دلاتا ہے۔ اس وقت سوچنے لگتا ہوں کہ اگر کبھی لوگوں کے سامنے حقیقت کھل گئی تو کیا ہوگا؟"

"خودکشی کر لینا، کون سی بڑی بات ہے۔" طالوت نے بڑے سکون سے کہا۔

"ایں!" میرے منہ سے حیرت زدہ آواز نکلی۔

"کیوں، مرنا نہیں ہے کبھی۔ بات کھل جائے تو کنپٹی پر پستول رکھ کر گولی مار لینا۔"

"طالوت! تم۔ تم مذاق کر رہے ہو لیکن۔"

"امی لعنت ہے مذاق کرنے والے پر۔ عارف! تم درحقیقت ایک بزدل انسان ہو۔ مستقبل کے وسوسوں میں پھنسے رہنے والے اور ایسے لوگ زیادہ دانش مند نہیں ہوتے۔ مستقبل کی فکر میں ہم اپنا حال خراب کرتے رہتے ہیں۔ احمق انسان اس وقت تمہارے سر پر کون سوار ہے، چاروں طرف سے پرسکون ہو۔ اب اور کیا چاہتے ہو۔"

"اوہ۔ طالوت! میں ضمیر کی بات کر رہا ہوں۔ دیکھو نا، افشاں نے ہمارے والدین کے بارے میں سوال کر لیا اور لمبے چوڑے جھوٹ بولنے پڑے۔ نہ جانے آئندہ بھی کتنے جھوٹ بولنے پڑیں گے۔"

"اور جناب بس دلی ہو جانے کا ارادہ رکھتے ہیں، کیوں؟" طالوت نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"دلی تو نہیں لیکن۔"

"آخری بار مشورہ دے رہا ہوں عارف! خدا کی قسم آئندہ اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ تم غور نہیں کرتے۔ تمہاری یہ باتیں میری براہ راست توہین کے مترادف ہوتی ہیں۔ گویا میں ایسا ہی بے وسیلہ انسان ہوں کہ ایک دنیاوی انسان کے لیے کوئی ٹھوس اور مضبوط کام نہیں کر سکتا اور رہی تمہارے ضمیر کی بات، تو تم مجھے بتاؤ، کسی دور میں تم نے کلرکی کرنے کے بارے میں کیوں سوچا تھا۔ کیسی زندگی گزار رہے تھے تم۔ آخر کیوں؟ تنازات کے مالک تھے۔ زندگی کی ابتدا کسی عمدہ سے ڈاکے سے کیوں نہ کی۔ دو ہی باتیں ہوتیں یا تو پکڑے جاتے اور ایک لمبی سزا ہوتی، یا پھر۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو طالوت۔" میں نے مضمحل سی آواز میں کہا۔

"حالات نے تمہیں اس طرف دھکیلا تھا اس لیے ضمیر کی تکلیف کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"یار طالوت! تم درحقیقت عمدہ دوست ہو۔"

"جی نہیں احمق ہوں اور اپنی اس بکواس سے اگر آپ



Uploaded By Muhammad Nadeem

افشاں کا ذکر گول کرنا چاہتے ہیں تو اس میں کامیاب نہیں ہوں گے' بے فکر رہیں۔" طالوت نے کہا اور میں ہنس پڑا۔

"نہیں میری جان۔ میں اس کا ذکر گول نہیں کروں گا۔ تم سے نہیں کہوں گا تو کس سے کہوں گا دل کی بات۔"

"تو پھر کہہ ڈالیے نا۔" طالوت نے مسخرے پن سے کہا۔

"یار یہ لڑکی بڑی پراسرار قوتوں کی مالک ہے۔"

"ماشاء اللہ! مبارک ہے اس کا نام؟"

"نہیں طالوت! مذاق نہیں۔ بے حد باہمت ہے۔ انتہائی ٹھوس کردار کی مالک۔ یقین کرو ان معاملات میں' میں بزدل انسان نہیں ہوں۔ شیکر کے ساتھ گزاری ہوئی زندگی تمہارے علم میں ہے۔ اس کے علاوہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ بہت سی عورتیں میری زندگی میں آ چکی ہیں لیکن افشاں ان میں سب سے الگ ہے۔"

"اے سبحان اللہ! کیوں نہ ہو' میری راج ہنس کی ہم شکل ہے۔" طالوت نے مسخرے پن سے کہا۔

"وہ کھل کر میدان میں آ گئی ہے۔" میں نے افشاں کی باغ والی ملاقات اور اس کی گفتگو کی تفصیل طالوت کو بتائی اور طالوت بڑی دلچسپی سے سنتا رہا۔ میرے خاموش ہونے کے بعد اس نے کہا۔

"میرا بھی اس لڑکی کے بارے میں یہی خیال تھا۔ وہ صاحب کردار ہے۔ بس بارٹ' کسی مناسب وقت' اس کے سلسلے میں کام ہونا چاہیے۔ میں اسے اپنی بھابی بنانے کے لیے بے چین ہوں۔"

"ہمیں مناسب وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔"

"ہاں بھئی اور پھر تم اپنے پیروں پر تو کھڑے ہو جاؤ۔ چار پیسے تو کما لو۔ اس کے بعد ہی سارے کام ہو سکیں گے۔" طالوت نے بوڑھوں کے سے انداز میں کہا اور میں ہنس پڑا "ہنسنے کی بات نہیں۔" طالوت بولا "ہمیں سنجیدگی سے جلد از جلد اپنا کام شروع کرنا چاہیے۔"

"تو میں نے کب منع کیا ہے۔"

"بس کل ضروری ہدایات جاری کر دیں گے۔"

"کام قالینوں کا ہی ہوگا؟"

"سو فیصد۔ ویسے راسم نے پوری دنیا میں آرڈر دے ڈالے ہیں۔ مال پہنچنے والا ہوگا۔"

"شمشیر الدولہ کی چٹنی؟"

"ہاں۔ مقابلہ تو اسی سے ہے۔"

"بے چارہ۔" میں نے کہا۔

"بے چارہ۔" طالوت آنکھیں نکال کر بولا "اسے اسے

تو ایسی جگہ مارا جائے جہاں پانی بھی نہ ہو۔ ہاں ایک خیال میرے ذہن میں آیا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"کیوں نہ ہم تنویر صاحب سے کہہ کر تصدق کو مانگ لیں؟"

"کیا مطلب؟"

"کام کا آدمی ہے یار اور پھر اس کے ساتھ زیادتی بھی ہوئی ہے۔ اس کی تلافی اس کی حیثیت بدل کر کی جا سکتی ہے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"کل بات کر لیں گے۔" طالوت نے کہا اور سونے کے لیے کروٹ بدل لی۔

"ارے مسٹر! ایسے نہیں سونے دوں گا۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"جوابی کارروائی' مجھے خلیلہ کے بارے میں بتاؤ۔"

"ارے اپنے راج ہنس کی کیا بات ہے۔ بس ہم دونوں یک جان دو قالب ہو چکے ہیں۔ ذہنی طور پر ہم نے ایک دوسرے کو پوری طرح قبول کر لیا ہے' مذہبی طور پر بھی ایک ہو جائیں گے۔ بس ذرا گھر والوں کو ہموار کر لوں۔"

"بڑی خوشی ہوئی ہے طالوت یہ سب جان کر سوچ کر۔"

"بس اب تم اپنی افشاں کو اور میں اپنی راج ہنس کو آنکھوں میں بسا کر سو جائیں' صبح ملاقات ہوگی۔" طالوت نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے بھی مستقبل کے خواب آنکھوں میں سجائے اور سو گیا۔ دوسری صبح حسب معمول خوشگوار تھی۔ تنویر صاحب کی عظیم الشان کوٹھی ہنگاموں کا مرکز تھی۔ اتنے سارے لوگ جمع ہو گئے تھے جس قدر بھی دلچسپیاں ہوتیں کم تھیں۔ خاص طور سے بوا اور جمشید۔ جمشید آج نہایت سنجیدہ تھا اور لطف کی بات یہ کہ اس کا گٹار بھی آج ناشتے کے کمرے میں اس کے ساتھ نہیں تھا۔ اس بارے میں نواب جلال الدین نے پوچھ ہی لیا۔

"جمشید میاں! تمہارا گٹار کہاں ہے؟"

"کمرے میں چھوڑ آیا ہوں انکل۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ ادھر میرے گٹار کا کوئی کدر نہیں پائے۔ آپ لوگ میرے کو معاف بولو۔ میوزک سے بہت دور ہے۔"

"ہاں یہ تو حقیقت ہے۔ ہم سُروں میں کھونے کے عادی نہیں ہیں۔" نواب صاحب بولے۔

"اوہ انکل۔ سُروں کا انسلٹ مت کرو۔ سُر آسمان سے اترتے ہیں۔ مگر ان کے رشتے کو بھول نہیں سکتے۔ تاروں کا رشتہ براہ راست روح سے ہوتا ہے مگر آپ چھوڑو۔"

"تم نے کسی دن گٹار سنایا بھی تو نہیں ہے۔" تنویر صاحب بولے۔

"کیا سنائے انکل۔ جب تک کاردڈان نہ ہو' کیا فائدہ؟"

"میرا خیال ہے آج شام کو جمشید بھائی سے گٹار سنا جائے۔" افشاں نے کہا۔

"ہاں بھئی دیکھیں تو' شاداب نے بیٹے کو کیا فن دیا ہے۔" تنویر صاحب بولے اور بڑی ماں نے ناشتے سے ہاتھ روک لیا۔ انہوں نے خاموش نگاہوں سے شوہر کو دیکھا اور اچانک ہی تنویر صاحب کو احساس ہو گیا۔ وہ بوکھلا سے گئے لیکن براہ راست بیگم کو مخاطب کرنے کے بجائے انہوں نے دوسرے طریقے سے معاملہ ہموار کرنا چاہا۔

"جمشید میاں! تم نے پڑھا کہاں تک ہے بیٹے؟"

"جہاں تک پڑھا جا سکا انکل مگر مجھے میوزک سے عشق تھا۔"

"اچھی بات ہے بیٹے لیکن عملی زندگی بھی ضروری ہے۔ ابھی تک تم نے عملی زندگی کے لیے کیا کیا' مستقبل میں کیا کرنے کا ارادہ ہے؟" تنویر صاحب گھبرا گئے تھے اور چور نگاہوں سے بیگم کو دیکھ رہے تھے۔

"زندگی کسی کے لیے کیا کرتا ہے انکل' جو زندگی کے لیے کچھ کیا جائے۔ مجھے اس سب وقتی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" جمشید نے جواب دیا اور اس انوکھے جواب پر سب چونک پڑے۔

"ارے کیا خوب! لیکن کیا مطلب ہے تمہارا؟" نواب جلال الدین دلچسپی سے بولے۔

"کوئی بات نہیں مانتا۔ زندگی کسی کا تابع نہیں' پھر زندگی کا تابع کیوں ہوا جائے۔ آپ میرا مطلب سمجھو انکل۔ جب یہ خوشی سے آ جائے' اپنی مرضی سے جاتا جائے تو پھر ہم اس کے غلام کیوں کرے؟"

"لیکن اس کے لیے تو تم اس کے لیے اہتمام کرتے ہو۔" تنویر صاحب بولے اور انہوں نے ڈش سے ایک پلیٹ بڑی ماں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "بیگم آپ نے یہ تو لیا ہی نہیں۔" اور ان کی اس گفتگو نے بڑی ماں کو کسی قدر مطمئن کر دیا تھا اس لیے انہوں نے انکار نہ کیا۔

"اہتمام نہیں انکل' اس کو بے کدری بولو۔ دیکھو۔ ہم اس کے لیے کچھ نہیں کیا' ہم پیٹ بھرتا ہے' گٹار بجاتا ہے اور مست ہو جاتا ہے۔"

"انوکھی منطق ہے' واللہ! ذہن کو الجھا دینے والی۔" نواب الدین بولے۔

"بہرحال بیٹے' تمہارا خیال درست ہے لیکن پھر بھی سانسوں کو خراج دینا ہوتا ہے۔ یورپ بلکہ مغرب زندگی سے بھٹک رہا ہے۔ وہ حقیقتوں کی تلاش میں گمراہی کی طرف جا رہا ہے۔ تم مشرق کے بیٹے ہو۔ وہاں رہ کر بھی اپنی تہذیب کا خیال رکھو۔" تنویر صاحب بولے اور جمشید کھاتا رہا۔

ناشتا ختم ہو گیا اور سب ناشتے کے کمرے سے اٹھ گئے۔ تب میں نے تنویر صاحب سے کہا "تنویر صاحب! آج ہم لوگ اپنے شوروم کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے ہمارا کام مکمل ہو چکا ہے۔"

"اوہ۔ سائم میاں! واقعی آپ لوگ اس معاملے میں اس قدر سنجیدہ ہیں؟"

"ہاں انکل! ہم کام شروع کر چکے ہیں۔ بہت سے ممالک کو قالینوں کا آرڈر بھی دیا جا چکا ہے۔"

"کمال ہے اور یہ کام تم کس وقت کرتے ہو؟"

"فی الحال تو ہمارے چند کارندے یہ کام کر رہے ہیں' اب ہم بھی توجہ دیں گے لیکن آپ سے ایک درخواست ہے۔"

"ہاں' ہاں کہو۔ میں بھی پورے طور سے تمہارے کام آنا چاہتا ہوں۔ میرے سپرد بھی کوئی خدمت کرو۔"

"بس آپ کی سرپرستی کی ضرورت ہوگی۔ فی الحال اگر پسند کریں تو تصدق ہمیں دے دیں۔"

"تصدق!" تنویر صاحب تعجب سے بولے۔

"ہاں۔ ہم اسے انتظامی امور سونپیں گے۔"

"اگر وہ تیار ہو تو ہمیں اعتراض نہیں ہے۔"

"میں بات کراؤں گا۔" میں نے کہا اور تنویر صاحب نے گردن ہلا دی۔

پھر ہم نے تصدق کو پکڑ لیا۔ بے چارے کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ میں اور طالوت اسے اپنے کمرے میں لے گئے۔ "کیا بات ہے تصدق' کافی سست نظر آ رہے ہو؟"

"پریشان ہوں سائم صاحب!"

"کیوں؟"

"بس یہ احساس ہونے لگا ہے کہ میں پیدا ہی دوسروں کے جوتے کھانے کے لیے ہوا ہوں۔"

"غلط احساسات کو ذہن میں کیوں جگہ دیتے ہو؟"

"اس لیے کہ عمل سامنے آتا رہتا ہے۔"

"بوا یوں بھی بزرگ ہیں' چڑچڑی ہیں۔ تمہاری عزت

Uploaded By Muhammad Nadeem

کم نہیں ہوگی۔"
"بات صرف ان کی نہیں ہے۔"
"پھر؟"
"آپ ہی بتائیں' میرا کیا مستقبل ہے؟"
"بناؤ گے؟" میں نے پوچھا۔
"چاہتا تو یہی ہوں۔"
"کاروباری صلاحیتیں رکھتے ہو؟"
"پیدا کر سکتا ہوں۔ آج تک موقع ہی نہیں مل سکا۔"
"ہم ایک فرم کھول رہے ہیں' تم پسند کرو تو اس کے منتظم بن جاؤ۔ ابتدائی تنخواہ تین ہزار روپے ماہوار اور منافع بھی دو فیصد۔ میرا خیال ہے بھاری رقم بن جائے گی۔" طالوت نے کہا۔
"بلند' میری حسرتوں کو اجاگر نہ کریں۔" تصدق درد سے بولا۔
"پانچ سال کا معاہدہ۔ ایک کار اور رہائش مفت۔" طالوت بولا۔
"عادل صاحب! میں درخواست کرتا ہوں کہ۔۔۔"
"کمپنی کی طرف سے ڈرائیور بھی۔ شادی کرو گے تو ایک لاکھ روپیہ ملے گا اور تنخواہ میں دو ہزار کا اضافہ کردیا جائے گا۔" طالوت پھر بولا اور تصدق ہاتھ مل کر رہ گیا۔
"بولو' منظور؟" میں نے کہا۔
"صائم بھائی! آپ بھی۔" تصدق نے پھیکی سی ہنسی سے کہا۔
"مسخرہ پن کر رہے ہیں تم سے کیوں؟" میں نے آنکھیں نکال کر کہا۔
"کیا یہ حقیقت ہوسکتی ہے؟"
"تم اس کے لیے تیار ہو؟"
"مجھے اور کیا چاہیے۔" تصدق نے کہا۔
"گویا تم تیار ہو؟"
"جی ہاں!"
"تب تمہیں نئی ملازمت مبارک ہو۔ چلو تیار ہو جاؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم چلیں گے۔"
"کہاں؟"
"ہمارا شوروم تیار ہو رہا ہے' اس کا جائزہ لیں گے۔ کام تقریباً ختم ہوچکا ہے۔ بس کل سے باقاعدہ کام شروع کردو۔"
تصدق کی آنکھوں میں کشمکش کے آثار تھے۔ بہرحال وہ گردن ہلا کر چلا گیا اور ہم دونوں پُرخیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"کاروبار شروع کرنے کے بعد ہمیں یہاں سے رہائش بھی بدلنا ہوگی' آخر تنویر صاحب کے مہمان کب تک رہیں گے۔" طالوت بولا۔
"ہاں۔ میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"
"کچھ متردد ہو؟" طالوت مسکرایا۔
"نہیں!"
"یاروں سے جھوٹ!" طالوت شرارت سے بولا۔
"نہیں طالوت! تم سے جھوٹ کیا بولوں گا۔ انشاں سے دور ہونے کا دکھ ہوگا۔"
"دن رات یہیں گزاریں گے یار۔ پھر اس میں بھی زیادہ وقت تو نہیں لگے گا۔ ویسے بھی بالاآخر انشاں سے شادی سے پہلے تمہیں یہاں سے جانا پڑے گا۔"
"ہاں۔ ظاہر ہے۔"
"ویسے اپن خوش نصیب ہیں۔" طالوت ہنستے ہوئے بولا
"اپنی راج ہنس کو ساتھ ہی لے جائیں گے اور اس کے بعد۔۔۔"
"تم تو ہر لحاظ سے ہی خوش نصیب ہو طالوت!"
"اور تم؟"
"ہاں تمہارے نصیبوں کے کچھ جراثیم اپنے نصیب میں بھی داخل ہوچکے ہیں۔ اب کیا پروگرام ہے؟"
"بس تصدق آجائے' چلتے ہیں۔" طالوت نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ تصدق تیار ہو کر آگیا۔ اس کی نگاہوں میں اب بھی ایسے ہی تاثرات تھے جیسے ہم ایک زوردار قہقہہ لگائیں گے اور بات ختم کردیں گے لیکن ہم نے اس بات پر کچھ نہ کہا۔ ہم خاموشی سے باہر نکل آئے اور پھر خاموشی سے ہی ہم نے شوروم تک کا سفر کیا۔
عظیم الشان عمارت تھی۔ ابھی تک ہم نے فرم کے نام کا بورڈ نہیں لگایا تھا لیکن عمارت پوری طرح مکمل ہوگئی تھی۔ عظیم الشان آئینے اور ان کے پیچھے ہاتھی دانت کے باریک کام کی دیواریں۔ ڈیکوریشن کی ایسی ایسی نایاب چیزیں کہ دیکھ کر آنکھیں کھل جائیں۔ پوری عمارت ایئر کنڈیشنڈ تھی۔ کام کرنے والوں نے ہمارا استقبال کیا۔ ٹھیکے دار موجود تھا۔
"کیا کیفیت ہے؟"
"سارا کام مکمل ہے جناب۔ ابھی ابھی الیکٹریکل ڈیکوریشن والے آئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کام شروع کردیں گے۔ صرف شیڈ فنشنگ رہ گئی ہے' وہ شام تک ہو جائے گی۔ میں نے پوری صفائی کرادی ہے۔"



"آؤ۔" طالوت نے کہا اور ہم ٹھیکے دار کے ساتھ عمارت کے مختلف حصے دیکھنے لگے۔ کیا بات تھی اس عمارت کی۔ ڈائریکٹر کے لیے جو دفتر بنایا گیا تھا اس میں فرنیچر تک آگیا تھا۔ بلاشبہ طالوت نے ایسی عمارت بنادی تھی کہ پورے شہر میں اس کا ثانی ناممکن تھا۔ تصدق کی تو خیر بات ہی کیا تھی میں بھی ششدر تھا۔
"اس کے بعد جو تبدیلیاں تم پسند کرو۔" طالوت نے کہا۔
"تبدیلیوں کی کیا گنجائش ہے طالوت!" میں نے آہستہ سے کہا اور طالوت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"تمہارے شایانِ شان ہے میرے دوست؟" طالوت نے پیار سے پوچھا۔
"میں رو پڑوں گا طالوت۔" میں نے جذباتی انداز میں کہا۔
"ارے میری جان۔ تیرے لیے تو میں نہ جانے کیا جذبات رکھتا ہوں۔ یہ تو تیری جوتیوں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہے۔ بس تجھے پسند آگیا میری محنت وصول ہوگئی۔"
"ٹھیک ہے ٹھیکیدار۔ تم اپنے حسابات بتاؤ۔ ہم یہاں موجود ہیں' ادائیگی کرکے چلیں گے۔" طالوت نے کہا اور ہم پہلی بار اپنے شاندار آفس کی کرسیوں پر بیٹھے۔ طالوت نے خصوصی طور پر مجھے ڈائریکٹر کی کرسی پیش کی تھی۔ تصدق ابھی تک حواس میں نہیں آیا تھا۔
تب ہم نے اسے مخاطب کیا "کیا خیال ہے تصدق! تمہیں جہاں بھی خامی نظر آئے تو بتاؤ۔"
"جی۔ میں کیا عرض کروں جناب؟" تصدق پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔
"تم اپنی ذمے داری سمجھ لو تصدق! فرم کے پہلے کارکن کی حیثیت رکھتے ہو۔ تمہارے کندھوں پر پوری پوری ذمے داری ہے۔"
"میں اپنی محنت سے ثابت کروں گا جناب' جو آپ کے تصور میں بھی نہیں ہوگی۔" تصدق لرزتی آواز میں بولا۔
"انسان کی حیثیت سے جتنا کام کرسکتے ہو کرو۔ ہمیں اسٹاف کی فہرست بنانا ہے اور اس کے بعد تم اسٹاف بھرتی کرو گے۔"
"جی بہتر!" تصدق نے جواب دیا اور پھر اسکے چہرے پر کسی قدر ہچکچاہٹ پھیل گئی۔
"کیوں تصدق! کچھ کہنا چاہتے ہو؟"
"جی!"

"کیا بات ہے؟"
"تنویر صاحب اس سلسلے میں اجازت دے دیں گے؟"
"تمہارے بارے میں؟"
"ہاں۔"
"ان سے اجازت لے لی جائے گی تم فکر مت کرو۔ کاروبار کی نوعیت سمجھ لو۔ فی الحال ہم دنیا کے بہت سے ممالک سے قالین درآمد کر رہے ہیں لیکن بہت جلد ماہرین کی نگرانی میں اپنے کارخانے لگوائیں گے۔ سامنے ہی شمشیر لمیٹڈ ہے۔ ہمارا مقابلہ ان سے ہے۔ ملک بھر کی کمپنیوں تجارتی فرموں' بینکوں' سفارت خانوں اور ایسی تمام جگہوں پر ہمارے ڈیزائنوں کی کتابیں پہنچ جانی چاہئیں جو قالین استعمال کرتی ہیں۔ قیمتیں کم سے کم رکھی جائیں اور ہر قیمت پر سپلائی قبول کرلی جائے۔ شمشیر لمیٹڈ کو بالکل ڈاؤن کرنا ہے۔ نقصان کی فکر نہ کی جائے۔ اس کے علاوہ فرم کی پبلسٹی کے لیے ملک کی بہت بڑی ایڈورٹائزنگ کمپنی سے رابطہ قائم کرو۔ پبلسٹی کے سارے ذرائع پر اخراجات کیے جائیں۔ تم میرا مقصد سمجھ گئے ہوگے تصدق؟ کہیں کوئی فیلڈ ایسی نہ چھوڑی جائے جو اس کے لیے ضروری ہو اور اخراجات کی کوئی پروا نہ کی جائے۔"
"آپ دیکھیں گے جناب میں نہایت خوش اسلوبی سے یہ سارے کام انجام دوں گا۔" تصدق نے خوشی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔
"بس ہم یہی چاہتے ہیں۔ کیا خیال ہے چلا جائے؟"
"چلو۔" طالوت نے کہا اور ہم لوگ عمارت سے نکل آئے۔ تصدق کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جو ہم کہہ رہے ہیں وہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔
"اس کے لیے ابھی بہت ساری چیزوں کی خریداری کرنا ہوگی۔ مثلاً تصدق کے لیے کار' اپنے لیے مکانات وغیرہ وغیرہ۔" راستے میں طالوت نے کہا۔
"میں دفتر کب سے آنا شروع کروں جناب؟" تصدق نے پوچھا۔
"بس تصدق۔ اب یہ سارے معاملات تمہارے ذمے ہیں۔ بہت جلد ہم افتتاح کریں گے۔ سارے کام جس قدر جلد مکمل کرسکتے ہو کرلو' کل تمہارے نام سے اکاؤنٹ کھل جائے گا' جہاں سے تم اخراجات پورے کرسکتے ہو۔"
"بہت بہتر جناب!" تصدق نے جواب دیا۔
"ویسے اس عمارت کے بارے میں تمہارا کیا خیال



Uploaded By Muhammad Nadeem

ہے؟"

"میں کیا عرض کر سکتا ہوں جناب! میں نے تو تصور بھی نہیں کیا تھا۔"

"کوئی خامی ہو تصدق، تمہیں اسے درست کرنے کا اختیار ہے اور ہاں ابھی دوسرے لوگوں کو اس کے بارے میں تفصیلات نہیں معلوم ہونا چاہئیں۔"

"بہت بہتر!"

تھوڑی دیر کے بعد ہم گھر واپس آ گئے۔ لنچ کا وقت ہو گیا۔ سب موجود تھے۔ ہماری غیر موجودگی میں اور کوئی دلچسپ واقعہ نہیں پیش آیا تھا۔ لنچ پر افشاں، شکیلہ، جمشید اور نسیم وغیرہ موجود تھے۔ بزرگ بھی تھے اس لیے کسی قدر سنجیدگی برقرار رہی۔ ویسے جمشید کی بے تکی باتیں اور بے تکی حرکتیں بدستور جاری تھیں جس کی وجہ سے مسکراہٹیں باقی رہیں لیکن بڑی اماں کے جذبات کا خیال کرتے ہوئے کسی نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔

لنچ کے بعد سب باہر نکل آئے اور سب ہی ایک جگہ جمع ہو گئے۔

"کہیے حضرات، کوئی خاص مسئلہ درپیش ہے؟" احسان نے کہا۔

"ہاں احسان بھائی!" افشاں نے کہا۔

"کیا بات ہے؟"

"یوں لگتا ہے جیسے ذہن سنسان ہو گئے ہوں۔ معمولات میں کوئی تبدیلی ہی نہیں ہے۔"

"ہونی چاہیے۔ ہونی چاہیے۔" احسان نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن کیا؟" افشاں بولی۔

"یہ فیصلہ سب کریں گے۔"

"میں نے مسئلہ درپیش کر دیا ہے، اب فیصلہ کیا جائے۔"

"کوئی پکنک ہو جائے۔" شکیلہ بولی۔

"بالکل!" طالوت نے تائید کی۔

"اس کی نہیں ہورہی عادل بھائی، دوسرے بھی ہیں۔" افشاں شرارت سے بولی۔

"ارے ہاں۔ صائم بھیا! جلدی سے کوئی تجویز پیش کرو۔" طالوت نے برجستہ کہا اور سب ہنس پڑے۔ افشاں نے جھینپنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ بہرحال خاصی گرما گرم بحث کے بعد ایک پکنک طے ہوئی جس کے لیے تیسرا دن مقرر کیا گیا تھا۔ آج رات جمشید کے گٹار کا پروگرام رکھا گیا تھا۔

اور پھر سب دوپہر کے آرام کے لیے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ ٹھنڈا کمرا بے حد پرسکون تھا۔ میں اور طالوت لباس تبدیل کر کے لیٹ گئے۔ دونوں ہی خاموش تھے، اپنے اپنے طور پر سوچ رہے تھے لیکن دفعتاً خیالات کا طلسم ٹوٹ گیا۔ دروازے پر گٹار کی جھنگ جھنگ سنائی دی تھی۔

"خدا خیر کرے!" طالوت دروازے کی طرف دیکھ کر بولا۔

"میں حاضر ہو سکتا ہوں [illegible] جمشید کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی تھی۔ میں نے جلدی [illegible] دروازے پر پہنچ کر دروازہ کھول دیا۔

"او ڈیئر جمشید! شاید تم ناراض ہو گئے [illegible] کہا۔

"ناراض؟" جمشید نے پہلے زمین اور پھر [illegible] کی طرف دیکھا۔

"ہاں کہاں جانا چاہتے تھے؟"

"یہاں!" جمشید نے میرے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ! خوش آمدید۔ خوش آمدید۔ تشریف لائیے۔" میں پیچھے ہٹ گیا اور جمشید مع گٹار کے اندر تشریف لے آئے۔ طالوت اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"سبحان اللہ! وہ آئیں ہمارے کمرے میں خدا کی قدرت۔ کبھی ہم ان کو اور کبھی ان کے گٹار کو دیکھتے ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"اوہ، ہاں۔ مم۔ میں نے سوچا اکیلا کیا جاؤں۔" جمشید نے انکساری سے کہا۔

"بڑا اچھا کیا۔ دونوں آ گئے، تشریف رکھیے۔" طالوت نے اشارہ کیا اور جمشید بدھوؤں کی طرح ایک کرسی کی جانب بڑھ گیا۔ پھر اس نے بڑے احترام سے اپنا گٹار کرسی پر رکھ دیا اور خود اس کے نزدیک کھڑا ہو گیا۔

"اوہو۔ آپ بھی تشریف رکھیے۔"

"ایں۔ اوہ۔ اچھا۔ شکریہ۔ شکریہ!" وہ خود بھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ہم دونوں بڑی دلچسپی سے اس کی شکل دیکھ رہے تھے اور جمشید ہماری۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنی آمد کی وجہ بھول گیا ہو۔ کسی طور وہ کوئی چالاک شخص نہیں نظر آتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے بس خبط الحواس ہو۔

"اور سنائیے مسٹر جمشید، آپ تو طویل عرصے کے بعد امریکا سے وطن آئے ہیں۔"

"ہاں۔ بہت طویل عرصے کے بعد۔" جمشید نے کہا۔

"جب آپ یہاں سے گئے ہوں گے تو چھوٹے سے ہوں گے؟"

"ہی ہی بہوت چھوٹے۔ بہت چھوٹے۔" جمشید نے ایک ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"خیر اتنے چھوٹے بھی نہیں، کچھ بڑا کریں۔" طالوت نے کہا اور جمشید کا ہاتھ پکڑ کر اوپر اٹھا دیا۔

"اتنا ٹھیک ہے؟"

"تھوڑا سا اور۔" طالوت بولا اور جمشید نے برا سا منہ بنا کر تھوڑا سا ہاتھ اور اوپر اٹھا لیا۔

"جمشید ڈیئر!" طالوت بڑے پیار سے بولا۔

"یس!"

"تھوڑے سے اور بڑے نہیں ہو سکتے؟"

"آئی ایم سوری۔" جمشید نے ذرا سا ہاتھ اور اوپر اٹھایا اور بولا: "بس مسٹر اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا ہائے۔"

"چلے گا؟" طالوت نے رازدارانہ انداز میں مجھ سے پوچھا اور مجھے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ "چلیے ٹھیک ہے مسٹر جمشید! آپ کو اتنا بڑا تسلیم کر لیا گیا۔" طالوت نے مطمئن ہو کر گردن ہلا دی۔

"شکریہ، شکریہ!" جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

"یوں کہیے آپ نے امریکا میں ہوش سنبھالا؟"

"ایک دم۔ ایک دم!"

"وہاں کی زندگی تو بڑی رنگین ہو گی؟" طالوت بولا۔

"اوہ! ہنڈریڈ پرسنٹ کلرفل۔ لائف ادھر لوگ کلر فل ڈریس پہنتا ہائے، اور کنٹری میں کلرز، مکان ہائے اور رات چاروں طرف رنگین روشنیاں بکھر جاتا ہائے۔" جمشید نے [illegible] لہجے میں کہا۔

"[illegible] کے علاوہ؟"

"[illegible] علاوہ ادھر کالا کچھ نہیں ہوتا۔" جمشید نے کہا۔

"[illegible] اردو کہاں سیکھی؟" میں نے کہا۔

"[illegible] اردو بولتا۔ ہمیں اپنا مدر لینگویج بہت اچھا لگتا ہائے۔"

"اور آپ [illegible]"

"اوہ۔ مسٹر شیدو بہت انگلش بولتا۔ گھر میں ممی کے سامنے وہ اردو بولتا تب بھی انگلش میں۔ ہم تو بہت اچھا اردو بولتا ہے۔ اتنا اچھا مسٹر شیدو بھی نہیں بولتا۔"

"وہاں تو آپ کی لڑکیوں سے بھی دوستی ہو گی؟" طالوت نے پوچھ لیا اور جمشید کی حالت غیر ہو گئی۔ چہرے پر سرخی دوڑ گئی، آنکھوں میں شرم کے آثار ابھر آئے اور پھر اس نے نگاہیں نیچی کیے گردن نفی میں ہلا دی۔

"یا مطلب؟ امریکا جیسے ملک میں آپ کی لڑکیوں سے دوستی نہیں تھی؟"

"ادھر لڑکی لوگ بہوت کھراب ہوتا ہائے۔ لڑکا لوگ کو اپنی کار میں گھسیٹ کر لے جاتا ہائے۔ ممی بولتی، ہم لوگ مشرقی ہائے اور مشرقی شرم و حیا کا گہوارہ ہے۔ ہمیں اپنا کلچر نہیں چھوڑنا چاہیے۔ میں نے کسی لڑکی سے ادھر دوستی نہیں کیا۔ مسٹر ڈیڈی کو کبھی شکایت نہیں ہوا۔"

"کمال ہے۔ واقعی کمال ہے۔ کبھی نشہ کیا آپ نے؟"

"ہاں۔ ادھر ہم نے گٹار سیکھا، ادھر لوگ چرس پیتا، افیون پیتا، جنگ کھاتا، گانجا پیتا اور ایسا ہی دوسرا چیز۔ ہم نے بھی ٹیسٹ کیا مگر ممی بولا یہ ٹھیک نہیں، تب ہم چھوڑ دیا۔"

"ونڈرفل! اگر تم سچ بول رہے ہو میری جان۔ تو پسند آ گئے ہو۔" طالوت نے کہا۔ جمشید شاید اس کے الفاظ نہیں سمجھ سکا تھا۔ وہ کسی فکر میں مبتلا تھا۔ "تمہارا کیا خیال ہے مسٹر صائم؟" طالوت نے مجھ سے پوچھا۔

"شاید!" میں نے گردن ہلا دی۔

"ہم تمہاری کیا خدمت کر سکتے ہیں جمشید؟" طالوت نے پوچھا۔

"آپ لوگ۔ آپ لوگ۔ بس میرے کو اچھا لگتا ہے۔ ادھر میرے کئی دوست تھے، ادھر کوئی نہیں ہے۔ میرا ایک پرابلم ہے مگر میں ادھر کیسے بولوں؟" جمشید نے کہا۔

"اوہ! ہمیں بتاؤ۔ ہم بھی تمہارے دوست ہیں۔" طالوت بولا۔

"سچ بولتا ہائے؟" جمشید خوش ہو کر بولا۔

"بالکل سچ! بتاؤ کیا پرابلم ہے؟"

"میں تمہارے کو اپنا ہارٹ کا بات بتائیں گا۔ پلیز تم ہمارا ہیلپ کرو۔"

"ضرور۔ ضرور بتاؤ۔"

"مسٹر شیدو بہت آئی مین ٹائی فادر۔ ایک دم جھوٹ ہے۔ پکا والا جھوٹ۔ ادھر امریکا میں رہ کر بھی دوری والا چارپائی پر سوتا ہائے۔ گھر کا فرنیچر ہمیشہ پرانا خریدتا ہائے۔ اس کا بس نہیں چلتا ورنہ وہ کھانے کا واسطے بھی ہوٹلوں کا بچا ہوا کھانا اٹھا لائے۔ وہ بہت لالچی ہائے۔"

"اوہ!" طالوت نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔

"ادھر امریکا میں بھی ہمارے ملک کا لوگ ہائے مگر ان کا فادر دوستی نہیں ہائے۔ وہ لوگ بھی اسے جھوٹ بولتا اور پھر ہمارا ممی بولا ہم ینگ ہو گیا ہائے ہمارا شادی بناؤ۔ بٹ ادھر کا لوگ مسٹر شیدو کو اچھی طرح جانتا۔ کوئی امریکن لڑکی لوگ سے شادی نہیں مانگتا۔ تب مسٹر شیدو ہمارے

Uploaded by Muhammad Nadeem

کو بولا کہ اپنا ملک جاؤ۔ ادھر ہمارا آنٹی ہائے' انکل ہائے اور ان کا لڑکی ہائے۔ اس کو "لو" بناؤ اور اگر وہ ہمارے کو "لو" نہیں کرے تو دوسرا کسی لڑکی سے لو بناؤ' میرج کرو اور بہت سا دولت لے کر ادھر آجاؤ۔ یہ ٹھیک ہائے۔"

"او! تم اس لیے آئے ہو جمشید؟"

"ہاں مسٹر! آپ صائم۔ آپ عادل!" اس نے ہم دونوں سے کہا۔

"ہوں۔" طالوت نے گردن ہلائی "پھر تم نے کیا فیصلہ کیا؟"

"میں نے کبھی لو نہیں بنایا مسٹر۔ میرا سمجھ میں نہیں آتا' کیا کروں؟"

"تم آنٹی کی لڑکی سے عشق کرنا چاہتے ہو؟"

"او! شوکریہ۔ شوکریہ۔ میرے کو عشک نہیں آرہا تھا۔ بالکل ٹھیک مگر مسٹر صائم! ادھر تو کئی لڑکی لوگ ہے۔ میں کس سے عشک بناؤں؟"

"تمہیں کوئی پسند نہیں آئی؟"

"نہیں نہیں۔ یہ بات نہیں۔ ادھر تو سب پسند ہائے۔"

"ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلو۔"

"مگر کس کا؟"

"یہ فیصلہ تو تمہیں کرنا چاہیے۔"

"دیکھو مسٹر۔ ہم کمرشل عشک کرے گا۔ ہمارا پرسنل بات نہیں ہے۔ پلیز تم ہمارے کو گائڈ کرو۔"

"اب۔ یعنی یہ مشورہ بھی ہم ہی دیں کہ تم کس سے عشق کرو۔"

"پلیز' میرا ہلپ کرو۔" جمشید گڑگڑایا۔

"ہوں۔" طالوت نے معنی خیز نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر جمشید سے بولا "یہ شخص چاہتا ہے اسے زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو۔ تمہارے والد صاحب نے قید تو نہیں لگائی کہ جس سے انہوں نے کہا اسی سے عشق اور شادی کرو؟"

"ایسا بات تو نہیں بولا۔" جمشید نے کہا۔

"تب پیارے جمشید۔ میں تمہیں ایک کام کی بات بتاؤں گا۔"

"او! ایک دم شوکریہ!" جمشید خوش ہو کر بولا۔

"تمیں کو دیکھا ہے؟"

"شی بی! ہاں۔ شی بی!"

"کیسی ہے؟"

"ایک دم بیوٹی فل!"

"جانتے ہو اس کا باپ کون ہے؟"

"ہاں' انکل جلال!" جمشید نے جواب دیا۔

"خوب! کافی سمجھ دار ہو۔ نواب جلال الدین' تنویر صاحب سے کہیں زیادہ مال دار ہیں۔ اگر تم تمیں پر نزلہ گرا دو تو کیا حرج ہے۔" طالوت نے کہا۔

"شی بی!" جمشید نے جیسے منہ میں مٹھاس محسوس کی۔ میں گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ یقیناً جمشید کو اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ تمیں احسان کی بیوی ہے۔ دونوں میں سے کوئی بھی شادی شدہ نہیں لگتا تھا۔

"کیا خیال ہے پھر؟"

"وہ بھی کافی خوب صورت ہے' یہ دونوں ایک شکل کا لڑکی۔"

"وہی تو یہ مصیبت ہے۔" طالوت بولا۔

"ہاں مگر می بولا تنویر انکل کا ایک لڑکی ہے۔"

"پہلے ایک ہی تھی' اب دو ہو گئی ہیں۔"

"او کے۔ میں تمہارے مشورے پر عمل کریں گا۔"

"تھینک یو!" طالوت نے کہا۔

"تھینک یو ویری مچ۔ تھینک یو ویری مچ۔" جمشید نے ستار اٹھالیا۔ اور پھر وہ واپسی کے لیے مڑا۔ ہم دونوں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی اور وہ باہر نکل گیا۔

"کمال ہے یار۔ جمشید واقعی انوکھی چیز ہے۔"

"واقعی یوم ہے مگر یار مزہ آگیا۔"

"لیکن تم نے غریب تمیں کو مصیبت میں کیوں پھنسا دیا؟"

"او' عارف! فکر مت کرو۔ تفریح عمدہ رہے گی۔ یہ تمیں صاحبہ ہم لوگوں سے خوب لطف اندوز ہو رہی تھیں' اب خود بھی تو کسی جال میں پھنسیں۔" طالوت نے ہنستے ہوئے کہا اور میں بھی ہنسنے لگا۔ پھر ہم دونوں کسی تفریح کی تلاش میں باہر نکل آئے لیکن سب لوگ اس وقت اپنے اپنے کمرے میں تھے اس لیے شاید جمشید کی دال بھی نہیں گل سکی تھی اور فی الحال اس نے اپنے کمرے میں ہی بیٹھ جانا مناسب سمجھا تھا۔ ہم بھی یہ صورت حال دیکھ کر اپنے کمرے میں واپس آگئے۔

لیکن شام قیامت خیز تھی۔ جمشید مکمل طور پر عاشقانہ موڈ میں تھا۔ اس وقت لباس بھی اس نے قیامت کا پہنا ہوا تھا۔ سرخ رنگ کی جیکٹ' جس پر ایک انتہائی نفیس مخصوص انداز کی شال پڑی ہوئی تھی۔ سفید فرنچ اسٹائل پینٹ اور گہرے نیلے رنگ کا میکسیکو کے باشندوں کا سا چوڑا ہیٹ جس کی سفید ڈوریاں گردن میں بندھی ہوئی تھیں۔ عمدہ شکل و صورت کا انسان تھا۔ خاصا متناسب تن و توش تھا۔ اگر چہرے پر حماقت نہ ہوتی اور حلیہ خراب نہ کیا ہوتا تو خاصا دلکش نوجوان تھا۔ اس وقت وہ واقعی جچ رہا تھا لیکن دوسرے لوگ اسے دیکھ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

"لو بھئی۔" طالوت نے میرا شانہ دبایا "مرد میدان تو تیار ہو کر آیا ہے۔" میں نے بھی جمشید کو دیکھا اور میرے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آگئی۔

"ستار ساتھ نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"کچھ ذہین ہوتا جارہا ہے۔"

ہم سب لان پر جمع تھے۔ موسم بے حد خوشگوار تھا۔ سب ہی عمدہ لباس میں تھے۔ نواب جلال الدین' تنویر صاحب سے گفتگو کرتے ہوئے کسی بات پر ہنس رہے تھے۔

پھر ہمارے علاوہ دوسروں نے بھی جمشید کو دیکھ لیا اور سب ہی اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور جمشید حسب معمول تھرکتا ہوا لان پر پہنچ گیا۔

"ہیلو جم" میں نے اسے مخاطب کیا۔

"ہیلو۔" اس نے خالص امریکن اسٹائل میں کہا اور ٹورسٹ کے انداز میں تھرکتا ہوا ہمارے قریب آگیا پھر اس نے تمیں کو دیکھا اور ہیٹ سر سے اونچا کرکے گردن جھکا دی۔

"بہت اسمارٹ لگ رہے ہو تم!"

"ہاؤ۔ تھینک یو۔ تھینک یو۔ آپ کا کیا خیال ہے مس تمیں؟"

"بیوٹی فل!" تمیں سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"می آپ کی رائے سننا چاہتا ہوں۔" جمشید نے کہا۔

"بہت اسمارٹ لگ رہے ہیں جمشید صاحب!" تمیں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہو۔ ہاؤ۔" جمشید نے حلق سے آواز نکالی اور پھر مسکرا کر بولا "تھینک یو۔" وہ پھر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ ہمارے عقب میں کھڑے تنویر صاحب تشویش ناک آواز میں نواب جلال الدین سے کہہ رہے تھے۔

"اس شخص کی وجہ سے میں تھوڑی سی الجھن میں پڑ گیا ہوں۔"

"کیوں؟" نواب جلال الدین نے کہا۔

"یوں تو اس کا وجود ہی قابل نفرت ہے۔ امریکن معاشرہ اس قدر بگڑ چکا ہے کہ وہاں کے نوجوان نیم دیوانے ہو گئے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اس معاشرے کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں' جبکہ ہماری نسل کے لوگ ان کے معاشرے کو اپنا کر سخت گھناؤنے ہو جاتے ہیں۔ ان کے ذہن تنگ ہوتے ہیں۔ ان کی نگاہ سطحی ہوتی ہے۔ وہ گہرائیوں میں تو جا نہیں سکتے اور سطحیت جس قدر تکلیف دہ ہو سکتی ہے' اس کی مثال یہ شخص موجود ہے۔"

"لیکن تنویر! اس کی حیثیت..."

"اسی وجہ سے خاموش ہوں۔ اسی وجہ سے تو اسے گھر میں جگہ دے رکھی ہے۔ دراصل بیگم کے دوسرے عزیز بھی یہاں نہیں ہیں۔ شاداب نے زندگی میں کبھی کوئی خاص رابطہ نہیں رکھا لیکن اس کے باوجود ان کی بہن انہیں بری طرح چاہتی ہیں اور یہ صاحب زادے' میں نے محسوس کیا ہے جلال بھائی کہ بیگم اس کے حلیے اور انداز سے خوش نہیں ہیں لیکن خون ہے۔ کر بھی کیا سکتی ہیں اور میں صرف ان کے جذبات کا احترام کرتا ہوں ورنہ یہ میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔"

"او' تنویر! احساس نہ ہونے دینا۔ یوں بھی وہ کون سے طویل عرصے کے لیے آیا ہے' واپس چلا جائے گا۔ بھگتیں گے تو اس کے والدین بھگتیں گے۔" نواب جلال الدین بولے۔

"ٹھیک ہے۔" تنویر صاحب گہری سانس لے کر بولے۔

میں اور طالوت ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ دوسری طرف جمشید عشق کے مراحل طے کر رہا تھا۔ ہماری نگاہ اور کان اس کی طرف بھی تھے اور ہم اس کی لن ترانیاں سن رہے تھے۔

"امریکا میں لڑکی لوگ آرٹسٹ پر جان دیتا۔ بہت لائیک کرتا ہو لوگ' تیج رسپیکٹ ملتا ہے ادھر آرٹسٹ کو۔ ادھر آرٹسٹ کا کیا پوزیشن ہائے؟"

"تمہارا مطلب ہے تمہارے جیسے آرٹسٹ کی؟" احسان نے پوچھا۔

"یس۔ یس..."

"ان سب کے لیے ایک مناسب عمارت تجویز کردی گئی ہے' جو پاگل خانہ/ پاگل ہاؤس کہلاتی ہے۔" احسان نے جواب دیا۔

"کان۔ جی۔ ہاؤس۔ ویری گڈ۔ ادھر سارا آرٹسٹ ہوتا ہے؟"

"آرٹسٹوں کے علاوہ وہاں کوئی نہیں ہوتا۔"

"او! تب پلیز' میرے کو ادھر کا پتہ بتاؤ۔ میں ادھر ضرور جاؤں گا۔"

"پتہ بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی مسٹر جمشید۔ آپ کسی بھی سڑک پر جا کر ستار بجانا شروع کردیں' لوگ خود آپ

Uploaded By Muhammad Nadeem

کو وہاں پہنچا دیں گے۔" احسان نے جواب دیا اور سب ہنس پڑے۔

"ونڈر فل۔ ونڈر فل۔ سچ مچ ادھر کا ماحول بہت اچھا ہے۔"

چائے لگ گئی اور سب کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ جمشید کی نگاہ خاص سیمیں پر تھی اور تھوڑی دیر کے بعد نوجوانوں میں اسے محسوس کر لیا گیا تھا لیکن سیمیں اب پہلے جیسی سیدھی سادی لڑکی نہیں تھی، اب وہ ایک جہاں دیدہ اور شادی شدہ عورت تھی۔ اس بات کو محسوس کرنے کے باوجود وہ گھبرائی نہیں تھی۔

پھر چائے کے بعد سب اٹھ گئے اور پھر اس گدھے نے براہ راست پیشکش کر دی۔

"مس شی بی! براہ کرم کیا آپ میرے ساتھ آئیں گا؟"

"کیا مطلب؟" سیمیں حیرت سے بولی۔

"میرے کو آپ سے کچھ ضروری بات کرنا ہے۔"

سیمیں نے احسان کی طرف دیکھا اور احسان نے اسے آنکھ سے اشارہ کر دیا۔ سیمیں نے گردن جھکا دی اور پھر آہستہ سے بولی "کہاں چلوں جمشید صاحب؟"

"اوہ! باغ کا پچھلا حصہ ٹھیک ہے۔"

"چلیے۔" سیمیں نے کہا اور جمشید نے اسے ایک بازو کی پیشکش کی لیکن سیمیں ایک دم پیچھے ہٹ گئی تھی اور پھر وہ دونوں آگے بڑھ گئے۔

"یہ اچانک اسے کیا ہو گیا؟" احسان نے کہا۔

"اللہ سیمیں باجی پر رحم کرے۔" شکیلہ نے کہا۔

"مگر ہوا کیا ہے؟"

"تم نے سیمیں کو اشارہ کیا تھا؟" طالوت نے پوچھا۔

"ہاں۔ میں نے کہا تھا دیکھیے تو سہی کیا ہوا ہے اس امریکن بکرے کو۔" احسان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے تو آؤ، ہم بھی دیکھیں گے۔" طالوت بولا اور ہم سب ایک دوسرے راستے سے ان دونوں سے پہلے عقبی باغ میں پہنچ گئے۔

سیمیں اور جمشید باغ میں داخل ہو رہے تھے اور پھر جمشید نے ایک جگہ منتخب کر لی۔ ہم سب لوگ بھی اسی طرف کھسکنے لگے تھے اور پھر ہم سب نہایت خاموشی سے ان دونوں کی پشت پر پہنچ گئے۔

"جی فرمائیے جمشید صاحب؟" سیمیں نے کہا۔

"اوہ، مس شی بی! کیا بولے آئی مین ہم کیا بولے۔ پلیز تم خود سمجھو، سمجھنے کا کوشش کرو۔"

"لیکن کیا سمجھوں جمشید صاحب؟"

"ہم اس ڈریس میں اسمارٹ لگتا؟"

"جی ہاں۔"

"تب ہم پورا لائف یہی ڈریس پہنے گا۔ بائی گاڈ! ہم ہول لائف۔"

"کیڑے پڑ جائیں گے اس لباس میں اور آپ کے بدن میں بھی۔" سیمیں نے جواب دیا اور ہم نے بمشکل ہنسی روکی۔

"اوہ! تب چینج کرے گا، سوری۔"

"ہاں، یہی مناسب ہے اور ..." سیمیں نے کہا۔

"مس شی بی! آپ کو بھی ہم پسند آیا ہے؟"

"جی؟" سیمیں نے منہ پھاڑتے ہوئے کہا۔

"یو سی۔ آئی مین، تم ہم سے میرج کریں ... او بائی گاڈ۔ تمہارے ساتھ لائف کتنا بیوٹی فل گزریں گی" جمشید نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

"تو آپ مجھ سے محبت کرنے لگے ہیں؟" سیمیں نے گردن ہلائی۔

"ایک دم۔ ایک دم۔" جمشید اچھل کر بولا۔

"اور آپ مجھ سے شادی کریں گے؟"

"شورٹ آف کورس!"

"لیکن میں تو شادی شدہ ہوں۔" سیمیں نے کہا۔

"اس! کیا مطلب۔ شادی شدہ۔ یو مین میرڈ؟"

"آپ کو نہیں معلوم؟"

"تمہارا ہزبینڈ کدھر ہائے، ہم اس کو نہیں دیکھا؟"

"احسان صاحب کیا آپ کے شوہر ہیں؟" سیمیں نے کہا اور اس بار واقعی ہنسی روکنا سب سے مشکل ثابت ہوا تھا۔ جمشید منہ پھاڑے سیمیں کو دیکھتا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پہلے حیرت اور بے یقینی، پھر غم ... اور تھوڑی دیر کے بعد ان سے عزم جھانکنے لگا تھا۔

سیمیں بھی اس کی کیفیات سے بے خبر نہیں تھی، وہ غور سے جمشید کو دیکھ رہی تھی۔ تب جمشید نے بائیں پاؤں سے ٹھوکر کرتے ہوئے کہا "کوئی بات نہیں شی بی! جب ہم دونوں ایک دوسرے کو لو کرتا تو ان باتوں کا کیا اہمیت ہائے۔ تم اپنے شوہر سے علیحدہ ہو جاؤ۔ میں تم سے شادی کر لیں گا۔"

سیمیں کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے سخت غصے کے آثار نظر آئے لیکن نہ جانے کس طرح اس نے برداشت کیا اور چہرے کو پرسکون بنا کر بولی۔

"میں آپ کی بات مان سکتی ہوں مسٹر جمشید! لیکن آپ



کو مختلف مراحل میں میری تین شرطیں پوری کرنا ہوں گی۔"

"اوہ۔ شرطیں۔ شہزادیوں کی طرح؟ ونڈر فل۔ میں نے مشرقی شہزادیوں کی کہانیاں پڑھی ہیں۔"

"یہی سمجھ لیں۔"

"میں تیار ہوں۔" جمشید نے کہا۔

"تب آپ یہاں اسی جگہ ایک گھنٹے تک الٹے کھڑے رہیں۔ کوئی آپ سے کچھ بھی کہے، آپ سیدھے نہ ہوں۔ یہ میری پہلی شرط ہے۔ اگر آپ ایک گھنٹے سے پہلے سیدھے ہوئے تو ..."

"او۔ نو نو۔ شی بی! میں وعدہ کرتا ہوں، ایک گھنٹے سے پہلے سیدھا نہیں ہوں گا۔" جمشید نے کہا اور پھر وہ الٹا کھڑا ہو گیا۔ تب سیمیں جھک کر بولی۔

"اسی طرح کھڑے رہو جم، میں ابھی آئی۔"

"او کے۔ او کے۔ تم بالکل فکر مت کرو۔" جمشید نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا اور سیمیں وہاں سے چل پڑی۔ جونہی وہ باغ کے احاطے سے نکلی، ہم لوگوں نے اسے گھیر لیا۔ احسان بھی ہنس رہا تھا۔

لیکن سیمیں کے چہرے پر سنجیدگی تھی "ارے، سیمیں! یہ تمہاری شکل پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟" طالوت نے کہا۔

"تو آپ لوگ سن رہے تھے؟"

"ناراض ہو؟"

"کیا میری توہین نہیں ہوئی ہے؟" سیمیں نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا بے وقوفی ہے سیمیں۔ ایک اچھی خاصی تفریح پر سنجیدہ ہو رہی ہو۔ یعنی جو کچھ کر کے آئی ہو، اس کی تردید کر رہی ہو۔"

"کاش میں اسے کوئی بڑی سزا دے سکتی۔ مجھے معاف کرنا افشاں!"

"دیکھیے محترمہ سیمیں باجی! اگر آپ نے میرا نام لیا تو اچھا نہ ہوگا۔ میری جانب سے اس گدھے کو درخت سے الٹا لٹکا دیں۔ رہ گئی ان کے معاملے میں تو صرف اتنی۔ مجھے گدھوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، خواہ وہ کوئی ہو۔" افشاں نے کہا۔

"سیمیں! پلیز سنجیدہ نہ ہو۔ تم کیوں حماقت کر رہی ہو۔ اب دوسری اور تیسری شرط تم ہمارے مشورے سے پیش کرو گی۔" بہرحال بڑی مشکل سے سیمیں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ سکی۔

"حضرات! اگر آپ لوگ اجازت دیں تو ایک مزاحیہ پروگرام میں پیش کروں؟" طالوت نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"اس تفریح میں تھوڑا سا اضافہ!"

"ضرور عادل بھائی۔" افشاں نے کہا۔

"تب آپ لوگ خاموشی سے انتظار فرمائیے۔ ہم ابھی حاضر ہوئے۔" طالوت نے کہا اور میرا بازو پکڑ کر بولا "آؤ صائم!" اور ہم دونوں چل پڑے۔

"کیا سوجھی؟" میں نے راستے میں کہا۔

"یار جمشید معصوم ضرور ہے لیکن تھوڑی سی تفریح میں کیا حرج ہے۔"

"ارے مارا جائے گا بے چارہ" میں نے ہمدردی سے کہا۔

"نہیں۔ کوئی زیادہ خطرناک بات نہیں ہے۔ آؤ یار۔ برداشت نہیں ہو رہا۔" طالوت نے کہا۔

"مگر ارادہ کیا ہے؟"

"بوا کو بچھا جائیں گے۔" طالوت نے جواب دیا۔

"جمشید کے خلاف؟"

"ہاں!"

"یار۔ مگر، بوا خطرناک خاتون ہیں۔"

"اوہو! اب زیادہ گڑبڑ مت کرو۔ انہیں تلاش کیا جائے" اور پھر ایک دو ملازموں کے پوچھنے سے بوا کا پتہ چل گیا اور ہم دونوں پریشان سی شکلیں بنا کر بوا کے قریب پہنچ گئے۔ ہم نے ایسا انداز اختیار کر لیا تھا جیسے انہیں دیکھا ہی نہیں ہے اور ان کے قریب سے گزرنے لگے۔ تب طالوت نے کہا۔

"بوا بے حد نیک دل خاتون ہیں۔"

"یقیناً!" میں نے کہا۔

"کیا انہیں یہ بات نہ بتائی جائے؟"

"اوہ! بوا اگر اس ریچھ کے چنگل میں پھنس گئیں تب بھی تو ہمیں ہی دکھ ہوگا۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ ہم نے محسوس کیا تھا کہ بوا نے بخوبی ہماری گفتگو سنی ہے اور پھر دوسرے لمحے عقب سے بوا کی آواز سنائی دی۔

"صائم میاں۔ اے عادل میاں!" اور ہم دونوں ایسے ٹھٹکے جیسے اب تک بوا کو دیکھا ہی نہ ہو۔

"ارے بوا۔" طالوت نے کہا۔

"اے لو۔ میں تو تمہارے پیچھے پیچھے آ رہی تھی، تمہیں پتہ بھی نہیں چلا۔" بوا بولیں۔



Uploaded By Muhammad Nadeem

"اتفاق سے اس وقت ہم آپ کے بارے میں ہی باتیں کر رہے تھے۔"

"میں نے سنی ہیں میاں مگر سمجھ میں نہیں آئیں۔"

"ہم تو بڑی الجھن میں پڑ گئے ہیں بوا۔"

"ہوا کیا میاں؟"

"بتادوں صائم؟" طالوت نے پوچھا۔

"بتادو۔"

"ہاں۔ بوا سے چھپانا بھی تو ٹھیک نہیں ہے۔ آخر ہمارے ان سے اتنے گہرے تعلقات ہیں وہ ہمیں اپنے بچوں کی طرح سمجھتی ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"اے جلدی بتاؤ میرے بچو۔ مجھے ہول چڑھ رہا ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا بوا! آخر یہ سب کم بخت آپ کے پیچھے ہی کیوں پڑ گئے ہیں؟"

"اے کون میاں؟"

"تصدق نے بھی آپ کے ساتھ ہی بدتمیزی کی تھی اور اب یہ۔"

"اب کون؟" بوا نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"خدارا بوا! آپ نے کچھ نہ کیا تو کہیں گڑبڑ نہ ہو جائے۔"

"اے بتاؤ تو سہی کیا کروں؟ کیا ہو گیا ہے؟"

"جمشید!" طالوت بھنچی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیا ہوا اس مٹے مراثی کو؟" بڑی بی نے پوچھا۔

"ایک ایک کے سامنے آپ کو بدنام کرتا پھر رہا ہے۔ ہائے عشق' وائے عشق کے نعرے لگا رہا ہے۔"

"عشق؟"

"ہاں!"

"مگر کس سے؟"

"آپ سے بوا۔ اس نے تو صبح سے اودھم مچا رکھا ہے۔ کہتا ہے رات کو آپ کو خواب میں دیکھا تھا' اس وقت سے عاشق ہو گیا۔ سب نے سمجھایا مگر نہیں مانا اور اس وقت تو اس نے غضب ہی ڈھا رکھا ہے۔"

"کیا؟" بوا پھنسی پھنسی آواز میں بولیں۔

"کہتا ہے کسی بہت ہی پہنچے ہوئے بزرگ کے پاس گیا تھا' انہوں نے ایک وظیفہ بتایا ہے معشوق کو قبضے میں کرنے کا۔ اب وہ باغ میں الٹا کھڑا وظیفہ پڑھ رہا ہے اور کہتا ہے رات بوا اس کے قدموں میں آگریں گی۔"

"ارے میرے مولا!" بوا گھبرا کر بولیں۔

"اگر آپ نے اس کا وظیفہ ختم نہ کرایا بوا تو آپ اس کے چنگل میں پھنس ہی جائیں گی۔ یہ بہت برا ہو گا بوا۔ براہ کرم کچھ کریں۔"

"وہ باغ میں وظیفہ پڑھ رہا ہے؟"

"وہ بھی الٹا کھڑا ہو کر۔" طالوت نے ٹکڑا لگایا۔

"ہائے اللہ۔ میں کیا کروں؟" بڑی بی پریشانی سے بولیں۔

"دماغ درست کر دیں اس کا۔ اچھی طرح دماغ درست کر دیں' تاکہ آئندہ کسی شریف عورت کو بدنام نہ کرے۔"

"ارے نگوڑا تو نندوت ہوا۔ پاؤں نکال لیتا ہے۔"

"آپ بھی بہت سیدھی ہیں بوا! ورنہ وہ تو ٹھلوے کا چاچا تو تھا۔ آپ نے نوری ہی نہیں کیا ورنہ وہ بڑا بزدل انسان ہے۔ کبھی تک۔ نہیں مار سکتا۔ ورنہ عشق کرے گا۔" طالوت نے کہا اور نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ بوا ہو گئیں لیکن پھر کچھ سوچ کر بولیں۔

"گھبرا ہو تو۔ وہ تو بڑی بی بی ناچتا جاتا ہے۔"

"کوئی بھی ہو بوا۔ آخر عزت سب کی ہوتی ہے۔"

"جھاڑو پھیرے اس کے منہ پر ابھی بتاتی ہوں مارے زادے کو۔" بوا بالکل تیار ہو گئیں اور تیزی سے [illegible] کی طرف بڑھ گئیں اور ان کے باہر نکلتے ہی ہم دونوں بھاگے اور بوا سے پہلے بچہ لوگوں کے پاس پہنچ گئے جو ہمارا انتظار کر رہے تھے ہمیں دیکھ کر سب مسکرانے لگے۔

"مورچے سنبھال لیں۔ حضرات جلدی۔ بھائی کس پوزیشن میں ہیں؟" طالوت نے پوچھا۔

"بے چارہ اسی طرح کھڑا ہے۔" شکیلہ نے کہا۔

"کیں؟" میں نے آنکھیں نکال کر اسے دیکھا "اچھا۔"

"ارے ارے۔ کیا ہوا صائم بھائی؟" شکیلہ گھبرا کر بولی۔

"وہ بے چارہ ہے۔ ہمدردی محسوس ہو رہی ہے اس سے؟" میں نے کہا۔

"تو اور کیا۔ کسی سیدھے سادے انسان کو مصیبت میں پھنسانے سے کیا فائدہ؟" شکیلہ نے کہا۔ اسی وقت بوا باغ میں داخل ہو گئیں۔ طالوت کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔ جمشید صاحب الٹے کھڑے تھے اور بوا عزت خطرے میں دیکھ کر سب کچھ بھول گئیں۔ اتاری پاؤں سے جوتی اور جمشید کے پاس پہنچ گئیں۔

"سیدھا ہو۔ میں کہتی ہوں سیدھا کھڑا ہو جا ورنہ جوتیاں مار مار کر دماغ ٹھیک کر دوں گی۔"

"اوہ بوا۔ میڈم بوا۔ پلیز۔ آپ واپس چلا جاؤ۔ میں ضروری کام کرتا ہائے۔" جمشید نے کہا۔



"ارے میاں بوا کے لیے کرتا یہ ضروری کام۔ سیدھا ہو۔ ہو سیدھا۔" بوا نے سچ مچ ایک جوتی جمشید کی کمر میں جڑ دی۔

"توبہ عادل بھائی! آپ بڑے ستم ظریف ہیں۔ اب میں سمجھ گئی۔" افشاں نے کہا۔

"کیا؟" طالوت نے پوچھا۔

"تصدق کی پٹائی بھی آپ نے ہی کرائی ہو گی۔" افشاں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے توبہ توبہ!" طالوت نے کان پکڑتے ہوئے کہا۔ دوسری طرف کی پوزیشن بہت عمدہ تھی۔ بوا' جمشید کو سیدھا کرنے کی کوششوں میں مصروف تھیں اور جمشید چیخ چلا رہا تھا مگر سیدھا نہیں ہو رہا تھا۔ بالآخر بوا نے ایک بار زور لگایا' تو جمشید گر پڑا اور پھر وہ اسی جگہ سر پکڑ کر رہ گیا۔

"شرم نہ آئی تجھے۔ بڑی ماں کے برابر ہوں۔" بوا نے کہا۔

"میں تمہیں ماں ہی سمجھتا ہائے پرانا عورت!" جمشید نے کہا۔

"ایں؟" بوا اب چونکیں۔ اسی وقت طالوت نے اشارہ کیا اور ہم سب بھاگ کر باغ میں گھس گئے۔ جمشید ہمیں دیکھ کر بھی اسی طرح بیٹھا رہا تھا' البتہ بوا چونک پڑی تھیں۔

"کیا ہوا بوا؟" افشاں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں مس افشاں! بوا کو میں نے ماں بنا لیا ہائے اور یہ ہیں بھی میری ماں کی برابر۔ بیٹا سمجھ کر ڈانٹ رہی ہیں۔"

"اوہ!" افشاں نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی "آپ بتائیے بوا؟"

"ہوں ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے۔" بوا نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"جمشید لالہ!" سیمیں آہستہ سے بولی۔

"ہوں۔"

"آپ میری لگائی شرط پوری نہ کر سکے' اب کیا ہو گا؟"

"سوری مس شی بی! اب میں تمہارے کو کچھ نہیں بولیں گا۔" جمشید نے گہری سانس لے کر کہا۔

"تم میرے ساتھ آؤ جمشید!" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور میں اسے دوسروں کے نرغے سے نکال لے گیا۔ دوسرے لوگ مجھے دیکھتے ہی رہ گئے تھے۔ جمشید نہایت سعادت مندی سے میرے ساتھ چل رہا تھا۔ میں اسے سیدھا اپنے کمرے میں لے آیا اور پھر میں نے بڑے احترام سے اسے بٹھا دیا۔

"بڑے کمینے لوگ ہیں۔ ایک نیک اور سیدھے سادے انسان کے ساتھ کتنا برا سلوک کیا جا رہا ہے۔" میں بولا لیکن جمشید احمقوں کی طرح بیٹھا رہا۔ اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

"مگر تم الٹے کیوں کھڑے تھے؟"

"شرط پورا کر رہا تھا۔"

"کیسی شرط؟" میں نے پوچھا اور جمشید نے پوری تفصیل بتا دی۔ میں تو بہرحال اس تفصیل سے واقف تھا۔ چنانچہ میں نے نہایت افسوس کا اظہار کیا اور سیمیں کو برا بھلا کہنے لگا پھر میں نے کہا "بہرحال اس سے ایک بات معلوم ہو گئی جمشید!"

"کیا؟" جمشید نے پوچھا۔

"سیمیں' احسان سے شادی کرنا چاہتی ہے' وہ اسی سے محبت کرتی ہے۔"

"تو کیا۔ تو کیا اس کی شادی نہیں ہوئی؟"

"پتہ نہیں۔ ہم میں سے تو کسی نے اس کے بارے میں نہیں سنا۔ تمہاری زبانی معلوم ہوا ہے کہ احسان اس کا شوہر ہے لیکن وہ بے حد چالاک ہے۔ تمہیں الٹا کھڑا کر کے سیدھی بوا کے پاس گئی اور انہیں نہ جانے کیا کیا پڑھا کر لائی۔"

"شی ای خود گئی تھی؟" جمشید نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں!"

"اوہ! تب تو۔ تب تو۔" جمشید گردن ہلانے لگا۔

"یہ لڑکیاں بہت چالاک ہوتی ہیں لیکن شکیلہ کا چہرہ دیکھا تھا تم نے؟"

"شاکھی لا۔ نہیں۔ کیوں؟"

"تمہاری اس درگت پر وہ بہت غمزدہ نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔"

"آنسو ابٹ دہائی؟ کیوں؟"

"مجھے یقین ہے جمشید' وہ تمہیں چاہنے لگی ہے۔"

"اوہ! سویٹ شاکھی لا۔ میں نے کبھی اس کی طرف ایسے نہیں دیکھا مسٹر!"

"اس وقت سب خوش تھے سوائے اس کے۔ تمہارے ساتھ ہونے والے سلوک پر سب سے زیادہ رنج اسے ہوا ہے۔"

"تب تو ہم سے غلطی ہوا مسٹر صائم!"

"کیا ہو گیا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔



Uploaded By Muhammad Nadeem

"ہم نے اس پر غور نہیں کیا۔ وہ تو بہت سویٹ ہے۔ بے حد چارمنگ!"

"اور تم سے پیار بھی کرتی ہے۔"

"اوہ! مائی گاڈ۔ ہم بہت بے وقوف ہے۔ ہم اس سے ایکسکیوز کرے گا۔" جمشید افسوس بھرے لہجے میں بولا "ہم اس کا محبت کا جواب محبت سے دے گا۔"

"تمہارے لیے یہی ٹھیک ہے جم! لیکن احتیاط سے۔"

"احتیاط کیا ہوتا ہے؟"

"مطلب یہ کہ تم فوراً اس سے اظہار عشق مت کرنا۔ جلد بازی سے کام بگڑ جاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ آپ ٹھیک بولتا ہائے مسٹر!" جمشید زور زور سے گردن ہلانے لگا۔ میں نے اسے پکا کرلیا تھا۔ بہرحال شکیلہ نے اس کے لیے ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔

"اس کے علاوہ جمشید' اگر سیمیں نے تمہیں ٹھکرا دیا ہے تو تم بھی اس کی پروا مت کرو۔ ایسے بن جاؤ جیسے اس کے رویے سے تمہیں ذرا بھی دکھ نہ ہوا ہو۔ تم اس کی پروا ہی نہ کرتے ہو۔"

"بالکل ٹھیک۔ میں اس کا کوئی پروا نہیں کرتا۔" جمشید نے کہا۔

"رات کو پروگرام کرو گے؟"

"کیسا پروگرام؟"

"تم نے گٹار سنانے کا وعدہ کیا ہے نا؟"

"اوہ! ہاں۔ ضرور سنائیں گے۔ پکا وعدہ!" جمشید نے کہا اور میں نے اسے پکا کرلیا۔ بس جمشید بلاوجہ ہی پھنس گیا تھا۔ ابتدا میں تو ہم نے اسے حذف کر دیا تھا لیکن بس' نہ جانے کیوں اس بے چارے کی شامت آگئی تھی۔ ویسے میرے ذہن میں ایک خیال اور بھی تھا۔ شکیلہ کے سلسلے میں کہیں طالوت سنجیدہ نہ ہو جائے۔ اگر وہ سنجیدہ ہوگیا تو جمشید اور مصیبت میں پھنس سکتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جمشید چلا گیا۔ رات ہوگئی تھی۔ روشنیاں جل اٹھی تھیں۔ دوسرے لوگ نہ جانے کہاں چلے گئے تھے۔ طالوت بھی غائب تھا۔ میں اس کی تلاش میں کمرے سے نکل آیا۔ میں نے شکیلہ کے کمرے کا ہی رخ کیا تھا۔

لیکن راستے میں افشاں مل گئی "کہاں۔ کہاں جناب؟" اس نے پوچھا۔

"عادل کی تلاش میں نکلا ہوں۔"

"اوہ! اور شکیلہ کے کمرے کی طرف جا رہے ہیں؟"

"وہ اور کہاں مل سکتا ہے۔"

"ہاں! شکیلہ خوش نصیب ہے۔"

"کیوں؟"

"بس۔ عادل بھائی کو اس کے کمرے میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ ایک ہمارا کمرا ہے' بدنصیب کہیں کا۔ کوئی اس کی طرف رخ ہی نہیں کرتا ہے۔" افشاں بولی۔

"شرمندہ کر رہی ہو افشاں؟"

"ارے خدانخواستہ کیوں؟"

"آپ جانتی ہیں کہ میں آپ کی طرف آنے میں احتیاط کیوں کرتا ہوں۔"

"کاش۔ جانتے۔" افشاں بولی۔

"مس افشاں! اگر آپ کی اجازت ہو تو آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔"

"شکایت کون کافر کر رہا ہے' ہم تو نصیب کی بات کر رہے تھے۔"

"پلیز افشاں۔ معاف کردو۔"

"کردیا۔" افشاں بڑے پیار سے گردن ہلا کر بولی۔

"رات کا کیا پروگرام ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کھانا بھی کھائیں گے' سوئیں گے بھی۔"

"اور جمشید سے گٹار نہیں سنیں گے؟"

"سنائے گا وہ؟"

"کیوں کیا ہوا؟" میں نے تعجب کا اظہار کیا اور افشاں ہنس پڑی۔

"اللہ! کبھی کبھی تو اس پر رحم آنے لگتا ہے۔ سچ بچپن میں اتنا بدھا نہیں تھا۔ میں نے دیکھا ہے۔"

"افشاں! تمہارے جذبات تو ایسے نہیں ہوتے؟"

"نہیں۔ بس کمہ چکی ہوں کہ جم ... ہے اور امی کا خیال رہتا ہے۔ ویسے برا والی بات عام نہیں ہوگی۔ میں نے کہہ دیا ہے۔"

"ہماری باتیں ہم تک ہی رہنا چاہئیں' بزرگوں تک پہنچنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ امی اور ابو کا ذہن خراب نہ ہو۔ ویسے کیا وہ سچ مچ گٹار بجائے گا؟"

"یقیناً بجائے گا۔"

رات کے کھانے کی فضا پرسکون تھی۔ جمشید پوری طرح مطمئن تھا۔ اس شخص کا یہ انداز حیرت انگیز تھا۔ کوئی بھی واقعہ ہو جائے' تعلق اسی کی ذات سے ہو لیکن وہ پھر بھی پرسکون ہوتا تھا اور اس کے بعد باغ کی محفل جاری ہوگئی۔ جمشید نے رات کے لیے خاص لباس پہنا تھا اور پھر اس نے



گٹار پر کئی ملکوں کی موسیقی سنائی۔ اچھا خاصا بجالیتا تھا لیکن میرا کام نہ سر ابھار رہا تھا اور شکیلہ کی طرف جمشید کا التفات زیادہ ہی تھا۔

"عارف!" طالوت آہستہ سے میرے کان میں غرایا۔

"ہوں۔" میں نے انجان بن کر کہا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"کہاں؟"

"کیا تم اس گدھے کی حرکتیں دیکھ نہیں رہے؟"

"اوہ۔ کوئی خاص بات ہے؟" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"ہوں تو یہ تمہاری شرارت ہے؟" طالوت ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"ارے مگر کون سی شرارت؟"

"میں اسے کبڑا کردوں گا' ورنہ اسے سمجھا دو۔" طالوت نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"یار تفریح لینے دو۔ اور پھر آپ کی شکیلہ خانم اسے بے چارہ بھی تو کہہ رہی تھیں۔"

"یہ بات ہے۔" طالوت ہونٹ بھینچ کر بولا "اچھا تو پھر سنبھالو اپنی افشاں بیگم کو۔" اس نے کہا اور میں چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔ طالوت کی آنکھوں میں سنجیدگی نظر آرہی تھی لیکن افشاں والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔

○☆○

"پسند آیا؟" جمشید نے شکیلہ کی طرف جھک کر کہا اور ... انداز میں مسکرانے لگا۔ شکیلہ نے بوکھلائی ہوئی ... چاروں طرف دیکھا لیکن کسی کو اپنی طرف متوجہ نہ پاکر ... کی سانس لی۔ میں چور نگاہوں سے شکیلہ اور جمشید ... رہا تھا' اس انداز میں کہ دونوں کو احساس نہ ہو۔

"میں آپ ... بولتا ہوں مس شاکھی لا۔" جمشید نے جواب نہ پاکر پھر کہا۔

"ہاں' آپ بہت ... گٹار بجاتے ہیں۔" شکیلہ نے کہا اور اپنی جگہ سے کھسک ... طرف جانے لگی جو بالطور خاص یہاں موجود تھیں اور انہیں رات کی یہ محفل زیادہ پسند نہیں آئی تھی۔

"کیا یہ حضرت اب شکیلہ کو تنگ کر رہے ہیں۔" طالوت غرایا۔

"یار بس تھوڑی سی۔"

"جی نہیں۔ تم اس کے جذبات سے واقف نہیں ہو۔ وہ بہت نازک خیالات کی مالک ہے' آبگینے کی طرح۔ ٹوٹ گئی تو جوڑنا مشکل ہوگا۔" طالوت پھنکارا۔

"اوہ! تب پھر کیا کیا جائے؟"

"میں کرتا ہوں۔" طالوت نے کہا۔

"یار کوئی ایسی بات نہیں' جس سے اسے تکلیف ہو۔" میں نے التجا کی۔

"بہت ہمدردی ہے اس سے؟"

"اب وہ غریب کیا کرے۔ اسے یہاں بھیجا ہی اس لیے گیا ہے کہ عشق کرے اور شادی کرے۔" میں نے کہا۔

"لیکن اسے سوچ سمجھ کر عشق کرنا چاہیے۔ دیکھو دیکھو' وہ پھر اسی طرف بڑھ رہا ہے۔" طالوت نے کہا اور میں نے جمشید کی طرف دیکھا پھر میں بھی آہستہ سے اس کی طرف چل پڑا۔ طالوت خطرناک آدمی تھا۔ جمشید کا کباڑا ہوسکتا تھا۔ ہم دونوں اس کے قریب پہنچ گئے۔ جمشید چونک کر ہم دونوں کی طرف دیکھنے لگا اور پھر اس نے شکیلہ کی طرف دیکھا۔

"ایکس کیوزمی شاکھی لا! میں ذرا ان شریف لوگوں سے بات کرلوں۔" اس نے معذرت کے انداز میں کہا اور پھر ہم دونوں کی طرف متوجہ ہوگیا "یس پلیز؟"

"آپ سے ضروری کام ہے مسٹر جمشید!" میں نے آہستہ سے کہا۔

"وہ! اسی وقت؟"

"ہاں!"

"آئی ایم سوری۔ میں اس وقت ذرا مصروف ہوں۔ آپ لوگ پھر کسی وقت گفتگو کرلیں۔" وہ واپس شکیلہ کی طرف مڑ گیا اور طالوت کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا اور میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں اسے کسی کارروائی سے روکنا چاہتا تھا۔

"جمشید!" میں نے پھر اسے مخاطب کیا۔

"اوہ۔ مسٹر صائم۔ میں۔ میں۔" جمشید نے کسی قدر جھلائے ہوئے انداز میں کہا لیکن میرا ہاتھ اس کے شانے پر جم گیا اور اس کی گرفت کافی مضبوط تھی۔ جمشید ... میں آگیا۔ اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں شانہ چھڑانے کی کوشش کی لیکن یہ میرا وہ ہاتھ تھا ... وہی قوت تھی۔ جمشید کے فرشتے بھی شانہ نہیں چھڑا سکتے تھے۔ جمشید کو احساس ہوگیا تھا۔ چنانچہ اس نے ... شکیلہ کی طرف رخ کر کے کہا۔

"معاف کرنا شاکھی لا۔ میں ابھی آیا۔" اس نے مردہ



Uploaded By Muhammad Nadeem

آواز میں کہا اور پھر وہ بھاری قدموں سے ہمارے ساتھ چل پڑا۔ طالوت ہم دونوں کے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ تھوڑی دور چل کر میں رک گیا۔ جمشید سوالیہ انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا۔

"تم غلط جا رہے ہو جمشید!" میں آہستہ سے بولا۔

"کنڈر۔ کینڈر۔ میں تو ادھر کھڑا مسٹر۔" جمشید نے حیرت سے کہا۔

"میری مراد شکیلہ سے ہے۔"

"شاکھی لا کو کیا ہوا؟" جمشید نے اسی انداز میں کہا۔

"شریف لڑکیوں کے پیچھے اس طرح نہیں پڑتے۔"

"میں نہیں سمجھتا 'تم کیا بولتا مسٹر صائم؟"

"میں سمجھاتا ہوں میری جان!" طالوت قریب پہنچ گیا۔

"اوہ۔ یس یس۔ تھینک یو۔ تھینک یو۔" جمشید اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"منہ کھولو۔" طالوت نے کہا اور جمشید نے متحیرانہ انداز میں منہ کھول دیا۔ "بس اب بند مت کرنا۔" طالوت بولا اور پھر وہ میرا ہاتھ پکڑ کر واپس چل پڑا۔ جمشید اسی طرح منہ کھولے کھڑا رہ گیا تھا۔

"ارے' ارے۔ مر جائے گا بے چارہ!" میں نے سفارش کی۔

"خاموش رہو۔ میں نے رعایت برتی ہے۔" طالوت نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"تماشا بن جائے گا بے چارہ!"

"بن جانے دو۔ تمہیں معلوم نہیں وہ کس کی محبوبہ ہے۔ اس سے بد تمیزی کا نتیجہ تو وہ نکلے گا کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔ بس یار تم زیادہ نہ بولو ورنہ میں تم سے بھی ناراض ہو جاؤں گا۔" طالوت ہتھے سے اکھڑ گیا تھا اور اب اسے سنبھالنا بے حد مشکل تھا۔ میں بے چارے جمشید کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ نتیجے میں' میں واپس آ گیا۔

یہاں کی محفل یونہی شباب پر تھی۔ قہقہے لگ رہے تھے۔ افشاں اور شکیلہ کسی بات پر ہنس رہی تھیں۔ بوا بھی درمیان میں تھیں۔ ہم دونوں بھی دوسرے لوگوں میں شامل ہو گئے۔

"اللہ صائم بھائی آپ ہی بوا سے سفارش کر دیں۔" شکیلہ نے کہا۔

"مسئلہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہم سب کی دلی خواہش ہے کہ بوا سے گانا سنیں۔" افشاں بولی۔

"اے دیوانی ہوئی ہو بی بی۔ میں بھلا گاؤں گی۔" بوا شرما کر بولیں۔

"تو ثمین جھوٹ بول رہی ہیں کیا؟" افشاں نے کہا۔

"مذاق کر رہی ہیں۔"

"بوا آپ مجھے جھوٹا کروا رہی ہیں۔" ثمین نے برا مانتے ہوئے کہا۔

"اے ثمین بی بی! اللہ کے واسطے میرا مذاق مت بنواؤ۔" بوا گڑگڑائیں۔

"گویا ہم لوگ آپ کے لیے اس قدر اجنبی ہیں۔ اتنے برے ہیں ہم لوگ' آپ ہمیں اس قابل بھی نہیں سمجھتیں۔ ٹھیک ہے بوا۔ ٹھیک ہے۔" افشاں نے منہ پھلاتے ہوئے کہا۔

"یا الٰہی! کیا کروں؟" بوا ہلکان ہوتے ہوئے بولیں۔

"سنا بھی دیں بوا! کتنے لوگ کہہ رہے ہیں۔" میں نے کہا۔

"ہاں بوا۔ ہماری بھی خواہش ہے۔" طالوت نے نعرہ لگایا اور بوا سوچ میں ڈوب گئیں پھر خود بخود شرما گئیں۔

"مگر بھیا' مجھے نئے زمانے کے گانے کہاں آتے ہیں۔" وہ نیم راضی ہو گئی تھیں۔

"لاحول ولا قوۃ نئے زمانے کے گانے بھی کوئی گانے ہوتے ہیں۔ جو آپ گائیں گی بوا' وہ کلاسک چیز ہو گی۔" میں نے کہا اور بوا کی ہمت بندھ گئی۔

"جیسی تم سب کی مرضی!" بوا نے کہا۔ ان کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا تھا اور وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی تھیں جیسے کوئی گانا یاد کر رہی ہوں۔

"ہرا۔" سب نے نعرہ لگایا اور سب بوا کے گرد جمع ہو گئے "بلاؤ' جمشید بھائی کو۔ وہ گٹار بجائیں گے۔" افشاں نے کہا۔

"ارے ہاں جمشید صاحب۔ جمشید صاحب!" احسان نے آواز لگائی۔

"کیا بجائیں گے؟ بوا پھر بھڑک گئیں۔

"اپنا باجا بجائیں گے بوا۔ مزہ آ جائے گا۔" ثمین نے کہا۔

"اے نہ باؤ بھیا۔ بڑا بد نظرا ہے کم بخت کہیں کا۔ نہ بھیا۔ وہ آئے گا تو میں نہیں گاؤں گی۔" بوا نے کہا۔

"مجال ہے کسی کی جو ہماری بوا کی طرف بری نگاہ سے دیکھ جائے۔ آنکھیں نکال لیں گے۔" کمال نے کہا "جمشید صاحب۔ جمشید صاحب!" کمال نے زوردار آواز نکالی اور طالوت نے اور میں نے چور نگاہوں سے جمشید کی طرف دیکھا۔ غریب منہ کھولے چلا آ رہا تھا۔ چند ساعت کے بعد وہ قریب پہنچ گیا۔ کسی نے اس کے کھلے ہوئے منہ کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔

"جمشید بھائی! بوا گائیں گی۔ کیا آپ گٹار بجانا پسند کریں گے؟" کمال نے کہا اور جمشید نے یونہی منہ کھولے کھولے گردن ہلا دی اور پھر اس نے گٹار اٹھا لیا۔ اب بھی کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔

میرے دل میں بے اختیار اس کے لیے ہمدردی پیدا ہو گئی۔ درحقیقت وہ غریب عقل سے پیدل تھا ورنہ ایسی عجیب و غریب پوزیشن پر بھلا کسی کے حواس قائم رہتے ہیں۔ میں جانتا تھا کھلے منہ سے اسے کس قدر تکلیف ہو گی لیکن وہ اس حالت میں بھی مگن تھا اور گٹار بجانے کے لیے تیار تھا۔

میں نے طالوت کی طرف دیکھا۔ طالوت بھی گہری نگاہوں سے جمشید کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس نے ٹھنڈی سانس لی اور اچانک بوا شروع ہو گئیں۔

"نمبو نارنگی اور ہیرے کی کنی مرانیا۔" انتہائی بے سری اور بے تکی آواز اور نہ سمجھ میں آنے والا گانا اور پھر اوپر سے جمشید کا جھوم جھوم کر گٹار بجانا' جس کی وجہ سے بے چاری بوا کو چیخ چیخ کر گانا پڑ رہا تھا۔ لوگوں کی ہنسی روکتے روکتے بری حالت ہو گئی لیکن بوا نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ اب شروع کیا ہے تو ختم کر کے ہی دم لیں گی۔

"عارف!" طالوت نے آہستہ سے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"ہوں!"

"دیکھ رہے ہو اس گدھے کو۔ اسے اپنے کھلے منہ کا کوئی احساس نہیں ہے۔"

"زندگی ہے طالوت! اس کی اس بات سے ہی اندازہ لگا لو کہ وہ کیا ہے۔"

"بند کر دوں۔" طالوت نے کہا۔ میں نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔ یہ الفاظ مجھ سے نہیں کہے گئے تھے اس لیے میں نے جلدی سے جمشید کی طرف دیکھا اور پھر ایک گہری سانس لی۔ جمشید کا کھلا ہوا منہ بند ہو گیا تھا لیکن درحقیقت یا تو یہ شخص بے پناہ فولادی اعصاب کا مالک تھا یا پھر بالکل ہی پاگل۔ اس نے اب بھی کوئی پروا نہیں کی تھی۔ گٹار اسی طرح بج رہا تھا اور بوا اب تک گا رہی تھیں۔

"خدا کے لیے بوا' اب بس کریں ورنہ کوئی نہ کوئی ضرور مر جائے گا۔" ثمین نے کہا اور پھوٹ پڑی پھر کیا تھا' چاروں طرف سے ہنسی کا طوفان امڈ پڑا۔ سب ہی بری طرح ہنس رہے تھے اور ان کے ساتھ بوا کی بگڑی ہوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"اسی لیے انکار کر رہی تھی۔ دیکھا نا۔ مذاق اڑا رہے ہو سب مل کر۔ تف ہے۔ میں نے تمہاری خاطر گایا اور تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔"

"اور یہ کلاسک تھیں سمجھتا نا عورت۔ بالی گاڈ۔ ہمارا روح خوش ہو گیا۔ تم گاتا تھا تو ایسا لگتا تھا جیسے آسمان سے شراب برس رہا ہو۔ چاروں طرف مٹی پھیل گیا تھا۔" جمشید نے ہمدردی سے کہا۔

"دیکھ تو نہ بولیو بس۔ کہے دے رہی ہوں ہاں' ورنہ اپنی اور تیری جان ایک کر دوں گی۔" بوا آستین چڑھا کر بولیں اور جمشید خوف زدہ انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔

"تو پھر کیا ہم بھی ہنستے؟" اس نے پوچھا۔

"ہنس لے۔ تو بھی ہنس لے۔ لو اور سنو۔ ان لڑکے لڑکیوں نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے۔ خدا کی مار۔" بوا تیزی سے آگے بڑھ گئیں۔ سب انہیں روکتے رہ گئے لیکن اب وہ کسی کی نہیں سن سکتی تھیں۔

رات خاصی گزر گئی تھی اس لیے تھوڑی دیر کے بعد نشست برخاست ہو گئی اور سب ایک دوسرے سے رخصت ہو کر اپنے اپنے کمروں میں آ گئے۔ طالوت شکیلہ سے گفتگو کرتا ہوا آیا تھا پھر اس نے شکیلہ کو خدا حافظ کہا اور میرے پاس آ گیا۔ میں نے اس دوران لباس وغیرہ تبدیل کر لیا تھا۔

طالوت نے بھی سونے کی تیاریاں کیں اور ہم دونوں اپنے اپنے بستروں پر لیٹ گئے۔ طالوت خاموش تھا پھر اچانک اس نے کہا "ویسے اس گدھے نے شکیلہ سے پینگیں بڑھانے کی کوشش کی بھی۔"

"کیا کہہ رہا تھا؟"

"کوئی خاص بات تو نہیں۔ بس شکیلہ نے محسوس کیا تھا۔"

"بڑا انوکھا انسان ہے۔"

"پاگل ہونے میں تھوڑی ہی کسر باقی ہے لیکن میں اس کا یہ پاگل پن بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ تم اسے سمجھا دینا۔ آئندہ اگر میں نے اسے شکیلہ کے گرد منڈلاتے دیکھا تو اس کے سر پر درخت اگا دوں گا۔"

"وہ بے چارہ خاموشی سے سر جھکائے جھکائے پھرے گا اور زبان سے اف بھی نہیں کرے گا۔"

"اے تو کیا شکیلہ ہی رہ گئی تھی' افشاں بھی تو ہے۔"

"اے مسٹر طالوت! عقل کی بات کریں ورنہ اچھا نہیں

Uploaded By Muhammad Nadeem

ہو گا۔"

"میں تو صرف بات کہہ رہا ہوں مگر اس احمق کے لیے کیا ہی کیا جا سکتا ہے۔"

"ہاں۔ بات کی حد کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ مجھے خطرہ ہو گیا تھا کہ طالوت' افشاں کے سلسلے میں کوئی حرکت نہ کر ڈالے۔ کافی دیر تک ہم اس دلچسپ نشست کے بارے میں گفتگو کرتے رہے' پھر سو گئے۔

دوسری صبح عام سی تھی۔ ناشتے پر وہی دبی دبی مسکراہٹیں' وہی لگاؤ کا اظہار۔ بزرگوں کے انداز میں بھی کوئی خاص بات نہیں تھی۔ ناشتے کے بعد ہم نے افشاں اور شکیلہ سے گفتگو کی اور پھر ہم باہر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ باہر نکلے ہی تھے کہ جمشید صاحب آ ڑے آ گئے۔ انہوں نے آتے ہی سلام کیا اور مسمسی شکل بنا کر کھڑے ہو گئے۔

"خیریت بھائی صاحب؟" طالوت نے پوچھا۔

"ٹھیک ہائے۔ بالکل ٹھیک ہائے۔" جمشید بھاری آواز میں بولا۔

"ہمارے لائق کوئی خدمت؟"

"شکریہ۔ شکریہ!" جمشید نے اسی طرح پھولے ہوئے منہ سے کہا۔

"کوئی خدمت نہیں ہے؟"

"جی نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"پھر جناب کا نزول کیوں ہوا؟ راستہ کیوں روک لیا ہے؟"

"میں بھی آپ کے ساتھ جائیں گا۔"

"ارے خدا کی پناہ۔ کہاں؟" طالوت چونک کر بولا۔

"جہاں آپ لوگ جائیں گا۔"

"مگر میرے بھائی' آخر کیوں؟ ہم نے کیا غلطی کی ہے؟" طالوت نے کہا۔

"یہ راستے میں بتائیں گا۔" جمشید بچوں کے سے انداز میں ضد کرتے ہوئے بولا۔

"سنبھالو۔" طالوت نے میری طرف رخ کر کے کہا۔

"چلو یار۔ دیکھیں کیا نیا گل کھلتا ہے۔" میں نے کہا۔ طالوت نے میری طرف دیکھا اور پھر گردن ہلا دی۔ ہم نے جمشید کو ساتھ آنے کی اجازت دے دی اور پھر ہم تینوں چل پڑے۔ ڈرائیونگ میں کر رہا تھا۔ طالوت ازراہ اخلاق جمشید کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ جمشید بے حد رنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے میری جان؟ کچھ منہ سے تو پھوٹو۔"

طالوت نے جمشید کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور اچانک جمشید کی سسکیاں شروع ہو گئیں۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بھی بہہ رہے تھے۔ میں اور طالوت بری طرح بوکھلا گئے۔ میں نے جلدی سے گاڑی سڑک کے کنارے روک دی اور منہ پھاڑے جمشید کی طرف دیکھنے لگا۔

"ارے۔ ارے جمشید۔ ارے جمشید! ارے کیا ہو گیا۔ اُفوہ پاگل انسان۔" طالوت کے لہجے میں ہمدردی آ گئی۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے جمشید کو دیکھ رہا تھا۔ جمشید چپ بھی اچانک ہی ہو گیا تھا۔ ہم دونوں ہمدردی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ جمشید نے جیب سے رومال نکال کر آنکھیں اور چہرہ صاف کیا اور پھر اس طرح چونک کر ہماری طرف دیکھنے لگا جیسے ہمیں بھول ہی گیا ہو پھر اس نے بوکھلائے ہوؤں کی طرح چاروں طرف دیکھا اور پھر اس کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ ہم دونوں گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہے تھے پھر طالوت نے مجھے اشارہ کیا "چلو عارف۔" اور میں نے ایک گہری سانس لے کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

"کہاں چلوں؟"

"کارپٹ سینٹر!" طالوت نے آہستہ سے کہا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ جمشید کے لیے اس کے دل میں ہمدردی پیدا ہو گئی ہے۔ راستے میں اس نے جمشید سے اور کوئی بات نہیں کی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم کارپٹ سینٹر پہنچ گئے۔ دن رات کام ہو رہا تھا اور تصدق درحقیقت ایک عمدہ کارکن ثابت ہو رہا تھا۔ اس نے نہایت عاجزی سے ہمارا استقبال کیا اور پھر ہمیں اپنی کارکردگی کے بارے میں بتانے لگا۔ جمشید بالکل خاموش ہمارے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ میں نے کئی بار اس کے چہرے کی طرف دیکھا لیکن اس کے چہرے پر کوئی تاثرات نہیں نظر آ رہے تھے۔ بس سپاٹ سپاٹ سا چہرہ۔ نہ جانے اس بے چارے کی کھوپڑی کے اندر کیا چیز رکھی ہوئی تھی۔

پھر ہم اپنے شان دار دفتر میں آ بیٹھے۔ تصدق ہمارے ساتھ تھا۔ اس نے کئی بار عجیب سی نگاہوں سے جمشید کی طرف دیکھا تھا لیکن جمشید صاحب تو اس وقت دنیا سے ہی گئے ہوئے تھے۔

"ہاں تصدق! اب سناؤ۔" طالوت نے کہا۔

"آج دوپہر تک ایک ایک کام ختم ہو جائے گا جناب۔" تصدق نے کہا۔

"اسٹاف کے بارے میں کیا کیا؟"

"ایک فہرست بنالی ہے۔ اس کے بعد آپ جو حکم کریں گے۔" تصدق نے جواب دیا اور پھر اس نے ہمارے سامنے فہرست پیش کر دی۔ کافی لمبا چوڑا اسٹاف تھا۔ تصدق کی اس صلاحیت کا ہم نے دل سے اعتراف کیا۔ درحقیقت اسے اس معاملے میں خوب تجربہ تھا۔ ایک ایسی فرم کے لیے اس نے جیسے اسٹاف کا انتخاب کیا تھا اس سے ہم پوری طرح مطمئن تھے۔

"مناسب فہرست ہے۔" میں نے منظوری دے دی۔ طالوت نے اس معاملے میں مداخلت نہیں کی تھی۔ وہ خاموشی سے یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔

"ان لوگوں کے اپائنٹ منٹ کے سلسلے میں کیا کرو گے تصدق؟"

"جو حکم فرمائیں جناب!"

"میرا خیال ہے یہ فہرست ایمپلائمنٹ ایکس چینج کو دے دو اور پھر ان لوگوں کے انٹرویو کر لو۔"

"جی۔ وہ۔ میں۔ میں کر لوں؟"

"ہاں تو کیا حرج ہے۔ بھئی تم اس فرم کے منیجر ہو۔" میں نے کہا اور تصدق نے گردن جھکا لی پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"آپ نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا ہے صائم صاحب!"

"لیکن تمہاری صلاحیتیں دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ اس میں ہماری کوئی مہربانی شامل نہیں ہے۔ تم تو ہمارے لیے بہترین آدمی ہو۔"

"میں دل سے شکر گزار ہوں۔"

"ویسے انٹرویو کے دوران ہم بھی کبھی کبھی آتے رہیں گے۔ تم ایک ہفتے کے اندر اندر یہ پورا اسٹاف رکھ لو۔ اس کے بعد ہم کارپٹ سینٹر کا افتتاح کر دیں گے۔"

"جو حکم!" تصدق نے گردن ہلا دی۔

"اور کوئی قابل ذکر بات تو نہیں؟"

"جی کوئی خاص نہیں۔"

"شمشیر لینڈ والوں سے کوئی رابطہ قائم نہیں ہوا؟"

"اوہ۔ جی نہیں۔ ابھی کسی کو معلوم بھی نہیں کہ اس عمارت میں کس چیز کی فرم قائم ہوگی۔" تصدق نے جواب دیا۔

"ابھی معلوم بھی نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں کچھ کام اور باقی رہ جاتے ہیں۔"

"جی۔"

"بورڈ اور نیون سائن۔"

"میں نے یہاں کی تین بڑی پبلسٹی فرموں سے رابطہ قائم کیا ہے۔ ان سے یہ بات بھی ہو چکی ہے کہ کسی وقت بھی انہیں بورڈ اور نیون سائن کے لیے ارجنٹ آرڈر دیا جا سکتا ہے۔ کمپنی کا نمائندہ عمارت کا جائزہ لے گیا ہے۔"

"بہت خوب! کیا خیال ہے عادل؟"

"ارے ہاں' مسٹر تصدق! ان سے ملو۔ یہ جمشید عرف جم' عرف جمی ہیں۔" میں نے کہا۔

"بڑی خوشی ہوئی۔" تصدق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کچھ خاطر مدارات کرو ان کی۔ تمہارے مہمان ہیں۔"

"ضرور۔ ضرور۔" تصدق جلدی سے باہر نکل گیا اور ہم دونوں نے بیک وقت جمشید کی طرف دیکھا۔

"آپ کہاں کھوئے ہوئے ہیں مسٹر جمشید؟"

"ادھر ہی ہائے۔ ادھر ہی ہائے۔" جمشید جلدی سے بولا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"مسٹر نوساڑک کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کتنا کی آدمی ہائے۔ کتنا رچ مین ہائے۔ میرے کو نہیں معلوم تھا کہ اس کا اتنا بڑا کمپنی ہائے۔" جمشید نے کہا۔

"اوہ' واقعی۔ جو بات کی لاجواب کی۔" طالوت نے کہا اور پھر چونک کر بولا "تم رو کیوں رہے تھے؟"

"کب؟"

"گاڑی میں۔" طالوت اسے گھورنے لگا۔

"اوہ۔ مجھے یاد نہیں ہائے کوئی بات یاد آ گیا ہو گا۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" طالوت نے برا سا منہ بنایا اور میں بھی جمشید کو گھورنے لگا۔

"یاد کرنے کی کوشش کرو ورنہ تمہارا مستقبل خطرے میں پڑ جائے گا۔" میں نے کہا۔

"اوہ۔ آئی سی۔" جمشید نے ہونٹ سکوڑے' پھر چونک کر بولا "ہاں' یاد آ گیا۔ یاد آ گیا۔" اور پھر اس کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔

میرے بدن میں ہلکی سی سنسنی دوڑ گئی تھی۔ کہیں کم بخت شکیلہ کے بارے میں میرا بھانڈا نہ پھوڑ دے۔ طالوت غور سے اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔

"اب اگل بھی دو۔ تم تو پیشہ ور رونے والے معلوم ہوتے ہو۔ سارے کر آتے ہیں۔"

"مسٹر صائم! مسٹر عادل! پلیز میرے کو بتاؤ' میں کیا کرے؟" جمشید گلوگیر آواز میں بولا۔

"ہوا کیا میری جان؟" طالوت نے پوچھا۔

"میرے کو لو کرنا مانگتا مگر ادھر لڑکی لوگ لفٹ نہیں دیتا۔ اب میں کدھر جائے؟"



Uploaded By Muhammad Nadeem

"تم نے کہاں کہاں کوشش کی؟" طالوت نے پوچھا۔

"پہلے شی ئی ٹرائی کیا' بٹ اس کا معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔ کبھی لوگ بولتا وہ احسان کا وائف ہے۔ میرے کو نئیں معلوم۔"

"دوسرے نمبر پر کون تھا؟"

"شاکھی لا' مگر وہ میرے کو دیکھ کر راستہ چھوڑ دیتا ہائے۔ میں اس کو بھی ٹرائی نہیں کر سکتا۔ تیسرے نمبر پر میری کزن افشاں ہے مگر میرے کو لگتا وہ بھی میرے کو لفٹ نہیں دئیں گا۔"

"ٹھیک لگتا ہے۔" میں نے جلدی سے کہا اور طالوت بے اختیار ہنس پڑا۔

"پھر میں کیا کرے؟" جمشید نے درد بھرے انداز میں کہا۔

"عشق کرنا ضروری ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"ہاں!" وہ بے چارگی سے بولا۔

"ویری گڈ' لیکن آخر کیوں؟"

"مسٹر صائم! ہم آپ کو کیا بولے۔ بس آپ یوں سمجھو' ہمارا پپا مسٹر شیذوب بے حد کنجوس آدمی ہائے۔ اس نے ادھر کوشش کیا کہ کسی رچ لڑکی سے ہمارا میرج ہو جائے مگر ادھر کسی نے ہمارے ساتھ میرج نئیں بنایا۔ تب اس نے ایک اسٹیٹ بنایا اور ہم کو ادھر بھیجا۔ اس نے بولا۔ ادھر کا لڑکی لوگ لو کرتا ہائے۔ ادھر کسی مالدار لڑکی سے لو کرو۔ شادی کرو۔ اوہ مسٹر عاذل' بائی گاڈ ہم لو کرنا نئیں مانگتا بٹ۔"

"تو مسٹر شاداب دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں؟" طالوت نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"خود وہاں ان کی کیا پوزیشن ہے؟"

"بہت کمزاب۔ ایک دم خراب۔ بہت سا قرض ہائے۔ وہ خود اچھا آدمی نہیں ہائے۔ ہم سب لوگ کو بھی خراب کیا مگر ادھر ہم کسی کو نہیں بنائیں گا۔"

"اس کے علاوہ دولت حاصل کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"ہمارا سمجھ میں نہیں آتا۔ ہم تو میوزیکل مین ہے۔ ہم یہ سب کچھ نہیں جانتا۔"

"آدمی برے نہیں ہو یار۔ مگر کوئی تمہارے لیے کیا کر سکتا ہے۔" طالوت نے کہا۔

"بس ہم اپنے پپا سے پریشان ہائے ورنہ کوئی بات نہیں۔"

"ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں؟" طالوت نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔ بس آپ لوگ کا دوستی ٹھیک ہائے۔"

"دوست بناؤ گے؟" طالوت نے پوچھا۔

"اگر آپ میرے کو چانس دیں گے تو ضرور بنائیں گا۔" جمشید نے کہا۔

"کیا خیال ہے بھئی؟" طالوت نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔ آدمی برا نہیں۔"

"لیکن کچھ شرائط ہوں گی مسٹر جمشید۔" طالوت نے کہا۔

"منظور ہائے۔ منظور ہائے۔"

"سنے بغیر؟"

"بالکل۔ بالکل' آپ لوگ بہت اچھا ہائے جو بولے گا اچھا بولے گا۔"

"پھر بھی سن لو۔ ساری لڑکیاں ایکچ (؟) ہیں سوائے ان کے کہ ہمیں' افشاں اور شکیلہ۔ تم ان میں سے کسی سے عشق لڑانے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"بالکل نہیں کریں گا۔"

"بس پہلی اور آخری شرط یہی ہے۔"

"میرے کو منظور ہائے۔"

"تب ہاتھ ملاؤ۔" پہلے میں نے جمشید سے ہاتھ ملایا اور پھر طالوت نے' جمشید بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بڑی معصومیت تھی اور ہم بھی اب اس کے لیے مخلص ہو چکے تھے۔

تصدق نے کافی تکلف کیا تھا۔ بہرحال ہم نے خوب کھایا پیا۔ جمشید بھی ہمارے ساتھ شریک تھا پھر ہم وہاں سے واپس چل پڑے۔ لنچ کوٹھی میں ہی کیا۔ رات کے کھانے پر تنویر صاحب نے ہماری مصروفیات کے بارے میں پوچھا۔

"کاربٹ سینٹر تکمیل کے مراحل سے گزر چکا ہے۔ بہت جلد ہم اس کا افتتاح کرنے والے ہیں۔" میں نے کہا اور پھر طالوت بولا۔

"اس کے علاوہ تنویر صاحب' اب آپ ہمیں اجازت بھی دیں گے۔"

"کیا مطلب؟" سب چونک پڑے۔

"صائم بھائی یہاں مستقل رہائش چاہتے ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مہمان نوازی ختم کر دی جائے۔"

"تم یہاں مہمان تو نہیں ہو صائم!" تنویر صاحب مجھے مخاطب کر کے بولے۔

"یقیناً۔ یہ درست ہے لیکن میں چاہتا ہوں ہم اپنی کوئی رہائش گاہ بھی بنا لیں۔"

"اس میں کوئی حرج نہیں ہے تنویر۔" نواب جلال الدین نے دخل دیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ کچھ بھی کریں' اگر قیام یہاں رہے تو کیا حرج ہے۔ ان لوگوں کی وجہ سے یہاں جو رونقیں سمٹ آئی ہیں' میں انہیں کھونا نہیں چاہتا۔"

"ہم یہاں سے دور نہیں جائیں گے تنویر صاحب! ہر لمحے آپ کے قریب ہوں گے۔"

"میں تمہیں روکنے کا کوئی جواز نہیں رکھتا سوائے اپنی محبت کے۔" تنویر صاحب سنجیدگی سے بولے اور پھر کافی دیر تک اس موضوع پر بحث ہوتی رہی۔ بالآخر تنویر صاحب کو بھی ماننا پڑا تھا۔

لیکن کھانے کے کمرے سے باہر نکلتے ہی افشاں نے میری ٹانگ پکڑ لی۔

"صائم صاحب!" وہ بڑی سنجیدگی سے بولی۔

"جی۔ کیا بات ہے افشاں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"ذرا تشریف لائیے۔" وہ سنجیدگی سے بولی اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ باغ کے ایک سنسان گوشے میں پہنچ کر وہ رک گئی اور پھر مجھے گھاس پر بیٹھنے کے لیے کہہ کر خود بھی بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے افشاں! اتنی سنجیدگی۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔" میں نے بے چینی سے کہا۔

"کیا گفتگو ہو رہی تھی؟"

"ارے! کیا بات جانے کے بارے میں؟"

"جی ہاں۔"

"تمہیں پسند نہیں آئی ہو گی؟"

"جی نہیں۔ بہت پسند آئی ہے۔ کب تشریف لے جا رہے ہیں آپ؟ اور کیا اس کے بعد بھی آنا جانا رہے گا یا تعلقات بھی ختم کر لیں گے؟" افشاں نے کہا۔

"بہت خوب! اس ناراضگی میں چھپے پیار کو دل کی گہرائیوں میں محسوس کر رہا ہوں۔"

"اوہ۔ میں سمجھی شاید آپ کے ذہن سے یہ احساسات مٹ گئے۔" افشاں اسی سنجیدگی سے بولی۔

"اب خادم کو بھی بولنے کی اجازت ملے گی یا نہیں؟"

"بولیے۔ بولیے۔"

"کیا حضور مجھے گھر داماد بنا کر رکھیں گی؟"

"کیا مطلب؟"

"اگر حضور کی یہی خواہش ہے تب مجھے اعتراض نہیں ہو گا۔ میں تیار ہوں لیکن ہر لڑکی کے دل میں اپنے گھر کی آرزو ہوتی ہے اور میں آپ کے لیے ایک گھر بنانا چاہتا ہوں۔ اب بتائیے۔"

"لیکن ابھی کیا ضرورت ہے؟" افشاں نرم پڑ گئی۔

"کیوں۔ کیا حضور کی خواہش ہے کہ خادم بس تنہا تڑپتا رہے اور دور دور سے ہی حضور کی قربت کی آنچ محسوس کرتا رہے۔ افشاں بیگم کیا یہ ظلم نہیں ہے؟"

اور افشاں مسکرا دی۔ "آپ۔۔۔ آپ۔۔۔"

"جی جی۔ فرمائیے۔"

"لیکن مکان کہاں خریدیں گے؟"

"ایک ہزار مکانات خرید لیں لیکن آپ کے قدموں سے دور جانا کون پسند کرے گا۔ ہاں کل لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ صاحب زادے کے پاس سر چھپانے کا ٹھکانہ تو ہے نہیں۔"

"بس خاموش ہو جائیے۔"

"آپ کی فرم شاید اسی ماہ سے کام شروع کر دے۔ اس کا افتتاح بھی آپ ہی فرمائیں گی۔"

"پلیز ایسا نہ کریں۔"

"کیا مطلب؟"

"مجھے شرم آئے گی۔ مگر آپ نے ابھی تک ہمیں تو اپنی فرم دکھائی ہی نہیں۔" افشاں کی پیشانی کی شکنیں مٹ گئی تھیں۔

"حضور کے شایانِ شان تیار تو ہو جانے دیں ورنہ پھر ناراضگی کون برداشت کرے گا۔" میں نے پیار بھرے انداز میں کہا اور افشاں نے گردن جھکا لی پھر کئی منٹ کی خاموشی کے بعد بولی۔

"بس آپ مکان خریدیں یا کچھ کریں' آپ کو رہنا یہیں ہو گا۔"

"شادی کے بعد بھی؟"

"نہیں۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا اور میں سحر زدہ نگاہوں سے افشاں کو دیکھنے لگا۔ کیسی اچھی لگ رہی تھی وہ۔ میں نے جو کچھ اب تک کیا تھا' خواب محسوس ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے عورت' اپنی ساری حشر سامانیوں کے ساتھ زندگی میں پہلی بار میرے سامنے آئی ہو۔

افشاں منہ چھپائے کھڑی رہی اور میں کافی دیر تک مبہوت کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر افشاں کو ہی پراسرار خاموشی کا


Composed By Muhammad Nadeem

احساس ہوا اور اس نے چہرے سے ہاتھ ہٹالیے۔ تب میں بھی سنبھلا اور پھر میں نے ایک طویل سانس لی۔

"بہتر ہے۔ حضور کے حکم کی خلاف ورزی کی مجال کسے ہے" اور پھر افشاں اپنے کمرے کی طرف چلی گئی اور میں اپنے کمرے میں۔

شب و روز ہنگاموں سے تنویر صاحب کی کوٹھی میں بہار آگئی تھی۔ زبردست وسائل کے آدمی تھے۔ سو پچاس مہمان ان پر کیا بھاری پڑتے۔ ہمارا معاملہ عجیب بھی تھا اور تنویر صاحب اطہر تا نیک۔ وہ ہمیں بھی بہت چاہنے لگے تھے۔ دوسری طرف طالوت کارپٹ سینٹر کی طرف پوری طرح متوجہ ہوگیا تھا۔ اکثر وہ تنہا ہی چلا جاتا۔ مجھے اب اس سرپھرے جن کی کسی بات پر کوئی حیرت نہیں ہوتی تھی۔

بالآخر ساری تیاریاں مکمل ہوگئیں اور ایک رات میں اور طالوت اپنے کمرے میں کارپٹ سینٹر کے افتتاح کا پروگرام بنانے لگے۔

"یہ بات تو طے کہ یہ افتتاح نواب جلال الدین کریں گے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ تمہارے خیال میں ان سے اچھی شخصیت اور کس کی ہے؟" طالوت بولا۔

"نہیں۔ ٹھیک ہے۔"

"اس کے علاوہ ہمارے گھر کا افتتاح بھی ہوگا۔" طالوت نے کہا۔

"گھر؟ کون سا؟"

"ارے بھئی وہی، جہاں تم رہو گے۔" طالوت نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" میں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"اوہو۔ یار معاف کرنا۔ دراصل تصدق کوئی اچھا مکان تلاش کرنے میں ناکام رہا تھا۔ بہرحال ہمیں مکان کی ضرورت تھی اس لیے میں نے راستہ کر دیا۔"

"طالوت!" میں اچھل کر بیٹھ گیا۔

"ارے کیا غلطی ہوگئی؟" طالوت نے متحیر لہجے میں پوچھا۔

"یہ بات نہیں ہے لیکن میں نے افشاں سے ابھی مکان کے بارے میں بات نہیں کی۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ باتیں ہیں یا تو وہ یہ سمجھے گی کہ میں نے اس سے بات چھپائی یا پھر مجھے یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ میں سب حقیقت انداز ہوں اور معاملات میرے علم میں ایک حد تک ہی رہتے ہیں۔"

"بس بس۔ فضول باتوں سے پرہیز کرو۔ کوئی ترکیب کرلیں گے۔" طالوت نے منہ بنا کر کہا اور میں اسے کافی دیر تک خاموشی سے گھورتا رہا۔ تب طالوت مسکرا پڑا۔

"بس یار۔ خاموشی سے یہ کام کرنے کو جی چاہا تھا لیکن تو تو باقاعدہ ناراض ہو رہا ہے۔"

"ناراض نہیں ہو رہا۔ میں نے ایک بات کہی تھی۔"

"ایک آدھ غلطی معاف بھی کر دیا کر۔ اب تو ہو ہی گیا ہے۔ سنبھال لے۔" طالوت نے کہا اور میں خاموش ہوگیا۔ چند منٹ خاموشی رہی پھر طالوت ہی بولا "تیری خاموشی سے میں شرمندہ ہو رہا ہوں۔"

"نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔"

"خوش رہو میری جان۔ ہاں [illegible] انتظامات چیک کرلیں گے۔ میں نے ابھی تک استقبالیہ [illegible] نہیں حاصل کیا۔"

"ضرور۔" میں نے کہا "لیکن ایک شرط پر۔"

"ہاں ہاں۔ بول جلدی سے۔" طالوت [illegible]

"افشاں بھی جائے گی۔"

"اور شگفتہ؟" طالوت نے آنکھیں نکالیں۔

"وہ بھی۔" میں مسکرا پڑا۔

"ٹھیک ہے لیکن ایک بات کا خیال رکھنا مارف!"

"کیا؟"

"مالک کی حیثیت سے تم سامنے ہو گے۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے مختلف سے تعارف کے تحت ہیں۔"

"اور تمہاری کیا حیثیت ہوگی؟"

"جو ہے۔"

"یعنی؟"

"مالک کا بھائی!"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔۔۔"

"سمجھنے کی کوشش کیا کر یار۔ میں ان جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہتا اور پھر میں تمہاری دنیا کے کاروبار سے واقفیت حاصل کرکے کروں گا بھی کیا۔ تجھے میری قسم ہے میری جان جو میں کہہ رہا ہوں وہی کرلے۔"

"تم نے یہ سب کچھ میرے لیے کیا ہے؟"

"مجھے زیادہ بننے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"لیکن طالوت۔"

"میرے اور تیرے درمیان "لیکن" کی گنجائش نہیں

Uploaded By Muhammad Nadeem

ہے عارف!" طالوت نے عجیب سے لہجے میں کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ درحقیقت جو شخص کسی سڑک پر پڑے انسان کی ذرا سی بات سے متاثر ہو کر اس کی حیثیت بدل دے' اس سے یہ بات کہہ کر خود شرمندہ ہوتا تھا۔ مجھ سے تو بہرحال اس کا ایک واسطہ تھا۔

کئی منٹ تک خاموشی رہی پھر میں نے کہا "تو میں افشاں کو تیار کر لوں؟"

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے طویل سانس لی۔

"ارے ہاں۔ یہ آج کل اپنا جمشید بھائی گھر سے غائب رہنے لگا ہے۔"

"ہاں۔ عام طور سے نظر نہیں آتا۔"

"ویسے اس نے معاہدے کی پابندی کی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا خیال ہے اب اس نے گھر کی ساری لڑکیوں کو ماں بہن سمجھنا شروع کر دیا ہے۔"

"اوہ' ہاں۔ آج کل وہ کسی کے پاس نہیں منڈلا رہا۔"

"یا پھر کچھ کرنے کی ہمت اس میں ہے نہیں۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"ویسے عارف! اس نے اپنے بارے میں تفصیل بھی تو بتا دی ہے۔ یعنی وہ خود عشق وغیرہ کا قائل نہیں ہے۔ بقول اس کے مسٹر شیڈ وب اس کی جان کو آئے ہوئے ہیں۔"

"کیا وہ سچ بول رہا ہے؟"

"میرا خیال ہے اس میں جھوٹ بولنے کی صلاحیت نہیں ہے۔"

"ممکن ہے۔"

"بہرحال انوکھی شے ہے۔ ویسے اپنے جیسے دوسرے آوارہ گردوں کی مانند وہ نشے کا عادی نہیں معلوم ہوتا۔"

"ایں۔ ہاں۔ یہ بات بھی نہیں سوچی جا سکتی کہ نشے نے اس کا ذہن ماؤف کر دیا ہے۔"

"بہرحال وہ بے چارہ قابل رحم ہے۔ سوچیں گے کچھ اس کے بارے میں بھی۔" طالوت نے لاپرواہی سے کہا اور پھر سونے کے لیے کروٹ بدل لی۔

دوسری صبح بے حد خوشگوار تھی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ گو بارش کا موسم نہیں تھا لیکن لگ ایسا ہی رہا تھا جیسے بارش ہو گی۔ ناشتے کے بعد ہی سب کے ذہن موسم میں کھو گئے۔ جمشید بھائی بھی ناشتے پر موجود تھے۔ ویسے بے چارہ اپنی شخصیت کی وجہ سے کوئی نمایاں حیثیت نہیں اختیار کر سکا تھا اس لیے کوئی اس کی طرف توجہ نہیں دیتا تھا۔

ناشتے کے کمرے سے سب ساتھ ہی نکلے تھے۔ تب سیمیں نے سب کو روک لیا۔

"کیا بات ہے' آج کل موسم کافی سرد ہے۔" وہ بولی۔

"اے لو ابھی تو سردی کا نام بھی نہیں ہے۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" بوا نے جلدی سے سیمیں کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"خدا کے واسطے مجھے بخار نہ بتا دیں۔" سیمیں جلدی سے بولی۔

"اے بی' ماتھا تو گرم ہے۔" بوا تشویش سے بولیں۔

"اللہ کے واسطے بوا۔ آپ خاموش رہیں۔ اگر ابو کے سامنے کہہ دیا تو خواہ مخواہ دواؤں کے چکر میں پھنس جاؤں گی۔" سیمیں دونوں ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"دواؤں کی تو تم ہمیشہ سے چور ہو لی بی' مگر۔"

"ٹھیک ہے بوا۔ آپ اپنا فرض ضرور پورا کریں۔ یعنی کمال ہے۔ ذرا بھی سردی نہیں ہے اور انہیں سردی لگ رہی ہے۔" طالوت نے لقمہ دیا۔

"اللہ عادل بھائی! بوا اتنی ہی دیوانی ہیں۔ پلیز آپ۔"

"نمک حلال ہیں۔ محبت کرتی ہیں تم سے۔ ایسی کیا بات ہے۔" طالوت بولا اور سب ہنس پڑے "جائیے بوا' آپ نواب صاحب سے بات کریں۔"

"کمال!" سیمیں پیر پٹخ کر بولی۔

"جی سیمیں باجی!" کمال آگے بڑھ آیا۔

"تم ان بوا کو زبردستی لے جاؤ اور کوٹھی کے ویران حصے کے کسی کمرے میں بند کر دو۔ یہ اتنے اچھے موسم کا بیڑا غرق کرائیں گی۔" سیمیں غرائی۔

"بہت بہتر!" کمال آگے بڑھ آیا۔

"جمشید بھائی! آپ بھی کمال کی مدد کریں۔" سیمیں جلدی سے بولی۔

"اوے۔ ضارر۔ ضارر۔"

"ارے۔ ارے۔ لو اور سنو۔ نیکی برباد گناہ لازم۔ اے بی بی تمہاری مرضی ہے۔ علاج کرو نہ کرو' بستر پر پڑ جاؤ گی تو ٹھیک ہے۔" بوا بوکھلائے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹ گئیں۔

سب قہقہے لگا رہے تھے۔ کمال تو رک گیا لیکن جمشید صاحب کے لیے یہی کافی تھا کہ کسی نے کوئی کام ان کے سپرد کر دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے آگے بڑھ کر بوا کو پکڑنے کی کوشش کی۔

"پیچھے ہٹ۔ ہٹ پیچھے۔ خبردار جو میرے بندے کو



چھوا۔" بوا غرائیں اور جمشید احمقانہ انداز میں سیمیں کی شکل دیکھنے لگا۔

سیمیں نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

"جمشید بہت طاقت ور ہے۔" طالوت جلدی سے بولا "اگر وہ چاہے تو بوا کو اٹھا کر بھی لے جا سکتا ہے۔"

"اٹھا کر تو دیکھے۔ ہڈیاں توڑ دوں گی۔" بوا نے آنکھیں نکالیں۔

"اب یہ جمشید جانے۔" طالوت بولا اور جمشید کے لیے یہی کافی تھا۔ دوسرے لمحے وہ جھکا اور بوا کو اٹھا کر لے دوڑا۔ بوا بھونچکی رہ گئی تھیں۔

اور لوگوں کے پیٹوں میں ہنستے ہنستے درد ہو گیا تھا۔

"ارے' ارے۔ یہ بوا کو کہاں لے جا رہا ہے؟" طالوت سنجیدگی سے بولا۔

"اللہ عادل بھائی! اللہ بس۔" سیمیں نے پیٹ پکڑ کر ہنستے ہوئے کہا۔ افشاں اور شکیلہ کی آنکھوں میں ہنسنے کی وجہ سے آنسو نکل آئے تھے۔

"ہائے اب تو بوا قیامت کر دیں گی۔ ان کے ساتھ اتنی بری تو کبھی نہیں ہوئی تھی۔"

"آئیے' دیکھیں تو سہی۔ دیکھنے کے قابل منظر ہو گا۔" افشاں نے کہا۔

توبہ توبہ۔ کیسی ہو گئی ہیں یہ لڑکیاں۔ تمہیں شرم نہیں آئے گی ان دونوں کی خلوت میں جاتے ہوئے۔" طالوت نے شرارت سے کہا اور سیمیں نے شرم سے دوپٹہ منہ میں دبا لیا۔

"خدا کی پناہ! کیا بات کا بتنگڑ بنا ہے۔" احسان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"مگر بات ہوئی کیا تھی؟"

"بس میری شامت۔ میں نے موسم کی سردی کی بات کر دی۔ میرا مطلب آج صبح کے موسم سے تو نہیں تھا۔ میں تو کہہ رہی تھی کہ بہت دن سے کوئی تفریح نہیں ہوئی۔ سب لوگ سرد سرد سے ہیں۔ تفریحی معاملات میں کوئی پرجوش نہیں ہے۔" سیمیں بولی۔

"اوہ! یہ بات تھی۔"

"شامت کی ماری بوا کی محبت جوش مارنے لگی۔ وہ سمجھیں کہ میں سردی کا شکار ہو گئی ہوں۔"

"ہاں۔ یہ بات سوچنے کی ہے۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"کیا؟"

"یہی کہ پچھلے کچھ عرصے سے موسم کافی سرد چل رہا ہے۔"

"اور پھر آج تو بادلوں نے اور ہلچل مچا دی ہے۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہم گھر سے نکلیں اور دھوپ نکل آئے۔"

"آثار تو نہیں ہیں۔ بادل گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔" سیمیں نے کہا۔

"ہمیں مشکل پیش آئے گی۔" طالوت بولا۔

"کیسی مشکل؟"

"آپ سمجھتی نہیں ہیں سیمیں! انسان کو اتنا بے حس نہیں ہونا چاہیے۔" طالوت منہ بنا کر بولا۔

"ارے ارے۔ کیا شکایت پیدا ہو گئی میرے بھیا کو؟" سیمیں نے پیار سے کہا۔

"احسان اگر سیر کرنے نکلیں گے تو تم ان کے ساتھ ہو گی' باقی لوگ؟"

"خدا کی قسم حسرت میں نہ جلا کیا کریں عادل بھائی۔" سیمیں جلدی سے بولی۔

"کیا مطلب؟"

"کتنی خواہش ہے اپنے بھیا کا سہرا دیکھنے کی۔"

"ارے باپ رے!" طالوت اچھل پڑا "سچ بانو تو سیمیں شادی کرنے میں جو چیز میرے لیے سب سے زیادہ مانع ہے وہ سہرا ہے۔ اگر سہرا نہ باندھنا پڑے تو میں دس شادیاں کرنے کو تیار ہوں۔ ویسے تمہیں یہ سن کر خوشی ہو گی کہ میرے برادر محترم کو سہرا باندھنے میں بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔" طالوت کا اشارہ میری طرف تھا۔

"ایک کر دوں گی۔ زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ ہائے' اب یہ بھی لکھا تھا تقدیر میں۔" بوا کی آواز سنائی دی۔ وہ بڑی تیزی سے آ رہی تھیں۔ ہم سب الرٹ ہو گئے۔

"اور تم سب دیکھتے رہے۔ اے سیمیں بٹی۔ ہائے اب کس پر ناز کروں گی۔ تجھے بھی خیال نہ آیا۔"

"ارے اس جمشید کی ایسی تیسی۔ کیا کہاں وہ۔ راسم! جمشید کی اینٹ سے اینٹ بجا دو۔ آؤ میرے ساتھ۔ غضب خدا کا۔ اس نے مذاق میں یہ بات کہی تھی لیکن اس نے سچ مچ یہ حرکت کر ڈالی آؤ۔" طالوت نے میرا بازو پکڑا اور تیزی سے چل پڑا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ طالوت اس وقت وہاں سے چھوٹ جانا چاہتا ہے۔

ہم دونوں سیدھے اپنے کمرے میں آ گئے اور طالوت



Uploaded By Muhammad Nadeem

مسکرانے لگا۔
"بدمعاشی کی انتہا کر ڈالی ہے تم نے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور طالوت چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ "اس وقت وہاں سے بھاگے کیوں؟"
"بات غلط رخ اختیار کر رہی تھی۔"
"کیوں؟" میں نے پوچھا۔
"دماغ میں خرابی ہوتی ہے کچھ۔" طالوت نے آنکھیں نکالیں "آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ تہمینہ صاحبہ کے ذہن میں کیڑے کلبلا رہے ہیں حالانکہ ہمارا پروگرام کچھ اور ہے۔"
"اوہو۔ تو۔ تمہارا مطلب ہے۔"
"جی ہاں۔ اگر تہمینہ کا موڈ سب پر سوار ہو جاتا تو!"
"لیکن اب کیا کرو گے؟"
"ٹی پارٹی۔"
"کیا مطلب؟"
"ہو جاؤ رواں۔ تم افشاں کو لے کر پہنچو اور میں شکیلہ کو لے آؤں۔"
"ہوں۔" میں نے گہری سانس لی "یار اس معاملے میں بھی تم بہت زیادہ خوش نصیب ہو۔"
"کس معاملے میں؟"
"شکیلہ کو ساتھ لے جانے میں تمہیں قباحت نہیں ہے اس کے برعکس میں سوچ رہا ہوں کہ افشاں نہ جانے کیا کہے۔ ممکن ہے دقت پیش آئے۔"
"اب یہ تمہاری اور افشاں کی صلاحیت کی بات ہے۔ بہرحال زیادہ دیر نہیں ہونی چاہیے۔ یہاں کی پکنک کو بادلوں کا بخار چڑھتا جا رہا ہے۔ اگر زوردار ہو گیا تو سارا پروگرام خاک میں مل جائے گا۔"
میں نے فکرمندی کی گہری سانس لی۔ افشاں کو لے جانا خاصا مشکل کام تھا۔ بہرحال کوشش کرنے میں حرج نہیں تھا۔ طالوت میری شکل دیکھ رہا تھا۔
"کیا سوچا؟"
"ٹھیک ہے یار۔ میں کوشش کروں گا۔"
"تب پھر جلدی سے ایک کام کرو۔" طالوت بولا۔
"ہوں، کہو۔" میں نے کہا۔
"خاموشی سے شکیلہ کے پاس جاؤ اور اسے میرے پاس بھیج دو۔" طالوت نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ میں باہر نکل آیا۔ زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ بچھڑا ہوا گروہ مل گیا۔ مجھے دیکھ لیا اور سب میرے پاس پہنچ گئے۔

"یہ آپ لوگ کیوں فرار ہو گئے؟" تہمینہ نے کہا۔
"وہ راستے میں ہم نے پروگرام کینسل کر دیا۔"
"اوہ کیوں؟"
"دراصل ہمیں آج ایک مصروف دن گزارنا ہے۔" مجھ سے کوئی بہانہ نہیں بن پا رہا تھا۔
"گویا آج کے موسم سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔" تہمینہ نے مایوسی سے کہا۔
"ہاں کچھ ایسی مجبوری ہے۔"
"اور یہ جمشید صاحب کیا ہمیں چھوڑ کر بھاگ گئے؟"
"کیوں؟"
"سب جگہ انہیں تلاش کیا گیا لیکن ان کا پتہ ہی نہیں چل رہا۔"
"ممکن ہے غریب باہر ہی چلا گیا ہو۔ ارے ہاں شکیلہ! ذرا بات سنو۔" میں نے کہا اور دوسرے لوگوں سے معذرت کر کے ذرا دور چلا گیا۔ شکیلہ میرے پاس آ گئی۔ "تمہیں جہاں پناہ یاد فرما رہے ہیں۔"
"طالوت صاحب؟"
"جی۔"
"اپنے کمرے میں ہیں؟"
"جی۔" میں نے جواب دیا اور شکیلہ میری شکل دیکھ کر جھینپ گئی۔
"لیکن۔ لیکن یہ لوگ؟"
"کانوں کان خبر نہ ہو ان لوگوں کو۔"
"اتنا آسان تو نہیں ہے۔ پلیز صائم بھائی۔ آپ ان لوگوں کو کسی طرح۔" شکیلہ نے درخواست کی۔
"شیطانی ٹولا ہے، بہرحال میں کوشش کرتا ہوں۔ تم پہلے اپنے کمرے کی طرف جاؤ، پھر پچھلے راستے سے۔"
"جاؤں؟"
"ہاں۔" میں نے کہا اور شکیلہ دوسرے لوگوں کی طرف دیکھے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور میں واپس ان لوگوں کے پاس پہنچ گیا۔
"کیوں۔ یہ مس شکیلہ کہاں چلی گئیں؟"
"آئی ہیں ابھی آرام کو گئی ہیں۔" میں نے کہا۔
"ویسے آج کا موسم جس طرح چوپٹ ہوا ہے، اس کا افسوس رہے گا۔"
"وہ کہاں گئیں؟" میں نے پوچھا۔
"وہ بھی غائب ہو گئیں نہ جانے کہاں چلی گئیں۔"
"چلو تہمینہ! پھر ہم اپنے طور پر ہی کوئی پروگرام بنائیں۔



یہ قوم آج نہ جانے کس موڈ میں ہے۔" احسان نے کہا۔
"پروگرام کیا خاک بنائیں؟" تہمینہ بوریت سے بولی۔
"تو پھر یہاں میرے کچھ دوست ہیں، ان سے ملیں گے۔" احسان نے کہا۔
"آپ کیا کریں گی مس افشاں؟" میں نے پوچھا۔
"ابھی تک سوچا نہیں۔" افشاں نے کہا۔
"اچھا بھئی۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا اور سب منتشر ہو گئے۔ میں نے افشاں کو اشارہ کر دیا تھا اور چند منٹ کے بعد میں اس کے کمرے پر پہنچ گیا۔ افشاں میرا انتظار کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر مسکرا دی۔
"میں نہیں سمجھ سکی، یہ کیا ہو رہا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر چونک کر بولی "ارے، اندر آئیے، دروازے پر کیوں کھڑے ہیں۔"
اور میں جھجکتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔
"تشریف رکھیے۔" افشاں بولی۔
"میرا خیال ہے ہمیں یہاں نہیں بیٹھنا چاہیے۔"
"کیوں؟" افشاں نے آنکھیں نکالیں۔
"اوہو، کوئی خاص بات نہیں، کچھ پروگرام ہے۔"
"کیا؟"
"آپ کو بتانا ضروری ہے؟" میں نے اسے دیکھا۔
"کیا میں بھی اس پروگرام میں شریک ہوں؟" افشاں نے پوچھا۔
"شریک کیا، پروگرام ہی آپ کے لیے ہے۔"
"تب پھر میرے لیے کوئی حکم تو ہو گا۔" افشاں پیار بھرے لہجے میں بولی۔
"بس آپ تیار ہو جائیں۔" میں نے کہا اور افشاں کھڑی ہو گئی۔
"کیا لباس بدلنے کا حکم ہے؟" اس نے پوچھا۔
"بدل لیجیے۔"
"بہتر۔" افشاں نے گردن ہلائی اور الماری کی طرف بڑھ گئی پھر اس نے ایک خوب صورت لباس نکالا اور ملحقہ باتھ روم کی طرف چل پڑی۔ اس کے انداز اپنائیت پر میری روح خوشی سے معمور ہو گئی۔ درحقیقت افشاں جیسی لڑکیاں زندگی میں روشنیاں بکھیر دیتی ہیں۔ میں مستقبل کی روشنیوں میں بھٹکنے لگا اور پھر روشنی کمرے میں در آئی۔
"ٹھیک ہے۔" روشنی کی آواز ابھری اور میں چونک گیا۔ افشاں بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ میں نے تعریفی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اور یہی اس کے حسن کو خراج تھا۔

الفاظ میں وہ تاثر کہاں جس کا اظہار چہرے سے ہو۔
"چلیں؟"
"چلیے۔" افشاں نے سکون سے کہا اور میں بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ ہم دونوں باہر نکل آئے۔ طالوت یا تو ابھی نکلا نہیں تھا یا پھر نکلا تھا تو اس نے کار ہمارے لیے چھوڑ دی تھی۔ ایک لمحے کے لیے میں نے سوچا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ طالوت خود کار لے جانا چاہتا ہو۔ میں کار لے جاؤں تو یہ خود غرضی نہ ہو لیکن چوکیدار نے میری یہ مشکل حل کر دی۔ وہ قریب سے ہی گزر رہا تھا۔
"سنو۔!" میں نے کہا اور وہ جلدی سے میرے پاس آ گیا "عادل صاحب باہر گئے ہیں یا اندر ہی ہیں؟"
"ابھی تو باہر گئے ہیں صاحب۔ ان کے ساتھ بی بی بھی تھیں۔"
"اوہ۔" میں نے گردن ہلائی اور پھر میں اطمینان سے کار میں آ بیٹھا۔ افشاں میرے برابر آ کر بیٹھ گئی اور میں نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ ہم خاموشی سے باہر نکل آئے۔ افشاں نہ جانے کس خیال سے مسکرا رہی تھی۔ میں نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور اسے مسکراتے دیکھ کر میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔
"خیریت۔ کون سا خیال ذہن میں رقصاں ہے؟" میں نے پوچھا۔
"یہ صاحب کون سی بی بی کے ساتھ باہر گئے ہیں؟" افشاں نے پوچھا۔
"شکیلہ بی بی کے علاوہ کون ہو سکتا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔
"لیکن یہ آج پروگرام کیا بن گیا؟"
"بس، میں نے سوچا، کارپٹ سینٹر کے افتتاح کی منظوری لے لی جائے۔" میں نے جواب دیا۔
"اوہ، کس سے؟"
"اس کی اصل مالکہ سے۔"
"یعنی؟" افشاں کے چہرے پر سرخی پھیل گئی۔
"افشاں خاتون سے۔ ہمارا کیا ہے، ہم تو صرف ایک کارکن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مالکہ اپنے کاروبار کا جائزہ لے لیں۔ اگر وہ انتظامات سے، آرائش سے مطمئن ہوں تو پھر اس کے افتتاح کی تاریخ مقرر فرما دیں۔ اس کے علاوہ مکان کا بھی جائزہ لے لیا جائے۔ ممکن ہے افشاں خاتون کو پسند نہ آئے۔"
"اوہ، تو مکان بھی خرید لیا؟" افشاں نے پوچھا۔



Uploaded By Muhammad Nadeem

نہیں یہ نقصان کی بات ہے۔
"لیکن وعدہ یاد رہے گا نا؟"
"مجال ہے جو سرتابی ہو جائے۔"
"لیکن صائم صاحب! یہ سب کچھ آپ لوگ کس وقت کرتے ہیں' خاصے مشکل کام ہیں' لیکن ......"
"بس ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ تصدق بڑے کام کا آدمی ثابت ہوا' خوب کام کر رہا ہے۔"
"ہاں' انتظامی امور میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتا۔" افشاں نے کہا۔ خوشی سے اس کے چہرے پر چمک آگئی تھی۔ وہ بے حد مسرور نظر آ رہی تھی پھر کافی دیر تک خاموش رہنے کے بعد وہ بولی "تو آپ نے کاروبار کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا؟"
"حضور کے لیے تو بہت کچھ کرنا ہے۔"
"میں بہت خوش ہوں' یوں تو ...... یوں تو ......" وہ جھجک گئی۔
"ہوں ہوں کہہ دیں۔ تکلف کیوں؟"
"یوں تو۔ جہاں آپ ہوتے' مجھے وہاں جانے پر اعتراض نہ ہوتا لیکن یہ دوہری خوشی کی بات ہے کہ میں کہیں اور نہیں جاؤں گی۔"
"تمہاری یہ خوشی میری روح کو منور کرتی ہے افشاں۔" میں نے کسی قدر جذباتی لہجے میں کہا۔
"میری خوش بختی ہے۔" افشاں نے کہا اور اس کے بعد ہم دونوں کافی دیر تک ان جملوں کے سرور میں کھوئے رہے پھر افشاں بولی۔
"عادل بھائی کے لیے شکیلہ بہت مناسب ہے' میں بہت مسرور ہوں۔"
"ہاں' دونوں ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہیں۔"
"وہ حضرات کہاں گئے ہیں؟"
"ڈریٹ سینٹر۔" میں نے جواب دیا۔
"ارے تو باقاعدہ پروگرام ہے؟"
"ہاں' صرف ہمارا دوسرے لوگوں کو اس وقت ساتھ لانا کچھ ٹھیک نہ تھا۔ یہ ہمارے ذاتی معاملات ہیں۔ سب کو اس وقت بلائیں گے جب افتتاح کریں گے۔"
"بالکل ٹھیک ہے۔"
"ایک بات پوچھوں افشاں؟"
"ہاں' ضرور۔" افشاں نے کہا۔
"میری بے تکلفی ذہن پر بار تو نہیں بنی؟"
"کیسی باتیں کرتے ہو صائم!" افشاں نے احتجاج کیا۔
"کوئی دوسرا تو اس بارے میں نہیں سوچے گا؟"
"میرا خیال ہے غلط سوچتا ہو گا' سوچ بدلنا ہو گی۔ آپ نے کسی کے اندر کوئی تبدیلی محسوس کی؟"
"قطعی نہیں۔"
"سوچ سکتے ہیں تو صرف ابو یا امی جان۔ دونوں ٹھیک ہیں' سب کچھ ٹھیک ہے' ویسے ایک بات بتاؤں؟"
"بتاؤ۔" میں نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔
"ظاہر اگر ہو سکتا تھا تو صرف جمشید بھائی سے کیونکہ امی جان اپنے بھائی کو بہت چاہتی ہیں۔ ابو انہیں پسند سے ناپسند کرتے ہیں لیکن وہ کسی معاملے میں امی جان کا دل نہیں توڑ سکتے۔ لیکن خدا بھلا کرے جمشید بھائی کا کہ وہ تاحد سے نہیں نکلے ورنہ کچھ دشواریاں پیش آتی تھیں۔"
"ہوں۔" میں نے کہا "ان کا ...... تو بڑی اس سوچ بھی نہیں سکتیں۔"
"ہرگز نہیں' وہ تو جمشید بھائی کی ...... شرمندہ ہیں' میں نے کئی بار محسوس کیا ہے۔"
"خیر انہیں شرمندہ ہونے کی کیا ضرورت ہے' ...... ان کے والدین شرمندہ نہیں ہیں۔ جانتی ہیں' مسٹر جمشید یہاں کیوں آئے ہیں؟"
"اوہ' کوئی خاص بات معلوم ہوئی ہے آپ کو؟"
"ہاں۔" میں نے کہا اور جمشید کے بارے میں پوری تفصیل بتا دی۔ افشاں کبھی ہنس پڑتی' کبھی سنجیدہ ہو جاتی۔ پوری کہانی سننے کے بعد وہ افسوس بھرے لہجے میں بولی۔
"افسوس ہے ماموں جان پر۔ ابو ان سے نفرت کرتے ہیں تو ٹھیک ہی ہے' ان کی ذہنیت ہی خراب ہے۔" افشاں نے کہا۔
"لیکن افشاں۔ اس لحاظ سے جمشید قابل نفرت نہیں ہے۔"
"ان بے چارے کا خود کوئی کردار ہی نہیں ہے اور بہرحال یہ خوشی کی بات ہے کہ شاداب ماموں اپنے اس ناکارہ بیٹے کے ذریعے اپنی گندی خواہشات پوری نہیں کر سکے۔"
"چھوڑو افشاں۔ بہرحال وہ بزرگ ہیں' خدا انہیں عقل دے۔" میں نے کہا۔ کار منزل پر پہنچ گئی تھی۔ میں نے اسے خوب صورت عمارت کے گیٹ سے اندر داخل کر دیا۔ چوکیدار جلدی سے آیا اور اس نے ادب سے سلام کر کے کار کا دروازہ کھول دیا۔
"عادل صاحب آ گئے؟"
"جی صاحب' اندر موجود ہیں۔" چوکیدار نے جواب دیا اور میں اور افشاں آگے بڑھ گئے۔ افشاں بڑی متاثر نظر آ رہی تھی چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔
"بہت خوب۔" وہ شوہال کی چوڑی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے بولی۔ وسیع ہال میں چاروں طرف قالینوں کے شیشے سجے ہوئے تھے جن میں روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ حسین ترین ڈرائنگ روم ترتیب دیے گئے تھے جن میں قالین بچھے ہوئے تھے۔ دراصل یہ جدید ترین شوروم تھا جس کا جواب پورے ملک میں ناممکن تھا۔
افشاں نے رک کر انہیں قریب سے دیکھا اور پھر تعریفی انداز میں گردن ہلائی۔
"کوئی ارشاد؟" میں نے مسکرا کر کہا۔
"صرف اتنا کہ ...... میں نے بہت سے ممالک دیکھے ہیں' بڑے بڑے ملکوں کے تجارتی مراکز دیکھے ہیں۔ اب تک جو کچھ دیکھا ہے وہ انتہائی معیاری ہے اور ہم اس شوروم کو بڑے بڑے سے بڑے غیر ملکی شوروم کے مقابلے میں پیش کر سکتے ہیں۔"
"شکریہ نہیں ادا کروں گا' کیونکہ بس یہ کاوش سر رہی ہے۔"
"ہے' اوپر چلیں۔" افشاں نے مسرت بھرے انداز میں کہا۔ اوپر کی منزل اسٹاک ہال تھی۔ چاروں طرف قالینوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ افشاں نے کافی دیر تک وہاں رک کر قالینوں کی کوالٹی دیکھی اور پھر ہم اوپری منزل کی طرف چل پڑے۔ یہ اسٹاف ہال تھا۔
اسٹاف نے باقاعدہ کام شروع کر دیا تھا۔ ابتدائی کام ہو رہے تھے۔ کئی ممالک سے قالین درآمد کیے گئے تھے۔ ملکی ...... کافی اسٹاک خرید لیا گیا تھا۔ یہ سارے کام ہو رہے تھے ...... ہال میں طالوت اور شکیلہ ملے۔ ہمیں دیکھتے ہی سارا اسٹاف ...... کرسیاں چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ تقریباً دس لڑکیاں تھیں اور ...... قریب نوجوان اور درمیانی عمر کے لوگ۔ تصدق بھی ...... سے زیادہ حیرت جمشید کو دیکھ کر ہوئی تھی۔ جمشید صاحب ...... موجود تھے۔
بہرحال طالوت نے ...... آ کر یہاں کافی تیاریاں کر لی تھیں۔ اہم عہدوں کے لوگوں سے افشاں کا تعارف کرایا گیا اور پھر ہم اپنے آفس میں داخل ہوئے۔ جمشید' تصدق وغیرہ ساتھ تھے۔
"خوب' جمشید صاحب! آپ کس وقت کھسک آئے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"اوہ مسٹر صائم! ادھر پرانا عورت بہت خراب ہو گیا تھا' وہ ہمیں زندہ نہ چھوڑتا۔ مسٹر ناز بہت اچھا انسان ہے' ہم اکثر ان کے پاس آتا ہے۔"
"بہت خوب' تو جب آپ گھر سے غائب ہوتے ہیں تو یہاں ہوتے ہیں؟"
"بالکل' بالکل' بٹ پلیز۔ آپ پرانا عورت کو یہ بات نہ بتا دیں۔"
"جمشید صاحب بے حد دلچسپ انسان ہیں جناب! بعض معاملات میں یہ نہایت سنجیدگی اور مفید بات کہہ جاتے ہیں۔" تصدق نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"کمال ہے' بہرحال کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ آپ جب تک یہاں ہیں' جب دل چاہے یہاں آ سکتے ہیں جمشید صاحب!" طالوت نے کہا۔
"بہت بہت شکریہ۔ ادھر آنٹی کا کوٹھی میں زیادہ اچھا نہیں لگتا۔" جمشید نے کہا اور پھر سہمے ہوئے انداز میں افشاں کی طرف دیکھنے لگا۔
"اوہ' میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی جمشید بھائی! آپ بے فکر رہیں۔" افشاں جلدی سے بولی۔
سب لوگ بیٹھ گئے تھے۔ تصدق نے خاطر مدارات شروع کر دی۔ طویل و عریض آفس سے ملحقہ آرام کمرا بھی تھا۔ وہیں پر ایک خوب صورت ڈائننگ ٹیبل بھی موجود تھی' دفتر میں لنچ وغیرہ کے لیے۔ بہرحال میز بھر دی گئی اور ہم سب کافی پینے لگے۔ جمشید تو بے تکلفی سے شریک ہو گئے تھے لیکن تصدق کو بھی خصوصی طور سے شریک کیا گیا۔ کھانے کے دوران قہقہے لگائے جاتے رہے پھر تصدق سے گفتگو شروع ہوئی۔ میں نے اس سے معلومات حاصل کی تھیں پھر ہم اس کمرے سے نکل آئے۔
"اچھا مسٹر تصدق! اجازت دیں اور ہاں ٹیلی فونز کے بورڈ مکمل ہو گئے؟"
"جی ہاں۔ کل شام ہی کو کنکشن مل گئے تھے۔"
"ویری گڈ۔ تب پھر شام تک تمہیں اطلاع مل جائے گی۔ اطلاع ملتے ہی نیون سائن والوں کو اجازت دے دینا۔ کام نہایت پھرتی سے ہو۔"
"ایسا ہی ہو گا جناب!" تصدق نے جواب دیا۔
"ہاں بھئی عادل صاحب۔ دوسرے پروگرام کی کیا رہی؟"
"چلئے صائم بھائی۔" طالوت نہایت شرافت سے بولا۔
"میں۔ میں بھی چلوں؟" جمشید نے کہا اور سب ہنس پڑے۔ بھلا اب اسے کون منع کر سکتا تھا۔ چنانچہ ہم نے اسے ساتھ لے لیا۔ طالوت ٹیکسی سے یہاں تک آیا تھا۔ کار اس



Uploaded By Muhammad Nadeem

نے ازراہ اخلاق میرے لیے چھوڑ دی تھی لیکن اس وقت ہم پانچوں ساتھ تھے۔
افشاں اور شکیلہ غیر معمولی طور پر خاموش تھیں اور ان کی خاموشی کو جلد ہی محسوس کرلیا گیا۔ ڈرائیونگ اس وقت طالوت کررہا تھا۔
"ارے' یہ خواتین مراقبے میں کیوں ہیں؟" میں نے کہا اور دونوں لڑکیاں چونک پڑیں۔ انہوں نے ہماری طرف دیکھا اور پھر شکیلہ بولی۔
"کوئی خاص بات تو نہیں ہے۔"
"عام بات کیا ہے؟" طالوت نے کہا۔
"عام بات بھی نہیں ہے۔" شکیلہ ہنس پڑی۔
"تیسری قسم کون سی ہوتی ہے؟" طالوت نے جھک کر رازدارانہ انداز میں مجھ سے پوچھا۔ اور دونوں لڑکیاں ہنس پڑیں۔
بھائی جمشید اردو کے مذاق کو نہیں سمجھتے تھے اس لیے وہ صرف متعجبانہ انداز میں ہم لوگوں کو ہنستا ہوا دیکھتے رہے۔ خود انہوں نے اخلاقاً بھی ہنسنے کی کوشش نہیں کی تھی۔
"کیا بات ہے افشاں! یہ خاموشی کیوں ہے؟ کیا سوچ رہی ہیں آپ؟" اس بار میں نے افشاں کو براہ راست مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
"شکیلہ باجی کے بارے میں تو میں کہہ نہیں سکتی لیکن میں آپ کی اس فرم کے بارے میں سوچ رہی تھی۔"
"کیا؟" طالوت نے دلچسپی سے پوچھا۔
"جتنی خوب صورت' جتنی شاندار فرم آپ نے بنائی ہے' ملک میں شاذ ہی ہوگی۔ یوں تو یہاں بے شمار بڑی بڑی فرمیں ہیں لیکن یہ اپنی طرز کی انوکھی فرم ہے۔ میں اسے دیکھ کر بے حد متاثر ہوئی ہوں۔" افشاں نے کہا۔
"شکریہ ادا کریں صائم صاحب!" طالوت نے مسخرے پن سے کہا۔
"بہت بہت شکریہ مس افشاں۔ اور شکیلہ خاتون! آپ بھی کچھ گل افشانی فرمائیں گی؟" میں نے پوچھا۔
"تعریف سننا چاہتے ہیں صائم صاحب؟" شکیلہ نے کہا۔
"جو کچھ آپ سنادیں۔"
"میں اس فرم کے بارے میں نہیں سوچ رہی تھی۔"
"خوب۔ پھر؟"
"بلکہ آپ دونوں پر غور کررہی تھی۔ آپ کو جاننے کے بعد ایسی چیزوں پر حیرت نہیں ہوتی۔ مجھے معاف کرنا افشاں! میرے ساتھ جو حالات پیش آئے ہیں' وہ ایسے ہی تھے کہ ان دونوں کو میں جو کچھ بھی سمجھوں کم ہے۔"
"مجھے احساس ہے شکیلہ۔" افشاں نے کہا۔
"بس یوں کہنا چاہیے' بعض اوقات محرومیوں کے سمندر میں' طوفان میں گھرے ہوئے انسان کو ایسا سہارا مل جاتا ہے جس کا وہ تصور بھی نہیں کرپاتا۔ اور جوں جوں اسے اس سہارے کی مضبوطی کا احساس ہوتا ہے اس کی کیفیت انوکھی ہوتی جاتی ہے۔ اسے اپنے خواب میں کھوئے ہونے کا احساس ہوتا ہے اور پھر یہ خوف اس کے ذہن میں جاگزیں ہوجاتا ہے کہ کہیں اس کا [illegible] نہ کھل جائے۔" شکیلہ نے کہا۔
طالوت نے گردن گھما کر [illegible] کہا اور پھر رخ بدل لیا۔ جمشید بھائی بدستور خاموش [illegible] ہوئے تھے۔ ان کے پلے ہی کچھ نہیں پڑ رہا تھا۔
کار کافی دور نکل آئی تھی۔ اس وقت [illegible] جگہ ہم جارہے تھے' اس کے بارے میں صرف طالوت [illegible] معلوم تھا۔ باقی لوگ بے خبر تھے' جن میں' میں بھی شامل [illegible] پھر ہم ایک نہایت ہی پرفضا علاقے میں نکل آئے [illegible] دور سے ایک انتہائی خوش نما محل نظر آیا۔ دور ہی [illegible] عمارت کے حسن کا اندازہ ہورہا تھا۔ اور میں نے سمجھ لیا کہ یہی ہماری نئی رہائش گاہ ہے۔
کار طویل و عریض پھاٹک کے سامنے رک گئی اور پھاٹک خود بخود اس طرح سمٹ گیا جیسے ہمیں پہچان گیا ہو۔ کسی خاص ٹیکنیک کا پھاٹک تھا۔ طالوت کار اندر لے گیا۔ رو رویہ درخت لگائے گئے تھے' فرش ہفت رنگ ٹائل کا تھا۔ تا حد نگاہ رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ میں خود بھی دنگ رہ گیا تھا۔ طالوت نے یہاں کچھ زیادہ ہی رنگ دکھایا تھا۔ کوٹھی کی تعمیر میں راسم کا ہاتھ تھا اور راسم نے پرستان سے کوئی مکان لاکر یہاں نصب کردیا تھا۔ اتنی حسین عمارت تھی کہ عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ اور پھر جدید طرز تعمیر کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ ایک ایک کونا اعلیٰ فرنیچر اور ضرورت کی نہایت قیمتی اشیا سے پر تھا' دیکھ کر آنکھیں پھیل جاتی تھیں۔
طالوت نے جلال آباد میں احسان کے لیے ایک عمارت تعمیر کرائی تھی' نہایت حسین عمارت تھی لیکن اس عمارت کے سامنے وہ کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی۔ ہر گوشہ اپنی جگہ ایسا مکمل تھا کہ بس۔ تعریف کے لیے الفاظ گم ہوجاتے تھے۔ ہم سب سحرزدہ سے اس عمارت کو دیکھتے پھر رہے تھے۔
یہاں تک کہ دوپہر ہوگئی۔
"صائم بھائی!" طالوت نے مجھے آواز دی۔



"ہوں۔" تب اس کے قریب پہنچ گیا۔
"لنچ نہیں کرائیں گے؟"
"یہیں کیا جائے گا؟" میں نے پوچھا۔
"اب کیا آپ اپنے مہمانوں کو باہر لے جائیں گے۔ میرا خیال ہے' اب ہمارا کچن اتنا مفلس بھی نہیں ہے۔"
"تب پھر تم ہی تکلیف کرو۔" میں نے کہا۔
"جو حکم۔" طالوت بولا اور میں دونوں لڑکیوں اور جمشید کو لے کر ڈائننگ ہال میں آگیا۔ طالوت کچن کی طرف چلا گیا تھا۔ دونوں لڑکیوں پر سحر طاری تھا۔
"بھئی' یہ خاموشی کچھ جچ نہیں رہی۔" میں نے کہا۔ افشاں اور شکیلہ صوفوں پر بیٹھ گئی تھیں۔ جمشید دوسرے صوفے پر اور میں' ان کے برابر بیٹھ گیا۔
"کیا بولا جائے؟" شکیلہ نے کہا۔
"کچھ تو بولیں۔"
"بس ہم خود کو اس مکان کی تعریف میں بے مایہ سمجھ رہے ہیں۔ الفاظ میں اس کی تعریف بیان نہیں کی جاسکتی۔"
"آپ کا کیا خیال ہے؟" میں نے پیار بھری نگاہوں سے افشاں کو دیکھا۔
"میں کچھ معلوم کرنا چاہوں گی۔"
"ضرور۔ ضرور۔ ارشاد؟"
"مکان کی آرائش کے لیے یہ سامان کہاں سے حاصل کیا گیا؟" افشاں نے پوچھا۔
"یہ شعبہ عادل کا ہے' ویسے اتنا میں بتا سکتا ہوں کہ جو چیز جہاں مل سکی' امپورٹ کرلی گئی۔"
"غیر ملکی سامان ہے نا؟"
"[illegible] گیا۔"
"[illegible] زیں تو یہ سب کچھ نہ ہوگیا ہوگا؟"
"[illegible]"
"میں [illegible]"
"[illegible] جب کافی بن سے اس شہر پر قبضہ جمانے کی کوششیں جاری [illegible]۔" افشاں نے کہا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میری جان میں جان آئی۔ افشاں کے ٹیڑھے سوالات نے مجھے کافی الجھا دیا تھا اور مجھے احساس ہورہا تھا کہ اس کے ذہن میں کوئی شک پیدا ہوگیا ہے۔ ان سوالات کے مناسب جوابات میرے لیے خاصے مشکل تھے لیکن شکر ہے' افشاں کے دل میں کوئی خاص بات پیدا نہیں ہوئی تھی۔
"ہاں یہ تو درست ہے۔"
"بہرحال میری طرف سے اس خوب صورت محل کی مبارک باد قبول فرمایئے۔" افشاں نے کہا اور میں نے اپنی نگاہوں سے اسے دیکھا کہ وہ جھینپ گئی۔ شکیلہ نے میری یہ شرارت دیکھ لی تھی اور وہ بھی زیر لب مسکرانے لگی۔
کھانے کا انتظام راسم نے کیا تھا' اس لیے حیرت کی گنجائش نہیں تھی عظیم الشان ڈائننگ ہال کی لمبی میز پر انواع و اقسام کے لوازمات سے بھری پڑی تھی۔
"توبہ ہے۔ یہاں پوری بارات آرہی ہے کیا؟ کیا یہ کھانا ضائع نہیں ہوگا؟" شکیلہ نے کہا۔
"جب آپ خود یہ سارے انتظامات سنبھالیں تو جو کچھ خرابی ہے ٹھیک کرلیں۔ ہم مردوں کو اس بارے میں کیا معلوم۔" میں نے شکیلہ سے مسکرانے کا بدلہ لیا اور شکیلہ خاموش ہوگئی۔
کھانا گنجائش سے زیادہ ہی کھالیا گیا اور پھر تھوڑی دیر آرام کی ٹھہری۔ جمشید صاحب کباب میں ہڈی بن گئے تھے۔ چنانچہ ان کو ٹالنے کی ترکیب کی جانے لگی۔
"سنایئے جمشید صاحب! اس دوران آپ نے کوئی گفتگو نہیں کی۔"
"ہم یہ سب دیکھ رہا ہے۔ ونڈرفل ہے۔" جمشید نے کہا۔
"شکریہ۔"
"آپ سب ونڈرفل ہے۔"
"اس کا بھی شکریہ۔ ویسے آپ نے کیا سوچا؟"
"ہمارا انکل بھی ونڈرفل ہے' ہم کیا سوچے۔" جمشید بولا۔
"اس کا بھی شکریہ۔" طالوت نے کہا اور سب ہنس پڑے۔ "ویسے تمدق سے آپ کی کیسی چھن رہی ہے؟"
"او' وہ اچھا آدمی ہے۔"
"کیا اس کی انکل بھی ونڈرفل ہے؟"
"میں نے اس کا انکل کے بارے میں نہیں پوچھا۔"
"اب آپ کا کیا خیال ہے؟"
"بس تھوڑے دن ادھر اور گزاریں گا اور پھر واپس چلا جائیں گا۔"
"مسٹر شیڈوب سے کیا بولیں گا؟" طالوت نے پوچھا۔
"بولیں گا' اب وہ خود لڑائی کرے۔" جمشید نے برا سا منہ بناکر کہا اور سب ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوگئے۔
"ویسے تمدق کو آپ سے کچھ کام تھا جمشید صاحب!"
"او' کیا کام تھا؟" جمشید چونک کر بولا۔
"پتہ نہیں' جب ہم وہاں سے چلے تھے تو اس نے



Uploaded By Muhammad Nadeem

درخواست کی تھی کہ جمشید کو جلدی بھیج دیا جائے۔"

"اوہ' تب ہم جائے گا مسٹر صائم!"

"گاڑی اگر آپ چاہیں تو لیتے جائیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"اوہ' نو۔ نو۔ ادھر گاڑی چلانا آسان کام نہیں ہائے۔"

"اچھا۔ کیوں؟"

"بس۔ ادھر ٹریفک کا اصول ہمارا سمجھ میں نہیں آیا۔ جس کا جدھر دل چاہتا ہے' چلتا ہے' میں ٹیکسی سے چلا جائیں گا۔" جمشید نے کہا۔ وہ اس قدر آسانی سے ٹل جائے گا ہمیں یقین نہیں تھا۔ چنانچہ ہم اسے بڑے خلوص سے باہر تک چھوڑنے آئے اور جمشید کو ٹیکسی بھی مل گئی۔

"میں ذرا شکیلہ کے ساتھ عقبی پارک میں جا رہا ہوں' امید ہے تم محسوس نہ کرو گے صائم!" طالوت نے کہا۔

"ٹھیک ہے' آؤ افشاں! ہم بیرونی پارک کا نظارہ کریں۔" میں نے کہا اور طالوت مسکراتا ہوا شکیلہ کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گیا۔

میں افشاں کو لے کر خوب صورت کوٹھی کے ایک حصے کی طرف بڑھ گیا۔ اور پھر اسے بیڈ روم میں لے آیا۔ افشاں کا چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔ بیڈ روم کی فضا انتہائی رومانی تھی۔ دیواروں پر حسین تصاویر آویزاں تھیں' کچھ خوب صورت مجسمے رکھے ہوئے تھے۔ سارے کے سارے نوادرات میں شمار ہوتے تھے۔

میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور افشاں کی طرف دیکھا لیکن افشاں پر سکون تھی' اور یہ اس کے اعتماد کی اعلیٰ مثال تھی۔ میں مسکرانے لگا۔

"بیٹھو افشاں۔" میں نے کہا۔

"کہیں عادل' ہمیں تلاش نہ کریں۔" وہ شرمگیں انداز میں بولی۔

"نہیں کریں گے۔" میں نے کہا۔

"کیوں؟ آپ اتنے یقین سے کیوں کہہ رہے ہیں؟"

"بھئی' وہ اپنے بیڈ روم میں ہوں گے اور شکیلہ ان سے یہی بات کہہ رہی ہوگی۔"

"اوہ" افشاں ہنس پڑی "بڑے شریر ہیں آپ لوگ۔"

"واقعی؟"

"ہاں۔ اور قابل رشک بھی۔"

"خوب' وہ کس لحاظ سے؟"

"میں نے دو بھائیوں میں ایسی بے تکلفی اور ایسی محبت نہیں دیکھی۔"

"اوہ' عادل بہت پیارا انسان ہے۔"

"اور آپ؟" افشاں مسکرا کر بولی۔

"اپنے بارے میں فیصلہ کرنے والا میں کون ہوں۔"

"کیوں؟" افشاں شرارت سے بولی۔

"میرے جملہ حقوق آپ کے نام محفوظ ہیں۔ کوئی برا کہے گا تو آپ کا مسئلہ ہے اور اچھا کہے گا تو آپ کو خوش کرے گا۔" میں نے جواب دیا اور افشاں کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ وہ ان الفاظ کے تاثر میں ڈوبی رہی اور اس کے چہرے کا رنگ گلابی سے گہرا ہو گیا۔

"افشاں!" میں نے اسے مخاطب کیا۔

"جی۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"کیا سوچ رہی ہیں؟"

"آپ نے۔ آپ نے اس حد تک خود کو میرے سپرد کر دیا ہے صائم صاحب!"

"شک ہے؟"

"نہیں۔"

"میں نے خود تو کچھ نہیں کیا۔ بس اچانک محسوس کیا کہ اب' اپنی زندگی کے کسی لمحے پر میرا اختیار نہیں ہے' میری سانسوں کا مالک کوئی اور بن گیا ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ سب کچھ کیسے ہو جاتا ہے صائم صاحب!" افشاں کھوئے ہوئے لہجے میں بولی۔

"عمل کی دنیا بے شک تلخ ہے افشاں۔ لیکن ہم انسان کمزور سے' نازک سے' مانند حباب' خود پر قید و بند کی لاکھوں پوشاکیں چڑھا لیتے ہیں۔ جب چہرہ کھول کر دیکھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ خود کو چھپانے سے دنیا کا رنگ نہیں بدلتا۔ ہمارے سانس اتنے ہی نازک ہوتے ہیں' اتنی ہی آزادی کے طالب ہوتے ہیں جو ان کے لیے ضروری ہو۔ میرا مقصد ہے ہم متاثر ہونے کے لیے ہیں اور متاثر ہوتے ہیں' یہی ہماری زندگی ہے اور یہی ہمارے لیے ضروری بھی ہے۔ ہاں' ہم زبان کو تابع کرنا تو دوسری بات ہے۔"

"ٹھیک کہا آپ نے۔" افشاں نے آہستہ سے کہا۔

"تم مجھے چاہتی ہو افشاں؟"

"ہاں۔" افشاں نے سادگی سے کہا۔

"کتنا؟"

"یوں سمجھیں کہ میں نے زندگی کے اس پہلو پر کبھی غور نہیں کیا تھا۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ آپ کو میری بات پر



اعتبار کرنا ہوگا۔ میں خود کو زندگی کی ضرورتوں سے الگ کا انسان ثابت نہیں کروں گی۔ ننھے منھے جانوروں کو یا کسی محبت کرنے والے جوڑے کو دیکھ کر کبھی کبھی میرے ذہن میں بھی محبت کا تصور ابھرا میری خواہش بھی ہوئی کہ میں اس رمز کو جانوں۔ میں تعلیم یافتہ ہوں' میں نے زندگی کے ان لمحات کے بارے میں بہت کچھ پڑھا ہے۔ وہ افسانے ہی سہی لیکن میں نے ان کی حقیقت سے انکار نہیں کیا' نہ ہی الجھے ہوئے لوگوں کی مانند خود کو ان سے مبرا سمجھا لیکن میرے جذبات' میرے یہ احساسات کبھی شدید طلب نہ بن سکے۔ یوں سمجھیں کہ میں نے جب بھی ان کے بارے میں سوچا تو اپنی پسند کی تلاش میں بھٹکنے کا تصور میرے ذہن میں نہیں آیا۔ بس ایک آرزو دل کے نہاں خانے میں پوشیدہ رہی کہ کوئی ہو' کچھ ہو' اور صائم صاحب! آپ بھروسا کریں' جب آپ پہلی بار نظر آئے تو میرے ذہن میں قطعی یہ تصور نہیں ابھرا کہ آپ وہ ہیں' جو میری چاہت بن سکتے ہیں' بہت ہی بار آپ کو دیکھا' جھوٹ نہیں بولوں گی' بہت ہی بار آپ کے بارے میں سوچا' کبھی ہمدردی محسوس ہوئی اور کبھی ہلکا سا تلذذ آپ کے احساس کے ساتھ وابستہ ہو گیا اور۔ اور نہیں کہہ سکتی کہ کب۔ ذہن کے گوشوں میں آپ جا چھپے۔ ہاں جب آپ کی طرف سے توجہ پائی تو اندر سے آواز ابھری کہ میں بھی تو آپ کو چاہتی ہوں اور پھر میں نے سوچا کہ اب اس چاہت کے درمیان ہوا کی دیوار بھی نہ رہے' تھوڑے سے اخلاق کا تصور ذہن میں تھا اس لیے اپنے جذبات کو عریاں نہ کر سکی' اور میرے خیال میں یہ موزوں بھی نہ تھا۔"

افشاں کی اس گفتگو پر میں دنگ رہ گیا۔ وہ اتنے صاف ذہن کی مالک ہوگی یا اس انداز میں اپنے جذبات کا اظہار کرے گی یہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

کافی دیر تک الفاظ کے سرور میں ڈوبا رہا۔ افشاں بھی گردن جھکائے بیٹھی تھی۔ کچھ لمحات کے بعد اس نے گردن اٹھائی۔

"کیا سوچنے لگے؟"

"خوش بختی پر نازاں ہوں۔" میں نے کہا۔

"اچھا اب بنائیں گے۔" وہ شرمگیں انداز میں بولی۔

"نہیں افشاں۔ حقیقت کہہ رہا ہوں۔"

"اب کیا پروگرام ہے؟"

"ایک بات بتاؤ۔"

"جی۔"

"تمہارے ذہن میں کوئی تردد نہیں ہے؟"

"کس سلسلے میں؟"

"میرا مطلب ہے گھر سے اس طرح آنے پر۔"

"اور جب میں مستقل یہاں آ جاؤں گی تب؟"

"اوہ۔ ہاں۔ لیکن اس وقت تو سب کے علم میں ہوگا۔"

"ابھی سے ابتدا ہو جانی چاہیے۔" افشاں نے لاپروائی سے کہا۔

"سچ افشاں۔ کبھی کبھی تو ایک خوف کا سا احساس ذہن میں ابھر آتا ہے۔"

"کیا؟"

"یہی کہ اگر کبھی کوئی بات ہم دونوں کی راہ میں رکاوٹ بن گئی؟"

"سنو' تمہیں اپنی ذات کی مضبوطی پر اعتماد نہیں؟"

"ہے۔ لیکن میں ان لوگوں کو کیسے دکھاؤں گا جن کا سلوک میرے ساتھ اس قدر اچھا رہا ہو۔"

"صائم اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ نہ ہم کچے ذہنوں کے لوگ ہیں۔ اول تو کوئی ایسا موقع ہی نہیں آئے گا' آیا بھی تو میرا خیال ہے ہم اسے با آسانی ہینڈل کر سکتے ہیں۔ ان خیالات کو تم ذہن میں جگہ نہ دیا کرو۔"

"بہت بہتر" میں نے پیار سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک بات بتائیے؟"

"جی۔"

"عادل بھائی کو ہمارے معاملات کا علم ہے؟"

"اگر ہو تو۔؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں' بس شرم آتی ہے۔" افشاں نے کہا۔

"اور عادل بھائی کے معاملات کا جو آپ کو علم ہے تو۔؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

افشاں آہستہ سے ہنس پڑی' پھر بولی "عادل بھائی' شکیلہ ہی سے شادی کریں گے؟"

"ظاہر ہے۔"

"آپ لوگوں کو اپنے والدین سے اجازت نہیں لینا ہوگی؟"

"میں تمہیں کسی حد تک حالات سے آگاہ کر چکا ہوں افشاں' والد صاحب' والدہ صاحبہ کے چکر میں ایسے الجھے ہیں کہ ہم سب کو بھول چکے ہیں۔ ریاست کے معاملات' عادل بھائی سنبھالیں گے' میرے لیے مکمل آزادی ہے' اسی لیے میں مطمئن ہوں۔ یہ سارے معاملات' میرا مقصد کاروبار وغیرہ سے ہے' میرے لیے کیے گئے ہیں۔"




Uploaded By Muhammad Nadeem

"آپ دونوں بھائی' واقعی قابل رشک ہیں۔" انشاں خاموش ہو گئی۔

آج کی یہ تنہائی درحقیقت یادگار تھی۔ جس سکون سے ہم دونوں نے بات چیت کی تھی' اس سے پہلے میسر نہیں ہوا تھا۔ انشاں بھی خوش تھی اور میں بھی مسرور تھا۔ یوں شام ہو گئی۔ اس دوران ایک بار بھی انشاں نے چلنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ تب میں نے ہی گھڑی دیکھی اور چونک پڑا۔

"ارے' چار بج گئے؟"

"ہاں۔ کیوں؟" انشاں مسکرائی۔

"چلیں گے۔"

"چلئے۔ عادل بھائی کو آواز دیں گے۔"

"نہیں فون کیے دیتے ہیں۔" میں نے ریسیور اٹھایا اور دوسرے کمرے میں عادل کو رنگ کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم واپس چل پڑے۔ طالوت بھی بہت خوش تھا۔ شاید یہ لمحات اس کے لیے بھی بڑے پرسکون تھے۔ تنویر صاحب گھر پر موجود نہیں تھے۔ نواب جلال الدین اپنے کمرے میں تھے۔ سیمیں اور احسان اگر کہیں گئے تھے تو واپس آچکے تھے اور گھر میں داخل ہوتے ہی ہم پکڑے گئے۔

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' اب یہ نوبت آگئی ہے۔" سیمیں نے منہ پھلاتے ہوئے کہا "دیکھا احسان۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ کہیں زیادہ قیام نہ کرو۔ ارے' اگر ہمیں بھی ساتھ لے لیا جاتا تو کیا ہم تنہائی میں مخل ہوتے؟"

"چلو سیمیں۔ اب معاف بھی کردو۔ نئے نئے جوڑے ہیں' ہمارا کیا ہے' ہم لوگ تو پرانے ہو گئے۔" سیمیں اور احسان ہماری خوب کھنچائی کرتے لیکن اسی وقت بڑی ماں نکل آئیں۔ ہمیں دیکھ کر وہ ہماری طرف ہی بڑھ آئی تھیں۔ ان کے ہونٹوں پر رچی ہوئی پرخلوص مسکراہٹ باعث سکون تھی۔

"کیا اجتماع ہے بھئی۔" وہ مسکراتی ہوئی بولیں اور پھر چونک کر کہنے لگیں "ارے ہاں' آج تم دوپہر کے کھانے پر غائب تھے' جلال بھائی بڑی دیر تک انتظار کرتے رہے۔ بڑی بدمزگی رہی۔ سیمیں اور احسان بھی موجود نہیں تھے۔"

"اوہ' امی۔ بس اچانک پروگرام بن گیا۔ ابو کہاں ہیں؟" انشاں نے پوچھا۔

"ٹیلی فون آیا تھا کہ پانچ بجے تک واپس پہنچ جائیں گے۔" بڑی ماں نے کہا اور پھر بولیں "ارے یہ جمشید تمہارے ساتھ نہیں ہے؟"

"وہ بھی آتے ہوں گے امی۔" انشاں نے کہا۔ بڑی ماں نے گردن ہلائی۔

"شام کی چائے کا وقت ہونے والا ہے' تیار ہو کر پہنچ جاؤ۔" بڑی ماں آگے بڑھ گئیں۔

"جی' اب بتایئے؟" سیمیں نے کہا۔

"اونہوں' سیمیں۔ کپڑے تو تبدیل کرلو' جلدی کرو' شام کی چائے کا وقت ہو رہا ہے۔" طالوت نے کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر کمرے کی طرف مڑ گیا۔

"میں کہہ چکی ہوں' چھوڑوں گی نہیں۔" سیمیں نے ہانک لگائی لیکن ہم سنی ان سنی کر کے اپنے کمرے میں آگئے۔

"لطف آگیا' خدا کی قسم! آج تو جی بھر کے باتیں ہوئیں۔" طالوت مسرور لہجے میں بولا اور پھر میری طرف دیکھ کر شرارت سے کہنے لگا "تمہارے چہرے پر بھی بے شمار چراغ جل رہے ہیں۔"

"جی ہاں' فانوس بنا ہوا ہوں۔"

"بی انشاں کو سسرال پسند آئی؟"

"یار طالوت! تم نے بہت کچھ کر ڈالا ہے' میں تم سے کیا کہوں۔"

"بس فضول باتوں سے پرہیز کرو۔ آج رات بیٹھ کر یہ طے کرنا ہے کہ اب کارپٹ سینٹر کا افتتاح کب کرنا ہے۔ اور ہاں' اس سلسلے میں خوب صورت سے کارڈ بھی چھپوانا ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گہری سانس لی۔

اس شام کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ سب لوگ نارمل تھے سوائے سیمیں کے' جو بار بار ہم لوگوں کو گھور نے لگتی تھی لیکن اس کے انداز میں پیار بھری خفگی کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

رات کو طالوت سے افتتاح کے سلسلے میں ضروری گفتگو ہوئی اور پھر ہم سب سو گئے۔ دوسرا دن چھٹی کا دن تھا۔ حالانکہ اس کوٹھی میں ملازم پیشہ کوئی بھی نہ تھا لیکن چھٹی کا دن باقاعدہ منایا جاتا تھا۔ تنویر صاحب' نواب جلال الدین اور دوسرے تمام لوگ ناشتے کے بعد اٹھ کر ایک کمرے میں آ بیٹھے اور دلچسپ گفتگو ہونے لگی لیکن آج کے لیے کوئی دلچسپ پروگرام نہیں بن سکا۔ ہاں' جب ہم لوگ بزرگوں کو چھوڑ کر باہر آئے تو ایک عجیب و غریب منظر دیکھ کر ششدر رہ گئے۔

بوا اور جمشید کھڑے گفتگو کر رہے تھے۔ تقریباً سب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"انہونی' خدا کی قسم! انہونی۔" احسان منہ پھاڑ کر بولا۔



"ارے مگر دیکھیں تو سہی' یہ آگ اور پانی یک جا کیسے ہو گئے۔" طالوت نے کہا اور ہم سب بڑی بی اور جمشید کے گرد جمع ہو گئے۔

سب کے منہ کھلے ہوئے تھے۔ بوا ہمیں دیکھ کر جھینپے ہوئے انداز میں مسکرانے لگیں۔

"ہائے کیا ہوا تم سب کو۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کیوں دیکھ رہے ہو؟" بوا جھینپے ہوئے انداز میں بولیں۔

"بوا۔ انہیں پہچانتی ہیں؟ یہ جمشید ہیں۔"

"ہاں ہاں' سب پہچانتی ہوں' تم سب ہی ایک جیسے ہو' مجھ بڑھیا کو تماشا بناتے ہو' مجھے بہکا کر اسے پٹوا دیا۔ میری شکل تو اس کی دادی سے ملے ہے۔" بوا کہنے لگیں۔

"ارے واہ۔ تو گویا آپ جمشید کی دادی بن گئیں؟"

"اے ہاں' ہاں' تو کیا حرج ہے' بچہ بلک بلک کر رو رہا تھا' اب میں ایسی پتھر دل تھوڑی ہوں۔" بوا ہمدردی سے بولیں اور ہم لوگوں نے گردن ہلائی۔ تو یہ بات تھی لیکن یہ جمشید اس نے پھر ایک ایسی حرکت کر ڈالی تھی جو اس کی اصلیت مشکوک کر دیتی تھی' ورنہ بڑی بی کو رام کرنے کا کوئی اور طریقہ ہی نہیں تھا۔ بہرحال اس وقت اس پر تبصرہ نہیں ہوا۔ بس یونہی تفریحی باتیں ہوئیں اور اس کے بعد اپنے اپنے کمروں کا رخ کیا گیا۔

رات کے پروگرام کے مطابق دوسری صبح ناشتے کی میز پر میں نے تنویر صاحب اور نواب جلال الدین سے اپنا ماضی الضمیر بیان کیا۔ ظاہر ہے' طالوت تو اس معاملے میں ہم

"میں چاہتا ہوں نواب صاحب! کہ اب اپنی فرم کا افتتاح کردوں۔ ہماری تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔"

"واقعی؟" نواب صاحب کے بجائے تنویر صاحب اچھل پڑے۔ انہوں نے اس انداز میں میری شکل دیکھی تھی جیسے یہ بھی مذاق ہی ہو۔

"ہاں۔ تنویر صاحب! آپ لوگوں کی دعاؤں سے اور آپ لوگوں کی اجازت سے میں نے یہ کاروبار پھیلایا ہے جیسا کہ ہمارا پروگرام تھا۔ میں مستقل اس شہر میں قیام کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس لیے چھوٹا موٹا کاروبار بھی کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ عادل کے تعاون سے میں نے یہ ادارہ قائم کرلیا ہے اور اب مجھے آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔" میں نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"ارے میاں دعائیں ہی دعائیں' خدا کی قسم! بھرپور مبارک باد قبول کرو۔ میں تو خوشی سے پھولا نہیں سما رہا۔"

"خوش قسمت ہو تنویر کہ تمہیں ان لوگوں کا قرب حاصل رہے گا اور خوش نصیب ہے تمہارا شہر' جس نے ان کا دل موہ لیا۔ ورنہ اگر شہزادہ صائم قبول کرتے یا شہزادہ عادل قبول کریں تو میں آج بھی پورا جلال آباد ان کے حوالے کرنے کو تیار ہوں اور تم جانتے ہو تنویر میں جھوٹ نہیں بولتا۔"

"ہاں بھائی صاحب! بہرصورت واقعی مسرت کی بات ہے۔"

"ہم نے یہاں ایک مکان بھی تیار کرایا ہے۔" میں نے کہا۔

"تیار ہو گیا؟" تنویر صاحب مسرت سے بولے۔

"جی۔ بالکل مکمل۔"

"بھئی' میرا خیال ہے' اس سلسلے میں زیادتی ہوئی ہے۔"

"جی۔ کیوں؟"

"بھئی' مجھے تعمیرات وغیرہ کا بڑا تجربہ ہے لیکن خیراب تو ہو ہی گیا۔ تم اس کا معائنہ کب کرا رہے ہو؟"

"آج۔" میں نے جواب دیا۔

"ارے۔ واقعی؟"

"جی۔ آج آپ سے بہت سے مشورے درکار ہیں۔ افتتاح کے لیے کارڈ چھپوا لیے گئے ہیں اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ انہیں اپنے دوستوں میں تقسیم کرائیں گے' کیونکہ ہمارا یہاں آپ کے سوا کون ہے۔"

"یقیناً یقیناً۔ یہ کوئی کہنے کی بات ہے۔ میں مہمانوں کا انتخاب کروں گا۔ جلال بھائی کے بھی کچھ دوست یہاں موجود ہیں۔ ارے واہ' عرصہ دراز کے بعد ایک عمدہ تقریب ہو رہی ہے' لطف آئے گا۔ مگر صاحب زادے! اب تک کا پروگرام ہے؟"

"ہمارے سارے کام مکمل ہو چکے ہیں' بس کارڈز پر تاریخ درج کرنا ہے اور اس کا مشورہ آپ دیں گے۔"

"زیادہ سے زیادہ تین دن کا وقفہ رکھو۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"مناسب۔" میں نے جواب دیا اور پھر ضروری امور طے ہو گئے۔

شام کو تنویر صاحب مصر ہو گئے کہ کم از کم مکان دکھا دیا جائے اور بالآخر ہمیں مجبور ہونا پڑا۔ گھر کے سارے لوگ گاڑی میں بھر کر چل پڑے۔ یہاں تک کہ بوا بھی ساتھ تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم کوٹھی پر پہنچ گئے۔ خود کار



Uploaded By Muhammad Nadeem

دروازے سے اندر داخل ہوئے اور سب لوگوں کے چہروں سے وہی آثار ہویدا ہو گئے جن کی توقع تھی۔

"خدا کی پناہ۔ خدا کی پناہ۔" تنویر صاحب کے منہ سے نکلا "یہ کوٹھی ہے۔" اور پھر تو سب کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔ بڑی ماں بھی دنگ رہ گئی۔ ایک ایک گوشے کو دیکھتے پھر رہے تھے۔ ساری کوٹھی دیکھنے کے بعد سب ہال میں جمع ہو گئے۔ سب سے زیادہ مسرت نواب جلال الدین کے چہرے سے عیاں تھی۔

"کیا خیال ہے تنویر؟"

"بھئی سچی بات تو یہ ہے کہ میں جل گیا۔" تنویر صاحب بولے۔

"ہا۔۔ہا۔ بڑا خود کو ماہر تعمیرات سمجھتے تھے۔" نواب صاحب نے قہقہہ لگایا۔

"ہاں اب ان جملوں پر شرمندہ ہوں۔"

"ارے نہیں تنویر صاحب! خدا کی قسم! میں اب بھی آپ کے مشوروں کا طالب ہوں۔"

"میاں! تم نے ہمارے لیے رکھا ہی کیا ہے' اب اپنی فرم بھی دکھا دو۔ نہ جانے تم نے وہاں کیا گل کھلائے ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے' آج کا دن اسی کوٹھی کو رونق بخشیں۔ وہاں تو چلنا ہی ہے۔"

"لیکن یہاں ملازمین وغیرہ کا تو بندوبست ہے ہی نہیں۔"

"ابھی اس کو استعمال کرنے کا پروگرام نہیں ہے اس لیے ابھی ملازمین کا بندوبست نہیں کیا۔"

"ارے تو یہ لڑکیاں کس کام آئیں گی' چلو لڑکیو! کچن سنبھالو۔" بڑی ماں نے کہا اور افشاں' شکیلہ اور تینوں تیار ہو گئیں۔ میں انہیں اپنے ساتھ کچن میں لایا تھا۔ موقع پاتے ہی میں نے افشاں سے کہا۔

"مبارک۔ آپ تو وقت سے پہلے ہی۔۔" اور افشاں نے ادھر ادھر دیکھ کر میرے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا جسے میں نے آہستہ سے چوم لیا اور باورچی خانے سے نکل آیا۔

○☆○

شام تک گوناگوں دلچسپیوں میں وقت گزرا۔ سب بے حد خوش تھے۔ ہر ایک کوٹھی میں آزادانہ گھوم رہا تھا اور اس کی ایک ایک چیز کی تعریف کر رہا تھا اور پھر واپسی کی ٹھہری۔

"سچی بات تو یہ ہے کہ میں اب ان دونوں سے صحیح معنوں میں مرعوب ہوا ہوں۔" تنویر صاحب نے کوٹھی کے اندرونی دروازے سے نکلتے ہوئے کہا۔

"اچھا!" نواب جلال الدین تمسخرانہ انداز میں بولے "یعنی اس سے قبل ہماری باتیں بکواس تھیں؟"

"یہ بات نہیں جلال بھائی۔ ان کی شخصیت تو واقعی مرعوب کن تھی' جس کا میں نے ہمیشہ اعتراف کیا ہے لیکن ان نوجوانوں کے سلیقے نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ کوٹھی بے پناہ قیمتی' بے اندازہ خوب صورت ہے لیکن اسے جس انداز سے آراستہ کیا گیا ہے' وہ مکینوں کی اعلیٰ صلاحیت اور اچھے ذوق کی نشان دہی کرتا ہے۔ دولت تو بہت سے لوگوں کے پاس ہوتی ہے لیکن سلیقے کا دولت مندی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ کو علم ہے مجھے تعمیرات سے کس قدر دلچسپی ہے لیکن ان لوگوں کے ذوق کے سامنے میں خاموش ہو گیا ہوں۔ بلا شک اس معاملے میں یہ مجھ سے زیادہ باصلاحیت ہیں۔"

"شکریہ۔ شکریہ!" نواب جلال الدین خوش ہو کر بولے۔

ہم یہ ساری گفتگو سن رہے تھے۔ ان لوگوں کو احساس نہیں تھا لیکن ان کی باتیں ہمارے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔ تنویر صاحب نے ابتدا میں ہمارے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ زیادہ اچھا نہیں تھا لیکن اس معاشرے میں انہیں روز اول سے ہی بے گناہ سمجھتے تھے۔ ظاہر ہے ان حالات میں جو کچھ ہو سکتا تھا' وہی ہوا تھا لیکن بات نواب جلال الدین کی تھی۔ اس شخص کے ساتھ طالوت نے بے شک بہت کچھ کیا تھا لیکن جس انداز میں وہ احسان مند ہوئے تھے' ظرف کی بات تھی' ورنہ ایسے دن نکل جانے کے بعد بہت کم لوگ یاد رکھتے ہیں۔ تنویر صاحب کی بات پر انہوں نے جس انداز میں ان کا شکریہ ادا کیا تھا' اس میں بناوٹ نہیں تھی اور یہ نواب جلال الدین کی بے پناہ اپنائیت کا ثبوت تھا۔ طالوت نے بھی اس تاثر کو دل سے قبول کیا تھا۔

"عارف!" وہ آہستہ سے بولا۔

"ہوں!"

"سنا تم نے؟"

"نواب جلال الدین کی بات کر رہے ہو؟"

"ہاں!"

"بے حد نفیس انسان ہے طالوت۔ خدا کا شکر ہے ہم نے ایسے اعلیٰ ظرف انسان کو بروقت ڈوبنے سے بچا لیا۔"

"ہاں۔ میں بھی بہت خوش ہوں۔ درحقیقت ایسے لوگوں کے لیے کچھ کر کے خوشی ہوتی ہے۔" طالوت نے کہا۔



باہر آ کر ہم کاروں میں بیٹھ گئے اور کاریں چل پڑیں۔ راستے میں کوئی خاص گفتگو نہیں ہوئی اور ہم کوٹھی پہنچ گئے۔

سب لوگ بے حد خوش تھے۔ خاص طور سے بچیاں یعنی شکیلہ بیگم اور افشاں خانم۔ ان کے چہرے کھلے پڑ رہے تھے۔ افشاں نے پورا دن کوٹھی میں عجیب رنگ دکھایا تھا۔ وہ اس طرح ہر کام میں گھسی رہی تھی جیسے گھر کی مالکہ ہو اور دوسرے سارے لوگ اس کے ہاں مہمان آئے ہوں۔ سب نے یہ بات محسوس کی تھی لیکن افشاں دوسروں کی نگاہوں سے جان بوجھ کر انجان بنی رہی تھی۔

آج رات کے لیے کوئی پروگرام نہیں بنا اور سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں گھس گئے۔ طالوت نے اور میں نے بھی اپنے کمرے کا رخ کیا تھا۔ ہم دونوں ہی خاموش تھے اور دونوں کو ایک ساتھ ہی اس خاموشی کا احساس ہوا۔ ہم دونوں نے ایک ساتھ ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر مسکرا دیے۔

"کیا سوچ رہے ہو بھئی؟" طالوت نے پوچھا۔

"یہی سوال میں تم سے کرتا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں تو آج کے دن کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ درحقیقت بہت اچھا دن گزرا۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"اور تمہاری افشاں بیگم نے تو اس گھر کو ابھی سے اپنا لیا ہے۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں یار۔ وہ لڑکی ضرورت سے زیادہ ہی دلیر ہے۔ بعض اوقات تو میں اس کی دلیری سے گھبرا جاتا ہوں۔"

"وہ کس تصور سے؟"

"وہ میرے لیے تو وہ کبھی بری نہیں رہے گی۔"

"اس قدر چاہتے ہو؟"

"ہاں طالوت! اب تو میں تمہاری محبت کو ذہن کے گوشے گوشے میں محسوس کرتا ہوں۔ میری اس زندگی میں تمہاری موجودگی سے جو پھول کھلے ہیں' ان کی مہک نے میری زندگی بڑھا دی ہے۔ احسان اور شکریے کے الفاظ درحقیقت مجھے خود شرمندہ کر دیتے ہیں لیکن افشاں کے بارے میں تم نے جو کچھ کیا ہے اس کے لیے تو میں تمہارا حد سے زیادہ ہی ممنون ہوں۔"

"میاں ہمارے ساتھ رہو گے تو یونہی مزے رہیں گے۔ نہ بھی ہمارے مشورے پر عمل کرتے رہنا۔"

"نہیں طالوت! افشاں میری زندگی کی انتہا ہے۔"

"بہت خوب۔ ماشاءاللہ!" طالوت نے مسخرے پن سے کہا۔

"مذاق مت اڑاؤ یار۔" میں نے جھینپتے ہوئے کہا۔ "تم خوف زدہ کون سی دلیری سے ہو؟"

"بس یہی' وہ جس انداز میں دوسروں سے بے پروا ہو جاتی ہے' بعض اوقات وہ بے حد خوفناک ہو جاتی ہے۔ تم نے محسوس نہیں کیا تھا کہ بہت سی نگاہیں اس کی نگرانی کر رہی تھیں۔"

"واقعی؟" طالوت کسی خیال سے چونک پڑا۔

"ہاں۔ کیوں؟"

"تو اس میں برا کیا ہے؟" طالوت نے پرخیال انداز میں کہا۔

"بس خوف محسوس ہوتا ہے۔ حد سے آگے بڑھ جانا کسی طور مناسب نہیں ہوتا ہے۔ خدانخواستہ اگر ان لوگوں کو یہ بات ناگوار گزری تو بڑی مشکل پیش آ سکتی ہے۔"

"میرا خیال ہے یہ ناممکن ہے۔" طالوت بولا۔

"کیوں؟ ناممکن کیوں؟"

"بھئی تنویر صاحب تم سے بہت مرعوب ہیں اور پھر یہ حقیقت بھی ہے' انہیں تم سے بہتر داماد اور کون مل سکے گا؟"

"نہیں طالوت۔ بعض اوقات انسان معمولی بات کو بڑا مسئلہ بنا لیتا ہے۔"

"ارے تو طالوت مر تو نہیں گیا۔ بنا کر دیکھیں مسئلہ۔ ابھی انہوں نے صرف ہمارا پیار دیکھا ہے اور پھر یار' تمہاری افشاں بیگم اتنی بدصورت بھی نہیں ہیں۔"

"وہ بے حد خود سر ہے لیکن بہرحال ان کی اولاد ہے۔ وہ اسے مجبور بھی کر سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"انتہائی احمقانہ گفتگو فرما رہے ہیں آپ۔ اب یہ بتائیے کہ فی الحال میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں یا پھر سنو۔" اچانک طالوت چونک پڑا۔

"ہوں؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"افشاں سے ملاقات کرنا چاہتے ہو؟"

"اس وقت کیوں؟"

"یا پھر تم دوسرے لوگوں کے خیالات بھی معلوم کر سکتے ہو۔"

"کس طرح طالوت؟"

"ان کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ کر۔"

"وہ مگر؟"

"تمہارے لیے اس وقت یہی ٹھیک۔۔" طالوت نے



Uploaded by Muhammad Nadeem

کہا اور پھر اس نے راسم کو آواز دی اور راسم اس کے سامنے حاضر ہو گیا "راسم! ذرا اپنی انگوٹھی دے دو۔ تمہیں واپس کر دی جائے گی۔" طالوت نے کہا اور راسم نے تعمیل کی۔ طالوت نے انگوٹھی میری طرف بڑھا دی "لے بھائی' جا عیش کر۔"

"اوہ! تو کیا؟"

"ہاں۔ اسے پہننے کے بعد تمہارا کوئی وجود نہیں رہے گا۔ خود کو صرف ایک ہوا سمجھنا جس سوراخ سے چاہو گے اندر داخل ہو سکو گے۔ باہر نکلنے میں بھی کوئی دقت نہ ہو گی لیکن اسے صرف ایک رات کا ادھار سمجھو۔"

"بہت بہت شکریہ طالوت!" میں نے کہا اور انگوٹھی پہن لی اور اس کے بعد میں نے طالوت کی بات کا عملی تجربہ بھی کر لیا۔ میں دروازے سے باہر نہیں نکلا تھا بلکہ میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں روشن دان سے باہر نکل کر دیکھوں اور اچانک مجھے اپنا وجود ہلکا پھلکا محسوس ہوا۔ میں باریک ذرات کی مانند ہوا میں منتشر ہو گیا اور دوسرے لمحے میں نے خود کو روشن دان سے باہر پایا۔ دوسرے لمحے میں اسی طرح زمین پر اتر گیا تھا۔ میری خوشی کی انتہا نہیں تھی۔ سب سے پہلے میں نے تنویر صاحب کے کمرے کا رخ کیا تھا۔

تنویر صاحب خواب گاہ میں پہنچ گئے تھے اور دروازہ اندر سے بند تھا۔ یوں ان کی خواب گاہ میں داخل ہونا بد اخلاقی تھی لیکن اس وقت۔ اس وقت میں ہر بد اخلاقی کا مرتکب ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ایک روشن دان کے ذریعے ہی میں اندر داخل ہوا۔ بڑی ماں اور تنویر صاحب جاگ رہے تھے۔ دونوں خاموش تھے۔ ٹیبل لیمپ جل رہا تھا۔

"ایک بات کہوں تنویر؟" بڑی ماں اچانک بولیں۔

"ہوں!"

"کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو؟"

"کوئی خاص نہیں۔"

"پھر بھی؟"

"کہا نا کوئی خاص نہیں۔"

"مجھ سے چھپاؤ گے؟" بڑی ماں پیار بھرے انداز میں بولیں۔

"کوئی چھپانے کی بات تو نہیں ہے۔"

"پھر کہہ کیوں نہیں دیتے؟"

"بس میں ان لوگوں کے مکان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"اوہ! میں بھی اسی بارے میں سوچ رہی تھی۔" بڑی ماں جلدی سے بولیں۔

"لیکن تمہاری اور میری سوچ میں فرق ہے۔" تنویر صاحب عجیب سے انداز میں بولے اور میرا دل دھڑک اٹھا۔ میں اس اتفاق پر متحیر رہ گیا کہ میرے سامنے ہی یہ گفتگو شروع ہوئی۔

"کیا فرق ہے؟ تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"تم کیا سوچ رہی تھیں؟" تنویر صاحب نے پوچھا۔

"نہایت خوب صورت حویلی ہے۔ اس سے ان لوگوں کی مالی حالت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ماشاء اللہ! میرا خیال ہے پورے شہر میں اپنی مثال آپ ہو گی۔"

"خیر مالی حالت کے بارے میں تو کچھ نہ کہو۔ جلال بھائی ان لوگوں سے اتنے متاثر ہیں کہ جلال آباد ان کے حوالے کرنے کو تیار ہیں اور بیگم جلال ہی دور کے حالات آپ خود سمجھتی ہیں۔ خدانخواستہ میں جلال بھائی کو لالچی یا خوشامد پسند انسان نہیں سمجھتا۔ اس کے علاوہ وہ جو بات منہ سے نکالتے ہیں اسے پورا بھی ضرور کرتے ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ کل اگر صائم یا عادل ان سے جلال آباد طلب کریں تو وہ بلا چون و چرا اسے ان کے حوالے کر دیں گے۔ وہ ایسے ہی کے آدمی ہیں لیکن بیگم یہ جذبہ بلاوجہ تو نہیں پیدا ہو تا۔"

"ہاں۔ یقیناً!"

"انہوں نے جلال بھائی کے لیے کوئی ایسا ہی کام کیا ہے کہ جلال بھائی اس حد تک آمادہ ہیں' ورنہ کوئی کسی غریب آدمی کو تو کچھ نہ دے۔ یقیناً ایسی پیشکش اپنے سے بڑے انسان کو کی جا سکتی ہے جس کی نگاہ میں ایسے چھوٹے موٹے جلال آبادوں کی کوئی وقعت نہ ہو اور پھر بہرحال انہیں کسی ریاست کا شہزادہ کہا جاتا ہے۔ مان لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ شہزادے وغیرہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو تنویر؟" بڑی ماں نے الجھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ یہ تو تمہاری بات کا جواب تھا۔ بے شک وہ بے پناہ دولت کے مالک ہیں اور نہ جانے کیا کچھ حیثیت رکھتے ہیں۔ ریاستیں یونہی نہیں ہوتیں۔"

"اوہ! بات پھر وہیں آ گئی۔ میں کہہ رہی ہوں تم کیا سوچ رہے تھے؟"

"بڑی نازک بات ہے بیگم۔ کہیں تم عورت پن کا ثبوت نہ دے جاؤ؟"

"ارے۔ یہ تم میری طرف سے اتنے بدظن کیسے ہو گئے؟" بڑی ماں نے چونک کر پوچھا۔

"تم جانتی ہو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے ہمیشہ تمہارے اوپر مکمل اعتماد کیا ہے لیکن تم بھی تو جہاں دیدہ ہو۔ تم نے خود کو اس طرح بے نیاز کیوں کر لیا ہے۔ کیا تم نے کچھ نہیں محسوس کیا؟"

"آخر کیا؟"

"مجھے بولنا ہی پڑے گا۔ میں ان لوگوں کی شرافت اور نجابت پر یقین رکھتا ہوں لیکن چند باتوں کا اعتراف بھی کرتا ہوں۔ وہ بے حد حسین اور پرکشش ہیں' ہر لحاظ سے۔ انتہائی شریف' ہنس مکھ دولت مند۔ کیا ان میں سے کوئی بھائی کسی لڑکی کی آنکھوں کا خواب نہیں بن سکتا؟"

"خدا کے واسطے جو کچھ کہنا ہے صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے؟"

"تم ایک ایسی بات میرے منہ سے کہلوانا چاہتی ہو جو ایک باپ کی زبان سے زیب نہیں دیتی لیکن کیا تم نے افشاں کا جھکاؤ صائم کی طرف نہیں دیکھا۔" تنویر صاحب نے کہا اور پھر بیگم صاحبہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"صائم بھی اس کی طرف مائل ہے۔" تنویر صاحب نے کہا اور میرا دل جیسے بند ہونے لگا۔ بیگم صاحبہ متحیرانہ نگاہوں سے تنویر صاحب کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔ کافی دیر تک وہ بالکل خاموش رہیں اور پھر بولیں۔

"تم نے کیسے اندازہ لگایا تنویر؟"

"اس سے قبل کئی بار محسوس کیا تھا لیکن آج میں نے افشاں کے چہرے پر بہت سے رنگ دیکھے ہیں۔"

"مثلاً؟"

"اس مکان میں وہ اس قدر خوش رہی کہ سب کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ باقی لوگ بھی تھے لیکن افشاں جس طرح صائم کے معاملے میں پیش پیش تھی' اسے تم نے محسوس نہیں کیا بیگم؟"

"خوش تو سب ہی تھے کیا تم نہیں تھے؟"

"ہاں' لیکن۔"

"دونوں بچے اس قدر مخلص اور ہنس مکھ ہیں کہ سبھی ان سے محبت کرنے لگے ہیں۔ افشاں اندر باہر سے یکساں ہے' ایسا تو نہیں ہے یہ صرف اس کا خلوص ہو اور کوئی بات نہ ہو؟"

"ہم اپنی عمر اور اپنے تجربے کو نظر انداز نہیں کر سکتے بیگم۔" تنویر صاحب بولے اور بیگم پھر سوچ میں ڈوب گئیں پھر کافی دیر کے بعد جیسے کسی گہری فکر سے آزاد ہو گئیں۔

"سنو تنویر۔ ارے سنو۔ ہم نے اس سے پہلے تو اس انداز میں سوچا ہی نہیں۔"

"کس انداز میں؟" تنویر صاحب بولے۔

"افشاں کو پوری زندگی تو بٹھا نہیں رکھو گے۔ ٹھیک ہے وہ ہماری اکلوتی بیٹی ہے لیکن بہرحال اس کے لیے کوئی نہ کوئی انتخاب تو کرنا ہی ہو گا۔"

"پھر؟" تنویر صاحب کے لہجے میں کھردرا پن آ گیا۔

"صائم برا لڑکا ہے کیا؟"

"سوچنے لگیں نا عورتوں کے سے انداز میں!" تنویر صاحب ناک سکوڑ کر بولے۔

"کیوں غلط سوچ ہے کیا؟"

"ہاں' غلط ہے۔" تنویر صاحب کا لہجہ پہلے سے زیادہ خشک ہو گیا۔

"کیوں؟ آخر کیوں؟"

"کیا ہو گیا ہے بیگم۔ یہ کسی طور مناسب نہیں ہو گا۔"

"میں پوچھتی ہوں آخر کیوں؟ کیا خرابی ہے صائم میں؟"

"کون نالائق کہتا ہے کہ وہ خراب ہے لیکن وہ لوگ کتنے عرصے سے ہمارے ساتھ رہ رہے ہیں؟"

"تو پھر اس سے کیا؟"

"کیا ہم نے ان دولت مند نوجوانوں کو اسی لیے گھر میں رکھا تھا کہ بالآخر ان میں سے کسی کو داماد بنا لیں اور اس طرح مزید دولت مند بن جائیں۔ کیا افشاں ایک ایسے باپ کی اولاد ہے جو مجبور' لاچار اور بے کس ہے۔ وہ اپنی اولاد کو اجازت دے سکتا ہے کہ وہ اپنے لیے کسی دولت مند شوہر کا بندوبست کرے۔ کیا تنویر اتنا ہی بے غیرت ہے۔ سنو بیگم! اگر صائم ایک غریب اور مفلوک الحال نوجوان ہوتا اور اتنا ہی شریف اور سعادت مند ہوتا جتنا وہ ہے تو میں اسے بخوشی اپنا داماد بنا کر اپنا سب کچھ اس کے حوالے کر دیتا۔ اس وقت مجھے زیادہ خوشی ہوتی لیکن شہزادہ صائم مجھے اس لیے قبول نہیں ہے کہ وہ مجھ سے زیادہ صاحب حیثیت ہے۔ میں دنیا کے سامنے سر اٹھا کر رہنا چاہتا ہوں۔"

"سوچ لو تنویر۔ افشاں خود سر ہے۔" بیگم صاحبہ تشویش سے بولیں۔

"کتنی ہی خود سر کیوں نہ ہو۔ تم جانتی ہو کہ میں بہت کم معاملات میں بولتا ہوں لیکن اپنی آواز کی اہمیت سمجھتا ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔"

Uploaded By Muhammad Nadeem

"لیکن کچھ نہیں۔ کل سے آپ افشاں پر کچھ پابندیاں عائد کریں گی۔ میں نہیں چاہتا کہ ان دونوں کو احساس ہو سکے لیکن اپنے طور پر آپ افشاں کو اس طرف بڑھنے سے روکیں۔"

"میں کوشش کروں گی۔" بیگم صاحبہ نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا اور دونوں خاموش ہو گئے۔

میرا دل خون ہو گیا تھا۔ جو خدشہ تھا وہ سامنے آ گیا تھا۔ میرے ہاتھ پاؤں بے جان ہو گئے تھے، سر چکرا رہا تھا، آنکھوں کے نیچے تاریکی پھیلتی جا رہی تھی۔ بمشکل تمام میں نے خود کو سنبھالا اور وہاں سے نکل آیا۔ قدم لڑکھڑا رہے تھے، زبان خشک ہو گئی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ مجھے احساس ہو رہا تھا جیسے افشاں مجھ سے چھن گئی۔ ایک بار پھر میں ویرانے میں جا کھڑا ہوا تھا۔

اسی حالت میں، میں اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ طالوت آرام سے لیٹا تھا۔ میں نے انگوٹھی اتاری اور مسہری پر گر پڑا۔ طالوت جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ تیزی سے میری طرف آیا تھا اور پھر میری شکل دیکھ کر وہ اچھل پڑا۔

"ارے۔ ارے۔ کیا ہوا عارف۔ کیا ہو گیا؟" اس نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"ٹھیک نہیں ہوا طالوت۔ بہت برا ہو گیا طالوت!" میں نے گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا۔

"ابے کیا ہوا احمق بھائی، منہ سے تو پھوٹ۔"

"وہی جس کا خدشہ تھا۔" میں گھٹی گھٹی آواز میں بولا۔

"عارف!" طالوت غرایا "کیا میں اس پورے مکان کو آگ لگا دوں۔ اگر تم نے مجھے ایک منٹ میں سب کچھ نہ بتایا تو ابھی یہ پورا گھر شعلوں کی لپیٹ میں ہوگا۔ ایک ایک چیز خاکستر کر دوں گا۔ تنویر صاحب فقیروں کی صف میں کھڑے ہوں گے۔" طالوت کا لہجہ بے حد خوفناک تھا لیکن نہ جانے کیوں مجھے اس لہجے سے بڑی تقویت ملی۔ ہاں۔ میرا ایک بہت بڑا ہمدرد موجود تھا، جو حالات بدلنے کی قوت رکھتا تھا۔ بہرحال میں نے رندھی آواز میں اسے پوری تفصیل بتا دی۔

"لعنت ہے تم پر۔" طالوت غرایا۔

"کیوں؟" میں نے احمقوں کی طرح منہ کھول دیا۔

"یہ اس قدر گھبرانے کی بات ہے؟"

"مگر تنویر صاحب کا لہجہ بے حد مضبوط تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ کل سے وہ الوؤں کی طرح کوکتے پھریں گے اور درختوں پر رہنے کی کوشش کریں گے۔" طالوت نے سفاک لہجے میں کہا اور مجھے تصدق کی دم یاد آ گئی۔ میں نے گھبرا کر اسے دیکھا "وہی ہوگا جو میں کہہ رہا ہوں۔"

"نہیں طالوت! ہم کسی کو مجبور تو نہیں کر سکتے۔"

"اول نمبر کے گدھے ہیں آپ۔" طالوت برا سا منہ بنا کر بولا۔

"تم سنجیدگی سے سوچو طالوت!"

"فضول بکواس مت کرو عارف! دل چاہ رہا ہے یہ گلدان اٹھا کر تمہارے سر پر دے ماروں۔ ارے تم نے مجھے اتنا بے حیثیت اور مجبور سمجھا ہے کہ ایک بے وقوف انسان کو سیدھا نہ کر سکوں۔"

"مگر ہمارا ضمیر اس کی اجازت دیتا ہے نا؟"

"میں بے بس نہیں ہوں۔ بے شمار طریقے ہو سکتے ہیں۔ مجھے تو تمہاری حالت پر غصہ آ رہا ہے۔"

"اوہ!" میں نے طالوت کی طرف دیکھا۔ طالوت کی باتوں نے مجھے کافی ڈھارس دی تھی۔ بہرحال اس وقت میں ایک زخمی فاختہ کی مانند تھا، جسے باز کا خطرہ ہو۔

"ہاں۔ کہہ چکا ہوں، وہی ہوگا جو ہم چاہیں گے۔ ہزاروں طریقے ہیں۔"

"مگر میں اب کیا کروں؟" میں نے پوچھا۔

"تم۔" طالوت پرخیال انداز میں بولا۔ چند ساعت خاموش رہا پھر کہنے لگا "ابھی اور اسی وقت افشاں کے پاس جاؤ۔"

"وہ! اس وقت؟" میں نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں۔ اسی وقت۔ ڈرتے کیوں ہو، وہ اپنے کمرے میں تنہا ہوگی۔"

"لیکن۔"

"ابھی اور اسی وقت جاؤ گے تم اور افشاں سے یہ پوری گفتگو دہراؤ گے۔" طالوت نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"مگر اس سے فائدہ؟"

"اس سے پوچھو کہ اب اس کا کیا ارادہ ہے اور وہ اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہے؟"

"وہ بھی پریشان ہو جائے گی؟"

"آج نہیں تو کل ہوگی۔ اسے بے خبر کیوں رکھتے ہو اور پھر یہ ہر لحاظ سے ضروری ہے۔ اسے اپنے والدین کے خیالات سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے۔" طالوت کی دلیل وزن دار تھی۔ میں افشاں کی خواب گاہ میں پوشیدہ رہ کر بھی جا سکتا تھا لیکن اس وقت نہ جانے افشاں بھی کیا سوچے۔ بہرحال طالوت کا مشورہ بھی بے وزن نہیں تھا۔ چنانچہ میں



تیار ہو گیا اور پھر میں دوبارہ انگوٹھی پہن کر باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں افشاں کے کمرے کے دروازے پر تھا۔ میرا دل دھاڑ دھاڑ کر رہا تھا۔ چاروں طرف سے اطمینان کرنے کے بعد میں نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ دوسری اور پھر تیسری دستک دینے پر اندر روشنی ہو گئی۔ قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر افشاں کی آواز آئی۔

"کون؟"

"دروازہ کھولو افشاں! میں ہوں۔" میں نے سرگوشی کی اور افشاں نے میری سرگوشی پہچان لی۔ دوسرے لمحے دروازے کی چابی گھومنے کی آواز سنائی دی اور میں نے جلدی سے انگوٹھی اتار لی۔ دروازہ کھل گیا۔ میری آواز بجھی بجھی سی تھی۔ افشاں شب خوابی کے لبادے میں تھی۔

"روشنی بجھاؤ افشاں۔ للہ روشنی بجھا دو۔" میں نے لرزتی آواز میں کہا۔

"اندر آ جائیے۔ کیا بات ہے؟" افشاں نے حیرت سے کہا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ افشاں نے تیز روشنی گل کر دی تھی۔ البتہ اس نے دروازہ کھلا ہی چھوڑ دیا تھا۔

"افشاں! اس وقت اس طرح آنے پر میں سخت شرمندہ ہوں۔ درحقیقت یہ بڑی غیر شریفانہ حرکت ہے۔ براہ کرم تم۔ تم میری نیت پر کوئی شک نہ کرنا۔" میں نے لرزتی آواز پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ارے، ارے۔ آپ مجھے ذلیل کر رہے ہیں۔" افشاں نے شرمندہ لہجے میں کہا اور پھر دوبارہ روشنی کر دی "آپ آرام سے بیٹھئے۔ ہم چوروں کی طرح باتیں نہیں کریں گے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

"خدا کے لیے افشاں! خدا کے لیے۔" میں گھگھیایا۔

"آپ خود کو اس انداز میں پیش کر کے براہ کرم مجھے شرمندہ نہ کریں۔ آپ بیٹھئے تو سہی۔ میرا آپ کا رشتہ وقتی نہیں ہے اور میں کسی سے خوف زدہ ہوں۔"

"قیامت آ جائے گی افشاں! بہت برا ہو جائے گا اگر۔"

"نہیں آئے گی۔ آپ مطمئن رہیں۔ میں آپ کے لیے کافی بنواتی ہوں۔" افشاں دیوار کی طرف بڑھی۔ شاید وہ گھنٹی بجا کر ملازمہ کو بلانا چاہتی تھی لیکن میں نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔

"افشاں پلیز۔ اس وقت کافی نہیں پیوں گا۔" میں درحقیقت خود کو احمق محسوس کر رہا تھا۔ میں مرد ہو کر اتنا خوف زدہ تھا لیکن افشاں کو کوئی پروا نہیں تھی۔

"آپ کی مرضی مگر پانی ضرور پئیں اور مجھے بتائیں اس قدر گھبرائے ہوئے کیوں ہیں؟" افشاں نے مجھے کولر سے پانی بھر دیا اور میں نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا "کمال ہے۔ میں نے آپ کو اس قدر پریشان کبھی نہیں دیکھا۔" افشاں نے اپنے رومال سے میری پیشانی کا پسینہ خشک کرتے ہوئے کہا۔ وہ میرے بالکل نزدیک کھڑی تھی اور پھر اس نے میرے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "براہ کرم اپنے ذہن سے سارے خدشے نکال دیں۔"

"افشاں!" میں نے گہری سانس لی۔

"آپ اپنا انداز بدل دیں ورنہ میں رو پڑوں گی۔ کس کی مجال ہے جو آپ کی یہ حالت بنا سکے۔ میں اسے شوٹ کر دوں گی اور خودکشی کر لوں گی۔" افشاں جذباتی لہجے میں بولی اور میں دیوانوں کی طرح اسے دیکھنے لگا۔

"دراصل افشاں، مجھ سے کئی غیر اخلاقی حرکتیں سرزد ہو گئی ہیں۔"

"میں ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں اور اگر کچھ ہوا بھی ہے تو غلطی ہر انسان سے ہو سکتی ہے۔ مجھے آپ پر ہر طرح اعتماد ہے۔"

"خدا کی قسم افشاں! تم بے حد عظیم ہو۔"

"اب وہ بات بتائیے جناب، جس کی وجہ سے آپ اس قدر پریشان ہیں۔" افشاں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آج کوٹھی میں تمہاری بے تکلفی سے مجھے خطرہ تھا۔ میں نے بہت سے لوگوں کے چہرے پر عجیب سے تاثرات دیکھے تھے۔ کسی اور کی تو مجھے پروا نہیں تھی لیکن تنویر صاحب اور بڑی ماں کی طرف سے میں فکر مند تھا اور میں نے چھپ کر ان کی گفتگو سننے کی کوشش کی۔"

"اوہ! اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ پھر کیا ہوا؟"

"وہ لوگ ہمارے بارے میں ہی گفتگو کر رہے تھے۔"

"شریف لوگ ہیں، کیا کہہ رہے تھے؟" افشاں کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہیں پیدا ہوا اور میں نے اسے پوری گفتگو سنا دی۔ افشاں نہایت سکون سے سن رہی تھی۔ میں خاموش ہو گیا تو اس نے میری طرف دیکھا "جی۔ پھر کیا ہوا؟"

"بس، اس کے بعد میں وہاں سے چلا آیا۔" میں نے کہا۔

"اچھا۔ پھر کیا ہوا؟" افشاں شرارت آمیز لہجے میں بولی اور میں مجل نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا اور افشاں ہنس پڑی اور پہلی بار مجھے اس پر غصہ آ گیا۔

"گویا آپ کی نگاہ میں ابھی تک کچھ نہیں ہوا؟" میں نے



Uploaded By Muhammad Nadeem

اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔
"میرے خیال میں تو نہیں۔" افشاں شانے ہلا کر بولی۔
"افشاں! براہ کرم سنجیدہ ہو جاؤ۔ تم میری حالت دیکھو۔ میں تو ۔۔۔ میں تو ۔۔۔" میں جملہ پورا نہ کر سکا۔
"آپ کہہ رہے ہیں تو سنجیدہ ہوئی جاتی ہوں ورنہ اس میں سنجیدہ ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔" افشاں نے درحقیقت سنجیدگی سے کہا۔
"ہونہہ۔ گویا تمہاری نگاہوں میں تنویر صاحب اور بڑی ماں کی اس گفتگو کی کوئی وقعت نہیں ہے؟"
"ان دونوں کی تو بے انتہا وقعت ہے۔ آخر وہ میرے والدین ہیں لیکن ہر انسان غلط سوچ سکتا ہے۔ اگر اس بارے میں وہ غلط انداز میں سوچنے لگے۔ تو انہیں معاف بھی کیا جا سکتا ہے، سمجھایا بھی جا سکتا ہے۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہے۔"
"افشاں! افشاں تم بے حد مضبوط اعصاب کی مالک ہو۔" میں نے سر پکڑتے ہوئے کہا۔
"پلیز صائم! آپ پریشان نہ ہوں۔ یہ بات کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔" اور میں نے سر اٹھا کر افشاں کو دیکھا "میرے اوپر بھروسا کرنا چھوڑ دیا؟" اس نے گردن جھکالی۔
"نہیں افشاں! یہ بات نہیں ہے۔"
"پھر کیا بات ہے؟"
"اب تو کوئی بات نہیں ہے۔ بس میں تنویر صاحب اور بڑی ماں کی بے پناہ عزت کرتا ہوں۔ اگر ان کی نگاہوں سے گر گیا تو ۔۔۔ تو بے حد دکھ رہے گا۔" میں نے پھیکے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔
"اگر وہ خود ہی نادانی کریں تو کسی کا کیا قصور؟" افشاں سنجیدگی سے بولی۔
"شکریہ افشاں! اب مجھے اجازت دو۔"
"سکون سے سو جائیں۔ خوب گہری اور آرام کی نیند۔ دیکھیں تو آنکھیں کیسی سرخ ہو رہی ہیں۔" افشاں نے جرأت کر کے میری آنکھوں کے پپوٹوں پر انگلیاں پھیریں۔ اس کی ہتھیلی میرے ہونٹوں سے ٹکرائی۔ شاید اسی لمس کی تلاش میں، جو ہماری نئی کوٹھی کے پچھلے حصے میں اسے ملا تھا۔
لیکن اس وقت میری پوزیشن ٹھیک نہیں تھی۔ میں مکمل ہوش میں بھی نہیں تھا اس لیے میرے سرد ہونٹ اس ہتھیلی کو بوسہ نہ دے سکے۔
"خدا حافظ!" میں نے آہستہ سے کہا۔
"خدا حافظ! وعدہ کریں سکون سے سوئیں گے۔" افشاں مجھے دروازے تک چھوڑنے آئی۔
"ہاں وعدہ لیکن ۔۔۔"
"صبح کو چند ایکٹ کا ڈرامہ ہوگا۔ ناشتے پر میں نظر نہ آؤں تو زیادہ محسوس نہ کریں۔ میرا خیال ہے امی اور ابو کے لیے ایک ہلکا سا ڈوز ضروری ہے۔"
"اوہ!" میں نے گردن ہلائی اور پھر دوبارہ خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ تیز روشنی افشاں کے دروازے سے نکل رہی تھی اور دیکھ لیے جانے کا خطرہ زیادہ بڑھ گیا تھا۔ بہرحال فوری طور پر ایک ستون کی آڑ میں جا کر میں نے انگوٹھی دوبارہ پہن لی اور پھر خدا خدا کر کے اپنے کمرے میں واپس پہنچ گیا۔
طالوت ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دلچسپی کے تاثرات تھے۔ میری طرف دیکھ کر مسکرایا اور پھر ایک گہری سانس لے کر بولا "خدا کا شکر ہے کہ نحوست نہیں برس رہی۔ ملاقات ہوئی؟"
"ہاں!" میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔
"کیا حالت ہے موصوفہ کی؟"
"یار، لگتا ہے میں ہی کچھ سنک گیا ہوں' باقی سب تو ٹھیک ہیں۔" میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔
"ایسے ویسے سنک گئے ہو۔ احمق ہو نرے۔" طالوت منہ بنا کر بولا۔
"مگر مجھے حیرت ہے طالوت!"
"کس بات پر؟"
"بہرحال تنویر صاحب اور بڑی ماں اتنے بے وقوف بھی نہیں ہیں' لیکن کوئی انہیں کرواتا ہی نہیں۔ افشاں سے کہا' اس نے بات کا تم سے بھی زیادہ مذاق اڑایا۔"
"خوب! وہ فکر مند نہیں ہوئی؟"
"بالکل نہیں۔ الٹا میرا مذاق اڑاتی رہی۔"
"تم ہو ہی اس قابل۔"
"فضول بکواس مت کرو۔ نہ جانے۔ نہ جانے کیوں' افشاں انہیں کرواتی ہی نہیں۔"
"ہاں اب یہ بات تمہارے لیے باعث پریشانی ہوئی۔"
"کون سی بات؟" میں چونک پڑا۔
"یہی کہ افشاں اپنے والدین کو زیادہ اہمیت کیوں نہیں دیتی۔ کیوں؟"
"بس کرو یار۔ خدا کے لیے۔" میں نے بے بسی سے کہا۔
"اب جوتے اتارو اور سو جاؤ۔ کل سوچیں گے۔" طالوت نے کہا اور خود بستر میں چھلانگ لگا دی۔ مجھے بھی ہنسی آنے لگی



Uploaded By Muhammad Nadeem

اسلام کی خاموش مبلغ
دلچسپ اور پُر اثر واقعات
کہانیوں سے زیادہ دلچسپ ناولوں سے زیادہ اثر انگیز
"عظمت کے مینار"
ہر شخص کی ایک اہم کتاب
قیمت -/225 روپے کی کتاب ہے

ان دنوں جب ہر طرف جرم، ظلم، عیش کوشی، خود غرضی اور نفس پرستی کا دور دورہ تھا، انسان دنیا داری، بادشاہی اور مادہ پرستی میں مبتلا تھا روشنی کے ان میناروں نے انسانیت کو نجات ابدی کی راہ دکھائی، دکھی انسانوں کی راہنمائی کی، ان کے کام آئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت رابعہ بصری، حضرت بابا بلھے شاہ، حضرت شیخ سعدی، حضرت بابا فرید، حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش اور بہت سے دوسرے اولیائے کرام کے حالات و واقعات زندگی ......

ڈاک خرچ -/29 روپے
قیمت -/225 روپے
کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ پیشگی روانہ کریں

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
فون 5802551-5895313 فیکس 5802551
kitabiat1970@yahoo.com
رابطے کے لئے C-63 II فیز ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ کراچی 75500

تھی لیکن بستر میں گھسنے کے بعد بھی کافی دیر تک نیند نہیں آئی۔ حالات کا تجزیہ درست نہیں تھا۔ تنویر صاحب اور بڑی ماں کی بات بہرحال وزن رکھتی تھی سوائے اس کے کہ افشاں بے حد خود سر تھی اور طالوت چکر چلا کر حالات سنبھال سکتا تھا۔

اور جب ذہن تھک گیا تو نیند آئی۔ دوسری صبح طالوت نے ہی جگایا تھا۔

"پیشہ ور عاشقوں کے سے انداز اختیار مت کرو۔" اس نے کہا۔

"کیا ہو گیا؟"

"رات کو جاگنا' تارے گننا اور دن بھر سونا۔ کافی وقت ہو گیا ہے۔ غسل وغیرہ کر لو۔ ناشتے کے لیے طلب ہی کیا جانے والا ہے۔" طالوت سپاٹ لہجے میں بولا۔ میں نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر جلدی سے بستر سے نکل آیا۔

"جگا کیوں نہ دیا یار۔" میں نے باتھ روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"اب میں کیا ٹھیکیدار ہوں تمہارے عشق کا۔ راتوں کو ستارہ گردی کرو اور دن میں منت سماجت کرکے جگایا جائے۔" طالوت برا سا منہ بنا کر بولا اور میں باتھ روم میں داخل ہوتے ہوتے رک گیا اور اسے دیکھنے لگا۔ طالوت کو بھی اس کا احساس ہو گیا اور اس نے غصیلے انداز میں میری طرف دیکھا۔

"ناراض ہو طالوت؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"جی نہیں۔ آپ کی بزدلی سے بے حد خوش ہوں۔ تالیاں بجانے کو جی چاہ رہا ہے۔ اب نہاؤ جلدی سے پھر باہر آ کر بکواس کرو۔" اس نے ڈانٹتے ہوئے کہا اور میں خاموشی سے باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ ذہن میں اس ڈرامے کا تصور تھا جو ناشتے پر ہوگا اور جس کے بارے میں افشاں نے بتایا تھا لیکن رات کی سی کیفیت نہیں تھی۔ افشاں اور طالوت نے میرا کافی مذاق اڑایا تھا' حالانکہ جو بات تھی اس پر غور کرنے کے باوجود مجھے اپنی حماقت نظر نہ آئی۔ بات اپنی جگہ وزن دار تھی۔

بہرحال نہا دھو کر نکل آیا۔ لباس بھی تبدیل کر لیا تھا اور پھر بیٹھے ہی تھے کہ ملازمہ آ گئی۔ "ناشتا تیار ہے۔" اس نے آ کر اطلاع دی اور ہم اٹھ گئے۔

ناشتے کے کمرے میں زیادہ تر لوگ پہنچ گئے تھے۔ تنویر صاحب' بڑی ماں' نواب صاحب' تسمیں اور احسان۔ شکیلہ ابھی نہیں آئی تھی' نہ ہی افشاں۔ ان کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ انتہائی غور سے دیکھنے پر احساس ہوتا تھا کہ تنویر صاحب اور بڑی ماں کے چہروں پر چند نئی شکنیں نمودار ہو گئی ہیں لیکن ممکن ہے یہ بھی صرف میرا احساس ہو۔

ہمارے بیٹھنے کے بعد شکیلہ بھی آ گئی اور افشاں کے بارے میں نواب صاحب نے آ کر کہا "کیا بات ہے افشاں بیٹی نہیں پہنچی؟"

"جاؤ دیکھو۔" بڑی ماں نے کہا "آپ شروع کریں بھائی صاحب۔"

"واہ! یہ کیسے ممکن ہے۔ آ جانے دو۔" نواب صاحب بولے لیکن ملازمہ چند ساعت کے بعد واپس آ گئی۔

"بی بی نے کہا ہے کہ آپ لوگ ناشتا کریں۔ انہیں ابھی کافی دیر لگ جائے گی۔"

"ارے کیوں۔ ٹھیک تو ہے وہ؟"

"جی۔ کوئی کتاب پڑھ رہی ہیں۔"

"ممکن ہے ہاضمہ خراب ہو گیا ہو۔ چلیں ناشتا کریں۔" تنویر صاحب نے کہا اور سب نے ناشتا شروع کر دیا۔ میں بھی خاموشی سے ناشتا کر رہا تھا لیکن دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ حضرات' ہاضمہ تو اب آپ سب کا خراب ہونے والا ہے۔ عام طور سے ناشتے پر خاموشی ہی رہتی تھی۔ بشرطیکہ کوئی خاص موضوع چھڑ جائے۔ لیکن آج کی خاموشی کچھ زیادہ ہی محسوس ہوئی۔ صرف میری یہ کیفیت تھی کہ ایک ایک بات نوٹ کر رہا تھا ورنہ باقی سب لوگ تو نارمل تھے۔

ناشتے سے فارغ ہو کر نواب صاحب بولے "ہاں بھئی۔ آج کیا پروگرام ہے؟"

"کوئی خاص نہیں۔" تنویر صاحب نے جواب دیا۔

"تو پرسوں تمہاری فرم کا افتتاح ہے صائم میاں؟"

"جی!" میں نے جواب دیا۔

"تنویر! ایک دن میں کارڈ تقسیم ہو جائیں گے؟"

"جی بھائی صاحب! کچھ خاص لوگوں کو میں کارڈ پہنچا دوں گا' باقی کام تصدق اور کمال وغیرہ کر لیں گے۔"

"مناسب' مگر عادل میاں! ذرا ہمیں کارپٹ سینٹر کی زیارت تو کرا دو۔"

"ضرور' لیکن مناسب یہی ہوتا کہ افتتاح کے وقت ہی اس کی نقاب کشائی کی جاتی۔"

"ہاں۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ بس کوٹھی دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوا ہے کہ وہ بھی دیکھنے کی چیز ہوگی۔ سچ تمہاری کوٹھی بے حد خوب صورت ہے۔ یوں سمجھ لو' اسے دیکھنے کے بعد' ایک بار دیکھا ہے' دوبارہ دیکھنے کی ہوس ہے۔"

"آپ کی ہے نواب صاحب۔ ہمارے وہاں جانے کے بعد آپ چند روز ہمارے ہاں قیام کریں گے۔" طالوت نے کہا۔

"ضرور۔ ضرور۔ اب تو انتظار رہے گا کہ تم کب وہاں جاتے ہو۔"

"تنویر صاحب اور بڑی ماں سے اجازت دلا دیں۔ جب یہ دونوں بزرگ اجازت دے دیں گے ہم چلے جائیں گے۔" طالوت نے کہا اور تنویر صاحب کی تیوری چڑھنے لگی۔

یہ نمایاں تبدیلی تھی ورنہ ایسے موقعوں پر تنویر صاحب ذرا ناراض ہو جاتے تھے۔ بڑی ماں نے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی پھر اچانک کسی خیال کے تحت میں نے اجازت طلب کر لی۔ طالوت بھی میرے پیچھے ہی باہر نکل آیا تھا۔

"خیریت؟" اس نے پوچھا۔

"کچھ محسوس کیا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں!" طالوت نے جواب دیا۔

"واقعی۔ میرا خیال تھا تم نے غور نہیں کیا ہوگا؟"

"کیا تھا لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ لوگ بہرحال اتنا جانتے ہیں کہ ہم کسی طور سے بھی کمتر نہیں ہیں۔"

"یار۔ راکم کی انجمن کو تھوڑی دیر اور استعمال کر لوں؟" میں نے پوچھا۔

"ارے ہاں۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ کیا کرو گے؟"

"میرا خیال ہے افشاں کی خبر گیری ضروری ہو گئی ہے۔"

"وہ! اور تم اس وقت وہاں ہو گے؟"

"ہاں یار سنو تو۔ دیکھو نا! باخبر رہنا ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ کوئی حرج نہیں ہے۔" طالوت نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔ تسمیں اور احسان بھی آنے والے ہوں گے۔ تم ان کی طرف آئیں گے اور ان جھمیلوں سے جان چھڑانا مناسب نہیں ہے۔" میں نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ اب میرا رخ افشاں کے کمرے کی طرف تھا لیکن تھوڑی دور جا کر میں نے انگوٹھی پہن لی۔ میں اس وقت افشاں پر بھی اپنی موجودگی کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا۔

افشاں کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اس لیے میں اطمینان سے اندر داخل ہو گیا۔ افشاں سکون سے ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک کتاب کھلی ہوئی تھی۔ میں اس سے کافی فاصلے پر کونے کی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ افشاں خود بھی کسی کی آمد کی منتظر تھی۔ اس کی نگاہیں گاہے گاہے دروازے کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

اور اسے بھی زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ بڑی ماں ناشتے کے کمرے سے اٹھ کر شاید سیدھی اسی طرف آئی تھیں۔ کمرے کے کھلے دروازے سے انہوں نے اندر جھانکا پھر آواز دی "افشاں!"

"جی اماں جی۔ آئیے۔" افشاں نے کتاب رکھتے ہوئے کہا اور بڑی ماں اندر آ گئیں۔ انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔

"کیا بات ہے افشاں' طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"جی اماں جی۔ ٹھیک ہوں۔"

"ناشتے پر کیوں نہیں آئیں؟" بڑی ماں اس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولیں۔

"میرا ذہن ٹھیک نہیں ہے۔ میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتی تھی۔"

"کیا بات ہے؟" بڑی ماں کی آنکھوں میں سینکڑوں دیے جاگ اٹھے۔

"اتفاق سے رات کو میں نے آپ کی اور ابو جان کی گفتگو سن لی تھی۔" افشاں نے کہا اور بڑی ماں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ وہ سناٹے میں آ گئی تھیں۔ کئی منٹ تک وہ کچھ نہیں بول سکیں پھر کافی دیر کے بعد بمشکل بولیں۔

"کیسے؟"

"معذرت خواہ ہوں۔ نہیں بتا سکوں گی۔"

"تو بیٹی کیا ہمارا خیال غلط ہے؟" بڑی ماں نے کہا۔

"کون سا خیال؟"

"عادل اور صائم کی کوٹھی میں' تم جس دلچسپی سے پیش پیش تھیں' وہ صرف ایک اخلاقی جذبہ ہے یا اس کے پیچھے کچھ اور ذہنی جذبات وابستہ ہیں؟" بڑی ماں نے پوچھا۔

"آپ جہاں دیدہ ہیں ماں جی۔ آپ خود غور فرمائیں۔" افشاں نے کہا۔

"کیا تمہارے ابو کا خیال غلط ہے؟"

"براہ کرم صاف گفتگو کریں۔ آپ جس بات کو کہتے ہوئے جھجک رہی ہیں' وہ انسان کی زندگی میں سب سے بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ میں اس بارے میں آپ سے صاف گفتگو کروں گی۔"

"تم ان دونوں میں سے کسی سے۔ کسی سے پوشیدہ دلچسپی رکھتی ہو؟"

"آپ نے غلط لفظ استعمال کیا ہے۔ میں اسے پوشیدہ تو نہیں کہوں گی۔ اگر یہ دلچسپی پوشیدہ ہوتی تو آپ لوگوں کو

Uploaded By Muhammad Nadeem

ساری زندگی احساس نہیں ہوتا۔ میں نے جان بوجھ کر آپ کو یہ احساس دلایا ہے۔" افشاں نے کہا اور بڑی ماں کسی حد تک نروس ہو گئیں۔ ان کا خیال تھا کہ چوری پکڑے جانے پر افشاں شرمندہ ہوگی' آنکھیں چرائے گی لیکن یہاں تو معاملہ الٹا ہو رہا تھا۔ کئی منٹ تک وہ سن بیٹھی رہیں' پھر اپنے رتبے کا احساس جاگا اور ان کی آواز بھی کرخت ہو گئی۔

"گویا تم ہمارے شبے کی تصدیق کر رہی ہو؟"

"آپ صرف شبے میں کیوں مبتلا ہیں ابھی تک یقین کی منزل تک کیوں نہیں پہنچ رہیں؟" افشاں تیکھے انداز میں بولی۔

"کیا تمہاری گفتگو مناسب ہے؟"

"ہاں۔ میں خود کو اس انداز میں پیش کرنے میں حق بجانب ہوں کیونکہ عرض کر چکی ہوں یہ میری زندگی کا سب سے اہم مسئلہ ہے۔ میں اس میں تکلف نہیں کروں گی۔"

"گویا تم ان میں سے کسی کو۔۔۔ کسی کو پسند کرتی ہو؟"

"ہاں!" افشاں نے جواب دیا۔

"کسے؟" بڑی ماں کی آواز میں گھبراہٹ تھی۔

"ان دونوں میں سے کون آپ کے لیے ناپسندیدہ حیثیت رکھتا ہے؟"

"افشاں! تمہاری پوری گفتگو گستاخی پر مشتمل ہے۔"

"ساری زندگی آپ سے ناک رگڑ کر معافی مانگتی رہوں گی اماں بی لیکن اس وقت جو گفتگو کر رہی ہوں' وہ مجھے زندہ رکھنے کے لیے ضروری ہے۔" افشاں کا جواب جاری تھی اور میں دل ہی دل میں اس پر نثار ہو رہا تھا۔ درحقیقت میرے ذہن سے ساری گھٹن نکل چکی تھی۔ یہ لڑکی جس قدر مجھے چاہتی ہے اس کے عوض تو زمانے بھر کی مخالفت مول لی جا سکتی ہے۔ میں بلاوجہ خوف زدہ ہوں۔

"اگر تم نے ہماری گفتگو سن لی ہے تو پھر اپنے ابو کے خیالات سے بھی واقف ہو چکی ہو گی؟" بڑی ماں نے کہا۔

"ہاں۔ اچھی طرح!"

"پھر کیا خیال ہے؟"

"ابو غلطی پر ہیں' جھوٹی انا برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ انہیں اپنی سوچ بدل دینی چاہیے۔"

"تم ان کے لیے اپنے خیالات نہیں بدل سکتیں؟"

"یہ تصور بھی ذہن سے نکال دیں۔" افشاں نے سخت لہجے میں کہا۔

"تم گھر والوں کی مخالفت مول لو گی؟"

"ایک انکشاف کرنا چاہتی ہوں۔" افشاں زہریلے لہجے میں بولی اور بڑی ماں چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔ ان کا چہرہ وحشت سے پیلا پڑ گیا تھا۔

"کیا؟" وہ سرسراتی آواز میں بولیں۔

"میں غیر ممالک کی سیر کو جانا چاہتی تھی' آپ لوگ نہ مانے لیکن۔۔۔"

"وہ! افشاں تمہاری وہ ضد پوری کر دی جائے گی۔ میں وعدہ۔۔۔"

"پوری بات سن لیں اماں بی۔ میں اپنی ضدیں خود پوری کر لیتی ہوں۔ اغوا کے بارے میں میں نے جو کچھ کہا تھا غلط کہا تھا۔ میں پاسپورٹ بنوا کر بہت سے ملکوں کی سیر کو گئی تھی۔ یقین نہ آئے تو سینکڑوں ثبوت پیش کر سکتی ہوں' تصدیق بھی اس بات کا گواہ ہے۔"

"کیا! کیا!" بیگم صاحبہ حیران رہ گئیں۔

"بتانا صرف یہ تھا کہ آپ لوگ خود ہی اپنے فیصلوں میں تبدیلیاں کر لیں ورنہ مجھے میدان عمل میں آنا ہوگا۔ آپ کا احترام اپنی جگہ لیکن جو کچھ عرض کر رہی ہوں۔ اس کے بارے میں کہہ چکی ہوں کہ اس کا میری زندگی سے گہرا تعلق ہے۔"

بڑی ماں پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے گھورتی رہیں اور پھر اٹھ گئیں "کیا میں تمہارے ابو کو تمہاری گفتگو کے بارے میں بتا دوں؟"

"اگر آپ نے اس میں ایک لفظ کی بھی تحریف کی تو ساری ذمہ داری آپ کی ہوگی۔ میں اس میں سے کوئی ذمہ داری قبول نہیں کروں گی۔" افشاں نے جواب دیا۔

بڑی ماں خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گئیں۔ افشاں نے دوبارہ کتاب اٹھا لی تھی۔ میرا بھی اس وقت وہاں رکنا مناسب نہیں تھا اس لیے میں خاموشی سے باہر نکل آیا اور اب میں بڑی ماں کے پیچھے جا رہا تھا۔ میرا خیال تھا بڑی ماں سیدھی تنویر صاحب کے پاس جائیں گی لیکن وہ اپنے کمرے کی طرف گئیں اور انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس وقت وہ تنویر صاحب سے کوئی گفتگو نہیں کریں گی۔ بہرحال میں وہاں سے چلا آیا۔

طبیعت پر ایک بوجھ سا طاری تھا۔ تنویر صاحب کو دیکھا' وہ تیار ہو کر کہیں جا رہے تھے۔ میں نے کوئی مداخلت نہیں کی اور واپس طالوت کے پاس پہنچ گیا۔

طالوت ایک آرام کرسی میں دراز مسکرا رہا تھا۔ میں نے انگوٹھی اتار دی اور وہ شرارت آمیز انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔

"مذاق اڑا رہے ہو یار۔" میں نے پھیکے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور ایک آرام کرسی میں گر پڑا۔

"مذاق اڑا سکتا ہوں۔" طالوت بولا۔

"بڑی گرما گرم گفتگو رہی۔"

"سن چکا ہوں۔" طالوت ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"کیا مطلب؟" میں اچھل پڑا۔

"ہاں یار۔ اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔ دراصل میں بھی حالات سے واقف ہونا چاہتا تھا۔"

"تو تم وہاں موجود تھے؟"

"ہاں۔"

"اوہ!" میں نے گہری سانس لی "پھر اب کیا خیال ہے؟"

"ڈیئری میں تم اس کے عشرِ عشیر بھی نہیں ہو۔"

"مجھے اعتراف ہے۔" میں نے کہا۔

"اور مجھے یقین ہے کہ وہ حالات سنبھال لے گی۔"

"بڑی مضبوط لڑکی ہے۔"

"ہاں۔ خدا کی قسم اس سے نصیحت ہوئی۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"مگر حضرت' اب پروگرام کیا ہے؟"

"تنویر صاحب کی بے رخی کا یہ ہلکا سا انداز تو تبدیل ہونا ہی ہے۔"

"کیا مناسب؟"

"کیا اب بھی یہاں رہو گے؟"

"نہیں چاہتا لیکن افشاں؟"

"تو اس سے بات کر لینا۔ بہرحال وہ کمزور لڑکی نہیں ہے۔ ہم اس کی طرف سے مطمئن ہیں۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔۔۔"

"موقع ملتے ہی اس سے گفتگو کر لو اور اس سے کہہ دو کہ ایسی صورت میں ہمارا یہاں سے چلے جانا ہی بہتر ہے۔ ظاہر ہے ہم کسی طور ان سے دور نہیں رہیں گے لیکن یہاں رہنے سے کچھ الجھنیں بھی پیدا ہو سکتی ہیں اور وہ خطرناک ہو سکتی ہیں۔"

"بالکل ٹھیک!"

"بس تو طے ہے' پرسوں ہم اچانک افتتاح کے بعد اعلان کر دیں گے اور وہاں سے سیدھے اپنی کوٹھی پر جائیں گے۔ ہاں کل تک کاروں کی خریداری اور کر لی جائے۔"

"اوکے باس! لیکن یار' اگر افشاں نے اجازت نہ دی؟"

"اس بات کا امکان تو ہے لیکن وہ سمجھ دار لڑکی ہے' اس موقع پر منع نہیں کرے گی اور ہاں نواب جلال الدین کو ضرور ساتھ لے چلو' کام آئیں گے۔" طالوت نے کہا اور میں اس کی بات پر غور کرنے لگا۔

کافی دیر تک ہم دونوں کمرے میں بیٹھے گفتگو کرتے رہے اور پھر سیمیں اور احسان کی مداخلت پر ہی چونکے۔ دونوں اندر گھس آئے تھے۔ ان کے پیچھے افشاں اور شگفتہ تھیں۔

"یہ ہو کیا رہا ہے آخر۔ آج جواب مل جانا چاہیے۔" سیمیں نے ہتھیلی پر گھونسہ مارتے ہوئے کہا۔ وہ مصنوعی غصے کا اظہار کر رہی تھی۔

"ارے ارے۔ خیریت؟ ناشتے میں گرم اشیاء کا استعمال کچھ زیادہ کر لیا تھا کیا؟" طالوت نے مسکرا کر سنبھلتے ہوئے کہا۔ میں نے احسان کی شکل دیکھی' اس کا چہرہ بالکل نارمل تھا۔ کوئی تردد یا کوئی شکن نہیں تھی اس پر۔

"ہرگز نہیں۔ میں پوچھ کر رہوں گی۔" سیمیں نے جھگڑتے ہوئے انداز میں کہا۔

"لیکن آخر کیا سیمیں بیگم؟" میں نے پوچھا۔

"ہم لوگوں کو نظرانداز کیوں کیا جا رہا ہے؟ یہ اچانک بدرونقی سی کیوں پھیل گئی ہے؟"

"ارے توبہ توبہ۔ یہ نظرانداز کرنے کی بات کیا کہی سیمیں بیگم۔ کسی کی مجال ہے؟" طالوت جلدی سے بولا۔

"خدا کی قسم! برداشت کی بھی حد ہوتی ہے۔ بس اب میں واپسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" سیمیں نے کہا۔

"کہاں؟" طالوت نے آنکھیں نکالیں۔

"جلال آباد!"

"ناممکن۔ ابھی تو آپ تنویر صاحب کی مہمان ہیں۔ وہ کوٹھی جو خریدی ہے اس کا کیا ہوگا؟" طالوت نے کہا۔

"یہی طور رہے تو میں ضرور جاؤں گی آپ کی کوٹھی میں۔"

"حضور۔ سرکار ہمارا قصور؟" طالوت نے گڑگڑا کر کہا۔

"اس دن بھی آپ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔"

"ہاں۔ اس دن تو غلطی ہو گئی تھی لیکن اس کے علاوہ؟"

"اور آج کل آپ لوگ اپنے کمرے میں گھسے بیٹھے رہتے ہیں۔"

"دراصل سیمیں' صرف چند روز کے لیے معاف کر دو۔ پرسوں کاربٹ سینٹر کا افتتاح ہو جائے' اس کے بعد فرصت ہی فرصت ہے۔"

Uploaded By Muhammad Nadeem

"تو یہ اسی وقت کمرے میں گھس کر افتتاح ہو رہا تھا؟"
"ہاں۔ یقین کرو ہم پلاننگ کر رہے تھے۔"
"آپ لوگوں پر یہ بات عجیب محسوس ہوتی ہے۔ بہرحال اگر یہ بات ہے تو دونف بھی کیا جاسکتا ہے۔ کیوں افشاں، کیوں شکیلہ؟" سیمیں نے کہا اور دونوں ہنستے ہوئے گردن ہلانے لگیں۔
"آپ کو تو کوئی شکایت نہیں ہے احسان صاحب؟"
"جی میں کیا، میری حیثیت کیا۔" احسان نے ہنستے ہوئے کہا۔
"اوہ۔ حیثیت کیوں نہیں ہے۔" سیمیں تڑپ کر بولی۔
"دراصل احسان بہت چالاک ہے۔ جانتا ہے کہ اس کے بدلے آپ ہی نوٹ لیں گی اس لیے خود برا کیوں بنے۔" طالوت بولا۔
"گویا میں بری بن گئی ہوں۔" سیمیں نے آنکھیں نکالیں۔
"ارے میں سارے میں تلاش کر کر کے مر گئی۔ یہاں گھسے بیٹھے ہیں میرے بچے۔" بوا کی آواز دروازے سے سنائی دی اور ہم سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔
"آیئے بوا آیئے۔ آپ ہی کا ذکر کر رہے تھے ہم لوگ۔" طالوت نے کہا اور بوا مسکراتی ہوئی اندر آگئیں۔
"کیا مسکوٹ ہو رہی ہے، سب کے سب جمع ہیں ماشاء اللہ!" بوا نے اپنی جگہ سنبھالتے ہوئے کہا اور اچانک طالوت کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے۔
"صائم!" اس نے میری طرف جھک کر کہا۔
"ہوں!"
"یار، اچانک میرے ذہن میں بڑا خوب صورت پروگرام آیا ہے۔"
"کیا؟"
"کیوں نہ کارپٹ سینٹر کا افتتاح بوا سے کرایا جائے؟"
"یار۔ بس خاموش ہو جاؤ۔ ابھی تم دوسروں کو ہوا نہیں لگنے دیں گے۔" میں نے کہا اور طالوت گردن ہلا کر خاموش ہو گیا۔
"میرا کیا ذکر ہو رہا تھا؟ اور ہاں یہ جمشید کہاں گیا، موئے مارا نظر ہی نہیں آتا آج کل؟"
"کیا بات ہے بوا، آج کل جمشید کے ستارے بہت اچھے جا رہے ہیں؟" سیمیں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اری سیمیں بیٹا، بڑا اچھا لونڈا ہے۔ دل کا برا نہیں ہے۔ تم لوگوں نے کیا درگت بنائی ہے بے چارے کی میرے ہاتھوں، مجھے بڑا ہی افسوس ہے۔"
"واقعی؟" طالوت دلچسپی سے بولا۔
"تو اور کیا، میری شکل اس کی دادی اماں سے ملتی ہے۔ ماں کا ترسا ہوا ہے بے چارہ۔" بوا کے لہجے سے شہد ٹپک رہا تھا۔ درحقیقت بڑی سادہ لوح خاتون تھیں۔ گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ۔
"اور تصدق کے بارے میں کیا خیال ہے بوا؟"
"اس کی بات چھوڑو، وہ ... بیٹا۔ اس میں اور جمشید میں بڑا فرق ہے مگر آج کل وہ بھی نظر نہیں آرہا۔"
"آپ بھی خوب ہیں بوا! ناراض بھی رہتی ہیں اور یاد بھی کرتی ہیں۔" سیمیں بولی۔
"اے اب دل سے کسی سے ناراض رہوں ہوں۔ میرے بڑھاپے میں کا کہ نگاڑے ... جاوے ہے۔ اب بتاؤ تم میری اولادوں سے ... نگاہ رکھو تو ٹھیک ہے؟"
اور بوا کی اس "بری نگاہ" پر ہم سب ہنس پڑے۔
"اور بوا کسی کی نگاہ ہی خراب ہو تو؟" طالوت ہنس کر بولا۔
"ارے رہنے دو نادل میاں، تم تو بڑے ہی شریر ہو۔"
"سچ بوا! تصدق کی آنکھیں خراب ہیں۔ وہ آپ کو بری نگاہ سے نہیں دیکھتا بلکہ آنکھوں کی خرابی کی وجہ سے آپ کو ایسا محسوس ہوا ہو گا۔"
"چلو ہٹو بس رہنے دو اور ہاں جمشید کے لیے نہیں بتایا، صبح بھی نہیں ہے۔"
"مصروف ہے بے چارہ!" طالوت نے کہا اور پھر گھڑی دیکھ کر بولا "ارے صائم میاں چلیں گے نہیں؟"
"وقت ہو گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"ہاں! ساڑھے دس بج رہے ہیں۔"
"تب پھر خواتین و حضرات اجازت دیجئے اور یہ بد اخلاقی صرف کل تک کے لیے اور اس کے بعد انشاء اللہ تفریحی پروگرام رہیں گے۔"
"کوئی خاص کام ہے صائم بھائی؟"
"ہاں۔ بس افتتاح کے پروگرام کو فائنل کر رہے ہیں۔ پرسوں انشاء اللہ تعالیٰ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اور ہم سب کمرے سے نکل آئے۔ افشاں کے ہونٹوں کی پرسکون مسکراہٹ نے مجھے بھی سکون بخشا تھا۔ جب وہ مطمئن تھی تو میں تردد کیوں کروں۔ تمام لوگوں سے اجازت لے کر ہم باہر نکل آئے اور پھر کار لے کر چل پڑے۔



کارپٹ سینٹر میں باقاعدہ کام ہو رہا تھا۔ تصدق اور جمشید کسی گفتگو میں الجھے ہوئے تھے، ہمیں دیکھ کر دونوں خاموش ہو گئے اور اپنی کرسیوں سے اٹھ گئے کیونکہ ہم اچانک ہی پہنچے تھے۔
"اوہو، آیئے۔" تصدق نے مجوب انداز میں کہا۔
"کوئی بات نہیں۔ تم کام کرو تصدق!"
"جی کوئی خاص کام نہیں تھا، ہم لوگ ایک فائل دیکھ رہے تھے۔"
"کیسی فائل؟"
"ایک لڑکی ملازمت کے لیے آئی ہے۔ حالانکہ جگہیں تقریباً سب پر ہو گئی ہیں لیکن جمشید صاحب کی خواہش ہے کہ اسے ملازم رکھ لیا جائے۔"
"جمشید صاحب کی خواہش ہے؟" طالوت نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔
"یس مسٹر نادل! لڑکی بہت سیڈ ہے۔ اس کی آنکھ سے آنسو نکلتا۔ میں اس کو بولا، میں سفارش کریں گا۔" جمشید نے کہا۔
"جمشید صاحب جس کی سفارش کریں اسے تو ضرور رکھنا چاہیے مسٹر تصدق!"
"ضرور جناب! میں نے جمشید صاحب سے اختلاف نہیں کیا۔ صرف جگہوں کی فائل ان کے سامنے رکھ دی ہے کہ اس میں سے جو چاہیں انتخاب کر لیں۔" تصدق نے کہا۔
"جمشید ذرا سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔"
"لڑکی کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔
"باہر ویٹنگ روم میں بیٹھا ہے۔"
"بلاؤ!" میں نے تصدق سے کہا اور جمشید جلدی سے اٹھ گیا۔
"ارے ارے جمشید تم کہاں، بیٹھو۔ تصدق بیل بجا کر چپراسی کو بلانے گا، اور وہ لڑکی کو۔" طالوت نے کہا اور جمشید گہری سانس لے کر بیٹھ گیا۔
تصدق نے بیل بجائی اور چپراسی اندر آگیا "ویٹنگ ہال میں مس عذرا بیٹھی ہیں، انہیں اندر بلالو۔" تصدق نے کہا اور چپراسی ادب سے گردن جھکا کر چلا گیا۔
اور پھر چند ساعت کے بعد اس نے وزنی دروازہ دوبارہ کھولا اور دبلی پتلی سہمی ہوئی لڑکی اندر آگئی۔ رنگ پیلا پڑا ہوا تھا۔ آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں کچھ کاغذات دبے ہوئے تھے۔ اندر داخل ہوئی تو کاغذات قالین پر گر پڑے اور اس کا بدن ہولے ہولے کانپنے لگا۔ اس نے ہراساں نگاہوں سے ہمیں دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے پھر وہ زمین پر بیٹھ گئی اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ بری طرح بدحواس ہو گئی تھی۔
اس کی یہ حالت دل لرزا دینے والی تھی۔ میں اور طالوت لرز اٹھے۔ بھلا ایسی بے بسی کا انداز ہم دیکھ سکتے تھے اور پھر ہم دونوں ہی تیزی سے اس کی طرف لپکے۔
"آیئے عذرا بی بی۔ آپ فکر نہ کریں، یہ کاغذات چپراسی اٹھالے گا۔" طالوت نے محبت بھرے انداز میں اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ عذرا کا بدن اب بھی کانپ رہا تھا۔
"آؤ عذرا بہن۔ تم تکلف کر رہی ہو۔" میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ اس نے ایسی نگاہوں سے ہمیں دیکھا جیسے اندازہ لگا رہی ہو کہ ہم کتنی سنجیدگی سے اس کا مذاق اڑا رہے ہیں لیکن ہمارے چہروں پر ایسا کوئی تاثر نہیں تھا۔ جمشید نے اس کے لیے کرسی کا انتخاب کیا اور میں نے عذرا کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے بٹھا دیا۔
وہ بیٹھنے کے بعد گہری گہری سانس لینے لگی۔
"ارے تصدق! بڑے بداخلاق ہو گئے ہو۔ کچھ کھلاؤ پلاؤ گے نہیں؟" طالوت بولا۔
"ہاں جناب، ابھی پیش کرتا ہوں۔" تصدق جلدی سے اٹھ گیا۔
"عذرا بی بی، آپ چائے پئیں گی یا کافی؟" میں نے پوچھا۔
"جی۔ میں۔ میں نے بی اے کیا ہے۔ میں۔ میں دراصل ملازمت کے لیے آئی تھی۔" اس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔
"اوہو بھئی ملازمت کی تو طے ہو گئی۔ یہ جو اپنے جمشید صاحب ہیں نا، بس یہ جسے چاہیں جو جگہ دے سکتے ہیں۔ ہم ان کے معاملے میں مداخلت کرنے والے کون۔ آپ کی ملازمت کا تو فیصلہ کر لیا گیا، اب ذرا کچھ کھانے پینے کی باتیں بھی تو ہو جائیں۔ ہاں تو آپ چائے پئیں گی یا کافی؟"
لڑکی نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے لیکن آواز نہ نکل سکی۔
"چلو بھئی تصدق سب کے لیے چائے ہی منگوا دو۔" اتنی دیر میں تصدق چپراسی کو بلا چکا تھا اور پھر اسے ہدایات کر کے واپسی پر وہ لڑکی کے کاغذات بھی اٹھا لایا۔
لڑکی نے جلدی سے کاغذات لپک لیے تھے "یہ میرے سرٹیفکیٹس وغیرہ ہیں۔"
"بھئی عذرا! ان بور باتوں کو چھوڑو، کچھ اور باتیں کرو۔"



Uploaded By Muhammad Nadeem

سرٹیفکیٹ وغیرہ بھی کوئی دیکھنے کی چیزیں ہیں۔ اب تو تم ہماری اس چھوٹی سی فرم کی اہم کارکن ہو۔ یہ فائل بند کرو۔" اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے بی بی۔"

"تو۔ تو آپ نے مجھے ملازمت دے دی۔" اس کے چہرے پر پہلی بار خوشی کے ہلکے سے تاثرات نظر آئے۔

"بھئی اس میں کیا شک ہے۔ ہماری مجال ہے کہ نہ دیں۔"

"مجھے کام کیا کرنا ہوگا؟"

"ابھی کام شروع ہی کہاں ہوا ہے بی بی' آپ تو بلاوجہ ابھی سے فکر مند ہو گئیں۔ وہی کام ہوگا جو آپ آرام سے کر سکیں گی' البتہ یقین کریں آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔" طالوت نے کہا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں جناب کہ جو کوئی خدمت میرے سپرد کی گئی تن من سے پوری جان فشانی سے اسے انجام دوں گی۔" عذرا نے کہا۔

"چلو یہ بات بھی طے ہو گئی' اب تو اس موضوع کو چھوڑ دو۔" طالوت بولا اور وہ خاموش ہو گئی۔

لیکن اس کی نگاہوں میں شدید حیرت تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہم لوگوں کو دیکھنے لگی تھی اور اس کی یہ حیرت درحقیقت بجا تھی۔ اب فرشتے تو زمین پر آتے نہیں ہیں' وہ ہمارے بارے میں جو کچھ بھی سوچتی ٹھیک تھا۔

"اور عذرا بی بی' آپ اپنا مکمل تعارف نہیں کرائیں گی؟"

"جی۔ بس' میں نے بی اے کیا ہے۔ ایک چھوٹی سی بستی کے چھوٹے سے مکان میں رہتی ہوں۔"

"والدین ہیں؟"

"جی ہاں!"

"اور دوسرے بہن بھائی؟"

"دو بہنیں اور ہیں۔"

"بھائی؟"

"جی بھائی نہیں ہے۔"

"ہوں!" میں نے ناخوشگوار لہجے میں کہا "اچھا عذرا بیگم' ٹھیک ہے اگر آپ مجھے بھائی بنانے کو تیار نہیں ہیں تو میں کبھی آپ سے ضد نہیں کروں گا' حالانکہ ابھی ابھی میں نے آپ کو عذرا بہن کہا تھا۔"

عذرا نے آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھا' دیکھتی رہی اور پھر اس کی پلکیں جھک گئیں۔ اس نے آنکھیں جھکا لی تھیں۔

"اب بتائیے' بھائی کتنے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہوں!" طالوت غرایا "اگر تم نے صرف اسے بھائی کہا تو اچھا نہیں ہوگا۔ میں اس سے بڑا ہوں۔ دیکھو ہم دونوں کی صورت ایک جیسی ہے۔" اور عذرا نے نگاہیں اٹھا کر ہم دونوں کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی حیرت نمودار ہو گئی۔

"ٹھیک ہے نا۔ دو بھائی ہیں نا؟" طالوت نے پھر پوچھا اور عذرا رو پڑی۔ اس نے سسکتے ہوئے گردن اثبات میں ہلا دی۔

"واہ! ابے یار تصدق' تمہارا چپراسی کہاں مرگیا۔ چائے پلواؤ' دیکھو ہماری بہن آئی ہے۔" اور تصدق بے چارہ بار بار بیل بجانے لگا۔

جمشید صاحب بدستور خاموش تھے۔ ان کی آنکھیں ستاروں کی مانند چمک رہی تھیں جیسے اب سب کچھ آج ہی ان کے ہاتھوں سے نکل گیا ہو۔

چپراسی چائے لے آیا اور ہم نے عذرا کو پیالی اٹھانے اور چائے پینے کے لیے مجبور کر دیا۔ عجیب دکان داری تھی۔ عذرا کے ذہن میں یہ ساری باتیں فٹ ہی نہیں ہو رہی تھیں۔ جو کچھ ہوا تھا بے حد انوکھا تھا۔ بہرحال اس نے ہمارے ساتھ چائے پی اور خاصی حد تک پرسکون نظر آنے لگی۔

"بھئی تصدق! تم عذرا کا اپائنٹمنٹ لیٹر بنوا دو اور حسب روایت ایک ماہ کی تنخواہ بھی انہیں ابھی دے دی جائے۔ دراصل عذرا' ہماری فرم نے ابھی کام شروع نہیں کیا ہے۔ نیا نیا سلسلہ ہے اس لیے فرم کے افتتاح کی خوشی میں یہ طے کیا گیا ہے کہ سارے ملازموں کو ایک ایک ماہ کی تنخواہ پیشگی دے دی جائے۔ ایک طرح سے یہ فرم کی طرف سے انعام سمجھا جائے۔"

عذرا خاموشی سے گہری گہری سانسیں لیتی رہی۔ تصدق باہر چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آیا اور اس نے ایک کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔ یہ اپائنٹمنٹ لیٹر تھا۔ اس میں تنخواہ کا خانہ چھوڑ دیا گیا تھا۔ طالوت نے کاغذ میرے ہاتھ سے لے لیا اور پھر اسے اپنے پاس رکھ لیا۔

عذرا خاموشی سے چائے پیتی رہی اور پھر اس نے پیالی رکھی اور سوالیہ انداز میں ہماری طرف دیکھنے لگی۔

"مس عذرا! آپ نے اپنا لیٹر دیکھ لیا۔ اس میں آپ صائم بھائی کی سیکریٹری ہیں۔ اپائنٹمنٹ لیٹر میں آپ کی تنخواہ دو ہزار روپے ماہوار مقرر کی گئی ہے۔ فی الحال آپ اسے قبول کر لیں' بعد میں ہم اور بڑھا دیں گے۔" طالوت نے کہا۔

"جی؟" عذرا چونک پڑی۔ اس نے متحیرانہ نگاہوں سے ہماری شکلیں دیکھیں۔ اس کا سانس پھولنے لگا تھا۔

"آپ فکر نہ کریں مس عذرا! اس فرم کو آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ آپ ابتدا میں یہ تنخواہ قبول کریں' ہم ایک ماہ آپ کا کام دیکھ کر مزید بڑھا دیں گے۔ فی الحال آپ اس کے کم ہونے کا خیال نہ کریں۔"

عذرا کے حواس ایک بار پھر جواب دینے لگے تھے۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے پروانۂ تقرری کو دیکھا۔ یہ مذاق نہیں ہو سکتا تھا۔ خوب صورت لیٹر پیڈ پر باقاعدہ ٹائپ شدہ تحریر تھی جس پر میرے دستخط بھی تھے لیکن اتنی تنخواہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ اس بے چاری کو کیا معلوم تھا کہ وہ کن سرپھروں میں آ پھنسی ہے۔

"اب میں جاؤں؟" اس نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا۔

"ضرور۔ خدا حافظ۔ ہاں تصدق براہ کرم تم مس عذرا کو کیشیئر کے پاس لے جاؤ اور انہیں کمپنی کے اصول کے مطابق ایک ماہ کی تنخواہ ایڈوانس دلوا دو۔"

"میں بھی ان کے ساتھ چلا جاؤں؟" جمشید نے پوچھا۔

"ضرور چلا جائے۔" طالوت بھی اسی کی مانند منہ ٹیڑھا کر کے بولا۔ اور جمشید بھی اٹھ گیا۔ عذرا نے ہمیں سلام کیا اور پھر وہ جمشید اور تصدق کے ساتھ باہر نکل گئی۔

میں نے ایک گہری سانس لی تھی۔

"یہ جمشید بھائی کو کیا ہوا؟" طالوت متحیرانہ انداز میں بولا۔

"ہاں۔ یہ لڑکی تو ان کے پروگرام میں کسی طور شامل نہیں تھی۔" میں نے کہا۔

"تب اسے دیکھ کر صرف ہمدردی جاگ اٹھی ہو۔"

"ہاں!"

"ویسے لڑکی قابل رحم ہے۔"

"لیکن تقدیر کی سکندر ہے۔"

"کیوں؟"

"ظاہر ہے یہاں آئی اور ایسے وقت جب جہاں پناہ موجود تھے۔"

"ہو' عارف ایسی بات مت کہو۔ میں کیا حیثیت رکھتا ہوں' صرف اللہ کا کرم ہے۔ اس کے بندوں کی خدمت تو سب پر فرض ہے' جو جس حد تک یہ فرض پورا کر دے۔"

میں نے طالوت کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد تصدق واپس آگیا اور ہم نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا "جی' ادائیگی کر دی گئی ہے۔"

"کتنی؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں!" تصدق نے جواب دیا۔

"جمشید بھائی کہاں ہیں؟"

"اسے بس میں بٹھانے گئے ہیں۔" تصدق نے جواب دیا اور ہم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر ہمارے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر ہم سنجیدہ ہو گئے۔

"دعوت نامے تقسیم کر دیے گئے تصدق؟"

"جی ہاں۔ جو فہرست آپ نے عنایت کی تھی اس کے مطابق۔"

"ویری گڈ! شمشیر کو کارڈ بھجوایا؟"

"جی ہاں۔"

"کون لے گیا تھا؟"

"میں نے اپنے اسسٹنٹ شوکت کو بھیجا تھا۔"

"اس نے کچھ بتایا۔"

"جی ہاں۔ شمشیر نے کافی کرید کی لیکن میں نے اسے ہدایت کر دی تھی۔ اس نے سارے جواب گول مول دیے۔" تصدق نے مسکراتے ہوئے کہا اور ہم نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔

صرف شمشیر کی وجہ سے کارڈ ایسے چھپوائے گئے تھے کہ ان سے ہم لوگوں کی حقیقت نہ کھل سکے اور جب شمشیر آجائے تب اسے پتہ چل سکے۔ بہرحال خوب مزہ آنے والا تھا۔ بہت سی ضروری معلومات حاصل کرنے کے بعد ہم واپس چل پڑے۔ افتتاح کی تیاریاں مکمل تھیں اور اب کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔

راستے میں' میں نے طالوت سے اپنے مطلب کی باتیں شروع کر دیں "بہرحال افشاں کے معاملے میں جو کچھ ہوا ہے' میں اس سے خوش نہیں ہوں طالوت۔"

"خوش تو میں بھی نہیں ہوں لیکن ہمیں تنویر صاحب کو ایک چانس دینا چاہیے۔ ممکن ہے وہ اپنی اصلاح کر لیں ورنہ اس کے بعد ان کی ساری سابقہ حرکتوں کا بدلہ لے لیا جائے گا۔"

"ویسے وہ ہمارے چلے آنے کو محسوس تو کریں گے؟"

"ممکن ہے۔ ویسے اس وقت ان کی خاموشی مجرمانہ تھی۔"

"ابھی تو رات باقی ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"بیگم صاحبہ افشاں کی گفتگو کے بارے میں انہیں ضرور

Uploaded By Muhammad Nadeem

بتائیں گی۔"

"ہاں۔ چھپانا تو خطرناک ہوگا۔"

"دیکھ لیں گے یار۔" طالوت لاپرواہی سے بولا اور پھر چونک کر بولا "ارے سنو!"

"ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"دوپہر کا کھانا کھا کر چلیں گے۔ شام کی چائے اور رات کا کھانا بھی گول کریں گے۔"

"اوہ! دوپہر کا کھانا گول کردیں گے طالوت! لیکن۔۔۔"

"ہاں۔ لیکن کیا؟" طالوت نے پوچھا۔

"کل تو ہم وہاں سے چلے ہی جائیں گے۔ کوئی ایسا اظہار کرنے سے کیا فائدہ جس سے تعلقات میں براہ راست تلخی پیدا ہو۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" طالوت نے سنجیدگی سے کہا "تب پھر چھوڑو یار، کوئی خاص اظہار نہ کرو۔ بس کل ہم کسی قیمت پر نہیں رکیں گے۔" اور ہم دونوں متفق ہو گئے۔

گھر پہنچے اور دوپہر کے کھانے میں بھی شریک ہوئے۔ تنویر صاحب تو اس وقت بھی موجود نہیں تھے، نہ ہی ان سے شام کی چائے پر ملاقات ہوئی۔ موسم بے حد خوشگوار تھا۔ چائے کے بعد ہم باغ میں کھیلنے لگے۔ سب لوگ ساتھ تھے اور خوش گپیاں ہو رہی تھیں کہ دور سے جمشید آتا نظر آیا اور سب خوش ہو گئے۔

"یہ جمشید بھائی آج کل مستقل غائب رہنے لگے ہیں۔" سیمیں نے کہا۔

"کوئی پوچھتا بھی تو نہیں ہے بے چارے کو۔" افشاں نے کہا۔

"نہیں۔ یہ بات نہیں۔ بڑی ماں نے دوپہر کے کھانے پر بھی تشویش ظاہر کی تھی اور شام کی چائے پر بھی اسے خاص طور سے پوچھا تھا۔"

"بس وہی پوچھ لیتی ہیں۔"

"اتنا برا آدمی بھی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"جیسے سے آدمی لگتے ہی کہاں ہیں۔" افشاں ناک سکوڑ کر بولی اور جمشید قریب آگیا۔ وہ حسب عادت احمقانہ انداز میں ایک ایک کی شکل دیکھ رہا تھا اور سب خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے اور پھر جمشید احمقانہ انداز میں ہنسنے لگا۔ اس کی اس کھسیانی کھسیانی ہنسی پر سب کو ہنسی آگئی اور جمشید ایک دم اس انداز میں سنجیدہ ہو گیا جیسے اسے کسی غلطی کا احساس ہو گیا ہو۔

"کیا حال ہیں جمشید بھائی؟" افشاں نے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہائے۔ بٹ تم لوگ۔ تم لوگ اتنا سید کیوں ہائے؟" جمشید نے پوچھا۔

"بس ہائے۔" سیمیں نے کہا۔

"کیوں ہائے؟"

"ہائے۔" سیمیں اسی مسخرے پن سی بولی اور پھر ہنسی چھوٹ گئی۔

"آپ غائب کہاں رہنے لگے ہیں جمشید بھائی؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"ہائے بے چارے جمشید کو پتہ نہیں ہے۔" سیمیں نے کہا۔

"ارے کیا ہو گیا ہے؟" افشاں تشویش سے بولی۔

"سر کھو گئے ہیں۔" کمال نے لقمہ دیا۔

"کہاں کھو گئے؟" احسان بھی خاموش نہ رہ سکا۔

"گر پڑے ہوں گے کہیں۔ یہ لاپرواہ جو ہیں۔" کچھ نے کہا۔

"سنبھال کر رکھنے چاہیے تھے۔ سروں کے علاوہ اور تھا کیا ان کے پاس۔" افشاں نے کہا۔

"دیکھئے نا، آج کل یہ آدھے رہ گئے ہیں، کبھی مکمل ہی نظر نہیں آتے۔ جمشید بھائی! آپ نے گنار کہاں بیچ کھایا؟" کمال بولا اور جمشید کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بے چارہ خاموشی سے ہدف بنا ہوا تھا۔ پھر اس نے اسی پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا۔

"آپ سب لوگ اپنا اپنا بولی بولا مگر افشاں نے جو بات کیا وہ سب سے ٹاپ تھا۔" وہ بولا "سنبھال کر رکھنا چاہیے تھا۔ سروں کے علاوہ اور کیا تھا ہمارے پاس۔ آل رائٹ۔" اور پھر وہ مڑ کر واپس چلا گیا۔

"ارے، ارے۔ جمشید بھائی۔ جمشید بھائی!" سیمیں اور افشاں چیخیں لیکن جمشید رکے بغیر اندر چلا گیا۔ ہم لوگ بھی ششدر رہ گئے تھے۔ جمشید کی تھوڑی بہت کہانی معلوم ہی تھی۔ بڑی عمدہ بات ہو گئی تھی لیکن اس احمق کے دل پر چوٹ لگی۔ کچھ بھی ہو، بہرحال انسان تھا۔

"حضرات! میں اعلان کرتا ہوں، جمشید بھائی کو کچھ ہو گیا۔" کمال نے کہا۔

"واقعی۔ حیرت ناک بات ہے۔ ان کی سمجھ میں بھی کچھ آسکتا ہے۔" افشاں بولی۔

"لیکن انہیں ہو کیا سکتا ہے، عشق؟" سیمیں نے پوچھا۔

"ممکن ہے۔"

"لیکن اب ان کے عشق کا ٹو کس طرف دوڑا ہے۔



کس کی شامت آئی ہے؟"

"آئی ہوگی کسی نصیبوں ماری کی۔" شکیلہ نے کہا اور ہم اس نصیبوں والی کے بارے میں سوچنے لگے، جس کی سفارش جمشید نے کی تھی۔ پیاری سی، معصوم سی لڑکی!

کافی دیر تک باغ میں چہل قدمی ہوتی رہی، پھر موقع پاتے ہی افشاں نے کہا "صائم صاحب!"

"ہوں!"

"رات کے کھانے کے بعد آئیں گے؟"

"تمہارے پاس؟"

"ہاں۔"

"آجاؤں گا یا پھر کیوں نہ یہاں باغ میں آجائیں؟"

"باغ میں آجائیے۔ اس فوارے کے پاس۔"

"اوکے!" میں نے کہا اور افشاں مطمئن ہو گئی۔ رات کے کھانے کے بعد میں نے کچھ وقت سب کے ساتھ گزارا اور پھر جب سب اپنے اپنے کمروں کی طرف گئے تو میں طالوت کو پوزیشن بتا کر باغ کی طرف چل پڑا۔

میرے پہنچنے کے چند ہی منٹ کے بعد افشاں پہنچ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر دل آویز مسکراہٹ تھی۔

"آپ کو انتظار تو نہیں کرنا پڑا؟"

"نہیں۔ صرف چند منٹ گزرے ہیں۔"

"ایک بات کہوں۔ کیا اچانک ہمارے دنوں میں ایک دوسرے کی تڑپ بڑھ نہیں گئی ہے۔ آپ کے بارے میں سوچتے ہوئے تو میں یہی محسوس کرتی ہوں۔ یوں کہئے، اماں بی اور ابو کی بھی سی مخالفت نے ہماری محبت اور بڑھا دی ہے۔ ہم ایک دوسرے کے بارے میں زیادہ محبت سے سوچنے لگے ہیں۔" افشاں شرمیں انداز میں بولی۔

میں خاموشی سے اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔

"شاید کہا ہے میں نے؟" وہ مجھے خاموش پا کر بولی۔

"نہیں افشاں! اشارہ بھی محبت کی کوئی اہم طلب ہے۔" میں آہستہ سے بولا۔

"اب آپ کا کیا حال ہے؟" افشاں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"انتہائی پرسکون اور مطمئن ہوں۔" میں نے پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"خدا آپ کو ہمیشہ مطمئن اور مسرور رکھے۔" افشاں نے جواب دیا۔

"ہاں۔ مجھے خدا پر۔۔۔ اور افشاں پر پورا پورا بھروسہ ہے۔"

"میں کبھی آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گی۔"

"مجھے یقین ہے افشاں!"

"صبح کو امی سے بات ہوئی تھی۔"

"اوہ!" میں نے اس بات سے اجنبیت ہی مناسب سمجھی۔

"ہاں! میں نے ان سے کافی کھل کر بات کی ہے۔ میرا خیال ہے انہیں صورت حال کا اندازہ تو ہو چکا ہے۔ اب یہ بات ان پر منحصر ہے کہ وہ کتنی سمجھداری سے کام لیتے ہیں۔"

"خدا کرے وہ ہمارے درمیان کوئی دیوار نہ کھڑی کریں۔"

"اونہہ۔ ساری دیواریں گر جاتی ہیں صائم صاحب! آپ پرواہ نہ کریں۔"

"خدا کی قسم، اب کوئی پرواہ نہیں ہے لیکن افشاں اگر آپ اجازت دیں تو ایک درخواست کروں؟"

"ضرور!"

"آپ محسوس تو نہیں کریں گی؟"

"نہیں۔ آپ کہیں۔" افشاں نے پراعتماد لہجے میں کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ فرم کے افتتاح کے بعد ہم اپنے بنگلے میں منتقل ہو جائیں۔"

"اوہ! دوبارہ یہ خیال کیوں آیا؟ اس کا جواز کیا ہے؟"

"صبح کو آپ ناشتے پر موجود نہیں تھیں۔ نواب جلال الدین کے سامنے یونہی تذکرہ ہوا۔ تنویر صاحب بھی موجود تھے۔ انہوں نے اس بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ گویا ایک طرح سے وہ راضی تھے جبکہ اس سے قبل وہ اس بات کی شدید مخالفت کرتے تھے۔ خدانخواستہ اس بات سے تنویر صاحب کی کوئی شکایت مقصود نہیں ہے بلکہ میں سوچ رہا ہوں کہ یوں بھی اب ہمارے یہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے اور پھر ان دونوں حضرات کے رویئے میں کوئی تبدیلی ہوئی تو خواہ مخواہ رنج ہوگا۔"

افشاں سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی، پھر اس نے گردن اٹھا کر کہا "ٹھیک ہے صائم صاحب! لیکن اپنے اس رویئے پر انہیں خود ہی شرمندگی ہوگی۔" اس کے لہجے میں ترشی آگئی۔

"نہیں افشاں! اس موضوع پر آپ کوئی سختی نہیں کریں گی۔ یہ ضروری بھی ہے۔ بعد کے معاملات کے لیے ذرا کچھ فاصلہ ضروری ہے اور پھر میرا خیال ہے یہ مخالفت کسی عداوت کی مظہر نہیں ہے۔ تنویر صاحب بھی اسی رسمی دنیا کے انسان ہیں، جو جھوٹی انا کی خاطر غلط فہمیوں کو ضروری سمجھتی ہے۔"



Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں آپ سے اتفاق کرتی ہوں اور آپ دیکھیں گے کہ ان لوگوں کو اس بات کی کیا قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔"

"تو تمہاری طرف سے اجازت ہے؟"

"ہاں۔ اجازت کیا' بلکہ اب تو میں بھی یہی چاہتی ہوں۔" افشاں کی آنکھوں سے کوئی خیال جھلک رہا تھا۔ نہ جانے وہ اس بارے میں کیا سوچ رہی تھی۔ بہرحال کافی دیر تک ہم مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ افشاں کے انداز میں ذرا بھی تشویش نہیں تھی۔ وہ پورے یقین سے کہہ رہی تھی کہ وہی ہوگا جو ہم دونوں چاہتے ہیں۔ پھر ہم واپس چل پڑے۔

کمرے میں طالوت میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے اسے افشاں سے گفتگو کی تفصیل بتائی اور اس نے بھی مطمئن انداز میں گردن ہلائی "ٹھیک ہے عارف' یہی مناسب ہے۔ بیٹے انچاہا ہے معمولات میں کچھ تبدیلیاں ہی آئیں۔" اور میں ہنس دیا پھر ہم سو گئے اور دوسرا دن حسب معمول تھا۔ دن کے گیارہ بجے تک ہم کوٹھی میں رہے اور پھر اجازت لے کر نکل گئے۔ کارپٹ سینٹر پہنچے تو جمشید صاحب موجود تھے۔

"میری مانیں جمشید بھائی تو آپ امریکا کی سکونت ترک کر کے واپس اپنے وطن آجائیں۔ یہاں ہم کاروبار میں آپ کی مدد کریں گے اور وقتی طور پر تو یہ فرم حاضر ہی ہے۔"

"میرا دلی خواہش یہی ہے۔ بس ان لوگوں کو چھوڑنا بھی ممکن نہیں ہے ورنہ۔۔۔"

"اور رضا میں کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہے۔"

"کل آپ نے افشاں کی بات کا برا مانا تھا؟"

"او نہیں۔ افشاں ٹھیک بولی تھی۔ ہم ایک وہم قائق انسان ہائے گیا ہے ہمارے بارے۔ امریکن لوگ نہیں بلکہ انڈین بولتا ہے اور ہمارے ملک کا لوگ ہمیں امریکن بولے۔ نہ ہمارا وطن ہوتا نہ یہ۔ ایسا نوش لوگ کون ہوگا' جو اپنے وطن میں گھر اور عزت حاصل کرنے کی بجائے اپنا وطن ہی کھو بیٹھے۔ بس ایک گنار بائے جس کے ہم سب مرے ہوئے ہیں۔ ہم نے لات رات کو بتا دیا۔"

"ارے!" ہم دونوں چونک پڑے۔

"ہاں۔ اب ہم گنار نہیں ہوئے گا۔" جمشید نے کہا۔ اس کی آواز سپاٹ تھی لیکن چہرے کے تاثرات گمبھیر تھے۔ ہمیں اس کی کیفیت سے بہت دکھ ہوا تھا۔

"ان لوگوں نے واقعی بدتمیزی کی تھی جمشید بھائی۔ ہم انہیں ڈانٹیں گے۔"

"ارے نہیں نہیں۔ ٹھیک بات پر کسی کو ڈانٹنا مناسب نہیں ہائے۔ پلیز آپ ان لوگوں کو کچھ نہیں بولیں گا۔" جمشید نے کہا۔

"تصدق!" میں نے تصدق کو آواز دی۔

"جناب!"

"وہ عذرا آئی ہے؟"

"جی۔ وہ وقت پر آگئیں۔"

"کہاں ہیں؟"

"کاؤنٹر آفس میں بیٹھی ہیں جناب! میں نے سیکریٹری کی حیثیت سے ان کی سیٹ لگوا دی ہے اور ان کے طلب کرنے پر کچھ کام ان کے سپرد کر دیا ہے۔"

"ویری گڈ۔ اسے احساس نہیں ہونا چاہیے۔ ہم نے اسے مخصوص مراعات دی ہیں۔ ویسے جمشید بھائی! آپ اس سے ملنے کہاں گئے تھے؟"

"بس اپنا پرس اسے بس پر چھوڑنے۔"

"اس سے آپ کی جان پہچان کہاں ہوئی؟"

"ویٹنگ ہال میں۔ وہ خود ہم سے بولا کہ اسے نوکری کا ضرورت ہے۔ ہمیں اس پر ترس آیا۔"

"ترس' یا کچھ اور؟"

"اوہ سوری۔ کیا ہم غلط بولا ہے۔ اسے ترس نہیں بولتا؟" جمشید نے کہا۔

"بولتا تو ہے لیکن بہرحال آپ اتنے اچھے انسان ہیں کہ آپ پر شک کرنے کو دل نہیں چاہتا۔" میں نے کہا اور جمشید خاموش ہو گیا پھر میں نے تصدق سے کہا "تصدق! تم جمشید صاحب سے ضروری امور میں مشورے لیتے رہا کرو۔ بہرحال ان کا تعلق امریکا سے ہے۔ ایک جدید ترین ملک سے۔ بعض امور میں یہ مفید مشورے دیتے رہیں گے اور جمشید بھائی! براہ کرم آپ جب تک یہاں ہیں ہماری مدد کریں۔ آپ باقاعدہ دفتر آیا کریں۔ ہم آپ کو حقیر سا نذرانہ بھی پیش کر دیا کریں گے۔"

جمشید نے احسان مندی سے گردن جھکا دی تھی۔

"بعض اوقات تم ایسی پیاری باتیں کرتے ہو کہ روح خوش ہو جاتی ہے۔" دوپہر کو اپنی نئی کوٹھی جاتے ہوئے طالوت نے کہا۔

"مثلاً؟"

"اب جمشید کے بارے میں میرے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی۔ اس بے چارے کو کوئی گھاس نہیں ڈالتا' یہاں تک کہ بڑی ماں بھی اس کی طرف توجہ نہیں دیتیں۔ نہ



جانے اس کے پاس کچھ رقم بھی ہے یا نہیں۔ بظاہر تو اس کا کوئی خرچ نہیں ہے لیکن پھر بھی۔"

"ہاں یار۔ بہرحال وہ بھی ان لوگوں کی فہرست میں شامل ہو گیا ہے جو ہمارے پسندیدہ ہیں اور جنہیں ہماری مدد کی ضرورت ہے۔"

"بے شک!" طالوت نے جواب دیا۔ ان معاملات میں وہ بے حد سنجیدہ ہو جاتا تھا۔

کوٹھی کے گیٹ پر سے چوکیدار نے ہمیں سلام کیا۔ گو دروازہ خود کار تھا لیکن بہرحال چوکیدار کی ضرورت تو تھی۔ اس کے علاوہ تصدق کو دفتر ملازمت روانہ کر دیا گیا تھا جہاں سے اسے کوٹھی کے لیے ملازموں کا بندوبست کرنا تھا۔ ہم اندر داخل ہو گئے اور عمارت کا آخری جائزہ لینے لگے۔ ہر طرح سے مکمل عمارت تھی بس ملازموں کی کمی تھی۔

لیکن یہ کمی ٹھیک تین بجے پوری ہو گئی۔ تصدق ملازموں کی پوری فوج لے آیا تھا۔ ان میں خانساماں بھی تھے' بیرے بھی۔ گھر کی صفائی کرنے والی خادمائیں تھیں اور مالی بھی۔ تقریباً انیس افراد تھے۔ طالوت کے سامنے ضرورت مند آجائیں اور وہ کسی کو واپس کر دے ناممکن بات تھی۔ چنانچہ سارے ملازم رکھ لیے گئے۔ اس کے علاوہ دو خوب صورت کاریں بھی آج ہی خرید لی گئیں جن کے لیے ڈرائیوروں کا بندوبست بھی دفتر روزگار سے ہی کیا گیا۔ یوں آج سارے کام ہو گئے۔ ملازموں کے لباس کے لیے طالوت نے ہدایات جاری کر دی تھیں۔

اور میں دولت کے اس کھیل کو دیکھ رہا تھا۔ جو کام منہ سے نکلتا چٹکی بجاتے پورا ہو جاتا۔ کہاں ایسی زندگی گزارنی تھی' کہاں اپنا ... دیکھ رہا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا اور خود کو اس کھیل میں شامل پا کر ... سی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ یہاں کے سارے کاموں سے فراغت پا کر ہم واپس چل پڑے اور تنویر صاحب کے مکان پر پہنچ گئے۔

کوٹھی میں چہل پہل ... کی ریل پیل رواں دواں تھی۔ افشاں تھی۔ اس نے کل کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ لباسوں کا انتخاب ہو رہا تھا اور نہ جانے کیا کیا۔ ہمیں روحانی مسرت ہو رہی تھی۔ طالوت بھی خوش تھا۔ رات کے کھانے پر تنویر صاحب نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اپنے کچھ دوستوں کو بھی مدعو کیا ہے۔

"اگر آپ نہ کرتے تو مجھے دکھ ہوتا۔" طالوت نے کہا۔

"کاریں تم کو تو نہیں پڑے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں بھئی۔ وہ تو ضرورت سے بھی زیادہ پسند آگئے تھے۔" تنویر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب کل کا کیا پروگرام ہے بھئی؟ یقین کرو بڑی بے چینی سے وقت گزر رہا ہے۔ بڑے بڑے خیالی بت بنائے ہیں تمہاری اس فرم کے۔" نواب جلال الدین نے کہا۔

"ساری تیاریاں مکمل ہیں نواب صاحب۔ کوئی کام باقی نہیں رہ گیا ہے۔ درحقیقت تنویر صاحب نے ہمیں تصدق کی شکل میں ایک زبردست تحفہ دے دیا ہے۔ چراغ کے جن کی طرح ہر کام چٹکی بجاتے میں کر دیتا ہے۔"

"آدمی کچھ خوبیوں کا ضرور تھا لیکن میں نے اس کی اس صلاحیت کے بارے میں کبھی غور نہیں کیا تھا۔ بہرحال مجھے خوشی ہے کہ وہ تمہارے کام آسکا۔"

"کل کے پروگراموں کے بارے میں چند اہم باتوں کی اجازت چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"ہاں ہاں۔ اجازت اجازت۔" نواب جلال الدین جلدی سے بولے۔

"جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ کل ہی ہم اپنے مکان میں منتقل ہو جائیں گے۔ فرم کے افتتاح سے فراغت کے بعد ہم سب سیدھے وہیں چلیں گے اور میری مؤدبانہ درخواست ہے کہ نواب جلال الدین اور تنویر صاحب چند روز ہم غریب الوطنوں کے ساتھ گزاریں۔ آپ کو علم ہے کہ ہمارا یہاں آپ لوگوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اس مکان میں جا کر ہم خود کو تنہا محسوس کریں گے لیکن ہمارے بزرگ ہمیں وہاں کی عادت ڈال دیں گے تو ہم ممنون کرم ہوں گے۔"

تنویر صاحب کے چہرے پر الجھن نظر آئی۔ وہ کسی کشمکش کا شکار ہو گئے تھے۔ نہ جانے ان کی جذباتی کیفیت کیا تھی لیکن نواب صاحب سادہ لوحی سے بول پڑے۔

"ہاں یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔ حد ہو گئی۔ چند روز نہیں صاحب زادے' چند ہفتے کہو۔ بلکہ میں تو اب باقی وقت تمہارے گھر پر ہی گزاروں گا اور یہ تنویر۔ اس کی مجال ہے کہ۔۔۔"

"لیکن سوال یہ ہے جلال بھائی کہ انہیں وہاں جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" تنویر صاحب الجھے ہوئے انداز میں بولے۔

"کیا مطلب۔ یعنی اپنے گھر نہ جائیں۔ ساری زندگی تمہارے در پر پڑے رہیں۔"

"یہ کوئی غیر جگہ تو ہے نہیں۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے لیکن بچوں نے گھر بنایا ہے' اسے آباد کرنا بھی ضروری ہے۔ آج تنہا ہیں کل تنہا نہ ہوں گے۔



Uploaded By Muhammad Nadeem

اسے آباد کرنے کے لیے تمہیں پوری پوری مدد کرنا ہوگی۔"

"زندگی میں ایک دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ گھر آتے ہوئے ان لوگوں کا تصور آتا تھا تو ایک دلچسپی، ایک خوشی کا احساس ہوتا تھا لیکن نہ جانے کیوں۔ نہ جانے کیوں۔" تنویر صاحب کچھ کہتے کہتے رک گئے پھر گردن ہلاتے ہوئے بولے "حالانکہ یہ سب کچھ کہنے کا حق نہیں رکھتا۔ یہاں ان کے ساتھ برا سلوک بھی ہوا ہے لیکن غلط فہمیاں بعض اوقات نہ جانے کیا کیا گل کھلاتی ہیں۔"

"اوہ! وہ ہماری زندگی کا ایڈونچر تھا تنویر صاحب۔ براہ کرم اسے بالکل بھول جائیں۔" طالوت جلدی سے بولا۔

"لیکن۔۔۔ لیکن تمہیں ابھی مکان کی کیا ضرورت تھی۔ قصور تمہارا تو نہیں ہے۔" تنویر صاحب نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"قصور۔ کیسا قصور؟" نواب جلال الدین بولے اور تنویر صاحب چونک پڑے۔

"ہاں، میں یہی کہہ رہا تھا۔" وہ گھبرا گئے "بہرحال خدا تمہیں مبارک کرے مجھے جو حکم دو گے اس سے انکار نہیں ہوگا۔" تنویر صاحب بولے۔ ان کے چہرے پر اداسی پھیل گئی تھی۔

اور رات کو طالوت نے اس بارے میں خاص طور سے تذکرہ کیا "تم نے تنویر صاحب کی کیفیت دیکھی؟"

"ہاں۔ دل کا برا انسان نہیں ہے۔"

"غور کیا۔ اس کے منہ سے کیا نکل گیا تھا؟"

"قصور والی بات کر رہے ہو؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں!"

"ویسے یہ بات ٹھیک ہی ہے۔ آخر اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

"جی ہاں۔ کسی کے گھر میں زبردستی آگھسے، اس کی بیٹی کو شیشے میں اتار لیا اور اب کہہ رہے ہو قصور تمہارا نہیں ہے۔"

"اس میں بھی تمہاری حرکتیں مددگار تھیں۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"اچھا۔ بس اب سو جاؤ۔ کل کا دن مصروف ترین دن ہے۔" طالوت نے کروٹ بدل کر کہا اور میں نے فوراً اس کے حکم کی تعمیل کی۔ میری آنکھوں میں مستقبل کے خواب جاگ اٹھے۔ وہ حسین مستقبل جس میں افشاں جیسی شریک حیات، قدم قدم کی ہم سفر ہوگی۔ گو وہ منزل دور تھی اور اس کی راہ میں کچھ دیواریں تھیں لیکن افشاں کی ثابت قدمی نے اور طالوت کی دوستی نے یہ یقین دلا دیا تھا کہ دیواریں کتنی بھی ہوں، کیسی بھی ہوں گر ضرور جائیں گی۔

دوسرے دن خاصی چہل پہل تھی۔ میرے ذہن میں ایک کھلبلی تھی۔ بڑی ماں نے تنویر صاحب کو افشاں سے ہونے والی گفتگو بتائی یا نہیں اور اگر بتا دی ہے تو تنویر صاحب کا ردعمل کیا ہے لیکن ناشتے پر تنویر صاحب اور دوسرے سبھی لوگ نارمل تھے۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس تھا۔ راسم کی انگوٹھی ابھی تک میرے پاس تھی۔ مجھے ایک رات اور بڑی ماں اور تنویر صاحب کے گھر سے نکلوانی تھی۔ پوزیشن تو معلوم ہو جاتی۔ بہرحال اب تو وقت گزر گیا تھا۔ ممکن ہے افشاں کوئی انکشاف کرے۔

ناشتے کے وقت تنویر صاحب کچھ اداس تھے۔ اس بات کو سب نے ہی محسوس کر لیا "کیا بات ہے تنویر، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" نواب جلال الدین نے پوچھا۔

"ہاں بھائی صاحب۔ کیوں؟"

"بس یونہی کچھ تھکے تھکے سے محسوس ہو رہے ہو۔"

"ان لوگوں کے جانے کے تصور سے اداس ہو رہا ہوں۔ درحقیقت ان سے بڑی چہل پہل تھی۔"

"اوہ! تنویر! اس کی بات مت کرو۔ جس وقت یہ جلال آباد میں تھے اس وقت ہماری حالت اس سے زیادہ خراب تھی۔ شکر کرو، یہ اس شہر سے نہیں جا رہے۔ بھئی تم تو واقعی خوش نصیب ہو۔ چند میل کے فاصلے پر رہو گے۔ میں تو جلال آباد جا کر یہاں کی تفریحات کو زندگی بھر نہیں بھول سکوں گا۔ ممکن ہے مجھے بھی یہاں ہی بندوبست کرنا پڑے۔"

"سچ ابا جان۔ یہاں ایک مکان خرید لیں۔ جلال آباد کارندوں کے حوالے کر دیں۔ بس کبھی کبھی جا کر دیکھ بھال کر لی جائے گی۔ کبھی آپ کبھی احسان۔ ہم سب یہیں رہیں گے۔ یہاں زندگی ہے۔" سیمیں نے کہا اور نواب صاحب پُر خیال انداز میں گردن ہلانے لگے۔

"پھر جب یہ اچانک چلے آئے تو ہفتوں پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا کسی نے۔ ایمان سے پورے جلال آباد پر سوگ طاری رہا تھا۔" سیمیں نے کہا۔

"اچانک چلے آئے تھے یہ لوگ؟"

"ارے بس نہ پوچھو۔ تڑپا چھوڑ آئے تھے سب کو۔ میں نے سیکڑوں میل کھنگال ڈالے۔" نواب صاحب نے کہا اور پھر دوسرے لوگوں کو ہمارے گھوڑوں پر فرار ہو جانے کا قصہ سنانے لگے۔

"اللہ! مگر انہوں نے ایسا کیوں کیا؟" بڑی ماں بولیں۔

"کوئی بری نیت نہیں تھی۔ بس نہیں چاہتے تھے کہ ہم لوگوں کا رونا دھونا دیکھیں۔" نواب صاحب نے کہا اور پھر بولے "ہاں تو حضرات! ہمارے لائق کوئی خدمت ہے؟"

"بس دعاؤں کی ضرورت ہے۔ کارکن سارے کام مکمل کر لیں گے۔ ہم یہاں سے چار بجے چلیں گے۔"

"اوہ، گویا مدعی سست اور گواہ چست والی بات ہے۔ تمہاری مرضی بھئی۔"

"یہ بات نہیں ہے جناب۔ سارے معاملات اطمینان بخش ہیں۔ دراصل عین وقت پر چل کر ہم آپ سے اپنے انتظام کی داد وصول کرنا چاہتے ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"بھئی تم لوگ کیا کر سکتے ہو، اس کا فیصلہ تو کوٹھی دیکھ کر ہی ہو گیا۔" تنویر صاحب مسکراتے ہوئے بولے اور نواب صاحب کا سینہ فخر سے پھول گیا۔ دوپہر کا کھانا "الوداعی کھانا" تھا اس لیے خصوصی اہتمام کیا گیا تھا۔ اس کے بعد رات کو تو ہماری کوٹھی میں دعوت تھی۔ یہاں بھی ایک اداس کیفیت تھی۔ ہاں دوپہر کے کھانے کے بعد افشاں ہمارے کمرے میں آ گئی۔

وہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور ہم دونوں نے اس کا خیر مقدم کیا "ارے عادل بھائی! وہ بے چاری شکیلہ آپ کو تلاش کرتی پھر رہی ہے۔" افشاں نے کہا۔

"اے کل کی لڑکی، سیدھی بات کر۔ درخواست کر تو چلے جائیں گے۔" طالوت اکڑ کر بولا اور افشاں ہنس پڑی۔

"حضور۔ سرکار مائی باپ۔ بندی التجا کرتی ہے۔" وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"ہوں ٹھیک ہے۔ اچھا۔ کیا یاد کرو گی۔" طالوت نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں اور افشاں ہنس پڑے تھے اور پھر افشاں پیار بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ کر بولی۔

"حضور! کنیز کے لیے بھی تو کوئی کام تجویز کیا ہوتا؟"

"کیا ہے۔" میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"حکم؟"

"میرے لیے لباس کا انتخاب کریں۔" میں نے کہا اور افشاں کھو سی گئی۔ وہ ایک لمحے کے لیے مجھے دیکھتی رہ گئی

"کیوں، زیادہ مشکل کام ہے؟"

"ایسی بات نہ کہیں۔ آپ تھوڑی دیر کے لیے باہر جائیں گے تو میں آپ کا لباس نکال دوں گی۔"

"بہتر ہے۔" میں نے آنکھیں بند کر کے گردن جھکا دی۔

"اور کوئی کام بتائیں؟"

"بتاؤں؟" میں نے اسے شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی۔ ضرور۔"

"دوسرا کام افتتاح کے بعد۔ جس وقت بھی موقع ملے آپ انجام دیں گی۔"

"ہاں ہاں، حکم دیں۔" افشاں نے کہا۔

"آپ میری دونوں آنکھوں کو بوسہ دیں گی۔ میری ساری کاوشوں کا ماحاصل ہوگا۔" میں نے دوسری طرف رخ کر کے کہا۔ افشاں کا چہرہ میری نگاہوں سے پوشیدہ تھا اس لیے اس کے تاثرات نہ پڑھ سکا لیکن اس کی خاموشی بہت سی کہانیاں سنا رہی تھی۔

"اور بتائیے۔" بالآخر اس کی آواز ابھری لیکن اس میں ایک شرگیں کپکپاہٹ تھی۔

"اوہ، باقی یہ کہ آپ آج کے انتظامات کے بارے میں صحیح رائے سے نوازیں گی۔"

"مجھے یقین ہے آپ نے سب کچھ ٹھیک ہی کیا ہوگا۔" افشاں پیار بھرے انداز میں بولی۔

"نوازش۔ مہربانی۔ ارے ہاں۔ اس بارے میں اور کوئی خاص بات؟"

"کس بارے میں؟"

"آپ نے بڑی ماں سے جو کچھ کہا تھا انہوں نے تنویر صاحب سے اس کا تذکرہ کیا ہوگا یا نہیں؟"

"آپ ابھی تک اسی معاملے میں الجھے ہوئے ہیں؟"

"ہاں افشاں! پلیز، مجھے بتاؤ۔"

"میرا خیال ہے کہ اماں جی گول کر گئیں۔ ان کی ہمت نہیں پڑی ہوگی۔" افشاں نے کہا۔

"ہاں۔ تنویر صاحب کے رویے میں کوئی نمایاں تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔"

"ہوگی بھی نہیں۔ ویسے میں عرض کروں، گھر میں سب آپ سے محبت کرتے ہیں۔ یہ جو بات ہوئی ہے صرف ایک ایسے تصور سے ہوئی ہے جو پرانے والدین کے ذہنوں میں ہوتا ہے۔ صرف دنیا کا خوف لیکن کوئی بات نہیں۔ بچے ہیں، آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائیں گے۔" افشاں نے آخر میں مسخرے انداز میں کہا۔

"جی ہاں، جی ہاں!" میں نے پُرزور تائید کی اور افشاں ہنس پڑی اور پھر سنجیدہ ہو کر بولی۔

"ارے ہاں، افتتاح کون کرے گا؟"

"آپ تیار نہیں ہیں؟"

"نہیں پلیز۔ تماشا نہ بنوائیں۔" افشاں نے عاجزی سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ پھر آپ فیصلہ فرمادیں۔" میں نے کہا۔
"نہیں۔ اس بارے میں آپ کے ذہن میں کوئی تصور تو ہوگا؟"
"ہاں ہے تو سہی لیکن اگر آپ متفق نہ ہوئیں؟"
"تو آپ کو منع کردوں گی۔" افشاں نے کہا۔
"واقعی؟"
"کیوں؟ کیا میں منع نہیں کرسکتی؟"
"یہ بات آپ بخوبی جانتی ہیں۔" میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
"تبھی تو کہہ رہی ہوں۔" افشاں نے جواب دیا۔
"تب سنیے۔ ابھی یہ بات میرے، عادل اور تصدق کے درمیان ہے۔ ہم بوا سے افتتاح کرائیں گے۔"
"بوا سے؟" افشاں ہنس پڑی۔
"ہاں اور اس کے بعد انھیں تحائف پیش کیے جائیں گے۔"
"ایمان سے بہت شریر ہیں آپ دونوں۔" افشاں ہنستی ہوئی بولی۔
"آپ کی منظوری چاہیے؟"
"خوشی سے منظور۔ دل سے منظور، بلکہ بہت محبوب" افشاں نے کہا۔
"خدا کا شکر ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔
"اب چلتی ہوں۔ ممکن ہے ناول بھائی موجود ہوں اور دروازے کے پاس سے ہماری باتیں سن رہے ہوں۔" افشاں ہنستی ہوئی بولی اور میں نے اسے خدا حافظ کہہ کر رخصت کردیا۔

شام کو ٹھیک پونے چار بجے ہماری تمام کاریں تنویر صاحب کی کوٹھی پر پہنچ گئیں۔ ان میں دو قیمتی کاریں ہمارے استعمال کی تھیں۔ باقی اسٹاف وین، اسٹاف کاریں تھیں جن پر کارپٹ سینٹر کے مونوگرام تھے۔ باوردی ڈرائیور گاڑیوں کو قطار میں کھڑا کرکے ان کے نزدیک مودب کھڑے ہوگئے۔ ملازموں نے اندر آکر اطلاع دی تھی۔ سب تیار تھے اور ہال میں بیٹھے خوش گپیاں کررہے تھے۔
"چلیے حضرات!" میں نے کھڑے ہوکر درخواست کی اور سب کھڑے ہوگئے لیکن کوٹھی کے بیرونی دروازے کے باہر کا منظر دیکھ کر ایک لمحے کے لیے سب ٹھٹک گئے۔
"ماشاء اللہ۔ ماشاء اللہ!" نواب جلال الدین کے منہ سے نکلا۔ ڈرائیوروں نے جھک کر گاڑیوں کے دروازے کھول دیے۔ میں نے پیار بھری نگاہوں سے افشاں کی طرف دیکھا۔
"حضور کے لیے سفید رنگ کی کار ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔
"نوازش!" افشاں کا چہرہ فرط مسرت سے سرخ ہورہا تھا پھر گاڑیوں کی ترتیب یوں رہی۔ سفید رنگ کی عظیم الشان کار میں نواب جلال الدین، میں، 'افشاں' بیگم اور کمال تھے۔ سرمئی رنگ کی کار طالوت کی تھی۔ اس میں تنویر صاحب، بڑی ماں، شکیلہ، طالوت اور ایمان تھے۔ دوسرے لوگ بھی تھے جیسے بوا اور کچھ دوسرے افراد۔ بہرحال گاڑیاں کافی تھیں۔ میں چور نگاہوں سے افشاں کو دیکھ لیتا تھا۔ اس کا چہرہ گلنار ہورہا تھا۔ آنکھیں مسرت سے چمک رہی تھیں۔
راستے میں مکمل خاموشی رہی۔ اس شان و شوکت کی نواب جلال الدین کو بھی امید نہیں تھی۔ ہمارے بارے میں وہ بہت کچھ جانتے تھے لیکن پھر بھی کوئی حد ضرور ہوتی ہے۔ کوئی کھیل کہیں جاکر ختم ہوتا ہے۔ جلال آباد خرید کر نواب جلال الدین کو دے دیا تھا۔ معمولی بات نہیں تھی اور اب یہ سب کچھ۔ کوٹھی دیکھ کر ہی ان کی آنکھیں کھلی تھیں اور ابھی تو ایک معمولی سی جھلک انھوں نے دیکھی تھی۔ ابھی تو بہت کچھ باقی تھا۔
تھوڑی دیر کے بعد ہم کارپٹ سینٹر کی شاندار عمارت میں داخل ہوئے۔ بینڈ بج رہے تھے۔ تصدق نے خوب ہنگامے کیے تھے۔ بے شمار مہمان آچکے تھے۔ دلچسپ بات جو ہم نے دیکھی وہ یہ تھی کہ شمشیر، تصدق کے پاس کھڑا تھا۔ عقب میں جمشید بھائی موجود تھے۔
تصدق نے آگے بڑھ کر ہمارا استقبال کیا۔ یہ انوکھی بات تھی حالانکہ ہمیں مہمانوں کا استقبال کرنا چاہیے تھا لیکن مہمان ہمارا استقبال کررہے تھے۔ ویسے روح رواں تصدق تھا اور اس وقت وہ ایک قیمتی سوٹ میں خوب جچ رہا تھا۔ بے شمار لوگوں نے ہم سب کو پھولوں میں لاد دیا۔ عظیم الشان ہال میں ایک اسٹیج بنایا گیا تھا جس پر مائیک وغیرہ لگے ہوئے تھے۔
نواب جلال الدین بھی اس وقت کھوئے ہوئے تھے۔ ایک ایک چیز دیکھ رہے تھے۔ ہال کی ڈیکوریشن اور دوسرے کام پھر مہمانوں سے تعارف ہوا۔ بڑے بڑے لوگ تھے۔ شہر کے سربرآوردہ جن کا تعلق ہر محکمے سے تھا۔ یہ تنویر صاحب کی کارروائی تھی۔ انھوں نے جان بوجھ کر ایسے لوگوں کو مدعو کیا تھا جن سے مستقبل میں ہمارا واسطہ پڑسکتا تھا۔
بہرحال اس کے بعد کارروائی شروع ہوگئی۔ عمارت اتنی بڑی تھی کہ یہ بے شمار مہمان ایک ہال میں ہی سما گئے تھے۔ مہمانوں کی خاطر مدارات کا ٹھیکہ ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل کو دے دیا گیا تھا۔ سرخ سفید وردی میں ملبوس بیرے ٹرالیاں لیے پھر رہے تھے، جن میں شراب کے علاوہ ہر چیز موجود تھی۔
اس کے بعد افتتاح کا وقت آیا۔ شوروم کے دروازے پر فیتہ لگا ہوا تھا، جس کو کاٹنے والے کے نام کا ابھی اعلان نہیں ہوا تھا۔ بالآخر اس کا اعلان بھی تصدق نے کیا۔ بوا اس وقت اس کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھیں۔ تصدق نے کہا۔
"معزز مہمانوں سے درخواست ہے کہ متوجہ ہوں۔ آج کا مہمان خصوصی جس ہستی کو منتخب کیا گیا ہے، اس سے ہمارے کچھ جذبات وابستہ ہیں۔ بزرگ ہی ہمارے رہنما اور راہبر ہوتے ہیں۔ پہلے وہ ہماری پرورش کرتے ہیں اس کے بعد ہمیں زندگی کے راستوں پر گامزن کرتے ہیں۔ ابتدا میں ان کا عمل ہمارے جسم اور ذہن کی نشوونما کرتا ہے اور بعد میں ان کی دعائیں راہبر ہوتی ہیں۔ چنانچہ کارپٹ سینٹر کے افتتاح کے لیے جناب عادل و جناب صائم نے بوا یقین کو منتخب کیا ہے۔"
تصدق نے بوا کا ہاتھ اونچا کردیا۔
"اے ہٹ۔ یہاں بھی باز نہیں آتا کم بخت۔" بوا نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑالیا اور دانت پیس کر بولیں۔ کچھ مہمانوں نے قہقہے لگائے تھے اور تصدق گھبرائے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔ بوا تو وہاں بھی دو چار جڑ سکتی تھیں۔ نواب صاحب اور تنویر صاحب نے پرجوش تالیاں بجائی تھیں۔ تصدق آگے بڑھا۔
"تشریف لے چلیں بوا!"
"ارے کہاں بھیا۔ ہائے اتنے سارے مردوں میں میری جان تو ویسے ہی ہلکان ہوئی جارہی ہے۔"
"ہمارے چھوٹے سے کاروبار کا افتتاح آپ کریں گی۔"
"مجھ سے کرانا ہے بھیا۔ کسی اور سے کرالو۔" لجاجت سے بولیں۔
"اوہ، بوا! ہم آپ کو بتادیں گے۔ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ہم آپ کے ہاتھوں کی برکت چاہتے ہیں۔"
"اے میرے مولا۔ میں کیا کروں!" بوا بری طرح گھبرا رہی تھیں۔
"مری کیوں جارہی ہیں بوا۔ سب کے سامنے مذاق بنوا رہی ہیں۔ کوئی مل تو نہیں چلانا پڑے گا آپ کو۔" میں نے کہا۔ افشاں اور شکیلہ ہنس رہی تھیں۔
"چلو۔ اللہ تمہیں سلامت رکھے۔" بوا آگے بڑھیں۔ مہمان پیچھے پیچھے چل رہے تھے "اے یہ موئے یوں پیچھے لگ گئے ہیں۔ دیکھو تو سب کے سب چلے آرہے ہیں۔"
"ارے ارے بوا یہ ہمارے مہمان ہیں۔" افشاں آواز دبا کر بولی۔
"تو یہ بھی آئیں گے؟" بوا بولیں۔
"ہاں۔ ظاہر ہے۔ آپ نے انھیں بلایا ہے۔"
"ارے لو۔ قسم لے لو، ایک سے بھی کہا ہو۔ میں کیوں بلاتی ان مٹ گیوں کو۔" بوا اپنی پوزیشن صاف کرنے لگیں۔
"اچھا اچھا ٹھیک ہے چلتی رہیں۔"
"اب یہ سب میرا تماشا دیکھیں گے۔" بوا ہلکان ہوئی جارہی تھیں۔ انھیں گمان بھی نہیں تھا کہ ان کے اوپر ایسی بیتے گی۔ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہورہا ہے۔
"اے جمشید!" بوا نے رازدارانہ انداز میں جمشید سے کہا۔
"یس یس۔ کیا بولتا پڑتا بوا؟" جمشید جھک گیا۔
"کیا ہوگا بیٹا اور کیا کریں گے اب یہ سب؟"
"وہ! اب یہ قینچی لائیں گا اور سب کا سامنے تمہارا چوٹی کاٹیں گا۔" جمشید نے آہستہ سے کہا لیکن میں نے سن لیا تھا۔ بلاشبہ اس نے بدمعاشی کی تھی۔ بوا سہم کر رک گئیں۔ دوسرے لوگوں نے جمشید کی بات نہیں سنی تھی۔ سب بوا کو پیچھے سے دھکیل رہے تھے اور بوا کا رنگ زرد ہوگیا تھا۔ ان کی کوئی سن تو رہا نہیں تھا، بس انھیں سولی پر لٹکانے لے جایا جارہا تھا۔ اتنے لوگوں کے سامنے زیادہ بول بھی تو نہیں سکتی تھیں۔ اچھی تقریب میں آئی تھیں۔ بالآخر انھیں فیتے کے قریب لاکر کھڑا کردیا پھر ایک ملازم ہاتھوں میں چوڑی کشتی لے کر قریب پہنچ گیا جس میں قینچی رکھی ہوئی تھی۔
بوا نے قینچی دیکھی تو ان کے رہے سہے اوسان خطا ہوگئے۔ چکر آنیا کرنے لگیں اور سنبھلنے کے لیے تنویر صاحب کا سہارا لیا پھر لرزتی ہوئی آواز میں بولیں "اے بچے۔ اس آخری عمر میں مجھے بے عزت ہونے سے بچالو۔ ہائے چوٹی کٹ گئی تو لوگ کیا کہیں گے۔ کہاں منہ کالا کیا تھا۔"
"ارے تو اور کیا کررہے تم سب مل کر۔ کیا مجھے صرف ذلیل کرنے کے لیے یہ دھوم دھام نہیں کی تھی؟"
"براہ کرم بوا۔ کوئی ایسی ویسی بات نہ کریں۔ اس وقت تمام لوگوں کی نگاہیں آپ پر ہیں۔ آپ کو صرف اتنا کام کرنا

Uploaded by Muhammad Nadeem

ہے کہ اس قینچی سے فیتہ کاٹ دیں۔"
"کیا کاٹ دیں؟" بوا چونک کر بولیں۔
"یہ رنگین فیتہ۔" تنویر صاحب نے فیتے کی طرف اشارہ کیا۔
"اسے کاٹنے سے کیا ہو جائے گا؟"
"بس صرف یہی کام ہے آپ کا۔"
"اے لو۔ کہاں گیا یہ جمشید۔ کہہ رہا تھا میری چوٹی کٹ گی۔" بوا کے چہرے کی رونق واپس آگئی "اے بھیا' تم جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو گے۔ اسے کہاں گیا یہ جمشید؟" لیکن جمشید اب لوگوں کے ہجوم میں کھسک گیا تھا۔

ضروری کارروائیاں ہو چکی تھیں اور اب فیتہ کٹنے کا وقت قریب گیا تھا۔ چنانچہ بوا سے درخواست کی گئی۔ طالوت نے جھک کر ان سے یہ فیتہ کاٹنے کے لیے کہا۔

"اے کیوں کٹوا رہے ہو۔ اتنا خوب صورت تو ہے۔ میں گانٹھ کھول دوں گی۔ اسے کٹوا مت۔" بوا نے کہا۔
"او ہو۔ بوا۔ یہ ضروری ہے۔" طالوت بولا۔
"تمہاری مرضی۔ تمہاری چیز ہے مجھے کیا۔" بوا نے قینچی اٹھائی اور پھر فیتہ کاٹ دیا۔ چاروں طرف سے تالیاں گونج اٹھی تھیں اور پھر مبارک بادیں برسنے لگیں۔ پھر تمام معزز مہمانوں کو فرم کے مختلف شعبے دکھائے جانے لگے۔ شوروم دکھایا گیا۔ پوری عمارت کی سیر کرائی گئی۔ لوگوں کی آنکھوں میں تحسین کے آثار تھے اور پھر سب واپس ہال میں آگئے' جہاں چند دعائیہ تقریریں ہوئیں جن میں نواب جلال الدین اور تنویر صاحب کی تقریر بھی شامل تھی۔ انہوں نے اپنے پر خلوص جذبات کا اظہار کیا تھا پھر اخباری نمائندوں نے ہمارے کاروبار کے بارے میں کچھ سوالات کیے اور میں نے انہیں بتایا کہ فی الحال ہم دنیا کے مختلف ممالک کو قالین ایکسپورٹ کریں گے اور پھر اپنی فیکٹری میں بھی لگانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

بہرحال انتہائی شان دار رہی تھی یہ تقریب پھر اس کا اختتام ہو گیا۔ مہمان رخصت ہونے لگے۔ بے شمار لوگ چلے گئے اور جو باقی بچے تھے' جا رہے تھے۔ شمشیر اور اس کی بیوی رقیہ بھی دوسرے مہمانوں کے ساتھ شریک رہے تھے۔ بالکل الگ تھلگ' اجنبی اجنبی سے اور پھر اس وقت وہ بھی دوسروں کے ساتھ جانے لگا تو میں نے طالوت کو اشارہ کیا۔ طالوت نے شمشیر کو لپک لیا۔ نواب صاحب' تنویر صاحب اور دوسرے افراد بھی یہاں موجود تھے۔
"ارے ارے شمشیر صاحب! یعنی آپ مسلسل زیادتی کر رہے ہیں۔" طالوت نے اسے روکتے ہوئے کہا اور وہ چونک کر رک گیا۔ اس نے عجیب سی نگاہوں سے ہم سب کو دیکھا۔ اس کی بیوی کے چہرے کے تاثرات اب بھی مخلصانہ تھے اور وہ مسکرا رہی تھی۔
"خیریت؟ کیا زیادتی ہو گئی میری جانب سے؟" اس نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"یعنی یوں لگتا ہے جیسے آپ سے کوئی قرابت داری ہی نہیں ہے۔ عام مہمانوں کی طرح آئے ہیں اور عام مہمانوں کے سے انداز میں واپس جا رہے ہیں۔" طالوت نے کہا۔
"اوہ! مجھے کوئی فوقیت حاصل ہے؟"
"یقیناً۔ نواب صاحب سے آپ کے جو بھی تعلقات ہوں' تھوڑی سی قربت تو ہم سے بھی ہے۔"
"کمی نہیں ہو گئی ہے۔ ویسے میں آپ کی اس کاوش کی داد ضرور دوں گا جو آپ نے خود کو چھپانے کے لیے کی۔"
"اوہ۔ شکریہ' لیکن میں سمجھا نہیں؟" طالوت نے کہا۔
"مجھے آخر وقت تک ہوا نہیں لگنے دی کہ یہ عمارت کس کی ہے اور اس میں کیا ہو رہا ہے؟"
"اوہ! ہم نے کئی بار سوچا کہ آپ سے اس بارے میں مشورہ کریں لیکن فرصت ہی نہیں مل سکی۔"
"خیر' کچھ نہ کچھ تو آپ کو کہنا ہی ہے۔" شمشیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"بہرحال اب تو ہم لوگ ہم پیشہ بھی ہو گئے اور پھر دیرینہ تعلقات۔ مجھے مسرت ہو گی اگر آپ دونوں یعنی خاتون اور آپ' رات کا کھانا بھی ہمارے ساتھ ہی کھائیں۔"
"معاف کیجئے گا جناب' ویسے میں یہ نہیں پہچان سکا کہ آپ عادل ہیں یا صائم؟"
"عادل!" طالوت نے جواب دیا۔
"جی عادل صاحب! تو میں عرض کر رہا تھا کہ یہ ممکن نہیں ہے اور نہ ہی مناسب۔ ہم ایک دوسرے کے کاروباری حریف ہوں گے اور مستقبل میں بڑے بڑے معرکے بھی ہوں گے اس لیے ہمیں ابھی سے تیاری کر لینا چاہیے۔ یہ دوستانہ آشنا ہم میں سے کسی کو راس نہیں آئے گی۔" شمشیر نے عجیب سی ہنسی ہنستے ہوئے کہا اور پھر ہم دوسروں کی طرف دیکھتے ہوئے بولے "اجازت حضرات؟"
"آپ کی مرضی شمشیر صاحب! ویسے آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے گھوڑے ہمارے معمولی سے ٹٹو کے مقابلے میں بھی پٹ جاتے ہیں۔" طالوت بھی کم نہیں تھا۔
"ٹھیک ہے۔ اس ریس کورس میں بھی قسمت آزمائی



کریں گے۔ ممکن ہے اس بار آپ کا ٹٹو نہ دوڑ سکے۔" شمشیر نے کہا اور اپنی بیوی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھ گیا۔
طالوت نے قہقہہ لگایا تھا "شمشیر تو ٹٹو بن کر رہ گیا ہے نواب صاحب!"
"کمینے باپ کا کمینہ بیٹا۔ اس کی فطرت ہی خراب ہے۔" نواب صاحب دانت پیس کر بولے۔
"لیکن یہ شمشیر کو عادل اور صائم سے کیا پرخاش ہے؟ میں نے ریس کورس میں بھی محسوس کیا تھا۔"
"بس یہ خدا واسطے کے بیروں میں سے ہے۔ جہنم میں جائے" نواب صاحب بولے۔ مہمان رخصت ہوتے رہے اور پھر سارے مہمان چلے گئے۔ تصدق' جمشید اور کمال ایک جگہ کھڑے تھے۔ سارا اسٹاف دست بستہ تھا۔ تب طالوت نے سب کو اشارہ کیا اور واپس ہال میں آ گیا پھر اس نے تصدق سے کہا کہ پورے اسٹاف کا تعارف کرایا جائے اور سب کی حیثیت بتا دی جائے۔ چنانچہ فرم کے یک و تنہا مالک کی حیثیت سے میرا نام بتایا گیا۔ تصدق کو منیجر کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ خود طالوت نے کوئی حیثیت قبول نہیں کی تھی۔ تمام لوگوں نے مجھے مخلصانہ مبارک باد دی اور پھر ایک مختصر سی تقریر میں نواب جلال الدین نے' تنویر صاحب نے اپنے خلوص کا اظہار کیا اور ملازموں سے کہا کہ وہ دیانت داری سے اپنے فرائض انجام دیں۔
اس کے بعد میں نے بھی چند جملے کہے اور طالوت کی ہدایت کے مطابق اعلان کیا کہ افتتاح کی خوشی میں مزید ایک ایک ماہ کی تنخواہ ملازموں کو بطور انعام ادا کی جائے گی۔ اس کے بعد میں نے اپنے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وہ میرے ساتھ بھرپور تعاون کریں اور یہ تصور لے کر یہاں آئیں کہ اپنی زندگی کی ایک اہم ذمے داری پوری کرنے آئے ہیں۔ ان کا کام ہو گا اور میرا کام یہ ہو گا کہ اس کاروبار میں جان ڈالنے کے علاوہ اپنے ایک ایک کارکن کا خیال رکھوں۔ آپ میں سے کوئی شخص خواہ وہ کسی عہدے پر فائز ہو' ہر وقت میرے پاس آ کر کاروباری اور ذاتی گفتگو کر سکتا ہے۔ اپنی کسی تکلیف' اپنے کسی مسئلے کو فوراً میرے سامنے پیش کر سکتا ہے۔
کارکنوں نے اس تقریر کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد بوا کو تحائف پیش کیے گئے اور پھر کارکنوں کو رخصت کی اجازت دے دی گئی۔ پھر ہم کوٹھی چل پڑے۔
کہیں بھی' کسی بھی انتظام میں جھول نہیں تھا۔ صرف ان شان دار انتظامات پر ہی تصدق کی تنخواہ دگنی کر دی گئی۔ کوٹھی بجھ نور بنی ہوئی تھی۔ اسے دلہن کی طرح سجا دیا گیا تھا۔ میرا دل مسرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس وقت ذہن و دل پر کوئی بار نہیں تھا۔ بہرحال دوسرے تکلفات شروع ہو گئے۔ رات کی پہلی دعوت کھائی گئی جس کے بارے میں کوئی تذکرہ فضول ہے۔ بس وہ سب کچھ تھا جو ہو سکتا تھا۔ نواب جلال الدین اور تنویر صاحب کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔
پھر ان کی نشست میں انہوں نے یہ سوال کر ہی ڈالا۔
"میرا تو خیال ہے صائم میاں! تم نے یہاں بھی اپنی ایک ریاست کی چھوٹی سی برانچ ہی بنا ڈالی۔"
"او ہو جناب! یہ ممکن نہیں تھا۔ میری ریاست تو خوابوں کی ایک دنیا ہے۔ وہاں جو کچھ ہے اس کا تصور بھی یہاں نہیں کیا جا سکتا۔"
"بھئی ہم تو احساس کمتری کا شکار ہو گئے۔" تنویر صاحب بولے۔
"آپ ہمیں شرمندہ کر رہے ہیں۔ آپ بزرگوں کی محبت ان ساری چیزوں سے زیادہ قیمتی ہے۔" میں نے کہا۔
"خدا تمہیں خوش رکھے۔" نواب جلال الدین بولے۔
"ہاں بھئی' یہ احمق انسان کیا بکواس کر رہا تھا؟" تنویر صاحب بولے۔
"کون؟" نواب صاحب نے چونک کر کہا۔
"یہی شمشیر!"
"اوہ! وہ کچھ نہیں۔ حشمت بذات خود بھی اچھا انسان نہیں تھا' اس کی اولاد بھی اس جیسی ہے۔"
"لیکن یہ کہہ کیا رہا تھا؟"
"ظاہر ہے ان دونوں کا ایک ہی کاروبار ہے۔"
"میرا تو خیال ہے عادل اور صائم میاں نے یہ کاروبار اسی کے لیے کیا ہے؟" تنویر صاحب بولے۔
"ہاں۔ بات کچھ ایسی ہی ہے۔ کیوں صائم میاں! چھپاؤ گے؟"
"نہیں جناب! آپ سے چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ شمشیر کی فرم کے سامنے یہ جگہ صرف اسی خیال سے خریدی گئی تھی۔ ہم اس مونچھ کو انسان بنانا چاہتے ہیں اور بن جائے گا۔ مشکل نہیں ہو گی۔" طالوت نے جواب دیا۔
"اور اس چھوٹی سی بات کے لیے تم نے یہ سب کچھ کر ڈالا؟"
"نہیں۔ یہ بات نہیں نواب صاحب۔ دراصل صائم میاں کو یہ علاقہ' یہ لوگ پسند آ گئے انہوں نے یہاں قیام کا فیصلہ کر لیا۔ اب یہاں ان کے لیے کوئی مشغلہ بھی ضروری



Uploaded By Muhammad Nadeem

تھا۔ چنانچہ کچھ کرنا ہی تھا' سو یہ کر ڈالا تاکہ تھوڑی سی تفریح بھی رہے۔"

"خوب تفریح ہے بھائی' لیکن اس احمق نے تمہیں چیلنج کیا ہے؟"

"پہلے بھی کیا تھا ایک بار۔" نواب صاحب نے حقارت سے کہا۔

"ہم اسے جواب دیں گے۔"

"زندگی خراب کر بیٹھا ہے احمق کہیں کا۔ کیا مقابلہ کرے گا۔" نواب صاحب منہ بنا کر بولے۔

"لطف رہے گا نواب صاحب! میں تو ایک اور درخواست کروں گا۔" میں نے کہا۔

"کیا؟" نواب جلال الدین بولے۔

"آپ واقعی جلال آباد سے یہاں آجائیں۔ اس عمارت میں تنہا زندگی تو مشکل سے گزر سکے گی۔ جلال آباد آپ کارندوں کے حوالے کر دیں اور یہاں ہی کوئی کاروبار کر ڈالیں۔"

"بھئی میں تو سادہ دل انسان ہوں۔ درحقیقت یہی کر بیٹھوں گا۔" نواب جلال الدین بولے۔

"اور آپ جانتے ہیں نواب صاحب' ہم بھی مصلحت آمیز گفتگو کے قائل نہیں ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"ہاں جانتا ہوں۔"

"بس تو یہ مبارک فیصلہ آج ہی ہو جائے۔" میں نے کہا۔

"مشورے کے لیے وقت نہیں ملے گا؟"

"ابھی ووٹنگ ہو جاتی ہے۔" طالوت بولا۔

"میں اس قرارداد کی پر زور حمایت کرتا ہوں۔"

"ہم بھی۔ ہم بھی۔ ہم بھی۔" چاروں طرف سے آوازیں ابھریں اور سب نے ہاتھ اٹھا دیے۔ ان میں تحسین اور احسان بھی تھے۔

"میں بھی اپنے بچوں ہی میں خوش رہ سکوں گا۔ میری زندگی ہی کتنی ہے لیکن صائم میاں میری کچھ شرائط ہوں گی۔"

"سب منظور۔" میں نے کہا۔

"بس تو اپنی کوٹھی کے قریب ہی میرے لیے بھی ایک عمارت تعمیر کراؤ اور کاروبار کا انتخاب کرو۔"

"ٹھیک ہے۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔" طالوت نے کہا۔

"بس پھر میرے یہاں آنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔" نواب صاحب نے کہا اور پر جوش تالیاں بجا بجا کر ان کے اس فیصلے کا خیر مقدم کیا گیا۔ سب بے حد خوش و خرم نظر آرہے تھے۔ پھر فرم کے بارے میں گفتگو شروع ہو گئی۔ اس کے بارے میں ان لوگوں کا خیال تھا کہ پورے ملک میں اس کی ٹکر کی کوئی فرم نہیں ہو گی۔ غرض خاصی رات گئے تک ہنگامے جاری رہے اور پھر سونے کی ٹھہری۔ ملازموں نے سارے کمرے تیار کر دیے تھے۔ مہمانوں کو ان کے کمروں میں پہنچا دیا گیا۔ میں اور طالوت بھی اپنے اپنے کمروں کی طرف چل پڑے۔

"آج سے ہم تم علیحدہ ہو گئے۔" طالوت نے کہا۔

"خدا نہ کرے۔ کیوں؟"

"میرا مطلب ہے رات کو۔ ظاہر ہے اپنے اپنے کمروں میں سوئیں گے۔"

"جی ہاں۔ آپ تو خدا سے یہی چاہتے ہوں گے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

"میں دیکھ چکا ہوں' آپ کی راج ہنس کا کمرا آپ کے کمرے سے کتنی دور ہے۔"

"تیرا بھی فیصلہ جلد ہو جائے گا یار۔" طالوت ہنستے ہوئے بولا پھر چونک کر کہنے لگا "ایک بات تو بتا عارف!"

"ہوں!"

"ہم دونوں کے تعلقات کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟"

"ہم دونوں سے مراد؟"

"شکیلہ اور میں!"

"کسی خیال کی گنجائش ہے؟" میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔ صرف ایک خیال کی۔"

"وہ کیا؟"

"ہم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ اکثر رات کو بھی یک جا ہوتے ہیں لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا۔ ہم دونوں پاکیزگی کی حدود میں ہیں اور اس وقت تک پاکیزگی کی حدود میں رہیں گے جب تک اخلاقی اور مذہبی طور پر ایک دوسرے کے نہ ہو جائیں۔ اس بات کو ذہن میں رکھنا اور کبھی غلط نہ سوچنا۔"

"احمق ہو پورے۔ میرے ذہن کے کسی گوشے میں کوئی غلط تصور نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"شکریہ!" طالوت نے کہا اور مسکراتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ میں بھی اپنے کمرے میں واپس آگیا۔ مسرت و شادمانی بدن کے روئیں روئیں میں سرایت کر گئی تھی۔ بہت ہی خوش تھا لیکن کمرے کی تنہائی پسند نہیں آئی۔ دل میں آرزو ابھری۔ کاش! افشاں یہاں ہوتی' کاش! اس کمرے میں تنہائی نہ ہوتی۔

لیکن انتظار کرنا تھا۔ انتظار۔ ابھی کچھ وقت لگے گا۔

میں نے مسہری پر لیٹ کر سوچا اور سونے کی کوشش کرنے لگا ورنہ خیالات کے ہجوم میں سونے کی گنجائش ہی کہاں تھی۔ کروٹ بدل لینے سے نیند تھوڑی آجاتی ہے۔ یہ جب سب کچھ ہوا تھا' یہ جو کچھ تھا' سونے کہاں دیتا تھا۔ خیالات چپکے سے ذہن کے گوشوں میں در آتے اور نہ جانے کہاں کہاں بھٹکانے لگتے۔

رات گزرتی رہی اور پھر آہستہ سے کمرے کے دروازے پر دھکا لگا۔ میں نے دروازہ بند نہیں کیا تھا' کھل گیا اور افشاں مسکراتی ہوئی اندر آگئی۔

میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ افشاں مسکرا رہی تھی۔

"کیا اجازت لینی چاہیے تھی؟" اس نے پوچھا۔

"شرمندہ کر رہی ہیں افشاں!"

"ہرگز نہیں' اور خدا آپ یہ بالکل نہ کہیں کہ مجھے اس طرح نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"نہیں کہوں گا بیگم۔"

"شکریہ! دراصل ذاتی مبارک باد دینا تھی نا۔"

"ہاں۔ میں اسے وصول کرنے کے لیے بے چین تھا۔"

"یقینی تھی آپ جاگ رہے ہوں گے۔"

"واقعی!" میں نے مسرور نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"کیوں یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟" افشاں نے مسکرا کر کہا اور میں بے تاب ہو گیا۔ میں نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے اور افشاں آہستہ آہستہ میرے قریب پہنچ گئی۔ اس نے میرے سینے پر سر رکھ دیا۔ میرا سینہ فرط مسرت سے پھٹنے لگا۔ ہم دونوں پہلی بار بے تاب ہوئے تھے۔ میرے ہاتھ افشاں سے لپٹ گئے تھے۔ افشاں کے ہاتھوں کی لرزش بھی نمایاں تھی۔ اس نے میرے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھ دیے تھے۔ کئی منٹ تک ہم اسی طرح رہے۔ ہم ساری دنیا کو بھول گئے تھے۔

پھر میں نے آہستہ سے افشاں کو علیحدہ کر دیا۔ افشاں کی پلکیں بوجھل تھیں۔ اس کے چہرے پر ایک شرمگیں مسکراہٹ تھی۔

"میری طرف سے دلی مبارک باد قبول کریں۔" بانا فز اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

"آپ بھی افشاں بیگم! ظاہر ہے میں تو آپ کے غلام کی حیثیت رکھتا ہوں۔" میں نے کہا اور افشاں نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ایسا نہ کہیں۔ کنیز تو میں ہوں' ہمیشہ کے لیے۔" اس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"آنے والا وقت بتائے گا افشاں کہ آپ کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔" میں نے کہا اور افشاں بیٹھ گئی پھر کئی منٹ تک خاموشی زبان بنی رہی اور پھر اس نے کہا۔

"واقعی آپ نے بڑا طلسمی ماحول پیدا کر دیا ہے۔ یہ سب جادو نگری کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اتنی خوب صورت کوٹھی اور ایسا عظیم الشان شوروم بنایا ہے آپ نے کہ بس۔"

"مہربانی۔ نوازش!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ شمشیر کیا لاف و گزاف کر رہا تھا؟"

"احمق ہے بے چارہ۔ بہرحال دلچسپی رہے گی۔"

"اس کی بیوی اس سے مختلف ہے۔ آج بھی اس نے ہم سے ملنے کی کوشش کی لیکن میرا خیال ہے شمشیر نے اس کو تاکید کر دی ہے کہ ایسا نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس نے فوراً ہی ٹھاپہ مار دیا اور اسے ساتھ لے گیا۔"

"ٹھیک ہے۔ اس کا خیال رکھا جائے گا۔"

افشاں کافی دیر تک مجھ سے بات چیت کرتی رہی اور پھر اجازت لے کر اٹھ گئی۔ اس کے جانے کے بعد بڑی پر سکون نیند آئی اور صبح کو ہی آنکھ کھلی۔ میں سب سے بعد میں جاگا تھا۔ تمام لوگ نشست کے ہال میں موجود تھے۔ ایک ملازم نے اطلاع دی۔ چنانچہ سارے کام نہایت پھرتی سے کیے اور تیار ہو کر وہاں پہنچ گیا۔

سب اخبارات دیکھ رہے تھے۔ بہت سے اخبارات نے ہماری فرم کے بارے میں تفصیلات چھاپی تھیں۔ بے شمار تصاویر موجود تھیں لیکن شمشیر نے انتہائی جلد بازی میں ایک دلچسپ حرکت کی تھی۔ تقریباً سارے ہی اخبارات میں اس کی فرم کے بڑے بڑے اشتہارات تھے۔ اسے شاید گمان بھی نہ ہو گا کہ اخبارات ہمارے بارے میں اس قدر دلچسپی لیں گے۔ اس نے تو بڑی رقم خرچ کی تھی لیکن اس کے اشتہارات ہماری فرم کی خبروں میں دب گئے تھے۔

اسی بات پر دلچسپ تبصرے ہو رہے تھے۔ میں بھی ان میں شامل ہو گیا۔

"بھئی کاروباری مقابلہ تو بری چیز نہیں ہے۔ ہاں اس میں جنون کا انداز احمقانہ ضرور ہو جاتا ہے۔" تنویر صاحب

Uploaded By Muhammad Nadeem

نے کہا۔

"شمشیر کے ارادے ان اشتہارات سے پتہ چلتے ہیں۔ اس نے معمولی تگ و دو نہ کی ہوگی۔" نواب جلال الدین بولے۔

"ہاں' یہ حقیقت ہے۔"

"بہرحال اب کیا پروگرام ہے؟"

"کس بارے میں نواب صاحب؟" میں نے پوچھا۔

"بس فرم آج سے کام شروع کردے گی۔ ویسے سارے شعبے تصدق کے پاس ہیں اور اسے اجازت مل گئی ہے کہ جو مناسب سمجھے کرے اور تصدق کی انتظامی صلاحیتیں آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔"

"ہوں!" نواب صاحب گردن ہلانے لگے۔ اس کے بعد ناشتے کا وقت ہوگیا اور ہم سب ڈائننگ ہال میں پہنچ گئے۔ ناشتا ہوا اور پھر ہم نے دفتر جانے کی تیاری شروع کردی۔ ہم نے سب لوگوں سے اجازت لی اور اپنی اپنی کاروں میں بیٹھ کر چل پڑے۔ جمشید ہمارے ساتھ تھا۔ یہ شخص بھی خوب تھا' ہماری سمجھ میں تو نہیں آیا۔

دفتر کا سارا دن کافی دلچسپ تھا۔ طالوت تو چیچے ہٹ گیا تھا۔ اس نے کسی معاملے میں کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ میرے کمرے میں صرف میری سیکریٹری عذرا تھی اور میں۔ عذرا ایک مستعد لڑکی تھی۔ دوپہر کا کھانا ہم نے آفس میں ہی کھایا اور اس کے بعد تصدق فرم کے پبلسٹی منیجر کے ساتھ حاضر ہوگیا۔ اور پبلسٹی کی اجازت دے دی پھر مارکیٹنگ منیجر سے میٹنگ ہوئی اور بہت سے امور طے کیے گئے۔ مثلاً چند ایجنٹ اس سلسلے میں منتخب کیے گئے کہ وہ بڑی بڑی کمپنیوں' بینکوں اور دوسری فرموں سے رابطہ قائم کریں اور ان سے مستقل ٹھیکے لیں ایسے ہی بہت سے امور۔

خواب کے دن' خواب کی راتیں گزرنے لگیں۔ تنویر صاحب نے بھرپور تعاون کیا۔ پورے ایک ہفتے وہ ہمارے ساتھ رہے اور پھر اجازت لے کر چلے گئے۔ البتہ نواب جلال الدین ایک طویل عرصے کے لیے آئے تھے۔ چنانچہ گھر کے امور نواب صاحب نے سنبھال لیے۔ میں' احسان اور شکیلہ گھر میں رہتے تھے۔

شمشیر سے معرکہ آرائی شروع ہوچکی تھی' جس کی ابتدا پبلسٹی سے ہوئی۔ اخبارات بھی پوری طرح متوجہ ہوگئے تھے۔ شمشیر برابر مقابلہ کررہا تھا۔ اس کا اشتہار ہمارے اشتہارات سے پیچھے نہیں ہوتا تھا لیکن احمق ہمیشہ کا تھا۔ صرف اخباری اشتہارات پر اکتفا کررہا تھا جبکہ ہمارے ایجنٹوں نے چھ سفارت خانوں' تین بینکوں اور بیس بڑی بڑی فرموں اور کمپنیوں سے ٹھیکے لے لیے تھے اور چند روز کے اندر اندر سپلائی شروع ہونے والی تھی۔ تصدق اس کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ بھیا جمشید کا بھی کوئی جواب نہیں تھا۔ صبح کو بڑی باقاعدگی سے آفس آتے۔ تھوڑی دیر میرے کمرے میں بیٹھتے اور پھر نہ جانے کہاں مارے مارے پھرتے۔ کبھی ہمارے ساتھ ہمارے ہاں رہتے اور کبھی تنویر صاحب کے پاس چلے جاتے۔ تصدق نے انہیں اچھی خاصی رقم دی تھی جسے تھوڑی سی ردوکد کے بعد انہوں نے قبول کرلیا تھا اور پھر ایک دن انہوں نے ایک ایسی تجویز پیش کی کہ ہم دنگ رہ گئے۔

شمشیر کے مسئلے سے وہ بھی دلچسپی لیتے تھے اور اپنی احمقانہ باتوں سے نوازتے رہتے تھے۔ اس وقت طالوت بھی میرے پاس ہی بیٹھا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر عذرا بیٹھی کچھ کاغذات درست کررہی تھی۔

"میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے صائم بھائی!"

جمشید کی بات پر ہم چونک پڑے۔

"ارشاد۔ ارشاد!" طالوت بولا۔

"ہماری سپلائی شروع ہونے والی ہے' کیوں نہ ہم نقلی گاہک کے ذریعے شمشیر کا سارا اسٹاک بھی خرید لیں۔ زیادہ اشتہار ہی بنائیں اور پھر اس کی ورائٹی ہم سپلائی کریں۔ شمشیر کی تو دکان ہی خالی ہوجائے گی۔ وہ فوری طور پر کہیں سے مال بھی نہ حاصل کرسکے گا۔ پھر خالی اشتہارات دینے سے فائدہ!" اور اس تجویز پر ہم دنگ رہ گئے۔ نہایت ہی عمدہ تجویز تھی۔

○☆○

جمشید نے جو تجویز پیش کی وہ اتنی شاندار تھی کہ ہم متحیر رہ گئے تھے۔ کم از کم سادہ لوح جمشید سے اس عمدہ تجویز کی توقع نہیں تھی۔ کئی منٹ تک خاموشی چھائی رہی اور جمشید ہمارے اچانک اس طرح خاموش رہ جانے سے کچھ بوکھلا گیا تھا۔ وہ احمقانہ انداز میں ایک ایک کی شکل دیکھ رہا تھا۔

جب کوئی کچھ نہ بولا تو خود اس نے بھنچی بھنچی آواز میں کہا "میرے سے کوئی غلطی ہوگیا کیا؟"

"اوہ۔ نہیں جمشید صاحب۔ فیصلہ کررہے ہیں کہ اس تجویز پر آپ کے لیے کون سا پرائز مقرر کیا جائے۔ آپ نے اتنی لاجواب بات کی ہے کہ ہم حیران رہ گئے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ جمشید صاحب کی تجویز پر عملی کارروائی فوراً شروع ہوجانی چاہیے۔" طالوت نے کہا۔

"یقیناً!"

"اور اسے نہایت خفیہ رکھا جائے۔ صائم' تصدق کو طلب کریں۔" طالوت بولا اور چند منٹ کے بعد تصدق موجود تھا۔ طالوت نے جمشید کی تجویز تصدق کے سامنے پیش کردی اور تصدق بھی خوش ہوگیا تھا۔

"نہایت عمدہ خیال ہے جناب۔ ہم بروکرز کے ذریعے بات چیت کرسکتے ہیں۔" تصدق نے کہا۔

"اوہ' نہیں مسٹر ناسازک! بروکر لوگ کسی کا نہیں ہوتا۔ بات ان سے آؤٹ بھی ہوسکتا ہے۔" جمشید نے پھر دخل دیا۔

"پھر آپ کے ذہن میں کوئی اور تجویز ہے؟"

"ہاں۔ آسانی سے کام ہوسکتا ہے۔ ہم کسی بھی آدمی کو اس پر تیار کرسکتا ہے۔ وہ مڈل ایسٹ کے کسی شیخ کا نمائندہ بن کر جائے اور ایک بڑا ڈیمانڈ کرے یہیں کیش پر خریدنے کا پیشکش کرے۔ مال اگر شمشیر کے اسٹاک سے بھی زیادہ مانگا جائے اور قیمت اچھا لگایا جائے تو شمشیر اپنا سارا کوشش کرے گا اور جہاں جہاں سے مال لے سکتا ہے لے گا اور پھر اس کے بعد اس کے پاس کیا رہ جائے گا۔"

"یار جمشید! خدا کی قسم اب ہم مرشد کی بولی بولنا شروع کردیں گے۔ بھائی صبح ہی صبح کوئی غلط چیز کھائی تھی۔ میرا مطلب ہے مٹن وغیرہ۔ کیا غضب کی چل رہی ہے تمہاری کھوپڑی۔" میں سچ مچ متحیر ہوگیا تھا۔

"صائم بھائی!" طالوت چیخا۔

"ہوں؟" میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"جمشید کی تنخواہ میں دو ہزار روپے کا اضافہ۔"

"منظور!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تصدق کو پوری تجویز بتادی گئی۔ کسی مقامی آدمی کو کچھ لے دے کر عرب بنا دینا مشکل نہیں تھا۔ اس تجویز کے تیسرے دن ہی ہمارا نمائندہ شمشیر تک پہنچ گیا اور شام کو اس نے اطلاع دی کہ شمشیر ڈیل کرنے پر تیار ہوگیا ہے۔ اس نے ایک ہفتے کے اندر اندر آرڈر کی تکمیل کرنے کا وعدہ کرلیا ہے۔ اسے ایک بڑا ایڈوانس دے دیا گیا اور جس شخص کو معاوضے پر ہم نے اپنا نمائندہ بنایا تھا اس کے تیش ہوگئے۔ شمشیر نے اسے اپنی کوٹھی میں قیام کی پیشکش کی تھی لیکن ہماری ہدایت پر اس سے معذرت کرلی گئی پھر بھی شمشیر اس کی خدمت پر لگا رہا۔ اس کے سارے نمائندے کام کررہے تھے اور وہ چاروں طرف سے مال اکٹھا کررہے تھے۔

پھر ایک دن جمشید نے تصدق سے گفتگو کرکے ایک بڑا اسٹاک طلب کیا اور تصدق نے اس کی ڈیمانڈ میرے سامنے پیش کردی۔

"اوہ۔ جمشید ٹھیک ہے لیکن یہ آرڈر تم کہاں سپلائی کروگے؟" میں نے پوچھا۔

"اوہ۔ میں اپنے طور پر بھی کام کرتا مسٹر صائم۔ اگر آپ اجازت دیں تو۔ ویسے میں نے ریٹ بہت اچھا دیا ہے۔ آپ دیکھو۔"

"ہاں ریٹ بہت عمدہ ہے۔ ٹھیک ہے تصدق۔ جمشید کو مال سپلائی کردو۔"

"بہت بہتر جناب!" تصدق نے جواب دیا اور جمشید نے فوراً ایڈوانس پیش کردیا۔ مال کی ڈلیوری ملتے ہی اس نے پوری قیمت بھی ادا کردی۔ درحقیقت یہ جمشید بہت عمدہ جا رہا تھا۔ طالوت بھی اس سے بہت خوش تھا۔

"میرا خیال ہے صائم' ہمیں جمشید کے مہیا کیے ہوئے آرڈر سے تقریباً دو لاکھ کا فائدہ ہوا ہے۔"

"ہاں!" میں نے جواب دیا۔

"اس کا کمیشن ہونا چاہیے۔"

"ضرور۔ ظاہر ہے دوسرے لوگ بھی یہی کام کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ منافع سے پانچ فی صد اسے دے دو۔"

"شمشیر کا مسئلہ نمٹ جائے' اس کے بعد اسے ادائیگی کردیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہاں۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" طالوت نے میری بات سے اتفاق کیا۔

بہرحال ٹھیک ایک ہفتے کے بعد شمشیر نے آرڈر کی تعمیل کردی اور اس کے سارے گودام خالی ہوگئے۔ عظیم الشان اسٹاک ہمارے گوداموں میں آگیا لیکن اس اسٹاک میں وہ مال دیکھ کر ہم حیران رہ گئے جو جمشید نے سپلائی کیا تھا۔ فوری طور پر جمشید سے رابطہ قائم کیا گیا اور وہ مسکراتا ہوا ہمارے پاس پہنچ گیا۔

"تم سے وہ مال کس نے خریدا تھا جمشید' جو تم نے سپلائی کیا تھا؟"

"شمشیر نے۔" جمشید شرماتا ہوا بولا۔

"کیا مطلب؟"

"ہم نے بروکر کے ذریعے اپنے آدمی کو وہ مال بھی دکھایا اور اس نے ہمارے پروگرام کا مال اسے بہت پسند کیا اور کہا کہ جتنا مال ہو شامل کردیا جائے۔ شمشیر دوسرے مال کی ساکھ کے لیے اسے خریدنے پر مجبور ہوگیا۔ بڑے آرڈر کو ...

Uploaded By Muhammad Nadeem

کرنے کے لیے اسے یہ نقصان اٹھانا پڑا اور اس نے بڑھ کر سے اسٹاک مانگ لیا۔ اس طرح ہمیں تھوڑا فائدہ اور ہو گیا۔" جمشید نے شرماتے ہوئے بتایا اور ہمارے منہ حیرت سے کھل گئے۔

یہ ایسی زبردست کاروباری چال تھی جسے ایک خطرناک کاروباری ذہن ہی سوچ سکتا تھا لیکن یہ کام اس احمق جمشید نے کیا تھا۔ ہم سناٹے میں رہ گئے تھے اور ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ جمشید کیا چیز ہے۔

"کیا یہ بات تصدق کے علم میں تھی؟"

"نہیں مسٹر صائم! یہ کام ہم نے ہی کیا۔ اس سے نقصان بھی تھوڑا کم ہو گیا اور شمشیر کا منافع تقسیم ہو کر کم ہو گیا۔" جمشید نے جواب دیا۔

"اب تم ہمیں پاگل کر دو گے جمشید۔"

"او... کیا غلطی ہو گئی؟" جمشید بوکھلا کر بولا۔

"یار جمشید! خدا کی قسم کھل جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" طالوت نے کہا۔

"کیسے کھل جائے؟" جمشید نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"صائم! صائم! اس شخص سے کہو اپنی اصلیت اگل دے ورنہ خدا کی قسم مجھے غصہ آ جائے گا۔" طالوت پیشانی مسلتے ہوئے بولا۔ میں نے جمشید کی طرف دیکھا۔ وہ بوقوں کی طرح منہ پھاڑے بیٹھا تھا اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے کھلواؤں۔ وہ تو کھلا بیٹھا تھا۔

"اس کے علاوہ ہم ایک کام اور کیا۔" جمشید نے کہا۔

"وہ کیا؟ وہ بھی فرما دیجیے۔" طالوت نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ہم نے شمشیر کے ان ٹھکانوں کا پتہ لگایا جہاں سے وہ مال لیتا ہے۔ ان دنوں وہ مال حاصل کرنے کے لیے دوڑ رہا تھا اور ہم اس کے پیچھے تھا۔" جمشید نے کہا۔

"سبحان اللہ! وہ کیا، آپ نے؟ طالوت نے میری طرف اشارہ کیا۔

"میرا خیال ہے عادل' جمشید کو آج پکڑ کر لے چلیں گے' بند کر لیں گے اور اس وقت تک ان کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے جب تک یہ حضرت اپنی اصلیت نہیں اگل دیں گے۔"

"کیا خیال ہے جمشید؟" میں نے پوچھا اور جمشید چونک پڑا۔

"کیا ہوا صائم بھائی؟"

"کہاں کھو گئے تھے؟"

"ایک اور آئیڈیا کھوپڑی میں اتر رہا تھا۔" جمشید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ابھی تھوڑے دن شمشیر کو آرام کرنے دیا جائے۔ اس کے بعد اسے دوسرا دورہ دیا جائے۔"

"وہ کیا پیارے جمشید؟" میں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہمارے جس نمائندے نے شمشیر سے اتنا بڑا ذخیرہ خریدا ہے' وہ دوبارہ بھی [illegible] اس کے ساتھ بیانا ہے اور اس بار وہ پہلے سے بھی بڑی [illegible] مانگ لے گا۔"

"اچھا۔ پھر؟"

"وہ ریٹ اتنا ہائی رکھے گا کہ [illegible] کرنے کے لیے پاگل ہو جائے اور پھر ہمارا بروکر شمشیر سے بات کر کے ہمارا مال اسے سپلائی کروے گا' ہماری شرائط پر' جو بہرحال اس قیمت سے کافی کم ہوگی' جس پر شمشیر گاہک سے مال طلب کرے گا۔ شمشیر کا گاہک وہ مال پسند کرے گا جو ہمارے لیے ناکارہ ہو چکا ہوگا۔ اس طرح ہمارے پاس اچھی ورائٹی رہ جائے گی اور خراب مال اچھی قیمت پر فروخت ہو جائے گا۔ گاہک پھر آئندہ بھی شمشیر کے پاس نہیں جائے گا۔ اس طرح شمشیر کے پاس جو مال اسٹاک ہوگا' وہ کسی قیمت پر نہیں بکے گا کیونکہ اس سے اچھی ورائٹی ہمارے پاس اس سے کم قیمت پر موجود ہوگی اور ہماری پالیسی۔"

دفعتاً طالوت اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ وہ آگے بڑھا اور اس نے آفس کا دروازہ اندر سے بند کر کے اسے لاک کر دیا۔ میرے چہرے پر بھی سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ جمشید نے جو کچھ بتایا تھا وہ کسی معمولی دماغ کا کارنامہ نہیں ہو سکتا تھا۔ بڑی خوفناک بات تھی۔ درحقیقت شمشیر کی موت کا پورا پورا سامان تھا اور اس سے عمدہ کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی تھی۔

طالوت جمشید کے پاس پہنچ گیا۔ وہ غور سے جمشید کی شکل دیکھ رہا تھا اور جمشید بوکھلائے ہوئے انداز میں پہلو بدل رہا تھا۔ طالوت چاروں طرف سے گھوم گھوم کر جمشید کو دیکھ رہا تھا اور جمشید اب اس کے ساتھ ساتھ گھوم رہا تھا۔ پھر اس کے منہ سے بوکھلائی ہوئی آواز نکلی۔

"کک... کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے عادل بھائی؟"

"ہونے والی ہے۔" طالوت ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"کک... کیا مطلب؟" جمشید نے اسی انداز میں کہا۔

"کھل جاؤ جمشید ورنہ خدا کی قسم اچھا نہیں ہوگا۔ بس بہت ہو گئی۔ کیا تم ہمیں بے وقوف سمجھتے ہو؟" طالوت نے

Uploaded By Muhammad Nadeem



معیاری، تفریحی اور ادبی کتابیں

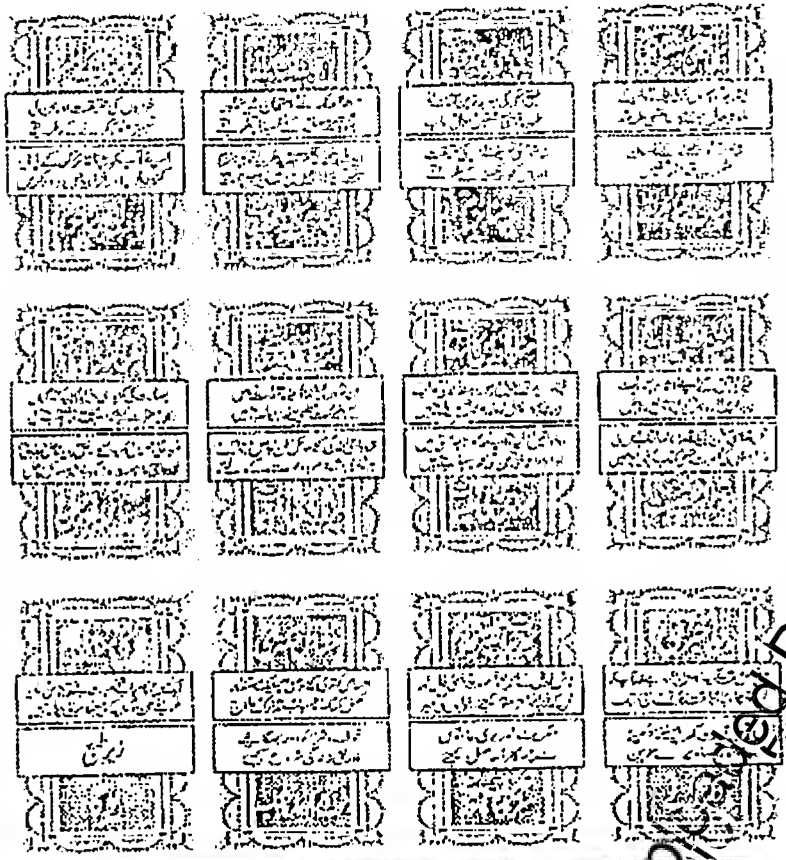

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
kitabiat1970@yahoo.com
رابطے کے لئے: C-263 نمبر 11 ایکس ٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ (اختر کالونی بس اسٹاپ کے سامنے) [illegible] کراچی 75500

کہا۔

"لیکن کیسے کھل جاؤں؟"

"صائم!" طالوت نے میری طرف دیکھا "جمشید ہمارے دوستوں میں شامل ہونا نہیں چاہتا۔ میں چاہوں تو اس کی زبان اس کے بارے میں سب کچھ بتا دے لیکن اس کے بارے میں معلوم کرنے کا شوق اس کی دوستی کی بنا پر ہے۔ اگر دوسرے ذرائع اختیار کیے گئے تو دوستی کیا رہے گی۔"

اور اچانک جمشید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ کسی قدر بدلے ہوئے انداز میں بولا "نہیں نہیں عادل بھائی! کوئی ایسا کام نہ کریں۔ مجھے یاد ہے جب میں اتنا کھڑا تھا اور اپنی مرضی سے سیدھا نہیں ہو سکتا تھا۔" اس بدلی ہوئی آواز اور بدلے ہوئے لہجے پر ہم چونک پڑے۔

"تب پھر تم۔" طالوت نے کہا۔

"خدا کی قسم۔ اس ملک کے بارے میں اچھے تاثرات لے کر نہیں آیا تھا۔ صرف اس لیے کہ میرے والدین نے مجھے یہاں کمانے کے لیے بھیجا تھا۔ آپ لوگوں کو دیکھ کر رائے بدل گئی۔"

"ارے۔ تمہاری اردو تو بالکل صاف ہو گئی۔" میں نے چونک کر کہا۔

"اب تو سب کچھ صاف ہو گیا صائم بھائی۔ کل یہ جھاڑ جھنکار بھی صاف کرا دوں گا۔ اب اس کا فائدہ۔" جمشید نے گہری سانس لے کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"بس اب جمشید نہیں، آپ کا دوست آپ کی خدمت میں ہوگا۔"

"مگر یہ روپ کیوں دھارا گیا تھا؟"

"مختصراً بتا چکا ہوں، تفصیل یوں عرض ہے کہ والدین بے حد لالچی ہیں۔ پہلے انہوں نے ایک جرمن یہودی سے شادی کا مشورہ دیا جو کافی دولت مند تھی۔ نہ جانے کس طرح اس سے جان بچائی۔ جو کاروبار وہ وہاں کر رہے ہیں اس سے مجھے قطعی اتفاق نہیں ہے۔ وہ مجھے دولت بنانے کی مشین بنانا چاہتے ہیں۔ میں نے اسے قبول نہیں کیا لیکن انہیں خدا نے بہت بڑا دماغ دیا ہے۔ ان کے ذہن میں ایک اور ترکیب آئی۔ تنویر پھوپا کی امارت ان کے علم میں تھی۔ ان کی بچی افشاں بھی انہیں یاد تھی۔ اکلوتی لڑکی کی بے پناہ دولت ان کے لیے بہت پرکشش تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے کو اس طرف بڑھایا۔ ان کا خیال تھا کہ ان کا بیٹا ان کا دین۔ بیٹا جاتے ہی اس لڑکی کو اپنے عشق کے جال میں پھانس لے گا

اور پھر یہ بے پناہ دولت ان کی ہو جائے گی۔ بہرحال میں انکار کی جرات نہیں کر سکا۔ ہاں میں نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ ابا جان کی ایسی کوئی چال قیامت تک کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ چنانچہ ان سے جدا ہو کر میں نے یہ حلیہ بنا لیا۔ صرف اس لیے کہ خدانخواستہ کسی طور افشاں مجھ سے متاثر نہ ہو جائے۔ میں اپنی شخصیت کو اس قدر مضحکہ خیز بنا لینا چاہتا تھا کہ کوئی لڑکی میرے قریب کھڑا ہونا بھی پسند نہ کرے اور مجھے خوشی ہے کہ میں اس میں کامیاب رہا۔"

ہم دونوں آنکھیں پھاڑے جمشید کی گفتگو سن رہے تھے۔

"تمہیں خطرہ تھا کہ کہیں افشاں تم سے متاثر نہ ہو جائے؟"

"پھوپی جان اپنے بھائی پر بہت جان دیتی ہیں ان کی ذات سے بھی خطرہ تھا لیکن اب سب ٹھیک ہے۔ مجھے خطرہ تھا کہ مجھے دیکھ کر ان کی محبت جوش نہ مارنے لگے۔"

"اور وہ تمہارے اور افشاں کے گٹھ جوڑ کے بارے میں سوچنے لگیں۔" طالوت مسکرا کر بولا۔

"ہمارے اس مشرقی ماحول میں یہ بات ناممکن نہیں ہے جناب!"

"ہاں۔ میرے خیال میں جمشید ٹھیک کہتے ہیں۔" میں نے تائید کی اور طالوت گردن ہلانے لگا۔

"تو یہ سب کچھ صرف اس لیے تھا؟"

"ہاں جناب! میں اپنے باپ کی ہوس پوری کرنے میں ان کا آلہ کار نہیں بن سکتا۔"

"عمدہ انسان ہو جمشید! بے حد ذہین اور بہت ہی بدمعاش۔" طالوت مسکراتا ہوا بولا اور پھر بے تحاشا ہنسنے لگا "ہے اس شخص کا جواب صائم۔ اس کا کوئی جواب ہے۔ اس نے کس طرح سب کو احمق بنایا ہے۔"

"آپ کو نہیں بنا سکا جناب!" جمشید مسکرایا۔

"ارے بس جاؤ۔ کسر چھوڑی تھی تم نے۔" طالوت نے کہا۔

"معذرت خواہ ہوں۔ اس وقت تک آپ کی اس حسین شخصیت سے متعارف نہ تھا۔"

"مذاق اڑا رہے ہو۔" طالوت نے کہا۔

"خدا کی قسم نہیں۔ خود ہی دل چاہا تھا کہ آپ پر کھل جاؤں۔ آپ کے سامنے بنتے ہوئے شرم آتی تھی۔ آپ لوگ جس قدر نیک دل انسان ہیں، میں آپ سے بے حد متاثر ہوں۔"



"خیر جمشید! اچھا ہوا تم نے حالِ دل ہمیں بتا دیا۔ ہم بھی شروع سے ہی تمہیں ناپسند نہیں کرتے۔ اب بتاؤ تمہارا پروگرام کیا ہے؟"

"کچھ عرصہ یہاں گزاروں گا، اس کے بعد واپس چلا جاؤں گا۔"

"ناکام و نامراد؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ ان کے لیے مایوسی کا پیغام لے کر۔"

"اور عذرا کا کیا ہوگا؟" طالوت نے مسکراتے ہوئے پوچھا لیکن جمشید کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔ چند منٹ وہ سوچتا رہا، پھر بولا۔

"وہ معصوم لڑکی خود اپنے مصائب کا شکار ہے۔ آپ نے اس کی زندگی بدل دی ہے۔ وہ خود کو خواب کی سی کیفیت میں محسوس کر رہی ہے۔ اسے لگ رہا ہے جیسے اسے جو کچھ مل گیا ہے، آنکھ کھلنے پر چھن جائے گا۔ پہلے کچھ نہیں تھا تو اسے اپنے گھر کا احساس تھا، اپنی بہنوں کے مستقبل کا خیال تھا۔ پہلے وہ اس لیے پیٹ بھر کر روٹی نہیں کھاتی تھی کہ روٹی نہیں تھی۔ اب وہ پیٹ بھر کر روٹی اس لیے نہیں کھاتی کہ جب آنکھ کھلے گی تو اس سے مایوسیاں برداشت نہ ہوں گی۔ مایوسی کا وقت آنے سے پہلے وہ اپنی بہنوں کے مستقبل کو محفوظ کر لینا چاہتی ہے۔"

"ارے۔" طالوت چونک پڑا "اس نے یہ کیوں سمجھ لیا کہ یہ سب کچھ اس سے چھن جائے گا۔"

"میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ہے لیکن آپ اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے صائم بھائی۔ وہ سحر زدہ ہے، خوف زدہ ہے اور یہ خوف بڑی مشکل سے اس کے ذہن سے نکلے گا۔"

"نکال دیں گے۔" طالوت نے کہا اور پھر چونک کر بولا "لیکن، اپنی سناؤ۔"

"اپنی کیا کہوں۔" جمشید نے گردن جھکا لی۔

"یار جمشید! آج اپنی شخصیت پر کوئی خول نہ رکھو، سب کچھ عریاں کر دو۔"

"اب کچھ نہیں رہا ہے طالوت بھائی!" جمشید نے افسردگی سے کہا۔

"عذرا کے بارے میں تمہارے کیا خیالات ہیں؟"

"اس سے محبت کرنے لگا ہوں۔" جمشید نے جواب دیا۔

"اسے اپنا کیوں نہیں لیتے؟"

"نہ خود اس قابل ہوں، نہ اسے اس قابل پاتا ہوں۔"

"کیا وہ بھی تم سے متاثر ہے؟"

"ہاں۔ اعتراف کر چکی ہے۔"

"ابے جمشید بھائی، تم تو بہت بڑے استاد نکلے مگر فکر مند کیوں ہوتے ہو میری جان، ہم نے تو پورے ملک کے عاشقوں کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ عنقریب ہم اعلان کرنے والے ہیں کہ پورے ملک کے عاشقان ہم سے رجوع کریں۔ ہم ان کے مسائل حل کرنے میں ان کی بھرپور مدد کریں گے۔" طالوت نے کہا۔ جمشید اسی طرح گردن جھکائے رہا تھا۔

"تم نے تھوڑی دیر کے لیے شمشیر کو بھی بھلا دیا جمشید۔ بہرحال اس وقت تک شمشیر کا مسئلہ ملتوی جب تک تمہارے مسئلے کا حل نہ نکل آئے۔"

"میں نے آپ لوگوں کے ذہن پر بوجھ ڈال دیا عادل بھائی!"

"ہمیں ایسے بوجھ سے سرور آتا ہے، اس کی پروا مت کرو۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ تمہارے مسئلے کو کس طرح حل کیا جائے؟"

"مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں عادل بھائی!"

"نہیں بھائی۔ ہم مستقبل میں لے جا کر چھوڑتے ہیں۔ اب تم ان باتوں کو چھوڑو۔ اپنے اور عذرا کے مستقبل کے بارے میں ہمیں مشورے دو۔"

"آپ لوگ۔ آپ لوگ بے حد نیک طینت انسان ہیں۔" جمشید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"شمشیر سے لکھوا کر لاؤ تو مان لیں گے۔" میں نے کہا اور سب ہنس پڑے۔ کافی حد تک ماحول بدل گیا۔ ہم نے دل کھول کر جمشید کو اس کی تجاویز کی داد دی۔

"یار جمشید، تمہارا ذہن بزنس کے معاملے میں بہت شاندار ہے۔ تم نے وہاں کوئی بزنس کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" تھوڑی دیر کے بعد طالوت نے پوچھا۔

"اس کی وجہ عرض کر چکا ہوں۔"

"کیا؟"

"کوئی بھی بزنس کرتا، اس پر والد صاحب کا اثر ہوتا اور وہ اسے میرے طور پر نہ کرنے دیتے۔ بس میں کیا عرض کروں عادل بھائی، مجھے اپنے ماحول سے چڑ ہے۔ میرا وطن سکون کی سرزمین ہے۔ مسائل یہاں بھی ہیں لیکن۔ لیکن نہ جانے کیوں بے چینی نہیں ہے۔"

"امریکا چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟"

"بس، اس طرح بھٹک گیا ہوں کہ اپنی شخصیت بے معنی ہو کر رہ گئی ہے۔"




Uploaded By Muhammad Nadeem

"کون سا مشکل کام ہے جمشید یار۔ ارے ہم ہیں تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس ان معاملات کو چھوڑو اور شمشیر کی فکر کرو۔"

"میری تجویز مناسب نہیں ہے؟"

"مناسب کہہ رہے ہو' بے حد شاندار ہے۔ بس تم اس پروگرام کے انچارج ہو اور تصدق کو ہدایت کردی جائے گی کہ تمہارے احکامات کی تعمیل کرے۔"

"بہت بہتر۔ اگر آپ اجازت دیں تو ایک بات پوچھنے کی گستاخی کرلوں؟"

"چلو کرلو۔"

"شمشیر ذات خود گھٹیا آدمی معلوم ہوتا ہے لیکن اس پر عتاب کیوں ہے؟"

"صائم تمہیں شمشیر کی مختصر کہانی سنائیں گے۔" طالوت نے کہا اور میں نے مختصراً شمشیر سے اختلاف کی بنیاد بتائی۔

"بہت خوب!" جمشید گہری سانس لے کر بولا "بہرحال اب میں اور زیادہ دل جمعی سے اس کے ساتھ کام کرسکوں گا۔"

دن رات ہنگاموں میں گزر رہے تھے لیکن ان ہنگاموں میں بھی سکون تھا۔ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو ذہن کو پریشان کرتی۔ جمشید نے اپنا کام شروع کردیا تھا۔

پھر ایک دن تقریباً بارہ بجے جب میں اور طالوت کارپٹ سینٹر پہنچے تو اپنے آفس میں ایک خوب صورت نوجوان کو بیٹھے دیکھ کر ہم چونک پڑے۔ نوجوان جس بے تکلفی سے بیٹھا تھا وہ تعجب خیز تھا۔ اس کے بدن پر خوب صورت سوٹ تھا جو نہایت سلیقے سے پہنا گیا تھا۔ بال گھنگھریالے اور سلیقے سے سنورے ہوئے تھے۔

نہ جانے کیوں اس کے چہرے پر ایک جانی پہچانی سی کیفیت محسوس ہوئی تھی۔ غالباً اس کی آنکھیں اور ہونٹوں کی بناوٹ شناسا لگتی تھی۔

ہمیں دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"جی۔ فرمایئے؟" طالوت نے کہا اور نوجوان مسکرا پڑا اور اس کی یہ مسکراہٹ۔ یہ مسکراہٹ' ہم دونوں ہی چونک پڑے۔

"میں نے چہرے کا جنگل صاف کرا دیا ہے۔" اس نے کہا اور اس کی آواز سن کر ہم دونوں اچھل پڑے۔ وہ تو۔ وہ تو جمشید تھا۔

"جمشید! یہ تم ہو؟"

"جی۔ میں نے عرض کیا تھا ناکہ اب یہ جھاڑیاں بھی کٹوا دوں گا۔ مقصد پورا ہوگیا۔"

"یار تیری شخصیت ہی بدل گئی ہے۔ دیکھو صائم' خاصا خوب صورت بچہ ہے۔" طالوت خوش ہوتے ہوئے بولا۔ جمشید ہنسنے لگا تھا۔

"تصدق نے تمہیں پہچان لیا؟" میں نے پوچھا۔

"بڑی مشکل سے یقین دلا سکا ہوں۔" جمشید مسکرا دیا۔

"اور عذرا نے؟"

"جی نہیں۔ اس نے سرسری نگاہ سے مجھے دیکھا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔"

"ہم خود نہیں پہچانے تھے۔ بہرحال [illegible] گیا۔ اب تو یہ صاحب کے پاس بھی چلیں گے۔ وہاں [illegible] آئے گا۔ ارے ہاں' عذرا کو بلاؤ۔" طالوت نے کہا اور [illegible] ملازم کو بلانے کے لیے گھنٹی بجادی پھر عذرا کو طلب کرلیا گیا اور عذرا مسکراتی ہوئی اندر آگئی۔ اس نے ہم لوگوں کو سلام کیا اور ہم نے جواب دیا۔

"بیٹھو عذرا! ان سے ملو۔ یہ ہمارے نئے برنس [illegible] ہیں۔"

"جی!" عذرا نے جمشید کی طرف دیکھ کر گردن ہلائی۔

"یوں سمجھو داڑھی کٹا کر اسٹاف میں شامل ہوگئے ہیں۔ ویسے ان کا نام جمشید ہے۔" طالوت نے کہا اور عذرا کے چہرے پر حیرت پھیل گئی' پھر تعجب اور پھر وہ ہنس پڑی۔ پہلی بار وہ اس قدر کھل کر ہنسی تھی۔

"ارے واقعی۔ ارے۔ یہ تو واقعی جمشید صاحب ہیں۔ کمال ہے۔" وہ بے ساختہ بولی اور پھر جیسے خود پر کنٹرول کرنے کی کوشش کرنے لگی پھر وہ زبردستی سنجیدہ ہوگئی۔

"اوہو جمشید! دیکھو' شاید عذرا کو تمہاری داڑھی کا افسوس ہورہا ہے۔ وہ کس قدر سنجیدہ ہوگئی ہے۔"

"نن۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔" عذرا جلدی سے بولی۔

"بغیر داڑھی کے یہ زیادہ اچھے لگ رہے ہیں نا؟" طالوت جلدی سے بولا۔

"ہاں۔ یقیناً!" عذرا ہکلاتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"جمشید! عذرا کا شکریہ ادا کرو!"

"شکریہ مس عذرا!" جمشید نے مسکرا کر کہا اور عذرا کسی حد تک نروس ہوگئی پھر خاموشی چھاگئی لیکن ہم لوگ رہ رہ کر جمشید کی شکل دیکھ رہے تھے۔ جمشید نے یہ سوٹ بھی شاید نیا سلوایا تھا۔ عمدہ لباس اس پر خوب جچ رہا تھا اور درحقیقت اس کی شخصیت شاندار نظر آرہی تھی۔

"بہرحال' خوب رہے جمشید' لیکن بھئی' آج عذرا سے کچھ گفتگو کرنا تھی۔ عذرا! کچھ نجی قسم کی گفتگو کرنے کی اجازت دوگی؟" طالوت نے کہا۔

"نن۔ نن۔ نجی؟"

"ہاں معاف کرنا۔ ہم نے تمہیں بہن کہا تھا لیکن شاید تم نے ہمیں بحیثیت بھائی قبول نہیں کیا' اس کا افسوس رہے گا کیوں صائم؟" طالوت نے میری طرف دیکھا۔

"ہوسکتا ہے ہم اس قابل ہی نہ ہوں۔" میں نے کہا۔

"صائم صاحب!" عذرا تڑپ کر بولی۔

"دیکھا۔ دیکھا۔ صائم صاحب کہا ہے' صائم بھائی نہیں۔ سن لیا تم نے صائم' اب کسی غلط فہمی میں نہیں رہنا۔ ہم نہ آئینہ کبھی دیکھتے نہیں اور ہر لڑکی کو بہن بنانے پر تل جاتے ہیں۔"

"عادل بھائی! خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کریں۔ ہم غریبوں کے دل چھوٹے ہوتے ہیں۔ ان میں نہ زیادہ خوشیاں سماتی ہیں نہ غم۔ پھٹ جاتے ہیں کبھی کبھی اور ہم مرجاتے ہیں۔" عذرا نے آنسوؤں میں ڈوبی آواز میں کہا۔

"سنا بھئی۔ امیر بھائیوں کی بہنیں بھی غریب ہوتی ہیں مگر وہ انہیں بھائی سمجھیں تب نا۔"

"چھوٹا منہ بڑی بات ہوگی۔" عذرا نے کہا۔

"ہاں' ہاں۔ بالکل بالکل۔ اسی طرح نظر انداز کیا جاتا ہے' ایسی ہی باتیں کی جاتی ہیں۔" طالوت شرارت سے بولا اور عذرا زچ ہوگئی۔

"اللہ۔ میں کیا کروں۔"

"مجبوری ہے بی عذرا۔ شرافت سے بھائی بنالو ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"[illegible] لوگ۔ آپ لوگ میرے بھائی ہیں۔"

"[illegible] اس طرح کام نہیں چلے گا۔ اگر بہن ہو تو ایک اچھی [illegible] بھی کرو۔"

"جی؟"

"جی ہاں [illegible] اپنے گھر پر۔" طالوت بولا "کیوں صائم؟"

"بالکل اور پیار سے [illegible] کراؤ کہ کھانے کو کیا دے گی؟" میں نے کہا اور عجیب سی کیفیت کے باوجود عذرا مسکرا پڑی۔

"مجھے کوئی عذر نہیں ہے بھیا۔"

"تو پھر دن طے کرو۔"

"جب آپ حکم کریں۔"

"کیا خوب! دعوت کے لیے مہمان حکم کریں۔"

"مہمان نہیں' بھیا!" عذرا تھوڑی سی کھل گئی۔ آنسوؤں میں ڈوبی آنکھوں میں مسکراہٹ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"ہاں۔ یہ تو مسئلہ ہے تو ٹھیک۔ تو صائم' پھر کون سا دن ٹھیک ہے؟"

"جتنی جلدی ممکن ہو۔"

"کل شام عذرا بی۔ اور آپ اہتمام میں مصروف رہیں گی اس لیے کل کی چھٹی۔"

"ٹھیک ہے بھیا۔ اب آپ نے اتنا کیا ہے تو میں اس میں عار نہیں سمجھتی کہ آپ کو اپنے گھر بلاؤں۔ جیسا بھی ہے آپ کی بہن کا گھر ہے۔"

"اس میں کہنے کی کیا بات ہے۔"

"بس تو ٹھیک ہے۔ کل میں آپ کا انتظار کروں گی۔"

"کس وقت؟" طالوت بے تابی سے بولا۔

"خدا کی قسم' صبح سے ہی آجائیں لیکن جناب کھانا شام کو ملے گا۔"

"ٹھیک ہے شام کو آئیں گے۔" طالوت نے کہا اور پھر جمشید کی طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھر کر بولا "ہائے بے چارہ جمشید۔ جنگل نہ صاف کراتا تو آج یہ نوبت نہ آتی۔"

"کیسی نوبت؟" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"ارے اس بے چارے کو بھی دعوت مل جاتی۔" طالوت نے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے۔ جمشید صاحب تو کل میری مدد کریں گے۔ میرے والد صاحب بے حد ضعیف ہیں۔ چھوٹی بہنیں ہی گھر کا سامان وغیرہ لے آتی ہیں۔ کل جمشید صاحب کو تکلیف دوں گی۔"

"ہاں۔ اسے بھی بہت سے کھانے پکانے آتے ہیں۔ ایک دن بتا رہا تھا۔" طالوت نے کہا۔ جمشید مسکراتا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد عذرا چلی گئی اور میں نے طویل سانس لی۔ جمشید نیازمندی سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہیں مسٹر جمشید؟"

"بس آپ لوگوں کے بارے میں۔"

"خوب! کیا سوچ رہے ہو؟"

"یہی کہ قدرت نے آپ کو اس قدر دولت اور عزت بخشی ہے تو اس کی کوئی وجہ بھی ہے۔ آپ بے حد نیک دل انسان ہیں۔"

"بس بس مولانا۔ جب داڑھی تھی تو وعظ تو نہیں فرماتے تھے آپ۔ اب بغیر داڑھی کے وعظ کرتے اچھے نہیں لگتے۔ چھوڑیئے ان باتوں کو' شمشیر کی رپورٹ دو۔"

Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں نے ایک تیر سے دو شکار کیے ہیں۔" جمشید مسکرایا۔

"یعنی؟"

"مال فروخت کرنے والا نمائندہ میں خود ہی بن گیا ہوں۔ شمشیر سے کل رات ملا تھا' اس کے فرشتے بھی مجھے نہیں پہچان سکے۔"

"اوہ۔ ویری گڈ۔ یعنی کام شروع ہو چکا ہے؟" میں نے چونک کر کہا۔

"ختم ہونے والا ہے جناب!"

"کیا مطلب؟"

"کل اسٹاک نکلوانا ہے اور کل ہی اس کی ادائیگی بھی ہو جائے گی۔ میں نے کیش ہی کی بات کی ہے۔"

"کتنے کی سپلائی ہے؟"

"تقریباً ساٹھ لاکھ کی۔"

"ہوں!" میں نے ایک طویل سانس لے کر طالوت کی طرف دیکھا۔

"رقم کیش لے گی یا چیک؟"

"چیک تو آج بھی مل سکتا تھا جناب لیکن میں بھی ایک سنکی آدمی ہوں۔ حیران ہوں تو کیا ہوا۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ کیش سودا کرتا ہوں۔ ویسے ہمارے نمائندے نے یعنی خریدار نے پورا ایک لاکھ ایڈوانس دیا ہے۔"

"اوہ۔ جو مال سپلائی ہو رہا ہے میرا خیال ہے اس میں ہمیں پچیس لاکھ کا تو نقد منافع ہے۔"

"اس سے کچھ زیادہ۔" جمشید نے کہا۔

"تب ایک دو لاکھ اور بھی خرچ ہو جائیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ بہرحال شمشیر کو قبر میں اتارنے کا پورا بندوبست ہو چکا ہے۔"

"مکمل!" جمشید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مگر ایک گڑبڑ ہو جائے گی۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"کیا؟"

"کل تو تمہیں عذرا کے ساتھ کھانا کھلوانا ہے۔"

"اوہ۔ جی ہاں۔ دوپہر کے بعد یہ کام ہو جائے گا۔" جمشید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ طالوت بھی مسکرا رہا تھا۔

"اور ہاں جمشید' مہمانوں میں صرف ہم نہیں ہوں گے۔ تمہیں انتظامات کرنے میں خیال رکھنا ہوگا۔"

"اور کون آئے گا؟"

"افشاں اور شکیلہ بھی ساتھ ہوں گی۔" طالوت نے کہا۔

"بہ رہے۔" جمشید نے کہا اور پھر خاموشی چھا گئی۔ شام کو پہلے ہم نے تنویر صاحب کی کوٹھی کا رخ کیا تھا۔ جمشید ہمارے ساتھ تھا۔ کوٹھی میں داخل ہوئے تو چائے کا وقت تھا اور ہم نے سیدھے لان کا رخ کیا' جہاں چائے کے لیے اجتماع ہو چکا تھا۔ ہماری کاریں دیکھ کر سب خوش ہو گئے۔ ہمارے علم میں نہیں تھا لیکن تنویر صاحب کے ہاں نواب جلال الدین اور یٰسین وغیرہ بھی آ گئے تھے۔ یہ اور دلچسپ بات ہوئی تھی۔ نواب جلال الدین' تنویر صاحب اور دیگر تمام لوگوں نے ہمارا استقبال کیا تھا۔

"خدا کی قسم' تمہاری عمریں بے حد دراز ہیں۔ جلال بھائی سے میں یہی کہہ رہا تھا کہ اگر تم دونوں کو ٹیلی فون کر دیا جاتا کہ چائے یہیں پیو تو اچھا تھا۔ چائے ابھی ... دی گئی تھی کہ احسان تمہیں فون کر دیں۔ وہ فون کرنے جا رہے ہیں۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"وہ نے آپ نے یاد کیا ہم حاضر ہو گئے۔" میں نے کہا۔

"خوش آمدید۔ آہ۔ آپ کی تعریف؟" تنویر صاحب نے کہا۔

"ہمارے بزنس منیجر اور آئندہ غیر ممالک میں ہمارے نمائندے مسٹر۔" طالوت رک گیا۔ نواب جلال الدین بڑے غور سے جمشید کی شکل دیکھ رہے تھے۔

"کیوں؟ نام نہیں بتایا ان کا؟" تنویر صاحب نے کہا۔

"میں نے سوچا نام آپ میں سے کوئی بتا دے گا۔" طالوت مسکرا کر بولا۔

"اوہ۔ میں بتاؤں۔" نواب جلال الدین عجیب سے لہجے میں بولے۔

"جی؟" میں نے سوالیہ انداز میں انہیں دیکھا۔

"غالباً۔ جمشید۔" نواب صاحب بولے۔

"جی نہیں۔ صرف جمشید۔" میں نے کہا اور بڑی ماں آگے بڑھ آئیں۔

"اپنا جمشید؟"

"جی بڑی ماں۔ آپ کا جمشید۔" اور بڑی ماں جمشید کو غور سے دیکھتے لگیں پھر ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ انہوں نے جمشید کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اب بھی تو انسان لگ رہا ہے۔"

اور پھر خوب ہنگامہ ہوا۔ جمشید دیکھنے کی چیز تھا جسے بار بار دیکھا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ بوا نے بھی خوب فقرے کسے۔ کہنے لگیں "اسے لگتا ہے جیسے مولی پتوں کی آڑ سے



نکل آئی ہو۔ کیسی چندا کی سی شکل ہے۔ موئی جھاڑیوں میں چھپی ہوئی تھی۔" خوب قہقہے لگے۔ خوب تبصرے ہوئے۔ پُرخلوص تبصرہ نواب صاحب نے کیا۔ انہوں نے تنویر صاحب سے کہا۔

"تنویر! شاید تم میری بات پر یقین نہ کرو لیکن جب میں نے جمشید کو ان لوگوں کی توجہ کا مرکز پایا تھا تو سوچ رہا تھا کہ اس کی تقدیر بہت اچھی ہے اور بالآخر اسے فیض ملے گا۔ خدا کی قسم' یہ میرے خیال کی تصدیق ہے۔ تم سوچو جو محبت صاف بھی تقدیر سے ملتی ہے۔"

"واقعی اس کی شخصیت تو قطعی بدل گئی۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"ذہن بھی بدل گیا ہوگا اور اگر کوئی کسر رہ گئی ہے تو وہ پوری ہو جائے گی۔" بہرحال جمشید پر خوب تبصرے ہوئے پھر چائے کے بعد ہم نے واپسی کی اجازت چاہی تو بہ اصرار روک لیا گیا اور رات کے کھانے کے بعد جانے کے لیے کہا گیا۔ کوئی خاص مصروفیت تو تھی نہیں رک گئے اور تفریحات میں وقت گزرنے لگے۔

بالآخر موقع پا کر میں نے افشاں کو تنہائی میں جا لیا۔

"کیسے مزاج ہیں؟"

"نوازش۔ دعائیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔ ہماری دعائیں سب تمہیں لگتی ہیں' ہمیں نہیں۔"

"کیوں؟"

"بس زبان گھس گئی ہے تمہیں مانگتے ہوئے نہ جانے کیوں دعا قبول نہیں ہو رہی۔"

"دعا کے ساتھ دوا بھی ضروری ہوتی ہے۔" افشاں نے شرارت بھرے انداز میں کہا اور پھر اس کے بعد وہ کچھ نہ بول سکی۔ میں نے بہت سی باتیں کیں لیکن اس سے کوئی جواب ہی نہیں بن پڑا۔

"اچھا افشاں! ایک ضروری اطلاع ہے۔"

"جی۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"کل آپ دفتر تشریف لے آئیں۔"

"حاضر ہو جاؤں گی۔"

"کس وقت؟"

"جب آپ حکم دیں۔"

"تو آپ کو حکم دیا جاتا ہے کہ کل ٹھیک چار بجے دفتر پہنچ جائیں اور اگر گھر میں کہتا ہو تو رات تک کے لیے کہیں۔ رات کے نو بجے تک آپ کو یقیناً واپس پہنچا دیا جائے گا۔"

"تعمیل ہوگی!" افشاں نے کہا۔

"شکریہ! لیکن تم نے یہ نہیں پوچھا کہ کیوں کیا کرنا ہے' کہاں جانا ہے؟"

"ہرگز نہیں پوچھوں گی۔" افشاں نے کہا۔

"کیوں؟"

"بس نہیں پوچھوں گی۔ خود شرمندہ نہیں ہو جاؤں گی۔ حکم آپ دے رہے ہیں' اس کے بعد پوچھنے کی کیا گنجائش ہے۔ بس ٹھیک ہے۔ جو آپ کا حکم!"

"میں تمہارے خلوص' تمہارے یقین کا تمہیں کوئی صلہ نہیں دے سکتا افشاں۔" میں نے اچانک سنجیدہ ہو کر کہا۔ درحقیقت اس کے بے پناہ اعتماد پر میرا دل بھر آیا تھا۔

"دے سکتے ہیں۔" افشاں کے انداز میں شرارت ابھر آئی۔

"کس طرح؟"

"اپنا بھرپور اعتماد دے کر۔" اس نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم افشاں۔ میں۔ میں۔" مجھ سے جملہ پورا نہ ہو سکا۔

"مجھے یقین ہے صائم صاحب!" افشاں نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا "آیئے بیٹھیں۔" اور ہم باغ کے ایک گوشے میں بیٹھ گئے "آپ ایسے کیوں ہو گئے؟" افشاں نے پیار سے پوچھا۔

"بس اب ٹھیک ہوں۔"

"خدا کا شکر ہے۔" افشاں نے کہا۔ میں تھوڑی دیر تک خود کو سنبھالتا رہا' پھر بولا۔

"تم نے عذرا کو دیکھا ہے افشاں؟"

"عذرا! کون؟"

"میرا خیال ہے میں نے اس کے بارے میں بتایا تھا' ملاقات بھی کرائی تھی۔ وہ لڑکی جو میری پرسنل اسسٹنٹ ہے۔"

"ہاں۔ یاد آ گئی۔ پیاری سی لڑکی ہے۔"

"اس کی سفارش جمشید نے کی تھی۔"

"اوہ۔ یہ نئی اطلاع ہے۔"

"ایک اور بھی اطلاع ہے۔"

"وہ کیا؟"

"جمشید وہ نہیں ہے جو خود کو ظاہر کرتا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ ایک ذہین ترین نوجوان ہے۔ مجھے معاف کرنا' دراصل تمہارے ماموں غلط آدمی ہیں۔ وہ اسے ہمیشہ غلط



Uploaded By Muhammad Nadeem

لائنوں پر ڈالنے کی کوشش کرتے رہے اور ضد میں جمشید وہ بن گیا جو نظر آتا تھا۔"

"خدا کی پناہ۔ تو کیا وہ اس قدر احمق نہیں ہیں جتنا خود کو ظاہر کرتے تھے؟"

"بالکل احمق نہیں ہے' بلکہ ایک اعلیٰ ذہانت کا مالک نوجوان ہے۔"

"ان کی بدلی ہوئی شکل دیکھ کر میں تو حیران رہ گئی ہوں۔"

"اسے یہاں اس لیے بھیجا گیا تھا کہ وہ بی انشاں کو شیشے میں اتار کر ان سے شادی کرے اور اس طرح تنویر صاحب کی بے پناہ دولت کا مالک بن جائے۔ اسے انشاں سے کوئی کد نہیں تھی لیکن وہ اپنے باپ کی ہوس پوری نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسکا خیال تھا کہ ممکن ہے پھوپی جان کی محبت عود آئے اس لیے اس نے ایسا حلیہ بنایا اور ایسے حالات پیدا کر دیے کہ اسے کسی شریف آدمی کو قبول کرنا ناممکن ہو جائے اور وہی ہوا۔"

"اوہ!" انشاں نے حیرت سے کہا "یہ ساری باتیں آپ کو جمشید بھائی نے بتائی ہیں!"

"خود سے نہیں بتائیں' پوچھی گئی ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"تب تو وہ اچھے انسان ہیں۔ میرے دل میں ان کی عزت بڑھ گئی۔" انشاں نے کہا۔

"ہاں انشاں! واقعی وہ عمدہ انسان ہے۔ خیر تو بات ان عذرا لی کی ہو رہی تھی۔"

"ہاں!"

"جمشید میں اور ان میں کچھ گڑبڑ پائی جاتی ہے۔"

"ایمان سے!" انشاں بڑے پیارے انداز میں بولی۔

"ہاں مجھے یقین ہے۔"

"اوہ! میں نے غور سے اس بے چاری لڑکی کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ اب دیکھوں گی لیکن صائم صاحب! اگر ایسی کوئی بات ہے بھی تو۔ میرا خیال ہے یہ بیل مشکل سے منڈھے چڑھے گی۔"

"کیوں؟"

"ماموں جان کا لالچ۔ وہ بے چاری ملازم پیشہ لڑکی ہے۔"

"تھی' اب نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اب وہ دو بھائیوں کی بہن ہے۔ ایک کا نام صائم ہے اور دوسرے کا نادل اور یہ دونوں کافی مال دار ہیں۔" میں نے کہا اور انشاں عقیدت سے مجھے دیکھنے لگی پھر متاثر لہجے میں بولی۔

"ہاں۔ خدا کا احسان ہے وہ بے حد مال دار ہیں۔ قدرت نے انہیں وسیع دلوں کی دولت سے نوازا ہے۔ سچ مجھے تو بہت خوشی ہو رہی ہے۔ دوہری خوشی سمجھ لیں۔ اول تو یہ کہ جمشید بھائی بہرحال میرے ماموں زاد بھائی ہیں۔ تھوڑی سی محبت تو مجھے ان سے اس حیثیت سے تھی۔ ان کی شخصیت میں کوئی دلکشی نہیں تھی اس لیے زیادہ نہ جا سکی لیکن اب ان کی شخصیت بھی بدل گئی ہے اور ان کی اندرونی کیفیت بھی سامنے آ گئی ہے۔"

"بہرحال آخری بات یہ کہ کل میں نے عذرا کے گھر کھانے کے لیے بلایا ہے' وہ سن لو۔ عذرا کے یہاں ہماری ضیافت ہے چنانچہ میں' نادل' شکیلہ اور تم چلیں گے۔"

"اوہ' ضرور اور جمشید بھائی؟"

"سمجھا کرو۔ وہ تو میزبانوں میں شمار ہوتے ہیں۔"

"ارے۔ اوہ۔" انشاں ہنس پڑی "تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے۔"

"ابھی تو بہت آگے تک پہنچے گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہرحال دوسرے دن وقت مقررہ پر ہم چل پڑے۔ جمشید نے عذرا کے گھر کا پتہ بخوبی سمجھا دیا تھا۔ علاقہ غریب لوگوں کا تھا۔ ہماری کاریں عذرا کے مکان کے سامنے پہنچ گئیں۔ جمشید دروازے پر استقبال کے لیے موجود تھا اور اندر عذرا' اس کی بہنیں اور اس کی ماں موجود تھیں۔ ان سب کے چہروں سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔

چھوٹا سا صاف ستھرا گھر تھا' جہاں ہمارا شاندار استقبال کیا گیا۔ کھانے نہایت لذیذ تھے اور اس سے اچھی عذرا کی ادائیں اور باتیں تھیں۔ محبت کے شہد میں ڈوبی ہوئی' سوندھی سوندھی۔ بہرحال نہ صرف ہمیں بلکہ انشاں اور شکیلہ کو بھی بہت لطف آیا۔ عذرا سے ان کی اچھی خاصی دوستی ہو گئی اور انہوں نے اسے دعوت دے دی کہ وہ اکثر ان سے ملتی رہا کرے۔ عذرا کے انبساط کی انتہا نہیں تھی۔ اسے اتنے اچھے ساتھی مل گئے تھے' ایسے کرم فرما مل گئے تھے' جن کی محکوم ہونے کے باوجود وہ ان کی محکوم نہیں' بلکہ دوست تھی۔ خاصی دیر سے واپسی ہوئی۔ شکیلہ کو اس کے گھر چھوڑ کر ہم واپس آ گئے۔ گھر آ کر ہم کافی دیر تک عذرا کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ ہمیں وہ بہت پسند آئی تھی۔ طالوت نے کہا۔

"بہن کو جہیز میں گھر تو دینا ہی پڑے گا اس لیے تصدق سے کہا جائے کہ وہ ایک عمدہ سے مکان کا بندوبست کرے۔"

"یقیناً!" میں نے کہا۔

"لیکن ہم پہلے سے اسے مکان پیش تو نہیں کر سکتے۔"

"ہاں۔ بہرحال سوچیں گے اس بارے میں۔"

"ایک اور خیال میرے ذہن میں کاٹ رہا ہے۔"

"کیا؟"

"چاند کی آخری رات قریب آتی جا رہی ہے۔"

"اوہ!" میں بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"باقی پروگرام واپسی پر رہیں گے۔"

"ہاں۔ ہاں تو ٹھیک ہے۔ جلدی کیا ہے۔" میں نے کہا۔

دوسرے دن جمشید نے شمشیر والے کام کے مکمل ہو جانے کی اطلاع دی۔ خریدار نمائندے کا کام ختم ہو گیا تھا۔ شمشیر کو اسٹاک اٹھوا کر رقم وصول کرا دی گئی۔ حساب سے چھ لاکھ روپے جمشید کے نام مخصوص کر دیے گئے جس کی اسے کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی۔

معاملات چلتے رہے اور پھر نواب صاحب جلال الدین نے واپسی کے بارے میں تذکرہ کیا "بھئی اب جب مجھے یہاں آنا ہی ہے تو کچھ انتظامات کرنے کے لیے جلد جانا چاہیے۔"

"آپ کی یہاں رہائش کے لیے انتظامات ہو رہے ہیں نواب صاحب!"

"ہاں بھئی یہ تمہاری ذمے داری ہے۔" نواب صاحب نہایت سے بولے۔

"ایک اور بات کرنی تھی نواب صاحب!" طالوت نے کہا۔

"ہاں ہاں۔ ضرور۔ کیا بات ہے؟"

"مسٹر! تم باہر جاؤ۔" طالوت نے کہا اور میرے کان کھڑے ہو گئے "جاؤ!" طالوت نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا اور میں ہنس پڑا۔ پھر میں باہر نکل آیا لیکن بھلا میں ٹلنے والا تھا۔ راسم کی انگوٹھی پہلے ہی میں نے قبضہ جما رکھا تھا چنانچہ دوسرے لمحے میں نے انگوٹھی پہنی اور الٹے قدموں میں اندر چلا گیا۔ طالوت نے دروازہ بند کر لیا تھا۔

"خیریت؟ بڑی رازداری برتی جا رہی ہے؟" نواب صاحب مسکرا کر بولے۔

"بات ہی ایسی ہے۔"

"کہو!"

"نواب صاحب! میں چاہتا ہوں انشاں کی شادی صائم سے ہو جائے۔"

"اوہ!" نواب صاحب سنجیدگی سے بولے۔

"کیا آپ نے کبھی اس سلسلے میں سوچا ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"جو کچھ کہوں گا اس پر سنجیدگی سے یقین کرا دو گے؟" نواب صاحب بولے۔

"یقیناً!"

"خود میرے ذہن میں بھی یہ خیال آیا تھا لیکن ہمت نہیں پڑ سکی۔ بہرحال تمہاری حیثیت تنویر سے بہت بڑی ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے نواب صاحب!" طالوت نے کہا "بہرحال جب آپ اس بارے میں کوشش کریں۔ میں صرف ایک بات کہہ سکتا ہوں۔ یہ کام ضرور ہونا چاہیے۔"

"اوہ۔ میرا خیال ہے مشکل تو نہیں ہو گا۔ تنویر کے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات کون سی ہو سکتی ہے؟"

"تو پھر کب ابتدا کر رہے ہیں؟"

"میرا خیال ہے اس میں دیر مناسب نہیں ہے۔"

"یقیناً!"

"پھر کل شام کو میں تمہارے ساتھ ہی چلوں گا۔ یوں تو تنویر کو بھی طلب کیا جا سکتا تھا لیکن میرا خیال ہے یہ بات اس کے گھر پر ہی مناسب رہے گی۔"

"بالکل ٹھیک۔" طالوت نے جواب دیا اور وہ دوسری گفتگو کرنے لگے۔ میں نے خاموشی سے کھسک آنے میں عافیت سمجھی۔ طالوت کو شبہ بھی ہو سکتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد طالوت میرے کمرے میں آ گیا۔ میں ایک آرام کرسی میں دراز تھا۔

"بات ہو گئی شریف آدمی!"

"کیا ہوئی؟" میں نے دبے دبے اشتیاق کا اظہار کیا۔

"بس کل تنویر صاحب سے گفتگو ہو گی۔"

"اوہ۔ خود نواب صاحب کا خیال کیا ہے؟"

"بس وہی۔ چاہتے تو وہ بھی یہی تھے لیکن ہمت نہیں پڑ سکی۔"

"ہوں۔ شکریہ طالوت۔ میرے خیال میں یہ مناسب قدم ہے۔"

"خوش ہو؟"

"ہاں۔ لیکن ایک درخواست ہے۔"

"عرض کرو!" طالوت شاعرانہ انداز سے بولا۔

"کل میں بھی ساتھ چلوں گا۔ میرا مطلب ہے راسم کی

Uploaded By Muhammad Nadeem

انگوٹھی پہن کر۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا حرج ہے؟" طالوت شریفانہ انداز میں بولا اور میں نے اسے بھینچ لیا۔

دوسرا دن کئی دلچسپیوں کا حامل تھا۔ ہم دفتر پہنچے تو تصدق نے بتایا کہ دو بار شمشیر کا فون آچکا ہے۔ اس نے دونوں بار آپ کے بارے میں پوچھا تھا۔

"ویری گڈ۔ اسے احساس ہو گیا؟"

"ایسا ہی لگتا ہے۔"

"اور کچھ کہا تھا؟"

"بس آخر میں کہا تھا کہ جب ہم آجائیں تو اسے اطلاع کر دی جائے۔ اس نے اپنا فون نمبر دے دیا ہے۔"

طالوت نے میری طرف رخ کرکے آنکھ دبا دی "اب گفتگو کرو جنگل کے شیر سے۔"

"واقعی خوف محسوس ہو رہا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر میں نے تصدق سے کہا "ٹھیک ہے تصدق، شمشیر کو اطلاع دو کہ ہم آگئے ہیں۔"

"بہتر جناب!" تصدق نے کہا اور چلا گیا۔ تقریباً تین چار منٹ کے بعد اس نے ہم سے رابطہ قائم کیا۔ انٹرکام پر اس نے کہا "میں نے شمشیر کو رنگ کرکے اطلاع دے دی جناب!"

"ہوں۔ کیا کہا؟"

"کچھ نہیں، فون رکھ دیا۔"

"اوہ، ٹھیک ہے تصدق! وہ آئے تو اسے احترام سے ہمارے پاس لے آیا جائے۔" میں نے کہا اور انٹرکام کی تیل آف کر دی۔ طالوت دلچسپی سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا اس کے آنے کے امکانات ہیں؟"

"بہت جلد۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا، اور میرا خیال بہرحال غلط نہیں تھا۔ تقریباً دس منٹ کے بعد شمشیر کی آمد کی اطلاع ملی اور ہم نے اسے اندر بلا لیا۔ شمشیر ایک قیمتی سوٹ میں ملبوس تھا۔ اس کے چہرے پر وحشت چھائی ہوئی تھی، ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔

"ہیلو شمشیر، آؤ بھئی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا، لیکن اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہ آئی بلکہ آنکھوں میں ایک خون خوار چمک پیدا ہو گئی۔

"میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"ضرور۔ بیٹھو۔ ویسے تم نے مصافحے کی کوشش نہیں کی اور یہ بات اس کا اظہار ہے کہ تم دوستانہ ماحول میں گفتگو کرنے نہیں آئے ہو۔"

"دوستانہ!" وہ زہرخند سے بولا "حالات دوستانہ ہی تو ہیں۔"

"خیر، پھر بھی بیٹھو۔ ہمارے دروازے پر آئے ہو۔" میں نے بھی حقارت سے کہا۔

"شکریہ!" شمشیر بیٹھ گیا۔

"ہاں۔ شروع ہو جاؤ۔ کیا بات ہے؟" میں نے بھنویں اٹھا کر پوچھا اور شمشیر تلملا کر رہ گیا۔ طالوت کے چہرے پر البتہ بڑی پرسکون کیفیت طاری ہو گئی، جیسے گہرے انداز سے وہ مطمئن ہو۔

"یہ اب کیا ہو رہا ہے؟" شمشیر غرایا۔

"کہاں؟"

"کارپٹ سینٹر کیا ہے؟"

"تمہاری عقل میں کچھ نہیں آتا؟"

"کیا مطلب؟"

"یہ قالینوں کا بہت بڑا مرکز ہے اور بین الاقوامی پیمانے پر قالینوں کی تجارت کرتا ہے۔ آگے بڑھو۔"

"لیکن میں سمجھتا ہوں یہ سب۔۔۔ یہ سب میرے مقابلے پر کیا گیا ہے۔" شمشیر نے کہا۔

"تمہارے مقابلے پر؟" میں ہنس پڑا "خوب! بہرحال خوش فہمیاں زندہ رکھتی ہیں۔ ورنہ تمہاری ننھی سی دکان کا کارپٹ سینٹر سے کیا مقابلہ۔ پھر بھی اگر تم یہ سمجھتے ہو تو مقابلہ کرو۔ مردوں کو ہمت نہیں چھوڑنی چاہیے۔"

"جو کچھ ہو رہا ہے، وہ ناقابل برداشت ہے اور۔۔۔ اب جو ہوگا اس کی ذمے داری مجھ پر نہیں ہوگی۔" شمشیر نے اسی انداز میں کہا۔

"اس کی وضاحت بھی کر دو۔ دراصل تمہاری گفتگو اور تھمکیک میں ہوتی ہے۔" میں نے کہا۔

"بس میں یہی اطلاع دینے آیا تھا۔" شمشیر نے کرسی سرکائی۔

"اوہ، بیٹھو میری جان۔ میرا خیال ہے تم سادہ پانی پینا پسند کرو گے۔ ویسے اطلاع کا شکریہ اور اس کے عوض ایک ہمدردانہ مشورہ لیتے جاؤ۔"

"وہ کیا۔۔۔؟" شمشیر نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بیوی بچوں اور دنیا سے اکتا گئے ہو تو دوسری بات ہے ورنہ ایک مخلصانہ مشورہ ہے کہ اپنی معمولی سی ریاست فروخت کرکے کوئی چھوٹی موٹی پرچون کی دکان کھول لو۔ پیٹ بھرتا رہے گا۔ کارپٹ سینٹر سے مقابلے کا اور ہمارے خلاف کچھ کرنے کا فتور ذہن سے نکال دو، اور کوئی ایسی کوشش کی تو جوابی کارروائی جیسی ہوگی، اسے دیکھ لینا۔"

"تم بھی نکلو اب۔۔۔! تمہیں کتوں کی طرح سڑکوں پر بھونکنے پر مجبور نہ کر دیا تو شمشیر نام نہیں۔" شمشیر نے خوفناک انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"نام تو اب بھی تمہارا غلط ہے میری جان۔ ایک مشورہ میرا بھی ہے۔ تم اپنا نام شمشیر سے بدل کر گل اندام رکھ لو اور کہیں گانے بجانے کا کاروبار کرو۔ شمشیر جیسا نام تمہارے ساتھ ایسا ہی لگتا ہے جیسے کسی مداری نے بندر کے ہاتھ میں بندوق دے کر اسے سیدھا کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا۔ لیکن۔ لیکن دم لٹکی رہتی ہے۔ ارے ہاں۔ دم تو لٹکتی ہی رہتی ہے۔" طالوت قہقہے لگانے لگا اور شمشیر جھلاہٹ میں پیر پٹختا ہوا باہر نکل گیا۔ ہم کافی دیر تک قہقہے لگاتے رہے۔

پھر جمشید کی آمد پر یہ سلسلہ ختم ہوا۔ جمشید مسکراتا ہوا اندر آیا۔

"آؤ بھئی جمی ڈارلنگ! کیا حال ہے تمہارے کشتہ ستم کا؟"

"جی؟" جمشید بوکھلا کر بولا۔

"میری مراد شمشیر سے ہے۔"

"اوہ، آج ابھی تک اس کے بارے میں رپورٹ نہیں موصول ہوئی۔"

"کیا مطلب؟"

"مجھے اس کی روزانہ رپورٹ ملتی ہے۔ میرا ایک آدمی اس کے بالکل قریب ہے۔"

"ارے؟" ہم دونوں چونک پڑے۔

"ہاں، یہ ضروری تھا۔"

"یار تو قیامت کا انسان ہے جمشید! کون ہے وہ؟"

"مس بارنش۔ اس کی پرسنل سیکریٹری۔ موسیقی کی رسیا ہے۔ بس اس کا کام ہو گیا۔ وہ میری ڈاڑھی سے پیار کرتی ہے، بس آج کل صرف فون سے کام چلا رہا ہوں۔"

"خدا کی پناہ، کیا کہا؟ ارے اس امریکن بدمعاش کو؟ کیا کیا چکر چلانے پڑے ہیں اس نے ہمارے شمشیر کے خلاف۔ اب تو اس بے چارے پر ترس آنے لگا ہے۔"

جمشید ہنستا رہا پھر اس نے کہا "بہرحال اسے یہ اطلاع تو مل چکی ہے کہ اس کا سودا کینسل ہو گیا ہے۔"

"جبھی آیا تھا۔"

"آیا تھا؟" جمشید چونک کر بولا۔

"ہاں ابھی اٹھ کر گیا ہے۔"

"ویری گڈ۔ کیا کہہ رہا تھا؟" جمشید نے دلچسپی سے پوچھا اور ہم نے اسے تفصیل بتا دی۔ جمشید بھی اس کی گفتگو سے کافی محظوظ ہوا۔ کافی دیر تک ہم اس پر تبصرہ کرتے رہے اور پھر جمشید اجازت لے کر چلا گیا۔ ہم لوگ دوسرے موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ مجھے شام ہونے کا بے چینی سے انتظار تھا۔

بالآخر خدا خدا کرکے وقت گزرا۔ واپسی میں ہم ایک ہی کار میں آئے تھے "میرا خیال ہے نواب جلال الدین کو بھی اندازہ نہیں ہونا چاہیے کہ تم ساتھ ہو۔"

"ارے انہیں کیسے ہوگا؟ ظاہر ہے۔"

"گھر چل کر پہلے تنویر صاحب کو فون کریں گے۔"

"میں بھی یہی کہنے والا تھا۔" میں نے کہا اور خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر ہم کوٹھی پہنچ گئے۔ نواب جلال الدین سنجیدہ انسان تھے۔ حالات نارمل تھے لیکن وہ جانے کے لیے تیار تھے اور پھر انہوں نے تنویر صاحب کو فون کرکے ان کی موجودگی کے بارے میں معلوم کیا اور ان سے کہہ دیا کہ انتظار کریں، وہ آرہے ہیں۔

اور پھر وہ اور طالوت چل پڑے۔ ڈرائیونگ خود طالوت کر رہا تھا، اور نواب صاحب اس کے برابر بیٹھے تھے۔ چنانچہ پچھلی سیٹ میرے لیے خالی تھی اور میں اس پر اپنا سانس روکے بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم تنویر صاحب کی کوٹھی میں پہنچ گئے۔ تنویر صاحب ہی ہمارے منتظر تھے۔ انہوں نے پورچ میں ہی ہمارا استقبال کیا۔

"ارے خیریت؟ باہر کیسے ٹہل رہے ہو؟" نواب صاحب نے پوچھا۔

"نہ جانے کیوں آپ کے فون کے بعد میں خلجان میں مبتلا ہو گیا؟"

"کیوں، ایسی کیا خاص بات تھی میرے فون میں؟"

"بس کچھ اجنبیت تھی، کچھ انوکھا پن تھا۔"

"بہت خوب!" نواب صاحب مسکراتے ہوئے بولے "بہرحال انوکھا پن ضرور ہے مگر ناخوشگوار نہیں۔ آؤ۔ بیٹھیں گے لیکن ایسی جگہ جہاں ہو سکے۔ انتظار نہ کریں۔"

"اوہ، بہت خاص بات!" تنویر صاحب پھیکے انداز میں مسکرائے۔

"ہاں خاص بات تو ضرور ہے۔" نواب صاحب نے بھی مسکراتے ہوئے کہا اور ہم ایک طرف چل پڑے۔ میں خود کو اس لیے شامل کر رہا ہوں کہ میں ان لوگوں سے دور نہیں تھا اور بے آواز ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ بالآخر تنویر صاحب ایک کمرے میں پہنچ گئے۔ یہ ان کی مخصوص نشست

Uploaded By Muhammad Nadeem

کمرا تھا۔ خوب صورت کرسیوں پر سب بیٹھ گئے۔ میں ان کے نزدیک بیٹھنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔

"کیا پئیں گے جلال بھائی؟"

"ابھی کچھ نہیں۔ کیوں عادل؟" نواب صاحب نے پوچھا۔

"ہاں' ابھی تو ضرورت نہیں محسوس ہو رہی۔" طالوت نے جواب دیا۔

"لِلّٰہ' اب جلدی بول پڑیں جلال بھائی۔ ایسی کیا بات ہے' میرے لیے ناقابل برداشت ہو رہی ہے۔" تنویر صاحب بولے۔

"اوہ تنویر' میں کہہ چکا ہوں کوئی پریشان کن بات نہیں بلکہ مسرت خیز ہے۔ رسمی سا سوال ہے لیکن بہرحال جواب ضروری ہے۔ ان بچوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"کن بچوں کے بارے میں؟"

"میری مراد صائم اور عادل سے ہے۔"

"میرے خیال سے کیا مراد ہے؟"

"کیسے ہیں یہ دونوں؟"

"مثالی۔ قابلِ فخر!" تنویر صاحب نے جواب دیا۔

"سنو تنویر۔ اگر ان میں سے کسی کو خواہش ہوتی۔ اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو میں اپنی بہن کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں بخوشی دے دیتا۔ خدا کا احسان ہے کہ وہ احسان کے ساتھ خوش ہے۔ میں ایک بیٹی کا باپ ہو کر اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا میری مراد ہے کہ میں انہیں اتنا عزیز رکھتا ہوں۔ اب۔ عادل کی رائے سے بلکہ عادل کی خواہش ہے کہ صائم کو تم اپنی فرزندگی میں قبول کرو اور افشاں کا عقد صائم سے کر دو۔ اگر تمہارے ذہن میں دوسرا کوئی احساس ہو تو یوں سمجھو میں صائم کے باپ کی حیثیت سے تم سے یہ بات کہہ رہا ہوں۔"

تنویر صاحب کا چہرہ خشک ہو گیا۔ وہ بہت زیادہ پریشان نظر آنے لگے۔ کئی منٹ تک وہ خاموش اور پریشان بیٹھے رہے پھر بولے۔

"جلال بھائی۔ خدا کی قسم۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں' دل کی گہرائیوں اور خلوص سے کہہ رہا ہوں۔ آپ کو خدا کی قسم اس میں کوئی فریب تلاش نہ کریں' نہ کوئی تجاہلِ عارفانہ۔ میرے لیے بھی یہ دونوں وہی حیثیت رکھتے ہیں جو آپ کے لیے۔ بس ایک تیج ہے۔"

"وہ کیا؟"

"کاش یہ ان حالات میں یہ بات کہہ دیتے جب یہ مکمل کر سامنے نہیں آئے تھے۔ اب دنیا سوچے گی کہ تنویر ان کی حیثیت پر ریجھ گیا۔"

"احمقانہ خیال ہے۔ ہم اپنی افشاں کو کسی فقیر سے کیسے بیاہ سکتے ہیں۔" "ہمیں تم جیسے داماد کی ضرورت تو ہوتی ہی سو ہمیں مل گیا۔"

"لیکن ان لوگوں کی حیثیت گھر کے افراد کی سی رہی ہے اور..."

"یہ اور اچھی بات ہے۔ گھر کا لڑکا ہی گھر میں ہو تو باہر جھانکنے کی کیا ضرورت ہے؟" نواب جلال الدین نے تنویر صاحب کی ایک نہ چلنے دی۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے آپ میری ذہنی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے۔" تنویر صاحب بے بسی سے بولے۔

"دیکھو تنویر۔ کوئی اور معاملہ ہوتا۔ تو شاید میں تم پر اتنا حق رکھتا ہوں کہ تم سے پوچھے بغیر بھی کوئی بات کر سکتا ہوں لیکن اس بارے میں تمہیں پورا پورا حق ہے' جو فیصلہ بھی کرو لیکن اپنی بات کا سہارا مت لو جس کی کوئی حیثیت' کوئی حقیقت نہ ہو۔ ہاں تم صائم کو افشاں کے لیے ناموزوں قرار دے سکتے ہو۔ اس کی ذات' اس کی شخصیت پر تنقید کر کے اس رشتے کو نامنظور کر سکتے ہو۔ یہ تمہارا حق ہے۔" نواب صاحب سنجیدگی سے بولے اور میں دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔ بلاشبہ نواب جلال الدین اس کام کے لیے موزوں ترین انسان تھے۔

"خدا کی قسم۔ یہ دونوں نوجوان میری نگاہ میں عظیم ہیں۔ نیک طینت' عالی نسب لیکن آپ مجھے مشورہ دیں جلال بھائی' میں ان سے کم تر ہوں۔ اس احساس کو کہاں لے جاؤں۔"

"مجھے کچھ بولنے کی اجازت ملے گی نواب صاحب؟" طالوت نے مداخلت کی۔

"ہاں۔ ضرور۔"

"مجھے تنویر صاحب کے ان الفاظ سے اختلاف ہے۔ ایک شخص کی اولاد اگر ترقی کر کے خود سے کچھ بن جائے تو کیا باپ اس کے سامنے احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے؟ ہاں' یہ دوسری بات ہے کہ کسی اجنبی کو اپنی اولاد سمجھنے میں خاصی مشکلات پیش آتی ہیں۔"

"اوہو۔ اوہو۔ یہ بات نہیں ہے عادل میاں۔" تنویر صاحب تڑپ کر بولے۔



"تنویر صاحب کو میرے بھائی کے رشتے پر اعتراض ہے۔ وہ اسے قبول نہیں کر سکتے' ٹھیک ہے نواب صاحب! ہم انہیں احساس کمتری کا شکار نہ ہونے دیں گے۔ آپ لوگوں کی محبت کے سہارے ہم لوگوں نے یہاں ایک گھر بنا لیا تھا۔ ہم نے آپ ہی کے پیار کے سہارے یہاں اپنی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ جب ہمیں پیار کی اس روشنی میں یہ تاریک دھبے نظر آ رہے ہیں تو پھر۔ یہ شہر ہی ہمارے لیے اجنبی ہو گیا۔ ہم ایک ہفتے کے اندر اندر یہ شہر چھوڑ دیں گے نواب صاحب۔" طالوت اٹھ کھڑا ہوا۔

نواب صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تنویر صاحب تڑپ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

"عادل' عادل بیٹے۔ شاید مجھ سے حماقت ہو گئی۔ مجھے معاف کر دو۔ بخدا' اب تمہارے بغیر اس شہر میں دل بھی نہیں لگے گا۔ خود کو ہم سے اس قدر دور کیوں سمجھ رہے ہو؟"

"اس دوری کا احساس دلایا جا رہا ہے۔" طالوت نے کہا۔

"اور عادل کی بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔"

"میں افشاں کو ان کی کنیز بنانے کو تیار ہوں۔ اس کے بعد انہیں اختیار ہو گا۔"

"وہ میری بہن ہے اور بہنیں بھائیوں کی کنیزیں نہیں ہوتیں۔ میں اس سے ایک اور رشتہ قائم کرنا چاہتا ہوں۔ ہو سکے تو اس میں میری مدد کریں۔"

"پھر بیٹے' تمہیں اختیار ہے۔" تنویر صاحب نے ہتھیار ڈال دیے اور نواب صاحب خوشی سے کھڑے ہو گئے۔

"یعنی یہ رشتہ منظور ہے؟"

"ہاں' اس الجھن کو ذہن سے نکال دو۔" نواب صاحب خوشی سے بے قابو ہوئے جا رہے تھے۔

"تنویر صاحب جھینپے انداز میں بولے۔

"چلو بھئی' مبارک۔" نواب صاحب نے کہا اور میں خوشی سے بے قابو ہو گیا اور پھر میں وہاں رکنے والا کہاں تھا۔ افشاں کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ اپنے کمرے میں موجود تھی۔ میں نے انگوٹھی اتار کر جیب میں ڈال لی۔ اور اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

"آ جاؤ۔ دروازہ کھلا ہی ہے۔" افشاں کی آواز سنائی دی اور میں اندر داخل ہو گیا۔ مجھے دیکھ کر افشاں اچھل پڑی۔ اس کے چہرے پر خوشی کے تاثرات پھیل گئے۔ "ارے آپ۔ اچانک؟"

"جی ہاں۔"

"آئیے!" افشاں کھڑی ہو گئی۔ اس نے میرے لیے کرسی کھسکائی اور میں بیٹھ گیا۔

"تنہا ہیں؟" افشاں نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔" میں نے جواب دیا "تم میرے ساتھ ہو۔"

"یقیناً! مگر کیا عادل بھائی نہیں آئے؟"

"نواب صاحب بھی آئے ہیں۔"

"کہاں ہیں؟"

"تنویر صاحب کے کمرے میں۔"

"اوہو' اچانک آئے آپ لوگ۔ فون ہی کر لیا ہوتا۔"

"کیا کرتیں آپ؟"

"انتظار!" افشاں دل آویز انداز میں مسکرائی۔

"دونوں حضرات ہمارے درمیان سے یہی الجھن دور کرنے آئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" افشاں کے چہرے پر سنسنی پھیل گئی۔

"اور میرا خیال ہے اس میں کامیاب بھی ہو گئے ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"صائم۔ پلیز۔ میرے ہاتھ پاؤں پھول رہے ہیں پلیز۔" افشاں نڈھال سی ہو گئی۔ اس کی کیفیت عجیب ہو گئی تھی۔ میں نے اسے تنگ کرنا مناسب نہ سمجھا اور ان لوگوں کی آمد کا مقصد اور تنویر صاحب سے گفتگو کی تفصیل بتا دی۔ افشاں کا چہرہ گلابی ہو گیا تھا۔ اس کی گردن جھک گئی تھی اور وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔

"کیا بات ہے افشاں؟" میں اس کے قریب پہنچ گیا۔

"کچھ نہیں' کچھ نہیں صائم!"

"خوش ہو؟"

"یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟" افشاں آہستہ سے بولی۔

"پھر کس سے پوچھوں؟"

"خود سے۔" افشاں نے آنکھیں بند کر لیں پھر کافی دیر تک ہم تاثر میں ڈوبے رہے پھر افشاں چونکی اور حیرانی سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"کیوں؟" میں نے اس کے بدلے ہوئے انداز پر چونک کر پوچھا۔

"آپ اس گفتگو میں کہاں سے شریک ہو گئے؟"

"چھپ کر سنی تھی۔ کسی کو میرے آنے کی اطلاع نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔




Uploaded By Muhammad Nadeem

"اوہ۔۔۔ تو پھر۔۔۔ تو پھر اب آپ جائیں۔ دیکھیے برا نہ مانیں۔ پہلے دوسری بات تھی۔ پہلے میں دوسروں پر ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ وہ آپ کے بارے میں سوچ لیں' میرے لیے آپ کی حیثیت سمجھ لیں۔ اب انہوں نے سمجھ لیا ہے۔ اب۔۔۔ اب۔۔۔ اب مجھے شرم آئے گی۔"

"یہ گڑبڑ ٹھیک نہیں ہے افشاں۔ میں تم سے ملوں گا ضرور۔" میں نے کہا۔

"ہاں' ہاں۔ اس کے لیے کون منع کر رہا ہے لیکن۔۔۔ اب چھپ چھپ کر۔" افشاں نے شرمگیں انداز میں کہا۔

"پھر کل کب؟ کس وقت؟"

"دفتر آؤں گی۔" افشاں نے جواب دیا۔

"کس وقت؟"

"وہ بجے بہانہ کر کے۔ پلیز۔ اب جایئے۔" افشاں نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا اور پھر اس نے میری انگلیاں چوم لیں اور میں خوش و خرم باہر نکل آیا' لیکن باہر آتے ہی میں نے انگوٹھی پہن لی تھی۔

جمشید نے اپنی کارروائیاں تیز کر دی تھیں۔ تصدق اور دوہل کر قیامت ڈھا رہے تھے۔ دنیا کے بہت سے ممالک سے قالین درآمد کیے جا رہے تھے اور دنیا کے بہت سے ممالک کو برآمد کیے جا رہے تھے۔ اس کے علاوہ ملک بھر میں خریداروں کا جال پھیلا دیا گیا تھا۔ ہر اس جگہ سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے' جہاں قالین تیار ہو رہے تھے اور عمدہ قیمت پر فوراً مال خرید لیتے۔ شمشیر کی طرف سے ابھی تک کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی لیکن جمشید کا جاسوس کام کر رہا تھا اور صرف یہ اطلاع تھی کہ شمشیر ذہنی طور پر دیوالیہ ہوتا جا رہا ہے۔

طالوت وقت مقررہ پر چلا گیا تھا لیکن واپس آیا تو کسی قدر پریشان تھا۔ میں نے اس کی شکل دیکھ کر اس سے خیریت پوچھی۔

"خیریت نہیں ہے یار۔" اس نے کہا۔

"کیا بات ہے طالوت' مجھے نہیں بتاؤ گے؟"

"نہ بتانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میرا خیال ہے مجھے پھر اوپر سے رابطہ توڑنا پڑے گا۔"

"کیوں؟"

"آج کل والد صاحب پر میری شادی کی فکر سوار ہے۔ اس بار ان سے خاصی گرما گرمی ہوئی ہے۔ کسی ذہنی لڑکی کے بارے میں وہ غور کرنے کو تیار نہیں ہیں۔"

"اوہ!" میں نے بھی فکرمندی سے کہا "پھر کیا کرو گے؟"

"اسی سوچ میں ہوں۔"

"اگر تب اگر تم ان کی مرضی کے بغیر یہاں شادی کر لو طالوت' تو اس کے بعد کیا ردعمل ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"ہیں!" طالوت چونک پڑا۔ وہ پرخیال انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا پھر اس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔ آنکھوں میں کسی قدر مسکراہٹ نظر آئی اور پھر وہ بولا "یار۔ میرا خیال ہے پوری زندگی میں تم نے ایک نہایت قیمتی بات کہی ہے وہ بھی اتفاقاً۔"

"یعنی؟"

"دراصل میں اس بات سے فکرمند تھا کہ اب ان کی نگاہوں سے چھپنا مشکل تھا۔ پہلے تو ہم چھپتے رہتے تھے' اب یہاں سے کہیں جانا مشکل ہے۔"

"یقیناً! پھر اب؟"

"تمہارے اس خیال نے میرے ذہن میں ایک اور خیال پیدا کر دیا ہے اور یہ خیال نہایت شاندار ہے۔ میں شکیلہ کو اپنا لوں اور آئندہ ماہ جاؤں تو شکیلہ کو بیوی کی حیثیت سے اپنے ساتھ لے جاؤں۔ اگر اس حیثیت سے وہ لوگ اسے قبول کر لیں تو ٹھیک ہے ورنہ پھر ان سے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔"

"اوہ! یہ خیال آیا ہے تمہارے ذہن میں؟"

"ہاں!"

"سوچ لو طالوت' اگر ان کا ردعمل سخت ہوا تو؟"

"جو کچھ بھی ہو یار' راج ہنس کو چھوڑنا خودکشی کے مترادف ہوگا۔"

"ٹھیک ہے میری جان۔ پھر بسم اللہ کرو۔"

"کیوں نہ ہماری اور تمہاری شادیاں ساتھ ہی ہوں۔" طالوت نے کہا۔

"اب تم نہیں شرما رہے ہو تو میں کیا شرماؤں۔ ٹھیک ہے۔"

"تب پھر یار' اس سلسلے میں بھی نواب صاحب سے ہی بات کرو۔" طالوت نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی لیکن میں نے نواب صاحب سے گفتگو کرتے ہوئے کچھ اور بھی کارنامے انجام دیے۔ ایک رات میں نے انہیں ان کے کمرے میں جا لیا۔

"آج پھر آپ کو زحمت دینے حاضر ہوا ہوں۔"

"ہاں ہاں بیٹے' کیا بات ہے کہو۔ ویسے میں بھی تم لوگوں سے گفتگو کرنے والا تھا۔"

"جی پہلے آپ فرما دیں۔"



"بس کوئی خاص بات نہیں تھی۔ میں جانا چاہتا تھا۔ میں چاہتا ہوں' تمہاری شادی سے پہلے فارغ ہو کر آجاؤں تاکہ یہاں اپنا گھر بنا کر رہوں جس سے تمہاری خوشی میں حصہ لے سکوں۔"

"یہ تو کوئی حل نہیں نواب صاحب۔"

"اوہ۔ کیوں؟"

"ہمارے سرپرست تو آپ ہی ہیں اور سرپرست کا یہاں ہونا ضروری ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں کہیں بھی رہوں' ہر جگہ تمہارا سرپرست ہوں۔"

"میری یہی خواہش تھی۔" میں نے کہا۔

"سر آنکھوں پر۔ میں کب انکار کر سکتا ہوں۔" نواب صاحب شفقت سے بولے۔

"میں آپ کی شفقت پر ناز کرتا ہوں نواب صاحب۔۔۔ ایک اور مسئلہ درپیش ہے۔"

"ہاں ہاں کہو۔ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"شکیلہ عادل کی پسند ہے' وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"اوہ' خدا کی قسم! کتنی خوشیاں ہیں۔ بے حد دلچسپ' نہایت حیرت انگیز۔ دو بیویاں ہم شکل' دو شوہر ہم شکل' ایک عجوبہ نہیں ہے لوگوں کے لیے۔" نواب صاحب مسرت سے بولے۔

"یہ بھی آپ ہی کو کرنا ہے۔"

"ہاں میاں! کوئی کہنے کی بات ہے یہ۔ بلکہ میرا خیال ہے' دونوں شادیاں بیک وقت ہوں اور تنویر کے ہاں سے ہوں۔"

"دو نہیں۔ تین۔" میں نے اضافہ کیا۔

"ارے۔ تیسرا جوڑا کون ہے؟"

"جمشید اور عذرا۔"

"ارے!" نواب صاحب اچھل پڑے۔

"جی۔"

"مگر یہ عذرا کون ہے؟" انہوں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا اور میں نے پوری تفصیل سے عذرا کے بارے میں نواب صاحب کو بتا دیا۔ نواب صاحب حیرت اور دلچسپی سے سن رہے تھے پھر وہ ایک طویل سانس لے کر بولے۔

"لیکن جمشید کا مسئلہ الجھا ہوا ہے' اس کا باپ اسے کس طرح قبول کرے گا۔ تنویر بھی رشتے داری کی وجہ سے یہ ذمے داری شاید قبول نہ کرے۔"

"وہ دیگر بات ہے' لیکن آپ ان سے گفتگو تو ضرور کریں۔ باقی ذمے داری ہم خود قبول کر لیں گے۔"

"ٹھیک ہے' میں بات کر لوں گا۔"

"تو آج آپ کے لیے یہی ورد سرالایا تھا۔"

"اسے درد سر کہتے ہو بیٹے! میری زندگی تو تم لوگوں میں شامل ہو کر اور خوشگوار ہو گئی ہے۔ تم جتنے نیک دل انسان ہو' اس کی مثال جمشید اور عذرا کے سلسلے میں بھی ملتی ہے۔ تھوڑی سی نیکی مجھے بھی کرنے دو۔ وہ یہ کہ عذرا کو میں اپنی بیٹی کی حیثیت سے بیاہوں گا۔"

"ہم آپ کو نہیں روکیں گے نواب صاحب۔ ویسے ہم بھی اس کے لیے کچھ طے کر چکے ہیں۔ شادی کے بعد جمشید امریکا ضرور جائے گا لیکن واپس یہیں آجائے گا۔"

"بہت خوب۔ یقیناً تم نے کوئی گہری بات سوچی ہوگی۔ اب ایک بات اور بتا دو' اس سلسلے میں کب تک خیال ہے؟"

"براہ کرم اسے صرف ضرورت خیال فرمائیں۔ میں اس لیے شرمندہ ہوں کہ اس میں میرا معاملہ بھی شامل ہے۔ یہ کام دو تین روز میں ہو جانا چاہیے۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے میاں! عذرا کے معاملے میں تھوڑی سی الجھن ہے۔ بہرحال اس کے گھر چل کر اس کے والدین کو راضی کریں گے۔ بلکہ ایک تبدیلی کیوں نہ کی جائے۔"

"جی؟"

"تمہارے مشورے سے۔ اس طرح تھوڑی سی تفریح بھی بڑھ جائے گی۔ دو شادیاں یوں ہوں کہ لڑکوں کی بارات تنویر کے مکان پر جائے اور دوسرے دن جمشید کی بارات تنویر کے مکان سے یہاں آجائے اور ہم یہاں سے عذرا کو رخصت کریں۔ جمشید بہرحال تنویر کا عزیز ہے' اس کا حق بھی ہے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے' یہ بات آپ تنویر صاحب سے کر لیں۔"

"تم لوگ بھی ساتھ ہو گے۔" نواب جلال الدین بولے اور میں نے گردن ہلا دی۔

دوسرے دن میں اور طالوت نواب جلال الدین کے ساتھ تنویر صاحب کے ہاں پہنچ گئے۔ تنویر صاحب نے بڑا پرجوش استقبال کیا۔ ان کے چہرے کی ساری شکنیں مٹ گئی تھیں اور وہ بہت بشاش نظر آ رہے تھے۔

"بھئی مجھے یہ بات بہت پسند آئی۔ کوئی بھی روایتی انداز نہ اختیار کیا جائے۔ جب تک شادی نہ ہو جائے صائم میاں اسی بے تکلفی سے آتے جاتے رہیں۔"



Uploaded By Muhammad Nadeem

"تو تمہارا خیال تھا، کوئی تکلف کیا جائے گا؟" نواب صاحب بولے۔

"ہرگز نہیں۔ کیا جاتا تو مجھے افسوس ہوتا۔" تنویر صاحب بولے۔

"کچھ ضروری امور تھے۔" نواب صاحب بولے۔

"ارشاد؟"

"شادی کی تاریخ طے کرنی ہے۔"

"یہ آپ پر منحصر ہے۔" تنویر صاحب بولے۔

"بات تین تین شادیوں کی ہے، سوچ لو۔ اگر میں پندرہ دن کا وقت رکھ دوں تو۔۔۔؟"

"پندرہ دن میں تو چند رہ شادیاں ہو سکتی ہیں جلال بھائی۔ مگر یہ تین شادیاں۔۔۔؟"

"ہاں بھئی۔ تو کیا تمہاری دوسری بچی شکیلہ یونہی بیٹھی رہے گی؟"

"ہرگز نہیں۔" تنویر صاحب خلوص سے بولے۔

"میں بھی اپنے دونوں بچوں صائم اور عادل کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ میری ایک بچی بھی ہے۔ اس کی شادی بھی تم سے طے کرنا ہے۔"

"بچی؟" تنویر صاحب حیرانی سے بولے۔

"ہاں۔ تم اس کے لیے جمشید کا رشتہ لے کر آجاؤ۔ اب باپ ایسی باتیں نہیں کرتے لیکن تم بھی کیا یاد کرو گے۔"

"جلال بھائی! اللہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"جمشید تمہاری بیوی کا بھتیجا ہے، اس کے بارے میں کون سوچے گا؟"

"لیکن لڑکی۔۔۔؟"

"میری بچی ہے، رشتہ لے کر آؤ۔ تو دیکھ بھی لینا۔" نواب صاحب نے کہا۔

"میری تو عقل چکرا کر رہ گئی ہے۔"

"تب پھر اپنی بیوی سے رجوع کرو۔ بلکہ تم سے بات کرنا ہی فضول ہے۔ بلاؤ بھائی جان کو۔" نواب صاحب نے کہا اور تنویر صاحب جلدی سے اٹھ گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد بڑی ماں کمرے میں پہنچ گئیں اور نواب صاحب نے بغیر کسی تمہید کے سلسلہ شروع کر دیا۔

"بات یہ ہے بھائی جان! کہ جمشید کی بدلی ہوئی شخصیت کے تحت اس کی حیثیت ہی بدل گئی ہے، میں کچھ ناگوار باتوں کا انکشاف کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ گو اس کے لیے میں نے اجازت نہیں لی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بغیر بات آگے بڑھانا ناممکن ہو گا۔ آپ کے بھائی صاحب نے جمشید کو امریکا سے اس لیے بھیجا تھا کہ وہ آپ کی بچی کو شیشے میں اتارے، اس سے شادی کرے اور اس طرح آپ کی دولت کا مالک بن جائے۔ لیکن جمشید خصلت میں باپ سے مختلف تھا اور ایسی شکل بنا کر یہاں آیا کہ آپ اسے قبول نہ کریں اور وہ اس میں کامیاب رہا لیکن یہ صرف اس کی نیک دلی تھی۔ وہ اس طرح اپنے باپ کی ہوس پوری کرنا نہیں چاہتا تھا اور اس وقت تک، جب تک اسے اچھا ساتھ نہ ملا، وہ انہی کوششوں میں مصروف رہا۔"

نواب صاحب طویل سانس لے کر رکے اور پھر بولے "عادل اور صائم نے اس کی ذہنی الجھنیں دور کرنے میں مدد دی اور وہ پھر انسان بن گیا۔ اور اب اس بدلی ہوئی شکل کے تحت اس نے اپنے کچھ حقوق بھی پیدا کر لیے ہیں۔ اس کے لیے ایک لڑکی کا انتخاب کیا ہے اور اب میری خواہش ہے کہ آپ پھوپھی ہونے کے ناطے سے اس کی سرپرستی کر کے اس کی شادی کر دیں۔"

بڑی ماں حیرت سے منہ پھاڑے یہ سب کچھ سن رہی تھیں۔ کچھ دیر تک وہ سکتے کے عالم میں رہیں پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولیں "لیکن آپ کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا بھائی صاحب؟"

"جمشید کی زبانی۔"

"اوہ۔" بڑی ماں افسردگی سے بولیں "بھائی جان نے کبھی میرا اچھا نہ سوچا۔ کاش میرا کوئی بھائی نہیں ہوتا، حسرت تو نہ ہوتی۔ میں اس جمشید کے لیے ہی کچھ کیوں کروں، میرا اس سے کیا رشتہ؟"

"نہیں بھائی جان! اس انداز میں نہ سوچیے، بہرحال وہ آپ کا بھتیجا ہے۔۔۔"

"ارے تو بھائی جان کیوں خوش ہوں گے اس بات سے۔"

"ہم یہ ان کے لیے نہیں کر رہے ہیں، یہ صرف جمشید کے لیے کیا جا رہا ہے اور وہ اس قابل ہے۔ وہ خود بھی اپنے باپ کی حرکتوں سے نالاں ہے۔"

"سوچ لیں بھائی صاحب! بھائی جان میری جان کو نہ آجائیں۔"

"یہ سب کچھ بعد میں دیکھا جائے گا۔ ان سے بھی نمٹ لیں گے۔"

"جیسی آپ سب کی مرضی۔ لڑکی کون ہے؟"

"میری بچی۔"

"آپ کی۔۔۔؟"



"ہاں۔"

"مگر کون سی؟"

"یہ تو آپ رشتہ لے کر آئیں گی تب پتہ چلے گا۔"

"کہاں آؤں گی؟" بڑی ماں تعجب سے بولیں۔

"بھئی، میرے بچوں کے گھر، میرے گھر۔"

"اوہ آپ شکیلہ کی بات کر رہے ہیں کیا؟"

"ارے توبہ توبہ توبہ۔ وہ میری کہاں، وہ تو آپ کی بچی ہے اور اس کی شادی تو عادل میاں کے ساتھ ہو گی۔ آپ نے دراصل میری دوسری بچی کو دیکھا ہی نہیں ہے۔"

"ایمان سے، میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا۔"

"آپ کو تو اللہ سمجھائے گا یا پھر تنویر۔ بہرحال آپ کل رشتہ لے کر آ رہی ہیں؟"

"جو حکم بھائی صاحب۔" بڑی ماں نے کہا۔ وہ نواب جلال الدین کا بے حد احترام کرتی تھیں۔

"چلو بھئی، یہ مسئلہ بھی طے ہو گیا، تو کل شام چار بجے آپ ہمارے ہاں آ رہی ہیں، مع مٹھائی کے؟"

"جی، حاضر ہو جاؤں گی۔" بڑی ماں نے کہا۔

"چلیں بھئی، یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔" نواب جلال الدین نے کہا اور پھر انہوں نے تنویر صاحب سے اجازت طلب کی۔

"ایسی کیا جلدی ہے بھائی صاحب۔ بیٹھیں ابھی۔"

"جلدی تو ہے بھئی۔ تم نہیں سمجھو گے، اجازت دو۔" نواب صاحب نے کہا اور پھر وہ تنویر صاحب سے اجازت لے کر بچوں کے ساتھ وہاں سے چل پڑے۔

"جلد بازی تو نہیں ہو گئی؟" انہوں نے کہا۔

"[illegible]" طالوت بولا۔

"میرا مطلب ہے، انہیں بلا لیا ہے، جبکہ لڑکی کو ابھی تک میں نے دیکھا بھی نہیں ہے، میرا مطلب ہے عذرا کی والدہ وغیرہ تیار ہو جائیں گی؟"

"میں نے پوری طرح چیک کیا ہے جناب۔" طالوت نے کہا "آپ کی دنیا کے غریب لوگ بڑا خوددار ہوتے ہیں۔ وہ اپنے ماحول میں ہی زندگی سے جنگ کرتے ہیں۔ جبکہ بعض دولت مند مزید دولت مند بننے کے لیے اپنا سب کچھ بیچ دیتے ہیں۔ میرا خیال ہے یہ لوگ بھی مشکل ہی سے راضی ہوں گے۔"

"تمہارا خیال درست ہے بیٹے!" نواب جلال الدین نے کہا "لیکن یہ آپ کی دنیا کیا معنی رکھتی ہے؟"

"دراصل ہماری ریاست میں دوسرے اصول ہیں۔ ہمارے ہاں غریب اور امیر نہیں ہوتے۔"

"تمہاری ریاست۔ نہ جانے اسے دیکھنے کی خواہش بھی کبھی پوری ہوگی یا نہیں۔"

"میرا خیال ہے، نہیں نواب صاحب۔"

"ہاں شاید۔"

"اور اس کی وجہ آپ سمجھتے ہیں۔ وہاں کے بعض اصول بے حد احمقانہ ہیں۔ میں اس کے بارے میں آپ کو تفصیلات بتا چکا ہوں۔" طالوت نے بات بنائی۔

"خیر اب یہ بتاؤ کیا کیا جائے؟"

"میرا خیال ہے عذرا کے گھر چلیں۔"

"کیوں نہ تمہیں اور شکیلہ کو بھی ساتھ لے لیا جائے۔"

"مناسب خیال ہے۔" طالوت جھٹ سے بول پڑا اور نواب صاحب مسکرانے لگے۔ بہرحال ہم گھر واپس گئے، تمہیں، احسان اور شکیلہ کو تیار کرایا گیا اور پھر ہم عذرا کے گھر پہنچ گئے۔

دن میں عذرا سے ملاقات ہوئی تھی۔ ہم نے اس کے گھر آنے کا کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا اس لیے ہمیں اچانک دیکھ کر وہ بھونچکی رہ گئی اور پھر خوشی سے اس کا چہرہ گلنار ہو گیا۔ گھر کے بچے بچے نے مسرت بھرے انداز میں استقبال کیا تھا۔ عذرا کی والدہ بھی بے حد خوش تھیں۔

"کیا نام ہے عذرا بیٹی آپ کی امی کا؟"

"جی۔ شاہدہ۔" عذرا نے جواب دیا۔

"شاہدہ بہن! میں ان بچوں کا بزرگ ہوں۔ میری ایک چھوٹی سی ریاست ہے جلال آباد۔ اور میرا نام جلال الدین ہے۔ بات یہ ہے بہن کہ ان لڑکوں نے جگہ جگہ مجھے چوٹ دی ہے۔ یعنی انہوں نے عذرا جیسی پیاری بچی کو بہن بنا لیا ہے اور میں بوڑھا ہو گیا لیکن آج تک میری کوئی بہن نہیں بن سکی۔" نواب صاحب نے سلسلہ گفتگو شروع کیا۔

"میں تو حیران ہوں بھائی صاحب! اور یقین کریں اکثر سوچنے لگتی ہوں کہ فرشتے صرف آسمان پر نہیں رہتے۔ کبھی کبھی وہ زمین کی سیر کرنے بھی آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان بچوں کی زندگی اور بلندی میں ترقی فرمائے۔ بہت کچھ ہوتے ہوئے انہوں نے ہم ناچیزوں پر توجہ دی۔ انہوں نے تو ہماری تقدیر ہی بدل دی۔"

"نہیں نہیں۔ خدا سے توبہ کریں۔ تقدیر بدلنا صرف اس کا کام ہے۔ خوش بختی تو ہماری ہے کہ اس نے ہم گنہگاروں کو اس کا ذریعہ بنایا۔"

"درست فرمایا بھائی صاحب۔" شاہدہ نے کہا۔



Uploaded By Muhammad Nadeem

"دیکھیے آپ بار بار مجھے بھائی صاحب کہہ کر میرے تحرومی کے زخم کو تازہ کررہی ہیں۔ یہ لوگ میرے اوپر مسکرائیں گے۔" نواب صاحب بولے۔

"میں نہیں سمجھی۔ بھائی صاحب۔"

"بھئی میں ان کا چیلنج قبول کرکے ہی یہاں آیا ہوں۔ اگر یہ لوگ عذرا بٹی کو بہن بنا سکتے ہیں تو کیا شاہدہ میری بہن نہیں ہو سکتی۔"

اور اندر خاموشی چھا گئی۔ شاہدہ' نواب صاحب کے سامنے نہیں آئی تھیں اور پردے کے پیچھے سے گفتگو کررہی تھیں۔ تئی منٹ خاموشی چھائی رہی پھر شاہدہ کی سسکیاں سنائی دیں۔

"آپ غالبا رو رہی ہیں بہن۔ اور میں آپ کے سر پر ہاتھ بھی نہیں پھیر سکتا۔ آپ کو اپنے بوڑھے سینے سے بھی نہیں لگا سکتا۔"

"بھائی جان!" شاہدہ پردے کے پیچھے سے نکل آئیں اور نواب صاحب ایک قدم آگے بڑھے' پھر جھجک کر رک گئے۔

"میں ابھی آپ کے سر پر ہاتھ نہیں رکھوں گا بہن۔ اگر آپ خلوص دل سے مجھے بھائی تسلیم کرکے' خدا کو حاضر و ناظر جان کر اس کا اعلان کریں تب ہی میرے دل کی پیاس بجھے گی۔"

"اللہ آپ کو اس کا اجر دے۔ آپ نے ہم غریبوں کے سر پر ہاتھ رکھا ہے' رب العزت آپ کے سر پر رحمت کا سایہ رکھے۔"

"آپ نے مجھے بھائی جان کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا ہے۔"

"نہیں بھائی جان۔ خدا کی قسم! میرا دل کئی بار بھر گیا ہے۔ میں خدا کے حضور پیش ہو کر آپ کو خلوص دل سے بھائی تسلیم کرتی ہوں۔" شاہدہ بولیں۔

"ارے تو بھائی کے سینے سے کیوں نہیں لگ جاتیں' پگلی کہیں کی۔" نواب صاحب دونوں ہاتھ پھیلا کر بولے اور عذرا کی والدہ نواب صاحب کے سینے سے لگ گئیں۔

"سمجھے لڑکو۔ اب میں بھی بہن والا ہوں۔" نواب صاحب کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے تھے۔ ان کی آواز بھرا گئی تھی۔ بڑا رقت انگیز منظر تھا۔ سیمیں پھوپی جان کہہ کر ان سے لپٹ گئی۔

"یہ تمہاری بھتیجی ہے شاہدہ۔ اور یہ اس کا دولہا' یہ شکیلہ ہے اور یہ۔۔۔"

"ان بچوں سے تو میں مل چکی ہوں۔" شاہدہ نے کہا۔

"ارے عذرا بیٹے۔ چلو بھئی' چائے بنواؤ۔ ہم اندر بیٹھتے ہیں۔ آؤ شاہدہ!" اور نواب صاحب نہایت اپنائیت سے اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے عذرا کی ساری بہنوں کو سینے سے لگایا تھا "پھول سی بچیاں ہیں میری۔ شاہدہ بہن۔ اب کسی سلسلے میں بھائی کا دل تو نہ توڑو گی؟"

"میں آپ کی خادمہ ہوں بھائی جان!"

"جو کہوں گا' مان لو گی؟"

"حکم دیں بھائی جان۔"

"میں نے تمہیں دل و جان سے بہن کہا ہے شاہدہ۔ میرے پیار میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ ایک بھائی ہونے کے رشتے سے میں یہ کیسے برداشت کروں کہ تم یہاں رہو اور میں کہیں اور۔"

"میں نہیں سمجھی بھائی جان۔" شاہدہ حیرت سے بولیں۔

"میں تمہیں آج۔ اور ابھی یہاں سے لے جاؤں گا۔"

"کہاں؟"

"جہاں میں چاہوں۔ حق رکھتا ہوں۔"

"سر آنکھوں پر بھائی جان۔ لیکن۔ لیکن۔۔۔"

"لیکن کی گنجائش ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ بس دنیا والے۔۔۔ آپ کی عنایت۔ کیا کہوں' میں کیا کروں؟" شاہدہ بھی پریشانی سے بولیں۔

"زندگی میں پہلی بار کسی کو دل سے بہن بنایا ہے۔ دل نہ توڑو شاہدہ! خدا کی قسم! دل نہ توڑو۔" اور پھر اس کے بعد خوب ڈراما ہوا۔ نواب صاحب بھی بے حد کائیاں تھے۔ ہمارے ساتھ مل کر خوب استاد ہو گئے تھے۔ شاہدہ بھی بادل ناخواستہ تیار ہو گئیں اور پھر انتظامات ہونے میں دیر نہیں لگی۔ راسم جیسا منتظم موجود تھا۔

چنانچہ رات تک عذرا اور اس کی فیملی ہماری کوٹھی میں منتقل ہو گئی۔ سب کی سب حیران اور پریشان تھیں۔ خدا نے ایک دم وقت بدل دیا تھا۔ عذرا کے تو آنسو نہیں تھمتے تھے۔ چھوٹی بچیاں سراسیمہ تھیں۔ ایک ایک چیز سے سہمی سہمی۔ خوف زدہ۔ کہیں خواب نہ ہو جائے۔ گندی گلیوں سے ابھر کر جنت میں آ گئی تھیں لیکن سب ان کی دلجوئی میں مصروف تھے۔ نواب صاحب بچے بن گئے تھے' خوشی خوشی چاروں طرف پھر رہے تھے۔ بڑی گہما گہمی ہو گئی تھی۔ اور تو اور احسان لوگوں سے بہت خوش تھا۔ کہہ رہا تھا میں نے اتنی ساری سالیوں کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ کوٹھی کی رونق دوبالا ہو گئی تھی۔ رات کے کھانے کے بعد بڑے ہال میں محفل جمی۔ اس میں صرف بڑے بڑے شریک تھے۔ عذرا' سیمیں یا شکیلہ وغیرہ نہیں تھیں۔ ہاں احسان شامل تھا۔ تب نواب صاحب نے شادیوں کے ذکر چھیڑ دیے' کہنے لگے "میں بڑا پریشان تھا۔ اتنی اہم ذمے داریوں میں کوئی بزرگ خاتون نہیں تھیں۔ خدا نے بڑا کرم کیا کہ میری بہن یہاں آ گئی۔"

"کیسی ذمے داریاں بھائی جان؟" شاہدہ بولیں۔

"آپ دیکھ رہی ہیں بہن! دو دو بیٹے ہیں' ان کی شادیاں کرنی ہیں۔ رشتے طے ہو چکے ہیں اب بھلا میں تنہا کیا کر سکتا تھا؟"

"او' خدا مبارک کرے۔" شاہدہ بیگم نے کہا۔

"صرف مبارک باد سے کام نہیں چلے گا۔ آپ سے تو بہت ضروری گفتگو کرنی ہے۔ کیا آپ کو احساس ہے کہ ماشاء اللہ عذرا بھی شادی کے قابل ہے۔"

"ہاں بھائی صاحب! احساس تو سارے زندہ ہیں' لیکن جو حالات تھے آپ کے علم میں ہیں۔"

"اتنی پرانی باتیں چھوڑو۔ آج کی بات کرو۔"

"ہاں' اللہ نے آپ کا سہارا دیا ہے۔"

"چنانچہ اب عذرا کی شادی پندرہ دن کے اندر اندر ہو جانی چاہیے۔"

"جی۔۔۔؟" شاہدہ بیگم حیرت سے بولیں۔

"پندرہ دن کے اندر اندر۔ سمجھیں آپ؟"

"بھائی جان کا حکم سر آنکھوں پر۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے' آپ ہی بتائیں۔"

"ارے بالکل۔ وہ تو بات ہی کیا ہے۔ بس اتنا ہی وقت لگے گا' ان دونوں یعنی صائم اور ساحل کی شادیوں میں۔ یوں سمجھ لیں آپ' پہلے دو باراتیں جائیں گی اور دو دلہنیں یہاں آئیں گی' پھر ایک برات آئے گی اور بچی رخصت ہو جائے گی۔"

"میری خود بھی یہی آرزو ہے بھائی صاحب۔ بن باپ کی بچیوں کو اللہ تعالیٰ عزت سے اپنے گھر پہنچا دے تو اس کا بڑا احسان ہوگا لیکن اتنی جلدی۔ لڑکے کے بارے میں بھی تو نہیں سوچا۔"

"دیکھو بھئی شاہدہ بیگم۔ ہم تو ہتھیلی پر سرسوں جماتے ہیں۔ تم صرف ایک بات کہو۔ ہمارے اوپر اعتماد ہے؟"

"کیسی باتیں کررہے ہیں بھائی صاحب! اب تو خدا کے بعد آپ پر ہی سب سے زیادہ اعتبار ہے۔"

"بس تو بات ختم ہوئی۔ ہم جانیں اور ہمارا کام۔ آپ صرف دیکھتی رہیں۔"

"جو آپ کا حکم بھائی صاحب۔" شاہدہ بیگم نے کہا اور ہم نے سکون کی سانس لی۔ نواب صاحب نے واقعی ہتھیلی پر سرسوں جمائی تھی۔

O☆O

دوسرے دن ناشتے کی میز پر بھی ناشتے کے بعد محفل جمی رہی۔ نواب صاحب نے شاہدہ بیگم کو بقیہ کوائف بھی بتا دیے۔ انہوں نے اس مسئلے پر پوری تفصیل شاہدہ بیگم کو بتا دی تھی کہ کیا کرنا ہے اور کس طرح کرنا ہے۔ انہوں نے جمشید کے بارے میں بھی تفصیل بتائی اور کہا۔

"دوپہر کے کھانے پر میں اسے بلا رہا ہوں۔ آپ اپنی رائے سے نواز دیں' اس کے بعد ہی فیصلہ ہوگا۔ اگر لڑکا آپ کو پسند آ جائے تو مجھ سے کہہ دیں۔ شام کو اس کے ماموں ممانی آ جائیں گے۔"

"بس مجھے تو اب صرف حکم دیا کریں بھائی صاحب۔ باقی آپ جو کچھ کریں وہ ٹھیک ہے۔" شاہدہ بیگم آبدیدہ ہو گئیں "میری کیفیت تو کسی ویرانے میں تنہا کھڑے اس درخت کی مانند ہے جو صدیوں سے تیز آندھیوں کی زد میں اکیلا کھڑا تھا۔ ہوا کے جھکڑ اسے جھنجھوڑتے تو وہ امداد طلب نگاہوں سے چاروں طرف دیکھتا۔ لیکن دور دور تک کسی کو نہ پا کر سر جھکا لیتا اور ہواؤں کے زخم سہتا رہتا۔ اس کی آنکھیں بے خوابی کا شکار تھیں۔ رفتہ رفتہ اس نے اسے اپنی زندگی کا ایک حصہ سمجھ لیا تھا پھر اسے آندھیوں میں بھی نیند آنے لگی۔ وہ ان آندھیوں کا عادی ہو گیا تھا۔ ایک رات وہ سو گیا اور خوب گہری نیند سویا۔ جب آنکھ کھلی تو اسے پتہ چلا کہ آندھیاں آئی تھیں لیکن اب اس کے گرد مضبوط اور تناور درختوں کا ایک جنگل موجود ہے ان سب نے ہواؤں کو اس تک پہنچنے سے روک دیا ہے۔ درخت کو اب تو گہری نیند سونے کی آرزو ہے بھائی صاحب۔ تاکہ زندگی بھر کی تھکن دور ہو جائے۔" شاہدہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

نواب صاحب بھی آبدیدہ ہو گئے تھے "تھکن سونے سے دور نہیں ہوگی شاہدہ بہن! اب تو یوں سمجھو۔ اس درخت کے اردگرد غنچے کھل رہے ہیں' بہار آ رہی ہے' تنہائی دور ہو رہی ہے۔ جاگو۔ جاگتی رہو۔ زندگی کی مسرتوں سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کرو۔ نیند بھاگ جائے گی جاگنے کی آرزو پیدا ہوگی۔" کافی دیر تک یہ ماحول اداس رہا۔

عذرا بی کو بھی آج دفتر جانے سے روک دیا گیا تھا۔ میں اور طالوت البتہ تھوڑی دیر کے لیے گئے۔ جمشید بھی موجود تھا۔ وہ اور تصدق کسی موضوع پر گفتگو کررہے تھے۔ میں نے دونوں کو طلب کرلیا۔

"خیریت بھئی!"
"گرما گرم خبریں ہیں۔" جمشید مسکراتا ہوا بولا۔
"خیریت۔"
"میرے جاسوس نے بتایا ہے کہ آج رات چند افراد کارپٹ سینٹر کے گوداموں کو آگ لگانے کی کوشش کریں گے، ان کا باقاعدہ تقرر کیا گیا ہے۔"
"اوہ۔" میں نے دلچسپی سے کہا "تو شمشیر اب یہ کر رہا ہے۔"
"اس کی ایسی تیسی۔" طالوت بولا۔
"ہم آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ میرا خیال ہے پولیس کو خاموشی سے گوداموں پر تعینات کر دیا جائے اور رنگے ہاتھوں ان کو پکڑوا دیا جائے۔ شمشیر خود بخود روشنی میں آ جائے گا۔"
"ابھی نہیں۔ ہم مشورہ کر لیں۔" میں نے کہا اور پھر میں اور طالوت اس بارے میں گفتگو کرنے لگے۔
"میرا خیال ہے شمشیر کو بالکل تباہ کرنا مناسب نہیں ہے، البتہ اس کی ساری کوششوں کو ناکام بنا دیا جائے۔"
"ٹھیک ہے۔ وہ لوگ جو آگ لگانے آئیں گے نکل سکتے ہیں۔ وہ آگ بجھانے کا کاروبار کریں گے اور شمشیر کے دفتر کے سامنے ڈیرہ ڈال دیں گے۔ وہ گڑگڑا کر اس کے کرتوت بتائیں گے اور کسی طور وہاں سے نہیں ہٹیں گے۔ کیوں راسم! کیا یہ ناممکن ہے؟"
"ہرگز نہیں۔ یوسف عمران۔" راسم نے نمودار ہو کر کہا۔
"بس تم پوری ہوشیاری سے شمشیر کے معاملات کی نگرانی کرو۔ ہم اسے کوئی جسمانی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے لیکن اس کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہونی چاہیے۔"
"جو حکم آقا!" راسم نے کہا اور غائب ہو گیا۔
"یہی ٹھیک ہے، مجھے تم سے اتفاق ہے۔" طالوت نے کہا۔
دوپہر کے کھانے پر ہم نے جمشید کو تیار کر کے اپنے ساتھ لے لیا۔ بلاشبہ اعلیٰ تراش کے سوٹ میں ملبوس جمشید بے حد حسین نظر آ رہا تھا۔ شاہدہ بیگم اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں اور پھر دوبارہ پیار سے بولیں "ارے اپنا بچی۔ یہ تو۔ یہ تو۔" اور پھر وہ خاموش ہو گئیں۔ جمشید کے باہر چلے جانے کے بعد انہوں نے متاثر لہجے میں کہا۔
"آپ نے تو زمانے بھر کی خوشیاں میری جھولی میں ڈال دیں بھائی صاحب! یقین کریں۔ میں نے کئی بار اس بچے کے بارے میں سوچا تھا۔ میں مجھے یہ اپنی عذرا کے لیے بہت پسند تھا۔"
"بس اب آپ ان لوگوں کے استقبال کی تیاریاں کریں۔" نواب صاحب نے کہا۔
وقت مقررہ پر تنویر صاحب، بڑی ماں، کمال اور افشاں کے ساتھ آ گئے۔ شاہدہ بیگم بہرحال کسی حد تک تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ انہوں نے نہایت پرتپاک خیر مقدم کیا تھا اور پھر نہایت سلیقے کی گفتگو ہوئی اور معاملات طے ہو گئے۔
گہماگہمی کے اس وقت میں شمشیر ذہن سے نکل گیا تھا لیکن دوسرے دن اس کی فرم کے سامنے مجمع لگا ہوا تھا۔ چار خطرناک قسم کے ہیجڑے اس کے آفس کی عمارت کے سامنے متحرک رہتے تھے۔ وہ بے تکے انداز میں اسے سیدھے کوسنے دیتے رہتے تھے۔ شمشیر کے آدمیوں نے انہیں بھگانے کی کافی کوشش کی مگر وہ اب نئے انداز میں گاتے رہے۔ وہ اپنا بقیہ معاوضہ مانگ رہے تھے جو آگ لگانے کے سلسلے میں ان سے طے کیا گیا تھا۔
"اوہ۔" طالوت نے گردن ہلائی اور ہم لوگ دیکھتے ہوئے اندر چلے گئے۔
اور پھر بڑے زبردست دن گزرے۔ تینوں شادیوں کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ شکیلہ بھی اب تنویر صاحب کی کوٹھی میں چلی گئی تھی اور طالوت کسی قدر اداس ہو گیا تھا۔ میں اکثر اس کا مذاق اڑاتا رہتا تھا اور وہ پھیکے انداز میں مسکرا دیتا تھا۔
ویسے ہم نے سارے پروگرام طے کر لیے تھے۔ افشاں سے بھی کم ملاقات ہوتی تھی۔ ہماری کوٹھی میں اب سیمیں بوا، شاہدہ بیگم، عذرا اور اس کی بہنیں قیام پذیر تھیں۔ اور دن رات انتظامات میں مصروف رہتی تھیں۔ باقی سب لوگ آتے جاتے رہتے تھے۔
اور یہ شادی سے صرف چھ دن قبل کی بات ہے۔ میں اور طالوت کسی کام سے باہر گئے تھے اور ابھی واپس آئے تھے کہ تصدق اندر آ گیا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔
"ہیلو تصدق!"
"مبارک ہو جناب!" تصدق نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"خیریت؟"
"شمشیر کے دفتر میں تالا پڑ گیا۔ اس نے کاروبار بند کر دیا۔" تصدق نے مسکراتے ہوئے کہا لیکن نہ جانے کیوں ہمارے دلوں پر گھونسے سے پڑے۔ ہمارے چہرے اتر گئے۔ ہم نے عجیب سی نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا



اور پھر میں نے تصدق سے کہا۔
"ٹھیک ہے تصدق۔ جاؤ۔ ہمیں زرا بات کرنی ہے۔"
اور تصدق چلا گیا۔ اب ہم دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔ طالوت کے چہرے پر بھی تاسف تھا۔
"یہ کیا ہو گیا؟" وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔
"ہاں یار۔ اس وقت عجیب سا لگ رہا ہے حالانکہ یہی ہونا تھا۔"
"یہ صورت حال تو پسند نہیں آئی۔" طالوت پشیمان لہجے میں بولا۔
"پھر اب کیا کیا جائے؟"
"سوچو۔" طالوت نے کہا۔ اسی وقت انٹرکام پر تصدق کی آواز سنائی دی۔
"ایک خاتون ملاقات کرنا چاہتی ہیں جناب۔ برقعہ پوش ہیں۔ انہوں نے اور کچھ نہیں بتایا۔ بس ملنے کے لیے اصرار کر رہی ہیں۔"
"کون ہو سکتا ہے؟" طالوت پرخیال انداز میں بولا "بھیج دو تصدق۔" اس نے کہا اور ہم انتظار کرنے لگے۔ برقعہ پوش خاتون اندر آ گئیں اور پھر اس نے نقاب اٹھایا تو ہم ششدر رہ گئے۔ اسے پہچاننے میں دقت نہیں پیش آئی۔ شمشیر کی بیوی کو افتتاح کے موقع پر بھی دیکھا تھا لیکن اس وقت۔ سوجی ہوئی آنکھیں، اترا ہوا چہرہ، بکھرے بال۔ ہمارے دل لرز گئے۔
"صرف ایک بات پوچھنے آئی ہوں بھیا!" اس نے آہستہ سے کہا "بھائی اگر بہنوں سے اس طرح ناراض ہو جایا کریں تو بہنیں کہاں فریاد کریں؟ بھائی ناراض ضرور ہوتے مگر بہنوں کے گھر تو نہیں اجاڑتے۔"
"بیٹھو بہن!" طالوت نے کہا۔
"میں اس قابل نہیں ہوں بھیا کہ اب اس قیمتی کرسی پر بیٹھ سکوں۔"
"بیٹھو۔" طالوت نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔
"میرا شوہر سخت بیمار ہے۔ ہم مصائب میں گھر چکے ہیں۔ بہرحال بہن کی طرف سے کامیابی کی مبارک باد قبول کریں۔ ہم اب اس گھر میں بھی نہیں رہ سکیں گے، ہمارا بال بال قرض میں بندھ گیا ہے۔" وہ واپس مڑ گئی۔ ہم اسے روک بھی نہیں سکے تھے پھر جونہی اس نے دروازے کے باہر قدم رکھا، طالوت چیخ پڑا۔
"اے عارف۔ ختم کر دو یار۔ چوٹ ہو گئی۔"
"کیا کروں؟"
"بلاؤ اس قلابازکو۔ موجود ہے یا شادی کے سرور میں غرق پڑا ہے۔"
"جمشید؟"
"ہاں۔" طالوت بولا اور میں نے انٹرکام پر تصدق سے جمشید کے بارے میں پوچھا۔
"ابھی ابھی آئے ہیں جناب۔"
"بھیجو۔ جلدی۔" میں نے کہا اور چند لمحات کے بعد جمشید ہمارے سامنے موجود تھا۔ اسے ساری صورت حال بتائی گئی اور جمشید بھی سوچ میں ڈوب گیا۔
"اب سوچ بوجھ چھوڑو بھی۔ کیا ہونا چاہیے۔"
"وہ اسٹاک اس نے نہ جانے کیا کیا؟ جو ہم نے اسے فروخت کیا تھا۔"
"کیوں۔ اس کا کیا کرو گے؟" میں نے پوچھا۔
"ارے۔ وہ تو بڑی نایاب چیز ہے۔ ہم اسے منہ مانگی قیمت پر خرید سکتے ہیں اور نئے سال کے لیے اس سے آرڈر بک کر کے اسے ایک سال کی پوری رقم ایڈوانس دے سکتے ہیں۔" جمشید نے کہا اور میں اس کی شکل دیکھنے لگا۔
"خدا کی قسم۔ یہ کاروباری شیطان ہے۔ یا بھائی! کہیں اپنا یار چل نہ جائے۔ یہ کام تجھے کرنا ہے۔ جلدی کر۔"
"کل پرسوں تک ہو جائے گا جناب۔" جمشید نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا اور پھر وہ چلا گیا۔
"دماغ گھما کر رکھ دیا ہے اس شخص نے۔ ہو کم بخت مختار بنا آیا تھا۔" طالوت بولا اور میں ہنسنے لگا اور درحقیقت جمشید کا اس مسئلے میں کوئی جواب نہیں تھا۔
دوسرے ہی دن ہم نے شمشیر کی فرم کھلے دیکھی۔ پرانے اور آؤٹ آف فیشن اسٹاک نکل رہے تھے اور لڑکوں پر بار ہو رہے تھے۔ تیسرے دن شمشیر بھی نظر آیا۔ کافی لاغر ہو گیا تھا۔ بہرحال کسی حد تک سکون کی سانس لی گئی اور پھر شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اب صرف تین دن باقی رہ گئے تھے اور سخت بھاگ دوڑ کرنی پڑ رہی تھی۔
پھر وہ دن بھی آ گیا جب ہم دونوں احمق۔ پھولوں سے لدے تنویر صاحب کی کوٹھی پہنچ گئے۔ قاضی صاحب نے مقدس آیات پڑھ کر ہماری زندگی کو دائمی سکون بخش دیا۔ افشاں اور شکیلہ ہماری کوٹھی میں آ گئیں اور پھر وہ راتیں۔ چھپانے کی راتیں ہیں۔ ہم آپ کو حجلہ عروسی میں کیوں لے جائیں۔ ساری باتیں بتانے کی تو نہیں ہوتیں۔ بس ہو گا کچھ۔ خوب لطف اٹھا چکے ہیں ہماری حرکتوں سے آپ۔
ہاں دوسرے دن جمشید بھائی کی شادی تھی۔ تیتے بس

رہے تھے' خوشیاں بکھری پڑی تھیں۔ اپنی شادی میں شمشیر کو بھی مدعو کیا گیا تھا لیکن وہ نہیں آیا تھا۔ لیکن دوسرے دن جمشید کی بارات آنے کے بعد وہ آیا۔ اس کی بیوی بھی ساتھ تھی۔

اور جب اس نے نواب صاحب اور تنویر صاحب سے سلام کر کے ہاتھ ملایا تو ہم حیران رہ گئے۔ ایک بدلا ہوا انسان نظر آ رہا تھا پھر وہ ہماری طرف بھی آیا۔

"ایک ہارے ہوئے انسان کا سلام قبول کریں شہزادگان!" اس نے کہا۔

ہم نے بڑے تپاک سے اس سے مصافحہ کیا تھا۔ "شرمندہ ہوں کل حاضر نہ ہو سکا تھا۔ میری طرف سے دلی مبارک باد قبول کریں۔"

"بہت بہت شکریہ شمشیر۔ لیکن ہمیں تمہارے پہلے الفاظ پر اعتراض ہے۔"

"جس بات پر بھی اعتراض ہے اس کے لیے معافی چاہتا ہوں' سہما ہوا ہوں۔" شمشیر بولا۔

"ایسے معاف نہیں کیا جائے گا۔" طالوت بولا۔

"پھر حکم دیں۔"

"حکم نہیں۔ التجا۔ ایک بازو میں مجھے لیں' دوسرے میں عارف کو۔ اور بڑے بھائی کی حیثیت سے پیشانی چوم کر مبارک باد دیں' تب قبول کی جا سکتی ہے۔" طالوت بولا اور شمشیر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"ایک شرط پر؟" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ارشاد!"

"اسے ایک ناکام کاروباری کی خوشامد نہیں سمجھا جائے گا' بلکہ ایک ایسے انسان کا خلوص سمجھا جائے گا جسے ماضی کی حماقتوں کا احساس ہو گیا ہے۔"

"بڑے بھائی چھوٹے بھائیوں کے لیے ہمیشہ فراخ دل ہوتے ہیں۔ یہ کہہ کر ہمیں شرمندہ کیا جا سکے۔" اور شمشیر ہم دونوں سے لپٹ گیا۔

"خدا کی قسم۔ خدا کی قسم! مجھے اپنی حماقتوں کا احساس ہے' بس اور کچھ نہ کہوں گا۔"

"ہماری طرف سے جو گستاخیاں ہوئی ہیں انہیں معاف کر دیں شمشیر بھائی۔"

"نہیں۔ قصور وار میں ہی ہوں۔" شمشیر کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ تبھی قاضی صاحب آ گئے اور جمشید کی ناک میں رسی ڈال دی گئی۔

شمشیر اور اس کی بیوی کو کسی طور جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ اس سے نواب صاحب نے درخواست کی تھی کہ تین دن تک یہیں رہے۔ یوں یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا۔

اور پھر دن عید تھے اور راتیں پٹاخوں والی شب برات۔ ایسے حسین دن اور راتوں کا تصور بھی نہیں کیا گیا تھا۔ یہ سب کچھ ہو گیا تھا لیکن بڑی ماں کسی قدر پریشان تھیں۔ انہیں اپنے بھائی کا خیال تھا۔ ظاہر ہے وہ بے حد ناراض ہوں گے۔

پروگرام طے ہونے لگے اور پھر ایک بات پر اتفاق ہو گیا۔ طے کیا گیا کہ جمشید ہماری فرم کے نمائندے کی حیثیت سے امریکا جائے۔ اس کے ساتھ اس کی غریب بیوی عذرا بھی ہو۔ وہ بالکل قلاش انسان کی حیثیت سے جائے اور اس کے بعد اپنے والدین کا رد عمل دیکھے۔

یہ بات طے ہوئی اور شادی کے ٹھیک دس دن کے بعد جمشید اور عذرا امریکا روانہ ہو گئے۔ نواب صاحب بھی جانے کے لیے پر تول رہے تھے' چنانچہ انہیں بھی اجازت مل گئی۔ شمشیر نے دوبارہ اپنا کاروبار شروع کر دیا لیکن اب اسے ہماری فرم کا پورا تعاون حاصل تھا۔ ہم نے کئی بڑے بڑے ٹھیکے اس کے سپرد کر دیے اور اسے مال بھی سپلائی کیا لیکن یہ سب کچھ اس انداز میں کیا گیا کہ اسے ہمارے کسی احسان کا احساس نہ ہو۔

طالوت بھی بہت خوش تھا۔ بس کبھی کبھی وہ آنے والے چاند کی باتیں کرتا تھا۔ اس بار وہ شکیلہ کو ساتھ لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ نواب صاحب بھی چلے گئے البتہ تینوں بیبیاں رہ گئی تھیں۔ نواب صاحب کے ساتھ صرف احسان گیا تھا لیکن کوٹھی کی رونقیں عروج پر تھیں۔ افشاں اور شکیلہ' ان دونوں نے اسے نہ جانے کیا بنا دیا تھا۔

اور پھر چاند ڈوبنے کی رات آ گئی۔ سرسری طور پر ذکر کر دیا گیا تھا کہ عادل بھائی اپنی دلہن کو لے کر اپنے گھر جا رہے ہیں لیکن اسے رخصت کرنے کے لیے کسی اہتمام کو منع کر دیا گیا تھا۔

"اچھا دوست! میری کامیابی کی دعا کرنا۔" طالوت نے مجھ سے کہا اور میں نے بڑے خلوص سے اسے رخصت کیا۔ اب کوٹھی میں افشاں تھی اور میں۔ تینوں بیبیاں بھی یہاں بہت خوش تھیں۔ عذرا کی بہنیں بھی کوٹھی کی رونق تھیں۔ شاہدہ بیگم ایک بزرگ کی حیثیت سے کوٹھی کا پورا انتظام سنبھالے ہوئے تھیں اور دن رات ہمیں دعائیں دیتی رہتی تھیں۔

یوں حشمت برادرز کا ایک کلرک' نہ جانے کہاں سے



کہاں پہنچ گیا تھا۔ زرینہ کی بے وفائی نے اس کی تقدیر بدل دی تھی۔ آج بھی جب میں اپنے بارے میں سوچتا ہوں تو خود کو ایک افسانہ نظر آتا ہوں۔ طالوت کی واپسی کا وقت آ رہا تھا اور میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ نہ جانے اس بے چارے کے ساتھ کیا بیتی۔ اور پھر چاند نکل آیا لیکن طالوت واپس نہ آیا۔

اپنی بے چینی کو افشاں پر بھی ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ افشاں کو میں نے دل کا ہر راز سونپ دیا تھا لیکن طالوت کے بارے میں کچھ بتانا ناممکن تھا۔ اس کے لیے میں نے خود کو معاف کر دیا تھا اور اس بات کو ہمیشہ ذہن میں رکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ طالوت کو گئے ہوئے پانچواں دن تھا اور اب کہیں میرا دل نہیں لگتا تھا۔ یہاں تک کہ افشاں کی گود میں بھی اکثر طالوت کے بارے میں سوچنے لگتا تھا لیکن کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ بہت سی پریشانیاں منہ کھول کر کھڑی ہوئی تھیں۔

چھٹا' ساتواں اور آٹھواں دن بھی گزر گیا۔ افشاں بھی اب میری پریشانیاں بھانپ رہی تھی۔ بہرحال وہ خود بھی طالوت کے لیے فکر مند تھی۔

اور نویں دن میں آفس میں تھا کہ اچانک طالوت دروازے سے اندر داخل ہوا۔ میں دوڑ کر اس سے لپٹ گیا تھا۔ طالوت میری پشت تھپکنے لگا لیکن اس کے چہرے پر پھیکا پن نظر آ رہا تھا۔

"خوب ہنی مون منایا بے ایمان۔ یہاں میں پاگل ہو گیا تھا۔"

"نہیں یار۔ گڑبڑ ہو گئی ہے۔" طالوت سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"کیا ہوا طالوت؟ شکیلہ کہاں ہے؟"

"اسے وہیں چھوڑ آیا ہوں۔"

"ارے۔ خیریت؟"

"والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔" طالوت نے بتایا اور میں سکتے میں رہ گیا۔ کئی منٹ تک میرے منہ سے آواز نہ نکل سکی۔ بمشکل حواس قائم ہوئے اور میں نے تاسف سے پوچھا۔

"کب؟ کیسے؟"

"بیمار تو پہلے بھی تھے لیکن اس حد تک احساس نہیں تھا۔ جس دن میں وہاں پہنچا اسی دن صبح کو انتقال ہوا تھا۔"

"میں تمہارے دکھ میں برابر کا شریک ہوں طالوت! اور کیا کہوں؟"

"یار بڑی الجھنیں پیش آ گئیں۔ یوں تو ہر زندگی کی انتہا موت ہے لیکن بہرحال وہ میرے باپ تھے اور ان کی موجودگی میں' میں نے کوئی ذمے داری کبھی نہیں محسوس کی۔"

"یقیناً طالوت! میں مانتا ہوں۔"

"اب میرے قبیلے کے لوگ مجھے بادشاہ بنانا چاہتے ہیں۔ ان کی بات نہیں مانوں گا تو بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔"

"اوہ!" میں نے پریشانی سے کہا۔

"سنجیدگی سے تمہارے مشورے کی ضرورت ہے عارف۔ یہ حالات کبھی پیش نہیں آئے تھے' جو اس وقت ہیں اور تمہارا مشورہ ہی میرے لیے راستے کا تعین کرے گا۔"

"ایک بات بتاؤ طالوت۔ اگر تم وہاں جا کر ذمے داریاں سنبھال لو گے تو کیا تمہارا رابطہ ہم سے بالکل ختم ہو جائے گا؟"

"نہیں میرے دوست۔ ہرگز نہیں۔ میں نے بھی اس موضوع پر بہت کچھ سوچا ہے۔ میں وہاں ایک ایسا علاقہ تعمیر کروں گا جو ہماری بیان کردہ پہاڑی ریاست کا نمونہ ہو گا اور وہاں پہنچ تم لوگوں کو بھی دعوت دیا کروں گا۔"

"ہمارے بغیر وہاں تمہارا دل لگ جائے گا؟"

"یہی تو سب سے مشکل کام ہو گا۔"

"لیکن ذمے داریاں طالوت؟"

"ہاں۔" طالوت نے ٹھنڈی سانس لی "ان کا احساس ضروری ہے۔"

"تب طالوت' تمہیں خود میں تھوڑی سی تبدیلیاں کرنا ہوں گی۔ میرا مشورہ ہے کہ تم اپنے خاندان اپنے قبیلے کی ذمے داریاں ضرور پوری کرو۔"

"یہی مناسب ہے عارف!"

"میں خود کو یہاں تنہا محسوس کروں گا طالوت۔"

"میں خود بھی' لیکن یہ کیسی انوکھی بات ہے کہ اس وقت ہم بھٹکنے والوں میں نہیں ہیں' بلکہ یوں لگتا ہے جیسے ایک جانے بوجھے پروگرام کے تحت یہ سب کچھ ہوا ہو۔ اب تم بھی سیٹ ہو اور میں بھی اور ہمارے ساتھی بھی موجود ہیں۔"

"ہاں!"

"ویسے جب بھی مجھے طلب کرو گے' چشم زدن میں موجود ہوں گا۔"

"یہی اچھی بات ہے۔"

"اس کے علاوہ میں چند لوگوں کو تمہاری خدمت کے لیے مامور کر دوں گا۔ وہ میرے لوگ ہوں گے اور وہ سب کچھ ہو جائے گا جو تم چاہو گے۔"

"میں تمہاری محبت سے سرشار ہوں طالوت!"
"تو پھر یہ بات طے ہو گئی؟"
"ہاں!"
"اب مسئلہ دوسرے لوگوں کا ہے۔"
"وہ بھی مشکل نہیں ہوگا۔"
"یعنی؟"
"ہم انہیں حقیقت بتا دیں گے۔"
"اوہ! لیکن ۔۔۔"
"سیدھی بات ہے طالوت۔ اب تم اپنی ریاست کا نظام سنبھالو گے' میں یہیں رہوں گا۔"
"ہاں۔ باقی تفصیل میں جانے کی کیا ضرورت ہے۔"
"جا بھی نہیں سکتے۔"
"پھر یار' بلاوجہ فکر مند تھے ہم لوگ' سوائے اس کے کہ تھوڑی سی جدائی برداشت کرنا پڑے گی اور کیا تبدیلی ہوگی۔"
"کچھ نہیں۔"
"بس اب میں مطمئن ہو گیا۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سب سے پہلی اطلاع تنویر صاحب کو دی گئی تھی اور تھوڑی دیر میں سب کو بھی پہنچ گئے۔ ہم بھی کوٹھی ہی چلے گئے تھے۔ تنویر صاحب نے تعزیت کی اور اس بات پر مجبوری ظاہر کی کہ وہ نہ پہنچ سکیں گے۔
"ایک اور بری اطلاع بھی ہے تنویر صاحب!" میں نے کہا۔
"اوہ! خدا کے لیے ساری بری اطلاعات ایک ساتھ نہ دو۔"
"سننا ضروری ہے۔ عادل اب ہمارے ساتھ نہیں رہیں گے۔"
"کیا مطلب؟"
"ریاست کے امور اب انہیں سنبھالنا ہوں گے۔"

"ارے۔" تنویر صاحب افسوس ناک انداز میں بولے۔
"مجبوری ہے لیکن بہرحال مقررہ دن عادل ہمارے ساتھ گزارا کریں گے۔" میں نے کہا اور تنویر صاحب ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئے۔
"انتظامات سنبھالنے کے بعد میں بہت جلد آپ لوگوں کو ریاست کی سیر کی دعوت دوں گا۔ بہرحال ان کی دلچسپیوں کو' آپ کی عنایات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔" طالوت نے کہا۔

شام تک وہ ہمارے ساتھ رہا اور پھر اس نے واپسی کی اجازت مانگی۔ میرے دل میں خلا سا محسوس ہو رہا تھا لیکن بہرحال طالوت کی علیحدگی کسی شدید انداز میں نہیں ہوئی تھی۔ میں اس سے دور رہ کر بھی دور نہیں تھا۔ طالوت چلا گیا اور پھر وہ ہر جمعرات کی رات کو آنے لگا۔ کبھی کبھی وہ دن میں بھی آ جاتا اور شکیلہ اس کے ساتھ ہوتی۔ وہ ہمارے لیے بے شمار انوکھے تحائف لاتا جن کا دنیا میں کوئی وجود نہیں تھا۔

تین ماہ کے اندر کچھ تبدیلیاں ہوئیں۔ مثلاً رشید بھیا واپس آ گئے تھے۔ ان کے والد نے انہیں اپنی منقولہ و غیر منقولہ جائداد سے عاق کر دیا تھا۔ اپنی قلاش' بیوی کو لے کر وہ سیدھے گھر واپس آ گئے تھے لیکن امریکا سے ایک بہت بڑا بزنس لائے تھے۔

اس کے علاوہ نواب جلال الدین کی کوٹھی اب ہماری کوٹھی کے بالکل برابر ہے اور رات کا کھانا انہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہم سب شدت سے جمعرات کا انتظار کرتے رہتے ہیں جب طالوت آتا ہے اور ہمارے اس گل کدے میں قہقہے بکھر جاتے ہیں۔

(ختم شد)

○☆○

www.urdukorner.com